اے شمعِ کوئے جاناں
عشنا کوثر سردار

”گفتنی ناگفتنی“

سیفؔ انداز بیاں رنگ بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں کوئی بات، نئی بات نہیں

بہت کچھ کہنا ہے آپ سے، بہت سی باتیں ہیں...... بہت سی ناگفتنی، گفتنی کرنی ہے اپنے بارے میں، ”اے شمع کوئے جاناں!“ کے بارے میں۔ لیکن سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا...... کیا کہوں...... کیسے کہوں...... سارے الفاظ جیسے کہیں کھو سے گئے ہیں۔

1993ء میں جنگ ڈائجسٹ (روزنامہ جنگ) سے ادبی کیریئر کا آغاز کرنے والی عشنا کوثر سردار کی زندگی میں ”اے شمع کوئے جاناں!“ ایک سنگِ میل ہے۔ سفر کا ایک خوبصورت ترین موڑ ہے۔ جب لکھنا شروع کیا تو زبان و بیان پر اس قدر دسترس نہ تھی۔ اسکولنگ ہو رہی تھی...... بس شوق تھا اِک...... لگن تھی کوئی...... وہ عمر جب بچے کھلونوں سے کھیلتے ہیں اور داستانیں سننے سے شغف رکھتے ہیں، میں نے وہ عرصہ کہانیاں کہنے کے لئے چنا...... اور اب جب شعور بیدار ہوا ہے تو اس سارے عرصے کی کچھ دُھندلی اور کچھ واضح شباہتیں میری نظروں کے سامنے ہیں۔ کچھ پختہ...... کچھ غیر پختہ...... کچھ کچا...... کچھ پکا...... مگر یہ سفر چلتا رہا...... رُکا نہیں...... تھما نہیں......

ہر انسان کی زندگی میں اک Peak point آتا ہے، ایک ٹرننگ پوائنٹ آتا ہے۔ اور ”اے شمع کوئے جاناں“ عشنا کوثر سردار کی ادبی زندگی کا ایک ایسا ہی موڑ ہے۔ مسلسل 37 مہینوں تک ماہنامہ ”آنچل“ میں بے انتہا کامیابی سے شائع ہونے والا یہ وہ ناول ہے جس نے میرے لکھے کو مستند کر دیا۔ اس سے قبل بھی مجھے میری تحریروں پر سراہا گیا۔ مگر جو شہرت، جو مقبولیت ”اے شمع کوئے جاناں!“ کو ملی وہ ناقابل بیان ہے۔ اس کے لئے میں شکر گزار ہوں اپنے خدا کی...... اپنے والدین کی...... اپنے تمام پڑھنے والوں کی اور سب سے بڑھ کر ماہنامہ ”آنچل“ کی...... ”آنچل“ کا اور میرا ساتھ 1994ء سے ہے اور آج [illegible] سفر کو [illegible]

برس گزر چکے ہیں...... ''آنچل'' نے مجھے شناخت دی...... واضح پہچان دی۔ نام دیا۔ مرتبہ دیا اور ادبی طور پر معروف کر دیا۔ میری اچھی یا بری...... کمزور یا مضبوط...... ہر تحریر کو آنچل نے اپنے دامن میں سمیٹا اور مجھے ایک حلقہ پڑھنے والا سونپا۔ آج اگر قارئین ہاتھ میں میگزین لئے بے قراری سے عشنا کوثر سردار کی تحریروں کو پڑھتے ہیں، سراہتے ہیں تو اس میں ماہنامہ آنچل، فرحت آراء آپا (ایڈیٹر ماہنامہ آنچل) اور مشتاق انکل پیش پیش ہیں.... میں ان سب کی شکر گزار ہوں۔ ساتھ ہی یہ بھی سمجھتی ہوں کہ ''اے شمع کوئے جاناں!'' کی کامیابی اور حد درجہ مقبولیت کا تمام تر کریڈٹ ماہنامہ ''آنچل'' ہی کے سر ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی جانتی ہوں کہ ۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

سو ''اے شمع کوئے جاناں!'' کو کامیابی کا آغاز جانتے ہوئے بہت سی مزید کامیابیوں کی خواہاں ہوں اور دُعا گو ہوں...... خدا مجھے وہ مقام و مرتبہ عطا کرے جس کا خواب میری آنکھوں میں ہے۔

''اے شمع کوئے جاناں!'' کیا ہے۔ یہ زندگی سے قریب ترین ایک ناول ہے۔ کوئی افسانوی کتھا نہیں ہے، کوئی خیالی بات نہیں ہے۔ اس میں جیتے جاگتے ایسے حقیقت سے قریب ترین کردار ہیں جنہیں ہماری نگاہ با آسانی اپنے اردگرد تلاش کر سکتی ہے۔ وہ کردار جنہیں میں نے دیکھا، جنہیں میں نے محسوس کیا۔ وہ کہانی ہے جو حقیقت سے قریب تر ہے۔ اس ناول کے کردار عام معاشرے کے لوگ ہیں جن کی عادات و اطوار، حالات و واقعات، شخصیات سب عام ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان میں کوئی نہ کوئی چونکا دینے والی بات ہے۔ کوئی بھی کردار ''ایکسٹرا اورڈینیری'' یا ''سپر فائن'' نہیں۔ یہ کردار عام ہیں۔ جو کچھ میں نے مشاہدہ کیا، جو کچھ میری نگاہ نے دیکھا، زمانے میں، معاشرے میں، اسے اپنے زاویۂ نظر سے تحریر کر دیا۔ وہی Conceive کیا جو Observe کیا۔ مگر یہ ہے کہ یہ جدید زمانے کی تحریر ہے جس میں فطری جدیدیت پائی جاتی ہے۔ وہی فطری جدیدیت جو آج کے نوجوانوں کی فکر میں، سوچ میں پائی جاتی ہے۔

میرا موضوع عام کردار ہیں۔ مگر معاشرے کے ان عام کرداروں میں کوئی نہ کوئی خاص بات ایسی نکل ہی آتی ہے جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ نمایاں کرتی ہے۔ یہ جدیدیت فقط زمانے کی نہیں، سوچ کی ہے...... عملی اقدامات کی ہے۔ ''اے شمع کوئی جاناں!'' کوئی ''انقلاب نامہ'' ہرگز نہیں۔ نہ ہی اس میں کسی نئے نظریئے کی پیش بندی کی گئی ہے۔ یہ

کہانی عبارت ہے رشتوں سے...... قدیم اور جدید نسل کے سنگم سے...... محبت سے...... رشتوں کے فطری بندھن سے۔

ایک وقت تھا جب خواتین رائٹرز کا نام رومانوی ناولز کے لئے مخصوص سمجھا جاتا تھا۔ مگر آج کا دور بہت مختلف ہے۔ کیونکہ آج کی لڑکی کی نگاہ بہت پُر وسعت ہے۔ وہ ستاروں سے آگے جہاں اور بھی دیکھنے کی خواہش رکھتی ہے...... اہلیت رکھتی ہے۔ اسے فقط ستاروں کی باتیں کر کے نہیں بہلایا جا سکتا۔ اس کی سوچ، اندازِ فکر میں ایک گہرائی ہے، سمندر سی۔ نظر میں وسعت ہے آسمان سی۔ وہ سارا آسمان دیکھنا چاہتی ہے اور دیکھتی ہے۔ ''اے شمع کوئے جاناں!'' ایک لڑکی کے قلم کی تحریر ہے مگر اس میں مردوں کے کردار بڑے پختہ اور واضح ہیں اور پڑھنے والے کے ذہن پر ایک خاص impact چھوڑتے ہیں۔ نسوانی کردار خاص رنگ رکھتے ہیں۔ جدید زمانے میں سانس لینے کے باوجود جدید دور کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کے باوجود حسن کی سوچ بڑی ہی فطری اور رہی ہے۔ جو جینا چاہتی ہے، اپنے نسوانی وقار کے ساتھ، اپنی انا اور تشخص کے ساتھ اور محبت کے ساتھ...... جو اپنے حقوق سے، اپنے وقار سے آگاہ ہے۔ کہانی ہے ایسے خاندان کی جو گندھا ہوا ہے محبت سے...... ایسے افراد کی جو اپنے آپ سے باہر نکل کر سوچتے ہیں کسی اور کے لئے...... مخلص ہیں کسی اور کے لئے اپنے آپ سے بڑھ کر...... جو خود غرض نہیں...... منافق نہیں...... جھوٹے نہیں۔ ایسے کردار شاید معاشرے میں بہت تھوڑے ہوں مگر ہیں ضرور...... جو اپنی اقدار، اپنی روایات کا پاس کرتے ہیں۔ جو جیتے ہیں اُمنگ کے ساتھ، ترنگ کے ساتھ۔ اپنے لئے اور سب سے بڑھ کر دوسروں کے لئے...... محبت کے لئے...... محبت کے ساتھ...... محبت اس ناول کا خاص نقطہ ہے۔ اس ناول کا کُل بھی ''محبت'' ہے اور ''جزو'' بھی۔ ہر رشتہ، ہر تعلق محبت کے گرد اپنے حصار باندھے ہوئے ہے۔ یا یوں کہیں کہ تمام کرداروں کے اندر محبت بولتی ہے۔ چاہے وہ ایک باپ کا کردار ہو یا ایک ماں کا کردار...... بہن کا ہو یا بھائی کا...... یا پھر فطری محبت کا کوئی رنگ۔ ''اے شمع کوئے جاناں!'' کا کوئی رشتہ محبت سے خالی نہیں۔ جو فلیور محبت کے ہیں، جو ذائقے پیار کے ہیں، وہ تمام [illegible] رشتوں میں بندھے کرداروں میں ہیں۔ محبت سچ ہے...... سراسر نور...... اس میں جھوٹ نہیں۔ آسمان سے اترا ہوا سچ ہے یہ۔ اور تمام کردار اس کی خصوصیات کا عکس واضح انداز [illegible] اپنے اندر رکھتے ہیں۔

ہر کردار اِک دُوجے سے مختلف ضرور ہے...... مگر اِک ڈور ہے جو ان کو اِک دُوجے کے سنگ باندھے ہوئے ہے۔ ایک خاص بات ہے جو انہیں اِک دُوجے کا پابند بنائے

ہوئے ہے۔ یہی محبت ہے..... جو کہ ہر رشتے کی، ہر تعلق کی بنیاد ہے۔ اور ''اے شمع کوئے جاناں!'' کے ہر کردار میں محبت بولتی ہے۔ بھید کھولتی ہے۔ اور آپ بھی یقیناً اس بھید کو پانا چاہیں گے۔

میں چاہوں گی آپ پڑھیں تو کرداروں کو ان کے فطری رنگوں کے ساتھ قبول کریں۔

عشنا کوثر سردار
8 نومبر 2003ء

کافی دیر سے وہ مسلسل ایک ہی منظر دیکھ رہی تھی۔ دل تھا کہ سینے میں دھڑکے جا رہا تھا۔ دھڑکنیں معمول سے ہٹی ہوئی تھیں۔ اتنا زور تھا اندر کہ اس کے کانوں کو تیز سمندر کا شور بھی سنائی نہ دے رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا ابھی دل پھٹے گا اور سینے سے باہر آ جائے گا۔ وہ اپنی سوچ کو کسی اور سمت لے جانا چاہ رہی تھی۔ دھیان ہٹانا چاہ رہی تھی۔ تمام مناظر سے آنکھیں بند کرنا چاہ رہی تھی۔ تبھی وہ تیز تیز چلتے ہوئے اس ہجوم سے نکل رہی تھی۔ تنہا ویران راستوں پر چلنا کتنا دُشوار ہوتا ہے کہ کوئی خیال، کوئی گلاب ساتھ نہ ہو۔ کوئی احساس، کوئی آواز ساتھ نہ ہو۔

اور تبھی جیسے اس کی سماعتوں میں بھاری لہجے کی سرگوشیاں گونجنے لگی تھیں۔

گہری، نیلے سمندر سے بھی گہری محبت ہوتی ہے۔

یہ اتنی زیادہ گہری ہوتی ہے۔

اگر یہی ہو تو.....

میں تم سے محبت کروں گا راستے کے اختتام تک

آل دی وے..... (آل دی وے)

گہری۔

فرینک سناترا کا گیت اور خوشبو کا لہجہ۔

سی شیل کے ساحل پر ایک ہلچل سی تھی۔ وہ سب ہنس رہے تھے، انجوائے کر رہے تھے اور نک اس پر پانی اچھال رہا تھا، جسیکا اسے لہروں کی سمت کھینچ رہی تھی۔ پیٹر، برائن اور کیتھی بھی اسے پانی میں لے جانے پر بضد تھے اور اسے کس قدر خوف آ رہا تھا پانی سے۔

''لیو می، لیو می، پلیز۔'' وہ پُر وحشت انداز میں بولی تھی اور پھر سرپٹ دوڑ لگا دی تھی اور خشکی پر آ کر ہی دم لیا تھا اور وہ تمام لوگ کس طرح ہنس رہے تھے۔ اس کی حماقت پر جیسے محظوظ ہو رہے تھے۔

''بے بی، لٹ اس انجوائے۔'' برائن نے اسے دور سے ہی دیکھتے ہوئے نعرہ لگایا تھا مگر

اس نے سنی ان سنی کر دی تھی اور وہ بھاگنے لگی۔ تیز، بہت تیز۔

گہری، نیلے سمندر سے بھی گہری محبت ہوتی ہے...... یہ اتنی زیادہ گہری ہوتی ہے۔

اگر سچی ہو تو۔

میں تم سے محبت کروں گا...... راستے کے اختتام تک۔

آل دی وے۔

وہ خوشبو کا لہجہ پھر سماعتوں میں گونجنے لگا۔ آوازیں تعاقب کرنے لگیں اور اس سے بھی زیادہ گہری سبز سمندر آنکھیں۔ اس کے حواس جیسے جواب دینے لگے۔

محبت ہوتی ہے
محبت ہوتی ہے
ایک ہی بازگشت
ایک ہی سرگوشی
اور وہ بھاگتی چلی گئی

سر جھٹکتی ہوئی نفی میں سر ہلانے لگی مگر اندر سے شور ابھرنے لگا۔

محبت بے قراری
محبت اضطراب
محبت حصار کا موسم
محبت خمار کا موسم
محبت کے سبھی رنگ
سبھی ڈھنگ نرالے
محبت نغمگی، محبت گیت
محبت برسات کا موسم
محبت مضطرب دل کا اک دلسوز سا قصہ
محبت یقین، محبت گمان
محبت اعتبار کا موسم
محبت اظہار کا موسم
محبت پیار کا موسم

”سنو، تمہیں محبت پر یقین ہے؟“ جسیکا کی آواز ابھری تھی اور وہ سبز سمندر آنکھیں اس

کے چہرے کا طواف کرنے لگی تھیں اور وہ یکدم ہی نفی میں گردن ہلانے لگی تھی۔

”نہیں۔“

”کیا تمہیں محبت پر یقین نہیں؟“ کیتھی کی آنکھیں جیسے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ اس نے نگاہ اٹھا کر ان سبز سمندر آنکھوں کو اِک نظر دیکھا تھا۔

محبت ہوتی ہے، محبت ہوتی ہے۔ ایک ہی سرگوشی، ایک ہی ضد، ایک ہی تکرار۔

اور وہ یکدم نفی میں سر ہلانے لگی۔ یہ دیکھے بغیر کہ اُن سبز سمندر آنکھوں میں یکدم ہی سکوت چھا گیا تھا۔

سمندر، جیسے صحرا بنتے کو تھا۔

مگر وہ ہٹ دھرم۔ ضدی لہجے میں بولی تھی۔

”ہاں، نہیں ہے۔“ بلا ارادہ ہی اس کی نظریں ان سبز سمندر آنکھوں سے ٹکرا گئی تھیں اور اندر جیسے ایک شور سا ابھرنے لگا تھا۔

اور وہ بھاگتی چلی گئی اور بھی تیز۔

بہت تیز۔

اپنے خیالوں سے لڑتی۔

سوچوں کو جھٹکتی۔

مگر اِک اِک خیال تعاقب میں تھا۔

اور وہ بھاگتی جا رہی تھی۔

پتہ نہیں اور وہ کتنا بھاگتی کہ یکدم ایک پہاڑ سے وجود سے ٹکرا گئی۔ وہ گر جاتی اگر اسے مقابل کھڑا شخص تھام کر سہارا نہ دیتا۔ وہ بے حد چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”خاتون! کوئی پیچھا کر رہا ہے آپ کا جو یوں سرپٹ دوڑ رہی ہیں آپ؟“ اور وہ بنا سوچے سمجھے نفی میں سر ہلانے لگی۔ پھر پلٹ کر یونہی نگاہ کی، کتنی دور نکل آئی تھی وہ۔

تمام خوف بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ اس نے کب کی رُکی ہوئی گہری سانس خارج کی تھی۔

”آر یو آل رائٹ؟“ اس کے چہرے کے اڑے ہوئے رنگ کو دیکھ کر وہ پوچھنے لگا تھا۔

”ہاں ہاں، ہاں۔“ وہ یقین دلانے کو بولتی چلی گئی۔

”کیا آپ خود کو غیر محفوظ محسوس کر رہی ہیں؟“

وہ اس کے حواس باختہ انداز پر بولا تو اس نے پلٹ کر دیکھتے ہوئے پھر نفی میں سر ہلانا شروع کر دیا۔ تبھی وہ دوبارہ بولا۔

''خوفزدہ ہو؟''

''نن......نہیں۔'' وہ بولی۔ تبھی یکدم اس کی نگاہ اس لمبے چوڑے وجود سے ہٹ کر اسی شخص پر جا ٹھہری تھی۔ جانے وہ کون تھا۔ اسے لگا تھا کہ جیسے وہ اس کے تعاقب میں تھا۔ وہ اس سے دور بھاگ جانا چاہتی تھی۔ وہ کتنے کم فاصلے پر تھا اور......اب۔

فرار کے جیسے سارے راستے مسدود ہو گئے تھے۔

وہ نوجوان کے قریب سے ہٹ جانا چاہ رہی تھی مگر وہ اسی کی فکر میں تھا۔

''آپ پریشان ہیں؟ اینی پرابلم؟''

اور وہ کوئی جواب دیئے بغیر پھر اسی طرف، اسی رخ پر دیکھنے لگی۔ تبھی اسی لمحے وہ نوجوان بھی پلٹ کر اسی سمت دیکھنے لگا۔

اور وہی لمحہ تھا۔

ایک سنسنی خیز گھڑی۔

خوف کی حدوں کو چھوتی ہوئی۔

ایک سنسناتی ہوئی گولی آئی اور وہ چیخ کر اسے دور ہٹانا چاہتی تھی تو جانے کیوں اس گھڑی جیسے اس کی تمام ہمتیں جواب دے گئی تھیں۔ گولی اس نوجوان کے داہنے بازو میں گھستی چلی گئی تھی۔ اسی ایک لمحے میں بلا ارادہ ہی اس نے اس کے مضبوط وجود کو تھام کر جیسے پیچھے دھکا دینا چاہا تھا۔ مگر وہ اتنا مضبوط تھا کہ وہ ایسا کر گزرنے میں یکسر ناکام رہی تھی۔ وار کرنے والے نے ایک وار خالی جاتے دیکھ کر دوسرا وار کیا تھا اور اس نے محسوس کیا تھا اس اجنبی نوجوان نے جست کی جست میں اسے اپنی مضبوط پناہ میں لے لیا تھا۔ گولی اس کے شانے سے آر پار ہو گئی تھی اور اسی لمحے مژگان نے ہذیانی انداز میں چیخنا شروع کر دیا تھا۔ وہ مضبوط وجود، وہ لمبا چوڑا شخص خون میں نہا گیا تھا۔ اس نے اس کے لڑکھڑاتے وجود کو تھامنا چاہا مگر وہ زمین پر آ رہا تھا۔ مژگان نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہاں اب کوئی نہ تھا۔ حملہ کرنے والا غائب ہو چکا تھا۔

✿......✿

''سیو، اے سیو۔'' بے بے نے اسے کوئی بیسویں بار آواز دی تھی اور وہ جو سن بھی رہی تھی آنکھیں اور زور سے میچ کر ان سنی کر گئی تھی۔

''لے، اب کیا یونہی پڑی رہے گی۔ دیکھ دن کتنا چڑھ آیا ہے۔ ہزاروں کم (کام) کرنے والے پڑے ہیں۔ اب اٹھے گی بھی یا نہیں؟'' بے بے نے اس کو کسلمندی سے پڑے دیکھ کر

پھر کہا۔ تبھی چاچا بولا۔

''جنت بی بی! سونے دے کاکی کو۔ یہی عمر ہوتی ہے بے فکری کی۔''

''لے پلا (بھلا) کل نوں اس کو سسرال نہیں بھیجنا جیسے۔'' بے بے نے توے پر روٹی ڈالتے ہوئے وہیں سے جواب دیا۔ ''لوگ کوستے ماں کو ہیں کہ بے چجی (بے سلیقہ) تھی۔ کچھ سکھا کر نہیں بھیجا۔ باپ کا نام کوئی نہیں لیتا۔ وہاں سارے لاڈ پیار دھرے رہ جاتے ہیں۔ لوگ اِک اِک کام میں سو سو کیڑے نکالتے ہیں۔ عقلمند سے عقلمند بھی کڑی (لڑکی) ہو تو ناک میں دم کر دیتے ہیں اگلے۔ تیری دھی رانی کو تو ڈھنگ سے ایک کام بھی نہیں آتا۔ خود سے ہل کر پانی پینا تک کٹھن ہوتا ہے۔''

بے بے نے پوری کتھا سنا ڈالی تو چاچا اس کی طرف دیکھنے لگا جو آنکھوں پر ہاتھ دھرے سو رہی تھی۔ چہرے پر ایک معصومیت سی تھی۔ فطری پن تھا۔

''بچی ہے ابھی جنتے۔ آپ ہی سیکھ لے گی سب کجھ (سب کچھ)''

''تجھے اور تیرے پتر کو تو بس اسی کی محبت کا بخار چڑھا ہوا ہے۔ کوئی بریائی (برائی) نظر ہی نہیں آتی۔'' بے بے نے کہہ کر پھونکنی سے چولہے میں آگ کو دہکانے کی کوشش کی۔

''لے، ایک ہی تو ہماری دھی ہے۔ اب اس کے نخرے بھی نہ دیکھیں، لاڈ نہ اٹھائیں۔'' چاچے نے مسکراتے ہوئے کہا تو بے بے جل کر رہ گئیں۔

''لے، اور لوگوں کی تو جیسے سو سو دھیاں ہوتی ہیں۔ کہتے ہیں بیٹیوں کو بُہتا (زیادہ) سر پر نہیں چڑھانا چاہئے۔'' بے بے نے بول کر پھر سیو کی طرف دیکھا۔

''سیو، نی سیو! اٹھ جا اب۔''

''اگلے گھر چلی گئی تو فیر (پھر) کیا کرے گی۔ پھر کسے آوازیں دے گی؟'' چاچے نے ناشتے کے لئے پیڑھی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''بیٹیوں کو جتنا مرضی پیار کر لو اکبر کے چاچا! مگر ہوتی تو پرایا دھن ہی ہیں۔ اِک نا اِک دن انہیں اگے تو ٹورنا ہی ہوتا ہے نا (ایک نہ ایک دن انہیں وداع تو کرنا ہی ہوتا ہے نا)'' بے بے نے روٹی کی چنگیر چاچے کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ ''اور پھر میری بہو ہو گی نا۔ سارے کام چٹکیوں میں کر دیا کرے گی؟''

''جنت بی بی! ایک بات عقل میں رکھ لے۔ بیٹیاں، بیٹیاں ہی ہوتی ہیں۔'' چاچے نے بیٹی کی طرف نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ تبھی اکبر چھت سے نیچے اترا۔

''کیا باتیں ہو رہی ہیں بھئی؟''

"تیری بے بے، سیو سے ناخوش ہے۔" چاچے نے بتایا۔
"ہونا بھی چاہئے۔ یہ تنگ ہی اتنا کرتی ہے۔" اور وہ جو کب سے ان سب کی باتیں سن رہی تھی، یکدم آنکھیں کھول کر دیکھنے لگی۔
"ہاں، بہت بری لگتی ہوں نا سب کو۔"
"لے بھئی تو، تو سو رہی تھی۔" اکبر بھائی نے اسے چھیڑا تو وہ پراندے کو لپیٹتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"چنی سر پر لے۔ چاچا اور ویر سر پر ہیں۔" بے بے نے پھر ٹوکا تو وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بکل مار کے اٹھ کر چارپائی سے نیچے اتر آئی۔
"میرے آنے تک سارے کام نمٹا لینا۔ مجھے آج واپسی میں دیر ہو جائے گی۔ پھر جیونو کی طرف بھی چکر لگانا ہے۔ کل سے بلا رہی ہے وہ۔ پتہ نہیں کیا کام ہے۔" بے بے نے اسے نلکے کے پاس جاتے دیکھ کر ایک نئی ہدایت جاری کی تو اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

✿......✿

ایک دشوار گزار مرحلے کے بعد وہ اسے آپریشن تھیٹر میں پہنچانے کے قابل ہوئی تھی۔ پولیس ہمیشہ کی طرح تاخیر سے پہنچی تھی اور ڈاکٹرز ان کی آمد سے قبل اس طرف نگاہ کرنے سے بھی گریز کر رہے تھے اور وہ جو ہمیشہ ایک منظم ماحول کو دیکھنے کی عادی رہی تھی، یہاں کراچی کی صورتحال کو دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔
کیسی بے حسی تھی۔ انسان کو انسان کی فکر نہ تھی۔ انسانی جان کی جیسے کوئی وقعت نہ تھی۔
جہاں وہ پلی بڑھی تھی، وہاں تو جانوروں کو بھی رائٹس حاصل تھے اور یہاں ہیومن رائٹس کی ہی کھلی خلاف ورزیاں ہوتی تھیں۔
انسان کس قدر سستا ہے یہاں۔
کتنا بے وقعت۔
اس نے فون کر کے زینب بی بی اور گرینی کو اطلاع دی۔ وہ بہرام کو ساتھ لے کر آ رہی تھیں۔ یہاں پولیس اس سے عجیب عجیب طرح کے سوالات پوچھ رہی تھی جن کا جواب اس کے پاس قطعی نہیں تھا۔
"بی بی! کچھ تو پتہ ہوگا۔ آخر شکل تو دیکھی ہوگی آپ نے؟"
"ہاں دیکھی تھی۔ مگر میں اسے کسی طرح بھی ڈھونڈ کر آپ کے سامنے کھڑا نہیں کر سکتی۔ یہ انتہائی مشکل ہے میرے لئے۔" اس نے جل کر کہا تھا۔

"دیکھیں بی بی! آپ کو تعاون کرنا ہوگا۔ ورنہ یوں تو کچھ بھی پتہ نہیں چلے گا۔ قاتلانہ حملہ ہوا ہے، کوئی مذاق کی بات نہیں ہے۔ مشکل پھر آپ کے لئے ہوگی۔ ہم تو اپنی ڈیوٹی کر رہے ہیں۔ کچھ نہیں بتائیں گی تو ہم بھی دو چار چکر ہسپتال کے لگانے کے بعد فائل بند کر دیں گے۔" پولیس انسپکٹر نے صاف گوئی سے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔
"دیکھئے مجھے کچھ بھی علم نہیں۔"
"کسی سے دشمنی تو ہوگی آپ کی؟"
"نہیں۔ میں کچھ ہی عرصہ پہلے انگلینڈ سے آئی ہوں۔ یہاں تو زیادہ لوگوں کو جانتی بھی نہیں۔" اس نے بادل نخواستہ جواب دیا۔
"اس نوجوان سے آپ کی کیا رشتے داری ہے؟" مونچھوں کو بل دیتے ہوئے انسپکٹر صاحب گویا ہوئے تو وہ زچ ہوگئی۔
"آپ کو پچھلے ایک گھنٹے سے میں یہی بتانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ میں اسے بالکل نہیں جانتی۔ یہ محض اتفاق ہے کہ وہ میرے سامنے آ گیا۔"
اور انسپکٹر کو جیسے یقین نہ آیا۔
"بی بی! یہ تو کوئی فلمی سین لگتا ہے۔ اچانک ہیرو، ہیروئن کی جان بچانے کے لئے گولی کے سامنے آ جائے۔" اس نے مسکراتے ہوئے مزید کہا تو وہ کھول کر رہ گئی۔
"وہاٹ دی ہل اٹ از؟"
"بی بی! انویسٹی گیشن ہے یہ۔"
"دیکھئے، میں بہت پریشان ہوں۔ آپ مجھے مزید پریشان مت کیجئے۔ مجھے نہیں معلوم یہ انویسٹی گیشن کا کون سا طریقہ ہے۔ مگر میں مزید آپ کے کسی سوال کا قطعی جواب نہیں دوں گی۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا میں نے آپ کو بتا دیا۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔" اس نے قطعی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا تو انسپکٹر اسے دیکھتے ہوئے ہٹ گیا۔ اس نے سر دونوں ہاتھوں پر گرا دیا اور آنکھوں سے جانے کیوں پانی بہنے لگا۔ تبھی بہرام کے ساتھ گرینی اور زینب بی بی اندر داخل ہوئیں۔ وہ فوراً اٹھ کر گرینی سے جا لپٹی۔
"صبر، میری بچی صبر۔" زینب بی بی نے اسے دلاسا دیا۔ گرینی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں مگر وہ روتی چلی گئی۔
"بی بریو مائی چائلڈ، ڈونٹ وری، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"
"تمہیں منع بھی کیا تھا کہ بہرام کو ساتھ لئے بغیر کہیں مت جانا مگر تم بھی کسی کی نہیں

مانتیں۔'' زینب بی بی نے ڈپٹا۔ تبھی گریجی پوچھنے لگیں۔

''کیسا ہے اب وہ نوجوان؟''

اس نے جواب میں آپریشن تھیٹر کی طرف اشارہ کر دیا۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ گاڈ سب ٹھیک کرے گا۔'' گریجی نے اسے دلاسا دیا۔

تبھی آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر باہر نکلا۔

''سب ٹھیک ہے۔ فکر کی بات نہیں۔ گولیاں نکال دی گئی ہیں مگر خون زیادہ بہہ جانے کے باعث فی الحال اسے آئی سی یو میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ آپ اس کے پیرنٹس کو اطلاع کر دیجئے۔'' ڈاکٹر کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

''تھینک گاڈ۔'' اس نے کب کی رُکی ہوئی سانس خارج کی۔ تبھی زینب بی بی نے کہا۔

''اب اطلاع کہاں کریں؟''

اور تب مژگان کی عقل کام آ گئی۔ اس کی جیبوں سے جو چیزیں برآمد ہوئی تھیں ان میں سے یقیناً اس کا پتہ مل سکتا تھا۔ تبھی وہ کاؤنٹر کی جانب دوڑی تھی۔

''رہبان شاہ عالم۔'' اس نے اس کے شناختی کارڈ کو بغور دیکھا۔

تمہارے کئے کا کیا انعام دوں۔ کس طرح شکریہ ادا کروں، ایک یکسر اجنبی ہوتے ہوئے تم نے میرے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ کیا کہوں تمہیں، فرشتہ یا انسان؟ انسان اتنے بلند کہاں ہوتے ہیں۔ حرص و طمع، لالچ کی اس دنیا میں اتنے سچے انسان کہاں ملتے ہیں جو فقط انسانیت کی خاطر اپنا آپ داؤ پر لگا دیں۔ جان گنوانا آسان تو نہیں ہوتا۔ نہ یہ اتنی بے وقعت ہوتی ہے کہ اسے یونہی کسی راہ چلتے پر قربان کر دیا جائے۔ اس دنیا میں تو لوگ اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ کوئی اپنا بھی مر رہا ہو تو منہ میں پانی کے دو چار قطرے بھی نہیں ڈالتے۔ پھر تم کیونکر انسان سے فرشتہ بن گئے۔ اس دنیا میں جہاں آدمی کو بھی انسان ہونا میسر نہیں وہاں تم انسانیت کی معراج کو چھو گئے۔

کیسے اتاروں گی میں تمہارا یہ قرض؟

یہ احسان کہ اس کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ جو تم نے کیا وہ بے لوث ہے۔ مگر میں کیسے خود کو معاف کرتی اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو۔ میں تو تمہارا نام تک نہیں جانتی تھی۔ پھر کیسے کرے کوئی تمیز دوست اور دشمن میں کہ بعض اوقات دوست بھی دشمن بن جاتے ہیں اور بعض اوقات یکسر اجنبی اپنے۔

اور جانے وہ کون تھا جو گھات میں تھا۔ اس کی تو کسی سے کوئی دشمنی نہ تھی۔ پھر کون اسے

مارنے کے درپے تھا۔ کیوں اس کی جان لینے کو تیار تھا۔

وہ سوچ رہی تھی جب اس کی پشت پر بہرام آن کھڑا ہوا۔ ''بی بی صاحبہ! اطلاع کر دی ہے۔ وہ اس کے ایک دوست کا ایڈریس تھا۔ وہ پہنچ رہا ہے جلد ہی۔ شناختی کارڈ پر درج پتہ آپ دیکھ چکی ہیں یہاں کا نہیں ہے اور اطلاع فوری دینا تھی۔''

''او کے ٹھیک ہے۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اور کوئی حکم بی بی صاحبہ؟'' وہ اسی مودب انداز میں بولا تو وہ دیکھنے لگی۔

''او کے۔ مگر اس وقت ضروری ہے کہ تم میرے پاس موجود رہو۔'' وہ بولی تو وہ قدرے فاصلے پر ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور وہ مزید کچھ نہ بول سکی۔ نرس نے آ کر اطلاع دی کہ نوجوان کو ہوش آ گیا ہے اور اسے آئی سی یو وارڈ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ وہ تیزی سے وارڈ کی طرف دوڑ رہی تھی۔

❁......❁
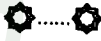
کیسے کھولیں
ہم خوابوں سے کٹ کر آنکھیں کیسے کھولیں
کیسے بولیں
بانجھ صداؤں کے موسم میں
کیسے ہاتھ اٹھائیں ہم مفلوج شکستہ بازوؤں والے
کیسے ہاتھ اٹھائیں
ہم جو یہ بھی جانتے ہیں کہ
کتنی کاٹ ہے سروں پہ اُگے ہوئے سانپوں کے زہروں میں
کیسے ڈھونڈیں
اور ہم کیسے کھوج لگائیں
کہاں، کہاں پر کون ہے کس کی گھاتوں میں
ان راتوں میں
اب تو اپنا ہاتھ خود اپنے ہاتھ تھامتے ڈر لگتا ہے
اور اس ڈر میں
کیسے ممکن ہے کہ چل دیں
پل پل ڈستے رت جگوں کی ہم سفری میں

آرزوؤں کو روگ لگاتی اس نگری میں
اندیشوں کے غول میں گھرے ہوئے لوگوں کی
بس لے دے کے خواب پناہیں، خواب سہارا
آپ ہی بولیں
ہم خوابوں سے کٹ کر آنکھیں کیسے کھولیں؟

اور خوابوں کی حقیقت کچھ بھی نہ سہی مگر یہ ایک حسین دھوکا ہے۔ زندگی کے ویران صحرا میں سراب، کہ جو مسافر کو خوش فہمی یا غلط فہمی میں مبتلا رکھ کر سفر کے لئے مائل کرتے ہیں، مائل رکھتے ہیں اور مسافر چلتا چلا جاتا ہے، جھوٹ ہی سہی، کوئی شے ملتی ہے جو باعث سفر تو ہوتی ہے دھوکا ہی سہی، فریب ہی سہی، مگر زندگی کو اِک راہ تو ملتی ہے۔

منزل نہ سہی، نشانِ منزل ہی سہی کچھ نظر تو آتا ہے
خواب، فریب سہی، سراب سہی
مگر خواب سہارے بھی تو ہیں
امید کے دیے بھی تو ہیں
آس کے جگنو بھی تو ہیں

عمر کا کوئی بھی حصہ ہو، خواب ہمارے ساتھ ہوتے ہیں کسی ہم سفر کی طرح ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے، سنگ سنگ چلتے رہتے ہیں۔

اور ان کی جگہ کچھ نئے خواب، کچھ نئے رنگ لے لیتے ہیں۔ شاید ہم خواب پرونے کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ اس کے سوا اب ہمیں کوئی کام ڈھنگ سے کرنا ہی نہیں آتا۔ خود کو دھوکا دینے کے لئے ہی سہی، فریب ہی سہی۔ مگر پھر اسی راہ پر چل پڑتے ہیں۔ وہی نگر آباد کرتے ہیں۔ وہی جزیرہ بناتے ہیں جو خوشبوؤں سے لبریز ہے، رنگوں کا، نور کا ہالہ ہے۔ مگر درحقیقت کچھ بھی نہیں۔ مگر یہ بھی ہے کہ یہ امید بھی ہے، سہارا بھی ہے۔ تو خوش فہمی ہی سہی، کچھ جینے کا جواز تو ہے۔

کچھ جستجو تو ہے۔

دھوکا ہی سہی، کھانے میں کیا حرج ہے۔ زندگی میں جینے کا ایک مقصد تو ہے۔ ہاں خوابوں کو ایک نشانِ منزل بھی کہا جا سکتا ہے جو انسان کو جینے پر مجبور کرتے ہیں۔ اگر خواب نہ ہوں زندگی میں، تو شاید کہیں کوئی رنگ نہ ہو، خوشبو نہ ہو۔

اور کچھ بے درد ایسے بھی ہوتے ہیں جو بے انتہا حقیقت پسند ہوتے ہیں۔ ان کا المیہ یہ

ہوتا ہے کہ وہ خوابوں میں رہنا تو کجا اس نگر کی ہوا سے بھی بچتے ہیں۔ ان کی آنکھیں خواب دیکھنے پر بھی قادر نہیں ہوتیں اور بے بسی کی کیسی حد ہوتی ہے یہ کہ آپ چاہیں بھی تو کوئی خوش فہمی نہ پال سکیں۔

کوئی امید، کوئی آس، کوئی سہارا، کوئی ستارہ۔
کوئی رنگ، کوئی خوشبو۔
کچھ بھی نہ ہو۔
کہیں کچھ بھی نہیں۔
تو اس صورت میں جینا کس قدر محال ہوتا ہے۔
اُف مژگان نے آنکھیں زور سے میچیں۔
بے بسی کی آخری حد۔ انتہا۔
حقیقت پسند ہونا بھی کتنا بڑا عذاب ہے۔

وہ یونہی کھڑکی اندھیرے میں گھورے جا رہی تھی جب اچانک کھٹکا ہوا۔ وہ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

''تم سوئی نہیں اب تک؟'' زینب بی بی کھڑی پوچھ رہی تھیں۔ وہ کھڑکی سے ہٹ آئی اور ایزی چیئر پر بیٹھ گئی۔ تبھی زینب بی بی قریب آ گئیں۔

''کیا ہوا۔ پریشان ہے کچھ؟''

''نہیں اماں! بس ایسے ہی نیند نہیں آ رہی۔''

انہوں نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ''خیر تو ہے نا میری رانی؟''

''اماں! بس یونہی دل نہیں لگ رہا۔''

''بابا سائیں یاد آ رہے ہیں؟''

تبھی وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ ''ہاں یاد تو آتی ہی ہے۔ کبھی زیادہ، کبھی کم، کبھی شدت سے، کبھی سرسری سی۔ یاد تو آتی ہی ہے۔''

''کیا ہوا، کہاں کھو گئی تو؟'' زینب بی بی نے اسے یکدم جھنجوڑ کر کسی خواب سے بیدار کر دیا۔

''یونہی سوچ رہی تھی۔ گرینی کو گئے کتنے دن ہو گئے۔ واپس نہیں لوٹی اب تک۔'' اس نے بروقت بات بنائی۔ گرینی اپنی بھانجی کی عیادت کو لاہور گئی ہوئی تھیں۔

''فون کر کے معلوم کر لے نا۔'' انہوں نے مشورہ دیا اور تبھی اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر سوچتے ہوئے بولی۔

''اماں! ایک بات سچ سچ بتائیں، آپ یہاں میرے ساتھ یہاں رہتے ہوئے تنگ تو نہیں آ گئیں؟''

''ارے کیسی باتیں کرتی ہے تو بچی۔ کوئی اپنی اولاد سے بھی تنگ آوے ہے کبھی؟'' انہوں نے خفگی سے اس کی طرف دیکھا تو وہ دھیمے انداز میں مسکرا دی۔

''کیسی الٹی سیدھی باتیں آتی رہتی ہیں تیرے دماغ میں بھی۔ سید رئیس نواز سومرو نے مجھے جس دن تیرے ساتھ کیا تھا، میں نے اپنی زندگی اسی دن سے تیرے لئے وقف کر دی تھی۔ یہ سعادت ہے میری کہ سید رئیس نواز سومرو کی پیدائش بھی میرے ہی ہاتھوں ہوئی تھی اور اس نے تیری دیکھ بھال کے لئے بھی مجھے ہی چنا۔ ماں کہتا ہے وہ مجھے۔ تو کیا بیٹے کی اولاد بوجھ ہووے ہے کبھی؟ پشت پشت کی نمک خواری ایک طرف، مگر یہ تو محبتوں کا قرض ہے جو مجھے سید خاندان سے ملیں۔'' ان کی آنکھوں میں پانی تیر گیا۔

''اماں! میں تو یونہی کہہ رہی تھی۔ آپ تو بس۔'' اس نے اٹھ کر ان کے گلے میں بازو حمائل کر دیئے۔ ''آپ جانتی ہیں میں کس قدر خوش نصیب ہوں۔ میری پرورش دو انتہائی محبت کرنے والی خوبصورت ماؤں نے کی ہے۔ بے مثال ماؤں نے۔ جن کی محبتوں کا قرض میں تاحیات نہیں اتار سکتی۔''

''اول فول مت سوچا کر۔ کوئی قرض نہیں ہے۔ ماں بھی کہتی ہے اور قرض کی بات بھی کرتی ہے۔'' انہوں نے دھیرے سے اس کے سر پر چپت لگائی تو وہ ہنس پڑی۔

زینب بی بی نے اس کے صبیح چہرے کو تکا۔

پھیلی ہوئی سیاہ آنکھیں، تیکھی ناک، گداز ہونٹ، سونے جیسی دہکی رنگت، چہرے پر پھیلی ایک معصومیت، دراز بال جو بے ترتیبی سے بکھرے پڑے تھے۔ ایک دو لٹیں چہرے پر جھول رہی تھیں۔ زینب بی بی نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے سے وہ شریر لٹیں ہٹائیں۔ چاند چہرہ، ستارہ آنکھیں، وہی نقش، وہی رنگ۔ نظروں میں یکدم ایک اور چہرہ اتر آیا۔

''کیا ہوا اماں؟'' وہ ان کی محویت پر چونک گئی۔

''کچھ نہیں۔ خدا نظر بد سے بچائے میری بچی کو۔ چاند ہے تو۔''

وہ دھیرے سے ہنس پڑی۔

''آپ ماں کی نظر سے دیکھتی ہیں نا اور ہر ماں کو اپنے بچے خوبصورت نظر آتے ہیں۔''

''تمہیں بھی تو اپنی مائیں خوبصورت نظر آتی ہیں۔'' زینب بی بی نے جواباً کہا تو وہ کھلکھلا

کر ہنس پڑی۔

❁……❁

''ہائے بے بے! بچا مجھے۔'' وہ تیزی سے بھاگتی ہوئی آئی اور اماں کے پیچھے پناہ ڈھونڈی۔ اکبر نے اسے مضبوط پناہ میں دبکے دیکھ کر کھا جانے والے انداز میں اسے گھورا۔

''سیو کی بچی! تو باہر نکل ایک دفعہ۔ تیرا کچومر نہ بنا دیا تو فیر کہنا۔''

اس نے اسے جواب میں منہ چڑایا تو وہ مزید بپھر گیا۔ لپک کر آگے بڑھا تو وہ چیخ مارتی ہوئی بے بے سے لپٹ گئی۔

''آئے ہائے، کیا ہو گیا ہے۔ کیوں پیچھے پڑ گیا ہے بچی کے؟ اِکو اِک نکی سی تو بہن ہے تیری اور تو ہر ویلے اسی کو ڈانٹنے ڈپٹنے میں لگا رہتا ہے۔''

''بے بے! سمجھا کر رکھا کر اسے۔ وڈی ہو گئی ہے اب یہ۔ بار (باہر) نہ نکلا کرے اب یہ۔ کتنی واری (باری) منع کیا ہے میں نے اسے۔ مگر اثر ہو تب نا۔''

''ہلاہ (اچھا) تو جا، میں منع کرلوں گی آپے اسے۔ چھوٹی سی تو ہے۔ پیار سے سمجھاؤ گے تو باز آ جائے گی۔ پین (بہن) کو مارتے ہوئے شرم نہیں آتی تجھے۔ جا کام کر اپنا جا کر۔ چاچے کو تیرے پتہ لگ گیا نا کہ تو ہاتھ اٹھاتا ہے اس پر تو چھڈے گا نئیں (نہیں) تجھے۔ جا کام کر جا کر۔''

اس نے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ایک نظر بے بے کے پیچھے دبکی شرارت سے مسکراتی سیو کو دیکھا اور پھر چہرے پر ہاتھ پھیرتا ہوا کہ پھر دیکھوں گا کہہ کر باہر نکل گیا۔ بے بے نے اس کے جانے کے بعد اسے کان سے پکڑ کر اپنے سامنے کیا۔

''بے بے! ہائے بے بے! آستہ (آہستہ) ہولی پھڑ (پکڑ) نا۔'' اس نے بچوں کی طرح منہ بسورا تو بے بے کو ہنسی آ گئی۔

''اب نکی نئیں رہی تو۔ ویر ٹھیک کہتا ہے تیرا۔ گل مانا کر اس دی۔''

''بے بے! او تھے ہور وی بہت سی سہیلیاں تھیں میری۔ اِکو اِک میں ای تو نہیں تھی۔''

''ان کی گل ہور اے۔ تیرے ویر کو جب نئیں پسند تے۔''

''بے بے! ویرے کو تو کجھ وی اچھا نہیں لگتا۔ میرا کھیتوں میں گھومنا، سکھیوں سے کھیڈنا، کنوئیں پر جانا، کجھ وی اچھا نہیں لگتا۔''

''پتر! ویر ہے وہ تیرا۔ جب منع کرتا ہے تو تجھے ماننا چاہئے اس دی۔'' اماں نے اس کی چوٹی کو ایک نظر دیکھا پھر آگے بٹھا کر اس کی دراز چوٹی کے بل کھولنے لگیں۔

''دیکھ ذرا، کتنے دنوں سے سر میں کنگھا نہیں پھیرا اور بال بھی کتنے خشک اور رُکھے (رُوکھے) ہیں۔ پیڑ نہیں ہوں گے تو ہور کیا ہوگا۔''

''بے بے! آہستہ۔'' اس نے ایک دفعہ پھر احتجاج کیا۔

''جا کر تیل پھڑ کے لا۔''

وہ اُٹھی اور انگیٹھی سے تیل کی شیشی اٹھا کر واپس بے بے کے آگے آ بیٹھی۔

''بے بے! پنڈ میں میلہ لگ رہا ہے۔'' اس نے اماں کی محبت دیکھ کر فوراً مطلب کی بات کی۔

''تے فیر؟''

''تے فیر بے بے! مجھے وی جانا ہے۔ میری ساری سہیلیاں سکھیاں جائیں گی۔''

''ہلاہ (اچھا) اپنے چاچے (باپ) سے پوچھ لینا۔''

''وہ نہیں مانے گا۔'' چاچے کی طبیعت اکھڑ سے کم تھوڑا تھی۔ وہ جانتی تھی تبھی بولی۔

''وقت آئے گا تو من جائے گا۔'' بے بے نے ٹالا۔

''نہیں، تو خود گل کرے گی چاچے سے اس دے متعلق۔''

بے بے نے ڈھیر سارا تیل اس کے سر میں انڈیل کر مساج شروع کر دیا۔

''بے بے! آہستہ کرنا۔'' وہ منمنائی۔

''اتنی وڈی ہوگئی مگر آپ سے چوٹی کرنی نہ آئے گی تجھے۔''

''تو جو ہے کرنے کو۔'' اس نے کہا اور پھر اپنی مطلب کی بات پر آئی۔ ''بے بے! تو گل کرے گی نا؟''

''ہلاہ، وقت ملا تو کروں گی۔''

''بے بے! میں نیا جوڑا بھی لوں گی، چوڑیاں بھی، نئی جُتی بھی۔''

''ہاں، چاچے کی تیرے ملیں چل رہی ہیں نا۔ کارخانوں کے مالک ہیں نا ہم۔'' بے بے نے کنگھی پھیر کر چوٹی باندھنا شروع کی۔

''بے بے، بے بے! میری ساری سکھیاں نئے جوڑے پہنیں گی۔ ایسے میں، میں پرانے کپڑوں میں کنی بری لگوں گی نا؟''

''اچھا اچھا، لے لینا۔ ابھی سے ہتھیلی پر سرسوں مت جما۔''

''بے بے! کل تو حویلی جائے گی؟''

''ہاں۔''

''تو میرے لئے وہاں سے چھوٹی بی بی سے کجل (کاجل) ضرور لانا۔''

''لے، اب میں تیرے لئے چھوٹی بی بی سے کجل مانگتی پھروں گی۔''

بے بے نے پراندے کو آخری گرہ لگائی۔ ''بے بے! میرے لئے۔'' اس نے منت کی۔

''اچھا ویکھوں گی۔ (دیکھوں گی)''

''نہیں ضرور، ضرور۔'' اس نے ضد کی۔

''تجھے پتا ہے تیرے ویر کو یہ سب پسند نہیں۔ کڑیوں کو اس عمر میں سجنا سنورنا نہیں چاہئے۔''

''کیوں، کیا ہوتا ہے بھلا؟ وہ زیبو کی بے بے تو کچھ نہیں کہتی۔ وہ تو کہتی ہے یہی عمر ہوتی ہے سجنے سنورنے کی۔'' اس نے ایک اہم اطلاع دی۔

''اُس کا دماغ تو خراب ہے۔ رحمتے سے ملوں گی تو بات کروں گی، بچیوں کو کیسی اُلٹی اُلٹی پٹیاں پڑھا رہی ہے۔''

''یہ اُلٹی پٹیاں تو نہیں ہیں۔''

''اچھا چپ کر تو۔ زیادہ وڈی وڈی باتیں مت کیا کر۔''

''خود ہی کہتی ہو میں وڈی ہوگئی ہوں اور جب کوئی بات کروں تو کہتی ہو وڈی ہوگئی ہوں۔''

اس نے اپنی دانست میں بڑی بات کی۔ مگر بے بے نے ایک چپت اس کے سر پر ماری۔

''چل چپ کر اور اٹھ کر ہانڈی روٹی کا کچھ کر۔ چاچا تیرا آنے والا ہے۔''

''تو کہاں جا رہی ہے؟'' اس نے بے بے کو چپل پہنتے دیکھ کر پوچھا۔

''وہ برکتے ٹھیک نہیں ہے، میں اس کی خیر خبر لے کر ابھی آتی ہوں۔ تو میرے آنے تک ہانڈی روٹی کر لے۔''

''چھیتی (جلدی) آ جانا۔ ورنہ مجھے ڈر لگے گا۔''

''لے، ڈرنا کیسا۔ تیرا اپنا کار (گھر) ہے۔ اتنی وڈی ہوگئی پر بچپنا نہ گیا تیرا۔'' وہ بولتی ہوئی چادر کی بکل مار کر دروازے کی سمت بڑھیں۔ ''بوا بند کر لے۔'' (دروازہ بند کر لے)

وہ بے بے کے پیچھے پیچھے آئی اور پھر دروازہ بند کر کے باورچی خانے میں چلی آئی جو کچھ ہی دن قبل بے بے نے بارشوں سے بچنے کے لئے چکنی مٹی اور توڑی (بوسا) سے اپنے ہاتھوں تیار کیا تھا۔

✿......✿
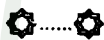
''چل اٹھ جا اب سیو۔ اے سیو!'' بے بے نے صبح کی پو پھوٹتے ہی کوئی دسویں بار اسے پکارا تھا۔ ''اُٹھ دیکھ، بکریوں کو چارا بھی ڈالنا ہے ابھی۔ تیرے چاچے اور ویر کو چا پانی بھی کر

کے دینا ہے۔ (تمہارے باپ کو اور بھائی کو ناشتہ بھی تیار کر کے دینا ہے) اُٹھ چھیتی، دیر نہ کر۔ (اٹھ جلدی، دیر نہ کر) اُٹھ، تیرے چاچے کو کھیتوں میں جانا ہے۔ فصل بھی پک چکی ہے۔ کٹائی ہونے کو ہے۔ دیر سے پہنچو تو منشی سو سو باتیں سناتا ہے۔ اور پھر اُدھر حویلی میں بھی ڈھیروں ڈھیر کام ہیں۔ چھوٹی بی بی کو شہر سے کچھ لوگ ویکھنے (دیکھنے) آ رہے ہیں۔ کڑی بھی تو سنا ہے سنا۔ مجاجنی اور رجھ کے سوہنی۔ کوئی شہزادہ ہی بیاہنے آئے گا نا۔ (لڑکی بھی تو خوبصورت ہے، نخرے والی اور بے حد خوبصورت۔ کوئی شہزادہ ہی بیاہنے آئے گا نا)''

بے بے اُسے اٹھانے کے ساتھ ہی جلدی جلدی دیگر تفصیلات کے ساتھ کنال میں آٹا بھی گوندھے جا رہی تھیں۔

اس کے کان میں ایک ایک آواز برابر پہنچ رہی تھی اور تب وہ کھیس ایک طرف ہٹا کر اٹھ بیٹھی تھی۔

''لے، ابھی تو صرف چھ وجے (بجے) ہیں۔'' اس نے سامنے کچی دیوار پر لٹکتی ہوئی گھڑی کو دیکھا جو پچھلے دنوں ہی اکبر شہر سے لایا تھا۔

''لو کر لو گل۔ سورج سوا نیزے پر ہوگا تب اٹھے گی کیا؟ ساری دنیا اٹھ چکی۔ سارے چرند پرند جاگ گئے اور تجھے سونے کی پڑی ہے۔''

وہ اٹھی اور چلتی ہوئی صحن میں لگے نلکے کے قریب جا رُکی۔ ''چرند پرند جاگے ہیں نا۔ انسان تو نہیں۔ اسی وقت تو مزے کی نیند آتی ہے۔'' اس نے ہینڈ پمپ چلانا شروع کیا اور چھپاک چھپاک منہ پر چھینٹے مارنے لگی۔

''کیوں، رات بھر کیا تو کھیتوں میں ہل چلاتی رہی ہے یا پھر فصلوں کو پانی دیتی رہی ہے؟'' بے بے نے درشت لہجے میں پوچھا اور اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ سو چپ چاپ منہ پر چھینٹے مارتی چلی گئی۔

''سیو! بس کر، اب اتنا پانی ضائع کرے گی تو اوپر جا کر اس کا حساب بھی دینا پڑے گا۔''

''لو، اب میں منہ بھی نہ دھوؤں۔ ہر شے کا حساب دینا ضروری ہے کیا؟ میں اپنے حصے کا پانی استعمال کر رہی ہوں۔'' وہ نلکا بند کر کے دوپٹے سے منہ پونچھتی ہوئی بے بے کی طرف چلی آئی جو آٹا گوندھ کر فارغ ہو چکی تھیں اور اب نلکی سے پھونکیں مار مار کر لکڑیوں سے آگ دہکانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

''ہٹو، میں کرتی ہوں۔ تو چھت پر جا کر ویر کو جگا۔ فیر (پھر) دیر ہوگئی تو جان کو آ جائے گا۔ اور یہ چاچا کہاں ہے؟'' اس نے چوکی سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

''ڈنگروں (جانوروں) کو پٹھے (چارا) ڈالنے گیا ہے۔ آنے ہی والا ہے۔ تو چھیتی چھیتی (جلدی جلدی) سالن گرم کر کے روٹی ڈال لے۔'' اس نے پھونکنی سے ایک طویل لمبی پھونک ماری اور پھر کھانسنا شروع کر دیا۔

''تجھے تو کسی محل میں پیدا ہونا چاہئے تھا۔ کوئی کام بھی ڈھنگ سے نہیں کر سکتی۔''

''نہ، بے بے! کر تو رہی ہوں۔'' اس نے آنکھوں میں آ جانے والے پانی کو دوپٹے سے رگڑ کر صاف کیا اور پھر پیڑا لے کر روٹی بنانے لگی۔

''بے بے! تو بتا رہی تھی شہر سے لوگ آ رہے ہیں چھوٹی بی بی کو دیکھنے؟''

''ہاں آ رہے ہیں۔'' بے بے نے چارپائی سے بستر سمیٹتے ہوئے جواب دیا۔

''پھر تو بہت کام ہوگا۔''

''ہاں ہے تو۔''

''بے بے! مجھے لے کر جائے گی اپنے سنگ؟''

''لے کیوں بھلا۔ تیرا وہاں کیا کام؟'' بے بے نے ڈپٹتے ہوئے کہا۔

''ایسے ہی۔ تو اتنی باتیں جو کرتی ہے چھوٹی بی بی کی۔ میرا ان کو دیکھنے کو بڑا دل چاہتا ہے۔''

''دل کو چھڈ، کبھی دماغ کو بھی کام میں لے آیا کر۔ دیکھ روٹی جل رہی ہے۔'' بے بے نے اسے احساس دلایا تو وہ جلدی سے روٹی کو دیکھنے لگی۔

''بے بے! میں نے سنا ہے حویلی بہت بڑی ہے۔''

''ہاں ہے۔'' بے بے نے جیسے جان چھڑاتے ہوئے جواب دیا اور پانی لے کر صحن میں چھڑکاؤ کرنے لگیں۔

''میں نے سنا ہے چھوٹی بی بی گاؤں کی لڑکیوں کو پڑھاتی بھی ہیں۔''

''ہاں۔''

''پتہ ہے بے بے! میں بھی ان سے پڑھنا چاہتی ہوں۔''

''دماغ خراب ہے تیرا تو۔ چاچے یا ویر نے سن لیا تو تندور میں جھونک دیں گے بالن بنا کر (ایندھن بنا کر)''

''لے اوئیں۔ پڑھنا لکھنا گناہ تو نہیں۔''

''ایسی باتیں اپنے چاچے یا ویر کے سامنے مت کرنا۔'' بے بے اسے ڈانٹ کر جھاڑو لگانے لگیں تو وہ برا سا منہ بنا کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔ پھر ان کی طرف نگاہ پڑی تو جیسے سوچ کر بولی۔

''پڑھنے لکھنے سے بھلا کیا ہوتا ہے؟''

''دماغ خراب ہو جاتا ہے۔'' بے بے نے جل کر جواب دیا۔

''چھوٹی بی بی بھی تو پڑھی لکھی ہیں۔ بلکہ شہر سے پڑھ لکھ کر آئی ہیں۔ تو ان کی بڑی تعریفیں کرتی ہے۔''

''لے، بھلا تیرا اور چھوٹی بی بی کا کیا مقابلہ؟'' بے بے نے ہاتھ روک کر اسے گھورا۔

''کیوں بھلا، وہ بھی تو ایک لڑکی ہیں۔'' اور وہ ابھی بول ہی رہی تھی کہ سامنے سے اکبر سیڑھی سے اترتا نظر آیا۔ اس نے بقیہ جملہ حلق میں ہی دبا دیا۔

✡......✡
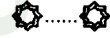
الماری کے تمام کپڑے اس نے بیڈ پر ڈھیر کر دیئے مگر کوئی ایک بھی سوٹ ڈھنگ کا نظر نہ آیا اور تب وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گئی۔

''کوئی ایک بھی سوٹ ڈھنگ کا نہیں جو کل پہن کر جا سکوں۔'' کوئی پچیسویں بار اس نے اسی جملے کی گردان کی تھی۔ اور تب تنگ آ کر شعاع کو بولنا پڑا تھا۔

''ہوش کرو ادعیہ! تم بچی نہیں ہو۔ صورتحال تمہارے سامنے ہے۔ کچھ چھپا ہوا تو نہیں ہے تم سے۔ اور ضرورت کیا تھی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کی۔ بندہ پہلے اپنی حیثیت دیکھتا ہے پھر کام کرتا ہے۔ یہاں کوئی ملیں نہیں چل رہیں ہمارے باپ دادا کی جو روز روز نئے جوڑے بنا سکو تم۔ پڑھنا ہے تو ڈھنگ سے پڑھو ورنہ گھر بیٹھ جاؤ۔ کوئی اکلوتی نہیں ہو تم یہاں۔ اور بھی کافی ہیں جو اہلیت بھی رکھتے ہیں اور پڑھنا بھی چاہتے ہیں۔''

اتنی لمبی چوڑی ڈانٹ پر اس نے سر نہیں اٹھایا۔ یونہی سر جھکائے آنسو بہاتی رہی۔ تبھی رانیہ ہاتھ میں اپنا سوٹ دبائے چلی آئی۔

''آپی پلیز! روئیں نہیں۔ یہ میرا سوٹ بالکل نیا ہے۔ میں نے ایک بار بھی نہیں پہنا۔ آپ یہ لے لیں۔''

''رانیہ! رہنے دو تم۔ اس لڑکی کا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ الماری بھری پڑی ہے مگر ہر موقع پر نئے کپڑوں کا شوق سر پر سوار ہو جاتا ہے۔''

رانیہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ ''آپی پلیز! چپ ہو جائیں نا۔ امی نے آپ کو روتے دیکھا تو پریشان ہوں گی۔''

''ان محترمہ کو کسی کی پریشانی کا خیال ہو تب نا۔'' شعاع نے جلے ہوئے انداز میں کہا تو وہ ہاتھ کی پشت سے آنکھیں صاف کرنے لگی۔

''جتنی رفتار سے تم روتی ہو، اتنی رفتار سے سوچنے کا کام کرو تو کبھی زندگی میں کوئی پرابلم پیدا ہی نہ ہو۔'' شعاع نے کہا تو وہ سوں سوں کرتی تمام کپڑے الماری میں ٹھونسنے لگی۔

رانیہ اٹھ کر اس کے ساتھ کپڑے الماری میں رکھوانے لگی۔ تبھی شعاع بولی۔ ''تم یہ چھوڑو اور جا کر ذرا کچن میں دیکھو، فاریہ اکیلی پریشان ہو رہی ہو گی۔''

رانیہ چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

تب شعاع اس کی سمت دیکھنے لگی اور وہ جو منہ پھلائے ہوئے تھی اس کے گھورنے پر یکدم جانے کیوں مسکرا دی۔

''اب ہنس کیوں رہی ہو؟'' شعاع نے لہجے کو نرم نہیں کیا۔

''تم اس طرح گھور کیوں رہی ہو؟''

''میری عادت ہے۔''

''میری بھی عادت ہے۔''

''عادت نہیں، کہو! کوئی کل ڈھیلی ہے۔''

''یہی سمجھ لو۔'' ادعیہ نے قبول کیا۔

''یہی سب کرنا تھا تو ڈرامہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟'' شعاع کے لبوں پر بھی مسکراہٹ اتر آئی۔

''بس میرا دل چاہ رہا تھا۔''

''پاگل ہو تم بالکل۔''

''جانتی ہوں۔'' وہ مسکرا کر پلٹی اور جلدی جلدی کپڑوں کے رول بنا کر الماری میں ٹھونسنے لگی۔

''اب کل کا کیا پروگرام ہے؟ کیا پہنو گی؟''

''کل آئے گا تو دیکھا جائے گا۔'' ادعیہ نے کہا۔ تبھی شعاع بولی۔

''تمہیں پتہ ہے کبھی کبھی تم بالکل بچی لگتی ہو۔ معصوم، بھولی بھالی۔''

''کیا ہوں نہیں؟'' ادعیہ نے اس کی طرف پلٹ کر دیکھا۔

''ہوں، ہو بھی۔ مگر کبھی کبھی زیادہ لگنے لگ جاتی ہو۔ پتہ ہے تم امی کو بھی کتنا پریشان کرتی ہو اپنی اس عادت سے؟''

''احساس ہوتا ہے مجھے۔ مگر یہ میرے اختیار میں نہیں ہوتا۔ سمجھو سب بے اختیاری کی کیفیت ہے۔ بعد میں شرمندہ بھی ہوتی ہوں اور پچھتاتی بھی ہوں کہ میرے پیارے میری

وجہ سے پریشان یا دکھی ہو جاتے ہیں۔ مگر اس وقت جانے مجھے کیا ہوتا ہے۔'' وہ دھیمے ا
میں جیسے تمام الزامات کو قبول کرتی چلی گئی۔
''خود کو ریلیکس رکھا کرو۔''
''ہوں...... کوشش کرتی ہوں۔''
''اچھی بات ہے۔'' وہ کہہ کر اخبار پھیلا کر ضرورت ہے کہ اشتہارات دیکھنے لگی۔ تبھ
رانیہ چائے لے کر آ گئی۔ ادعیہ کے موڈ کو دیکھا پھر شعاع کی طرف دیکھ کر آنکھوں
آنکھوں میں کچھ کہا۔ گویا خطرہ ٹل گیا ہے اور شعاع مسکرا دی۔
''عمر آ گیا ہے کوچنگ سینٹر سے واپس؟'' ادعیہ نے دریافت کیا۔
''نہیں۔'' رانیہ نے اسے کپ تھماتے ہوئے بتایا۔
''اُف، ایک تو اس لڑکے کو بالکل احساس نہیں۔ گھر میں واحد مرد ہے اور وہ بھی انتہا
غیر ذمے دار۔'' ادعیہ نے افسوس سے کہا تو شعاع نفی میں سر ہلانے لگی۔
''نہیں، ایسی بات نہیں۔ بچہ ہے ابھی فقط۔ ذرا بڑا ہو گا تو خود بخود ذمے داریوں
آشنائی ہو جائے گی۔''
''جانے وہ وقت کب آئے گا؟'' ادعیہ کے لہجے میں ایک آس سی تھی۔ ایک وسوسہ۔ ا
تبھی شعاع نے اسے تنبیہہ زدہ نظروں سے دیکھا۔
''ضرور آئے گا وہ وقت۔ ہمیں پُر اُمید رہنا چاہیے۔''
''پُر اُمید، اونہہ...... پُر اُمید تو ہم اس بات کے لئے بھی تھے کہ ابو کے بعد ہمیں ان
حصے میں سے کچھ مل جائے گا۔ مگر ہوا کب یہ؟'' اس کے لہجے میں تلخی ہی تلخی تھی۔ ''پُر اُمید
ہم اس بات کے لئے بھی تھے کہ ہماری دُعائیں رائیگاں نہیں جائیں گی اور ابو موت کے م
سے واپس لوٹ آئیں گے زندگی کی طرف۔ مگر کب ہوا یہ؟ اُمید تو ہمیں اس بات کی بھی تھ
کہ تایا ابا اور چاچا صاحب یتیم ہونے کے بعد ہمارے سروں پر شفقت بھرا ہاتھ رکھیں گے
مگر کب ہوا ایسا؟'' اس کے تمام سوالوں کے آگے سوالیہ نشان تھا۔ شعاع اور رانیہ اس ک
کیفیت کو بھانپ گئی تھیں۔ تبھی شعاع نے رانیہ کی سمت دیکھا تھا۔
''رانیہ! ماموں کے ہاں فون کر کے پتہ کرو، ابھی تک امی نہیں آئیں۔''
''میں نے فون کیا ہے آپی۔ وہ وہاں سے نکل آئی ہیں۔''
''اور کچن کا کام ہوا یا نہیں؟''
''سالن بن گیا ہے، بس روٹیاں ڈالنی ہیں۔''

''ٹھیک ہے، میں ڈال لیتی ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''رانیہ! تم اپنا
یونیفارم پریس کرو تو میرے کپڑے بھی پریس کر دینا۔''
''آپ صبح پھر جائیں گی؟'' رانیہ نے دریافت کیا۔
''ہوں۔'' اس نے کہا اور پھر کمرے سے باہر نکل گئی۔
اور تب ادعیہ چپ چاپ الماری میں کپڑے ٹھونستی چلی گئی اور چائے یونہی کپ میں
پڑے پڑے سرد ہو گئی۔

✿......✿

افسانوں میں جانے کتنے قصے پڑھے تھے اس نے یونیورسٹی سے متعلق۔ کتنی کہانیاں، کتنے
حوالے، کتنے دھوکے، کتنے فریب۔
اور حقیقت!
''اُف!'' اس نے تھکن سے چور وجود کو بستر پر ڈال دیا۔
''کیسا رہا دن؟'' رانیہ نے تجسس سے دریافت کیا۔
''بے حد بور۔ یار! یونیورسٹی کے بارے میں بڑی غلط انفارمیشن دی جاتی ہے ہمیں،
خواتین کے رسالوں میں۔ افسانے کہانیوں میں ایک الگ ہی جہان بسایا جاتا ہے، ایک الگ
ہی ماحول دکھایا جاتا ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔''
''کیوں، کیا ہوا؟'' رانیہ بے اختیار ہنسنے لگی۔
''سفر کے لئے ٹرانسپورٹ تک کا تو بندوبست ہے نہیں۔ قسم سے چل چل کر حشر ہو گیا۔
پاؤں آبلہ پا ہونے کے متعلق فقط شاعری میں پڑھا تھا مگر اس کی عملاً موجودگی تم میرے
پاؤں دیکھ کر بخوبی کر سکتی ہو۔''
رانیہ اس کے اُکتائے اور قدرے درد بھرے انداز پر کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔
''ابھی تو ہنس رہی ہو نا۔ جب خود جانا پڑے گا نا پھر پوچھوں گی۔ دنیا ہی نرالی ہے وہاں
کی۔ بسوں کی خواری کر کے بندہ کسی طرح وہاں گیٹ تک پہنچ تو سکتا ہے مگر اس سے آگے
جب آپ کو ڈیپارٹمنٹ تک کا فاصلہ اپنے ان دو عدد قدموں سے طے کرنا پڑے گا تو سارے
ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ اور پھر واپسی میں محدود تعداد میں قریبی اسٹاپ تک چلائے جانے
والے پوائنٹ جن میں جگہ حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ قسم سے آخری فٹ
بورڈ تک جگہ خالی نہیں بچتی اور مجبوراً پھر گیٹ تک کا فاصلہ ان بیچارے دو عدد مظلوم پیروں
پر۔'' اس نے پُر درد انداز میں کہہ کر بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔

"ہائے آپی! کتنی پُر درد داستانِ غم ہے نا؟" اور ادعیہ کو لگا جیسے وہ اس کے زخموں پر نمک پاشی کر رہی ہے۔ تبھی اسے خفگی سے دیکھنے لگی۔

"مذاق نہیں ہے یونیورسٹی میں پڑھنا۔ جان پر کھیلنا پڑتا ہے۔ ہمارا تو خیر آج پہلا دن تھا مجھے تو اس مظلوم قوم پر ترس آ رہا تھا جو بیچاری پہلے سے اس صورتحال کا مقابلہ انتہائی ہمت اور حوصلے سے کر رہی ہے۔ سچ یونیورسٹی میں پڑھنے کے لئے فولاد کا جگر چاہئے۔"

"شعاع آپی بھی تو پڑھی ہیں وہیں سے۔ انہوں نے تو کبھی نہیں بتایا وہاں کے متعلق" رانیہ کو حیرت ہوئی۔

"رانیہ جاناں! بات دراصل یہ ہے کہ وہ موصوفہ پتھر کا جگر اور پہاڑوں کا سا حوصلہ رکھتی ہیں۔ اور ادھر مجبوری یہ ہے کہ سرے سے دونوں چیزیں ناپید ہیں۔ اور اگر ہیں بھی تو انتہائی کمزور حالت میں۔"

"کھانا لاؤں آپ کے لئے؟"

"امی آگئیں واپس تانیہ کو اسکول سے لے کر؟" اس نے یکدم یاد آنے پر پوچھا۔

"نہیں، ابھی تو نہیں آئیں۔ تانیہ کے اسکول میں آج پیرنٹس ڈے ہے۔ شاید دیر ہو جائے۔"

"تو پھر شعاع کو آنے دو، تب تک میں فریش ہو لوں۔" وہ اٹھی اور وائٹ کلف لگا دوپٹہ ایک طرف ڈالتے ہوئے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ رانیہ نے ایک نظر اپنی اس قدر حساس طبیعت بہن کو دیکھا اور پھر اٹھ کر اس کی بکھری ہوئی چیزیں سمیٹنے لگی۔

✿......✿

وہ بنا آہٹ کئے روم میں داخل ہوئی تھی۔ فریش پھولوں کا گلدستہ اس کے سرہانے رکھ کر بغور اسے دیکھا تھا اور وہ جو آنکھیں بند کئے ہوئے شاید ۔ در رہا تھا اس کی آمد پر آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"کیسے ہیں اب آپ؟" اس نے دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا تھا۔ رہبان شاہ عالم نے اس کی طرف دیکھا پھر دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"دیٹس گریٹ۔" وہ جواباً مسکرائی۔ دھیمی مدھم سی مسکراہٹ۔ وہ کچھ دیر یونہی کھڑی دیکھتی رہی، پھر بولی۔ "آپ نے دوا لی؟" اس کے پاس کوئی بات نہ تھی، یا پھر لفظ نہ تھے۔

"ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔ تب وہ چپ ہو گئی۔ پھر کافی دیر بعد جیسے لفظ ڈھونڈنے میں کامیاب ہوئی تو بولی۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیسے اور کن لفظوں میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آپ نے جو کچھ کیا وہ واقعی بے لوث ہے۔"

اور وہ جواب میں چپ تھا۔ تبھی وہ ناخنوں پر سے کیوٹکس کھرچتے ہوئے بولی۔ "آپ کا یہ احسان میں ساری زندگی نہیں اتار سکتی۔ جان بے حد قیمتی چیز ہوتی ہے اور آپ نے محض ایک اجنبی کے لئے اسے داؤ پر لگا دیا۔ آپ واقعی عظیم ہیں۔" وہ بول کر چپ ہوئی تو اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ جواب میں کچھ دیر تک یونہی چپ چاپ اسے تکتا رہا، پھر بولا۔

"اس دنیا میں عظیم کوئی نہیں ہوتا خاتون! عظیم صرف خدا کی ذات ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ وہ جب جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔"

"ہاں۔ مگر خدا اپنی عظمت دکھانے کو کچھ خاص اور اچھے انسانوں کو ہی چنتا ہے۔" وہ جلدی سے بولی تو وہ اسے دیکھنے لگا۔ پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔

"خاتون! آپ پر احسان فرمانے کا میرا سرے سے کوئی ارادہ نہ تھا۔ نہ عظمت کے مینار پر چڑھ کر بیٹھنے کا مجھے کوئی شوق تھا۔ یہ ایک اچانک وارد ہونے والے لمحے کا ایک فوری فعل تھا جس میں عقل و شعور یا تو کام کرنا چھوڑ جاتے ہیں یا پہلے سے بھی زیادہ رفتار سے کام کرنے لگتے ہیں۔ مگر جو کچھ مجھ سے سرزد ہوا وہ نہ تو عقل و شعور کی انتہا تھی نہ دماغ کی ماؤف کیفیت۔ بس ایک لمحے کی غیر ارادی حرکت تھی۔" وہ یا تو اس کی باتوں کو مذاق میں اڑا رہا تھا یا پھر اس موضوع سے ہٹنا چاہتا تھا۔

مژگان رئیس نواز سومرو نے اسے ایک نظر دیکھا پھر بولی۔ "بہرحال آپ کا بہت بہت شکریہ۔" اور وہ جواب میں بالکل چپ تھا۔ تبھی وہ بولی۔ "آپ کو اگر خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو......تو شاید میں تاحیات خود کو معاف نہ کر پاتی۔"

"اور ایک عظیم انسان پر کتنا بڑا ستم ہوتا یہ۔" وہ یکدم بولا تو وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"آپ کی فیملی یہاں نہیں ہوتی شاید۔ اس روز آپ کے پرس میں سے آپ کے شناختی کارڈ کے علاوہ آپ کے فقط ایک دوست کا سراغ ملا تھا اور میں نے فوراً انہیں انفارم کر دیا تھا۔ آپ کی فیملی؟" اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ہاں، وہ پنجاب میں ہے۔" رہبان نے فقط اتنا ہی بتایا۔

"آر یو بی لونگ ود فیوڈل فیملی؟"

"یس۔"

"آئی ایم آل سو۔" اس نے خود ہی مطلع کیا اور اسے جیسے کوئی سروکار نہ تھا۔ تبھی وہ مزید کچھ نہ بولا تو وہ جیسے محض گفتگو جاری رکھنے کو بولی۔

"ہمارے ہاں کا کلچر بہت اچھا ہے۔ ہماری روایات اپنی جگہ بہت اہمیت کی حامل ہیں۔"

"آپ نے دیکھا ہے کبھی گاؤں کا ماحول؟" وہ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھنا چاہ رہا تھا، تبھی درد سے ایک سسکی سی نکل گئی۔ وہ فوراً اٹھ کر قریب آ گئی اور اسے سہارا دے کر پشت پر تکیہ رکھا۔ "شکریہ خاتون!" وہ مودب انداز میں بولا تو وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

"میرا نام مژگان ہے۔ آپ میرا نام لے کر بلا سکتے ہیں۔"

اس نے ابھی کوئی جواب بھی نہ دیا تھا کہ دروازہ ہلکی سی دستک کے ساتھ کھلا۔ اس نے اور رہبان عالم شاہ نے ایک ساتھ اس سمت دیکھا اور اندر داخل ہونے والا علی قدرے خجل سا ہو گیا۔

"میں پھر آ جاؤں گا۔"

"ارے نہیں، آیئے آپ۔" مژگان فوراً بولی۔ "آپ غالباً علی شاہ ہیں۔" اس روز جب وہ آیا تھا تو وہ اس سے مل نہ سکی تھی مگر وہ اس کے نام سے واقف ضرور تھی۔

"جی۔" وہ سر ہلاتا ہوا رہبان عالم شاہ کے پاس آن رُکا۔ "کیسے ہو اب؟"

"ٹھیک ہوں۔"

"اور کتنے روز ڈرامہ جاری رکھنے کا موڈ ہے یار! اُٹھ جاؤ اب۔ جوان جہان بندے ہو، فقط دو گولیوں سے ہمت ہار گئے؟"

"اطلاعاً عرض ہے وہ گولیاں پستول کی نال سے برآمد ہوئی تھیں۔" رہبان نے جواب دیا۔

"یار! تجھ جیسے لمبے چوڑے گبرو جوان کو فقط دو گولیاں کیا کہتی ہیں۔" علی شاہ بغیر کسی کی موجودگی کی پرواہ کئے بول رہا تھا۔

"دو کم محسوس ہو رہی ہیں تو چار اور لے آؤ۔" رہبان نے برجستہ جواب دیا تو علی شاہ ہنسنے لگا۔ وہ ان دوستوں کی بے تکلفی کو دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اوکے، میں پھر آؤں گی۔" یہ کہنے کے ساتھ ہی وہ فوراً باہر نکل گئی تو علی شاہ، رہبان کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہیرو بننے کا شوق بجا ہے بھئی۔"

"بکواس مت کرو۔" رہبان جیسا سنجیدہ بندہ اس لمحے جھینپ کر رہ گیا۔

"یار! تجھے خیال نہ آیا۔ کم از مجھے ہی فون کر دیا ہوتا۔ کچھ ہم بھی ہیرو شیرو بن جاتے۔"

اس نے بھرپور شکوہ کیا تو وہ ہنس پڑا۔

"آئندہ تیرا خیال ضرور رکھوں گا۔"

"یعنی مستقبل میں تیرا پھر یہی پلان ہے؟ بائی دی وے اتنا بتانا پسند کریں گے کہ انہی محترمہ کے لئے یا کسی اور کے لئے؟" وہ مسکرا دیا۔

"علی شاہ!" اس نے ٹوکا۔

"یار بڑی قیمتی ہے تیری جان۔ آئندہ سنبھال کر رکھنا۔ ابھی تو تیری والدہ محترمہ کو خبر نہیں ہوئی ورنہ تو جانتا ہے۔" علی شاہ بولا تو وہ سر اثبات میں ہلانے لگا۔

***

موسم بے حد خوبصورت ہو رہا تھا۔ صبح سے ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ وہ بھی آج موڈ میں تھی۔ شاید موسم کا اثر تھا کہ وہ فریش نظر آ رہی تھی۔

"موسم اچھا ہو رہا ہے آپی۔ پکوڑے بناؤں؟" رانیہ نے شعاع سے پوچھا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں بناتی ہوں۔" ادعیہ کی پیشکش پر رانیہ دنگ رہ گئی۔ پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"آپی! لگتا ہے آج موسم واقعی بہت دلکش ہو رہا ہے۔"

"موسم سارے اندر کے ہوتے ہیں چندا! اندر کا موسم اچھا ہو تو باہر کے سارے موسم بھی دلکش لگنے لگتے ہیں۔ ورنہ تو بہار بھی خزاں کا روپ لگتی ہے۔" شعاع نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تبھی وہ خفگی سے دیکھنے لگی۔

"تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے یہاں کا موسم ہمیشہ ہی اچھا ہوتا ہے۔" ادعیہ نے اپنی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اچھی بات ہے، ہونا بھی چاہئے۔" شعاع نے کتاب پر سے نظریں ہٹا کر ایک نظر اسے دیکھا اور پھر سے مطالعے میں مصروف ہو گئی۔

ادعیہ کچن میں آ گئی۔ تمام لوازمات تیار کر کے تیل گرم کیا۔ رانیہ اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ "آپی! کوئی مشکل تو نہیں؟" وہ جانتی تھی وہ کبھی کبھار ہی کچن کا رخ کرتی ہے۔ تبھی وہ بولی۔

"نہیں، سب ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔" اس نے اسے واپس بھیج دیا اور پورے انہماک سے پکوڑے نکالنے لگی۔

"اوہو، لوگ آج یہاں کیسے نظر آ رہے ہیں؟" وہ پوری طرح مصروف تھی جب اچانک

ہی پشت پر بھاری آواز ابھری۔ وہ یکدم ہی چونک گئی۔ پلٹ کر دیکھا تو دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''یہ کب آیا؟ ابھی تو رانیہ آئی تھی۔ اس نے تو ایسا کچھ بھی نہیں بتایا پھر؟'' وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ وہ بول پڑا۔

''سنا ہے موسم نے لوگوں کے مزاج پر خاصا اثر کیا ہے۔ بائی دی وے، ہم بہ نفس نفیس جاننے کے خواہش مند ہیں کہ لوگ کیسے ہیں؟'' ''کیپٹن اعصار شیخ نے اس کی سمت بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ لیکن وہ جواب دیئے بغیر پشت پھیر کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

وہ آگے بڑھ آیا اور پلیٹ میں سے پکوڑا اٹھا کر کھانے لگا۔ ''میرا خیال ہے مجھ پر ابھی اتنا برا وقت نہیں آیا کہ دیواروں سے گفتگو فرماؤں۔'' اس نے ادعیہ کا جواب نہ پا کر جل کر کہا تو وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''فضول قسم کی باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے میرے پاس۔''

''تمہارے ہاں حال احوال دریافت نہیں کیا جاتا؟'' اس نے اس کے سخت لہجے کو جیسے سنا ہی نہیں۔ وہی دھیمی پُر شرارت مسکراہٹ چہرے پر تھی اور ادعیہ کو اس کی اسی مطمئن مسکراہٹ سے چڑ تھی۔ تپ کر بولی۔

''اچھے خاصے کھڑے سامنے نظر تو آ رہے ہو۔ پھر کیا پوچھوں؟''

''اوں، ہوں، ہوں۔'' اس نے گلا کھنکھارا۔ ''انقلابی فضا چل رہی ہے آج کل دنیا میں ہر طرف۔ شاید یہاں بھی اثر ہے۔ ویسے اطلاعاً عرض ہے کہ میں جتنا معقول نظر آ رہا ہوں، اس سے کہیں زیادہ ہوں۔''

''میرے اچھے خاصے کہنے کا مقصد معقول ہرگز نہیں تھا۔ اپنے کانوں کا علاج کراؤ جا کر۔''

وہ اس کے جلے تپے انداز پر کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ ''بہتر۔ فی الحال تو سیدھا تمہاری طرف ہی آیا ہوں۔ تم کہتی ہو تو واپسی پر کسی طبیب سے بھی رجوع کرلوں گا۔'' اس کا انداز معنی خیز تھا اور وہ جو اسے سر اٹھا کر گھورنا چاہتی تھی، یکدم ہی پشت پھیر کر پکوڑے پلیٹ میں نکالنے لگی۔

''سنا ہے لوگوں نے یونیورسٹی جوائن کر لی ہے؟''

''ٹھیک سنا ہے۔ ویسے سیانے کہتے ہیں سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرنا چاہئے۔''

''اب ڈائریکٹ کمیونی کیشن نہ ہو تو ان ڈائریکٹ ہی معلومات حاصل کی جاتی ہیں نا۔''

''ضرورت کیا ہے معلومات حاصل کرنے کی؟''

''ضرورت تو ہمیشہ ہی رہتی ہے۔ کبھی کوئی ایسا انسان بھی ہوا ہے جسے کوئی ضرورت ہی نہ

ہو۔ حاجت ہی نہ ہو۔ ضرورتیں تو زندگی بھر انسان کے ساتھ جڑی رہتی ہیں۔''

''آرمی والے ان دنوں کیا فلسفہ بھی پڑھانے لگے ہیں؟'' اس نے مسکراتے ہوئے طنز کا تیر پھینکا۔ وہ مسکرا دیا۔ تبھی وہ بولی۔ ''بائی دی وے ہماری یاد کیسے آگئی آج اچانک؟''

''فقط آج نہیں، ہم ہمیشہ ہی لوگوں کو یاد رکھتے ہیں۔ لوگ چاہے یاد رکھیں یا نہ رکھیں۔''

''لوگوں کی فکر نہیں کرنی چاہئے۔ لوگ اپنی فکر خود بہتر طور پر کر سکتے ہیں۔''

''کاش فکر کر سکتے اور کچھ نہیں تو محسوس کرنے کی حس ہی استعمال کر سکتے۔'' اس نے جلتی پر جیسے تیل ڈالا۔ وہ پلٹ کر گھورنے لگی۔

''چہرے کا زاویہ بدل لو۔ کسی نے غلط کہا ہے کہ تم غصے میں حسین لگتی ہو۔ کسی نے دیکھ لیا تو ڈر کر بے ہوش ہو جائے گا۔'' وہ اسے تپانے لگا۔

''تم تو نہیں ڈر رہے۔ نہ ہی بے ہوش ہوئے ہو؟'' وہ واقعی جلنے لگی۔

''میری بات اور ہے۔ عرصہ دراز سے دیکھ دیکھ کر عادی ہو چکا ہوں۔ ویسے بھی ایک مضبوط قوت ارادی اور مضبوط دل کا مالک ہوں۔ آرمی والوں نے یونہی تو نہیں رینک دے دیا۔''

''اب اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ میں تمہیں لیفٹیننٹ سے کیپٹن بننے پر مبارک باد دوں گی تو یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ مجھے قطعی کوئی خوشی نہیں ہے، تم چاہے کیپٹن سے میجر بن جاؤ، مجھے کوئی سروکار نہیں۔'' وہ اطمینان سے کہتی ہوئی اس کی سمت دیکھنے لگی۔

اس کے چہرے کا رنگ پل بھر کو متغیر ہوا اور پھر وہاں اسی ازلی مسکراہٹ نے جگہ لے لی۔ ''ہم بہت اصول پسند لوگ ہیں۔ دوستی کے ساتھ ساتھ آدابِ دشمنی سے بھی آشنا ہیں۔ مگر اتنا کٹھور پن، اتنی بے حسی تو ہمارے ہاں بھی نہیں۔''

وہ جو کب سے اس کی باتوں کا نشانہ بن رہی تھی۔ اس نے اس کے بدلتے انداز پر قدرے اطمینان سے اسے دیکھا۔ اس کا انداز سرد سہی مگر لفظ بے حد تلخ تھے۔

''بس اتنی ہی تھی برداشت؟'' وہ طنز سے مسکرائی۔

''محترمہ! تم سوائے طنز کے کچھ اور بھی کرنا جانتی ہو؟''

''ہوں، بہت کچھ۔'' وہ کھل کر ہنسی۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھے چلا گیا۔

''ہنسا کرو۔ اچھی لگتی ہو۔ یوں بھی ہنسنے سے خون بڑھتا ہے اور خون بڑھنا صحت مندی کی نشانی ہے۔''

''تم میری فکر مت کیا کرو۔''

''کیوں نہ کیا کروں۔ آخر تم میری اکلوتی دشمن اور پیاری سی کزن ہو۔ تمہاری فکر نہیں

کروں گا تو اور کون کرے گا؟"

"کزن تو اتفاقاً ہوں۔ یہ دشمن ہونے کی افواہ کس نے اڑا دی؟"

"میرا خیال ہے لوگوں کے تیوروں میں کوئی ایک تیور بھی دوستوں والا موجود نہیں۔"

"تو اس سے آپ نے فرض کرلیا کہ میں آپ کی دشمن ہوں؟"

"تو پھر کیا اسے دوستی سمجھوں؟" وہ الٹا پوچھنے لگا۔ تب وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نہ دوست، نہ دشمن۔ بلکہ سرے سے کوئی تعلق موجود ہی نہیں ہمارے درمیان۔" اس کا لہجہ یکدم بجھ گیا۔ ابو کے بعد تایا کی فیملی نے یکدم ہی سارے رشتے ختم کر دیئے تھے۔

"تعلق نظر آنے والی شے تو نہیں۔ ربط تو دلوں میں باہم ہوتا ہے۔"

"اوں ہوں۔ سارے تعلق، سارے ربط روپے پیسے کے ہوتے ہیں۔ باقی سب ڈھکوسلے ہیں، دھوکا ہیں، فقط سنہری لفظوں کے جال۔ حقیقت بہت کڑوی اور تلخ ہے، بے حد تلخ۔ اندر تک کڑواہٹ گھل جاتی ہے۔" اس کا انداز نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہوتا چلا گیا۔

"ادعیہ! تم جانتی ہو جو کچھ بھی ہوا ہے اس میں کم از کم ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"مگر جو کچھ ہمارے بڑوں نے کیا وہ بھلائے جانے کے قابل بھی تو نہیں۔" ادعیہ نے کہا تو وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔ فقط اسے دیکھ کر رہ گیا اور اس نے چولہا بند کر کے پلیٹ اٹھاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ "آؤ باہر چلیں۔ ورنہ گھر جا کر کہو گے بیٹھنے کو بھی نہیں کہا۔" اس کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

"صد شکر۔ لوگوں کو آدابِ میزبانی تو یاد آئے۔" وہ اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولا تو وہ بمشکل خود کو جواب دینے سے باز رکھتے ہوئے باہر نکل گئی۔ وہ ماحول کو مزید تلخ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ حالانکہ زخم پل کی پل میں کھل سے جاتے تھے۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس طرح فقط وہ اپنا نقصان کرے گی اور وہ اتنے حسین موسم میں کم از کم اپنا موڈ خراب کرنا نہیں چاہتی تھی۔

کیپٹن اعصار شیخ نے اسے دیکھا تھا اور پھر اس کی تقلید میں قدم بڑھا دیئے تھے۔

✿......✿

"بے بے، بے بے! کچ کی سُوئی ونگاں (کانچ کی سرخ چوڑیاں) چڑھا دے مجھے۔"

سیو نے چوڑیوں والی مائی کو دیکھتے ہی ضد کرنا شروع کر دی۔

"لے، تجھے کون سا کسی کے ویاہ (شادی) میں جانا ہے۔"

"ضروری تو نئیں (نہیں) کہ ویاہ (شادی) میں ای (ہی) جانا ہو تو بندہ ونگاں

چڑھائے۔" اس نے تڑ کی بہ تڑ جواب دیا تو بے بے اسے گھورنے لگیں۔

"کام کاج کوئی ڈھنگ سے کرنا آتا نئیں اور باتیں کیسی چتر چتر کرتی ہے۔ زبان کیسے قینچی کی طرح چلاتی ہے۔"

"لو کام بھی تو سارے کرتی ہوں میں۔" وہ فوراً بولی۔

"ہاں تو ہی تو جیسے کھیتوں میں ہل چلاتی ہے نا۔"

"بس اس کی ہی کسر باقی بچتی ہے۔ اتنے سارے کاموں کے بعد کہو تو وہ بھی کر دیا کروں۔ نہیں چڑھانی تو رہنے دے۔ میں چاچے سے کہہ کر شہروں منگوا لوں گی خود ہی۔" وہ رُوٹھنے سی لگی۔ تبھی بے بے کو اس کے گلابی چہرے کو دیکھ کر جیسے ترس آ گیا۔ وہ دھپ دھپ کرتی اندر کو جانے لگی۔

"اب جا کہاں رہی ہے؟ چڑھوا لے اب آ کر۔"

"نئیں رہنے دے۔ پھر مہینوں سناتی رہے گی تو۔" اس نے بے بے کو مانتے دیکھ کر یونہی نخرہ دکھایا۔

"اب شرافت سے آ کر بیٹھ جا ورنہ مار کھائے گی۔" بے بے کی ڈانٹ میں پیار ہی پیار چھپا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی چوڑیوں والی مائی کے پاس آن بیٹھی۔ تبھی اس کی نظر رنگ برنگے پراندوں کے بنڈل پر پڑی۔

"بے بے! یہ موتیوں والا پراندہ (چٹلا) اچھا ہے نا؟" اس کا دل پل بھر میں مچلنے لگا۔

"اب بس کر۔ آج کے دن کے لئے چوڑیاں ہی کافی ہیں۔ پھر آتی رہے گی یہ۔ لے لینا بعد میں۔" بے بے اس کے تیور بھانپتے ہوئے بولی تو وہ منہ بسور کر رہ گئی۔ چوڑیوں والی مائی مہارت کے ساتھ اس کی گوری گوری کلائیوں میں سرخ چوڑیاں بھرنے لگی۔ تبھی اس کی سہیلی زیبو آ گئی۔

"ہائے سیو! تو چوڑیاں چڑھوا رہی ہے؟"

"لے، نظر تو آ رہا ہے۔ پھر پوچھ کیوں رہی ہے؟" اس نے جل کر جواب دیا۔

"بگڑ کیوں رہی ہے۔ میں تو یوں ہی آ گئی تھی۔ تجھے برا لگا ہے تو چلی جاتی ہوں۔" زیبو اس کے تیور دیکھ کر بولی۔

"میرا یہ مطبل (مطلب) تھوڑا ہی تھا۔ اب آئی ہے تو بیٹھ جا۔"

مائی نے درجن درجن چوڑیاں اس کی دونوں کلائیوں میں بھر دیں۔ وہ مسکراتی ہوئی اپنی کلائیوں کو دیکھنے لگی۔

''اب وہاں کیا کھڑی ہے۔ میرے پلّو سے پیسے کھول کر دے مائی کو۔'' بے بے نے برتن مانجھتے ہوئے اسے آواز دی۔

اس نے پیسے نکال کر مائی کو دیئے اور پھر زیبو کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی۔

''پتا ہے شاجی کی شادی ہے۔ تجھے یہی بتانے آئی تھی۔ شام کو مایوں (رسم ابٹن) ہے۔ تجھے ضرور آنا ہے۔''

''ہائے ربا۔ اس کے ویاہ (شادی) کی تاریخ بھی ٹھہر گئی اور اس نے مجھے بتایا تک نہیں۔''

''لے، اب کیا وہ بیچاری خود تجھے بتانے کو آئے گی؟ میں جو آ گئی ہوں۔ اس کی بے بے کے جوڑوں میں درد ہے ورنہ سدا (بلاوا یا دعوت) دینے وہ خود آتی۔''

''تو پھر تو مجھ سے کیا کہہ رہی ہے۔ جا کر بے بے کو بتا۔ اس کو پتہ ہوگا تو چاچے یا ویر سے اجازت لے کر دے گی نا۔''

''لے، مجھے انہوں نے ڈانٹ دیا تو پھر؟''

''کجھ (کچھ) نہیں کہے گی۔ تو سدا دینے آئی ہے فیر (پھر) ڈر کیوں رہی ہے؟ چل میں تیرے ساتھ چلتی ہوں۔'' اس نے چھیڑا تو وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''رہنے دے۔ اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ دھپ دھپ کرتی کمرے سے باہر نکل گئی تو سیو مسکرا دی۔

✿......✿

''مانو ایک پیاری بلی ہے۔

میاؤں میاؤں کرتی ہے۔

بھولی بھالی صورت ہے۔

پر مجھ سے لڑتی ہے۔''

وہ بے حد شرارت کے ساتھ مسکراتا ہوا وِرد کر رہا تھا۔

ادعیہ نے ایک سلگتی ہوئی نظر اس پر ڈالی مگر وہ پرواہ کئے بغیر تانیہ سے گفتگو میں مصروف رہا۔

''تمہیں پتہ ہے میری بلی کی آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں؟''

''آنکھیں تو تمام بلیوں کی ہی خوبصورت ہوتی ہیں بھائی!'' تانیہ نے معصومیت سے جواب دیا تو اعصار ہنس پڑا۔ پھر اس کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں ہوتی تو ہیں۔ مگر میری بلی کی آنکھوں کی بات ہی کچھ اور ہے۔''

اچھا پھر کیسی ہیں اس کی آنکھیں؟ آپ کبھی لے کر آیئے نا اسے ہمارے گھر۔'' تانیہ

نے انتہائی معصومیت سے آفر دی تو وہ ہنستا چلا گیا اور وہ جو قدرے فاصلے پر بیٹھی بچوں کو ٹیوشن دے رہی تھی، کھول کر رہ گئی۔ اسے اٹھ کر چپ کروانا چاہتی تھی مگر سامنے ہی امی بیٹھی تھیں اور وہ جانتی تھی وہ ان کا چہیتا تھا۔ اسی لئے چپ چاپ بچوں کو پڑھاتی رہی۔

''ٹیچر! سوال حل نہیں ہو رہا۔'' اچانک اسٹوڈنٹ نے کہا۔

''اسے بلی سے ڈیوائڈ کرو۔'' وہ ذہنی طور پر اسی کی باتوں میں اُلجھی ہوئی تھی، بے دھیانی میں روانی سے بول گئی۔

''جی ٹیچر، بلی سے؟'' کلاس فورتھ کے سلمان نے حیرت سے آنکھیں پھیلاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تو وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ اپنی غلطی کا فوراً احساس ہوا۔ دل چاہا اپنا سر پیٹ لے یا پھر جا کر اپنے سامنے بیٹھے اس لمبے چوڑے شخص کا سر پھاڑ ڈالے جو اب اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے ہنس رہا تھا۔ وہ خجل سی ہو کر رہ گئی۔

''سوری، لایئے دکھایئے کاپی مجھے۔'' اس نے سلمان سے کاپی لی اور پھر اسے سوال سمجھانے لگی۔

''اب آپ لوگ چھٹی کریں اوکے۔'' وہ جانتی تھی اس کی موجودگی میں وہ کچھ بھی ڈھنگ سے نہ پڑھا پائے گی۔ اسی لئے انہیں فارغ کر کے اس کی طرف چلی آئی۔

''حد ہوتی ہے کسی بات کی۔'' اس نے تمام تر غصے کے باوجود اپنے انداز پر قابو پاتے ہوئے انتہائی دھیمے انداز میں دریافت کیا۔ ''ہوں، تو کس رنگ کی آنکھیں ہیں آپ کی بلی کی؟ بائی دی وے یہ آپ کو بلیاں پالنے کا شوق کب سے ہو گیا؟''

وہ انتہائی اطمینان سے مسکرا دیا۔ ''محترمہ! پہلے تو آپ اپنی بات کی تصحیح کر لیں۔ شوق بلیاں پالنے کا نہیں، فقط ایک عدد بلی کا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ کوئی عام بلی نہیں ہے، بہت خاص بلی ہے۔ کیونکہ وہ میری بلی ہے۔''

''اچھا تو کیا اس کے سرخاب کے پَر لگے ہوئے ہیں؟''

''کسی شے کے خاص ہونے کے لئے سرخاب کے پَر لگے ہونا ضروری نہیں۔ یہ معاملہ دل و نظر کا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی ہمیں بے حد خوبصورت چیزیں متاثر نہیں کرتیں اور کبھی کبھی بے حد عام اور معمولی سی چیزیں بھی دلوں میں گھر کر لیتی ہیں۔ یہ لوجک بہت ڈیفرنٹ ہے۔ تم نہیں سمجھو گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے جیسے اس کی عقل پر ماتم کر رہا تھا۔

ادعیہ اسے فقط دیکھ کر رہ گئی۔ پھر بولی۔ ''ہاں، اب ہر کوئی آپ کی طرح ذہین و فطین ہونے سے تو رہا۔''

"جو بات میں کہہ رہا ہوں اس کا تعلق کسی طرح سے بھی ذہانت سے نہیں ہے۔"

"بنا دماغ یا عقل کے سمجھ بوجھ نہیں رکھ سکتے۔"

"تو مانتی ہو تم کہ عقل ضروری ہے؟" وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"میرا خیال ہے میں نے انکار نہیں کیا اس بات سے۔"

"انکار نہیں تو اقرار بھی تو نہیں کیا۔"

ادعیہ نے چونک کر دیکھا۔ اس کا لہجہ یکدم ہی گمبھیر ہو گیا تھا اور نظریں بھی۔ وہ دوسرے ہی پل چہرے کا رُخ دوسری طرف پھیر کر تانیہ کو دیکھنے لگی تھی۔

"تانیہ! آپ نے ہوم ورک کر لیا ہے تو بیگ بند کیجئے اور دیکھئے، رانیہ آپی اٹھی ہیں نہیں؟"

"ادعیہ بیٹا! چائے بنا لو۔ اعصار کب سے بیٹھا ہوا ہے۔" تبھی امی کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"چچی جان! لوگ مہمان نوازی کے فن سے قطعی نابلد ہیں۔"

وہ پلٹی اور کچن کی جانب بڑھ گئی۔

"مانو ایک پیاری بلی ہے۔
میاؤں میاؤں کرتی ہے۔
بھولی بھالی صورت ہے۔
پر مجھ سے لڑتی رہتی ہے۔"

اس کی آواز اس کے کانوں میں پڑتی رہی۔ مگر وہ کان بند کیے اپنے کام میں مصروف رہی۔

✿......✿

بارش بے حد طوفانی تھی۔ ایسے میں دُور تک سناٹا ہی سناٹا تھا اور خوف سے اس کا دل دہلا جا رہا تھا۔ بادل گرج رہے تھے، بجلی چمک رہی تھی۔ مگر وہ دوائیوں کا پیکٹ سنبھالے چلتی جا رہی تھی۔

ہوا سرد تھی، رگوں میں خون منجمد کر دینے والی۔ دُور دُور تک راستہ ویران اور سنسان تھا۔ بس وہ چل رہی تھی۔ وہ مختلف سوچوں سے اپنا ذہن ہٹانے کی کوشش کر رہی تھی مگر......

لمحہ بھر کو جھماکا سا ہوا۔ اس کا ذہن یکدم ہی بیدار ہو چکا تھا۔ سامنے سے آتی سیاہ گاڑی کی ہیڈ لائٹس اس کی آنکھوں میں پڑی تھیں اور اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں۔ وہ بھاگنا چاہتی تھی۔ دھڑکنیں یکدم ہی تیز ہو گئی تھیں۔ گاڑی کے ٹائر اس کے بے حد قریب چرچرائے تھے۔ اور اس کا دل جیسے ساکت ہو گیا تھا۔ دوائیوں کا پیکٹ ہاتھ سے چھوٹ کر دور گر چکا تھا۔ پورا جسم جیسے برف ہونے کو تھا۔

کوئی پھر گھات میں تھا۔ اسے ختم کرنے کے درپے تھا۔ اور اگرچہ اسے زندگی سے محبت تو نہیں تھی مگر وہ اس طرح مرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ شاید یہ ایک بے اختیاری کیفیت بھی تھی کہ وہ خود کو اس "خوفناک" لمحے سے بچانا چاہ رہی تھی۔ شاید موت کا خوف ہی دل دہلا دینے کو کافی ہوتا ہے۔ اس کے تصور سے ہی ہول اٹھنے لگتے ہیں اور چاہے ہم زندگی سے کتنے ہی بیزار کیوں نہ ہوں، کتنی ہی اُلجھنوں کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑ رہا ہوں، کتنی ہی دُشواریوں نے ہاتھ پیر باندھے ہوئے ہوں، مگر اس لمحے ہم اس زندگی کی طرف دوڑنے لگتے ہیں۔ موت کا تصور ہی شاید اتنا بھیانک اور خوفناک ہے کہ زندگی دُشوار گزار بھی ہو تو اس سے محبت ہونے لگتی ہے۔

گاڑی کی ہیڈ لائٹس اس کی آنکھوں کو چندھیانے لگی تھیں۔ تب اس نے پلٹ کر یکدم ہی بھاگنا چاہا تھا مگر گاڑی اچانک ہی اس کے آگے آن رکی تھی۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ شاید یہ آخری پل تھا۔ زندگی اور موت کے بیچ فقط چند قدم کا فاصلہ...... اور تب وہ انتہائی بے بسی کی کیفیت میں اس سیاہ گاڑی کو دیکھنے لگی تھی۔

"کون...... کون...... کو......؟"

وہ بے حد زور سے چیخنا چاہتی تھی اور عین اسی لمحے گاڑی کا شیشہ اتارا گیا تھا ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے علی شاہ کو دیکھ کر وہ پل بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔

"آپ......؟"

علی شاہ نے کچھ کہے بغیر گاڑی کا دروازہ اس کے لئے کھول دیا تھا اور وہ کب کی سانس خارج کرتی ہوئی خود کو بمشکل گھسیٹتی ہوئی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔

"تھینک یو...... تھینک یو ویری مچ!" دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے دھیمے انداز میں کہا تو علی شاہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

"یہاں کیا کر رہی ہیں؟ اتنے خطرناک موسم میں؟"

"وہ...... میں اماں کی دوائیاں لینے آئی تھی۔" اس نے دوپٹے سے چہرے کو پونچھا۔

"خیریت...... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟" علی شاہ نے اُس کی اُڑی اُڑی رنگت دیکھتے ہوئے دریافت کیا تو وہ یکدم سر اثبات میں ہلانے لگی۔

"ہوں...... ہاں، میں ٹھیک ہوں۔" اس نے کہنے کے ساتھ ہی ایڈریس بتایا۔ پھر بولی "دراصل میں موسم کو انجوائے کرنا چاہتی تھی۔ تبھی گاڑی لئے بغیر نکل آئی کہ فاصلہ زیادہ تھا۔ پھر اس وقت بارش بھی اتنی شدید نہ تھی۔"

"حیرت ہے، آج وہ آپ کا گن مین ساتھ نہیں ہے؟" وہ جب بھی ہسپتال جاتی تھی بہرام اس کے ساتھ ہی ہوتا تھا کسی سائے کی طرح۔ وہ بولا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"اُسی سے بچنے کو تو گاڑی لئے بغیر نکلی تھی۔"

"حالانکہ آپ کو واقعی اس کی اشد ضرورت ہے۔" وہ ہونے والے حملے کے پیش نظر بولا تو وہ سر ہلانے لگی۔

"ہوں.... مگر میں خود کو قیدی محسوس کرنے لگتی ہوں اس کی موجودگی میں۔ لگتا ہے میں کوئی انتہائی سنگین جرم کی مرتکب ہوں اور وہ پہرہ دینے کو میرے ساتھ ہے۔ دم گھٹنے لگتا ہے۔"

"مگر اس طرح تو آپ ٹھیک نہیں کرتیں۔ یہ تو خود آپ کے لئے بھی برا ہے۔ بلکہ انتہائی خطرناک۔ کیا آپ کو ڈر نہیں لگتا؟" وہ ونڈ اسکرین سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"ڈر...... ڈر کیسا؟ موت تو برحق ہے۔ ڈرنا تو زندگی سے چاہئے۔ جو پل پل مارتی ہے موت تو سکون کا نام ہے۔ ابدی سکون۔ بندہ ساری اُلجھنوں سے نجات پا لیتا ہے ہمیشہ۔

لئے اور......" اُس نے بولتے بولتے گھر کے گیٹ کو دیکھا۔ "بس، بس یہیں روک دیجئے۔" اس نے کہا تو علی شاہ نے گاڑی اس کے گھر کے گیٹ کے عین سامنے روک دی۔ وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا عالیشان بنگلہ۔ بڑا سا سفید گیٹ۔

"آپ اندر آیئے نا۔" اس نے اترتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں دراصل رہبان کی طرف گیا تھا۔ کافی دیر وہیں کھڑا رہنا پڑا۔ پولیس اس کا بیان لے رہی تھی۔ سو ملے بغیر ہی لوٹ آیا۔"

"اوہ، میں تو آج جا ہی نہیں سکی۔ اور یہ پولیس کی تفتیش اب تک مکمل نہیں ہوئی؟ حالانکہ ان لوگوں کو یہاں وقت ضائع کرنے کی بجائے جا کر اس ملزم کو ڈھونڈنا چاہئے۔ لیکن یہ لوگ الٹا شہریوں کو ہی پریشان کرتے ہیں۔"

"یہ خانہ پُری کے کام تو چلتے ہی رہتے ہیں۔ اس کی حالت کے پیش نظر ڈاکٹر اتنے دن سے اجازت نہیں دے رہے تھے۔ مگر آج انہوں نے کامیابی حاصل کر ہی لی۔" وہ مسکراتا ہوا بولا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

"حالانکہ کامیابی انہیں کسی اور طرف حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔" اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ اندر آ کر چائے پیتے تو مجھے بے حد خوشی ہوتی۔ آپ میرے محسن کے دوست ہیں اور ہمارے ہاں رسم ہے کہ ہم اپنے دوستوں کو دہلیز سے اس طرح رخصت نہیں کیا کرتے۔"

اس کے کہنے پر وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔ "مہربانی۔ پھر کبھی سہی۔ اس وقت گھر پہنچنا ضروری ہے۔"

"اوکے۔" وہ بھی زیادہ نہ روک سکی اور اللہ حافظ کہتی گیٹ عبور کر گئی۔

علی شاہ نے "مژگاں محل" کو ایک نظر بغور دیکھا اور پھر گاڑی آگے بڑھا دی۔

✿......✿

"دمی رانی! تجھے خیال نہیں اپنا۔ چھوٹے سائیں نے سختی سے منع کر رکھا ہے کہ تجھے باہر کہیں بھی تنہا نہ نکلنے دیا جائے۔ اور تو اس طرح بغیر کسی کو ساتھ لئے پھر نکل گئی۔" زینب بی بی نے کہا تو وہ سنی ان سنی کرتی ہوئی صوفے میں دھنس گئی۔

"لو، اب کپڑے تو بدل لو۔ میرا تو دل ہولے جا رہا تھا۔ ایک تو موسم اتنا خراب اس پر یوں تنہا۔ میں نے تو بہرام کو پیچھے دوڑایا تھا۔ وہ بھی کمبخت ابھی تک نہیں لوٹا۔ غیر ذمے داری کی بھی حد ہوتی ہے۔ چھوٹے رئیس کو پتہ چلا تو نوکری سے باہر کر دے گا۔ اور تجھے بھی کیا

سوجھی۔ میری دوائیاں نہ آتیں تو کیا میں مر جاتی؟“
”اماں۔“ اس نے ٹوکا مگر وہ رکی نہیں۔
”اور کیا۔ میری جان تیری جان سے زیادہ قیمتی تو نہیں۔“
”اماں! ایسی باتیں مت کہیے۔ آپ کی جان میرے لئے بہت قیمتی ہے۔“
”ہاں، تبھی ستاتی رہتی ہے مجھے۔“
”ستاتی کہاں ہوں۔ خیال رکھتی ہوں آپ کا۔“
”خیال رکھنا ہے تو اپنا رکھ۔ اتنے خطرناک حملے کے بعد بھی تجھے ڈر نہیں لگتا؟“
”اماں! آپ ہی تو کہتی ہیں جو ڈر گیا وہ مر گیا۔“ اس نے مسکرا کر انہیں لاجواب کر دیا
”ہاں، اب میرے سبق مجھ ہی کو پڑھایا کر۔ باتوں میں بہلانا تو کوئی تجھ سے سیکھے
بالکل باپ پر گئی ہے تیری یہ عادت۔“
”اچھا، کیا وہ بھی آپ کو اسی طرح تنگ کیا کرتے تھے؟“ وہ ٹیک لگا کر ہاتھوں سے س
ہلکا ہلکا دباتی ہوئی بولی۔
”نہیں، تو زیادہ تنگ کرتی ہے۔ اور اُٹھ جا، کپڑے بدل۔ ورنہ بیمار ہو جائے گی۔“
”گریٹی کا کوئی فون آیا؟“ اس نے یونہی پڑے پڑے پوچھا۔
”نہیں۔ ہاں، تیرے بابا سائیں کا آیا تھا۔“
وہ یکدم چونک کر دیکھنے لگی۔ ”اچھا، کیا کہہ رہے تھے؟“
”تمہارا پوچھ رہے تھے۔“
”اچھا؟“ اس کا انداز بے یقین سا تھا۔ ”آپ نے کیا کہا؟“
”میں نے کہا سو رہی ہے۔ اگر بتا دیتی کہ اکیلی باہر گئی ہوئی ہے تو شامت آ جاتی۔“
”آپ بتا دیتیں۔ مجھے یقین ہے کچھ بھی نہ ہوتا۔“ اس نے بالوں میں سے اسکارف
نکالا۔ اماں اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے بولیں۔
”کہہ رہے تھے اٹھو تو فون کر لینا۔“
اور وہ سنی ان سنی کر گئی۔
”گریٹی نے فون کیوں نہیں کیا۔ کتنے دن ہو رہے ہیں۔ وہ آ بھی نہیں رہیں۔“ وہ خ
کلامی میں بولی۔
”پہلے اٹھ کر کپڑے بدل، پھر فون کر لینا۔ بابا کو بھی اور فلورا کو بھی۔“ اماں اٹھ کر ا
کے قریب آن بیٹھیں اور اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگیں۔

”اماں! دل نہیں چاہ رہا۔ اسی طرح ٹھیک ہے۔“ وہ سستی سے بولی۔ ”آپ کو پتہ ہے
آج مجھے بہت اچھا لگا۔ عرصے بعد بارش میں بھیگی۔ کتنا کرم ہے نا اللہ کا کہ وہ اپنے کرم سے
نوازتا ہے دنیا کو۔ اپنی رحمت برساتا ہے۔ نیکوں اور بدوں، دونوں پر۔“
”ہاں، تبھی تو کہتے ہیں خدا کی ذات بے نیاز ہے۔ انسان کے ہاتھ میں ہو تو کسی کو ایک
قطرہ بھی نہ دے۔ وہ تو رب سائیں ہے جو غریبوں اور امیروں دونوں کو اپنے کرم، اپنی رحمت
سے نوازتا ہے۔“ زینب بی بی نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔
تبھی وہ آنکھیں میچتے ہوئے بولی۔ ”اماں! بارش اچھی ہوتی ہے نا۔“
”ہاں، غبار ڈھل جاتا ہے۔“ اماں نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔
”مگر پانی بھی تو بھر جاتا ہے نا۔“ اس نے ذومعنی بات کہی۔
”مگر پیاسی دھرتی بھی تو سیراب ہو جاتی ہے نا بچے۔“
”مگر کبھی کبھی زمین سیراب نہیں بھی تو ہوتی۔“ وہ دھیمے لہجے میں یونہی بولی۔ ”بلکہ غبار
اور بڑھ جاتا ہے۔ جی اور بھی بے چین ہو جاتا ہے۔ گھٹن سے دم نکلنے لگتا ہے۔ پیاس بڑھنے
لگتی ہے۔
مگر حدت کم نہیں ہوتی!
بارش ہو بھی جائے تو مٹی نم نہیں ہوتی۔
ہوتا ہے نا کوئی شہر ایسا کہ جس میں
فقط ایک ہی موسم رُک جاتا ہے۔
ٹھہر جاتا ہے۔
اور وقت گزرتا ہی نہیں۔
جیسے ہر شے ساکت ہو جاتی ہے۔
منجمد۔
بے جان۔
اور بارش ہوتی رہتی ہے۔
قطرے گرتے رہتے ہیں۔
مگر پیاسی دھرتی کا سینہ پھر بھی سیراب نہیں ہوتا۔“ وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولتی
چلی گئی۔
”مڑی......مڑی!“ انہوں نے اسے ہلایا تو وہ یکدم جیسے جاگ کر انہیں دیکھنے لگی۔

"چل اُٹھ، ورنہ اٹھا کر واش روم میں لے جاؤں گی۔" انہوں نے محبت سے دھمکی د[ی۔]
وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

✿......✿

"اُف میری سمجھ میں نہیں آتا، تم درخواستیں لکھ لکھ کر اُکتاتی کیوں نہیں ہو؟" کچن سے فارغ ہو کر ادعیہ کمرے میں آئی تو شعاع کو مصروف دیکھ کر بولے بنا نہ رہ سکی۔ مگر شعاع نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ تبھی وہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"ہر درخواست کا انجام ایک سا ہی ہوتا ہے۔ مگر تم ہمت پھر بھی نہیں ہارتی ہو۔ ایمان سے داد دیتی ہوں تمہاری ہمت کی اور حوصلے کی۔ یو آر ریئلی بریو۔"

"زندہ رہنے اور زندگی گزارنے کے لئے ہمت اور حوصلہ ہی درکار ہوتا ہے۔ جینے کے لئے ایک ایک سانس سے لڑنا پڑتا ہے۔ ایک مسلسل جدوجہد کا نام زندگی ہے۔" شعاع جواب میں بولی تو وہ مسکرا دی۔

"تبھی تو کہتی ہوں تم بہادر ہو۔"

"ہم سب کو بہادر بننا چاہئے۔ کیونکہ جو زندگی کے مصائب اور پریشانیوں سے گھبرا جاتے ہیں زندگی ان کے پیروں میں کانٹے بچھا دیتی ہے۔"

وہ جواب میں کافی دیر خاموش رہی، پھر بولی۔ "میں سوچتی ہوں یونیورسٹی کو خیر باد کہہ کر کوئی جاب کرلوں۔ اس طرح کب تک گزارا ہوگا۔"

"تم فکر مت کرو۔ میں ہوں نا۔" شعاع نے درخواست مکمل کر کے لفافے میں بند کی۔

"سلمان بتا رہا تھا ان کے اسکول میں جگہ خالی ہے ٹیچر کے لئے۔"

"تو؟"

اور وہ جواب میں چپ چاپ اسے دیکھنے لگی۔ شعاع چلتی ہوئی اس کے پاس آن بیٹھی۔

"تم بہت چھوٹی ہو ابھی۔ یہ تمہارے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونا چاہئے۔"

"مگر یہ ہم سب کا مشترکہ مسئلہ ہے۔" شعاع جواب میں اسے دیکھنے لگی۔ پھر یونہی بات بدلنے کو بولی۔ "امی اور رانیہ وغیرہ سو گئے؟"

"ہوں۔"

"تمہیں صبح یونیورسٹی نہیں جانا جو اب تک جاگ رہی ہو؟ اور ہاں، تمہاری اسٹڈی کیسی جا رہی ہے؟ کوئی پرابلم تو نہیں۔ اکنامکس بڑا مشکل مضمون ہے۔"

ادعیہ نے جواب میں اسے دیکھا اور پھر دھیرے سے مسکرا دی۔ "شعاع! میں بچی نہیں [ہو]ں جسے تم اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے بہلا سکو۔"

"ہوں، تم تو دادی اماں ہو سب کی۔" وہ مسکراتی ہوئی بولی تو جواباً وہ بھی مسکرا دی۔ تبھی [اس]ں نے پوچھا۔ "محترم کیپٹن اعصار شیخ نے آپ کا کیا بگاڑا ہے جو آپ ان کے آنے پر [ہم]یشہ عمدہ ترین رویے کا مظاہرہ کرتی ہیں؟"

اس کے لب یکدم سکڑ گئے۔ "مجھے اس کی آمد قطعی پسند نہیں۔"

"مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ تم اس کے ساتھ بدسلوکی کرو۔ گھر تو دشمن بھی چل کر آ جائے تو اس کا سواگت کرتے ہیں۔"

"یہ بات میں بھی مانتی ہوں۔ مگر یہ بات فقط دشمنوں کے لئے ہے۔ ایسے دشمن جو [د]وست بن کر آپ کی جڑیں کاٹتے ہیں ان کے ساتھ کچھ اور طرح کا برتاؤ ہونا چاہئے۔"

"ادعیہ! بہت بری بات ہے۔" اس نے اسے ٹوکا۔ "وہ اچھا لڑکا ہے۔ تم کم از کم اسے اس بات کی سزا تو مت دو۔ پھر میرے خیال میں جو کچھ بھی ہوا، اس میں کسی کا بھی کوئی قصور نہیں۔ یہ دنیا ہے اور یہاں یہ سب کچھ ہوتا ہی ہے۔ ہمیں ہر بات کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ بات یہ ہے کہ......" شعاع بول رہی تھی، تب اس نے اس کی بات جلدی سے کاٹی۔

"بات دراصل یہ ہے کہ تم انتہائی درجے کی اعلیٰ افضل ہو۔ جو سب کچھ بھول سکتی ہو، معاف کر سکتی ہو۔ مگر میں نہیں۔"

"خود کو اتنا انتہا پسند مت بناؤ۔ میں جانتی ہوں تم فقط یہ ظاہر کر رہی ہو۔ اندر سے تم بالکل موم کی طرح ہو۔"

"اچھا......!" وہ اپنے متعلق اس کی رائے سن کر جانے کیوں مسکرا دی۔

"بہن ہوں تمہاری۔ مجھ سے زیادہ تمہیں اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ خود کو پتھر ظاہر کرتی ہو فقط۔ مگر درحقیقت تم اتنی ہی حساس ہو کہ تم سے دوسروں کی تکلیف لمحہ بھر کو بھی برداشت نہیں ہوتی۔"

"مگر شعاع! کبھی کبھی اس کی بڑی کڑی سزا بھی تو ملتی ہے نا۔ لوگ ہمیں ہماری برداشت سے کہیں زیادہ نواز جاتے ہیں۔ جانتے ہیں نا، ہم درگزر کا فن جانتے ہیں۔ سو دل دُکھانے میں گریز نہیں کرتے۔ وہ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ ہماری برداشت بھی ختم ہو سکتی ہے۔"

"کسی کے متعلق کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ ہمیں اپنے آپ کو دیکھنا چاہئے، خود اپنی فکر کرنی چاہئے۔ جتنا برداشت ہو سکے، ٹھیک ہے۔ درگزر کر دینا چاہئے۔ اسی میں اپنی بقا ہے اور

دوسروں کی بھی۔'' شعاع نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بات یہ بھی ہوتی ہے کہ ہم دوسروں سے کئی اُمیدیں باندھ لیتے ہیں جو کہ بالکل نہیں باندھنی چاہئیں۔ کیونکہ جہاں آپ کسی سے امید وابستہ کرتے ہیں تو خود اپنے لئے ایک دکھ خرید لیتے ہیں۔ جب کوئی آپ کی امیدوں پر پورا نہیں اترتا تو یقیناً دُکھ ہوتا ہے۔ سو کسی سے کبھی بھی خوش فہمی نہیں رکھنا چاہئے۔ بصورت دیگر پریشانی خود آپ کو ہوگی۔ کیونکہ ضر نہیں کہ اگلا آپ کی امیدوں پر پورا بھی اترے۔

مگر ایسا لاشعوری طور پر ہوتا ہے شعاع! ہم اپنے قریبی عزیزوں سے، اپنے دوستوں رشتے داروں سے لاشعوری طور پر کچھ امیدیں کرنے لگتے ہیں۔''

''کچھ نہیں، بہت کچھ۔ تبھی تو مایوسی بھی ہوتی ہے۔'' شعاع یکدم ہنس پڑی تو و مسکرا دی۔

''ہاں شاید۔'' وہ بولی۔ تبھی نگاہ وال کلاک پر پڑی تو وہ فوراً سونے کے لئے بستر پر آ

✿......✿

''خوبصورت لڑکیاں تو جیسے دنیا میں ختم ہی ہوگئی ہیں۔ کسی کا قد چھوٹا ہے تو کسی کے لبے نہیں ہیں۔ کسی کی آنکھیں چھوٹی ہیں تو کسی کی ناک بھدی ہے۔ کسی کی رنگت سانولی تو کوئی فربہی مائل ہے۔ اے آپا! میں تو تھک گئی ہوں گھر جھانک جھانک کر۔ جوتیاں گئیں۔ اماں کہتی تھیں اللہ بخشے ان کو، پہلے لڑکی والے خوار ہوا کرتے تھے، اچھے لڑکوں لئے۔ مگر اب تو لڑکے والے سو در دیکھتے ہیں تب بھی کوئی ڈھنگ کی صورت نظر نہیں آ

صفیہ بیگم نے اپنی بڑی جیٹھانی سلمٰی آپا سے جلے دل کے پھپھولے پھوڑے تو قریب ہی زویا کو ہنسی آگئی۔ صفیہ بیگم کو اپنے ہونہار سپوت کے لئے لڑکی مل کر ہی نہیں دے رہی تھی

''چچی جان! لڑکیاں تو اب بھی اتنی ہی خوبصورت ہیں دنیا میں۔ ہاں بس یہ ہے کہ ل والوں کی سوچ بدل گئی ہے۔ اب لڑکے والوں کو فقط لڑکی درکار نہیں ہوتی، اور بھی بہت لوازمات چاہئے ہوتے ہیں۔''

اس کی اس بات پر چچی جان نے تو اسے دیکھا ہی، چشمے کے پیچھے سے اماں بھی گھو بھولی۔ ''زویا! چپ کر کے بیٹھی رہ تو۔ یہ بچوں کے کرنے کی باتیں نہیں ہیں۔''

دادی اماں جو کب کی چپ بیٹھی اپنی دونوں بہوؤں کی گفتگو سن رہی تھیں، تب انہیں بولنا ہی پڑا۔ ''اے بہو! بات تو بچی نے سولہ آنے درست کہی ہے۔ کہاں تھا پہلے زمانے ایسا۔ زیادہ سے زیادہ ہوگیا تو جہیز کے نام پر دو چار بستر اور برتن دے دیئے۔ اس سے

کی کسی کی حیثیت تھی نہ دوسرے فریق کی خواہش۔ اس زمانے میں لوگوں کی نظروں میں شرم تھی اور لحاظ تھا۔ لوگ ایک دوسرے کا احساس کیا کرتے تھے، خیال کیا کرتے تھے۔ آج کے لوگوں کی آنکھوں پر تو فقط لالچ اور حرص کی عینک لگی ہوئی ہے۔ لڑکی میں سو عیب بھی ہوں تو روپیہ پیسہ سارے عیب چھپا جاتا ہے۔ لوگ ہنسی خوشی سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ اور کہیں سو گن والیاں بھی بیٹھی رہ جاتی ہیں۔ اب یہی دیکھ لو، حسن شیخ کی بچیاں کتنی نیک اور سگھڑ واقع ہوئی ہیں۔ پڑھی لکھی اور سمجھدار بھی ہیں۔ مگر کسی کو اپنے بیٹوں کے لئے وہ نظر نہیں آتیں۔''

دادی اماں نے سچی بات کہی تھی۔ دونوں بہوؤں کو اندر تک سلگا گئی تھیں۔ مگر مروتاً دونوں چپ رہ گئی تھیں۔ تائی اماں (سلمٰی بیگم) کو اچانک ہی کوئی کام یاد آ گیا تھا اور صفیہ بیگم (چھوٹی چچی) بھی اسی دم اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ دادی اماں نے انہیں اٹھتے دیکھ کر منہ ہی منہ میں کچھ کہا تھا اور پھر پان پر چونا لگانے میں مصروف ہوگئی تھیں۔ زویا تمام صورتحال پر جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

''دادی اماں! آپ نے اماں اور چچی کو ناراض کر دیا۔''

''اے ہونے دے۔ آج کے زمانے میں تو سچ کہنا اور سننا محال ہے۔''

''کس سے کیا سننا محال ہے بھئی؟'' تبھی اندر سے اعصار برآمد ہوا تو دادی اماں اسے چشمے کے پیچھے سے بغور دیکھنے لگیں۔

''اُٹھ گیا تو......''

اُن کا انداز وہ سمجھ چکا تھا۔ یقیناً وہ دن چڑھے اٹھنے پر تنبیہہ زدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ تبھی وہ دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ ''دادی اماں! ہمیشہ تو ڈسپلن ہی ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تو موقع ملتا ہے۔''

''ہمیں بھی کبھی کبھی ہی موقع ملتا ہے تمہاری صورت دیکھنے کا۔ ایک تو تم نے ضد کر کے فوج میں نوکری کر لی۔ مہینوں گھر سے باہر رہتے ہو۔ ہم تو صورت دیکھنے کو ترس جاتے ہیں۔ پھر بھی جو گھر ہوتے بھی ہو تو احساس تک نہیں ہوتا۔''

وہ ہنستا ہوا ان کے عین سامنے جا بیٹھا۔ ''لیجئے، جی بھر کر دیکھ لیجئے۔ آپ کے سامنے ہوں۔'' وہ کچھ اتنی فرمانبرداری سے بولا کہ دادی اماں کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''اولاد جانتی ہے ہمارے بزرگ ہم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور ہم ان کی کمزوری ہیں۔ تبھی ستانے سے باز نہیں آتی۔''

''دادی اماں! ستا کہاں رہا ہوں میں آپ کو۔ میں تو آپ کا حکم بجا لا رہا ہوں۔''

"اے بس، رہنے دے۔ جانتی ہوں تجھے کتنا خیال ہے میرا۔"

"دادی اماں! ایک آپ ہی تو میری جان ہیں۔" وہ لاڈ جتاتا ہوا ان کی گود میں لیٹ تو دادی اماں یکدم ہنس پڑیں۔

"پکا مسکے باز ہے تو۔ ہاں سن، مجھے امینہ کی طرف جانا ہے۔ شعاع اور ادعیہ کو دیکھے د گزر گئے ہیں۔ اگر تیرے پاس وقت ہو تو مجھے چھوڑ دینا آج۔"

"دادی اماں! آپ کے لئے تو وقت ہی وقت ہے۔ حکم کریں تو ابھی چھوڑ دوں؟" مسکراتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

"تو ناشتہ وغیرہ کر لے۔ مجھے ابھی جلدی نہیں۔ زویا! بھائی کے لئے چائے لے آ" دادی اماں کچھ ہی فاصلے پر بیٹھی نیوز پیپر پڑھتی زویا سے مخاطب ہوئیں تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

✿......✿
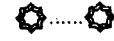
دروازہ کھلا ہوا تھا۔

وہ بڑے دھڑلے سے اندر داخل ہوئی۔ سامنے ہی برآمدے میں وہ چارپائی پر لمبی تا سو رہی تھی۔

"ہائے ربا، سنا ہے ویاہ کا نام سنتے ہی کڑیوں (لڑکیوں) کی نیندیں اُڑ جاتی ہیں۔ اور کیسی لے کر مزے لوٹ رہی ہے نیندر (نیند) کے۔ ابھی بتاتی ہوں تجھے۔" سیو نے شاجی سوئے دیکھ کر کہا اور پھر شرارت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ سامنے ہی نلکے کے نیچے پانی بھری بالٹی پڑی ہوئی تھی۔ اسے پل بھر میں شرارت سوجھ گئی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی گئی او بالٹی اٹھا کر چارپائی کے قریب آن رکی۔ شاجی نے اب تک کوئی حرکت نہ کی تھی۔

"لے، مجھے بلا کر خود نیندریں (نیندیں) پوری کر رہی ہے۔" اس نے بالٹی اٹھائی او شاجی کے اوپر الٹ دی۔

"اے...... اے...... اے۔" ردعمل کے طور پر ایک آواز ابھری اور کمبل ایک جھٹکے ہٹ گیا اور وہ جو اپنی شرارت پر مسکرا رہی تھی، ایک دم ہی ہونٹ بھینچ گئی۔ چارپائی کے ب حد قریب کھڑی تھی، لمحہ بھر کو ہی اُلٹے قدموں پیچھے ہٹی۔

وہ بے حد گھورتے ہوئے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ بالٹی بھر پانی گرنے کے باعث وہ بری طرح بھیگ چکا تھا۔ وہ کچھ بدحواس سی کھڑی اسے تکے جا رہی تھی۔ بھاگنا بھی یاد نہ رہا تھا۔

"وہ...... میں سمجھی شاجی...... شاجی......"

تبھی اندر کمرے سے ایک دم شاجی برآمد ہوئی۔ لمحہ بھر کو وہ صورت حال بھانپ گئی۔

"ہائے سیو! کیا کر دیا تو نے؟"

"وہ میں سمجھی تم ہو۔" وہ شرمندہ نظر آ رہی تھی۔ تبھی شاجی نے آگے بڑھ کر تیزی سے اس کا ہاتھ تھاما اور اندر لے گئی۔

"پاگل، تم نے بلّو بھائی کو بھگو دیا۔ وہ بے چارے کچھ ہی دن قبل تو شہر سے آئے تھے۔"

"بلّو......؟"

"ہاں، میرا بھائی بلال بھئی۔ پہچانا نہیں تم نے؟" شاجی نے کہا تو وہ حیرانگی کے عالم میں نفی میں سر ہلانے لگی۔

"لو، تم نے میرے بھائی کو جیسے دیکھا نہیں پہلے۔ دو سال پہلے ہی تو وہ شہر گیا تھا۔" شاجی نے اطلاع دی تو تبھی وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔ اس کی کیفیت پر شاجی یکدم ہنسنے لگی۔

"اب ہوش میں واپس آ جا۔ جو بھی تجھ سے ہوا انجانے میں ہوا۔ تیری غلطی نہیں۔ تجھے کیا پتہ تھا کہ وہاں میرے علاوہ کوئی اور ہوگا۔"

"یہ...... یہ وہی بلّو ہے نا جس نے گاؤں کے ہائی اسکول سے امتحان پاس کیا تھا؟" سیو نے جانے کیوں یقین کرنا چاہا۔

"ہاں......"

"وہی نا، جو ہمارے کھلونے توڑ دیا کرتا تھا۔ جسے ہمارا گڑیوں سے کھیلنا پسند نہیں تھا؟" اس نے یاد دلایا اور شاجی اثبات میں سر ہلانے لگی۔

"ہاں بھئی، ایک ہی تو بھائی ہے میرا۔ یہ وہی بلال ہے جو پوری دس جماعتیں پاس کر کے شہر گیا تھا۔" شاجی نے اپنے بھائی کے متعلق اترا کر جواب دیا۔

"مگر یہ تو بہت بدل گیا ہے۔" اس کی بات اتنی مضحکہ خیز تھی کہ شاجی ہنسنے لگی۔

"لے، تو ہم بھی تو بدل گئے ہیں۔"

"ہائے ربا......!" سیو نے سر پر ہاتھ مارا۔ "میں نے کتنا برا کیا۔ یہ اب مجھے ڈانٹے گا تو نہیں؟"

"یہ تو مجھے پتہ نہیں۔ مگر تو پریشان مت ہو۔ میں دیکھ لوں گی۔" شاجی نے سارا ذمہ اپنے سر لے لیا تو اس نے اطمینان کا ٹھنڈا سانس بھرا۔

"تو نے مجھے بلایا کیوں تھا؟"

"کل شام کو مایوں ہے نا۔ اماں کہہ رہی تھی تجھے بلا کر دوپٹوں پر گوٹا کناری لگوا لوں۔"

"لا پھر جلدی سے دوپٹے مجھے دے دے۔ بے بے کو بتا کر نہیں آئی ہوں۔ راہ دیکھ رہی

ہو گی کہ کہاں رہ گئی۔"

"تو بیٹھ، میں لاتی ہوں۔"

شاجی دوسرے کمرے میں جانے لگی تھی جب وہ تیزی سے بولی۔ "ذرا جھتی (جلدی) کر۔"

"ہاں ہاں......" شاجی سر ہلاتی ہوئی دوسرے کمرے میں گئی اور کچھ ہی دیر میں ایک تھیلا لے کر آ گئی۔ "اس میں دوپٹے اور ان سے ملتی ہوئی کناریاں اور گوٹے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آپے (خود ہی) دیکھ لوں گی۔" وہ شاپر سنبھالتی ہوئی تیزی سے باہر نکلی تو سامنے ہی بلو کھڑا نظر آ گیا۔ اسے لگا وہ اُسے کھا جانے والی نظروں سے تک رہا ہے اور ابھی آ دبوچے گا۔ تبھی وہ تقریباً بھاگتی ہوئی دہلیز عبور کر گئی۔

✿......✿

اور کبھی کبھی دل چاہتا ہے نا کہ ہر طرف سے کان بند کر لئے جائیں۔ کوئی بات، کوئی شور سماعتوں میں اترنے نہ پائے۔ کوئی ناگوار لفظ...... کوئی ناپسندیدہ بات، کچھ بھی کان سننے نہ پائیں۔ یا پھر آنکھیں موند لی جائیں اور سارے ناپسندیدہ منظر چھپ کر رہ جائیں۔ کچھ نظر نہ آئے۔ ایک الگ جہان بسا لیا جائے۔

خوابوں اور خیالوں کا
شہرِ تمنا......!

زمین زادے، چلو باتیں کریں شہرِ تمنا کی
وہ شہر جہاں کوئی غم نہ ہو
کوئی پریشانی نہ ہو
یونہی، کبھی کبھی
دل چاہتا ہے کہ ایک ایسا جہاں بسائیں
کہ جہاں کسی اور کا گزر نہ ہو
دل تنہا ان وادیوں میں بھٹکتا رہے
اُڑتا چلا جائے
بے فکر پنچھی کی مانند
ایسا نگر جہاں ہم اپنے حصے کے
سارے خواب

سارے رنگ
سارے سکھ
سارے ارمان اور ساری خوشیاں
اپنی جھولی میں بھر لیں
اور پھر چاہے ہمیں اس خطے سے
کوئی دربدر کر دے

مگر ایسا جہاں بھلا کہاں آباد ہو گا؟
اس نے کہیں پڑھا تھا۔

جہاں یقین ہو گا، وہاں محبت ہو گی
جہاں محبت ہو گی، وہاں امن ہو گا
جہاں امن ہو گا، وہاں خدا ہو گا
اور جہاں خدا ہو گا، وہاں کسی اور کی ضرورت نہیں۔

مگر یہ انسان ہے، جس کی حاجتیں بدلتی رہتی ہیں۔

بعض اوقات اس کی خواہشات اس پر اس طرح غالب آتی ہیں کہ کسی شے کا ہوش نہیں رہتا۔ خدا کو تلاش کرنا بے حد آسان ہے۔ وہ ہمارے اندر بستا ہے۔

دل کے اندر۔

وجود کے اندر۔

اور اس کا وجود ہمارے اندر تک اطمینان و سکون کا باعث ہوتا ہے۔ مگر ہم اپنے نفس کے پیچھے بھاگتے ہوئے اپنے اندر مڑ کر جھانکنے کی کوشش ہی نہیں کرتے کبھی۔ ورنہ ہمیں امن و سکون اور محبت کے لئے بہت دُور نہ بھاگنا پڑے۔

"مژگان بچی! ہسپتال جاؤ تو مجھے بھی لے لینا۔ کتنے دن ہو گئے اس بچے کو دیکھا نہیں۔"

"اماں! آپ آرام کیجئے ابھی۔ وہ تیزی سے صحت یاب ہو رہا ہے۔"

"رب سائیں حیاتی بخشے اسے۔ بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تیرے بابا سائیں بھی کہہ رہے تھے، چاہے جتنا خرچہ ہو، اس نوجوان کو تندرست ہونا چاہئے۔ صدقہ، خیرات کرنے کو بھی کہہ رہے تھے۔ اپنے ہاتھوں سے مزار پر غریبوں میں کھانا تقسیم کر دینا۔"

وہ سر ہلانے لگی۔ "آپ بابا سائیں سے کہہ دیجئے گا میری اتنی فکر نہ کیا کریں۔"

"باپ ہے وہ تیرا۔ فکر تو ہوتی ہی ہے نا۔"

"تبھی تو کہہ رہی ہوں۔ اب کے فون آئے تو کہہ دیجئے گا اتنی فکر مت کیا کریں۔" وہ تلخی سے مسکراتی ہوئی وارڈ روب کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ "آپ نے گرینی کو فون کیا تھا؟"

"نہیں۔ میں نے سوچا تو خود کرلے گی۔"

"اور میرے ذہن سے بالکل ہی نکل گیا۔ ایک تو گرینی بھی عجیب ہیں۔ جاتی ہیں تو بھول ہی جاتی ہیں۔" وہ کپڑوں کا انتخاب کرتے ہوئے گویا ہوئی۔

"نہیں، ایسی بات نہیں۔ اس کی بھانجی کی طبیعت لگتا ہے کچھ زیادہ ہی خراب ہو گی۔"

"مگر پھر بھی انہیں اطلاع تو کر دینا چاہئے تھی۔"

بہت سے کپڑوں میں سے آخر کار وہ ایک سوٹ نکالنے میں کامیاب ہو ہی گئی۔

"اماں! میں سوچتی ہوں مجھے دوبارہ لندن چلے جانا چاہئے۔" وہ یکدم گویا ہوئی۔

"کیوں بھلا؟" اماں حیران رہ گئیں۔

"یہاں دل نہیں لگ رہا۔"

"ہاں، دوست بھی تو کوئی نہیں تیرا یہاں۔"

"نہیں، دوستوں کی بات نہیں، بعض اوقات ہجوم میں بھی انسان تنہا ہوتا ہے۔ بالکل اکیلا۔ اور بعض اوقات تنہائی میں بھی انجمن سی آباد ہو جاتی ہے۔ خلوتوں میں بھی میلے کا گماں گزرنے لگتا ہے۔"

"پتہ نہیں، تیری باتیں میری سمجھ میں تو آتی نہیں۔" زینب بی بی نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولیں تو وہ یکدم ہنسنے لگی۔

"ہنس کیوں رہی ہے اب؟" زینب بی بی اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"آپ کو میری باتیں جو سمجھ میں نہیں آتیں۔"

زینب بی بی اسے یونہی دیکھتی رہیں، پھر بولیں۔ "ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہے تو۔ ہنستی رہا کر۔"

"اچھا......!" وہ اور بھی زور سے ہنس پڑی۔

تبھی ملازم فون لے کر آ گیا۔

"بی بی صاحبہ! فون ہے گرینی صاحبہ کا۔" اس نے فوراً سیٹ تھمایا۔

"ہائے گرینی! تھینک گاڈ، آپ کو میرا خیال آ گیا۔ کیسی ہیں آپ؟"

"بے بی! تم کیسی ہو؟ یہاں فون خراب تھا۔ مارگریٹ کی طبیعت بھی زیادہ خراب تھی۔ سو چاہتے ہوئے بھی فون نہ کر سکی۔"

"گرینی! آپ واپس کب آ رہی ہیں؟ پتہ ہے میں بہت مس کر رہی ہوں آپ کو۔ یہاں

سب کچھ بے حد اُداس ہے۔"

"میں بھی مس کر رہی ہوں تمہیں بے بی۔ تم بتاؤ وہ نوجوان کیسا ہے اب؟ مجھے اس کی بہت فکر ہے۔ گاڈ اسے تندرست کرے۔ میں اس کے واسطے روز دعا کرتی ہوں۔"

"گرینی! آپ کی دعاؤں میں بہت اثر ہے۔ دیکھئے تبھی وہ تیزی سے تندرست ہو رہا ہے۔"

"دیٹس گریٹ۔ تم اس کی خیریت معلوم کرنے جاتی ہو نا؟"

"ہاں گرینی۔ میں ابھی وہاں جانے کی تیاری کر رہی ہوں۔ آپ کب آ رہی ہیں؟"

"بہت جلد بے بی۔ بس مارگریٹ کی طبیعت کچھ سنبھل جائے۔ او کے، اپنا خیال رکھنا، اکیلی باہر مت نکلنا، اچھا۔"

"اچھا۔"

"ٹیک کیئر۔"

"ٹیک کیئر ٹو۔"

✿......✿

"بے بے! چھوٹی بی بی کی کڑمائی (منگنی) طے پا گئی ہے تو مجھے اپنے ساتھ حویلی لے کر جائے گی نا اب؟" سیمو نے شاجی کے دوپٹوں پر گوٹا کناری لگاتے ہوئے بے بے سے دریافت کیا۔ وہ جوٹو کے پر جانوروں کے لئے چارا کاٹ رہی تھیں، انہوں نے وہیں سے سر ہلا دیا۔

"ہلاہ...... ہلاہ......" (اچھا اچھا)

"نا، میں نہیں مانتی۔ ہمیشہ ایسے ہی کہتی ہے تو۔ مجھے ضرور جانا ہے اب کے۔ چھوٹی بی بی سے ملنے کا بہت شوق ہے مجھے۔" وہ جانتی تھی بے بے ہمیشہ ایسے ہی ٹالتی تھی سو جلدی سے لی۔ تب بے بے نے کوئی جواب نہ دیا تو وہ پھر بولنے لگی۔

"شاجی کی شادی کے لئے نیا جوڑا بھی لے کر دے مجھے۔"

"تیری تو فرمائشیں ہی ختم نہیں ہوتیں۔"

"ہاں تو اب کیا پرانے کپڑے پہن کر جاؤں؟ پہلی پہلی سہیلی کی تو شادی ہو رہی ہے۔ بجو، نگو، چھینو تو پانچ پانچ جوڑے سلوا رہی ہیں، سلمے ستارے والے، گوٹے کناری والے۔" سا نے نئی اطلاع فراہم کی۔

"ہاں، ڈولے میں تو جیسے انہیں ہی بیٹھنا ہے نا۔" بے بے نے چارا ایک طرف رکھتے ئے آ کر حقہ سنبھالا۔ اس نے اپنی باتوں کو رائیگاں جاتے دیکھ کر ایک بار پھر بے بے کی

طرف دیکھا جو حقے کا جائزہ لینے میں مصروف تھیں۔

''بے بے، اے بے بے!'' شاجی کے دوپٹے کو گوٹا لگاتے ہوئے اس کی توجہ مسلسل بے بے کی طرف ہی تھی۔

''بول بھی دے، کیا ہے اب؟'' بے بے نے اطمینان کر کے کہ حقہ ''ٹھنڈا'' ہے، ساری راکھ ایک طرف ڈال دی اور اٹھ کر چولہے کے پاس آن بیٹھی جس میں انگارے دہک رہے تھے۔

''تو مجھے نیا جوڑا دلائے گی نا؟'' آخری سرے پر ٹانکا لگا کر اس نے گرہ لگا کر منہ سے دھاگہ توڑا۔ بے بے حقے کی ٹوپی کے ساتھ مصروف رہیں۔ پہلے تمباکو رکھا، پھر گڑ اور پھر چمٹے سے بڑی مہارت کے ساتھ دہکتے ہوئے کوئلے اٹھا کر ٹوپی میں رکھنے لگیں۔

''میری گل (بات) کا جواب تو دے دے، بے بے!''

''کملی (پاگل) ہوگئی ہے تو، تو۔ جب وقت آئے گا دیکھا جائے گا۔'' بے بے نے اپنا کام جاری رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''تو، تو ایسے بول رہی ہے بے بے! جیسے شاجی کے ویاہ میں مہینوں پڑے ہوں۔ کل ہی تو اس کی مایوں ہے۔''

''ہلاہ، ہلاہ (اچھا، اچھا) تیرا چاچا آتا ہے تو بولتی ہوں۔'' انہوں نے ٹالا۔

''لے، جیسے مجھے پتہ نہیں۔ پیسے تو تیرے کول (پاس) ہی ہوتے ہیں نا۔ چاچا اور ویر جی کماتے ہیں تیری ہتھیلی پہ ہی تو رکھتے ہیں۔''

''ہاں، خزانے لوٹ کر لاتے ہیں نا وہ جیسے۔ محنت کی کمائی ہے۔ اور تو جانتی ہے فصل کی کٹائی اب تک ہوئی نہیں۔'' بے بے نے ٹوپی کو بھر کر بند کیا اور پھر وہاں سے اٹھ آئی۔ تبھی اکبر آ گیا۔ وہ جو کچھ بولنے جا رہی تھی، یکدم چپ ہوگئی۔

''کیا ہو رہا ہے بھئی؟'' اسے سر جھکائے مصروف دیکھ کر وہ پوچھنے لگا۔ وہ اس سے کافی بڑا تھا، سو وہ اس سے ڈرتی بھی تھی اور وہ بھی کبھی کبھی ڈانٹتا تھا تو کبھی پیار بھی کرتا تھا مگر اپنا فرمائشی پروگرام وہ قطعی اس کے سامنے نہیں رکھ سکتی تھی کہ خوف زیادہ تھا۔ اس کا کوئی بھروسہ بھی نہ تھا، ایک لمحے میں موڈ ٹھنڈا ہوتا تو دوجے ہی پل بھڑک اٹھتا۔ سو وہ چپ چاپ کام کرتی رہی۔ بے بے ہی بولی۔

''سہیلی کا ویاہ ہے نا، اس کے شگنوں کا کام کر رہی ہے۔''

''ویاہ، کس کا؟'' وہ جیسے بالکل لاعلم تھا۔

''شاجی کا...... اور تمہاری یہ لاڈو بھی ضد کر رہی ہے، لیڑے (کپڑے جوڑے) نئے بنوانے کی۔'' بے بے کے مطلع کرنے پر وہ اِک نگاہ اٹھا کر آس سے اکبر کی طرف دیکھنے لگی۔ مگر وہ کوئی جواب دیئے بغیر، کچھ بھی کہے بغیر غسل خانے میں گھس گیا تو وہ منہ بسور کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی۔

✿......✿

گھر بہت بڑا تھا مگر مکینوں کے دل بہت محدود اور فاصلے پر واقع ہوئے تھے۔ کبھی کبھی بہت زیادہ قربتیں بھی دُوریوں کا باعث بن جاتی ہیں۔ بہت زیادہ محبتیں شدید نفرت کا باعث بن جاتی ہیں۔ فاصلے کم بھی ہوں تو درمیان میں یکدم ہی کوئی دیوار سی اٹھنے لگتی ہے۔ دلوں سے دلوں کے رابطے ٹوٹنے لگتے ہیں۔

اپنے پرائے ہونے لگتے ہیں۔
آنکھوں میں تمام رنگ
خون ہونے لگتے ہیں
پلکوں کی دہلیز پر سجے
خواب ٹوٹ جاتے ہیں
بھیڑ میں زمانے کی
ہاتھ چھوٹ جاتے ہیں
دوست دار لہجوں میں سلوٹیں سی پڑتی ہیں
اِک ذرا سی رنجش سے
شک کی زرد ٹہنی پر پھول بدگمانی کے
اس طرح سے کھلتے ہیں
زندگی سے پیارے بھی
اجنبی سے لگتے ہیں، غیر بن کے ملتے ہیں
عمر بھی کی چاہت کو آسرا نہیں ملتا
دشت بے یقینی میں راستہ نہیں ملتا
خامشی کے وقفوں میں
بات ٹوٹ جاتی ہے اور سرا نہیں ملتا
معذرت کے لفظوں کو روشنی نہیں ملتی

لذتِ پذیرائی، پھر کبھی نہیں ملتی
پھول رنگ وعدوں کی
منزلیں سکڑتی ہیں
راہ مڑنے لگتی ہے
بے رخی کے گارے سے، بے دلی کی مٹی سے
فاصلوں کی اینٹوں سے، اینٹ جڑنے لگتی ہے
خاک اُڑنے لگتی ہے
خواب ٹوٹ جاتے ہیں
واہموں کے سائے تھے، عمر بھر کی محنت کو
پل میں لوٹ جاتے ہیں
اِک ذرا سی رنجش سے
ساتھ چھوٹ جاتے ہیں
بھیڑ میں زمانے کی
ہاتھ چھوٹ جاتے ہیں
خواب ٹوٹ جاتے ہیں
اور شاید خواب ہوتے ہی ٹوٹنے کے لئے ہیں
کانچ گھروندے
کانچ سے بھی کہیں نازک
خوابوں کا حقیقت سے کوئی تعلق ہوتا ہے اور نہ واسطہ
مگر پھر بھی ان کے ٹوٹنے کا ملال ہمیں تادیر رہتا ہے
اور کبھی کبھی تو یہ ملال پوری عمر پر محیط ہو جاتا ہے
کرچیاں آنکھوں میں ایسی چبھتی ہیں کہ پھر
آنکھیں تاحیات خون خون ہی رہتی ہیں
خواب دیکھنا کوئی ارادی فعل نہیں
سراب تراشتے ہیں
آنکھوں میں رنگ بھرتے ہیں
اُمیدیں باندھتے ہیں

آس لگاتے ہیں
اور پھر...... پل بھر میں صورت بدل جاتی ہے
سب کچھ ختم ہو جاتا ہے
سب کچھ......!!

اور تبھی ان لوگوں نے بھی خود کو محدود کر لیا تھا۔ گھر ہزار دو ہزار گز پر مشتمل سہی، مگر دلوں کے درمیان فاصلے صدیوں پر محیط تھے۔

ایک گھر، ایک چھت۔ مگر وجود بے حد اجنبی، لاتعلق۔

انہوں نے حسن شیخ کی وفات کے بعد خود کو اسی ایک حصے میں مقید کر لیا تھا جو ان کا تھا۔ پورے گھر سے وہ لوگ یکسر کٹ کے رہ گئے تھے۔ کیا ہو رہا ہے، کون آ رہا ہے، کون جا رہا ہے، سرے سے کوئی سروکار نہ تھا انہیں۔ کبھی کبھار دل چاہتا تو دادی اماں سے ملنے چلی جاتیں یا پھر دادی اماں کو کوئی ان کے پورشن میں لے آتا۔ (دادی اماں چلنے پھرنے سے معذور تھیں) کوئی خود کو یونہی محدود نہیں کرتا۔ ہر بات کے پیچھے ایک سبب موجود ہوتا ہے۔ وہ لوگ بھی پہلے پہل ویسے ہی آتی جاتی تھیں۔ مگر پھر تائی اماں اور چچی جان کی نظروں کی سردمہری اور ذومعنی تلخ جملوں نے ان کے پاؤں ایک حد تک محدود کر دیئے۔

اس روز بھی دادی اماں کو لے کر اعصار آیا ہوا تھا۔ وہ رانیہ، ثانیہ، شعاع اور امینہ بیگم کے ساتھ بیٹھا ہنسی مذاق کر رہا تھا اور وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ان کے شور کو سنتے ہوئے جانے کیوں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ ایک انتہائی اہم موضوع پر اسائنمنٹ بنا رہی تھی۔ ریڈنگ میٹریل سامنے ٹیبل پر بکھرا پڑا تھا۔ اس میں سے اسے منتخب میٹریل نکالنا تھا۔ مگر ذہن اس قدر الجھ رہا تھا کہ کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ پیپر پر پیپر الٹے جا رہی تھی۔ اور پھر تنگ آ کر سب ایک طرف پھینک ڈالا تھا۔

''تم بہت ظالم لڑکی ہو، تم اپنا بے رحمی کا رویہ ان پیپروں پر کیوں ظاہر کر رہی ہو؟'' ادعیہ نے سرزنش کرتی ہوئی آواز پر مُڑ کر دیکھا۔ وہ جھکا تمام پیپرز سمیٹ رہا تھا۔ وہ سلگ کر رہ گئی۔

''تم لطف اندوز ہو رہے ہو؟'' اس نے تپ کر کہا تو وہ بہت اطمینان کے ساتھ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

''نہیں، بالکل نہیں۔''

اس کے مطمئن انداز پر وہ سرتاپا سلگ کر رہ گئی۔ ''تمہیں کیا ملتا ہے میرا خون جلا کر؟''

ادعیہ کے پوچھنے پر وہ اس کی طرف دیکھنے لگا، پھر مسکرایا۔ ''دلی سکون۔'' وہ آگے بڑھا اور پیپر اس کی میز پر رکھ دیئے۔

''تم کسی دن قتل ہو جاؤ گے میرے ہاتھوں۔'' اس کا دل چاہا واقعی اس شخص کو مار ڈالے جان سے۔''

اسے لگا وہ جواب میں کچھ کہے گا۔ مگر وہ اطمینان سے کھڑا دھیمی مسکراہٹ لبوں پر سجا۔ اسے دیکھتا رہا۔ تب اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''پلیز، لیو می الون۔''

مگر وہ یونہی جما کھڑا رہا۔

''کیوں کرتے ہو تم مجھے پریشان؟ کیوں سکون ملتا ہے تمہیں؟ کیوں ہمیں ہمارے حال پر نہیں چھوڑ دیتے تم؟'' اس نے زچ انداز میں کئی سوال ایک ساتھ داغ دیئے مگر وہ یونہی چپ چاپ کھڑا رہا، تکتا رہا۔ ادعیہ نے کوئی جواب نہ پا کر سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تو وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں جھکا گئی۔

''ادعیہ! تمہارے کسی سوال کا جواب میرے پاس نہیں ہے۔ پھر بار بار دہرانے سے فائدہ؟'' اور وہ جیسے اپنے انداز پر شرمندہ سی ہو گئی۔ اس کی خوش اخلاقی نے جیسے اسے زیر کر لیا۔ وہ اب بھی ویسے ہی مسکرا رہا تھا اور وہ خود......

''یار، کچھ دن کا مہمان ہوں، پھر لوٹ ہی جانا ہے۔ مجھے کون سا روز روز آنا ہے۔ کم از کم جب آیا کروں تو خوش دلی کا مظاہرہ تو کیا کرو نا!'' اس کے تمام تر برے رویے کے باوجود بھی وہ اسی رویے میں کہہ رہا تھا۔ اور تب وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''آئی ایم سوری۔ مگر تم نہیں جانتے تمہارے جانے کے بعد چچی جان اور تائی اماں کس طرح کے بہتان لگاتی ہیں۔''

''اچھا......؟'' وہ یکدم محظوظ ہو کر ہنسا۔ ''کیا کہتی ہیں؟''

''تمہارا سر۔'' وہ کہہ کر سامنے پڑے پیپرز کو اٹھا کر ترتیب سے لگانے لگی۔ اس کے انداز پر وہ خاصی جھینپ سی گئی۔ اعصار اس کے چہرے کی کیفیت کو بغور دیکھتے ہوئے پھر بولا۔

''میں تو تمہیں بہت بہادر سمجھتا تھا۔''

''میں بہادر ہوں۔'' اس نے ''ہوں'' پر خاص طور پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''اوں...... ہوں۔'' اعصار نے نفی میں سر ہلایا جیسے اسے یقین نہ ہو۔ تبھی وہ اس کی سمت دیکھنے لگی۔

''انسان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے، اپنے کردار پر تنقید یا الزام نہیں۔ بہت ہمت اور حوصلے کا کام ہے۔ کم از کم میں برداشت نہیں کر سکتی۔ اب تم جاؤ یہاں سے ورنہ ابھی ادھر سے اس پورشن میں کوئی آن نکلا تو مشہور ہو جائے گا کہ میں محترم کیپٹن اعصار شیخ پر ''ڈورے'' ڈال رہی ہوں۔''

اس کی بات پر وہ ہنسا اور ہنستا چلا گیا۔ ''اچھا...... یہ نئی اطلاع ہے میرے لئے۔'' وہ جیسے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔ ''بائی داوے، یہ ڈورے ڈالنا ہوتا کیا ہے؟''

''جا کر اپنی والدہ محترمہ سے یا چچی جان سے پوچھ لیجئے۔ ہو سکتا ہے وہ آپ کو زیادہ بہتر طور پر سمجھا سکیں۔ بلکہ ہو سکتا کیا ہے، وہ یقیناً آپ کو اچھے انداز میں سمجھا دیں گی۔''

''اچھا، تبھی تم مجھے دیکھتے ہی انگارے چبانے لگتی ہو۔''

''ظاہر ہے مجھے اپنی عزت بہت عزیز ہے۔ ہم غریبوں کے پاس یہی تو فقط ایک شے ہوتی ہے سنبھالنے کے لئے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا تو وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔

''تم ان کی باتوں کا برا مت مانا کرو۔''

''تو پھر کیا خوش ہوا کروں؟''

''اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔''

''کیا......؟'' اس کی چیخ بے حد واضح تھی۔

''اوں...... ہوں...... جی......!'' وہ اپنے ہاتھ سے اس کا سر اثبات میں ہلا کر بولا، پھر ایک مسکراتی ہوئی نگاہ اس پر ڈال کر کمرے سے نکلتا چلا گیا اور وہ آنکھیں پھاڑے اس کی چوڑی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

✿......✿

''تفتیش مکمل ہوئی یا نہیں آپ کی اب تک؟'' انسپکٹر کو روم کے باہر کھڑا دیکھ کر وہ ترشی سے گویا ہوئی تو وہ مؤدب انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

''آپ سید رئیس نواز سومرو کی صاحب زادی ہیں، آپ نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی؟''

''کیوں؟ پھر کیا آپ مجرم کو پاتال میں سے کھینچ لاتے فوراً؟'' وہ سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے گویا ہوئی۔

''بی بی صاحبہ! پاتال کیا، اسے تو اگر چین بھی جا کر لانا پڑا تو لاؤں گا۔''

''تو پھر آپ ایسا کیجئے چین چلے جائیے۔ کیونکہ یہاں وہ حضرت کم از کم آپ کو ملنے والے نہیں۔'' وہ قدرے طنز سے گویا ہوئی تو پیچھے کھڑا سپاہی یکدم ہی ہنسنے لگا۔ انسپکٹر نے

اسے مڑ کر خطرناک تیوروں سے گھورا، پھر دوبارہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے پیچھے بہ
گن سنبھالے مؤدب کھڑا تھا۔

''آپ فکر نہ کریں، آپ کی حفاظت ہماری ذمے داری ہے اب۔ کوئی آپ کا بال بھی
نہیں کر سکتا۔ آپ اس دن ہی تعارف کرا دیتیں اپنا تو آج تک آپ کو پریشانی کا سامن
نہ کرنا پڑتا۔''

''مہربانی ہے آپ کی۔ ویسے مجھے نہیں معلوم تھا کہ ''قانون'' کو چلنے کے لئے ''حوالو
کی اور مضبوط کرسیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔''

وہ کچھ خجل سا ہو گیا۔ ''دیکھئے محترمہ! ہم تو جی ڈیوٹی دیتے ہیں۔ حتیٰ الامکان کوشش کر
ہیں کہ فرض صحیح ادا ہو اور شہریوں کی جان اور مال کو تحفظ ملے۔''

''میں آپ کے جذبے کی دل سے قدر کرتی ہوں انسپکٹر صاحب! اور مجھے امید ہے
اب آپ مجرم کو پکڑنے کی سعی کریں گے۔''

''جی......!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ پلٹ کر رہبان شاہ عالم کے کمر
جانب بڑھنے لگی۔ بہرام بھی اس کے پیچھے تھا۔ وہ دستک کے ساتھ دروازہ کھول کر اندر دا
ہوئی۔ بہرام دروازے کے باہر ہی رُک گیا۔

رہبان عالم شاہ نے دستک پر دیکھا، وہ وہائٹ پلین سوٹ میں بڑا سا دوپٹہ شانے
ڈالے خاصی فریش نظر آ رہی تھی۔

''السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟''

''پہلے سے بہتر۔'' اس نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

''دیٹس گریٹ۔'' اس نے آگے بڑھ کر بوکے سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ ''یو آر ریئلی ے
مین، بہت جلد ریکوری ہو رہی ہے آپ کی۔''

وہ جواب میں دھیرے سے مسکرا دیا۔

''علی شاہ نہیں آئے آج؟''

''ابھی ابھی گیا ہے۔''

''بہت اچھے دوست معلوم ہوتے ہیں وہ آپ کے۔ وہ بہت اچھی طبیعت کے مالک
ہیں۔''

''یہ صحیح ہے، وہ بڑا نفیس انسان ہے۔'' وہ دوست کے ذکر پر مسکرانے لگا۔

''اس روز انہوں نے میری بھی مدد کی۔ مجھے گھر تک چھوڑا، حالانکہ میں بہت خوفزدہ تھی

''اُس سے؟'' وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے حیرت سے پوچھنے لگا تو وہ یکدم ہنس پڑی۔

''نہیں، موسم سے۔ بقول آپ کے، وہ بہت نفیس انسان ہے۔'' وہ بولی تو وہ اسے دیکھنے
لگا، پھر بولا۔

''علی بتا رہا تھا آپ اس روز پھر تنہا گھوم رہی تھیں۔ آپ کو ڈر نہیں لگتا؟'' وہ کچھ نہ بولی
تو پھر گویا ہوا۔ ''یا تو آپ بہت زیادہ بہادر ہیں یا پھر آپ کو زندگی سے محبت نہیں رہی۔''

محبت ہوتی ہے......

محبت ہوتی ہے......

اور اس کے ذہن میں یکدم ایک ہی تکرار گونجنے لگی اور وہ یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی۔

''نہیں خیر، بہادر تو میں اتنی زیادہ نہیں۔ اور رہی بات زندگی سے بیزاری کی تو میرا خیال
ہے زندگی جتنی بھی مشکل ہو، بندہ پھر بھی جینا چاہتا ہے۔ یہ زندگی سے محبت کی بہت بڑی
علامت ہے۔''

''لیکن آپ کو اتنی غیر ذمے داری کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے، یہ آپ کے لئے ٹھیک
نہیں۔'' وہ فکرمندی سے بولا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔ وہ روشن چہرے والا، روشن آنکھوں والا
شخص یکسر اجنبی تھا، قطعی ناآشنا۔ مگر اس گھڑی کس قدر اپنائیت تھی اس کے انداز میں۔ شاید
کچھ اجنبی ایسے بھی ہوتے ہیں جو پہلی ملاقات میں بھی اجنبی نہیں لگتے۔ ان کے چہرے، ان
کے خدوخال سے جیسے نظریں زمانے سے آشنا ہوتی ہیں۔ ان کی خوشبو سانسیں جیسے صدیوں
سے مانوس ہوتی ہیں۔ ان کے لہجے اور آواز سے جیسے ساعتیں عرصے سے واقف ہوتی ہیں۔
ان کے انداز و اطوار کو دل جیسے مدتوں سے جانتا ہے۔

کچھ اجنبی ہوتے ہیں ایسے بھی
جو بہت غیر ہوتے ہیں
مگر جب ملتے ہیں تو بہت اپنے لگتے ہیں

اور یہ مضبوط شخص بھی شاید انہی لوگوں میں سے تھا۔ مژگان کو لگا وہ اس کا سب سے زیادہ
اپنا ہے۔ کوئی رشتہ، کوئی تعلق، کوئی ناتا نہ ہوتے ہوئے بھی وہ اس کا سب سے قریبی اور مانوس
رشتہ ہے۔

جس کا کوئی نام نہیں
اور کچھ رشتے بے نام بھی تو ہوتے ہیں نا!

بے غرض، بے ریا، حرص، طمع اور لالچ سے ہٹ کر۔ کسی بھی مفاد سے بہت پرے۔

آسمان کی بلندیوں سے بھی بہت اوپر
سمندر کی وسعتوں سے بھی بہت گہرے اور وسیع

''ایک بات پوچھوں؟'' وہ بھاری لہجے میں بولا تو وہ یکدم چونک کر اسے دیکھنے لگ
''آپ کی دشمنی کس کے ساتھ ہے؟''

''اوں...... ہوں......!'' اس نے سر نفی میں ہلایا تو جیسے اسے یقین نہ آیا۔

''تو پھر اس روز......؟'' وہ اسی روز والی بات کے متعلق دریافت کرنے لگا۔ تبھی وہ بو

''پتہ نہیں، مجھے خود نہیں پتہ۔ میں یہاں کسی کو نہیں جانتی۔''

''مگر ہوسکتا ہے کوئی آپ کو بہت اچھے طریقے سے جانتا ہو۔'' وہ تیزی سے بولا تو ا
نے جواب میں شانے اچکائے۔

''آئی ڈونٹ نو۔ لیکن اگر کوئی مجھے جانتا ہے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ وہ میرا سب
بڑا دوست ہے۔''

''ضروری نہیں فقط دوست ہی آپ کے متعلق جانتے ہوں۔ کبھی کبھی دشمن بھی بڑی جا
معلومات رکھتے ہیں۔'' وہ بولا تو وہ پُرسوچ انداز میں اثبات میں سر ہلانے لگی۔

✿......✿

بے بے کو بہت تیز بخار تھا۔ صبح تک بالکل ٹھیک تھیں۔ پھر وہ حویلی گئیں تو جلد ہی واپ
لوٹ آئیں۔ سردی لگی۔ اس نے لحاف دیا تو کچھ ہی دیر بعد تیز بخار ظاہر ہوگیا۔ سیو پریشا
سے ان کے سرہانے بیٹھی رہی۔ کبھی ان کا سر دباتی تو کبھی ٹانگیں۔ آج کل ویر اور چا
دونوں ہی شام کو لوٹتے تھے۔ اور شاید بے بے کی طبیعت اور بگڑ جاتی۔ ہوش تو وہ اب بھی
کر رہی تھیں۔ آنکھیں بند تھیں۔ وہ بار بار فکرمندی سے پکارتی۔ وہ بمشکل آنکھیں کھول کر
دیکھتیں تو اسے جیسے اطمینان ہوتا۔ دو چار دن میں چھوٹی بی بی کی منگنی کی رسم بھی تھی۔
بے بتا رہی تھیں شہر سے مہمان جوق در جوق آرہے تھے۔

اور آج تو شاجی کی مایوں بھی تھی۔ مگر وہ اماں کو اس طرح چھوڑ کر کیسے جاتی۔ زیبو آئی
بھی تو اس نے دوپٹوں کا تھیلا تھما کر جانے سے انکار کر دیا۔

''بے بے کی طبیعت ٹھیک نہیں، مجھے نہیں جانا۔''

''تو جا سیو! ٹھیک ہوں میں۔'' بے بے نے بند آنکھوں سے ہی کہا تو وہ ان کے تپتے
ہوئے سرخ چہرے کو دیکھنے لگی۔

''نہ...... مجھے نہیں جانا۔ تجھے اس طرح چھوڑ کر چلی جاؤں، خدا کی مار پڑے مجھ پر۔ جا

زیبو، تو جا!'' اس نے زیبو کو بھیجنا چاہا۔

''اگر شاجی پوچھے تو کیا کہوں؟'' زیبو پوچھنے لگی۔

''لے، جیسے تجھ سے چھپا رہی ہوں میں یا جھوٹ کہہ رہی ہوں۔ نظر نہیں آرہا بے بے
بخار سے تپ رہی ہے۔ چاچا ہوتے تو حکیم سے دوا دارو لا دیتے یا پھر مولوی صاحب سے
پانی ہی دم کروا لاتے۔ مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ بے بے کو اکیلا چھوڑ کر کہیں جا بھی تو
نہیں سکتی۔ تمہارے گھر میں اگر بخار کی کوئی دوا ہو تو بھیج دو۔''

''دیکھتی ہوں، ورنہ قہوے میں لیموں نچوڑ کر دو۔ بخار فوراً اتر جائے گا۔'' زیبو نے ٹوٹکا
بتایا۔ ''ساتھ ہی ٹھنڈے مٹکے کے پانی سے پٹیاں کرو۔''

''تجھے یقین ہے؟'' اس نے یقین کرنا چاہا۔

''میری اماں تو ایسے ہی کرتی ہیں۔ آگے پتہ نہیں۔ اچھا پھر میں تو چلتی ہوں۔ ویسے کل تو
جائے گی نا، ڈھولک ہوگی، ساری سکھیاں گیت گائیں گی۔''

''پتہ نہیں......'' اسے پریشانی لاحق تھی۔ ''پتہ نہیں بے بے کا بخار اترتا ہے یا نہیں۔''

تب زیبو چلی گئی اور وہ اٹھ کر چولہا جلانے لگی۔

''پتہ نہیں زیبو نے صحیح بھی کہا ہے یا نہیں۔ اب اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی تو نہیں۔
اب بے بے سے پوچھنے سے تو رہی۔ وہ بخار میں بتانے لائق ہیں بھی تو نہیں۔'' وہ تصدیق
کرنے کے متعلق سوچتی ہوئی زیبو کی بتائی ہوئی ترکیب پر چولہے پر قہوہ چڑھا کر اور پھر مٹکے
کے ٹھنڈے پانی سے ان کے سر، ہاتھ اور پیروں پر پٹیاں کرنے لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں قہوے
کی خوشبو آئی تو وہ چولہے کی طرف دوڑی۔ جلدی سے دوپٹے کی مدد سے دیگچی چولہے سے
نیچے اتاری اور قہوے کو پیالی میں انڈیلا۔ پھر لیموں لے کر اس میں نچوڑا اور جلدی سے بے
بے کی طرف آگئی۔

''اٹھ بے بے! دوائی لے۔ اٹھ فٹافٹ۔ زیبو کہہ رہی تھی، بخار فوراً بھاگ جائے گا۔'' وہ
اماں کو اٹھانے لگی۔ مگر اس نے دیکھا، بے بے اٹھنے کی پوزیشن میں نہ تھیں۔ یقیناً اتنے تیز
بخار میں وہ ہمت گنوا چکی تھیں۔ تبھی وہ بھاگ کر چمچ لے آئی اور آمیزہ ان کے منہ میں ڈالنے
لگی۔ آدھی سے زیادہ پیالی اس نے ان کو یونہی پلا دی۔ پھر جب بے بے نے انکار میں
گردن ہلائی تب وہ پیالی نیچے رکھ کر انہیں دوبارہ پٹیاں کرنے لگی۔ تبھی اکبر آ گیا۔

''کیا ہوا ہے بے بے کو؟''

''بخار ہے، بہت تیز۔''

''کب سے؟''

''شاید صبح سے ہے۔ مگر اب بہت تیز ہے۔''

اکبر نے ہاتھ میں پکڑا ہوا پیکٹ اسے تھمایا۔ اس نے تھام لیا یہ سوچے بغیر کہ اس میں ک
ہے۔

''کچھ کھلایا ہے تو نے اسے؟''

''ہاں، تھوڑا سا دلیہ اور قہوے میں نبو نچوڑ کر بھی پلایا ہے۔''

''اچھا ٹھیک ہے، میں حکیم سے دوا لے کر آتا ہوں۔ تو دروازے کو کنڈی چڑھا لے۔''
اس نے ہدایت کرتے ہوئے دروازے کی طرف قدم بڑھائے تو وہ اس کی تقلید میں چلنے لگی۔

''ویرے! حکیم صاحب سے کہنا بے بے ہوش بھی نہیں کر رہی صبح سے۔ بس آنکھیں میچے پڑی ہے۔ مجھے تو ڈر بھی لگ رہا ہے۔''

''ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں آ رہا ہوں واپس۔'' اکبر کہتا ہوا باہر نکل گیا تو وہ دروازے کو کنڈی چڑھا کر پھر سے بے بے کے پاس آن بیٹھی۔ پیکٹ وہیں ایک طرف ڈال دیا اور بے بے کی طرف دیکھنے لگی۔

''بے بے...... اے بے بے...... آنکھیں تو کھول۔''

''ہوں!'' انہوں نے فقط ایک ہنکارا بھرا مگر آنکھیں کھول کر نہ دیکھا۔ تب وہ پھر سے ان کے سر پر پانی سے پٹیاں کرنے لگی۔ ساتھ ہی ساتھ ہاتھ لگا کر دیکھتی بھی جاتی کہ بخار اترا یا نہیں۔

''زیبو کی بچی تو کہہ رہی تھی فوراً بخار بھاگ جائے گا۔ مگر کتنی دیر گزر گئی اور ابھی تک بخار نہیں ٹوٹا۔''

وہ اسی طرح مصروف تھی جب دروازے پر کھٹکا ہوا۔ اسے پتہ تھا ویر ہو گا، تبھی یونہی بے دھیانی میں دوپٹے کے بغیر ہی اٹھ کر دروازے تک آ گئی اور دروازے کے دونوں پٹ وا کر دیئے۔ مگر سامنے غیر متوقع طور پر ایک دوسرے شخص کو کھڑے دیکھ کر قدرے خود میں سمٹ کر رہ گئی۔ بلال اپنائیت سے مسکرا دیا۔

''وہ شاجی تمہیں بلا رہی ہے۔''

اس نے فوراً دروازے کا ایک پٹ بند کیا اور اس کی اوٹ میں ہو گئی۔

''اُسے...... اُسے کہہ دے، بے بے ٹھیک نہیں، مجھے نہیں آنا۔'' اسے جانے کیوں خوف گھیرنے لگا، ابھی اکبر آ جاتا تو......! وہ جلدی سے کہہ کر دوسرا پٹ بند کرنے والی تھی جب وہ

تیزی سے بولا۔

''مگر وہ کہہ رہی ہے وہ تمہارے بغیر مایوں کی رسم ادا نہیں کرے گی۔''

''تو پھر...... میں کیا کروں، بے بے کو یونہی چھوڑ کر تو میں نہیں جا سکتی۔ اِکو ایک تو میری بے بے ہیں۔''

اس کی بات اتنی معصومیت لئے ہوئے تھی کہ بلو کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی بات نے اسے جیسے محظوظ کیا تھا۔ ''وہ کہہ رہی ہے تم اس کی سب سے پکی سہیلی ہو۔'' اس نے دوبارہ قائل کرنا چاہا۔

''اسے کہہ دو رسم کرے، میں نہیں آ سکتی۔'' اس نے اس کی مسکراہٹ سے جل کر فوراً دوسرا پٹ بھی کھٹاک سے بند کر ڈالا اور کنڈی چڑھا دی۔

''اونہہ، کالا بندر۔ ہنس کیسے رہا تھا۔'' اس نے اس کے سانولے رنگ پر اسے ایک انتہائی موزوں خطاب سے نوازا۔ وہ دروازے سے ابھی ہٹنے ہی والی تھی جب پھر دوبارہ دستک ہوئی۔

''اُف، اس کالے بندر کو کیسے سمجھاؤں کہ میں نہیں آ سکتی آج۔'' وہ زچ سی منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی ہوئی پلٹی اور دروازہ کھولا تو سامنے اکبر کھڑا تھا۔ اس کی جان میں جیسے جان آئی۔

''ویرے! لے آئے تم بے بے کی دوا؟'' اس نے اس کے ہاتھ میں شیشی دیکھ کر کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ پھر اسے تھماتے ہوئے ہدایت کرنے لگا۔

''دوا تینوں وقت دینی ہے۔ صبح، دوپہر، شام۔ ناغہ مت کرنا۔''

''ہلاہ۔ (اچھا)'' اس نے سر ہلا دیا۔

''بخار کچھ کم ہوا کہ نہیں؟'' وہ خود بے بے کی پیشانی کو چھو کر دیکھنے لگا۔

''شاباش، بخار تو، تو نے کچھ کم کر ہی دیا ہے۔'' اس نے سیو کی پریشان صورت دیکھی۔

''لے، اب وہاں پریشان کیا کھڑی ہے جھلی (پاگل)۔ بے بے کو دوا دے اور بے فکر ہو جا۔ بے بے چٹکیوں میں بھلی چنگی ہو جائیں گی۔ پیکٹ کھول کر دیکھ لیا تو نے؟'' وہ چمچ لے کر بے بے کو دوائی پلا رہی تھی جب اس نے پوچھا۔ غالباً وہ نہانے جا رہا تھا۔

تب اس نے یکدم نفی میں سر ہلا دیا۔

''کھول کر دیکھ لے، نیا جوڑا ہے تیرے لئے۔'' وہ کہہ کر غسل خانے میں گھس گیا اور وہ شدید حیرت سے غسل خانے کے بند دروازے کو دیکھنے لگی۔ پھر پیکٹ پر نگاہ پڑی تو جانے کیوں لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

بے بے کو دوا دے کر اس نے پیکٹ اٹھایا تو دھیان میں بھی نہ آیا تھا کہ اس کے اندر اتنا

خوبصورت جوڑا ہوگا۔ اس نے پیکٹ کھولا تو دنگ رہ گئی۔ سیاہ رنگ کا بہت خوبصورت ج
تھا۔ دوپٹہ ستاروں سے سجا تھا۔ اسے اپنے ویر پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ کتنی محبت کرتا ہے وہ ا
سے اور کس طرح ویسے لڑتا جھگڑتا رہتا تھا۔ اس نے تو بے بے سے جوڑا دلانے کو کہا تھ
اس کے سامنے تو سرسری سی بات بے بے نے دہرائی تھی۔ مگر وہ کس طرح لے بھی آیا
اسے بتائے بغیر۔

وہ اسی گومگو کی کیفیت میں کھڑی تھی جب وہ تولیے سے بال صاف کرتا ہوا باہر نکلا۔

"کیا ہوا، پسند نہیں آیا؟" اسے اس طرح کھڑے دیکھ کر وہ یہی سمجھا تھا اسی لئے بولا۔
اس نے مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"میرا ویر اتنی محبت سے اور پیار سے لایا ہے۔ پسند کیوں نہیں آئے گا۔ میں تو سار
حیاتی اسے سنبھال کر رکھوں گی۔ جند (جان) سے لگا کر رکھوں گی۔" وہ بہت محبت سے بولی
وہ مسکراتا ہوا اندر بڑھ گیا۔

✿.....✿

"کیا ہوا...... کیسا رہا انٹرویو؟" شعاع کو دیکھتے ہی اس نے ہمیشہ کی طرح ایک ہی سو
کیا تھا اور پھر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر بولی تھی۔ "میں تمہارے لئے پانی لے
آتی ہوں۔"

شعاع بستر پر گرسی گئی تھی۔ تبھی امی نے سلائی مشین سے نگاہ ہٹا کر اس کی طرف د
تھا۔ "ہمت نہیں ہارتے۔ اُمید اور آس کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اور یوں
تیرا نوکری کرنا ضروری نہیں۔ فکسڈ ڈیپازٹ میں سے ہر ماہ جو ملتا ہے وہ دال روٹی کے
کافی ہے۔ اس سے زیادہ کی ہمیں ضرورت نہیں۔ مگر تمہیں ہی پڑی ہے خواری کرنے کی
امی نے اس کی اتری اتری پریشان صورت دیکھتے ہوئے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"ارے امی! آج نہیں تو کل جاب تو مل ہی جائے گی۔ میں پُر اُمید ہوں۔"

"ہمیں پُر اُمید رہنا چاہئے۔" ادعیہ نے پانی کا گلاس تھماتے ہوئے کہا۔ "زندگی
راہیں کتنی بھی دُشوار گزار سہی، اگر آپ کے اندر ہمت اور حوصلہ ہو تو آپ تمام تکلیفوں
چھٹکارا پا سکتے ہیں۔ راستے کانٹوں سے بھرے ہوں تو آپ کی ہمتوں سے پھول بن جا
ہیں۔ راہیں اندھیری ہوں تو تب بھی آس اور امید کے دیے جلا کر رکھنے چاہئیں۔ یہ س
باتیں تو تم خود کہتی ہو، ہے نا؟" اس نے شعاع کی کہی تمام باتیں دہرائیں تو وہ ہنس پڑی۔

"کچھ اور بھی یاد ہو تو وہ بھی کہہ ڈالو۔"

"نہیں، میرا خیال ہے اتنا ہی کافی ہے۔" وہ مسکرا دی۔

"تم یونیورسٹی نہیں گئیں آج؟"

"نہیں، دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"صبح میں نے تمہیں سوتے دیکھ کر اس لئے نہیں جگایا تھا کہ شاید تمہیں لیٹ جانا ہے۔"

"جبکہ مجھے سرے سے جانا ہی نہیں تھا۔"

"ادعیہ! کھانے میں کتنی دیر ہے؟"

"بس امی! کچھ ہی دیر ہے۔ ٹائم ہو گیا ہے۔ آپ ثانیہ کو لے آئیے جا کر۔" اس نے
گھڑی دیکھتے ہوئے کہا تو امی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"جاب لگ جائے تو ثانیہ کو اسکول وین لگوا دوں گی۔ امی کو روز اتنی شدید گرمی میں
مصیبت اٹھانا پڑتی ہے۔ روزانہ چھوڑ کر آنا اور پھر واپس لانا۔ اور اس عمر کے بچے کو تو کبھی
توفیق نہ ہوگی۔ کالج سے آئے گا تو بیگ رکھ کر پھر کہیں نکل جائے گا۔"

"بچہ ہے ابھی۔ رہنے دو ابھی اسے ذمے داریوں سے دور۔ پھر بھی سب سنبھالنا ہے
اسے۔" امی نے چادر اوڑھتے ہوئے کہا۔ "کنڈی لگا لو تم۔"

ادعیہ ان کے پیچھے ہی چلی آئی۔ پھر کنڈی لگا کر واپس پلٹی تو شعاع واش بیسن پر کھڑی
منہ دھو رہی تھی۔

"کھانے میں کیا تیار ہے؟" شعاع نے دریافت کیا۔

"ثابت مسور کی دال اور چاول۔"

"سلاد بنا لیا ہے؟"

"وہی بنانے جا رہی ہوں۔"

"ثانیہ رات کو یہی فرمائش کر رہی تھی۔ اور اگرچہ مجھے چاول پسند نہیں مگر آپ سب کے
ساتھ مجبوراً نوش فرمانے پڑیں گے۔" ادعیہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو شعاع بھی مسکرا دی۔

"اپنے لئے تم روٹی بنا لو نا۔"

"اب اتنی گرمی میں، میں اتنی مشقت کا کام نہیں کر سکتی۔"

"میں بنا دیتی ہوں۔" شعاع نے پیشکش کی۔

"نہیں، چاول ہی ٹھیک ہیں۔" وہ کچن میں جانے لگی تھی، پھر پلٹی۔ "سنو! وہ فرحان بھائی
کا فون آیا تھا۔ تم سے بات کرنا چاہ رہے تھے۔"

شعاع نے دیکھا اس کے لبوں پر بڑی شریر سی مسکراہٹ تھی۔ وہ وہیں کھڑی دوپٹے سے

منہ پونچھتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تو وہ یکدم کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ ''تم مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو۔ قسم لے لو، انہوں نے مجھے کوئی خاص بات نہیں بتائی۔''

''میں نے تمہیں ایسا کچھ کہا؟'' شعاع جھینپ گئی تھی۔ چہرہ یکدم ہی بلش ہو گیا تھا۔ وہ اندر جانے لگی تھی تبھی وہ بولی تھی۔

''کیا اب جوابی فون کرنے جا رہی ہو یا نہیں؟'' اس کے چھیڑنے پر شعاع مسکراتی ہوئی اسے گھورنے لگی۔ ''ادعیہ کی بچی......!''

ادعیہ ہنس پڑی تھی۔ ''میں نے فقط پوچھا ہے وہ بھی فون کے متعلق۔ یہ تو نہیں پوچھا کہ آپ کیا کہنے جا رہی ہیں۔''

''ادعیہ! تم پٹ جاؤ گی میرے ہاتھوں۔'' وہ شرمائی شرمائی سی ادعیہ کو بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ اندر بڑھنے والی تھی تبھی وہ پیچھے سے بولی تھی۔

''سنو! آفس فون کرنا۔ وہ اس وقت گھر پر نہیں ہوں گے۔ اگر گھر فون کرو گی تو فقط ان کی اماں صاحبہ کی آواز سننے کو ملے گی۔''

''مجھے معلوم ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اندر بڑھ گئی تھی اور وہ سلاد کا سامان فریج سے نکالتی ہوئی سوچنے لگی تھی۔ لڑکیاں بھی کتنی بے وقوف ہوتی ہیں۔ فقط ''کسی'' کے ہونے کا احساس ہی انہیں کس قدر بدل کر رکھ دیتا ہے کہ اس کا احساس رگ و پے سے چھلکنے لگتا ہے اور لڑکیاں چاہیں کتنی ہی بولڈ کیوں نہ ہوں اس ایک تصور پر وہی فطری محسوسات نہ صرف محسوس کرتی ہیں بلکہ ظاہر بھی کرتی ہیں۔

وہ سوچتی ہوئی تیزی سے سلاد کے لئے کھیرا کاٹ رہی تھی جب اچانک دروازے پر بیل ہوئی۔ وہ جانتی تھی امی، رانیہ یا عمر میں سے کوئی ایک ہو سکتا تھا۔ تبھی فوراً دروازہ کھولنے کو بھاگی تھی۔ مگر پہنچتے پہنچتے بھی کافی دیر ہو چکی تھی۔ باہر جیسے کوئی بیل کے بٹن پر ہاتھ رکھ کر اٹھانا بھول گیا تھا۔

''اُف، صبر نہیں ہوتا کیا۔ کھول تو رہی ہوں۔'' اس نے کہنے کے ساتھ ہی دروازہ کھول دیا۔ اس کے خیال میں عمر یا امی میں سے کوئی ایک تھا۔ مگر وہاں سامنے کیپٹن اعصار شیخ کو کھڑے دیکھ کر اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''اتنی دوپہر میں بھی آپ کو اپنے گھر چین نہیں؟''

''یار! تم لوگوں نے اپنے پورشن کا دروازہ الگ کر کے اور درمیان کا راستہ بند کر کے سب سے زیادہ ناانصافی میرے ساتھ کی ہے۔ اتنی گرمی میں پورے دس منٹ کا واک کرنا پڑا ہے

مجھے۔'' وہ اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے اندر داخل ہوتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''کیوں، آپ کی گاڑی کہاں گئی؟''

''وہ تھک گئی تھی، آج کل اسے میں ڈاکٹر کی ہدایت پر بیڈ ریسٹ دے رہا ہوں۔''

''جی...... گاڑی کو بیڈ ریسٹ؟'' ادعیہ حیران ہی تو رہ گئی اور وہ ہنس پڑا۔

''کیوں، کیا گاڑی بیڈ ریسٹ نہیں کر سکتی؟ تم یہ کیوں بھول جاتی ہو کہ وہ محترم کیپٹن اعصار شیخ کی گاڑی ہے۔''

اور وہ جانتی تھی اب وہ اسی رفتار سے بولتا رہے گا۔ تبھی وہ بولی۔ ''میں کچن میں ہوں، دروازے میں بیل ہو تو دروازہ کھول دینا۔''

''تم اکیلی ہو؟''

''نہیں، شعاع اندر ہے۔ فون کر رہی ہیں۔''

''اپنے منگیتر محترم فرحان حنیف کو؟'' اس نے دریافت کیا۔

''ہوں......'' وہ سر اثبات میں ہلاتی ہوئی واپس کچن میں آ گئی۔ وہ بھی فریج میں سے بوتل نکال کر اس کے پیچھے آ گیا۔

''کیا بنایا ہے کھانے میں؟''

''آپ کی حیثیت کے شایانِ شان قطعی نہیں ہے۔'' اس نے کہا مگر وہ آگے بڑھ کر خود ڈھکن ہٹا کر دیکھنے لگا۔

''واہ...... دال...... اور وہ بھی مسور کی...... اور ساتھ یقیناً چاول ہیں۔ ہیں نا؟'' اس نے دوسرے ڈھکن کو ہٹانے سے قبل ہی اندازہ کر لیا۔

''ارے، ارے...... ہٹانا نہیں، دم پر ہیں۔''

''خوشبو تو اچھی آ رہی ہے۔ جلدی کرو، بھوک بھی شدید لگ رہی ہے۔''

اور وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''ایسے کیوں دیکھ رہی ہو، نظر لگاؤ گی کیا؟''

''تم اتنے حسین و جمیل ہو تو نہیں کہ نظر لگ جائے۔''

''کچھ کم بھی نہیں۔'' وہ اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ وہ نظریں جھکا کر پیاز کاٹنے لگی۔ آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔

''میں نے تمہیں اتنی بھیانک خبر تو نہیں دی کہ تم صدمے سے رونے لگ جاؤ۔'' وہ پلیٹ میں سے کھیرا اٹھا کر کھانے لگا۔ وہ سر اٹھا کر بھیگی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

''محترم کیپٹن اعصار شیخ! میں نے آپ سے زیادہ خوش فہم بندہ اپنی اس پوری زندگی میں نہیں دیکھا۔''

''اور کہو تو لکھ کر دے دوں۔ آئندہ بھی قطعی نہیں دیکھو گی۔'' وہ کھیرے کے پیس اٹھا اٹھا کر تیزی سے منہ میں ڈال رہا تھا۔

''اتنی خوش فہمی اچھی نہیں ہوتی۔''

''اور میری رائے آپ کی رائے سے ذرا مختلف ہے محترمہ ادعیہ شیخ! میرے خیال میں زندگی میں آپ کو اتنا خوش فہم ضرور ہونا چاہئے۔ زندگی میں انسان کا واسطہ دو ''فہمیوں'' سے پڑتا ہے۔ ایک خوش فہمی اور دوسری غلط فہمی کہلاتی ہے۔ خوش فہمی جہاں زندگی گزارنے کا حوصلہ دیتی ہے وہیں غلط فہمی زندگی بگاڑ دیتی ہے۔ اس لئے جو چیز کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچا۔ بلکہ آپ کو جینے کا نیا حوصلہ دے وہ بری نہیں۔ خوش فہمی سے کسی دوسرے شخص کو کم از کم کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اس لئے کوئی آپ کو اچھا کہے نہ کہے آپ خود کو اچھا ضرور کہیئے۔ یہ بھی ایک طرح کی سائیکی ہوتی ہے۔ خود کو اچھا کہنے سے ''اچھا'' بننے کی لگن پیدا ہوتی ہے اور پھر انسان اچھا بننے کی مشق شروع کر دیتا ہے۔'' وہ بول رہا تھا۔ تبھی دروازے پر بیل ہوئی تو وہ تیزی سے باہر نکل گیا اور ادعیہ اس کی چوڑی پشت کو دیکھتی ہوئی پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

✿......✿

''ہائے سیو! تو نے بڑا موقع گنوا دیا اڑیے۔'' زیبو، نگو صبح ہی صبح آن وارد ہوئی تھیں۔ وہ بے بے کو دوا دینے کے بعد کام میں مصروف تھی۔ بے بے کی طبیعت اب بھی ویسی ہی تھی رات میں بخار قدرے ٹوٹا تھا مگر اب پھر اتنا ہی تیز تھا۔ اسے جلدی جلدی کام نمٹانے کی فکر تھی...... مگر......! وہ صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کرتے ہوئے انہیں دیکھنے لگی۔

''تم لوگوں کو بہت مزا آیا ہوگا نا۔ مگر میں بہت پریشان رہی رات بھر۔ تم بے بے کی حالت اب بھی دیکھ رہی ہو نا، کل بھی ایسی ہی تھی۔ ویر نے مجھے نیا جوڑا بھی لا کر دیا ہے اگر ویاہ میں آئی تو ضرور پہن کر آؤں گی۔''

''ہم کوئی اور بات کہہ رہے ہیں۔'' دونوں نے جیسے اس کی عقل پر ماتم کیا۔

''اچھا...... وہ کیا؟'' وہ جھاڑو لے کر صحن کے آغاز پر جا بیٹھی۔

''مایوں کی رسم بڑی شاندار ہوتی ہے۔ تمہیں پتہ نہیں؟'' زیبو نے اس کی عقل پر مزید ماتم کیا۔

''اب بتا بھی دے اڑیے، پہیلیاں کیا بجھوا رہی ہے؟'' اس نے جھاڑو لگاتے ہوئے وہیں سے دریافت کیا۔

''پتہ ہے دُلہن ایک شگن کرتی ہے مایوں کے لئے۔ دوپٹے کے پلو میں بدلے کر چوکی پر بیٹھتی ہے اور تمام سہیلیاں اس کی میڈھیاں کھولتے ہوئے سر میں تیل لگاتی ہیں۔''

''ہاں، تو اس میں کیا خاص بات ہے؟ یہ تو میں نے بھی دیکھا ہے۔''

''شاجی نے پتہ ہے نگو کو دھپہ مارا ہے اور تمام کڑیوں کی نظر میں یہ سب سے خاص لڑکی بن گئی ہے کیونکہ دُلہن مایوں والے روز جسے دھپہ مارتی ہے اور رسم کے بعد جو لڑکی اس چوکی پر بیٹھتی ہے جس سے رسم کے بعد دُلہن اٹھتی ہے تو اس کی شادی بہت جلد ہو جاتی ہے۔'' زیبو نے شرماتی ہوئی انگلی پر دوپٹہ لپیٹتے ہوئے نگو کو شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا تو سیو حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''یہ بات تھی؟ خیر تو تم کو آگے کھڑا ہونا چاہئے تھا تا کہ شاجی تجھے رسم کے بعد دھپہ بھی مارتی اور تجھے اس چوکی پر بیٹھنے کا موقع بھی مل جاتا۔ ویسے اس وقت تو کہاں تھی؟'' اس نے پوچھا تو زیبو سلگ کر رہ گئی۔

''اس بے چاری کو موقع نہیں ملا تھا آگے آنے کے لئے۔'' نگو ہنسی۔

''اور تو بازی مار گئی۔ واہ بھئی، اپنی نگو تو بڑی نصیبوں والی نکلی۔ مطلب یہ کہ اب مجھے شاجی کے ساتھ ساتھ تیرے ویاہ کے لئے بھی ویر سے جوڑا منگوانا پڑے گا۔'' وہ ہنستی ہوئی مذاق سے بولی تو نگو مسکرا دی۔

''کتنا اچھا ہوتا اگر تو بھی آتی۔''

''نہ بابا نہ...... مجھے نہیں کھانا دھپہ۔ مجھے تو میرے چاچے، بے بے اور ویر کے سنگ ہی رہنا ہے۔'' وہ تیزی سے بولی تو وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

''یہ تم دونوں منہ میں دوپٹہ دبائے کھی کھی کیوں کر رہی ہو؟''

''لے، پاگل ہے تو، تو بہت بڑی۔ کڑیوں کو تو بابل کا گھر چھڈ کر پیا کے دیس جانے کے ارمان ہوتے ہیں اور تو انکار کر رہی ہے۔''

''کڑیوں کو ہوں گے، مجھے نہیں ہیں۔ میں اپنے چاچے، بے بے اور ویر کے ساتھ ہی بہت خوش ہوں۔'' وہ جھاڑو سے فارغ ہو کر بالٹی اٹھا کر نلکے کے پاس آئی تو پلٹ کر دیکھا، وہ دونوں پھر منہ میں دوپٹہ ٹھونسے ہنسے جا رہی تھیں۔

''لو...... تم یہ کھی کھی کیوں کر رہی ہو بھلا۔ میں لطیفے سنا رہی ہوں تمہیں؟''

''چل نی نگو! چلئے۔ (چل نگو! چلیں) یہ کُوی کملی ہوگئی ہے۔'' وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں
''شام میں تو گانے کو آئے گی؟'' نگو نے پوچھا۔
''بے بے کی حالت دیکھ رہی ہے تو۔ کار (گھر) کے سارے کم (کام) کنوئیں سے پا[illegible] بھر کے لانا، برتن مانجھنے سے روٹی ہانڈی پکانے تک میرے سر ہیں۔ اور تو اور صبح سے حو[illegible] سے بھی اس دفعہ بلاوا آچکا ہے۔ چھوٹی بی بی کی منگنی کی رسم بھی ہونے والی ہے نا۔ بے [illegible] کے کام تو حویلی میں اور بھی بڑھ گئے ہیں۔ ان لوگوں کو ضرورت ہے۔ تبھی کئی بار بلوا [illegible] ہیں۔ مگر بے بے ٹھیک نہیں۔ میں کہاں کہاں خود کو کھپاؤں۔''
''مطبل (مطلب) تو رات میں بھی نہیں آئے گی؟'' زیبو کو جیسے افسوس ہوا۔
''دیکھوں گی، اگر بے بے کی حالت اچھی ہوگئی تو آ جاؤں گی۔''
''لگتا ہے شاجی کی شادی تیرے بغیر ہی لنگ (گزر) جائے گی۔'' نگو بولی۔
''چل خیر ہے، تیری شادی کی ساری رسموں میں شرکت کروں گی۔ تیری باری بھی تو اب [illegible] چھیتی (جلدی) آنے والی ہے نا۔'' وہ شرارت سے مسکراتی ہوئی بولی تو زیبو ہنسنے لگی۔ نگو کے چہرے پر بھی شرمیلی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
''ویسے اڑیے! تجھے شاجی یاد بڑا کر رہی تھی۔'' زیبو نے کہا تو وہ سر ہلانے لگی۔ نلا[illegible] چلاتے ہوئے اچانک ہی نظروں میں اس کالے بندر کا چہرہ گھوم گیا۔
''اچھا...... چلتے ہیں۔'' وہ جانے لگیں تبھی وہ بولی۔
''پینے کو پانی بھرنے جانا ہو تو مجھے ساتھ لے لینا۔ آج یہ کام بھی مجھے ہی کرنا ہے۔ بے بے کو تو چار چار گھڑے اٹھانے کی عادت ہے، میری تو ایک کو اٹھانے کے متعلق سوچ کر بھی جان جاتی ہے۔''
''تبھی تو تجھے تیری بے بے کام چور کہتی ہے۔'' نگو ہنسی تو وہ بھی مسکرا دی۔ دونوں آگے بڑھیں۔
''مجھے بتا جانا، اچھا!'' سیو نے پھر یاد دہانی کرائی۔
''اچھا اچھا۔'' دونوں چلی گئیں تو وہ کنڈی چڑھا کر بے بے کے پاس آن رکی۔ ان کی پیشانی کو چھو کر دیکھا، بخار اب قدرے کم تھا اور یہ یقیناً حکیم جی کی دوا کا کمال تھا۔ وہ اطمینان کر کے پھر کام میں جت گئی۔ ویر نے دوپہر کا کھانا کھانے اور چاچے کے لئے لینے گھر آنا تھا اور ابھی اس نے روٹی ہانڈی کو سرے سے ہاتھ بھی نہ لگایا تھا۔ یہ سوچتے ہی اس کے اندر بجلی کی سی قوت بھر گئی تھی۔

✿......✿
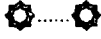
''کیا ہوا؟ آئی کوئی لڑکی پسند؟'' سلمیٰ آپا (تائی اماں) نے صفیہ بیگم کو دیکھتے ہی سوال کیا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھیں۔
''کال پڑ گیا ہے دنیا میں حسین صورتوں کا۔'' ہزار دفعہ کا شکوہ دہرایا گیا تو سلمیٰ آپا نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔ تبھی صفیہ بیگم گویا ہوئیں۔
''اے آپا! کیا آپ کو اپنے بچے کی فکر نہیں؟ خیر سے تین برس بڑا ہے میرے سمیر سے۔ اب تو خیر سے کیپٹن ہو گیا ہے۔ کوئی لڑکی کیوں نہیں دیکھتیں آپ؟'' اور اس سے قبل کہ تائی اماں کوئی جواب دیتیں، وہ جانے کہاں سے درمیان میں کود پڑا۔
''چچی جان! آپ میری فکر چھوڑ دیجئے، فقط سمیر میاں کی فکر کیجئے۔ آگے کے بال تیزی سے اُڑنے لگے ہیں۔ ایک دو سال مزید گزر گئے تو سوائے پچھتانے کے اور کوئی راستہ نہیں بچے گا۔''
چچی جان نے اس کے مسکراتے ہوئے چہرے کو قدرے ناگواری سے دیکھا۔ ''اے بچے! چاند کا ٹکڑا ہے میرا لعل۔''
''ہر ماں کو اپنا بچہ لال، پیلا، نیلا، ہرا ہی نظر آتا ہے۔ اور بیچارے چاند کے دل پر کیا گزرتی ہے کبھی سوچا ہے آپ نے؟'' اعصار کی بات اتنی برجستہ تھی کہ بڑی بھابی جو قدرے فاصلے پر بیٹھی سلمیٰ آپا کے ساتھ سبزی کاٹ رہی تھیں، یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھیں۔
''دیکھئے، میری بات سے حرا بھابی بھی اتفاق کرتی ہیں۔ حالانکہ یہ خود تین عدد انتہائی معقول قسم کے بیٹوں کی والدہ محترمہ ہیں۔''
چچی جان سلگ کر رہ گئی تھیں۔ ''تو چپ بیٹھا رہ، میں تجھ سے بات نہیں کر رہی۔''
''بچوں کے فیصلے کرتی ہیں اور ان کی رائے بھی لینے سے گریز کرتی ہیں۔ کم از کم سمیر بیچارے سے تو پوچھ لیں کہ اس کی کیا پسند ہے۔''
''ارے بڑا سعادت مند بچہ ہے میرا۔ جدھر کہوں گی، فوراً ہاں کر دے گا۔''
''تو پھر موقع بھی تو دیجئے بیچارے کو ہاں کرنے کا۔ مجھے تو لگتا ہے حسرت ہی رہ جائے گی موصوف کی۔'' اس کی گفتگو اگرچہ فقط مذاق تھی مگر صفیہ بیگم کے تپتے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے سلمیٰ بیگم کو بولنا پڑا تھا۔
''اعصار! بس کرو۔ بڑوں کی باتوں میں نہیں بولتے۔''
''لیکن اماں! میں کوئی غلط بات تو نہیں کہہ رہا۔ سمیر میرا دوست بھی تو ہے اور ہرا اچھے

دوست کا فرض ہے کہ وہ اپنے دوست کی فکر کرے۔ کیوں چچی جان!" وہ پھر مسکراتے ہو[illegible] چچی اماں کی طرف دیکھنے لگا تو وہ کوئی جواب دیئے بغیر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "چچی جان! [illegible] مانئے تو یہ کام آپ سمیر پر چھوڑ دیجئے، پھر دیکھئے کیسے چٹکیوں میں آپ کی پریشانی دور [illegible] ہے۔" اس نے لقمہ دیا۔ چچی جان بڑبڑاتی ہوئی نکل گئیں۔ تبھی سلمیٰ بیگم نے اسے چشمے پیچھے سے گھورا۔

"بہت غلط بات ہے اعصار۔"

"امی! میں تو صرف مذاق کر رہا تھا۔ چچی جان بھی تو حد کرتی ہیں۔ وہ بچیارہ سمیرا دل کی بات نہیں کہہ پا رہا تو انہیں اس کی مرضی معلوم کرنی چاہیے۔"

"تجھے کیا پڑی ہے بیچ میں کودنے کی۔ جو بھی ہو۔ اور سمیر بچہ تو نہیں ہے، اپنی بات سکتا ہے، منوا سکتا ہے۔"

"مگر کوئی مانے بھی تو نا۔ ہمارے بزرگ پتہ نہیں کیوں اپنے فیصلے فقط سناتے ہیں، [illegible] کی سنتے نہیں ہیں۔ ماننا تو دور کی بات ہے۔" وہ بولا تو اماں اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ تبھی بھابی بولیں۔

"تم فکر مت کرو، کم از کم ہم تم پر کوئی زبردستی نہیں کریں گے۔ تم آزادانہ فیصلہ کرنا۔"

"ہاں، یوں بھی خلیل بھائی اور سہیل بھائی کے بعد مجھے چوائس کا حق حاصل ہے۔" مسکراتے ہوئے بولا تو حرا بھابی مسکرا دیں۔ تائی اماں نے اس پر فقط ایک نگاہ ڈالی۔ تبھی پوچھنے لگا۔ "یہ ندا بھابی لوٹی نہیں اب تک میکے سے؟"

"نہیں، شادی میں شرکت کے لئے گئی ہے۔ کچھ دن تو لگیں گے ہی نا۔" حرا بھابی جواب دیا۔ تبھی وہ حرا بھابی کو مہارت سے پالک کاٹتے ہوئے دیکھنے لگا پھر دھیرے ہنس دیا۔

"امی! آپ کی دونوں بہوئیں بے مثال ہیں۔ آپ کی پسند واقعی لاجواب ہے۔" پتہ وہ مذاق کر رہا تھا یا سنجیدہ تھا مگر تائی اماں اسے گھورنے لگی تھیں۔

"کیا خیال ہے پھر؟ پسند کر لی جائے تمہارے لئے بھی کوئی اپنی مرضی سے؟"
اس نے جواب میں کانوں کو ہاتھ لگائے۔ "معاف رکھئے فی الحال۔ مجھے تو یوں بھی آزادی بہت پیاری ہے۔" وہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

✿......✿

"ہائے نی، یہ کون آ گیا؟" چھینو نے دل پر ہاتھ رکھ کر دُور سے آتے ہوئے تیز رفتار سبک گھوڑوں پر سوار دو اجسام کو جیسے پہچاننا چاہا۔ باقی سب لڑکیوں کی توجہ بھی اسی طرف مرکوز ہو گئی۔

"لے بھئی، یہ تو اپنا منشی کرم دین ہے۔ مگر یہ دوجا کون ہے؟" نگو نے قدرے قریب آنے پر جیسے پہچانتے ہوئے کہا تو تبھی چھینو بولی۔

"مجھے تو کوئی شہری بابو لگتا ہے۔" اس کے حلیے سے وہ اسی قدر اخذ کر پائی تھی۔

"اے تو، تو حویلی میں جاتی آتی رہتی ہے۔ تو بھی نہیں جانتی؟" نگو نے چپ کھڑی زیبو کا شانہ ہلایا۔

"نئیں نی (نہیں ری) یہ کوئی مہمان لگتا ہے، شہر سے آیا ہوا...... اور......!" ان سب کی نظریں اسی طرف جمی ہوئی تھیں۔

"ہائے نی، یہ لوگ تو ساڈے ول (ہماری طرف) ہی آ رہے ہیں۔" نگو نے دہل کر کہا۔

"لے، تو اس میں ڈرنے کی کون سی بات ہے۔ ساتھ میں کرم دین بھی تو ہے۔" زیبو نے کہا تو چھینو ایک دم ہنسنے لگی۔

"ہاں، جیسے کرم دین سے تو تیری بڑی گوڑھی (مضبوط) رشتے داری ہے نا؟"

"چپ کر نی۔" زیبو گھوڑوں کی رفتار کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہا...... ہائے۔ یہ لوگ تو سچی مچی (واقعی) ہمارے کول (قریب) آ رہے ہیں۔" چھینو نے جیسے پھر ایک بار یقین کرنے کو کہا۔

"چپ کر جا۔ وہ لوگ یہاں پہنچ گئے ہیں۔" زیبو نے ڈانٹا۔

تبھی سبک رفتار گھوڑے ان کے بالکل قریب آن رکے۔ تمام لڑکیوں نے دوپٹوں سے چہروں کو قدرے چھپا لیا۔ البتہ وہ "شہری مہمان" کا جائزہ لینا پھر بھی نہ بھولیں۔ مضبوط جسم، چوڑے شانے، آہنی ہاتھوں سے گھوڑے کی لگام تھامے وہ اپنی آن بان سے کوئی افسانوی شہزادہ ہی لگ رہا تھا۔ وہ بیٹھا ہوا تھا مگر اس کے باوجود اس کے دراز قد کا اندازہ بخوبی لگایا

جا سکتا تھا۔ بلیو چست جینز پر وہائٹ شرٹ، روشن پیشانی، گھنے سیاہ بال، چہرے پر کوئی نہ تھا مگر اس کی آنکھوں میں بے حد چمک تھی۔ ایک مقناطیسیت سی تھی۔ اگرچہ وہ ان طرف نہیں دیکھ رہا تھا مگر ان تمام کے دل جیسے سینوں میں تھمے جا رہے تھے۔

''ہائے، یہ تو کسی ریاست کا شہزادہ لگ رہا ہے۔'' نگو نے سیو کے کان میں کھسر پھسر مگر وہ یونہی ساکت رہی۔ کرم دین گھوڑے سے اتر کر نیچے آ گیا۔ گھوڑے کی لگامیں اس ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھیں۔

''چھوٹے سرکار کو پیاس لگی ہے، پانی پلاؤ۔'' لڑکیوں کو حکم دے کر کرم دین مؤدب ان میں پلٹ کر چھوٹے سرکار کی طرف دیکھنے لگا۔

''چھوٹے سرکار! آپ کو تھوڑی زحمت اٹھانا پڑے گی۔ ان کے پاس یقیناً کوئی برتن نہ ہے۔'' کرم دین نے نہایت ادب کے ساتھ چھوٹے سرکار کو نیچے آنے کی دعوت دی۔ جوا میں چھوٹے سرکار نے ان دبکی سہمی لڑکیوں پر ایک نظر ڈالی۔

''برتن کیوں نہیں جی، مٹکے ہیں نا۔'' نگو نے فوراً کہا۔ چھوٹے سرکار سنی ان سنی کر ہوئے بے نیازی سے گھوڑے کی لگام کرم دین کو تھماتے ہوئے نیچے اتر آئے۔

''کڑیئے! پانی پلا چھوٹے سرکار کو۔'' منشی صاحب نے گم صم سی پانی کا گھڑا اٹھائے کھڑ سیو کو مخاطب کیا۔ ساتھ ہی چھوٹے سرکار سے مخاطب ہوا۔ ''چھوٹے سرکار! ہمارے یہاں پانی بڑی شیرینی والا ہے۔ یہ کنواں اپنی اسی خاصیت کی بدولت دُور دُور تک مشہور ہے۔''

چھوٹے سرکار ان تمام باتوں سے بے نیاز فقط پانی پینے کو تیار تھے مگر پانی پلانے والی جیسے بت بنی کھڑی تھی۔

''پانی پلا نی!'' تبھی ساتھ کھڑی زیبو نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کرتے ہو اسے ٹہوکا مارا اور وہ جیسے چونک سی گئی۔ فوری طور پر اس نے گھڑے کا منہ چھوٹے سرکار طرف الٹا دیا تھا۔ اس کے ہاتھ واضح انداز میں کانپ رہے تھے اور دل کی کیفیت۔ چھو سرکار نے بنا اس کی طرف توجہ دیئے اپنے ہاتھوں کے کٹورے پر لب رکھ دیئے تھے۔ لرزتے وجود سمیت پانی اس کے مضبوط آہنی ہاتھوں پر منتقل کر رہی تھی۔ اسے ڈر تھا گھڑا ا کے ہاتھ سے کہیں چھوٹ نہ جائے۔ چھوٹے سرکار کا سر اس کے سامنے جھکا ہوا تھا۔ اس نگاہ اس کے گھنے سیاہ بالوں پر جیسے اٹک سی گئی تھی۔ اس کی روشن چمکدار پیشانی کو وہ دیکھ ر تھی۔ اس کے وجود سے اٹھتی ہوئی کسی قیمتی پرفیوم کی مہک اس کے نتھنوں میں گھستی جا ر تھی۔ یکدم چھوٹے سرکار نے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ ایک سرسری نگاہ...... بے تاثر......

سیو کی دنیا میں جیسے پل بھر کو بھونچال سا آ گیا تھا۔ وہ پیاس بجھانے کے بعد منہ پر پانی کے چھپاکے مار رہا تھا۔

''سرکار! یہاں کی یہی تو خرابی ہے، یہاں دُھول کی کثرت ہے۔ وجود اٹ سا جاتا ہے۔'' کرم دین مسکراتے ہوئے بولا مگر وہ کوئی جواب دیئے بغیر بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا جیب سے رومال نکالنے لگا۔

''سرکار! یہاں پر ہم جیسے گنوار، اجڈ لوگ ہی گزارا کر سکتے ہیں۔ آپ جیسے لوگوں کے لئے یہاں کا ماحول سازگار نہیں۔''

وہ منہ صاف کر کے پلٹنے لگا۔ پھر یکدم مڑ کر پیچھے دیکھنے لگا۔ سیو بت بنی کھڑی تھی۔

''شکریہ!'' اُس کے لب بہت دھیمے سے ہلے تھے اور پھر وہ پلٹ کر تیزی کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔ کرم دین نے فوراً اس کی تقلید کی تھی اور دوسرے ہی پل گھوڑے حرکت میں آ گئے تھے۔ اور تب ان کی نظروں نے دور تک ان کو دیکھا تھا۔

''ہاہ......'' نگو نے جیسے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''لے، تیری سانس تو ایسے نکلی ہے جیسے عرصے بعد دل حرکت میں آیا ہو۔'' زیبو نے مسکراتے ہوئے جملہ پھینکا۔

''لگتا تو ایسے ہی ہے۔ ویسے مجھے لگ رہا تھا دادی کی سنائی ہوئی کوئی کہانی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔'' نگو نے پھر کہا اور سیو کی طرف دیکھتے ہوئے ہنس پڑی۔

''اور اس کا رنگ تو یوں پیلا پڑ رہا تھا جیسے کسی نے ہلدی مل دی ہو۔''

''تجھے اس کا صرف پیلا پڑتا رنگ دکھائی دیا۔ خوش قسمتی نہیں۔'' زیبو نے معنی خیز انداز میں ہنستے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو وہ قدرے خفگی سے اسے دیکھتی ہوئی دوبارہ سے جھک کر گھڑا بھرنے لگی۔

''کرم دین اسے چھوٹے سرکار کے نام سے پکار رہا تھا۔ یعنی یا تو وہ حویلی کے مالکوں میں سے ہے یا پھر کوئی مہمان۔'' نگو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

''وہ تو آن بان سے ہی ظاہر تھا۔'' چھینو نے کہا۔

''بندہ تو واقعی شہزادہ تھا۔'' زیبو نے بھی سر ہلایا۔

''اب جلدی سے چلنے کی کرو۔ شہزادے صرف قصے کہانیوں میں ہی اچھے لگتے ہیں، حقیقت میں نہیں۔ یوں بھی بہت دیر ہو گئی ہے۔ بے بے کی طبیعت پہلے ہی چنگی نہیں۔'' سیو تمام سوچوں کو جیسے لمحہ بھر میں جھٹکتے ہوئے گھڑا اٹھا لیا تو وہ سب بھی سر ہلاتے ہوئے

کھڑے اٹھانے لگیں۔

✿......✿

"او مائی گاڈ! تم نے میرے دوپٹے کی ساری پریس خراب کر دی۔" سارہ چیخی۔

"میں نے نہیں، نمیرا بیٹھی تھی یہاں پر۔" صبا نے لپ اسٹک لبوں پر تیزی سے ہوئے کہا۔

"جی نہیں، میں تو اس طرف گئی ہی نہیں۔ یہ زویا بیٹھی تھی شاید۔" نمیرا نے فوراً کا رخ زویا کی طرف پھیر دیا اور زویا جو بڑے انہماک کے ساتھ کھڑی نمیرا کا ہیئر ا رہی تھی، ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں سے اسے گھور کر دیکھنے لگی۔

"چلو کوئی بات نہیں، پریس ہی تو خراب ہوئی ہے۔ دوبارہ کروا لو کسی سے۔" نم فوراً ہی زویا کے تیور بھانپتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہاں تو سب جیسے فارغ ہی بیٹھے ہوئے ہیں نا میرے لئے۔" سارہ ہوئے انداز میں کہا اور پھر فوراً ہی بالوں میں برش کرتی ہوئی چھوٹی پر اس کی نظر ٹک اسے تیاری میں ہمیشہ کم وقت درکار ہوتا تھا۔ (چھوٹی تھی شاید اس لئے) سارہ نے ا ہوتے دیکھ کر فوراً اپنے بڑے پن کا فائدہ اٹھایا۔

"چھوٹی! یہ دوپٹہ ذرا پریس کر دو۔"

چھوٹی نے بادل نخواستہ دوپٹہ تھاما۔ "وہ تو ٹھیک ہے بڑی آپی! مگر امی کہہ رہی تیاری ختم کر کے گاڑی میں بیٹھو۔"

"ہاں، ہاں...... آ رہے ہیں۔" سارہ نے فوراً بالوں کو کلپ میں قید کرتے ہوئے دیا۔

"تم لوگوں کی تیاری سے لگ نہیں رہا کہ تم سمیر بھائی کے لئے لڑکی دیکھنے جا ر اتنی لمبی چوڑی تیاری تو کوئی شادی یا ولیمہ کے لئے بھی نہیں کرتا۔" زویا نے ان سب ہوتے دیکھ کر آخر کار بول ہی دیا۔

"بھائی کے لئے لڑکی دیکھنے جا رہے ہیں، کم از کم ڈھنگ سے تو جانا چاہئے نا۔" فوراً کہا۔

"ہاں مگر......" زویا کچھ کہتے کہتے یکدم چپ ہو گئی۔ کیونکہ اسی لمحے صفیہ بیگم آ گئی

"لڑکیو! بس کرو اب۔ نکلنے کی کرو۔ وقت نکلا جا رہا ہے۔" وہ بولیں پھر زویا پر نظ تو فوراً بولیں۔ "اور تم تیار نہیں ہوئیں بچی؟"

"چچی جان! آپ دیکھ آیئے، میں اگلی بار چلی جاؤں گی۔"

"ہاں، اگر پسند آ گئی تو۔" صبا نے فوراً لقمہ دیا تو تمام لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"جمن بوا نے کہا ہے لڑکی چاند کا ٹکڑا ہے۔ اب کی بار تو بات بن ہی جائے گی۔" صفیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں، اگر چاند میں گرہن نہ ہوا تو۔" نمیرا نے جملہ کسا۔

"اے بی! ایسی گھڑی پر ایسی ویسی باتیں نہیں کرتے۔ فوراً نکلو، تم لوگوں کی تیاری ہی مکمل ہونے میں نہیں آ رہی۔" صفیہ بیگم کا موڈ یکدم ہی بدل گیا اور اس کے ساتھ ہی وہ تنبیہہ کرتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

تبھی زویا نے بھی باہر کی راہ لی۔ سامنے ہی تختے پر دادی اماں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ ان کے پاس جا بیٹھی اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ کچھ ہی لمحوں میں وہ تمام تیار ہو کر باہر کی جانب نکل گئیں۔

زویا اور دادی اماں نے کچھ لمحوں تک ان لوگوں کو دیکھا پھر دونوں ہی کچھ کہے بغیر خاموش ہو کر ایک دوسرے کی مخالف سمت تکنے لگیں۔

تبھی دادی اماں نے موضوع ڈھونڈا۔

"اے موا موسم یکدم ہی رنگ بدلنے لگا ہے۔ ابھی اپریل کے اوائل کے دن ہیں مگر گرمی اپنے عروج پر پہنچی ہوئی ہے۔ پہلے کہا جاتا تھا۔

جون کا مہینہ!

بہے چوٹی سے ایڑھی تک پسینہ

مگر اب فروری میں ہی جون لگنے لگتا ہے۔ یہ موا موسم رنگ بدلنے لگا ہے۔ انسانوں کے تیوران موسموں پر بھی اثر انداز ہونے لگے ہیں۔"

دادی اماں کے تجزیئے پر زویا ہنسنے لگی۔ "دادی اماں! یوں کہیں نا کہ موسم بھی انسانوں کی طرح ہوتے ہیں۔"

"ہاں، بات تو ایک ہی ہے۔ پہلے موسموں کے ساتھ انسان کے رنگ ڈھنگ اور اس کے طور طریقے بدلا کرتے تھے۔ اب انسان بدلنے میں اتنا قوی ہو گیا ہے کہ موسموں سے کہیں جلد بدل جاتا ہے بلکہ موسم بھی اس کے زیر اثر آ گئے ہیں۔"

"یعنی آپ کے خیال میں انسان اس قدر قوی ہو چکا ہے کہ موسم اس کے زیر اثر آ گئے ہیں۔" زویا ہنسنے لگی۔

"ارے بٹیا! آج تو ہر شے ان موئے انسانوں کے زیرِ اثر ہو چکی ہے۔"
"ہاں واقعی دادی اماں! وہ ایک شاعر نے بھی کیا ٹھیک کہا ہے کہ ۔

پہلے موسم ہی بدلتے تھے جہاں میں لوگو
اب ارادوں کی طرح لوگ بدل جاتے ہیں

اور

یونہی موسم کی ادا دیکھ کے یاد آیا
کس قدر جلد بدل جاتے ہیں انساں جاناں

"واہ بٹیا! کیا سولہ آنے کھری بات کہی ہے۔ سچ یہی ہے کہ آج لمحہ بھر کو نگاہ جھپکو تو کا سارا منظر ہی بدل جاتا ہے۔ وعدے بدل جاتے ہیں، ارادے بدل جاتے ہیں۔ پل پل میں انسان بدل جاتے ہیں۔ سچ پوچھو تو انسان اپنی وفاداریوں کو الوداع کہہ رہا ہے۔ دور میں احساس تھا، مروت تھی، لوگوں کے دلوں میں ایک دوسرے کا درد تھا، پیار تھا، خ تھا۔ مگر آج کے دور میں سب ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ اولیت اور اہمیت تو فقط پیسے کی ہے۔"
"مگر دادی اماں! سب کچھ پیسہ ہی تو نہیں ہوا کرتا۔ انسان کی بھی تو اہمیت ہوتی ہے بچ
"اے بچی! بات انسانیت کی ہے۔ جب وہی ختم ہو جائے تو کاہے کا انسان اور کا مروت۔"

"یہ کیا قصے بیان ہو رہے ہیں دادی پوتی میں بھئی؟" تبھی اعصار بھی وہاں آ گیا۔
"بھائی! میں اور دادی اماں بڑی مفکرانہ گفتگو کر رہے تھے۔"
"مثلاً؟" وہ مسکراتے ہوئے دادی اماں کے قدموں کے پاس بیٹھ گیا۔
"انسانوں کی سائیکی اور موسموں میں جو قدرِ مشترک ہے اس پر۔ ویسے آپ کے خی میں موسم جلدی بدلتا ہے یا انسان؟"
"جب سے تم نے سائیکالوجی پڑھنی شروع کی ہے، انسان بیچارے کی کچھ زیادہ شامت نہیں آ گئی؟" اعصار نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور دادی اماں کا پا دان کھول کر اس میں سے جانے کیا تلاش کرنے لگا۔
"ظاہر ہے، انسان اپنے اردگرد سے ہی سیکھتا ہے۔"
"دیٹس رائٹ۔ تو پھر سیکھو۔"
"میں آپ کی رائے جاننا چاہ رہی تھی۔"
"میری رائے؟ یار، میں ٹھہرا ایک سیدھا سادھا فوجی بندہ۔ مجھے تو بس یہ پتہ ہے کہ فو

حکمت عملی کیا ہوتی ہے، دشمن کو کمزور کس طرح کیا جاتا ہے، اسے زیر کس طرح کیا جاتا ہے اور اس پر وار کر کے اسے بے بس کس طرح کیا جا سکتا ہے۔"
"لیں جی، آپ نے تو قصہ ہی ختم کر ڈالا۔ ہم امن کی بات کر رہے تھے اور آپ نے فوراً جنگ کا نقشہ کھینچ ڈالا۔ بھیا! آپ کا بھی جواب نہیں۔" زویا نے کڑھتے ہوئے بھائی کو دیکھا۔
"تو پھر مانتی ہو نا بھائی کو؟" اس نے مسکراتے ہوئے پان دان سے چھالیہ اٹھا کر منہ میں رکھی۔
"واقعی آپ ذہین ہیں بھائی۔"
"شکریہ۔" وہ مسکرایا۔ "ویسے جہاں تک تم انسان کی سائیکی کے متعلق سوچ رہی ہو تو بتا دیتا ہوں کہ انسان کی سائیکی اور موسموں میں قدرِ مشترک وقت ہے۔"
"وقت...... وہ کیسے؟"
"میری چھوٹی سی ناقص العقل بہن! اصل بات یہ ہے کہ وقت بدلتا ہے تو موسم بدلتے ہیں اور موسموں کے ساتھ انسان۔ تو اصل قصور وار تو وقت ہوا نا۔ سمجھیں؟"
زویا یونہی اس کی طرف تکتی رہی تو وہ ہنس پڑا۔
"یہ بحث کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھو۔ فی الحال اٹھ کر میرے کپڑے پریس کر دو، سمیر بیچارہ پریشان بیٹھا ہے۔ اس کی بھی ڈور سلجھانی ہے۔" وہ اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتا ہوا ندر کی جانب بڑھ گیا۔ دونوں دادی پوتی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر دونوں ہی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔

✿......✿
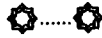
"جہاں تک میرا خیال ہے تمہاری درخواستوں کی سنچری تو بن ہی گئی ہو گی نا؟" ادعیہ نے شعاع کو تیزی کے ساتھ کاغذ پر قلم چلاتے ہوئے دیکھ کر کہا۔
"شاید۔" اس نے سر اٹھائے بغیر جواب دیا۔ ہاتھ یونہی تیزی کے ساتھ چلتا رہا۔
"شاید نہیں، یقیناً۔" ادعیہ یکدم ہنس پڑی۔ "اگر یہی رفتار رہی تو مجھے ڈر ہے تم کوئی عالمی ریکارڈ نہ توڑ ڈالو۔"
"ہاں، یہ بھی متوقع ہے۔ ورنہ سینڈلیں توڑنے کا ریکارڈ تو شاید میں بنا ہی لوں۔ پہلے وقتوں میں لوگوں کی جوتیاں کچھ اور کاموں میں گھسا کرتی تھیں اور آج کے دور میں نوکری کے لئے ٹوٹتی ہیں۔"
"ہاں، ٹوٹنے کو یہاں جانے کیا کیا ٹوٹ جایا کرتا ہے۔" ادعیہ کی ذہنی رو بھٹکنے لگی۔

''ہاں، جیسے پلیٹس ٹوٹ جاتی ہیں، گلاس ٹوٹ جاتے ہیں، کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ جاتے ہیں، دروازے ٹوٹ جاتے ہیں۔'' شعاع نے اس کی بات کو مذاق میں اڑانا چاہا۔

''اور ایسے ہی خواب ٹوٹ جاتے ہیں، دلوں کے شیشے ٹوٹ جاتے ہیں۔''

''خدانخواستہ، لڑکی! میں نے طے کر لیا ہے نوکری کے بعد پہلا کام تمہارا علاج ہو بہترین ماہر نفسیات سے رجوع کروں گی اور تمہارے ٹھیک ہو جانے تک تمہارا علاج گی۔'' شعاع نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنسنے لگی۔

''اور پھر تم تو کما کما کر بڈھی ہو جاؤ گی تب بھی نتیجہ صفر ہی نکلے گا۔''

''ہاں، مگر کوشش کر کے دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔ امید پر دنیا قائم ہے۔'' شعاع مسکراتے ہوئے درخواست لکھ کر تہہ کی اور اسے لفافے میں بند کرنے لگی۔

''اس کا رزلٹ کیا ہوگا؟'' اس نے درخواست کی طرف اشارہ کیا۔

''دعا کرنا، شاید یہاں کام بن جائے۔''

''تم اپنی اور میری تمام خواہشوں سے واقف ہو؟''

''یس، آئی نو۔'' شعاع نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

''آپی! صبح کے لئے کپڑے کون سے پریس کرنے ہیں؟'' رانیہ کچن وغیرہ کے کام کر ادھر ہی چلی آئی۔

''تم رہنے دو، میں کر لیتی ہوں۔'' ادعیہ نے کہا۔ پھر اٹھ کر الماری کے سامنے جا ہوئی۔

''صبح یونیورسٹی جاؤ گی تم؟'' شعاع نے کلاسیفائیڈ کا صفحہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''دل تو نہیں چاہ رہا ہے لیکن سوچ رہی ہوں چلی جاؤں۔'' ادعیہ نے کپڑوں جانچتے ہوئے جواب دیا۔

''اگر دل نہیں چاہ رہا ہے تو مت جانا۔'' شعاع نے کہا۔

''آپی! آپ جانتی ہیں ادعیہ دل کی ماننے میں دیر ہرگز نہیں کرتیں۔'' رانیہ نے ہوئے کہا۔

''ہاں تو کرنی بھی نہیں چاہئے نا۔ جو دل کی نہیں مانتے وہ سدا نقصان میں رہتے اور کم از کم میں نقصان میں نہیں رہنا چاہتی، نہ ہی پچھتانا چاہتی ہوں۔ ویسے جہاں تک بات ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی جانا پڑے گا۔ کیونکہ اسائنمنٹ کا ٹاپک لکھوانا ہے۔'' ا بہت جدوجہد کے بعد ایک سوٹ برآمد کر ہی لیا۔ وہائٹ کاٹن کا نفیس سا سوٹ جس پ

نفاست کے ساتھ وہائٹ تھریڈ سے ہی ایمبرائیڈری ہوئی تھی۔

''میرا خیال ہے یہ صبح تمہارے لئے مناسب رہے گا۔'' تنقیدی نظروں سے جانچتے ہوئے آخر کار اس نے شعاع کے لئے اسے منتخب کر ڈالا۔

''مگر اس کے دوپٹے کو اسٹارچ کرنا پڑے گا۔'' شعاع نے دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ میں کر دوں گی، نو پرابلم۔'' رانیہ نے فوراً اپنی خدمات پیش کیں۔

''چلو یہ ٹھیک ہے۔ میں اپنے لئے تو کچھ بھی نکال لوں گی۔'' ادعیہ پلٹ کر پھر الماری کی طرف دیکھنے لگی۔ تبھی آہٹ ابھری۔ ان تینوں نے پلٹ کر دیکھا۔

''تم لوگ ابھی تک سوئی نہیں؟'' امی دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی پوچھ رہی تھیں۔

''بس امی! سو رہے تھے، صبح کے لئے کپڑوں کا سلیکشن ہو رہا تھا۔'' شعاع نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''آیئے بیٹھئے آپ۔''

وہ اندر کی جانب بڑھ آئیں۔ ''صبح تمہیں پھر جانا ہے؟'' شعاع کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔

''جی امی۔''

''بیٹا! مجھے تو تمہاری یہ خواری پسند نہیں۔ تمہارے سسرال سے بھی دبا دبا سا احتجاج آیا ہے۔ بیٹیاں تو یوں بھی پرایا دھن ہوتی ہیں مگر جب کسی سے منسوب ہو جائیں تو پھر سارے حقوق نام کے رہ جاتے ہیں۔ میں نے تمہیں پہلے بھی اسی لئے منع کیا تھا۔ میں جانتی تھی اس کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں۔'' امی پُرسوچ انداز میں اس کی طرف دیکھتی ہوئی بولیں تو تینوں بہنیں ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

''مگر امی! یہ میرا گھر ہے۔ اس کے متعلق سوچنا، کچھ کرنا میرے ذمے ہے۔''

''یہ تمہاری ذمے داری نہیں ہے۔''

''کیوں نہیں ہے۔ کیا میں آپ لوگوں میں سے نہیں ہوں؟ الگ ہوں؟ یہ ادعیہ، رانیہ، یہ کیا مجھ سے الگ ہیں؟ جب ادعیہ ٹیوشن کر سکتی ہے، کوچنگ سینٹر میں جا کر پڑھا سکتی ہے، رانیہ آپ کے ساتھ سلائی میں ہاتھ بٹا سکتی ہے تو پھر میں کیوں الگ رہوں۔''

''ان کی بات اور ہے بچی۔''

''کیوں اور ہے امی۔ بات ہی تو طے ہوئی ہے نا۔ مجھے ان لوگوں نے خرید تو نہیں لیا۔''

''شعاع بچی! سمجھدار ہو تم۔ ایسی بچگانہ باتیں مت کرو۔ ہم پہلے ہی دشوار مرحلوں سے گزر رہے ہیں۔ میں مزید کوئی بات افورڈ نہیں کر سکتی۔ تم لوگوں کے سر پر باپ کا سایہ پہلے

ہی موجود نہیں۔ اچھے رشتے مشکل سے ہی ہاتھ آتے ہیں اور میں کوئی بنی بنائی بات بگاڑ
نہیں چاہتی۔ تم اپنا ارادہ بدل دو تو بہتر ہے۔'' انہوں نے حتمی لہجے میں بات ختم کی۔

''لیکن امی......!'' شعاع نے کچھ بولنا چاہا۔

''دیکھو بیٹا! ہماری ضرورتیں پوری ہو رہی ہیں۔ خواہشیں تو لامحدود ہوتی ہیں اور سمجھدار
کا تقاضا، ضرورتوں کو فوقیت دینا ہے۔ جب ضرورتوں کا خانہ بہ حسن و خوبی پُر ہو رہا ہو تو ا
سے آگے کی نہیں سوچنی چاہئے۔''

''امی! میں نہیں مانتی یہ سب کچھ۔ آپ جانتی ہیں میں اتنی خواریاں خواہشوں کے ل
نہیں کر رہی ہوں۔ کتنے ماہ سے دودھ والے کا بل نہیں دیا گیا، ثانیہ کی فیس نہیں بھری گئی۔
کی کئی ضروری کتابیں نہیں لی جا سکیں اور......''

''یہ سب سوچنا تمہارا کام نہیں ہے، میں ہوں نا۔''

''امی! میں خود بات کروں گی فرحان سے۔ یہ کیا تک ہے بھلا۔''

''تم اس سے کچھ نہیں کہو گی، اس نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔''

''لیکن اس کی فیملی میں سے تو کسی نے ایسا کہا ہے نا۔''

''غلط تو نہیں کہا۔ تم ان کی ہونے والی بہو ہو۔''

''لیکن میرے جاب کرنے سے ان کے خاندان پر کون سا حرف آ جائے گا۔ ا
ماڈرن دور میں بھی اتنے دقیانوس واقع ہوئے ہیں یہ لوگ۔''

''کچھ باتوں کے لئے وضاحتوں کی ضرورت نہیں ہوتی بچے۔'' امی نے کہا اور پھر اٹھ
کھڑی ہوئیں۔

''لائٹ بند کرو اور سو جاؤ تم لوگ۔ صبح جلدی اٹھنا ہے۔'' امی کہہ کر باہر نکل گئیں۔ او
تینوں بہنیں ایک دوسرے کو ہکا بکا تکنے لگیں۔

✿......✿

مژگان نے بہت ہولے سے دروازے کے ہینڈل کو دبایا تھا اور دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔
عین سامنے بیڈ پر وہ تکیے کے سہارے نیم دراز تھا۔ آج پہلے کی بہ نسبت فریش لگ رہا تھا۔

''السلام علیکم، کیسے ہیں اب آپ......؟'' مژگان نے اس کے متوجہ ہونے پر فوراً ہی سوال
داغ دیا۔

''بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ میرا خیال ہے اب یہاں سے آزاد ہو جانا چاہئے۔'' اس
نے سلام کا جواب دینے کے بعد کہا۔

''میرا خیال ہے ابھی آپ کو مزید کچھ دن ٹھہرنا چاہئے۔ ڈاکٹرز کا بھی یہی کہنا ہے۔''

''ڈاکٹرز کی چھوڑیئے، ان لوگوں کو تو اپنی فیس کی پڑی ہوتی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا
اس نے بھی مسکراتے ہوئے مہکتے ہوئے پھولوں کا گلدستہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

''میرا خیال ہے کہ ڈاکٹرز کافی مخلص ہوتے ہیں اپنے پروفیشن کے ساتھ۔'' مژگان نے
سکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

براؤن کلر کے ڈل سے شیڈ کے سوٹ میں بھی وہ خاصی جاذب نظر لگ رہی تھی۔ بالوں کو
کارف سے باندھے شانوں پر دوپٹہ پھیلائے وہ خاصی رف سی کنڈیشن میں تھی۔

''آپ یہاں تنہا ہوتی ہیں؟ آئی مین آپ کی فیملی؟''

مژگان یکدم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ چہرے کے تاثرات یکدم بدل گئے۔ ''بعض
قات انسان ہجوم میں بھی تنہا ہوتا ہے اور کبھی کبھار تنہائی میں بھی ہجوم ہوا کرتے ہیں۔ اور
ہ لیجئے میں دونوں صورتوں سے ایک ساتھ گزرتی ہوں کبھی کبھار۔ اور میرا خیال ہے اس کا
ی ایک لطف ہوا کرتا ہے۔''

رہبان عالم شاہ نے کچھ سمجھتے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ وہ نازک اندام
لڑکی نظریں جھکائے جانے کیوں اس لمحے خاصی الجھی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ اسے مکمل
ر پر نہیں جانتا تھا مگر جب سے وہ ہسپتال میں تھا، وہ بڑی باقاعدگی کے ساتھ اس کے لئے
ل لے کر آ رہی تھی۔ روز اس کے چہرے پر بڑی رسمی سی مسکراہٹ ہوتی تھی۔ وہ ہمیشہ
ت پُراعتماد انداز میں اسے نظر آئی تھی۔ اچھے مہذبانہ طور طریقے والی نازک سی گڑیا جیسی نظر
نے والی لڑکی کی گفتگو بہت پختہ تھی۔ وہ اس کے مزاج کے رنگوں سے آشنا نہیں تھا مگر اس
ڑی اس پر منکشف ہوا تھا کہ وہ کچھ اُلجھی اُلجھی سی تھی۔ تبھی اس نے پوچھ لیا۔

''آر یو آل رائٹ؟''

''ہوں...... ہوں۔'' وہ چونکی۔ پھر زبردستی مسکراتی ہوئی اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''اینی پرابلم؟'' اس نے دوبارہ پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ نظریں ملائے بغیر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

''آپ جانتی ہیں جب کوئی پرابلم نہیں ہوتی تب بھی بہت سی پرابلمز ہوتی ہیں۔'' وہ
کراتے ہوئے دوستانہ انداز میں بولا تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ تب وہ بھی اس کی
کھوں میں جھانکنے لگا۔ ''میرے خیال میں آپ ڈپریس ہیں۔''

وہ جواب میں بہت حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر یکدم نفی میں سر ہلانے لگی۔ ''بعض

اوقات آپ ایسی کیفیات سے گزرتے ہیں کہ آپ کو خود بھی ان کے بارے میں صحیح اندا
نہیں ہوتا کہ ان کی شدت کتنی ہے۔"

وہ کتنے ہی لمحوں تک اسے دیکھتا رہا، پھر یکدم مسکرا دیا۔ "آپ کی اردو بہت شستہ ا
اچھی ہے مس مژگان۔" وہ اس کی کیفیت کو بھانپتے ہوئے موضوع سے یکدم ہٹ کر بو
ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

"شکریہ۔ مجھے عبور تو کسی بھی زبان پر نہیں مگر دو چار زبانیں اچھی طرح بول لیتی ہو
اور سمجھ لیتی ہوں۔"

"مجھے یقین ہے، دیگر دوسری زبانیں بھی آپ اسی مہارت اور برجستگی کے ساتھ بول لیـ
ہوں گی۔"

"شاید، وہاں لندن میں جب میں تھی تو تمام دوستوں کو زبان کے کئی الفاظ سکھا ڈا
تھے۔ میں اکثر ان کے ساتھ بہت روانی میں اردو بول جایا کرتی تھی۔ اور جب وہ مجھے نا سمجھ
کے ساتھ ہونق صورت لئے دیکھتے تھے تو مجھے بے ساختہ ہنسی آ جاتی تھی۔ میرے مطالعے م
اکثر اردو کی کتابیں رہا کرتی تھیں۔ میں اردو ادب کو بہت پسند کرتی ہوں۔ ممتاز مفتی، انتظا
حسین، صدیق سالک، سعادت حسن منٹو، شفیق الرحمٰن، سب میرے مطالعے میں رہتے تھے
درحقیقت میں نے دیارِ غیر میں ان کتابوں سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اپنی زبان، اپنا کلچر، ا
طور طریقے وغیرہ بہت سی چیزیں مجھ پر انہیں کتابوں نے منکشف کیں۔ بہت سے اسرار
رموز انہی کتابوں کے باعث مجھ پر منکشف ہوئے۔" وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں جیـ
ماضی کے ایک ایک رنگ کو بغور دیکھ رہی تھی۔

"تبھی تو کہتے ہیں کتابیں بہترین دوست ہوا کرتی ہیں۔" رہبان نے مسکراتے ہوئے کہا

"ہوں، یقیناً۔" وہ دھیرے سے مسکرائی۔ "مجھے وہاں شاعری سے بے حد لگاؤ تھا۔ مجھ
صوفیانہ کلام نے بے حد متاثر کیا۔ حضرت بابا بلھے شاہ، بابا فرید، سلطان باہو، ان کی کافیا
مجھے زبانی یاد تھیں۔ اکثر میں زیرِ لب پڑھتی رہتی تھی۔ مجھے حیرت ہے ہمارے ہاں اتنا لٹری
ہے اور ہم نے انہیں بے قدرے پن سے الماریوں میں بند کر کے رکھا ہوا ہے۔ جن چیزوں
کو دلوں میں بند ہونا چاہئے، وہ الماریوں میں بند پڑی ہیں۔" اس نے قدرے افسوس سے
کہا تو وہ سر ہلانے لگا۔

"مس مژگان! میں نے ایک بات نوٹ کی ہے۔ جو لوگ وطن سے دور رہتے ہیں وہ اپنی
ثقافت، اپنی قدریں، اپنی پہچان سے بہت محبت کرتے ہیں، بہ نسبت مقامی لوگوں کے۔"

"شاید اس کی وجہ یہ ہوتی ہو کہ دور رہ کر کسی چیز کی کمی کا احساس شدید ترین ہوتا ہے اور
پھر ہم بلا ارادہ یا بے ساختہ ہی اس رنگ میں رنگنے لگتے ہیں۔ کسی چیز کی کمی ہمیں اس کے
قریب کر دیتی ہے۔ ہم اپنے آپ کو اس شے سے قریب محسوس کرنے کے لئے اس کے تمام
خواص کو خود میں سمونے لگتے ہیں۔ مجھے اپنی قدروں سے بہت محبت ہے، آئی لو اٹ۔ مگر
میرے خیال میں ہمیں ان چیزوں کو اپنی زندگی کا حصہ بنانا چاہئے۔ ان چیزوں کا حصہ نہیں
بننا چاہئے ورنہ زندگی مشکل ہو جاتی ہے۔"

"آپ بلاشبہ درست کہہ رہی ہیں۔" وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ "شکریہ۔" پھر یکدم جیسے اسے وقت کا احساس ہوا تو بولی۔

"اوکے، چلوں گی۔ اپنا خیال رکھئے گا، پھر آؤں گی۔" اس کے ساتھ ہی وہ دروازے کی
جانب بڑھ گئی۔ دروازے پر رک کر یکدم پلٹ کر دیکھا۔ وہ متواتر اسی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ
دوستانہ انداز میں مسکرا دی۔

"اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" وہ جواباً بولا اور وہ پلٹ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔
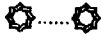
بے بے کا بخار بدستور قائم تھا۔ سیو نے صبح اٹھ کر سارے معمول کے کام نمٹائے تھے
جنہیں بے بے اپنے نارمل اوقات میں سرانجام دیا کرتی تھی۔ صبح کا ناشتہ، صفائی، برتن
مانجھنا، پانی بھرنا اور پھر آج تو حویلی سے بھی بلاوا آ گیا تھا۔ چھوٹی بی بی کی منگنی کے دن
قریب تھے اور اسی سے منسلک بہت سے کام تھے۔ اسے جانے کیوں حویلی کا نام سنتے ہی
خوف سا آنے لگا تھا۔ آج سے قبل وہ وہاں جانے اور چھوٹی بی بی سے ملنے کو بہت بے تاب
تھی۔ مگر آج وہ جانے کو مائل ہی نہ تھی۔ ایک تو تھکن اس قدر ہو گئی تھی، پھر بے بے کی بھی
فکر تھی۔ مگر جب دو چار بار کارندہ پیغام لے کر آیا تو تب اس کے لئے جانا ناگزیر ہو گیا۔ اس
نے بے بے کو جگا کر دوا دی، پھر بتا کر بچے کے ہاتھ بھائی کو پیغام بھجوایا۔ اس کی طرف سے
اجازت پا کر وہ حویلی کے لئے نکل پڑی۔ دوپٹے کی بکل اچھی طرح مار کر بھی اس کا جانے
کیوں بے تحاشا دل چاہا تھا کہ یہیں سے واپس پلٹ کر گھر کے لئے دوڑ لگا دے۔ مگر وہ ایک
مشین کے سے انداز میں چلتی چلی جا رہی تھی۔ آج تک کے سارے شوق جو اس کے ننھے
سے دل میں بڑے تپاک سے براجمان تھے اب سر پر پاؤں رکھ کر اچانک ہی بھاگ کھڑے
ہوئے تھے۔ کہتے ہیں شوق کی کوئی انتہا نہیں ہوتی مگر سیو کے دل کی دھڑکنیں مچل کر جو شور کر

رہی تھیں تو اس سے ظاہر تھا کہ کبھی کبھار بہت جلد اوپر جانے والا گراف کبھی کبھی بہت جلد اتنی
ہی تیزی سے نیچے بھی آ جایا کرتا ہے۔

وجہ خواہ کچھ بھی نہ ہو لیکن یہ حقیقت ہے۔ شوق کبھی کبھی یونہی دم بھی توڑ جایا کرتے ہیں۔
اونچی نیچی پگڈنڈیوں پر چلتے ہوئے کبھی اس کے پاؤں نہ لڑکھڑائے تھے، کبھی ٹانگوں میں
لرزش پیدا نہ ہوئی تھی۔ مگر آج ساری کیفیات بہت مختلف تھیں۔

"ہائے بے بے، تو کیوں بیمار پڑ گئی؟" اس سے کچھ اور چارہ نہ بن پڑا! تو بے بے کو تیزی سے
یاد کرنے لگی۔

حویلی کے درمیان کا کچھ ہی فاصلہ باقی رہ گیا تھا۔ وہ نگاہ اٹھا کر دیکھ سکتی تھی کہ بلند و بالا
لال اینٹوں سے بنی یہ مضبوط عمارت کتنے وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھی۔

"ہائے ربا، یہ تو بالکل محل جیسی ہے۔ ویسا ہی محل جو کئی بار بے بے کی سنائی ہوئی کہانیوں
میں نظر آیا ہے۔ بالکل ویسا ہی محل جس میں شہزادی جو کبھی گئی تو پلٹ کر واپس نہ آئی۔ جادوئی
محل، یا پھر وہ والا محل جس میں غریب لکڑہارے کی بیٹی گئی اور پھر اس وسیع و عریض محل کے
کسی کونے میں ایسی کھوئی کہ پلٹی ہی نہیں۔ "ہائے ربا!" اس کا دل یکدم دہلنے لگا۔ کتنی
کہانیاں تھیں، کتنے قصے تھے۔ بے بے کے سارے قصے آج اس کے ذہن کی اسکرین پر
باری باری کسی فلم کی طرح چل رہے تھے۔ اسے یہ عالیشان حویلی بھی کسی ویسے ہی محل کا
احساس دلا رہی تھی۔ اسے اپنے ڈر اور خوف کی وجہ خود سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔ اب اس کے اور
حویلی کے درمیان ایک فرلانگ کا فاصلہ باقی بچا تھا۔

"ہائے ربا! مجھے ہمت اور حوصلہ دے۔ دل کیوں ڈوبا جا رہا ہے آخر؟" اس نے خود کو
ایک بار پھر ہمت دلائی۔

"ایک بہت بڑا محل تھا، بہت بڑے سے رقبے پر پھیلا ہوا اور اس میں ایک شہزادہ بستا
تھا۔ شہزادہ بہت خوبرو اور بہادر تھا۔ وہ شکار کھیلنے کے لئے روزانہ جنگل جایا کرتا تھا اور......"
اُف بے بے کی ساری پچھلی آوازیں اس کی سماعتوں میں پھر سے گونجنے لگیں۔

"ایک لکڑہارے کی بیٹی تھی۔ وہ بہت خوبصورت تھی۔ وہ اپنے باپ کے ساتھ اس کا ہاتھ
بٹایا کرتی تھی۔ اکثر اس کام کے لئے وہ جس راہ سے گزرتی وہاں ایک خوبصورت محل بنا ہوا
تھا۔ وہ محل ریاست کے بادشاہ کا تھا۔ لکڑہارے کی بیٹی اکثر اس محل کو بہت شوق سے رُک کر
دیکھا کرتی اور......" بے بے کی آواز پھر گونجنے لگی۔ ساری کہانیاں تازہ ہونے لگیں۔

"اُف میرے ربا! یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ؟" وہ خواب کے سے عالم میں خود سے

مخاطب ہوئی۔ تبھی کارندے نے رُک کر اسے پلٹ کر دیکھا۔ اس کے اس طرح چونک کر
دیکھنے پر وہ بھی چونک گئی اور دوسرے ہی پل محتاط ہو کر دوپٹے کا پلو چہرے کے گرد قدرے
لپیٹ لیا۔

اب وہ سر اٹھا کر دیکھ سکتی تھی۔ حویلی عین اس کے سامنے تھی۔ اس کے دل کی منتشر
دھڑکنیں مزید منتشر ہو گئیں۔ حویلی کا بڑا سا پھاٹک عبور کرتے ہوئے اس کے پاؤں لڑکھڑا
سے گئے۔

"ربا! مجھے اپنی حفظ و امان میں رکھنا۔" اس نے زیرِ لب دعا مانگی۔ وہ خود میں گم، بنا
ادرگرد دیکھے، نیچے دیکھتی ہوئی کارندے کے پیچھے پیچھے چلتی چلی گئی۔ بہت سے وسیع و عریض
خوبصورت کمروں اور کئی راہداریوں سے گزرتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتی ہوئی وہ اوپر آئی تو
سامنے ہی بے بے کی عمر کی ایک عورت مل گئی۔

"شیدے! کتنی دیر لگا دی تو نے۔ بڑے چوہدری کتنی واری تیرا پوچھ چکے ہیں۔ اور یہ
کون ہے۔ اچھا...... جننے کی دھی ہے۔ ہاہ، یہ شوہدی تے واہ واہ سوہنی اے۔" وہ عورت بنا
شیدے کا جواب سنے بولتی چلی گئی۔

"اسے وڈی مالکن کے پاس لے جا۔ میں وڈے چوہدری صاحب کے پاس جاتا ہوں۔"
شیدا بولتا ہوا پلٹ کر فوراً زینہ پھلانگ گیا۔ اس نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس
عورت کی طرف دیکھا، تبھی وہ بولی۔

"ڈرنے کی کوئی لوڑ (ضرورت) نیں (نہیں) اے۔ یہاں سب دے سب لوگ بڑے
وڈے دل والے ہیں۔ میرا ناں (میرا نام) خیراں اے۔ حویلی دے سب لوگ مینوں (مجھے)
ماں ہی کہتے ہیں۔ تیری بے بے سے میری بڑی گاڑھی چھنتی ہے۔ رب اسے تندرستی تے
حیاتی دے۔ آ، تجھے وڈی بی بی دے کول لے چلاں۔" (آ، تجھے میں بڑی بیگم کے پاس
لے چلوں)

وہ اس کی گھبراہٹ بھانپتے ہوئے بولی اور ساتھ ہی اس کا ہاتھ تھام کر چلنے لگی۔
وہ چپ چاپ بنا کچھ کہے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ وہ باتیں کرتی رہی، حویلی اور
اس کے مکینوں کے متعلق۔

"نوکر تے بتیرے (بہت زیادہ) ہیں۔ مگر تو، تو جانتی ہو گی شادی ویاہ والے کار وِچ
جتنے بھی کام کرنے والے ہوں تھوڑے ہوندے نیں۔" (نوکر تو یہاں بہت زیادہ ہیں، مگر تم
جانتی ہو گی شادی بیاہ والے گھر میں جتنے بھی کام کرنے والے ہوں، تھوڑے لگتے ہیں) تبھی

وہ پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ ''کملی! کچھ بول تو سہی۔'' (پگلی! کچھ بول تو سہی) مگر ا
کے لبوں پر تب بھی قفل لگے رہے۔

'اُف اتنی بڑی حویلی ہے۔ میں اکیلی ہوں۔ میں تو گم ہو جاؤں گی۔ کتنے کمرے ہیں
کتنی راہداریاں۔ میں تو گننے لگوں تو شاید ایک دن ختم ہو کر دوجا دن چڑھ آئے تب بھی گنتی
پوری نہ ہو۔'

وہ پُر آرائش نفاست سے سجے کونے کونے کو بغور دیکھ رہی تھی۔ اور ذہن میں پھر چا
بے بے کی سنائی ہوئی کہانیوں کے محل گھومنے لگے تھے۔

اس سے قبل کہ اس کی سوچوں کے سلسلے مزید پھیلتے، تبھی خیراں اسے لے کر ایک کمرے
کے دروازے کے سامنے رکی اور ہولے سے دستک دی۔

''آ جا، آ جا...... دروازہ کھلا ہی ہے۔'' اندر سے ایک رعب دار زنانہ آواز ابھری۔ تبھی
خیراں نے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہی جہازی سائز بیڈ پر وڈی مالکن دو چار نوکرانیوں سمیت
زرتار کپڑے پھیلائے بیٹھی تھیں۔

''آ جا خیراں! اور یہ کون ہے؟'' وڈی مالکن نے کپڑوں پر سے توجہ ہٹا کر ایک نظر ا
ڈری سہمی لڑکی کو دیکھا۔

''وڈی بی بی! یہ جنتے کی دھی ہے۔''

''یہ تو بڑی سوہنی ہے۔ کہاں چھپا کر رکھا ہوا تھا اسے جنتے نے؟'' وہ مسکراتے ہوئے
بولیں۔ تبھی اس نے دوپٹے کا کونا دانت میں دبا کر نظریں جھکا لیں۔ خیراں ہنسنے لگی۔

''وڈی بی بی! انشاء اللہ گن بھی اچھے ہوں گے۔''

''ہاں، یہ تو دیکھ کر ہی پتہ چلے گا۔ دیکھنے سے لگتا تو نہیں کہ اسے کوئی کام آتا ہوگا۔''

''جی! بے بے نے سارے کام سکھائے ہیں مجھے۔ جھاڑ پونچھ، صفائی ستھرائی، کپڑے
دھونا، برتن مانجھنا، سینا پرونا۔ مجھے سارے کام آتے ہیں جی۔'' وہ ایک دم بولی تو وڈی بی بی
اسے دیکھنے لگیں۔

''اچھا اچھا ٹھیک ہے۔ خیراں! پہلے اسے چھوٹی بی بی کے کمرے میں لے جا۔ اگر وہ
کر اٹھ گئی ہوں تو صفائی کروا دینا ورنہ باقی دوسرے کام سونپ دینا۔'' کام کرنے والی لڑکیاں
سر اٹھا کر وقتاً فوقتاً اسے دیکھ رہی تھیں۔

''چھوٹی بی بی کے اٹھنے کا تو جی ابھی وقت ہی نہیں ہوا۔'' خیراں جلدی سے بولی۔

''اچھا تو پھر باقی دوسرے کمروں کی جھاڑ پونچھ کروا لو۔ اس کے بعد جو کپڑے ہیں

دھونے کے لیے دے دینا۔'' وڈی مالکن بتانے کے بعد دوبارہ مصروف ہو گئیں۔ تبھی خیراں
اسے لے کر باہر نکل آئی تھی۔

✿......✿
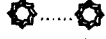
'میں اتنی فرسودہ باتوں کو مان ہی نہیں سکتی۔' صبح بیدار ہونے سے لے کر اب تک جب
وہ کچن میں دوپہر کا کھانا تیار کر رہی تھی، اس کے ذہن میں مسلسل امی کے الفاظ گونج رہے
تھے۔

'حیرت ہے، آج کے دور میں لوگ اس قدر پرانی سوچ رکھتے ہیں۔ لوگ چاند ستاروں پر
قدم رکھ چکے ہیں، نئی دنیائیں تلاش کر چکے ہیں اور یہاں ابھی تک وہی قدیم سوچ اپنائے
بیٹھے ہیں لوگ۔ حد ہوتی ہے کسی بات کی بھی۔' شعاع نے چولہے کی آنچ دھیمی کی اور پھر
کمرے میں چلی آئی۔ ارادہ فرحان کا نمبر ملانے کا تھا مگر عین اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔

''ہیلو......'' دوسری طرف فرحان ہی تھا۔

''ہیلو، کیسے ہیں آپ! میں ابھی آپ کو ہی فون کرنے والی تھی۔''

''دیکھ لو، شاید اسی کو محبت کہتے ہیں۔ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے
بولا تو وہ جھینپ کر رہ گئی۔ تبھی وہ کہنے لگا۔ ''خیریت...... آج ہماری یاد کیسے آ گئی؟

وہ فرمانے لگے ہم پہ کرم خدا خیر کرے......!''

وہ بھرپور انداز میں محظوظ ہوتے ہوئے ہنسا تو وہ دھیمے سے انداز میں مسکرائی۔

''میں بے انتہا پریشان ہوں اور آپ کو شرارت سوجھ رہی ہے۔''

''خدا خیر کرے۔ مزاجِ یار برہم کیوں ہیں؟''

''آپ سنجیدہ نہیں ہو سکتے ہیں؟''

''آپ کہیں تو مر بھی سکتے ہیں۔''

''اُف......!'' وہ زچ ہو کر رہ گئی۔ ''مذاق کے موڈ میں نہیں ہوں میں۔''

''تو یہاں کون کافر مذاق کر رہا ہے۔''

''آپ سن بھی تو نہیں رہے ہیں۔''

''آپ کہہ بھی تو نہیں رہی ہیں۔'' وہ ترکی بہ ترکی بولا تو شعاع کے لبوں پر دھیمی سی
مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اب کہہ بھی دیجئے۔ پھر مجھ ناچیز پر کوئی الزام عائد کر دیں گی کہ بولنے نہیں دے رہا۔''

''میں جاب کرنا چاہتی تھی۔'' وہ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد گویا ہوئی۔

"کیا مطلب...... یعنی اب نہیں چاہتی ہو۔ چلو اچھا ہے، مجھے بھی یہ پسند نہیں۔" وہ سنجیدہ انداز میں بولا۔

"فرحان! بات تمہاری پسند یا ناپسند کی نہیں ہے۔ بات ایک کنبے، ایک خاندان کی ہے۔ مجھے جس کی ذمہ داریاں پوری کرنی ہیں۔ تم خود جانتے ہو جن مصائب اور تکالیف کا سامنا ہمیں ابو کی وفات کے بعد کرنا پڑ رہا ہے۔ سب حالات تمہارے سامنے ہیں۔ پھر اس کے باوجود اس طرح کی پابندیاں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔"

"سوری...... میں تمہاری بات سمجھ نہیں پا رہا۔ تم کیا کہنا چاہتی ہو؟ جن باتوں کا تم ذکر کر رہی ہو وہ تمہارے میرے علم میں ہیں۔ پھر ان کو دہرانے کا فائدہ؟ میں کچھ بھولا تو نہیں ہوا کہ تم مجھے یاد دہانی کروانا چاہ رہی ہو۔"

وہ اس کی بات پر قدرے چونکی۔ تو کیا وہ کچھ نہیں جانتا کہ اس کے گھر والے کیا کہہ رہے تھے۔

"تمہارے ہاں سے کچھ اعتراضات آئے تھے میرے جاب کرنے پر۔"

"اچھا......؟ لیکن میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں۔" فرحان نے تردید کی۔

"یعنی میں یہ جاب کر سکتی ہوں؟"

"میری جانب سے تم پر کوئی پابندی فی الحال نہیں ہے۔"

"فی الحال سے تمہاری کیا مراد ہے۔ یعنی مستقبل میں ایسا کچھ متوقع ہے؟"

"شماع، جانِ فرحان! کیا یہ یقین نہیں کہ تا حال میری اجازت کے ساتھ میری نیک تمنائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

"مگر دیگر فیملی والے......" وہ کچھ بولنا چاہتی تھی تبھی اس نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں بات کروں گا۔ تم پریشان نہ ہو۔" اس کا لہجہ یقین دلاتا ہوا تھا، جذبوں کی حدت لئے۔ اس کے اندر ڈھیروں اطمینان اترنے لگا۔

"جب میں تمہیں اجازت دے رہا ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ مجھے تمہارا اعتبار ہے، یقین ہے۔ اور تم جانتی ہو کہ کسی بھی رشتے کو قائم رکھنے کے لئے یقین اور اعتماد بنیادی کڑی ہے۔"

"جانتی ہوں۔ اعتبار محبت کی سیڑھی کا پہلا قدم ہے۔ اور جب ہم کسی پر یقین و اعتبار کر رہے ہوں تو دوسرے معنوں میں اپنا سب کچھ سونپ رہے ہوتے ہیں۔"

"زبردست۔ کافی سمجھدار ہوتی جا رہی ہیں آپ۔"

"شکریہ۔ میں شروع سے اتنی ہی سمجھدار ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ تبھی دھیمی آنچ پر رکھے ہوئے سالن کی طرف دھیان گیا تو فوراً خدا حافظ کہہ کر اس جانب دوڑی۔ امی تانیہ کو اسکول سے لینے گئی تھیں جبکہ ادعیہ، رانیہ اور بلال کے آنے کا وقت بھی ہو چلا تھا۔ اس نے ایک نظر سامنے لگے کلاک کو دیکھا اور پھر اطمینان سے کچن میں چلی آئی۔ سالن تیار تھا۔ بس روٹیاں ڈالنی تھیں اور یقیناً ان لوگوں کے آنے سے پہلے یہ تمام کام نمٹ جانا تھا۔

......

وہ ریموٹ ہاتھ میں پکڑے یونہی چینلز بدل رہی تھی جب گرینی نے اچانک پوچھا۔ "وہ لڑکا کیسا ہے؟"

"کون...... رہبان عالم شاہ، ہاں ٹھیک ہے۔ اب قدرے بہتر ہے۔"

"بڑا نیک بچہ ہے۔ خدا حیات دے اسے۔" زینب بی بی بھی بولیں۔ "دیکھنے چلیں گے فلورا! اسے کسی دن۔"

"ہاں، میں بھی سوچ رہی تھی۔ بلکہ میرا تو خیال تھا وہ صحت یاب ہو جائے تو اسے گھر مدعو کیا جائے۔" گرینی نے زینب بی بی سے اتفاق کرتے ہوئے مزید کہا اور ساتھ ہی مژگان کی طرف دیکھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے بے بی؟"

"جی ضرور۔ فی الحال تو شاید کچھ دن لگیں انہیں ڈسچارج ہونے میں۔" اس نے چینلز بدلنے کا سلسلہ متواتر جاری رکھا۔ پھر ایک چینل پر اس کا ہاتھ ساکت رہ گیا۔

گہری سبز سمندر آنکھیں جیسے اس کے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ اس کا چہرہ، ان نظروں کی تپش جیسے وہ اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی۔

محبت ہوتی ہے۔

محبت ہوتی ہے۔

ایک ہی سرگوشی۔ ایک ہی تکرار۔

اس کے اردگرد گونجنے لگے۔

"سنو، تمہیں محبت پر یقین نہیں؟" کیتھی کی حیرت سے بھرپور آواز۔

محبت ہوتی ہے۔

وہی بھرپور لہجہ۔ وہی اپنی خو لئے انداز۔

وہی ضد، وہی تکرار۔

اور ان سب سے بڑھ کر وہ سبز آنکھیں کہ جن کی طرف اگر وہ ایک بار دیکھتی تو ابھرنے کا

پھر کوئی چارہ ہی نہ بچتا۔

''نک! یہ تم سے ڈرتی ہے۔'' جسیکا نے جیسے چھیڑا تھا۔

''نہیں، میں اس سے ڈرتا ہوں۔ اس کی آنکھوں میں کس قدر گہرائی ہے۔ مجھے لگتا اگر ڈوبوں گا تو کبھی ابھروں گا نہیں۔'' اس کی سبز سمندر نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں اور وہ جھکائے ہونٹ کچل رہی تھی۔ ''یہ مجھ پر کرم کرتی ہے کہ نہیں دیکھتی۔''

''مگر تم تو اسے متواتر دیکھتے رہتے ہو۔'' برائن نے ہنستے ہوئے جملہ پھینکا۔

''یہ بے اختیاری ہے۔ دیوانگی ہے میری۔'' اس کا لہجہ گمبھیر تھا۔

''جو یہ محتاط رہتی ہے، تم سے لاتعلق رہتی ہے تو شاید یہی وجہ ہے نک! تم اسے یوں تنگ مت کیا کرو۔ یہ ہماری بہت اچھی دوست ہے۔'' پیٹر نے مکمل طور پر اس کی سائیڈ لی تھی۔

''میں اسے تنگ کہاں کرتا ہوں، تنگ تو یہ مجھے کرتی ہے۔ کچھ بولتی ہی نہیں۔ اتنی باتوں کے جواب میں ایک لفظ بھی اس کے لبوں پر نہیں آتا۔ کبھی کبھی تو مجھے گمان گزرتا ہے اس کے منہ میں زبان ہے بھی کہ نہیں۔'' اور وہ جو لاتعلق سی بنی ایک طرف دیکھ رہی تھی، یکدم تلملا کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''ایسے مت دیکھو۔ پاگل ہو جاؤں گا میں۔'' وہ زیر لب مسکراتا ہوا گویا ہوا تھا اور وہ سب ہنسنے لگے تھے۔ اس کی آنکھوں میں یکدم ہی نمی سی تیرنے لگی۔ غصہ برداشت سے باہر ہو گیا تبھی برائن نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا۔

''جسٹ انجوائے بے بی! وی آر گڈ فرینڈز۔''

''آئی ول کل یو۔'' مژگان نے دھمکی دی۔

''شیور۔ میری خوش قسمتی ہو گی۔''

تبھی وہ اٹھی اور تیزی سے وہاں سے نکلنا چاہا۔ نک نے اس کی نازک کلائی کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا۔

''چیلنج دینے والے یوں میدان چھوڑ کر نہیں بھاگا کرتے۔ مجھ سے خوفزدہ مت ہو۔ کم از کم میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا۔ جانتی ہو ہم اچھے دوست ہیں۔''

''یو آر اے کریزی گائے۔'' وہ سلگتی ہوئی فقط اسی قدر کہہ سکی۔

''یس آئی ایم کریزی۔ اباؤٹ یو......!'' وہ جو بیٹھ گئی تھی، دوبارہ سے اس کے شرارت سے پُر انداز پر خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔

''یو......!'' اس نے وارننگ کے سے انداز میں اس کی طرف گھور کر دیکھا تبھی اس نے

شرارت سے ایک آنکھ دبا دی۔ تمام لوگ ہنسنے لگے۔ ہنستے چلے گئے۔ وہ گردن جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ تبھی اس کے کان کے قریب بڑی مدھم سی سرگوشی ابھری۔

''محبت ہوتی ہے۔''

جملہ ابھرا تو جیسے ایک بازگشت بن گیا۔ ہر طرف سے یہی شور آنے لگا۔ وہی لہجہ پلٹنے لگا۔

محبت ہوتی ہے۔

محبت ہوتی ہے۔

محبت ہوتی ہے۔

''بے بی...... بے بی......!'' گرینی نے پکارا مگر وہ یونہی بت بنی اسکرین کو گھورتی رہی۔

''مژگان...... مژگان! بچے، کیا ہوا؟'' زینب بی بی نے اس کے شانے پر فکرمندی سے ہاتھ رکھ کر اسے جیسے جھنجھوڑ ڈالا۔

''آں...... آں......'' وہ یکدم چونک کر دیکھنے لگی۔

''کہاں کھو گئی تھیں؟ آواز کم کر دو ٹی وی سیٹ کی۔'' گرینی نے فکرمندی سے کہتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''دراصل میں اچانک ہی ماضی میں پہنچ گئی تھی۔ جب ہم سب گیٹ ٹوگیدر ہوا کرتے تھے نک اپنی گٹار پر بہت اچھا گایا کرتا تھا۔ کیتھی، جسیکا، برائن، پیٹر، کس قدر ہنسا کرتے تھے ہم۔ انجوائے کیا کرتے تھے لائف کو۔ اور وقت کس قدر تیزی سے بھاگا کرتا تھا۔'' وہ سچ مچ اسی وقت میں کھونے لگی۔

''دل اُداس ہے، اگر مس کر رہی ہو تو فون کر لو۔'' گرینی نے مشورہ دیا۔

''ہوں......!'' اس نے سر ہلایا۔ ''کروں گی۔''

✿......✿

عمر کا بھروسہ کیا پل کا ساتھ ہو جائے
ایک بار اکیلے میں اس سے بات ہو جائے
ایک بار کھیلے تو وہ میری طرح اور پھر
جیت لے وہ ہر بازی مجھ کو مات ہو جائے

وہ اپنے لئے چائے بنا رہی تھی جب اعصار شیخ کی بھاری آواز پشت پر ابھری۔ وہ یکدم اُچھل ہی تو پڑی۔

''اوہ مائی گاڈ۔ ابھی گرم گرم کھولتا ہوا پانی میرے اوپر گر جاتا تو......! تمہیں احساس نہیں

ہے۔ اور رات کیا مشاعرہ اٹینڈ کر کے آئے ہو؟"

"میں شاعر نہیں ہوں، ہاں کسی نے شاعر بنا دیا ہے۔" وہ شریر سے انداز میں مسکراتا ہوا بو

"یا اللہ خیر۔ کس کی شامت آ گئی اب۔" وہ یوں بولی جیسے کہہ رہی ہو اب کس کے نصی
پھوٹ گئے ہیں۔ وہ ہنس پڑا۔

"تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"کس بات کی؟" وہ پلٹے بغیر کپ میں چائے نکالنے لگی۔

"تمہارا کزن ٹھکانے لگا۔"

"ہاں، خوشی تو بہت ہے۔ بائی دی وے کتنے دن کے لئے؟" وہ پلٹ کر کپ اس
طرف بڑھاتے ہوئے مسکراتی ہوئی گویا ہوئی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

وہ بھولتا ہے نہ دل میں اتارتا ہے مجھے
ہمیشہ مار محبت کی مارتا ہے مجھے
میں اس کا لمحہ موجود ہوں مگر وہ شخص
فضول وقت سمجھ کر گزارتا ہے مجھے

"اردو لٹریچر پر ریسرچ کر رہے ہو ان دنوں؟" وہ مطمئن سے انداز میں چائے کا
لیتے ہوئے گویا ہوئی تو اعصار کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

"ہاں، تمہیں بھی کرنی چاہئے۔" جواب میں جل کر گویا ہوا۔ ادعیہ کی ہنسی چھوٹتے چھو
رہ گئی۔

"نہیں، تم جاری رکھو۔ یوں بھی آج کل میرے پاس وقت نہیں۔ بہت بزی ہوتی ہو
یونیورسٹی، کوچنگ سینٹر، پھر گھر میں ٹیوشن۔ سچ پوچھو تو خود اپنے لئے بھی وقت نہیں ہے۔"

"ہاں، وہ تو تمہارے حلیے سے ہی نظر آ رہا ہے۔" اس نے اس کے لباس کی بے تر
دیکھتے ہوئے کہا۔ بلیو شلوار، بلیک قمیض، وہائٹ دوپٹہ اور بے ترتیب سے بکھرے ہوئے
جنہیں اس نے کلپ میں قید کیا ہوا تھا۔ دیکھنے سے ہی پتہ لگ رہا تھا کہ برش، کنگھی نامی
شے سے دور سے بھی واقفیت نہیں۔

"ذرا اپنا خیال رکھا کرو۔" وہ دوستانہ انداز میں بولا تو وہ سر ہلانے لگی۔ پھر سنجیدگی
ایک طرف دیکھنے لگی۔

"پتہ نہیں زندگی اتنی مشکل کیوں ہو گئی ہے۔ ہر طرف جیسے مصائب کا ایک جال س
ہے۔ جتنی ڈور سلجھاؤ، اُلجھتی ہی چلی جاتی ہے۔ کوئی سرا ہاتھ ہی نہیں آتا۔"

"جتنی فکر کرو گی، سوچو گی، صورت حال اتنی ہی سنگین ہوتی جائے گی۔ اور زندگی تو مشکل
ہی ہوتی ہے۔ آسانیاں تو ہم خود تلاش کرتے ہیں۔ زندگی تو پُر پیچ راہوں کا نام ہے۔
راستے خود تلاش کرنا پڑتے ہیں۔ اور جو راستے تلاش کر لیتے ہیں اور اپنی راہوں سے کانٹے
چن کر راہ صاف کر لیتے ہیں وہی کامرانیوں کا مرکز بنتے ہیں۔ کسی شاعر نے وہ کیا ٹھیک کہا
ہے کہ۔

آسانیوں سے پوچھ نہ منزل کا راستہ
اپنے سفر میں راہ کے پتھر تلاش کر
ذرے سے کائنات کی تفسیر پوچھ لے
قطرے کی وسعتوں میں سمندر تلاش کر

"ہوں...... تلاش جاری تو ہے۔ شاید قطرے کی وسعتوں میں سمندر مل ہی جائے۔" وہ
آس و نراس کے ڈوبے ہوئے لہجے میں گویا ہوئی۔ تبھی اعصار نے اس کے سر پہ ہلکے سے
چپت لگائی۔

"کم آن بے بی! بہادر بنو اور مسکراؤ۔ مسائل حل ہو جائیں گے۔" اس نے چٹکی بجاتے
ہوئے مسکرا کر کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"ہاں، ہنسیں اور ایک بار خود کو دھوکا دیں۔"

"یار! مجھے تمہارے لہجے کی مایوسی بری لگتی ہے۔ جی چاہتا ہے تمہیں اٹھاؤں اور سمندر میں
پھینک آؤں۔" وہ قدرے برہمی سے گویا ہوا تو وہ یکدم ہنس پڑی۔

"ایسی اچھی بات کہتے نہیں ہیں فقط۔ کر بھی گزرتے ہیں۔"

"کر تو گزروں لیکن نقصان بھی پھر سوچتا ہوں اپنا ہی ہو گا۔" وہ پُر شرارت انداز میں
مسکراتے ہوئے بولا تو وہ یکدم اسے گھورنے لگی۔

"کیپٹن اعصار شیخ! آپ کسی روز میرے ہاتھوں قتل ہو جائیں گے۔"

"اور کس قدر خوش قسمت کہلاؤں گا۔ تاریخ میں سنہری حروف میں نام تحریر ہو گا۔ لوگ
رانجھا، فرہاد اور مجنوں کی جگہ کیپٹن اعصار شیخ کی مثالیں دیا کریں گے۔" وہ اس کا موڈ بحال
کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا یقیناً۔

"اعصار! تم واقعی میرے ہاتھوں مرو گے۔" وہ جلتی ہوئی بولی تھی۔

"ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور
عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں!"

وہ زیرِ لب بولا تھا۔

''اعصار!'' وہ چیخی۔ وہ ہنسنے لگا۔ وہ دھم دھم کرتی باہر نکل گئی۔

''فضول شخص ہے بالکل۔ میں بھی بیوقوف ہوں، ہمیشہ باتوں میں آ جاتی ہوں اس دشمنِ اول ہے میرا۔ ستائے بغیر گزارا ہی نہیں۔'' وہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔

شعاع جو ابھی ابھی دوپہر کی نیند لے کر جاگی تھی، اسے جلتے کڑھتے دیکھ کر حیرت پوچھنے لگی۔ ''خیریت؟ کیا ہوا؟''

''محترم کیپٹن اعصار شیخ تشریف لائے ہیں۔''

''اوہ..... تبھی۔'' وہ مطمئن ہو کر پھر سے لیٹ گئی۔

''کیا تبھی؟'' وہ جل کر اسے دیکھنے لگی۔ شعاع دھیمے سے مسکرا دی۔

''تم ایک ہی صورت پہ جل سکتی ہو، جب محترم کزن صاحب کی تشریف آوری ہو۔ و ادعیہ، تمہاری اس بے چارے سے دشمنی کیا ہے؟ اچھا خاصا معقول بندہ ہے۔ کیوں ہاتھ کے پیچھے پڑی رہتی ہو اس کے؟''

''کیا.....؟ میں اس کے پیچھے پڑی رہتی ہوں؟'' وہ سلگتی ہوئی خفگی سے شعاع کو گھور لگی۔

''چلو جو بھی ہے، معاف کر دیا کرو یار۔'' شعاع نے جان چھڑائی۔

''مجھے وہ شخص ایک آنکھ نہیں بھاتا۔'' وہ ویسے ہی سلگتے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔

''تو کون کہتا ہے ایک آنکھ سے دیکھنے کو۔ تم مجھے دونوں آنکھوں سے دیکھا کرو نا۔'' و بہت روانی میں مزید کچھ کہنے جا رہی تھی یکدم آواز پر پلٹ کر دیکھنے لگی۔ وہ دروازے بیچوں بیچ کھڑا مسکرا رہا تھا۔ وہ مزید سلگ کر رہ گئی۔ شعاع فوراً اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تم کیوں تنگ کرتے ہو میری پیاری سی بہن کو؟''

''شعاع جی! میں کہاں تنگ کرتا ہوں۔ انہیں ہی دشمنی سی ہے کچھ مجھ ناچیز سے۔ ہر انگارے چباتی رہتی ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

''اور آپ کے منہ سے تو جیسے پھول جھڑتے ہیں۔'' وہ ہمیشہ کی طرح محاذ سنبھا ہوئے بولی۔

''شعاع جی! سمجھائیے انہیں کچھ۔ کتنی عظیم خوش اخلاق خاتون ہیں آپ۔ بات کرتی ہ تو لہجے کی مٹھاس اندر تک اتر جاتی ہے۔ اور ایک یہ آپ کی ہمشیرہ صاحبہ ہیں۔'' اس نے اس انداز سے کہا کہ شعاع بے ساختہ ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

اور وہ تب.. کھولتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ اس کا بلند و بانگ قہقہہ دیر تک سماعتوں میں باقی تھا۔

❁.....❁

''اے صفیہ بیگم! بات کچھ بنی یا نہیں اب کے؟ جمن بوا کہہ رہی تھی کہ لڑکی تو بہت خوبصورت تھی۔'' دادی اماں نے صفیہ بیگم سے سمیر کی نسبت سے دیکھی جانے والی لڑکی کے متعلق دریافت کیا۔

''اے اماں! کہاں۔ بچیوں کو پسند نہیں آئی۔ قد ذرا چھوٹا تھا۔ خوبصورت تو تھی مگر میرے بچے کے ساتھ چلتے ہوئے نہ جچے۔ اس کا کیا فائدہ۔ کم از کم جوڑی ڈھنگ کی تو لگنی چاہئے۔ میں تو شاید مان بھی جاتی۔ مگر نمرہ وغیرہ میں سے کسی کو بھی نہ بھائی تھی۔''

''اے چل، اور بہت ہیں۔ سمیر بیٹے کی کون سی عمر نکلی جا رہی ہے۔''

''ہاں اماں! یہی بات میں بھی صفیہ سے کہہ رہی تھی۔'' سلمیٰ بیگم نے بھی جیسے حوصلہ بندھایا۔ پھر صفیہ بیگم سے ڈائریکٹ گویا ہوئیں۔ ''میرے اعصار سے تو سال بھر چھوٹا ہی ہے سمیر۔ تم تو یونہی فکر میں گھلی جا رہی ہو۔ خیر سے سہیل اور خلیل کی شادیاں وقت پر ہوئی تھیں جب وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے تھے اور ندا اور حرا جیسی چاند سی بہویں بھی جیسے خدا نے تحفے میں دے ڈالیں۔ بس وقت ہوتا ہے کسی بھی بات کے لئے۔ میں کس قدر پریشان نہ تھی۔ مگر بات بننے میں پل بھر بھی نہ لگا تھا۔ تم بھی معاملہ وقت پر ڈال دو۔ جہاں نصیب ہوں گے بات منٹوں میں بن جائے گی۔''

''آپا! بات تو ٹھیک کہتی ہو۔ مگر تمہارے تو خیر سے تین بیٹے تھے۔ سہیل کی ہوئی، تو بہو اور پوتوں سے آنگن مہکنے لگا۔ دوسرے خلیل کی دیر سے بھی کر دی تو فرق نہ پڑا۔ یا جس طرح ابھی اعصار کے لئے آپ بے فکر ہیں مگر میرا تو ایک ہی ارمان ہے، اس کے سر پر جلد سے جلد سہرا سجا دیکھ لوں۔'' صفیہ بیگم نے کہا۔

''اے بات تو ٹھیک ہے چھوٹی بہو۔ لیکن پہلے بیٹیوں کی بھی تو فکر کرو۔ سلمیٰ بیگم نے پہلے اپنے آنگن کی چڑیا رخصت کی تھی، پھر بہو لے کر آئی تھیں۔ ستارہ، زارا کے پہلے رشتے طے ہوئے تھے پھر سہیل کی بات پکی ہوئی تھی۔ حالانکہ سہیل میاں بڑے تھے بچیوں سے۔ بیٹوں سے پہلے بیٹیوں کا حق ہوتا ہے۔ سمجھداری سے کام لو کچھ۔ پہلے نمرہ، سارہ وغیرہ کے متعلق سوچو۔'' دادی اماں نے کہا تو سلمیٰ بیگم نے بھی اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اماں ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' سلمیٰ بیگم نے کہا۔

"مگر آپا! اچھے رشتے ملیں بھی تو۔ اب بوجھ تو ہے نہیں جو اتار پھینکیں۔" صفیہ بیگم بولیں
"خدانخواستہ بہو! اچھے رشتے بھی ملیں گے انشاء اللہ۔ کوشش مگر شرط ہے۔ بیٹیاں تو
کی چڑیاں ہوتی ہیں۔ اُڑنے میں دیر نہیں لگتی۔ ہوتی ہیں تو ان کے دم سے رونق ہوتی
مگر یہ بھی دنیا کا دستور ہے کہ انہیں دوسروں کے گھروں کو آباد کرنا ہوتا ہے۔ جتنی جلد
جائیں یہ چڑیاں، والدین کے لئے اتنی ہی مسرت کی بات ہوتی ہے۔" دادی اماں سمجھ
ہوئے بولیں۔ "قاسم میاں کو بھی راغب کرو کچھ اس جانب۔ توجہ مبذول کراؤ گی تو خیال
گا۔ مرد تو ہمیشہ باہر کی فکر میں لگے رہتے ہیں، کیسے کمائیں، کہاں سے لائیں۔ انہیں گھر
بکھیڑوں کا احساس تو احساس دلانے پر ہی ہوتا ہے۔ باہر کے ساتھ گھر کی فکر کروانے
گھر والی ہوتی ہے۔"
"ہاں، جیسے اکبر صاحب کو کچھ فکر نہ تھی۔" سلمیٰ بیگم نے فوراً یاد دلایا پھر فوراً بو
"صفیہ! تم بوا جمن سے کیوں نہیں کہتیں کوئی ڈھنگ کے رشتے دکھانے کے لئے؟"
"اے آپا! اس جمن کی تو چھوڑو۔ سینکڑوں رشتے دکھلائے مگر کوئی ایک بھی لڑکی ڈھنگ
نہ تھی۔"
"بہو! بات پسند پر منحصر ہوتی ہے۔ ہر ماں بیٹے کے لئے ہیرا جیسی بیوی چاہتی ہے
اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ اگر ہم بیٹے والے ہیں تو بیٹیاں بھی ہما
آنگن میں ہیں۔ آج خدانخواستہ کسی کی بیٹی میں عیب ڈھونڈیں گے تو کل اپنی باری بھی
ہے۔ بات تلخ ضرور ہے مگر حقیقت ہے۔ ہمارے گھر کی بچیوں میں خیر سے کوئی خامی
سوگن ہیں، شکل وصورت میں بھی خدا نے خوب نوازا ہے۔ خدا ان کے نصیب بھی
کرے گا۔"
"آمین۔" صفیہ بیگم اور سلمیٰ بیگم نے فوراً آمین کہا۔ تبھی ندا بھابی باہر نکلی۔
"اے بہو! اتنی تیزی میں کہاں کو جا رہی ہو؟" سلمیٰ بیگم نے پوچھا۔
"امی! اچانک ہی بارش شروع ہو گئی ہے۔ چھت پر سے کپڑے اتارنے جا رہی ہوں
ساری محنت ضائع ہو جائے گی۔" ندا بھابی نے جلدی سے کہا اور سیڑھیوں کی جانب لپکیں
"اے بہو! کبوتروں کو بھی دیکھ لینا ذرا۔ زویا سے کہا تھا بند کرنے کو۔ پتہ نہیں یہ لڑ
کہاں گم رہتی ہے۔" سلمیٰ نے ندا بھابی کے نام ایک مزید ہدایت جاری کرتے ہو
کی بھی درپردہ خبر لے ڈالی۔
"اے ہے، بچی ہے ابھی۔ اس کے باوجود ہزاروں کام نمٹاتی ہے۔ کالج سے آ

کے کام کاج بھی دیکھتی ہے۔"
"اماں! بیٹیوں کو سارے کام آنے چاہئیں۔ ورنہ آگے جا کر ناک کٹواتی ہیں۔ لوگ
بڑوں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔"
"مگر یہ بھی سچ ہے کہ میکے میں ہی عیش کے دن ہوتے ہیں۔ اس کے بعد تو گھر داری
میں کھو کر اپنا ہوش تک نہیں رہتا۔" صفیہ نے بھی رائے دینا ضروری سمجھا۔
"ندا بھابی اتنے میں کپڑے اتار کر تیزی سے نیچے اترتی دکھائی دیں۔
"ہائے، اتنی تیز بارش ہو رہی ہے۔ ادھر تو پتہ تک نہیں چلا۔" دادی اماں نے ندا بھابی کو
بھیگا ہوا دیکھ کر کہا۔
"دادی اماں! مجھے بھی شاید خبر نہ ہوتی اگر کھڑکی سے پھوار اندر نہ آتی۔" ندا نے قریب
آتے ہوئے جواب دیا۔
"مبارک ہو، موسم گرما کی پہلی بارش ہو گئی۔" صفیہ بیگم مسکراتے ہوئے بولیں۔ "اے
موسم کا تو دیہاتوں میں صحیح پتہ چلتا ہے۔ ہمارے شہر کا تو موسم بھی موا بے اعتبار ہے۔ پل
میں تولہ پل میں ماشہ۔ ابھی کڑک دھوپ ہے تو ابھی چھاجوں مینہ برس رہا ہے۔ اور کبھی تو
موئی دھوپ میں بادل برستا ہے۔" دادی اماں موسم کا موازنہ کرتے ہوئے گاؤں کے دنوں
میں کھو سی گئیں۔

❁......❁

کتنے سارے کمروں کی صفائی کے بعد اب وہ چھوٹی بی بی کا کمرہ صاف کر رہی تھی۔
چھوٹی بی بی واقعی رج کے سوہنی اور مجاجنی تھی۔
سیو نے بے بے کی بات کو سوچتے ہوئے چھوٹی بی بی کو بغور ایک نظر دیکھا تھا اور اس
لمحے میگزین کی یونہی ورق گردانی کرتی ہوئی چھوٹی بی بی نے اس کی طرف دیکھا تھا۔
"تم اماں جنتے کی بیٹی ہو نا؟"
"جی...... جی چھوٹی بی بی۔"
"تمہارا نام سیو ہے؟"
"جی...... آپ کو...... آپ کو پتہ ہے میرا نام؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگی۔
"ہوں۔ اماں جنتے اکثر تمہارا ذکر کرتی رہتی ہیں۔"
"چھوٹی بی بی! مجھے بھی آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا۔ میں نے بے بے سے بہت بار
کہا مجھے آپ سے ملوا دیں۔ مگر بے بے ہمیشہ ٹال جایا کرتی تھیں۔ چھوٹی بی بی جی!

آپ تو واقعی بہت اچھی اور سوہنی ہیں جی! بے بے نے مجھے جو آپ کے متعلق بتایا تھا، ا
سے کہیں زیادہ بڑھ کر۔"

"اچھا.....؟" وہ محظوظ ہو کر ہنسی تھی۔ "مگر سنو! تم مجھے اتنی کثرت سے چھوٹی بی بی م
کہو۔ میرا نام کائنات ہے۔"

"ہائے چھوٹی بی بی! میں بھلا آپ کا نام لوں گی؟" سیو نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"تو کیا ہوا۔ اس میں کیا برائی ہے؟"

"نہ جی، توبہ کریں۔ میں کہاں، آپ کہاں جی۔ ہم تو ذرے ہیں جی۔"

"یہ سب پرانی دقیانوسی باتیں ہیں سیو! کم از کم میں نہیں مانتی انہیں۔ سب انسان برا
ہیں۔ خدا نے سب کو ایک جیسا بنایا ہے۔ پھر ہم انسان کیوں تفریق کریں۔"

"آپ تو جی واقعی بہت اچھی اور بڑی باتیں کرتی ہیں۔ بے بے بتا رہی تھی کہ آ
باتیں بہت اچھی کرتی ہیں جی۔ اور....."

"باتیں تو تم بھی بہت اچھی کرتی ہو سیو۔ اور تمہارا نام بھی کتنا خوبصورت ہے۔ ویـ
تمہارا اصل نام کیا ہے؟"

"جی نام تو چاچے کی ایک دور کی بہن نے سویرا رکھا تھا۔ مگر یہ نام اس قدر مشکل تھا
کہ سب نے اپنی آسانی کے لئے سیو، سیو پکارنا شروع کر دیا۔ اور اب سارے سیو ہی بلا
ہیں۔ اور میں تو اس قدر عادی ہو چکی ہوں جی اس نام کی کہ کبھی یاد ہی نہیں آتا کہ میرا نا
سویرا ہے۔"

"ارے واہ..... تمہارا تو نام بھی تمہاری طرح بے حد خوبصورت ہے۔" کائنات نے ا
کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے ہوئے واقعی سراہا۔ "تم جانتی ہو سویرا کا مطلب کیا ہے؟"

"جی سویرا کا مطلب اُجلی اُجلی صبح کا اُجلا اُجالا۔"

"ارے، تم پڑھی لکھی ہو؟" کائنات کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔

"جی گاؤں کے اسکول سے پانچویں جماعت تک پڑھا تھا۔ پھر بے بے نے ہٹا دیا۔"

"کیوں؟"

"وہ جی بے بے کہتی ہیں لڑکیاں زیادہ پڑھنے لکھنے سے خراب ہو جاتی ہیں۔ ہمارے ہا
زیادہ تر لڑکیاں پڑھتی بھی ہیں تو صرف اتنا ہی۔"

"مگر یہ تو صحیح نہیں۔ تعلیم تو ہر ایک کو حاصل کرنی چاہئے۔ خواہ لڑکا ہو، خواہ لڑکی ہو اور
وہ کچھ بولنے جا رہی تھی مگر تبھی دروازہ کھلا اور بھرپور مردانہ آواز ابھری۔

"کائنات! وہ میری فائل نہیں مل رہی۔"

سیو نے یکدم رخ پھیر لیا اور دوپٹے سے چہرہ قدرے چھپا لیا۔

"ہاں، وہ میں نے ممی کو دی تھی۔ انہوں نے شاید لاکر میں رکھ دی ہوگی۔"

"اوکے، میں دیکھتا ہوں۔" آنے والا تیزی سے واپس پلٹ گیا۔ سیو نے سامنے لگے
وال کلاک میں دیکھا، سوئیاں شام کا پتہ دینے لگی تھیں۔ سیو کا دل یکدم دھڑکنے لگا۔

"ہائے ربا! شام ہو گئی۔"

"کیا ہوا؟" کائنات پوچھنے لگی۔

"میں جانا چاہتی ہوں جی اب۔"

"تو ٹھیک ہے، تم اماں خیراں سے مل لو۔ وہ کسی کارندے کے ساتھ تمہیں بھیج دیں گی۔"

"وہ جی گھر اتنا بڑا ہے کہ مجھے تو راستے بھی یاد نہیں کہ اماں خیراں کی طرف کون سا راستہ
جاتا ہے؟"

"اوکے، تم آؤ میرے ساتھ۔" کائنات نے کہا تب وہ اچھی طرح سے دوپٹہ چہرے کے
گرد لپیٹ کر اس کے پیچھے چل پڑی۔

✿.....✿

"یار! بہت عیش کر لئے۔ اب جلدی سے ٹھیک ہونے کی سوچ۔ ورنہ تو جانتا ہے مجھے۔"
علی شاہ نے مسکراتے ہوئے رہبان عالم شاہ سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"تو کیا سمجھتا ہے کہ میں یہاں پر بہت خوش ہوں؟ بہت مزہ آ رہا ہے مجھے؟"

"مجھے تو یہی محسوس ہو رہا ہے۔" علی شاہ نے ایک آنکھ دبا کر مسکراتے ہوئے کہا تو رہبان
اسے مصنوعی خفگی سے گھورنے لگا۔ تبھی وہ اسی شرارت سے گویا ہوا۔ "ویسے پھولوں کے
گلدستے واقعی لاجواب ہوتے ہیں۔ تازہ مہکتے گلاب، کوئی گلاب سا سراپا لے آئے تو بستر پر
لیٹا بندہ واقعی اٹھ کر بھاگنے لگتا ہے۔"

"علی شاہ!" رہبان نے تنبیہہ آمیز انداز اختیار کیا۔

"او یار! غلط تو نہیں کہہ رہا۔ قسم اٹھوا لے تو، بستر مرگ کی بات مت کر، اگر میں قبر میں
بھی ہوں تو ایسی پذیرائی پر فوراً اٹھ کر بیٹھ جاؤں گا۔ اب اپنی اپنی بات ہے۔ تو خفا مت ہو۔
میں تو اپنی بات کر رہا ہوں۔" اس کے گھورنے پر علی شاہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔ پھر سائیڈ
ٹیبل سے پھلوں کی ٹوکری سے ایک سیب اٹھا کر دانتوں سے کتر کر کھانے لگا۔

"یہ پھل بھی پھولوں کے ساتھ آئے ہیں؟" اس نے ایک بار پھر چھیڑا۔

"علی شاہ! باز آ جا۔ ورنہ اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دوں گا تمہیں۔" رہبان نے لب پر آئی ہوئی دھیمی سی مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا۔

"اوئے ہوئے...... دل میں تو کلو کلو بھر کے لڈو پھوٹ رہے ہیں بھئی۔ تبھی کہوں ہسپتا کا بستر چھوڑنے کو دل کیوں نہیں چاہتا۔ لیکن سنو! پھول والی سے پھول وصول کر کر کے پھو کر کپا نہ ہو جانا۔ میری صحبت تو تیرے سامنے ہے۔ اور تو جانتا ہے تجھے گھر مجھے ہی لے جانا ہے۔"

رہبان نے ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل سے سیب اٹھایا اور اسے مارنا چاہا۔ مگر وہ ایک طرا ہٹ گیا۔ تبھی مژگان دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی حسب معمول ہاتھوں میں پھولوں گلدستہ تھامے۔ پیچھے ہی باوردی، اسلحے سے لیس بہرام بھی تھا۔ مژگان کی آمد پر دونوں پہلے اسے اور پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ مژگان دونوں کی کیفیات سے بے نیاز پلٹ بہرام سے باہر رُکنے کا کہنے لگی۔

رہبان نے علی شاہ کو نظروں ہی نظروں سے تنبیہ کی کہ اب مزید مت کچھ کہنا۔ مگر ا سے پہلے کہ رہبان مزید کچھ اشارہ کرتا، مژگان پلٹ کر آگے بڑھ آئی۔

"ہیلو! کیسے ہیں اب آپ؟"

"الحمدللہ، بہتر ہوں۔" وہ خفیف سا مسکرایا۔

"خدا کا شکر ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے اسے پھول تھمائے۔ علی شاہ مکمل شرافت کھڑا تھا۔ تبھی مژگان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "علی صاحب! آپ کیسے ہیں؟"

"جی شکر ہے اللہ کا۔ آپ کیسی ہیں؟"

"ادھر بھی اللہ کا شکر ہے۔" وہ دوستانہ انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دے کر رہبا کی طرف دیکھنے لگی۔

"رہبان صاحب! مجھے کاؤنٹر سے پتہ چلا ہے انسپکٹر حفیظ بیگ تشریف لائے تھے؟"

"جی۔ انہیں شاید کسی پر شبہ تھا۔ اسی شبے کی صورت میں دو چار لوگوں کو تھانے کے لا اپ میں بند کر رکھا ہے۔ پہچان کے لئے وہ آپ سے رابطہ قائم کرنا چاہ رہے تھے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ میرے اندازے کے برعکس یہاں کی پولیس نے تو بہت کام کر دکھایا۔" وہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ خوش بھی ہوئی۔

"یہاں کی پولیس کے افعال پر خوش ہونے اور داد دینے سے قبل ان بیچارے لاک ا میں قید افراد کو بھی دیکھ لیجئے گا۔ کیونکہ ہمارے ہاں کی پولیس ہاتھی کو بھی بکری بنانے میں

ہے۔" علی شاہ نے قدرے مسکراتے ہوئے کہا تو رہبان ہنس پڑا۔ جب کہ مژگان کچھ نہ سمجھتے ہوئے حیرت سے اسے تکنے لگی۔ تبھی رہبان بولا۔

"آپ اس کی باتوں پر مت جائیں۔ اسے ایسی باتیں کرنے کی بڑی پرانی عادت ہے۔"

"مژگان صاحبہ! یہ آپ کو بہت غلط اطلاع پہنچا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں ہمیشہ کی طرح سچ بول رہا ہوں۔ آپ یقین نہ کریں گی، مگر ہمارے یہاں کی پولیس کی کارکردگی کے متعلق ایسے بہت سے قصے مشہور ہیں جنہیں سن کر آپ داد دیئے بغیر نہ رہ سکیں گی۔"

"ویری اسٹرینج!" وہ اس کی بات پر مسکرا دی۔ "ان لوگوں کا تو پتہ نہیں لیکن مسٹر علی شاہ! آپ باتیں واقعی بڑی لاجواب کرتے ہیں۔"

"شکریہ، آپ واقعی عظیم خاتون ہیں۔ ہاں بس میرے نام کے ساتھ سے یہ "مسٹر" ہٹا دیجئے۔ مجھے بہت خوشی ہوگی اگر آپ مجھے فقط میرے نام سے پکاریں۔"

"او کے۔" وہ دھیرے سے دوستانہ انداز میں مسکرا دی۔ پھر رسٹ واچ کی جانب دیکھتی ہوئی فوراً بولی۔ "اب میں چلوں گی۔"

"رُکیے نا کچھ دیر۔ ابھی تو آپ آئی تھیں۔" علی شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں، واپسی پر انسپکٹر حفیظ بیگ کی طرف بھی جانا ہے۔ پھر آؤں گی۔" اس کے ساتھ ہی وہ رہبان کی طرف دیکھنے لگی۔ "اپنا خیال رکھئے گا۔"

"بہتر۔" وہ جواباً دھیرے سے مسکرا کر دوستانہ انداز میں بولا۔ اس کے ساتھ ہی وہ تیزی کے ساتھ باہر نکل گئی۔

علی شاہ نے بند ہوتے دروازے کو دیکھا پھر شرارت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"خیال رکھنا بھئی، کڑی ہدایت کی گئی ہے۔"

"دنیا کا سب سے بڑا خبیث شخص ہے تو۔" رہبان عالم شاہ نے جواباً گھورتے ہوئے کہا تو وہ ہنستا چلا گیا۔

"یار! میری سمجھ میں نہیں آتا، آخر دنیا کی حسین ترین لڑکیاں تجھ گھونچو پر ہی کیوں مہربان ہوتی ہیں۔ انہیں میں نظر کیوں نہیں آتا؟"

"یہ سوال اگر تم انہی لڑکیوں سے پوچھو تو کیا زیادہ بہتر نہ ہوگا؟" رہبان عالم شاہ نے برہمی سے اسے دیکھا۔

"تم زیادہ قریب ہوتے ہو۔ اگر میرے لئے پوچھ لو گے تو قیامت برپا نہیں ہو جائے گی۔"

"ہاں، قیامت تو نہیں آئے گی، بس تمہاری طرف فائر ہونے والی توپ کا رخ میری

جانب ہو جائے گا۔" رہبان نے بے ساختہ قہقہہ لگایا۔

"فی الحال دیگر توپوں کو چھوڑو اور ان مہان قسم کی اپنی اکلوتی اور انتہائی خطرناک ت
سے بچنے کی سوچو جو فون کر کے بار ہا تمہارے متعلق دریافت کر چکی ہے۔" علی شاہ نے ا
نئی اطلاع فراہم کی۔

"او مائی گاڈ! تم نے اسے میرے متعلق بتایا تو نہیں؟"

"دماغ خراب ہے میرا؟ میں نے ٹال دیا تھا کہ تم ملک سے باہر ہو۔"

"کچھ بولی تو نہیں تھی؟"

"کافی مایوس ہو گئی تھی۔ تبھی تو کہہ رہا ہوں، جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ ورنہ ان موص
سے کچھ بعید بھی نہیں۔ سراغ لگانے میں تو ویسے بھی انہیں ملکہ حاصل ہے۔" علی شاہ بوا
رہبان عالم شاہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔

✿ ..... ✿

وہ بھی تو کچھ تڑپا ہو گا رُت کی پہلی بارش میں
پیار مرا یاد آیا ہو گا رُت کی پہلی بارش میں

اتنی خوبصورت غزل کو وہ سب مل کر خوب بگاڑ رہے تھے۔ بے سُرے ہونے پر اگر ا
میڈل دیا جا سکتا تو یقیناً وہ لوگ اسے ضرور جیت چکے ہوتے۔

اس نے سنا تھا، موسم کا اثر ہر چرند پرند پر ہوتا ہے۔ مگر ان لوگوں پر تو موسم کا کچھ زیا
ہی "اثر" ہو گیا تھا۔ اس نے ان کی بے ترتیب آوازوں سے بچنے کے لئے کانوں پر تکیہ ر
لیا مگر آوازیں پھر بھی کانوں میں گھستی چلی گئیں۔

"یا اللہ..... شعاع، پلیز دروازہ بند کرو۔ مجھے سونا ہے۔"

"اٹھ جاؤ بھئی اب۔ اتنا حسین موسم ہو رہا ہے اور تم پڑی سو رہی ہو۔" اس نے چا
سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"جی، موسم کی خوبصورتی کا اندازہ مجھے یہ راگ ملہار سن کر ہو چکا ہے۔ اس بندے
بارش کے موسم میں بھی چین نہیں۔ بندہ خراب موسم میں تو کم از کم اپنے گھر میں رہے۔ ا
اس کی چھٹیاں بھی شیطان کی آنت ہو گئی ہیں۔ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہیں۔" وہ جا
تی بولی۔

"ادعیہ! بری بات۔ ہر وقت ایسی باتیں مت کرتی رہا کرو۔"

"شعاع! قسم سے آج میں حتمی طور پر یہ کہہ رہی ہوں۔ مجھے یہ شخص ایک آنکھ نہیں بھاتا،

جب تایا، چچا کے ساتھ ہر تعلق ختم ہو چکا تو پھر اس کا ملنا کیا معنی رکھتا ہے؟"

"ادعیہ! فار گاڈ سیک، گھر چل کر دشمن بھی آ جائے تو اس سے بھی اچھا برتاؤ کرتے ہیں۔
وہ تو پھر ہمارا تایا زاد ہے۔ اور پلیز ہر وقت ایک ہی حصار کی قیدی مت رہا کرو۔ اٹھ کر ذرا
دیکھو تو سہی، زندگی کس قدر حسین روپ لئے رقصاں ہے۔ زندگی کو جینا سیکھو، جیو جینے والوں
کی طرح۔ ہر وقت جلتی کڑھتی مت رہا کرو۔ خود اذیتی کی اور خود ترسی کی کیفیت سے نکل آؤ۔
جو دن ہم گزار رہے ہیں وہ ہمارا امتحان ہیں۔ اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں۔ نہ ہی تایا کی
فیملی کا، نہ چچا جان کی فیملی کا۔ یہ ہماری قسمت ہے۔" شعاع نے کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑکی
کے پردے ایک طرف سرکا دیئے۔ بارش کے کئی قطرے اس کے چہرے پر پڑے۔ شعاع
اس کی طرف پلٹی۔

"دیکھو! زندگی کس قدر خوبصورت ہے۔" اس کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر کھڑکی کے سامنے
کھڑی ہو کر تیز بوچھاڑ میں بھیگنے لگی۔ ہاتھوں کی اوک بنا کر کئی قطرے اس میں جمع کئے اور
پھر ادعیہ کی طرف اچھال دیئے۔

ادعیہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں سے بکھرے بالوں کو سمیٹنے لگی۔

"تم جانتی ہو اس موسم کا اصل مزہ لانگ ڈرائیو میں ہے۔ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر شاندار
حسین سفر۔" وہ بالوں کو کلپ کر کے چائے کے سپ لینے لگی۔ شعاع اس کی باتوں سے بے
نیاز کھڑکی میں کھڑی بوچھاڑ میں بھیگتی رہی۔

کیوں ہم سے خفا ہو گئے اے جانِ تمنا
بھیگے ہوئے موسم کا مزہ کیوں نہیں لیتے

رانیہ، ثانیہ، عمر اور اعصار کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔

"یا اللہ! انہیں کوئی بتا کیوں نہیں رہا کہ ان سب کی آوازیں انتہائی بری ہیں۔"

"تم جا کر آگاہ کر دو نا۔" شعاع مسکراتے ہوئے بارش کے قطروں سے کھیلتی رہی۔

"او مائی گاڈ، شعاع! پانی اندر آ رہا ہے اور اس طرح بھیگنے سے اگر تم بیمار پڑ گئیں تو؟"

"گرمیوں کی بارش میں بھیگنے سے کچھ نہیں ہوتا۔" شعاع نے پلٹے بغیر جواب دیا۔ "آؤ نا
تم بھی۔"

"مجھے اس طرح بھیگنا اچھا نہیں لگتا۔ یہ سارے شوق بچپن کے ساتھ ختم ہو گئے۔" وہ بولی
تو شعاع اسے دیکھنے لگی۔

"ادعیہ! واقعی تم بہت بے وقوف ہو۔ تم جانتی نہیں ہو کہ تم کس قدر تیز بھاگ رہی ہو

وقت سے۔ اتنی جلد میچورڈ ہونا بہت خطرناک ہوا کرتا ہے اور تم اپنی عمر کے خول سے بہت جلدی باہر آگئی ہو۔"

اس بات پر وہ یکدم ہنس پڑی۔ تبھی ان سب لوگوں نے کمرے میں دھاوا بول دیا۔

"جلدی جلدی تیار ہو جاؤ۔ ہم سب آؤٹنگ پر جا رہے ہیں۔" اعصار بولا تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آؤٹنگ اور اس موسم میں؟ دماغ ٹھیک ہے آپ کا؟"

"میرا خیال ہے آؤٹنگ کا مزہ اسی موسم میں ہے۔" وہ جواباً کہہ کر شعاع کی طرف دیکھنے لگا۔ "چلئے خاتون! جلدی سے تیار ہو جائیے۔"

"امی سے پوچھا ہے؟" وہ الٹا پوچھنے لگی۔

"ان سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ خود ساتھ چل رہی ہیں۔" اعصار نے کہا۔ پھر ادعیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ "تم اُٹھو گی یا نہیں؟"

"میرا موڈ نہیں۔" اس نے فوراً بہانہ تراشا۔ "میں امی کے پاس رہوں گی۔"

"چچی بھی ساتھ چل رہی ہیں۔ کیا تمہیں میری بات پر یقین نہیں آ رہا؟"

"ٹھیک ہے۔ مگر اس کے باوجود بھی گھر میں رہنا چاہوں گی۔ مجھے اپنا اسائنمنٹ بھی مکمل کرنا ہے۔"

"چلو نا آپی! پلیز۔" رانیہ نے بھی منت کی۔ ثانیہ اور عمر بھی ساتھ ہو گئے۔

"تم لوگ جاؤ نا۔ میں پھر کبھی چلی جاؤں گی۔"

"پھر کبھی موسم اتنا دلکش نہیں ہو گا۔" اعصار اس کی طرف دیکھتا ہوا دھیرے سے بولا تھا تب جیسے اس کے لئے انکار کی کوئی ضرورت ہی نہ رہی تھی۔ جانے کیا تھا اس کے انداز میں اس کے لہجے میں کہ وہ یکدم ہی سر اثبات میں ہلا گئی تھی۔

سب تیار ہو کر اعصار کی گاڑی میں ٹھنس چکے تھے۔ ہاں، امی باوجود سب کے اصرار کے جانے کو تیار نہ ہوئی تھیں کہ اکیلے گھر کو چھوڑنا بھی مناسب نہ تھا۔

"امی گھر میں اکیلی ہوں گی۔ مجھے پریشانی ہو رہی ہے۔" ادعیہ فکرمندی سے بولی تھی۔

"اطلاعاً عرض ہے، چچی جان خاصی سمجھدار ہیں اور وہ لوگوں کی طرح ڈرپوک بھی واقع نہیں ہوئیں۔" اس نے درپردہ "حملہ" کیا۔

"کیا میں ڈرپوک ہوں؟" ادعیہ برہم ہو گئی۔

"شعاع! "لوگوں" سے کہو، غلط فہمی کا شکار مت ہوں۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا۔"

وہ زیر لب مسکراتا ہوا بولا، ساتھ ہی بیک مرر سے اسے ایک نظر بغور دیکھا۔ لیمن کلر کے کاٹن کے سوٹ میں بغیر کسی میک اپ کے بھی وہ بے حد جاذب نظر لگ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔

عام سی لڑکی ہے وہ چاند کا ٹکڑا نہیں
دیکھتا رہتا ہے اس کو دل میرا بھرتا نہیں
کیا بھلا ہے اس میں بھلا......
کیوں دل میرا اس کا ہوا......!
عام سی لڑکی ہے وہ......!

وہ گاہے گاہے بیک مرر سے اس کی طرف دیکھتا ہوا زیر لب گنگنا رہا تھا۔ ادعیہ نے کھولتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔ دل چاہا تھا اس شخص کا سر پھاڑ ڈالے یا پھر فوراً گاڑی سے اتر جائے۔ مگر یہ دونوں کام ہی ناممکن تھے۔ سو وہ جلتی کڑھتی مجبوراً چپکی بیٹھی رہی۔

✿....✿

بے بے کی طبیعت جوں کی توں تھی۔ سیو گھر کے سارے کام نمٹا کر اور انہیں دوا دے کر حسب معمول کارندے کے ساتھ حویلی آ گئی تھی۔

وہی بڑا سا پھاٹک، وہی بھول بھلیاں سا راستہ۔

وہی بہت سی راہداریاں۔

وہی بہت سے سجے سجائے کمرے، قیمتی سامان سے مزین۔

وہی پراسرار سا محل نما گھر۔

اور وہی شہزادے اور شہزادی والی کہانی کی سوچ۔ سیو کے ذہن کی رو پھر اسی جانب بھٹکنے لگی تھی۔

اسے اس حویلی میں فقط کائنات بی بی ہی بھائی تھی۔ ورنہ شاید وہ یہاں دوبارہ قدم بھی نہ رکھتی۔ چاچا (باپ) اور اکبر تو پہلے بھی اس کے حویلی جانے کے خلاف تھے۔ مگر یہ وہی تھی جو بے بے کی نوکری کا خیال کرتے ہوئے ان سے اجازت لے کر یہاں آ گئی تھی۔

پہلا دن جس قدر مصروف گزرا تھا، اس کی تھکن اب تک اس پر سوار تھی۔ وہ اکلوتی تھی، بے حد نازک۔ بے بے کے سو دفعہ کہنے پر بھی مشکل ہی سے کوئی کام کرتی تھی۔ اور یہاں تو کاموں کا انبار لگا پڑا تھا۔

"پتہ نہیں بے بے کس طرح سارے کام نمٹا لیتی ہے۔" وہ سوچتی ہوئی بے دھیانی میں چلتی چلی گئی اور حویلی کے اندر پہنچ کر پھر وہی کام، وہی ڈھیروں کمرے۔

وہی راہداریاں۔

"اور...... اگر میں جو کسی دن کھو جاؤں تو؟" وہ سوچتی ہوئی ڈرائنگ روم کی ٹیبل کی ڈسٹنگ کر رہی تھی جب مائی خیراں آ گئی۔

"سیو پتر! اس کام کو چھڈ۔ پہلے چھوٹی بی بی کی گل (بات) سن لے۔ تجھے بلا رہی ہیں وہ۔"

"جی اچھا۔" وہ کہہ کر پلٹی ہی تھی کہ اماں خیراں چلتی ہوئی کچن کی طرف کہیں غائب ہو گئیں۔ وہ سراسیمگی کی کیفیت میں کچھ دیر کھڑی اس طرف دیکھتی رہی، پھر آخر کار زینے کی

طرف بڑھ آئی۔

'سیو! یہاں رہنا ہے تو اس گھر کے راستوں سے بھی آشنا ہونا پڑے گا۔' وہ سوچتی ہوئی چلتی گئی۔ پھر آخر کار ایک کمرے کے سامنے رک گئی۔

'آخاہ، ڈھونڈ لیا نا آخر۔ واہ سیو! تو واقعی ذہین ہے۔' وہ چھوٹی بی بی کے کمرے کے دروازے کے سامنے کھڑی ہو کر خود کو داد دینے لگی۔ پھر دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

کمرہ خالی تھا۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ چھوٹی بی بی شاید باتھ روم میں تھیں۔ وہ سوچتی ہوئی پلٹ کر ان کے بیڈ کی چادر جھاڑنے لگی۔

تبھی باتھ روم کا دروازہ کھلا۔

"چھوٹی بی بی جی! پتہ ہے، گھر جا کر بھی میں آپ کے متعلق ہی تذکرہ کرتی رہی تھی۔ بے بے کی طبیعت اگرچہ ٹھیک نہ تھی۔ مگر اکبر بھائی سے، چاچے سے میں نے آپ کی بہت سی باتیں کی تھیں اور......"

وہ کمبل تہہ کرتے ہوئے اپنی دھن میں بولے گئی۔ پھر کوئی جواب نہ پا کر پلٹ کر دیکھا۔

دل یکدم اُچھل کر حلق میں آ گیا...... بلیک چست جینز پر بغیر کسی شرٹ کے چوڑے شانوں پر ٹاول ڈالے وہ اس کے مقابل کھڑا تھا۔ گیلے بالوں پر پانی کے کئی قطرے الجھے ہوئے تھے۔

"ہائے ربا!" سیو یکدم رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ دوپٹے سے چہرے کو یکدم چھپا لیا۔

"اے لڑکی! کون ہو تم......؟" بھاری با رُعب آواز ابھری اور سیو کی جیسے سانسیں تھمنے لگیں۔ دل سینے کے اندر بے تحاشہ زور زور سے دھڑکنے لگا جیسے سینہ توڑ کر باہر آ جائے گا۔ وہ وہاں سے بھاگنا چاہتی تھی مگر جیسے زمین نے پاؤں جکڑ لئے ہوں۔

"جواب دو، کون ہو تم؟" بھاری رعب دار آواز پھر ابھری۔

سیو تھر تھر کانپتی گئی۔ وہ چلتا ہوا مقابل آن کھڑا ہوا۔

"جواب کیوں نہیں دے رہیں؟" وہ درشت انداز میں پوچھ رہا تھا۔ اس کی بے حد چمک دار، مقناطیسی آنکھیں اس کے وجود پر گڑی تھیں۔ وہ گھوڑے والا شہزادہ اس کے مد مقابل تھا۔ وہ ایک نظر دیکھ کر چہرہ جھکا گئی۔

"او مائی گاڈ......! منہ میں زبان بھی ہے تمہارے یا گونگی ہو؟ ہائے دی وے، کیا کر رہی تھیں تم میرے کمرے میں؟" اعیان نے ایک بار پھر دریافت کیا۔ تبھی وہ ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ چہرہ پورا کا پورا چھپا رکھا تھا۔ فقط آنکھیں تھیں جو اس کے نقاب سے

عیاں تھیں۔

"وہ..... جی..... میں....."

وہ بولنا چاہتی تھی مگر حلق سے آواز ہی نہ نکل رہی تھی۔ مقابل کی دہشت ہی اتنی تھی۔ کو بھی ہوتا، تاب نہ لا پاتا۔ وہ تو پھر ایک گاؤں کی کمزور سی بزدل لڑکی تھی۔ جس کی زندگی ا کی چادر اور چار دیواری تک محدود تھی۔ اس سے باہر نکل کر کبھی دیکھنے کی ضرورت ہی محس نہ ہوئی تھی۔ وہ تو کھیتوں، کنوئیں یا پھر سہیلیوں کے گھروں تک محدود تھی۔ عام سے لوگو کے درمیان رہنے والی بے حد معمولی سی لڑکی۔ کہاں دیکھی تھی اس نے ایسی شان، ایسا رعب ایسا جاہ و جلال، ایسی بھرپور شخصیت کہ جو مقابل کو حواس باختہ کر کے رکھ دے۔ بولنے کی، کچھ کہنے کی قوت ہی سلب کر ڈالے۔

اور بولنا تو کجا اس میں تو اس کی طرف دیکھنے تک کی ہمت نہ تھی۔ آج تک اپنے ویرا چاچے کے علاوہ کسی مرد کے مقابل وہ کھڑی ہی کہاں ہوئی تھی۔ اور اب جب وہ اس کے مقابل کھڑی تھی تو ٹانگیں تھر تھر کانپ رہی تھیں۔

وہ شہزادوں جیسی آن بان شان رکھنے والا، بارعب شہزادہ ہی تھا۔ کم از کم سیو کو تو وہ اپ بھرپور سراپا اور بارعب لب و لہجے سمیت کسی بڑی سی ریاست کا مغرور ترین شہزادہ ہی لگ ر ا جو اپنے علاوہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اس کی پُر تپش نظریں اس کے وجود پر گڑی ہو تھیں۔ سیو نے ڈرتے ڈرتے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ویسے ہی سوالیہ نشان بنا اس کی سمت تکے جا رہا تھا۔

"وہ جی میں... میں راستہ بھول گئی تھی... مجھے چھوٹی بی بی کے کمرے میں جانا تھا... مگر..."

"اوہ....." اس نے جیسے صورت حال سمجھتے ہوئے کہا۔ "اس گھر کی ملازمہ ہو اور اس گھ کے راستوں سے بھی آشنا نہیں۔" وہ جتاتے ہوئے بولا تھا۔ تبھی وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"وہ جی میں نئی ہوں یہاں پر....." وہ بولی تھی۔ اور پھر یکدم ہی اس کے برابر سے نکل ہوئی بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ اعیان نے اس پردے میں کمی سمٹائی لڑکی کی پھرتی پر اسے پلٹ کر تنبیہہ کرنی چاہی تھی مگر وہ دروازہ کھول کر تیزی کے ساتھ غائب ہو چکی تھی۔

❋.....❋

"انسپکٹر صاحب! ان میں وہ شخص قطعی نہیں ہے۔" مژگان نے ان تینوں کو دیکھنے کے بعد کہا۔

"لیکن جی یہ مان چکے ہیں۔" انسپکٹر حفیظ بیگ نے کہا تو وہ اچھل پڑی۔

"یہ تینوں مان چکے ہیں؟" اس کے انداز میں حیرت نمایاں تھی۔

"جی نہ صرف مان چکے ہیں بلکہ انہوں نے حلفیہ بیان بھی دیا ہے۔" انسپکٹر حفیظ کا اطمینان بدستور قائم تھا۔

"او مائی گاڈ۔" مژگان کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے یا سامنے ٹیبل پر رکھا پیپر ویٹ اٹھا کر اس قانون شکن شخص کے سر پر دے مارے جو قانون کا رکھوالا بنا بیٹھا تھا۔

"دیکھئے خاتون....."

"کیا دیکھوں؟ یہ نتیجہ نکالا ہے آپ نے اتنے دنوں کی تفتیش کا۔ آپ جانتے ہیں یہ وہ نہیں ہے۔ آپ کے علم میں یہ بات ہے اس کے باوجود آپ نے ان بیچاروں کو مار مار کر ان سے غلط بیان دلوایا۔ یو آر ریئلی کروئیل۔ دس از ریئلی ٹو مچ۔ شیم آن یو۔" وہ تمکنت بھرے انداز میں گویا تھی۔ انسپکٹر حفیظ بیگ پہلو بدل کر رہ گیا۔

"محترمہ! ہمیں اوپر سے بھی سختی سے آرڈر ملے تھے۔ ہم تو جی حکم بجا لاتے ہیں۔"

"حکم آپ کو بے گناہوں کو سزائیں دینے کے ملتے ہیں؟ ڈھونڈنا ہی ہے تو اصل مجرم کو ڈھونڈیئے۔ بائی دی وے، آرڈر کہاں سے موصول ہوئے تھے آپ کو؟" مژگان نے درشت لہجے میں پوچھا۔

تبھی وہ بولا۔ "چلئے قصہ ختم کئے دیتے ہیں۔ اوئے بشیر! لاک اپ سے نکال دے ان بندوں کو۔" اس نے ماتحت کو با آواز بلند حکم دے ڈالا۔

"قصہ اس سے ختم نہیں ہو جاتا حفیظ صاحب! بوکھلاہٹ میں غلط اقدامات کرنے سے کہیں بہتر ہوگا کہ آپ اصل ملزم کو ڈھونڈیں۔ اور رہی بات اوپر سے آرڈر کی تو میرا خیال ہے قانون سب کے لئے یکساں ہونا چاہئے۔ میرا باپ اگر با اختیار ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ جسے چاہے اٹھا کر میری خاطر سولی پر لٹکا دے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس دور میں بھی ہم سفارشوں کی بیساکھیوں پر چل رہے ہیں۔ میں اگر چاہتی تو خود آپ کو سیّد رئیس نواز سومرو کا نام بتا کر تمام کام چٹکیوں میں کروا سکتی تھی۔ مگر میں نے کوئی چور راستہ اختیار نہیں کیا۔ آپ بھی ایمانداری سے تمام کام کیجئے۔ اگر نہیں کر سکتے تو فائل بند کر لیجئے جو کہ آپ کو یوں بھی کچھ عرصے بعد کرنی ہی ہے۔" وہ پُر اعتماد لہجے میں بولی تو انسپکٹر حفیظ بیگ شرمندگی سے اسے دیکھنے لگا۔

"بی بی! قانون کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں۔ ہم انشاء اللہ اصل مجرم کو ڈھونڈ نکالیں گے۔ بس آپ تعاون جاری رکھئے گا۔" انسپکٹر حفیظ بیگ کا لہجہ اور انداز اس کی حیثیت کے باعث مؤدب تھا۔

''جی، میں ایک شہری ہونے کے ناتے تمام طرح کے بنیادی قاعدے اور قوانین
واقف ہوں۔ آپ جب چاہیں گے میں یہاں حاضر ہو جاؤں گی۔ مگر خدارا، اب کسی
بے گناہ کو مت پکڑ لیجئے گا۔''

''نہیں جی، انشاء اللہ اب اصل مجرم ہماری گرفت سے بہت دیر تک بچ نہیں سکے گا
انسپکٹر بیگ نے اسے یقین دلایا تو وہ سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اُف، اس قدر خراب سسٹم ہے یہاں۔'' گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے وہ زیر لـ
بولی تھی۔

''بی بی صاحبہ! اس سے بھی زیادہ۔'' بہرام نے مؤدب انداز میں جواب دیا۔

''مگر یہ طریقہ کار سرے سے غلط ہے۔''

''یہاں صحیح اور غلط کچھ نہیں دیکھا جاتا۔ اصول اور ضابطے اسی طرح پورے ہوتے ہیں
ویسے بی بی صاحبہ! آپ خوامخواہ اس بیچارے پر گرم ہو رہی تھیں۔ اسے تو یقیناً اوپر ـ
ہدایت ملی ہوگی۔'' بہرام نے اصل حقائق بیان کئے۔

''ہاں...... مگر......'' وہ بولنے لگی پھر یکدم چپ ہوگئی۔ 'بابا سائیں کی محبت بھی خوب ہے
اتنا بڑا سانحہ گزرا۔ پیغام بھی ملا۔ مگر ملنے تک نہ آئے۔ اور اب محبتیں نچھاور کی جارہی ہیں
اس نے سلگتے ہوئے دماغ کے ساتھ سوچا۔ تبھی موبائل فون بج اٹھا۔ اس نے خیالوں ـ
چونکتے ہوئے بے دلی سے نمبر دیکھا۔ بابا سائیں نے اپنی ''انتہائی مصروفیت'' میں سے وقت
نکال کر اسے ''یاد'' کیا تھا۔ اس نے متواتر گھنٹیاں ہونے دیں۔

دو...... تین...... چار...... پانچ...... چھ......!

اور پھر سلسلہ ختم ہوگیا۔ وہ ہونٹ کاٹتی ہوئی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ گھنٹیوں کا سلسا
پھر شروع ہوا۔ اس نے ابتدا میں ہی نمبر دیکھ کر ''End'' کر دیا مگر دوسرے ہی لمحے گھنٹیاں ہا
ہونے لگیں۔ شدتِ جذبات سے اس کی پلکیں بھیگنے لگیں۔ ضبط کے لئے وہ ہونٹ کاٹنے لگی
ایک...... دو...... تین...... متواتر کئی گھنٹیاں...... اس نے نمبر دیکھا، پھر تنگ آ کر مجبو
''Talk'' کا بٹن دبا کر موبائل کان سے لگا لیا۔

''بیٹا! آر یو آل رائٹ...... ہیلو...... ہیلو......'' بابا سائیں کے لہجے کی بے چینی صاف ظا
تھی۔ مگر اس کے گلے میں جیسے آنسو کا پھندا سا تھا۔ بھیگی بھیگی آنکھوں سمیت وہ بس چپ
رہی تھی۔ کچھ لمحے قبل تک بے حد مضبوط نظر آنے والی مژگان نواز سومرو اس گھڑی بے
کمزور نظر آ رہی تھی۔

''ہیلو...... مژگی...... میری جان...... بیٹا...... آر یو آل رائٹ؟ ہیلو...... ہیلو......'' ان کے
بے قرار انداز پر اس کی تمام بے حسی جیسے دم توڑ گئی۔ تبھی وہ دھیمی آواز میں بمشکل گویا ہوئی۔

''ہے...... ہیلو......'' اس کی آواز واضح طور پر لرز رہی تھی۔

''تھینک گاڈ......!'' اس کی آواز سن کر سیّد رئیس نواز سومرو کی جیسے جان میں جان آئی۔

''بیٹا! کیسے ہو آپ...... ٹھیک تو ہو؟'' انہوں نے نہایت لگاوٹ سے دریافت کیا۔

''جی......'' وہ دھیمی آواز میں بولی۔ پانی کے کئی گرم گرم قطرے آنکھوں سے نکل کر
رخساروں پر پھیلتے چلے گئے۔ ''جی...... بالکل ٹھیک ہوں۔ شکریہ، آپ کو یاد آ گئی۔'' وہ نہ
چاہتے ہوئے بھی شکوہ کر گئی۔

''میرے بچے...... میری چندا...... بابا جانی لو یو بیٹا...... مگر آپ جانتے ہو مصروفیت کی
نوعیت۔ سب کچھ آپ جانتے ہو۔''

''جی بابا سائیں! سب کچھ جانتی ہوں میں۔'' وہ دھیمی آواز میں اسی قدر کہہ سکی۔ پھر یونہی
پوچھنے لگی۔ ''اس وقت کہاں ہیں آپ؟''

''آفیشل وزٹ پر، برٹن میں ہوں۔''

''اوہ...... آپ کو اتنی دور جا کر بھی یاد رہی؟'' اس کے لبوں پر یکدم تلخ سی مسکراہٹ پھیل
گئی۔

''بیٹا! یو آر ایوری ٹائم ان مائی ہارٹ، ان مائی مائنڈ۔ ڈونٹ فارگیٹ دیٹ تھنگ۔''

''یس بابا سائیں، آئی نو......!''

''اچھا یہ بتاؤ اب تو آپ خیریت سے ہیں نا۔ کوئی پریشانی تو نہیں؟ میں بہت پریشان تھا
آپ کے لئے۔ انسپکٹر حفیظ سے آنے سے قبل بات ہوئی تھی۔ میں نے بطور خاص اسے
ہدایت کی تھی۔ آپ فکر نہ کریں، انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''جی بابا سائیں! انسپکٹر حفیظ نے آپ کی بات پر فوراً ایکشن بھی لے لیا تھا۔ ابھی میں
انہی سے مل کر آ رہی ہوں۔'' وہ کہنا چاہتی تھی مگر پھر جانے کیوں بولی نہیں۔ تبھی وہ کہنے لگے۔

''میں نے حتی الامکان کوشش کی تھی، آنے سے قبل آپ سے مل لوں۔ مگر بچے! میرے
لئے یہ ممکن نہ ہوا۔ ہاں، آئندہ فرصت ملتے ہی آپ کی طرف آؤں گا۔'' وہ محبت سے لبریز لہجے میں
کہہ رہے تھے۔

''جی۔'' وہ بس اسی قدر کہہ سکی۔

''ٹیک کیئر بیٹا! میں جلد از جلد آنے کی کوشش کروں گا۔''

"اوکے...... ٹیک کیئر یو ٹو......" اس نے کہا پھر خدا حافظ کہہ کر "End" کا بٹن دباتے
ہوئے جانے کیوں وہ بھیگی پلکوں سمیت تلخی سے مسکرا دی تھی۔

✿......✿

"او یار! تو یہاں ہیرو بنا پڑا ہے اور وہاں تیری اس توپ نما ہیروئن نے میرا ناک میں دم
کر رکھا ہے۔" علی شاہ نے پریشانی سے کہا تو وہ اسے گھورتے ہوئے دیکھنے لگا۔

"اچھا دوست ہے، تو اسے ٹال بھی نہیں سکتا۔"

"یار، ٹال ہی تو رہا ہوں اتنے دنوں سے۔ بہانے بنا بنا کر اب تو میرا دماغ بھی خالی
ہونے کو ہے۔" اس کی پریشانی بدستور قائم تھی۔

"خالی مزید کیا خالی ہوگی؟" رہبان عالم شاہ نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ تقریباً تپ گیا۔

"اب کے فون آیا تو اس ہسپتال کا ایڈریس بتا دوں گا۔"

"اور پھر اس کے بعد تمہاری خیریت مشکوک ہو جائے گی یقیناً۔" رہبان نے وارننگ دی۔

"واہ...... دونوں طرف سے میں ہی پس رہا ہوں۔ اُدھر سے ان موصوفہ نے ناک میں دم
کر رکھا ہے۔ کچھ نہ بتاؤں تو اصرار...... بتاؤں تو وضاحتیں، وضاحتوں کے جواب دوں تو جواز
مانگے جاتے ہیں۔ یار! اس لڑکی کو کسی تھانے کا انچارج ہونا چاہئے تھا۔" اس نے تیز رفتاری
سے کیلا چھیلتے ہوئے منہ میں ڈالا اور رہبان کا دل چاہا اس کا گلا دبا ڈالے۔

"اس کا تو پتہ نہیں مگر تجھے جہاں ہونا چاہئے تھا، وہاں ٹھیک ہونے کے بعد ضرور پہنچا
دوں گا۔" اس نے کہا تو وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

"او یار! تو بے حد ظالم ہے۔ مجھے پریشانی میں مبتلا کر کے رکھ دیا ہے۔"

"ایک دوست کی خاطر اتنی سی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا؟"

"کر تو رہا ہوں۔"

"میرا بس چلے تو پہلی فرصت میں یہاں سے نکل بھاگوں۔ مگر......"

"ہاں مگر

کوئی امید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی"

علی شاہ نے بروقت شعر پڑھا۔ تبھی رہبان عالم شاہ نے برجستگی کا مظاہرہ کیا۔

"شرم تم کو مگر نہیں آتی"

"واہ...... میرے یار! واہ......" اس نے باقاعدہ تالیاں بجا کر رہبان عالم شاہ کو داد دی۔

وہ ہنسنے لگا۔

"آہ۔" پھر یکدم زخموں میں ٹیس سی اٹھی تو کراہ کر رہ گیا۔

"آرام سے یار! پتہ ہے جب ہمت نہیں ہے تو کیا ضرورت ہے قہقہے لگانے کی۔ بندہ
آہستہ سے بھی ہنس سکتا ہے۔" اس نے رہبان کو دھیرے سے سہلاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"تو انتہائی بدتمیز شخص ہے۔" اس نے ہولے سے مسکراتے ہوئے اس کے سینے پر مکا
مارا۔ علی شاہ ہنس پڑا۔

"تیری صحبت کا اثر ہو گیا ہے مجھ پر۔ مگر تجھ سے پھر بھی بہتر ہوں۔" وہ شرارت سے
ایک آنکھ دباتے ہوئے بولا تو وہ مسکرا دیا۔ پر دوسرے ہی لمحے سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"ایک بات سن ذرا سنجیدگی کے ساتھ......!"

"لو، تو کیا اب تک تم مجھے غیر سنجیدہ تصور کر رہے تھے؟" وہ بدستور مسکراتے ہوئے بولا تو
وہ مسکرا دیا۔

"ایک نمبر کا جوکر ہے تو...... غلط سوچا تھا، تو کوئی کام کر سکتا ہے۔"

"بول تو جان حاضر کر دوں۔" وہ اس کے مضبوط ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا تو رہبان
دھیرے سے مسکرا دیا۔

"یہ ڈرامے بند کر...... یہ کوئی تھیٹر نہیں ہو رہا جو تو جذباتی ڈائیلاگ بول کر مجھے متاثر
کرنے کی ناکام ترین کوشش کر رہا ہے۔" رہبان عالم شاہ نے مسکراتے ہوئے ایک بار پھر
اس کے سینے پر ایک ہلکا سا مکا برسایا۔

"بس، بس...... میرے اس نازک سے سینے پر اپنے ہتھوڑا نما ہاتھوں کے مظاہرے مت
کرو۔ برداشت نہیں کر پاؤں گا۔ ویسے تو نے W.W.F والوں سے رابطہ قائم کیوں نہیں کیا۔
مجھے صد فیصد یقین ہے، "کنگ آف دی رنگ" تو ہی ہو گا۔" وہ مسکراتا ہوا بولا تو وہ اسے
گھورنے لگا۔

"اب میری سنے گا کہ نہیں؟"

"کب سے تیری ہی تو سن رہا ہوں۔" اس نے تقریباً پانچواں کیلا چھیل کر منہ میں رکھا۔

"بے تکی ہانک رہا ہے۔"

"بے تکی سن بھی تو رہا ہوں۔" وہ ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے بولا تو رہبان کے
لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مسکراؤ، مسکراؤ۔ صحت کے لئے مسکرانا اچھا ہوتا

علی شاہ نے کہا تو اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ وہ جانتا تھا علی شاہ کا سنجیدہ ہونا بالکل ناممکن تھا۔ تبھی اس نے مزید کچھ عرض کرنے کا ارادہ ملتوی کر ڈالا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ جتنا غیر سنجیدہ تھا، اتنا ہی سنجیدہ، سمجھدار اور ذمے دار بھی تھا اور اس سے بھی بڑھ کر ایک بہترین دوست بھی۔ اور یقیناً اس کی پرابلم کو علی شاہ اپنی ہی پرابلم سمجھتا تھا۔ تبھی وہ بے فکر ہو کر اس کی باتوں پر مسکرانے لگا تھا۔

✿......✿
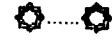
شام کو گھر آنے کے بعد وہ اس قدر تھک چکی تھی کہ معمول کے کسی بھی کام کو ہاتھ لگانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا مگر بے بے بیمار تھی۔ سو مجبوراً شام کے تمام ضروری امور بھی اسی کو انجام دینے پڑے۔

چاچے اور ویر کو کھانا دے کر وہ بے بے کو دوا دے رہی تھی جب نگو آ گئی۔

''کہاں ہوتی ہے آج کل تو؟ نظر ہی نہیں آتی۔''

''بے بے بیمار ہے۔ پتہ تو ہے تجھے۔ ان کی دیکھ بھال، دوا دارو گھر کے سارے کام کاج، پھر حویلی کے سو بکھیڑے...... اس کے بعد دوبارہ آ کر گھر کو دیکھنا۔ ان سارے کاموں نے مل کر مجھے گھن چکر بنا دیا ہے۔''

''تو حویلی جا رہی ہے آج کل......؟'' نگو حیران ہوئی۔

''ہاں مجبوری ہے۔ بے بے تو جا نہیں سکتی۔ سو مجھے جانا پڑتا ہے۔ تو بتا آج کیسے آ گئی بار میری؟'' وہ قدرے شکوہ کناں لہجے میں بولی۔

''اڑیئے! کیسی گل (بات) کرتی ہے۔ میں تو آتی ہی رہتی ہوں۔ ہاں، اج (آج) ذرا کم (کام) سے آئی ہوں۔'' نگو نے کہا تو وہ دیکھنے لگی۔

''کون سا کم؟'' (کون سا کام؟)

''لے، بھل گئی تو (لو بھول گئی تم؟) شاجی کے ویاہ کو......؟''

''نہیں اڑیئے، بھلی تو نہیں، بس تھک اتنا جاتی ہوں کہ پھر کسی اور طرف کا ہوش ہی نہیں رہتا۔''

''تجھے بلانے آئی تھی ڈھولک رکھی ہوئی ہے۔ سب تیرا انتظار کر رہی ہیں۔ دو چار دن ہیں مل کر بیٹھنے کے۔ پھر شاجی رخصت ہو گئی تو کہاں یہ دن نصیب ہوں گے۔'' نگو بولی تو وہ بے بے کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ دوا کے زیر اثر سو چکی تھیں۔

''کیا سوچ رہی ہے؟''

''تو رک، میں چاچے سے پوچھتی ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی وہ اٹھی اور باہر نکل گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد جب وہ واپس پلٹی تو سر پر دوپٹہ اوڑھ رہی تھی۔ یقیناً اسے چاچا سے اجازت مل گئی تھی مگر نگو پھر بھی یقین کرنے کو بولی۔

''اجازت مل گئی تمہیں؟''

''ہوں......'' وہ بولی اور اس کے ساتھ ہی چپل پاؤں میں اڑسی۔ ''کپڑے نہیں بدلے گی تو؟'' نگو حیرت سے بولی۔ پیلی قمیض، سفید شلوار اور کاسنی رنگ کے دوپٹے کے ساتھ وہ خاصے ملگجے حلیے میں تھی۔

''چھڈ نی اڑیئے...... مجھے کون سا کسی نے پسند کرنا ہے۔'' وہ بے دھیانی میں کہہ کر پراندے کو جوڑے کی شکل میں لپیٹنے لگی۔ مگر نگو کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

''لے، تو کھی کیوں کر رہی ہے؟''

''تو بات ہی ایسی کر رہی ہے۔ ویسے کیا پتہ کوئی پسند کر ہی لے۔'' نگو کا انداز شرارت بھرا تھا۔

''شامت ہی آئی ہو گی کسی کی۔'' اس نے تمام بکھری ہوئی لٹیں کانوں کے پیچھے کیں۔

''اب دانت اندر کر اور چھیتی سے (جلدی سے) چل پڑ۔ ورنہ ویر ابھی آ گیا تو سارے ارادے دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔'' وہ بولی۔ نگو فوراً ہی چل پڑی۔

''ہائے اللہ، یہ اج چن کدھر سے چڑھ آیا ہے۔'' (ہائے اللہ، یہ آج چاند کیسے نکل آیا ہے) چھینو...... زیبو وغیرہ نے اسے دیکھتے ہی جملہ کسا۔

''لے بھلا، اج تجھے کیسے خیال آ گیا ادھر کا؟'' پیلا سوٹ پہنے بیٹھی شاجی نے طنزاً کہا۔ مگر وہ مسکرا دی۔

''شکر کر، آ گیا۔''

چٹا ککڑ بنیرے تے، چٹا ککڑ بنیرے تے
کاسنی دوپٹے والیے
منڈا صدقے تیرے تے

سیو کو چھیڑنے کے لیے نگو، چھینو اور زیبو نے راگ چھیڑا۔ ساری لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

''اے کڑیو! گانا ہے تو چج نال گاؤ۔'' (اے لڑکیو! گانا ہے تو ڈھنگ کے ساتھ گاؤ) پاس بیٹھی ایک بزرگ خاتون نے ڈانٹا۔

''سعیدہ آپا! ہنسنے دے کڑیوں کو۔ یہی تو دن ہیں۔ پھر شادی ویاہ کا وقت ہے۔ اب نہیں

ہنسی مذاق کریں گی تو پلا (بھلا) فر (پھر) کب کریں گی؟" شاجی کی بے بے نے کہا تو وا
خاتون دوبارہ بولیں۔

"لے پلا، چج سے تو گائیں کچھ۔"

"لے ماسی، چج سے گا لیتے ہیں۔" چھینو نے مسکراتے ہوئے ڈھولک سنبھالا۔

"ہائے نی ماں میرے ونگاں والا آنی گیا۔"

"اے، تمیں تمیں۔ یہ والا تمیں۔ ٹپے گاؤ نا۔" ایک لڑکی بولی۔ تبھی چھینو ہاتھ روک
اسے گھور کر دیکھنے لگی۔

"خود تو گانا آتا نہیں، ہمیں تو گانے دو۔" پھر پلٹ کر سیو کی طرف دیکھنے لگی جو ا
شاجی کی بے بے کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی تھی۔

"اے سیو! تجھے کیا باتیں کرنے کے لئے بلایا تھا؟ آ جا اب چھیتی چھیتی۔"

تبھی وہ بات ختم کر کے اس طرف چلی آئی۔

"چل ڈھولک سنبھال اب۔" چھینو نے اس کی طرف ڈھولک سرکائی اور خود چمچ تھام لیا۔

"چلو گاؤ تم......" وہ بولی۔

"تجھے خالی شکل دیکھنے کو نہیں بلایا۔ ہم تو روز ہی گاتے رہتے ہیں۔ آج تیری باری ہے۔" زیبو جلدی سے بولی۔

"تو ٹھیک ہے۔ مگر میرے ساتھ تو گاؤ۔"

"وہ تو ہم گائیں گے ہی۔" وہ ہم آواز ہو کر بولیں۔ تبھی اس نے گلا کھنکارتے ہوئے گانا شروع کیا۔

گڈی آ گئی ٹیشن تے
گڈی آ گئی ٹیشن تے
تیرا میرا میل ماہی!
سارے لوکی ویکھن گے

زیبو نے جواباً مصرعہ اٹھایا۔

سونے دی پرات ہووے
سونے دی پرات ہووے
اوہ ویلا تھم جاوے
جدوں تیرے نال بات ہووے

سیو نے اپنی خوبصورت آواز میں دوبارہ باری سنبھالی۔

سونے دی پرات ہووے
سونے دی پرات ہووے
دنیا سڑ جاوے
جدوں تیرا میرا ساتھ ہووے

اب کے باری نگو کی آئی۔

پیلے دا پیڑ ہووے
تیرے نالوں ودھ سانوں......
کوئی نہ ہور ہووے

باری دوبارہ سیو کے سر آئی۔ اس کی خوبصورت آواز پھر ابھری۔

کنڈا کھول دے بوہے دا
کنڈا کھول دے بوہے دا
رنگ کناں چجیا اے
تینوں جوڑے سوہے دا

وہ اپنی ہی دُھن میں مگن گا رہی تھی جب اچانک اسے اِک احساس سا ہوا۔ اس نے ٹک ہی سامنے نگاہ کی۔ بلّو مسلسل اس کی طرف تکے جا رہا تھا۔ وہ جیسے اندر تک سلگ گئی۔

بوہے اُتے تالا اے
بوہے اُتے تالا اے
انج تے ماہی سوہنا اے
بس رنگ تھوڑا کالا اے

اس نے بروقت چوٹ کی۔ وہ ہنس پڑا۔ وہ کھولتی ہوئی دوسری طرف دیکھنے لگی۔ تبھی نگو نے سر اٹھایا۔

کھیتاں وچ بوٹے نے
کھیتاں وچ بوٹے نے
وڈے بول، بول دیندے
پھلدے او کھے نے

تبھی اس نے دوبارہ باری سنبھالی۔

کڑی بڑی سوہنی اے

کڑی بڑی سوہنی اے

منڈا وی چنگا اے پر

اِک اکھ اودی کانی اے

سب لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

"اے سیو! یہ کون سے ٹپے جوڑ رہی ہے اپنے پاس سے؟" زیبو بولی۔

"لے، یہ تو صدیوں پرانے ہیں۔ یقین نہیں آتا تو ماسی سے پوچھ لے۔" اس نے ساتھ ہی پلٹ کر تصدیق کرنا چاہی۔ مگر وہاں شاجی کی بے بے کی جگہ بلال کھڑا تھا۔ سیو نے دیکھا تو وہ جیسے پہلے سے اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ نظروں کا لمحہ بھر کو ہوا۔ وہ دھیرے سے ہنس پڑا۔ سیو نظریں جھکا گئی۔ اور فوراً ہی پلٹ کر ان سب کی متوجہ ہوگئی جو اب کچھ اور گانے کے متعلق سوچ رہی تھیں۔ اس کا دل یکدم ہی تیز سے دھڑکنے لگا تھا۔

یکدم ہی کوئی خطرے کا الارم جیسے بج اٹھا تھا۔ تبھی وہ فوراً ہی اسی لمحے اٹھ کھڑی ہوئی

"ہائے سیو! کہاں جارہی ہے؟ ابھی تو محفل جمی ہے۔" نگو نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھانا چاہا۔

"نہیں، صبح جلدی اٹھنا ہے۔" وہ دھواں دھواں سے چہرے کے ساتھ اُٹھ کھڑی دل کی دھک کان چیرنے لگی۔

"کل آئے گی نا فیر؟ (کل آؤ گی نا پھر؟)" شاجی نے پوچھا۔

"ہاں......" اس نے فوراً سر ہلا دیا۔ تبھی شاجی بولی۔

"اکیلی کیسے جاؤ گی؟ ٹھہرو، بلو کو ساتھ لے جاؤ۔"

"نہیں...... نہیں...... میں چلی جاؤں گی۔" وہ تیزی سے بولی۔

"لے پلا اس ویلے اکیلی جائے گی۔ چل ماسی چھوڑ آتی ہے تجھے۔" زیبو جیسے ا چہرے کی کیفیت سے کچھ بھانپتے ہوئے بولی۔ پھر فوراً ہی پلٹ کر شاجی کی بے بے دینے لگی۔

پھر جیسے ہی شاجی کی بے بے آئیں، سیو فوراً ہی ان کے ساتھ نکل آئی۔

"کل آنا مت بھولنا۔" زیبو، نگو، شاجی کی آوازیں اس کے تعاقب میں ایک ساتھ تھیں۔

"ہاں......" (اچھا) اس نے چلتے چلتے سر ہلایا تھا اور دہلیز پار کر آئی تھی۔ مگر اسے لگ رہا تھا وہ نظریں اب بھی اس کے تعاقب میں تھی۔ اسے مسلسل گھور رہی تھیں۔

✿......✿

"کیا ہوا......؟" ادعیہ نے شعاع کو دیکھتے ہی دریافت کیا۔

"سانس تو لینے دو۔ آتے ہی پوچھنے لگ گئی ہو۔" امی نے فوراً ہی ٹوکا تو وہ چپ ہوگئی۔

شعاع نے پرس ایک طرف رکھا اور دوپٹہ بیڈ پر ڈالتے ہوئے گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔ رانیہ پانی لے آئی۔ ادعیہ اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کی "کامیابی" یا "ناکامی" کا اندازہ لگاتی رہی۔ اس نے رانیہ سے گلاس لے کر پانی پیا۔ پھر ایک گہرا سانس لیتے ہوئے ادعیہ کی طرف دیکھا جو اس کی طرف بڑی آس سے تک رہی تھی۔ اس کی صورت دیکھ کر شعاع جانے کیوں مسکرا دی۔

"مسکرا کیوں رہی ہو......؟" ادعیہ نے اس کے ہاتھ سے گلاس لیتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں...... مسکرانے پر پابندی ہے کیا؟" شعاع نے چھیڑا۔

"نہیں، پابندی تو نہیں۔ مگر کوئی وجہ بھی تو ہونا ضروری ہے۔"

"اچھی صورت بنائی ہوئی ہے۔ آئینے میں دیکھ لو۔" اس کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"کیوں، لطیفے لکھے ہوئے ہیں؟" ادعیہ نے برا سا منہ بناتے ہوئے دریافت کیا۔

"اس سے بھی کہیں بڑھ کر۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ماشاء اللہ، لگتا ہے لوگ "انٹرویو" میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ رخ روشن کچھ زیادہ ہی تابندہ ہو رہا ہے۔"

"نہیں، انٹرویو تو خیر کامیاب نہیں رہا مگر آج ایک پرانی دوست سے ملاقات ہوگئی۔ کالج میں میرے ساتھ تھی۔ جہاں آج میں انٹرویو کے لئے گئی تھی، اسی آفس میں جاب کرتی ہے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میرے لئے کوشش کرے گی۔"

"اے بیٹا! میں تو کہتی ہوں چھوڑ یہ سب کچھ۔ خواریوں میں کیا رکھا ہے۔ قسمت میں جو دال روٹی ہے، پوری ہو رہی ہے۔" امی نے سلائی مشین پر جھکے جھکے ہی شعاع کو مخاطب کیا۔

"امی! خدا سے اچھی امید رکھنی چاہئے۔ یہ ایک امید ہی تو ہوتی ہے جو ہمارے جینے کا جواز ہوتی ہے۔ جب کچھ نہیں ہوتا، تب بھی امید ہوتی ہے ہمارے ساتھ...... ہمارے ہم قدم...... زندگی کے سفر میں ہم کئی خواہشیں کرتے ہیں، آس لگاتے ہیں، امید باندھتے ہیں، خواب پروتے ہیں۔ کچھ پورے ہو جاتے ہیں، کچھ نہیں۔ مگر ہمیں ناامید نہیں ہونا چاہئے۔"

مایوسی کفر ہے۔ امیدیں ٹوٹیں بھی تو ہمت نہیں ہارنی چاہئے۔ اور ہم انسان زندگی کے مراحل طے کرتے ہوئے اس قدر عادی ہو جاتے ہیں کہ ایک امید کے ٹوٹنے پر خود ہی دوسری امید کا دیا جلا لیتے ہیں۔ امیدیں اگر انسانوں سے وابستہ کی جائیں تو ہمیشہ ٹوٹتی بکھرتی ہیں۔ جیسے خواب ٹوٹتے ہیں۔ ریزہ ریزہ ہوتے ہیں اور آنکھوں میں چبھ کر رُلا(تے) ہیں۔ مگر امیدیں اگر اپنے خدا سے باندھی جائیں تو کبھی نہیں ٹوٹتیں، آس کبھی ختم نہیں ہو(تی)۔ امید خود بخود دلوں میں گھر کرتی ہے، پنپتی ہے، پھولتی ہے، نشوونما پاتی ہے۔ اور اگر کبھی (ٹوٹ) بھی جائے تو ٹوٹتی نہیں، ختم نہیں ہوتی۔ پھر سے جڑنے لگتی ہے۔ ایک دیا بجھتا ہے تو دوجا (خود) ہی آپ جل جاتا ہے۔ یہ ایک سائیکل ہے، ایک باضابطہ نظام ہے۔ ہم چاہیں بھی تو زندگیوں سے "امید" کے لفظ کو خارج نہیں کر سکتے کہ پھر شاید اس کے بعد زندگی ہی ممکن (نہ) رہے کہ زندگی بھی تو امید ہی ہے۔ ہم سانس لیتے ہیں تو اگلی سانس کا پتہ نہیں ہوتا۔ باہر (جاتے) ہیں تو لوٹنے کا یقین نہیں ہوتا۔ مگر ایک آس ہے، امید ہے جو ہمیں لئے پھرتی ہے اور (ہم) چلتے چلے جاتے ہیں۔ جس دن امید ختم ہو گئی، شاید زندگی بھی تھم جائے۔" وہ جیسے خود کلامی کے سے انداز میں بول رہی تھی۔ ادعیہ کے ہلانے پر اس نے چونک کر دیکھا تو امی مشین پر جھکی پوری جانفشانی سے سلائی میں مگن تھیں۔ اردگرد کا جیسے انہیں ہوش نہ تھا اور اس کے سامنے کھانا رکھا ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

"فلسفہ اچھا بگھارتی ہو۔ مگر سنو! فی الحال یہ کھانا بیچارہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ مانا اس کا (ذائقہ) تمہارے فلسفے سے اچھا نہیں مگر چکھ لینے میں کیا حرج ہے۔" ادعیہ شرارت سے چھیڑتی ہو(ئی) بولی تو وہ مسکرا دی۔

"یہ فلسفہ نہیں ہے، زندگی کی کھلی حقیقت ہے۔"

"یار! اس حقیقت پر پھر کبھی غور و خوض کر لیں گے۔ فی الحال میرے بھی پیٹ میں چو(ہے) دوڑ رہے ہیں۔ تمہارے انتظار میں یونیورسٹی سے آ کر کچھ کھایا بھی نہیں تھا۔" ادعیہ بولی تو اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں ذرا منہ پر دو چار چھینٹے مار لوں۔"

"ہاں۔ مگر ذرا جلدی۔" ادعیہ نے پیچھے سے آواز لگائی تو وہ سر ہلاتی ہوئی واش روم میں گھس گئی۔

✿......✿

محبت...... پیار...... وفا...... خلوص۔

سب کے معنی یکسر بدلتے جا رہے ہیں۔

جہاں محبت ملتی ہے وہاں خلوص اور وفا نہیں بچتی۔ اور جہاں وفا اور خلوص ہو، وہاں پیار کو قربان ہونا پڑتا ہے۔

محبت بعض صورتوں میں ان تمام کیفیات کی غماز بھی ٹھہرتی ہے جو ان تمام صورتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اگر بارہا بھی کوئی سوچے تب بھی شاید نہیں جان پاتا کہ حقیقتاً محبت ہے کیا۔

محبت موسم نہیں کہ گزر جائے
محبت پھیلا ہوا ہاتھ بھی نہیں
محبت تو نوازتی ہے
سونپتی ہے
اور بانٹتی چلی جاتی ہے۔
مگر دل کا دامن پھر بھی خالی نہیں پڑتا۔

محبت اپنی آرزوؤں کی تکمیل کا نام نہیں، محبت بڑھی ہوئی ہتھیلی بھی نہیں۔ جو لوگ چاہے جانے کی آرزو میں جلتے ہیں، وہ راکھ کی شکل میں لب گور پہنچتے ہیں اور جو اپنی محبت کو دوسروں کے قدموں میں نچھاور کرتے ہیں، ان کی قبر پر ٹھنڈے آنسوؤں کی بارش ہوتی ہے اور بہار کے دنوں میں خودرو گھاس کے ساتھ خوش رنگ پھول بھی جنم لیتے ہیں۔

محبت اوس کے قطروں کی طرح زمین دل پر گرتی ہے تو زمین کو سیراب کرتی ہے مگر یہ بھی ہے کہ پیاس بڑھتی جاتی ہے۔

محبت دیکھی نہیں جا سکتی۔
ناپی نہیں جا سکتی۔
تولی نہیں جا سکتی۔

مگر اس کے باوجود محبت نظر آتی ہے۔ اِک اٹل اور ٹھوس حقیقت کی شکل میں واضح ہوتی ہے۔

کسی گہرے راز کی طرح منکشف ہوتی ہے ہم پر۔

"محبت" کو بتایا نہیں جاتا، اسے محسوس کروایا جاتا ہے۔
محسوس کیا جاتا ہے۔
دل سے......!

روح سے......!!
اور کبھی کبھی عقل وشعور سے۔
محبت کی طبیعت میں عجب تکرار کی خو ہے
کہ یہ اقرار کے لفظوں کو سننے سے نہیں تھکتی
بچھڑنے کی گھڑی ہو یا کوئی ملنے کی ساعت ہو
اسے بس ایک ہی دھن ہے
کہو......"مجھ سے محبت ہے"
کہو......"مجھ سے محبت ہے"
تمہیں مجھ سے محبت ہے۔

ہاں یہ عجب بچوں کی سی خو ہے کہ اظہار چاہتی ہے محبت...... اپنے ہونے کا ثبوت ہے۔ مگر بعض اوقات جانے کیوں ساری امیدیں ٹوٹتی چلی جاتی ہیں۔
سارے آس کے دیے بجھتے چلے جاتے ہیں۔
اور محبت نہیں بولتی۔
چپ رہتی ہے۔
اور یہی چپ مارتی چلی جاتی ہے۔
مگر محبت چپ چاپ دیکھتی رہتی ہے سب کچھ۔
بولتی نہیں......!
کچھ نہیں بولتی۔
ہم آس لئے دیکھتے رہتے ہیں۔
ساعتیں منتظر ہوتی ہیں۔
مگر گلاب لہجے کہیں کھو جاتے ہیں۔
اور آنکھیں دھواں دھواں ہوتی چلی جاتی ہیں۔

رشتہ کوئی بھی ہو، محبت تمام رشتوں کا محور ہوتی ہے۔ ہر رشتے کو جوڑتی اور سنوارتی اسے نشوونما دیتی ہے۔
مگر اس کا اظہار ہر جگہ ضروری نہیں ہے۔

وہ تمام پرانے البم پھیلائے بیٹھی تھی...... جن میں بابا سائیں کے سارے روپ مقید
اسے ان کا پیار...... محبت اور صحبت...... سبھی بہت کم ملا تھا۔

ہمیشہ وہ ان سے دُور رہی۔

ہوش سنبھالا تو گرینی اور زینب بی بی ایک اجنبی ماحول میں اس کے ساتھ تھیں۔

بابا سائیں کبھی کبھی آتے...... اسے یاد تھا...... بہ مشکل تین یا چار بار ہی وہ اس سے باقاعدہ اور باضابطہ ملنے آئے تھے۔ ورنہ اکثر آتے بھی تو کھڑے کھڑے...... کسی آفیشل ٹور پر نکلتے تو یہاں کا چکر بھی لگا لیتے...... وگرنہ سالوں اس کی یاد نہ آتی۔ اور ان "تین چار" بار کے حسین اتفاقات سے اس نے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔ ان کو ساتھ لے کر پورے یورپ کی سیر کی تھی۔ ڈھیروں ڈھیر تصاویر بنوائی تھیں...... اور جب وہ لوٹی تھی تو سب لوگوں نے بے تحاشا مذاق اڑایا تھا۔

"تمہیں ضرور کسی ڈاکٹر سے باضابطہ اپنا علاج کروانا چاہئے۔" کیتھی نے پہلا جملہ پھینکا تھا۔

"برائن اور میں اس قابل نہ سہی، مگر تمہیں نک کو تو یوں نظرانداز نہیں کرنا چاہئے تھا۔" پیٹر نے بھی جیسے مسکراتے ہوئے بھرپور شکوہ ضروری سمجھا تھا۔

"میں نے آخر ایسا کیا کر دیا جو تم لوگ یوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟" اس کی حیرت قابل دید تھی۔

تبھی جسیکا اس کے قریب آن کھڑی ہوئی۔ اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے بولی۔

"ڈیئر مس نواز! اس عمر میں کسی بھی دوسری لڑکی کے اس طرح کے مشاغل نہیں ہو سکتے جیسے کہ آپ کے ہیں۔ آپ کا نام تو سنہری حروف میں لکھا جانا چاہئے۔ مگر افسوس ہم فی الحال ایسا کوئی شوق نہیں رکھتے۔"

اس کے افسوس پر وہ اسے گھورنے لگی۔ "تم سب لوگ پاگل ہو گئے ہو......"

"پاگل ہم سب نہیں مس نواز! آپ ہو چکی ہیں۔ اور اس کا واضح ثبوت آپ نے یورپ کے ٹور پر ہمراہ اپنے والد کے جا کر دیا ہے۔" کیتھی نے کہا تو وہ سب ہنسنے لگے۔ اور وہ پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے نکل کھڑی ہوئی تھی۔

"اس لڑکی کی قریب کی نظر کمزور کیوں ہے؟" نک کی بھاری آواز نے اس کا تعاقب کیا تھا۔

"تم ایک عدد عینک بنوا کر دے کیوں نہیں دیتے۔" برائن نے چھیڑا۔ سب ہنسنے لگے تھے۔ وہ پلٹ کر خونخوار انداز میں ان سب کو دیکھنے لگی تھی۔

"بنوا کر تو دے دوں۔ مگر اس کے بعد بھی اگر میں اسے نظر نہ آیا تو؟" نک اس کے جارحانہ انداز کی پرواہ کئے بغیر مسکراتا ہوا شرارت سے گویا ہوا تھا۔ اس نے ضبط کی آخری حد

پر پہنچتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور پھر یکدم ہی ہاتھ میں پکڑا ہوا کولڈ ڈرنک کا کین اسے گ
تھا۔ وہ مہارت سے کیچ لیتے ہوئے ہنسنے لگا تھا۔

"تم سب پاگل ہو چکے ہو۔" وہ بولی تھی۔ اور پھر وہاں سے نکل آئی تھی۔ سب نے
سے کئی آوازیں دی تھیں مگر وہ رکی نہیں تھی اور......

کتنی یادیں تھیں......!

کتنی باتیں تھیں......!

وہ ایک ایک صفحہ الٹتی تو ایک کہانی دماغ میں گھومنے لگتی۔

اِک اِک منظر تصویر میں ڈھلنے لگتا۔

واقعی یادیں ہماری زندگی کا بہترین سرمایہ ہیں۔

ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں۔

ہم جب چاہیں، یادوں کے کواڑ کھول کر دل کو تسلی دے سکتے ہیں۔ خود کو بہلا سکتے
وہ اپنی اور بابا سائیں کی ایک مسکراتی ہوئی تصویر دیکھ کر جیسے کھو سی گئی۔

تبھی گرینی چلی آئیں۔

"بے بی! تم سوئی نہیں۔ اب تک جاگ رہی ہو۔" گرینی کی اردو نہایت واضح اور
تھی۔ حالانکہ ان کا تعلق برٹین سے تھا مگر ایک طویل عرصے کے ساتھ سے وہ یہ زبان
سے سیکھنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔

"گرینی! میں اپنی خوبصورت اور میٹھی یادوں کو یاد کر رہی تھی۔" اس نے تصویروں
جمائے ہوئے جواب دیا۔ گرینی چلتی ہوئی اس کے پاس آ گئیں۔

"او مائی سویٹ ہارٹ، یادوں کو یاد کرنے کے لئے اور بہت سارا وقت ہے۔ اس
لئے ضروری نہیں کہ تم اپنی نیند خراب کرو۔ اس وقت آدھی رات بیت چکی ہے۔ میں تو
کی وجہ سے جاگی تھی۔ تمہارے کمرے کی لائٹ جلتی دیکھی تو شدید حیرت ہوئی کہ تم اب
نہیں سوئیں۔ چلو فوراً بستر پر۔" گرینی نے اس کے آگے سے البم سمیٹتے ہوئے کہا تو
مجبوراً اٹھ کر بستر پر آنا ہی پڑا۔

"گڈ نائٹ...... سو جاؤ اب...... صبح ملاقات ہو گی۔" گرینی نے اس کی پیشانی
کرتے ہوئے لائٹ آف کر دی تھی۔

❁......❁

"مانو ایک پیاری بلی ہے۔
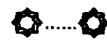
میاؤں میاؤں کرتی ہے۔

بھولی بھالی صورت ہے۔

پر مجھ سے لڑتی رہتی ہے۔"

وہ یونیورسٹی سے لوٹی تو وہ پہلے سے رانیہ، تانیہ وغیرہ کے ساتھ بیٹھا یہی ورد کر رہا تھا۔
اس نے بنا مخاطب کئے بیگ اور فائل ایک طرف ڈالے اور پنکھا فل اسپیڈ میں کھول کر کرسی
کھینچ کر عین اس کے نیچے بیٹھ گئی۔ رانیہ فوراً اس کے لئے پانی لے آئی۔

"اعصار بھائی! آپ اس روز بھی اپنی کسی بلی کا ذکر کر رہے تھے۔ آپ ہمیں دکھانے
کیوں نہیں لاتے اسے......؟" دس سالہ تانیہ نے قدرے معصومیت سے کہا تو وہ قدرے
فاصلے پر بیٹھی ہوئی ادعیہ کی طرف دیکھ کر دھیرے سے مسکرا دیا۔

"بات دراصل یہ ہے گڑیا! کہ وہ بلی دکھانے میں مجھے تو کوئی اعتراض نہیں مگر وہ تھوڑی
غصیلی اور خونخوار ہے۔"

تانیہ کچھ حیرت اور خوف سے اس کی طرف تکنے لگی۔ "او گاڈ...... پھر تو وہ بہت خطرناک
ہو گی۔ آپ کو ڈر نہیں لگتا؟"

"نہیں...... وہ بہت معصوم اور بھولی بھالی بھی ہے۔ بس کبھی کبھی تھوڑی سی خونخوار بن جاتی
ہے۔ مگر وہ بہت عزیز ہے مجھے۔" وہ شوخی سے مسکراتا ہوا کہہ رہا تھا اور کچھ ہی فاصلے پر بیٹھی
ادعیہ آج خلاف معمول بڑے ریلیکس انداز میں یکسر لاتعلق بنی بیٹھی فقط اپنا پسینہ خشک کر رہی
تھی۔ اسے جیسے اس طرف سے کوئی سروکار ہی نہ تھا...... یا جیسے کچھ سنائی ہی نہ دے رہا تھا۔

"پھر تو آپ بہت بہادر ہیں۔" تانیہ معصومیت سے بولی تو وہ یکدم کھلکھلا کر ہنس پڑا۔
پھر اس کی چھوٹی سی ناک دباتے ہوئے بولا۔

"بہادر تو آپ بھی ہیں۔"

"ہاں...... لیکن میرے پاس تو کوئی خونناک بلی نہیں۔" تانیہ کے اخذ کردہ بہادری کے
معیار پر وہ یکدم ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

"گڑیا! میری بلی خونناک نہیں ہے۔ وہ بہت کیوٹ ہے۔"

"اس کا نام مانو ہے......؟" تانیہ پوچھنے لگی۔

"ہوں۔ مگر میں اسے بہت پیار سے "جاناں" بلاتا ہوں۔" اس نے کن انکھیوں سے اس
لاتعلق سے سراپے کو دیکھا۔

"جاناں؟ یہ کیا نام ہوا بھلا؟ بلیوں کے تو ایسے نام نہیں ہوتے۔" تانیہ کو یکدم اعتراض ہوا۔

’’ہوں۔ مگر میری بلی کچھ یونیک اور ڈیفرنٹ ہے باقی بلیوں سے۔ سو اس کا نام بھی ڈ[illegible] ہے۔‘‘ اس نے اسے مطمئن کرنے کو کہا۔ تبھی سر اٹھا کر دیکھا تو وہ عین سر پر موجود تھی۔

’’تانی! اٹھو، آپ امی کے پاس جاؤ۔‘‘ وہ بولی تو تانیہ چپ چاپ اٹھ کر باہر نکل گئی وہ اس کی طرف تکنے لگی۔

’’شرم نہیں آتی آپ کو بچوں سے ایسی نازیبا گفتگو کرتے ہوئے؟‘‘ اس نے [illegible] قدرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں دریافت کیا مگر وہ نہایت اطمینان کے ساتھ مسکرا دیا تھا۔

’’جانوروں کے متعلق اور خصوصاً پالتو جانوروں کے متعلق گفتگو کو نازیبا کہنے کا حق آ[illegible] کس نے دیا؟‘‘

’’جیسی گفتگو آپ اب تک فرما رہے تھے، اسے شائستگی کے زمرے میں قطعی نہیں ر[illegible] سکتا۔ اور کیا نام ہے آپ کی محترمہ بلی صاحبہ کا؟‘‘ وہ جلے کٹے انداز میں بولی تو وہ مسکرا د[illegible]

’’یہ آپ کو میری بلی سے اچانک ہی اتنی گہری دلچسپی کیونکر ہونے لگی؟‘‘

’’بھاڑ میں جایئے آپ، سمیت اپنی بلی صاحبہ کے۔ مجھے کوئی سروکار ہے نہ دلچسپی آئندہ آپ نے میرے سامنے اس طرح کے تذکرے کئے تو اچھا نہیں ہوگا۔‘‘ اس کا ا[illegible] سلگتا ہوا تھا۔ وہ بھرپور انداز میں محظوظ ہو کر ہنس دیا۔

’’اعتراض بلی صاحبہ پر ہے یا ان کے نام پر؟‘‘ وہ بولا۔ ’’آپ کھڑی کیوں ہیں، نا۔ اتنی دلچسپ گفتگو چل رہی ہے، بیٹھ کر اظہار خیال کرتے ہیں۔‘‘ وہ دوستانہ انداز می[illegible] ہوا ادعیہ کو بالکل زہر لگا۔

’’آپ کسی روز واقعی میرے ہاتھوں شہید ہو جائیں گے۔‘‘ اس نے ضبط کرتے ہوئے [illegible]

؎ ’’آ گیا ان کو ہم پر پیار خدا خیر کرے‘‘

وہ مسکراتا ہوا اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔ اور اس کا دل چاہا ٹیبل پر رکھا ہوا گلد[illegible] اٹھائے اور سچ مچ اس کے سر پر دے مارے۔ مگر وہ انتہائی ضبط کرتی ہوئی اندر جانے کو تھی جب اچانک کلائی پر اس کی آہنی گرفت مضبوط ہوئی۔ وہ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ بولی نہیں۔ وہ اس کی طرف دیکھتا ہوا دوستانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

’’اتنے اچھے موسم میں

رُوٹھنا نہیں اچھا

ہار جیت کی باتیں

کل پہ ہم اٹھا رکھیں

آج دوستی کر لیں......!‘‘

اس نے پُرخلوص انداز میں کہا تو وہ اسی طرح اسے دیکھتی رہی۔ تبھی وہ بولا۔

’’ہم اچھے دوست ہیں۔‘‘

’’تم کبھی میرے اچھے دوست نہیں ہو سکتے۔‘‘ وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

’’چلو دشمن ہی سہی۔ مگر نادان دوست سے دانا دشمن بھلا۔‘‘ وہ مسکراتا ہوا بولا تو وہ جانے کیا سوچتی ہوئی اس کے سامنے والی چیئر پر بیٹھ گئی۔

’’تمہیں اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ جب دیکھو یہیں نظر آتے ہو۔ اور تمہاری چھٹیاں بھی شیطان کی آنت ہو گئی ہیں۔ آخر کب ختم ہوں گی؟‘‘

’’کیوں، تنگ آ گئی ہو مجھ سے؟‘‘

’’ظاہری بات ہے۔ بندے کو تشویش تو ہوتی ہے نا۔‘‘ وہ بولی۔ تبھی رانیہ کھانا لے آئی۔

’’نہیں، مجھے بھوک نہیں رانیہ...... کینٹین سے کھا لیا تھا۔ اور یہ شعاع کدھر ہے؟‘‘

’’آپی تو سو رہی ہیں۔ اٹھا دوں؟‘‘ رانیہ نے بتانے کے ساتھ ہی پوچھا۔

’’نہیں، سونے دو۔ دوپہر میں تو قسمت والے لوگ سوتے ہیں۔ یوں بھی ابھی صرف چار ہی بجے ہیں۔‘‘ اس نے سامنے وال کلاک کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو رانیہ ٹرے لئے واپس کچن کی سمت پلٹ گئی۔

تبھی وہ سنجیدگی سے بتانے لگا۔

’’ایک ہفتے بعد میں لوٹ جاؤں گا۔ پھر تمہیں کوئی تنگ نہیں کرے گا۔‘‘

وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے کے تاثرات کچھ ایسے تھے کہ وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔ ’’اچھے دشمن ہو۔ میدان چھوڑ کر اتنی جلدی بھاگ رہے ہو؟‘‘

’’مجبوری ہے۔ یو نو ڈیئر! ڈیوٹی از ڈیوٹی۔ اور شاید اب کے میری پوسٹنگ اسکردو یا سیاچن میں ہو۔‘‘

’’سیاچن؟ مگر وہاں تو بہت سردی ہوتی ہے۔‘‘ وہ فکرمندی سے بولی۔

’’ہاں، مگر جاب کا معاملہ ہے۔ جانا تو پڑے گا ہی۔‘‘ وہ شانے اچکاتا ہوا مسکرا کر بولا۔ وہ سر جھکائے ایک طرف دیکھتی رہی۔ تبھی وہ بولا۔ ’’اچھا ہے نا...... ایک لمبے عرصے کے لئے تم سکون سے رہو گی۔‘‘

’’ہاں، مگر میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ میرا دشمن تکلیف میں رہے۔ میں دعا کروں گی تمہاری پوسٹنگ اسکردو میں ہو جائے...... میں نے سنا ہے اسکردو بہت خوبصورت ہے، بہت حسین

ہے۔ اور خصوصاً جون جولائی میں تو وہاں کا موسم بہت زبردست ہوتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے دوستانہ انداز میں بولی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

"اگر میری پوسٹنگ اسکردو ہوئی تو وہاں آؤ گی؟"

"میں...... اور وہاں؟ بھلا یہ کہاں ممکن ہو گا میرے لئے۔" اس کے انداز میں حیرت نمایاں تھی۔

"چھٹیوں میں آ جانا۔"

"او کے، آئی ول سی......" وہ یونہی بولی۔ تبھی رانیہ چائے لے آئی تو وہ تینوں خوشگوار باتوں کے ساتھ چائے پینے لگے۔

✿......✿

عمر میں ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب عقل وشعور کے در اچانک ہی وا ہو جاتے ہیں۔ اس کے لئے کسی بہت بڑے سانحے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ایک چھوٹا سا لمحہ، ایک چھوٹا سا واقعہ ہی بعض اوقات اس کا سبب بن جایا کرتا ہے۔ اس کے لئے کسی بڑی سند کی ضرورت نہیں ہوتی۔

عمر کے کسی بھی حصے میں واقعات کے تسلسل سے ایسے لمحات جنم لے لیتے ہیں۔ اور وہ عمر کے جس حصے میں تھی وہ بہت پختہ دور نہ تھا۔ بہت نازک دور تھا۔ کانچ سا، خوابوں اور تمناؤں کے عروج کا دور...... جب نظریں آپ ہی آپ خواب دیکھنے لگتی ہیں۔

وہ دور جب اِردگرد کا ہوش نہیں رہتا۔ کسی کی کوئی پرواہ نہیں رہتی۔

نظر آتا ہے تو بس دل...... یا اس سے وابستہ جذبات۔

مگر وہ اس کے باوجود ادراک کے تمام در پا گئی تھی۔ تمام اسرار، تمام رموز جان گئی تھی۔

وہ جو ایک نو عمر اور دیہات کی اجڈ گنوار لڑکی تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ جان سکتی تھی کہ اس کی طرف اٹھنے والی نگاہ کس تاثر سے اٹھی ہے۔

یا شاید عورت میں یہ خاص صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ عمر کے کسی بھی حصے میں ہو، وہ اپنی طرف اٹھنے والی نظر کا مفہوم بہت جلد جان جاتی ہے کہ کون کس زاویئے سے، کس نظر سے اس کی جانب دیکھ رہا ہے۔

اس نے سوچ لیا تھا، اب وہ شاجی کے گھر قطعی نہیں جائے گی۔ مگر وہ یہ بھی سمجھتی تھی کہ ایسا ممکن نہیں تھا۔ شاجی اس کی بچپن کی سہیلی تھی اور اب اگر وہ اس کی شادی میں نہ جاتی تو یقیناً وہ بھی اعتراض کرتی۔ اور یہ مناسب بھی نہ ہوتا۔ مگر جانے سے بھی جو صورتحال بنتی وہ

پسندیدہ ہرگز نہ تھی۔ وہ قطعی نہیں چاہتی تھی کہ کوئی کہانی بنے یا کوئی دوسری بات ہو۔ اپنے ویر اور چاچے کی طبیعت سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ انہوں نے اسے جتنے ناز سے پالا تھا، وہ اس کے لئے اتنے ہی سخت بھی تھے۔ اور ان کی طرف سے کوئی ڈر نہ بھی ہوتا تب بھی شاید اسے خود اس بات کا بہت خیال تھا۔

بے بے کے منہ سے اس نے بچپن سے ہی ایک بات سنی تھی۔

"لڑکیوں کی عزت آبگینوں سے بھی نازک ہوتی ہے۔ مگر یہ آبگینے فقط ٹوٹنے سے ہی بدنامی نہیں ہوتی بلکہ کبھی کبھار ان پر معمولی سی دراڑ بھی ان آبگینوں کی قدر و منزلت گنوا دیتی ہے۔ بیٹیاں والدین کا سر اونچا رکھنے میں ہمیشہ فعال کردار ادا کرتی ہیں۔ ایک بیٹی جب باہر نکلتی ہے تو وہ اپنے ویر اور چاچے کی پگ لے کر نکلتی ہے۔ وہ اگر کچھ غلط قدم اٹھاتی ہے تو خاندان کی عزت خاک میں مل جاتی ہے۔ اور سب کچھ بیٹی کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ چاہے تو اپنے عمل سے سائیوں کی پگڑی میں موتی ٹکا دے اور چاہے تو اسے خاک میں رول دے۔ اس کا ایک قدم عزت کو روند جاتا ہے۔ اور کبھی کبھی سمجھداری سے اٹھایا جانے والا ایک قدم خاندان کا مان بڑھا جاتا ہے۔"

اور وہ ان بیٹیوں میں سے قطعی نہیں تھی جو والدین کی پگڑی کو خاک میں رول دیں۔ تبھی اس نے سوچ لیا تھا۔ اب اگر شاجی کے ہاں گئی بھی تو اپنا انداز لیا دیا ہی رکھے گی اور بہت جلد لوٹ آئے گی۔

اس نے تمام فکروں سے خود کو آزاد کرتے ہوئے صبح کے معمولات کے تمام کام نمٹائے تھے اور پھر بے بے کو دوا دے کر حویلی کے لئے نکل آئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح کارندہ اسے لینے آیا تھا۔

'خدا نے زمین پر پتہ نہیں کیوں تفریق پیدا کر دی۔' حویلی کی شان و شوکت کو دور سے ہی دیکھتے ہوئے اس نے ہمیشہ کی طرح سوچا تھا اور ساتھ ہی ذہن میں بے بے کی سنائی ہوئی کہانیاں گونجنے لگی تھیں۔

اور وہ کہانیاں شاید سچ تو نہ ہوں گی مگر بے بے نے اپنی طرف سے گھڑی ہوں، ایسا بھی نہیں۔ شاید یہ ایک روایت کے ساتھ چلی آ رہی ہیں اور بے بے کے ذریعے مجھ تک پہنچی ہیں۔ مگر یہ ضروری تو نہیں کہ ان میں کوئی صداقت بھی ہو...... میں بلاوجہ کیوں خوفزدہ رہتی ہوں؟ کیوں ڈرتی رہتی ہوں؟

چھوٹی بی بی بھی یہی کہہ رہی تھی۔ سیو! تم یوں ڈرا نہ کرو۔ شاید میرے چہرے سے

میرے اندر کا ڈر بے حد واضح ہوتا ہے۔ مگر یہ تو اپنے آپ ہی ہو جاتا ہے۔ میں جان بوجھ
تو نہیں کرتی کچھ بھی۔

وہ سوچتی رہی اور حویلی آ گئی...... اور پھر وہی روز کے معمول کے کام کاج...... ا
سارے تکلیف دہ مرحلے کی آخری حد خاصی دلچسپ ہوا کرتی تھی جب وہ کائنات بی بی
کمرہ صاف کیا کرتی تھی...... ایک وہی تھیں اس حویلی میں جن سے وہ بول سکتی تھی۔ بات
سکتی تھی۔ شاید اس کی وجہ کائنات کی بے تکلفی بھی تھی۔ وڈی چوہدرانی کے سامنے تو اس
جان فنا ہو جایا کرتی تھی۔ یہی حال دیگر افراد کا بھی تھا۔ اسے ایک بات پر حیرت بھی تھی
آخر ان لوگوں کو اتنی بڑی حویلی بنانے کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ افراد تو اتنے زیادہ
تھے...... پھر......؟"

بڑے لوگوں کی باتیں ہیں، بڑے لوگ ہی جانیں...... اس نے تمام تر سوچوں کو جھٹک
ہوئے مرکزی کمرے کی صفائی کا آغاز کیا۔ تبھی مائی خیراں کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔
"یہ کمرہ بعد میں صاف کر لینا، پہلے چھوٹے سرکار کو چائے بنا کر دے آؤ۔ ان کا سر پا
(درد) کر رہا ہے۔"

وہ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ مگر مائی خیراں پلٹ کر وڈی بی بی کے ساتھ کسی ضروری بات میں
معروف ہو چکی تھیں۔ وہ کچھ دیر یونہی کھڑی دیکھتی رہی، پھر بادل نخواستہ چلتی ہوئی کچن کی
سمت آ گئی۔ اتنے دن میں اسے راستے کچھ کچھ ازبر ہونے لگے تھے۔ پھر جب وہ چائے لے
کر کچن سے نکل رہی تھی تبھی مائی خیراں مل گئی۔
"یہ گولی بھی ساتھ دے دینا۔ چھیتی دے کر میرے پاس آنا۔ چھوٹی بی بی کے کمرے کی
صفائی کرنی ہے۔ الماری کھولے کپڑوں کا ڈھیر زمین پر لگائے بیٹھی ہیں وہ...... ذرا چھیتی۔"
انہوں نے اسے معلومات بہم پہنچا کر جلد واپس پلٹنے کی تلقین بھی کر ڈالی تو وہ سر ہلاتی ہوئی
چہرے پر دوپٹہ اچھی طرح لپیٹ کر کانپتے قدموں سے چھوٹے سرکار کے کمرے کا سفر طے
کرنے لگی۔ دروازے پر رک کر اس نے ہولے سے دستک دی اور اجازت کا انتظار کرنے
لگی۔ مگر کافی دیر گزرنے کے بعد بھی کوئی آواز نہ ابھری تبھی اس نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ بڑھا
کر دوبارہ دستک دی۔ مگر جواب ندارد۔
"اُف...... ربا! اب کیا کروں......؟" اس کا سدا کا خوفزدہ دل ایک بار پھر پریشانیوں
سمیت عروج پر پہنچ گیا۔
ڈرتے ڈرتے ہاتھ بڑھا کر تیسری کوشش کی تھی اس نے۔

"لیں......" کی بڑی مدھم سی آواز ابھری تھی۔ اس کے ہاتھ یکدم ہی کانپ گئے تھے۔
ل جیسے سینے میں ہلچل سی مچانے لگا تھا۔ بہت لرزتے ہاتھوں سے اس نے چہرے کے گرد لپٹا
وا دوپٹہ بھی کس کر لپیٹ لیا تھا۔ پھر دھیرے سے دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی تھی۔
چھوٹے سرکار بیڈ پر لیٹے ہوئے تھے۔ آنکھوں پر بازو دھرا ہوا تھا۔ وہ ڈرتے ڈرتے
ے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھی۔ وہ جیسے متوجہ ہی تھا۔ اس نے چند لمحوں تک
ہی کھڑے اسے دیکھا، پھر دھیرے سے پکارا۔
"چھو...... چھوٹے...... سر...... کار...... ر!"
لرزتی کانپتی آواز پر چھوٹے سرکار نے آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹا کر دیکھا تھا۔ سیاہ دوپٹے
ے چہرے کو چھپائے ایک دھان پان سی لڑکی چائے کی ٹرے اٹھائے کھڑی تھی۔
"سر...... کار...... چائے......" اس کے متوجہ ہونے پر سیو نے اچانک ہی احساس دلایا تھا
، وہ یہاں کس کام سے آئی تھی اور تبھی وہ اٹھ بیٹھا تھا۔ درد کی شدت سے اس کی مقناطیسی
کھیں سرخ ہو رہی تھیں۔
سیو نے دو چار قدم کا فاصلہ عبور کر کے اسے چائے تھمائی۔ ٹرے میں ساتھ ہی ایک
ف ٹیبلٹ دھری دیکھ کر چھوٹے سرکار نے اس کی طرف دیکھا اور وہ جو نظریں جھکائے
ے تھی، اسی پل اس نے بھی نظریں اٹھائی تھیں۔ نظروں کا زبردست تصادم ہوا تھا۔ سیو
ہاتھوں میں تھامی ٹرے کانپ کر رہ گئی تھی۔
"یہ ٹیبلٹ کس نے دی......؟" اس نے بھاری آواز میں دریافت کیا تھا۔
"جی...... وہ...... یہ...... گولی...... ام...... ماں...... خیراں...... نے جی......" اس نے ایک
قسطوں میں مکمل کیا تھا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر ٹیبلٹ تھام لی۔
ا جیسے وہ شکر کرتی ہوئی بھاگنے لگی تھی مگر وہ کہنے لگا۔
"اس طرف کا سائیڈ دراز کھول کر کچھ ٹیبلٹس پڑی ہیں، وہ نکال دو۔" اس نے ٹرے
ے تھامے ہی گھوم کر بیڈ کا چکر کاٹا۔ وہ یہاں سے جلد از جلد فارغ ہونا چاہتی تھی مگر اتنی
ر ہوتی جا رہی تھی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے دھڑکتے دل کے ساتھ دراز کھولا تھا اور جو
پیکٹ ہاتھ لگا تھا، تیزی سے لا کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔
"و...... وہ جی جاؤں اب میں؟" اس نے در پردہ پوچھنا چاہا کہ اور تو کوئی کام نہیں...
ائے کا سپ لیتا ہوا اس کی طرف دیکھنے لگا۔ سیاہ دوپٹے سے فقط اس کی آنکھیں جھانک
ہیں اور تھوڑی سی سفید دودھیا پیشانی۔

"ہوں...... جاؤ......" اس نے جیسے ہی اجازت دی، اس نے فوراً ہی دوڑ لگا دی تھی۔
راستے میں کھڑی رانو (ملازمہ) کو ٹرے تھما کر وہ چھوٹی بی بی کے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔
"آ گئی تم سیو...... میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔" کائنات واقعی پوری الما
کے کپڑوں کو زمین پر ڈھیر کئے بیٹھی تھی۔
"ہائے چھوٹی بی بی! آپ نے پہلے مجھے بلوا لیا ہوتا۔" سیو اسے کپڑے تہہ کرتے دیکھ
آگے بڑھی۔
"کام کرنے کو تو اور بھی بہت ہیں سیو! مگر مجھے تمہاری ضرورت کسی اور طرح سے تھی۔"
کائنات نے کہا تو وہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔
"جی کیا مطلب......؟"
"مطلب یہ کہ یہ کپڑے تمہارے لئے نکال رہی ہوں میں۔"
"میرے لئے...... مگر......" وہ کچھ کہنا چاہتی تھی تبھی کائنات کہنے لگی۔
"تمہیں ضرورت نہ سہی، مگر میری خوشی کے لئے رکھ لو......" وہ اتنے خلوص اور محبت
بولی تھی کہ سیو کی گردن خود بخود ہی اثبات میں ہل گئی تھی۔

✿......✿

"کیسے ہیں اب آپ مسٹر رہبان عالم شاہ......؟" مژگان نے تازہ پھولوں کا گلدستہ ا
تھماتے ہوئے پوچھا تو وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے دھیرے سے مسکرا دیا۔
"اپنے آپ کو بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں۔ اب یقیناً چھٹی ہو جانی چاہئے۔ ناؤ آ
وانٹ ٹو بی ریلیز۔"
"انشاء اللہ...... مگر ڈاکٹرز کے خیال میں ابھی آپ کو یہاں رہنے کی ضرورت ہے۔"
"مگر میں بہت بہتر محسوس کر رہا ہوں۔"
"مگر ڈاکٹرز کے خیال میں ابھی آپ مکمل صحت یاب نہیں ہیں۔ آپ انتہائی سمجھدار دا
ہوئے ہیں مسٹر رہبان! اور یقیناً زخموں کی نوعیت اور اس کی تکلیف سے بھی آشنا ہیں۔ آ
اپنے لئے کیوں کوئی پرابلم کری ایٹ کرنا چاہ رہے ہیں۔ کچھ دن کی تو بات ہے، اس کے ب
تو یقیناً آپ کو یہاں سے جانا ہی ہے۔" وہ مدبرانہ انداز میں سمجھاتے ہوئے بولی تو وہ اس
طرف دیکھنے لگا۔
"ایک بات کہوں......؟"
"ہوں۔"

"آپ مجھے صرف رہبان بھی کہہ سکتی ہیں۔" مژگان نے دیکھا، وہ دوستانہ انداز میں
مسکرا رہا تھا۔ وہ بھی دھیرے سے مسکرا دی۔
"ایک بات پوچھوں......؟" تبھی وہ پوچھنے لگا تو اس نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔
"آپ اتنے عرصے بعد پاکستان لوٹی ہیں تو آپ کو یہاں کا ماحول کیسا لگا؟"
اس نے ایک نظر رہبان عالم شاہ کی طرف دیکھا، پھر وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ "میں
نے کبھی بھی خود کو اس ماحول سے علیحدہ محسوس نہیں کیا۔ میں جب یہاں نہیں تھی، تب بھی اس
زمین کی خوشبو میرے سنگ تھی، میرے ساتھ تھی، میری سانسوں میں رچی بسی تھی۔ اور
اب میں یہاں لوٹی تو وہ میری زندگی کا ایک یادگار اور حسین ترین دن تھا۔ مگر یہ بھی درست
ہے کہ یہاں پر بے قاعدگی بہت زیادہ ہے، قانون برائے نام ہے۔ احساسِ ذمہ داری نہیں
ہے۔ وقت کا احساس نہیں ہے۔ کرپشن بہت زیادہ ہے۔ مگر میں یہ بھی سمجھتی ہوں، یہ بے
قاعدگیاں پاکستان میں بسنے والے افراد کے باعث ہیں۔ پاکستان کا ماحول جو لوگ بگاڑتے
ہیں، قصور ان کا ہے۔ پاکستان ایک خوبصورت ملک ہے، ایک خوبصورت خطہ ہے۔ مگر ان
تمام باتوں سے قطع نظر یہاں پر زندگی بہت سستی ہے۔ انسان کی کوئی وقعت اور اہمیت نہیں
...... بٹ آئی لو پاکستان۔ کیونکہ یہاں میری روٹس ہیں۔ اس سرزمین کی قدر و قیمت فقط وہی
لوگ جان سکتے ہیں جنہوں نے اسے حاصل کرنے میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔" وہ
سنجیدہ اور پُر اثر انداز میں بولی تو وہ سر ہلانے لگا۔ پھر بولا۔
"وہاں انگلینڈ میں کہاں ہوتی تھیں آپ؟"
"میں لندن میں تھی۔ لندن اسکول آف اکنامکس میں پڑھتی تھی۔" اس نے مطلع کیا۔
"ویری گریٹ...... یعنی اکانومسٹ ہیں آپ......"
وہ مسکرا دی۔ "میرے بارے میں تو آپ نے پوچھ لیا...... اپنے بارے میں بھی تو کچھ
بتائیے؟"
"اپنے بارے میں......؟" اس نے شہادت کی انگلی اپنے سینے پر رکھتے ہوئے مسکرا کر اس
کی طرف دیکھا، پھر بولا۔ "کیا بتاؤں اپنے بارے میں۔ نام رہبان عالم شاہ ہے۔ قد چھ
فٹ ایک آدھ انچ شاید زیادہ ہے۔ رنگت بہت زیادہ گوری نہیں۔ کھانے میں ہلکی پھلکی یعنی
لائٹ ڈشز پسند ہیں۔ فرسٹ اگست کو پیدا ہوا لہٰذا اسٹار "LEO" کہا جا سکتا ہے اور......" وہ
مسکراتے ہوئے یونہی شرارت سے گویا تھا جب وہ یکدم کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔
"اٹس ریئلی ویری امیزنگ...... ویری فنی......! بٹ آئی لائک اٹ......!"

وہ دیکھنے لگا۔ اس کی پلکوں سے پانی کے کئی ننھے منے قطرے پھسل کر رخساروں پر
گئے تھے مگر وہ ہنستی چلی گئی تھی۔

''آئی لائک اٹ...... رئیلی لائک اٹ۔'' اس نے اس کے دیکھنے کی مطلق پرواہ کیے
اپنا جملہ دہرایا تھا۔ تبھی اس نے دھیرے سے چہرے کا رخ موڑ لیا تھا اور کھڑکی سے
دیکھنے لگا تھا۔ وہ بھی تبھی اچانک ہی چپ ہوگئی تھی۔ پھر شاید یونہی بولی تھی۔

''باہر موسم خوبصورت ہے نا......؟''

''ہوں....'' رہبان نے بادلوں کو ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے دیکھ کر کہا تھا۔ پھر وہ
گردن گھما کر اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ ''آپ کی آنکھوں سے یہ پانی یونہی بہتا ہے؟''
ٹشو سے ہنسی کے دوران بھیگ جانے والی آنکھیں پونچھ رہی تھی جب وہ پوچھنے لگا۔ وہ چو
پھر اثبات میں گردن ہلا دی۔ پھر بولی۔

''گرینی اور اماں کہتی ہیں، یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ جب میں بے تحاشہ ہنستی ہوں تو
اظہار کے طور پر باہر نکل آتے ہیں۔ مگر مجھے ہمیشہ بہت شرمندگی ہوتی ہے۔ جب یونہی
ہنستے پلکیں بھیگ جاتی ہیں تو جانے کیوں مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' وہ اپنے ہی دھیان میں بولی
وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔ سفید کاٹن کے جدید تراش خراش کے سوٹ میں بنا کسی میک ا
کے بالوں کو کلپ میں قید کیے وہ بہت جاذب نظر لگ رہی تھی۔ سیاہ لمبی پلکیں بھیگ کر بہ
بھلی لگ رہی تھیں اور آنکھوں کی چمک جیسے دوگنی ہوگئی تھی۔

''کیوں...... آپ کو کیوں نہیں اچھا لگتا......؟'' وہ بلا ارادہ ہی پوچھ گیا۔

''پتہ نہیں...... مگر مجھے جب سب پوچھتے ہیں، احساس دلاتے ہیں تو اچھا نہیں لگتا۔''

''مگر آپ کی آنکھیں تو تب بے انتہا خوبصورت لگتی ہیں۔'' وہ یکدم بولا تو وہ چونک
دیکھنے لگی، پھر مسکرا دی۔

''آئی ڈونٹ تھنک سو......!'' پھر رسٹ واچ پر نگاہ پڑی تو اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اوکے....
پھر آؤں گی۔'' وہ خدا حافظ کہہ کر دروازے کی سمت بڑھی۔ پھر یکدم ہی جیسے کوئی خیال آیا
پلٹی۔ وہ اس کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو نظریں یکدم ٹکرا گئیں۔

''اپنا خیال رکھیے گا۔ اور ہاں، میں آپ کو بتانا بھول گئی، انسپکٹر حفیظ بیگ کے پکڑ
گئے ''ہاتھی'' واقعی ''بکری'' نکلے...... بہرحال انہوں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ وہ بہت جلد
اصل مجرم کو پکڑ لیں گے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اطلاع بہم پہنچائی، پھر پلٹ کر تیزی سے
باہر نکل گئی۔

رہبان عالم شاہ نے اس کی بات کو سمجھنا چاہا۔ ''ہاتھی...... بکری......؟'' پھر اس روز علی شاہ
کے الفاظ یاد آگئے تو وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

✿......✿

شعاع انٹرویو دے کر لوٹی تو گھر میں خاصی چہل پہل سی تھی۔

''خیریت......؟'' اس نے وہیں رک کر رانیہ سے دریافت کیا۔

''آپ کے سسرال والے آئے ہیں۔'' رانیہ نے مسکرا کر اطلاع دی۔

''کون کون ہے......؟'' شعاع نے بیگ ایک طرف رکھتے ہوئے جاننا چاہا۔

''فرحان بھائی کے علاوہ تمام لوگ ہیں...... ممانی...... ان کی بڑی بہو، چھوٹی بہو......
دمیہ، فارحہ وغیرہ سب ہیں۔'' رانیہ نے مفصل انفارمیشن دی۔

''ادعیہ آگئی یونیورسٹی سے؟''

''ہوں، وہ آج جلدی آگئی تھیں۔ کچن میں ہیں اور امی ان لوگوں کے پاس ہیں۔''

اس نے جواباً سر ہلایا تو وہ بولی۔

''آپ پہلے فریش ہو جایئے، پھر اندر جایئے گا۔'' وہ بجائے وہاں جانے کے کچن میں
چلی آئی اور فریج کھول کر پانی کی بوتل نکال کر منہ سے لگا لی۔ ادعیہ جو اس کے سسرال والوں
کے لئے لوازمات تیار کرنے میں معروف تھی، اس کی آمد پر پلٹ کر دیکھنے لگی۔

''اچھا ہوا آگئی تم...... تمہاری ساس مع اہل خانہ آئی بیٹھی ہیں اور کئی بار اپنی ہونے والی
بہو کے متعلق پوچھ چکی ہیں۔ یقیناً وہ تمہارے رُخِ روشن اور چاند سے مکھڑے کا دیدار کرنے
کے لئے بے تاب ہیں۔'' ادعیہ نے مسکراتے ہوئے شرارت سے کہا تو وہ گھورنے لگی۔

''میری ساس تمہاری بھی کچھ لگتی ہیں۔'' اس نے جیسے یاد دلایا۔

''ہاں، میں نے بھلا کب انکار کیا ہے۔ شی از مائی میٹرنل۔'' اس نے مسکراتے ہوئے
جیسے قبول کیا۔ پھر بولی۔ ''بائے دی وے، کیا ہوا انٹرویو کا؟ ایز یوژل...... یا......؟''

مگر وہ جواب دینے کی بجائے دیگچیوں کے ڈھکن اٹھا کر چیک کرنے لگی۔

''بتایا کیا کچھ ہے؟ اور ان لوگوں کو دوپہر کا وقت ہی ملا تھا۔ کسی کے گھر جانا ہو تو بندہ
شام ہونے کا انتظار تو کرتا ہی ہے۔ گرمیوں کے اتنے شدید موسم میں اس وقت آنے کی بھلا
کیا تک ہے۔''

''تمہیں اُن کے آنے پر اعتراض ہے یا بے وقت آنے پر؟'' ادعیہ نے شرارت سے کہا۔
پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ ''امی اور یقیناً تمام بزرگ کہتے ہیں، مہمان خدا کی رحمت

ہوتے ہیں اور مہمان اور موت کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ کسی بھی وقت کسی بھی
اچانک آ سکتے ہیں۔" ادعیہ نے کہا مگر وہ جواب دیئے بغیر سلاد کی پلیٹ سے کھیرے
سلائس اٹھا اٹھا کر کھانے لگی۔ تبھی ادعیہ بولی۔

"تم پہلے فریش ہو کر ان لوگوں سے مل لو۔ جب تک بریانی دم ہو جائے گی
تمہارے لئے نکال دوں گی۔"

"ہوں......!" وہ سر ہلانے لگی۔

"انٹرویو کا کیا ہوا" ادعیہ نے دوبارہ پوچھا۔ تبھی وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"میں مایوس نہیں ہوتی۔" اُس کا لہجہ پُرعزم تھا۔

"یعنی ٹرائی اگین اینڈ اگین۔" ادعیہ مسکرائی۔

"آف کورس۔" وہ بولی اور پھر کچن سے باہر نکل گئی۔ اپنے کمرے میں آئی۔ را
کے لئے ڈریس نکال کر بیڈ پر رکھ گئی تھی۔ لائٹ بلیو کلر کا کاٹن کا نفیس سا سوٹ...... و
کی سلیکشن پر مسکرائی، پھر واش روم میں گھس گئی۔

پھر جب وہ شاور لے کر باہر نکلی تو ادعیہ اس کے لئے کھانے کی ٹرے اٹھائے کمر
ہی چلی آئی تھی۔ وہ گیلے بالوں کو تولیے سے پونچھتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تم اتنے اہتمام سے کھانے کی ٹرے لے کر آ گئی ہو۔ کتنا برا ہو گا اگر ان میں
نے مجھے کھاتے دیکھ لیا تو۔" اس نے بالوں میں تیزی سے برش کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں...... وہ لوگ خود کھانا نہیں کھاتے؟" ادعیہ نے مسکراتے ہوئے چمچ اس کے
طرف بڑھایا۔ اسے مجبوراً منہ کھولنا پڑا۔ پھر وہ بالوں میں برش کرتی رہی اور ادعیہ یو
کے منہ میں نوالے رکھتی رہی۔

"ہوں...... باقی بعد میں...... وہ لوگ کب سے بیٹھے ہوئے ہیں۔" وہ بال پشت
کر دوپٹہ سلیقے سے اوڑھتی ہوئی اٹھ کھڑی گئی۔

"اُف...... کس قدر خیال ہے ان کے انتظار کا...... اور یہاں یہ تک نہیں بتایا کہ ا
سے جو بریانی کھلائی گئی ہے وہ تھی کیسی......؟" ادعیہ نے چھیڑتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا د

✿......✿

شام تک موسم کا کچھ پتہ نہ تھا۔ مگر اب چھاجوں پانی اچانک ہی ٹوٹ کر برسنے لگا تھا۔
ہوا اس قدر تیز تھی کہ کھڑکی کے شیشوں سے ٹکرا کر ایک عجیب سی آواز پیدا کر رہی تھی۔
اس نے اٹھ کر تمام کھڑکیاں مضبوطی سے بند کر کے دبیز پردے آگے کر دیئے تھے۔ مگر بادلوں
کی گھن گرج پھر بھی واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔ اب بھی بادل بے حد زور سے گرجا تھا۔
اور اس کا دل یکدم ہی سینے میں پوری شدت سے دھڑکنے لگا تھا۔ کبھی کبھی صورت حال ہمارے
احساسات اور جذبات کو یکسر ہی تبدیل کر دیتی ہے اور وہ ڈرپوک یا بزدل ہرگز نہیں تھی۔
مگر اس لمحے اس کا دل ایک عجیب سے خوف سے بیٹھا جا رہا تھا۔ کب تھمے گی یہ بارش؟
یہ طوفان کب ختم ہو گا......؟
وہ سوچنا چاہتی تھی مگر نیند تھی کہ پلکوں سے کوسوں دُور تھی۔
وہ مارے وحشت کے بستر میں دبک گئی تھی۔
آنکھیں سختی سے میچ کر کانوں پر تکیہ رکھ لیا تھا۔ مگر اس کے باوجود تمام خوف جوں کے
توں موجود تھے۔
وہ اپنے ذہن کو بٹانا چاہ رہی تھی، سوچ کو کسی اور طرف لگانا چاہ رہی تھی مگر دل تھا کہ بہل
ہی نہ رہا تھا۔ ایک ضدی بچے کی طرح مسلسل منمنائے جا رہا تھا۔
اور دماغ پوری توجہ سے اسی طرف لگا ہوا تھا جہاں سے وہ توجہ ہٹا کر کسی اور جانب مرکوز
کرنا چاہ رہی تھی۔ وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک اسی لمحے جھما کا ہوا تھا۔
کھڑکی کے شیشے ایک زوردار آواز کے ساتھ ٹوٹے تھے اور اس کی چیخ نکل گئی تھی......!
مژگان کی چیخوں کی آواز سن کر یک دم ہی سب جاگ گئے تھے اور اٹھ کر فوراً ہی اس
کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔
وہ مسلسل اسی طرح چیخ رہی تھی۔ انداز ہذیانی تھا۔ گرینی، زینب بی بی اور گھر کے دیگر
ملازم ایک ہی جست میں اس کے کمرے میں تھے۔
"کیا ہوا میری بچی.... کیا ہوا؟" گرینی اور زینب بی بی نے اسے سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

وہ مارے خوف کے گرینی سے لپٹ گئی۔

''گرینی...... وہ...... وہاں کوئی تھا۔ وہاں کوئی تھا!'' وہ حواس باختہ انداز میں کھ طرف اشارہ کرنے لگی جس کے شیشوں کے ٹکڑے ٹوٹ کر پورے کمرے میں بکھرے تھے۔ ''گرینی! وہاں کوئی تھا۔ وہ مجھے مارنا چاہتا تھا۔ گرینی! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ میں خوفزدہ ہوں۔ میں جینا چاہتی ہوں گرینی!'' وہ ان سے لپٹ کر کسی خوفزدہ سے بچے کی رو رہی تھی جیسے کوئی معصوم سا بچہ خوفزدہ ہو کر ماں کی آغوش میں چھپ جاتا ہے۔

اور کبھی کبھی واقعی ہم کس قدر خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ ہر شے سے ڈرنے لگتے ہیں شے سے خوفزدہ ہونے لگتے ہیں۔ حتیٰ کہ خود اپنے آپ سے بھی۔ اپنے سائے سے بھی پتہ بن جاتا ہے جو لمحہ لمحہ لرزتا رہتا ہے۔ اور ایسے میں واقعی ہمیں کسی بھی ''پناہ'' کی کتنی ش سے تلاش ہوتی ہے۔

اس خطرے سے بچنے کے لئے ہم کیسے خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف تکتے ہیں او کوئی محفوظ جگہ ملتے ہی فوراً خود کو چھپا لیتے ہیں اور ایسے میں کبھی اندر کا خوف واقعی ہونے لگتا ہے۔ ہم خود کو محفوظ تصور کر کے کبھی کبھی واقعی بہت اطمینان محسوس کرتے ہیں۔ کبھی کبھی بے اطمینانی مزید بڑھ بھی جاتی ہے۔ اندر کا خوف سوار ہو جاتا ہے۔ یہ بات شع اور بے شعوری کی بھی ہے۔ کبھی کبھی ہمیں ''بچہ'' بن کر ان تمام خطرات سے ''نگاہیں'' پھیر اچھا بھی لگتا ہے۔ جب ہم بے شعوری کے مراحل سے گزر رہے ہوں یا پھر جب آگاہی در ہم پر وا نہ ہوں، ہم مکمل طور پر بے خبر ہوں۔ مگر کبھی کبھی شعوری قوت اپنی حدوں کو چھوتی ہے تو ہمیں مار جاتی ہے۔ کسی شے کی حد سے زیادہ آگاہی ہمیں فنا کر ڈالتی ہے او ''موت'' بڑی اذیت ناک ہوتی ہے۔ جب آپ کو ہر شے کے بارے میں ''ادراک'' ''علم'' ہو تو دھوکا کھانا مشکل ہوتا ہے۔

گرینی نے اسے اپنی آغوش میں چھپا لیا تھا مگر اندر کا خوف بدستور قائم تھا۔ وہ اب اسی طرح کانپ رہی تھی۔

''کچھ نہیں ہے، فقط وہم ہے تمہارا۔ گیٹ پر دو چوکیدار موجود ہیں۔'' گرینی نے اس مطمئن کرنا چاہا۔ ''جسٹ ریلیکس۔ کچھ نہیں ہوا۔ بجلی کڑکی تھی، شاید اسی کے باعث کھڑکی شیشے بھی ٹوٹ گئے۔''

زینب بی بی بھی متواتر اس کے شانوں کو تھامے حوصلہ دے رہی تھیں۔

''نہیں..... وہاں تھا کوئی۔ وہ ضرور مجھے مارنا چاہتا تھا۔ وہ مجھے مار دے گا۔'' وہ رونے لگی

''میری بچی! کچھ نہیں ہے۔ کوئی نہیں تھا وہاں۔ باہر گیٹ پر بہرام بھی موجود تھا۔ کوئی کیسے اندر آ سکتا تھا؟'' زینب بی بی نے بھی اسے مطمئن کرنا چاہا مگر وہ نفی میں گردن ہلاتی چلی گئی۔

اور تب گرینی اور زینب بی بی کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کس طرح مطمئن کریں۔ بس گرینی چپ چاپ اس کا سر تھپکتی رہیں اور زینب بی بی اس کے سرہانے بیٹھی تکتی رہیں۔

✿......✿

بے بے کی طبیعت کچھ سنبھلی تھی۔ بخار بھی قدرے کم تھا۔ وہ ان کو دوا دیتے ہوئے اب خاصی مطمئن سی تھی۔

''شکر ہے بے بے! تیرا بخار ٹوٹا۔ ورنہ میرا دل تو جیسے کچھ دنوں میں واقعی بند ہو جاتا۔'' سیو کے لہجے میں بے بے کے لئے محبت ہی محبت تھی۔

''کب تک تو مجھے کڑوی کسیلی دوائیاں پلاتی رہے گی؟'' بے بے کی آواز نحیف اور انداز اُکتایا ہوا تھا۔ مگر سیو مسکرا دی تھی۔

''جب تک تو بھلی چنگی نہیں ہو جاتی۔ مجھے میری ویسی ہی بے بے چاہئے ڈانٹتی ڈپٹتی، کام کاج کرتی، بھاگتی دوڑتی، ایک دم تندرست اور صحت مند۔ بس اب جلدی سے ٹھیک ہو جا۔ مجھ سے نہیں ہوتے اتنے سارے کم (کام)۔ کر (گھر) کو دیکھوں، حویلی کے سو سو بکھیڑے۔ سچ بے بے! یہ بس تیرا ہی دردِ سر ہے۔ کتنے دنوں سے میں تو اپنی سہیلیوں کو بھی نہیں ملی۔ شاجی کی شادی کی رسمیں ہو رہی ہیں، ساری سکھیاں سہیلیاں روز رات کو ڈھولک پر گیت گاتی ہیں۔ ہلا گلا کرتی ہیں اور میں شامل ہی نہیں ہو سکی۔'' وہ بے بے کے سر کو دباتی ہوئی بولی تو بے بے اسے محبت سے دیکھنے لگی۔

''اگر مجھے کچھ ہو گیا تو فیر (پھر) کیا کرے گی؟''

اور اس نے اسی لمحے فوراً ہی بے بے کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ ''اللہ نہ کرے۔ تیری بلا میں نہ مر جاؤں؟''

''میں نے تو اپنی عمر بسر کر لی ہے۔ تجھے تو ابھی بہت کچھ دیکھنا ہے۔'' بے بے نقاہت سے بولی تھیں۔ وہ جلدی سے بولی۔

''بس اب ایسی بات نہ کرنا۔ تجھے اتنے دنوں سے بستر پر پڑے دیکھ کر پہلے ہی مجھے ہول آ رہے ہیں۔ بس چھیتی چھیتی ٹھیک ہو جاؤ اب۔'' وہ اس انداز سے بولی کہ بے بے بیماری اور نقاہت کے باوجود مسکرا دیں۔

''ہلاہ...... مگر تو پریشان مت ہو۔''

"بے بے! تو میری جند جان ہے۔" اس کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی بے بے
لئے۔ بے بے نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھ دیا تھا۔

"میری گڈی کی دعائیں ہیں میرے ساتھ۔ مجھے کچھ نہیں ہو سکتا۔"

تبھی اکبر اندر داخل ہوا۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی؟"

"ویرا! میں بے بے کا دھیان بٹا رہی تھی۔ پتہ ہے، بے بے اتنی بری بری دل ہلا دینے و
باتیں کر رہی تھیں۔ مجھے تو خوف آ رہا تھا۔" وہ مڑ کر بھائی کو بتانے لگی۔ وہ قریب چلا آیا۔

"بے بے! ہماری جان ہے تو۔ تجھے کچھ نہیں ہونے دیں گے ہم۔ دو چار دن میں آر
نہ آیا تو شہر لے جاؤں گا۔ بڑے بڑے ڈاکٹروں کو دکھاؤں گا۔"

"لے، میں کون سی بہت زیادہ بیمار ہوں۔ معمولی سا موسمی بخار ہی تو ہے۔ حکیم کی
سے آرام ہو ہی جائے گا۔" بے بے نے کہا۔ تب ہی سیو بولی۔

"ویرا! وہ نال (ساتھ) والے پنڈ میں کوئی ڈاکٹر ہے جس کے ہاتھ میں بلا کی شفا ہے
وہ نگو بتا رہی تھی اس کی ماسی بڑی بیمار تھی، اسے وہیں سے شفا ملی ہے۔"

"تم احتیاط سے یہ دوائیاں دو۔ شام میں فارغ ہو کر آؤں گا تو لے کر ضرور جاؤں گا
ابھی فی الحال جلدی سے کھانا لے آؤ۔ بہت بھوک لگی ہے۔ ویسے پکا کیا ہے؟"

"سرسوں کا ساگ بنایا تھا۔ پتہ ہے ناں آپ کو بہت پسند ہے۔ بے بے سے بھی
فرمائشیں کر کے بنواتے ہیں۔" سیو مسکراتے ہوئے بولی۔

"مگر ساتھ مکئی کی روٹی تو نہیں بنائی ہو گی جیسے بے بے بناتی ہے۔" وہ پلٹ کر پوچھنے
تو وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ بھول رہے ہیں۔ بے بے کی سیٹ (جگہ) مکمل طور پر میں نے سنبھالی ہوئی
ان دنوں۔"

مسکراتی ہوئی وہ باہر نکل گئی تھی۔ اکبر نے بہن کی طرف دیکھا تھا پھر پلٹ کر بے بے
طرف دیکھنے لگا تھا۔ بیماری کے باعث ان کی حالت لاغر سی ہو رہی تھی۔ چہرے کی رنگت
بدل سی گئی تھی۔ وہ دیکھے گیا، پھر دھیرے سے ان کی پیشانی پر ہاتھ دھر دیا۔ بخار اب بھی
وہ ہولے ہولے ان کا سر دبانے لگا تھا۔ بے بے شاید دوا کے زیر اثر آنکھیں بھینچ کر سو گئی تھیں

✿......✿

ادعیہ آج جب گھر لوٹی تو پہلی دفعہ اسے شعاع کے چہرے پر ایک سکون کی سی کیفیت نظ

آئی۔ بیگ اور فائل ایک طرف ڈالتے ہوئے وہ بیڈ پر تقریباً گر سی گئی تھی۔ پھر اسی طرح
ہاتھ بڑھا کر پاؤں کو سینڈل کی قید سے آزاد کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"خیریت؟ کیا آج فرحان بھائی کا دیدار ہو گیا ہے؟" شدید تھکن کے باوجود بھی وہ
چھیڑنے سے باز نہیں آئی تھی۔ حالانکہ اچھی طرح جانتی تھی کہ بات کوئی اور تھی۔ شعاع کھلکھلا
کر ہنسنے لگی۔

"تم کھانا کھا لو، پھر بتاتی ہوں۔"

"مجھے بھوک نہیں۔ تم بتاؤ۔" ادعیہ نے بالوں میں سے کلپ نکالا اور بے حد مطمئن انداز
میں نیم دراز ہو کر دھیرے دھیرے اپنے سر کو دبانے لگی۔

"مجھے جاب مل گئی ہے۔" شعاع نے مسکراتے ہوئے یوں بتایا جیسے کسی بہت بڑے
خزانے کی کنجی ہاتھ لگ گئی ہو۔

"اوہ..... کیا واقعی؟" ادعیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس طرح طنز تو مت کرو۔"

"میں طنز تو نہیں کر رہی۔" وہ ہنس پڑی۔

"مگر تمہارا انداز بھی تو ایسا ہی ہے۔"

"ارے نہیں۔" وہ مسکرا دی۔ "اب یقیناً سارے مسئلے حل ہو جائیں گے۔" تبھی شعاع
اسے چپ چاپ دیکھنے لگی۔ وہ ہنس پڑی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟"

"یہی کہ کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہوتا ہے۔"

"ٹھیک کہتی ہو۔" ادعیہ نے سر ہلایا، پھر بولی۔ "امی کو بتایا ہے؟"

"ہاں۔" شعاع نے سر ہلایا۔

"اور انہوں نے کیا کہا؟" ادعیہ نے اس کے تاثرات جاننے کے لئے اس کے چہرے کو
تکا مگر وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ تب ہی وہ بولی۔

"اور فرحان بھائی کو تم نے یہ خوش خبری نہیں سنائی؟"

"ادعیہ! تم میرے ہاتھوں قتل ہو جاؤ گی۔" شعاع جیسے تمام تر کیفیات پر قابو پاتے
ہوئے بولی تو وہ جواب میں مسکرا دی۔

"سوچو مت، کر گزرو...... نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔ ویسے ممانی صاحبہ کے تیور
جس طرح نظر آ رہے تھے اس سے بخوبی اخذ کیا جا سکتا تھا کہ ان کو اپنی ہونے والی بہو کی در

در خواری منظور نہیں۔"

"تو نہ ہو، اب ان لوگوں کے لئے کیا ہم جینا چھوڑ دیں؟" وہ جیسے پھٹ پڑی۔

"شعاع! ہم جئیں یا نہیں، یہ ایک الگ بات ہے۔ یہاں فی الحال سب سے اہم ا تمہاری آنے والی زندگی کی بھی ہے۔ جب تمہارے سسرال کو یہ پسند نہیں تو تمہیں یہ قدم نہ اٹھانا چاہئے۔"

"ادعیہ! تم پھر مجھے خود سے الگ کر رہی ہو۔ کیا صرف میری ذات اہم ہے؟ تم ر اہم نہیں ہو؟" شعاع کا لہجہ انتہائی الجھا ہوا تھا اور وہ جانتی تھی مزید بحث کا انجام کیا ہوا تبھی بغیر کچھ مزید کہے دھیرے سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"اوکے۔ آفس جوائن کب سے کر رہی ہو؟" اور وہ جواب میں خاموشی سے اسے دیکھ رہ گئی۔ تبھی ادعیہ اٹھ کر اس کے قریب آن بیٹھی تھی، پھر اس کے شانوں پر دھیرے سے ہا رکھتے ہوئے اس کے چہرے کی سمت دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ "میری تمام نیک خواہش تمہارے لئے ہیں۔"

شعاع نے اس کی سمت دیکھا تھا، اس کے چہرے پر دھیمی سی دوستانہ مسکراہٹ تھ جواب میں شعاع بھی دھیرے سے مسکرا دی تھی۔ تبھی رانیہ کھانے کی ٹرے اٹھائے آ گئی تھ

"لیجئے جناب! گرما گرم کھانا تیار ہے۔" اس نے با آواز بلند کہا تھا۔

"مجھے تو بھوک نہیں۔" ادعیہ فوراً بولی تھی۔

"مگر شعاع آپی نے تو آپ کے انتظار میں کھانا نہیں کھایا۔" رانیہ نے مطلع کیا تو ا نے جھٹ رانیہ کے ہاتھ سے ٹرے لے لی۔

"تم دیکھو، میرے ٹیوشن والے تو نہیں آئے؟"

ادعیہ بولی تو رانیہ سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

✿......✿

اس نے بوجھل آنکھوں کو کھول کر بمشکل دیکھا تھا۔ کمرہ بے حد ویران تھا۔ ہمیشہ کی طر ایک سکوت میں لپٹا ہوا۔ اس نے زبردستی آنکھیں کھول کر اردگرد دیکھا تھا، پھر اٹھ بیٹھی تھ سر بے حد بوجھل ہو رہا تھا۔ سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے اس نے اردگرد نگاہ ڈا سویرا ہو چکا تھا۔ پردوں سے روشنی چھن چھن کر ایک روشن صبح کا پتہ دے رہی تھی۔

وہ کمبل ایک طرف ہٹا کر اٹھی تھی۔

قدموں میں جانے کیوں لرزش سی تھی۔ وہ بمشکل کھڑکی تک پہنچی تھی، پھر ہاتھ بڑھا

پردے ایک طرف ہٹا دیئے تھے۔ ایک چمکیلی روشنی نے اس کی آنکھوں کو جیسے خیرہ کر دیا تھا۔

اس نے یکدم ہی آنکھوں پر ہاتھ دھر لیا تھا۔ پھر بہت آہستہ آہستہ ہاتھ ہٹائے تھے۔ سارے منظر کتنے واضح تھے۔ ہر طرف ایک روشن چمکیلی صبح پھیلی ہوئی تھی۔

مژگان نے چاروں طرف پھیلی روشنی کو تکا تھا، پھر ایک گہرا سانس خارج کرتی ہوئی اپنے اندر نئی توانائیاں محسوس کر رہی تھی۔

رات واقعی کس قدر خوفناک تھی۔

اندھیرا واقعی بہت خوفزدہ کرتا ہے۔

"شکر ہے صبح روشن ہے۔" وہ زیرلب کہتی ہوئی وہیں دیوار کے ساتھ سر ٹکا کر سارے منظروں کو بغور دیکھنے لگی تھی۔

ایک روشن رو پہلی صبح چار سو پھیلی کیسے ایک نئی زندگی کا پتہ دے رہی تھی۔

"واقعی روشنی منزل کا پتہ دیتی ہے۔" وہ زیرلب بولی تھی۔ تبھی کھٹکا سا ہوا تھا۔ اس نے یک دم ہی چونک کر دیکھا تھا۔ گرینی ناشتے کی ٹرے اٹھائے ہوئے مسکراتی ہوئی اس کی طرف تک رہی تھیں۔

"کیسی ہے اب ہماری بچی؟" انہوں نے قریب آ کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ وہ دھیمے سے انداز میں مسکرا دی اور ساتھ ہی سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ویٹس گریٹ۔" وہ مسکرائیں۔ پھر پلٹ کر ناشتے کی ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہنے لگیں۔ "صبح کا منظر دلکش ہے نا؟"

"ہوں!" وہ دھیمے انداز میں مسکرائی، پھر پلٹ کر چلتی ہوئی ان کی طرف بڑھ آئی۔ "صبح کا منظر واقعی کتنا دلکش اور حسین ہوتا ہے نا۔ روشنی کتنے اندھیروں کو مٹاتی ہے۔ کتنی نویدوں کی پیامبر بنتی ہے۔"

"ہر سیاہ رات کے اندھیروں کو ہم اسی لئے ہنس کر برداشت کرتے ہیں کیونکہ ہمیں یقین ہوتا ہے کہ اس کے بعد ایک روشن اور چمکیلی صبح ہماری منتظر ہو گی۔" گرینی نے کپ اسے تھمایا تو وہ پُرسوچ انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"مگر کبھی کبھی اندھیرا بہت طویل بھی تو ہو جاتا ہے نا!"

"اندھیرا کتنا بھی طویل کیوں نہ ہو، ایک روشن صبح ضرور ہماری منتظر ہوتی ہے۔ اندھیرا مٹ جانے کے لئے ہوتا ہے کہ چاہے کتنا بھی گہرا کیوں نہ ہو، روشنی کی ایک لکیر سارے اندھیرے کو مٹا ڈالنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔" گرینی نے اپنے مخصوص دھیمے انداز میں

مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ان کی طرف بغور دیکھنے لگی۔

''مگر گرینی! بعض اندھیرے نہیں بھی تو مٹتے۔ روشنی آتی بھی ہے تو بہت مختصر عرصے لئے۔ وہ اندھیرے جوں کے توں چھائے رہتے ہیں۔ اندھیرا مٹتا بھی ہے تو بہت کم عر کے لئے۔ اور بعض اوقات تو اندھیرے مٹتے ہی نہیں۔ روشنی ملتی ہی نہیں۔''

''نہیں، روشنی ہوتی ہے اور ملتی بھی ہے۔ خدا نے سارے نظام کو بہت منظم بنایا ہے۔ ا کے ہاں دیر ہے، اندھیر نہیں۔'' گرینی نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

''مگر......'' اس نے بولنا چاہا۔ تبھی گرینی بول اٹھیں۔

''اوں ہوں! فلسفہ بہت ثقیل شے ہے اور ناشتے میں اتنی ثقیل اشیاء کو نوش نہیں کرتے۔ ناشتہ ہلکا پھلکا ہی ہونا چاہئے۔ ہضم ہونے میں دقت پیش نہیں آتی۔'' گر مسکراتے ہوئے بولیں تو وہ مسکرا دی اور چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

''گڈ!'' گرینی اس کے مسکرانے پر بولیں۔ ''صبح صبح مسکرانے سے صحت پر بہت ا اثر پڑتا ہے۔ طبی نقطہ نگاہ سے بھی یہ طریقہ کار بہت مفید ہے۔ بائے دی وے آج کا پروگر کیا ہے؟''

''پروگرام...... پروگرام تو کوئی نہیں۔ وہی ہمیشہ کی طرح عام سی روٹین ہے۔ ہاں، دنوں سے ہاسپٹل کا سلسلہ بھی روٹین میں شامل ہو گیا ہے۔ آج بھی وہاں جانا ہے۔ پھر انسپکٹر حفیظ بیگ کی طرف ایک چکر لگا لوں۔''

''کچھ حاصل ہوا اس طویل انوسٹی گیشن سے؟''

''اوں ہوں...... ابھی تو نہیں۔ مگر شاید کچھ حل نکل ہی آئے۔''

''اور وہ نوجوان اب کیسا ہے؟'' گرینی نے پوچھا تو وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''پہلے سے بہت بہتر۔ عنقریب شاید وہ ڈسچارج ہو جائے۔''

''ویٹس گڈ!'' گرینی جواباً بولیں۔ تبھی سائیڈ ٹیبل پر دھرا فون سیٹ بجنے لگا۔ اس جانے کیوں اٹھ کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ یونہی گھنٹیاں بجتی رہیں۔ تبھی گرینی نے ت کرتی نظروں سے اس کی سمت دیکھا تھا۔ اس کے پیش نظر اس نے آگے بڑھ کر فون سیٹ آنے والی کال کا نمبر دیکھا تھا اور پھر کال ریسیو کئے بغیر واپس پلٹ کر واش روم کی طر بڑھ گئی تھی۔

فون کی گھنٹی اب بھی مسلسل بج رہی تھی اور اس لمحے گرینی نے قطعی یہ جاننے کی کو نہیں کی تھی کہ مژگان نے فون کال کیوں ریسیو نہ کی تھی۔ انہوں نے واش روم کے

دروازے کو ایک نظر دیکھا تھا، پھر ٹرے اٹھا کر کمرے سے نکل آئی تھیں۔ فون کی گھنٹی اب بھی مسلسل بج رہی تھی۔

''قصور سیّد صاحب! آپ کا بھی ہے۔'' گرینی فقط اسی قدر سوچ سکی تھیں۔

✿......✿

دوسرے گاؤں کے ڈاکٹر سے دوا لی گئی تھی اور واقعی خدا نے اسے شفا دے دی تھی۔ بے بے کا بخار بھی دوسرے ہی دن اتر گیا تھا۔ مگر نقاہت اور کمزوری کے باعث وہ اب بھی بستر پر ہی تھیں۔ مگر یہ تھا کہ اب سیو اور اکبر کے چہرے پر قدرے اطمینان سا نظر آنے لگا تھا۔

''شکر ہے خدا کا بے بے کا بخار اتر گیا۔'' بے بے کا سر دباتی ہوئی وہ بولی تو تب ہی اکبر بولا۔

''خدا کا شکر کرو۔ یہ درست اور واجب ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر کی دوائیوں کا استعمال مسلسل جاری رکھنا ہو گا۔ اور یہ تمہاری ڈیوٹی ہے کہ تم انتہائی ذمے داری کے ساتھ بے بے کو تمام دوائیاں دیتی رہو۔''

''ہاں، مجھے یہ تو پتہ ہے۔ مگر بھائی! اس کے ساتھ ہی آپ بے بے کے لئے شہر جا کر تازہ پھل وغیرہ بھی لے آئیے گا۔''

''لو، جیسے مجھے پھل کھا کر بڑا ہونا ہے نا۔'' بے بے فوراً بولیں تو سیو مسکرا دی۔

''لے...... پھل بھلا کوئی بڑے ہونے کے لئے کھائے جاتے ہیں؟ ہم تو اپنی بے بے کو جوان اور چاق و چوبند دیکھنا چاہتے ہیں۔''

تبھی قریب ہی حقہ گرم کرتے ہوئے چاچا بولے تھے۔ ''پتر! سیانے کہتے ہیں، گئی جوانی فیر نئیں آندی چاہے لکھ خوراکاں کھائیے۔ (گئی جوانی پھر واپس نہیں پلٹتی چاہے لاکھ خوراکیں کھاتے رہیں۔)

اکبر اور سیو ہنسے اور ہنستے ہی چلے گئے۔ ''مگر چاچا! دیکھنا، ہم اپنی بے بے کو کھلا کھلا کر جوان کر لیں گے۔'' سیو نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''یوں بھی میری بے بے کوئی بوڑھی تو نہیں ہے۔''

''ہاں، بیچارا چاچا تو بڈھا ہے نا پترے!'' چاچا نے مسکراتے ہوئے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

''خیر بڈھے تو تم بھی نہیں۔ میری بے بے اور چاچے کی جوڑی تو اب بھی لاکھوں میں ایک ہے۔ کیوں ویرے؟'' اس نے کہہ کر ساتھ ہی بھائی کی رائے بھی دریافت کی۔

''تو اور کیا۔ ہماری بے بے اور چاچے کی جوڑی کا تو اب بھی جواب نہیں۔'' وہ اٹھا اور

ٹوکے کے قریب جا کر کھڑا ہوا اور جانوروں کے لئے چارا کاٹنے لگا۔
''چلئے لوکے! اُٹھ بیٹھ اب۔ بچوں کو تو زیادہ پریشان نہ کر۔'' چاچا نے حقے کا کش لیتے ہوئے بے بے سے کہا۔
''چاچا! ہماری بے بے ہمیں کوئی پریشان وریشان نہیں کرتی۔'' اکبر نے جھٹ محبت سے کہا تو چاچا ہنسنے لگے۔
''ماں کی محبت بڑی شے ہے بھئی۔'' ان کے لہجے میں رشک ہی رشک تھا۔ بے بے نقاہت کے باوجود مسکرا دیں۔
''ظاہر ہے ماں، ماں ہوتی ہے۔''
''اور باپ کی تو کوئی قدر ہی نہیں جیسے۔'' چاچا مسکرا رہے تھے۔
''ارے چاچا! چھڈیں ساری باتیں۔ ہمیں آپ دونوں سے ہی بہت محبت ہے۔ آخر اِک تو ہماری بے بے ہے اور اِکو اِک چاچا ہے۔'' سیو نے مسکراتے ہوئے کہا تو بے بے اور چاچا ہنسنے لگے۔
''لے کملی کہیں کی۔ اور بھلا لوگوں کے دس دس بے بے، چاچا ہوتے ہیں۔'' بے بے اپنے بچوں کی محبت پر سرشار سی ہو کر بولی تھیں۔
''بے بے! اور لوگوں کے بھلے دس دس بے بے چاچا ہوں یا بیس بیس، ہمیں اس سے کوئی واسطہ ہے نہ سروکار۔ ہمیں تو صرف اپنے چاچا اور بے بے عزیز ہیں۔'' سیو نے بے بے کی طرف محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو چاچا بولے۔
''پترے! اللہ بخشے ہمارے بزرگوار کہا کرتے تھے، اولاد ہو تو نیک ہو۔ ماں باپ کے دس ہزار گناہ ڈھل جاتے ہیں۔''
''اور ماں باپ سر پر سلامت رہیں تو اولاد کی تقدیر سنور جاتی ہے۔ رب حیاتی دے ہمارے بے بے، چاچا کو۔'' اکبر نے تیزی سے چارا کاٹتے ہوئے کہا تھا۔ تب ہی بے بے بولی تھیں۔
''پترا! ہم نے تو اپنی اپنی عمریں جی لیں، اب تو تم لوگوں کے جینے کا وقت ہے۔ رب تم دونوں کو ہماری حیاتی کے دن بھی لگا دے۔''
''نہ بابا نہ...... ہمیں نہیں جینا ایسی عمر۔ سوہنا رب آپ دونوں کو سلامت رکھے۔ ہمارے لئے یہی دنیا کی سب سے بڑی خوشی اور دولت ہے۔ ساری دنیا کے خزانے ایک طرف اور ہماری بے بے اور چاچا کا شفیق سایہ ایک طرف۔'' سیو بولی تو چاچا حیرت سے اس کی طرف

دیکھنے لگے۔
''ارے ہماری جھلی رانی تو بہت وڈی وڈی باتیں کرنے لگی ہے۔ اتنی سیانی اور سمجھدار ہو گئی ہے۔'' اور سیو اپنی تعریف پر سرشاری سے مسکرا دی تھی۔

✿......✿

شام خاصی ملگجی سی ہو چلی تھی جب وہ تھکی ماندی گھر میں داخل ہوئی۔ ہلکی سی چہل پہل پر وہ چونکی۔ تب ہی سامنے سے آتی ہوئی رانیہ مل گئی۔
''خیریت؟'' وہ یہی سمجھی تھی، شعاع کے سسرال میں سے کوئی آیا ہو گا۔
''دادی اماں آئی ہیں۔''
''کیا......؟'' خلافِ معمول جواب پا کر وہ قدرے چونک سی گئی۔ ''خیریت......؟''
''ہوں!'' رانیہ نے سر ہلایا، پھر کچن کی سمت مڑ گئی اور وہ پل کی پل میں حیران ہوئی تھی۔ دوسرے ہی لمحے نارمل سی ہو کر آگے بڑھنے لگی تھی۔ تھکن اس قدر تھی کہ جی فوراً کمرے میں جانے کو چاہ رہا تھا مگر یہ بھی مناسب نہ تھا کہ وہ دادی اماں کو سلام نہ کہتی۔ ساری ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے قدم ڈرائنگ روم کی طرف بڑھا دیئے۔
''السلام علیکم!'' اس نے بغیر کسی تخاطب کے کہا تھا۔ تب ہی دادی اماں اور اعصار سمیت امی اور شعاع نے بھی اس کی سمت دیکھا تھا۔
''وعلیکم السلام! کیسی ہے میری بچی۔''
''جی ٹھیک ہوں۔'' اس نے وہیں دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے ہوئے جواب دیا تھا۔
وائٹ شلوار دوپٹے پر نفیس سے چھوٹے پرنٹ والی بلیک شرٹ، شولڈر پر سیاہ لیدر کا بیگ، ہاتھوں میں سیاہ فائل، نازک گندمی پیروں میں نازک اور نفیس سی فلیٹ میرون سینڈل، چہرے پر بے تحاشا تھکن کے آثار، بہت رف سے انداز میں بالوں کو کلپ میں مقید کئے وہ انتہائی گھریلو سے انداز میں تھی۔ اعصار شیخ کی نظروں نے لمحہ بھر میں اس کا مکمل جائزہ لے لیا تھا۔
''بیٹا! ادھر آؤ۔ بیٹھو میرے پاس۔'' دادی اماں نے محبت سے کہا تو وہ جانے کیوں انکار نہ کر سکی اور آگے بڑھ آئی۔ دادی اماں نے اپنے قریب اس کے لئے جگہ بنائی۔
''کیسی پیلی رنگت ہو رہی ہے۔ بہو! تم میری بچی کا خیال نہیں رکھتیں؟''
''اماں! اسے خود اپنی فکر نہیں۔ آج کل کی اولاد کی یہی تو بات بری ہے۔ بزرگوں کی مانتی ہی نہیں۔ میں لاکھ منع کرتی رہی مگر اس نے خود کو جیسے مشین بنا لیا ہے۔ نہ کھانے کا ہوش ہے نہ آرام کی فکر۔ صبح یونیورسٹی، وہاں سے واپسی پر سیدھی کوچنگ اور پھر گھر میں ٹیوشن۔ ایسے

میں یہ حال نہیں ہوگا تو پھر کیا ہوگا؟'' امی کے انداز میں اس کے لئے محبت ہی محبت تھی
دھیرے سے مسکرا دی۔ تب ہی وہ بولی۔
''دادی اماں! خالی اور فارغ انسان کا دماغ شیطان کا کارخانہ بن جاتا ہے۔ اس
کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہئے۔ مصروف رہنے سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ا
کے پاس فضولیات سوچنے کا وقت نہیں بچتا۔ دوسرے کوئی نہ کوئی کام کرتے رہنے سے
نشوونما ہوتی رہتی ہے۔ انسان کی صلاحیتیں انگریز ہوتی ہیں۔''
''ارے بھاڑ میں جائیں ایسی مصروفیات۔ کیسی زرد زرد سی رنگت ہو چلی ہے۔ کچھ ک
رہنا اچھی بات ہے مگر اپنا خیال بھی رکھنا ضروری ہے۔''
اس نے سر ہلاتے ہوئے یونہی سامنے نگاہ کی۔ وہ اس کی جانب بہت دلچسپی سے
ہوا مسکرا رہا تھا۔ تب ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
''دادی اماں! میں ذرا فریش ہولوں۔''
''اے کیوں نہیں بچی! میں تو کہنے ہی والی تھی۔'' دادی اماں کے کہنے کی دیر تھی، وہ
اور پرس اٹھا کر فوراً ہی باہر نکل آئی تھی۔
پھر جب وہ منہ پر بہت سے چھپاکے مار کر باہر نکلی تو رانیہ چائے رکھ رہی تھی۔
سے منہ پونچھتے ہوئے اس نے سائیڈ ٹیبل پر دھرے کپ کی جانب دیکھا تھا اور اس وقت
بے حد غنیمت لگا تھا۔ اس نے دوپٹہ ایک طرف رکھتے ہوئے کپ اٹھا لیا تھا اور پھر
ایزی انداز میں تکیے سے ٹیک لگا کر قدرے نیم دراز ہو کر چائے کے سپ لینے لگی تھی۔
ہی دروازے پر بہت دھیمے سے انداز میں دستک ہوئی تھی اور ساتھ ہی دستک دینے
نے دروازہ آہستہ سے کھول کر سر اندر ڈالتے ہوئے دریافت کیا تھا۔
''اندر آسکتا ہوں؟''
''ہوں......!'' اس نے سر ہلاتے ہوئے بادل نخواستہ اجازت دی تھی جیسے۔ اور سا
جلدی سے بیڈ کے کنارے پر پڑا ہوا دوپٹہ اٹھا کر شانوں پر ڈالا تھا اور پھر قدرے سید
کر ڈھنگ سے بیٹھ گئی تھی۔ وہ بڑے پُرتکلف انداز میں کھڑا اس تمام کارروائی کو بغور
تھا جیسے اس سے دلچسپ منظر پہلے کبھی نظر سے گزرا ہی نہ ہو۔
ادعیہ نے ان حضرت کے اس فعل پر فقط سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ تب ہی وہ مسکراتے
پوچھنے لگا تھا۔
''میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' اور اس سوال پر یقیناً اس کا دل پوری شدت

چاہا تھا کہ ہاتھ میں پکڑا ہوا کپ اس چھ فٹ سے بھی زیادہ دراز قد شخص کے سر پر دے
مارے مگر وہ پوری مروت اور انتہائی تمیز کے ساتھ نفی میں سر ہلاتی ہوئی اس کی سمت دیکھنے لگی
تھی جیسے کہہ رہی ہو۔ ''اگر آپ تشریف لے ہی آئے ہیں تو آپ تشریف رکھ بھی سکتے ہیں۔''
اور اعصار جیسے اس کی بولتی نظروں کا مفہوم جان گیا تھا۔ تبھی قدرے فاصلے پر دھری ہوئی چیئر
پر بیٹھ گیا تھا اور ساتھ ہی پوچھنے لگا تھا۔
''کیسی ہو تم؟''
اور وہ جو یقیناً جواب میں یہی کہنا چاہتی تھی کہ ''کیسی نظر آ رہی ہوں'' مگر اس کی بہکی
ہوئی ذہنی رو سے واقف تھی تبھی انتہائی محتاط انداز میں فقط سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا گیا تھا۔
''آپ نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے؟'' اس کی طویل خاموشی پر مسکراتے ہوئے اس نے
دریافت کیا تو وہ یکدم نفی میں سر ہلانے لگی۔ تبھی وہ دوستانہ انداز میں سنجیدگی سے کہنے لگا۔
''بہت تھک گئی ہو نا؟'' اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اس کی تمام تر تھکن، اس کا تمام تر کرب،
اس کی تمام تر پریشانیوں کو سمیٹ لینا چاہتا تھا، تمام دکھوں اور تمام مصائب کا جیسے لمحہ بھر میں
مداوا کرنا چاہتا ہو۔
ادعیہ نے لمحہ بھر کو نظر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا، پھر نظریں جھکتی چلی گئی تھیں۔
''ہوں، شاید......!'' وہ دھیرے سے بولی تھی۔ اور اس کے اس طرح کہنے پر وہ دھیمے
انداز میں مسکرا دیا تھا۔
''کیا مطلب، شاید...... کیا تمہیں اس کا صحیح ادراک نہیں ہے؟''
''بعض اوقات کئی چیزوں کے متعلق ہمیں ادراک نہیں بھی ہو پاتا۔''
''تمہارے خیال میں ایسا کیوں ہوتا ہے؟''
''شاید اس لئے کہ بعض اوقات کچھ چیزیں اپنی نوعیت میں کسی قدر مشکل ہوتی ہیں۔ ہم
ان کو سمجھنا بھی چاہیں تو سمجھ نہیں پاتے۔''
''اور بعض اوقات ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ شاید ہم ان چیزوں کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے؟'' وہ
یکدم ہی اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا تو وہ لمحہ بھر کو ساکت سی ہو کر اسے تکنے لگی، پھر شانے
اچکاتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی۔ جیسے کہہ رہی ہو۔
'میں اس کے متعلق قطعی کچھ نہیں جانتی۔'
اور وہ اس کی اس کیفیت پر مسکرانے لگا تھا۔
''مسکرا کیوں رہے ہو اب؟'' وہ بے ساختہ ہی پوچھ گئی تھی اور تب وہ اس کی سمت دیکھنے

لگا تھا۔

''کبھی کبھی انجان بننے میں بھی کتنا لطف آتا ہے نا۔'' اس کا جواب اس کی توقع کے برعکس تھا۔ تب ہی وہ اس کی سمت سے نظریں ہٹا کر یونہی چائے کے کپ کی سمت د تھی۔ تبھی وہ کہنے لگا تھا۔

''انسان میں جہاں اور بہت سے خواص ہیں، وہیں ایک لطف اندوزی کا شار بھی ہم بہت سے لوگوں کی بہت سی کیفیات سے محظوظ ہوتے ہیں۔ کبھی کسی کی اضطرابی سے، کبھی کسی کی بے قراری سے۔ بہت کچھ جانتے ہوئے بھی ناواقفیت کا مظاہرہ ہیں۔ انجان بننے کی ناکام کوشش کرتے ہیں اور.....''

''شاید تمہیں دادی اماں بلا رہی ہیں۔'' وہ یکدم ہی اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی وہ جہاں یکدم چپ ہوا تھا، وہیں دوسرے پل ہی اس کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی تھی۔

''بہت معصوم ہے تو اور زمانہ عیار
خدا کرے کہ تجھے شہر کی ہوا نہ لگے''

وہ بے حد محظوظ ہوتے ہوئے بولا تھا۔

اور اسی پل وہ مکمل اعتماد سے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ انداز تنبیہہ کر تھا۔ مگر وہ ہنسنے لگا تھا۔

''تشریف آوری کسی خاص مقصد کے تحت ہوئی ہے کیا؟'' وہ سلگتے ہوئے بولی تھی۔

''فی الحال تو نہیں۔ خدا کرے وہ ''خاص وقت'' بھی جلد آئے۔'' وہ خاصی گہری مسکر ہونٹوں پر سجائے کہہ رہا تھا اور وہ اس لمحے ہونقوں کی طرح سر اٹھائے اس کی سمت تک رہی تھی۔ پھر مزید سلگ کر بنا کچھ کہے دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

''تم دنیا میں میری سمجھ میں نہ آنے والی شے ہو۔'' وہ اسی قدر کہہ سکی تھی۔

''ہاں، میں مسئلہ فیثا غورث ہوں نا۔'' وہ بے ساختہ ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا اور تبھی بے حد کھولتی ہوئی اس کی سمت دیکھتی چلی گئی تھی۔

''عجیب شخص ہو تم۔ ہر بات کا الٹا جواب ہے تمہارے پاس۔''

''سیدھی باتیں آپ موصوفہ کی سمجھ میں آتی بھی کب ہیں۔ بائے دی وے، تشریف ا گی نا آپ بھی؟'' وہ جیسے مزید کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''کہاں.....؟'' وہ یکدم چونک کر تکنے لگی۔

''ہمارے غریب خانے پر۔''

''کس لئے.....؟'' اس کی حیرت بدستور قائم تھی۔ سیاہ آنکھوں میں حیرت لئے وہ اسی طرح اس کی سمت تک رہی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''ایسے مت دیکھو میری جانب۔ کم از کم میری نسبت سے کچھ نہیں ہو رہا۔ ایسے اچھے نصیب نہیں ہیں اپنے۔'' اس کا انداز اتنی حسرت و یاس لئے ہوئے تھا کہ وہ بے ساختہ ہی مسکرانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

''اتنا قلق ہے تو کچھ کر ڈالئے۔ منع کس نے کیا ہے؟''

''کرنے کو تو بہت کچھ کیا جا سکتا ہے، ہونے کو بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ مگر تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے اور یہاں مسئلہ یہ ہے کہ فقط ''ون وے'' ہے۔'' اور وہ جو اس کی بات پر مسکرا رہی تھی، تو اب یکدم ہی ہونٹ بھینچ کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''چھوٹے ہانی کی برتھ ڈے ہے۔ ضرور آنا۔'' وہ کہنے کے ساتھ ہی پلٹ کر باہر نکل گیا تھا اور وہ اس سمت کتنی ہی دیر تک اسی انداز میں دیکھتی رہی تھی۔

✿......✿

شاید یہ انسانی فطرت ہے۔

ہم کسی شے کی قدر تب کرتے ہیں جب وہ ہماری دسترس میں نہ ہو۔ سیانے ٹھیک کہتے ہیں۔ کسی بھی شے کی اہمیت کا اندازہ اسے پانے سے قبل اور کھونے کے بعد ہوتا ہے۔ جب ہم گنواتے ہیں تو اس کی اہمیت کی شدت سے واقف ہوتے ہیں اور یہ واجب اور درست ہے کہ ہم اسی شے کے پیچھے بھاگتے ہیں جو ہم نہیں پا سکتے اور پانا چاہتے ہیں۔ اور جب نہیں پا سکتے تو بہت سی ''نارسائیاں'' جنم لیتی ہیں۔ بہت سی خواہشیں دہلیزِ دل پر سر پٹختی ہیں۔ بہت سی امیدیں جلتی بجھتی ہیں۔

بہت سے ادھورے خواب آنسوؤں کے سمندر پر تیرتے رہتے ہیں۔

یہ تمام منظر کتنے کرب انگیز ہوتے ہیں۔

یہ فقط وہی جانتا ہے جو ان کیفیات میں سے گزر رہا ہو۔

سب کچھ ہونا اور کچھ نہ ہونا کیا ہوتا ہے۔

یہ کرب فقط وہ بھیگتی پلکیں جانتی ہیں۔

وہ یونہی بے دھیانی میں چینل بدلتی جا رہی تھی۔ جب زینب بی بی نے اسے دیکھا۔

''مژگان چندا.....!'' مگر وہ اتنی محو تھی کہ اس کی نظریں یونہی ساکت رہیں۔ تبھی زینب بی بی نے دھیرے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ چونک کر اس کی

طرف انتہائی حیرت سے دیکھنے لگی۔
اجنبی نظروں سے تکتی چلی گئی۔

"مژگاں...!" انہوں نے اس کا شانہ فکرمندی کے ساتھ ہلایا، تبھی وہ جیسے ہوش میں آ

"ٹھیک تو ہو نا تم...... کیا ہوا ہے؟" زینب بی بی نے تشویش سے پوچھا۔ تب وہ یکد
میں سر ہلانے لگی۔

"کہاں کھو جاتی ہو بیٹھے بیٹھے۔ میری تو جان نکل جاتی ہے۔" زینب بی بی کے لہجے
اس کے لئے اولاد جیسی محبت تھی۔ تبھی وہ ان کی جانب دیکھتی ہوئی دھیمے انداز میں مسکرا

"اور کتنا اچھا ہو اگر جو میں ہی کبھی کھو جاؤں۔"

"خدانخواستہ! کیسی باتیں کرتی ہو۔ اللہ سائیں حیاتی دے تجھے۔ میرے حصے کی بھی ع
دے تجھے۔"

"نہ اماں! ایسی دعائیں مت دو۔ یہاں کبھی کبھی ایک عمر گزارنا ہی محال ہوا کرتا
ہمارے اپنے حصے کے عذاب ہی اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ زندگی بوجھ لگنے لگتی ہے۔ ایسے
کسی اور کے حصے کی عمریں گزارنا بہت دُشوار ہی نہیں، کٹھن ترین مراحل میں شمار ہوتا ہے!
عذاب کم ہونے کی بجائے اور بڑھ جائیں۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو تم۔ میری تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔" زینب بی بی نے ا
ہوئے انداز میں کہا تو وہ عجیب سے انداز میں مسکرا دی۔ پھر ہنسنے لگی۔

"پاگل ہو گئی ہے؟" زینب بی بی نے اسے عجیب طرح سے ردعمل کرتے دیکھ کر کہا تو
ان کی جانب تکنے لگی۔ ہونٹوں پر بدستور مسکراہٹ قائم تھی۔

"نہ ہنسوں، چپ رہوں، تب بھی آپ کو اعتراض ہوتا ہے۔ اور اگر ہنسوں تب بھی آ
کو تشویش ہوتی ہے۔ آخر کروں تو کروں کیا؟"

"عام انسانوں کی طرح ہو جاؤ۔ بس یہی چاہتے ہیں ہم۔ سارے اندر کے ڈر خوف نکا
پھینکو۔ سارے وسوسے، ساری وحشتیں اتار پھینکو۔ وجود کو آزاد کر دو ان بندشوں سے۔"

"کاش! یہ سب ممکن ہوتا۔ میں بھی تو یہی چاہتی ہوں اماں! مگر یقین جانو! کہیں کوئی ا
سمندر نہیں ہے جو ان ثقیل چیزوں کو اپنے اندر مدغم کر سکے۔ کہیں نہیں ہے ایسا کوئی پانی ج
میں ہم اپنا تمام کرب بہا سکیں۔ شاید کہیں ہمارے اندر کا نمکین سمندر بڑھتا ہے اور بڑھتا
جاتا ہے۔ اور کون جانے کہ ان سمندروں میں کتنے سمندر ملتے ہیں، کتنے پانی ملتے ہیں ا
مدغم ہوتے چلے جاتے ہیں۔

اور کون جانے کتنے سمندر، کتنے سمندروں میں ملتے چلے جاتے ہیں۔ مگر درد پھر بھی گھٹتا
نہیں ہے۔ وحشتیں کم نہیں ہوتیں۔
خوف کم نہیں ہوتا۔
وسوسے ختم نہیں ہوتے۔
یہ ایسا سفر ہے کہ جس میں ہر شے کا گراف اوپر کی طرف جاتا ہے یا گہرائی کی طرف یا
پھر پھیلاؤ ہی پھیلاؤ۔
سارا وجود ڈوبتا ہے، ابھرتا ہے۔
مگر ساحل دور تلک کہیں نظر نہیں آتا۔
سمندروں کا یہ سفر بہت پُرخطر ہوتا ہے۔
مگر پھر بھی جانے کیوں ہم جیتے ہیں اور جیتے چلے جاتے ہیں۔ ہم ڈوبتے ہوئے بھی نہیں
ڈوبتے، مرتے ہوئے بھی نہیں مرتے۔"

"مژگاں! تو نے خود کو اتنا مشکل کیوں بنا لیا ہے؟" زینب بی بی کی آواز نے یکدم اسے
چونک کر دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ وہ دھیمے انداز میں مسکرا دی۔

"اماں! زندگی ہے ہی اتنی مشکل کہ ہم اس کے ساتھ ہی الجھتے چلے جاتے ہیں۔ ہم
آسان طلب ہوتے ہیں مگر زندگی آخرکار ہمیں مشکل پسند بننے پر مجبور کر دیتی ہے۔"

تبھی اماں نے اسے ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔

"چل اٹھ...... چھوڑ ان باتوں کو۔ ان موٹی موٹی کتابوں کو پڑھ پڑھ کر دماغ خراب ہو
گیا ہے تمہارا، اور کچھ نہیں ہے۔ جلدی سے تیار ہو جا، رہبان کی طرف جانا ہے آج۔" زینب
بی بی نے یاد دلایا تو وہ یکدم ہی وال کلاک کی جانب دیکھنے لگی۔

"گرینی کہاں ہیں؟"

"وہ تیار ہو رہی ہے۔"

"اوکے...... آپ بھی جلدی سے تیار ہو جائیں۔" وہ تیزی سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی
تھی۔

✿......✿

"ہائے ربا...... بے بے کو چھیتی چھیتی مکمل تندرست کر دے۔ ورنہ میں تو اس حویلی کے
اندر ہی چکراتی ہوئی ایک دن اللہ میاں کو پیاری ہو جاؤں گی۔" سیو نے بڑی مالکن کے
احکام کو پورا کرتے ہوئے لمحہ بھر کو سوچا تھا۔

کتنی بڑی حویلی تھی۔
کتنی راہداریاں۔
کتنے کمرے......

اور اس پر افتاد...... ڈھیروں ڈھیر مہمان اور ان سے منسلک ڈھیروں ڈھیر کام۔

اب بھی وہ انہی احکام کی بجا آوری میں اِدھر سے اُدھر سرگرداں تھی کہ چھوٹی بی طرف سے بلاوا آ گیا۔ اس نے انتہائی تھکے ہوئے انداز میں سر اٹھا کر مائی خیراں کی دیکھا تھا جو کہ اسے بلانے کے لئے آئی تھیں۔

''کملی! میں تینوں پئی کہندی آں۔'' (پاگل لڑکی! میں تمہیں کہہ رہی ہوں) مائی نے اسے اپنی جانب قدرے حیرت سے تکتا پا کر کہا تو وہ صابن والے ہاتھ دھو کر دو کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔

''او مائی گاڈ! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے۔ سارے کپڑے بھیگے ہوئے ہ کائنات نے اسے دیکھتے ہی چونکتے ہوئے کہا تو وہ سر جھکا کر رہ گئی۔

''وہ جی میں کپڑے دھو رہی تھی۔''

''مجھے تو تم سے اپنے کمرے کی ڈسٹنگ کروانا تھی۔ مگر خیر کل کر لینا۔'' کائنات نے اس پر ترس کرتے ہوئے کہا تو وہ یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی۔

''نہیں...... نہیں جی، میں کر دیتی ہوں۔'' مگر کائنات بی بی نے شاید سنا نہیں۔ کیو اسے منع کرنے کے ساتھ ہی ''واک مین'' کانوں پر لگا کر میوزک سے محظوظ ہونے لگی اس نے قالین پر اِدھر اُدھر جا بجا کیسٹس اور سی ڈیز کو دیکھا تھا جن میں سے یقیناً کائنات اپنی مطلوبہ من پسند شے ڈھونڈنے میں مصروف تھی۔ وہ کپڑا اٹھا کر خاموشی سے ڈ کرنے میں مصروف ہو گئی تھی۔

تبھی دروازہ کھلا اور مائی خیراں نے اندر جھانکا تھا۔

''سیو! تینوں وڈی مالکن بلاندی پئی اے۔'' (سیو! تمہیں بڑی مالکن بلا رہی ہیں) کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر غائب ہو چکی تھیں۔

سیو نے بادل ناخواستہ نظریں اٹھا کر چھوٹی بی بی کو دیکھا تھا، وہ پورے انہماک سے ویسٹرن میوزک سننے میں مصروف تھیں۔ وہ اپنا تھکن زدہ وجود لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''اے لڑکی!'' قدم ابھی دروازے سے باہر رکھا ہی تھا کہ آواز بجلی کی سی سرعت لئے کی سماعتوں سے ٹکرا گئی۔ آواز میں اتنا رعب تھا کہ اس کا دل جیسے اچانک ہی سینے میں

ہونے کو تھا۔ اس نے دوپٹے کو یکدم ہی چہرے کے گرد لپیٹ لیا تھا اور تب آہستہ سے پلٹ کر دیکھا تھا۔

وہی شہزادوں جیسی آن بان شان رکھنے والا شخص عین اس کے سامنے کھڑا تھا۔

اس نے بلا ارادہ اس کی سمت دیکھا تھا اور پھر نظریں جھکتی چلی گئی تھیں۔ مقابل کا رعب دار سراپا ہی ایسا تھا کہ دل دیکھتے ہی ساکت ہونے لگے۔

دھڑکنیں تھمنے لگیں۔

اور وہ تو ادنیٰ سی کنیز تھی۔

کہاں تھی اس میں اتنی ہمت کہ وہ مقابل کے سامنے ڈٹ کر کھڑی رہتی یا پھر نظروں میں نظریں ڈال کر اسے روکنے یا پکارنے کا سبب دریافت کرتی۔ اس کی حیثیت مختلف بھی ہوتی تو شاید وہ جرأت پھر بھی نہ کر پاتی کہ مقابل تنے کھڑے شخص کے تیور اور انداز انتہائی بارعب تھے۔ کسی فاتح کی طرح کا سا غرور اس کے انداز میں نمایاں تھا۔ آنکھوں کی چمک ایسی تھی کہ نظریں ملانے کی بات تو دور، دیکھنے کی سکت بھی ناپید تھی۔

اونچا لمبا، مضبوط سراپا کہ نگاہ اٹھا کر دیکھو تو اپنا وجود انتہائی ادنیٰ سا لگے۔ اور اس میں کہاں تھی اتنی ہمت کہ وہ نظریں اٹھا کر دیکھنے کی جرأت کرتی۔ اب بھی اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا اور پلکیں کانپ کانپ جا رہی تھیں۔ چہرہ میرون دوپٹے کی اوٹ میں تھا مگر اس کی گھبراہٹ اس کے چہرے سے صاف نمایاں تھی۔

مقابل نے اس پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی تھی اور پھر ہاتھ میں پکڑے ہوئے کپڑے اس کی جانب بڑھا دیئے تھے۔

''ان کو پریس کر کے میرے کمرے میں پہنچا دینا۔'' بھاری آواز میں مقابل کھڑا شخص بولا تھا اور پھر دوسرے ہی پل پلٹ کر چلتا ہوا راہداری کے سرے پر غائب ہو گیا تھا۔

اور سیو نے اس وقت کب کی رُکی ہوئی سانس یوں خارج کی تھی جیسے کوئی طوفان ٹلا ہو۔

✿......✿

''او میرے یار! میرے لڈو پیڑے! اب خدا کا نام لے اور میرے کہنیوں تک جڑے ہوئے ان ہاتھوں کی طرف دیکھ۔ اگر تجھے اپنی خیریت سے کوئی سروکار نہیں ہے تو خدا کے لئے کچھ میری ہی فکر کر۔ وہ تیری توپ سی حسینہ، مہ جبینہ ہے نا، مجھے وہ میرے وقت سے پہلے ہی دوزخ رسید کر دے گی۔'' علی شاہ نے انتہائی دردناک انداز میں کہا تھا مگر وہ بجائے اس کے کرب کو محسوس کئے خالص پاکستانی فلموں کے ولنوں کے سے انداز میں ہنسنے لگا تھا۔ یا

شاید علی شاہ کو ہی اس کا انداز ایسا لگا تھا۔

''ہنس لے، ہنس لے میرے یار! خدا کسی پر دوستی کی آزمائش نازل نہ فرمائے۔ لے، تجھے میں کہہ رہا ہوں تیرا یہ معصوم سا، بھولا بھالا سا اکلوتا دوست اس توپ نما لڑ ہاتھوں ایک دن ضرور ضائع ہو جائے گا اور تو یاد رکھنا، اگر ایسا ہوا نا تو میں تجھے چھو نہیں۔ میری روح تک تجھے معاف نہیں کرے گی۔''

علی شاہ کے لہجے میں درد، کرب اور جانے کیا کیا تھا۔ مگر رہبان عالم شاہ ہنستا جا رہا

''تو ہنس رہا ہے۔ ہا...... ہا...... ہے...... ہے...... ہے!'' اس نے باقاعدہ نقل اتاری اور تب رہبان عالم شاہ اور بھی شدت سے ہنستا چلا گیا۔ تب ہی وہ سڑتا ہو

''کون کہے گا یہ موصوف بیمار شیمار ہیں۔ قہقہے خیر سے اتنے صحت مند ہیں کہ صحت اتنے بلند و بانگ قہقہے لگانے میں دقت محسوس کرتے ہیں۔''

''تو میرا دوست ہے یا دشمن۔ میرا ہنسنا تجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔''

''تو ہنس میرے یار...... جم جم ہنس۔ مگر یہ دیکھ۔'' اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے۔ غریب پر ترس کھا۔ قسم سے دنیا میں ابھی کچھ نہیں دیکھا۔''

''شرم کر۔ ایک لڑکی سے ڈرتا ہے؟''

''لڑکی سے نہیں ڈرتا، ان موصوفہ کے عتاب سے ڈرتا ہوں۔ اور میں ہی کیا، کوئی بھ ہوش میری جگہ ہو، وہ یوں ہی ڈرے گا۔ آخر اپنی جان کسے پیاری نہیں ہوتی۔''

''کیسا دوست ہے تو...... دوست کے لئے اتنا بھی برداشت نہیں کر سکتا؟''

''برداشت کی بھی حد ہوا کرتی ہے۔ بندہ برداشت کر بھی سکتا ہے۔ مگر تو جانتا ہے ف الحال صدمات برداشت کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ سو تو خود پر بھی رحم کر اور مجھ ترس کھا۔ یوں بھی اکلوتا دوست ہوں تیرا۔ مجھ کو مت گنوا۔ سنبھال کر رکھ۔ پھر کام آؤں گ

اس کا انداز اتنا فنی تھا کہ وہ پھر ہنسنے لگا۔

''رہبان کے بچے!'' اس نے وارننگ کے سے انداز میں کہتے ہوئے سیب اٹھا لیا۔

''اوکے...... اوکے میرے یار! انشاء اللہ خدا نے چاہا تو سب ٹھیک ہو گا۔''

''نا اہل لوگوں کی طرح اب ساری بات خدا پر ڈال دو۔ خدا بھی تب تک کچھ نہیں جب تک بندہ خود ہاتھ پاؤں نہ مارے۔''

''تو جانتا ہے میرے ہاتھ پیر مارنے سے کچھ نہیں ہو گا جب تک کہ یہاں کی انتظام چاہے۔ اور......'' وہ ابھی بول ہی رہا تھا کہ تبھی مژگان، گریجی اور زینب بی بی دروازہ کھول

اندر داخل ہوئیں۔ دونوں انتہائی مؤدب ہو گئے اور فوراً ہی سلام بھی پیش خدمت کر دیا۔

''کیسے ہو بیٹا آپ؟'' گریجی نے اپنے مخصوص انداز میں دریافت کیا۔

''جی ٹھیک ہوں۔''

''خدا تمہیں تندرستی اور حیاتی دے۔ میں تو رب سائیں سے تمہاری خیریت کے لئے دُعا گو تھی۔'' زینب بی بی نے بھی کہا تو وہ مسکرا دیا۔

''یہ آپ بزرگوں کی دُعاؤں کا ہی نتیجہ ہے کہ میں زندہ و سلامت ہوں اور بخیر و عافیت ہوں۔''

''خدا تمہیں صحت و تندرستی عطا فرمائے۔'' گریجی اور زینب بی بی ایک ساتھ بولیں تو علی شاہ نے فوراً ''آمین'' کہا۔

تب ہی مژگان اس کی سمت دیکھنے لگی۔ وہ مسکرا دیا۔

''کیسی ہیں مژگان آپ؟''

''ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں علی صاحب؟''

''جی اگر لوگوں نے چاہا تو میں بھی خیریت سے ہی ہوں گا۔'' وہ مسکینی سے رہبان عالم شاہ کی جانب تکتا ہوا بولا تو وہ ہونٹ بھینچ کر مسکرا دیا۔ وہ ان دونوں کے اسرار و رموز نہ سمجھ پائی، پھر بھی بولی۔

''میں نے بہت کم لوگوں کو باحوصلہ دیکھا ہے۔ اور آپ بھی انہی چند لوگوں میں سے ہیں جنہیں جینے کا ہنر آتا ہے۔''

''شکریہ!'' علی فوراً مسکراتے ہوئے آداب بجا لایا۔ ''تب ہی تو میں کہتا ہوں آپ نیک خاتون ہیں۔''

وہ مسکرا دی۔ پھر رہبان کی جانب دیکھنے لگی۔ ''رہبان! آپ کے لئے خوشخبری ہے۔ ایک اچھی خبر ہے۔ کل آپ کو ڈسچارج کر دیا جائے گا۔''

''آہ...... تھینکس گاڈ!'' علی کی ایک طویل آہ خارج ہوئی تھی۔ رہبان نے مصنوعی خفگی سے اس کی جانب دیکھا تھا مگر وہ بنا اس کی جانب توجہ مبذول کئے انتہائی تشکر سے مسکرا رہا تھا۔

''بیٹا! آپ کی صحت یابی کی خوشی میں ہم آپ کو اپنے ہاں انوائیٹ کرتے ہیں۔ آپ ڈنر ہمارے ساتھ کریں گے۔'' گریجی نے فوراً ہی دعوت دے ڈالی تو وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ بس یونہی لمحہ بھر کو مژگان کی جانب دیکھا۔ وہ نہایت اپنائیت اور دوستانہ انداز میں مسکرا دی۔

''ہمیں بے حد خوشی ہو گی۔''

"ہم آئیں گے۔" اس نے جواب میں یقین دلاتے ہوئے کہا تو زینب بی بی، علی شاہ کی
سمت دیکھنے لگیں۔

"بیٹا! تم بھی ضرور آنا۔"

"جی ضرور۔" وہ انتہائی سعادت مندی سے بولا تو رہبان مسکرا دیا۔

"آپ اسے دعوت نہ بھی دیتیں تو یہ ضرور آتا۔"

رہبان نے پل بھر میں حساب بے باق کرنا چاہا تھا مگر وہ اسے گھورنے لگا تھا۔

"تم کیوں جل رہے ہو اگر مجھے بھی دعوت مل رہی ہے تو......؟" انتہائی تپے ہوئے انداز میں وہ بولا تو رہبان صرف مسکرا دیا۔

✿......✿

ہاتھ چھوٹے بھی تو رشتے نہیں چھوڑا کرتے
وقت کی شاخ سے لمحے نہیں توڑا کرتے
ہاتھ چھوٹے بھی تو رشتے نہیں چھوڑا کرتے

کیسٹ پلیئر چل رہا تھا...... چھٹی کا دن تھا اور وہ تمام دُھلے ہوئے کپڑے تہ کر کے الماری میں رکھنے میں مصروف تھی۔

جس کی آواز میں سلوٹ ہو، نگاہوں میں شکن
ایسی تصویر کے ٹکڑے نہیں جوڑا کرتے
ایسی تصویر کے ٹکڑے نہیں جوڑا کرتے
شہد جینے کا ملا کرتا ہے تھوڑا تھوڑا
جانے والوں کے لئے دل نہیں توڑا کرتے
جانے والوں کے لئے دل نہیں توڑا کرتے

وہ یکدم چونکی۔ پھر یونہی مصروف ہوگئی۔

لگ کے ساحل سے جو بہتا ہے اسے بہنے دو
ایسے دریا کا کبھی رخ نہیں موڑا کرتے
ایسے دریا کا کبھی رخ نہیں موڑا کرتے
وقت کی شاخ سے لمحے نہیں توڑا کرتے
ہاتھ چھوٹے بھی تو رشتے نہیں چھوڑا کرتے
ہاتھ چھوٹے بھی تو رشتے نہیں چھوڑا کرتے"

وہ بے حد کھوئے کھوئے سے انداز میں عجیب بے دھیانی کے عالم میں یونہی ایک سمت تکتی جا رہی تھی۔ قریب دھری چائے بالکل ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ شعاع جو ابھی کمرے میں آئی تھی اسے اس طرح بیٹھے دیکھ کر بولی تھی۔

"ادعیہ! چائے ٹھنڈی ہو چکی ہے۔" مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں۔ "ادعیہ!" مگر وہ چونکے بغیر یونہی بے دھیانی میں کہنے لگی۔

"جھوٹ ہے، سب فریب ہے۔ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں پل بھر میں۔ برسوں کے مضبوط عہد، مضبوط پیماں سب ایک طرف دھرے رہ جاتے ہیں۔ تعلقات میں اچانک ایسی دراڑیں پڑتی ہیں کہ رشتوں کی عمارت ڈھیر ہوتی چلی جاتی ہے۔ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس کی تعمیر نو بے حد مشکل ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں تو ناممکن! اعتبار و بے اعتباری کے درمیان وجود ساری عمر معلق رہتا ہے۔ یقین کے ٹوٹے دھاگے پھر نہیں جڑتے۔ گرہ لگا کر کبھی جوڑ بھی لئے جائیں تو پائیدار نہیں ہوتے۔ ہر لمحہ یہ خوف رہتا ہے، وجود ایک ڈر میں مبتلا رہتا ہے کہ کچھ ٹوٹ نہ جائے۔

شاید رشتے ٹوٹتے ہیں تو سارا مان بھی ساتھ ہی ٹوٹ جاتا ہے۔ اور پھر ٹوٹی ہوئی چیزیں کب دوبارہ جڑتی ہیں۔ نشان باقی رہتے ہیں۔

تمام عہد...... تمام پیمان...... تمام وعدے...... تمام ارادے...... آخر کار پھر سب کچھ ٹوٹ جاتا ہے۔

سب فنا ہو جاتا ہے۔
اور اس تمام عمل میں
کرب پہلے سے دوچند ہو جاتا ہے۔
درد کی شدت پہلے سے بڑھ جاتی ہے۔
مگر مداوا کہیں نہیں رہتا۔
سب ٹوٹ جاتا ہے۔
سب کچھ......"

"ادعیہ! یو آر رئیلی کریزی گرل!" شعاع اس کے قریب بیٹھتی ہوئی بولی تو وہ یکدم چونک کر اس کی سمت [illegible] گئی۔ پھر دھیمے انداز میں مسکرا دی۔

روپے ہی ہماری زندگیوں کو مرتب کرتے ہیں۔ ہم جیسے ری ایکٹ کرتے ہیں ہماری زندگی ویسی ہی بننے لگتی ہے۔ تلخ و شیریں تمام رنگ ہم اس تصویر میں خود بھرتے ہیں۔ یہ فقط آپ پر منحصر ہے کہ آپ کی سوچ کیسی ہے۔ منفی یا مثبت؟ تلخ یا شیریں؟
حسین یا بدصورت؟

آپ جیسے رنگوں کا انتخاب کریں گے، یہ بے رنگ تصویر ویسے ہی تاثر سے ابھرنے لگے گی۔ تمام رنگ اسی زاویے سے نظر آنے لگیں گے۔"

"مگر شعاع! ہم جو کچھ ری ایکٹ کرتے ہیں وہ تو ایک جواب ہوتا ہے نا۔ جس طرح ہر عمل کا ردعمل۔" وہ سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی۔ تبھی شعاع نفی میں سر ہلانے لگی۔

"میں نہیں مانتی۔ ہاں، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے۔ مگر ہمیں اپنی سوچ کو مثبت رکھنا چاہئے۔ راستے اندھیرے ہوں تو اپنے اندر روشنی رکھنی چاہئے۔ تم جانتی ہو جو روشنی ہمارے اندر سے پھوٹتی ہے وہ ہماری راہنما ہوتی ہے۔ اس کے ذریعے ہم یقیناً باہر کے تمام اندھیروں کو ختم نہیں تو کم ضرور کر سکتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ نا اُمیدی کے تمام سائے ہمارے اندر سے ابھرتے ہیں اور یہ سائے اتنے بڑھنے لگتے ہیں کہ کبھی کبھار تو ہمارا وجود ان کے باعث بے معنی ہونے لگتا ہے۔ وہ بڑھتے ہوئے ہمارے وجود کو چھپا دیتے ہیں۔ مگر نا اُمیدی کے سایوں کو بڑھنے سے اگر روک دیا جائے تو ہماری بقا ممکن ہے۔ ہمارا وجود survive کر سکتا ہے۔ اگر ہم اپنے اندر روشنی کو زندہ رکھیں، اپنے اندر ہمتوں کو زندہ رکھیں، اپنی اُمید، اپنا بھروسے کو جو کہ خود ہمیں ہماری ذات پر ہوتا ہے قائم رکھیں تو سب کچھ قائم و دائم رہ سکتا ہے۔"

"اور اگر اندر اندھیرا ہی اندھیرا ہو، روشنی ہو ہی نہیں؟" ادعیہ نے اس ڈیبیٹ سے جیسے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"پاگل پن ہے یہ فقط لڑکی! یہ روشنی ہمارے اندر سے خود پھوٹتی ہے۔ ہماری مثبت سوچوں کے باعث۔ اگر تم سمجھتی ہو کہ اندھیرے راستوں میں کوئی تمہارے لئے لالٹین لے کر کھڑا ہوگا تو یہ تمہاری خام خیالی ہے۔ یہ دنیا ہے اور یہاں بے حسی اتنی زیادہ ہے کہ کسی کو کسی کی پرواہ نہیں، فکر نہیں۔" شعاع نے اسے جیسے ڈپٹتے ہوئے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

"یہی بات تو میں کہتی ہوں۔ یہاں کسی کو کسی کی فکر نہیں، پرواہ نہیں۔ میں کہتی ہوں تو تم مانتی نہیں ہو۔ اور خود توڑ موڑ کر بات کو اس زاویے پر لے آتی ہو۔"

"ادعیہ! تم واقعی پاگل ہو۔ تمہیں کم از کم میں اپنی اس اکلوتی زندگی میں قطعی نہیں سمجھ سکتی۔ اس کے لئے یقیناً مجھے درجن بھر زندگیاں مزید درکار ہوں گی اور یہ قطعی ناممکن ہے۔"

...کے چلے ہوئے انداز پر وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

"اس طرح کی حرکتوں سے باز آ جاؤ۔ ورنہ میرے ہاتھوں واقعی کسی دن تم ضائع ہو جاؤ..." شعاع نے وارننگ دی۔ ساتھ ہی بولی۔ "امی کہہ رہی ہیں، شام میں جلدی تیار ہو ...۔ تایا جان کے ہاں جانا ہے۔ ہانی کی برتھ ڈے ہے۔"

...وہ یکدم چونک کر دیکھنے لگی پھر فوراً ہی نفی میں سر ہلا دیا۔ "تم لوگ چلے جانا۔ مجھے بہت ...کام نمٹانے ہیں آج۔ یہاں سے فارغ ہو کر کچن دیکھنا ہے، پھر واشنگ مشین لگانی ہے۔ ...کپڑوں کا ڈھیر لگ چکا ہے۔"

"وہ سب کام ہو جائیں گے۔ تم شام میں تیار ہو جانا۔" شعاع نے جیسے حتمی انداز میں کہا اس کا جواب سنے بغیر باہر نکل گئی۔

✿......✿

چھینو اور نگو جب اسے بلانے کے لئے آئیں تو وہ بے حد تھکی ہوئی تھی۔ جانے کو بالکل ...دل نہیں چاہ رہا تھا۔ تب ہی کہہ بھی دیا۔

"اڑیئے! اج نئیں، کل آ جاواں گی۔" (آج نہیں، کل آ جاؤں گی)۔

"لے، تیرے تو بہانے ہی نہیں مکتے۔" (لو، تمہارے تو بہانے ہی ختم نہیں ہوتے) نگو ...کہا۔

"بہانے نہیں کر رہی، بہت تھک گئی ہوں۔" اس نے صاف کہا۔

"تیری تھکن ہم دور کر دیں گے۔ تو چل تو سہی۔" چھینو نے کہا تو وہ بے بے کی طرف ...نے لگی۔

"چلی جانا۔ کچھ دل ہی بہل جائے گا۔"

"لے، ماسی نے بھی اب تو اجازت دے دی۔ ہن تے اٹھ جا۔" نگو نے بے بے کی ...ت ملتے ہی ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھا دیا اور تب اس کے پاس دوجا کوئی راستہ نہ رہا۔ وہ انھی ... رنگ کے کپڑوں پر میرون دوپٹے کی بکل مار کر ان کے ساتھ نکل آئی۔

"ہائے، اج تو چن چڑھ آیا ہے۔" شاجی نے اسے دیکھتے ہی کہا تو وہ مسکرا دی۔

"اب بتیسی اندر رکھ اور فوراً ڈھولک سنبھال۔" نگو نے اسے ٹھوکا مارتے ہوئے کہا۔ "اج ...لڑی ڈلوائیں گے ہم تجھ سے۔"

"نہ بابا...... مجھے یہ سب نہیں آتا۔"

"لے، کڑی کی سہیلی ہے تو۔ تجھے تو سب کچھ کرنا پڑے گا۔ یوں بھی تو کبھی کبھی ہتھے

چڑھتی ہے۔" چھینو نے اسے چھیڑا تو وہ اس کی شرارت سمجھتے ہوئے مسکرادی۔
"سہیلی تو فیر (پھر) تو بھی ہے۔"
"ہم تو روز آتے ہیں۔ تیری طرح کبھی کبھی صورت تھوڑی دکھاتے ہیں۔" زیبو۔
حصہ لیا تو وہ مسکراتی ہوئی ڈھولک پر آن بیٹھی۔

ساڈا چڑیاں دا چمبا وے
بابل اساں اُڈ جاناں

اس نے اسٹارٹ لیا۔ تبھی نگو نے ٹوک دیا۔
"نہ بابا۔ اتنے رونے دھونے والے گانے نہیں گانے ہمیں۔"
"تو فیر تم گاؤ۔ میں ڈھولک بجاتی ہوں۔"

چن ویکھ کے شوقین میلے دی
ماہی ویکھ کے شوقین میلے دی
پیری پا کے جھانجھراں
جاندی تے میلے دی!

نگو کے ساتھ سبھی لڑکیاں گانے لگیں۔ وہ بھی مسکراتی ہوئی ساتھ دینے لگی۔ تب ہی چہرے پر گرم گرم نظروں کی تپش نے اسے چونکنے پر مجبور کردیا۔ اس نے نگاہ سامنے کی دھک سے رہ گیا۔ بلو جانے کب سے اسے مکمل محویت سے تکے جا رہا تھا۔
لمحہ بھر کو نظریں ٹکرائیں۔ اس کی نظروں میں بہت اپنائیت تھی۔ ایک مخصوص رنگ، خاص تاثر تھا۔ مگر وہ دوسرے ہی پل نظر انداز کرکے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

✿......✿

اور پھر نہ چاہتے ہوئے بھی مجبوراً اسے ساتھ آنا پڑا تھا۔ حالانکہ دل سے چاہتی تھی سب کچھ ٹل جائے اور وہ نہ جائے۔ منظر سے ہٹ جائے۔ کہیں چھپ جائے۔ مگر یہ بھی ایسی ناممکنات میں سے تھا جو کبھی پوری نہیں ہوسکتیں۔ اور اب وہ یہاں تھی جہاں وہ کبھی آنا نہیں چاہتی تھی۔ اس وسیع و عریض گھر کے در و دیوار سے اسے جیسے وحشت سی ہوتی دم گھٹتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔
یہ ہماری مجبوری ہوتی ہے اور مجبوریوں کے قصے بہت طویل ہیں۔ بہت اذیت ناک بہت دردناک... روح تک کو عذاب میں مبتلا کرتے ہوئے۔
وہ یونہی ایک کونے میں دبکی کھڑی تھی۔ اردگرد بے تحاشا ہجوم تھا۔ شعاع، رانیہ اور

سب اسے چھوڑ کر جانے کہاں غائب ہوگئے تھے۔ وہ اردگرد پھیلے ہجوم کو بہت اجنبی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کئی چہرے تھے۔
کچھ شناسا...... کچھ غیر شناسا۔
کچھ جانے پہچانے۔
کچھ یکسر اجنبی!
وہ بس حیرت سے تکتی جا رہی تھی سب کو......!
تبھی زویا جانے کہاں سے نکل کر اس کے قریب آن رُکی۔
"ارے آپ یہاں کھڑی ہیں اور میں آپ کو کب سے تلاش کر رہی ہوں۔ آپ آیئے میرے ساتھ۔" اس کے ساتھ ہی وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر چلتی چلی گئی اور وہ بنا کوئی مزاحمت کیے اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ زویا اسے لے کر جس کمرے میں آئی وہاں اس کی تمام دوست جمع تھیں۔
"آپ یہاں بیٹھیں، میں آتی ہوں۔" اس کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر غائب ہوگئی۔
'یا اللہ! یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ؟' وہ بیٹھنے کی بجائے وہیں دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔
دھیمی مدھم دھن پر جانے کہاں سے آتی ہوئی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرانے لگی۔

کبھی یوں بھی تو ہو!
کبھی یوں بھی تو ہو
دریا کا ساحل ہو
پورے چاند کی رات ہو
اور تم آؤ......!
کبھی یوں بھی تو ہو......!
کبھی یوں بھی تو ہو
پریوں کی محفل ہو
کوئی تمہاری بات ہو
اور تم آؤ......!
کبھی یوں بھی تو ہو......!
کبھی یوں بھی تو ہو......!

دھیمی آواز اچانک بڑھ گئی۔ سب لڑکیاں تشویش سے دیکھنے لگیں۔

''ارے اتنی بڑی تقریب میں تو کوئی ''پارٹی سونگ'' ہونا چاہئے۔ یہ گانا کس بے وقوف نے لگا دیا؟'' کوئی چیخی۔ مگر مدھم دھیمے سُر اُبھرتے رہے۔

کبھی یوں بھی تو ہو......!
یہ نرم ملائم ٹھنڈی ہوائیں
جب گھر سے تمہارے گزریں
تمہاری خوشبو چرائیں
میرے گھر لے آئیں
کبھی یوں بھی تو ہو......!
کبھی یوں بھی تو ہوں......!
سوئی ہر محفل ہو
کوئی نہ میرے ساتھ ہو
اور تم آؤ
کبھی یوں بھی تو ہو......!
کبھی یوں بھی تو ہو......!
یہ بادل ایسا ٹوٹ کے برسے
میرے دل کی طرح ملنے کو
تمہارا دل بھی ترسے......!
تم نکلو گھر سے......!
کبھی یوں بھی تو ہو......!
کبھی یوں بھی تو ہو......!

''ارے یہ کون دل جلا ہے؟'' نمرا نے انتہائی سلگتے ہوئے کہا تھا۔ ''ہمیں نہیں سننا یہ بوسیدہ میوزک۔''

مگر باوجود اتنی آوازوں کے، اتنی مخالفتوں کے وہی میوزک چلتا رہا۔ ادعیہ یونہی پشت دیوار سے لگائے ان سب کی طرف دیکھتی رہی۔ مگر ذہن کہیں اور الجھا رہا۔

کبھی یوں بھی تو ہو......!
کبھی یوں بھی تو ہو......!

آواز جیسے روح تک میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔

مدھم سُر جیسے دل کی سرزمین پر دھیمی پھوار کی طرح پڑ رہے تھے۔

کبھی یوں بھی تو ہو
تنہائی ہو دل میں
بوندیں ہوں برسات میں
اور تم آؤ......!
کبھی یوں بھی تو ہو......!
دریا کا ساحل ہو
پورے چاند کی رات ہو
اور تم آؤ......!
کبھی یوں بھی تو ہو......!
کبھی یوں بھی تو ہو......!
کبھی یوں بھی تو ہو......!

اس کا سارا وجود جیسے بھیگنے لگا۔ سانسیں اتنی تیز ہوگئیں کہ وہ خود ان کے بدلتے تیور پر ن رہ گئی۔ ہاتھ پسینے سے تر بتر ہو گئے۔ اس کے لئے وہاں مزید رُکنا جیسے محال ہو گیا تو وہ اور بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی۔

مگر مین اسی لمحے کسی سے بری طرح ٹکرا گئی......!

ادعیہ کی درد کے مارے سسکی نکل گئی تھی۔ سنبھل کر پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے دیکھا تھا۔

وہ کلف لگے وہائٹ سوٹ میں ملبوس اس کے سامنے تھا۔ بغور اس کی جانب دیکھتا ہوا، کی گرم گرم نظروں کی تپش اس کے چہرے پر تھی۔ وہ خود اس تصادم پر کوئی سخت سا جملہ والی تھی۔ یکدم ہی نظریں جھکانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

یہ آج بالکل نیا روپ تھا۔

یکدم ایک نیا احساس۔

کیپٹن اصعار شیخ کے چہرے پر بڑی جاندار سی مسکراہٹ اتری ہوئی تھی۔

''وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے!''

''بہت گھسا پٹا مصرع ہے۔'' وہ سنبھلتے ہوئے پُر اعتماد لہجے میں بولی۔ ایک لمحہ قبل والی اور اس ادعیہ میں بہت فرق تھا۔ یہ ادعیہ وہی ادعیہ تھی جو پُر اعتماد تھی، جس کا چہرہ بے

تاثر تھا۔ جسے اپنے احساسات چھپانے اور خود کو چھپا کر رکھنے کا ڈھنگ آتا تھا اور جو
چھپا کر رکھنا بھی چاہتی تھی۔ سب سے بچا کر، بہت رسمی اور کسی قدر بیگانگی لئے انداز
ساتھ یا پھر خود کو سب سے الگ تھلگ رکھنے والی۔

جو اندر سے کچھ بھی سہی مگر باہر ایک مضبوط خول چڑھائے رکھنے والی لڑکی۔

جو شاید سمندر تھی۔

یا پھر سمندر سے بھی بہت گہری۔

"میری بربادی تک مجھ سے نفرت کی خواہش کی
اُف کتنی عجیب ہے ان لڑکیوں میں یہ لڑکی
جہاں میں حکایت عشق سن کر بول اٹھا حفیظ
ایک ہے میرا دل سمندر ایک سمندر ہے یہ لڑکی"

کیپٹن اعصار شیخ کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ ادعیہ جانے کیوں نظریں
گئی۔ تبھی وہ بولا تھا۔ "کبھی کبھی لفظ جانے کیوں کھو جاتے ہیں؟"

وہ جواب میں کچھ نہیں بولی تھی۔ سر جھکا کر یونہی ہونٹ کچلتی رہی تھی۔ وہ رانیہ، شعاع
عمر وغیرہ کے بارے میں دریافت کرنا چاہتی تھی مگر جانے کیوں وہ کچھ بھی نہ بول پائی
اردگرد ہجوم تھا۔ کتنے لوگ تھے...... اور...... اس کا دل جانے کس خوف کے تحت دھڑک رہا
تھا۔ ساری ہمتیں جانے کہاں جا کھوئی تھیں۔ کبھی کبھی اپنا تشخص کس قدر خوفزدہ کر دیتا۔
انا ٹوٹنے کا ڈر کتنا بے بس کر دیتا ہے۔ زبان سلب سی ہو کر رہ جاتی ہے۔ ذہن و دل یکدم
انجانے خوف میں گھر جاتے ہیں۔ اپنے وقار کے متزلزل ہونے کا دھڑکا تمام حیات کو منجمد
کے رکھ دیتا ہے۔

ابھی جیسے کچھ ہو جائے گا۔

کسی نے دیکھ لیا تو؟

کہانیاں گھڑنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔

یہ اور اس جیسے کئی خوف۔

اور یہی کیفیت اس وقت اس کے ساتھ تھی۔ وہ کسی بچے کی مانند ڈری سہمی سی اس
مدمقابل کھڑی اپنی دانست میں خود کو بہت پُراعتماد اور بردبار ظاہر کر رہی تھی۔ مگر اس کی
کوشش جیسے ریت کی دیوار ثابت ہو رہی تھیں۔ تبھی تو اعصار شیخ بھی اس کی سمت د
ہوئے ہنس پڑا تھا۔

وہ یکدم ہی سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"میں تمہاری طرف آ ہی رہا تھا۔ شعاع وغیرہ تمہارے متعلق کافی فکرمند تھیں۔ اب ان
کو یہ کون بتاتا کہ محترمہ ادعیہ شیخ لوگوں کو "گما" سکتی ہے، خود کبھی "گم" نہیں ہو سکتیں۔" وہ
خاصے دوستانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ "وہ تو تلاش گمشدہ کا اعلان بھی کروانے والی تھیں۔" اس
کے لبوں پر شرارتی مسکراہٹ تھی۔ تبھی وہ بنا کچھ کہے اس کی سمت دیکھنے لگی اور وہ بغیر کچھ
کہے پلٹ کر چلنے لگا تھا۔ اس نے بھی تیزی کے ساتھ اس کی تقلید کی تھی اور اس کے ساتھ
ساتھ چلنے لگی تھی۔ کتنی نظریں اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

حسد۔ رشک۔

جلن۔ شک۔

مگر وہ سب کو نظرانداز کرتی ہوئی تیزی سے قدم اٹھائے جا رہی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ
دل بے تحاشا زور سے دھڑک رہا تھا۔ لگ رہا تھا ابھی سینہ پھٹے گا اور دل اچھل کر باہر آ
جائے گا۔ رفتار معمول سے کہیں زیادہ تھی۔ وہ اب اس وقت کو کوس رہی تھی جب ان "لمبے
چوڑے موصوف" سے جا ٹکرائی تھی۔ اور وہ بھی تو جانے کہاں سے نکل کر لمحہ بھر میں ہی اس
کے مدمقابل آ گیا تھا۔ یہ گھر کبھی اس کی بھی میراث رہا تھا۔

اس گھر میں اس کا بچپن گزرا تھا۔

انہی راہداریوں

انہی کمروں میں اِدھر سے اُدھر بھاگتے ہوئے۔

وہ اس گھر کے راستوں سے ناواقف نہیں تھی کہ کھو جاتی۔ وہ تنہا بھی یقیناً بڑے آرام سے
شعاع وغیرہ تک پہنچ سکتی تھی اگر اسے معلوم ہوتا کہ وہ کہاں براجمان ہیں یا پھر وہ بجائے اس
کے ساتھ چلنے کے اگر دریافت ہی کر لیتی تو یہ سب نہ ہوتا۔ مگر اس وقت وہ اتنی الجھی ہوئی
تھی کہ کچھ بول ہی نہ سکی تھی۔ اور اب سب کی نظروں کے زاویے اسے پچھتاوے اور خجالت
میں مبتلا کر رہے تھے۔

زندگی میں ایسے بہت سے مقامات آتے ہیں جن کے گزرنے کے بعد انسان سوچتا ہے
کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ کاش ہم نے اس کی بجائے یوں کر لیا ہوتا تو کتنا مختلف
ہوتا۔ اور اس لمحے فقط ایک لفظ "کاش" ہمیں کچوکے لگا لگا کر مسلسل "پچھتاوؤں" میں مبتلا
رکھتا ہے۔

کتنا عجیب لفظ ہے "کاش"

اور کتنا مختصر۔

مگر کس قدر پریشان کن۔

کبھی کبھی تو انسان تا عمر اس ایک لفظ کے گرد طواف کرتا رہتا ہے۔ یہ ایک لفظ اتنا ہو جاتا ہے کہ ہماری تمام عمر کے گرد ایک حصار سا کھینچ دیتا ہے۔ اور اندر سے ایک عار گونج کر بازگشت بنتی رہتی ہے۔

دل کی دیواروں سے ہر آواز ٹکراتی ہے۔

اور واپس پلٹ آتی ہے۔

''اے کاش......!''

کتنا اچھا ہو کہ اگر ہم اس لفظ کو ''جنم'' ہی نہ لینے دیں۔ مگر کبھی کبھار بہت کچھ ہمار اختیار میں نہیں ہوا کرتا۔ شاید ''وقت'' کی ''ستم ظریفی'' اور ہماری ''بے اختیاری'' اس لفظ ''جنم'' لینے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ہمیں اس گھڑی، اس پل میں اس بات کا ادراک نہیں ہو مگر وقت کے ساتھ ساتھ بہت سے سوئے درد جاگنے لگتے ہیں۔ بہت سی چوٹوں کی شدت ا الفور محسوس نہیں ہوتی۔ انسان اس بات کا اندازہ ہی نہیں کر پاتا کہ حادثے میں ''چوٹ'' ک قدر ''شدت'' سے اور ''کہاں کہاں'' لگی ہے۔ مگر جب وقت تھوڑا آگے سرکتا ہے تو تب ت وہ درد بھی محسوس ہوتے ہیں جو پہلے محسوس نہیں ہوتے۔ ان تمام ''چوٹوں'' کی شدت کا اندا تب ہوتا ہے جب چوٹ سرد پڑتی ہے۔ جب وقت بیتتا ہے۔ یہ تجرباتِ حیات ہیں اور ا بہت سے تجربات میں سے ایک تجربہ ''کاش'' کا بھی ہے۔

وہ بہت ملال کے ساتھ سر جھکائے اس اونچے لمبے شخص کے سیاہ پشاوری چپل میں مل لمبے لمبے ڈگ بھرتے قدموں کو دیکھ رہی تھی۔ یقیناً اردگرد پھیلے بہت سے لوگوں کی نظروں ک چبھن وہ اندر تک محسوس کر رہی تھی مگر اب ''کچھ کرنے کا'' وقت یقیناً گزر چکا تھا اور یہ وقت واقعی ''اے کاش!'' کی گردان کرتا ہوا پچھتاوے کا احساس دلا رہا تھا۔ وہ شرمندگی سے ج زمین میں گڑی جا رہی تھی اور یہی وجہ تھی جس کے باعث وہ یہاں آنے سے گریز کر ر تھی۔ اسے وہی اپنی انا، اپنی خودداری کتنی پیاری تھی، اپنا تشخص اسے کتنا معتبر لگتا تھا۔

وہ ڈرتی تھی اس سب کچھ کے ٹوٹنے سے اور خود اپنے ٹوٹنے اور بکھرنے سے، جز ہونے سے۔

وہ ٹوٹنا نہیں چاہتی تھیں۔ بکھرنا نہیں چاہتی تھی۔ یہ عمل بہت تکلیف دہ ہوتا ہے اور وہ ا کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

اس کے ساتھ اس نے چلنا شروع کیا تھا مگر اب وہ اپنے لمبے لمبے ڈگ بھرنے کے باعث اس سے بہت سے قدم آگے نکل چکا تھا۔ اسے تقریباً بھاگتے ہوئے اس کی تقلید کرنا پڑ رہی تھی۔ ایک طویل راہداری کراس کر کے اس نے ہال میں قدم رکھا تھا اور عین اسی لمحے وہ پلٹ کر اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔ اور وہ جو اپنی ہی دھن میں چلتی جا رہی تھی، اس سے بری طرح ٹکرا گئی ہوتی اگر عین اسی لمحے اس نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے کی زحمت نہ کی ہوتی۔ وہ سمجھ گئی تھی، شجاع اور رانیہ وغیرہ اسی کمرے میں ہوں گی۔ تبھی بنا اس کی صورت دیکھے وہ اندر بڑھ جانا چاہتی تھی کہ اچانک اس کی بھاری آواز نے اس کے قدم باندھ دیئے۔

''سنو!''

اور وہ بلا ارادہ ہی پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔ وہ کچھ لمحے ساکت انداز میں اس کی سمت دیکھتا رہا تھا۔ وہائٹ شلوار دوپٹے اور لائٹ پرپل شرٹ میں سادہ سے انداز میں بالوں کو کلپ میں مقید کیے ہلکی سی لپ اسٹک کے ساتھ وہ بالکل عام سے حلیے میں تھی جو اس کی روٹین لائف سے قطعی مختلف نہ تھا۔ روزانہ یونیورسٹی کے لئے بھی یقیناً اس کی یہی تیاری ہوتی تھی۔ سمپل ڈریس میں انتہائی سادگی لئے کسی بھی میک اپ سے عاری چہرہ۔ اب فرق یہ تھا کہ آج اس کے ہاتھ میں فائل نہیں تھی ورنہ یہی معلوم ہوتا کہ وہ یونیورسٹی سے سیدھی یہیں آ گئی ہے۔

اس کے اس طرح بغور دیکھنے پر جانے کیوں وہ کنفیوژ سی ہو کر نظریں جھکا گئی تھی۔ تبھی کیپٹن [illegible] شیخ اس کی مشکل حل کرتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔ میں اس حقیقت سے بخوبی آشنا ہوں۔ اپنے چہرے کے تاثرات نارمل کر لو۔ میں تو عادی ہو چکا ہوں۔ با خدا کسی اور نے دیکھ لیا تو یقیناً کسی کی ''خیریت'' خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ کچھ اور نہیں تو ایک زوردار چیخ تو ضرور بلند ہو گی۔''

انتہائی دوستانہ انداز میں کہتا ہوا وہ یکدم ہی پلٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا راہداری کے سرے پر غائب ہو گیا تھا اور ادعیہ کی نظریں آخری لمحوں تک اسی جانب ٹھہری رہی تھیں۔ وہ اس سے اس قدر آگے کیوں چل رہا تھا؟

یقیناً اس میں کوئی مصلحت تو تھی۔

اور کیا تھی؟

یہ اب سمجھ میں آیا تھا۔ اس کے دوستانہ لہجے میں اس کے لئے تحفظ پوشیدہ تھا۔ اس کی عزت، اس کی خودداری، اس کی انا اس کے لئے بھی اتنی ہی مقدم تھی۔ اس کے لہجے میں اس

بات کا ''احساس'' پوشیدہ تھا۔ اور وہ کتنی بے وقوفی سے اس تمام وقت میں اس کی سن
رہی تھی۔ وہ انتہائی دوستانہ اعتماد بخشتے لہجے میں گویا تھا اور وہ تب ہونقوں کی طرح اس
صورت دیکھے جا رہی تھی۔

''ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں!'' اس کے جملے کی بازگشت اس کی سما
میں اچانک گونجی اور تب وہ چونکی۔

''او مائی گاڈ!''

اس کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

✿......✿

وہ شاپنگ کے لئے تیار ہو رہی تھی کہ اچانک ہی فون کی بیل ہونے لگی۔ اس نے سامنے رکھا موبائل اٹھا کر نمبر دیکھا، پھر بے دلی سے دوبارہ وہیں رکھ دیا اور ہونے والی بیل کی طرف سے جیسے کان بند کر لئے۔

مگر بیل متواتر ہوتی رہی۔ تب اس نے مجبوراً فون اٹھا کر ''TALK'' پش کیا اور ساتھ ہی بولی۔ ''ہیلو بابا سائیں! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بائی دی وے ویلکم ٹو کراچی۔''

گرینی نے اسے مطلع کر دیا تھا کہ صبح سے ہی ان کے کئی فون آ چکے ہیں۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتے تھے مگر وہ جانے کیوں خائف سی تھی۔ وہ بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر پھر جانے کیوں تیار ہو گئی۔

''بیٹا! میں تمہارے لئے پریشان ہوں۔'' ان کے لہجے میں اس کے لئے فکرمندی تھی۔

اس نے سن کر گہرا سانس خارج کیا تھا۔

''آپ ٹھیک ہیں؟'' وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔

''ہوں...... میری جان تو تم ہو میرے بچے۔ تم ٹھیک ہو، سلامت ہو تو میں بھی ٹھیک ہوں۔'' انہوں نے محبت سے کہا تو وہ تلخی سے ہنس پڑی۔ تبھی وہ بولے۔ ''کسی شے کی ضرورت تو نہیں؟''

''بابا سائیں! آپ کا دیا ہوا سبھی کچھ تو موجود ہے۔ کسی اور شے کی گنجائش ہی کہاں ہے۔'' اس کے لہجے میں تلخی سی در آئی۔ مگر بابا سائیں اس کی بات کو محسوس ہی نہ کر سکے تھے۔ تبھی اسی لہجے میں بولے تھے۔

''میں چاہتا ہوں ہمارا بیٹا خوش رہے۔'' اور وہ چاہتی تھی، فوراً کہہ دے بابا سائیں، خوشی بازار میں دستیاب نہیں اور افسوس آپ سوائے مادی اشیاء کے مجھے اور کچھ نہیں دے سکتے۔ لیکن وہ نہ جانے کیوں چپ ہی رہی تھی۔ تبھی ان کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''باقی سب خیریت ہے نا؟''

''جی!''

"اوکے۔ باقی باتیں گھر آنے پر ہوں گی۔ بلکہ آج کا کھانا ہم اکٹھے کھائیں گے۔"
"اوکے۔ اللہ حافظ۔" اس نے کہہ کر فون کان سے ہٹایا پھر "End" پش کرنے
باوجود کتنی ہی دیر تک فون کو تکتی رہی تھی۔

❁......❁

"اے کڑی! تینوں چھوٹے سرکار بلاندے پئے نے۔" مائی خیراں کی آواز نے اچا
ہی اسے سر اٹھا کر دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ جو انتہائی انہماک کے ساتھ مصروف تھی، ب
کر چونک پڑی۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔
"سنا نہیں تو نے؟" اسے اسی طرح بیٹھے دیکھ کر دوبارہ بولی تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہو
"چھوٹے سرکار" کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کے قدم واضح انداز میں کانپ ر
تھے۔ ایک تو ویسے ہی وہ ان کے سامنے کھڑے ہونے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی اور ا
سونے پہ سہاگہ، اس نے ان محترم کا ایک نقصان بھی کر دیا تھا۔ یہ نہ تھا کہ اس نے آج
استری نہیں دیکھی تھی یا کپڑے اس سے قبل پریس نہیں کیے تھے۔ وہ اس کام سے یقیناً
نہ تھی۔ اکبر بھائی یا چاچے کو اکثر کسی خاص جگہ پر جانا ہوتا تو وہ اپنے ہاتھوں سے ان
سے لائی گئی بجلی کی استری سے کپڑے استری کر کے دیتی تھی۔ مگر کبھی بھی اس سے کپ
نہیں جلے تھے۔ مگر جانے کیسے "چھوٹے سرکار" کی شرٹ اس سے جل گئی تھی۔ ایک تو ا
رعب ہی بہت تھا۔ اور شاید جب وہ ان کی شرٹ استری کر رہی تھی تو ذہن میں انہی کا
بھی تھا اور اسی خیال نے سارا کام تمام کر دیا تھا۔
ہائے رہا، اب جانے کیا ہو؟ ڈانٹیں گے تو ضرور۔ اور کوئی بھروسہ نہیں کہ اٹھا کر ک
سے باہر ہی پنخ دیں۔ وہ تو ہیں بھی دیو ہیکل۔ کوئی بعید بھی نہیں۔ اے سیو! اب تیری
نہیں۔ ہائے رہا! اب میں کیا کروں؟ کیا بھاگ جاؤں؟ نہیں، یہ تو بزدلی ہوگی۔ پھر؟
کہیں چھپ بھی تو نہیں سکتی۔
اور یہ چھوٹے سرکار اتنے رعب داب والے کیوں ہیں؟
شاید "چھوٹے سرکار" ہیں۔ اس لیے۔ دل نے خود ہی سوال کیا اور پھر خود ہی اپنے
کو جواز بھی پیش کر دیا۔
اس کے کانپتے قدم چھوٹے سرکار کے کمرے کے دروازے کے سامنے جا کر تھم
بہت ڈرتے ڈرتے اس نے کانپتے ہاتھ سے دستک دی۔
"یس۔" وہی بھاری رعب دار آواز ابھری اور کمزور دل سیو کا دل یکدم سینے میں

دھک دھک کرنے لگا۔ بہت ہولے سے اس نے ہینڈل دبا دیا اور اس کے ساتھ ہی دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اس کے سینے میں مقید ننھا سا دل اس لمحے بہت تیز رفتاری سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس نے بہت ڈرتے ڈرتے قدم اندر رکھے تھے۔
عین سامنے "چھوٹے سرکار" قیمتی ترین رائٹنگ ٹیبل پر براجمان کوئی بہت ضروری فائل کو دیکھنے میں مصروف تھے۔ وہ کانپتے قدم اٹھاتی دھک دھک کرتے دل سمیت اس کے قریب جا کھڑی ہوئی۔
"چھو...... چھوٹے سرکار!" اس کی آواز سے اس کی لرزش صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔
تبھی چھوٹے سرکار پہلی فرصت میں ہی مڑ کر اس کی سمت دیکھنے لگے تھے۔
"ہوں......" انہوں نے اسے اپنے مقابل کھڑے دیکھ کر یقیناً اس کا سبب معلوم کرنا چاہا تھا مگر وہ سیاہ دوپٹے کو چہرے پر لپیٹے تذبذب سے ان کی سمت تکتی رہی۔ یہ نہ بتا سکی کہ "آپ ہی نے تو بلایا تھا۔"
"ہاں کہو بھئی!" بہت عجلت سے کہتے ہوئے وہ شاید دوبارہ اہم دستاویز پر جھکنے والا تھا۔
تبھی اس نے فوراً کہا۔
"وہ...... آ...... آپ نے بلایا...... تھا۔"
"میں نے......؟" خوبصورت آنکھوں میں لمحہ بھر کو حیرت نمایاں ہوئی۔
ہائے رہا...... ان کو تو یاد بھی نہیں۔ بلایا بھی خود اور بھول بھی گئے۔ ڈانٹنا ہے تو ڈانٹ لیں نہ اب میں خود کیسے بتاؤں کہ آپ مجھے ڈانٹنا چاہتے تھے اور مصروفیت کی وجہ سے یقیناً بھول گئے ہیں۔ ایک طرح سے تو میرے حق میں اچھا ہوا۔ مگر......
وہ سر جھکائے خود سے الجھ رہی تھی۔ تبھی وہ بولا۔
"ایک کپ چائے لے آئیے!" وہ عجلت میں کہہ کر دوبارہ فائل پر جھک گیا تھا اور تب اس کے سینے سے ایک گہری سانس خارج ہوئی تھی۔ صد شکر کرتی ہوئی وہ واپس پلٹی تھی۔
"اور سنو!" ابھی دو قدم بھی نہ چل پائی تھی کہ اس کی بھاری آواز نے سیو کے پاؤں باندھ دیئے۔ اس کا معمول پر آیا دل پھر سے دھک سے رہ گیا۔ اس نے بادل ناخواستہ پلٹ کر دیکھا۔
"منشی صاحب کہیں نظر آ جائیں تو انہیں میرے پاس بھیج دیجئے۔ اگر موجود نہ ہوں تو کسی اور ملازم سے کہلوا کر انہیں میرے پیغام سے مطلع کر دیجئے۔" ایک ضروری بات کہنے کے بعد وہ فوراً ہی ایک لمحہ بھی ضائع کیے بغیر دوبارہ اہم دستاویز پر جھک گیا تھا اور اسی لمحے سیو بھی

ایک لمحہ ضائع کئے بغیر وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔

✿......✿

''اے مجھلی بہو! کتنے دن گزر گئے، بی جمن نے صورت نہیں دکھائی؟'' دادی اماں … کریلوں کو مہارت سے کاٹتے ہوئے صفیہ بیگم کی جانب دیکھا۔ ندا بھابی بھی ساتھ مصروف تھیں۔

''اماں بی! میں تو خود متفکر ہوں۔ ضرورت مند ہو تو روز سینکڑوں چکر کاٹتی ہے اور کبھی کام ہو تو بلوانے پر بھی مہینوں شکل نہیں دکھاتی۔''

''تو ایک بار پھر بلوا بھیجو۔ کام ہو تو دو چار نخرے برداشت کر لینے میں بھی حرج نہیں۔''

''بی اماں! یہ تو تب ہے نا جب بات دو چار نخروں کی ہو۔ وہ موئی تو اس حد سے تجاوز کر گئی ہے۔ ابھی صبح ہی بختو کو بھیج چکی ہوں پیغام دے کر۔ مگر مجال ہے جو ان کے کانوں پر جوں رینگی ہو۔ ابھی اپنی ضرورت نکل آئے گی تو دوڑی چلی آئے گی۔''

''اے صفیہ! تم نے بھی تو سر پر بٹھا رکھا ہے اسے۔ ہر بار ہتھیلی پر کچھ نہ کچھ رکھ دیتی … کام کوئی سرے تک پہنچتا نہیں مگر اس کا کام بنتا رہتا ہے۔ اور یہی لالچ اسے کچھ کرنے … دیتا۔'' سلمٰی بیگم نے کہا تو صفیہ بیگم اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

''اب کیا کروں آپا! مصیبت اور کام کے لئے سو جتن بھی کرنے پڑتے ہیں۔''

''یہ تو ہے۔'' دادی اماں نے بھی اتفاق کیا۔ ''مگر اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے … جس مقصد کے تحت آپ پاپڑ بیل رہی ہیں، وہ مقصد بھی پورا ہو جائے۔ ویسے بہو! تم … اس موئی کے کان میں بات ڈالی بھی ہے کہ نہیں؟''

''اماں بی! بات تو ڈال دی ہے۔ کہہ رہی تھی، جیسے ہی کوئی مناسب لڑکا نظر آیا، وہ … کرنے میں دیر نہیں کرے گی۔''

''چلو، خدا نے چاہا تو بات ضرور بنے گی۔'' سلمٰی بیگم نے دلاسا دیا۔

''اے چھوٹی بہو! دھیان سے بیج ایک طرف رکھو۔'' دادی اماں نے ندا بھابی کو ہ… دی، پھر بولیں۔ ''اے سلمٰی بی! اب اعصار کے لئے بھی کوئی لڑکی دیکھ ڈالو۔''

''اماں بی! آپ نے تو میرے زخموں پر نمک چھڑک ڈالا۔ میرے تو دل کی اولین خو… ہے یہ۔ مگر وہ لڑکا مانے بھی تو۔'' سلمٰی بیگم نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''امی! اب تو دیور صاحب خیر سے کیپٹن ہو گئے۔ اب تو واقعی کچھ ہو جانا چاہئے۔'' … بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا تو دادی اماں نے بھی سر ہلا دیا۔

''اے بات تو چھوٹی بہو سچ کہہ رہی ہے۔''

''بات تو سچ ہے اماں بی! مگر بلی کے گلے میں گھنٹی باندھے کون؟'' سلمٰی بیگم متفکر انداز میں بولیں۔

''امی! آپ اس بات کی فکر مت کریں۔ بس ایک عدد لڑکی ڈھونڈ لیجئے۔ دیور جی خود بخود تیار ہو جائیں گے۔'' ندا بھابی ہنستے ہوئے بولیں۔ تبھی جناب محترم کیپٹن اعصار شیخ بنفس نفیس خود تشریف لے آئے۔

''کس کی تیاری کی باتیں ہو رہی ہیں؟''

''بلی کے گلے میں گھنٹی باندھنے کی۔'' ندا بھابی نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

''بلی......کون سی بلی؟ ہمارے ہاں تو کوئی بلی سرے سے موجود ہی نہیں۔ بائی دی وے، اس بیچاری بلی کی شامت کیونکر آ گئی؟ کئی بلیاں اس کے بغیر بھی بھاگتی دوڑتی، اچھلتی کودتی نظر آتی ہیں۔ گھنٹی باندھنے کی کیا تک ہے؟ میرے خیال میں تو بلی گھنٹی کے بغیر زیادہ ایزی فیل کرتی ہے۔ دادی اماں! کیا خیال ہے آپ کا؟'' دادی اماں کے قریب بیٹھتے ہوئے وہ روانی کے ساتھ بولا تو دادی اماں سمیت سلمٰی بیگم بھی مسکرا دیں۔ البتہ صفیہ بیگم کسی گہری سوچ میں ڈوبی رہیں۔

''دیور جی! یہاں ذکر کسی بلی کا نہیں، خود آپ کی آزادی کا ہے۔'' اُس کے ''حقوقِ بلیاں'' پر آواز اٹھانے پر ندا بھابی نے فوراً ہی مسکراتے ہوئے اسے باور کرایا تو وہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا؟''

''جی!'' ندا بھابی نے بھی شوخی سے اپنے دیور کی طرف دیکھا۔

''یہ دیکھیں۔'' اس نے فوراً دونوں ہاتھ جوڑ کر ان کے سامنے کئے۔ ''مجھے معاف ہی رکھیں۔ فی الحال ایسے دماغی صدمات برداشت کرنے اور سہنے کا متحمل نہیں ہوں۔'' اس نے تمام خواتین کے چہروں پر پھیلے تاثرات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''مجھے پہلے ہی کسی خطرے کی بو محسوس ہو رہی تھی۔ جہاں دو چار خواتین مل بیٹھیں، وہاں اس سے ہٹ کر کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔''

''تو یہ کون سی غلط بات ہے۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں۔'' دادی اماں نے خوبرو پوتے کی جانب محبت پاش نظروں سے دیکھا۔

''جی، صد فیصد درست اور واجب ہے آپ کی بات۔ مگر وقت ابھی مناسب نہیں۔ آپ

لوگ فی الحال سمیر میاں کے متعلق ہی سوچئے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو دادی اماں نے
تنبیہہ کرتی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔
”سب کی اہمیت اپنی جگہ۔ ہمیں جتنی فکر سمیر کی ہے، اتنی ہی تمہاری بھی ہے۔“
”ایک بات تو بتائیں دادی اماں؟“ اس نے ان کے پان دان میں سے چھالیہ برآ
کرتے ہوئے مسکرا کر دریافت کیا۔ ”یہ آپ خواتین کو ہم مردوں کی آزادی اتنی بری کیوں لگ
ہے؟“
”خدانخواستہ، بچے! یہ تو ایک اہم فریضہ ہے۔“ سلمٰی بیگم نے بیٹے کی طرف ہاور کرا
والے انداز میں دیکھا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
”ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے۔ اور یہ کام بھی اپنے وقت پر یقیناً انجام پا جائے گا۔“
”دیور جی! اپنی پسند تو بتاتے جایئے۔“ ندا نے چھیڑا۔
”صوفیہ لورین۔“
”نعوذ باللہ......!“ سلمٰی بیگم نے فوراً ہی کہا تھا مگر وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

✿......✿

”آ...... آ...... آ......“ وہ صفائی سے قبل مرغیوں کو ڈربے میں بند کرنے کی کو
جدوجہد کر رہی تھی مگر لاکھ جتن کے باوجود بھی مرغیاں ہاتھ نہیں آ رہی تھیں۔ اس کے لا
بلانے کے باوجود وہ مخالف سمت میں بھاگتی دوڑتی جا رہی تھیں۔
”آ...... آ...... آ......“ اس نے ہمت نہ ہارتے ہوئے سلسلہ جاری رکھا۔ مگر کامیا
قطعی نہ ہوئی۔ اس نے آخر کار تنگ آ کر بے بے کی طرف دیکھا۔
”بے بے! یہ مرغیاں بھی آپ کی ہی زبان سمجھتی ہیں۔“
”لے، ہر کم کا ڈھنگ ہوتا ہے۔ اب بے ڈھنگے اور بے چجے پن سے کم کرو گی تو بھی
گا نا۔“ بے بے نے چارپائی پر لیٹے لیٹے کہا۔ مگر وہ اسی بے چجے پن سے ”آ....آ....
کی آواز کے ساتھ مرغیوں کو ڈربے کی طرف بلاتی رہی۔ اور شاید مرغیوں کو اس پر کچھ ترس
گیا تھا جو آخر کار وہ ڈربے میں منتقل ہونا شروع ہو گئیں۔ مگر اب بھی ان میں سے کئی ایک
”باغی“ طبیعت کی مالک اِدھر سے اُدھر بھاگتی ہوئی یوں ظاہر کر رہی تھیں جیسے وہ ان
ساتھ ”پکڑن پکڑائی“ کا کھیل، کھیل رہی ہو۔ یہ کیفیت اتنی واضح تھی کہ اسی گھڑی آنے وا
نگو اور زیبو وغیرہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکیں۔
”تم ان کے ساتھ پکڑن پکڑائی کھیل رہی ہو کیا؟“

اور وہ اس گھڑی انتہائی جلے ہوئے انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ ان کے لبوں پر
رقصاں مسکراہٹ جیسے اس آگ پر تیل چھڑک گئی تھی۔ تبھی وہ انتہائی تپ کر بولی تھی۔
”ہاں۔ تم بھی کھیلو گی؟“
”نہ بابا نہ...... ہمیں ایسے کھیلوں کا کوئی شوق نہیں۔“
”تو پھر کیا تماشہ دیکھنے آئی ہو؟“ اس نے سلگ کر پوچھا تھا اور تب وہ کوئی جواب دیئے
بغیر ہنسنے لگیں۔
”کھی...... کھی...... کھی......“ سیبو نے نقل اتاری۔ وہ اور بھی زور سے ہنسنے لگیں۔
”تم لوگ میرا جی جلانے آئی ہو؟“ سیبو آخر کار ان بدتمیز مرغیوں کی ٹولی کو ڈربے میں
مقید کرنے میں کامیاب ہو گئی۔
”ہم تو کنوئیں پر پانی بھرنے جا رہے ہیں۔ سوچا تمہیں بھی لیتے جائیں۔ مگر تم تو یہاں
مرغیوں سے کھیڈ رہی ہو۔“ زیبو نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ قریب چلی آئی۔
”بڑی کمبخت ہیں یہ بھی۔ پتہ نہیں بے بے سے کیسے قابو میں آ جاتی ہیں۔ مجھے تو بھاگ
بھاگ کر چکر آنے لگے ہیں۔“
”آج کل تے اونج بھی تیرے پیروں کو بلیاں بندھی ہوئی ہیں۔“ نگو نے چھیڑنے
والے انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔
”سچ واقعی۔ بے بے کی بیماری نے مجھے چکر پھیریوں میں ڈال دیا ہے۔ میں نے پوری
حیاتی اتنے کم نہیں کیے تھے جتنے اب کر لیے ہیں۔“
”یہ تو ہے۔ میری دھی رانی کو بہت زیادہ کم کرنا پڑا ہے۔“ بے بے نے سیبو کو محبت سے
دیکھتے ہوئے کہا۔
”چل ماسی! کسی طرح اسے بھی عقل تو آئی۔“ زیبو ہنسی۔
”لے، تو پہلے میں بے عقل تھی؟“ سیبو نے فوراً احتجاج کیا۔
”لو، تو چوٹھ (جھوٹ) تو نہیں ہے کوئی۔“ نگو نے بھی ساتھ دیا۔
”تو بھلا سچ ہے کوئی یہ؟“ سیبو نے جل کر دریافت کیا۔
”ہاں نا۔ بھلے اپنی بے بے سے پوچھ لے۔“ نگو نے مسکراتے ہوئے کہہ کر بے بے کی
طرف دیکھا۔ ”کیوں ماسی! ہے نا یہ کم چور؟“
”نئیں، میری دھی رانی تے سوگنوں والی ہے۔ کرموں والی۔ کامی بچی ہے میری۔“
بے بے کی تعریف پر وہ بڑے فخر سے ان دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔

"بے بے! میں جاؤں؟"

"تو اس میں پوچھنے کی بھلا کیا گل اے؟" بے بے بولی تو وہ گھڑے اٹھا کر ان کے ساتھ نکل آئی۔

✿......✿

موسم معمول پر تھا مگر اس کے اندر کے موسم میں اچانک تبدیلیاں رونما ہونے سے سی تبدیلیوں نے جنم لے لیا تھا۔

تبدیلیاں مثبت بھی ہوتی ہیں اور منفی بھی۔

اور انسان سدا ان کے حصار میں رہتا ہے۔

باہر کے موسم بھی انسان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

اور اس کے اندر کے موسم بہت گہرے تھے۔ شاید پکے رنگوں والے۔ جو اپنا رنگ نہیں تبدیل کرتے تھے۔

باہر کا موسم آج اعتدال پر تھا۔

مگر اس کے اندر کے موسم اس پر بہت غالب تھے۔ اور وہ انہی کے زیر اثر اب تھی۔

گرینی اس کے سرہانے بیٹھی ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی تھی اور زینب بی بی فکرمندی سے اس کی ہتھیلیوں پر برف کے کیوبس رگڑ رہی تھیں۔ مگر اس کا وجود یونہی محسوس ہو رہا تھا۔

"فلورا! میرے خیال میں تو ہمیں اسے ہسپتال لے جانا چاہیے۔"

"ڈاکٹر ابھی دیکھ کر تو گیا ہے۔ اس کے خیال میں تو فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ اثر ہے۔"

"مگر بخار تو کم ہونا ضروری ہے۔ ایک تو یہ لڑکی اپنا خیال بھی نہیں رکھتی۔ کس بات خود سے لے رہی ہے۔ خود کو اذیت دے کر، تکلیف میں مبتلا رکھ کر وہ دوسروں کو کیا چاہتی ہے؟ مگر بے وقوف جانتی نہیں، اس میں سراسر نقصان اپنا ہے۔ کبھی کبھی دوسر احساس دلانے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ احساس تو کیا جاتا ہے، دلایا کب جاتا ہے۔ جسے یکھنا ہو، وہ خود بخود خیال رکھتا ہے۔ احساس کرتا ہے۔"

"تھرمامیٹر پکڑو۔" گرینی نے کہا۔

تبھی زینب بی بی نے سائیڈ ٹیبل پر دھرا تھرمامیٹر گرینی کو تھمایا اور ہولے ہولے

سر دبانے لگیں۔ ساتھ ہی اسے فکرمندی سے پکارا بھی۔

"مژگان! میری جان۔ آنکھیں تو کھولو۔ یا اللہ! اس لڑکی کی بجائے تو مجھے کچھ ہو جایا کرے۔ اس کی بیماری مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ اسے بستر پر پڑے دیکھ کر مجھے تو وحشت ہوتی ہے۔"

گرینی نے ٹمپریچر لے کر تھرمامیٹر دیکھا۔ "تھینکس گاڈ! ٹمپریچر تو کم ہوا۔ اب ٹھنڈے پانی کی پٹیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں ہٹا دو یہاں سے۔" زینب بی بی سے کہہ کر اس کے ہاتھوں کو ماتھے کو ٹشو سے صاف کیا۔

"مژگان...... چندا!" زینب بی بی نے محبت سے اسے پکارا۔

"اوں...... ہوں......" اس کے ڈسٹرب ہونے کے خدشے کے تحت گرینی بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھیں۔ "اب آرام کرنے دو اسے۔" اس کے ساتھ ہی گرینی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں اور زینب بی بی نے بھی فوراً ان کی تقلید کی تھی۔

✿......✿

"بے بے، اے بے بے! نال والے پنڈ میں میلہ لگ رہا ہے۔" اس نے روٹی توے پر ڈالتے ہوئے کہا تو چارپائی پر لیٹی بے بے اسے سوالیہ نظروں سے تکنے لگیں۔

"تے فیر؟" (تو پھر؟)

تبھی وہ ان کی طرف تذبذب کے عالم میں ایک نظر دیکھ کر دوبارہ توے پر پڑی ہوئی روٹی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"روٹی کو آنچ نہیں لگ رہی۔ پھونکنی پکڑ اور پھونک مار پاگل۔" بے بے نے اتنی دور سے ہی جانچتے ہوئے کہا تو وہ جلدی سے پھونکنی اٹھا کر پھونک مارنے لگی۔ آس پاس دھواں ہی دھواں بھر گیا۔ آنکھوں میں پانی بھرنے لگا۔ دم جیسے گھٹنے سا لگا۔ وہ کھانسنے لگی۔

"جھلیے! پھونک مارے گی تو دھواں کے گا نا۔" (پاگل لڑکی! پھونک مارو گی تو دھواں ختم ہوگا ناں) بے بے نے کہا۔ تبھی وہ آنکھیں مسلتی ہوئی پھونک مارنے لگی۔

"لے، بچے کار چلانے لگیں تے ساڈے جے بڈھیاں دی کی ضرورت باقی رہ جاوے گی بھلا۔" (لو، اگر بچے گھر چلانے لگیں تو ہم جیسے بوڑھوں کی بھلا کیا ضرورت باقی رہ جائے گی)

بے بے کی باتوں کے برعکس وہ پوری جانفشانی سے پھونکیں مارنے میں مصروف رہی اور بالآخر آگ دہک اٹھی۔ اس نے روٹی کو توے سے اتارتے ہوئے اور پھر نیا پیڑا بناتے ہوئے ایک نظر بے بے کی طرف دیکھا کہ جیسے سوچ رہی ہو کہ اب کیسے بات کا سرا جوڑوں۔ تبھی

اس کے کانوں میں بے بے کی آواز پڑی۔
"روٹی دیکھ، جل رہی ہے توے پر۔"
وہ جیسے سوچوں سے جاگتی ہوئی روٹی کی طرف متوجہ ہوئی۔ مگر تمام تر سوچوں کا ر
جانب لگا رہا۔
بے بے حقہ گڑگڑانے لگی۔
"بے بے!" اس نے بہت دھیمے سے پکارا۔
"ہوں۔"
"بے بے!" اس نے پھر پکارا۔
"لے، اب بول وی چھڈ۔" بے بے نے اُکتا کر کہا۔
"بے بے! مجھے میلے میں جانا ہے۔" اس نے مدعا بیان کر دیا۔
"اپنے چاچے اور ویر سے پچھ لینا۔" (اپنے باپ اور بھائی سے پوچھ لینا)
"بے بے! میں چاچے اور ویر سے گل نہیں کر سکتی۔"
"تے فیر؟"
"اجازت دلا دے۔"
"جدوں میلہ ہوئے گا، ویکھیا جائے گا۔" بے بے نے جیسے ٹالا۔
"بے بے! میری ساری سہیلیاں بھی جا رہی ہیں۔"
"ہلاہ...... ہلاہ!" بے بے نے سر ہلایا۔
"بے بے! مجھے ضرور جانا ہے۔" اس نے ضد کی۔
"ہلاہ۔ آکھ تے رہئی آں۔ تیرے چاچے نال گل کراں گی۔" بے بے نے کہا تو
جیسے پھر بھی تسلی نہ ہوئی۔
"بے بے! میلہ پرسوں ہے۔" اس نے کسی خدشے کے پیش نظر کہا۔
"لے، تو میلے وچ جا کے کیہ کریں گی بھلا؟" بے بے نے پوچھا تو وہ جیسے سلگ گ
کچھ بھی کہے بغیر توے کو گھورنے لگی۔ تبھی نگو آ گئی۔
"سلام بے بے!" اس نے بے بے کو سلام کیا، پھر اس کے قریب دھرے
موڑھے پر آن بیٹھی۔
"گل کی تو نے بے بے سے؟" بہت آہستہ آواز میں اس نے سیو سے دریافت کیا۔
نے خاموشی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"فیر؟"
"پتہ نہیں۔" وہ توے سے روٹی نیچے اتارتی ہوئی کنالی میں سے نیا پیڑا اٹھانے لگی۔
"اے، کیا کھسر پھسر کر رہی ہو کڑیو؟" بے بے نے نگو کو اس کے کان میں گھسے دیکھ کر کہا۔
"بے بے! اسیں سب میلے میں جا رہے ہیں۔" نگو نے جیسے اپنے آنے کا اصل مقصد
ان کیا۔
"لے، میلا پرسوں اے، اور تہانوں ہُنی توں کمل پیا ہویا اے (لو، میلہ پرسوں ہے۔ اور
لوگوں کو ابھی سے جنون سوار ہو رہا ہے) گل اپنے پنڈ دی ہووے فیر وی اے۔ میلہ
جے پنڈ وچ اے۔" (بات اپنے گاؤں کی ہو پھر بھی ہے۔ میلہ دوسرے گاؤں میں منعقد
رہا ہے) بے بے کو خود بھی اصل فکر اس بات کی تھی۔ ورنہ شاید اپنے گاؤں کی بات ہوتی تو
اجازت دینے اور دلوانے میں اتنا تامل نہ کرتیں۔
"بے بے! ہمارے علاوہ بھی کئی کڑیاں اور ہیں۔" سیو نے ایک مزید کوشش کی۔
"ہلاہ...... ہلاہ...... اپنے چاچے کو آنے تو دے۔"
"بے بے! اجازت لے کر دینی ہے تجھے۔" نگو نے کہا تو بے بے سر ہلانے لگیں۔
"کملیاں ہو گئیاں نیں۔ میلہ نہ ہو گیا چین تے ولایت ہو گیا۔ دیکھنا لازمی ہے۔"
بے خود کلامی کے سے انداز میں بولیں۔ تبھی وہ دونوں ہنسنے لگیں۔
"بے بے! ولایت اور چین دیکھنا ہمارے بس میں کہاں۔ ہم تو میلا دیکھ لیں بڑی بات
ہے۔ ہمارے لئے یہی کافی ہے۔" نگو مسکراتے ہوئے بولی تو بے بے سر ہلانے لگیں۔

✿......✿

وہ بچوں کو مکمل توجہ سے پڑھا رہی تھی مگر باہر سے آتی ہوئی کیپٹن اعصار شیخ کے بلند
قہقہوں اور باتوں کی آوازیں جیسے اسے مسلسل ڈسٹرب کر رہی تھیں۔ وہ بچوں کو جلدی
نمٹا کر اس کے پاس آن کھڑی ہوئی۔
"آپ کی چھٹیاں کب ختم ہو رہی ہیں؟"
اعصار نے اس کے سلگتے ہوئے انداز کو دیکھا، پھر مسکرا دیا۔
"تمہیں میری "اسیری" سے اتنا پیار اور "رہائی" سے اتنی دشمنی کیوں ہے؟"
"ہر شے اپنے ٹھکانے پر ہو تو زیادہ بہتر لگتی ہے۔" اس کے خفیف سے طنز پر وہ ہنس پڑا۔
شعاع کی طرف دیکھنے لگا۔
"خاتون! آپ کی یہ بہن آپ سے کتنی مختلف ہیں ناں۔ آپ جتنی خوش اخلاق، عقل

مند، سلیقہ شعار ہیں، یہ اتنی ہی آپ سے اپوزٹ ہیں۔ حیرت ہے، ساتھ رہتے ہوئے پر آپ کا کوئی اثر کیوں نہیں پڑا؟" شعاع اور رانیہ ہنسنے لگیں۔ کچھ ہی فاصلے پر عمر اور کھیلنے میں مصروف تھے اور دوسری طرف امی سلائی کرنے میں۔

وہ جواب دیئے بغیر امی کے قریب جا بیٹھی۔

"امی! آپ آرام کیجئے۔ میں سلائی کرتی ہوں۔" اور امی بھی شاید بہت تھک چکی تبھی اٹھ گئیں۔ تبھی اعصار بولا۔

"حیرت......صد حیرت۔ آج لوگوں کا موڈ لڑنے کا قطعی نہیں۔"

"مگر تم اسے "صلح" کی کوئی علامت بھی مت تصور کر لینا۔ یہاں موسم بدلتے د لگتی۔" شعاع نے مسکراتے ہوئے چائے کا کپ ایک طرف رکھا تو وہ مسکرا دیا۔ ا پڑھنے کے لئے چلی گئیں۔

"یار، میں ہر شے کی امید رکھ سکتا ہوں، ماسوائے صلح کے پرچم کو بلند کرنے کے۔ سے اگر امن برقرار رکھنے کی کوئی پیشکش ہوگی بھی تو اس جانب سے جواب میں کوئی ہی آئے گا۔"

"یا اللہ، اعصار بھائی! آپ تو خواہ مخواہ ہی میری بہن کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔" را فوراً بہن کی حمایت میں کہا تو وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

اور وہ جو مکمل طور پر بے اعتنائی برتنے کی قسم کھائے بیٹھی تھی، یکدم ہی سلگ کر ا جانب دیکھنے لگی۔ نظروں کا لمحہ بھر کو تصادم ہوا۔ وہ بہت دھیمے انداز میں مسکرا دیا۔ وہ د ہی پل جھک کر مشین چلانے لگی۔ شعاع اور رانیہ کچن کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ تبھی ہوا اس کے پاس آن بیٹھا اور اسے مہارت کے ساتھ سلائی کرتے دیکھنے لگا۔ مصروف رہی۔

"آج کل امی اور بھابیاں میری شادی کے لئے سرگرم عمل ہیں۔" اس نے ا اطلاع بہم پہنچائی مگر دوسری طرف سے کسی بھی مطلوبہ ردعمل کا اظہار نہ ہوا۔ تبھی وہ د دوبارہ گویا ہوا۔ "میرے لئے لڑکی ڈھونڈی جا رہی ہے۔"

"ہوں...... یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" وہ بس اتنا ہی کہہ کر پھر مصروف ہو گئی۔

اور تانیہ کے جھگڑنے کی آواز کان میں پڑی۔

"عمر! بہن سے لڑو نہیں۔"

"یہ بے ایمانی کر رہی ہے آپی۔" عمر نے کہا۔ تبھی چھوٹی تانیہ تلملا اٹھی۔

"آپی! یہ عمر بھائی خود بے ایمانی کر رہے ہیں اور بلیم مجھے دے رہے ہیں۔"

"اوکے، اوکے۔ چھوڑو اب تم اسے اور کچھ پڑھ لو۔" اس نے دونوں کو ہدایت دیتے ہوئے دوبارہ کام سنبھالا، پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "تم چائے پیو گے؟"

"نہیں، شکریہ۔" وہ لاتعلقی سے بولا۔ تبھی وہ تانیہ سے بولی۔

"تانی! رانیہ آپی سے کہو دو کپ چائے بنا کر بھیج دیں۔" وہ کہہ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تو وہ اسی طرح اس کی طرف بغور دیکھ رہا تھا۔

"ایسے گھور گھور کر کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ اس کے سلگتے ہوئے انداز پر جانے کیوں ہنس پڑی۔

"دیکھ نہیں رہا تھا، سوچ رہا تھا کبھی کبھار ون وے کا سفر کتنا تکلیف دہ اور دُشوار گزار ہوتا ہے۔"

"تبھی تو کہتے ہیں ون وے پر چلنا حماقت ہے۔ جس راہ سے واپسی کی کوئی راہ ہی نہ نکلتی ہو، وہاں پر چلنا سراسر نقصان ہے۔ راستوں کا انتخاب سوچ سمجھ کر کرنا چاہئے۔" وہ بنا اس کی جانب دیکھے مشین چلاتی ہوئی بولی۔

"کبھی کبھی بہت کچھ ہمارے اختیار میں نہیں ہوا کرتا۔ ہم اس راہ پر خود نہیں چلتے۔ عقل، خرد بھی اس کا مشورہ نہیں دیتی۔ یہ فیصلے عقل اور ہوش مندی کے تابع ہوتے بھی نہیں۔ یہ سفر تو خود بخود ہی شروع ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاؤں اٹھتے ہیں اور اس راہ پر پڑنے لگتے ہیں۔ بلا سوچے، بنا سمجھے ہم قدم آگے اور آگے بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ ہمیں کچھ ہوش نہیں ہوتا۔ اک عالم دیوانگی ہوتا ہے۔ دل ہوتا ہے اور ہم۔ اتنا ہوش ہی کب ہوتا ہے کہ دیکھا جائے کہ کوئی ہمارے ساتھ چل بھی رہا ہے یا نہیں۔ اس راہ پر کسی اور کے قدم بھی ہمارے ہم قدم ہیں یا نہیں۔ یہ دیکھنے اور سوچنے کا ہوش ہی کب ہوتا ہے۔ قدم چلتے ہیں اور اس راہ پر چلتے چلے جاتے ہیں۔ اور جب کبھی ہوش کی ایک نظر ڈالتے ہیں تو بہت آگے نکل چکے ہوتے ہیں۔ اتنا آگے کہ واپسی کی کوئی راہ باقی بچتی ہی نہیں۔"

تبھی رانیہ چائے لے آئی۔ دونوں نے خاموشی سے کپ تھامے۔ رانیہ واپس پلٹ گئی۔

وہ بجائے چائے پینے کے یونہی مشین چلاتی رہی۔ شاید یہ بے دھیانی ہی تھی جس کے باعث کپڑے کی سائیڈ موڑتے ہوئے اچانک ہاتھ مشین کی نیڈل سے جا ٹکرایا۔ اس کی سسکی نکل گئی۔ شہادت کی انگلی سے خون رسنے لگا۔ کیپٹن اعصار شیخ نے فوراً ہی اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیا بے وقوفی ہے یہ۔" اس کی خون رستی انگلی پر فوراً اپنا رومال رکھتے ہوئے اسے ڈپٹا۔

وہ بھیگی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ اعصار نے بھی اس کی سمت دیکھا۔ تبھی ا
دھیرے سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

✿......✿

بخار قدرے کم تھا مگر نقاہت بے حد تھی۔ وہ دواؤں کے زیر اثر آنکھیں بند کیے لی
تھی کہ گرینی نے کسی کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ ٹھیک طرح سے سن نہ پائی۔ یونہی ا
موندے بازو آنکھوں پر دھرے پڑی رہی۔ گرینی پلٹ گئیں۔ تبھی اس آنے والے نے
کے ساتھ دہلیز کے اندر قدم رکھا۔

''مژگان!'' گرینی نے آنے والے کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے اسے پکارا مگر اس م
جنبش نہ ہوئی۔

''مژگان!''

''ہوں!'' اب کے اس کی دھیمی سی آواز ابھری۔

''دیکھو بیٹا! آپ سے ملنے کون آیا ہے۔''

اس نے بہت آہستہ سے جیسے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ کسی کا دھندلا سا عکس نظر آیا
نے آنکھوں کو دھیرے سے مسلا۔ سامنے کا سارا منظر آہستہ آہستہ واضح ہوتا چلا گیا۔

بابا سائیں، گرینی کے ساتھ کھڑے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔ اس کے جاگنے
کے قریب چلے آئے۔ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کی پیشانی کو دھیرے سے چھوا
دھندلائی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی۔

''کیسی ہے ہماری چندا؟''

اور اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔ گرینی شاید اس کی کیفیت بھانپ گئی تھیں۔
بولیں۔ ''دواؤں کے زیر اثر ہے۔ بخار اب بھی مکمل طور پر اترا نہیں۔''

''آپ نے اسے ہسپتال میں منتقل کیوں نہیں کر دیا؟'' انہوں نے اس کی کیفیت کو د
ہوئے گرینی سے دریافت کیا۔ پھر اپنے موبائل پر شاید کسی ہسپتال کا نمبر ملانے لگے۔ تبھی
نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں۔

''بابا سائیں! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔''

''یہ ٹھیک ہو تم؟ صورت کیسی پیلی ہو رہی ہے اور......''

''بابا سائیں! میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے ان کی بات کاٹتے ہوئے حتمی انداز میں ا
آواز جانے کیوں بھرا گئی۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔ پانی آنکھوں کے کناروں سے بہتا

تکیے میں جذب ہونے لگا۔

وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ خود کو شکستہ بنا کر قطعی پیش نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر جانے
کیوں ساری صورت حال اس کے مخالف ہو گئی تھی اور وہ شکوہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کسی بات کا
احساس دلانا نہیں چاہتی تھی کہ بعض اوقات رشتوں میں احساس دلانے سے بھی احساس پیدا
نہیں ہوتا۔ ایسے ہی جیسے بنجر زمین سے آپ فصل گل کی امید رکھیں۔ کسی سوکھے ہوئے پیڑ
سے پھلوں کی امید کریں۔

کبھی کبھی ایسا بھی تو ہوتا ہے نا۔ کچھ بھی ہمارے اختیار میں نہیں ہوتا اور اس لمحے اس کی
آنکھوں کے سمندر جیسے اس کے بس میں نہ تھے۔

اندر اک درد تھا۔

گھٹن تھی۔

لہریں شوریدہ تھیں۔

اس بظاہر پُرسکوت، خاموش نظر آنے والے سمندر کی خاموشی کا اصل سبب کیا تھا۔ اس کی
''خاموشیوں'' میں کیا اسرار و رموز پوشیدہ تھے، کسے خبر تھی۔

کسے جستجو تھی۔

کسے فرصت تھی۔

جو یہ جاننے کی ضرورت محسوس کرتا۔

بابا سائیں اس کی پیشانی دھیرے دھیرے دبا رہے تھے۔ ساتھ ہی وہ گرینی اور زینب بی
بی سے بات بھی کر رہے تھے۔

''سائیں! آپ تو رستہ بھول جاتے ہیں۔'' زینب بی بی کی شکوہ بھری آواز اس کی سماعتوں
سے ٹکرائی۔

وہ کچھ خوش فہم ہونے والی تھی۔

کس قدر خوش گمان!

کہ اس کے لئے بابا سائیں نے اپنی شدید ترین مصروفیت میں سے وقت نکالا تھا۔ مگر عین
اسی لمحے اس کی سماعتوں میں بابا کے موبائل کی بیل کی آواز پڑی تھی۔ انہوں نے کال سننے
کے لئے یقیناً فون کان سے لگایا تھا۔

''ہاں...... سائیں...... اوکے، میں آ رہا ہوں۔'' وہ مختصر بات کے بعد موبائل پر ''End''
پریس کرتے ہوئے گرینی اور زینب بی بی کی طرف دیکھنے لگے۔

"مکمل خیال رکھیے گا اس کا۔ اور اگر کوئی مسئلہ ہو تو مجھے فون کر دیجیے گا۔ میں پھر گا۔" اس کے ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

اور مژگان کے دل کے سمندر میں جیسے لمحہ بھر میں طغیانیاں بھر گئی تھیں۔

✿......✿

آج شاجی کی مہندی تھی اور باوجود تھکن کے اس کے بلائے بغیر نگو اور زیبو وغیرہ ساتھ اس کے ہاں موجود تھی۔

"شکر ہے تو اج آ گئی۔ میں تو سمجھی تھی تو اج وی نہیں آئے گی۔" شاجی نے شکوہ ا ہوئے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔ پیلے سوٹ اور ہرے دوپٹے میں وہ خاصی خوبصورت رہی تھی۔

"ہائے شاجی! تجھے تو بہت روپ چڑھا ہے۔"

"ہاں، اب مسکہ مت لگا۔ پتہ ہے کتنا غصہ ہے مجھے تجھ پر۔ قسم سے دل چاہتا حشر کر دوں۔" وہ اسی سلگتے ہوئے انداز میں بولی تو وہ مسکرا دی۔

"لو، آئی تو ہوں کتنی بار۔"

"ہاں، احسان ہے بھئی تیرا۔ مگر میں نے بھی طے کر لیا ہے، تیری شادی پر مجھے بھ طرح کرنا ہے۔ اگر نہ کیا تو میرا نام بھی شاجی نہیں۔" وہ اس قدر روانی سے بولی کہ اسے گھورنا چاہتی تھی، یکدم سرخ پڑ گئی۔ تبھی نگو اور زیبو وغیرہ آ گئیں۔

"ہائے کیا کہہ دیا اس کو جو یوں لالو لال پڑ گئی اپنی سیو۔" اس کی سرخ رنگت کو ا ہوئے چھینو نے دریافت کیا۔

"لے، مجھے بھلا کیا کہنا ہے۔ ویاہ کے نام پر یہ گلال بکھر گئے ہیں۔" شاجی نے مطلع تو سب ہنسنے لگیں۔ وہ کچھ خجل سی ہو گئی۔ تبھی شاجی کی بے بے نے پکارا۔

"نی کڑیو! ہُن بس کرو۔ تہاڈیاں گلاں کبھی ختم ہی نہیں ہوں گی۔" (اے لڑکیو! اب کرو۔ تمہاری تو باتیں کبھی ختم ہی نہیں ہوں گی)

تبھی شاجی کی دادی کی آواز بھی آئی۔ "اے شبھ گھڑی لنگدی پئی ہے۔ چھیتی کرو۔"

تبھی وہ باتوں کا سلسلہ منقطع کرتے ہوئے سرخ دوپٹے کی چھاؤں میں شادی بیا خوبصورت گیت گاتی ہوئی اسے صحن میں لے آئیں۔

بنو میری دے سوہنے ہتھاں وچ مہندی
لگدی پئی اے شگناں دی مہندی

سوہنی سوہنی مہندی، پیاری پیاری مہندی
سجناں دی مہندی پیاری پیاری مہندی
سجناں دا ناں اساں ہتھ وچ لکھنا
پیار دے رنگاں دا رنگ اساں بھرنا
دل وچ پیار والا رنگ اِک بھر کے
اساں تے محبتاں نال پیا دل تکنا
بنو میری دے سوہنے ہتھاں وچ مہندی
لگدی پئی اے شگناں دی مہندی
ہُن اساں پیراں نوں روکنا نئیں اے
پیار والی گل تے ٹوکنا نئیں اے
دلاں نوں دلاں توں دور رکھنا نئیں اے
کم کوئی لڑائی والا کرنا نئیں اے
ہُن اساں نیڑے رہنا سجناں دے
پائیاں نے بیڑیاں قدماں وچ
رکھنا اے ڈوریاں نوں محبتاں دی کھچ
دن رات ناں اساں لینا پیار دا
جڑ گیا ناں جدوں ساڈے نال پیا دا
لینا سانوں کجھ نئیں دنیا کولوں
ہور کجھ ہُن منگنا نئیں رب کولوں

وہ ایک آواز ہو کر گاتی ہوئی اسے موڑھے کے قریب لے آئیں۔ پھر اسے موڑھے پر بٹھا کر باری باری اس کے ہاتھوں پر شگن کی مہندی لگانے لگیں۔ ساتھ ہی لڈی بھی ڈالنے لگیں۔ سیو ایک طرف ہو کر کھڑی ہو جانا چاہتی تھی مگر انہوں نے اسے بھی ساتھ کھینچ لیا۔

بنو میری دے سوہنے ہتھاں وچ مہندی
لگدی پئی اے شگناں دی مہندی
پیاری پیاری مہندی
پیار والی مہندی
سجناں دا کرائے گی دیدار سانوں مہندی

سوہنی سوہنی مہندی
سجناں دی مہندی
سجدی پئی اے
ہتھاں وچ مہندی

ہری قمیض، کالی شلوار اور کالے دوپٹے میں سیو کا رنگ دہکتا انگارہ ہو رہا تھا۔ شوخی ہنستی ہوئی وہ اتنی حسین لگ رہی تھی کہ دیکھنے والے کی نگاہ خیرہ ہو جاتی۔

اس میلے، کُچیلے لباس میں بھی وہ حسن کا شاہکار لگ رہی تھی۔ جانے کیا تھا اس گاؤ سادہ لوح لڑکی میں۔

سیدھی سادھی۔ بھولی بھالی۔

ان پڑھ گنوار لڑکی میں کہ اچانک ہی کسی کی نظریں ساکت رہ گئی تھیں۔

''چھوٹے سرکار! بیٹھیئے نا آپ۔ ہمارے تو بھاگ کھل گئے جو چھوٹے سرکار کے مبا قدم ہماری دہلیز پر پڑے۔'' شاجی کے چاچا بڑے مؤدب انداز میں کہہ رہے تھے۔

''چھوٹے سرکار'' یقیناً اپنی رعایا کو کچھ نوازنے آئے تھے۔ ایسے موقعوں پر جو کام وہ جاہ و حشمت نمایاں کرنے کے لئے کرتے ہیں، یقیناً اس لمحے وہ اسی کا پرچار کرنے آ تھے۔ تبھی تو منشی صاحب کہہ رہے تھے۔

''بڑے چوہدری صاحب کے پاس وقت نہیں تھا۔ انہوں نے اپنے جانشین کو بھیج مقصد نیک تھا۔ ان کو دیر ہو جاتی شہر سے لوٹنے میں۔ سو یہ نیک فریضہ چھوٹے سرکار انجام دینا پڑا۔ رقم تھوڑی ہو تو بتا دینا۔ کوئی مسئلہ نہیں اے۔ شاجی ساڈی وی دھی اے۔ ش بس دُھوم دھام نال ہونی چاہیدی اے۔''

''مہربانی سرکار! مہربانی۔ خدا وڈے چوہدری صاحب نوں سلامت رکھے۔ چھوٹے جیوندے رہن۔ شالا لمبی حیاتی ہووے۔'' شاجی کے چاچے نے دُعاؤں کی بارش کر دی۔

''چھوٹے سرکار! تشریف رکھو نا آپ۔'' بلّو نے بھی بے حد عزت سے کہا۔ وہ ایک لم منظر سے چونکتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگے۔

''کسی اور شے کی ضرورت ہو تو آگاہ کر دیجئے گا۔'' بہ نفس نفیس انہوں نے خود پوچھا۔

''مہربانی سرکار! مہربانی۔ ایہو بہت اے۔'' شاجی کے چاچے نے ایک بار پھر شکریہ ادا ک

کوٹھے اُتے کوٹھرا تے کوٹھرے تے کاں
چھیتی نال لکھ دے تو پیار دا ناں

مہندی ساڈی شگناں دی رنگ اے لیائے گی
میل ساڈا ساڈے سجناں نال کرائے گی
گھڑی او محبتاں دی ہُن نیڑے آئی اے
گڈی ساڈی روک دے، پیار دی گلی آئی اے

مسلسل شوخی سے مسکراتے ہوئے وہ تمام، گاؤں کے مخصوص انداز میں گاتے ہوئے مخصوص رقص کر رہی تھیں۔

ریل چلدی اے ٹیشن نوں تے چل جائے
دنیا ہُن رُسدی اے تے بھلے رُس جائے
اساں تے ہُن ہر ویلے پیا پیا کرنا
کھیڈ اے محبتاں دا اساں ہُن کھیڈنا
رانجھا رانجھا کرنا تے آپ بیٹھی کھیڈنا
ہیر نے محبتاں دی راہ نوں نئیں چھڈنا
مہندی لا نی مہندی لا
شگناں دی مہندی لا

ڈھولک کی تھاپ پر پاؤں مسلسل متحرک تھے۔

تبھی اچانک سیو کی نظر جانے کیسے سامنے اٹھ گئی۔ کسی کی ساکت نظروں سے اس کی نظریں لمحہ بھر کو ملیں اور پھر دوسرے پل جھک گئیں۔ اس کے پاؤں یکدم ہی ساکت ہو گئے۔ وہ لڑکیوں کے اس دائرے سے نکل کر یکدم ہی گاتی ہوئی عورتوں کے ہجوم کے پیچھے ہو گئی۔ دل بے حد زور سے دھڑک رہا تھا۔

✿......✿

''اے ہے، یہ کون سا وقت ہے پودوں کو پانی دینے کا۔'' نمیرا کو شام کے وقت گملوں میں پانی دیتے ہوئے دادی اماں نے چونک کر پوچھا۔

''دادی اماں! صبح یاد ہی نہیں رہا تھا۔''

''تو بیٹا! اگلی صبح کا انتظار کر لیا ہوتا۔'' دادی اماں نے چشمے کے پیچھے سے دیکھتے ہوئے کہا تو صفیہ بیگم بھی بیٹی کو گھورنے لگیں۔

''اماں بی! اس لڑکی کی عقل تو یوں بھی گھاس چرنے گئی ہے۔ مجال ہے کوئی بھی معقول کام کر جائے۔'' صفیہ بیگم کا انداز اکتایا ہوا تھا۔ ''لوگوں کی بیٹیوں میں سو سو گُن ہوتے ہیں،

عقل مند ہوتی ہیں۔ مگر اپنے تو نصیب ہی جلے ہوئے ہیں۔"

"اے بہو! ایسی اول فول منہ سے مت نکالو۔ ماشاء اللہ ہماری بچیاں لاکھوں میں ہیں۔ خدا نصیب بھی اچھے کرے گا۔"

"اب تک تو نہ ہوئے۔ ایک تو ان کے والد صاحب کو بھی فکر نہیں۔ ساری فکروں بکھیڑوں کے لئے میں جو موجود ہوں۔ مجال ہے جو کسی بات کے متعلق سوچ لیں۔"

زویا نے شماریات کا ایک مشکل سوال حل کرتے ہوئے اچانک سر اٹھایا۔

"تو چچی جان! اس میں بیچاری نمیرا کا کیا قصور ہے؟" قریب ہی بیٹھی زویا معصومیت گویا ہوئی تو صفیہ بیگم اسے دیکھنے لگیں۔ تبھی دادی اماں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگا

"تو چپکی رہ گڑیا۔" پھر ساتھ ہی صفیہ بیگم سے بولیں۔ "اچھی اور مثبت سوچ رکھو۔ اللہ سب ٹھیک ہو گا۔"

"اے اماں بی، ٹھیک کیا ہو گا۔ ابھی تک تو کوئی سرا ہی نہیں مل رہا۔ ایک تو آج اپنوں کی آنکھ میں بھی احساس، مروت والی کوئی شے نہیں۔"

انہوں نے اندر آتے اعصار کو دیکھا۔

"زویا! ایک کپ چائے پلیز۔" زویا کے سر پر دھیرے سے چپت لگاتے ہوئے وہ قریب سے گزر گئے۔

وہ نوٹ بک ایک طرف رکھ کر اٹھنے والی تھی، تبھی صفیہ بیگم فوراً بول اٹھیں۔

"اے بچی! تو بیٹھی پڑھتی رہ۔ نمیرا چائے دے آتی ہے۔" ساتھ ہی انہوں نے نمیرا آواز دے کر حکم صادر کیا، پھر دادی اماں کی طرف دیکھنے لگیں۔

"یہ آپا سلمیٰ بیگم نے بازار میں کچھ دیر نہیں لگا دی؟"

"اے، آج کل موئی خریداری میں وقت بھی تو کتنا لگتا ہے۔ بازار میں جا گھسو تو موئے بھول بھلیاں بن جاتے ہیں۔ پھر ایک کے بعد دوسری شے پر نظر پڑتی ہے تو وقت کا احساس ہی نہیں رہتا۔ خیر سے ساتھ دونوں بہوئیں بھی ہیں۔"

تبھی اعصار واپس آ گیا۔

"یہ امی کہاں ہیں؟" اس نے دادی اماں سے سوال کیا۔

"اے ذرا مارکیٹ تک گئی ہیں۔ ساتھ میں دونوں بہوئیں بھی ہیں۔"

"خیریت؟"

"اے موسم بدل رہا ہے، اس کے حساب سے کچھ کپڑوں کی خریداری کرنا تھی اور کچھ

کا سامان صرف لینا تھا۔" دادی اماں نے آگاہ کیا۔ ساتھ ہی دریافت کیا۔ "کوئی کام تھا کیا؟"

"نہیں، یونہی گھر میں سناٹا دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔"

تبھی نمیرا چائے لے کر آ گئی۔

"تم تک کر ایک جگہ پر نہیں بیٹھ سکتے؟ پہلے میں تمہارے کمرے میں گئی تھی۔ پھر تمہیں وہاں نہ پا کر یہاں آئی ہوں۔" چائے کا کپ اسے تھماتے ہوئے وہ بولی تو وہ مسکرا دیا۔

"شکریہ۔ مگر میں نے تو آپ کو قطعی زحمت نہیں دی تھی۔"

"مگر مجھے زحمت کرنا پڑی۔" وہ مسکراتی ہوئی بولی۔

"چلئے، اگر آپ نے یہ فریضہ سرانجام دے ہی ڈالا ہے تو بندہ شکریہ پلیٹ میں سجا کر آپ کو پیش کرتا ہے۔"

"اوں ہوں، صرف شکریہ؟ بھئی کوئی ڈنر ونر کی پیشکش کرو تب بھی ہے۔ یہ تو احسانِ عظیم ہے۔" نمیرا نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"بخدا، ایک انتہائی معمولی سا فوجی بندہ ہوں۔ جس کی جیب قطعی اس بات کی اجازت نہیں دیتی۔" وہ کہہ کر چچی بیگم کی طرف دیکھنے لگا۔ "بائی دی وے یہ سمیر صاحب کہاں ہیں؟"

"فون آیا تھا۔ شاید کسی ضروری میٹنگ میں مصروف ہے۔" اور وہ جانے کیوں جواب میں مسکرا دیا۔

"آپ کو اس کے لئے کوئی لڑکی پسند آئی یا نہیں؟"

"ابھی کہاں۔ میں تو جہان دیکھ ہاری۔ موئی کوئی ایک لڑکی بھی میرے چاند سے بچے کے جوڑ کی نہیں۔" صفیہ بیگم نے انتہائی تاسف سے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"چچی جان! آپ کبھی اس بیچارے کی مرضی بھی تو معلوم کر کے دیکھئے۔" اور تبھی چچی جان نے ایک انتہائی ناگوار سی نظر اس پر ڈالی، ساتھ ہی بولی تھیں۔

"اس لڑکے کی تو کوئی کل سیدھی نہیں۔" پھر دوسرے ہی پل بات کا رخ یکسر تبدیل کرتے ہوئے پوچھنے لگیں۔ "تمہاری اور کتنی چھٹیاں باقی ہیں؟"

"جی بس مزید دو یا تین روز۔"

"ایک تو مجھے یہ فوجیوں والی نوکری قطعی پسند نہیں۔ ہر وقت دل کو دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔"

"مگر چچی جان! ہمیں تو فخر ہے۔ ہمارے بھائی ایک بہادر آفیسر ہیں۔" زویا نے فوراً بھائی کی شان میں قصیدہ خوانی کی۔

"اے لو۔ تو ہمیں کون سا نہیں ہے۔ ہمارا بھی بچہ ہے۔ میں تو بات نوکری کی کر رہی

تھی۔ جان ہر گھڑی ہتھیلی پر ہوتی ہے۔"

"چچی جان! یہی تو زندگی ہے۔ ہر لمحہ پُرخطر راہوں پر ثابت قدمی سے چلنا، خطروں سے کھیلنا اور جینا۔ اسی کو تو زندگی کہتے ہیں۔ ہماری جان ایک خاص مقصد کے تحت ہماری سرزمین کے نام ہوتی ہے، قوم کے نام ہوتی ہے۔ اسی بات کا تو فخر و غرور ہمارا سر اٹھائے رکھتا ہے، ہمیں سرفراز و سربلند رکھتا ہے، ہمارے حوصلوں کو تر و تازہ رکھتا ہے۔"

"خدا زندگی دے تجھے۔ ہماری دعائیں تو تمہارے ساتھ ہیں۔ اولاد نیک ہو تو عاقبت سنور جاتی ہے۔" چچی ماں نے دعا دی تو سب نے ایک ساتھ آمین کہا۔

✿......✿

زینب بی بی نے جیسے ہی رہبان عالم شاہ کے آنے کی اطلاع دی، وہ جہاں چونکی، وہیں فوراً اٹھ بیٹھی۔

دوسرے ہی پل وہ اس کے کمرے میں تھا۔

"اسلام علیکم۔ کیسی ہیں آپ؟" ایک دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ پوچھتے ہوئے اس نے اسی کے مخصوص انداز میں تازہ پھولوں کا بوکے اس کی سمت بڑھایا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"ٹھیک ہوں۔" چہرے پر نقاہت کے باوجود وہ دھیمے انداز میں مسکرا رہی تھی۔ مگر اس کی آنکھیں جیسے اس کا ساتھ نہ دے رہی تھیں۔ زینب اسے چھوڑ کر خود شاید خاطر مدارت کے خیال سے واپس پلٹ گئی تھیں۔ وہ یونہی کھڑا تھا۔ تبھی وہ بولی۔

"آپ بیٹھیے نا۔"

وہ قریب رکھی چیئر پر بیٹھ گیا۔

"ہماری ایک عادت انتہائی بری ہے۔" وہ یکدم بولا تو وہ چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی۔ تبھی وہ بولا۔ "ہم جتنے چاہے بیمار ہوں مگر اس لمحے اگر کوئی پوچھ بیٹھے "کیسے ہیں آپ؟" تو جواب میں ہم ہمیشہ "ٹھیک ہیں" کی ہی گردان کرتے ہیں۔ یہ ایک جملہ جو تین لفظوں پر مشتمل ہوتا ہے، ہم اس کو بولنے کے اتنے عادی ہو چکے ہوتے ہیں کہ اس کے علاوہ پھر کوئی اور جملہ ہمارے منہ سے نکلتا ہی نہیں۔"

وہ دھیمے انداز میں مسکرا دی۔ وہ بھی مسکرا دیا۔

"تھینک یو۔ میں آپ کے چہرے پر ایسی ہی مسکراہٹ دیکھنا چاہتا تھا۔ ویسے آپ جانتی ہیں، ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

اُس نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا۔ "میں خود حیران ہوتی ہوں۔ ہمیشہ یہی الفاظ

ادا ہوتے ہیں ایسے سوالوں کے جواب میں۔ اور میں سوچتی تھی یہ فقط میرے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ اور اس وقت تو یوں بھی میں حیران ہوں کہ آپ میرے سامنے بالکل تندرست، فٹ فاٹ موجود ہیں۔ صحت یابی مبارک ہو۔ سوری، میں آخری دن آپ سے ملنے نہ آ سکی۔"

"ڈونٹ بی مینشن۔ اٹس او کے۔ اور آپ حیران کیوں ہیں مجھے یہاں دیکھ کر؟ جب آپ ایک طویل عرصے تک میری عیادت کو آ سکتی ہیں تو میں کیوں نہیں۔"

"علی کیسے ہیں؟" وہ اس کے مکمل دوستانہ انداز پر مسکراتی ہوئی بولی تو وہ اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"ایک بات کہوں؟"

"جی......" وہ چونک گئی۔

"آپ کے چہرے پر یہ رسمی سی مسکراہٹ اچھی نہیں لگتی۔ آپ مسکرایئے دل سے۔ کیونکہ آج آپ کی آنکھیں آپ کی مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دے رہیں۔"

وہ اس پر سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے ہونٹ کچلنے لگی۔ تبھی وہ دھیرے سے بولا۔ "آئی ایم سوری۔ میں پرسنل ہونا نہیں چاہتا۔ لیکن کیا ہم اچھے دوست نہیں بن سکتے؟ کسی اسکالر نے کہا ہے، اچھے دوستوں کی ضرورت زندگی کے ہر موڑ پر رہتی ہے۔ اور وہ دوست ہی ہوتے ہیں جن سے ہم ہر شے شیئر کرنا چاہتے ہیں۔ اپنا دکھ، اپنا درد، اپنا غم، اپنی خوشیاں، ہر شے ہم جن سے شیئر کر سکتے ہیں، وہ بلاشبہ ہمارے مخلص دوست ہی ہوتے ہیں۔ گو ہمارا ساتھ کسی طویل مدت پر مبنی نہیں۔ لیکن ضروری نہیں کہ دوستی کو تول اور ناپ کر کیا جائے۔ مجھے امید ہے، ہم ایک دوسرے کے اچھے اور مخلص دوست ثابت ہو سکتے ہیں۔"

وہ کہہ رہا تھا اور اس کے ذہن میں مسلسل ایک ہی گردان ہو رہی تھی۔

محبت ہوتی ہے
محبت ہوتی ہے
وہی ازلی خودسر لہجہ۔
وہی ضدی انداز......!
وہی تکرار۔
وہی برستی نرم پھوار۔
محبت ہوتی ہے!
م ت ہوتی ہے!

ہر دن کے لئے جیسے ہر رات ضروری ہے
جینے کے لئے اس کی اِک ذات ضروری ہے
تم چاہے بھلا دینا اِک روز مجھے لیکن
ہاتھوں میں ابھی تیرا یہ ہاتھ ضروری ہے

بظاہر وہ اس کے سامنے تھی۔
مگر اس کا ذہن کسی دوسرے جہاں میں سفر کر رہا تھا۔
وہی گہری سبز آنکھیں اس کے دھیان میں تھیں۔
وہی سمندر ٹھاٹھیں مارتا اس کے روبرو تھا!
وہ ساکت تھی۔
بظاہر اس کی جانب دیکھ بھی رہی تھی۔
مگر ذہن کی اسکرین پر یکسر مختلف عکس جھلملا رہے تھے۔
پیٹر، برائن، جسیکا، کیتھی اور نک سب مسکرا رہے تھے۔

''لیٹ اس انجوائے بے بی! وی آر بیسٹ فرینڈز۔'' مگر وہ بری طرح سلگ رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح انہی سبز سمندر آنکھوں سے خائف تھی جواب بھی ایک لطیف شرارت کے اس کی جانب انتہائی دلفریب انداز میں مسکراتے ہوئے تک رہی تھیں۔

''میرا بس چلے تو تمہیں لندن برج سے نیچے گرا دوں۔'' وہ سلگتے ہوئے بولی تھی ہنستا چلا گیا تھا۔ پھر اس کے قریب آ کر بولا تھا۔

''مارنا چاہتی ہو مجھے؟'' وہ بہت دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھنے لگا تھا اور تب کچھ کہے اس کی سمت یونہی تکتی چلی گئی تھی۔ پھر شاید وہ اس کے انداز کو مثبت سمجھتے ہوئے ہوا۔ ''بے وقوف! یہ کام تو تمہاری آنکھیں بھی کر سکتی ہیں۔'' اس کے لہجے میں شرارت طور پر محسوس کی جا سکتی تھی۔ سب ہنسنے لگے تھے۔

''میں چلی جاؤں گی یہاں سے۔'' اس نے گویا دھمکی دی۔

''کہاں......؟ کہاں جاؤ گی؟ ہر جگہ میں ہی ہوں گا۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ گویا ہوا تھا۔

''میڈ...... یو آر رئیلی میڈ......!'' وہ اس کی جانب انتہائی افسوس ناک انداز میں دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی۔

''ہاؤ اباؤٹ یو......'' اس نے دھیمے انداز میں جیسے اقرار کیا اور اس کی جیسے برداشت

ایک لمحے میں ختم ہو گئی تھی۔ اس نے کیتھی کے ڈرائنگ...... روم کے تمام کشن اٹھا اٹھا کر اس کی طرف اچھالنا شروع کر دیئے تھے مگر وہ ہنستا چلا گیا تھا بلکہ سبھی ہنس رہے تھے۔ اور تبھی اچانک جانے کب وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا تھا اور اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا تھا۔ پھر اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

اس کی آنکھیں یکدم ہی جیسے سمندر ہو گئی تھیں۔ وہ سر جھکا کر یونہی ان سمندروں کو راہ دینا چاہتی تھی مگر نک نے اپنے مضبوط ہاتھ سے اس کا چہرہ دھیرے سے اوپر اٹھایا تھا اور اس کی جانب بغور دیکھنے لگا تھا۔

''پاگل لڑکی! مذاق کر رہا تھا میں...... جانتی ہو، مجھے لاتعلقی اچھی نہیں لگتی۔ تمہاری بیزاری اچھی نہیں لگتی۔ تمہاری بے اعتنائی اچھی نہیں لگتی۔ اور ان سب سے بھی بڑھ کر تمہاری یہ صورت مجھے بنا مسکراہٹ کے اچھی نہیں لگتی۔ یہ آنکھیں جب نہیں ہنستیں تو بہت بنجر اور ویران لگتی ہیں۔ ان سے چھلکتی وحشت مجھے اچھی نہیں لگتی۔ میں چاہتا ہوں تم ہنسو اور تمہاری یہ صورت، تمہاری یہ آنکھیں بھی ہنسنے لگیں۔ بلیو می، تمہارا خیر خواہ ہوں۔ مخلص دوست ہوں میں...... میری وفاداری پر شک مت کرو۔ وی آر رئیلی بیسٹ فرینڈز۔ اور دوستی تو کچھ شیئر کرنے کا نام ہے نا۔ بہت کچھ بانٹنے کا نام۔'' اس کی بھیگی پلکوں سے موتی چنتے ہوئے وہ بولا تو وہ شرمندہ سی ہو کر سر جھکا گئی۔

''آئی ایم سوری!''

''اِٹس او کے۔'' وہ جواباً دوستانہ انداز میں مسکرا دیا تھا۔ ''بٹ کیپ اسمائل۔'' اور وہ بلا تامل مسکرا دی۔

''مژگان...... مژگان!'' اسے اس طرح ساکت دیکھ کر رہبان عالم شاہ نے پریشانی کے عالم میں اسے پکارا تھا۔

''ہوں...... ہوں......'' وہ جیسے کسی گہرے خواب سے جاگی تھی۔

''کہاں کھو گئی تھیں آپ......؟''

''ہاں...... نہیں، کہیں نہیں......'' وہ یکدم نفی میں سر ہلانے لگی۔ پھر جیسے خود کو نارمل ظاہر کرنے کے لئے مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔ ''کیا کہہ رہے تھے آپ؟''

''کچھ نہیں......'' رہبان نے اس کی کیفیت کو بھانپتے ہوئے کہا۔ ''آپ آرام کیجئے۔ لیٹ جائیے۔''

اور وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ ''کوئی کتنی دیر آرام کرے۔ کب تک لیٹا رہے۔ یوں بھی

تو تھکن ہو جاتی ہے نا۔ جی اُکتا بھی تو جاتا ہے۔''

''آپ کہیں آتی جاتی کیوں نہیں؟'' وہ اُس کی بوریت اور ڈپریشن کے اصل جواز پہنچتے ہوئے بولا۔

''کہاں جاؤں؟'' وہ تلخی سے مسکراتے ہوئے الٹا سوال کرنے لگی۔ پھر دوسرے ہی کہنے لگی۔ ''یہ بالکل انجان دیس ہے میرے لئے...... ایک انجان نگر۔ کسی کو نہیں جانتی...... اور کوئی مجھے نہیں جانتا۔''

''پہچان تو ملنے ملانے سے ہوتی ہے۔'' وہ جواباً بولا تو وہ مسکرا دی۔

''ہاں...... یہ تو ہے۔''

تبھی گرینی ایک ملازم کے ساتھ چائے کی ٹرالی اور دیگر لوازمات لے کر اندر داخل ہوئیں

''السلام علیکم۔'' وہ مؤدب انداز میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''وعلیکم السلام، جیتے رہو۔ کیسے ہو بیٹا؟''

''جی ٹھیک ہوں۔ آپ نے یہ زحمت کیوں کی؟ میں تو جا رہا تھا۔'' اس نے مسکرا۔ ہوئے کہا تو گرینی مسکرا دی۔

''بیٹا! پہلی بار آپ ہمارے گھر آئے ہیں، اب یونہی تو جانے نہیں دیں گے نا۔''

گرینی کے اتنے محبت بھرے انداز پر وہ یکدم مژگان کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''چائے پی کر چلے جایئے گا۔''

اور تب وہ مزید انکار نہ کر سکا تھا۔

✿......✿
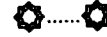
''چوہدری صاحب! گل تے تھوڑی جئی کوڑی اے، پر ہے سچی۔ (چوہدری صاحب! ات تھوڑی سی کڑوی ہے مگر ہے سچی) اولاد جب جوان ہو جائے، خاص کر پتر جب اپنے قد ے برابر آ جائیں تو ان کے ساتھ زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔'' چوہدرائن نے مکمل طور پر قصور ار چوہدری صاحب کو ٹھہراتے ہوئے ان کی جانب دیکھا تو وہ قدرے الجھے ہوئے انداز میں ی میں سر ہلانے لگے۔

''بات یہ ہے نصیب بی بی! سارے فرائض کی ادائیگی والدین کے لئے ہی لازم نہیں تی۔ کچھ فرائض اولاد کے بھی ہوا کرتے ہیں۔ نمو میں بھلا کیا عیب تھا جو وہ نا ہنجار اُسے رد گیا۔ سگی خالہ کی بیٹی تھی اس کی۔ شکل و صورت میں بھی کم نہ تھی۔ مگر تمہارے لاڈ پیار کے عث اس کا دماغ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا۔ اس نے نہ تو خاندان کی عزت دیکھی، نہ وقار، ب کو ٹھوکر مار کر چلا گیا۔'' چوہدری صاحب کے لہجے میں بیٹے کے لئے نرمی نظر نہیں آ رہی ی۔ وہ آج بھی اتنے ہی خائف نظر آ رہے تھے۔ نصیب بی بی انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔

''آپ اسے سنیاں تو بھیجیں (آپ اسے اطلاع تو بھیجئے) پین (بہن) کے سگنوں کا کم ہے۔ سر کے بل چل کے آئے گا۔'' وہ یقیناً بیٹے کے لئے ان کے دل میں لچک پیدا کرنا چاہ ی تھیں۔

''نصیب بی بی! اطلاع یا سنیاں وہاں بھیجا جاتا ہے جہاں کوئی رابطہ ہو، تعلق ہو۔ اور وہ تو اسے سارے تعلق توڑ گیا ہے۔ گھر چھوڑ کر ہم کو تو جیتے جی مارا ہی، ساتھ ہی بہن بھی اس لئے مر گئی۔''

''خدانخواستہ۔'' نصیب بی بی کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ ''چوہدری صاب! حد ا دیتے او تسی تے۔ پتر اے ساڈا۔''

''بھی تو دُکھ ہے نصیب بی بی! وہ بیٹا ہے۔ اور سارے رشتے ناتے توڑ گیا ہے۔'' ہدری صاحب کے انداز میں دُکھ ہی دُکھ تھا۔

''چھڈو جی۔ کدے ناخناں نالوں وی ماس جدا رہ سکدا اے۔ (چھوڑیں جی، کبھی ناخن

سے گوشت بھی علیحدہ ہوا ہے) ایک دن خود چل کے آئے گا۔ خون دے تعلق مکاندیاں
مکدے۔" (خون کے تعلق ختم نہیں ہوتے)

"نصیب بی بی! یہ تیری آس، آس ہی رہ جائے گی۔ کتنا عرصہ گزر گیا، پلٹ کر خبر
اس نے۔ اب کیا آئے گا۔ اس لڑکی کی خاطر اس نے خاندان چھوڑ دیا، اپنا حسب نسب
چھوڑ دیا۔ نہ بہن بھائیوں کی محبت اس کے قدموں کی زنجیر بنی نہ تیری ممتا اسے باندھ سکی

"تسی وی تے حد کر چھڈی سی۔ کارتوں، جائیدادتوں، اپنے ناں، اپنے حیثیت دے
اپنے تعلق، سب توں اِک لحہ وِچ بے دخل کر چھڈیا سی۔" (آپ نے بھی تو حد کر دی تھی
گھر سے، جائیداد سے، اپنے نام، اپنے تعلق، اپنی پہچان سے ایک لمحے میں ہی بے دخل کر
تھا) نصیب بی بی کے خیال میں قصور چوہدری صاحب کا بھی کم نہیں تھا۔ اگر بیٹا تعلق توڑ
تو کسر باپ نے بھی کہاں چھوڑی تھی۔ ہر ماں کی طرح آج بھی نصیب بی بی کے دل
اندر ممتا زندہ تھی۔ وہی ممتا جو بچے کے ہر عیب کو چھپا کر اس سے پیار کرتی ہے۔ جو
کی تمام خطاؤں کو معاف کر دیتی ہے۔ اس کے قصور کو دیکھتے ہوئے بھی نظر انداز کرتی ہے
تبھی تو وہ بھی کہہ رہی تھیں۔

"اولاد جوان ہو جائے تے اتھرے گھوڑے وانگوں ہو جاندی اے۔ قابو پانا مشکل
ہو جاندا اے، پر ناممکن نئیں۔ تھوڑی جئی عقل دے استعمال نال قابو پایا جاسکدا اے۔ ٹیں
پاندے۔ وقت لنگھ جاندا تے فیر گل کردے تے شاید من جاندا۔" (اولاد جوان ہو جا
باغی گھوڑے جیسی ہو جاتی ہے۔ اس پر قابو پانا مشکل ضرور ہوتا ہے، ناممکن نہیں۔ تھوڑی سی
بوجھ سے اس پر قابو پایا جا سکتا ہے) نصیب بی بی ابھی بول ہی رہی تھیں کہ اعیان اندر آگیا

"ابا جان! منشی صاحب شہر سے واپس کب لوٹیں گے؟"

چوہدری صاحب چھوٹے بیٹے کی آمد پر اچانک ہی سنبھل سے گئے تھے۔ تبھی گویا ہوئے

"کہہ کر تو شام تک کا گیا تھا۔ ہو سکتا ہے دیر ہو جائے۔ کیونکہ واپسی پر شاید تمہاری
کی تلقین پر وہ کائنات بیٹی کی سسرال بھی ہو آئے۔"

"اوہ...... پھر تو بڑی دیر ہو جائے گی۔" اعیان متفکر سے انداز میں بولا۔

"کیوں...... کوئی ضروری کام تھا کیا؟" چوہدری صاحب نے پوچھا۔

"ہاں۔ خیر، جیسے ہی آئے اسے میرے پاس بھیج دیجئے گا۔ میں فارم پر ہوں۔" وہ کہ
واپس پلٹ گیا۔

✿......✿

وہ مکمل طور پر ٹھیک نہ ہوئی تھی۔ بخار اگرچہ اتر گیا تھا۔ مگر نقاہت اور کمزوری اب بھی موجود تھی۔ کتنے دنوں سے وہ اپنے کمرے میں ہی بند تھی۔ کھلا آسمان دیکھے بہت سے دن گزر گئے تھے۔ اندر باہر گھٹن ہی گھٹن تھی۔ تبھی وہ اٹھی تھی اور بہت آہستگی سے باہر نکل آئی تھی۔ باہر لان کی فضا میں کھڑے ہو کر اس نے چند گہرے گہرے سانس لئے، پھر یونہی ادھر سے اُدھر چکر کاٹنے لگی۔

شام، رات میں ڈھل کر مزید گہری ہو رہی تھی۔ الجھے ہوئے تمام مناظر سے چھٹکارا پانے اور خود کو ریلیکس کرنے کا یہ بہترین حل نظر آیا تھا۔ مگر یہ سب کرنے کے باوجود بھی جیسے اس کا ذہن اسی طور اُلجھا ہوا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں اس قدر گم تھی کہ گیٹ کھلنے اور پھر سیاہ لینڈ کروزر کے آ کر رُکنے کی نہ تو اس نے آواز سنی اور نہ اس کو دیکھ ہی پائی۔ چونکی تب جب ایک لمبا چوڑا وجود اچانک اس کے سامنے آن رُکا اور پھر اسے دبوچ کر پل کے پل میں گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا۔ وہ مزاحمت تو کیا ہی کرتی۔ وہ تو اس صورتحال پر کوئی آواز بھی نہ نکال سکی۔ جکڑنے والے نے اسے کمرے میں لے جا کر بے رحمی سے کاؤچ پر دھکیلا تو وہ تب بھی آنکھیں بند کئے فقط گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

اس میں اتنی سکت نہیں تھی کہ وہ آنکھیں کھول کر اس بھیانک منظر کو تکتی یا کوئی مزاحمت کرتی، شور مچاتی یا پھر اٹھ کر بھاگ ہی سکتی۔ وہ یونہی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی جب ایک بھاری آواز نے اس کی تمام حسیات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"عورتوں پر ہاتھ اٹھانا یا زد و کوب کرنا ہماری روایات میں شامل نہیں۔ اس لئے بہتر یہی ہوگا کہ تم آرام سے مان لو۔"

وہ آنکھیں کھول کر اپنے سامنے کھڑے لمبے چوڑے شخص کو دیکھنے لگی جو مشین گن ہاتھ میں تھامے، ایک کمزور سی لڑکی پر اپنے زور اور طاقت کا استعمال کرتا ہوا بے دردی سے کھینچتا ہوا جس انداز سے اسے اندر لایا تھا، وہ کسی طور بھی "عورتوں کے احترام" کے زمرے میں تو نہیں آتا تھا۔

"ہم چاہتے تو تمہیں بڑے آرام سے راستے سے بھی ہٹا سکتے تھے۔ مگر ہم کوئی گناہ اپنے سر لینا نہیں چاہتے۔ دوسرے تم بابا سائیں کی وہ چہیتی بیٹی ہو، جس نے غیر حسب نسب والی عورت سے ہی سہی، مگر اس عظیم عورت کے بطن سے جنم لیا جس سے انہیں شدید ترین عشق تھا۔ تم بابا سائیں کے لئے تو اہم ہو سکتی ہو مگر ہمارے لئے قطعی نہیں۔ ہم نہ تو تمہیں اپنے خاندانی حسب نسب میں کوئی جگہ دے سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے گھر میں۔ بابا سائیں تمہیں اپنی

جائیداد میں شریک کرنا چاہتے ہیں، مگر یہ ہمیں قطعی طور پر قبول نہیں۔ ہماری جائیداد میں لینے کے حق دار صرف ہمارے اپنے خاندان کے افراد ہو سکتے ہیں۔ جبکہ تم ہمارے خاندان کا حصہ نہیں ہو۔ کیونکہ تمہارے خون میں بازاری خون کی ملاوٹ ہے۔"

"تڑاخ... تڑاخ... تڑاخ..." مژگان کو لگا، سامنے کھڑے شخص نے بہت سے طمانچے ایک ساتھ اس کے منہ پر مار ڈالے ہوں۔

اوہ...... تو یہ تھے اس کے دشمن جو اسے ختم کرنا چاہتے تھے۔ وہ حیران تھی۔ پاکستان کی سرزمین پر اس نے اپنے ہوش وحواس میں پہلی بار قدم رکھا تھا۔ پھر کون تھا یہاں اس کا دشمن جو اسے مارنا چاہتا تھا...... اور...... یہ راز آج کھل گیا تھا۔ یہ سامنے کھڑا کوئی غیر یا اجنبی تو نہ تھا۔ یہ تو کوئی اپنا ہی تھا۔

شاید بے حد اپنا...... مگر کیسے کیچڑ اچھال رہا تھا اس پر۔ نہ تو اس کے لہجے میں اس کے لئے کوئی مروت تھی، نہ لچک...... مژگان پتھرائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی اور وہ یوں ہی بولتا رہا۔

"ہم تمہیں کوئی نقصان پہنچا کر بابا سائیں کو دکھی کرنا نہیں چاہتے۔ حالانکہ یہ ہمارے لئے کسی طور ناممکن نہیں ہے۔ ہم چاہتے تو بہت آرام سے تمہیں اپنی راہ سے ہٹا سکتے تھے۔ ہٹا سکتے ہیں۔ مگر ہم "فی الحال" ایسا نہیں چاہتے۔" اس کے انداز میں بے رحمی ہی بے رحمی تھی۔

"اُمید ہے، تم بھی بات کو سمجھو گی اور ہمیں کوئی انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور نہیں کرو گی۔ ہم چاہتے ہیں، نہ صرف تم خاندانی جائیداد کے حصے سے دستبردار ہو جاؤ بلکہ یہ ملک بھی چھوڑ جاؤ۔ اور اس کے لئے ہم تمہیں ایک ہفتے کا وقت دیں گے۔ بصورتِ دیگر......" قطعی انداز میں کہتے ہوئے اس نے جملے کو ادھورا ہی چھوڑ دیا اور پھر پلٹ کر باہر کی جانب قدم بڑھانے لگا۔ مژگان نے کانپتے وجود کے ساتھ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اس بھاری قدموں والے مضبوط شخص کو تکا، پھر سر پشت سے ٹیک کر آنکھیں موند لیں۔ بہت سے گرم گرم پانی کے قطرے رخساروں پر بہہ نکلے......!

✿......✿

چاچے اور ویر سے میلے میں جانے کی اجازت پا کر اس کا دل بلیوں اچھلنے لگا۔ بہت سے چھوٹی بی بی کے دیئے ہوئے کپڑوں میں سے ایک خوبصورت میرون رنگ کے سوٹ کو زیب تن کر کے اس نے کتنی ہی دیر تک خود کو دیوار پر نسب بہت پرانے سے شیشے میں دیکھا تھا۔ پراندے کو بل دیتے ہوئے اچانک ہی کاجل کی طرف نگاہ گئی تھی اور اس نے ہاتھ بڑھا

کر اسے تھام لیا تھا۔

آنکھیں حسین تو تھیں ہی، اب تو جیسے تلوار ہو گئی تھیں۔ گورا گورا رنگ میرون رنگ کے جوڑے میں دمک رہا تھا۔

وہ خود کو آخری بار ناقدانہ نظروں سے آئینے میں دیکھ رہی تھی جب نگو، زیبو اور شینو اسے لینے آ پہنچیں۔

"ہائے سیو! تو، تو قیامت ڈھا رہی ہے۔" نگو نے اسے سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"بکواس مت کر۔"

"لے، بکواس کی کیا بات ہے بھئی۔ تو واقعی بہت حسین لگ رہی ہے۔ میں تو ان لوگوں کے متعلق سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں جن کے دل، جگر اور نظر پر وار ہونا ہے۔ کیسے سہیں گے بیچارے۔" نگو نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ قدرے جھینپ گئی۔

تبھی زیبو بھی بولی۔ "بات تو سچ ہے، تو واقعی کیل کانٹوں سے لیس ہے۔ آج تو خیر نہیں ہو گی دیکھنے والوں کی۔ میلے میں جانے کتنے گریں گے۔"

"چل ہٹ......" سیو نے اسے ایک دھموکا جڑا۔ پھر بولی۔ "کیا ہم اکیلے جائیں گے؟"

"لے، ہم تین چار اکیلے ہیں بھلا؟" شینو کو حیرت ہوئی۔ "نہیں، وہ مطلب تھا، کوئی اور ساتھ نہیں جائے گا؟ دوجے پنڈ ہم بھلا اکیلے جائیں گے؟" سیو نے وضاحت کی۔

"نہیں، وہ زیبو کی ماسی بھی ساتھ چل رہی ہے۔ میرا چاچا چھوڑنے جائے گا۔ پھر واپسی میں بھی کوئی نہ کوئی لینے ضرور آ جائے گا۔ تو فکر نہ کر اور نکلنے کی کر۔ پہلے ہی دیر ہو رہی ہے۔"

نگو نے کہا تو وہ جلدی جلدی بے بے کو خدا حافظ کہہ کر ان کے ساتھ باہر نکل آئی۔ تانگہ تیار کھڑا تھا اور زیبو کی ماسی بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے جھٹ سلام کیا اور تانگے میں سوار ہو گئی۔ اگرچہ ایک تانگے کے لئے افراد زیادہ تھے مگر دوسرے گاؤں جانے کا کرایہ اچھا خاصا تھا، سو ایک ہی تانگے میں جیسے تیسے بیٹھ کر گزارا کر لیا گیا...... ساری سہیلیاں راستے بھر میں اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے ہنستی رہیں۔ اور آخر کار دوسرا پنڈ بھی آ گیا۔ زیبو کی ماسی تو ان کے ساتھ ہی اتر گئی البتہ نگو کے چاچا واپس لوٹ گئے واپسی میں اسی جگہ دوبارہ ملنے کی تلقین کرتے ہوئے کہ ڈھونڈنے میں کوئی دقت یا پریشانی نہ ہو۔ وہ بہت خوشی خوشی میلے کی رونقوں کو دیکھنے لگیں۔

دن بھر انہوں نے خوب مزے کیے۔ گول گپے کھائے، دہی بڑے کھائے، دائرے میں

گھومنے والے جھولے پر بیٹھ کر بہت زور زور سے چیخیں بھی ماریں اور قہقہے بھی لگائے۔ کلائیاں بھر بھر چوڑیاں بھی پہنیں۔ بہت بڑے پیمانے پر میلہ تھا۔ ہجوم بے پناہ تھا۔ وہ ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر چل رہی تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ باتیں بھی جاری تھیں۔

اچانک ایک دُکان پر لٹکتی ہوئی خوبصورت پائل سیو کی توجہ کا مرکز بن گئی۔ وہ گُگو کا ہاتھ بھر میں چھڑا کر اس زیورات کی دُکان کی جانب بڑھی۔

''ہائے، کتنی خوبصورت پائل ہے نا۔ گُگو دیکھ ذرا۔'' وہ کہہ کر پلٹی اور حیران رہ گئی۔ وہ ان میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ دل یکدم ہی دھک سے رہ گیا۔

''ہائے ربا......'' وہ پائل وہیں چھوڑ کر لمحہ بھر میں واپس دوڑی۔ پریشان نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا مگر وہ اسے کہیں نظر نہ آئیں۔ اتنا ہجوم تھا اور وہ اس میں پریشان حال کھڑی ایک چہرے کو پھٹی پھٹی نظروں سے بس تکے جا رہی تھی۔

✿......✿

سوچ سوچ کر اس کا ذہن شل ہو چکا تھا مگر سمجھ میں جیسے کچھ نہ آ رہا تھا۔

کیا کرے؟

کہاں جائے؟

کسے پکارے؟

کون اپنا تھا جو مدد کرتا۔ اسے سہارا دیتا۔

کس قدر تنہا تھی وہ۔

گرینی اور زینب بی بی سے وہ کیا شیئر کرتی۔ وہ اس کے متفکر انداز پر پریشان تھیں مگر انہیں کیا بتاتی؟ وہ بھلا کیا کر سکتی تھیں۔ وہ تو اسی کی طرح کی کمزور عورتیں تھیں، ملازمائیں۔ جنہوں نے اسے فقط پالا تھا۔ ایک خاندانی آیا تھی تو ایک جدید ماڈرن ماحول گورنس جسے اس لئے بابا نے رکھا تھا کہ وہ ایک نئے ماحول میں مقامی لوگوں کی طرح بول چال سے واقفیت حاصل کر سکے۔ زینب بی بی ان پڑھ تھیں۔ پرورش تو یقیناً وہ کر دیتیں مگر وہ شاید لندن جیسے آزاد ماحول میں Survive نہ کر پاتیں تبھی وہیں کی ایک عورت فلورا کو اس کے لئے چنا گیا جو کہ تنہا تھی تبھی اس نے مکمل طور پر توجہ دی تھی اس اور اپنا کوئی قریبی رشتہ نہ ہونے کی وجہ سے فلورا کی جذباتی وابستگی بھی اس کے ساتھ بڑھ گئی تھی۔ اسے کبھی نہیں لگا تھا کہ یہ دونوں اس کی آیا ہیں جو فقط اس کی پرورش کے لئے ہیں۔ وہ دونوں اسے اپنی مائیں لگتیں جو کہ اس کے لئے لمحہ لمحہ پریشان ہوتیں۔ اس کی

کرتیں۔ وہ خوش ہوتی تو وہ بھی خوش ہوتیں۔ وہ افسردہ ہوتی تو وہ بھی افسردہ ہو جاتیں۔

وہ جب پاکستان سے گئی تھی، زینب بی بی کے بتانے کے مطابق وہ اس وقت تین ماہ کی تھی۔ اسے اپنے ماضی کے متعلق کچھ پتہ نہ تھا۔ بس یہ پتہ تھا کہ اس کے بابا جان سندھ کے بہت بڑے وڈیرے تھے اور اس کی ماں سے انہوں نے محبت کی شادی کی تھی۔ ماں جو کہ اس کی پیدائش کیوقت انتقال کر گئی، اس کا کوئی عکس اس پر واضح نہ تھا۔ حتیٰ کہ اس نے کوئی تصویر بھی ان کی نہ دیکھی تھی۔ بارہا اس نے زینب بی بی سے ان کے متعلق پوچھا تھا۔ وہ خاندانی ملازمہ تھیں۔ اس کے بابا سائیں کی پرورش بھی انہی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ خاندان کے بہت سے راز ان کے سینے میں پوشیدہ تھے۔ بابا سائیں شاید زینب بی بی پر بہت اعتماد کرتے تھے، تبھی اس کی ماں کے انتقال پر زینب بی بی کو اس کی دیکھ بھال پر مامور کیا۔ اور زینب بی بی بھی ان کی وفادار تھیں جو اپنے لوگوں کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے اس کے ساتھ لندن چلی گئیں۔ بابا سائیں سے وہ ہمیشہ پاکستان آنے کے لئے ضد کرتی تھی۔ شاید وہ تبھی اسے منع کرتے تھے۔ اس کا ماضی کیا تھا، وہ آج جان گئی تھی۔ یقیناً یہ تکلیف دہ تھا۔ مگر یہ حقیقت تھی کہ اس کی ماں کسی بازار سے تعلق رکھتی تھی اور یہ بھی حقیقت تھی کہ وڈیرہ فیملی کے لوگ اسے کبھی قبول نہ کرتے۔ شاید کسی ایسی ہی بات کے طور پر اسے ہمیشہ کے لئے باہر منتقل کر دیا گیا تھا۔ تعلیم ختم ہونے پر وہ خود گرینی اور زینب بی بی کے ساتھ زبردستی یہاں آ گئی تھی۔ اور تب انہوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر بہرام کو اس کے لئے مخصوص کر دیا تھا۔ یہاں آنے کے بعد پے در پے جس طرح کے حالات اسے پیش آئے تھے، ان پر وہ حیران تھی۔ مگر جانے کیوں تب بھی اسے کسی نے اس کے متعلق آگاہ نہیں کیا تھا۔ اور اگر آگاہ کر بھی دیتے تو وہ کیا کر لیتی۔

وہ کتنی کمزور اور بے بس تھی، وہ یہ جان گئی تھی۔

کوئی مضبوط سہارا نہ تھا، کوئی پناہ نہ تھی جو اسے تحفظ مہیا کرتی۔

پھر کہاں جاتی وہ؟ کہاں سے مدد طلب کرتی؟

کیسے حق کے لئے لڑتی اور حق حاصل کرتی؟

حق تو دور کی بات وہ تو اپنی شناخت کے لئے لڑنے کی بھی استطاعت نہ رکھتی تھی۔ کتنے لوگوں کو پتہ ہوگا، وہ سیّد رئیس نواز سومرو کی بیٹی ہے۔ کتنے لوگ اس بارے میں واقف ہوں گے۔

وہ کس کس کو بتاتی۔

اور پھر کون مانتا اس کی؟

اور سب سے بڑھ کر ایسا اسے کرنے کون دیتا۔
وہ لوگ جو اس کے پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھنے سے لے کر اب تک اس کے تعاقب میں تھے، جو محض اسے خوف میں مبتلا رکھنے کو کئی بار اسے نشانہ بنا چکے تھے، وہ اگر چاہتے تو اسے ختم کرنے میں انہیں کوئی دقت یا مشکل قطعی نہ پیش آتی۔ مگر مارنا ان کا مقصد شاید تھا ہی نہیں۔ وہ جانتی تھی، ان کے ہاتھ بہت لمبے تھے اور اس کی جاں بخشی فقط اس لئے ہوئی تھی کہ ان کے ہزار بار کہنے کے باوجود بھی وہ ان کے خاندانی وقار کا حصہ تھی۔ وہ ان کے لئے قطعی بے ضرر تھی۔
وہ جائیداد کی تقسیم میں اس کے حصے سے خائف تھے۔ کیونکہ ماں کے جدا ہونے کے باوجود وہ سیّد رئیس نواز سومرو کی بیٹی تھی۔ یہ حقیقت تھی، جس سے انکار ممکن نہ تھا۔ اور اسے خاندانی جاگیر میں حصے سے بھی کوئی باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ مگر یقیناً اصل وارث ایسا نہیں چاہتے تھے۔ روپے پیسے کی اس کی نظر میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ وہ قطعی جائیداد میں کوئی حصہ نہیں چاہتی تھی۔ مگر وہ لوگ اسے یہاں دیکھنے کے بھی روادار نہیں تھے۔ یقیناً یہ بات ان کی خاندانی عزت کی دھجیاں بکھیر دیتی کہ نوجوانی میں ان کا باپ عیاش تھا اور اس نے محض دل کے اکسانے پر ایک بازاری عورت سے شادی رچا لی تھی جس کی بیٹی آج سب کے سامنے موجود ہے۔
جو کچھ بھی ہوا تھا، اس میں یقیناً اس کا کوئی قصور نہ تھا۔
مگر کبھی کبھی ہم اپنے ناکردہ گناہوں کی سزائیں بھی بھگتتے ہیں۔
بہت سے جرم جو ہم سے سرزد نہیں بھی ہوئے ہوتے، ہم ان جرموں کی سزائیں کاٹنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔
اور ایسے ہی جرم کی سزا وہ بھی کاٹ رہی تھی۔
انسان کی ایک سب سے بڑی مجبوری ہے۔ زندگی اسے جتنا مرضی تڑپائے، رُلائے، اذیت دے، تکلیف میں مبتلا کرے، وہ اس زندگی سے کبھی نفرت نہیں کر سکتا۔
زندگی اگر پل پل بھی اسے مارے تو وہ تب بھی اسی زندگی کی طرف ہی دوڑتا ہے۔
پتہ نہیں کیوں، اتنے کٹھن مراحل میں بھی زندگی ہی کیوں پیاری لگتی ہے۔ حالانکہ تو زندگی سے نفرت ہو جانی چاہئے۔
مگر انسان تب بھی موت سے بے تحاشا ڈرتے ہوئے اسی تکلیف دہ زندگی کی جانب پیش قدمی کرتا ہے جیسے کہ اب وہ بھی کر رہی تھی۔ اس کے لئے کہیں کچھ نہ تھا۔
نہ رنگینی، نہ اندھیری راہ میں کوئی روشنی

نہ کوئی آس...... نہ ہی کوئی امید......!
مگر وہ پھر بھی جینا چاہ رہی تھی۔
موت جانے کیوں اس قدر خوفناک لگتی ہے۔ حالانکہ یہ تو مداوا کرتی ہے، تمام پریشانیوں سے نجات دلا دیتی ہے۔ مگر شاید یہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ فقط حسین فریب کھاتا ہے اور اسی کو ترجیح دیتا ہے۔
اسی لیے اس کا وجود بھی موت کے خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا مگر اس کے سامنے کوئی راہ نہیں تھی۔ نہ زندگی کی، نہ فرار کی۔
گرینی کتنی ہی بار اس سے دریافت کر چکی تھیں۔
زینب بی بی کو کئی بار اس کے کھوئے کھوئے انداز اور پریشان حال چہرے نے چونکایا تھا۔
مگر ہر سوال کے جواب میں وہ فقط نفی میں سر ہلاتی چلی گئی تھی۔

✿......✿
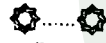
صبح سے اس کی طبیعت بے حد خراب تھی۔ تبھی وہ یونیورسٹی بھی نہ گئی تھی۔ شجاع نے آفس جانے سے قبل اسے زبردستی ناشتہ کرانے کے بعد بخار کی ٹیبلٹ دی تھی جسے لینے کے بعد وہ بے سدھ ہو کر سو گئی تھی۔ ابھی تب ہی جب بہت سا شور اس کے کمرے میں ابھرا۔ اس نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں اور پھر بند کر لیں۔ بخار اگرچہ اتر چکا تھا مگر نقاہت بہت زیادہ تھی۔ رانیہ نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں، بمشکل ان سب کو دیکھنا چاہا۔
امی اس کے داہنی طرف بیٹھی ہوئی تھیں۔
"ادعیہ، میری جان! اٹھو۔ صبح سے ایسے ہی پڑی ہوئی ہو۔ کچھ کھا لو تو ڈاکٹر کے ہاں بھی لے کر جاؤں۔" امی نے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو اس نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔
"امی! ٹھیک ہوں میں۔ دیکھئے، بخار بھی اتر چکا ہے۔" وہ بمشکل مسکرائی۔
"مگر پھر بھی آپی! آپ کو ڈاکٹر کے پاس جانا ضروری ہے۔ آپ نے کوئی ضد کی تو اٹھا کر لے جاؤں گا۔ چھوٹا ہوں تو کیا ہوا، بھائی تو ہوں۔" عمر نے محبت سے کہا تو وہ مسکرا دی۔
ساتھ ہی تکیے کے سہارے قدرے اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"تم سب میرے پاس ہو نا۔ یہی میری دوا ہے، میرے لئے بہترین ٹانک۔ مجھے مزید کسی دوا کی ضرورت نہیں۔"

تبھی شعاع، اعصار شیخ کے ساتھ اندر داخل ہوئی۔

''کیسی ہو اب تم؟'' پہلا جملہ یہی بولی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی اور ساتھ ہی اثـ
میں سر ہلا دیا۔ تبھی امی بولیں۔

''صبح سے یونہی پڑی ہوئی ہے۔ میں کئی بار دیکھ کر گئی مگر اٹھایا نہیں۔ اس لئے کہ ڈِ
نہ ہو۔'' انہوں نے کہا تھا، ساتھ ہی اعصار کے سلام کا جواب دیا۔

''اعصار بھائی آپ کو کہاں سے مل گئے؟'' رانیہ نے شعاع سے دریافت کیا۔ وہ مسکرا

''راستے میں دھرے ہوئے تھے، میں نے اٹھا لیا کہ شاید کام آ جائیں۔'' شعاع
ہوئے بولی۔

''ہاں، میں جادو کا چراغ ہوں نا۔'' وہ بھی مسکراتے ہوئے بولا۔ ساتھ ہی ادعیہ کو
دیکھا جو اسے نشانہ بنائے جانے پر کھل کر مسکرائی تھی۔ چہرہ اگرچہ پیلا ہو رہا تھا مگر
مسکراہٹ سے یکدم ہی جیسے ایک چمک سی آ گئی تھی۔ اس نے ایک بھرپور نگاہ ڈالی تھی۔

''جادو کا چراغ تو کہانیوں کے تذکرے ہیں بھائی میرے۔ آج کل تو کھوٹے سکے
راہ میں مل جائیں تو غنیمت لگتے ہیں۔'' شعاع نے دوسرا اٹیک کیا اور ساتھ ہی ادعیہ
قریب بیڈ پر جا بیٹھی۔ کمرے میں اچانک ہی قہقہوں کا شور ابھر آیا۔

''خاتون! مجھے کم از کم آپ سے ایسی توقع نہیں تھی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا

''اعصار بھائی! آپ کے ساتھ تو وہ مثل ہے جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے
رانیہ نے شرارت کے ساتھ اعصار شیخ کی جانب تکا تو وہ جو ادعیہ کی جانب دیکھ رہا
مسکراتے ہوئے ایک دم نفی میں سر ہلانے لگا۔

''اوں ہوں ایسی بات نہیں یہاں ''تکیہ'' اور ''پتے'' جوں کے توں قائم و دائم ہیں۔''ا
کی ذومعنی بات پر ادعیہ نگاہیں جھکا کر رہ گئی۔ نگاہیں بھی تو کس قدر گہری تھیں تپش
چہرے کو جھلسا رہی تھیں تبھی شعاع نے اطلاع دی۔

''اعصار میاں کل سویرے اسکردو سدھار رہے ہیں۔''

''ہیں۔ کیا واقعی؟'' کئی آوازیں بے یقینی سے ابھریں۔

''اعصار بھائی! کیا واقعی یہ درست ہے؟'' عمر نے باضابطہ دریات کیا۔

''ہاں یار بہت عیش ہو گئے۔ چھٹیاں ختم اور جاب شروع۔'' اعصار نے مسکراتے ہو
کہا۔

''ہائے اعصار بھائی پرسوں تو میری برتھ ڈے آ رہی ہے۔'' چھوٹی تانیہ نے سب

زیادہ افسوس کیا اور وہ مسکرا دیا ساتھ ہی اسے تھام کر قریب کیا۔

''تو ہم اتنی چھوٹی سی گڑیا کو آج ہی وش کیے دیتے ہیں۔'' ہیپی برتھ ڈے ٹو مائی لٹل ڈول
اینڈ مینی مینی ہیپی ریٹرن آف دی ڈیز۔''

''مگر میرا گفٹ؟'' اس کے بے ساختہ پوچھنے پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

''ہاں ابھی ہم آپ کو ساتھ لے کر چلیں گے آپ اپنی پسند سے خود گفٹ لے لیجئے گا
او کے۔'' اس نے انتہائی پیار سے کہا تو دس سالہ تانیہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔

''کیا واقعی جا رہے ہو بیٹا!'' امی نے دریافت کیا تو وہ سر اثبات میں ہلانے لگا۔

''جی چچی جان! نوکری اور موت کا کچھ اعتبار نہیں کسی بھی وقت بلاوا آ سکتا ہے۔''
مسکراتے ہوئے کہا۔

''خدانخواستہ بیٹے خیریت سے جاؤ۔ خیریت سے رہو۔ اللہ تمہیں اپنے حفظ و امان میں
رکھے۔''

''آمین بس آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔''

''بیٹا ہماری دعائیں تو تمہارے ساتھ ہیں باقی گھر میں سب خیریت ہے سب ٹھیک ہیں۔
ماں بی کی طبیعت ٹھیک ہے؟''

''جی سب خیریت سے ہیں۔'' اعصار نے انتہائی فرمانبرداری سے جواب دیا۔

''خط وط لکھتے رہنا بلکہ فون سے اپنی خیریت کے متعلق آگاہ کرتے رہنا۔'' امی نے تلقین
کی تو وہ سر اثبات میں ہلانے لگا تبھی وہ بولیں۔

''چلو بچو! بہن کو اب آرام کرنے دو رانیہ! کوئی سوپ یا دلیا وغیرہ بنا لو ادعیہ کے لیے،
ساتھ ہی بھائی کے لئے چائے وغیرہ بھی۔'' امی کے کہنے پر سب باری باری کمرے سے نکلنے
لگے۔ البتہ وہ وہیں ٹکا رہا۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو۔ تم کیا ''بچوں'' میں شمار نہیں ہوتے؟'' شعاع نے اٹھتے ہوئے
مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تو وہ مسکرایا۔

''نہیں مجھے سن شعور میں قدم دھرے عرصہ گزر چکا ہے۔'' اس کے بے ساختہ جواب پر وہ
مسکراتی ہوئی بیڈ سے اتر گئی۔

''میری بہن کو تنگ مت کرنا۔''

''بے فکر رہئے ہمدرد ہوں فقط خیریت دریافت کروں گا۔'' وہ دھیمے انداز میں مسکرا کر بولا
شعاع قریب سے گزرتی ہوئی مسکراتی ہوئی اس کے بال بگاڑ گئی۔ ادعیہ جو یہ صورت حال

دیکھ رہی تھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔ البتہ جیسے ہی اس کی توجہ کا مرکز بنی فوراً ہونٹ بھینچ لیے
وہ اٹھ کر قریب والی چیئر پر آ گیا اور بیٹھ کر بغور اس کی جانب تکنے لگا۔ اس کے ٹکٹکی باندھ
دیکھنے پر ادعیہ بری طرح ڈسٹرب ہو رہی تھی مگر لبوں سے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ وہ سمجھی تھی وہ
کہنے کے لیے شاید سوچ رہا ہو مگر جب بہت دیر گزرنے کے بعد بھی وہ کچھ نہیں بولا تو ب
نظریں اٹھا کر دیکھنے میں آخر کار کامیاب ہو ہی گئی۔

''میں کوئی نقطہ نہیں ہوں جس پر مسلسل نظریں جما کر دیکھنے سے ٹیلی پیتھی یکے
کامیاب ہو جائیں گے۔'' اور وہ جو اسے بغور دیکھ رہا تھا یکدم ہی بھرپور انداز میں ہنس دیا

''اچھا! کیا واقعی؟ مگر میں تو یہی سمجھا تھا ویسے کیا غلط سمجھ رہا تھا؟'' بہت پر شرارت ا
میں کہنے کے ساتھ ہی وہ اس کی پیشانی چھو کر دیکھنے لگا شاید بخار کی حدت معلوم کرنے
وہ فوراً بدک گئی۔

''ٹھیک ہوں میں......''

''اچھا مگر میں نے ابھی تم سے یہ دریافت تو نہیں کیا۔'' وہ جو بہت پر اعتماد نظر آنے
کوشش کر رہی تھی یکدم ہی خجل سی ہو کر سر جھکا گئی۔ تبھی وہ مسکرا دیا۔

''میرا جانا منظور نہیں تو صاف کہہ دو۔ یہ بیماری کا ڈرامہ رچانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''ہیں۔'' وہ یکدم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ آنکھوں میں شرارت ہی شرارت لیے
اس کی جانب تک رہا تھا۔

''تو اور کیا۔ نوکری ہی تو ہے۔ چھوڑ دوں گا۔ تمہارے لیے تو دنیا بھی ہنسی خوشی چھوڑ
ہوں۔ تم کہہ کر تو دیکھو۔''

''محترم اعصار شیخ صاحب آپ کا دماغ ٹھکانے ہے؟'' وہ یک دم ہی چڑ گئی۔

''آف کورس۔ آئی ایم پرفیکٹلی آل رائٹ۔ کیا نظر نہیں آ رہا۔'' اس کے انداز میں شر
اب بھی نمایاں تھی۔ مسکراہٹ گہری ہو چلی تھی۔

''جاب دوبارہ جوائن کرنے سے قبل ایک بار ڈاکٹر کو دکھا لیجیے نیک مشورہ ہے میرا
تپ کر بولی۔

''اچھا مگر ہے کوئی تمہاری نظر میں ہارٹ اسپیشلسٹ؟'' وہ جانے کیوں اسے زچ کر
محظوظ ہو رہا تھا شاید کوئی اچھی یاد اپنے ہمراہ لے جانا چاہ رہا تھا۔ آج کے بعد شاید عر
ہی واپسی ممکن ہو۔ وہ یقیناً ان لمحوں کو امر کرنا چاہ رہا تھا۔ تبھی بہت سی چھوٹی چھوٹی با
سے کر رہا تھا۔ بہت چھوٹی چھوٹی شوخیاں، جن سے اس کے چہرے کے تاثرات ک

بدلتے اسے مزا دے رہے تھے۔

جواب میں وہ حسب عادت اپنی سیاہ بڑی بڑی آنکھیں پھیلا کر اسے گھور رہی تھی۔

''ایسے مت دیکھو۔ سدھ بدھ کھو بیٹھوں گا اپنی۔'' انتہائی دھیمے انداز میں جیسے اس نے
سرگوشی کی تھی۔ ادعیہ کے دل میں یکدم ہی جیسے ہلچل سی مچ گئی۔ چہرہ یکدم ہی سرخ پڑ گیا۔
اس کیفیت پر قابو پانے کے لئے اس نے بیک سے کشن نکال کر اسے کھینچ مارا جسے وہ انتہائی
مہارت سے کیچ کرتے ہوئے ہنستا چلا گیا۔

''بہت بدتمیز ہو تم۔'' وہ اسی قدر کہہ سکی پھر چپ ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا واقعی جا رہے ہو؟''

''تم کہو تو نہیں جاتا۔'' وہ غیر سنجیدہ انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

''افسوس مجھے آپ کو مسلسل دیکھتے رہنے اور برداشت کرنے کی کوئی خواہش نہیں۔'' وہ
مسکراتے ہوئے قدرے پر اعتماد انداز سے بولی تو وہ ہونٹ بھینچ کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''چلیے جی آپ نہ سہی کئی اور بہت سی برداشت کرنے کی خواہش و حسرت لیے بیٹھی
ہیں۔'' وہ مسکین سے انداز میں بولا تو وہ ہنسنے لگی۔

''ہاں بے وقوفوں کی دنیا میں کمی تو نہیں۔''

''ہوں مگر کبھی کبھی خود کو بہت عقل مند کہنے والے اور سمجھنے والے بھی درحقیقت سب سے
بڑے بے وقوف ہوتے ہیں۔'' وہ ذو معنی انداز میں بولا تو وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔ تبھی وہ بولا۔

''فون کروں تو بات کیا کرو گی۔''

''پتا نہیں۔'' اس نے بے نیازی سے شانے جھٹکے۔

''او کے!'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''خیال رکھنا اپنا دوا وقت پر لینا۔''

''جا رہے ہو؟'' وہ یکدم بولی وہ جواب میں کچھ اس طرح سے اسے دیکھنے لگا کہ وہ
نگاہیں چرانے پر مجبور ہو گئی۔ تبھی رانیہ چائے لے کر آ گئی۔

''اعصار بھائی! کہاں جا رہے ہیں آپ؟ چائے آ گئی ہے۔''

''چلتا ہوں پیکنگ وغیرہ بھی کرنی ہے۔''

''وہ سب ہوتی رہے گی فی الحال آپ کو چائے ضرور پینا پڑے گی۔'' رانیہ نے اسے ہاتھ
سے پکڑ کر بٹھا ہی دیا تو مجبوراً اس نے اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے لیا۔

✿......✿
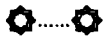
سیو بہت خوفزدہ انداز میں ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ شام کے سائے ہر سو پھیل رہے تھے۔

تکو کے چاچے نے شام تک باہر آنے کا کہا تھا مگر وہ پریشانی میں فقط ادھر اُدھر نظر رہی تھی اسے کچھ یاد نہ تھا دل بس ہولے جا رہا تھا۔

وہ ادھر سے اُدھر انتہائی پریشانی کے عالم میں چکراتی پھر رہی تھی۔ تبھی اچانک ایک جانے پہچانے چہرے پر اس کی نظریں جا کر ساکت ہوگئیں۔ عین اسی لمحے ''چھوٹے سرکار'' کی نگاہ بھی اس پر پڑی تو جانے کیوں وہ اس کی سمت قدم بڑھانے لگا۔

وہ ''چھوٹے سرکار'' کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر قدرے چونکی پھر جیسے مطمئن ہوگئی۔ اتنے بڑے ہجوم میں ایک مانوس چہرہ دیکھ کر اچانک ہی جیسے ایک اطمینان سا دل میں اترنے لگا تبھی جب چھوٹے سرکار اس کے قریب رکے تو وہ اسی قدر کہہ سکی۔

''میں...... میں بھٹک گئی ہوں۔ مجھ...... مجھے گاؤں پہنچا دیجیے۔'' اعیان نے ایک نظر اس خوفزدہ لڑکی کو دیکھا پھر بولا۔

''میرے ساتھ آئیے۔'' وہ کہہ کر آگے بڑھنے لگا۔ وہ تقریباً بھاگتے ہوئے اس کی تقلید کرنے لگی اسی بھاگنے کے چکر میں اچانک اس کا پاؤں یکدم ایک بڑے پتھر سے ٹکرایا جو شاید ٹینٹ کو باندھنے کے لیے استعمال ہوا تھا یہ بالکل اچانک ہوا تھا وہ اپنا توازن برقرار رکھ سکی تھی اور لڑکھڑاتی ہوئی زمین بوس ہوگئی تھی۔ ایک چیخ سی اس کے حلق سے برآمد ہوئی تھی۔

شام کے سائے بڑھ رہے تھے اردگرد ہجوم کم تھا۔ لوگ گھر کو واپس لوٹ چکے تھے اور کچھ لوٹ رہے تھے تبھی شاید اس پر کسی کی توجہ نہ گئی تھی چیخ پر چھوٹے سرکار نے پلٹ کر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے تیزی سے واپس پلٹ آئے تھے۔ وہ زمین سے اٹھنے کی کوشش کرتی ہوئی دوبارہ لڑھک گئی۔

''ہائے رہا......!'' منہ سے ایک سسکی نکلی تھی۔

''آپ...... آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟'' چھوٹے سرکار اس نازک سی لڑکی کی تکلیف قدرے نیچے جھک کر دریافت کرنے لگے البتہ اسے چھونے سے یا تھامنے سے مکمل گریز برتا

وہ ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے داہنی ٹانگ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی یقیناً چوٹ شدید آئی تھی پاؤں تو مڑا ہی تھا گھٹنا بھی بری طرح متاثر ہوا تھا وہ ڈھلتے شام کے سایوں کے باعث جیسے بھول کر بمشکل کھڑی ہوئی مگر چلنا بہت ہی دشوار لگا وہ بے بسی سے چھوٹے سرکار کی سمت تکی۔ وہ کچھ دیر یونہی کھڑے اسے تکتے رہے پھر یکدم بڑھ کر اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھا لیا۔

''ہائے رہا......!'' سیو کا دل دھک سے رہ گیا وہ اس کی بانہوں میں تھی اس کے وجود کی خوشبو اس کی قربت جیسے اس کے حواس خطا کرنے لگی۔ اتنے قریب تھی کہ دل کی دھڑکنوں کا شور بھی بخوبی اس کے کانوں میں پہنچ رہا تھا۔ دل کے اندر یکدم ہی ہلچل سی ہونے لگی تھی۔ وہ اسے لیے تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے وہ نہ جانے شرم کے تحت آنکھیں بند کرگئی تھی۔ اس کے مضبوط قدم زمین کے سینے پر پڑ کے جیسے ایک دھمک سی پیدا کررہے تھے۔

سیو کو لگ رہا تھا اس کا دل مٹھی میں آگیا ہو۔

جانے کتنا فاصلہ تھا جو یوں طے ہوا۔ سیو کی کیفیت تو ایسی تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں جب چھوٹے سرکار نے اسے جیپ کی سیٹ پر بٹھایا تب بھی وہ آنکھیں نہ کھول سکی۔ کہاں تو کبھی وہ اس کے سامنے بنا دوپٹے کے نہ آئی تھی جب بھی اس کے سامنے آئی تھی چہرہ مکمل طور پر ڈھانپا ہوا تھا فقط آنکھیں نظر آرہی ہوتیں اور آج جب وہ مکمل چہرہ لیے اس کے سامنے تھی تو آنکھیں ہی نہ کھل رہی تھیں۔

''تکلیف زیادہ ہے تو ڈاکٹر کے ہاں لے چلوں؟'' چھوٹے سرکار نے اس کے برابر بیٹھتے ہوئے اس کی کیفیت کے پیش نظر دریافت کیا تو وہ یکدم ہی آنکھیں کھول کر سرنفی میں ہلانے لگی۔

نگاہیں لمحہ بھر کو ملیں۔ سیو کے دل کی کیفیت غیر ہونے لگی وہ جھٹ چہرے کا رخ پھیر گئی۔

''بس گاؤں پہنچا دیجیے۔''

چھوٹے سرکار نے اس کی بات کے جواب میں خاموشی سے جیپ اسٹارٹ کردی تھی۔

✿......✿

وہ لاکھ انکار کرتی رہ گئی تھی کہ وہ بالکل ٹھیک ہے مگر اس کے لاکھ انکار کے باوجود بھی امی نے اسے اعصار شیخ کے ساتھ ڈاکٹر کے ہاں بھیجنے کی ٹھان لی تھی سو مجبوراً اسے اس کی گاڑی میں بیٹھنا پڑا۔

''آپ بھی منع نہ کرسکے۔''

''جب آپ کچھ نہ کہہ سکیں تو میں کیا کہتا؟'' قدرے دھیمے لہجے میں وہ بولا۔

''کہہ دیتے صبح جانا ہے۔ پیکنگ وغیرہ کرنا مقصود ہے۔ دوستوں سے ملنا ہے، رشتہ داروں کے ہاں جانا ہے، ٹائم نہیں، فرصت نہیں۔'' اس نے نقاہت کے باوجود کئی ایک بہانے گنوا دیے۔

''اتنی اچھی نہ تو میری یاد داشت ہے اور نہ ہی مجھے جھوٹ کہنے کی اتنی پریکٹس ہے۔''

اس نے قدرے لاتعلقی سے کہہ کر کار اسٹارٹ کر دی اور ادعیہ اسے دیکھ کر رہ گئی گویا وہ مہارت سے جھوٹ بولنے کا الزام عائد کر رہا تھا۔ وہ کچھ کہے بغیر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی
وہ شاید اسے اپنے کسی دوست کے کلینک لے گیا کافی بڑا کلینک تھا وہ تو اتنی گم تھی میں کہ بورڈ بھی نہ دیکھ سکی تھی چونکی تب تھی جب ڈاکٹر صاحب بہت بے تکلفی کے ساتھ اعصار شیخ سے گلے ملنے لگے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اسے کسی دور کے کلینک میں لے گا قریب ہی محلے میں ایک ڈاکٹر تھا دس یا پندرہ منٹ کے واک پر اس کا ذہن اسی طرف کیونکہ اکثر وہ بیمار ہونے پر اسی کے ہاں جاتے تھے۔

وہ ابھی تک اپنی ہی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی، جب ڈاکٹر کی آواز پر چونکنا پڑا۔

''بھابھی ہیں؟'' یقیناً اس کی جانب اشارہ کر کے پوچھا گیا۔

''اوں ہوں...... ابھی نہیں۔'' اعصار نے قدرے مسکرا کر کہا تو وہ بھی جیسے معنی خیز میں مسکرا کر اس کی جانب تکنے لگا۔

وہ نظریں نہ ملا سکی چہرہ یکدم ہی رنگ بدل گیا۔

''السلام علیکم!''

ادعیہ نے فقط سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

اعصار شیخ کے دوست نے اپنے جگری قسم کے دوست کی ہدایت پر نا صرف اس کا طرح چیک اپ کیا بلکہ ہدایتوں سمیت ٹانک اور دوائیوں کی ایک لمبی فہرست بھی ساتھ کر

''عجیب شخص ہیں آپ! یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی؟'' گاڑی میں واپسی کے بیٹھتے ہوئے اس نے پہلا جملہ کچھ ایسی برہمی سے کہا کہ وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''کیوں کیا یہ محترم آپ کو ''انسانوں'' کے ڈاکٹر نہیں لگے؟'' قدرے ترش لہجہ جواب آیا۔

''میرا مطلب یہ قطعی نہیں تھا۔'' وہ یہ نہ کہہ سکی کہ اس کے دوست کی ابتدائی بات بہت بری لگی تھی۔

''پھر آپ کا مطلب کیا تھا؟'' اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے اعصار شیخ دریافت کیا تو وہ نظریں پھیرنے کے ساتھ ہی چہرے کا رخ بھی پھیر گئی۔

وہ بھی چپ چاپ ڈرائیو کرنے لگا۔ گاڑی میں جیسے خاموشی کا راج ہو گیا تھا خاموشی کے جمود کو توڑنے کے لیے اعصار شیخ نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا کی دھیمی آواز چار سو پھیلنے لگی۔

لکھنا بھی آسان ہے پڑھنا بھی آسان ہے۔
سننا بھی آسان ہے سہنا بھی آسان ہے۔
پر کہنا سچ بڑا مشکل ہے۔
مجھے تم سے پیار ہے مجھے تم سے پیار ہے۔

ادعیہ کا دل چاہ رہا تھا فوراً ہی گھر پہنچ جائے مگر راستہ جانے کیوں بے انتہا طویل ہو چلا تھا۔ وقت جیسے تھم سا گیا تھا۔ حالانکہ ٹھیک اسی لمحے کسی کے خیال میں وقت کسی پنچھی کی طرح پر لگا کر اڑ رہا تھا اور کوئی اسے قید کرنے کی خواہش کے باوجود قید کرنے میں ناکام تھا۔

اعصار شیخ نے بے ساختگی میں اچانک ہی اس کے نازک سے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ دھر دیا تھا۔

وہ یکدم ہی چونک کر اسے تکنے لگی تھی۔

اعصار شیخ نے لمحہ بھر کو اس پر نگاہ ڈالی تھی۔ جانے اس کی نظروں میں کیا تھا کہ وہ اس کی جانب دیکھ نہ سکی تھی اور فوراً ہی نظریں پھیرتے ہوئے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کے تلے سے دھیرے سے کھینچ لیا تھا۔

لکھنا بھی آسان ہے پڑھنا بھی آسان ہے۔
سننا بھی آسان ہے سہنا بھی آسان ہے۔
پر کہنا سچ بڑا مشکل ہے......!
مجھے تم سے پیار ہے۔
مجھے تم سے پیار ہے۔

''ادعیہ......'' خاموش فضا میں اچانک بڑی مدھم سی سرگوشی ابھری تھی مگر وہ لاتعلق بنی یونہی کھڑکی سے باہر تکتی رہی تھی۔

''ادعیہ!'' ایک بار مزید جیسے پکارا گیا اور جانے کس خوف کے تحت وہ اس کی سمت نہ دیکھ سکی۔

''ہوں۔'' یونہی رخ پھیرے جواب دیا۔

مگر دوسری جانب سے اس بار کوئی جواب موصول نہ ہوا۔ ادعیہ نے لمحہ بھر کو جیسے انتظار کیا پھر پلٹ کر باضابطہ طور پر مخاطب ہوئی۔

''جی کہیے۔'' کانپتی ہوئی آواز میں دریافت کیا۔

''اوں ہوں کچھ نہیں۔'' اس بار اس جانب لہجہ بے حد سرد اور لاتعلق بن گیا لمحہ بھر کو ادعیہ

کے دل پر جیسے ایک ضرب سی پڑی۔
شاید اسی لیے لمحہ بھر کو وہ اس کی سمت نادانستہ طور پر تکتی بھی رہی۔
اور جانے کیوں ہم کبھی کبھی کٹھور بن جاتے ہیں۔
لمحے میسر آ بھی جاتے ہیں تو جیسے لفظ کھو جاتے ہیں۔
اور اگر لفظ مل بھی جائیں تو جیسے کئی دیواریں اور اٹھ کھڑی ہوتی ہیں۔
انا کی دیوار۔ خود داری کی دیوار۔
وہ بہت سی سوچوں سے الجھتی ہوئی اس کی سمت بے خودی میں تکے جا رہی تھی
بالکل اچانک اس نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔
"کچھ کھاؤ گی؟" ایک معروف ریسٹورنٹ کے سامنے سے گزرتے ہوئے شاید اس
اخلاقاً دریافت کیا۔
وہ چونکی پھر یکدم نفی میں سر ہلانے لگی۔
"نہیں۔" کہا اور سر پشت سے ٹیک کر آنکھیں موند لیں۔ اعصار نے اسے بغور دیکھ
کہا کچھ نہیں۔

✿......✿

جیسے ہی جیپ گاؤں کے احاطے میں داخل ہوئی وہ فوراً ہی سنبھل کر بیٹھ گئی اندھیرا بڑ
تھا اور باہر لوگ بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔ دیہاتوں میں تو یوں بھی جلد ہی راستے سنس
ویران ہو جاتے ہیں مگر اس کے سینے میں بہت سے خوف بگل مارے بیٹھے تھے۔ تبھی ج
گھر کو جانے والا راستہ نظر آیا اس نے فوراً ہی جیپ رکوا دی۔
"یہاں...... یہاں روک دیجیے۔"
"آپ۔" وہ یقیناً اس کی حالت کے پیش نظر اسے گھر تک چھوڑنا چاہ رہا تھا مگر وہ
کس خوف کے تحت ایسا نہیں چاہ رہی تھی تبھی اس نے کچھ کہنا چاہا پھر ارادہ ملتوی
ہوئے جیپ ایک سائیڈ پر روک دی۔
وہ اترنا چاہتی تھی مگر منہ سے ایک دم سسکی سی نکل گئی۔ تبھی وہ اترا اور دوسری سمت
اسے اترنے میں مدد دینا چاہی مگر وہ جانے کیوں ایک بار پھر ٹکرا گئی اس نے زبردستی ہاتھ
کر اسے نیچے اترنے پر مجبور کر دیا۔ اس کا ہاتھ جیسے آہنی گرفت میں تھا۔ مزاحمت تو
کرتی چپ چاپ اس کے شانے پر اپنا نازک سا ہاتھ رکھ کر نیچے اترنے لگی۔ لمحہ بھر کو
سر اس کے مضبوط چوڑے شانے سے ٹکرایا اس کی گرم سانسوں کی تپش اس نے لم

اپنے چہرے پر محسوس کی اور اس لمحہ بھر میں جیسے سارا وجود پگھلنے لگا۔ اس کی آہنی گرفت سے
کانچ کی کتنی ہی سرخ چوڑیاں ٹوٹ چلی گئیں کوئی ایک شاید کلائی میں بھی کھب گئی مگر اسے جیسے
احساس ہی نہ ہوا۔
سینے کے اندر اچانک ہی ایک سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا تھا۔ ننھا سا دل اتنے زور سے
دھڑکا کہ شور سے خود اپنے کان جیسے پھٹنے لگے۔ اس نے دونوں پاؤں زمین پر دھر کر اپنا ہاتھ
اس کی آہنی گرفت سے آزاد کرایا اور بغیر شکریہ ادا کیے اور بغیر اپنا درد محسوس کیے وہ یکدم ہی
چل پڑی۔
اندر باہر ہلچل سی تھی اور جیسے سارا وجود جل رہا تھا۔
اس کے وجود کی خوشبو جیسے اب بھی اس کے نتھنوں میں بسی ہوئی تھی۔ اس کی گرم سانسیں
جیسے اب بھی اس کے چہرے کو جھلسا رہی تھیں۔
ایک پل کا...... غیر ارادی طور پر پیش آنے والا واقعہ تھا یہ، جس میں نہ تو اس کی مرضی
شامل تھی اور نہ ہی اس شخص نے دانستہ طور پر ایسا کیا تھا بلکہ اس نے تو شاید کچھ محسوس بھی نہ
کیا ہو۔ مگر سیو کے اندر باہر تو جیسے ایک قیامت برپا تھی۔
کب تجربہ تھا کسی ایسی بات کا۔ کب دیکھا تھا کسی غیر اجنبی کو اتنے قریب سے۔
کب کسی کے لمس کو محسوس کیا تھا۔ کب وقت نے اس سے قبل کبھی ایسی آزمائش لی تھی۔
کب دل اس انداز سے دھڑکا تھا۔ آج تو جیسے ہر بات انوکھی تھی۔
نئی...... ان دیکھی...... ان جانی......
یا پھر اسے ایسا لگ رہا تھا۔
چلتے چلتے اس نے یونہی پلٹ کر دیکھا۔ وہاں اب کوئی نہ تھا۔
اس نے فوراً ہی دوڑنا شروع کر دیا تھا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ جلدی سے اندر داخل ہوئی
تھی اور دروازہ بند کر کے سانسیں بحال کرنے لگی تھی۔ باہر صحن میں کوئی نہ تھا۔ وہ کتنی ہی دیر
سانسیں نارمل کرنے میں لگی رہی پھر دروازے پر کنڈی چڑھا کر آگے بڑھی تھی جب اچانک
بے بے کمرے سے نکلی۔
"آ گئی تو...... میں تو تیرا ہی پوچھنے نگو وغیرہ کے ہاں جا رہی تھی تیرا ویر اور چاچا پریشان
ہو رہے تھے۔ دل تو میرا وی ہول رہا تھا۔ اندھیرا بھی تو اتنا ہو گیا تھا شکر ہے تو آ گئی کیسا ریا
(رہا) میلہ...... مزہ آیا؟"
"ہاں۔" وہ سر ہلا رہی تھی جب اچانک دروازہ کھٹکا وہ تیزی سے واپس پلٹی۔ بے بے

اسے دروازہ کھولتے دیکھ کر باورچی خانے کی جانب بڑھ گئی۔ اس نے ایک نظر پلٹ کر
پھر مطمئن ہو کر دروازہ کھول دیا مگر سامنے نگو اور زیبو کو دیکھ کر دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔
''ہائے تو پہنچ گئی۔ شکر ہے تیرا اللہ!'' نگو نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ اس نے جلدی
اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اشارے سے مزید کچھ کہنے سے باز رکھتے ہوئے ان کو اندر آ
کہا۔ دونوں پہلے حیران ہوئیں پھر اس کے اشارے کو اور بوکھلائے ہوئے زرد رنگ چہ
دیکھ کر چپ ہو کر اس کے ساتھ اس کے کمرے میں آ گئیں۔

''کون تھا سیو؟'' بے بے نے جھانک کر پوچھا۔ پھر ان کو دیکھ کر بولیں۔

''کڑیو تم کو بھی چین نہیں ابھی تو مل کر آئی تھیں۔ چین نہیں پڑتا تم لوگوں کو بھی۔''
بے جیسے ان کی عقلوں پر ماتم کرتی ہوئیں واپس چاچے اور اکبر کی جانب بڑھ گئیں۔

''کیا ہوا۔ آ گئی سیو واپس؟'' چاچے کی آواز سیو کی سماعتوں سے ٹکرائی۔ تو دل جیسے
دھک سے رہ گیا۔

''ہاں سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ہے۔ ابھی پہنچی تھی کہ سہیلیاں پھر پیچھے ملنے پہنچ گئیں''
بے بے نے پھر وہی بات دہرائی۔

''چلو خیر ہے بچیاں ہیں۔ اس کے پاس نہیں آئیں گی تو بھلا اور کہاں جائیں
سہیلیاں جو ہوئیں۔'' چاچے کی مطمئن آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو جیسے اطمینان کا
سانس اس کے سینے سے خارج ہوا نگو اور زیبو بھی جو اس کے ساتھ دم سادھے بیٹھی
کیفیت کو قدرے سمجھ گئیں تبھی انتہائی دھیمی آواز میں بولیں۔

''قصہ کیا ہے؟ ہم تیرے لیے اتنے پریشان رہے۔ گھنٹوں تجھے میلے میں ڈھونڈتے ر
حالانکہ ماسی کو دوجے پنڈ جانا تھا مگر تیرے لیے فیروی (پھر بھی) ہم نے بہت انتظار کیا
نہیں ملی تو اڈیک کر اب ہم نکلے تھے۔ پہنچی کب تو...... ہم تو جیسے ہی پہنچے فوراً
جانب دوڑے۔'' نگو نے کہا تو وہ بہت آہستہ سے بولی۔

''کل ملنا۔ کنوئیں پر پانی بھرنے چلیں گے تو فیر تسلی سے بتاؤں گی۔ بس خیریت سے
پہنچ گئی۔ شکر ہے ورنہ تو شاید قیامت آ جاتی۔'' اور قیامت تو شاید اب بھی آ چکی تھی خود
کے اپنے اندر۔

''فیروی تو پہنچی کیسے؟'' دونوں کو تجسس ہوا اور اگرچہ وہ بہت ہوشیار یا چالاک نہیں تھ
وہ جانتی تھی بات اگرچہ کچھ بھی نہ سہی مگر لوگ قصے گھڑنے میں دیر نہیں لگاتے تبھی سمجھدار
ثبوت دیتے ہوئے انتہائی دھیمے انداز میں بولی۔

''ساتھ والے پنڈ میں بے بے کی دور پار کی بہن رہتی ہے نا بس فرشتہ بن کر وہی اچانک
گئی۔ اسی نے تانگے پر گھر تک چھوڑا۔''

''لے تو پھر ڈر کیوں رہی ہے اپنی بے بے سے؟'' زیبو نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔
ب اس نے یکدم تیزی سے اس کے منہ پر ہاتھ دھر دیا۔

''میں ڈر نہیں رہی جھلی! بے بے کو تو جانتی ہے نا پہلے ہی میلے جانے کے خلاف تھیں اب
ران کو پتا چل جاتا کہ میں وہاں جا کر گم ہو گئی تھی تو وہ آئندہ میرے کہیں بھی جانے پر
بندی لگا دیتیں۔ سمجھا کرو نا...... تبھی تو میں نے ان کی بہن کو بھی باہر ہی سے رخصت کر دیا
بے بے کو قطعی مت بتانا۔ وہ خود تو پریشان ہوں گی ہی ساتھ ہی میری بھی شامت آ جائے
گی۔'' سیو نے انتہائی روانی سے کہا۔

''چل شکر ہے تو خیر خیریت سے پہنچ گئی۔ اپنے ہاتھ سے کوئی صدقہ خیرات نکال دینا۔''
نگو اسے ہدایت دیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اب ہم چلتے ہیں۔ اپنے ساتھ تم نے ہماری جان بھی سولی پر لٹکا دی تھی مگر تجھے
خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو ہم بھی مفت میں دھر لیے جاتے۔'' زیبو بولی اور ساتھ ہی دونوں نے
واپسی کے لیے قدم بڑھا دیئے وہ انہیں چھوڑ کر کنڈی لگا کر کمرے میں آ گئی۔

''کھانا تو نہیں کھائے گی تو سیو۔'' دوسرے کمرے سے بے بے کی آواز آئی تب اس
نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے با آواز بلند بھی بولنا ضروری جانا۔

''نہیں بے بے! میں بہت تھک گئی ہوں۔ اب سوؤں گی۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے کمرے کی کنڈی چڑھا دی اور دروازے کے ساتھ پشت لگا کر
کتنے ہی لمحے وہ سینے کے اندر مچلتے دل کے شور کو حیرت سے سنتی رہی۔ کتنا شور تھا اندر کہ کان
تک پھٹ رہے تھے۔

وہ گرم گرم لمس اسے اب بھی اپنی کلائی پر محسوس ہو رہا تھا جیسے اب بھی وہ آہنی گرفت اس
کی کلائی پر موجود ہو۔ اس تاثر کے ابھرتے ہی اس نے یکدم کلائی کو دیکھا تھا۔

دودھیا کلائی پر اب بھی اس کی مضبوط گرفت کے نشان ثبت تھے۔ اس کا لمس اب بھی
وہاں زندہ تھا۔ کلائی میں کتنی ہی ٹوٹی ہوئی سرخ کانچ کی چوڑیوں کے زخم تھے۔ کتنوں سے
خون رس رہا تھا۔ جو کہ اس کی مضبوط گرفت کے باعث ٹوٹ گئی تھیں اور تب اسے جیسے
احساس بھی نہ ہوا تھا۔ اور احساس تو اب بھی شاید نہیں تھا کوئی ایک زخم بھی تو ایسا نہ تھا جس
کے اندر سے پھوٹتا درد یا رستا ہوا خون اسے بیکل کرتا۔ پریشان کرتا یا وہ درد سے یا تکلیف

سے کراہ اٹھتی۔
کہیں چوٹ تو لگی تھی۔ اور درد بھی تھا۔
"مگر کہاں؟" اس کا اندازہ اسے شاید خود بھی نہیں تھا۔ بس سارا وجود کسی طوفان کی
میں لگ رہا تھا ہر طرف ہلچل تھی۔ سینے کے اندر ایک تپش سی تھی۔
نہ تو اسے پاؤں میں آنے والی موچ کا درد ستا رہا تھا اور نہ ہی گھٹنے میں لگنے والی چ
کی دکھن کا احساس تھا۔ اب بھی وہ ایک مضبوط آہنی گرفت کو اپنے سراپے پر محسوس کر رہی تھ
کلائی پر اب بھی اس کی مضبوط گرفت کا لمس محسوس ہو رہا تھا۔
اس کی گرم سلگتی پُر حرارت سانسوں کی تپش سے جیسے اب بھی اس کا چہرہ سلگ رہا تھا۔
اس کے کان اس کے دل کے شور کو اب بھی سن رہے تھے۔
اس مضبوط سینے سے ابھرتی دھڑکنوں کا شور اب بھی اس کے آس پاس تھا۔
اسے اپنا آپ اب بھی پھول کی مانند لگ رہا تھا۔
وہ بہت بے سدھ سے انداز میں چلتی ہوئی چارپائی تک آئی تھی۔
"ہائے سیو! مر گئی توں تے۔" ایک جملہ بہت لجا کر کہتے ہوئے وہ جیسے خود میں ہی
گئی تھی۔ آنکھیں بند کر کے اس نے سر تکیے پر رکھا تھا مگر ہر طرف وہی رنگ رقص کر ر
تھے۔

❁......❁

انسان اگر ڈوب رہا ہو تو خود کو بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں ضرور مارتا ہے۔ ہمت ہا
کرنا پڑتی ہے اگر خود کو بچانا مقصود ہو تو۔ اور وہ بھی ایسی ہی ایک لڑکی تھی، جو بزدل تو تھی
کم ہمت نہیں۔ وہ ڈرتی تھی مگر جان کی بازی ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ یا شاید وہ اپنے حق
دستبردار ہونا نہیں چاہتی تھی۔
پورا ہفتہ گزر گیا تھا اور وہ کہیں نہیں گئی تھی۔ نہ اس نے یہ گھر چھوڑا تھا، نہ ہی ملک
رہ کچھ بہادر ہو گئی تھی یا شاید ایک ہفتہ گزرنے کے بعد بھی کوئی فیصلہ کرنے میں ناکام رہی تھ
یا شاید اس کے پاس کوئی راہ ہی نہیں تھی۔
وہ کہاں جاتی......
اور کون اسے بچاتا۔
جب اپنے ہی اسے مارنے کے درپے تھے تو ایسے میں کسی غیر سے تحفظ حاصل کرنے
آس یا امید رکھنا عبث ہی تھا۔

وہ سمجھتی تھی، کچھ نہیں ہوگا اور سب ٹھیک ہو جائے گا۔
یا پھر "جو ہوگا، دیکھا جائے گا۔" کے مصداق وہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے سینہ سپر
ہو گئی تھی۔ وہ جانتی تھی، وہ تنہا تھی اور اس کو بچانے کوئی نہیں آئے گا۔ تبھی شاید اس نے ان
حالات کا مقابلہ کرنا ضروری جانا تھا۔ وہ کمزور تھی تو کیا ہوا، وہ لڑ سکتی تھی۔
مقابلہ کر سکتی تھی۔
شاید اسے کسی کا کوئی خوف ہی نہ رہا تھا۔ مگر وہ دن آن پہنچا تھا۔
وہ بہت مطمئن انداز میں بیٹھی ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی، جب اچانک ہی لاؤنج کا
گلاس ڈور کھلا تھا اور وہی شخص چلتا ہوا اس کے سامنے آ گیا تھا۔ لیکن آج وہ تنہا نہ تھا، اس
کے پیچھے بھی چار پانچ افراد تھے جو کہ اسلحے سے لیس تھے۔ گرجی اور زینب بی بی جو قریب ہی
بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں، اچانک ہی چونک کر اس لمبے چوڑے شخص کو دیکھنے لگی تھیں۔
خوف سے ان کی آنکھیں جیسے لمحہ بھر میں ساکت و منجمد ہو گئی تھیں...... وہ بھی لمحہ بھر کو خوف
کے عالم میں اس کی جانب تکنے لگی تھی۔ پھر جیسے دوسرے ہی پل اس کے ذہن نے کام کیا
تھا۔ اس نے فوراً پاس دھرے موبائل پر بابا سائیں کا نمبر لمحوں میں ملایا تھا۔ مگر اس سے پہلے
کہ وہ موبائل کان سے لگاتی، وہ شخص پھرتی سے اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ ایک زناٹے دار تھپڑ
اس کے منہ پر مارتے ہوئے اس نے موبائل فون اس کے ہاتھ سے لے کر دور پھینک دیا تھا۔
"کوئی مدد کو نہیں آئے گا تمہاری...... نہ پولیس، نہ بابا سائیں۔" اس کی بھاری گرج دار
آواز جیسے اس کی سماعتوں کو جھنجھوڑ گئی۔ "تم ایک ہفتے کے اندر یہاں سے چلی جاؤ گی۔ یہی
حکم دیا گیا تھا نا تمہیں...... تم ہر شے سے دستبردار ہو جاؤ گی۔ یہی سنا تھا نا تمہارے کانوں
نے پھر...... تم نے عمل کیوں نہ کیا؟ کیا سمجھتی ہو...... بابا سائیں بچا لیں گے تمہیں ہاں...... یا
پھر قانون تمہاری مدد کرے گا۔ حق حاصل کرنے کے لئے قانونی چارہ جوئی کرو گی تم...... ہاہ
...... سب فضول ہے، بکواس۔ خوش فہم ہونے کی کوشش مت کرو۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ وہ
بابا سائیں تو تم سے پہلے ہی تنگ بیٹھا ہے جس پر تم قناعت کئے بیٹھی ہو۔ جو شخص دس افراد
کے سامنے تمہیں اپنی بیٹی قبول نہیں کر سکتا، وہ تمہیں کیا بچائے گا اور کیا تمہاری حفاظت کرے
گا۔ وہ تو آج بھی اتنا ہی عیاش ہے۔ کل کو جانے تم جیسی کتنی اور نام و حسب نسب کی دعویدار
نکل آئیں گی۔ ہم کس کس کو اس کا حق دیں گے؟" ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بولا
اور مزید آگے بڑھ آیا تھا۔
"ہم چھ بھائی ہیں ہم...... سید رئیس نواز سومرو کی تین بیویوں کی اولاد...... ان کی تمام جاگیر

کے جائز وارث ہیں ہم۔ اس کے علاوہ ہم کسی کو اس میں شریک نہیں کریں گے۔"

"دیکھو، تم مجھے مزید وقت دے دو۔ ہم...... ہم یہاں سے کہیں بھی چلے جائیں گے۔ مجھے جائیداد کا حصہ درکار نہیں۔ اب میں سکون سے رہنا چاہتی ہوں۔ یہ گھر بھی جو کہ سائیں کی ملکیت ہے اور میرے نام ہے، اسے بھی تم لوگوں کو سونپ کر چلی جاؤں گی۔ مگر مزید وقت دے دو۔ فقط چند دن۔"

مگر وہ سامنے کھڑا شخص مسکرا دیا۔

"مزید" کا لفظ ہماری ڈکشنری میں نہیں ہے گڑیا! افسوس تمہیں کوئی رعایت نہیں مل سکتی۔"

یہ کہنے کے ساتھ ہی اس نے گن کا رُخ اس کی سمت موڑ دیا اور اس سے قبل کہ گولی اس کے سینے کے آر پار ہوتی، زینب بی بی انتہائی پھرتی سے اس کے سامنے آ گئیں اور گولیاں ان کا وجود چھلنی کرتی چلی گئیں...... ایک اور شخص نے گرینی کو نشانہ بنایا اور ان کا وجود بے جان ہو کر ایک جان لڑھک گیا تھا...... وہ بالکل بت بنی تکتی چلی گئی تھی۔ ہر طرف جیسے خون ہی خون بکھرا نظر آ رہا تھا۔

گرینی اور زینب بی بی زمین پر گری پڑی تھیں۔ ان کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ خون میں لتھڑے وجود۔

سب ختم ہو رہا تھا۔

کون تھا جو بچاتا۔

وقت آخر آن پہنچا تھا۔

وہ پتھرائی ہوئی نظروں سے ان کے بے جان جسموں کو تکتی چلی گئی۔ کمرے میں بکھرے سرخ خون سے جیسے اس کے اندر سنسنی سی دوڑنے لگی۔ اس سے قبل کہ وہ کوئی مزاحمت کرتی اس سفاک دشمن نے گن کا رخ اس کی سمت کر دیا۔

اور تب اس کے حلق سے ایک زوردار چیخ برآمد ہوئی تھی......

اور پھر وہ چیختی چلی گئی تھی......!

"کیا ہوا مژگان میری جان...... کیا ہوا ہے؟" اس کی وحشت ناک چیخوں کی آواز پر گرینی، زینب بی بی سمیت کئی ملازمین پل بھر میں اس کے کمرے میں تھے...... گرینی انتہائی متفکر انداز میں اس کی صورت تک رہی تھیں جواب بھی مسلسل چیخے جا رہی تھی۔

"نہیں...... نہیں...... مجھے نہیں مارنا...... مجھے نہیں......" اس کا انداز ہذیانی تھا۔

زینب بی بی نے اسے یکدم ہی جھنجھوڑ دیا تھا۔

"مژگان! آنکھیں کھولو......"

"پلیز! لیو می...... فار گاڈ سیک۔ لیو می۔ آئی وانٹ ٹو لیو۔" اس کی آواز کی بے بسی بہت واضح تھی۔

"مژگان!" گرینی نے پُر وحشت انداز میں اسے جھنجھوڑ ڈالا اور تب وہ یکدم ہی آنکھیں کھول کر دیکھنے لگی۔

آنکھوں میں وحشت کے ساتھ ساتھ حیرانی بھی تھی...... تر بتر چہرے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ انہیں تکتی جا رہی تھی۔ سانس معمول سے بہت تیز تھی۔ جیسے صورتحال سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ تمام حالات کے معمول پر واقع ہونے کا یقین کر رہی ہو۔

"کیا ہوا تھا؟" زینب بی بی نے اس کے وحشت سے پُر چہرے کو دیکھا تھا اور تب اس نے کوئی جواب دیئے بغیر ایک طویل سانس لیتے ہوئے پشت سے سر ٹیک لیا تھا اور آنکھیں موند لی تھیں...... پھر بہت دھیمی آواز میں بولی تھی۔

"آپ سب جایئے۔ ٹھیک ہوں میں......" اس کے کہنے کے ساتھ ہی تمام ملازمین کمرے سے نکل گئے تھے۔ گرینی نے زینب کی جانب دیکھا تھا اور پھر دونوں ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ابھی وہ دو قدم بھی نہ چلی ہوں گی جب اس نے دوبارہ پکار لیا۔

"آپ دونوں رُکیے۔" گرینی اور زینب بی بی نے ایک ساتھ پلٹ کر دیکھا تھا۔ اب اس کی حالت قدرے سنبھلی ہوئی لگ رہی تھی۔ سانس کی رفتار بھی معمول پر تھی۔ وہ آنکھیں کھولے انہی کی جانب تک رہی تھی۔ دونوں پلٹ آئیں۔ گرینی نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے اسے بانہوں میں بھر لیا۔

"میری جان...... ڈرو نہیں۔ ہم ہیں...... سو جاؤ۔" وہ یہی نتیجہ اخذ کر سکی تھیں کہ وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہے۔ اور ایسا کسی ڈراؤنے خواب کے باعث ہوا ہے۔

زینب نے بھی اس کی دوسری جانب بیٹھتے ہوئے اس کی ہمت بندھائی تھی۔

"ہاں بچی...... ہم ہیں تیرے پاس...... فکر کی کوئی بات نہیں...... تم سو جاؤ۔" اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے نہایت محبت سے کہا تھا مگر اس نے نہ تو آنکھیں موندی تھیں نہ ہی اس کے چہرے پر چھائے خوف کے بادل چھٹے تھے۔ وہ بہت خوفزدہ انداز میں ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ پھر یکدم بولی تھی۔

"میں چاہتی ہوں، آپ دونوں...... آپ دونوں واپس چلی جائیں۔"

"کیا......؟" گرینی اور زینب بی بی اس کی بات پر یکدم چونکی تھیں۔ پھر شاید اس کی

ذہنی کیفیت کو سمجھتے ہوئے گرینی نے اسے بہلایا تھا۔

"او کے...... تم سو جاؤ......!"

"میں مکمل ہوش و حواس میں یہ کہہ رہی ہوں...... پلیز آپ دونوں واپس چلی جائیں۔"

گرینی کے انداز کو سمجھتے ہوئے بولی تو زینب بی بی حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

"کہاں...... کہاں چلے جائیں۔ تو جانتی ہے کیا کہہ رہی ہے؟ چھوٹے سائیں نے تجھے جب میرے حوالے کیا تھا، میری گود میں ڈالا تھا تو ساتھ ہی تمہاری حفاظت کی ذمے داری بھی ڈال دی تھی۔ نسل در نسل ہم نے اس خاندان کی خدمت کی ہے۔ ہم نمک حرامی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"اماں، مجھے آپ سے بہت پیار ہے۔ آپ کی تکلیف میں نہیں دیکھ پاؤں گی۔ آج میں آپ کو ہر طرح کے بندھن سے آزاد کرتی ہوں۔ آپ میرے لئے ماں کی طرح ہیں اور میں خود کو ہمیشہ دنیا کی خوش قسمت ترین انسان سمجھتی ہوں کہ جسے دو عظیم ماؤں کی گود میسر آئی۔ ماں کے نہ ہونے کی کمی مجھے کبھی محسوس ہی نہ ہوئی...... آپ دونوں بہت قابل احترام ہیں میرے لئے۔ مگر میں اپنی وجہ سے آپ کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔" مژگان کی پلکوں سے یکدم ہی پانی کے بہت سے قطرے ٹوٹ کر رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔

"بات کیا ہے...... آخر کس لئے......؟" گرینی نے بہت کچھ اخذ کرتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

اور تب اس نے تمام احوال کہہ سنایا تھا۔ گرینی اور زینب بی بی سکتے میں رہ گئی تھیں۔

"مجھے افسوس ہے اماں! آپ نے مجھے اصل حقائق سے بے خبر رکھا۔" وہ بہت دھیمے لہجے میں کہہ کر ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑنے لگی تھی۔

زینب بی بی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی تھیں۔

"میں تو تیرا بھلا چاہتی تھی میری بچی! میں نہیں جانتی تھی، جس راز کو سینے میں دبائے بیٹھی ہوں، اسے ایک روز منکشف بھی کرنا ہوگا۔"

"ہم پولیس سے مدد لیں گے...... ڈونٹ وری۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" گرینی نے اس کی ہمت بندھائی۔

"گرینی! سب فضول ہے...... ہم کچھ نہیں کر پائیں گے۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"پھر واپس چلو۔"

"نہیں، میں کہیں نہیں بھاگوں گی۔" بھیگی آنکھوں کے ساتھ وہ حتمی انداز میں بولی تھی۔

"پھر کیا کرو گی؟ یہاں پر ان کی بربریت کا شکار ہو گی؟ ان جنگلی گنوار لوگوں کے سامنے خود کو چیرنے اور پھاڑنے کے لئے رکھ دو گی؟" گرینی بہت دھیمی آواز میں بولیں۔

"نہیں...... میں مقابلہ کروں گی۔" اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا۔

"ہونہہ، مقابلہ...... تم کمزور لڑکی اُن حیوانوں کا مقابلہ کرو گی؟" گرینی کا انداز استہزائیہ تھا۔

تبھی زینب بی بی بولی تھیں۔ "ہم رئیس نواز سے بات کریں گے۔ ان کو آگاہ کریں گے تا اندھیر تو نہیں مچا ہوا۔"

"اماں! آپ بہت بھولی ہیں۔" وہ تلخی سے مسکرائی تھی۔ "جس باپ نے آج تک میری خبر گیری بھی ڈھنگ سے نہ کی، اپنی ذمے داری آپ کے ناتواں کاندھوں پر ڈال کر بری ہو گیا، وہ...... وہ...... میرے لئے کیا کرے گا...... کس بات کی امید رکھوں میں اس سے؟" اس نے گرینی اور زینب بی بی کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ دھرا۔ "پلیز! آپ دونوں یہاں سے چلی جائیں۔"

"دماغ چل گیا ہے تیرا تو...... ہم کیا تجھے تنہا مرنے کو چھوڑ جائیں...... ہے تو اتنی مضبوط کہ ان کے ساتھ لڑ سکے؟" زینب بی بی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں...... ہاں نہیں ہوں میں اتنی مضبوط...... اتنی قوی...... کمزور ہوں، بزدل ہوں...... مگر کیا کروں پھر؟ سب چھوڑ چھاڑ کر بھاگ کھڑی ہوں؟ یا اللہ! کیوں لکھ دیا تو نے میرا نصیب ایسا...... اگر اتنا کمزور و بے بس بنایا تھا تو پھر اتنی آزمائشیں ہی نہ سونپی ہوتیں، اتنا بے بس و لاچار ہی نہ بنایا ہوتا۔" اس کی آہ و فریاد پر گرینی اور زینب بی بی بھی زار و قطار رونے لگی تھیں۔

جو خوفناک منظر اس نے تھوڑی دیر قبل دیکھا تھا، وہ یقیناً خواب تھا۔

مگر وہ جانتی تھی، اس خواب کے حقیقت ہونے میں قطعی دیر نہ لگتی۔

اور وہ کیا کر پاتی!

زندگی جانے کیوں اس قدر بے بس اور مجبور کر ڈالتی ہے...... کچھ موڑ ایسے بھی آتے ہیں زندگی میں کہ جن سے آگے کے سارے راستے بند ملتے ہیں۔ کوئی راہ فرار کی نظر ہی نہیں آتی...... اور......"

"نہیں، نہیں......" اس نے یکدم ہی نفی میں سر ہلایا تھا اور پھر بھیگی پلکوں سے گرینی اور زینب بی بی کی جانب دیکھنے لگی۔ "آپ دونوں کو میری قسم......" وہ کہہ کر گھٹنوں میں سر رکھ کر ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی۔ گرینی اور زینب بی بی سکتے کی کیفیت میں ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگی تھیں۔

✿......✿

پہلی شب تھی!
بے قراری کی......!!
شب بیداری کی......!!!
ایک، اور نیا تجربہ......مگر ایک سمجھ میں نہ آنے والا اسرار!!
بہت سے محسوسات تھے مگر ان کے متعلق ادراک صفر!!!
جیسے کوئی ان دیکھے
انجانے......دیس میں یکدم ہی قدم دھر دے۔
اور اس کے متعلق سرے سے واقف ہی نہ ہو!
اس کی وہ رات بہت سے بھیدوں والی رات تھی۔
بے بے کی پہلی آواز پر اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"سیو...... اے سیو! اُٹھ جا...... دن چڑھ آیا ہے...... سورج جب سوا نیزے پر پہنچ جائے گا تب اٹھے گی کیا؟" بے بے نے چاچے کو ناشتہ دیتے ہوئے اسے با آواز بلند پکارا تھا۔ "کئی کام پڑے ہیں۔ کپڑے لیڑے بھی میلے پڑے ہوئے ہیں...... مجھے حویلی بھی جانا ہے۔ اُٹھ جا......" بے بے کی آواز میں ایک لفظ پر جیسے اس کے کان یکدم ہی کھڑے ہو گئے تھے۔

"حویلی......"

وہ یکدم ہی اٹھ بیٹھی تھی۔ چارپائی پر بیٹھ کر اس نے ایک طویل گہری سانس لے کر اپنی کیفیت کو معمول پر لانے کی کوشش کی، پھر دوپٹہ اچھی طرح لپیٹ کر باہر نکل آئی۔

"سیو......" بے بے نے ابھی اسے آواز دینے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ اسے سامنے دیکھ کر بولیں۔ "اٹھ گئی تو...... چل جھٹی جھٹی منہ دھو کر ناشتہ کر لے۔ رات بھی کچھ نہیں کھایا تھا تو نے۔ فیر کئی کم نبیڑنے ہیں تجھے" (چل، جلدی ناشتہ کر لے۔ رات کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔ پھر کئی کام نمٹانے ہیں۔)

وہ آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی نلکے تک آ گئی۔

"پتر! سنا فیر، کیسا رہا میلہ؟" چاچے نے ناشتہ کرتے ہوئے دریافت کیا۔

وہ نظریں نہ ملا سکی۔ "جی...... جی بہت اچھا۔" ہینڈ پمپ کو چلاتے ہوئے وہ اسی قدر کہہ سکی۔

"مزا آیا کہ نہیں؟" چاچے نے پھر مسکرا کر پوچھا۔ تبھی اس کے بدلے بے بے بول پڑیں۔

"لے پلا، مزا کیوں نئیں آیا ہوگا۔ سہیلیوں کی پوری ٹیم ساتھ تھی۔"

"چل چھلیے لوکے، بچے ہیں۔ عیش کرنے دے۔ یہی تو وقت ہے۔ پھر کہاں وقت مہلت دے گا۔" چاچے نے کہا تو بے بے سر ہلانے لگیں۔ وہ بالٹی میں سے پانی لے کر منہ پر چھپاکے مارتی چلی گئی۔

"اب آ بھی جا...... ویر کے لئے روٹی بھی ساتھ باندھ دے۔" بے بے نے اسے پھر آواز دی۔ تب وہ بادل نخواستہ دوپٹے سے منہ پونچھتی ہوئی اس طرف چلی آئی۔ بے بے اٹھ کر شاید کمرے میں کسی کام کے لئے گئی تھیں۔ چاچا بھی ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے اور اب چارپائی پر بیٹھ کر جوتے پہن رہے تھے۔ وہ اکبر کے لئے روٹی باندھنے لگی۔

"سیو! چولہے کی دوسری طرف چنگیر کے تھلے (نیچے) سالن پڑا ہے۔ خود بھی ناشتہ کر لے۔" بے بے نے اندر سے با آواز بلند کہا۔ وہ ٹفن لے کر چلتی ہوئی چاچے کے قریب جا رکی۔ "مرغیوں کو دانہ ضرور ڈال دینا اور پینے کا پانی بھر لانا کنوئیں سے۔ نکو یا شیبو میں سے کسی کو ساتھ لے جانا...... میلے کپڑوں کا بھی ڈھیر لگا پڑا ہے۔" بے بے کی ہدایتیں وقفے وقفے سے جاری تھیں۔

چاچا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیے۔ پھر ٹفن تھاما۔ "جیتی رہ...... اج تے تیری ماں نے کموں کی لین لگا دی ہے۔ خیر نئیں تیری۔" (آج تو تیری ماں نے کاموں کی لائن لگا دی ہے۔ خیر نہیں تمہاری) وہ مسکرا دی۔ پھر پلٹ کر واپس چولہے کے پاس آئی اور چیزیں سمیٹنے لگی۔ چاچا چلا گیا۔ تبھی بے بے اندر سے باہر آئیں۔

"شاید کچھ دیر ہو جائے۔ شام میں کھانا جلدی بنا لینا۔ تیرے ویر اور چاچے کی واپسی جلدی ہو گئی تو گھر سر پر اٹھا لیں گے۔" بے بے نے ایک اور ہم ذمے داری سونپی۔ اس نے سر ہلا دیا۔

بے بے چادر اوڑھ کر دروازے کی سمت بڑھیں۔ "بوہا مار لے!" (کنڈی لگا لے)

وہ ان کے کہنے پر بہت آہستہ قدموں سے چلتی ہوئی ان کے پیچھے آئی اور پھر کنڈی چڑھا کر واپس پلٹی۔ کتنے ہی لمحوں تک اِدھر اُدھر حیرت سے تکتی رہی۔ ہر شے وہی تھی...... مگر جانے کیوں بے حد بدلی بدلی اور عجیب لگ رہی تھی۔ اور بدل تو شاید اور بھی بہت کچھ گیا

تھا۔ پتہ نہیں کیا بدلا تھا اور کہاں بدلا تھا۔ کچھ خبر نہ تھی۔
وہ ناشتہ کیے بغیر کاموں میں جت گئی۔

✿......✿
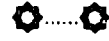
شاید دواؤں کے استعمال کے باعث صبح اس کی آنکھ بہت دیر سے کھلی تھی۔ اس کا ار[ادہ] یونیورسٹی جانے کا تھا۔ مگر اب ممکن نہ رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ لیٹ ہو چکی تھی۔ سو کتنی [دیر] کسلمندی سے بستر پر پڑی رہی تھی اور شعاع نے بھی شاید اسی لئے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا تھا کہ وہ بے آرام نہ ہو۔ کافی دیر تک وہ کھڑکی کے شیشے سے چھن کر آنے والی روشنی دیکھتی رہی تھی، پھر اٹھ بیٹھی تھی۔ منہ ہاتھ دھونے سے فارغ ہو کر وہ باہر جانے کے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ تبھی دروازہ کھولتے ہوئے کارپٹ پر ایک طرف پڑے ہو[ئے] سفید لفافے پر نظر پڑی تھی۔ اس نے جھک کر لفافہ اٹھایا تھا۔ پھر دھیرے سے کھولا تھا۔
"will be missing you!" کا بہت نفیس سا خوبصورت کارڈ اس کے سامنے تھا۔
"اوہ......!" اس نے بنا کسی تردد کے کارڈ کھولا تھا۔

Where ever I go!
Whatever I do
baby my heart
Stay with you
I am
going right now
for a way but
I will com back
Whenever you
call me

بہت خوبصورت سی عبارت درج تھی...... اس کی خوبصورت رائٹنگ میں۔ وہ نجانے کیوں دھیمے سے مسکرا دی۔ "گڈ بائے کیپٹن اعصار شیخ......" اس کے لب ہولے سے ہلے تھے۔ پھر پلٹ کر اس نے کارڈ بند کر کے لفافے میں ڈالتے ہوئے سائیڈ کی دراز کھولی اور لفافہ اس میں ڈال دیا تھا۔
صبح جاتے ہوئے یقیناً وہ اسے ملنے کے لئے آیا تھا...... اور اس کا دروازہ بند دیکھ کر

کارڈ ڈال گیا تھا۔
"بہت غلط راستوں پر چل رہے ہو تم...... حیرت ہے تمہاری عقل پر۔ جانے کہاں جا سوئی ہے۔ سب بے سود ہے...... بے کار ہے...... جانتے ہو پھر بھی۔"
استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے وہ دراز بند کر کے باہر نکل آئی تھی۔
امی واشنگ مشین لگائے کپڑے دھونے میں مصروف تھیں۔ اس نے فوراً ان کی طرف پیش قدمی کی۔
"امی! لائیے، میں کرتی ہوں۔"
"ارے نہیں، پہلے ہی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔ تم ناشتہ کر لو اور پھر دوائی کھا لو۔ موسم اس قدر خراب ہے، پڑ گئی نا دو چار روز اور تو جان مشکل میں آ جائے گی۔" امی نے کہا تو وہ مسکرا دی۔
"بخار اتر چکا ہے امی اب...... معمولی مرض ہے۔ آپ تو یونہی پریشان ہو رہی ہیں۔"
ادعیہ بولی تو امی کپڑے مشین میں سے نکالتے ہوئے اسے دیکھنے لگیں۔
"یونہی نہیں بیٹا...... موسم بہت خراب ہے۔ آج کل کوئی معمولی بیماری معمولی نہیں رہی۔ احتیاط نہ برتی جائے تو مرض بگڑتے ہوئے دیر نہیں لگتی۔"
"مگر امی! میں ٹھیک ہوں اب۔ دیکھیے، چھو کر دیکھیے۔ بالکل نارمل ہوں نا۔" اس نے مسکراتے ہوئے ان کی کلائی پر اپنا ہاتھ رکھا تو امی مسکرا دیں۔
"تم کچن دیکھ لو۔ بچے آنے والے ہیں۔"
"ہوں......" وہ سر ہلاتی ہوئی کچن میں آ گئی۔
فریج سے سبزی نکالی اور وہیں ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر کاٹنے لگی۔

I will come back
Whenever you
call me

ذہنی رو یکدم ہی بہکنے لگی...... نظروں کے سامنے موتیوں جیسے لفظ چمکنے لگے۔
"I Will be missing you!"
چھری کی تیز دھار یکدم ہی ہتھیلی پر جا پڑی۔
"اُف......" اس کی سسکی نکل گئی۔
گھر میں بے حد خاموشی تھی۔ شاید تبھی امی تک اس کی آواز پہنچ گئی تھی۔ انہوں نے متفکر

انداز میں وہیں سے آواز دے کر دریافت کیا تھا۔ ''کیا ہوا؟''
''کچھ...... کچھ نہیں امی۔'' وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی اٹھ کر سنک میں ہاتھ دھونے لگی
سرخ سرخ خون پانی میں مل کر بہہ رہا تھا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے زخم کو
تکلیف دوچند ہو گئی۔ اس نے آنکھیں میچ لیں۔

"I will be missing you!"

بہت شدت سے اس نے تمام تر کرب کو دباتے ہوئے ہونٹ کچلے تھے۔ پھر کیبنٹ
سنی پلاسٹ نکال کر لگاتے ہوئے جانے کیوں رات کا تمام منظر نظروں میں گھومنے لگا
اس کے خیریت دریافت کرنے سے ڈاکٹر کے پاس لے کر جانے تک اور پھر گھر واپس
چھوڑتے وقت تک کا تمام منظر!
جب وہ اسے واپس چھوڑ کر پلٹ رہا تھا تو خاصے کڑے لہجے میں تاکید کی تھی۔
''اپنا خیال رکھنا۔ اول نمبر کی کیئرلیس ہستی ہو تم۔''
اور وہ جواب میں خاموش ہی رہی تھی۔
''تمام دوائیں اور ٹانک وقت پر لینا...... اور...... کوئی بے پروائی مت برتنا۔''
ایک اور تاکید...... اور وہ چہرے کا رخ پھیر کر دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔
''ادعیہ...... تم......'' وہ جیسے کچھ بولتے بولتے رہ گیا تھا۔ اور اس پل وہ بڑے مطمئن
انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی جانب تکنے لگی تھی۔
''کہہ دو، بہت بری ہوں۔''
اور تب وہ کچھ لمحے یونہی اسے خاموشی سے تکتا رہا تھا۔ اور پھر دھیرے سے نفی میں سر
ہلانے لگا تھا۔
''افسوس، میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یوں بھی بری تم نہیں ہو، برا تمہارا رویہ ہے...... سرد
جامد، بے حس، برف سا۔ سچ کبھی کبھی تو شدت سے دل چاہتا ہے تمہارا گلا دبا دوں یا پھر جلا
کر راکھ کر دوں۔''
اور وہ جواب میں مسکرانے لگی تھی۔ ''بڑے بیوقوف ہو۔ اتنا بھی نہیں جانتے، برف بھی
جل کر راکھ نہیں بن سکتی۔'' اس کی عقل پر افسوس کیا تھا۔ مگر وہ بہت پُرتپش نظروں سے اس کی
جانب تکنے لگا۔
''پگھل بھی تو نہیں رہی نا حال۔'' اور تب اس نے جلدی سے آنکھیں موند لی تھیں۔
''مجھے نیند آ رہی ہے۔''

''محترمہ ادعیہ صاحبہ! آپ اپنی نوعیت کی عظیم ترین شے ہیں۔'' وہ بہت دھیمے سے مسکرایا
مگر اس نے تب بھی آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔
''اب میری جانب دیکھ تو لو...... جا رہا ہوں۔'' اب کے اس نے ایک عظیم فرمائش کر ڈالی
تب اس نے کمبل سر تک اوڑھ لیا تھا۔ وہ جانتی تھی، اس کی کیفیت کیا ہوئی ہو گی۔ مگر اس
نے اس کی مرضی کو پورا نہیں کیا تھا۔ شاید وہ تھک کر لوٹ گیا تھا۔
اور اب......
اس نے نہایت جھنجلا کر تمام سوچوں کو ایک طرف ڈالنا چاہا۔ تبھی امی نے اسے پکارا تھا۔
''ادعیہ...... دیکھو فون کی بیل ہو رہی ہے۔'' امی یقیناً واش روم سے ہی پکار رہی تھیں۔
تب وہ تیزی سے ''جی اچھا'' کہتی ہوئی کوریڈور کی جانب دوڑی تھی۔

✿......✿

چار سُو اتنی ویرانی اور خاموشی تھی کہ کسی قبرستان کا گمان گزرتا۔
گھر تھا، مکین تھے...... سانس لے رہے تھے......
زندہ تھے۔
مگر اک ماتم کی سی فضا تھی۔
گریبی اور زینب اپنے اپنے کمرے میں تھیں۔ تمام نوکروں کی فوج کی اس نے چھٹی کر
دی تھی۔ حتیٰ کہ بہرام کو بھی واپس اس کے گاؤں بھیج دیا تھا۔ حالانکہ وہ بہت ناراض ہو رہا تھا۔
اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ واپس جا رہی ہے اور اب اسے مزید کسی سیکیورٹی کی ضرورت نہیں۔
ام نے بابا سائیں کا حوالہ دیا تھا۔ اور تب اس نے اپنا ذمہ لے کر اسے مطمئن کر دیا تھا۔
اب تو گیٹ پر بس ایک چوکیدار ہی بچا تھا۔
یہاں تک کی حکمت عملی ترتیب دے کر اور اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد وہ سو گئی تھی۔
مطمئن اور پُرسکون نیند۔
پھر جب آنکھ کھلی تو شام خاصی گہری ہو چکی تھی۔ مگر وہ خاصی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ غسل
بعد کچن میں آئی تھی۔ اپنے لئے چائے بنائی تھی اور پھر واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔
چائے کے چھوٹے چھوٹے سپ لینے کے دوران اس کا ذہن مسلسل متحرک رہا تھا۔ پھر وہ
ایک طرف رکھ کر موبائل اٹھا کر نمبر پش کرنے لگی تھی۔
ایک...... دو...... تین......
اور اس لمحے اس کے ساتھ ہی اس کا دل بھی اتنی ہی تیز رفتاری کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔

"ہیلو!" دوسری جانب سے کال ریسیو کر لی گئی تھی۔ بھاری آواز پر اس کی قوت
سلب ہو گئی تھی۔

"ہیلو...... ہیلو!" آواز پھر ابھری تھی۔ اور تب وہ خشک لبوں پر زبان پھیرتی ہوئی
ہمتوں کو پھر سے مجتمع کرنے لگی تھی۔

"ہیل...... ہیلو......!" حلق سے بمشکل آواز نکلی تھی۔

"ہیلو...... مژگان!" یقیناً وہ سی ایل آئی پر اس کے آنے والے نمبر سے ہی پہچانا تھا۔
وہ خاموش رہی تھی۔ "ہیلو مژگان! آپ بول کیوں نہیں رہیں۔ آر یو آل رائٹ؟" ر
عالم شاہ کی متفکر سی آواز ابھری تھی۔

اور اس کی تمام ہمتیں جیسے پل میں جواب دے گئی تھیں۔ آنکھیں پانیوں سے بھر آ
اور یکدم ہی چھلک پڑی تھیں...... سسکیوں پر قابو پانے کے لئے وہ ہونٹ کچلنے لگی تھی۔

"ہیلو مژگان...... آپ ٹھیک تو ہیں؟...... ہیلو...... ہیلو...... ہیلو......" مگر جیسے اس کے
میں کوئی گولہ سا آن پھنسا تھا۔

وہ کچھ نہیں بول پائی تھی۔ اور آخر کار اس کی بہت سی آوازوں کے جواب میں اس
سلسلہ منقطع کر ڈالا تھا اور چہرے کو دونوں ہاتھوں سے چھپا کر زار و قطار رونے لگی تھی۔

یقیناً سب کچھ اتنا آسان نہیں تھا، جتنا اس نے تصور کیا تھا۔

اِک پل صراط تھا، جسے عبور کرنا یقیناً اس کے بس میں نہ تھا۔ وہ جو حوصلے اور ہمتیں
کر کے آگے بڑھی تو پہلے ہی قدم پر بے بس ہو گئی تھی۔ تمام ہمتیں اور حوصلے جیسے ڈھے
تھے...... کسی ریت کی بھربھری دیوار کی مانند۔

قدموں میں جیسے بیڑیاں سی آن پڑی تھیں۔

یا پھر راستے ہی بند تھے...... موت تعاقب میں تھی۔

خوف ہی خوف تھا۔

مگر خودداری اور انا پھر بھی مکمل طور پر سر اٹھائے کھڑی تھیں۔

✿......✿

موبائل ہاتھ میں لئے وہ کتنی ہی دیر تک یونہی چپ چاپ بیٹھا رہا تھا۔ اس کا انداز
کر رہا تھا کہ یقیناً وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ علی شاہ اندر داخل ہوا تو اسے اس طرح
دیکھ کر شرارت سے مسکرا دیا۔

"خیریت...... موبائل میں کیا تصویر بھی نظر آنے لگی ہے؟"

جس طرح سے وہ کہنیاں ٹانگوں پر ٹکائے ہاتھ میں فائل کو تھامے جھکا بیٹھا گھور رہا تھا،
علی شاہ نے اپنی دانست کے مطابق نتیجہ اخذ کیا تھا۔ مگر وہ جواب میں کچھ نہیں بولا
بس یہ کیا تھا کہ کہنیوں کو سیدھا کرتے ہوئے وہ موبائل کے بٹن پش کرنے لگا تھا...... پھر
جانے کیا سوچ کر یہ سلسلہ منقطع کیا تھا اور یونہی چپ چاپ ایک پل کو سوچا تھا۔ پھر موبائل
ٹیبل پر رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اور وارڈ روب میں سے ایک سوٹ نکال کر بیڈ پر
رکھتے ہوئے اس نے علی شاہ کی جانب دیکھا تھا، جو اسے مسلسل حیرت سے تک رہا تھا۔

"کچھ پریشان لگ رہے ہو۔ خیریت؟"

"پتہ نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

"کیا مطلب۔ شکل پر تو ہوائیاں اُڑی ہوئی ہیں۔" علی شاہ نے بغور تجزیہ کرتے ہوئے
کہا۔ "کبل سے تو جھگڑا نہیں ہو گیا؟" وہ مسکرایا۔

"نہیں۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دے کر رسٹ واچ اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

"پھر؟" علی شاہ نے اس کے سوچوں سے اٹے چہرے کو تکا۔

"ابھی مژگان کا فون تھا۔ وہ کچھ پریشان تھی۔"

"کوئی مسئلہ؟"

"پتہ نہیں...... بولی تو کچھ نہیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ رو رہی تھی، بولنے کی کوشش کے
باوجود کچھ نہیں بول پائی۔" اس نے شرٹ اتار کر بیڈ پر پھینکتے ہوئے بتایا۔

"اب تو اس کی طرف جا رہا ہے؟" علی نے اس کی جانب بغور دیکھا۔

"ہوں!"

"تو جانتا ہے اس کا مسئلہ؟"

"نہیں۔"

"پھر......؟"

"میں نہیں جانتا۔ بس مجھے اس سے مل کر صورتحال معلوم کرنا ہے۔ ہو سکتا ہے میں اس
کے کسی کام آ سکوں۔"

علی شاہ اسے کچھ دیر تک دیکھتا رہا، پھر اس کے قریب چلا آیا اور اس کے چوڑے مضبوط
شانے پر دوستانہ انداز میں ہاتھ رکھتے ہوئے گویا ہوا۔ "ایک بات کہوں۔ اس لڑکی کا معاملہ
اور ہے...... اس جھنجٹ میں مت پڑ...... تو پہلے بھی بھگت چکا ہے۔"

رہبان عالم شاہ اسے کچھ دیر تک یونہی تکتا رہا تھا، پھر تلخی سے مسکرا دیا تھا۔ "ایک کمزور

لڑکی ہے وہ...... اگر تمہیں کوئی اس طرح پکارے تو کیا تم کسی خوف کے باعث رک
گئے؟" رہبان عالم شاہ کو لگا، اس کے مردانہ وقار کو دھچکا لگا ہو۔ علی نے جو کچھ کہا تھا، شا
اس کی محبت میں ہی کہا تھا...... یقیناً وہ اس کا خیر خواہ تھا۔ اچھا بلکہ بہترین دوست تھا
اسے لگا تھا، اگر وہ نہ جاتا تو یہ بات اس کی عزت، اس کے وقار اور سب سے بڑھ کر اس
غیرت کے منافی ہوتی۔

"میں تجھے روک نہیں رہا مگر......" علی شاہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"علی شاہ! شی از ریئلی انوسنٹ۔ میں جب بھی اس کی نظریں دیکھتا ہوں، مجھے ان
ایک خوف، چھلکتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ بہت معصوم ہے مگر بہت خوفزدہ...... وہ واقعی مشکل
ہے اور اسے میری مدد کی ضرورت بھی ہے...... میں چاہوں بھی تو خود کو باز نہیں رکھ سکتا۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔ میں بھی تیرے ساتھ جاؤں گا۔" علی شاہ نے حتمی انداز میں کہا۔

"علی شاہ! میں کسی محاذ پر نہیں جا رہا۔" وہ کہہ کر واش روم میں گھس گیا تھا۔

علی شاہ نے بند دروازے کو دیکھا تھا...... پھر بیڈ پر بیٹھ گیا تھا اور یونہی سائیڈ ٹیبل پر
میگزین اٹھا کر دیکھنے لگا تھا۔

رہبان کو بمشکل پانچ منٹ بھی نہ لگے تھے باتھ لینے میں۔ کچھ لمحوں میں ہی وہ باہر تھا
جلدی جلدی تیار ہو رہا تھا۔

"رہبان میرے یار! مجھے ڈر ہے تو کسی مشکل میں نہ پھنس جائے۔" علی شاہ کو اب
وہی خدشہ لاحق تھا۔

"او میرے یار! بقول تیرے پنجاب کا گبرو جوان ہوں میں۔ مصیبت تو دس فٹ دور
ہی دیکھ کر سر پر پاؤں رکھتی ہوئی بھاگ کھڑی ہوتی ہے۔ کچھ نہیں ہوگا۔ شیر ہے تیرا دوست
...... گولیوں کا تجربہ تیرے سامنے ہے۔" وہ یقیناً اسے مطمئن کرنے کی غرض سے قدرے غیر
سنجیدہ انداز میں بولا تھا۔ مگر علی شاہ مسکرایا نہیں تھا۔ بلیک سوٹ میں وہ شاندار لگ رہا تھا۔ خود
پر پرفیوم اسپرے کر رہا تھا۔ علی شاہ نے اٹھ کر اسے بغور دیکھا، پھر اس کے کوٹ کے کالر
یونہی جھاڑتے ہوئے خوشبو کو بغور محسوس کرتے ہوئے باقاعدہ ناک سے سونگھا۔

"یہ تو مشکل میں مدد کو جا رہا ہے یا بر دکھوے کو؟" لمحہ بھر میں علی شاہ کی شرارتی حس
بیدار ہو چکی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا تھا۔ پھر مضبوط ہاتھ کا پنچ بنا کر اسے دے مارا تھا۔ ساتھ
ہی شرارت سے پُر انداز میں مسکرایا بھی تھا۔

"مجھے تو دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔ تبھی مجھے ساتھ لے جانے میں بھی ٹال برتا جا رہا
کہیں ڈیٹ ویٹ کا چکر شکر تو نہیں ہے؟"

رہبان اس کے انداز پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ "خالص بیویوں والا شک کر رہا ہے
رہبان
ف پر۔

"...بے......" علی شاہ نے جیسے اسے باز رکھا تھا۔ مگر وہ ہنس دیا تھا۔

"ریئلی، اس وقت تیرا انداز ویسا ہی رنگ لئے ہوئے ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

ڈور بیل ہوئی تھی۔ اس نے علی شاہ کو اشارہ کیا تھا اور خود ٹائی کی ناٹ کو درست کرنے
تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں علی شاہ پلٹا تھا۔ مگر تنہا نہیں۔ اس کے ساتھ سجل بھی تھی۔

"ہیلو رہبان!" وہ چہکتی ہوئی بولی تھی اور وہ یکدم ہی پلٹ کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ نظروں
حیرت کم اور موقع کی مناسبت سے ابھرنے والا تاثر زیادہ واضح تھا۔

"ہیلو......" اس نے بھی اس کی خوش دلی سے کہے گئے "ہیلو" کا جواب مجبوراً مسکرا کر
ہوئے علی شاہ کی جانب شکوہ کناں نظروں سے اس طرح دیکھا تھا جیسے اسے یہاں
کا ذمہ دار وہی ہو۔ اور جواباً علی شاہ یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگا تھا جیسے کہہ رہا ہو
ا کوئی قصور نہیں!"

"تم میری ہی طرف آ رہے تھے نا...... دیکھو، میں خود چلی آئی۔" وہ مسکراتی ہوئی اس کے
قدرے رک کر اسے سراہتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ "بہت اچھے لگ رہے ہو۔"
نے اس کی ٹائی کی ناٹ کو یونہی درست کیا۔ علی شاہ نے چہرے کا رخ پھیر لیا۔

رہبان عالم شاہ اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں تھام کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔"

"ارے میں تو تم سے ملنے آئی تھی۔" سجل کی آواز میں ناراضگی واضح طور پر چھلکنے لگی۔

"علی شاہ ہے یہاں۔ تم رُکی رہو، میں جلد لوٹ آؤں گا۔ پھر مل کر ڈنر کے لئے جائیں
" اس نے جیسے لالچ دیا۔

"اوں ہوں...... میں اتنی دیر میں تو بور ہو جاؤں گی۔"

"علی شاہ تمہیں بور نہیں ہونے دے گا...... ہے نا علی شاہ؟" اس نے دھیمے انداز میں مسکرا
تے ہوئے علی شاہ کی طرف دیکھا۔ وہ بادل ناخواستہ اثبات میں سر ہلانے لگا۔ حالانکہ
نے کا ارادہ قطعی نہ تھا مگر وائے قسمت دوستی بہت سی قربانیاں مانگتی ہے۔ علی شاہ کے

چہرے کے تاثرات پر رہبان خفیف سا مسکرا دیا تھا۔ مگر سجل نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''جا کہاں رہے ہو؟''

''ایک اہم کام ہے۔ بتایا تو ہے۔'' رہبان عالم شاہ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، اس وقت آ جائے گی...... تبھی غیر متوقع آمد پر ڈھنگ سے کوئی وضاحت بھی پیش نہیں کر رہا تھا۔

''میں بھی چلوں؟'' سجل نے محبت پاش انداز اختیار کیا۔

''اوں ہوں...... آفیشل میٹنگ ہے۔''

''تم نے شام میں تو کچھ نہیں بتایا تھا۔''

''ہاں، ڈیلی گیشن کی آمد بھی غیر متوقع ہے۔ سب کچھ اچانک ہوا ہے۔'' رہبان عالم نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

''جلد آنا۔'' سجل نے اسے چہرہ پھلا کر خفا خفا انداز میں دیکھا۔

''ہوں۔'' رہبان دھیرے سے مسکرایا...... پھر چلتا ہوا علی شاہ کے قریب رکا۔

''اپنا موبائل آن ہی رکھنا۔ ہو سکتا ہے مجھے کال کرنا پڑ جائے۔'' اس نے بہت دھیمی آواز میں تاکید کی۔ ساتھ ہی پلٹ کر ایک نظر سجل کی طرف دیکھا جو ان دونوں کی جانب تک رہی تھی قدرے فاصلے پر کھڑی۔

''سجل کو بور مت کرنا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے نصیحت کی، پھر پلٹ کر تیزی سے نکل گیا۔

علی شاہ کئی لمحوں تک اس کی جانب تکتا رہا تھا...... یہ پہلا موقع تھا جب اس نے سجل کو نظر انداز کیا تھا...... سجل پر کسی اور کو ترجیح دی تھی۔ آج سے قبل ایسا کوئی موقع نہیں آیا تھا اس نے جھوٹ بولا ہو۔ مگر آج وہ اس کے لئے بھی مجبور ہو گیا تھا۔

یقیناً صورتحال گمبھیر تھی۔

✿......✿
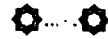
بے بے کے سونپے گئے ڈھیروں کام نمٹا کر جب وہ فارغ ہوئی تھی تو جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ سوئے ہوئے درد بھی جاگ پڑے تھے۔ گھٹنے کا اور پیر کا درد بھی جاگ گیا تھا۔ مگر وہ نظر انداز کرتی ہوئی گھڑے اٹھا کر شیبو، نگو اور زیبو کے ساتھ پانی بھرنے نکل آئی تھی۔

راستے بھر وہ لوگ ہنسی مذاق کرتی رہی تھیں۔ وہی شرارتیں، وہی اٹکھیلیاں، کچھ کل کے حوالے سے باتیں۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

''اے، خیر ہے سیو...... تجھے کیونکر چپ لگ گئی؟'' نگو کو اس کی خاموشی کافی دیر سے کاٹ رہی تھی اور آخر کار اس نے پوچھ ہی لیا تھا۔ اور وہ یکدم چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

''نن...... نہیں...... کچھ نہیں۔'' وہ کہنے کے ساتھ ہی نفی میں سر بھی ہلانے لگی تھی۔

''لے، تجھے تو جیسے کرنٹ چھو گیا ہے۔ گل کیا ہے...... خیر تو ہے نا؟'' زیبو نے دیدے مٹکاتے ہوئے نہایت شرارت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ ''کہیں میلے میں کل...... کچھ گنوا تے نہیں بیٹھی؟''

''نہیں...... نن...... نہیں...... نہیں...... بالکل نہیں۔'' سیو کا چہرہ یکدم ہی سرخ پڑ گیا تھا۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ زیادہ دیر تک ان کی جانب دیکھ نہ پائی تھی اور نظروں کا رخ پھیر گئی تھی۔ ''وہ کموں (کاموں) کی وجہ سے.... صبح سے اب تک ڈھیروں ڈھیر کم نمٹائے ہیں۔ بج، تھک گئی ہوں۔'' سیو نے ان کی پُر شریر ہنسی کے جواب میں وضاحت پیش کی۔

''لے، ہم نے تو یونہی پوچھا تھا...... تیرا تو رنگ فق پڑ گیا۔'' شیبو نے کہا تو وہ مزید کچھ نہ کہہ سکی۔ پھر کنوئیں سے پانی بھرتے ہوئے بھی وہ مسلسل اٹکھیلیاں کرتی رہیں۔

''اج رات تو ڈھولک پر تو ضرور آئے گی نا...... کل تے ویاہ ہے اپنی شاجی کا۔'' نگو نے یاد دلایا تو وہ سر ہلانے لگی۔

''ہاں، کوشش کروں گی...... ویسے تھک بہت گئی ہوں۔ طبیعت پہلے ہی کچھ ٹھیک نہیں۔''

''ہاں، وہ تو نظر بھی آ رہا ہے۔'' نگو نے اسے ٹہوکا مارتے ہوئے کہا تو وہ جواب میں نظریں جھکا کر یونہی کچی زمین کو دیکھنے لگی۔

''کوئی منے یا نہ منے، اپنی سیو کچھ بدلی بدلی لگ رہی ہے۔'' زیبو نے اس کے تیوروں کو بھانپتے ہوئے کہا تو وہ گھورتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

''کیا بدل گئی ہوں...... کیا سر پہ سینگ نکل آئے ہیں؟'' سیو کا انداز ترش تھا۔ مگر وہ تینوں ہنس دی تھیں۔

''ایک انہی کی تو کسر ہے۔''

اور وہ فوراً گھڑے اٹھا کر چلنے کو تیار ہو گئی تھی۔

''لے، اس نے تو چلنے کی تیاری بھی کر لی۔'' زیبو نے کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

''دیر ہو رہی ہے۔ بے بے گھر آ چکی ہو گی۔ کھانا بھی تیار کرنا ہے رات کا۔''

''تو ابھی تو خاصا وقت ہے نا۔'' نگو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو ٹھیک ہے، پھر میں ہی چلی جاتی ہوں۔'' وہ ان کے انداز سے سمجھ گئی تھی، چھیڑنے کو کہہ رہی ہیں۔ تبھی دھمکی کے انداز میں کہا تھا۔

''ارے، ارے...... چلتے ہیں ہم بھی۔'' اس کی دھمکی کارگر ثابت ہوئی تھی۔ زیبو... تھی۔ اور پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''ایک یہی تو موقع ملتا ہے کچھ دیر بیٹھ کر گل کرنے کا۔ کچھ دل کی کہنے کا، کچھ سننے کا۔ اس کامی کڑی کو یہ بھی قبول نہیں۔ کم کر کر کے تھکتی بھی نہیں۔'' نگو نے چلتے ہوئے کہا تو... مسکرا دی۔

گھر سے چند قدم کے فاصلے پر تھیں جب بلّو سے ٹکراؤ ہو گیا۔ تینوں نے فوراً سلام جھاڑا۔

''کیسی ہو تم لوگ؟'' وہ لاتعلق سی نظر آنے والی سیو پر ایک نظر ڈالتا ہوا ان تینوں... دریافت کرنے لگا۔

''ٹھیک ہیں۔'' نگو نے مسکراتے ہوئے تینوں کی جانب سے مشترکہ جواب دیا۔

''رات تم لوگ آئیں نہیں۔ شاجی انتظار کر رہی تھی۔'' بلّو نے مسکراتے ہوئے ایک غلط انداز میں اس بے خبر اور لاتعلق پری وش پر ڈالی جو اس سے قطع نظر بائیں جانب پھیرے جانے کس شے کو بغور تکنے میں مصروف تھی۔

''ہاں، کل ہم میلے گئے تھے نا دوجے پنڈ...... تھکن اس قدر ہو گئی تھی کہ آنے کو طبیعت مائل ہی نہ ہوئی۔'' زیبو نے مطلع کیا۔

''اچھا...... تم لوگ گئے تھے۔ ہمیں بھی بتا دیا ہوتا۔'' بلّو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیوں، تمہیں بھی جانا تھا؟'' شیبو نے کھلکھلاتے ہوئے دریافت کیا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

''کیا پتہ جانا ہی ہوتا۔ کیسا رہا میلہ؟''

''بہت اچھا...... بہت مزا آیا...... ابھی تو کئی دن اور بھی ہیں باقی۔ تم ہو آنا۔'' نگو... بتانے کے ساتھ ہی مشورہ بھی دیا۔

''نہیں، اب کیا فائدہ۔'' خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے جیسے افسوس کیا تو تینوں شرارت کے ساتھ ہنس پڑیں۔ تبھی وہ بولا۔

''رات میں آنا...... شاجی نے خاص تاکید کی تھی۔ اگر تم یہاں نہ ملتیں تو گھر اطلاع کرنے بھی ضرور آتا۔'' اس سے قبل کہ وہ کوئی وضاحت مانگتیں، وہ فوراً ہی بولا۔ پھر بلّو... خاص اس کی طرف دیکھا۔

''آپ بھی ضرور آیئے گا۔''

سیو نے ایک نظر ڈالی، پھر سر دھیرے سے اثبات میں ہلا دیا۔ ساتھ ہی بولی۔

''اب چلو بھی۔ دیر ہو رہی ہے۔'' یوں راہ میں کھڑے ہو کر بات چیت کرنا اور وہ بھی اس شخص کے ساتھ اسے مناسب نہ لگا تھا۔ اس کے انداز میں ناگواری بہت واضح تھی۔ تبھی بلّو بولا تھا۔

''اچھا...... میں چلتا ہوں۔'' اس کے ساتھ ہی وہ آگے بڑھ گیا تھا اور وہ چاروں بھی گھر کی طرف قدم بڑھانے لگی تھیں۔

''تمہیں اس طرح نہیں کہنا چاہئے تھا۔'' نگو نے اس کی ناگواری پر گویا دبا دبا سا احتجاج کیا تھا۔

''میں نے ٹھیک کیا۔ یوں راستے میں کھڑے ہو کر باتیں کرنا مجھے قطعی پسند نہیں۔ تو خود سوچ...... وہ ایک لڑکا ہے۔ کسی نے اس طرح دیکھ لیا ہوتا تو کتنی باتیں بنتیں۔'' سیو نے اسی انداز سے کہا تو نگو بولی۔

''مگر وہ غیر تو نہیں، شاجی کا بھائی ہے۔ بچپن تک ہمارے ساتھ تھا۔''

''مگر اب ہم بچے نہیں ہیں۔ دوسرے وہ شاجی کا بھائی ہے، ہمارا نہیں۔ اور شاجی کا بھائی ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ ہر خامی سے پاک ہو گیا۔ پھر ہو بھی تو ہم ایک ایک کو پکڑ کر اس کے متعلق آگاہ کرنے سے تو رہے کہ یہ ہیں جناب بلّو صاب جی، شاجی کے بھائی۔ جو خاصے شریف ہیں...... اس لئے ہم ان کے ساتھ راستے میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔'' سیو کا انداز خاصا تلخ تھا۔ نگو چپ ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگی تھی۔ تبھی شیبو بولی تھی۔

''خیر، کہہ تو ٹھیک رہی ہے سیو۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ ہم نے غلطی کی۔ اور سیو نے اس کا ہمیں بروقت احساس بھی دلا دیا۔'' زیبو بولی۔

تبھی سیو کا گھر آ گیا تو وہ نگو کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ ''برا نہیں ماننا نگو! میں تیری سہیلی ہوں۔ پھر معاملہ ہم سب کی عزت کا ہے۔''

''ہاں، مجھے پتہ ہے۔'' وہ دھیمے سے انداز میں مسکرائی تو سیو بھی مسکراتی ہوئی دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔

بے بے آ چکی تھیں۔ اس نے گھڑے گھڑونچی پر دھرے، پھر منہ دھونے کے لئے نلکے کی طرف آ گئی۔

''یہ تیری چال کو کیا ہوا؟'' وہ حتیٰ الامکان کوشش کر رہی تھی، آہستہ آہستہ اور سنبھل کر چلنے

کی کہ کسی کو کچھ بتانا نہ پڑے۔ مگر بے بے کی نگاہیں بھی بڑی تیز تھیں۔
وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ ”وہ...... میں گر گئی تھی۔“
”مجال ہے جو کوئی کم ڈھنگ سے کر لے۔ اتنی وڈی ہو گئی مگر عقل نام کو نہ آئی۔“ بے بے
اس کو کوستی ہوئی سبزی کاٹنے لگیں اور وہ منہ پر چھپاکے مارتی چلی گئی۔

✿......✿

گاڑی پورچ میں کھڑی کرنے کے بعد وہ چوکیدار کی ہمراہی میں اس کے کمرے تک آیا
تھا۔
”پتہ نہیں کیا بات ہے صاب! بی بی صاب نے سب ملازمین کی چھٹی کر دی ہے اور
کمرے میں بند ہو گیا ہے۔ وہ بہرام کو بھی ہٹا کر گاؤں بھیج دیا ہے۔ شکل سے بہت پریشان
لگ رہا ہے۔ مگر ہمیں کچھ پوچھنے کی ہمت نہیں پڑ رہا...... نوکر جو ہیں۔“ چوکیدار اپنے مخصوص
لب و لہجے میں کہتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔
وہ سنجیدگی کے ساتھ بنا کوئی جواب دیئے بے تاثر چلتا رہا۔ چوکیدار اس کے کمرے کے
دروازے کے سامنے رک گیا۔
”آپ جاؤ...... اس سے آگے ہم نہیں جائے گا۔ بیگم صاب کا موڈ اچھا نہیں...... ورنہ ہم
کو بھی نکال باہر کرے گا۔“ چوکیدار وہیں سے پلٹ گیا تو وہ پینٹ کی جیب سے ہاتھ نکال
دروازے پر ہلکے سے دستک دینے لگا۔
ایک...... دو...... تین...... مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ اور تب اس نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا
کر دروازہ کھول دیا۔
اندر مکمل اندھیرا تھا۔ اس نے اندازے سے داہنی جانب دیوار پر ہاتھ بڑھا کر لائٹ
بٹن تلاش کیا تھا اور اس کے اندازے کے عین مطابق اس کا ہاتھ بٹن تک پہنچ گیا تھا۔
لائٹ جلتے ہی سارا کمرہ روشن ہو گیا تھا۔
اور تب وہ اسے کمرے میں ایک کونے میں بیٹھی نظر آ گئی تھی۔ پشت دیوار کے ساتھ
ٹکائے وہ گھٹنوں میں سر دھرے کارپٹ پر بیٹھی بالکل بے حس و حرکت تھی۔
رہبان عالم شاہ چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا تھا۔ پھر بہت دھیرے سے گھٹنے ٹیک کر اس
کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ کچھ کہے بغیر، اسے مخاطب کیے بغیر بس دھیرے سے اس کے
ہوئے شانے پر ہاتھ دھرا تھا اور اس لمحے وہ یکدم ہی سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ اس کی
پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔ پپوٹے سوجے ہوئے تھے...... چہرے پر درد کی بھرپور تحریر درج تھی۔

رہبان عالم شاہ نے جیسے اسے دلاسا دینے کو اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھا تھا۔
ارادہ اس کی ہمت بندھانے کا تھا۔ انداز بے ریا اور دوستانہ تھا۔ مگر وہ یکدم ہی اس کے
شانے پر سر رکھتے ہوئے زار و قطار رونے لگی تھی۔
اس کا سر رہبان عالم شاہ کے چوڑے مضبوط شانے پر تھا اور اس کے گرم گرم آنسو اس
کے سیاہ کوٹ میں جذب ہو رہے تھے۔ یقیناً وہ بہت پُر درد کیفیت سے گزر رہی تھی اور
اچانک ایک ہمدرد کو سامنے پا کر یہ کیفیت ہوئی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے بے تاثر چہرے کے
ساتھ اس کے نازک سے سراپا کو دیکھا تھا جو ہچکیوں کے باعث ہولے ہولے ہل رہا تھا۔
یقیناً اسے ہمدردی کی ضرورت تھی۔ وہ اس اچانک کیفیت پر قدرے حیران ہوا تھا اور سمجھ میں
کچھ نہ آیا تھا کہ اسے کس طرح دلاسا یا تسلی دے۔ مگر پھر وہ اپنے مضبوط ہاتھ سے اس کے
سر پر تھپکی دیتے ہوئے جیسے اسے دلاسا دینے لگا تھا۔ مژگان بہت دیر تک اپنے اندر کا درد
اس کے شانے پر سر دھرے بہاتی رہی تھی۔
اور آخر کار جب اندر کا درد قدرے تھما تھا تو جیسے حواس لوٹنے لگے تھے۔ اس کا مضبوط
سراپا...... اس کی بے تحاشا قربت، اس کے وجود سے اٹھتی ایک دلفریب مہک...... اس کے
دھڑکتے دل کا شور۔
اس کی کیفیت یکدم ہی بدلی تھی۔ ہوش یکدم ہی انتہا پر پہنچا تھا اور وہ جیسے اپنی کیفیت پر
اور بے خودی پر نادم سی ہو کر رہ گئی ہو۔ سوں سوں کرتی ناک کے ساتھ وہ بھیگی بھیگی پلکوں
سمیت یکدم ہی اس سے الگ ہو کر شرمندہ شرمندہ سی سر جھکا گئی تھی۔
رہبان عالم شاہ یقیناً اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ تبھی پہلے تو جیب سے رومال نکال کر اس
کی سمت بڑھایا، پھر بہت اپنائیت اور خلوص کے ساتھ اس کے نازک سے ہاتھ پر اپنا مضبوط
ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔
”مژگان! تم اپنا دُکھ مجھ سے شیئر کر سکتی ہو۔“ اس کا لہجہ مضبوط، دھیما اور انداز دوستانہ تھا۔
مژگان نے دھیرے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔
وہ وجود مہربان بھی تھا اور مضبوط بھی۔
کسی چھتنار کی مانند...... مگر......
اس کی پلکیں یکدم ہی پھر بھیگنے لگی تھیں...... درد کی شدت سے وہ ہونٹ کچلنے لگی تھی۔
”اگر تم مجھے کچھ نہیں بتاؤ گی تو خود سوچو، مجھے کس طرح علم ہو گا؟“ وہ بہت دھیمے لہجے میں
بولا تھا۔ ”کیا میں سمجھوں کہ تم مجھے کچھ بتانا نہیں چاہتیں یا مجھ سے کچھ شیئر کرنا نہیں چاہتیں؟“

مژگان نے اس کے ہاتھ سے رومال لیا تھا اور پھر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"پھر......؟" وہ بہت دھیمے لہجے میں دریافت کر رہا تھا۔ اور تب مژگان اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

وہ خود تو عذاب میں مبتلا تھی۔ پھر اسے یہ حق کس نے دیا تھا کہ وہ اپنی زندگی کے ساتھ دوسروں کی زندگی بھی اس عذاب میں مبتلا کر دے۔

کتنا مطمئن تھا یہ چہرہ!

کتنا اطمینان اور سکون تھا ان گہری بھوری آنکھوں میں۔

بالکل ساکت سمندر سا تھا اس کا چہرہ!

کیسے اسے اس درد میں مبتلا کر سکتی تھی جس سے وہ خود گزر رہی تھی۔

یہ تو سراسر خودغرضی تھی۔ اپنا فائدہ تھا۔

ایک بار اس نے پہلے فقط انسانیت کے نام پر ہمدردی کی تھی۔ بنا جانے، بنا واقفیت کے وہ اس کے لئے اپنی جان پر کھیل گیا تھا۔ تب وہ خود بھی اسے نہیں جانتی تھی۔ اس نے جان بوجھ کر اسے اس مصیبت میں ڈالا تھا۔

سب کچھ آناً فاناً ہوا تھا اور بالکل غیر متوقع طور پر اچانک ہی ہوا تھا۔

مگر اب......

وہ کیسے جان بوجھ کر اُسے اس مصیبت میں گھسیٹ لیتی؟ خود تو طوفان کی زد میں تھی، اس کے پُرسکون وجود کو بھی اسی طوفان سے آشنا کر دیتی۔

پھر کیا رشتہ تھا اس سے اس کا؟ کیا تعلق تھا؟ کس سبب سے وہ اس کی مدد کرتا؟

اس نے جانے کیوں تنہا ہی تنہا سب کچھ فرض کر لیا تھا۔ حالانکہ سب اتنا آسان اور ... نہ تھا۔

"مژگان! کیا میں سمجھوں کہ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں۔" اس کی اس کیفیت پر اسے دیکھتے ہوئے وہ بہت حلیم لہجے میں بولا تھا۔

اور تب وہ ایک سسکی کے ساتھ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ ایک سارے جہاں میں بالکل اجنبی انجان دیس میں اسے وہی تو اپنا لگا تھا۔ مگر اس اپنے کو کیسے ایک آتش کی نذر کر ڈالتی۔

وہ مہربان وجود اس سزا کا مستحق تو قطعی نہ تھا۔

اس نے بہت سے چہرے دیکھے تھے...... بہت سے چہرے پڑھے تھے۔

بہت سے انسانوں سے ملی تھی!

مگر یہ شخص اسے ان سب سے بہت مختلف لگا تھا۔

سب سے بڑھ کر اس جگہ جہاں خون کے رشتے ہی خالص نہ تھے، وہاں وہ انسانیت کا پرچار کرتا نظر آیا تھا۔ وہ حیران کیونکر نہ ہوتی۔

اتنی بڑی دنیا میں جہاں ڈھونڈنے سے بھی کوئی آدمی انسان نہ تھا، وہاں وہ انسانیت کا سچا ...بان تھا، سمبل تھا۔

رہبان عالم شاہ نے اس کی طویل خاموشی پر تھک کر ایک گہرا سانس خارج کیا تھا۔ اور دھیرے سے اٹھنے لگا تھا۔ مگر تبھی اس ایک لمحے مژگان نے اس کے مضبوط ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

پھر دھیرے دھیرے سارا احوال کہہ ڈالا تھا۔

بس یہ نہ کہہ پائی تھی کہ وہ تنہا ہے، اکیلی ہے اور کسی پناہ کی متلاشی ہے۔

کسی وقتی سہارے کی۔

کسی وقتی پناہ کی۔

اپنے حق کو حاصل کرنے اور لڑنے کے لئے اسے یہاں رہنا تھا۔

اگر عام حالات میں اس سے دولت اور جائیداد کے متعلق دریافت کیا جاتا تو وہ یقیناً یہ فضول قرار دیتی ہوئی اس سے دستبردار ہو جاتی۔ مگر اب حالات دوسرے تھے۔ صورتحال مختلف تھی۔ وہ کمزور تھی مگر بزدل نہیں۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر تنہا لڑ بھی سکتی تھی۔

اتنے بڑے شہر میں فقط وہی اس کا شناسا تھا اور......

مگر اس کو آلۂ کار بنانا اس کے لئے ناممکن ثابت ہو رہا تھا۔

وہ سوچنے کے باوجود بھی اس سے اصل مدعا بیان نہ کر پائی تھی۔

انا...... خودداری...... اپنی نسوانیت...... اپنا وقار۔

رہبان عالم شاہ کسی گہری سوچ میں گم اس کے چہرے پر سے نگاہ ہٹا کر دوسری جانب دیکھ رہا تھا۔

وہ سر جھکائے بیٹھی اپنے ہاتھوں کو گھورے جا رہی تھی۔

تبھی وہ اس کو ایک نظر دیکھنے کے بعد سر جھکا کر دوبارہ اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی تھی۔ پھر بہت دھیرے سے بولی تھی۔

"مجھ...... مجھے وقتی پناہ چاہئے۔"

اور رہبان عالم شاہ کے لئے یہ بات قطعی غیر متوقع نہ تھی۔ مگر اس نے سوچوں ے
چہرے سے اسے ایک نظر دیکھا ضرور تھا۔
وہ نازک سی، معصوم سی لڑکی...... سرخ سرخ ناک اور بھیگی بھیگی سرخ آنکھوں کے
اس کے چہرے پر قطعی کوئی ریا کاری نہ تھی۔
وہ واقعی قابل رحم تھی۔
اس ایک جملے کے کہنے میں اسے یقیناً بہت سے مراحل سے گزرنا پڑا تھا۔
وہ اس کے کہنے سے قبل ہی بہت کچھ جان گیا تھا۔ اس کی کیفیت سمجھنا اس کے لئے
دشوار نہ تھا۔ وہ اسی نہج پر پہلے بھی سوچ رہا تھا۔ اس کے کچھ کہنے سے قبل بھی۔
مگر
وہ اپنی پھیلی ہتھیلیوں کی جانب بغور تکتی ہوئی یقیناً بہت خجل اور شرمندہ سی تھی۔
خود کو خود سے پیش کرنا اور پھر ٹھکرایا جانا یقیناً اذیت ناک اور ناقابل قبول ہوا کرتا ہے
اور وہ لڑکی......
وہ اسے کسی نئے درد سے آشنا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اس کا مان قطعی نہیں توڑ سکتا
سب سے بڑھ کر اس کا اعتبار جو اس پر قائم ہوا تھا، وہ ختم نہیں کر سکتا تھا۔
تبھی اس ایک لمحے میں اس نے فیصلہ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا
مژگان نے بہت چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ نظروں میں حیرت ہی حیرت تھی
اس نے اسے اعتماد دلاتے ہوئے دھیرے سے سر ہلا دیا تھا۔
"تم گریجی اور زینب اماں کو آگاہ کر دو۔ میں علی شاہ کو فون کرتا ہوں۔ وہ گواہوں
مولوی صاحب کو لے کر یہاں آ جائے گا۔" بہت مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے وہ یکد
اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے کسی قسم کے تاثر کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ اس
محسوسات غیر واضح تھے۔ مگر اس نے یہ فیصلہ اپنی عقل کے بل بوتے پر کیا تھا...... اس
اس بات کا ثبوت دے دیا تھا کہ وہ مکمل انسان ہے...... مژگان نے جو اس کے متعلق اند
تھا، وہ قطعی غلط نہ تھا۔
وہ بہت مضبوط قدموں سے چلتا ہوا باہر آ گیا تھا...... اور کوٹ کی جیب سے موبائل
کر علی شاہ کا نمبر پش کرنے لگا تھا۔

✿......✿

تمام کاموں سے فارغ ہو کر وہ بستر پر جانے والی تھی جب نگو اور زیبو وغیرہ اسے بلا

چلی آئیں اور وہ جانا تو نہیں چاہتی تھی، مگر نگو اور زیبو نے جب چاچے سے اور بے بے سے
اجازت مانگی تھی تو انہوں نے خود اسے جانے کی اجازت دی تھی۔
صبح اس کی شادی تھی اور بے بے کہہ رہی تھیں۔ "میں بھی ضرور چلتی۔ مگر بہت تھک گئی
ہوں۔ شاجی کی بے بے سے کہنا، صبح ضرور آؤں گی۔"
اور جب اس کے پاس کوئی فرار کی راہ باقی نہ بچی تھی۔
کبھی کبھی بہت کچھ کرنے کو دل نہ بھی چاہے تو سب کچھ کرنا پڑتا ہے دل کو مار کر۔
وہ بھی دل کے نہ چاہنے کے باوجود بھی ان کی ہمراہی میں شاجی کے گھر آ گئی تھی۔ جہاں
آج رونق پہلے کے دنوں کی نسبت کہیں زیادہ تھی۔ عورتیں اور بوڑھیاں آج سہاگ کے گیت
گا رہی تھیں اور لڑکیاں ایک طرف بیٹھی خوش گپیوں میں اور ہنسی مذاق اور شرارتوں کے ساتھ
ساتھ مہندی سے ہاتھوں پر بیل بوٹے بھی بنانے میں مشغول تھیں۔ شاجی کو سب سے پہلے
مہندی لگائی گئی تھی اور اب ساری باقی سہیلیاں اس کام میں مشغول تھیں۔
"ارے سیو کو بھی مہندی لگاؤ۔ شاجی کی سب سے گہری دوست تو یہی ہے۔" نگو نے کہا
تو زیبو نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ حالانکہ اس نے منع بھی کرنا چاہا تھا، مگر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر
بیل بوٹے بنانے لگی تھی۔
"مہندی سے لکھ دو گوری ہاتھوں پہ میرے
میرے سنوریا کا نام!"
نگو، شیبو وغیرہ اسے چھیڑنے کو گانے لگی تھیں۔ اس کا چہرہ کان کی لوؤں تک سرخ پڑ گیا۔
"کوئی نام لکھوانا ہو تو بتا دو۔" زیبو نے نہایت شرارت سے آنکھیں مٹکاتے ہوئے کہا اور
وہ جھینپ کر رہ گئی تھی۔
"بکواس مت کرو۔"
"لے، بکواس کی کیا بات ہے...... مانا زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہوں۔ مگر نام تو لکھ ہی لوں
گی۔" زیبو بولی تھی۔ "بولو...... بولو نا......" زیبو کا اصرار اپنے اندر شرارت سمیٹے ہوئے تھا۔
"چھوٹے سرکار...... چھوٹے سرکار......" بلّو کی آواز یکدم ہی پشت پر ابھری تھی اور اس کا
دل دھک سے رہ گیا تھا۔ دل کی دھڑکنوں میں ابھرنے والا شور اس قدر واضح تھا کہ اس کے
کانوں تک بخوبی وہ آواز پہنچ رہی تھی...... اس کی بوکھلاہٹ عروج پر پہنچ چکی تھی۔ زیبو کے
ہاتھ میں تھما اس کا ہاتھ یکدم ہی کانپنے لگا تھا۔
تمام لڑکیاں بھی اپنی اپنی شرارتوں کو چھوڑ کر بلّو کی جانب دیکھنے لگی تھیں جس نے چھوٹے

سرکار کے آنے کی خبر دی تھی۔ تمام نظروں میں دیکھنے کا اشتیاق قابل دید تھا۔

سیو کی اس جانب پشت تھی اور نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ مگر چہرہ جیسے زرد پڑا جا رہا تھا
بوڑھی عورتیں جو سہاگ کے گیت گا رہی تھیں، یک دم ڈھولک روک کر بلو کو دیکھنے لگی تھیں۔

"اے کہاں ہیں؟ نظر تو نہیں آ رہے۔" شاجی کی بوڑھی دادی اماں نے کہنے کے ساتھ
ہی ہاتھوں کا چھجا بنا کر اس کی جانب تکا تھا۔

"دادی...... وہ باہر ہیں...... شاجی کی شادی کے لئے راشن دینے آئے ہیں۔"

"ارے نگوڑے! اندر بلا نا۔" شاجی کی بے بے نے فوراً کہا تھا۔

"بلایا ہے۔ مگر وہ آنے کو تیار نہیں۔ باہر گاڑی میں ہی بیٹھے ہیں۔ وڈے چوہدری
صاحب نے خود تاکید کر کے منشی جی کے ساتھ بھیجا ہے۔" شاجی کے چاچے نے بتایا۔

"ہائے کنڈے چنگے ہیں چھوٹے سرکار۔" شاجی کی ماسی بولی تھی۔ "کتنا خیال کرتے ہیں۔"

"باہروں پڑھ لکھ کر آئے ہیں۔" کسی نے آگاہ کیا۔

"بڑی گل ہے بھئی۔" شاجی کی دادی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی تھیں۔

"ظاہر ہے چوہدری صاحب کی اولاد ہیں۔ وہ غریبوں میں اتنا بانٹ سکتے ہیں تو اپنی نسل
پر کتنا خرچ کریں گے۔" شاجی کی مامی نے بھی ذکر خیر کیا۔

"سنا ہے وڈے سپوت بھی باہر سے پڑھ لکھ کر آئے تھے۔" کسی نے یاد دلایا۔

"ہاں، ہاں۔ مگر ان دنوں شاید پھر ملک سے بار (باہر) ہیں۔ نظر ای نہیں پئے کدی۔
(نظر ہی نہیں آئے کبھی) کسی نے جواب دیا۔

"اے سنا ہے وڈے چوہدری صاب سے ٹھن گئی تھی کسی بات پر۔" کسی نے اپنی نادر تر
کی معلومات بہم پہنچائیں۔

"ہاں، سنا تو ہے۔ کسی پسند کی لڑکی سے ویاہ کرنا چاہتا تھا...... وڈے چوہدری صاحب
منے نہیں۔ سپوت صاب ناراض ہو کر حویلی ہی چھڈ گئے۔"

"چہ چہ چہ...... چہ۔" کسی نے بھرپور افسوس کیا۔

تمام سلسلہ روایتی کھسر پھسر میں جاری تھا۔ اور یہ سلسلہ تب منقطع ہو گیا جب منشی کے
ساتھ مزدور راشن اندر رکھنے آئے۔

"بلو کے چاچے! بلا تے سئی اِک بار فیر۔ ادھر تک آئے ہیں تے اندر بھی آ جائیں
چھوٹے سرکار۔ بوہے توں آ کر مڑ جانا چنگا نہیں لگدا۔" شاجی کی بے بے نے شوہر سے ایک
بار پھر اصرار کیا۔ تبھی وہ دوبارہ باہر نکل گئے۔ "چھوٹے سرکار" کی آمد پر جہاں بوڑھیوں میں

کھسر پھسر ہونے لگی تھی، وہیں لڑکیوں کے اندر بھی کھلبلی سی مچ گئی تھی۔
مسلسل بھرپور اشتیاق کے ساتھ کھسر پھسر ہو رہی تھی۔
وہ سب سے قطعی نظر، نظریں نیچی کئے اپنے باغی دل کی دھڑکنوں کو قابو میں کرنے کی سعی
کر رہی تھی۔
سیو بھی کچھ دیر تک تو آس بھری نظروں سے اس جانب تکتی رہی تھی۔ پھر جب شاجی
کے چاچا نے آ کر بتایا کہ وہ چلے گئے ہیں، کسی ضروری کام کے باعث جلدی میں تھے۔ تب
سب کا جوش فوراً ہی جھاگ کی مانند بیٹھ گیا۔

"اے سیو! تو نے بہت قریب سے دیکھا ہو گا چھوٹے سرکار کو۔" شاجی کی ماسی کی بیٹی
نے اس سے اچانک دریافت کیا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ پیلے پڑتے رنگ
کے ساتھ دل کی پُرزور دھڑکنوں کو سنبھالتی یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"لو، دیکھا تو ہم سب نے ہے انہیں۔ اس روز جب ہم کنوئیں پر پانی بھر رہے تھے
چھوٹے سرکار گھڑ سواری کر کے لوٹ رہے تھے منشی صاحب کے ساتھ۔ شدید پیاس کے
باعث ہمارے قریب رکے اور پانی پی کر شکریہ بھی ادا کیا۔" نکو نے بتایا تو سب تجسس سے
پوچھنے لگیں۔

"ہیں سچ؟" سب کی آوازوں میں حیرت نمایاں تھی۔

"تو اور کیا۔ سیو سے پوچھ لے بھلا۔ کیوں سیو! پانی تو تیرے ہی ہاتھوں پیا تھا نا چھوٹے
سرکار نے؟" شیو نے شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا مگر وہ کسی کی شرارت کا کوئی جواب
نہ دے سکی۔ ایک نظر دیکھ کر دوبارہ نظریں جھکا کر اپنے مہندی والے ہاتھ کو دیکھنے لگی جس کا
ڈیزائن زیبو نے چھوٹے سرکار کی آمد کی خبر سنتے ہی ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"سیو نے تو کئی بار قریب سے دیکھا ہو گا۔ حویلی آنا جانا تو ہوا ہے اس کا۔" کسی اور نے
گویا جیسے رشک کیا۔

"شکل کے تو بہت سوہنے ہیں۔ مزاج کے کیسے ہیں چھوٹے سرکار؟" کسی اور منچلی کو تجسس
ہوا۔ وہ جیسے تمام سوالوں کی بوچھاڑ سے اکتا گئی۔

"مجھے کیا پتہ، تم لوگ کوئی اور گل نہیں کر سکتی ہو؟ پیچھے ہی پڑ گئی ہو۔" آخر کار ہمت کر
کے وہ بولنے میں کامیاب ہو ہی گئی تھی۔ تمام لڑکیاں جیسے اس کے تپے ہوئے انداز پر منہ
بناتے ہوئے اپنی اپنی باتوں میں معروف ہو گئی تھیں۔ تب اس نے ایک نظر اپنے مہندی
والے ہاتھ کو دیکھا تھا، پھر زیبو کی طرف دیکھنے لگی تھی جو اس کی جانب دیکھتی ہوئی دھیمے انداز

میں مسکرا رہی تھی۔ بڑی بوڑھیاں پھر ڈھولک پر سہاگ کے گیت گانے لگی تھیں۔

"اب تو یہ ڈیزائن مکمل کرے گی یا نہیں؟" اس نے پوچھا تو زیبو ہنس پڑی تھی۔

"بڑی تپ چڑھ رہی ہے تجھے۔ مذاق کو سمجھا کر۔" اس نے جس طرح سب کو ہ
کروایا تھا، زیبو نے اس کی توجہ اسی جانب مبذول کرواتے ہوئے کہا تھا۔ تبھی وہ ایک
سانس لیتے ہوئے سر جھکا گئی تھی۔

"اب بتا بھی۔ کیا لکھوں؟" زیبو نے پھر اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے وہی شرارت
سوال دہرایا تھا۔ اور تب وہ سر اٹھا کر اسے مسکراتی ہوئی گھورنے کے ساتھ ہی دوسر
سے دھمو کے جڑنے لگی تھی۔

✿......✿

نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے رہبان عالم شاہ کے چہرے پر کسی طرح کا ک
نہ تھا۔

علی شاہ نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کچھ کھوجنا چاہا تھا۔ مگر اس کے چہرے پر مکمل
اور ایک گہرا سکوت تھا۔ دوستوں کی مبارکباد سمیٹتے ہوئے ان کے شوخ جملوں پر بھی
نہیں تھا۔

علی شاہ، مولوی صاحب کو چھوڑنے جا رہا تھا۔ ایک ایک کر کے دوست بھی رخ
گئے تھے۔

"اب میرے لئے کیا حکم ہے؟" اس نے قریب رک کر دھیمے لہجے میں در
تھا۔ رہبان عالم شاہ نے اس کی جانب ایک نظر دیکھا تھا، پھر اسی سنجیدگی سے گویا ہوا

"تم چاہو تو واپسی میں میرے فلیٹ پر آ سکتے ہو۔"

اور اس جملے پر علی شاہ اسے دیکھتا رہا تھا، پھر دھیمے سے اثبات میں سر ہلا دیا ت
تھا۔ جب اس نے دھیرے سے پکارا، علی شاہ واپس مڑ کر دیکھنے لگا تھا۔ مگر اس
خاموش رہنے کے بعد سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"کچھ نہیں۔"

"مژگان...... آئی مین بھابی کو آج ہی لے کر جاؤ گے؟ آئی مین رخصتی؟" عل
جواب میں بہت دھیمے انداز میں دریافت کیا تھا اور پھر اس کے بغور دیکھنے پر جمل
چھوڑ دیا تھا۔ جواب میں وہ کچھ دیر تک یونہی خاموشی سے اس کی جانب دیکھتا رہا
میں سر ہلا دیا تھا۔

"پتہ نہیں...... یہ تو اس پر منحصر ہے۔"

"او کے...... پھر میں چلتا ہوں۔" علی شاہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا۔ اور تب وہ یونہی کھڑا کئی
لوں تک اسی جانب تکتا رہا تھا۔ پھر جو بے ارادہ پلٹا تو نظریں اس کے سامنے دیوار پر نصب
یدہ زیب تصویر سے جا الجھی تھیں۔

کسی بات پر بہت شرارت سے مسکراتی ہوئی وہ بہت کیوٹ لگ رہی تھی۔ کھلی کھلی روشن،
ہلدار آنکھوں کی چمک قابل دید تھی۔ اور گہرائی جیسے کوئی جھیل یا پھر اتھاہ سمندر......
حسن قابل رشک تھا...... اور اس گھڑی وہ بلا ارادہ ہی اس سمت دیکھے گیا تھا۔ اس سے
ئی ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ سب کی سب بہت رسمی اور پر تکلف۔ بات کبھی سلام دعا سے آگے
بڑھی بھی تھی تو بہت رسمی گفتگو تک ہی محدود رہی تھی۔ اس دوران اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا
کہ اس لڑکی سے ایک دن اس کا کوئی بہت گہرا تعلق جڑ جائے گا۔

وہ اس کی ذات کا حصہ اور اس کی ذمے داری بن جائے گی۔ یہ بات کبھی اس کے وہم و
گمان میں بھی نہ تھی۔

اور شاید اسی کا نام زندگی ہے۔

انسان جو سوچتا ہے، وہ ہوتا نہیں ہے۔

اور جو ہوتا ہے اس کے متعلق اس نے کبھی سوچا نہیں ہوتا۔

کبھی قیاس بھی نہیں کیا ہوتا۔

وہ جانے کتنی دیر اور یونہی کھڑا اس تصویر کو تکتا رہتا کہ گرینی کی آواز پر پلٹ کر دیکھنا پڑا
اور ساتھ ہی یہ جمود بھی ٹوٹ گیا۔

وہ چائے کی ٹرے لئے کھڑی تھیں۔ ساتھ کئی لوازمات بھی تھے۔

"بیٹھ جاؤ۔ کھڑے کیوں ہو؟" گرینی، ٹرے ٹیبل پر دھرتے ہوئے بولی تھیں اور تب
اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کتنی دیر سے یونہی کھڑا ہی تھا۔ ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے
وہ جیبوں سے ہاتھ نکالتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ گرینی اس کے لئے چائے بنانے لگی
تھیں۔ زینب بی بی، مژگان کے پاس تھیں۔

"تم نے جو کچھ بھی کیا، وہ واقعی تمہاری عظمت کو شو کرتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا تمہارا
شکریہ کس طرح ادا کروں؟" گرینی نے بہت سوچنے کے بعد جیسے الفاظ منتخب کرتے ہوئے
کہا تو وہ ان کی جانب دیکھتا ہوا جانے کیوں دھیرے سے مسکرا دیا۔

گرینی نے اس کی جانب چائے کا کپ بڑھایا تو اسے اس وقت واقعی وہ غنیمت لگا۔

ذہن و جسم پر جیسے ایک تھکن سی طاری تھی۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔

اس نے گرم گرم چائے کے سپ لئے تو ایک سکون سا ملنے لگا۔

"تم کھانا کھاؤ گے؟" گریبی نے اسنیکس کی پلیٹ اس کی جانب بڑھاتے ہو دریافت کیا۔

"جی...... نہیں، شکریہ۔" اس نے فقط چائے پر اکتفا کیا۔ کمرے میں خاصی خاموشی رہی تھی۔ وہ یونہی چائے کے سپ لیتا رہا تھا...... نظریں سامنے مرکوز تھیں مگر ذہن کہیں اور تھا۔

"تم......" گریبی بولی تھیں۔

"جی۔" رہبان عالم شاہ کی آواز بھی ابھری تھی۔ اور پھر دونوں ہی جیسے ایک دوسرے لئے چپ ہو گئے تھے۔

"جی آپ کچھ کہنے والی تھیں۔" اس نے احترام سے کہا تو گریبی محبت سے اسے د لگیں۔

"تم انسان نہیں ہو۔ اس ماں کو سلام جس نے تم جیسے مہذب اور عظیم بیٹے کو جنم دیا۔ واقعی مژگان کے لائق ہو۔ میں اکثر اس کے متعلق سوچا کرتی تھی کہ اس کا جیون ساتھی کیسا ہو گا۔ مگر میرے ذہن میں کبھی بھی تم جیسے اچھے لڑکے کا خاکہ نہیں ابھرا تھا۔ تم واقعی ہر لحاظ سے اس کے قابل ہو۔ میرے تصورات سے کہیں بڑھ کر۔ مجھے امید ہے تم اسے بہت خوش گے۔ جس وقار سے اس کا ہاتھ تھاما ہے، اسے اپنایا ہے، اپنی زندگی میں شامل کیا ہے، ثابت قدمی سے زندگی کے ہر قدم پر اس کے ہم قدم رہو گے۔"

گریبی نم آنکھوں کے ساتھ بولیں تو وہ انہیں یونہی خاموشی سے تکتا رہا۔ کوئی جواب دیا۔ کمرے میں خاصی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر آخر کار وہ بولا۔

"آپ...... مژگان سے پوچھ لیجئے...... وہ ابھی میرے ساتھ جائے گی یا اسے لینے آؤں؟" رہبان عالم شاہ نے کپ ایک طرف رکھتے ہوئے ان کی جانب دیکھا تو وہ سر ہلا ہوئی اٹھ کر اس کے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔ اور تب اس کی نگاہ پھر بلا ارادہ ہی سا دیوار پر لگی مژگان کی تصویر سے جا الجھی تھی۔

✿......✿

دو بولوں میں کیسی کرشمہ سازی تھی کہ وہ ایک پل میں ہی خود سے پرائی ہو گئی تھی۔ ایک یکسر اجنبی نام کے ساتھ اس کی حیات وابستہ ہو گئی تھی۔

ایک نیا تعلق...... ایک نیا رشتہ...... ایک اٹوٹ بندھن......!

مگر فقط ایک کاغذی اور وقتی رشتہ...... ایک عارضی پناہ کے نام پر دی جانے والی بھیک...... پھیلی ہوئی ہتھیلی پر دھرا جانے والا ترس اور ہمدردی کا ایک چمکتا سنہری مہربانی کا سکہ۔

کیا انسان تھا وہ...... فرشتوں کی صفت رکھنے والا ایک مکمل انسان جو سوالی کی فریاد سے ہی اس کی حاجت جان جاتا ہے اور پھر نوازنے میں بھی دیر نہیں کرتا۔ مگر...... اس کا ب یہ تو نہیں کہ اس کی اپنی کوئی خواہش، مرضی یا خواب نہ ہو۔ کوئی حاجت، کوئی ضرورت نہ ہو۔

مژگان کے لئے یہ تمام لمحے درد جیسے تھے...... سارا وجود اب بھی جیسے کسی پھوڑے کی رُکھ رہا تھا۔ آنکھوں سے اب بھی سمندر رواں تھے۔ کیسی دُلہن تھی وہ...... نہ ہاتھوں پر ہن کے نام کی مہندی رچی تھی، نہ سکھیوں نے ملن کے گیت گائے تھے، نہ اس کے تن پر ک کا سرخ جوڑا تھا اور نہ ہی کلائیوں میں سہاگ کی اولین علامت کانچ کی بجتی چوڑیوں کی کوئی شریری کھنک تھی!

مگر وہ ایک نئے نام سے منسوب ہو گئی تھی۔

ایک نئے تعلق میں بندھ گئی تھی۔

فقط ایک عارضی تعلق۔

جس کی میعاد چند روزہ تھی۔

مدت کا تعین اسے خود نہ تھا۔

مگر یہ بات اس کے علم میں بہت واضح طور پر موجود تھی کہ وہ ایک وقتی پناہ میں جا رہی ۔ ایک عارضی ٹھکانہ ہے۔ جس کے بعد کا اسے خود کچھ پتہ نہ تھا۔

زینب بی بی اسے مسلسل چپ کراتے ہوئے دلاسے دے رہی تھیں مگر اس کے آنسو جیسے ای نہیں رہے تھے۔ جانے کہاں سے اتنے سمندر اس کے اندر آن جمع ہوئے تھے۔

"میری سوہنی دھی! اللہ سائیں کی مہربانی پر شکریہ ادا کرتے ہیں، روتے نہیں۔ دیکھ، اس تجھے کتنا سوہنا اور سمجھدار بر دیا ہے۔ تجھے تو خوش ہونا چاہئے۔" زینب بی بی بولیں تو وہ ا ایک نظر دیکھ کر رہ گئی۔

میری بھولی ماں! تجھے کیا خبر...... کیا پتہ

یہ سب عارضی ہے۔

یہ تو واقعی ایک عظیم "مہربانی"

مگر اس کے اندر تک جیسے ایک سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

تبھی گرینی اندر داخل ہوئی تھیں۔ مژگان کے قریب آ گئی تھیں۔ اس کے سامنے چند لمحوں تک خاموشی سے یونہی تکا تھا، پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھ دیا تھا۔

"رہبان عالم شاہ تمہارا منتظر ہے۔ تمہیں ابھی اس کے ساتھ رخصت ہونا ہے۔ ت... ہولو۔ زینب! تم کوئی بہترین سا سوٹ مژگان کے لئے نکال دو۔" گرینی نے پہلے ... پھر زینب بی بی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ اور پھر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

گرینی نے اپنی آنکھوں میں آ جانے والی نمی کو یکدم ہی اپنی پوروں پر چنا تھا، پھر ٹشو... اس کا چہرہ صاف کرنے لگی تھیں۔

"اوں ہوں... اب اور نہیں... سارے درد تھم گئے ہیں۔ اب تمہیں صرف مسکرانا ہے ہنسنا ہے۔ تمہارے حصے کے غم تمام ہوئے۔ اب خوشیوں کی سوغات تمہاری منتظر ہے۔ ایک دیس، ایک نیا جہان اپنی باہیں کھولے تمہارا منتظر ہے جسے تمہیں آباد کرنا ہے، کسی کی محبت لے کر اور کسی کو اپنی محبت سونپ کر۔ اپنے آنسو پونچھ لو، اس وعدے کے ساتھ کہ اب تمہیں کبھی نہیں رونا... فقط اپنے حصے کی خوشیاں سمیٹنی ہیں۔ راہوں میں سے کانٹے چن کر پھول دھرنے والا مہربان آ چکا ہے۔ جو نہ صرف اپنی قوت بازو سے تمہاری راہ کی تمام رکاوٹیں ... دینے کی سکت رکھتا ہے بلکہ تمہاری حیات میں خوشبوئیں بھرنے کا ہنر بھی جانتا ہے۔ ا... پریشانیاں فراموش کر دو... خوشیوں نے تمہارے در پر دستک دے دی ہے۔ اپنے دل... دروازے کھول دو اور تازہ ہوا کے جھونکوں کو اندر آنے دو... سارے منظر خود بخود بدل جا... گے۔ خدا پر بھروسہ رکھو۔ وہ اپنے بندوں کو کبھی بھی ان کی استطاعت سے زیادہ غم نہیں بخشتا اس کے گھر دیر ہے، اندھیر نہیں۔" گرینی نے اس کے پھول سے چہرے کو اپنے ہاتھوں تھام کر جیسے دلاسا دیا۔ پھر دھیرے سے مسکرا دیں۔

"اب میں بھی سکون سے لوٹ سکوں گی... اب موت آئے گی تو مرنے میں بھی تردد نہیں ہو گا۔ اپنی خبر کرتی رہنا۔ میں بھی آتی جاتی رہوں گی کہ تمہیں دیکھنے کی اب تو عاد... سی ہو چلی ہے۔ تمہارے بغیر جیون ادھورا تو لگے گا۔ مگر بیٹیوں کو ایک نہ ایک دن خود ... کر کے ایک نئے رشتے میں باندھنا تو پڑتا ہے۔ یہ تو ازلی روایت ہے۔ میں تمہاری اچھی خوش و خرم زندگی کے لئے دعا گو رہوں گی... اپنا خیال رکھنا۔ خود کو خوش رکھنا۔ اور رہبان کو خوش رکھنا۔ وہ واقعی بہت اچھا لڑکا ہے۔" گرینی محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتی

بولیں۔

تبھی ان کی پشت پر کھڑی زینب اماں کی طرف اس کی نگاہ اٹھی جو ہاتھ میں میرون رنگ کا جوڑا تھامے بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

وہ یکدم ہی گرینی سے لپٹ کر رونے لگی تھی۔ زینب بی بی بھی آگے بڑھ آئی تھیں اور جیسے خود پر بند باندھتی ہوئی اس کی ہمت بندھانے لگی تھیں۔

"اتنی خوشی کے موقع پر رونے دھونے بیٹھ گئی ہے۔ چل اٹھ... اٹھ کر تیار ہو۔ تیرا دولہا تیرا منتظر ہے کب سے... فلورا جا رہی ہے مگر میں تو یہیں ہوں۔ رہوں گی اپنے بھائی کے گھر۔ مگر قریب ہی ہے، آتی جاتی رہوں گی۔ فلورا بھی چکر لگاتی رہے گی۔ تو تنہا نہیں ہے۔" زینب بی بی نے کہا۔ پھر جوڑا اس کی سمت بڑھایا مگر وہ سر نفی میں ہلانے لگی۔

"کیا... اس حلیے میں پیا کے دیس جائے گی؟ کیا کیا ارمان نہ تھے دل میں مگر... سچ ہے، تقدیر کے لکھے کو کوئی نہیں جان سکا۔" زینب بی بی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ سفید سادہ سے جوڑے میں وہ بہت سوگوار لگ رہی تھی۔

"چل اٹھ... وہ تیرا کب سے انتظار کر رہا ہے۔"

"میں... میں... نہیں جاؤں گی..." اس کے جملے میں بچوں جیسی معصومیت چھپی ہوئی تھی۔ گرینی اور زینب بی بی یکدم ہی مسکرا دی تھیں۔

"پاگل! جانا تو ہے ہی۔" زینب بولیں۔ تبھی گرینی کہنے لگیں۔

"ہاں میری جان! جانا تو پڑے گا ہی... صبح تیرا ضروری سامان پیک کر کے بھیج دوں گی۔ پرسوں تک یہ گھر خالی ہو جائے گا۔ اگر کچھ بھول جاؤں تو آگاہ کر دینا۔ کوئی اہم شے رہ نہ جائے۔" اس نے اس کی ضروری اشیاء کے حوالے سے کہا۔

"چل اٹھ اب۔" گرینی نے کہا تو وہ پلنگ کے دوسری طرف پڑا اپنا سفید دوپٹہ اٹھا کر سر پر اوڑھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ گرینی اور زینب بی بی نے اس کی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے زیادہ تردد نہیں کیا اور جوڑا بیڈ پر ایک طرف ڈال دیا۔ پھر دھیرے سے پوچھنے لگیں۔

"اگر رئیس نواز سومرو کی طرف سے کوئی رابطہ ہو تو کیا کہوں؟" زینب اماں کے دریافت کرنے پر وہ سمندر آنکھوں سے ان کی جانب تکنے لگی۔

"کہئے گا، وہ بھی مر گئی تمہاری اس حسین ترین بازاری بیوی کی طرح۔ ابدی نیند سو گئی۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ یکدم ہی اس نے قدم دروازے کی سمت بڑھا دیئے تھے۔

مگر قدم یکدم ہی لڑکھڑا گئے تھے... اس سے قبل کہ وہ گرتی، ایک مضبوط مہربان وجود

نے اسے تھام لیا تھا۔

مژگان نے چونک کر سر اٹھا کر اس مہربان وجود کو تکا تھا جو اس کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔ بھوری آنکھوں میں بہت خاموشی سی تھی اور چہرہ بہت پُرسکون لگ رہا تھا۔ مژگان کا دل کٹ کر رہ گیا تھا مگر اس نے اس کی کیفیت سے قطع نظر اس کے گرد اپنی مضبوط بانہوں کا حصار تان دیا تھا۔

اور پھر وہ اس کے مضبوط حصار میں قدم آگے بڑھانے لگی تھی۔ رہبان عالم شاہ کے مضبوط قدم اس کے ہم قدم تھے۔

وہ اس کی پناہ میں تھی۔

اس کی ہمراہی اسے میسر تھی۔

اس کی قربت اسے میسر تھی۔

اور سب سے بڑھ کر اس کا اعتماد اور خلوص اس کے ساتھ ہم قدم تھا۔

گاڑی میں بیٹھنے سے قبل اس نے اس عالیشان گھر کی جانب نگاہ ڈالی جو اس کی ملکیت تھا اور جسے آج اسے بے سروسامانی کی حالت میں چھوڑنا پڑ رہا تھا۔

اس کی آنکھیں کسی خیال کے تحت بھیگنے کو تھیں جب رہبان عالم شاہ نے اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیتے ہوئے بہت نرم اور مہربان نظروں سے دیکھا۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتے ہوئے گرینی اور زینب بی بی کو ایک نظر دیکھا اور پھر تیزی کے ساتھ پلٹ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

رہبان عالم شاہ نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی اور پھر گاڑی ایک نئی منزل کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

جس سے وہ قطعی نا آشنا تھی۔

پتہ نہیں اس راہ پر کتنی مشکلات تھی...... کتنی دُشواریاں تھیں۔

فی الحال سمت تھی۔ مگر سمت بھی وہ جس کے اختتام پر کسی منزل کا شائبہ تک نہ تھا۔

کوئی خوش گمانی نہ تھی۔

سب راستے بے سمت تھے...... اور ساری منزلیں دُھواں دُھواں تھیں......!

✿......✿

عورت دنیا کی کمزور ترین ہستی ہے۔ یہ بات اس کے علم میں تھی۔ مگر کم از کم وہ مژگان کے متعلق یہ خیال نہیں کرتا تھا۔

مگر جس رفتار سے وہ مسلسل آنسو بہا رہی تھی، اس سے کم از کم اس پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی تھی کہ عورتیں تمام ایک جیسی ہوتی ہیں۔ چاہے مشرق کی ہوں یا مغرب کی۔ فطری طور پر ان کے محسوسات اور جذبات ایک ہی نہج پر ہوتے ہیں۔

پانی کا گلاس ہاتھ میں لئے وہ کتنے ہی لمحوں تک اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتا رہا تھا۔ [illegible] اس معاملے میں قطعی کورا تھا کہ خواتین کو کس طرح چپ کرایا جاتا ہے۔ اگرچہ تجل عباس نقوی اس کی زندگی میں تھی...... مگر وہ اپنی نوعیت کی ایسی شے تھی کہ جو کسی کو رُلا تو سکتی تھی مگر بذاتِ خود اس کے لئے رونا بے حد انوکھی بات تھی۔ کم از کم اس نے اسے آج تک روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے مژگان کو اپنے سامنے روتے ہوئے دیکھ کر جانے کیوں بس وہ اسے تکتا رہا تھا۔ اسی گھڑی مژگان کی نظر اس پر پڑی تھی۔ وہ بالکل سامنے چپ چاپ پانی کا گلاس تھامے کھڑا تھا اور جانے کیوں اس لمحے اسے بری طرح شرمندگی محسوس ہوئی تھی۔ یکدم ہاتھ بڑھایا تھا اور رہبان عالم شاہ کے ہاتھ سے پانی کا گلاس تھام لیا تھا۔ اسی لمحے اس کا موبائل فون بجنے لگا تھا۔

رہبان عالم شاہ نے نمبر دیکھا تھا اور پھر جانے کیوں کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ بس و [illegible] کرتے ہوئے اس نے فون کان سے لگایا تھا۔ دوسری جانب تجل عباس نقوی تھی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے مجھے چھوڑ کر۔ کتنا انتظار کرایا تم نے۔"

"بہت مصروف تھا۔ معذرت خواہ ہوں۔" اس نے تھکن زدہ لہجے میں کہہ کر ایک گہرا سانس بھی خارج کیا۔

"رہبان! تمہاری اس عادت سے میں بہت تنگ ہوں۔ تمہیں میں یاد نہیں رہتی۔ کہیں بھی چلے جاؤ، ذرا سے دُور ہو جاؤ، فوراً بھولنے لگتے ہو۔" اس نے مزید شکوہ کیا اور اس وقت رہبان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"ہیلو...... ہیلو!" تجل بولی تو وہ گہرا سانس خارج کر کے رہ گیا۔

"ہاں، سن رہا ہوں۔" بہت تھکے ہوئے سے انداز میں وہ بولا تو اس نے کہا۔

"کیا ہوا...... بہت تھکے تھکے سے لگ رہے ہو۔ ٹھیک تو ہو؟"

"آں...... ہاں...... ٹھیک ہوں۔" اس نے کھوئے کھوئے سے انداز میں کہا۔

"تم آرام کرو...... صبح آؤں گی۔"

"نن...... نہیں......" وہ فوراً بولا۔

"کیا مطلب......؟"

"میں صبح جلدی نکل جاؤں گا۔"

"رہبان! کبھی اپنا خیال بھی کر لیا کرو۔" سجل نے جتاتے ہوئے کہا۔

"اچھا......" اس نے سعادت مندی سے کہا۔

"تم آرام کرو ابھی۔"

"او کے۔" اس نے خدا حافظ کہہ کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ تبھی علی شاہ کا فون آ گیا۔

"پہنچ گئے گھر...... بھابی کو لے کر......؟"

"تمہیں میں نے یہاں پہنچنے کے لئے کہا تھا۔" اس نے دھیمے لہجے میں دریافت کیا۔

"ہاں، مگر میں نے سوچا تم اور بھابی ڈسٹرب نہ ہو......" وہ قدرے شرارت سے بولا تو گہری سانس خارج کر کے رہ گیا۔

"علی شاہ...... میں سیریس ہوں۔"

"حالانکہ تمہیں پریشان ہونا چاہئے کہ اصولاً تمہارے برے وقت کا آغاز ہو چکا ہے بیگم گھر پر آ جائے تو ایک طرح سے بیچارے شوہر کی شامت آ جاتی ہے۔" وہ ہنسا۔

"علی شاہ...... یہ وقت مذاق کا قطعی نہیں ہے۔"

"ہاں، غور و فکر کا ہے۔" علی شاہ کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

"علی شاہ......" اس نے تنبیہہ کرنے والے انداز میں کہا۔

"او کے......" وہ سنجیدہ ہو گیا۔ "صورتحال کیا ہے؟"

"علی شاہ! میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"آ گئے نا فوراً شوہروں والے خاص اندازِ گفتگو پر۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا۔ "یہ بے بسی کیفیت کا بڑا مخصوص جملہ ہوتا ہے۔"

"علی شاہ! یہ بات نہیں ہے۔"

"سجل کو کیا بتاؤ گے؟"

"فی الحال میں بہت تھک چکا ہوں...... ابھی ان محترمہ کا بھی فون آیا تھا۔"

"تو کیا تم نے اسے بھابی کے متعلق آگاہ کر دیا؟"

"نہیں...... فی الحال نہیں۔" وہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے دھیرے سے بولا تو شاہ کو سنجیدہ ہونا پڑا۔

"تم فی الحال ریسٹ کرو۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اوکھلی میں سر دے ہی لیا تو پھر موصلوں سے کیا ڈرنا...... ویسے اگر زیادہ مسئلہ ہو تو امی کو اس طرف بھیج دوں؟"

"ابھی تو نہیں۔ مگر صبح یقیناً مژگان اکیلی ہو گی۔"

"تو پھر جب تک صورتحال سنبھل نہیں جاتی، تب تک بھابی کو یہاں چھوڑ جاؤ۔ امی کے ساتھ دل بہلا رہے گا۔" علی شاہ نے مشورہ دیا۔

"اوں...... ہوں...... فی الحال تو نہیں...... اس سلسلے میں پھر بات کریں گے۔"

"او کے، تم ریسٹ کرو۔ ویسے بھابی اب کیسی ہیں؟"

"رو رہی ہیں۔"

"ابھی تک؟" وہ حیران ہوا۔ "تم نے چپ نہیں کرایا؟"

"اللہ حافظ علی شاہ۔" اس نے کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا۔ پھر پلٹ کر واپس کمرے میں آیا تو وہ پہلے سے قدرے بہتر حالت میں نظر آئی۔ بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا ہوا گلاس آدھا خالی تھا۔ یعنی اس نے آدھا گلاس پانی یقیناً پی لیا تھا۔ آنکھیں اب کے خشک تھیں مگر پلکیں اب بھی گیلی تھیں۔ سرخ سرخ ناک سے سوں سوں کرتی ہوئی وہ گھٹنوں پر سر دھرے بیٹھی تھی اور اس گھڑی اسے احساس ہوا کہ اسے بھوک بھی لگی ہو گی۔ اس پریشانی کے عالم میں اس نے کچھ کھایا کہاں ہو گا۔ وہ چلتا ہوا بیڈ کے قریب آیا اور سائیڈ ٹیبل سے کی چین اٹھائی۔ تبھی وہ سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی۔ اس گھڑی رہبان عالم شاہ کی نظریں بھی اس سے ملی تھیں۔

"آپ......" بہت دھیمے لہجے میں مژگان نے پکارا تھا۔ اور اس گھڑی وہ قدم اٹھاتا شخص یکدم ہی ٹھہر گیا تھا۔ اور پلٹ کر دیکھنے لگا تھا۔ مگر تب جیسے وہ کچھ نہ کہہ سکی تھی۔

"میں کھانے کے لئے کچھ لینے جا رہا ہوں۔" اس نے اُس کا تردّد دُور کرتے ہوئے کہا۔

"م...... مجھے بھوک نہیں۔" اس کا انداز شاید ایسا تھا کہ رہبان عالم شاہ کے لبوں پر یکدم بڑی دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مگر...... مجھے تو ہے......"

"آپ...... آپ مجھے چھوڑ کر مت جائیے۔" وہ بہت ڈرتے ہوئے سے وحشت زدہ سے انداز میں بولی تھی اور تب رہبان عالم شاہ اسے جانے کیوں دیکھتا رہ گیا تھا۔ پھر آہستہ سے چلتا ہوا اس کے قریب جا رکا تھا۔ اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ میں لے لیا تھا۔ وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ تبھی وہ اس کی طرف بہت نرمی سے دیکھنے لگا تھا۔

"میں تمہارے پاس ہوں۔ ڈرو نہیں۔ تم میری امان میں ہو۔" اور جیسے اس پل اپنی بے بسی پر اس کی آنکھیں پھر بھر آئی تھیں۔

"اوں...... ہوں...... روتے نہیں۔ رونے سے مسائل اور بڑھتے ہیں۔" وہ اس کی پلکوں

سے شفاف موتیوں سے قطرے چنتا ہوا بولا تو مژگان سر جھکا کر ہونٹ کچلنے لگی۔

''بہت بری ہوں میں...... اپنے ساتھ آپ کی زندگی بھی عذاب کر دی...... اور......''

''اوں...... ہوں...... کچھ مت کہو۔ کرنی ہیں تو اچھی اچھی باتیں کرو۔'' وہ اس کا ذ
بدلنے کو دوستانہ انداز میں بولا تھا۔ اور تبھی وہ ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑنے لگی تھی۔
اندر جیسے سمندر کا پانی امڈا چلا آ رہا تھا۔

تبھی وہ بولا تھا۔

''میرا خیال ہے، میں کچھ کھانے کو لے ہی آؤں۔''

''اتنی رات میں آپ کہاں جائیں گے؟'' وہ یکدم بولی۔

''تو پھر؟'' وہ جانے کیوں اس گھڑی مسکرا دیا۔

''میں...... بناتی ہوں...... کچن کہاں ہے؟'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور تب جانے وہ کیا
مسکرا دیا۔

''ایک دن کی دلہن کام کرے، میرا خیال ہے یہ قطعی مناسب نہیں۔ میں کرتا ہوں کچھ
وہ کوٹ اتار کر ایک طرف رکھتے ہوئے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے
چین پھر سائیڈ ٹیبل پر رکھنے لگا۔ مژگان نے اس کی طرف دیکھا۔ تبھی وہ ٹائی بیڈ پر ڈا
ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

✿......✿

''چلے تھے چین کو، پہنچ گئے کلکتہ...... اسی کو کہتے ہیں۔'' علی شاہ بولا تو رہبان عالم شاہ
اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''عشق کیا کسی اور سے...... گھر چھوڑا کسی اور کے لئے اور سجن بن گئے کسی اور کے۔'' علی
شاہ محظوظ ہو کر ہنسا تو وہ اسے گھور کر رہ گیا۔

''علی شاہ! تم سے کسی اچھی بات کی امید کرنا عبث ہے۔''

''میاں! آج کو ہینڈل کرنے کے لئے کل کو دیکھنا بہت ضروری ہے۔ ویسے تم نے کل کو
بتایا کہ نہیں؟''

''کیا کہوں......؟'' وہ سنجیدہ انداز میں گویا ہوا۔

''یہی کہ تم اس کے لئے اس سے حد درجہ حسین اور خوبصورت سوتن لے آئے ہو۔'' وہ
بہت شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا تو رہبان عالم شاہ اسے گھور کر رہ گیا۔

''شٹ اپ علی شاہ......'' مگر وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

''ویل...... میں تو یہی کہوں گا، تمہاری زندگی کی اسٹوری انتہائی حسین موڑ پر آ گئی ہے۔
میں تو تمہیں کل ہی کہوں گا۔'' علی شاہ قطعی طور پر سنجیدہ ہونے کو تیار نہ تھا۔ اور تب رہبان عالم
شاہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے دوسری جانب دیکھنے لگا تھا۔

''اب پریشان ہونے سے فائدہ...... لنچ تو کرو......'' علی شاہ نے برگر کے بائٹ لیتے
ہوئے کہا مگر وہ یونہی بیٹھا رہا۔ پھر یکدم چونک گیا۔

''او مائی گاڈ۔''

''کیا ہوا؟''

''پتہ نہیں اس لڑکی نے اب بھی کچھ کھایا ہو گا یا نہیں......'' اس نے مژگان کے متعلق کہا
تھا۔ رات بھی اس نے زبردستی اسے کھلانے کی کوشش کی تھی مگر وہ مسلسل سر نفی میں ہلاتی چلی
گئی تھی۔ اور تب اس نے بھی زبردستی نہیں کی تھی اور صبح وہ اسے سوتا ہوا ہی چھوڑ کر نکل آیا
تھا۔

"تم جلدی کھاؤ...... میں آتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ کاؤنٹر پر گیا اور اس کے لئے پار(سل)
بنانے کا کہہ کر واپس ٹیبل پر آ گیا۔
علی شاہ جانے کیوں ہنس دیا۔
"بہت ذمے داری آ گئی ہے تم میں......"
"علی شاہ! کبھی سنجیدہ ہو جایا کرو۔"
"لو، میں نے کب کچھ کہا...... میں نے تو فقط احساس دلایا ہے کہ شادی شدہ زندگی
سب سے بڑی اور پہلی خوبی یہی ہے کہ بندہ غیر ذمے دار سے ذمے دار ہو جاتا ہے۔ ذمے
داریوں کو سمجھنے لگتا ہے۔" اس کے چہرے پر بہت پُرشرارت سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔
"علی شاہ! خدا دشمن کو بھی تم جیسا دوست نہ دے۔" رہبان عالم شاہ جل کر بولا تھا۔
علی شاہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔
"انکل، آنٹی کو فون کر کے اطلاع دے دوں کہ تم ان کے لئے ایک عدد بہو لا چکے ہو؟"
علی شاہ نے چھیڑا۔ رہبان عالم شاہ گھورنے لگا۔
"لو، تو غلط کیا ہے۔ دیکھیں گے تو ساری ناراضگی چٹکیوں میں ختم ہو جائے گی۔" علی شاہ
پیپسی کے سپ لیتا ہوا بولا۔ رہبان عالم شاہ کے چہرے پر فطری نرمی نظر آ رہی تھی۔ وہ لاتعلق
سا ہو کر دوسری سمت دیکھنے لگا تھا۔ اور تب علی شاہ ہنسنے لگا تھا۔
"نگاہیں کہیں اور نشانہ کہیں ہو تو پھر ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے۔" علی شاہ کہاں باز آنے
والا تھا۔
"علی شاہ! تم مجھے پریشانی کے علاوہ کچھ نہیں دے سکتے؟" وہ ضبط سے بولا تھا۔
"پچھتا رہے ہو؟" اگرچہ علی شاہ کا سوال بہت ہی غیر واضح تھا مگر اس لمحے اس نے نفی
میں سر ہلا دیا تھا۔
"کچھ ایسا ویسا کہا تو بھابی سے شکایت کر دوں گا۔" علی شاہ نے گویا دھمکایا۔ رہبان عالم
شاہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔
"دل چھوٹا کرنے کی کیا بات ہے۔ گبرو جوان ہو۔ حوصلہ پکڑو۔ چھوٹی موٹی پریشانیوں
سے ہارنے کی کیا بات ہے۔" علی شاہ نے حوصلہ بندھایا۔
"علی شاہ! میری برداشت اور حوصلے کے متعلق تم اچھی طرح آگاہ ہو۔" وہ کڑے ضبط
کے ساتھ بغیر کسی قسم کے تاثر کے سپاٹ لہجے میں بولا تو علی شاہ اس کے پُرسکون چہرے
دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

"تمہاری ایک یہی تو خوبی ہے جو مجھے بھی بے حد پسند ہے۔ اندر کے کسی احساس کی
بھنک بھی نہیں پڑنے دیتے۔ اندر کچھ بھی ہو مگر چہرہ پُرسکون سمندر ہوتا ہے۔ اب اس سمندر
کی تہہ میں چاہے لاکھوں طوفان پلتے رہیں...... اس کی کسی کو خبر نہیں ہو سکتی۔ دوسرے تمہاری
برداشت اور حوصلہ واقعی کمال کا ہے۔ اتنے عرصے سے تمہارے ساتھ ہوں۔ اس کا سب سے
بڑا ثبوت تو یہی ہے۔" علی شاہ آخر میں شرارت سے مسکراتا ہوا بولا تو وہ اسے ایک نظر دیکھ کر
رہ گیا۔
"ہیرو ہے بھئی میرا یار...... چار عدد "بندوق" کی گولیاں کھانے کا ثبوت اضافی خوبی میں
شمار ہوتا ہے۔ اس کی گواہی تو اور "لوگ" بھی دے سکتے ہیں۔" وہ پہلے "بندوق" اور پھر
"لوگ" پر بطور خاص زور دیتا ہوا مسکرایا۔
"بھابی کو تجمل عباس نقوی کے متعلق بتا دیا ہے؟" علی شاہ نے ایک اور حملہ کیا۔ رہبان
نے کوئی جواب نہ دیا۔ تب وہ مسکرا دیا۔ "تو مت بتاؤ...... بتانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ چار
کی گنجائش تو قانونی اور شرعی طور پر بھی حاصل ہے تمہیں۔ ابھی تو تین مزید چانس ہیں
تمہارے پاس۔" علی شاہ کی شوخی عروج پر تھی مگر رہبان عالم شاہ کے چہرے کے تاثرات لمحہ
بھر کو بھی متغیر نہ ہوئے تھے۔
"تجمل بھی تو یقیناً بے خبر ہو گی۔" علی شاہ نے دوبارہ قیاس کیا۔ تب رہبان اس کی جانب
دیکھنے لگا۔
"کل رات سے لے کر اب تک کی سچویشن تمہارے سامنے ہے علی شاہ...... پھر اگر تم بول
کر اپنی انرجی ضائع کرنے کا شوق رکھتے ہو تو تم اپنے اس شوق کو باآسانی پورا کر سکتے ہو۔"
وہ مکمل پُرسکون انداز میں دھیمے لہجے میں گویا ہوا تھا اور علی شاہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔
"تم سا عظیم انسان واقعی میں نے زندگی میں نہیں دیکھا...... تم واقعی عظیم ہو۔" وہ ہنسا۔
"بس نام رہبان عالم شاہ ہے۔" اس نے بروسٹ چکن پر ہاتھ صاف کرتے ہوئے اس کی
جانب دیکھا۔ مگر رہبان تب بھی کچھ نہ بولا۔
"بھابی نے تمہارا بالکل صحیح انتخاب کیا ہے...... اس عظمت کے مینار پر بیٹھنے کے قابل
واقعی آپ ہی تھے۔" علی شاہ مسکرایا۔
"اس ریسٹورنٹ میں تم نظر گھما کر دیکھ سکتے ہو۔ تمام میزوں پر انتہائی معزز اور شریف قسم
کے لوگ بیٹھے نظر آ رہے ہیں۔ تم یہاں پٹتے ہوئے اچھے تو نہ لگو گے۔" رہبان عالم شاہ نے
ضبط کی آخری حد تک پہنچتے ہوئے بہت دھیمے لہجے میں کہا تو علی شاہ کھلکھلا کر ہنسا اور پھر ہنستا

چلا گیا۔

✿......✿

وہ کیفیت کیسی بے بسی کی ہوتی ہے جب آپ کسی سے کچھ کہہ بھی نہ سکیں، کسی کو داستان بھی نہ کر سکیں اور اس سے بھی بڑھ کر ان حالات اور محسوسات کا جن سے آ رہے ہیں، صحیح طرح سے ادراک بھی نہ ہو تو بے قراری جیسے دوچند ہو جاتی ہے۔

اسے کئی دنوں تک کچھ ہوش نہ تھا کہ کہاں ہے اور کیا کر رہی ہے...... بس مگن سی میں جتی رہتی۔ شاجی کی شادی کے بعد سہیلیوں سے بھی ملنا جلنا کم کر دیا۔ وہ اس کی پر سوال و جواب بھی تو عجیب و غریب کرتی تھیں۔ اس کے کھوئے کھوئے انداز پر نظروں سے دیکھتے ہوئے کتنے فقرے اچھالتی تھیں...... اور اس وقت ان کو برداشت کرنا حد محال ہو جایا کرتا تھا۔ اور تب وہ غیر ارادی طور پر ان سے کٹنے لگی تھی۔ بس گھر میں کاموں میں جتی رہتی۔ بے بے اس کی کیفیت پر حیران تھیں۔

"سیو! ٹھیک تو ہے تو...... سہیلیاں گھر بھی آتی ہیں تو نہیں ملتی، ان کے پاس جا۔ بات ہی ہور ہے۔" بے بے اسے جانچتی ہوئی نظروں سے دیکھتی ہوئی بولیں تو وہ ہری کوٹتے ہوئے چہرے کا رخ قدرے پھیر گئی۔

"بے بے! تجھے ہی تو اعتراض تھا نا کہ میں اپنی ذمے داری نہیں سمجھتی۔ ہر وقت رہتی ہوں۔ اب تو تجھے خوش ہونا چاہئے...... میں گھر پر رہتی ہوں۔ بلکہ سارے کم ہم ہوں۔" وہ انہیں مطمئن کرنے کو بولی تو وہ سر ہلانے لگیں۔

"پتر! یہ سب تو تیرے بھلے کے لئے کہتی ہوں۔ منڈے جو مرضی کرتے پھر کڑیوں کی گل ہور ہوتی ہے۔ ان کی پرورش بڑی محنت مانگتی ہے۔ کل کو اگلے کار (گ ہونا ہے۔ کار کے کام کاج بھی چج سے نہ آتے ہوں تو اگے جا کر گلیں سننا پڑتی ہیں پچھلوں کو کوستے ہیں کہ کوئی چج نہیں سکھایا۔ ابھی دیکھ، جیسے شاجی کا ویاہ ہویا...... خیر نا تجھے بھی اگلے کار کو جانا ہے۔ دھیاں تے پرایا دھن ہیں۔ شاہ، نواب بٹھا کر نہ رکھ بھلا کہاں رکھ سکتے ہیں۔" بے بے بولیں تو تبھی جانے کیسے ہری مرچ کا کوئی بیج اڑ کر آنکھ میں چلا گیا۔

"ہائے......" وہ فوراً دوری ڈنڈا چھوڑ کر آنکھ مسلنے لگی۔

"کیا ہو گیا؟ لے، ابھی کہہ رہی تھی وڈی ہو گئی ہوں۔ گھر کی ذمے داریاں ہیں۔ مگر عقل فیر نہ آئی۔" بے بے نے کوسا۔ "چل اٹھ، پانی کے چھینٹے آنکھ میں مار جا۔" بے بے بولیں تب وہ اٹھ کر نلکے کے پاس چلی گئی اور بالٹی میں سے کولے میں پانی بھر بھر کے آنکھ میں چھینٹے مارنے لگی۔ بیج تو شاید نکل گیا تھا مگر آنکھ کی جلن ختم نہ ہوئی۔ پوری آنکھ سرخ ہو رہی تھی۔ پانی الگ بہہ رہا تھا۔ وہ دوبارہ چولہے کے پاس آ گئی۔

"چل جا تو اندر...... میں دیکھتی ہوں۔ پھر کجھ ہور کر کے بیٹھ جائے گی۔" بے بے کہنے کے ساتھ ہی چولہے کے پاس بیٹھ چکی تھیں اور تب اس کے لئے کوئی اور کام تو تھا نہیں۔ وہ آٹا وغیرہ پہلے ہی گوندھ چکی تھی۔ بس سالن پکانے کے بعد روٹیاں ڈالنا تھیں۔ خود کو مصروف رکھنے کے لئے وہ تار سے کپڑے اتارنے کے بعد تہہ کرنے لگی تھی۔ تبھی بے بے پیاز براؤن کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"چھوٹی بی بی تیرا پوچھ رہی تھی۔" اور تب اس گھڑی اس کا دل یکدم ہی دھڑک گیا۔

"جی......"

"کہہ رہی تھیں بڑے دنوں سے دیکھا نہیں...... ہو آنا...... اونجھ وی اگلے مبارک جمعے کا منگنی کی رسم ہے۔ ساتھ ہی ویاہ کی تریخ (تاریخ) وی پکی ہو جائے گی۔ فیر ویاہ کر بی بی ٹر جائے گی۔ فیر یا قسمت یا نصیب...... ملاقت ہووے یا کہ نہ۔ دل کی بڑی چنگی ہے چھوٹی بی بی۔ تیرے لئے تو کئی وار پچھ چکی ہے۔" بے بے نے کہا تو وہ سر ہلانے لگی۔ پھر بے بے جیسے خود کلامی میں بولیں۔ "بڑے ہی چنگے لوگ ہیں...... ورنہ مالک کہاں اتنا سر پر چڑھاتے ہیں۔ مگر وڈے چوہدری صاحب اور چوہدرائن کے بعد ان کی اولاد بھی ان جیسی ہی ہے۔ اللہ حیاتی دے ان کو۔ رب شگنوں کے کم خیر خیریت سے انجام کو پہنچائے۔ وڈی چوہدرائن ان دنوں کجھ پریشان سی ہیں۔ پہلوٹھی کا پتر، بہن کی سگائی میں شریک نہ ہو سکے گا۔ ماں کا دل ہے نا...... اولاد کی جدائی میں حال تو شروع سے ہی مندا ہے۔ مگر شگنوں کے اتنے خاص موقع پر بھی اگر کوئی ایک بچہ بھی نہ ہو تو رونا تو آتا ہی ہے۔ ان کی تو پھر پہلی اولاد ہے۔ حویلی کے سب سے وڈے پتر۔"

بے بے کے کہنے پر وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

"ان کے بیٹے کی کوئی ناراضگی ہو گئی تھی ماپیو سے؟"

"اے ہاں دھیے! سنیا تے ہے۔ اگے رب بہتر جانے۔ ولایت گئے سن پڑھن لئی۔ اوتھے کوئی پسند کر بیٹھے۔"

"کوئی گوری میم؟" سیو فوراً متجسس ہوئی۔

"پتہ نہیں...... رب بہتر جانے۔ تھی کوئی خاندان سے باہر کی شے۔ سپوت ویاہ کرنا

چاہندے سن۔ پر وڈھے چوہدری صاب منے نئیں۔ ضد حدوں ٹکی اور وڈے پتر کار [illegible]
گئے۔ وڈے چوہدری صاب وی ضد تے اڑ گئے۔ بے دخل کر چھڈیا۔''

''مگر بے بے! اے چنگا نہیں ہویا۔'' سیو کو تاسف ہوا۔

''سانوں کی...... اسیں ٹھہرے ملازم۔ وڈھے لوگاں دیاں وڈیاں گلاں۔''

''پھر بھی بے بے! کوئی اتنا بڑا قصور تو نہ تھا وڈے سرکار کا۔ پسند کی کڑی سے شادی [illegible]
کرنا چاہتے تھے۔''

''وڈے لوگوں کے لئے خاندان بہت اہم ہوندا اے کڑیئے۔ گل خاندان دی سی۔ [illegible]
چوہدری صاب خاندان وچ گل پکی کر چکے سن۔''

''کیا اب بھی وڈھے چوہدری صاب ان کو معاف نہیں کریں گے؟ اتنا وڈا موقع [illegible]
چھوٹی بی بی کا ویاہ ہے۔''

''پتہ نہیں پترے۔ رب ہی جانے۔'' بے بے نے سبزی دھو کر ہانڈی میں ڈالی۔

''وڈے سرکار نے ویاہ کر لیا فیر اس کڑی سے؟'' سیو کو جانے کیوں تجسس ہوا۔

''پتہ نہیں...... کیا پتہ کر لیا ہو۔ گھر تے چھڈ گئے تھے اس کی خاطر۔ ماں پیو کا کچھ [illegible]
نہ کیا جس کی خاطر، بھلا ویاہ کیوں نہ کیا ہوگا اس سے۔'' بے بے بولیں تو وہ ہم خیال [illegible]
سر اثبات میں ہلانے لگی۔

✿......✿

رات وہ تمام لائٹس آف کرتی ہوئی کوریڈور کی طرف آئی تھی کہ یکدم فون کی بیل [illegible]
لگی۔ اس لمحے بہت اکتائے ہوئے انداز میں اس نے فون کو دیکھا تھا۔ جیسے اس کے [illegible]
وقت بجنے پر انتہائی کوفت ہوئی ہو۔

''ٹرن...... ٹرن...... ٹرن......'' گھنٹی تھی کہ مسلسل بجتی ہی چلی جا رہی تھی۔ تب وہ [illegible]
نخواستہ فون کی طرف آ گئی تھی۔

''ہیلو......'' ریسیور اٹھا کر وہ بہت اکتائے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

''ہیلو...... تھینک گاڈ، تمہیں اٹھانا یاد تو آیا۔'' دوسری طرف موجود کیپٹن اعصار شیخ کی [illegible]
سن کر وہ بدمزہ ہوگئی تھی۔ کوفت دوچند ہوگئی تھی۔

''کیسی ہو تم؟'' بہت دھیمے لہجے میں دریافت کیا گیا۔ وہ ایک گہرا سانس خارج [illegible]
ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی۔

''ناٹ ٹو بیڈ...... لیکن اس وقت تو سب سو رہے ہیں۔''

''تم تو جاگ رہی ہو نا۔'' اعصار شیخ مسکراتا ہوا بولا تھا۔

''ہاں اتفاق سے۔''

''چلئے اتفاق ہی سہی۔ ہماری قسمت تو کھلی۔'' اعصار کا لہجہ بدلنے لگا۔

''جگا دوں کسی کو؟''

''کیوں، تم کیا آج کل بولنے سے پرہیز کر رہی ہو؟'' اس کا جملہ بڑا برجستہ تھا مگر ادعیہ
[illegible] بھینچ کر رہ گئی تھی۔ دوسری طرف یکدم خاموشی چھا گئی اور اس لمحے جیسے ادعیہ کو اچھا نہ لگا
[illegible] وہ مزید بے اعتنائی برتے۔ تبھی اخلاقاً بولی۔

''کیسے ہیں آپ؟''

''شکریہ...... بہت جلد خیال آ گیا آپ کو۔'' دوسری طرف سے بھرپور شکوہ کیا گیا اور تب
[illegible] نے وہ کیوں ڈھیر سے مسکرا دی تھی۔

''ایک تو بے وقت کال کرتے ہو اور پھر چاہتے ہو تمہیں مکمل پذیرائی بھی ملے۔''

''محترمہ! پذیرائی تو کبھی وقت پر بھی نصیب نہیں ہوئی۔'' یہ دوسرا بھرپور شکوہ تھا۔

''وہاں کا موسم کیسا ہے؟''

''محبوب کے مزاج جیسا۔'' اس کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا اور اس لمحے ادعیہ کا دل یکدم
دھڑک کر رہ گیا تھا۔

''آپ کے پاس کسی بات کا سیدھا جواب بھی ہے؟''

''ابھی تک کی کوششیں تو یہی ہیں کہ مشکل جواب نہ دوں۔''

وہ جواب میں کچھ نہ کہہ سکی۔ تبھی وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا۔ ''اسٹڈی کیسی جا رہی ہے؟''

''ٹھیک ٹھاک...... سمسٹرز ہونے والے ہیں۔''

''تیاری کیسی ہے؟''

''ہوں...... اچھی ہے۔''

''اور لوگوں سے تو متواتر بات ہوتی رہی تھی۔ مگر تم سے کبھی بات نہیں ہوئی۔''

''ہاں، معروفیت بہت رہتی ہے۔'' اس نے قبول کیا۔ ''اور آپ کے شب و روز کیسے گزر
رہے ہیں؟''

''بہت مصروف۔ مگر بہت بے کیف۔ یادوں کے سہارے...... یادوں کے ساتھ۔'' وہ بہت
گمبھیر انداز میں بولا تو جیسے ادعیہ کے پاس لفظ ختم ہوگئے۔ زبان یکدم تالو سے جا چپکی۔

''یادیں بہت کام کی چیز ہیں...... زندگی کا سرمایہ...... جیسے کوئی خزانہ...... مگر آپ کبھی کبھار

ان سے دل نہیں بھی بہلا سکتے۔ تمہارا کیا خیال ہے...... یادیں دُکھ دیتی ہیں یا سکو
پوچھنے لگا۔

"یہ تو یادوں پر منحصر ہے کہ آپ کی یادیں کیسی ہیں۔ بعض اوقات یادیں اتنی تلخ ہوتی
کہ ان کو یاد کرتے ہی لگتا ہے کہ آپ کے منہ میں کوئی کڑوا بادام آ گیا۔ مگر بعض اوقات
اتنی خوشگوار، اچھی اور میٹھی یادیں ہوتی ہیں کہ سوچتے ہی جیسے اِک جہاں آباد ہونے لگتا
ویرانے میں بھی کوئی میلہ لگنے لگتا ہے۔ خوابوں میں ایک دیس سا آباد ہونے لگتا ہے اور
اس دیس میں خیالوں کی انگلی تھام کر یکدم ہی آگے بڑھنے لگتے ہیں اور آگے ہی بڑھتے
جاتے ہیں۔ ان یادوں کے دیس کے منظر اتنے دلنواز ہوتے ہیں، سارے رنگ اتنے
رنگ ہوتے ہیں کہ جیسے ہم پُر کیف ہونے لگتے ہیں۔" وہ ایک ربط کے ساتھ بولتی چلی
پھر جیسے چونکی تو یکدم چپ ہو گئی۔ تبھی وہ بولا۔

"رک کیوں گئیں؟ بولتی رہو...... لگتا ہے کہیں دور کسی وادی میں دھیمے دھیمے مدھر ساز
رہے ہوں۔"

"کیپٹن اعصار شیخ! اللہ حافظ۔" وہ بولی تھی اور پھر یکدم ہی ریسیور رکھ دیا تھا۔ اور
کتنے ہی لمحوں تک یونہی کھڑی فون سیٹ کی جانب دیکھتی رہی تھی۔

✿......✿

وہ چھوٹی بی بی سے ملنے بطور خاص حویلی آئی تھی۔ بے بے کے ساتھ حویلی تک کا
کرتے ہوئے اس کا دل کتنی مرتبہ ڈولا تھا۔ دھڑکنوں میں کتنا ارتعاش محسوس ہوا تھا۔
ایک ایک قدم کے ساتھ جیسے دل کے اندر عجیب طرح کی ہلچل برپا ہو رہی تھی۔ بے
ساتھ تھیں...... وہ تنہا نہ تھی۔ مگر جیسے سارا وجود ایک انجانے خوف کے سائے میں تھا۔
کتنا اس نے سنبھالنے کی کوشش کی تھی خود کو۔ سب کچھ جیسے بے سود تھا۔

اور اب جب بے بے اسے ڈرائنگ روم کے بیچوں بیچ چھوڑ کر خود مائی خیراں کے
کسی ضروری کام میں جلدی کے باعث اندر کی جانب بڑھ گئی تھیں تو وہ خود کو وہاں کھڑی
حد ہونق تصور کرنے لگی۔ کانپتے ہاتھ کے ساتھ وہ سیاہ دوپٹے کو چہرے کے گرد اور بھی
لپیٹتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ کمرے میں اس وقت کوئی نہ تھا۔ وہ کمرے سے باہر نکل
سامنے کے ہال نما کمرے میں کئی لوگ بیٹھے تھے۔ یقیناً یہ مہمان تھے جو چھوٹی بی بی کی منگنی
تقریب کے لئے مہینہ ڈیڑھ مہینہ قبل سے ہی حویلی میں ڈیرہ ڈالے ہوئے تھے۔ بے
جب بیمار تھی تو تب بھی جب وہ یہاں آتی تھی، یہ لوگ یہیں ہوتے تھے۔ وہ وہاں سے

کی جانب مڑی اور پھر کوریڈور کو کراس کرتی ہوئی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔ وہ نظر
اپنے ہی دھیان میں سیڑھیاں عبور کر رہی تھی۔ پھر جانے کیا ہوا، یکدم ہی نگاہ اٹھی اور
کی ریلنگ کے بالکل آغاز پر کھڑے اس شخص پر اس کی نظریں جا ٹھہریں۔
وہاں منشی صاحب کے ساتھ کھڑا شاید کسی ضروری امور کے متعلق ڈسکس کر رہا
وہ اس وقت گفتگو میں مصروف تھا، توجہ مکمل اسی جانب تھی۔ مگر سیو کی دھڑکنیں لمحہ بھر میں
زیر ہو گئیں۔ سینے میں موجود ننھا سا دل اس قدر تیزی سے دھڑکا کہ جیسے سینے کی ہڈیاں
باہر آ جائے گا۔ اور اس ایک لمحے میں اس کے پاؤں یکدم ہی لڑکھڑائے تھے اور وہ
کے بالکل درمیان میں سے گر کر پھسلتی ہوئی زمین پر آ گئی تھی۔
یہ سب بالکل آناً فاناً اور غیر متوقع ہوا تھا اسے خود خبر نہ ہوئی تھی کہ یہ سب کیسے ہو گیا۔ مگر
چیخ اس کے حلق سے ضرور برآمد ہوئی تھی۔
زینے کے آغاز پر کھڑے، منشی اور چھوٹے سرکار نے یکدم ہی پلٹ کر اس جانب نگاہ کی
وہ زمین پر اوندھی پڑی تھی۔ چھوٹے سرکار نے اور منشی صاحب نے فوراً پیش قدمی کی
اور پل بھر میں اس کے قریب پہنچ گئے تھے۔ اور اس لمحے چھوٹے سرکار کی نگاہیں غیر
طور پر ہی منشی صاحب کی طرف گئی تھیں۔ اور تب منشی صاحب جھک کر اسے دیکھنے لگے

"پتر......!" پکارتے ہوئے بہت ہولے سے اسے چھوا تھا اور وہ تب کراہتی ہوئی اٹھ کر
ہوئی تھی۔ بظاہر تو کوئی چوٹ نظر نہ آ رہی تھی۔ مگر کچھ چوٹیں شاید اندرونی طور پر اسے
تبھی تو وہ باقاعدہ رو رہی تھی۔ چہرے سے دوپٹے کا نقاب سرک چکا تھا...... اور اس
نے منشی صاحب کی پشت پر اور اپنے بالکل سامنے کھڑے شخص کی بھی پرواہ نہ رہی تھی۔
صاحب اسے ہاتھ کا سہارا دے کر اٹھا رہے تھے۔
"کہیں چوٹ تو نہیں لگی پتر......" بظاہر کہیں نشان نہ دیکھ کر وہ بولے تو بھیگی پلکوں سے
سر ہلانے لگی۔ چھوٹے سرکار کے سامنے نگاہ نہ اٹھ رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ زمین
اور وہ اس میں جا سمائے۔ جانے کیوں ہمیشہ اس شخص کے سامنے ہی وہ خود کو بے بس
کرتی تھی۔ منشی صاحب سے اس کی نگاہ ہوتے ہوئے چھوٹے سرکار تک گئی تھی۔ وہ
پوری طرح اسی کی جانب متوجہ تھے۔ نظریں لمحہ بھر کو ملی تھیں اور پھر وہ دوسرے
پلٹ کر تیزی کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی۔
چھوٹے سرکار کی نظروں نے کئی لمحوں تک اس لڑکی کا پیچھا کیا تھا۔

❁......❁

رہبان عالم شاہ بہت ہولے سے دروازہ پُش کرتا ہوا اندر داخل ہوا تو پہلی نگاہ اس پر
پڑی تھی۔ وہ سر جھکائے کسی گہری سوچ میں گم، دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے، سر گھٹنوں پر
ٹکائے، کارپٹ پر بیٹھی خاصی بے خبر لگ رہی تھی۔ وہ بہت آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس
کے بالکل قریب آن رکا تھا۔ اسی پل وہ سر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔

''آ گئے آپ......؟''

رہبان عالم شاہ نے بہت چونک کر دیکھا تھا۔ تین سالوں میں یہ پہلا جملہ تھا......
عام سا......مگر گھر لوٹنے پر پہلی بار جو کسی نے بطور خاص اسی کے لئے ادا کیا تھا...... ل
پریشانی لئے اسے دیکھتے ہی دریافت کیا تھا۔

''کتنی دیر لگا دی آپ نے...... میں بہت ڈر رہی تھی۔'' خوفزدہ سے انداز میں دوسرا
ہوا تھا......اور یہ دوسری شکایت تھی......اس کی ساعتوں کے لئے...... نا آشنا سی۔ وہ جانے
اس پل خفیف سا مسکرا رہا تھا......پھر گھٹنوں کے بل جھک کر اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

''سوری...... مجھے دیر ہوگئی۔'' وہ یقیناً اپنی مصروفیت کے عالم میں اس کے وجو
فراموش کر گیا تھا۔ آفس سے نکلنے سے اپارٹمنٹ کا دروازہ اوپن کرتے وقت تک وہ ا
ذہن میں کہیں موجود نہ تھی۔ مگر جیسے ہی دروازہ کھولا تھا تو پہلی نگاہ بے ساختہ اس پر
اور تب وہ بے حد چونک کر اسے دیکھتے ہوئے خود کو ملامت کرنے لگا تھا۔

''تم نے کھانا کھایا؟'' اس نے پوچھا تھا...... پھر خود ہی احساس کرتے ہو
ساکت ہوگیا تھا۔ ''اوکے، میں تمہارے لئے کچھ لے کر آتا ہوں۔'' وہ کہہ کر اٹھنے وا
کہ اس نے یکدم ہی اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''نن......نہیں، مجھے بھوک نہیں۔'' وہ یقیناً اس کی تھکن کے باعث بولی تھی اور
نے پہلے اس کی فطری حرکت پر چونک کر دیکھا تھا، وہیں دوسرے پل جانے کیوں
سے مسکرا دیا تھا۔

''مژگان! تم جب تک یہاں ہو، اس گھر کو اپنا سمجھو۔ میں نے علی شاہ سے کہ
وہ کل پرسوں تک کسی ماسی اور خانساماں کا بندوبست کر دے گا۔ دراصل مجھے کبھی ضر
محسوس نہیں ہوئی ان تین سالوں میں۔''

''نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ میں وہاں لندن میں اکثر اپنے کئی کام خود کرتی
اچھا تو نہیں مگر کھانا بنانا میں جانتی ضرور ہوں۔'' وہ شاید اس کے اضافی خرچ کو

بولی تھی۔ اور تبھی وہ جانے کیا سوچتا ہوا ہولے سے مسکرا دیا تھا...... اگر وہ اس سے
یا اجنبیت کا اظہار کرتا تو یقیناً وہ یہی سمجھتی کہ وہ زبردستی اس کے نہ چاہنے کے باوجود
مسلط ہوئی ہے اور وہ کم از کم اسے مزید کسی ذہنی اذیت میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ
تھا، فقط ہمدردی کے تحت اس نے اپنا نام اس کے نام کے ساتھ لکھا تھا۔ فقط اس کے
گئے اعتبار کو، اعتماد بخشنے کو اسے اپنا گھر دیا تھا۔ مگر یہ بھی طے تھا کہ اسے ہمیشہ کے لئے
کوئی تعلق استوار نہیں رکھنا تھا......اس کی ذات کا محور یقیناً سجل عباس نقوی تھی۔ وہ
جس کے لئے اس نے اپنا سب کچھ تج دیا تھا۔ فقط اس سے رشتہ باندھنے کو اس نے اپنا
کچھ قربان کر دیا تھا۔

ہر رشتہ ختم کر لیا تھا۔

ہر تعلق توڑ دیا تھا۔

اور پھر جب وہ پوری کوشش کے بعد اور شب و روز کی انتھک محنت کے بعد اپنی منزل کے
نارے تک پہنچا تھا تو اس گھڑی اچانک ہی ایک انجانے وجود نے پیچھے سے ہاتھ تھام کر
کے قدم لمحہ بھر کے لئے ساکت کر دیئے تھے۔ اور وہ جو اس فاصلے کو جو اس کے اور سجل
درمیان تھا، پاٹنے والا تھا کہ اس کے کپکپاتے ہوئے ہاتھ کی لرزش اور خوفزدہ نگاہوں نے
کے قدم باندھ دیئے تھے۔ اور تب وہ جانے کیوں آگے نہ بڑھ سکا تھا اور اس پل اس
اپنا دوسرا ہاتھ اس لرزتے کانپتے ہاتھ پر رکھ ضرور دیا تھا۔ مگر خود اسے نہیں پتہ تھا کہ اس
اگلا قدم کیا ہوگا۔

سجل عباس نقوی اس کی زندگی کی اولین خواہش تھی۔

''آپ نے کچھ کھایا نہیں؟'' وہ مکمل طور پر اپنی انہی سوچوں کے زاویئے میں الجھا ہوا تھا
ب وہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی پوچھنے لگی تھی۔ اور تب وہ بہت خالی خالی نظروں سے اس
جانب دیکھنے لگا تھا اور اس پل جانے مژگان نے کیا تصور کیا تھا کہ دوسرے ہی پل اٹھ
کھڑی ہوئی تھی اور بہت چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی تھی اور وہ
کر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

پھر جب وہ کپڑے چینج کر کے وہائٹ کلر کے کاٹن کے سوٹ میں باہر آیا تھا تو وہ کچن
ئی تھی۔

''کیا بنا رہی ہو؟'' اس کی پشت پر کھڑا ہو کر وہ پوچھنے لگا۔

''بنا چکی۔'' وہ آملیٹ کی پلیٹ اور بریڈ لئے ٹیبل تک آ گئی۔ ''آج تو آپ کو اسی پر گزارہ

کرنا ہوگا۔" وہ آہستہ سے بولی تو وہ مسکرا دیا۔ پھر اسے بھوک تو نہیں تھی مگر فقط اس کے لئے
ٹیبل پر آ گیا۔
اس کے پہلا لقمہ لینے تک وہ اس کے شاید تاثرات جاننے کو اس کی جانب دیکھتی رہی
اور رہبان عالم شاہ شاید جان گیا تھا...... تبھی فوراً اثبات میں سر ہلایا۔
"ہوں...... بہت اچھا ہے۔" اور تب مژگان مطمئن سی ہو کر کھانے لگی۔ تبھی رہبان عالم
شاہ کا موبائل فون بجنے لگا اور اس نے سی ایل آئی پر آنے والے نمبر کو ایک نظر دیکھتے ہوئے
بہت ہولے سے "نو" پش کیا تھا۔ بیلز کا سلسلہ چند ثانیوں کو منقطع ہوا تھا اور پھر دوبارہ فون
بجنے لگا تھا۔ اس گھڑی مژگان نے بغور اس کو دیکھا تھا اور تب اس نے ہولے سے "لیں"
پش کرتے ہوئے فون کان سے لگا لیا تھا۔
"ہیلو...... ہاں ٹھیک ہوں......"
"نہیں، بزی تھا بہت۔"
"نہیں ایسی بات نہیں۔ وقت نہیں ملا۔ تم......"
"نہیں، تم نہیں آنا۔ میں...... میں آؤں گا۔"
"او کے...... ہاں، نہیں بھولوں گا۔"
"تمہیں نہیں بھولوں گا...... یاد ہے مجھے۔ بہت مصروف تھا...... سمجھنے کی کوشش کرو۔"
"ہاں اب بھی ہوں۔"
"نہیں، اس وقت نہیں آ سکتا۔" یہ گفتگو ایک طرفہ سلسلہ تھا جو مژگان کے کانوں تک غیر
ارادی طور پر پہنچ رہا تھا اور جسے سننے پر شاید وہ بھی مجبور تھی۔
رہبان عالم شاہ کا یہ سلسلہ ابھی جاری تھا، تبھی وہ اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی تھی۔ اور پھر تمام
چیزیں کچن میں رکھنے کے بعد وہ اپنی عارضی آرام گاہ کی جانب بڑھ گئی تھی۔
رہبان عالم شاہ جب نجل عباس نقوی سے طویل گفتگو کے بعد فارغ ہوا تھا تو وہ
کہیں نہیں تھی۔

✿......✿

موبائل فون کی بیل کتنی دیر تک بجتی رہی تھی۔ مگر جیسے وہ تمام آوازوں کو سنتی ہوئی بہری
گئی تھی۔ وہ جانتی تھی دوسری جانب کون تھا۔
اس کے لئے بے قراری اور پریشانی ظاہر کرنے والا۔
اس کے لئے فکر مندی اور لگاوٹ ظاہر کرنے والا۔

کون تھا...... جس کے دل میں اس کا درد تھا۔
مسلسل بجتی ہوئی بیل پر پہلے اس نے بہت وحشت زدہ انداز میں موبائل کی جانب دیکھا
تھا۔ پھر اٹھا کر موبائل کو آف کرتے ہوئے وہ تقریباً چیخی تھی۔
"کوئی رشتہ نہیں ہے میرا کسی سے...... سارے نام نہاد رشتے میں توڑ آئی ہوں۔ نہ کوئی
ماں ہے میری نہ باپ۔ پلیز مسٹر رئیس نواز سومرو! میرا پیچھا چھوڑ دو۔ یہاں کوئی بیٹی نہیں
تمہاری...... اگر کوئی تھی بھی تو اب مر چکی ہے۔ پلیز...... پلیز......"
وہ کتنی دیر تک کانوں پر ہاتھ دھرے چیختی ہوئی اندر کا غبار نکالتی رہی تھی اور پھر ایک دم
ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
میں ہی کیوں روتی ہوں...... میں ہی کیوں روتی ہوں۔
آخر کب تک یہ بے بسی۔
کب تک یہ ناامیدی۔
کیوں اپنی عمر کو سزا کے طور پر کاٹ رہی ہوں میں۔ جب جرم میرا نہیں، کوئی گناہ میرا
نہیں تو پھر میں کوئی کرب بھی مزید نہیں سہوں گی۔
وہ اٹھی تھی اور پھر جیسے تمام ناامیدیوں کو شکست دیتی ہوئی، خود کو حوصلہ مند ظاہر کرتی ہوئی
ادھر ادھر کے کاموں میں جت گئی تھی۔ اس وقت اسے اس سے بہتر کوئی اور مصروفیت ہاتھ نہ
آئی تھی اور اس وقت اسے گمان نہ تھا کہ وہ جو خود کو انتہائی پُرعزم ظاہر کر رہی تھی، اگلا لمحہ اس
کے لئے اس سے بھی کڑی برداشت کا ہوگا جہاں اس کو نہ صرف اچانک نظر آ جانے والی
رہبان عالم شاہ کی زندگی کی حسین یادگاروں کو دیکھنا ہوگا بلکہ اس کرب کو بھی سہنا ہوگا کہ وہ
زبردستی اس پر مسلط ہوئی ہے۔
پورے گھر کو صاف کرنے کے بعد جیسے ہی اس نے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا،
نظریں جیسے متحیر رہ گئی تھیں۔ دیواروں پر چارسو کسی کے نقش آویزاں تھے۔
کتنے رنگ، کتنے روپ۔
اور ہر روپ کتنا دلفریب اور حسین کہ آنکھیں خیرہ ہو جائیں۔
نظریں جامد و ساکت رہ جائیں۔
اور اس گھڑی جامد و ساکت تو وہ بھی رہ گئی تھی۔
چہار سو اس نے گھوم کر نگاہ کی تھی اور پھر وہیں، دیوار کے ساتھ لگ کر بیٹھتی چلی گئی تھی۔
اور تب بے بسی سے ہونٹ کاٹتے ہوئے ایک دم ہی رہبان عالم شاہ کا مہربان چہرہ اس کے

سامنے آ گیا تھا۔ کتنی نرمی تھی اس کے چہرے پر۔
جیسے کوئی پُرسکون سمندر۔
کیا قصور تھا اس حلیم سے شخص کا۔
اس کے متعلق سوچتے ہی اس کے ذہن میں اس رات کی گفتگو بھی گونجنے لگی تھی۔ یہ کیا
ہو گیا؟ رہبان عالم شاہ! تم عظمت کے اتنے بلند منارے پر جا بیٹھو گے، اس کے متعلق تو ہم
نے قیاس بھی نہیں کیا تھا۔
وہ خالی خالی آنکھوں سے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

✿......✿

''چوہدری صاحب! کجھ تے خدا دا خوف کرو۔ اک ماں دے دل تے ترس کھاؤ۔ اِ
سنگدل وی نہ بنو۔'' چوہدرائن نے منت کی۔ مگر چوہدری صاحب کے چہرے پر ایک از
سکوت طاری رہا۔ تبھی وہ دوبارہ بولیں۔
''تساں نوں ترس کیوں نئیں آندا۔ اوہ تساں دا وی تے پتر ہے۔ جگر گوشہ ہے۔ کیوں
تساں دا دل نئیں پسیجدا۔ پتر تے دس وی ہون تے ماں پیو دا دل تے فیر وی ٹھنڈا نئیں
پیندا۔ ساڈے تے فیر دو پتر نیں۔ اینیاں ورہیاں توں اس دی شکل نئیں دیکھی۔ دل
کڈھی وڈی قیامت گزر دی پئی اے۔ تسیں کیہہ جانو۔''
(آپ کو ترس کیوں نہیں آتا۔ وہ آپ کا بھی تو بیٹا ہے۔ جگر گوشہ ہے۔ پھر آپ کا دل
کیوں نہیں پسیجتا۔ بیٹے تو دس بھی ہوں تو ماں باپ کے دل مطمئن نہیں ہوتے۔ ہمارے تو
صرف دو بیٹے ہیں۔ اتنے سالوں سے اس کی صورت نہیں دیکھی۔ کتنی بڑی قیامت گزر رہی
ہے۔ آپ کیا جانیں۔)
''جنت بی بی! وہ باتیں مت کیا کرو جنہیں پورا کرنا میرے بس میں نہ ہو۔ اعیان ہے
ہمارے پاس۔ سمجھو ہمارا ایک ہی بیٹا ہے۔'' چوہدری صاحب سنگدلی سے بولے تھے اور اس
لمحے جنت بی بی کے دل پر ایک قیامت گزر گئی تھی۔ انہوں نے ہول کر چوہدری صاحب کی
طرف دیکھا تھا۔
''چوہدری صاحب! خدا دا خوف کھاؤ۔ خدانخواستہ...... رب حیاتی دے میرے وڈے پتر
کو۔ میری عمر بھی لگا دے۔ رشتہ تسیں ختم کیتا ہوئے گا...... اس ماں نے نئیں۔ رہندی
تک میرے دو پتر ہی رہن گے۔ رشتے تے مرن نال وی نئیں مکدے۔ فیر تساں جیوندے
کس طراں مکا دتے؟''

''رشتے وہ خود سب ختم کر گیا ہے جنت بی بی! اسے ایک غیر لڑکی عزیز تھی۔ ماں باپ،
بہن بھائی نہیں۔ تم بھی بھول جاؤ اسے۔ یہی مناسب ہے۔'' چوہدری صاحب نے دل پر
واقعی پتھر رکھ لیا تھا۔ مگر جنت بی بی رونے لگی تھیں۔
''دعا ایہہ منگو، میں ای مر جاواں۔ تہاڈا دل تے پتھر اے۔ مینوں وی زہر لیا دو...... نہ
میں ہوواں گی، نہ اس پتر دا ذکر کراں گی۔''
(دعا یہ مانگیں، میں ہی مر جاؤں۔ آپ کا دل تو پتھر ہے۔ مجھے بھی زہر لا دیں۔ نہ میں
ہوں گی، نہ اس بیٹے کا ذکر کروں گی)
اور تب جنت بی بی کی طرف دیکھتے ہوئے وہ سر نفی میں ہلانے لگے تھے۔
''جنت بی بی! بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ تم کیا سمجھتی ہو، مجھے اس ناہنجار سے محبت نہیں یا
میرا دل اس کے لئے نہیں تڑپتا۔ مگر سارے رشتے وہ خود ختم کر گیا ہے۔ پھر آج کس ناتے
سے ہم اسے اطلاع دیں اس کی بہن کی شادی کی؟''
''اوہ بچہ اے چوہدری صاحب! کل کلاں نوں اعیان وی تے کوئی غلطی کر سکدا اے۔
تسیں اونوں وی بے دخل کر دیو گے؟ گھر مہماناں نال بھریا ہویا اے۔ لوکی وڈے پتر دے
متعلق پچھدے پئے نیں۔ مینوں وی دسو، میں کنوں کنوں لارا لاواں، کنوں کنوں سمجھاواں،
کنوں کنوں دساں کہ وڈے پتر نوں بے دخل کر کے ہر تعلق ختم کر لیا اے اسیں۔ اوہ نہ تے
بہن دی سگائی تے آئے گا۔ نہ ہی ویاہ تے بہن نوں اٹھا کے اپنے ہتھیں ڈولی پائے گا۔''
(وہ بچہ ہے چوہدری صاحب! کل کو اعیان بھی تو کوئی غلطی کر سکتا ہے۔ کیا آپ اسے
بھی بے دخل کر دیں گے؟ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا ہے۔ لوگ بڑے بیٹے کے متعلق پوچھ
رہے ہیں۔ مجھے بتائیں، میں کس کس کو سمجھاؤں، کس کس کو بتاؤں کہ ہم نے بڑے بیٹے کو
بے دخل کر کے اس سے ہر تعلق ختم کر لیا ہے وہ نہ تو بہن کی منگنی پر آئے گا، نہ ہی شادی پر
اپنے ہاتھوں سے بہن کو ڈولی میں بٹھائے گا) چوہدرانی صاحبہ نے رونے کے دوران کہا تو
چوہدری صاحب بے بسی سے بیگم کو دیکھنے لگے۔
''جنت بی بی! کیا چاہتی ہو تم؟ کیا کروں میں...... اس کے پاس جاؤں، ہاتھ پاؤں
پکڑوں اس کے کہ بہن کی شادی میں اس کی ڈولی کو کندھا دینے کے لئے آ جاؤ...... تمہاری
ماں تمہارے لئے رو رو کر پاگل ہو رہی ہے۔ ہم نے جو کچھ کیا، وہ ہماری غلطی سمجھ کر معاف
کر دو۔ جو تم نے کیا وہی بہتر تھا۔ ہمیں خاندان بھر کے سامنے ذلیل و خوار کر دیا۔ وہ چوہدری
جس کی بات سے کبھی کوئی انحراف نہیں کر سکا تھا، جس کے قول و فعل کے لوگ معترف تھے،

اسے ایک نا اہل بیٹے کے اقدام کے باعث جھوٹا ہونا پڑا۔ زمانے کے سامنے نگاہیں جھکانا پڑیں۔ سب کے فیصلے کرنے والا شخص، حکم کے اشارے پر تعمیل دیکھنے والا شخص فقط اپنے بیٹے سے ہار گیا۔ خاندان کے لوگوں کے سامنے کس قدر پشیمانی اٹھانا پڑتی ہمیں۔ کیا یہ سب تم فراموش کر چکی ہو...... وہ بیٹا جسے تعلیم و تربیت کے لئے باہر بھیجا، خود سے دور کیا کہ وہ ہماری عزت بڑھائے گا، مرتبہ بڑھائے گا، وہی نام مٹی میں رول گیا۔ کیا بگڑ جاتا اگر وہ ہمارے کہے کا مان رکھتے ہوئے ہماری پسند کی ہوئی لڑکی سے بیاہ کر لیتا...... وہ جس کے لئے ہم نے اتنا کچھ کیا، وہ فقط ہمارا مان بھی نہ رکھ سکا۔'' چوہدری صاحب بولتے بولتے تھک گئے تو اٹھ کر کمرے سے نکل گئے۔

اور تب چوہدرانی صاحبہ نے آنکھیں پونچھتے ہوئے دیکھا تو وہاں دروازے کے بیچوں بیچ اعیان کو کھڑے دیکھ کر چہرے کا رخ پھیر لیا۔ اور تب اعیان دہلیز چھوڑ کر اندر بڑھ آیا۔ پھر بہت آہستہ سے گھٹنوں کے بل جھک کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا اور بہت آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر ان کی آنکھیں پونچھنے لگا۔ جنت بی بی چھوٹے بیٹے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

''آپ رویا مت کریں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' بہت دھیمے مگر مضبوط لب و لہجے میں وہ گویا ہوا تو جنت بی بی تڑپ کر دیکھنے لگیں۔

''میرے پتر! اِک ماں دا کلیجہ اے۔ نہ کوئی اس دا درد جان سکدا اے، نہ سمجھ سکدا اے۔'' (میرے بیٹے! ایک ماں کا کلیجہ ہے۔ نہ کوئی اس کا درد جان سکتا ہے، نہ سمجھ سکتا ہے) ان کے آنسو پھر پھسل کر رخساروں پر آ گئے۔

''ہوں ہوں...... آپ روئیں نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ۔'' وہ بلند حوصلے سے بولا تو جنت بی بی اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

''اپنے پیو کو کجھ کیوں نئیں سمجھاندا توں۔ تیری تے بتھیری من دے نے او۔'' (اپنے باپ کو تم کیوں نہیں کچھ سمجھاتے۔ تمہاری تو بہت مانتے ہیں وہ)

''ہوں۔'' وہ سر اثبات میں ہلانے لگا تھا۔ ''مگر آپ آئندہ روئیں گی نہیں۔'' اعیان نے جواب میں ایک کڑی شرط رکھ دی تھی۔

✿......✿

اس وقت تو یوں لگتا ہے اب کچھ بھی نہیں ہے
مہتاب نہ سورج، نہ اندھیرا نہ سویرا
آنکھوں کے دریچوں پہ کسی حسن کا چلمن

اور دل کی پناہوں میں کسی درد کا ڈیرا
ممکن ہے کوئی وہم ہو، ممکن ہے، سنا ہو
گلیوں میں کسی چاپ کا اِک آخری پھیرا
شاخوں میں خیالوں کے گھنے پیڑ کی شاید
اب آ کے کرے گا نہ کوئی خواب بسیرا
اِک بیر، نہ اِک مہر، نہ اِک ربط نہ رشتہ
تیرا کوئی اپنا، نہ پرایا کوئی میرا
مانا کہ یہ سنسان گھڑی سخت کڑی ہے
لیکن مرے دل یہ تو فقط ایک گھڑی ہے
ہمت کرو، جینے کو تو اِک عمر پڑی ہے

اسے ڈھونڈتا ہوا وہ کمرے تک آیا تھا اور پھر اسے بیڈ کے بالکل سامنے دیوار کے ساتھ ...دیکھ کر وہ لمحہ بھر کو دروازے کے بیچوں بیچ رک کر اسے خاموشی سے دیکھتا رہا تھا، پھر آہستہ ...چلتا ہوا آگے بڑھ آیا تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کی جانب بالکل بھی متوجہ نہ تھی۔ ...نے اس کے قریب رکتے ہوئے ایک گہرا سانس خارج کیا تھا۔ پھر بہت تھکے ہوئے ...از میں اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ اور تب مژگان بہت چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''آپ......'' کچھ کہنے کے لئے اس نے لب کھولے تھے۔ پھر دوسرے ہی پل جیسے ...اں نے زبان کا ساتھ نہ دیا تھا اور وہ کچھ کہے بغیر چپ ہو گئی تھی۔ تب آنکھوں میں ایک ...کا بہت سا پانی آن جمع ہوا تھا اور وہ جو تھوڑی دیر قبل عزم و ہمت کا قصد کئے بیٹھی تھی ...جیسے سر جھکائے یکسر مختلف کیفیت سے دوچار تھی۔

اس لمحے رہبان عالم شاہ بھی خاموشی سے اس کی جانب دیکھ کر رہ گیا تھا۔ اور تب وہ ...سا پر آویزاں بجل عباس نقوی کی مختلف تصاویر کی جانب ہاتھ سے اشارہ کرتی ہوئی اس جانب دیکھنے لگی تھی۔

''یہ......؟''

اور اس لمحے رہبان عالم شاہ نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے جیسے اپنا جرم قبول ...تھا۔

''ہوں...... شی اِز مائی لو۔'' لہجہ بہت دھیما تھا۔

...دنیا کا کوئی شوہر اتنی ہمت شاید نہ رکھتا ہو کہ وہ اپنی بیوی اور بالخصوص نئی نویلی دلہن کے

سامنے اپنی کسی محبوبہ کو برملا قبول کرے۔

مژگان کی پلکوں سے پانی کے شفاف قطرے ٹوٹتے تھے اور پھر بے قدر ہو کر بہہ
تھے۔ رہبان عالم شاہ اس وقت کچھ نہ کہہ سکا تھا۔

"آپ نے تب انکار کیوں نہ کر دیا......؟" وہ بولی۔ پھر جیسے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہو
آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ جیسے تمام تر قصور اس کا ہو۔ اس نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے اسے
کے لئے پکارا تھا اور وہ بے دریغ چلا آیا تھا۔ اس لمحے نہ تو اس کی ذاتی زندگی کے متعلق
تھا، نہ دریافت کیا تھا۔ اور اب جیسے وہ زمین میں گڑی جا رہی تھی۔ وہ جواب اسے کہہ
تھی کہ "آپ نے انکار کیوں نہ کر دیا؟" تو اب جب سوچا تھا تو غلطی پر وہ خود ہی نظر
تھی۔ اس نے کب اسے اس بات کی مہلت دی تھی۔ اور......

مژگان کے پاس جیسے فقط پچھتاوے کے اور کچھ نہ تھا۔

"جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا...... اب تو موجودہ صورتحال کو فیس کرنا ہے۔ رونے سے کچھ
گا۔" رہبان عالم شاہ نے پورے اطمینان سے کہا تو وہ سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"آپ نے اسے آگاہ کیا ہے؟" اس نے سجل عباس نقوی کی طرف اشارہ کرتے ہو
دریافت کیا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"کیوں؟" بھیگی بھیگی پلکوں سے مزید تفتیش ہوئی۔ تب اس کی جانب دیکھتے ہو
جانے وہ کیوں مسکرا دیا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ سارے مسائل رونے سے حل
ہوتے۔" وہ کہہ کر اٹھنے والا تھا...... جب مژگان نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا ا
گھڑی وہ بے حد چونک کر دیکھنے لگا تھا۔

"آئی ایم سوری...... میں نے آپ کی لائف کو ڈسٹرب کر دیا۔ مجھے قطعاً کوئی
تھا...... مجھے......" وہ بول رہی تھی۔ تبھی رہبان عالم شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اب تو سب کچھ ہو چکا۔"

"ہاں۔ مگر......" وہ کچھ بولتے بولتے رک گئی۔ نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تو
کی جانب متوجہ تھا۔ لمحہ بھر کو نظریں ملی تھیں اور وہ مغربی ماحول کی پروردہ لڑکی اس لمحہ
نظریں جھکانے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"آپ کو اسے انفارم کر دینا چاہئے...... آپ کہیں تو میں......"

"اوں ہوں......" وہ نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔ اور اس لمحے مژگان پھر سے ان

ی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"ٹی از رئیلی پریٹی...... وٹس ہر نیم؟"

"سجل عباس نقوی۔" وہ جانے کیوں ہولے سے مسکرا دیا تھا۔ مژگان کے چہرے پر اس
لمحے افسوس اور خجالت بے حد واضح تھی۔ چہرے پر اس لمحے ایک سرخی سی اتری ہوئی تھی اور
رہبان عالم شاہ کو اس معصوم سی لڑکی سے جانے کیوں بے حد ہمدردی محسوس ہوئی تھی۔ اس
نے ہاتھ بہت ہولے سے اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

"ڈونٹ وری...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ تبھی
جیسے وہ کچھ یاد آتے ہی بولا تھا۔

"آج آپ کے پاپا نے فون کیا تھا۔" اور مژگان یک دم ہی چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

"جی......" اور تب وہ ہولے سے سر اثبات میں ہلانے لگا تھا۔

"وہ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"مگر میں ان سے ملنا نہیں چاہتی۔"

"ایسی بچگانہ باتیں مت کرو۔ ہو سکتا ہے انہوں نے تم سے کوئی بہت اہم میٹر ڈسکس کرنا
ہو۔ غالباً انہوں نے تمہیں فون کرنے کی بھی کوشش کی تھی مگر......"

"میں ان سے سارے رابطے توڑ چکی ہوں۔"

"رابطے توڑنے سے رشتے ختم نہیں ہوتے۔" رہبان عالم شاہ نے جتاتے ہوئے کہا تو
گان اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"آپ کا کیا خیال ہے، اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی مجھے ان سے ملنا چاہئے؟"

"غالباً جو کچھ بھی ہوا ہے، اس میں ان کا قطعی کوئی قصور نہیں ہے۔ بلکہ اگر تم نے ساری
رتحال کے متعلق انہیں انفارم کر دیا ہوتا تو شاید تمہیں اتنی پریشانی اٹھانا نہ پڑتی۔ بہرحال
آپ لوگوں کے ذاتی معاملات میں مداخلت کرنا نہیں چاہتا۔" وہ بولا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔
اور تب مژگان اس لمبے چوڑے شخص کی پشت کو دیکھ کر رہ گئی۔

✿......✿

سم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ جانے کہاں کہاں چوٹیں آئی تھیں، وہ کچھ نہ جانتی تھی۔ مگر پورا
م پھوڑا ہو رہا تھا اور دکھ رہا تھا۔

کبھی کبھی بہت سی چوٹیں نظر نہیں آتی ہیں۔ اور کسی طور ان کی شدت کا اندازہ بھی نہیں ہو
ا۔ مگر ایسے تمام درد محسوس بہت شدت سے ہوتے ہیں۔ بے بے اسے کتنی دیر تک آوازیں

دیتی رہی تھیں مگر اس کے اندر سکت ہی نہ تھی کہ پلٹ کر جواب دے یا اٹھے۔

اور تب بے بے حویلی کے لئے نکل گئی تھی۔

وہ ان کے جانے کے بعد کتنی ہی دیر تک بستر پر پڑی رہی تھی۔

پھر آخر کار ہمت کر کے اٹھ بیٹھی تھی۔ پھر اسی حالت میں گھر کے تمام کام سرانجام د
لگی۔ تبھی نگو اور چھینو آ گئیں۔

"ہا...... ہائے۔ ابھی تک کم نہیں کیا تو نے......؟" چھینو نے دیکھتے ہی کہا۔

"کر رہی ہوں......" وہ نقاہت سے بولی۔

"طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی۔ کتنے دنوں سے ملنے کو بھی نہیں نکلی۔" نگو نے فکر
سے پوچھا تو وہ سر ہلانے لگی۔

"ہاں...... بس اسی لئے......"

"یہ تجھے ہوتا کیا جا رہا ہے؟" چھینو نے پوچھا تو وہ یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی۔

"کچھ نہیں...... کچھ نہیں......!"

"ہوا کیا ہے؟" نگو نے ایک بار پھر پوچھا۔

"وہ...... میں حویلی میں گر گئی تھی۔" سیو بولی تو وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

"لو، تم اتنی وڈی ہو کر بھی گرتی پڑتی ہو۔" چھینو نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ گھورنے لگی۔

"پیر کسی کا بھی پھسل سکتا ہے۔ اور گرنے کے لئے ضروری نہیں کہ انسان بچہ ہی ہو۔"
مدبرانہ انداز میں بولی۔

"ہاں۔ بندہ بڑی عمر میں بھی گر سکتا ہے۔" نگو نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو اس کے
پر وہ اس وقت مسکرا دی۔

"یہ آج کل تو گر بہت رہی ہے۔" چھینو نے یک دم کہا تو وہ سبزی کاٹتے ہوئے لمحہ بھر
رک گئی۔

"ہاں۔ پتہ نہیں کیوں۔" لمحہ بھر کو نظروں کے سامنے ایک سراپا آ کر گزر گیا۔ تبھی وہ
جھٹکتے ہوئے پوچھنے لگی۔ "زیبو نہیں آئی۔ اور یہ شاجی کا کیا حال ہے؟ شادی کے بعد واپس
پلٹی یا نہیں؟"

"ہاں، آئی تھی۔ مگر بڑی جلدی میں تھی۔ ہم سے ملی نہیں۔"

"اچھا...... وہ تم لوگوں سے بھی نہیں ملی؟ میں سمجھی صرف مجھ سے ہی ملنے وہ نہیں آئی۔"
سیو حیرت سے بولی تو وہ دونوں ہنس پڑیں۔

"ہائے! کدھر یاد رہتی ہیں سہیلیاں جب دل کہیں اور لگ جائے۔" نگو مسکراتی ہوئی بولی
تو وہ لمحہ بھر کو چور سی بن گئی۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔ سیو بہت آہستہ سے اٹھی اور چلتی
ہوئی دروازے تک گئی۔

"کون......؟" دستک کے باوجود اس نے پوچھنا مناسب سمجھا۔

"جی میں...... نبی بخش...... حویلی سے آیا ہوں۔ کائنات بی بی نے آپ کو بلوایا ہے۔"
تبھی اس کا دل ایک دم ہی زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"جی...... وہ...... میری طبیعت ٹھیک نہیں۔" وہ اتنی مدھم آواز میں بولی تھی کہ خود اپنے
کانوں تک بھی اس کی آواز نہیں آئی تھی، حویلی کے ملازم نے تو کیا ہی سنی ہو گی۔ تبھی تو شاید
اس نے دوبارہ دستک دی تھی اور تب جانے کیوں وہ سر اثبات میں ہلاتے ہوئے بولی تھی۔

"اچھا...... اچھا...... میں آتی ہوں۔" وہ پلٹ کر نگو اور چھینو کی جانب بڑھی تھی۔

"حویلی سے کائنات بی بی نے بلایا ہے۔" وہ کہہ کر تالا دروازے کے اوپر لگے کیل پر
سے اتارنے لگی۔

"خیر تے ہے؟" نگو نے پوچھا تو وہ سر نفی میں ہلانے لگی۔ تبھی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چل نی اڑیے! ہم بھی چلیں۔" نگو بولی۔ سیو اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"کل آؤں گی میں تمہاری طرف...... پھر کنوئیں پر بھی چلیں گے۔"

"اچھا...... اچھا...... تیرے لارے۔" چھینو کو جیسے یقین نہ آیا۔ وہ مسکرا دی اور پھر چادر
لینے لگی۔

"ہاں کل آؤں گی۔" پھر سبزی وغیرہ ڈھانپنے کے بعد وہ تالا لگا کر نبی بخش کے ساتھ
حویلی کے لئے نکل آئی۔

ایک تو وہ جتنا اس طرف سے بچنے کی کوشش کرتی تھی، اتنا ہی اس کا رابطہ ان راستوں
سے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ کتنی بار اس نے اپنے دھڑکتے دل کو باز رکھنے کی کوشش کی تھی مگر وہ
الجھا ہوا جا رہا تھا۔

حویلی میں قدم رکھتے ہی وہ فوراً کائنات بی بی کے کمرے تک پہنچی تھی۔

"ارے آ گئیں سویرا تم...... بھئی بہت انتظار کرواتی ہو۔ میں تو پیغام بھیج بھیج کر تھک جاتی
ہوں۔" کائنات بی بی نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا تو وہ سر یکدم نفی میں ہلانے لگی۔

"نہیں...... بی بی جی! ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"اچھا، یہ سامنے والی الماری کا دروازہ کھولو۔ میں نے تمہارے لئے کچھ کپڑے نکال کر

رکھے ہیں، وہ لے لو۔'' کائنات نے کہا۔

''کوئی کم تھا بی بی جی؟'' وہ الماری کی جانب بڑھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''ضرور کوئی کام ہی ہوگا تو میں تمہیں بلواؤں گی۔ کیا میں تمہیں ویسے نہیں بلا
کائنات نے مسکرا کر دیکھا تو وہ سر نفی میں ہلانے لگی۔

''نہیں، میرا مطلب یہ نہیں تھا۔''

''اچھا......'' وہ ہنس دی۔ پھر بولی۔ ''وہ دراصل امی کو ابھی سے شادی کے کپڑوں
فکر لگ گئی ہے۔ شاید وہ ٹانکنے تھے۔ انہی کے کہنے پر میں نے تمہیں بلوا لیا۔ ایک
والدہ محترمہ کا بھی جواب نہیں۔ خطرہ سومیل پر ہو مگر فکر انہیں پہلے سے ہی لگ جاتی
کیوٹکس ناخن پر لگاتی ہوئی مسکرائی تو تبھی سیو بھی مسکرا دی۔

''ملا تھیلا؟...... اوپر ہی تو رکھا ہے۔''

''جی......'' وہ تھیلا نکال کر واپس پلٹی۔

''مل گیا؟'' کائنات نے توجہ کیوٹکس پر مرکوز رکھتے ہوئے دریافت کیا۔

''جی......'' وہ تھیلا لئے اس کے قریب آ رکی۔

''بھئی دیکھ لو نا۔'' کائنات نے سر اٹھا کر ایک نظر اس پر ڈالی۔

''نہیں...... اچھے ہی ہوں گے۔'' وہ بھولپن سے بولی تو کائنات اس کی طرف دیکھ
مسکرا دی۔

''تم بہت اچھی ہو سویرا! اور معصوم بھی۔ مجھے تم بہت اچھی لگتی ہو۔''

''وہ تو جی آپ بھی بہت اچھی ہیں۔'' وہ جواباً بولی تو کائنات بی بی اس کی ہونق
دیکھ کر مسکرا دیں۔

''کچھ کپڑے بغیر سلے بھی ہیں۔ تم سلوا کر میری منگنی اور شادی کی رسموں میں
اس نے باقاعدہ تاکید کی۔ سیو سر ہلانے لگی۔

پھر جب وڈی چوہدرائن سے ملنے کے لئے ان کے کمرے میں جا رہی تھی، تو
بے بے راستے میں مل گئیں۔

''سیو! آ گئی تو؟''

''جی بے بے۔''

''اچھا، تجھے وڈی چوہدرائن بلا رہی تھیں۔ مگر اس سے پہلے چائے کی ٹرے چھو
کو دے آ۔'' بے بے کو شاید بہت جلدی تھی۔ تبھی وہ بہت تیزی میں ٹرے اٹھا

گئی تھیں اور تب وہ وہیں کھڑی بہت غائب دماغی کے ساتھ ٹرے کو دیکھتی رہ گئی تھی۔
ہوئی ے دل نے حسبِ عادت ہی سینے کے اندر ہلچل سی مچا دی تھی۔ بہت اور بے تحاشا
دل کے ساتھ اس نے بہت ہولے سے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔ کمرے میں
کوئی نہ تھا۔ وہ مکمل طور پر اطمینان کرتی ہوئی گہرا سانس خارج کرتی ہوئی اندر داخل
ی۔ پھر اسی تیزی سے ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھتی ہوئی وہ واپس پلٹی تھی۔ مگر اسی گھڑی
ے اعیان کو اندر داخل ہوتا دیکھ کر جیسے اس کی جان ہوا ہو گئی تھی۔ لمحہ بھر کو نظریں
تھیں اور جیسے سیو کی دل کی دنیا میں بھونچال آ گیا تھا۔ کانپتے وجود کو لئے وہ خوفزدہ
کی مانند چلتی ہوئی اس کے قریب سے نکلنے کے لئے آگے بڑھی تھی۔

''لڑکی......'' اس کے بالکل قریب سے نکل کر وہ ایک قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ چھوٹے
کی رعب دار بھاری آواز نے اس کے قدم باندھ دیئے اور اسی لمحے وہ کانپتے وجود کے
بمشکل پلٹ کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''ج...... جی......'' جھکی نظروں اور کانپتی پلکوں کے ساتھ وہ بولی تھی۔

''منشی صاحب کو یہاں بھیج دو۔'' وہ کہہ کر بیڈ کی جانب بڑھ گیا تھا اور تب وہ تیزی سے
نکل گئی تھی۔

✿......✿
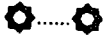
اس وقت وہ کچن میں تھی جب دروازے پر بیل ہوئی تھی۔ وہ جانتی تھی اس وقت
ازے پر کون ہوگا۔ تبھی وہ دروازہ کھول کر تیزی سے واپس پلٹی تھی کہ چاول دم پر تھے۔

''مژگان......''

تیزی سے چلتی ہوئی یکلخت ہی رک گئی تھی اور پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔ اس کا ارادہ یہی
کا تھا کہ رہبان! چاول دم پر ہیں۔ مگر جیسے اس کی آواز گلے میں ہی رہ گئی تھی اور نظر
رہبان عالم شاہ کی پشت پر کھڑے سیّد رئیس نواز سومرو کو دیکھ کر اس کی پلکیں ایک
نقطے پر جم گئی تھیں۔

سیّد رئیس نواز سومرو نے اسے بہت پدرانہ شفقت سے دیکھتے ہوئے پکارا تھا۔

''مژگان...... میرے بچے!''

اور وہ جو لاکھ شکوے گلے دل میں دبائے بیٹھی تھی، سارے رشتے توڑے بیٹھی تھی، اس
نے ایک دم ہی سارے شکوے گلے بھلا کر چلتی ہوئی ان کے سینے سے جا لگی تھی اور جیسے ضبط
سارے بندھن اس گھڑی ٹوٹتے چلے گئے تھے۔

رہبان عالم شاہ نے باپ بیٹی کے ملاپ کو دیکھا تھا۔ پھر دروازہ کھول کر باہر نکل
یقیناً وہ ان کو موقع دینا چاہتا تھا، کھل کر بات کرنے کا۔

مژگان نواز سومرو کتنی ہی دیر تک ان کے سینے پر سر دھرے اپنا درد بہاتی رہی
سومرو صاحب اسے کچھ کہے بغیر چپ چاپ اس کے سر کو ہولے ہولے تھپکتے رہے تھے
پھر بہت دیر گزرنے کے بعد جب وہ سنبھلی تو سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھنے لگی تھی

"پاپا! آپ نے مجھے تنہا کیوں چھوڑ دیا؟" بہت بڑا شکوہ تھا یہ۔ رئیس نواز سو
ایک نظر پُرشفقت انداز میں دیکھا تھا، پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اپ
لگا لیا تھا۔

"میرے بچے...... تم تنہا نہیں ہو...... میں ہوں نا۔"

"پاپا! آج تک آپ نے مجھے اپنی محبت سے کیوں محروم رکھا؟"

آج سارے شکوے اس نے ایک ساتھ کر دیئے تھے۔ وہ تمام سوال جو سدا اس
ذہن میں پلتے رہے تھے اور جن کے متعلق کبھی وہ چاہتے ہوئے بھی نہ کہہ پائی تھی، بہ
خواہش کے باوجود بھی دریافت نہ کر سکی تھی، ان سب باتوں کی باز پرس وہ آج کر رہ
اور اس وقت...... رئیس نواز سومرو کی پلکیں بے ساختہ ہی بھیگنے لگی تھیں۔

"میرے بچے، مجھے معاف کر دو۔ بہت زیادہ کوتاہیاں میری جانب سے ہوئیں۔
مزید شکایت کا موقع آپ کو نہیں دوں گا۔ علی نواز سومرو نے جو بھی کیا، وہ میرے علم
رہا۔ مجھے بھی اپنی کوتاہی کا اعتراف ہے۔ آپ کے بتانے سے قبل یہ بات میری
میں ہونا چاہئے تھی۔ مگر میں کچھ عرصے کے لئے باہر رہا اور علی نواز کو یہ سب کرنے کا
گیا۔ مگر اب اور نہیں...... میں ہوں یہاں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا اب۔ میں نے
بات کر لی ہے۔ اپنی زندگی میں ہی میں تمہارا حصہ تمہارے نام کر رہا ہوں۔ تمام کاغذ
ہو چکے ہیں۔ اب میرے بچے کو مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو گی۔ سارے ازالے کر
انہوں نے محبت سے اس کے سر پر اپنے لب رکھے۔

"آئی لو یو پاپا...... آپ اب مجھ سے دور مت جایئے گا۔"

"آئی لو یو مائی کڈ...... پاپا کی جان ہیں آپ۔" انہوں نے محبت سے کہا۔ پھر

"آپ سے شکایت ہے بچے۔ آپ نے اپنے پاپا کو اتنا سب ہونے کے باوجود
کیوں نہیں کیا۔ کتنی بدگمانی تھی ہماری طرف سے۔ اب بھی زینب اماں آگاہ نہ کرتیں تو
تم ہمیں قطعی خبر نہ ہوتی۔"

"پاپا! میری سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ میں بہت تنہا تھی۔"
وہ اسی قدر کہہ سکی تھی۔ اور تب پاپا اس کے سر کو ہولے ہولے تھپکنے لگے تھے۔

✿......✿

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کہاں ہوتے ہو آج کل؟" سجل اس کے آفس میں کھڑی اس
دریافت کر رہی تھی۔ "گھر فون کرو تو فرمایا جاتا ہے کہ میں خود آؤں گا ملنے۔ آفس فون
تو جواب ملتا ہے کہ بزی ہوں۔ رہبان عالم شاہ! میں تو ہار گئی تم سے محبت کر کے۔" سجل
نقوی برہم لہجے میں بولی تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"سجل! تم بیٹھ تو جاؤ۔"

"کیا بیٹھوں...... تمہارے پاس وقت کہاں بچا ہے میرے لئے...... مشین بن چکے ہو تم۔
مر رہے ہیں تمہارے اندر سے...... میری محبت مر رہی ہے۔"

"سجل...... نہ جذبے مرے ہیں نہ محبت۔ میرا سب کچھ تمہارا ہے۔" وہ سلجھے
لہجے میں بولا تھا۔

"نہیں چاہئے مجھے اتنا بہت زیادہ...... تم ہو نا...... محبت ہے...... کافی ہے یہ سب میرے
اور کتنا اکٹھا کرو گے تم میرے لئے۔ مجھے بہت زیادہ درکار نہیں۔ فقط تم میری ضرورت
آئی وانٹ یو رہبان عالم شاہ۔ پچھلے تین سال سے یہ تمام اسٹرگل تم میرے لئے ہی کر
ہو۔ آئی نو۔ دو اور دو چار کرنے کے چکر میں تم مجھے کم از کم فراموش کرتے جا رہے ہو۔
جیتنا چاہتے ہو تو جذبوں سے جیتو...... محبت سے جیتو...... خلوص سے جیتو...... پیار سے
روپوں سے نہیں۔" وہ جذباتی انداز میں بولتی چلی گئی۔

"سجل...... سجل...... پلیز بیٹھ جاؤ۔"

مگر وہ کھڑی رہی۔

"پلیز سجل! سمجھنے کی کوشش کرو۔ سب ویسا کا ویسا ہے۔ میں ویسا ہوں۔ تم ویسی ہو۔ بس
تمہیں وقت نہیں دے پایا ہوں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ میں بدل رہا ہوں۔"
نے دھیمے لہجے میں اسے مطمئن کرنا چاہا۔

"کیسے مان لوں میں یہ...... کتنے روز سے تم مجھے نظر انداز کر رہے ہو۔ اس سے قبل ایسا
ہوا ہے کہ میں تمہیں یاد نہ رہی ہوں۔" اس نے بھیگی پلکوں سے ایک محبت بھرا شکوہ کیا
تب رہبان عالم شاہ کے چہرے پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔
ت کی طبیعت میں شک فطری طور پر موجود ہوتا ہے۔ چاہے وہ بیوی ہو، چاہے فقط

محبوب...... اپنے چاہنے والے کی بے اعتنائی اس سے قطعی برداشت نہیں ہوتی، کوئی اس
پل بھر کے لئے بھی غافل ہو۔ وہ یہ قطعی نہیں چاہتی، کوئی اس کی محبت کا جواب بے اعتنائی
سے دے۔
تبھی تو اس لمحے سجل عباس نقوی بھی کہہ رہی تھی۔
''رہبان عالم شاہ! تم نے اگر کچھ کیا تو میں اپنی اور تمہاری جان ایک کر دوں گی۔''
دھمکی پر اتر آئی تھی اور اس لمحے رہبان عالم شاہ مسکرا دیا تھا۔
''اچھی طرح جانتا ہوں۔'' اس کی نظریں سجل عباس نقوی پر جا ٹکی تھیں اور اس لمحے
دم ہی وہ کنفیوژ ہو کر نظریں جھکا گئی تھی۔ اور تب رہبان عالم شاہ کا قہقہہ بہت فطری اور بے
ساختہ تھا۔
''تم مجھے باتوں سے نہیں بہلا سکتے۔ بہت ہو چکا۔ فانٹ ڈیڈی سے ملنے کی کرو۔''
''ابھی چلوں؟'' وہ محظوظ ہو کر مسکرایا۔
''رہبان عالم شاہ......''
''جی......'' وہ سعادت مندی سے گویا ہوا تھا۔
''ہاں، ایسے ہی تو سعادت مند ہو نا تم۔'' سجل نے گھورا۔
''ہوں تو...... مگر مکمل طور پر سعادت مند...... وفادار۔'' وہ سینے پر ہاتھ باندھتا ہوا مسکرایا
''اب مسکرا مسکرا کر بور مت کرو۔ جانتی ہوں، کتنا خیال ہے میرا۔''
''بخدا سجل عباس نقوی...... شکی عورتوں کی طرح مت سوچو، کوئی تمہیں اس طرح بولتے
لے تو کون کہے گا کہ تم ہاورڈ کی ڈگری یافتہ لڑکی ہو۔'' رہبان عالم شاہ نے اسے ایک
کا طعنہ دیا۔
''امریکن ڈگریاں کہتی ہیں کہ ایک ٹریک سے ہٹنے والے شخص کو ٹریک پر واپس
لاؤ؟'' وہ اس کی جانب بے اعتباری سے دیکھتے ہوئے بولی۔
''بخدا سجل! بلیو می۔ میں ٹریک پر ہی ہوں۔'' اس نے یقین دلایا۔ پھر اٹھ کر
''میرا خیال ہے باقی باتیں باہر جا کر کریں گے۔''
''حیرت ہے۔ وقت ہے آپ کے پاس؟'' سجل پھر طنز سے باز نہ آئی اور تب وہ
سے اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔
''مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنا ہے سجل۔ بہت کچھ کہنا ہے۔''
''کچھ مت کہنا...... جو کچھ کہنا ہے اب تم ڈیڈی سے کہنا۔ اور ڈیڈی تم سے کہیں

رہبان عالم شاہ! اب میں اس تمام روٹین سے تھک چکی ہوں۔'' وہ بولی تو رہبان عالم
ب جواب میں کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

✿......✿

یونیورسٹی سے لوٹی تو گھر میں شعاع کے سسرال والے موجود تھے۔ وہ شعاع کی ہیلپ
لئے اس کے ساتھ کچن میں مصروف ہو گئی۔ پھر جب وہ لوگ گئے تو وہ کچن کو سمیٹنے لگی۔
صفائی کرنے لگی اور اس نے برتن لے لئے۔ پھر جب ان تمام کاموں سے فارغ ہو کر
ہر نکلی تو خاصی تھک چکی تھی۔
مسٹرز سر پر تھے اور اس کی تیاری تقریباً نہ ہونے کے برابر تھی۔ صبح اگرچہ چھٹی تھی مگر وہ
ی فائل اور ضروری نوٹس اور کتابیں لے کر سٹنگ روم میں ہی بیٹھ گئی اس خیال سے کہ
ع اور رانیہ ڈسٹرب نہ ہوں۔ رانیہ کافی دیر تک اس کے پاس بیٹھی رہی۔
''ادعیہ! سو جاؤ۔ تم تھک گئی ہو گی۔'' رانیہ اس کے خیال سے بولی تو وہ مسکرا دی۔
''تھک تو میں گئی ہوں۔ مگر مجبوری ہے۔''
''مجبوری کیسی......؟ سو جایئے۔ صبح جلدی اٹھ جایئے گا۔'' رانیہ بولی تو وہ مسکرا دی۔
''مجبوری یہ ہے کہ یہ تمام ریڈنگ میٹریل میرے لئے شہر اجنبی کی مانند ہیں۔''
رانیہ ہنس پڑی۔ ''آپ کی لوجک کا بھی کوئی جواب نہیں ادعیہ!''
''بات لفاظی کی نہیں رانیہ...... مگر واقعی مجبوریاں انسان کو بے بس کر دیتی ہیں۔ وہ کچھ
نے پر مجبور کر دیتی ہیں جو وہ کرنا نہیں چاہتا۔ ان دیکھی بیڑیاں سی قدموں میں ڈال کر
مرضی کی چال چلواتی ہیں۔ ہمارے سارے راستے بند کر کے اپنے منتخب شدہ راستے
ے سامنے رکھ دیتی ہیں۔ یہ مجبوریاں ہی تو ہیں جو ہماری آنکھوں سے ہمارے خواب نوچ
ہیں اور ہماری زندگیوں سے سارے رنگ، دل سے ساری امنگیں اور روح سے تمام
جسم سے جان اور دل سے قرار مجبوریاں سب کچھ لے لیتی ہیں۔ سب کچھ لے کر فقط
ب میں بے قراریاں سونپ جاتی ہیں۔ اور پھر ان بے قراریوں اور اضطرابوں کو لے کر
مجبوریوں کے بیاباں میں بھٹکتے پھرو...... انجانے راستوں پر چلتے جاؤ۔ ڈھونڈو...... بھٹکو اور
تے رہو۔ مگر جیسے پھر سارے منظر اجنبی سے لگتے ہیں۔''
ادعیہ بولتی چلی گئی۔ اور تب رانیہ سر ہلانے لگی۔
''ادعیہ! تم جانتی ہو، تم بہت اچھا بولتی ہو۔ اگر چاہو تو تم ان تمام اچھی باتوں کو لکھ کر ایک
کرکے تم کی کتاب بھی چھپوا سکتی ہو۔'' رانیہ اگرچہ اپنی دانست میں سچ بولی تھی مگر ادعیہ ہنسنے

لگی تھی۔

"اچھا...... کون پڑھے گا مجھے؟ ویسے خواب یہ بھی اچھا ہے۔" اس نے اس کی با
مذاق میں اڑایا تھا۔

"ریئلی ادعیہ! آئی ایم سیریس۔ تم اکثر جب ایسی بڑی بڑی باتیں کرتی ہو تو مجھے ل
ہے کہ تم بہت اچھی فلاسفر بن سکتی ہو۔"

"اوکے...... پیسے آنے دو، پھر تمہاری یہ خواہش بھی پوری کر دیں گے۔" ادعیہ اب
سیریس نہ ہوئی تھی۔ ریڈنگ میٹریل پر نگاہ ڈالنے کے ساتھ ساتھ وہ رانیہ کی جانب بھی
تھی۔ تبھی فون کی بیل ہونے لگی تھی۔ دونوں بہنوں نے اس وقت ایک دوسرے کی ط
دیکھا تھا اور ادعیہ جانتی تھی، رات کے گیارہ بجے کون موصوف ایسی زحمت کر سکتے ہیں۔
رانیہ کی طرف دیکھا تھا۔

"جاؤ، اٹھاؤ...... دیکھو کون ہیں؟" اس کے کہتے ہی رانیہ اٹھ گئی تھی اور چلتی ہوئی
فون اسٹینڈ تک گئی تھی۔

"ہیلو...... ہاں بھائی! کیسے ہیں آپ......؟" رانیہ کی آواز اس کے کانوں میں پڑ
اور وہ اپنے اندازے کے درست ہونے پر ایک نظر اس پر ڈالتی ہوئی ریڈنگ میٹریل پر
گئی تھی۔ رانیہ کی آواز متواتر اس کے کانوں میں پڑتی رہی تھی۔

"ہاں...... سب ٹھیک ہیں۔"

"نہیں نا، سب سو رہے ہیں۔" اس نے "سب" پر بھرپور زور دیا تھا۔ اور پھر
دوسری طرف سے کیا کہا گیا کہ وہ ہنسنے لگی تھی۔

"آپ کو کیسے پتہ...... ارے واہ۔"

"اوکے...... میں بلاتی ہوں۔" وہ ریسیور کریڈل سے نیچے رکھتے ہوئے اس کی ط
مڑی تھی۔ تب وہ جان گئی تھی کہ وہ کس کے متعلق پوچھ رہا ہے۔ تبھی سر اٹھا کر دیکھنے لگی تھ

"آ...... پ...... کو......" رانیہ نے ہاتھ کے اشارے سے کہا تھا اور اس وقت اس نے
میں سر ہلایا تھا۔ اور رانیہ سمجھ گئی تھی۔ تبھی پلٹ کر ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا تھا۔

"جی بھائی...... سب سو چکے ہیں۔"

"جی...... نہیں...... تو...... اوکے...... اللہ حافظ۔ خیال رکھیئے گا اپنا۔" اس
ریسیور رکھتے ہوئے ادعیہ کی جانب دیکھا تھا اور اس لمحے جو وہ غیر ارادی طور پر اسی جا
تک رہی تھی، فوراً ہی ریڈنگ میٹریل پر جھک گئی تھی۔

✿......✿

انسان فارغ ہو تو وقت ایک طویل ترین فاصلے کی مانند ہو جاتا ہے۔ کاٹے نہیں کٹتا۔
نا بھی چلے، لگتا ہے پاؤں وہیں رکے ہوئے ہیں۔ اور بالخصوص جب کرنے کو کچھ نہ ہو،
تو اس کا احساس اور بھی شدت سے ہوتا ہے۔ اس کے پاس بھی یہاں کرنے کو کوئی
اص کام نہ تھا۔

کل دو ہی تو نفوس تھے۔ کام ہو بھی کتنے سکتے تھے۔ وہ یونہی کبھی صفائی کرنے لگتی، کبھی
ان کے کاموں کو دیکھنے لگتی۔ اور کبھی جب ان سب باتوں سے تھک جاتی تو ٹی وی کھول کر
جاتی۔ اور جب ان سب باتوں سے بھی تھک جاتی تو ہار کر سو جاتی۔

اس روز کے بعد سے پاپا بھی پھر نہ آئے تھے۔ فون پر بھی گفتگو کا سلسلہ نہ ہوا تھا۔ شاید
بہت بزی تھے۔ مگر ان کے وکیل ضرور تشریف لائے تھے اور اس سے اہم دستاویزات پر
ن لے کر چلے گئے تھے۔ تب وہ سوچ رہی تھی، پاپا کتنے اچھے ہیں۔ اس نے خواہ مخواہ ان
متعلق غلط قیاس کیا۔ اگر ساری صورتحال پہلے ہی ان کو بتا دی ہوتی تو پھر شاید یہ سب نہ
ا جو اب ہوا۔

کم از کم اس اچھے سے انسان کی شامت تو نہ آتی اس کے ہاتھوں۔ اور رہبان عالم شاہ
خیال آتے ہی وہ مسکرا دی تھی۔ کتنا اچھا اور نائس شخص تھا۔ سنجیدہ...... اس نے
طرح اس کی زندگی کو ڈسٹرب کر دیا تھا۔ اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی اس کے
ب پر کوئی شکوے کی لکیر نہ تھی۔ اس کی آنکھیں اب بھی اتنی ہی شفاف اور ہمدرد تھیں، اتنی
نرم، اتنی ہی مہربان...... سب سے بڑھ کر اس کا لہجہ اور انداز اتنا ہی دھیما اور پرعزم تھا،
کچھ ہو جانے کے بعد بھی۔

وہ ہاتھ لے کر ابھی نکلی تھی۔ خدا کا شکر تھا، دن ڈھل چکا تھا۔ کسی نہ کسی طور گزر گیا تھا۔
نے والی کلاک کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ اور پھر ارادہ کچن میں جانے کا تھا کہ
فون کی بیل بج اٹھی۔ اس کے ذہن میں یہی تھا کہ رہبان عالم شاہ ہوگا۔ وہ یہی سوچتی
فون تک آئی تھی کہ اس سے پوچھ لے گی کہ وہ کھانے میں کیا ڈش بنائے۔

"ہیلو......" اس نے ریسیور اٹھایا تھا۔

"کیا......؟ نہیں......"

اس کی چیخ بے حد واضح تھی۔ اس کے ہاتھ سے ریسیور چھوٹ کر گر چکا تھا......!

✿......✿

اتنی پُر درد کیفیت تھی کہ اندر، باہر ایک طوفان سا برپا تھا، ایک مسلسل کیفیت تھی۔ اور ہر طرف درد ہی درد تھا۔

وہ نہیں جانتی تھی، زندگی کا اتنا لازم جزو فقط دولت ہی ہوسکتی ہے۔ اتنی اہم، اتنی ضروری، اتنی قدر کی حامل کہ اس کے آگے تمام دنیا ہیچ ہوسکتی ہے۔ رشتے ناتے، اپنے پرائے، دوست احباب، بہن بھائی، ماں باپ، سب کتنے بے وقعت ہوکر رہ جاتے ہیں۔

کس قدر اہم شے ہو جاتی ہے دولت؟

اس کے گمان تک میں نہ تھا کہ ایسی قیامت برپا ہو جائے گی۔

کوئی یوں بھی انسانیت سے گر جائے گا۔ جہاں تک اس کی ذات کے ساتھ پیش آنے والے واقعات تھے، وہ چونکی تھی۔ حیران ہوئی تھی۔ پریشان ہوئی تھی۔ دُکھ ہوا تھا۔ جی بھر کے روئی تھی۔

شاید وہ بھی کوئی سانحہ تھا۔

مگر یہ سانحہ تو جیسے قیامت کا کوئی روپ تھا۔

وہ سوتیلی تھی۔

ایک غیر ذات پات کے غیر اہم بطن سے جنم لینے والی لڑکی۔ ایک بے کردار اور کسی قدر بری شہرت کی حامل عورت کے وجود کا حصہ۔ اس سے اگر کوئی ناروا سلوک رکھا گیا تو شاید یہاں کی عظیم قدروں کے مطابق کس قدر ان کے نزدیک وہ واجب بھی تھا۔ مگر جو فعل ان عظیم انسانوں سے سرزد ہوا تھا، وہ کون سی عظمت کی دلیل تھا؟ ذہن و دل کے لئے اطمینان کا کوئی چارہ نہ تھا۔

عقل دنگ تھی اور اندر باہر درد ہی درد تھا۔ اسے لگ رہا تھا، ابھی یہیں سامنے بابا کھڑے ہوں۔ ہاں کل ہی کی تو بات تھی یا شاید پرسوں کی۔ وہ اس کے سامنے تھے اسی پُرشفقت سراپا سمیت، اپنا پدرانہ شفقت سے پُر ہاتھ اس کے سر پر ٹکائے اور اسے اپنے حصار میں لئے۔ کتنے بہت سے آنسو اس نے ان کے سینے پر سر رکھ کر بہائے تھے۔

''پاپا کی جان ہیں آپ......''

ان کا لہجہ اب بھی سماعتوں میں ایک بازگشت بنا گونج رہا تھا۔ ابھی تک ان کا لمس وہ محسوس کر رہی تھی۔

وہ پدرانہ شفقت، وہ پیار جو پہلی بار اس کے حصے میں آیا تھا، اس لمحے جب وہ اتنی مطمئن اور خوش تھی تو اسے کب گمان تھا یہ کہ ایسا بھی ہوگا۔ کب سوچا تھا کہ زندگی اسے پھر ایک بار انہی اندھیروں میں لا پٹخے گی جہاں سے بھاگتے بھاگتے وہ تھک چکی تھی

رہبان عالم شاہ نے اسے فون پر جب پاپا کے حادثے میں فقط زخمی ہونے کی اطلاع دی تھی، وہ تبھی جان گئی تھی بات کچھ اور ہے۔ رہبان عالم شاہ شاید اسے وقتی طور پر تیار کر رہا تھا، سنبھالا دے رہا تھا۔ مگر جانے کیوں وہ شخص اب بھی اپنی مہربانیوں سمیت بہت بلند تھا۔

مگر اس درد، اس دکھ سے تو وہ اسے تب بھی نہ بچا سکا تھا۔

''پاپا نہیں رہے نا رہبان عالم شاہ؟'' اس نے فون پر بھی کڑے ضبط کے ساتھ یہی دریافت کیا تھا۔ شاید وہ کوئی دھوکا اب کھانا نہیں چاہتی تھی، کسی فریب کو جھیلنے کو تیار ہی نہ تھی۔ ساری حقیقتوں کو اب کھلی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھی۔

''پاپا نہیں رہے نا...... رہبان؟'' اس نے ایک بار پھر بہت ضبط کے ساتھ پوچھا تھا۔ اور تب بہت دھیمی سی آواز اس کی ابھری تھی۔

''میں آرہا ہوں۔'' اور پھر فون کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا۔ مگر وہ جانتی تھی، رہبان عالم شاہ کے لہجے کی تھکن بہت کچھ ظاہر کر گئی تھی۔ یقیناً بہت کچھ ہو چکا تھا۔

ناقابل بیان...... ناقابل برداشت۔

اور اس کے گھر آنے تک وہ وہیں بیٹھی رہی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے جب دروازہ کھولا تھا اور اندر داخل ہوا تھا تو وہ فوراً ہی اٹھ کر اس تک پہنچی تھی۔

''رہبان......'' اس نے فقط اتنا ہی کہا تھا اور رہبان عالم شاہ نے اسے ہولے سے تھام کر اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ اس کا چہرہ ویسا ہی پُرسکون تھا۔ ٹھہرا ہوا، ساکت۔ مگر اس کی آنکھیں، بھوری آنکھوں میں شاید بہت سا کرب رکا ہوا تھا۔

وہ اس کی جانب کتنی ہی دیر تک دیکھتی رہی تھی۔ اپنی بھیگی پلکیں اٹھائے بہت سے آنسوؤں سے بھری آنکھیں۔ جو شاید ایک آس بھی رکھتی تھیں اپنے اندر۔

اور مژگان نے تب اس کے چہرے پر سے نگاہیں ہٹا کر سر جھکایا تھا۔ اور پھر بہت سے

درد کو بہانے کے لئے اس کے سینے پر سر رکھ دیا تھا۔
کتنی سسکیاں۔
کتنی آہیں۔
کتنے بہت سے گرم گرم آنسو۔

اور رہبان عالم شاہ کوئی بھی دلاسا دیئے بغیر کھڑا رہا تھا۔ جب وہ روتے روتے یونہی تھکنے لگی تھی تو اس نے بہت ہولے سے اس کے گرد اپنی مضبوط بانہوں کا حصار کھینچ دیا تھا اور پھر ہولے ہولے اسے بچوں کی طرح شاید تھپکتے ہوئے کوئی بے زبان دلاسا دینے لگا تھا۔

''رہبان! مجھے پاپا کو دیکھنا ہے...... آخری...... بار۔'' اس کے لفظ جیسے ضبط کی طرح ٹوٹ گئے تھے۔

اور وہ بہت دھیمے انداز میں بولا تھا۔ ''ایسا ممکن نہیں ہے۔''

''کیوں...... کیوں......؟'' وہ پہلی بار چیخی تھی۔

''میں تمہیں کسی مشکل میں نہیں دیکھ سکتا۔'' اس کا بہت دھیما لہجہ اس کی سماعتوں میں پڑا تھا اور وہ ایک دم ہی اسے سر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔

'مشکل میں تو اب بھی ہوں۔' جی چاہ رہا تھا، بہت زور سے چیخ کر کہہ دے۔ مگر لب جانے کیوں جامد ہی رہے تھے اور وہ کچھ بول ہی نہ سکی تھی۔ اور وہ تب کہہ رہا تھا۔

''اگرچہ یہ سب کچھ بظاہر حادثہ ہی ہے۔ مگر میرا خیال ہے تمہارے لئے یہ جاننا مشکل نہیں ہوگا کہ اصل صورتحال کیا ہوگی۔ یہ خاندانی جھگڑے کی کوئی صورت بھی ہو سکتی ہے۔ ایسے میں تمہارا انہیں دیکھنے یا ملنے جانا خطرے سے خالی نہیں۔''

''آخری بار بھی نہیں؟'' اس کی آس بھری آواز ابھری تھی۔

''نہیں۔''

اور تب اس کی سسکیاں یکدم ہی کتنی بڑھ گئی تھیں۔ مگر تب رہبان عالم شاہ جانے کیوں کچھ نہ بولا تھا۔

شاید اس کے پاس مزید کوئی لفظ نہ تھے تسلی کو۔

اور پھر طویل ترین خاموشی میں فقط اس کی سسکیاں ڈوب اور ابھر رہی تھیں۔

✿......✿

وہ عمر کے اس حصے میں تو قطعی نہ تھی کہ جہاں دل یکدم ہی بے قابو ہو جاتا ہے یا پھر انسان خود اپنے محسوسات سمجھنے پر قادر نہیں ہوتا۔ بہت سی سوچیں جب ایک ہی نکتے پر آ کر

...یں تو یقیناً وہ نکتہ ایک مرکز کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔

اور وہ بہت سی سوچوں کو ایک ساتھ جھٹکتی ہوئی یہ تو جانتی تھی کہ کچھ گڑبڑ ہو چکی تھی۔ مگر ...سدباب کیا ہوگا، وہ یہ قطعی نہیں جانتی تھی۔ وہ جانتی تھی، کوئی ٹین ایجر نہ تھی کہ فوراً ہی ...وں کی انگلی پکڑ کر محبت کی دل فریب راہوں پر چل کھڑی ہوتی۔

یا پھر دل کے اول اول دھڑکنے پر ہر طرف سے بے خبر ہو کر سرپٹ بھاگتی چلی جاتی۔

وہ بہت سی ان سنی، ان کہی کہانیاں جانتی تھی۔

سمجھتی تھی اور یہی سب سے بڑا ادراک تھا۔

...شعوری شاید اتنی ہی پریشان کرتی ہے، اتنی ہی تکلیف دیتی ہے۔

...عمر یا سوچ کی پختگی ایک طرف، مگر دل تو ہے نا!

وہ جانتی تھی ایسا ہی کچھ ہوگا۔ تبھی تو کتنا بھاگی تھی اس شخص سے جو دیکھتا تھا تو جیسے دائیں ...آگ لگا کر آگے جنگل کر دیتا تھا۔ کیپٹن اعصار شیخ نظر انداز کئے جانے کے قابل تو قطعی ...مگر وہ ہمیشہ اس کے سامنے آنے پر جیسے آنکھیں بند کر لیتی تھی۔

جیسے اس کی طرف دیکھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

جیسے جانتی ہو، دیکھے گی تو مفتوح ہو جائے گی۔

اور وہ ہارنا ہی تو نہیں چاہتی تھی۔

کم از کم اس شخص سے تو قطعی نہیں۔

جہاں سرے سے کوئی تعلقات قائم رکھنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔

وہاں دل کے تعلق کیسے جڑ سکتے تھے۔

وہ بچی تو نہ تھی۔ سب جانتی تھی۔

مگر جانے کب کوئی کمزور لمحہ وار کر گیا تھا، لوٹ کر لے گیا تھا۔ اور وہ تو اس وقت اتنی ...کہ افسوس کے طور پر ہاتھ بھی نہ مل سکی تھی۔

افسوس ہارنے کا نہ تھا، ہارنے والے مقام کا تھا۔ وہ جتنا افسوس کرتی، کم تھا۔ بہت الجھا ذہن، تب سے اس نے فون پر اس سے بات نہ کی تھی۔

مگر سارا ذہن جیسے اس شخص نے اتنے فاصلے پر بیٹھے ہونے کے باوجود اپنے قابو میں کر ...تھا۔ بارہا خود کو ڈپٹا تھا، ڈانٹا تھا، سمجھایا تھا۔ مگر دل جیسے خودسر، ضدی بچہ بن بیٹھا تھا۔

تب بھی ابھی بہت سے خیالوں سے چونکتے ہوئے اس نے بہت ہولے سے نفی میں سر ...ہلایا تھا اور شعاع اسے چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

"ادعیہ......"

آگے ریڈنگ میٹریل رکھے جس طرح وہ بیٹھی تھی، اس کے چہرے پر بہت عجیب کے تاثرات تھے۔ وہ یکدم ہی چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"خیریت؟" شعاع نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"ہوں...... ہاں۔" وہ یکدم ہی خود کو سنبھالتے ہوئے گویا ہوئی اور نظریں دوبارہ ری میٹریل پر جما دی تھیں۔

"کچھ ڈسٹرب ہو؟" شعاع نے اس کے چہرے کو پڑھتے ہوئے کہا۔ وہ پہلے تو ا جانب تکنے لگی، پھر ہولے سے مسکرا دی۔

"ہاں سمسٹرز کا برڈن ہے۔ دراصل میں پورا سمسٹر پراپر اسٹڈی نہیں کر سکی۔" اس یونہی بہانہ تراشا۔ شعاع کچھ نہ بولی، خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی۔ اور تب جانے کیوں ا مسکرا دی۔ پھر بولی۔ "پڑھنا بہت مشکل کام ہے۔"

"دنیا میں کوئی کام بھی آسان نہیں۔" شعاع نے تردید کی۔

"ہوں...... مگر پڑھنا بہت زیادہ مشکل ہے۔"

"نہیں، خیر کچھ اتنا مشکل بھی نہیں۔" شعاع یکدم مسکرائی۔ "میں بڑے آرام سے وقت تمہارا چہرہ پڑھ سکتی ہوں۔"

"کیا......؟" وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگی۔ جیسے چور، چوری کرتے ہوئے عین مو دھر لیا جائے۔ اور شعاع اس وقت ہنسنے لگی تھی کچھ بھی کہے بغیر۔ اور یہ لمحہ ادعیہ کے لئے خجالت کا تھا۔

"کیا مطلب ہے؟"

"تم بہت پریشان ہو؟" شعاع نے مسکرا کر پھر دریافت کیا۔

"اوں ہوں۔" ادعیہ یکدم نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ پھر یکدم ہی مسکراتے ہوئے اث میں سر ہلایا تو شعاع ہنستی چلی گئی۔

"یہ تم خلاء میں کیوں معلق ہو؟"

"آئی تھنک آئی ایم ریئلی کنفیوژ۔" اس نے دھیرے سے جیسے سر اثبات میں ہلا کر کیا۔ تبھی رانیہ آ گئی۔

"شعاع آپی! غالباً آپ کی ساس کا فون ہے۔ امی آپ کو بلا رہی ہیں۔"

"یہ ساس کیا ہوتی ہے۔ ممانی نہیں کہہ سکتی ہو؟" ادعیہ نے شعاع کی طرف داری

شعاع یکدم مسکرا دی اور پھر باہر نکل گئی۔

"بات تو ایک ہی ہے۔" رانیہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"خیر یہ الگ لوجک ہے۔ مگر دو ڈیفرنٹ رشتے فی الحال موجود ہیں۔ اور احترام بھی کسی کا نام ہے۔" ادعیہ نے رانیہ سے کہا تو رانیہ سعادت مندی سے سر ہلانے لگی۔

"شام میں دادی اماں کا فون آیا تھا۔" رانیہ نے اطلاع دی۔ وہ یکدم چونک کر دیکھنے لگی۔

"خیریت؟"

"یونہی حال احوال دریافت کر رہی تھیں۔ امی سے ہی بات ہوئی تھی۔ بائے دی وے پ اتنا حیران کیوں ہو رہی ہیں؟"

"میں حیران نہیں ہو رہی، بس سوچ رہی تھی کہ انہوں نے کیسے یاد کر لیا ہمیں؟" وہ جانے وں مسکرا کر بولی تو رانیہ اسے دیکھنے لگی۔

"ادعیہ! ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ۔ دادی اماں خود کہیں آنے جانے کے قابل قطعی نہیں ہیں۔ اس گھر کے مکین اتنے اچھے اور سعادت مند قطعی نہیں کہ انہیں بطور خاص ہم سے ملوانے لے آئیں۔ اعصار بھائی آتے ہیں تو انہیں ملوانے لے آتے ہیں۔ دادی اماں سے گلہ کرنا بھی درست نہیں۔ بہت پیار کرتی ہیں وہ ہم سے۔"

"میں کب انکار کر رہی ہوں؟ ظاہر ہے وہ میری اتنی ہی دادی ہیں جتنی کہ تمہاری۔" وہ کراتی ہوئی بولی تو ادعیہ مسکرا دی۔

۞......۞

"مژگان...... مژگان!" دروازے کے بیچوں بیچ رک کر بہت ہولے سے اس نے پکارا ۔ پھر رک کر کچھ دیر تک شاید اس کے کسی ری ایکشن کا انتظار کیا تھا۔ مگر جب اس کی ف سے کوئی جواب نہیں آیا تو وہ فوراً ہی آگے بڑھا تھا۔

"مژگان!" جانے کس خیال کے پیش نظر وہ اس پر جھکا تھا۔

"مژگان!" اب کے تقریباً جھنجھوڑ ڈالا تھا اس نے۔ اور تب وہ یکدم ہی آنکھیں کھول کر کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ اس کی مانوس خوشبو نتھنوں میں گھسنے کا احساس ہوا تھا۔ نکھرا ستھرا ص اس لمحے اس کے بے حد قریب تھا۔ چہرے پر پریشانی کے آثار خاصے نمایاں تھے۔ ید یہ کیفیت اسی کے باعث تھی۔

سرخ سرخ، سوجی ہوئی آنکھیں بہت مشکل سے کھولتی ہوئی وہ اس کی جانب تکنے لگی تھی ور تب جیسے اس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

"تھینک گاڈ۔" وہ مطمئن ہو کر ہولے سے سیدھا ہوا تھا۔

اسے اس پل اپنے سامنے پا کر وہ دوسرے ہی پل سیدھی ہو بیٹھی تھی۔ انداز اب بھی اگرچہ کھویا کھویا اور نڈھال سا تھا۔ مگر یہ تسلی کے لئے کافی تھا کہ وہ آنکھیں کھولے بیٹھی تھی۔

رہبان عالم شاہ اس کی کیفیت سے جان گیا تھا کہ وہ رات بھر سوئی نہ تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ تسلی کے لئے کون سے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ وہ فوری طور پر بھی اسے کوئی دلاسا نہ دے سکا تھا اور اب بھی اس کی کیفیت دیکھتے ہوئے جیسے وہ خالی تھا۔ وہ نظریں جھکائے جانے کیوں اپنے ہاتھوں کو دیکھے جا رہی تھی اور وہ اس لمحے اسے دیکھتے ہوئے فقط یہی کہہ سکا تھا۔

"آر یو آل رائٹ؟" اس کی آواز پر بھی اس نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ بس یونہی سر جھکائے جھکائے اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"آؤ ناشتہ کرتے ہیں۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" مژگان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اس کی جانب بغور دیکھنے لگا تھا۔

"یہ کسی مسئلے کا حل نہیں ہے۔ شاباش، اٹھو۔ مجھے آفس کے لئے دیر ہو رہی ہے۔" وہ یقیناً اسے اپنے ساتھ ناشتہ کرا کے اطمینان سے آفس جانا چاہ رہا تھا۔ بصورت دیگر اسے اس کی جانب سے متواتر فکر رہتی۔

"آپ چلے جائیے، میں بعد میں کچھ کھا لوں گی۔" وہ ہولے سے بولی اور تب اس نے آگے بڑھ کر یکدم کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ مژگان اس کے لئے تیار نہ تھی۔ اس لئے توازن برقرار نہ رہ سکا تھا اور وہ لڑکھڑا کر اس کی مضبوط بانہوں میں جھول گئی تھی۔

ایک خوشبو کا بھرپور تاثر محسوس ہوا تھا۔ پرفیوم اور کلون کی ملی جلی خوشبو ناک میں گھسی تھی اور اس کے سارے سوئے ہوئے حواس لمحہ بھر میں بیدار ہوئے تھے۔

تمام حسیات لمحہ بھر میں ہی جاگ گئی تھیں۔

اس کی بے تحاشا قربت

اس کی مضبوط پناہ

اور اپنا کپکپاتا وجود

اور بکھری بکھری کیفیت

وہ لمحہ بھر میں سنبھلتی ہوئی پیچھے ہٹی تھی۔ بنا اس لمبے چوڑے شخص کی جانب دیکھے تقریباً دیوار سے جا لگی تھی۔ اور رہبان عالم شاہ بھی اس کی جانب جانے کیوں نہ دیکھ سکا تھا۔

"تم فوراً آ جاؤ۔ میں ٹیبل پر انتظار کر رہا ہوں۔" وہ کہہ کر فوراً ہی باہر نکل گیا تھا۔

اور تب مژگان جانے کیوں کتنی ہی دیر تک اس طرف تکتی رہی تھی۔

کس قدر بکھری ہوئی تھیں سانسیں۔

کتنی ہلچل تھی۔

سبب کیا تھا؟

کتنی ہی دیر گہرے گہرے سانس لیتی ہوئی سانسوں کو معمول پر لانے کی کوشش کرتی ۔ پھر پلٹ کر واش روم میں گھس گئی تھی۔

تقریباً پانچ منٹ کے بعد وہ اس کے سامنے تھی۔ وہ اس کے انتظار میں بیٹھا تھا اور وہ ے سامنے بیٹھ گئی۔ رہبان سلائس میں بٹر لگاتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ ں ہاتھوں کو اپنے سامنے رکھے بہت سوگوار اور کھوئے کھوئے سے انداز میں بیٹھی تھی۔ ر ڈریس دونوں ہی بے ترتیب تھے۔ رہبان نے سلائس اس کے سامنے رکھا تھا۔ ساتھ ئے کا کپ بھی۔ مگر اس نے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

"مژگان......" بہت ہولے سے اس نے پکارا تھا۔ اور وہ یکدم ہی چونک کر اس کی دیکھنے لگی تھی۔ وہ مکمل طور پر اس کی جانب متوجہ تھا۔ اس کی جانب بغور تکتا رہا۔ ں کا تصادم ہوا تھا اور وہ نہ جانے کیوں فوراً ہی نظریں جھکا گئی تھی۔

"مژگان...... یہ بریک فاسٹ تمہیں لینا ہے۔ یہ تمہارے لئے ہے۔" وہ جیسے اسے باور نے کو بولا تھا اور وہ اس وقت قطعی طور پر دل نہ چاہنے کے باوجود سلائس اٹھا کر منہ تک ی تھی۔

"گڈ......" اس نے جیسے اس عظیم فعل پر اسے شاباش دی تھی۔ وہ سر جھکائے بمشکل لقمہ کرنے لگی۔

"یہ چائے بھی تمہارے لئے ہے۔" رہبان عالم شاہ نے ایک ہاتھ سے چائے کے سپ ئے دوسرے ہاتھ سے نیوز پیپر کھولا۔ بالکل بچوں کی طرح وہ اسے ٹریٹ کر رہا تھا اور ں وہ جو قطعی طور پر یا تو نابلد ہوتے ہیں یا پھر ایب نارمل۔ مژگان کو تقریباً یہی لگا تھا۔ اس کا خیال ہی کر رہا تھا۔ اور یقیناً یہ پہلا تجربہ تھا اس کا۔ کسی کو اس طرح ٹریٹ کا۔ یقیناً اس طرح کی صورتحال سے اس کا سابقہ پہلی مرتبہ ہی پڑا تھا۔

ژگان جانتی تھی، سمجھتی تھی۔ تبھی مزید کچھ کہنے کا موقع دیئے بغیر چائے کے سپ لینے لگی

وہ اسے اپنی نگرانی میں ناشتہ کرتے دیکھ کر مطمئن تھا۔ بہ مشکل آدھا سلائس اس نے
ہاتھ کھینچ لیا تھا اور وہ اس کی مکمل حرکات و سکنات پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ بظاہر نیوز پیپر
رہا تھا، مگر جیسے ہی اس نے سلائس پلیٹ میں رکھا، وہ اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹا
کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

"ایک سلائس تو پورا لے لو۔" یہ کہنے کے ساتھ ہی اس نے اپنا کپ خالی کر کے
طرف رکھا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے چائے کے سپ لیتے ہوئے کہا۔ نظریں نیچے ہی
اور تب وہ اسے بغور دیکھنے لگا۔

"مژگان!" بہت ہولے سے پکارا۔ "کچھ درد ایسے ہوتے ہیں جن کی دوا وقت کر
اگرچہ دکھ شدید ترین ہوتا ہے، درد بے انتہا ہوتا ہے، زخم بہت گہرے لگتے ہیں، چوٹ
کی ہوتی ہے۔ مگر سب زخم بھر جاتے ہیں۔ وقت بہت بڑا مرہم ہے۔ آہستہ آہستہ سار
اپنے آپ ہی مندمل ہونے لگتے ہیں۔ شاید جو کچھ بھی ہوتا ہے، وہ تقدیر میں لکھا ہوا
میں نے کم از کم آج تک زندگی کے تمام امتحانات کو اور آزمائشوں کو یہی سوچ کر قبول ک
کہ یہ خدا کی طرف سے میری تقدیر میں درج ہیں اور خدا کبھی اپنے بندوں کی استط
سے بڑھ کر آزمائش نہیں لیتا۔ حد سے بڑھ کر درد سے نہیں نوازتا۔ خدا کے فیصلوں
انسان قطعی کوئی دخل نہیں دے سکتے۔ ہمیں صرف قبول کرنا ہے۔ بہت سی اور حقیقتوں کی
بہت سی اور سچائیوں کی طرح یہ بھی ایک سچائی ہے کہ انسان جانے کے لئے ہی دنیا
ہے۔ اگرچہ بچھڑنے کا دکھ تو ہوتا ہے مگر یہ معاملات خدا کے طے کردہ ہیں۔ ہمیں
فیصلوں کے آگے سر خم کرنا ہے۔ رونے سے جانے والے پلٹ کر واپس نہیں آ جاتے
کچھ کرنا چاہتی ہو تو ان کے لئے دعا کرو۔ تاکہ خدا ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی
سکون پائے۔"

وہ بہت دھیمے لب و لہجے میں اسے سمجھاتے ہوئے بولا تھا اور اس دوران اس نے
اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ اور تب وہ گھڑی پر نگاہ ڈالتا ہوا نیوز پیپر تہہ کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"ٹیک کیئر...... میں کوشش کروں گا لنچ پر آؤں۔ اب رونا نہیں، ہاں۔" وہ اس کے
سے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ رکھتا ہوا بہت دھیمے لہجے میں بولا تھا۔

اور تب مژگان سر اٹھا کر اس کی جانب تکنے لگی تھی۔ وہ بہت مہربان انداز میں
جانب تک رہا تھا۔ نظروں میں کتنی نرمی تھی۔ مژگان کے دیکھنے پر وہ بہت مدھم سے اند

رکھا۔

"بی بریو۔" جانے کیوں اس قدر مہربان تھا یہ شخص۔

"ہوں۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ وہ جانے کے لئے پلٹا تھا۔ تب اس نے اس
پشت کو دیکھا۔ "سنیئے۔" اس کی نحیف سی آواز ابھری تھی اور رہبان عالم شاہ لمحہ بھر
کر دیکھنے لگا تھا۔

"ہوں...... کہو۔" وہ مکمل طور پر متوجہ تھا۔

"آپ...... آپ دوپہر میں مت آئیے گا۔" وہ اس کی روٹین ڈسٹرب ہونے کے خیال
لی تھی۔

"کیوں......؟"

"میں...... کھانا کھا لوں گی۔" وہ سر جھکا کر جس انداز میں بولی تھی، وہ قابل دید تھا۔

عالم شاہ کے لبوں پر بڑی خفیف سی مسکراہٹ آن ٹھہری تھی۔

"اوکے......" وہ پلٹ کر باہر نکل گیا تھا۔

اور مژگان ایک گہرا سانس خارج کرتی ہوئی زندگی کے تمام پیچ و خم پر ازسرِ نو غور کرنے
ی۔

✿......✿

اعیان نے دروازے کے بیچوں بیچ رک کر دیکھا تھا۔

سامنے ہی ماں بیٹھی تھی۔ بہت سی عورتیں تھیں۔ یقیناً وہ ان خواتین کو کائنات کی شادی کی
دکھا رہی تھیں۔ وہ وہیں رک کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔ تبھی ان کی نگاہ اس پر پڑی۔

"اعیان پتر!" اسے دیکھ کر وہ ان خواتین کی طرف مڑیں۔ "تسی ویکھو ساریاں چیزاں
آئی آں۔" (تم دیکھو ساری چیزیں میں آتی ہوں) پھر ساتھ ہی مائی خیراں سے مخاطب
"بیبیاں سب چیزاں ویکھ لین تے سامان احتیاط نال سنبھال لیں۔" (یہ سب چیزیں
ں تو سامان احتیاط سے سنبھال لینا) ہدایت جاری کرتی ہوئی وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"چل پتر! کمرے میں چل۔" وہ ان کے ساتھ کمرے کی جانب بڑھنے لگا۔ اتنا تو وہ
گیا تھا، امی اس سے کوئی ضروری بات کرنا چاہتی ہیں۔ کل کائنات کی منگنی کی رسم تھی،
بے حد تھا۔ گھر مہمانوں سے بھرا پڑا تھا۔ وہ اگرچہ بہت مصروف تھا مگر جیسے ہی ان کی
سے پیغام ملا تھا، وہ فوراً ہی ان کے سامنے حاضر ہو گیا تھا۔

کمرے میں آ کر وہ ان کے مقابل بیٹھ کر ان کے بولنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔ اور تبھی

وہ بولی تھیں۔

''پتر...... کل کائنات کی رسم ہے۔ اتنا وڈا (بڑا) خوشی کا موقع ہے۔ اپنے گھر
بار کوئی ایسا بڑا موقع ہے شگن کا، خوشی کا۔'' وہ تمہید باندھتے ہوئے بولی تھیں۔ وہ
اعیان ان کی طرف دیکھنے لگا۔

''امی! آپ کہئے، میں توجہ سے سن رہا ہوں آپ کی بات۔''

تب انہوں نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اس کے مضبوط چوڑے شانوں پر
سے ہاتھ رکھ دیا۔ ''پتر! تجھے اپنا وعدہ یاد ہے نا؟''

وہ یقیناً اسی جانب اشارہ کر رہی تھیں جس کا وعدہ اس نے اس روز کیا تھا۔ ان کے
کرنے پر وہ فوراً ہی سمجھ گیا تھا۔ تبھی فوراً اثبات میں سر ہلا دیا تھا اور ان کے دونوں ہاتھ
ہوا بولا تھا۔

''آپ یقین رکھیں، مجھے یاد ہے۔''

اور تب ان کی آنکھوں میں یکدم ہی نمی تیرنے لگی تھی۔

''تو موجود ہے، نظروں کے سامنے ہے، سکون ہے دل کو۔ مگر پتر! قرار نہیں۔ مر
دونوں پتر آنکھیں ہیں میری۔ میرے دل دا قرار، میرے دل دا سکون میرے دونوں
ہیں۔ کسی ایک کے بغیر بھی مکمل نہیں یہ ماں۔ تو اگر میری بائیں آنکھ ہے تو داہنی وہ ہے۔ ا
بلا لے۔ یہ شگون کے سارے کام اس کے بغیر پھیکے ہیں۔ کائنات بھی اداس ہے۔ بھائی
جدائی اس کے لئے بھی کڑی ہے۔ پتر! ہر شے کی اپنی اہمیت ہے۔ تو چھوٹا ہے، تیرا اپنا م
ہے۔ مگر وہ وڈا پتر ہے۔ اس خاندان کا، اس کا مرتبہ الگ ہے۔ ایک بھائی کی غیر موجو
میں کس طرح بہن سگائی کے لئے بیٹھے گی؟ مانا، جو اس نے کیا وہ ٹھیک نہیں تھا۔ مگر پتر!
طرح سارے رشتے ختم تو نہیں ہو جاتے۔ کسی کے ٹر جانے سے ختم تو نہیں ہو جاتے سار
ناطے۔ اگر اسی طرح ختم ہو سکتا سب کچھ تو دنیا مٹ گئی ہوتی۔ اس ماں کے کلیجے میں آگ
جل رہی ہوتی۔ بے سکونی نہ ہوتی۔'' ان کی آنکھوں سے پانی بہتا چلا گیا۔

اعیان یقیناً ان کی تمام بات سمجھ رہا تھا، وہ کیا کہہ رہی تھیں۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا
جانتا تھا۔ ان کے بہتے ہوئے آنسو دیکھنا یقیناً اس کے لئے دشوار تھا۔ تبھی مضبوط ہاتھ
کر ان کی آنکھوں کے قریب لے گیا تھا۔

''امی! آپ سے وعدہ کیا تھا نا۔ یقین رکھیں۔'' آنسو اپنی پوروں پر لیتے ہوئے ماں ا
جوان مضبوط بیٹے کو دیکھنے لگیں۔ کتنا مضبوط تھا وہ۔ ارادے بھی اسی وجود کی مانند تھے۔

ے یقین کیا جا سکتا تھا۔ اس کے لہجے سے اس کے بلند حوصلوں کو آسانی سے محسوس کیا
تھا یقیناً۔ اگر وہ کہہ رہا تھا تو وہ کرنے کی استطاعت بھی رکھتا تھا۔ حوصلہ تھا اس میں۔
اس ماں کے دل کو جانے کیوں قرار نہ پڑ رہا تھا۔

''پتر......'' ان کا حوصلہ جیسے جواب دے گیا۔

''امی پلیز!'' اس کے لئے یہ صورتحال بہت تکلیف دہ تھی۔ ''وہ میرے بھی بھائی ہیں۔
ان کے بغیر میں بھی اس موقع پر خود کو بہت تنہا اور ادھورا محسوس کر رہا ہوں۔ ان کو یہاں
برانصب العین بن گیا ہے۔ آپ کچھ وقت انتظار کیجئے۔ انشاء اللہ بہت جلد وہ آپ کے
روبرو ہوں گے۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا تھا۔

لہجہ یقین دلاتا تھا، تبھی وہ اس کی جانب تکنے لگی تھیں۔

''مگر پتر! کب؟ کل سگائی کی رسم ہے۔ تیرے ابا کب مانیں گے۔ تو نے گل کی ہے ان
کے متعلق؟ ان کو راضی کرنے کی کوئی تدبیر سوچی ہے؟''

''امی! ابھی مجھے ان سے بات کرنے کا وقت نہیں ملا۔ آپ دیکھ رہی ہیں، کام بہت
میں بہت مصروف رہا ہوں۔ مگر اس کے متعلق بھی میرا ذہن سوچتا رہا ہے۔ آپ بے فکر
رہئے۔ میں ابا سے بات کروں گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس موقع پر اگر نہ سہی تو انشاء
شادی کے موقع پر بھائی آپ کے روبرو ہوں گے۔'' وہ یقین دلا رہا تھا۔

''تیرے ابا مان جائیں گے؟'' انہیں جیسے یقین نہ تھا۔

''یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔'' وہ ان کے تمام آنسو اپنے رومال میں جذب کرتا ہوا ہولے
سے مسکرایا۔

''بس آپ اب مت روئیے گا، جانتی ہیں آپ کے یہ تمام آنسو میرے دل پر برچھیوں کی
طرح گرتے ہیں۔ دل لہولہو ہو جاتا ہے میرا۔ دنیا میں ہر بات برداشت کر سکتا ہوں، ہر بات
برداشت کر سکتا ہوں مگر اپنی ماں کی آنکھوں میں آنسو نہیں۔'' وہ محبت سے لبریز لہجے میں کہہ رہا
بہت محبت ہے مجھے آپ سے۔ مگر یہ آنسو مجھے اچھے نہیں لگتے۔ جس ماں کے اتنے
گبھرو سے بیٹے ہوں، ان کی آنکھوں میں آنسو قطعی اچھے نہیں لگتے۔''

وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگیں۔ کتنے مضبوط ارادوں کا مالک تھا وہ۔

''تیرے ابا خفا ہو گئے تو؟''

''بے فکر رہئے۔ مجھے وہ کان سے پکڑ کر حویلی سے قطعی باہر نہیں کریں گے۔'' وہ یقیناً ان
پر مسکراہٹ لانے کو بولا تھا۔ ''بہت سے اہم اور ضروری امور انجام دے رہا ہوں

ان کے لئے۔ ان دنوں تمام فیکٹریوں کی دیکھ بھال کا کام، کھیتوں کھلیانوں کی دیکھ بھال
ان دنوں میرے ہی ذمے ہے۔ اگر مجھے نکال باہر کریں گے تو یقیناً گھاٹے میں رہیں گے
اتنی جلد کوئی اتنا وفادار بندہ ملے گا نہیں۔" وہ بہت خوشگوار لہجے میں مسکراتے ہوئے بولا تھا
وہ ہولے سے اس کے چوڑے شانے پر چپت لگاتے ہوئے مسکرا دی تھیں۔ تبھی وہ بولا تھا
"میں کل صبح شہر جا رہا ہوں۔ کچھ ضروری سامان منگوانا ہو تو فہرست بنا کر دے دیجئے
کائنات سے بھی پوچھ لیجئے گا۔ میں شام تک لیتا آؤں گا۔"
"کسی ملازم کو بھیج دے۔ شام میں منگنی کی تقریب ہو گی۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہو گا
بھائی سرے سے غائب۔" وہ فکرمندی سے بولیں۔
"جلد آ جاؤں گا۔" اعیان نے ماں کو مطمئن کرنے کے لئے کہا، پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

✿......✿

"جو مرد، عورت کی ادنیٰ کمزوریوں کو نظر انداز نہیں کر سکتا، وہ اس کی اعلیٰ خوبیوں سے
واقف نہیں ہو سکتا۔" علی شاہ بھرپور انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی جانب تکنے لگا۔
"یہ میں نے قطعی نہیں کہا، محترم خلیل جبران فرماتے ہیں۔" وہ یقیناً غیر سنجیدہ تھا۔ حسبِ
معمول زخموں پر بجائے مرہم رکھنے کے نمک پاشی کر رہا تھا۔ بجائے تسلی کا کوئی حرف کہنے
کے حسبِ عادت فقط جملے بازی کر رہا تھا۔
رہبان عالم شاہ نے اسے بہت مطمئن انداز میں دیکھا تھا۔ گویا علی شاہ کے کسی طرح
وار کا اس پر قطعی کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا تھا، رہبان عالم شاہ نے اسے سرے
سے سنا ہی نہ تھا۔
"سنا آپ نے؟" وہ اسے دوبارہ متوجہ کرتے ہوئے بولا تھا۔ "میرا خیال ہے آپ
خواتین کے اوصاف بہتر انداز میں سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ یوں بھی آج کل آپ
ایسی بہت سی باتوں کو غور سے سننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ عورت تو ایک بھی ہو تو
بھاری ہوتی ہے، اللہ معاف کرے آپ تو پھر دو کے زیرِ عتاب ہیں۔"
"علی شاہ! تم......" وہ اس کی جانب سر اٹھا کر دیکھنے لگا۔ مگر اس کے کچھ کہنے سے قبل
علی شاہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔
"بہت برا پھنسا ہے رہبان عالم شاہ! تو۔ میری تمام ہمدردیاں تیرے ساتھ ہیں۔ تو
میرا بہت پیارا اور اکلوتا دوست ہے۔ خدا تجھے اپنی حفظ و امان میں رکھے۔"
"علی شاہ! تم میرا دل جلانے اور خون جلانے کے سوا کیا کر سکتے ہو؟"

"اب مجھ سے تو کیا توقع رکھتا ہے؟ کوئی نرم دل دوشیزہ تو ہوں نہیں کہ تیرے دل پر
محبت سے لبریز، نرم ہاتھوں سے پھاہے رکھوں۔"
"مجھے کسی ایسے فعل کی تم سے امید ہرگز نہیں ہے۔ یہ بتاؤ آئے کس لئے ہو؟" رہبان
عالم شاہ نے اسے دیکھا۔
"اتنے کٹھور تو مت بنو۔ تمہارے آفس میں آیا ہوں، کوئی چائے، کافی، کولڈ ڈرنک اخلاقاً
ہی پوچھ لو۔" علی شاہ نے تمام مروت ایک طرف رکھتے ہوئے شکوہ کیا تو وہ مسکراتے ہوئے
ریسیور اٹھا کر آرڈر دینے لگا۔
"چائے یا کافی؟" اس کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔
"چائے منگوا لو۔ ویسے یہ وقت لنچ کا ہے۔"
رہبان عالم شاہ نے چائے کہہ کر اس کی جانب مسکراتے ہوئے کہا۔ "علی شاہ! تمہیں
مجھے مشکل میں دیکھ کر کتنا لطف آتا ہے۔ آج صاف صاف بتا دو، ایمانداری سے۔"
اور وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔ "بہت پیارے سے دوست ہو میرے۔ اکلوتے،
میرے جگر، میرا دل، گردے، پھیپھڑے سبھی کچھ۔ کتنے عزیز ہو اب مجھے، کیسے بتاؤں؟" اس
کا انداز ڈرامائی تھا۔
رہبان عالم شاہ کے لبوں پر مسکراہٹ اتر آئی تھی۔ حالانکہ مژگان سے متعلق وہ بے حد
پریشان تھا مگر یہ علی شاہ تھا جس کی سنگت میں رہتے ہوئے کبھی کوئی سنجیدہ رہ ہی نہیں سکتا تھا۔
اس کی یہی خاصیت اسے سب سے زیادہ پسند تھی۔ اس کے لئے سب سے زیادہ سینسیئر
تھا۔ اور یہ چھوٹے موٹے مذاق بھی فقط اس ثقیل ماحول کی کثافت دور کرنے کی غرض سے کرتا
تھا۔ وہ اس سے واقف تھا۔ کم از کم رہبان کو کسی مشکل میں وہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب بھی
رہبان پر کوئی برا وقت آیا تھا، وہ سب سے پہلے وہاں موجود ہوا تھا۔ اس کے قریب۔ ہمیشہ مشکل
میں کام آیا تھا۔ وہ اس کی اچھائیوں کا معترف تھا۔
"یہ تم مجھے گھور کیوں رہے ہو؟" وہ اس کے متعلق سوچتا ہوا اسے دیکھے جا رہا تھا، تبھی علی
شاہ گویا ہوا تھا۔ رہبان عالم شاہ چونکتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔
"آنکھیں سرخ ہیں جناب کی۔ رونے کی خواہش میں رو نہیں سکے یا سونے کی کوشش
میں سو نہیں پائے؟" وہ عجیب معنی خیز لہجے میں دریافت کر رہا تھا۔ رہبان عالم شاہ کی آنکھوں
کو بغور جانچتے ہوئے۔ اور وہ جو تھوڑی دیر قبل اس کی عظمتوں اور اچھائیوں کا معترف ہوا تھا،
پل بھر میں ہی اسے گھورنے لگا تھا۔ مگر آنکھوں میں حد درجہ شرارت لئے علی شاہ اسے دیکھنے

سے قطعی باز نہیں آیا تھا۔

''علی شاہ! میں بہت پریشان ہوں۔''

''ہاں، وہ تو تمہاری شکل سے ہی لگ رہا ہے۔ وجہ ہی تو پوچھ رہا ہوں۔ کیا بھابی نے ڈانٹ دیا ہے؟'' وہ قطعی طور پر سنجیدہ نہ تھا اور وہ جو اسے بتانے جا رہا تھا، فوراً ہی رک کر اسے دیکھنے لگا۔ تبھی چائے آ گئی۔

''صرف چائے پر ٹرخا رہے ہو؟'' کپ لیتے ہوئے کہا۔

''یہ ٹھونس لو۔ اس کے بعد آگے کی سوچنا۔'' رہبان عالم شاہ نے اسے گھورا تو وہ مسکرا دیا۔

تبھی وہ چائے کے سپ لیتے ہوئے اسے بغور سنجیدگی کے ساتھ دیکھنے لگا۔

''اب بتاؤ، معاملہ کیا ہے؟''

''مژگان کے فادر کا انتقال ہو گیا ہے۔ تم نے نیوز پیپر نہیں دیکھا شاید۔''

''اوہ، ویری سیڈ۔'' وہ افسوس سے گردن ہلانے لگا۔ ''میں نے واقعی نیوز پیپر نہیں دیکھا۔ دو چار دنوں سے بہت بزی تھا۔ تم نے بھی مجھے نہیں بتایا۔ بائی دی وے بھابی کیسی ہیں؟''

''ظاہر ہے اس کے لئے بہت گہرے دکھ کی بات ہے۔ شاکڈ ہے فی الحال۔''

''اور تم......؟'' علی شاہ نے اسے دیکھا۔ ''اسے حوصلہ دیا ہوتا۔''

اور تب وہ اسے خاموشی سے تکتا رہا۔ پھر بولا۔ ''علی شاہ! میرے لئے سب سے دشوار ترین کام کسی سے ایسا کچھ کہنا ہی ہوتا ہے۔ ویسے وقت پر جانے کیوں میرے پاس سے سارے لفظ جیسے کھو جاتے ہیں۔ کسی کی چارہ جوئی، ہمدردی یقیناً آسان کام نہیں۔ میری ہمدردیاں اس کے ساتھ ہیں یقیناً۔ وہ جلد اس کیفیت سے باہر آ جائے گی۔'' رہبان عالم شاہ نے چائے کے سپ لیتے ہوئے کہا۔ نظروں میں یکدم ہی اس کا سراپا اتر آیا۔

''بہت نڈھال ہے فی الحال۔ آخری مرتبہ دیکھ بھی نہیں پائی۔ بہت ضد کر رہی تھی۔ مگر میں جانتا ہوں یہ بات خطرے سے خالی نہیں ہوتی۔ اس کے سوتیلے بھائی یقیناً اس کی ٹوہ میں ہیں ان دنوں۔ اور میں اسے قطعی کسی خطرے میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے باوجود اس کے اصرار کے اسے نہیں لے جا سکا۔'' وہ بہت دھیمے انداز میں بولا۔

''علی شاہ! وہ لڑکی اگرچہ میرے لئے کچھ نہیں ہے۔ مگر پھر بھی میں اسے کسی مشکل میں دیکھنا نہیں چاہتا۔ اول روز سے ہی یہ بالکل غیر ارادی طور پر ہے۔ جانے کیوں میری ذات مخصوص ہوئی ہے اس کے لئے۔ حالانکہ دنیا میں کتنے ہی لوگ تھے، چہرے تھے۔

وہ اتنی دنیا چھوڑ کر جانے میرے ہی سامنے کیوں آن رکی۔ علی شاہ! مجھے اس سے محبت نہیں۔ میں تو ٹھیک طور سے اس کے متعلق جانتا بھی نہیں۔ اسے پہچانتا بھی نہیں۔ اس کی عادتوں کے متعلق...... طور اطوار کے متعلق، کسی بھی بات کی تو خبر نہیں مجھے۔ پھر ایسا کیوں میرے ساتھ ہی کیوں؟ میں قطعی نہیں جانتا۔'' وہ گہرا سانس خارج کرتے ہوئے ایک مرئی نقطے کو گھورنے لگا۔ علی شاہ اسے دیکھتا رہا۔

''میں آج بھی جب اول دن کے متعلق سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ وہ خوفزدہ انداز جس طرح بھاگتی ہوئی میرے سامنے آن رکی تھی، بہت خوفزدہ انداز میں۔ آنکھوں میں ...ت لئے، میری جانب دیکھتی ہوئی، جیسے وہ مجھ سے خاموش فریاد کر رہی تھی مدد کی۔ اور ...نے کیسے ایک لمحے میں بنا سوچے سمجھے مجھے لگا کہ مجھے اس کی مدد کرنی چاہئے۔ اور دوسرے پل اس کا نازک سا وجود میری مضبوط پناہ گاہ میں تھا۔ میں نہیں جانتا یہ کیسا امتحان ہے؟ ...ربط ہے اس کا میری ذات کے ساتھ۔ میں خود حیران ہوتا ہوں۔ سوچتا ہوں تو سمجھ نہیں ... وہ غیر محسوس انداز میں میری ذات سے منسلک ہوتی جا رہی ہے۔ آج تک اپنی زندگی ...آنے والی ہر تبدیلی کو میں نے خدا کا فیصلہ سمجھ کر قبول کیا ہے۔ مگر یہ وہ واحد موڑ ہے ...میں حیران ہوں اور احتجاج کرنا چاہتا ہوں علی شاہ۔ آئی لو ہجل۔ وہ میری ضرورت ہے، ...زندگی ہے۔ میں اسے اب گنوانا نہیں چاہوں گا۔ بہت مشکل سے میں نے اس تک کا ...کیا ہے۔ مگر اب جانے کیوں میری تقدیر میری راہوں میں اچانک ہی پتھر رکھ رہی ہے۔ ...سے صاف صاف کہنا چاہتا ہوں۔ اسے بتانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ محبت اعتماد کا دوسرا نام ...اور میں خود پر اس کا اعتماد بحال کرنا چاہتا ہوں۔ مگر علی شاہ! میں باوجود کوشش کے کچھ نہیں ...پاتا۔ ہر بار سوچتا ہوں، ارادہ باندھتا ہوں اور ناکام سا لوٹ جاتا ہوں میں۔ سمجھ نہیں پا ...یہ کیسی آزمائش ہے، کیسا امتحان ہے۔ اور میرے ساتھ ہی کیوں؟ مجھے کیوں لگتا ہے کہ وہ ...بے سہارا، مجبور، کمزور لڑکی فقط میری ذمے داری ہے۔ میری ضرورت رکھتی ہے اور میرے بغیر ...ادھوری ہے۔ مجھے کیوں لگتا ہے کہ میرے علاوہ اسے کوئی سہارا نہیں دے سکتا؟ میں ...اسے کسی مشکل کے حوالے نہیں کر سکتا۔ کیوں خود غرض اور بے حس ہو کر اسے حالات ...بے رحم تھپیڑوں کے حوالے نہیں کر سکتا؟ ایک عام سا شخص تو ہوں میں۔ عام سا۔ بہت ...خواہش رکھنے والا۔ فرشتہ تو قطعی نہیں۔ پھر......'' وہ بولتے بولتے تھک کر سر دونوں ...سے تھام کر چپ ہو گیا اور تب علی شاہ نے بہت آہستہ سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ ...چونک کر دیکھنے لگا تو وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

''اتنے بہادر ہو، مضبوط ہو۔ ہمت کیوں ہارتے ہو۔ خدا پر یقین رکھو۔ انشاءاللہ
ٹھیک ہو جائے گا۔ خدا اپنے اچھے بندوں کو ہی آزمائش کے لئے منتخب کرتا ہے۔ اب میرے
جیسے گناہگار انسان تو منتخب ہونے سے رہے۔'' وہ آخر میں شرارت سے مسکرا رہا تھا۔
تیرے متعلق سوچتا ہوں تو اپنے گناہوں کا احساس شدت سے ہوتا ہے۔ اب تو والدہ بھی
دلانے لگی ہیں تمہارا نام لے کر۔ جانے یہ ماؤں کو اتنی جلدی کیوں ہوتی ہے بیٹوں کے
پر سہرے سجانے کی۔ کہہ رہی تھیں، تمہارے دوست نے کر لی۔ اب تم بھی شرم کر لو۔'' وہ
اسے اس ماحول کی کثافت سے باہر نکالنا چاہ رہا تھا اور واقعی رہبان عالم شاہ اس پل
انداز میں مسکراتا ہوا اسے گھور رہا تھا اور وہ مسکراتے ہوئے اس کا شانہ تھپتھپا رہا تھا۔

✿......✿

دل کل سے بس میں نہ تھا۔ کوئی آوارہ پنچھی بنا لمبی اڑان بھرتا، اونچا بہت اونچا اڑتا
چلا جا رہا تھا اور وہ بیچاری اسے پکڑنے کو، تھامنے کو، قابو کرنے کو پریشان ہوئی جا رہی تھی۔
بے بے نے صبح ہی صبح جگا کر آگاہ کر دیا تھا۔
''سیو! اُٹھ جا۔ آج چھوٹی بی بی کی رسم ہے۔ بہت کام ہے حویلی میں۔ تجھے بھی چلنا
گا۔ اپنے گھر کے بکھیڑے فٹافٹ نمٹا لے۔ میں ابھی جاتی ہوں۔ وہاں جا کر کسی کارندے
بھیج دوں گی تجھے لینے۔ تو تب تک سارے کام کر لے۔''
بے بے نے کہا تو وہ بہت زیادہ دھڑکنے والے دل کے شور کو دباتی ہوئی ان کی طرف
دیکھ کر رہ گئی۔ یقیناً جانا نہیں چاہتی تھی۔ مگر انکار کیسے کرتی۔
کون سا بہانہ کارگر ہوتا۔
کیسے وہ بے بے کو مطمئن کرتی۔ ذہن سوچ سوچ کر تھکا جا رہا تھا۔
پراٹھا توے سے اتارتے ہوئے بے بے اسے چونک کر دیکھنے لگی تھیں۔
''بستر اٹھا لا چھت سے۔ ابھی تک یہیں کھڑی ہے۔ ویر کے لئے ٹفن باندھنا
ابھی تجھے۔ اپنے چاچے کے لئے صاف ستھرا جوڑا نکال دے۔ مرغیوں کو آج ڈربے میں
دانہ ڈال دے، باہر مت نکالنا۔'' بے بے نے اسے اپنے سامنے متفکر کھڑا دیکھ کر بہت
ہدایتیں ایک ساتھ جاری کر دیں اور وہ ان کی طرف سے نظریں ہٹا کر واپس پلٹ گئی۔
''کیا گل اے پتر؟ آج کچھ کملائی ہوئی سی لگ رہی ہے۔'' وہ چاچے کو ناشتہ دے
تھی جب وہ اسے دیکھتے ہوئے بولے۔ وہ یکدم نفی میں سر ہلانے لگی۔ تبھی اکبر بھی غسل
کر باہر نکل آیا۔

''کیا ہوا؟'' وہ بے بے کی چارپائی سے بستر اٹھا رہی تھی۔ وہ پاس سے گزرتا ہوا چپت لگا
گیا۔ وہ اس پیاری سی چھیڑ چھاڑ پر مسکرا بھی نہ سکی۔
''اج تے چھوٹی بی بی کی منگنی ہے، تجھے تو خوش ہونا چاہئے۔'' اکبر نے پھر چھیڑا تو پلٹ
کر بستر رکھنے کمرے میں چلی گئی اور تیزی سے تمام کام نمٹانے لگی۔
بھائی کو ٹفن بنا کر دے دیا۔ چاچے کو کھانا ساتھ دے دیا۔ پھر دونوں کو رخصت کر کے وہ
تن ہر کام کرنے لگی۔
''جلدی ہی بھیج دوں گی لینے۔ سارے کام کر کے اچھی طرح بوہے مار دینا، تالے لگانا
مت بھولنا۔ جانے شام میں کتنی دیر ہو جائے۔'' بے بے اسے ہدایت کرتی ہوئی چادر لپیٹنے
لگیں۔ وہ فقط سر ہلا کر رہ گئی۔
''بے بے!'' پھر آخر کار ارادہ باندھ کر پکارا۔
''کیا ہے؟'' بے بے جاتے جاتے پلٹیں۔
''وہ...... میں...... میں اگر نہ جاؤں تو؟'' بہت ہولے سے مدعا بیان کیا۔ بے بے
گھورنے لگیں۔
''زیادہ نخرے مت کر۔ کوئی اتنی معتبر نہیں ہے تو۔ ایک تیرے نہ جانے سے خدانخواستہ
کوئی چھوٹی بی بی کی منگنی رک نہ جائے گی۔ خدا خیر سے سارے کام ختم کرائے۔ کام زیادہ
تھے، چھوٹی بی بی کا تیرے لئے اصرار بھی تھا۔ مگر تیری تو جانے کیوں جان نکلتی ہے۔ کتنا خیال
کرتی ہیں چھوٹی بی بی تیرا۔'' بے بے نے جیسے شرم دلائی۔ اور وہ سر جھکا کر برتن مانجھنے لگی۔
کوئی جواب نہ رہا تھا باقی۔ کوئی جواز نہ تھا۔
کیا کہتی۔ دل کس طرح بہلاتی۔ کوئی چارہ کار نہ تھا۔
تمام کوششیں جیسے رائیگاں ہوتی نظر آتی تھیں۔ اور دل...... وہ اب بھی اتنا ہی سرکش لگ
رہا تھا۔

بے بے پاؤں میں جوتے اڑستے ہوئے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔
''اٹھ کر پہلے بوہا مار لے۔''
وہ ہاتھ دھوتی ہوئی اٹھ کر ان کے پیچھے ہو لی۔

✿......✿

ان دنوں جانے کیوں اس کا دل بہت حساس ہو رہا تھا۔ وہ لڑکی اگرچہ بہت زیادہ سمجھدار
تھی مگر جن کیفیات سے وہ گزر رہی تھی، جانے کیوں اسے اس کی طرف سے دھڑکا لگا رہتا

تھا۔ حالانکہ دل سے اس کا کوئی ربط نہ تھا۔ فقط ہمدردی تھی۔ مگر پھر بھی جانے کیوں وہ ا
سوچ کے تمام دائروں میں تھی۔

اب بھی جب وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا تو بلا ارادہ نگاہ نے اسے ڈھونڈا
اور جب وہ نظر نہیں آئی تھی تو وہ فوراً اس کے کمرے کی جانب لپکا تھا۔ وہ شاید سو رہی تھ
بازو آنکھوں پر دھرا تھا۔ اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر ہولے سے جھانکا تھا اور پھر مط
ہو کر اپنے کمرے کی طرف آ گیا تھا۔

یقیناً وہ رات بھر نہ سو سکی تھی اور اب نیند پوری کر رہی تھی۔ یہ بات قابل اطمینان تھی
وہ سو رہی تھی۔ اسے اس کی طرف سے یہی فکر تھی۔ مگر اب اسے مطمئن انداز میں سوتا دیکھ
اس نے گہرا سانس خارج کیا تھا۔

''بہت ڈسٹرب کر دیا ہے تم نے مجھے لڑکی!'' شاور لینے سے آئینے تک آ کر بیٹھنے تک
کی سوچوں کا محور وہی تھی۔

وہی معصوم سی صورت والی انجان سی لڑکی جو اچانک ہی کہیں سے نکل کر چلتی ہوئی
کے سامنے آن رکی تھی۔

اور اب کتنا پریشان کر رکھا تھا اس نے رہبان عالم شاہ کو۔ دل کا کوئی تعلق، کوئی ربط
ہوتے ہوئے بھی وہ اس کے لئے متواتر متفکر تھا۔ وہ جیسے کوئی بہت چھوٹی سی بچی کی مانند
جو راستوں سے قطعی انجان ہو اور راستہ بھٹک کر اس کے راستے میں عین اس کے سامنے آ
رکی ہو۔

وہ باہر نکلا تو اسے سامنے دیکھ کر چونک گیا۔

''جاگ گئیں تم؟''

''آپ کب آئے؟''

''ابھی ابھی۔ تم سو رہی تھیں۔''

''ہاں......'' وہ سر کو دونوں ہاتھوں سے دبانے لگی۔ یقیناً سر میں درد تھا۔

''تم کوئی پین کلر لے لو۔'' اس نے مشورہ دیا۔

''ہاں۔'' اس نے سر اثبات میں ہلایا۔

''تم نے دوپہر میں کچھ کھا لیا تھا؟''

''اوں...... ہوں......'' وہ یکدم نفی میں سر ہلا گئی۔ پھر احساس ہوا تو اس کی جانب دیکھ
لگی۔ وہ جانے کیوں ہولے سے مسکرا دیا۔

''اسی لئے منع کیا تھا دوپہر میں گھر آنے سے......؟'' اس نے اسے بغور دیکھتے ہوئے
یافت کیا۔

''نن...... نہیں۔'' وہ یکدم ہی کنفیوژ ہونے لگی۔ ''میرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔''

''اتنا مانتی ہو دل کی؟'' جانے کیوں وہ بلا ارادہ پوچھ گیا۔ وہ یکدم ہی چونک کر اس کی
ب تکنے لگی۔ اور جس طرح وہ اس کی جانب دیکھ رہا تھا، وہ دوسرے ہی پل سر جھکا گئی۔
اس شخص کا سوال سرسری تھا، انداز بھی کچھ خاص مقصد لئے ہوئے نہ تھا۔ مگر جانے
دل یکبارگی دھڑکا تھا۔

''آپ چائے پئیں گے؟'' اس کے سوال کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اس نے سر اٹھا
ر دریافت کیا تھا۔

''ہوں۔'' وہ سر اثبات میں ہلا کر ٹی وی لاؤنج میں آن بیٹھا تھا۔ وہ پلٹ کر کچن کی
ب چل پڑی تھی۔

پھر جب وہ ٹی وی اسکرین پر ایک بزنس اپ ڈیٹ کو بغور دیکھ اور سن رہا تھا، تبھی وہ
ے اٹھائے اندر داخل ہوئی تھی۔ اس کے عین سامنے ٹیبل پر ٹرے رکھتے ہوئے وہ فلور کشن
بیٹھ گئی تھی۔ صبح سے اب تک والی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔ وہی کپڑے تھے۔
ے ہی الجھے ہوئے بال تھے جنہیں اس نے یونہی لپیٹ کر کلپ کیا ہوا تھا۔
شاید منہ بھی سو کر اٹھنے کے باعث مجبوراً ہی دھو لیا تھا۔

وہ اس کے لئے چائے بنا رہی تھی جب اس نے سرسری سے انداز میں ایک نگاہ ڈالتے
ئے یونہی اس کا جائزہ لیا تھا۔ چائے کے ساتھ اس نے کچھ اسنیکس بھی نکال لئے تھے۔
ے کا کپ اس کی جانب بڑھایا تو وہ تھامتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''آپ نے آئینہ دیکھا ہے؟'' کپ تھماتے ہوئے مژگان یکدم چونک سی گئی تھی۔ یقیناً
کا سوال بہت اچانک اور مبہم سا تھا۔ بہت غیر واضح۔ وہ یقیناً الجھ کر اس کی سمت دیکھ رہی
۔ نظروں میں سوالیہ نشان تھا۔

جانے کیوں اس کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ اتر آئی تھی اور وہ اس کے چہرے پر سے
یں ہٹاتے ہوئے دوبارہ اسکرین کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''کیا مطلب؟'' مژگان الجھ کر بولی تھی۔

''میں نے قیاس کیا تھا اپنی طرف سے ہی کہ شاید تم نے آئینہ دیکھا ہو اور تمہیں لگا ہو کہ تم
ے سے زیادہ حسین کبھی نہیں لگ سکتیں اور یہی سوچ کر تم نے اپنا حلیہ درست نہ کیا ہو۔''

رہبان عالم شاہ کا انداز بہت دوستانہ تھا۔ وہ یکدم ہی ہولے سے مسکرا دی تھی۔ پھر چائے کے
چھوٹے چھوٹے سپ لیتے ہوئے ٹی وی اسکرین کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''انسان کو کبھی کبھار مسکراتے رہنا چاہئے۔ کچھ اور نہ ہو، اپنی پرسنالٹی پر بہت اچھا
فریش تاثر پڑتا ہے۔'' وہ بولا تو وہ سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔ بولی کچھ نہیں۔

''رہبان! کبھی کبھی دل مسکرانے کو چاہے بھی تو جانے کیوں ایک خوف ہمارے اندر
مارے بیٹھا رہتا ہے۔ ہم ہزار کوشش کے باوجود مسکرا نہیں سکتے۔ بہت سے خدشے، بہت
انجانے دکھ، بہت سے کرب ہمارا حصار کئے رہتے ہیں۔ اور کبھی جیسے کسی دشمن کی طرح
مسلسل گھات میں رہتے ہیں جہاں ہمارے لبوں پر کوئی خوشگوار سا، لطیف سا تاثر ابھرتا ہے
کوئی مسکراہٹ پھیلتی ہے، وہ تمام دشمن اسے بے دردی سے نوچ لیتے ہیں۔ پھر کس طرح
مسکرایا جائے۔ ایک پل کو مسکراؤ تو اگلے لمحے کئی دشمن آپ کے سامنے منہ کھولے کھڑے
ہوتے ہیں۔ بہت سے بے درد لمحے، بہت سے ظالم دکھ جو روح تک کو چھلنی کر کے
جاتے ہیں۔'' وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولتی چلی گئی۔

رہبان عالم شاہ اس کی جانب دیکھنے لگا۔ پھر دھیمے انداز میں مخاطب ہوا۔ ''زندگی کے
بہت سے روپ ہوتے ہیں مژگان! فقط خوشیوں کی سیج نہیں ہے یہ۔ کانٹوں کے بہت
مزے بھی چکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔ ہر سیاہ رات کا اختتام ایک روشن صبح پر ہوتا ہے
ناامیدی کفر ہے۔ امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔ یقیناً خدا سب سے بڑا چارہ
ہے۔'' وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''رہبان عالم شاہ! آپ...... آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔'' مژگان نے برملا اظہار کیا۔
چونکا، پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔

''آپ کے وکیل صاحب کا فون آیا تھا۔'' اچانک یاد آیا تو مطلع کیا۔

''اچھا...... کیا کہہ رہے تھے؟''

''آپ سے غالباً بعض اہم امور کے سلسلے میں ملنا چاہ رہے تھے۔''

''آپ نے کیا کہا؟''

''آپ سے پوچھے بغیر یقیناً کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔''

''آپ کہہ دیجئے گا، آجائیں۔''

''بہتر۔'' وہ سعادت مندی سے بولا۔ پھر جانے کس خیال کے تحت پوچھنے لگا۔ ''اگر
جانا چاہو تو؟''

''اوں ہوں......'' اس کے چہرے پر یکدم ہی خوف کے سائے چھا گئے۔ ''مجھے کہیں نہیں

''
''ڈرتی ہو؟'' وہ بغور دیکھتے ہوئے نرمی سے دریافت کرنے لگا۔ اس نے اس کی طرف
بغیر سر اثبات میں ہلا دیا۔
''اس طرح تو تم گھر میں قید ہو کر مزید کم ہمت ہو جاؤ گی۔ خود کو سنبھالو، حوصلہ پیدا
کچھ نہیں ہوگا۔'' رہبان عالم شاہ نے سمجھایا۔
''ن...... نہیں...... فی الحال نہیں۔'' وہ سر نفی میں ہلاتی چلی گئی۔ تبھی وہ اس کی طرف
نے لگا۔
''مژگان! آنکھیں بند کر لینے سے خطرات ٹل نہیں جاتے۔ نہ ہی ختم ہو جاتے ہیں۔''
''ہاں، مگر......'' وہ کچھ کہے بغیر سر نفی میں ہلانے لگی۔ اور تب رہبان عالم شاہ نے بھی
نہ کہا۔ اسے ایک نگاہ دیکھ کر نظریں دوبارہ اسکرین پر جما دیں۔

✡......✡

میو اپنے ہی دھیان میں پھولوں کا تھال اٹھائے چلی آ رہی تھی۔ نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔
ن تک نہ تھا، یکدم ہی کوئی راہ میں آ جائے گا۔ اور وہ جو بہت مشکل سے سنبھال کر خود کو
اں تک لائی تھی، پل بھر میں یوں بکھر جائے گی کہ پھر سنبھالنا بے حد دشوار ہو جائے گا۔
وہ تو اپنے ہی دھیان میں تھی۔
جانے کب وہ پہاڑ سا وجود ٹکرایا تھا اور کیسے اس نے بہ مشکل خود کو سنبھالا تھا۔ مگر تھال
سے چھوٹ کر زمین پر جا پڑا تھا۔ سارے پھول فرش پر منتشر ہو گئے تھے بالکل دل کی
کنوں کی طرح۔ بہت سی سرکش دھڑکنوں کو قابو کرتی ہوئی وہ سر اٹھائے بغیر جھک کر تھال
لئے پھول چننے لگی تھی۔ وہ عین اس کے سامنے کھڑا تھا۔
بہت سے پھول اس کے قدموں کو چھو رہے تھے۔ اور وہ قدموں کی داسی بنی بہت سے
لوں کو اس پر نچھاور کر رہی تھی۔
اس کے مضبوط جوتوں والے پیروں پر نگاہ لمحہ بھر کو ٹکی تھی۔ اتنی ہمت نہ تھی کہ سر اٹھا کر
دیکھتی۔
پیلے زرد آنچل کو چہرے کے گرد کرتے ہوئے پیلی رنگت سمیت سب پھولوں کو کانپتے
ہاتھوں کے ساتھ تھال میں دھرنے لگی تھی۔
''کہاں تھیں؟'' چھوٹے سرکار نے یقیناً اپنے آنے کا مدعا بیان کیا تھا۔

مگر سیو بے زبان ہو کر رہ گئی تھی یا کان سننے سے معذور ہو گئے تھے۔

''میں تم سے مخاطب ہوں۔ امی کہاں ہیں؟ بڑی چوہدرائن۔'' اس کی بھاری آواز ایک بار پھر سماعتوں سے ٹکرائی تھی اور تب اس نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھا کر اس بلند و بالا شخص کو دیکھا تھا۔

''وہ...... وہ...... جی...... کائنات بی بی کے کمرے میں ہیں جی۔ آپ کا ہی انتظار کر رہی ہیں۔'' اس نے بمشکل اطلاع دی اور دوبارہ سر جھکا گئی۔ اعیان بے تاثر سے انداز میں سر ہلا کر تیزی سے آگے بڑھ گیا تھا۔ بہت سے بھاری قدم زمین پر نہیں، دل پر پڑے تھے۔

وہ کمزور، کانپتے ہاتھوں سمیت بمشکل جھکی پھولوں کو سمیٹ رہی تھی۔ اردگرد اگرچہ بہت ہجوم تھا۔

بہت سے لوگ تھے۔

مگر جیسے اردگرد کا کچھ ہوش ہی نہ تھا۔

''سیو، اے سیو! چھڈ دے پتر اسے۔ بتیرے ہیں پھول۔'' مائی خیراں نے اسے اتنی رغبت سے جھکے دیکھ کر دور سے پکارا تھا۔ ''چل چھیتی کر۔ بڑے کم ہور وی ہیں ابھی کرنے والے۔'' انہوں نے پھر پکارا تھا۔ مگر جیسے سیو کے کان میں کوئی آواز پڑی ہی نہ تھی۔ وہ ویسے ہی جھکی ہوئی سرکار کے قدموں تلے مسلے بہت سے پھولوں کو جیسے دل سے چنتی جا رہی تھی۔

پگلی، داس بنی، جیسے بہت سی خاک کو دل سے سمیٹ رہی ہو۔

بے خبر، انجان، پاگل داس۔

وہ وہیں جھکی بیٹھی تھی جب اعیان دوبارہ تیزی کے ساتھ سیڑھیاں اترتا ہوا گزرا۔ وہی باوقار قدم، وہی مضبوط چال، وہی حشمت، وہی جلال۔ بہت سے قدم جیسے دل پر۔ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے لمحہ بھر کو ٹھٹکا تھا۔

''تم ابھی تک یہیں پر ہو۔ چھوڑ دو اسے، کوئی اور دیکھ لے گا۔ تمہیں کائنات بی بی بلا رہی ہیں۔'' اُس نے ایک اہم اطلاع دی۔

بھاری آواز تو اب سیو کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ تو اس سے قبل ہی اس کے مضبوط قدموں کی دھمک سے ہی جیسے اس کی آہٹوں کو جان گئی ہو۔

سیو نے اس حکم پر ہولے سے دوپٹہ چہرے کے سامنے کرتے ہوئے سر اٹھا کر آسمان کو تکا تھا۔

اس لمحے اس کے قریب رکا۔ جیسے وہ بلند ترین آسمان ہی ہو۔

ب ہولے سے کانپے تھے اور کانپ تو شاید دل بھی متواتر رہا تھا۔

ب کچھ وہیں چھوڑ کر ہولے سے اٹھی تھی۔ وہ وہاں مزید رکے آگے بڑھتا چلا گیا ور جانے کیوں سیو میں اتنی بھی ہمت نہ تھی کہ وہ تا دیر نظریں جما کر اس کی پشت کو ہی سکتی۔

ا اپنا زرد آنچل سنبھالتی بہت منتشر دھڑکنوں کو بس میں کرتی ہوئی ہولے ہولے سیڑھیاں گئی تھی۔

مہمان آ گئے ہیں شہر سے سیو! وڈی چوہدرائن کو خبر کر دے، تیل لے کر آ جائیں۔'' مائی نے اسے اوپر جاتا دیکھ کر تیز آواز میں پکارا تھا۔

لمحہ بھر کو رکی تھی، مڑ کر دیکھا تھا اور پھر سر ہلاتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی۔

⊛......⊛

رہبان عالم شاہ! ایک بات جان گئی ہوں میں۔ تمہیں ساری دنیا سے دلچسپی ہو سکتی ہے، میں انٹرسٹ ہو سکتا ہے، مگر مجھ میں نہیں۔ ایک فالتو شے ہوں میں تمہارے لئے۔ یٹھ کر دو لفظ کہنے سننے کی فرصت نہیں تمہارے پاس۔'' سجل عباس نقوی نے سلگتے ہوئے وہ بہت مطمئن انداز میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔

جل! میرے پاس لفظ نہیں ہیں۔ تم......'' وہ یقیناً کچھ کہنے جا رہا تھا، مگر سجل نے اسے دیا۔

بھی تو رونا ہے رہبان عالم شاہ! تمہارے پاس لفظ ہی تو نہیں ہیں۔ کچھ بولو، کچھ کہو تو م دل کی زمین یوں پیاسی تو نہ رہے۔'' سجل کو اس سے ہزار ہا شکوے تھے۔

ہولے سے ہنس دیا تھا۔ ''شکووں کے علاوہ اور کچھ کر سکتی ہو؟''

کر تو رہی ہوں۔ تم سے محبت۔ اول روز سے لے کر اب تک۔ مت ماری گئی تھی جو تم سے دل لگا لیا۔ شاید وہ بہت برا دن تھا میرا جب تم سے پہلی بار ملی تھی۔''

ا کا انداز اگرچہ سلگا ہوا تھا مگر وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔ سجل اس کے ہنسنے پر سر اسے دیکھنے لگی تھی۔

رہبان عالم شاہ! تم کب سنجیدہ ہو گے؟'' اور وہ فوراً ہونٹ بھینچ گیا تھا۔

کہو...... کیا کروں۔ آسمان کے تارے یا پھر چاند؟''

رہبان عالم شاہ!'' وہ زچ ہو کر رہ گئی۔ ''کوئی بیسویں صدی کی دقیانوسی لڑکی نہیں ہوں چاند تارے میری ڈیمانڈ قطعی نہیں ہیں۔ نہ ہی میں ایسے کسی اوٹ پٹانگ مشغلے کو اختیار

کرنے کے متعلق سوچ کر اپنا وقت برباد کرنا چاہتی ہوں۔"

"او کے۔ پھر کیا دل جان؟" وہ قطعی سنجیدہ نہ تھا۔ شاید اسے تنگ کر کے اسے مزہ آ رہا
یا پھر وہ اپنے اندر کی اور ماحول کی کثافت کو قدرے کم کرنا چاہ رہا تھا۔ بہت دھیمے انداز
مسکراتا ہوا وہ اس کی جانب بغور تکتا جا رہا تھا۔

"رہبان عالم شاہ! مجھے کنفیوژ مت کرو۔ ہمیشہ میری ہر بات کو مذاق میں اڑا دیتے
جیسے میری کوئی وقعت ہی نہ ہو، بہت غیر اہم سی فالتو شے۔" اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"سجل۔" اس نے جیسے اسے رونے سے باز رکھا۔

"کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے رہبان عالم شاہ! تم کو میں نے زبردستی کی ڈور سے باندھ کر
ہوا ہے۔ اتنے کول ہونے لگے ہو تم، کہیں کوئی گرم جوشی نہیں ہوتی تم میں۔ نگاہیں، جذ
اور سب کچھ۔ تم سمجھتے ہو تم مجھے باتوں سے بہلا سکتے ہو۔" وہ الزام پر الزام دیتی چلی گئی۔

رہبان عالم شاہ نے بہت اطمینان کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے ٹشو نکال کر اس
سامنے رکھ دیا۔

"یہ آفس ہے سجل! یقیناً میں یہ ٹشو ہی پیش کر سکتا ہوں۔" اس کی دھیمی آواز ابھری تو
یکدم چونک کر اسے سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اس کے لبوں پر جو خفیف سا تبسم تھا، وہ یقیناً اس
غیر سنجیدگی کو ظاہر کر رہا تھا۔

"رہبان عالم شاہ! میرے بس سے باہر ہو تم۔" وہ ٹشو لیتی ہوئی اتنی قدر کہہ سکی تھی۔

"صبح فون کر رہی تھی۔ بیلز جا رہی تھیں متواتر مگر تم ریسیو نہیں کر رہے تھے۔ موبائل
آف تھا۔" ایک اور شکوہ بروقت کیا۔

"ہاں..... وہ میں سو رہا تھا۔" اس نے مطلع کیا۔

"رات میں کیا کر رہے تھے۔ جلد کیوں نہ سو گئے؟" اس نے فوراً وضاحت چاہی۔

"رات جلد ہی سویا تھا سجل۔" اس نے سکون سے آگاہ کیا۔

"پھر؟"

"خدارا سجل! روایتی عورت مت بن جایا کرو۔" رہبان عالم شاہ نے دہائی دی۔

"کل شام میں بھی تمہارا موبائل بند تھا۔ میں ڈائل کر کر کے تھک گئی۔ خود آنے وال
مگر پھر اچانک پاپا کے گیسٹ آ گئے تو....." وہ رکی۔

"چلو اچھا ہوا۔" رہبان عالم شاہ نے جیسے شکر ادا کیا۔

"کیا..... کیا مطلب؟" وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ وہ اطمینان سے مسکرا دیا۔

"آج کل تم مجھ سے بھاگ کیوں رہے ہو؟"

"سجل عباس نقوی! تم سے کہیں نہیں بھاگ سکتا میں۔ یہ بات لکھ کر رکھ لو۔" اس کا لہجہ
دلاتا تھا۔

"ہاں، ایسے ہی تو وفادار ہیں۔"

"آزما لو۔" رہبان عالم شاہ نے گویا چیلنج دیا۔ وہ سر اٹھا کر اسے تکنے لگی۔

"رہبان عالم شاہ! محبتوں میں آزمایا نہیں جاتا۔ بس اعتبار کیا جاتا ہے۔ اور میں نے تم پر
تبار کیا ہے۔ محبت کی کچی ڈور سے باندھا ہے۔"

"پھر بے یقین کیوں ہو؟" وہ ہولے سے مسکرایا۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"بے یقین نہیں ہوں۔ مگر رہبان عالم شاہ! تمہارے متعلق بہت حساس ہوں۔ جانے
بزدل ہو گئی ہوں۔ دل بہت کمزور ہو گیا ہے۔ اب ڈرنے زیادہ لگا ہے۔"

"حالانکہ تم ڈرانے میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔" رہبان علم شاہ نے اس دھان پان سی
کو بغور دیکھا جو دل کے ایوانوں میں بستی تھی۔

وہ نظر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کی نظروں کی شاید تپش تھی کہ یکدم ہی اس نے اپنا
تبدیل کر دیا تھا۔

"آج بھی بہت مصروف ہو گے؟"

"ہوں..... ہوں تو۔" وہ دھیمے انداز میں مسکرایا۔

"میرے لئے پھر وقت نہ ہو گا؟" فوراً خدشہ بیان کیا۔

"سارے وقت تمہارے ہیں۔ تمہارے لئے۔" دھیما انداز بہت کچھ باور کرانے کو کافی

"رہبان عالم شاہ! تم بہت ظالم ہو۔" سجل عباس نقوی نے ایک اور الزام اس کے سر رکھا
وہ سعادت مندی سے مسکرایا تھا۔

"بہتر..... کچھ اور؟"

"رہبان عالم شاہ!" وہ جیسے پھر زچ ہونے لگی۔

"او کے..... لنچ کے لئے چلنا ہے؟" وہ جیسے مہربان ہوا۔

"کیا؟" وہ جیسے حیرانی میں بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ "آپ جیسے عظیم قسم کے
شخص مجھ ناچیز کو لنچ کرانے کی بات کر رہے ہیں۔" وہ جیسے طنز کرنے میں ثانی نہ رکھتی
رہبان عالم شاہ دھیمے سے مسکرا رہا تھا۔ تبھی کہنے لگی۔ "بخدا جب تم سے ملنے نکلتی ہوں تو

یہی گماں گزرتا ہے، کسی ملک کے صدر سے یا پھر وزیراعظم سے ملنے کے لئے جارہی ہو۔
بلکہ تم تو ان سے بھی کہیں زیادہ مصروف نظر آتے ہو۔''

''کہہ سکتی ہو۔ مگر اب وقت ضائع مت کرو۔ باقی باتیں لنچ کے دوران کر لینا۔ یہ
سے تیر سہنے کا حوصلہ ہے مجھ میں ابھی۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

اور تجل عباس نقوی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

۞......۞

کھانے کے بعد وہ اپنے لئے چائے کا کپ بنا کر کچن سے باہر نکلی تھی جب فون کی گھ
بجنے لگی اور وہ لمحہ بھر میں ٹھٹک کر رک گئی۔

ایک...... دو...... تین...... بیلز کا تسلسل چل پڑا۔ وہ نظرانداز کر کے اندر بڑھ جانا چا
تھی، تبھی امی کی آواز کان میں پڑی۔

''ادعیہ! فون دیکھو۔''

اور تب جیسے اس کے لئے کوئی راستہ نہ رہا فرار کا۔

دل کو جیسے یقین تھا کہ دوسری طرف وہی ہوگا۔

بہت دھیمے قدموں سے چلتی ہوئی فون اسٹینڈ کے قریب آن رکی۔ اس نے ریسیور اٹھا
کان سے لگایا تھا۔

''ہیلو!'' بہت دھیمی آواز میں بولی تھی۔

''ہیلو۔ زہے نصیب۔'' دوسری جانب سے کیپٹن اعصار شیخ کی آواز ابھری تھی اور اس
نے ایک گہرا سانس بروقت خارج کیا تھا۔ یہی تو خدشہ تھا اسے۔

اور وہ شخص یقین کی صورت اس سے مخاطب تھا۔

''سلام دعا رسماً ہی کر لینی چاہئے۔ سلامتی بھیجنے سے خدا خوش ہوتا ہے۔'' اسے خاموش
کر وہ بولا تھا۔ تبھی اس نے فوراً کہا تھا۔

''السلام علیکم۔''

''جیتی رہو۔'' اس کا انداز یقیناً غیر سنجیدہ تھا۔ ''کیسی ہو؟''

''ٹھیک ہوں۔'' اس نے سر ہلایا تھا۔

''مجھ سے نہیں پوچھو گی؟'' وہ جیسے اسے بولنا سکھا رہا تھا۔

''کیسے ہیں آپ؟'' بہت رسمی سے انداز میں بہت رسمی سا سوال کر ڈالا تھا اس نے
کیپٹن اعصار شیخ کی منشا کے مطابق۔ مگر اب کے اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''ہیلو۔'' اس کی طویل خاموشی سے جیسے تنگ آ کر وہ بولی تھی۔

''زندہ ہوں...... سن رہا ہوں۔ بلکہ کوشش کر رہا ہوں سمجھنے کی بھی۔''

''کس بات کو؟'' وہ چونکی۔

''ادعیہ شیخ! تم جانتی ہو تمہیں اسپیچ تھراپی کی اشد ضرورت ہے۔'' وہ محظوظ ہوتے ہوئے
اور ادعیہ سلگ گئی تھی۔

''میرے پاس زبان ہے۔''

''اطلاع اچھی ہے۔ مگر کبھی اس کا برملا استعمال بھی کر لیا کریں۔''

''کرتی ہوں، ضرورتاً۔ فضول بولنے کی عادت نہیں ہے مجھے۔''

''اور جو تمہیں سننا چاہتے ہیں وہ کیا کریں؟'' کیپٹن اعصار شیخ کا لہجہ یکدم ہی گمبھیر ہوا تھا
ں کا دل یکدم ہی دھڑک گیا تھا۔

''مجھے نہیں پتہ۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ مگر عین اس گھڑی اعصار شیخ کا ساعتوں
اترتا لہجہ اسے شکستہ کرنے لگا تھا۔

مری تری نگاہ میں
جو لاکھ انتظار ہیں
جو میرے تیرے بدن میں
ہزار دل فگار ہیں
جو میری تیری انگلیوں کی بے حسی سے
سب قلم نزار ہیں
جو میرے تیرے شہر کی
ہر اک گلی میں
رے تیرے نقش پا کے بے نشاں مزار ہیں
جو میری تیری ذات کے
سارے زخم زخم ہیں
گلاب چاک چاک ہیں
یہ زخم سارے بے دوا
یہ چاک سارے بے رفو
کسی پہ راکھ چاند کی

کسی پہ اوس کا لہو
''یہ ہے بھی یا نہیں بتا!
یہ ہے کہ صرف جال ہے
میرے تمہارے عنکبوت وہم کا بنا ہوا
جو ہے تو اس کا کیا کریں
بتا...... بتا......

اس کا مدھم لہجہ جیسے ادعیہ کے پورے جسم و جان میں ہلچل سی مچا گیا تھا۔ یکدم ہی وجود کانپنے لگا تھا۔ اس کی دھیمی آواز اب بھی اس کی ساعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔

''دل جانے کیوں اتنا بے بس کر دیتا ہے انسان کو۔ انتہائی حوصلہ مند، پہاڑ سا شخص بھی شکست خوردہ ہو کر حوصلہ ہارنے لگتا ہے۔ سوچتا ہوں بہت غلط جگہ ڈبو دیا ہے مجھے دل۔

شاید شکوے کا کوئی انداز تھا یہ۔

بھرپور شکایت تھی۔ جسے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سننے پر قادر تھی۔

وہ ریسیور پٹخ کر یقیناً بھاگ جانا چاہ رہی تھی مگر جیسے کسی قوت نے اسے جکڑ لیا ہو۔

''ادعیہ! کون ہے؟'' یکدم ہی شجاع کی آواز ساعتوں سے ٹکرائی تھی اور اس کا دل کر حلق میں آ گیا تھا۔

''ہاں......'' ادعیہ یکدم ہی پلٹ کر دیکھنے لگی تھی۔ شجاع نے بہت نارمل سے انداز میں دریافت کیا تھا یقیناً۔ مگر وہ جانے کیوں بہت زیادہ خوفزدہ ہو کر رہ گئی تھی۔

''کیا ہوا...... کس کا فون ہے؟'' شجاع نے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے کہا تو وہ نارمل ظاہر کرنے کی کوشش میں گہرا سانس خارج کر کے رہ گئی۔ پھر بہت مدھم لہجے میں:

''اعصار شیخ ہے۔''

''اوہ......!'' شجاع جیسے مطمئن سی ہو کر پلٹ کر اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اور وہ ابھی سوچ رہی تھی کہ شجاع کو فون تھما کر خود یہاں سے ہٹ جائے گی تو وہ اپنی اس میں یکسر ناکام رہی تھی۔ ایک گہرا سانس خارج کر کے اس نے اپنی توجہ پھر فون کی سمت مبذول کر لی تھی جہاں اعصار شیخ اس کے لئے ''منتظر'' تھا۔

''ہیلو......!'' وہ اس کی خاموشی پر دھیرے سے بولی تھی۔

''...... ہوں...... ہمہ تن گوش ہوں...... حاضر ہوں...... منتظر ہوں...... رکا ہوا ہوں...... ابھی تک...... انتظار اگرچہ بہت دشوار ترین مرحلہ ہے، جان لیوا چیز ہے......

بہت سی چیزوں کے لئے انتظار کرنا بھی اچھا لگتا ہے۔ شاید یہ ہماری ان اشیاء کے ساتھ وابستگی یا انسیت ہے۔ مگر جی چاہتا ہے خود بخود...... اپنے آپ...... کہ عمر تمام کر دی جائے۔''

اعصار شیخ کا لہجہ بہت دھیما تھا۔

''چاہے انتظار لاحاصل ہو......؟'' وہ فوراً ہی بولی تھی۔

''ہوں......'' اس کا جواب بہت فوری تھا اور ادعیہ جیسے زچ ہو کر رہ گئی تھی۔

''کیا فائدہ اس بات کا جس کا کوئی حاصل ہی نہ ہو۔''

''ادعیہ ڈیئر! بہت سی چیزوں میں حاصل اور لاحاصل کو نہیں دیکھا جاتا۔ سود و زیاں کو نظر رکھ کر جو ''عمل'' اختیار کیا جاتا ہے، وہ ''سودے'' اور ''افعال'' اور ہوتے ہیں۔'' ادعیہ کے لئے جیسے اس کی آواز کی مٹھاس ناگوار تھی۔ بہت چاشنی تھی اور اس کا سارا اندر جیسے کڑواہٹ سے تر تھا۔

''اعصار! زندگی کتابی قصہ نہیں ہے...... نہ ہی دیوانے کا خواب ہے۔ جو لوگ غیر عملی قسم کی باتوں میں وقت صرف کرتے ہیں وہ احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں۔ خوبصورت باتیں صرف زندگی گزارنے کے لئے کافی نہیں ہوتیں۔ باتیں بنانا بہت آسان ہے اور زندگی گزارنا بہت دشوار۔ زندگی خوابوں میں بسر نہیں ہوتی۔ قصے کہانیوں میں نہیں کٹتی۔ حقیقت کو آنکھیں کھول کر فیس کرنا پڑتا ہے اور حقیقت کے سارے منظر بہت پھیکے ہوتے ہیں۔''

''منظروں میں رنگ بھرا بھی تو جا سکتا ہے۔ تمہاری فقط اس بات سے میں اتفاق کرتا ہوں۔'' وہ مسکرایا۔ ''زندگی واقعی بہت پھیکا منظر ہے۔ مگر اس میں رنگ بھرنا فقط ہمارا اپنا فعل ہے اور اس کے لئے بہت سمجھداری کی ضرورت ہوتی ہے۔ حسین رنگ بھرنے کے لئے اور منظر کو جاندار اور دل آویز بنانے کے لئے بہت حسین رنگوں کا انتخاب کرنا پڑتا ہے۔ اور......''

''اور اعصار شیخ! میں اپنا وقت بے معنی باتوں میں صرف کرنا نہیں چاہتی۔'' وہ اس کی بات کاٹتی ہوئی تیزی سے بولی تھی۔ ''میرے سمسٹرز ہونے والے ہیں۔ وقت بہت قیمتی ہے میرے لئے۔''

''بہت پریکٹیکل اور ریلسٹک اپروچ رکھتی ہو تم...... سرد جامد...... زندہ کیسے ہو......؟'' وہ شاید اس کے رویے کو محسوس کرتے ہوئے بولا تھا۔

''بس ہوں زندہ...... جی رہی ہوں...... حقیقت ہے یہ بھی۔'' وہ اس کے تپے ہوئے انداز پر محظوظ ہو کر ہنس دی۔ تبھی وہ بولا۔

''تم نہیں سمجھ سکتیں...... تم نہیں سمجھو گی کبھی......!'' وہ کہتے ہوئے جیسے تھکے ہوئے انداز

میں نفی میں سر ہلانے لگا تھا اور وہ جواب میں ساکت رہ گئی تھی۔

"اینی وے تھینک یو ویری مچ۔ آپ نے مجھے اتنے قیمتی لمحوں میں سے چند لمحے دیئے۔ احسان مند ہوں......!" اعصار شیخ کا لہجہ اور انداز پُرتکلف تھا۔ "شاید میرا وقت قیمتی نہیں تھا...... اور......!" وہ کہتے کہتے رُکا۔ کوئی شکوہ لبوں پر ہی دم توڑ گیا۔

"اینی وے...... ٹیک کیئر......!" اور پھر اس کی آواز کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ اور تب ادعیہ کتنے ہی پل ریسیور کو تھامے یونہی کھڑی رہی۔ پھر جانے کیوں اس کے بچوں جیسے خفا خفا سے انداز پر لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ریسیور رکھ کر وہ چائے کے کپ کی طرف متوجہ ہوئی۔ کپ اسٹینڈ پر یونہی دھرا رہ گیا تھا۔ وہ یکسر بھول گئی تھی۔ اور اب چائے بالکل برف ہو رہی تھی۔ وہ کپ اٹھا کر کچن میں گئی۔ اپنے لئے چائے بناتے ہوئے...... کوئی پرستش سا انداز لئے، دھیما، سلگتا ہوا لہجہ لئے ساعتوں میں مسلسل بولتا رہا اور وہ اس کیفیت کو مسلسل جھٹکنے کی کوشش کرتی رہی۔ پھر جب وہ چائے بنا کر کمرے میں واپس لوٹی تو شعاع جاگ رہی تھی۔ وہ پڑھنے کے موڈ میں اگرچہ اب قطعی نہیں تھی مگر زبردستی ریڈنگ میٹریل لے کر بیٹھ گئی۔ تبھی شعاع جو کوئی کتاب پڑھ رہی تھی، اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

"کیا کہہ رہا تھا اعصار......؟" شعاع کا سوال اگرچہ بہت عام سا تھا مگر وہ یکدم ہی جیسے چونک کر رہ گئی تھی۔ اگرچہ اس کی جانب ادعیہ کی پشت تھی مگر اس کے باوجود جیسے اس کا دل بے حد زور سے دھڑکنے لگا تھا، جیسے شعاع اسے ڈائریکٹ دیکھ رہی ہو۔ نہ صرف دیکھ رہی ہو بلکہ اسے آبزرو بھی کر رہی ہو۔ اور...... شاید اسی خیال سے وہ تیزی کے ساتھ صفحے الٹنے لگی تھی۔

"کچھ نہیں...... تم جانتی ہو، اسے بے تکی ہانکنے کی عادت ہے۔" بہت نارمل سے انداز میں وہ اس کی جانب پلٹے بغیر بولی تھی۔ "اور تم چلی کیوں آئیں...... میں نے پلٹ کر دیکھا تو تم غائب تھیں۔ بات کر لی ہوتی موصوف سے۔" ادعیہ نے یونہی صفحات کو جانچتے ہوئے کہا تو شعاع مسکرا دی۔

"میں سمجھی وہ صرف تم سے بات کرے گا۔" اس کے جملے پر ادعیہ یکدم ہی گردن گھما کر دیکھنے لگی۔ وہ قدرے نیم دراز "THE PAPER OF BLUE EYES" سینے پر دھرے بہت شرارت سے مسکراتی ہوئی اسے تک رہی تھی۔ اس کی شرارت پر وہ دھیرے سے مسکرائی۔

"حالانکہ میں قطعاً بات کرنا نہیں چاہتی تھی۔"

"کیوں......؟"

"بس موڈ نہیں تھا۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔ کوئی بیچارا انسان اگر مروت میں فون کرے تو اتنا کٹھور نہیں بننا ہے۔ اور اعصار شیخ تو پھر بہت پیارا بندہ ہے۔ بہت پُرخلوص...... بہت ملنسار، بہت سلجھا ...ویل بی ہیوڈ...... ویل مینرڈ اور ایٹی کیٹس کی فکر کرنے والا۔ اپنے پورے ددھیال میں ...بی اماں کے بعد مجھے وہی بندہ اچھا لگتا ہے۔ وہ کم از کم دوسروں کی طرح دوغلا اور دنیاوی ...نوں کا شکار نہیں ہے۔ بہت فیئر اپروچ ہے اس کی۔ پورے خاندان کی مخالفت مول لے ...وہ ہمیں مل رہا ہے تو یہ اس کی صفت ہی ہے۔" شعاع نے اس کی کئی صفات ایک ساتھ ...کیں تو جانے کیوں وہ تپ گئی۔

"کس نے کہا ہے مخالفت اختیار کرنے کو۔ زبردستی تو نہیں ہے۔ نہ ملے......!"

شعاع نے اسے اطمینان سے دیکھا، پھر دھیمے انداز میں مسکرا دی۔ "ادعیہ! جذبات اچھی ...ہیں۔ مگر حواس برقرار رکھنا بھی بڑی بات ہوا کرتی ہے۔ کول نس انسان میں ایک مثبت ...لی لاتی ہے۔ اور یہ مثبت تبدیلی غور و فکر پر مائل کرتی ہے۔ غور و فکر عقل کو تحریک دیتی ہے ...قل کبھی غلط فیصلے نہیں کرتی۔" شعاع بہت تحمل سے اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔ "تعلقات ...ڈور سلجھانا جہاں بہت دشوار ہے، وہیں الجھانا بے حد آسان۔ مگر عقل اور دانش مندی کا ...نا یہی ہے کہ الجھی ہوئی ڈور کو نہ صرف سلجھایا جائے بلکہ اسے اس احتیاط سے تھاما جائے، ...نت اتنی نرم ہو کہ وہ ٹوٹنے نہ پائے۔"

"اور اگر پھر بھی ڈور ٹوٹ جائے تو......؟" شعاع یکدم سر اٹھا کر تکنے لگی اور شعاع نے ...تو اسے دیکھا پھر دھیرے سے مسکرا دی۔ وہ جتنی تحمل مزاج اور سرد تھی، ادعیہ میں اتنی ہی ...تیت تھی۔ وہ یقیناً بچی نہ تھی۔ اور یہ بھی نہ تھا کہ ہمیشہ ہی اس کی اپروچ اتنی بچگانہ رہی ...گر کبھی کبھی وہ بچوں کی طرح ری ایکٹ کر جاتی تھی۔ اور تب شعاع کو بالکل ضدی سی بچی ...تی تھی۔

"ادعیہ...... ڈور کو نرمی سے سلجھایا جائے تو کبھی نہیں ٹوٹتی۔ بڑوں کے کئے ہوئے فیصلے اور ...یقیناً سمجھداری یا دانش مندی کی دلیل نہ تھے مگر ہم چھوٹوں پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ...کہ ہم وہ غلطیاں کم از کم نہ دہرائیں جو ہمارے بڑوں نے کیں۔ جب کوئی اچھی طرح ...رہا ہو، مسلسل خلوص کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہو تو کم از کم جواب میں اخلاقاً رُوڈنس کا ...نہیں کرنا چاہئے۔ انا سب میں ہوتی ہے۔" شعاع نے مکمل طور پر اعصار شیخ کی حمایت ...وہ کپ ایک طرف رکھ کر اسے دیکھنے لگی۔

"شعاع! کم از کم ہم نے کسی سے نہیں کہا کہ وہ اپنی انا کو اٹھا کر ہمارے سامنے آزمائش

کے لئے آن کھڑا ہو......'' ادعیہ کی رائے یقیناً مستند نہ تھی۔ تبھی تو جواب میں شعاع یکدم
ہنسنے لگی تھی۔ اور ادعیہ پلٹ کر پیپروں سے الجھنے لگی تھی۔

''اگر پڑھنے کو دل نہیں چاہ رہا تو لائٹ آف کر کے بستر پر آ جاؤ......'' شعاع بولی تو
جیسے کہہ رہی ہو۔ ''کوئی زبردستی نہیں ہے۔'' اور ادعیہ نے یکدم پلٹ کر دیکھا تھا۔ اس کے
لبوں پر واقعی مسکراہٹ تھی۔

''شعاع!'' وہ جانے کیوں غصہ کرنے کی کوشش کے باوجود بھی مسکرا دی۔

''مجھے نیند آ رہی ہے۔'' شعاع نے اس کی تنبیہ کے جواب میں کہا تھا۔

''مگر مجھے پڑھنا ہے۔''

''دل نہ چاہ رہا ہو تب بھی......؟'' شعاع یکدم بولی تھی۔ اور وہ جانتی تھی شعاع اس کا
چہرہ ''پڑھنے'' کی صلاحیت رکھتی ہے۔ تبھی اب کے اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

''بہت سے کام دل کے نہ چاہنے کے باوجود بھی کرنے پڑتے ہیں۔''

''یہ تو جبر ہوا۔'' شعاع نے جیسے افسوس کیا۔ وہ مکمل بے بسی کے ساتھ سر ہاتھ سے تھام
کر رہ گئی۔ تبھی شاید شعاع کو اس پر ترس آ گیا جو بحث کو سمیٹتے ہوئے بولی۔

''اینی وے۔ پڑھو تم...... میں یونہی سونے کی کوشش کرتی ہوں۔''

''تم اگر ڈسٹرب ہو رہی ہو تو میں باہر چلی جاتی ہوں۔'' ادعیہ بولی۔

''ارے نہیں......'' وہ اس کے اکیلے باہر بیٹھنے کے خدشے کے تحت بولی۔ ''تم پڑھو
بیسٹ آف لک...... مگر صبح مجھے جلدی جگا دینا۔'' شعاع نے ناول ایک طرف رکھ کر آنکھوں پر
بازو رکھ کر آنکھیں موند لیں تو ادعیہ ایک گہرا سانس خارج کرتی ہوئی پڑھنے کی کوشش کرنے
لگی۔ مگر ہر صفحے پر جیسے لفظوں کی جگہ ایک ہی چہرہ نمودار ہونے لگا تھا۔ اور تب وہ صفحوں کو
ایک طرف پٹخ کر رہ گئی اور سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

'کس قدر ''بزدل'' اور ''چور'' بنا دیا ہے تم نے مجھے۔ ایسی تو نہ تھی میں......' اپنے دل کی
بے تحاشا تیز اور منتشر دھڑکنوں کو قابو میں لاتے ہوئے اس نے ایک ''غیر موجود'' وجود کو
بھرپور انداز میں کوسا۔

'سامنے آ جاؤ تو حشر کر دوں تمہارا محترم کیپٹن اعصار شیخ......!'

اس نے مکمل طور پر غصہ نکالتے ہوئے لمحہ بھر کو سوچا تھا۔ پھر ایک گہرا سانس خارج کرتی
ہوئی اٹھی تھی اور لائٹ آف کرتی ہوئی بیڈ پر آ گئی تھی۔

☆......☆

کوئی چھاؤں ہو
جسے چھاؤں کہنے میں
دوپہر کا گماں نہ ہو
کوئی شام ہو
جسے شام کہنے میں شب کا کوئی نشاں نہ ہو
کوئی وصل ہو
جسے وصل کہنے میں ہجر رُت کا دھواں نہ ہو
کوئی لفظ ہو
جسے پڑھنے کی چاہ میں
کبھی ایک لمحہ گراں نہ ہو
یہ کہاں ہوا ہے کہ ہم تمہیں
کبھی اپنے دل سے پکارنے کی سعی کریں
وہیں آرزو بے اماں نہ ہو
وہیں موسم غم جاں نہ ہو......!

کبھی کبھی دلاسے بھی کام نہیں آتے۔ کسی کے ہمدردی میں کہے گئے مخلصی لئے لفظ بھی کم
لگنے لگتے ہیں۔ شاید اس لئے بھی کہ ہمدردی جتنے بھی اخلاص اور نیک نیتی سے کی
جائے...... زخموں پر پھاہے جتنی بھی توجہ سے رکھے جائیں، زخم جلنے لگتے ہیں۔ شاید اس لئے
کہ ہمدردی فقط ہمدردی ہوتی ہے۔

ہمدردی کو محبت نہیں کہتے اے دوست......!
اب مجھ سے تیرا شکوہ بے جا بھی نہیں
محبت اور ہمدردی یقیناً دو متضاد چیزیں ہیں
محبت میں ہمدردی بھی کی جائے تو ناگوار نہیں گزرتی...... بری نہیں لگتی۔

دل میں پھانس بن کر کھٹکتی نہیں۔

بہت آرام ملتا ہے۔ بہت سکون ہوتا ہے اپنے مطلوب سے کوئی حرفِ ستائش سن کر، کوئی لفظ، کوئی فقرہ...... جو محبتوں سے مغلوب ہو......!

محبت سب جذبوں پر جیسے پردہ ڈالتی جاتی ہے۔

ہمدردی کا رنگ بھی جیسے اس محبت کے گاڑھے رنگ میں مل جاتا ہے اور بجائے کوفت ہونے کے مزید توقع کی جاتی ہے، جن سے وابستہ ہیں وہ کوئی ایسی بات کہیں جس سے ''اپنائیت'' جھلکتی ہو۔

کوئی ایسی بات جس سے محسوس ہو کہ ہم اس کے لئے اہم ہیں...... اسے عزیز ہیں۔

جملۂ ہمدردی ہی سہی......!

کچھ کہے ضرور! جو معتبر کردے...... سارے وجود کو سرشار کر دے۔ مگر جہاں دل کا کوئی تعلق نہ ہو، فقط روایتی ہمدردی ہو، وہاں جیسے خلوص میں کہی ہوئی ہر بات بھی پھانس بن کر حلق میں اٹک جاتی ہے۔

کوئی لفظ معتبر ہوتے ہوئے بھی جیسے معتبر نہیں لگتا۔

نظریں مشکور ضرور ہوتی ہیں۔

دل احترام ضرور کرتا ہے۔

عزت ضرور کرتا ہے اس جذبے کی۔ قدر و منزلت اور بھی بڑھ جاتی ہے کہنے والے کی۔

مگر ہمدردی...... ہمدردی ہی رہتی ہے۔

اثر دیرپا نہیں رہتا......!

وہ کچن میں تھی...... جب وہ واپس لوٹا۔ وقت خاصا گزر چکا تھا۔ آج یقیناً رہبان عالم شاہ کو دیر ہو چکی تھی۔ وہ آہٹ پر نہ تو چونکی تھی، نہ ہی پلٹ کر دیکھا تھا۔ وہ خود ہی چلتا ہوا دروازے کے بیچ میں آن رکا تھا۔

''ہیلو...... کیا ہو رہا ہے......؟'' وہ یقیناً بہت دھیمے انداز میں مسکراتا ہوا دریافت کر رہا تھا۔ مگر مژگان نے پلٹ کر جانے کیوں نہیں دیکھا تھا۔ یونہی پشت کیے مصروف رہی تھی۔ ہاں دھیرے سے بادل نخواستہ جواب دے دیا تھا۔

''ڈنر کی تیاری ہو رہی ہے......!'' آواز اتنی ہی تھی کہ بہت مشکل سے رہبان عالم شاہ تک منتقل ہوئی تھی۔

''کیا بن رہا ہے......؟''

''اٹالین رائس...... سیلڈ اور بروسٹ چکن......!'' اس نے چیدہ چیدہ بتایا۔

''ویری نائس......!'' رہبان عالم شاہ نے گویا داد دی۔ نظریں اس کی پشت پر تھیں۔ وہ ن پھیرے بہت ماہرانہ انداز میں مسلسل ہاتھ چلا رہی تھی۔ اس دوران ایک بار بھی مڑ کر اس جانب نگاہ نہیں کی تھی۔ وہ یقیناً آج خلافِ معمول دیر سے لوٹا تھا اور ڈنر بھی تجل عباس ی کے ساتھ کر چکا تھا اور جانے اب مسلسل دہلیز کے بیچوں بیچ رکا، پینٹ کی جیبوں میں ڈالے اس کی جانب بغور تکتے ہوئے وہ کس بات کا منتظر تھا۔ ''کچھ'' پوچھنے یا دریافت نے کا ''حق'' تو یقیناً اس نے اسے نہیں دیا تھا۔ کوئی ایسا ''تعلق'' بنایا ہی نہ تھا۔ فقط کاغذی بندھن'' کب ایسی ''مروتوں'' کی اجازت دیتا ہے۔ فقط ''ہمدردی'' کے بدلے کوئی تحقاق'' تو قطعی نہیں جما سکتا۔

وہ تعلق تو اور ہی ہوتے ہیں جن میں ''وضاحتیں'' دی جاتی ہیں۔ ''تاویلیں'' پیش کی جاتی ۔ ذرا سی ''ناراضگی'' کے خیال سے خیال کیا جاتا ہے۔ سو سو حیلے بہانے بنائے جاتے ۔ ''اطمینان'' دلانے اور ''یقین'' دلانے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ اور......!

یہاں تو کچھ بھی نہ تھا۔

نہ نظر...... نہ دل......!

نہ التفات......

نہ الفت...... نہ کرم، نہ ستم۔

نہ جواز مانگنے اور پیش کرنے والی کوئی رسم۔

کچھ بھی تو نہ تھا۔

پھر......!

''آپ......!'' وہ جانے کس خیال سے واپس مڑی تھی۔ پھر اسے مکمل توجہ سے اپنی دیکھتا پا کر رک گئی۔ وہ یہی سمجھی تھی شاید وہ چلا گیا ہوگا یا پھر اگر موجود ہوگا تو اس کی اس درجہ توجہ سے قطعی متوجہ نہیں ہوگا...... مگر۔

''ہوں...... کچھ دیر ہو گئی آج۔'' وہ جواب میں گہرا سانس خارج کرتے ہوئے بولا تھا۔ رچہ اس نے وضاحت نہیں مانگی تھی مگر وہ جانے کیوں اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔ یہی باور کرانے کو کہ اس نے وضاحت قطعی نہیں چاہی تھی۔

''تجل عباس نقوی آ گئی تھی...... پھر اس کے ساتھ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔'' نے کیوں انتہائی صاف گوئی کے ساتھ وضاحت پیش کرتا ہوا بولا۔ اور مژگان یہ تو قطعی

نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس کا پابند ہو کر رہ جائے یا اپنی پرسنل چیزوں کے لئے بھی اسے اس کے سامنے "وضاحتوں" سے کام لینا پڑے۔ یقیناً اس کی اپنی زندگی تھی اور اسے گزارنے کا حق بھی اس کا اپنا ہی تھا...... وہ مداخلت کرنا نہیں چاہتی تھی۔ قطعاً بھی اس پر حد سے زیادہ مسلط ہونا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی تو وہ خاموشی کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے اس کی جانب تکنے لگی تھی۔ پھر اس سے قبل کہ وہ کچھ اور کہتا، وہ دھیرے سے مسکراتی ہوئی بولی۔

"سجل کیسی ہے......؟"

"ہوں...... ٹھیک ہے۔" وہ سر ہلاتا ہوا کہنے لگا۔ "کتنی دیر ہے کھانے میں......؟" اگرچہ وہ سجل کے ساتھ ڈنر کر چکا تھا مگر فقط اس کے خیال سے بولا تھا اور وہ جانے کیوں بے ساختہ مسکرا دی تھی۔

"بس تیار ہے۔"

رہبان عالم شاہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنے لگا۔ "اوکے، تم ٹیبل لگاؤ، میں چینج کر کے آتا ہوں۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ تب مژگان جانے کیوں تا دیر اس لمبے چوڑے شخص کی سمت تکتی رہی تھی۔ حالانکہ وہ کب کا دروازے کے پیچھے غائب ہو چکا تھا۔

پھر جب وہ سوچوں میں گم ٹیبل لگا رہی تھی، تبھی وہ سفید شلوار کرتے میں فریش سا اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

"کھانا لگا نہیں ابھی تک......؟" بھوک نہ ہونے کے باوجود اس کا تاثر شاندار تھا۔ وہ جانے کیوں اس کی جانب دیکھتی ہوئی مسکرا دی۔ تبھی رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا۔ انداز خاصی تھکن لئے ہوئے تھا۔ وہ خالص گھریلو انداز میں تھی۔ اسکائی بلیو سوٹ پر وہائٹ اپرن پہنے، بالوں کو اسکارف میں باندھے بہت رف سا انداز تھا۔ بالوں کی کئی لٹیں اسکارف سے باہر تھیں۔ چہرہ ان کے گھیراؤ میں بہت بھلا سا تاثر دے رہا تھا۔ وہ بلا ارادہ تکنے لگا۔ وہ جو اپنے ہی دھیان میں برتن لگا رہی تھی، سر اٹھا کر اس کی سمت تکنے لگی اور اس کے پوری طرح متوجہ ہونے پر بھی وہ اس کی سمت جب اسی طرح تکتا رہا تو وہ جانے کیوں نظریں جھکا گئی۔

"کھانا بالکل ریڈی ہے۔" وہ کہہ کر واپس کچن میں چلی گئی۔ پھر تیزی سے ڈشز اس کے سامنے لا کر رکھنے لگی۔

"ہوں..." وہ خوشبوؤں کو رغبت سے محسوس کرنے لگا۔ "لگتا ہے تم نے بہت محنت کی ہے؟"

"ہوں...... کی تو ہے......" وہ جیسے زبردستی مسکرائی۔

"خوشبو تو بہت شاندار ہے۔ بھوک یکدم ہی بڑھنے لگی ہے۔"

وہ سلاد کی پلیٹ اس کے سامنے رکھتی ہوئی چیئر کھینچ کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنے لئے پلیٹ میں کھانا نکالنے لگا۔ وہ اس سارے عمل کو بغور تکتی رہی۔ شاید یہ انسانی فطرت ہے کہ کوئی بھی کام کرے، جواب میں ردِعمل کے لئے بڑی بے چینی سے منتظر رہتا ہے اور خصوصاً جب کوئی بہت لگن سے کیا ہو، بہت محنت کے ساتھ...... بطور خلوص......!

تبھی شاید مژگان کی نظریں بھی رہبان عالم شاہ کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ اس کے کھانا پلیٹ میں نکالنے تک اور ٹیسٹ کرنے تک وہ اپنا ہاتھ روکے اس کی جانب متوجہ رہی تھی۔

"بہت ٹیسٹی...... بہت عمدہ......!" رہبان عالم شاہ نے پہلا لقمہ لینے کے بعد بھرپور داد دی۔ "تم تو واقعی بہت اچھی کک ہو......!" وہ مسکرایا تو وہ جواباً دھیمے سے مسکرا دی۔

"شکریہ......!" وہ کہہ کر آہستہ آہستہ کھانے لگی۔ یہ درست تھا کہ اس نے فقط اس کے ...ں سے اہتمام کیا تھا بلکہ کھانا بنانے کی "تحریک" وہی تھا...... اسے قطعی طور پر بھوک نہ تھی۔ جب اندر تک درد ہی درد ہو تو پھر "بھوک" نہیں محسوس ہوتی۔

اور وہ ان دنوں ایک کڑے ضبط سے گزر رہی تھی۔ درد کا جو پہاڑ اس پر ٹوٹا تھا وہ ظاہر تھا منکشف تھا...... دیکھنے والے نے دلاسا بھی دیا تھا۔ تسلی بھی دی تھی...... مرہم رکھنے کی کسی کوشش کی تھی۔

مگر درد ختم نہیں ہوا تھا۔ ہاں...... قدرے تھم گیا تھا۔ اور شاید اس "ہمدردی" کے صلے میں جواباً اس نے اپنا "رویہ" قدرے پُر اعتدال ظاہر کرنا چاہا تھا اور اس کوشش میں وہ اس ...ح کے "مشغلے" اختیار کرنے لگی تھی۔ اب بھی اگرچہ بہت شوق سے سب کچھ تیار کیا تھا مگر ...ا جیسے بس سے باہر لگ رہا تھا اور وہ یونہی شاید "دکھاوے" کو لقمے زہر مار کر رہی تھی۔ ...وہ اسے دیکھنے لگا تھا۔

"تم کھا نہیں رہیں......؟" وہ جس انداز سے چمچ سے کھیل رہی تھی، وہ اسے بغور تکتے ...ے دریافت کرنے لگا تھا اور وہ چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ پھر یکدم سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"نہیں...... کھا رہی ہوں...... آپ کچھ اور لیں گے......؟"

"نہیں......!" وہ نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔ تبھی وہ پوچھنے لگی تھی۔

"سجل کو آگاہ کر دیا آپ نے......؟" اس کا سوال اگرچہ بہت انوکھا تھا مگر رہبان عالم چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ پھر بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ وہ یقیناً اپنے اور ...ے درمیان قائم "تعلق" کے متعلق دریافت کر رہی تھی۔

"کیوں......؟" وہ یکدم ہی دریافت کر گئی تھی۔ پھر جانے کیوں احساس ہوا تو چپ ہو کر

سر جھکا گئی۔ رہبان عالم شاہ خاموشی سے اسے دیکھنے لگا تو اس کی نظروں کو محسوس کرتی ہوئی
بولی۔ ''آپ کو آگاہ کر دینا چاہئے اسے، اس طرح اعتماد کی فضا بحال ہو گی۔ بصورت
دیگر......'' وہ لمحہ بھر کو توقف کے لئے رُکی، پھر بولی۔ ''میں نہیں چاہتی میری وجہ سے آپ
پر کوئی مصیبت مزید آئے۔ بخدا مجھے قطعاً کچھ علم نہ تھا۔ ورنہ ایسی صورتحال کبھی بھی کری ایٹ
نہ ہوتی۔'' وہ جیسے افسوس کرتی ہوئی بولی۔ ''آپ...... آپ پلیز سجل کو آگاہ کر دیجئے۔ ورنہ میں
خود کو شاید کبھی معاف نہ کر سکوں گی۔'' وہ بہت دھیمے انداز میں بول رہی تھی۔ لہجے سے اس
کے ''اندر'' کا صاف احساس ہو رہا تھا۔ یقیناً وہ افسردہ تھی۔ پریشان تھی۔
رہبان عالم شاہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ جانے کیوں کچھ بولا نہیں تھا۔ اور تبھی وہ سر اٹھا
کر اسے تکنے لگی تھی۔ ''آپ کے لئے اگر یہ مرحلہ دُشوار ہو تو میں کوشش کروں؟''
''مژگان......!'' وہ اس کی بات سن کر بہت رک کر دھیمے لہجے میں مخاطب ہوا تھا۔ ''تم
پریشان مت ہو...... اور نہ ہی اپنے آپ کو مجرم تصور کرو۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو گا۔''
''مگر......''
''قبل از وقت کوئی بھی کام نہیں ہوا کرتا...... ہر شے کا ایک وقت مقرر ہوتا ہے اور اسے
ہر صورت اسی وقت میں ہونا ہے۔ ہمیں خود پر اعتماد برقرار رکھنا چاہئے۔ اپنے حوصلہ پر اعتماد
رکھنا چاہئے۔ ثابت قدمی کے ساتھ تمام مراحل کو سر کرنا چاہئے اور خدا پر اپنا ایمان مضبوط رکھنا
چاہئے۔ جب ایسا ہو گا تو پھر کسی طرح کی کوئی پریشانی یا مایوسی ہمارا گھیراؤ قطعی نہیں کرے
گی۔'' بہت دوستانہ انداز میں بولا تو وہ دیکھ کر رہ گئی۔ تبھی وہ رومال سے ہاتھ صاف کرتا ہوا
بولا۔ ''باہر کہیں آؤٹنگ کے لئے جانا ہے......؟''
وہ یکدم نفی میں سر ہلانے لگی۔ ساتھ ہی باقاعدہ بولی۔ ''نہیں......!''
''کیوں......؟'' وہ یکدم دریافت کرنے لگا اور مژگان کوئی جواب نہ دے سکی۔ تبھی وہ
بولا۔ ''مژگان! اس طرح کثافتیں مزید بڑھتی ہیں۔ گھٹن شدید ترین ہو جاتی ہے اور......''
''میں کیا کروں...... دل ہی نہیں مانتا۔'' وہ تھکن زدہ لہجے میں بولی۔
''تو مناؤ دل کو...... سمجھاؤ۔ کم از کم اتنا تو کہ تم جینا چاہتی ہو......!'' وہ یکدم مسکراتے
ہوئے بولا تو وہ جواباً اس کی جانب تکنے لگی۔ رہبان عالم شاہ کے لبوں پر بہت خوبصورت تبسم
ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ ہولے سے مسکرا دی تھی۔
''جینا بہت دشوار ہے رہبان عالم شاہ......!'' اس کی آواز میں مایوسی ہی مایوسی تھی۔
''اوں...... ہوں...... جینا مشکل نہیں ہے۔ جینے والے تھک ہار کر اسے مشکل بنا دیتے

وہ باور کرانے والے انداز میں بولا تو وہ جیسے اسے مطمئن کرنے کو زبردستی مسکرا دی۔
''چلیں باہر......؟''
وہ جانتی تھی، وہ شخص شدید ترین تھکا ہوا تھا۔ فقط ''جذبہ ہمدردی'' کے تحت پیشکش کر رہا
اور وہ قطعی اتنی بے رحم نہ تھی کہ اس کے لئے مزید ''تکلیف'' کا باعث بنتی۔ تبھی سر نفی میں
ہلاتے ہوئے اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی تھی۔
''پھر کبھی سہی...... آج قطعی موڈ نہیں۔''
اور رہبان عالم شاہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔
''آپ کافی لیں گے......؟'' وہ سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔
''اوں...... ہوں...... موڈ نہیں۔'' وہ کہہ کر اٹھ گیا تھا۔ اور اپنے کمرے کی جانب بڑھنے
لگا تھا۔ اور تب جانے کیوں مژگان اس کی سمت تکتی چلی گئی تھی۔

۞......۞

چھوٹی بی بی کی منگنی ہو گئی تھی۔ چار مہینے بعد کی شادی کی تاریخ پڑی تھی اور اس نے اب
طے کر لیا تھا کہ اب اس جانب پلٹ کر نہیں جانا۔ چاہے کائنات بی بی لاکھ بلاوے دے کر
بلاتی رہیں۔ چاہے لاکھ محبتیں لٹاتی رہیں۔ وہ کوئی بہانہ کر دے گی۔ یا پھر انکار......!
مگر یہ مناسب تو نہ تھا۔ کس قدر خلوص تھا اس کے رویے میں۔ وہ ایک کم درجہ ملازمہ کی
بیٹی تھی۔ ان پڑھ...... کم حیثیت، کم مرتبہ...... اور اس کے باوجود کیسی توجہ دیتی تھیں وہ اس پر۔
شاید غرور نامی کوئی شے نہ تھی ان میں...... ورنہ تو لوگ نوکروں کو یا خدمت گزاروں کو
قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتے، کجا ان پر نوازشات کرنا اور توجہ دینا...... نہ جانے پر باقاعدہ
منت دے کر بلوانا۔
وہ اپنی حیثیت سے واقف تھی اس لئے چھوٹی بی بی کی مشکور بھی تھی۔
مگر......!
اس سارے مرحلے میں دل پر جو کیفیت گزرتی تھی، وہ یقیناً جان لیوا تھی۔
اک قیامت تھی جو جان پر گزرتی تھی۔ دل جیسے تھمنے سا لگتا تھا۔
حالانکہ معاملہ دل کا ہی تھا۔ اور اگرچہ دل کے تقاضے خواہ کچھ بھی ہوں، اس کی تمام تر
حکمرانیاں جیسے ہر شے اپنے اختیار میں کرنے میں ماہر ہوں۔ مگر کبھی کبھی دل کا ہاتھ یک
لخت عقل دھیرے سے تھام کر جیسے کسی گہری نیند سے جگا دیتی ہے۔
مدہوشی سے ہوش کی دنیا میں لے آتی ہے۔

بے وقوفی سے خرد مندی کی جانب دھکیل دیتی ہے۔ کم عقلی سے ہٹ کر عقل و
ادراک کے در وا ہوتے ہیں۔ دل کیسا ہی قوی سہی، مگر عقل اور خرد کا اپنا ایک ورد ہے
کو ہولے ہولے راہِ راست پر لے ہی آتا ہے۔

وہ بہت زیادہ عقل مند نہ تھی۔ عمر رسیدہ نہ تھی۔ تجربہ کار نہ تھی مگر دل کے دھڑکنے کے
رمز سمجھنے لگی تھی۔ ساتھ ہی اس کی عقل کے در بھی کھلے ہوئے تھے۔

وہ جانتی تھی، بہت کچھ ہو چکا تھا۔

سب سے بڑی بات دل ہی نہ رہا تھا۔

مگر ایک اور بہت بڑی حقیقت بھی اس پر منکشف تھی کہ دل کے جانے کے باوجود بھی
کے قدم اس کی ریت رواجوں سے بندھے ہوئے تھے۔ دل نے ایک انجان شخص تک ا
لمحے میں سفر کیا تھا۔ مگر وہ اپنے قدموں سے یہ سفر صدیوں میں بھی نہ پاٹ سکتی تھی۔ وہ ز
کی خاک تھی۔

اور دل دھڑکانے والا آسمان کا چاند......!

یا اس سے بھی کہیں بڑھ کر۔

ساری حقیقت منکشف تھی اس پر۔

وہ بیوقوف تھی۔ مگر کہانیوں میں، قصوں میں سفر نہیں کرتی تھی۔ بہت سے قصے نے
بے بے سے اس نے شہزادوں کے، راجوں کے، مگر وہ جانتی تھی، یہ دور ان خوابوں کے
سے بہت مختلف تھا۔ وہ قصے کہانیاں حقیقت پر مبنی نہ تھے۔ اور وہ......!

بس اس نے سوچ لیا تھا، وہ اب قطعی اس طرف نہیں جائے گی۔ کم از کم چھوٹی بی بی
شادی سے پہلے تو قطعی نہیں۔ مگر اس سے اگلے ہی دن چھوٹی بی بی نے اسے پھر حویلی بلا
تھا اور وہ دھڑکتے دل کو لے کر رہ گئی تھی۔

"بے بے! میرا دل نہیں مانتا۔ پھر سردیاں مک گئی ہیں۔ بسترے بھی پیٹی میں ڈالنے
اور......" اس نے بہانہ بنانا چاہا مگر بے بے حقہ دم کرتی ہوئی اسے ناگواری سے دیکھنے لگیں۔

"زیادہ نخرے مت کیا کر۔ چھوٹی بی بی نے اتنی محبت سے بلایا ہے۔ کام کا نام
سنتے ہی جان نکلنے لگتی ہے تیری تو۔ وہاں بہتیرے نوکر ہیں۔ تجھے کوئی پہاڑ توڑنے کو نہیں
گا۔" بے بے نے بڑے آرام سے اس پر کام چوری کا الزام عائد کیا تو وہ احتجاجاً خاموشی
دیکھ کر رہ گئی۔

"تین چار مہینوں کی مہمان ہے بس۔ پھر کوئی نہیں بلائے گا وہاں۔ بیاہ کر چلی جائے

مہمانوں کی طرح آیا کرے گی۔ صفت ہے چھوٹی بی بی کی جو تجھ خدمت گار کو اہمیت
رہی ہے۔ ورنہ کوئی پوچھتا بھی نہیں۔ اور تو ہے کہ نخرے دکھا رہی ہے......!"

"بے بے! ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ مختصراً بولی۔ پھر بنا کچھ مزید کہے برتنوں کے ٹوکرے
آٹا گوندھنے والی پرات اٹھائی اور پھر آٹا چھاننے کے لئے باورچی خانے کے اندر
گئی۔

پھر جب وہ آٹا گوندھ رہی تھی، تبھی بے بے حقہ گڑگڑاتی ہوئی بولیں۔

"چلی جانا...... بڑے نیک اور بی بے لوگ ہیں۔ کم کم ایسے حاکم ملتے ہیں جو ملازموں کو
اپنے نال کا درجہ دیں۔ ڈرن دی کوئی لوڑ نہیں۔ سب اپنے ہیں۔ وڈے چوہدری صاحب کا
اخلاق جتنا وڈا اور بلند ہے اتنا ہی باقی افراد کا بھی ہے۔ اج تک عمر گال دی حویلی میں۔ پر
کوئی گل نہ سنی کسی سے۔ فرشتے ہیں اپنی صفت میں۔" بے بے نے حویلی کے لوگوں کی
بھرپور تعریف کی۔

"لے، فرشتے بھلا زمینوں پر بھی ملتے ہیں کبھی؟" وہ بے بے کی بات سن کر مسکرائی۔

"لے، اس میں ہنسنے کی کون سی گل ہے۔ ہوتے ہیں فرشتے زمینوں پر بھی۔ انسان کے
ہی سے روپ ہیں۔ چنگے وی اور مندے وی۔ ہر برائی بڑی چھیتی پھیلتی ہے۔ اچھائی پچھان
والے تھوڑے ہوتے ہیں اور برائی نوں پکڑن والے بہتیرے۔ پر سچائی والے لوگ اپنا آپ
اللہ دے نے۔" بے بے نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تو اس کا مطلب بھلا یہ ہوگا کہ وہ چنگے لوگ فرشتہ ہو گئے۔ فرشتے تو بڑے پاک باز
ہوتے ہیں۔" وہ بحث میں الجھی۔

"جھلیئے لوکے! فرشتے زمینوں پر نئیں آتے سدھے۔ انسان ان جیسی صفتیں لے کر آتے
ہیں اور اپنے طور اطوار سے نام بناتے ہیں۔" بے بے نے کہا۔ پھر حقہ گڑگڑا کر بولی۔ "اب
ان گل باتوں میں مت اڑا۔ چھیتی کر چھیتی۔ تیرا چاچا اور ویر آتے ہوں گے۔"

بے بے کی بات پر وہ سر ہلاتی ہوئی تیزی کے ساتھ آٹا گوندھنے لگی۔ مگر سارا ذہن جانے اسی
کیوں رہا۔

جانا تو کل تھا۔

حالانکہ اس نے اگرچہ کل کی بھری تھی مگر دل ابھی سے ڈر رہا تھا۔ اس آنے والے لمحے
وہ خوفزدہ تھی۔ حالانکہ ڈر تو کسی بھی بات کا نہ تھا۔ وہ چور تو نہ تھی مگر جانے کیوں کوئی
بکل مارے بیٹھا تھا۔ شاید سارے اندیشے اس کے خود ساختہ تھے۔

سارے وسوسے اپنے اخذ کردہ تھے۔ مگر پھر بھی دل مطمئن تو نہ تھا۔ حویلی کے نام
جیسے ایک بھونچال سا آ جاتا تھا اندر...... حالانکہ کوئی ایسا خاص ردعمل بھی نہ تھا دوسری ج
سے۔ وہ تو بے خبر آسمان تھا۔

بلند...... اونچا...... بہت اونچا۔

اور وہ سر اٹھا کر اسے تکنے لگتی تو جیسے گردن اکڑنے لگتی۔ مگر دل جانے کیوں اس ط
مائل ہو گیا تھا۔

حالانکہ اِک نگاہ بھی تو التفات کی نہ تھی۔

نوازش بھری اک نظر بھی تو نہ پڑی تھی۔

بلکہ وہ تو جیسے اسے نوٹ ہی نہ کرتا تھا۔

بالکل ایک ''غیر اہم'' شے کی طرح اسے دیکھے یا بنا دیکھے بغیر کسی محسوسات کو ظاہر
قریب سے گزر جاتا۔ کبھی دانستہ نادانستہ نظر پڑ بھی جاتی۔

مگر سب کچھ کتنا سرسری ہوتا۔

پھر بھی جانے کیوں اس کے اندر قیامت برپا رہتی۔

اکثر وہ سوچتی تو وہ اس سفر میں خود کو تنہا ہی چلتی ہوئی نظر آتی۔

اور......!

وہ یہی تو نہیں چاہتی تھی۔

دور تک تنہا چلنا...... اور پھر واپسی کے سارے در بند پانا...... ساری راہیں مسدود اور
بے وقوف تھی...... بے عقل تھی...کم عمر تھی...... ناتجربہ کار تھی۔ ہاں مگر اتنی سوجھ بوجھ تو تھی
دل ہار گئی تھی...... بلا ارادہ...... غیر دانستہ...... بے شعوری میں۔ مگر مزید نقصان قطعی نہ
چاہتی تھی۔

مگر اس ساری کوشش کے باوجود ایک حقیقت اور بھی تھی۔ اور وہ تھی دل کا ''باغی پن''۔
وہ لاکھ تاویلیں دے رہی تھی...... منع کر رہی تھی...... سمجھا رہی تھی۔

مگر جانے کیوں وہ دھڑکے جا رہا تھا۔

✿......✿

وہ مسلسل خوفزدہ، ہراساں سی آگے بھاگ رہی تھی۔

اِک مسلسل خوف تھا جو اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ تھک گئی تھی۔ ہانپ رہی تھی۔ کتنا بھا
چکی تھی مگر پیچھا کرنے والے رکے نہیں تھے۔ نہ ہی وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو سکی تھی۔

بھاگ رہی تھی...... بنا کسی آواز کو منہ سے نکالے...... کوئی مسلسل تعاقب میں تھا...... ہر
ویران تھی...... سنسان تھی...... تاریکی میں راہ تک صحیح طرح سے سجھائی نہ دے رہی تھی۔ مگر
پھر بھی دشمنوں کی نگاہ میں تھی۔

بھاگتے بھاگتے وہ اچانک کسی وجود سے جا ٹکرائی تھی۔ اک پناہ...... ایک سہارا۔

اور اس نے سر اٹھا کر یکدم ہی اس چہرے کو تکا تھا۔ چہرہ جانے کیوں صاف طور پر دکھائی
دے رہا تھا۔ شاید بہت اندھیرا تھا اس لئے پھولی سانسوں کے ساتھ اس نے پلٹ کر نگاہ
ا۔

ہاں بابا سائیں کا خون دور تک سڑک پر بکھرا ہوا تھا۔ مگر آس پاس کوئی نہ تھا۔

ایک چیخ کے ساتھ اس اجنبی مہربان کے ساتھ لگ کر رونے لگی تھی۔ تبھی اس کی نظر
کی پشت پر اٹھی تھی۔ وہاں کوئی تھا جو اسے نشانہ بنا رہا تھا......

اس سے قبل کہ وہ چیختی، اس نے گولی چلا دی تھی۔ اور تب جیسے اس کی سانسیں تھمنے لگی
...... وہ اسے ہٹانا چاہ رہی تھی...... بچانا چاہ رہی تھی...... مگر لمحے کس قدر تیزی سے وار کر
ے اور......!!

نہیں...... نہیں......!'' وہ یکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی...... اندھیرے میں بنا لیمپ جلائے
ہاتھوں سے تھام کر آنکھیں میچے گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔
صورتحال کو سمجھنے لگی تھی۔

ایک ڈراؤنا خواب تھا یہ...... مگر...... اس کی جیسے روح تک کانپ اٹھی تھی۔ اس کا پورا
ے سے شرابور تھا اور سانسیں بے ترتیب۔ جیسے وہ واقعی بہت دیر تک بھاگتی رہی ہو۔
گہرے گہرے سانس لیتی ہوئی وہ پورے ماحول میں اب بھی خوف محسوس کر رہی
ب سے بابا سائیں کا انتقال ہوا تھا، اس کے اندر ایسے ہی خوف پھن پھیلائے بیٹھے
ہاتھ بڑھا کر اس نے لیمپ آن کیا تھا۔ کمرے میں روشنی پھیل گئی تھی...... اس
ڈ ٹیبل پر دھرا پانی کا جگ دیکھا تھا، پھر اٹھا کر حلق میں اتارنے لگی تھی۔ اندر جیسے
تھا۔ لبوں سے لگے جگ میں سے کتنا ہی پانی چھلک چھلک کر اس کی قمیض کو بھگو رہا
ے جیسے احساس تک نہ تھا۔ سفید شرٹ پوری بھیگ چکی تھی۔

سا پانی اندر منتقل کرنے کے بعد اس نے جگ ایک طرف دھرا تھا اور بکھرے بالوں
کی طرف کرتی ہوئی پورے کمرے میں طائرانہ نگاہ ڈالنے لگی تھی۔ ہر رات اس کی
ئے ہوئے گزر رہی تھی۔ اور اب بھی چاروں جانب جیسے خوف کے سائے لہرا رہے

تھے اور وہ شخص......!!

اس کا خیال آتے ہی جیسے اس کا دل دھک سے رہ گیا۔ فوراً ہی اس کی خیریت
ہوئی۔ رات کا جانے کون سا پہر تھا مگر وہ بنا پرواہ کئے اٹھی تھی۔ دروازہ کھولا تھا اور با
تھی...... پھر اس کا ''بند دروازہ'' دیکھ کر جانے کیوں وہیں تھم گئی۔ الٹے قدموں واپس پلٹی
وہیں اپنے کمرے کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھتی چلی گئی۔ دونوں گھٹنوں کے گرد
لپیٹ کر اس نے چہرہ ان پر ٹکا دیا تھا۔

گہرے گہرے سانس خارج کرتی ہوئی وہ جیسے اندر کی کثافت کو کم کرنے کی کوشش کر
لگی تھی۔ جانے کیوں لگ رہا تھا، پورا وجود جیسے کانپ رہا ہو۔ تپ رہا ہو۔ جیسے پورا اندر
جل رہا ہو۔

وہ سونا چاہتی تھی۔ نیند سے آنکھیں جیسے جل رہی تھیں مگر خوف نے اس طرح سے گھیر
تھا کہ وہ سونے کی بھرپور خواہش رکھتے ہوئے بھی سو نہ سکی تھی۔

وحشت کے عالم میں اس کی آنکھوں سے گرم گرم پانی بہنے لگا تھا۔

تبھی اس لمحے رہبان عالم شاہ نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ شاید وہ پیاس
باعث اٹھا تھا اور باہر فریج سے پانی لینے نکلا تھا۔ مگر کمرے سے نکلتے ہی جیسے ہی اس کی
دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے گھٹنوں پر سر دھرے بیٹھی مژگان پر پڑی، وہ فوراً ہی ٹھٹک گیا۔
اس کے گھنے بال چہرے کو مکمل طور پر چھپائے ہوئے تھے۔ رات کے اس پہر ا
کمرے کا دروازہ کھولے وہ اپنے کمرے سے باہر تھی۔ اسے لحہ بھر میں تشویش ہوئی تھی۔

دوسرے ہی پل وہ بنا کچھ اور سوچے اس کی سمت بڑھا تھا۔

''مژگان......!'' اس کے قریب رک کر گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس نے ہولے
پکارا تھا۔

اور تب وہ یکدم ہی چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

بھیگی بھیگی آنکھوں میں وحشت ہی وحشت تھی۔ رہبان عالم شاہ نے اسے بغور
ہوئے ابھی صورتحال کے تعین کی کوشش ہی کی تھی کہ وہ یکدم ہی اپنی جگہ سے اٹھتی ہوئی
کے ساتھ لگ گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ اس صورت حال کے لئے قطعی طور پر تیار نہ تھا۔ اسے لگا تھا جیسے
کسی انگارے نے چھو لیا ہو۔ وہ بری طرح تپ رہی تھی۔ اس کی اس جذباتی حرکت
اس کا ذہن اس مخصوص ڈگر پر تھا۔

جس طرح وہ اس کے شانے پر سر دھرے گرم گرم آنسو منتقل کر رہی تھی اور جس طرح اس
پورا وجود کانپ رہا تھا، وہ خوبی سمجھ سکتا تھا کہ صورتحال کیا رہی ہو گی۔ یا کیا ہے۔ تبھی
سکون کے ساتھ اور اطمینان کے ساتھ وہ اس کی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کا سر
نے لگا تھا۔

''مجھے...... مجھے بہت ڈر...... ڈر لگ رہا تھا......!
بہت...... بے تحاشا خوف......!
میں......مر...... جاتی......!!''

بہت سے ادھورے لفظ اور بے ترتیب جملے اس کی زبان سے ادا ہوئے تھے۔

ایسے ہی سر اس کے شانے پر دھرے دھرے...... وہ کسی معصوم بچے کی طرح خود کو محفوظ
کر رہی تھی۔ اس کی پناہ جیسے اس کے لئے دنیا کی مضبوط ترین جگہ تھی۔

رات تاریکی کے اس پہر...... وہ بنا کسی بات کی پرواہ کئے اس کے قریب تھی۔ بنا یہ محسوس
...... یہ سوچے کہ وہ ایک اجنبی تھا...... انجان تھا...... اور سب سے بڑی بات مخالف صنف
تھا وہ جانے کیوں بے پرواہ تھی۔ اس پر حد درجہ اعتبار رکھتی تھی۔

وہ فرشتہ تو نہ تھا جو ایمان نہ ڈگمگاتا۔
قدم نہ لڑکھڑاتے۔
یا اس کے اتنے پُرفسوں حسن کے سامنے وہ پگھلتا نہ......
ایک عام سا شخص ہی تو تھا وہ۔
وہ کیوں اسے ''خاص'' بنانے کے درپے تھی۔
اور ''مردوں'' کی طرح یقیناً اس کے جذبات بھی اس کے لئے اہمیت رکھتے ہوں گے۔
یا پھر اس کی تمام حسیات برف تھیں۔ آئس میڈ!...... سرد، جامد...... منجمد...... جذبات سے
...... یا پھر پتھر......! اسٹون مین......!
سخت...... مضبوط...... نہ ٹوٹنے والا...... نہ جھکنے والا...... غیر لچکدار...... غیر لچک پذیر......!!
آخر کیا تھا وہ اس کی نظر میں......!
فرشتہ...... یا فرشتوں جیسا......؟؟

حد درجہ اعتماد کیوں سونپ دیتی تھی وہ اسے۔ خود کو اس کے حوالے کر کے وہ اتنی پُرسکون
مطمئن کیوں ہو جایا کرتی تھی وہ ہمیشہ۔
وہ کیوں محسوس کرتی تھی کہ وہ اس کی عزت کی پاس داری کرے گا اور کوئی ''کمزور لمحہ''

اسے اپنی گرفت میں نہ لے گا۔

یہ حقیقت تھی...... وہ جسمانی طور پر بے حد مضبوط تھا۔ اخلاقی طور پر بھی وہ اس کی معترز
تھی۔ مگر جذباتی رو تو کسی بھی انسان کی، کسی بھی کمزور لمحے کی نذر ہو سکتی تھی کہ رہبان عا
شاہ بہرصورت کوئی فرشتہ نہ تھا۔

ایک عام سا انسان......!

مگر اس کا اعتماد جیسے مضبوط چٹان تھا......!

یا پھر خود بخود اس سے سارا کچھ سرزد ہو جایا کرتا تھا۔

وہ حالات کے تھپیڑوں پر تھی اور وہ چاہے اسے جس سمت مرضی اچھال دیتے۔

جیسے کہ اب......!

وہ جانے کب ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر اس کے شانے پر لڑھک گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے اس کے تپتے ہوئے وجود کو بانہوں میں لے کر بغور جائزہ لیا تھا۔ و
یقیناً بے ہوش ہو چکی تھی۔ بخار بہت تیز تھا۔ وجود انگارے کی طرح تپ رہا تھا۔ اس پر جانے
کیسے اس نے پوری شرٹ کو بھگو ڈالا تھا۔ سفید شرٹ بھیگ کر جسم کے ساتھ چپکی ہوئی تھی۔ وہ
اس لمحے دوپٹے کے بغیر تھی۔

رہبان عالم شاہ نے لمحہ بھر میں ہی نگاہ اس پر سے ہٹا لی تھی۔ اور پھر ایک گہرا سانس
خارج کرتے ہوئے جھک کر اسے اپنی مضبوط بانہوں میں بھر لیا تھا اور پھر اسے لئے اس کے
کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اس کے بیڈ پر منتقل کرتے ہوئے اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے
جگ میں سے پانی کے چند قطرے لے کر اس کے منہ پر ڈالے تھے۔ وہ ذرا سا کسمائی
تھی۔ مگر آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔ شاید وہ کھولنا چاہتی تھی مگر کوشش میں ناکام رہی تھی۔

رات اس نے سونے کی غرض سے اور بھرپور نیند لینے کے لئے خواب آور گولیاں بھی لی
تھیں۔ شاید اس کے باعث بھی ایسی کیفیت تھی۔

''مژگان...... مژگان......!'' اس پر کمبل ڈالتے ہوئے اس نے اسے بہت دھیمے لہجے
میں پکارا تھا۔ ''مژگان......!!'' ہولے سے اس کا چہرہ بھی تھپتھپایا۔

''ہوں......'' اس نے جیسے بمشکل ہنکارا بھرا۔

''آنکھیں کھولو......!'' مدھم لہجے میں جیسے درخواست کی۔ وہ جواب میں کچھ نہ بولی۔

''مژگان......!'' وہ اس کی کیفیت پر فکرمندی سے پھر پکارنے لگا۔

''پلیز...... مجھے تنہا مت چھوڑنا...... مجھ...... مجھے...... چھوڑ کر مت...... جانا......!'' وہ جیسے

ب کی کیفیت میں بڑبڑائی۔

یسی بے بسی تھی آواز میں...... جیسے کوئی منت ہو۔ یا پھر درخواست۔ رہبان عالم شاہ نے
زرد سے چہرے والی اس لڑکی کو بغور دیکھا۔ چہرے پر بیماری کے باوجود بے انتہا کشش
آنکھیں بند کئے لیٹی جیسے وہ کوئی ماورائی مخلوق لگ رہی تھی۔ بے تحاشا سیاہ گھنے بال تکیے
ہاں سے وہاں بکھرے پڑے تھے۔

''مجھے...... چھوڑنا...... مت...... میں...... تنہا...... تنہا...... مر جاؤں...... گی......!'' وہ ایک
ب کے عالم میں بول رہی تھی۔ ''پلیز......!!''

یب استدعا تھی۔ مفہوم واضح ہوتے ہوئے بھی جیسے واضح نہ تھا۔ ذومعنی سے فقرے
مدہوشی...... اور قدرے بے ہوشی کے عالم میں کہے ہوئے...... بہت مدھم سی سرگوشیاں۔

وہ اسی خوف کے عالم کو اب بھی محسوس کر رہی تھی۔

ہی ڈر اس کے اندر تھا۔ اسے پریشان کر رہا تھا۔ رہبان عالم شاہ نے دھیرے سے ہاتھ
کر اس کی پیشانی کو چھوا تھا۔ پھر اٹھ کر اے سی کی کولنگ بڑھائی تھی اور پھر چلتا ہوا اپنے
ے میں آیا تھا۔ موبائل پر ایک معروف ہسپتال کا نمبر ملا کر ڈاکٹر کو کال کیا تھا۔ پھر مطمئن
کچھ لمحوں تک وہیں کھڑا جیسے صورتحال کو ہینڈل کرنے کے متعلق سوچتا رہا تھا۔ پھر اسی
یال سے موبائل لے کر اس کے کمرے میں آ گیا تھا۔

بگھر کا وہ کمرہ تھا جو مژگان کے آنے سے قبل اس کے استعمال میں کبھی نہیں آیا تھا مگر وہ
ر کا حصہ ہونے کی حیثیت سے مکمل سجا سجایا تھا اور اب لگ رہا تھا، یہ اسی کے لئے تھا۔
اتفاق سے جس طرح بیڈ پر لیٹی تھی، اس سے یہی لگ رہا تھا جیسے یہ کمرہ بطور خاص
ے لئے بنوایا گیا ہو۔

کمرے کا طائرانہ جائزہ لیتے ہوئے چار سو دیکھنے لگا تھا۔ کمرے میں اس کی موجودگی کی
مہک تھی...... جو اس سے قبل قطعاً موجود نہ تھی۔

ہولے سے چیئر اس کے قریب رکھ کر بیٹھ گیا تھا اور اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔ وہ یقیناً
خیال سے مطمئن تھی۔ چہرے پر ایک معصوم سا تاثر تھا جیسے کسی بہت خوفزدہ سے بچے
ک کوئی مضبوط پناہ میسر آ جائے تو اس کے چہرے پر جو اس تحفظ کو پا کر احساسات
ہیں، وہی احساسات اس وقت مژگان کے چہرے پر واضح محسوس ہو رہے تھے۔

یں بھیگی ہوئی تھیں۔ رخساروں پر آنسوؤں کے نشانات بہت واضح تھے۔ نمکین نمکین پانی
کر جیسے جم گئی تھیں۔ جانے کس خیال کے تحت اس نے اس کا ہاتھ تھام کر نبض دیکھی

تھی۔ پھر مطمئن ہو کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا۔

✿......✿

"قسم لے لو ماں جی! اب کے۔ لڑکا کھرا سونا ہے...... سونا......! ڈاکٹر ہے۔ دوائیوں کا کام کرتا ہے۔ اپنی ڈسپنسری ہے۔" جمن بوا نے اپنی دانست میں بڑی صفات گنوائیں، وہ ایک ساتھ جمع کر کے تاکہ کسی طرح دادی اماں کو قائل کر لیا جائے اور دادی اماں تو پتہ نہیں قائل ہوئی تھیں یا نہیں مگر قریب بیٹھی زویا یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"جمن بوا! کمال کرتی ہو تم بھی۔ ایسی اول فول بک رہی ہو۔ ڈاکٹر دوائیوں کا کام نہیں کر سکتا۔ اور ڈسپنسری تو بالکل الگ چیز ہے۔ یہ کیا ٹامک ٹوئیاں مار رہی ہو تم دن اجالے میں۔" دادی اماں نے مکمل خفگی سے جمن بوا کو لتاڑا تھا۔

منجھلی چچی نفی میں سر ہلانے لگی تھیں۔ یقیناً افسوس کا اظہار تھا یہ۔ پھر مایوسی کے عالم میں بولیں۔ "جمن بوا! ساری دنیا بیاہی جائے گی، مگر تم کوئی ایک ڈھنگ کا رشتہ بھی مجھے نہ دکھا سکو گی۔ پہلے سمیر کی طرف سے پریشانی میں مبتلا رکھا اور اب نمیرا کے لئے بھی وہی صورتحال ہے۔ پتہ نہیں کیا لکھا ہے میرے بچوں کے نصیب میں۔ لوگ اِدھر رشتہ دیکھتے ہیں، اُدھر بات پکی ہو جاتی ہے۔ چٹ منگنی ہوتی ہے پٹ بیاہ۔ مگر یہاں تو نصیب جیسے سوئے ہوئے ہیں۔" صفیہ بیگم بہت دلگیر لہجے میں بولیں تو وقار صاحب دل جوئی کی خاطر گویا ہوئے۔

"ارے بیگم! تو اس میں پریشان ہونے والی کون سی بات ہے۔ جمن بوا سے کام نہیں تو ہزاروں میرج بیورو کس لئے قائم ہوئے ہیں شہر میں۔ جمن بوا بیکار ہیں نا۔ ان سے تو لیا جا سکتا ہے۔ بس بے فکر ہو جائیے اب آپ اور کل سے ایک نیا کام سنبھالئے۔" مسکراتے ہوئے بولے تو صفیہ بیگم جیسے تپ گئیں۔ انداز قطعی طور پر غیر سنجیدہ تھا۔ حد ہوا کرتی ہے۔ بچے تو ان کے بھی تھے مگر فکر نام کو نہ تھی۔ الٹا طنز فرمایا جا رہا تھا۔ مذاق اڑایا جا رہا تھا۔ ایک وہ تھیں، روز روز کے چکر لگا لگا کر جوتیاں گھسا بیٹھی تھیں اور دوسری جانب سرے سے کوئی تعلق ہی نہ ہو جیسے۔ انداز بالکل بے فکرا تھا۔

"بات مذاق کی نہیں ہے شیخ صاحب! بچوں کی عمریں نکلتی جا رہی ہیں۔ اور آپ ہیں کہ"

"تو بھئی میں بھی تو اسی لئے کہہ رہا ہوں۔" وہ کہہ کر اخبار کھول کر بیٹھ گئے۔ تبھی بیگم بولیں۔

"صفیہ! کہہ تو وقار بھائی ٹھیک رہے ہیں۔ کم از کم تم سمیر کے لئے تو کسی میرج بیورو دیکھ لو۔"

"اے آپا! کئی قصے سن چکی ہوں اس سے متعلق۔ مجھے تو خوف آتا ہے اب ان کے وں سے ہی۔" صفیہ بیگم نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا۔

"مگر منجھلی بہو! رسک تو لینا پڑے گا۔ ایک زمانہ تھا، رشتے خاندانوں میں طے ہوا کرتے اچھے برے سب آپس میں ہی ایک دوسرے کو ڈھانپ لیا کرتے تھے۔ اپنے خون، رشتوں کا احترام ہوا کرتا تھا۔ مگر آج کل تو دشمنیاں نبھائی جاتی ہیں۔ خلوص، مروت مر چکا ہے۔ یہ صورتحال نہ ہوتی تو آج خاندان میں ہی بچوں کے رشتے آرام سے بن تے۔ دلوں کی کدورتیں بچوں کے نصیبوں پر سایہ فگن ہو گئیں۔ اگر شروع سے ہی حالات کو ول پر رکھا جاتا تو آج اس بات کی نوبت نہ آتی۔ اپنے ماریں بھی تو چھاؤں میں ڈالتے پرائے کا تو سرے سے کوئی اعتبار نہیں۔ مگر سمجھائے کون...... یہاں کون سنے گا۔ اِک رت لئے شیخ صاحب رخصت ہو گئے۔ ہم بھی چلے جائیں گے۔ دشمنیاں قائم رہ جائیں گی، دورتیں باقی رہ جائیں گی۔" دادی اماں بولیں تو صفیہ بیگم شوہر کی جانب دیکھ کر رہ گئیں۔

سلمیٰ بیگم سر جھکا کر مکمل توجہ سبزی پر دینے لگیں اور وقار صاحب چور سے بن کر رہ گئے۔

تبھی صفیہ بیگم گویا ہوئیں۔ "اماں! بچوں کی مرضی بھی تو دیکھنا ہوتی ہے۔ اب وہ دور تو نہیں کہ بھیڑ بکریوں کی طرح پکڑ کر ہانک دیا جہاں دل چاہا...... اکیسویں صدی کا دور ہے بچے اپنی خواہش، اپنی مرضی منوانا چاہتے ہیں۔ ان کی پسند کو بھی مدنظر رکھنا پڑتا ہے۔"

"اے بہو! پسند کی تو کیا خوب کہی۔ سمیر میاں کے دل کی پوچھنے اور جاننے کی کبھی کوشش کی نہیں تم نے۔ بچے عزیز ہیں...... مگر ان کی خواہشیں عزیز نہیں۔" دادی اماں صاف گوئی بولیں تو صفیہ بیگم سر جھکا کر رہ گئیں۔

تبھی نمیرا وہاں آئی۔ "تائی اماں! اعصار کا فون ہے۔"

"میرا بچہ......!" تائی اماں فوراً ہی تمام کام چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ے بہو...... میری بھی بات کروانا۔"

"جی اماں۔ فون یہیں لے آتی ہوں۔" سلمیٰ بیگم، ساس کو زحمت دینا نہیں چاہتی تھیں ا بولیں۔ پھر تیزی کے ساتھ اندر کی جانب بڑھ گئیں۔

✿......✿

"کب سے ہے ان کی یہ کنڈیشن؟" ڈاکٹر نے مژگان کا چیک اپ کرتے ہوئے فت کیا تو رہبان عالم شاہ چونک کر تکنے لگا۔ وہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ ڈاکٹر فقط اس کے ر کے متعلق دریافت کر رہے ہیں یا اس کی ذہنی کیفیت کے متعلق۔ اگر دیکھا جاتا تو

اصل بیماری کی وجہ تو یقیناً ذہنی کیفیت ہی تھی۔ وہ شاید اس کے دلاسوں پر چپ تھی۔ اس کے خیال سے کھل کر روئی نہ تھی۔ کتنے صدمات تھے...... کتنے گہرے دکھ...... گہرے ملال......!

اور وہ شاید اس کے خیال سے بہت سا درد اپنے اندر دبا گئی تھی کہ اس کی ''ہمدردی'' اگر وہ اپنی مستقل وہی کیفیت رکھتی تو شاید...... اس کے خیال سے ''ہمدردی'' کرنے والے کو برا محسوس نہ ہو...... کہ اس کی ''ہمدردی'' بے وقعت'' ٹھہری یا بیکار گئی۔

''بخار تو رات سے ہی ہے۔ بٹ شی اِز ویری شاکڈ...... بی کاز آف ہر فادر......!'' رہبان عالم شاہ نے اس کی بیماری اور ڈپریشن کی وجہ اخذ کرتے ہوئے کہا تو ڈاکٹر اس کی جانب دیکھنے لگے۔

''ان کے فادر......؟'' انہوں نے دانستہ اپنا جملہ شاید ادھورا چھوڑ دیا۔

''ری سینٹلی ان کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔'' رہبان عالم شاہ نے کہا۔

''اوہ...... ویری سیڈ۔ آپ ان کے......؟'' ڈاکٹر نے یکدم دریافت کیا تھا...... اور یہ جملہ رہبان عالم شاہ کے لئے بالکل اچانک تھا۔ مگر دوسرے ہی پل وہ نارمل تھا۔

''شی اِز مائی وائف......!'' بہت دھیمے اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس نے آگاہ کیا تھا۔ اس تعلق کو ایکس پریس کرتے ہوئے آج اس پر خود بھی جیسے ایک انکشاف ہوا تھا...... کاغذی طور پر ہی سہی۔

ہمدردی کے ناتے ہی سہی۔

اس نے اپنی زندگی میں اسے ایک خاص حیثیت سے قبول کیا تھا۔

قانونی اور شرعی طور پر وہ اس کے ساتھ منسوب ہوئی تھی۔

ایک جائز تعلق تھا اس کے ساتھ۔

دل کے تقاضے کچھ اور سہی...... تعلق وقتی سہی......!

مگر وہ اس کی بیوی تھی۔

کتنا عجیب لگا تھا اپنے منہ سے اس کا حوالہ دینا۔ ایک جملہ جواز کے طور پر پیش کرنا۔ بہت سی سچائیاں یکدم ہی منکشف ہونے لگی تھیں۔ یکدم اپنا آپ جیسے تقسیم لگا تھا۔ ایک لفظ۔ ایک حرف کے کہنے سے جیسے وہ خود کو بٹا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

وہ اس کی ذات میں شامل ہو چکی تھی۔ دانستہ یا غیر دانستہ وہ اسے اپنا نام سونپ کر اس کی ذمے داری قبول کر چکا تھا۔ ایک رشتے کو بیچ میں لا کر جیسے وہ ایک اہم منصب پر فائز ہو چکا تھا۔

''شی از مائی وائف......!!'' اپنی ہی کہی ہوئی سرگوشی اس کے کان میں بازگشت کی طرح ابھری تھی۔ آج سے قبل اسے اگر معلوم بھی تھا تو اس رشتے کے حوالے کی ضرورت کبھی پیش نہیں آئی تھی۔ دونوں نے مصلحتوں کے پیش نظر اس بندھن کو قبول کیا تھا اور پھر جیسے اسے فراموش کر دیا تھا، کبھی بھولے سے بھی وہ یاد نہیں کرنا چاہتے تھے کہ ان کے درمیان تعلق کی اصل نوعیت کیا تھی۔

مژگان کے کسی رویے سے کبھی ظاہر نہیں ہوا تھا کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ بہت مختلف سوچ تھی اس کی۔ کوئی خواہش، کوئی ڈیمانڈ اس تعلق کے حوالے سے نہ تھی۔ کبھی اس نے کوئی فرمائش نہیں کی تھی۔ کبھی اس تعلق کے استحقاق کو استعمال کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ بلکہ وہ اس ''وقتی تعلق'' کی ''حقیقت'' سے آگاہ تھی۔

اور یہی حال اس کا بھی تھا۔ ہمیشہ دوستانہ انداز میں وہ اس کے لئے مخلص رہا تھا مگر کبھی اس کو یہ باور کرانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی کہ وہ ''ایک شوہر نامدار'' کے عہدے پر یا منصب پر فائز ہو چکا ہے۔

یا پھر وہ اس بندھن کو قبول کرنا چاہتا ہی نہ تھا۔ بس سرسری طور پر نبھاہ کر رہا تھا۔ اس وقت تک جب تک وہ اس کرائسس سے باہر نہ نکل آتی۔

دل شاید کہیں اور وابستہ تھا اس لئے بھی وہ کسی اور بات کو سوچنا یا محسوس کرنا چاہتا ہی نہ تھا۔ مگر حقیقت تو حقیقت ہوتی ہے۔ اس سے بھاگا جا سکتا ہے۔ آنکھیں بند کی جا سکتی ہیں۔ مگر ان تمام باتوں کے باوجود سچائی بدلتی نہیں...... چھپتی نہیں...... دبتی نہیں......! چھپتے فقط انسان ہیں...... بھاگتے ہیں اور بھاگتے چلے جاتے ہیں۔

رہبان عالم شاہ نے بہت پُرسکون انداز میں اس کے چہرے پر اک نگاہ بغور کی تھی۔ بہت نڈھال سی تھی۔ زرد چہرہ لئے وہ دنیا جہاں سے بے خبر تھی۔ ڈاکٹر اسے انجکشن لگا رہا تھا۔

''ان کو ہوش کیوں نہیں آ رہا ڈاکٹر......؟'' وہ دھیمے لہجے میں بولا تو ڈاکٹر مسکرا دیا۔

''ان کے لئے آرام بہت ضروری ہے۔ جتنا ان کو آرام ملے گا، ان کی ذہنی کیفیت اتنی پُرسکون ہو گی......!'' ڈاکٹر کہتے ہوئے پرچے پر ضروری دوائیں اور ٹانک لکھنے لگے۔

''اینی وری اباؤٹ اٹ......؟'' رہبان عالم شاہ نے فکر مندی سے دریافت کیا۔

''نہیں۔'' ڈاکٹر نے اطمینان سے کہا۔

''کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھا دیں......؟'' رہبان عالم شاہ کو جانے کیوں اس کی بے تحاشا فکر تھی۔ جواب میں ڈاکٹر نرمی سے مسکرا دیئے تھے۔

"اتنی سیریس کنڈیشن نہیں ہے۔ شی از پرفیکٹلی آل رائٹ۔ ڈونٹ وری اباؤٹ اٹ۔ ہو جاتی ہے ایسی کنڈیشن۔ کوئی گہرا صدمہ ہو تو ایک نارمل انسان ایساری ایکٹ تو کرتا ہی ہے شی از نارمل ہیومن بینگ...... نو میٹر وہاٹ...... ایوری تھنگ از انڈر کنٹرول......!" ڈاکٹر کچھ عمر رسیدہ تھے۔ اس کا شانہ تھپتھپا کر دلاسا دیتے ہوئے دھیمے انداز میں مسکرائے۔ رہبان عالم شاہ ان کی جانب دیکھ کر رہ گیا تھا۔ تبھی وہ بولے۔

"دوائیں لکھ دی ہیں۔ انہیں وقت پر دیجئے گا۔ اور دوبارہ چیک اپ کے لئے چاہیں تو کال کر لیجئے گا۔ ورنہ کلینک لے آیئے گا۔" ڈاکٹر نے اسے پرچہ تھمایا تو وہ سر ہلاتے ہوئے انہیں دیکھنے لگا۔

"تھینک یو......! رات کے اس پہر آپ کو تکلیف دی۔" وہ مشکور تھا۔

"ناٹ منشن......!" ڈاکٹر دھیرے سے مسکرائے۔ "اِٹس مائی ڈیوٹی۔ انسانی خدمت ہمارا اہم فریضہ اور نصب العین ہے۔" وہ مسکرائے تو رہبان عالم شاہ بھی دھیرے سے مسکرا دیا۔ پھر ان کو چھوڑنے دروازے تک گیا۔ اور واپسی پر بہت تھکے تھکے سے انداز میں ایک گہرا سانس خارج کرتا ہوا فریج کے قریب آن رکا۔ بوتل نکال کر منہ سے لگائی اور بہت سا پانی اندر کر لیا۔

اس کے لئے میڈیسن لانی تھی اور دیگر ضروری اہم چیزیں۔ وہ ہولے سے چلتا ہوا اس کے کمرے میں آیا۔ اس کے قریب پہنچ کر رکا، جھک کر پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھا۔ بخار ابھی بھی تھا۔ مگر یہ تھا کہ وہ انجکشن کے زیر اثر پُرسکون انداز میں سو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر آئے ہوئے بالوں کو اس نے بہت ہولے سے اپنے مضبوط ہاتھوں سے ہٹایا تھا۔ یکدم ایک گداز سا احساس ہوا تھا۔ جیسے ہاتھ نے بہت ملائم سے ریشم کو چھو لیا ہو۔ تمام بال تکیے پر احتیاط سے پھیلا کر اس نے جیسے اسے ریلیکس کرنا چاہا تھا۔ پھر اس پر کمبل ٹھیک کیا تھا۔

وہ کسی بے فکر بچے کی طرح خراٹے بھر رہی تھی۔ اس کی نیند اڑا کر بہت پُرسکون نیند سو رہی تھی۔ اس کے پُرسکون چہرے پر سے نگاہ ہٹاتے ہوئے اس نے وال کلاک کی جانب نگاہ کی۔ کتنی دیر گزر گئی تھی اسے جاگتے ہوئے اور اب تو یقیناً صبح قریب تھی۔

بہرحال اب وہ پُرسکون تھی اور اسے پُرسکون نیند میں دیکھ کر رہبان عالم شاہ نے ایک سانس خارج کیا تھا۔ اب یقیناً وہ اطمینان کے ساتھ اس کے لئے دوائیں لینے جا سکتا تھا۔ اس کے کمرے کی لائٹ یونہی جلتی چھوڑ کر وہ باہر نکلا تھا۔ بہت ہولے سے اس کے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا پھر اپنے بیڈ روم سے گاڑی کی چابی لے کر باہر نکل آیا تھا۔

✿......✿

"اے بہو! لوٹی نہیں ابھی تک منجھلی بہو؟" دادی اماں نے فکر مندی سے اپنی منجھلی بہو سے دریافت کیا۔

"نہیں اماں! ابھی تک تو نہیں۔ ایسے کاموں میں دیر سویر تو ہو جاتی ہے۔" سلمیٰ بیگم نے کہا تو دادی اماں سر ہلانے لگیں۔ پھر بولیں۔

"خدا کرے کام ہو جائے۔"

"ارے اماں! ایسے کاموں میں وقت تو لگتا ہے۔ میرج بیورو والے بھی جوڑے ملاتے ہیں۔ مگر اپنی صفیہ بیگم کو بھی کوئی لڑکی پسند آنا شرط ہے ناں۔" وہ مسکرائیں تو دادی اماں بھی مسکرادیں۔

"اے ہاں، اب اس کی ناک تو کوئی چڑھتی ہی نہیں۔ جانے کون پری ہو گی۔ آسمان سے اترنے سے تو رہی۔ دنیا میں بسنے والے انسانوں میں چھوٹی موٹی خامیاں نکلتی ہی ہیں۔ خامی سے پاک تو کوئی انسان نہیں ہوتا۔ پھر جہاں تک شکل وصورت کی بات ہے، یہ تو اللہ کی دین ہے۔ بیچارے بندے کا اس میں کیا قصور۔ یوں بھی خدا نے انسان کو اپنے ہاتھوں بہت محبت اور چاہت سے بنایا ہے اور اس میں سے خامی نکالنے کا مطلب ہے آپ ذات پاک کی تخلیقات میں خامیاں ڈھونڈ رہے ہیں۔ صورت ثانوی چیز ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو بہت محنت اور محبت سے بنایا ہے۔ مگر اصل شے تو انسان کا اندر ہے۔ باطن خوبصورت ہونا چاہئے۔ حسن تو ایک نہ ایک دن ڈھل ہی جاتا ہے۔ وقت کے ساتھ سب زائل ہو جاتا ہے۔ مگر اچھے طور اطوار، خصوصیات اور اچھائیاں ہمیشہ اسی حالت میں اپنی خوبصورتی برقرار رکھتی ہیں۔" دادی اماں نے کہا تو سلمیٰ بیگم سر اثبات میں ہلانے لگیں۔

"مگر دادی اماں! ان باتوں کو ہر کوئی نہیں سمجھتا۔ سب ظاہری حسن کے پیچھے بھاگتے ہیں۔" ندا بھابی نے کہا تو دادی اماں اتفاق کرنے لگیں۔

"اے بچی! یہ تو ٹھیک کہی تو نے۔ اب کون ہے جو اندر کی خوبصورتیوں کو ڈھونڈتا پھرے۔ کھوجتا پھرے۔ خیر سے فاسٹ دور ہے۔"

ندا بھابی ہنس دیں۔ "جی ہاں...... آج کل کی ہر شے فاسٹ ہے۔ لوگ فاسٹ لائف زندگی گزارتے ہیں۔ کھانے میں فاسٹ فوڈ کھانا پسند کرتے ہیں۔ میوزک میں فاسٹ میوزک سننا پسند کرتے ہیں۔ مگر درحقیقت "Fast" کی افادیت اور اہمیت کو ہی اگنور کرتے ہیں۔" ندا بھابی نے انگریزی لفظ کے دوسرے مفہوم کو بہت خوبصورتی سے واضح کیا تو سلمیٰ

بیگم مسکرا دیں جبکہ دادی اماں پُر خیال انداز میں سر ہلانے لگیں۔
''اے بچی! خدا سب کو اپنی حفظ وامان میں رکھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا، کیا ہوگا اس
کا۔''
''ارے اماں! دنیا کا تو جو ہونا ہے سو ہونا ہے۔ مجھے تو فی الحال صفیہ بیگم کی فکر ستا ر
ہے۔ آج کل فکر میں دبلی ہوئی جا رہی ہیں۔'' سلمیٰ بیگم بولیں تو دادی اماں ان کی طر
دیکھنے لگیں۔
''اے بڑی بہو! کیا کہہ سکتے ہیں۔ انسان ایک مثال سے سبق نہیں پکڑتا۔ مجھے بھی
ڈر ہے کہ صفیہ بیگم کی اس ہٹ دھرمی میں کہیں سمیر میاں وہی قدم نہ اٹھا لے جو کہانی ایک
پہلے بھی دہرائی جا چکی ہے۔ میں ایک اور ''چھوٹی بہو'' کے وقوع پذیر ہونے سے خوف ز
ہوں۔ میرے بچے کو تو قصوروار جانتے ہوئے ہر قسم کا ناتا ختم کر لیا گیا تھا۔ خدانخواستہ...
میں نہیں چاہتی کوئی اور ایسا واقعہ پھر ہمارے خاندان میں ہو اور کسی اور بیٹے کی بھی حق تل
ہو...... اسے اس کے حق سے بری طرح دستبردار ہونا پڑے اور خاندان سے کٹ کر زندگی بر
کرنا پڑے۔ سمیر میاں تو یوں بھی تنہا اور اکلوتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا صفیہ بیگم کیوں اس ک
مرضی کو اہمیت نہیں دیتیں۔ آخر اس میں برائی ہی کیسی ہے۔ شادی ہی تو چاہتا ہے اپنی مرض
کی لڑکی سے۔ کل کلاں کو کوئی اور قدم اٹھا لیا تو پھر سر پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہ جائے گی۔ اولا
کو قصوروار ٹھہرائے گی۔ حالانکہ غلطی بے شک اپنی ہے...... میں اس مرحلے سے گزر چکی ہو
اور نہیں چاہتی، اس خاندان کا کوئی اور بیٹا اس کرب سے گزرے۔'' دادی اماں کا لہجہ افسر
اور گہرے رنج میں ڈوبا ہوا تھا۔ ان کی ضعیف آنکھوں میں یقیناً نمی تیر رہی تھی۔ سلمیٰ بیگم ا
ندا انہیں دیکھ کر رہ گئی تھیں۔
''کیا کہہ سکتے ہیں اماں...... صفیہ بیگم سمجھدار ہیں۔ بیٹے سے پیار تو بہت کرتی ہیں۔''
سلمیٰ بیگم نے کہا۔
''مگر یہ محبت کا کون سا روپ ہے۔ محبت تو تب ہوگی جب اس کی خواہش کا پاس ہوگا۔
یہ تو اندھی محبت ہوئی۔''
''محبت شاید اندھی ہی ہوتی ہے۔'' ندا بھابی ہولے سے مسکرا کر بولیں۔ ''ویسے مجھے ک
یہ بات کبھی سمجھ نہیں آئی کہ حد سے زیادہ اپنے بیٹے کو عزیز رکھنے والی ماں...... ہر خواہش پوری
کرنے والی...... اپنے بیٹے کی ہر جائز ناجائز ماننے والی...... اس کی خاطر ہمت سے تکلیفیں
برداشت کرنے والی زندگی کے اس ایک مرحلے پر آ کر اتنی کٹھور کیوں بن جاتی ہے یکدم

ولی چھوٹی خوشی پوری کرنے والی زندگی کی سب سے اہم اور ضروری خواہش ہی کیوں
کرنے سے گریز کیوں کرتی ہے۔ بیٹے کی تمام خواہشوں کا احترام کرنے والی اچانک
بات کے لئے اس کے دل کی دنیا تاریک کیوں کر دیتی ہے۔ آخر کیسی محبت ہے یہ......
ممتا ہے......!''
''بیٹا! ممتا کے بہت سے روپ ہیں اور ہر روپ پہلے روپ سے بہت مختلف ہے۔'' سلمیٰ
نے بہو کو سمجھایا۔ ''تم کچن دیکھو...... بڑی بہو اکیلی وہاں مصروف ہے۔ ابھی سب کھانے
لئے شور مچانے لگیں گے۔'' سلمیٰ بیگم بولیں تو ندا سر ہلاتی ہوئی اٹھ کر باہر نکل گئی۔ تبھی
بیگم پُر سوچ انداز میں دادی اماں کی جانب دیکھنے لگیں۔
''اماں! میں آپ کی بات کے متعلق سوچ رہی تھی۔ بلکہ اکبر کو بھی آگاہ کیا تھا میں نے۔''
''اے کون سی بات بہو......؟'' دادی اماں بہو کے بہت دھیمے اور قدرے رازدارانہ انداز
تکتے ہوئے دریافت کرنے لگیں۔
''وہی خاندان کو جوڑنے اور تعلق مضبوط کرنے والی بات۔'' سلمیٰ بیگم نے بہت دھیمے اور
ے ہوئے انداز میں یاد دلایا۔ ''خاندان کے بچے خاندان میں ہی رہیں تو اچھی بات
'' اور دادی اماں بہت حیرت سے اپنی بڑی بہو کو تکنے لگی تھیں۔
''اے بہو! کیا واقعی......؟'' بہت خوشی سے انہوں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ تبھی سلمیٰ
ر ہلاتے ہوئے بولی تھیں۔
''میں سوچ رہی تھی، آپ کی بات تو میرا دھیان نمیرا کی طرف گیا۔ خیر سے خوبصورت
خوب سیرت بھی۔ اکبر صاحب تو نیم رضامند نظر آئے پوچھنے پر۔ مگر یہ ضرور کہہ رہے
اعصار کی رائے ضرور معلوم کر لینا۔'' سلمیٰ بیگم نے اپنا ارادہ ظاہر کیا تو دادی اماں جو
دیر قبل بہت خوشی اور جوش کے ساتھ اپنی بڑی بہو کی سمت تک رہی تھیں، ان کا ولولہ
جیسے مدھم پڑ گیا...... ایک گہرا سانس خارج کرتی ہوئی بولیں۔
''جیسے تمہاری مرضی...... اگر اکبر میاں بھی راضی ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بات
اچھی ہے...... خاندان کے رشتے اور تعلقات مزید مضبوط ہو جائیں گے۔ مگر اس
معاملے میں کم از کم تم اعصار بیٹے کو نظر انداز مت کر دینا۔''
''اے اماں! وہ تو خوش ہی ہوگا...... نمیرا اتنی خوبصورت ہے...... گوری چٹی...... یہ بڑے
بڑی بڑی سیاہ آنکھیں...... کہاں نکل سکے گا ان کی گہرائی سے...... مجھے تو پسند ہے۔
اس لڑکی کے متعلق اس زاویئے سے سوچا تو بہت پیاری لگی...... تب خیال آیا

کیوں نہ سوچا کبھی۔ خیر دیر تو اب بھی نہیں ہوئی۔'' سلمیٰ بیگم سرشاری سی بولیں تو دادی اماں
کر رہ گئیں۔ جانے کیوں بہت کچھ کہنے کی خواہش کے باوجود کچھ بھی نہ کہہ پائیں۔

✿......✿

رہبان عالم شاہ اخبار سامنے پھیلائے چائے کے سپ لے رہا تھا...... جب اس نے
کر بہت دھیرے سے آنکھ کھولی۔
کمرے کا منظر بدلا ہوا دیکھ کر وہ یکدم ہی چونک گئی۔ وہ اس کے اتنے سامنے......
قریب...... وہ بھی صبح ہی صبح...... نیوز پیپر چہرے کے سامنے کئے...... دوسرے ہاتھ سے چا
کپ تھامے...... وہ چیئر پر عین اس کے سامنے براجمان تھا...... وہ چند لمحوں تک یونہی
دیکھتی رہی۔ پھر جیسے رات کے دھندلے منظر نظروں کے سامنے ڈوبنے ابھرنے لگے۔
نے محسوس کیا، وجود اب بھی جیسے تپ رہا تھا...... اگرچہ رات کے مقابلے میں کم...... مگر
بہت زیادہ تھی۔ وہ اس کے باوجود اٹھنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ اور تبھی وہ متوجہ ہوا تھا۔
''اوں...... ہوں...... لیٹی رہو!'' فوراً اسے دیکھتے ہوئے ہدایت کی۔ پھر چائے کا
سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس کی پیشانی کو ہولے سے چھوا۔ مژگان اپنی طرف اس کے جھکاؤ
بھر کو آنکھیں میچ کر رہ گئی۔
''ہوں...... بخار تو اب بھی ہے......'' تشویش سے وہ بولا۔ ''اینی وے، میں تمہارے
کچھ بنا کر لاتا ہوں...... آئی تھنک تمہارے لئے ایپل جوس بیسٹ رہے گا۔'' وہ نیوز پیپر
طرف رکھتا ہوا اٹھا۔ ''اس کے بعد بہت سی کڑوی دوائیں کھانا ہوں گی تمہیں...... مگر کیا کر
مجبوری ہے۔'' بہت دھیمے مگر دوستانہ انداز میں کہتے ہوئے وہ مسکرایا۔ تبھی وہ جب باہر
کے لئے مڑ رہا تھا، وہ فوراً بولی۔
''سنیں......''
وہ قدموں پر واپس گھوم گیا۔ ''ہوں......!'' پوری توجہ سے مخاطب ہوا۔
''آپ...... رہنے دیں...... میں لے لوں گی کچھ خود ہی۔''
اس کی بات سن کر اس نے لمحہ بھر کو کچھ سوچا، پھر جانے کیوں دھیمے انداز میں مسکرایا
''اوکے......!''
پھر دوسرے ہی پل گھوم کر باہر نکل گیا۔ وہ سامنے دیوار کو تکتی ہوئی رات کے ہر ہر
یاد کر کے سوچتی ہوئی کسی حد تک شرمندگی محسوس کرنے لگی۔ یقیناً اس نے رات بھر اس
سے شخص کو پریشانی میں مبتلا رکھا تھا اور اب بھی......!

مَن میں سے متواتر آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ اس کے لئے سرگرم عمل تھا۔ وہ تکیے کے
ے اٹھ کر بمشکل بیٹھی اور بکھرے ہوئے ریشمی گھنے سیاہ بالوں کو جوڑے کی شکل میں پیٹنے

نہیں کیا کیا حماقتیں سرزد ہوئی تھیں۔ غور کرنے پر بھی اسے بہت سی باتیں یاد نہ
مگر بہت سی خجالت ضرور محسوس ہوئی۔
کمبل ایک طرف ہٹایا تو دوپٹہ ڈھونڈنے کے لئے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی۔ بیڈ کے دوسرے
پر پہنچنا دشوار تھا۔ پھر ابھی وہ کمرے میں بھی نہ تھا۔ وہ ہولے سے اٹھی...... نقاہت اور
ری یوں محسوس ہو رہی تھی جیسے صدیوں کی تھکن زدہ ہو۔ وجود مسلسل سفر میں ہو۔
پیاس سے زبان پر کانٹے سے اگے ہوئے تھے۔
بہت آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وہ واش روم گئی تھی۔ واش بیسن کا نل کھول کر بہت سے
کے منہ پر مارتی چلی گئی تھی۔ بہت حد تک جیسے سکون مل رہا تھا۔
بہت سے چھینٹے قمیض کو آگے سے بھگو رہے تھے...... اس کا شدت سے جی چاہ رہا تھا
لینے کو...... مگر پھر اس کی پریشانی کے خیال سے دروازہ کھول کر دھیرے سے باہر نکلی تھی۔
ے سائیڈ ٹیبل پر دھرے چیئر پر بیٹھا اس کا منتظر تھا۔
ں نے اس کی پشت کو تکتے ہوئے دیوار کا سہارا لے کر قدم اٹھائے تھے...... مگر جانے
دا تھا...... نظروں کے سامنے یکدم اندھیرا چھا گیا تھا اور اس سے قبل کہ وہ لڑکھڑاتی یا
، بہت ہمت کر کے اس نے اس شخص کو پکارا تھا۔
رہ...... رہبا...... ہان......!''
یک لمحے میں وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور دوسرے ہی پل اس کے نازک سے وجود کو اپنی
میں سمیٹ لیا تھا۔
ژگان نے بمشکل بند ہوتی پلکوں کو کھولنے کی کوشش کی تھی...... اور اس کے فراخ سینے پر
کر گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔ اس لمحے گمان تک نہ تھا، وہ اس شخص کے اتنے
تھی...... کہ اس کی تمام تر دھڑکنوں کی آواز کو بہ خوبی سن سکتی تھی۔ اس کے بے تحاشا
اور اپنے گرد تنا بانہوں کا تنگ حلقہ بھی اس کی سوچوں میں نہ تھا۔
لمبے چوڑے شخص نے اپنی مضبوط گرفت میں اسے تھاما ہوا تھا...... یہ تاثر بھی ناپید
ئی احساس، کوئی جذبہ نہ ابھرا تھا۔
ل، ایک مہربان وجود کی قربت اور سہارے پر وہ مشکور ضرور تھی۔ بہت گہرے گہرے

سانس لے کر جیسے وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اس کے پھولے پھولے سانسوں کی آواز سنتے ہوئے رہبان عالم شاہ نے قدرے چہرہ جھکا کر اس کو تکا تھا۔ وہ آنکھیں میچے ہوئے سانس لئے جا رہی تھی۔

''آر یو آل رائٹ......؟'' وہ فکر مندی سے دریافت کر رہا تھا۔ وہ قدرے سنبھلتے ہوئے پیچھے ہٹی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے اپنی بانہوں کا حلقہ کھولا تھا مگر اسے چھوڑا نہیں تھا۔

اس نے سر دھیرے سے اثبات میں ہلایا تھا...... پھر بیڈ کی طرف بڑھنا چاہا تھا۔ اور تب رہبان عالم شاہ اسے سہارا دے کر بیڈ تک لایا تھا۔

''میرا انتظار کر لیا ہوتا۔'' اسے بیڈ پر بٹھا کر کمبل اس پر درست کرتے ہوئے وہ بولا تو وہ فقط دیکھ کر رہ گئی۔ سانس آہستہ آہستہ معمول پر آنے لگی۔ وہ یونہی کھڑا اسے دیکھنے لگا۔ پھر جانے کس بات کا احساس ہوا تو نگاہ پھیر کر پلٹا۔

بیڈ کے دوسرے کنارے پر دھرا اس کا وہائٹ اینڈ اسکائی بلیو شیڈڈ دوپٹہ اٹھا کر واپس پلٹا اور پھر بنا اس کی جانب دیکھے دوپٹہ اسے تھما کر سائیڈ ٹیبل پر دھری ناشتے کی ٹرے کی جانب متوجہ ہو گیا۔

مژگان جانے کیوں تا دیر نگاہ نہ اٹھا سکی۔ دوپٹہ پھیلا کر لیتے ہوئے نظریں متواتر جھکی رہیں۔ حالانکہ وہ شخص اس کی جانب قطعی طور پر متوجہ نہ تھا۔ تبھی اس نے پلٹ کر جوس کا گلاس اس کی جانب بڑھایا تو وہ جیسے شرمندہ سی ہو گئی۔

''آپ...... آپ کو میری وجہ سے کس قدر تکلیف ہوئی......!'' وہ جیسے افسوس کا اظہار کرتی ہوئی بولی۔ ''آپ...... یقیناً رات بھر سو بھی نہ سکے ہوں گے۔'' بہت دھیمی آواز میں وہ ایک نگاہ اس پر ڈالتی ہوئی سر جھکا گئی تو وہ اسے دیکھ کر جانے کیوں مسکرا دیا۔

''اب کیا ہو سکتا ہے......'' وہ ایسے بولا جیسے کہہ رہا ہو ''جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ اور گزرے ہوئے کسی کام کا ازالہ ممکن نہیں۔'' اس کے چھوٹے سے غیر واضح جملے پر مژگان اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''آپ نے ناشتہ کیا......؟'' جوس کا گلاس ہاتھ میں لئے وہ یونہی بیٹھی تھی۔

''ہوں...... چائے لی تھی...... نیوز پیپر کے ساتھ......!'' وہ ہولے سے مسکرایا تو وہ دیکھ کر رہ گئی۔ یقیناً وہ اپنے خوشگوار اور دوستانہ رویے سے اس کی ذہنی ٹینشن ریلیف کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ سلائس پر اس کے لئے جیم لگانے لگا۔ پھر اس پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے بولا۔

''تم لو نا......! پھر دوائیں بھی لینی ہیں۔''

''اوں...... ہوں...... ٹھیک ہوں اب میں۔'' اس نے ایک سپ لیتے ہوئے سر بچوں کی یکدم نفی میں ہلایا۔ دواؤں کے نام پر ہی جس طرح اس کی کیفیت بدلی تھی، وہ قابل وہ اسے بغور تکنے لگا تھا۔ پھر بولا۔

''دوائیں تو آپ کو بہرحال لینا ہوں گی۔ کیونکہ اگلی رات میں بھرپور نیند لینا چاہتا ہوں۔ اطمینان اور سکون کے ساتھ۔'' وہ زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو مژگان جو اسے ر تکنے لگی تھی، اس کے غیر سنجیدہ جملے کی نوعیت سمجھتے ہوئے دھیرے سے مسکرا دی۔

رہبان عالم شاہ نے سلائس پلیٹ میں رکھ کر اس کے سامنے کئے۔

''جوس از انف۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''شاباش! ضد نہیں کرتے...... ایک سلائس لے لو اچھے بچوں کی طرح۔'' وہ بچوں کی طرح ا بولا تو اس نے ایک طرف دیکھتے ہوئے سلائس اٹھا لیا۔ پورا حلق کڑوا ہو رہا تھا۔ کسی انقا کوئی ذائقہ محسوس نہ ہوا۔ وہ اس کے خیال سے دھیرے دھیرے بمشکل لقمے زہر نے لگی۔

''آپ...... بھی لیجئے نا...... کیا ناشتہ نہیں کریں گے آپ......؟''

''اوں...... ہوں...... ابھی نہیں۔ تم کرو۔'' وہ بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ...... کو آفس نہیں جانا......؟'' اس نے نگاہ وال کلاک پر ڈالتے ہوئے سامنے اطمینان سے بیٹھے شخص کو دیکھا۔ وہ جواب میں اسے کچھ دیر خاموشی سے دیکھتا رہا، پھر ے سے بولا۔

''تمہیں اس طرح چھوڑ کر......؟''

''میں ٹھیک ہوں...... اب...... آپ آفس جائیے۔'' اس نے جیسے حکم دیا۔ وہ جانے کیوں ے سے مسکرا دیا۔

''اگر تمہیں میری غیر موجودگی میں کچھ ہو گیا تو......؟'' نظریں بغور اس کے چہرے پر ئے ہوئے وہ دریافت کرنے لگا۔ وہ سر جھکا کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

''بہت سخت جان ہوں...... کچھ نہیں ہو گا مجھے۔'' بہت یقین کے ساتھ وہ بولی تھی۔ اور ے تھکن زدہ لہجے کو دیکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔

''تم جینا کیوں نہیں چاہتیں......؟''

''شاید جینا بہت مشکل ہے۔'' اس کا لہجہ بہت دھیما تھا۔ ''مگر اس کے باوجود میں بہت ر ثابت قدمی کا مظاہرہ کر رہی ہوں۔ یا پھر زندگی ہی ثابت قدم ہے اب تک۔'' وہ

دھیرے سے مسکرا کر بولی تو وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

وہ بمشکل سلائس کو حلق سے اتار رہی تھی۔ وہ اس کے کہنے کے باوجود وہیں ٹکا بیٹھا تھا اس کے سامنے۔

"آپ کو آفس جانا چاہئے...... اگر کوئی پرابلم ہوئی تو میں فون کر کے مطلع کر دوں گی" وہ مطمئن کرنے کو بولی۔ وہ پُرسوچ انداز میں اس کی جانب دیکھتا ہوا یکدم مسکرا دیا۔

"اور اگر آسمان پر کمیونی کیشن سسٹم نہ ہوا تو......؟"

وہ اس کے شگفتہ جواب پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔ "آپ کو یقین ہے، میں زندہ نہ ب[illegible] گی......؟"

"خدانخواستہ......!" رہبان عالم شاہ فوراً بولا۔ وہ چپ ہو کر گلاس ٹرے میں رکھ [illegible] تبھی وہ بہت سی دوائیوں کی جانب ہاتھ بڑھانے لگا۔

اور پھر وہ بہت سی کڑوی کسیلی دوائیوں کو حلق سے نیچے اتارنے لگی۔

"بس......؟"

"ہوں......!" وہ دھیمے انداز میں مسکرا دیا۔ پھر اٹھتے ہوئے ٹرے اٹھا کر اس کی جانب تکتے ہوئے بولا۔

"دوپہر میں لنچ کے لئے گھر آؤں گا۔" وہ اگرچہ جانتا تھا، وہ اب دواؤں کے زیر اثر دیر سوئے گی اور تب تک وہ واپس لوٹ آئے گا۔ مگر اس کا حوصلہ بڑھانے کی خاطر بولا۔

"کوئی پریشانی ہو تو فوراً فون کرنا...... ہاں......!" اس نے تاکید کی۔

"ہوں......!" اس نے بچوں کی طرح سر ہلایا اور لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔

رہبان عالم شاہ نے جدید تھرمامیٹر سے اس کا ٹمپریچر چیک کیا، پھر اطمینان بھری سانس خارج کر کے باہر نکل آیا۔ برتن کچن میں رکھ کر اس نے گھڑی دیکھی، پھر اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگا۔

وارڈ روب کھول کر آفس کے لئے سوٹ منتخب کیا اور پھر واش روم میں گھس گیا۔

اس سارے عرصے میں مژگان کا خیال اس کے ساتھ تھا۔ باہر نکل کر چینج کرتے ہوئے یکدم ہی ڈور بیل کی آواز کانوں میں پڑی تھی...... اور وہ شرٹ کے بٹن تیزی کے ساتھ بند کرنے لگا تھا۔ اس وقت کون ہو سکتا تھا۔

کل سے ایک بار بھی سجل عباس نقوی کو فون نہ کیا تھا۔

اور......!

"اوہ نو......!" اس کا خیال آتے ہی وہ ٹائی لگانے کا ارادہ ملتوی کرتے ہوئے تیزی کے دروازے کی جانب بڑھا تھا جہاں مسلسل کوئی "جارحانہ انداز" اختیار کئے بیل پر ہاتھ [illegible] کھڑا تھا۔

[illegible]لی بار رہبان عالم شاہ کے چہرے پر پریشانی کے سائے لہرائے تھے۔

[illegible]ل کو صورت حال سے آگاہ نہ کر کے اس نے واقعی غلطی کی تھی۔ آج اس لمحے وہ اسے [illegible]ور پر کس طرح قائل کرتا۔

[illegible]ہ......!

[illegible]ھی تو نہ سوجھ رہا تھا اور بیل مسلسل ہوئے جا رہی تھی۔

[illegible]بان عالم شاہ نے مژگان کے کمرے کے سامنے رک کر اسے آنکھیں میچے پڑے دیکھا [illegible] دروازہ دھیرے سے بند کر دیا تھا اور خود تیزی کے ساتھ دروازے کی جانب پیش [illegible]می۔

[illegible]ان عالم شاہ کا ذہن ہر طرح کی صورت حال کو قبول کرنے کے لئے تیار تھا۔

[illegible]اس گھڑی جو ہونا تھا، وہ ہونا ہی تھا۔ خطرہ سر پر تھا مگر وہ قطعی حواس باختہ نہ تھا۔

[illegible]ہ اس ڈرامے کا ڈراپ سین اسی طرح ہونا مقصود تھا۔ وقت آن پہنچا تھا۔ مگر اس کا [illegible]ہمت مکمل طور پر گرفت میں تھی۔

[illegible] چہرے پر ازلی سکون تھا۔ متوازن کیفیت۔ پُرسکون انداز۔ وہی اعتماد۔

[illegible] پُرسکون انداز میں اس نے دروازہ کھولا تھا۔

[illegible]ھر اپنے سامنے کھڑے علی شاہ کو دیکھتے ہوئے جیسے ایک گہرا سانس خارج کیا تھا۔

[illegible]......!" اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں کہہ سکا تھا۔ تبھی علی شاہ مسکرا دیا تھا۔

[illegible]بت...... اتنی دیر لگا دی دروازہ کھولنے میں......؟" اس کا انداز ویسا ہی تھا۔ ازلی [illegible]لئے۔ اور رہبان عالم شاہ فقط اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

[illegible]میں تنگ آ کر واپس لوٹ جاتا تو......؟" علی شاہ نے بدستور مسکراتے ہوئے خدشہ [illegible]ر ساتھ ہی اندر بڑھ آیا۔

[illegible]یقین تھا تم واپس قطعی نہیں جاؤ گے۔" رہبان علی شاہ نے دروازہ بند کرتے ہوئے [illegible]ب دیا۔

[illegible]...... تمہیں کیا الہام ہوا تھا کہ دروازے کے اس طرف میں ہوں؟" علی شاہ نے [illegible]یافت کیا۔

''ہاں...... اتنی صبح صبح ایسی زحمت کوئی اور قطعی نہیں دے سکتا۔'' وہ ہنوز سنجیدہ انداز
گویا ہوا تو علی شاہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

''یہاں سے گزر رہا تھا، سوچا خیریت دریافت کرتا چلوں۔ بائی دی وے، بھابی
ہیں؟'' آنکھوں میں بھرپور شرارت لئے وہ دریافت کرنے لگا۔

''اپنے کمرے میں۔ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' رہبان عالم شاہ نے اس کی تمام تر شوخی
نظر انداز کرتے کرتے ہوئے گہرا سانس خارج کرتے ہوئے کہا تو علی شاہ فوراً ہی متفکر ہو

''اوہ، خیریت؟ کیا ہوا ہے؟''

اور تب رہبان عالم اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''اپنے کمرے میں ہیں۔ وہیں جا کر معلوم کر سکتے ہو۔''

اور تب کہنے کے ساتھ ہی رہبان عالم شاہ نے آگے بڑھ کر اس کے کمرے کا د
کھول کر جھانکا۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔ علی شاہ نے پشت سے جھانکا، پھر بولا۔

''میں شام کو آ جاؤں گا۔ ابھی ڈسٹرب مت کرو انہیں۔'' اور تب رہبان عالم شاہ نے
کے کمرے کا دروازہ بہت ہولے سے بند کر دیا۔

''تبھی محترم کی آنکھیں سرخی لئے اِک داستان بیان کر رہی ہیں۔'' وہ فطری شوخی سے
ہوا تو رہبان عالم شاہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ وہ ہنس دیا۔ ''چلو ایک مزید نیا تجربہ...... ش
حیات بیمار ہو جائے تو تیمارداری کیسے کرتے ہیں۔ گھرداری کیسے سنبھالتے ہیں۔''

''علی شاہ!'' وہ جیسے ضبط کرتے ہوئے اسی قدر کہہ سکا اور علی شاہ ہنسنے لگا۔

''ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا۔ ابھی تو مزید کئی نئے اور انوکھے تجربات ہوں گے
صوفے پر گرتے ہوئے بولا۔

''علی شاہ! تمہیں اتنا لطف کیوں آتا ہے میری صورت حال پر...... ہر انسان کی زندگی
ایسے مسائل آ سکتے ہیں۔ میری جگہ تم بھی ہو سکتے تھے۔'' رہبان عالم شاہ نے گلے میں
ٹائی کی ناٹ بنائی۔ مگر علی شاہ محظوظ ہوتے ہوئے ہنس دیا۔

''آ...... ہا۔ ایسے خوش نصیب ہم کہاں۔'' ایک سرد ترین آہ بھر کر کہا۔ ''بہت نا شکرے
ہو۔ بھابی کو ہوش میں آنے دو، مکمل طور پر آگاہ کر دوں گا۔'' اس نے گویا دھمکی دی۔

رہبان عالم شاہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔ پھر بولا۔ ''اتنی صبح صبح کوئی خاطر مدارت قطعی نہیں
سکتا۔ اگر موڈ ہے تو سامنے کچن ہے۔'' اس نے تمام تکلفات بالائے طاق رکھتے ہوئے
علی شاہ اسے حسرت و یاس سے دیکھ کر رہ گیا۔

''آج پہلی بار تو نہیں آیا۔ اینی وے، کافی سے زیادہ خاطر مدارت تو آپ کر ہی چکے
ہیں۔''

رہبان عالم شاہ مسکراتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا غالباً شوز اور کوٹ پہننے کی غرض
سے اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس کے سامنے تھا۔ کوٹ پہنتے ہوئے دوسرے ہاتھ میں پکڑا
پرفیوم خود پر خاصی فیاضی سے استعمال کیا، پھر بوتل وہیں صوفے پر اچھال دی۔ علی شاہ
بوتل اٹھا کر بغور دیکھنے لگا۔ پھر خود پر اسپرے کرتا ہوا مسکرایا۔

''کافی سے زیادہ کیفیات اب بھی ''چھڑوں'' والی ہیں۔ انہیں سنبھالے گا کون؟'' ادھر
ادھر پڑی اشیاء کو دیکھتے ہوئے وہ بولا تو رہبان عالم شاہ یکدم چونک گیا۔

''آئی سی! اچھا یاد دلایا تم نے...... مجھے فوراً ایک عدد کام کرنے والی عورت اور خانساماں
کی ضرورت ہے۔''

''تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے میں اسی نوعیت کے کاموں پر مامور ہوں۔'' علی شاہ مسکرایا۔
''آج کل تو امی بھی گھر پر نہیں ہیں۔ میں تو خود عاجز آیا بیٹھا ہوں۔ خانساماں تو نہیں مگر وہ
ہماری ماسی ذکریہ ہے۔ اماں کو اس پر بہت اعتماد ہے۔ اگر کہو تو اس کام کے لئے بندوبست کر
دیتا ہوں۔ کپڑے دھونے سے صفائی تک ہر کام بقول امی کے بہت مہارت سے کرتی ہے۔
رہا خانساماں کے لئے تم اخبار میں بھی اشتہار دے سکتے ہو۔'' وہ پھر یقیناً چھیڑ رہا تھا مگر
رہبان عالم شاہ مسکرا دیا۔ بہت دھیمے اور مدھم انداز میں۔

''علی شاہ! تم سے تذکرہ کرنے کی بجائے دیوار سے سر دے مارنا زیادہ آسان گویا
اب ہے۔'' اور علی شاہ اس کے انداز پر یکدم ہنسنے لگا تھا۔

رہبان عالم شاہ کی تیاری یقیناً مکمل ہو چکی تھی اور وہ آفس جانے کے لئے تیار تھا تبھی
علی شاہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''بھابی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ چھٹی کر لیتے تو زیادہ مناسب ہوتا۔'' علی شاہ سنجیدگی کی
گویا ہوا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

''بہت ضروری اور اہم کام ہے۔''

''بھابی سے بھی اہم؟'' علی شاہ نظروں میں حد درجہ شرارت بھرے یقیناً چھیڑ ہی رہا تھا۔

رہبان عالم شاہ اسے ایک نظر دیکھ کر مکمل طور پر نظر کرتے ہوئے چلتا ہوا اس کے کمرے
کے سامنے جا رکا۔ پھر دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔ اس کے بیڈ کے قریب
رکا۔ جانے کس خیال کے تحت بغور دیکھا...... بلکہ فوراً ہی کلائی بھی ہاتھ میں لے کر چیک

کی۔ پھر مطمئن ہو کر اسے دیکھا۔

دواؤں کے زیر اثر وہ بہت پُرسکون نیند سو رہی تھی۔ انداز بچوں کی طرح معصوم اور نظ
تھا۔ چہرہ اترا اترا سا تھا...... مگر حسن گہنایا نہ تھا۔

وہ بغور دیکھتا ہوا ایک دم ہی جانے کیوں فوراً ہی نگاہ چرا کر کمبل درست کرنے لگا۔

پھر پلٹ کر مڑا تو علی شاہ اس کے انتظار میں دروازے کے عین سامنے کھڑا اسی کی جانب
متوجہ تھا۔

"بھابی ٹھیک ہیں اب......؟" رہبان عالم شاہ کو کمرے کا دروازہ بہت احتیاط سے بند کر
دیکھ کر علی شاہ بہت شرارت سے مسکرایا تھا۔ انداز میں شوخی تھی۔ مگر رہبان عالم شاہ سنجیدگی
نظر انداز کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلانے لگا۔

"دواؤں کے زیر اثر ہے۔ تا دیر سوئے گی۔"

"اور تب تک یقیناً تم لوٹ آؤ گے۔" علی شاہ نے فوراً جملہ مکمل کیا۔

"کوشش کروں گا۔"

"کوشش نہیں...... عمل کرنا۔ بھابی کو تمہاری ضرورت ہے۔" علی شاہ اب کے سنجیدگی
بولا تو وہ سر ہلانے لگا۔

"امی یہاں نہیں۔ ورنہ ضرور ایسی صورت میں یہاں آ جاتیں۔ پرسوں ہی انہیں صالحہ آ
حیا ناب ہنگامی حالت میں روانہ ہونا پڑا۔"

"ڈونٹ وری! کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔" رہبان عالم شاہ جیسے زبردستی مسکرایا۔

"تم پریشان ہو؟" علی شاہ نے اسے بغور تکتے ہوئے دریافت کیا...... اور تب وہ بلا
صوفے پر سر ہلانے لگا۔ ساتھ ہی گویا ہوا۔

"نہیں...... مگر میرا یہ پہلا تجربہ ہے۔"

ایسے ہاں، اول اول کے تجربات کے بعد ہی ایسے بہت سے دوسرے تجربات کا ادراک
ثانی" علی شاہ یک دم ہی پٹری سے اتر گیا۔ مگر رہبان عالم شاہ نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑ
گیا۔ اور تب علی شاہ نے بھی فوراً ہی اس کی تقلید کی۔

✿......✿

"اے آپا! خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے، کوئی لڑکی پسند تو آئی۔ سچ، زمانہ دیکھ ڈالا تھا۔ میں تو
قدر مایوس ہو چلی تھی...... مگر اللہ نے بڑا کرم کر دیا۔ لڑکی چاند کا ٹکڑا ہے واقعی۔" صفیہ
بولیں تو سلمیٰ بیگم سر ہلانے لگیں۔ مگر دادی اماں فقط دیکھ کر رہ گئیں۔ پھر جیسے رہ نہ سکیں
بولیں۔

"ارے بہو! بات تو تب بنے گی جب لڑکی اپنے سمیر میاں کو بھی پسند آ جائے۔"

"ہاں...... یہی بات میں بھی سوچ رہی تھی۔ مگر بقول صفیہ کے، لڑکی چاند کا ٹکڑا ہے تو
خیال ہے بات بن جائے گی۔" سلمیٰ بیگم بولیں۔ تبھی وقار صاحب گویا ہوئے۔

"اور اگر وہ چاند کا ٹکڑا آپ کے صاحبزادے کو نہ بھایا تو......؟"

صفیہ بیگم سر اٹھا کر تکنے لگیں۔ پھر سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولیں۔ "ایسا نہیں ہو سکتا۔"
کے لہجے میں یقین تھا۔

"ہونے کو بہت کچھ ہو سکتا ہے بیگم! اچھا یہی ہے کہ آپ سمیر کی پسند معلوم کر لیں۔" وقار
صاحب بولے تو دادی اماں اور سلمیٰ بیگم ان کی جانب بغور دیکھنے لگیں۔ پھر دادی اماں گویا
ہوئیں۔

"منجھلی بہو! وقار ٹھیک کہہ رہا ہے۔ آج کل بچوں کا مزاج بدل چکا ہے۔ کم از کم تمہیں
رائے کو ضرور فوقیت دینا چاہئے۔"

"ہاں...... میرا بھی یہی خیال ہے۔ آج کل تو یوں بھی جدید دور ہے۔ دونوں بچوں کی
میں بھی کوئی حرج نہیں۔ آخر کو زندگی انہی نے گزارنی ہے۔ دیکھ بھال لیں تو اچھا
سلمیٰ بیگم نے بھی رائے دی تو منجھلی چچی سوچنے لگیں۔ پھر شوہر کی جانب تکنے لگیں۔

"آپ کو لگ رہا ہے کہ میں سمیر کے ساتھ کوئی ناانصافی کر رہی ہوں؟"

اب میں وقار صاحب شانے اچکا کر بولے۔ "کیا کہہ سکتا ہوں میں۔ تم خود سمجھدار
معاملے میں یقیناً ماؤں کا ضمیر اور دل مختلف انداز میں سوچتا اور عمل کرتا ہے۔ ہو سکتا
کی رائے کو اہمیت نہ دو۔ اور یوں بھی بچوں کے معاملے میں، میں یہ ذمے داری

آپ کو سونپ چکا ہوں۔"

"گویا...... ساری ذمے داری اب مجھ پر ہی عائد ہوتی ہے۔" ان کے لاتعلق ہو جانے پر منجھلی چچی تپ کر رہ گئیں۔

"ہرگز نہیں۔ بہت سی ذمے داریاں میں اب بھی بہت با احسن طریقے سے نبھا رہا ہوں۔ اماں اور بھابی بھی یقیناً گواہ ہوں گی۔" وہ بات کو گویا مذاق کا رنگ دیتے ہوئے مسکرائے تو تائی اماں (سلمٰی بیگم) اور دادی اماں مسکرا دیں۔ تبھی وقار صاحب گویا ہوئے۔

"فیصلے کا حق آپ کے پاس ہے۔ مگر اتنا دھیان میں رکھئے گا کہیں ناانصافی نہ ہونے پائے۔ اولاد کا دکھ بہت جان لیوا ہوتا ہے۔"

"آپ یہ مجھے سمجھا رہے ہیں۔ گویا مجھے کوئی احساس نہیں اپنے بچے کی خوشیوں کا؟" منجھلی چچی جیسے الزام زنی پر تپ کر گویا ہوئیں۔

"میں نے ایسا ہرگز نہیں کہا...... آپ کو بچی پسند آ گئی ہے، اچھی بات ہے۔ ایک بار سمیر کو بھی دکھا دیجئے...... پھر وہ جو فیصلہ کرے اس کی مرضی۔" وقار صاحب دانش مندی کے ساتھ بولے۔

"وہ تو مزے سے پانی پھیر دے گا میری محنت پر...... آخر کو آپ ہی کی اولاد ہے۔" منجھلی چچی اس انداز میں گویا ہوئیں کہ وقار صاحب سمیت دادی اماں اور سلمٰی بیگم مسکرا دیں۔ تبھی منجھلی چچی جل کر بولیں۔ "اس کے سر پر تو ایک ہی بھوت سوار ہے۔"

"تو باندھ دیجئے اسی بھوت کے ساتھ...... دانشمندی کا تقاضا تو یہی ہے۔" وقار صاحب مسکراتے ہوئے گویا ہوئے تو وہ تلخی سے بولیں۔

"آپ دونوں باپ بیٹا پاگل کر دیں گے مجھے۔ میں نے جوتیاں گھسا لیں مگر قدر پھر بھی نہ ہوئی۔ سب کو اپنے اپنے مفادات کی فکر ہے۔ میرے دل کی خواہش کا کسی کو خیال نہیں۔"

"کسے کسی کے دل کی خواہش کا خیال نہیں؟" تبھی سمیر اندر داخل ہوا تو ماں کے آخری جملے کی نوعیت کو سمجھے بغیر دہراتے ہوئے مسکرایا۔

"لو آ گئے میاں صاحب زادے۔ اب سامنا کیجئے ماں کے تند و تیز سوالوں کا۔ ہم تو اب ہمت ہار چلے۔" وقار صاحب مسکراتے ہوئے اٹھے اور اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔ تبھی سمیر پہلے ماں کی طرف اور پھر دادی اماں کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ماجرا ہے؟"

"اپنی ماں سے دریافت کرو۔" دادی اماں کہہ کر پان دان کھول کر معروف ہو گئیں۔ تبھی

...بھی پہنچ کر بولا۔

"ہوں...... تو پھر کوئی نیا قصہ......"

"...کومت۔ لڑکی اچھی ہے۔ تمہاری ماں کو پسند آ گئی ہے، بہت بڑی بات ہے۔" دادی ...نے ڈپٹا...... وہ ہنس دیا۔

"لیکن میں تو "بہت اچھا" ہوں۔ کوئی فقط اچھی لڑکی میرے ساتھ کیسے چل سکتی ہے۔" ...بات کو مزاح کا رنگ دیتا ہوا بولا تھا...... اور منجھلی چچی اس کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔

"کوئی بات سننا مت میری...... منوں مٹی تلے چلی جاؤں گی دل میں حسرت لئے۔" ...را حربہ استعمال ہوا اور سمیر نے اٹھ کر فوراً ہی مسکراتے ہوئے ان کے گرد اپنا بازو حمائل ...ا تھا۔

"خدا نہ کرے۔ میری پیاری سی ماں جئے ہزاروں سال۔ ہر سال کے دن ہوں پچاس

"چل ہٹ۔ اب مکھن مت لگا۔" منجھلی چچی نے بیٹے کی محبت پر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ...یا ہی ناراض ناراض رہا۔ سمیر جانے کیوں مسکرا دیا۔ پھر بولا۔

"ذرا سی بات کو دل پر لے لیا۔ آپ کہیں تو لائن لگا دوں بہوؤں کی؟" ...لمٰی بیگم اور دادی اماں ہنس دیں۔

"...کومت...... شریعت نے بھی چار کی اجازت دی ہے۔" منجھلی چچی اس کیفیت میں بھی ...ے باز نہ رہ سکیں اور سمیر محظوظ ہو کر ہنسنے لگا۔

"...اکے! پھر مجبوراً چار پر ہی آپ کو قناعت کرنا ہو گی۔" اپنا سارا معاملہ ایک طرف رکھتے وہ گویا ہوا تو منجھلی چچی مسکرائے بغیر نہ رہ سکیں۔

"...اول فول مت بک...... کوئی بھی گھڑی قبولیت کی ہو سکتی ہے۔"

"تو اچھا ہے ناں...... اپنی ماں کی خوشی کے لئے تو میں ہر کام کرنے کو تیار ہوں۔"

"ہاں، ایسا ہی تو سعادت مند ہے ناں۔"

"آزما لیجئے۔" سمیر نے دوسرا بازو بھی گلے میں ڈال دیا۔

"چل ہٹ۔ اب ڈرامے بازی مت کر۔ ابھی دیکھنے کی بات کروں گی تو اٹھ کر فوراً ہی ...ہو جائے گا۔"

"...نچے...... ابھی پچھلی بار تو آپ کے ساتھ گیا تھا۔"

"...گر پسند تو نہیں آئی تھی۔" منجھلی چچی نے فوراً یاد دلایا۔

"ہاں۔ اس کی آنکھیں بھی تو اس قدر چھوٹی تھیں۔ آپ چاہتی ہیں آپ کی آئندہ نسل "چینی" کہلائے؟" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہرگز نہیں۔" منجھلی چچی فوراً گویا ہوئیں۔ پھر اس کے لبوں پر شریر سی مسکراہٹ دیکھ کر گھور کر رہ گئیں۔ "بس اسی طرح تو مجھے گھن چکر بنائے رکھنا۔ میں جوتیاں چٹخاتے چٹخاتے تمام حسرتیں دل میں لے جاؤں گی۔ اکلوتی نرینہ اولاد بھی عذاب ہوتی ہے۔ دو چار ہوں تو جان پر مشکل تو نہیں ہوتی کہ پکڑ پکڑ کر دو کسی کا بھی اپنی مرضی سے۔"

"پیاری امی جان! آپ ہی تو کہتی ہیں۔ ایک ہو، پر نیک ہو۔" سمیر نے فوراً یاد دلایا۔

"ہاں کہتی ہوں۔ مگر اب ایک تنگ بھی تو نہ کرے نا۔"

"کہاں تنگ کر رہا ہوں میں...... کیوں تائی اماں! کیوں دادی اماں! کوئی تنگ کرنے والی بات کہی ہے اس عرصے میں، میں نے......؟" اس نے دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا تو سلمٰی بیگم سمیت دادی اماں بھی مسکرا دیں۔ تبھی منجھلی چچی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اقرار چاہا۔

"چلے کا ساتھ دیکھنے؟"

"کسے......؟" وہ مکمل بے خبری سے گویا ہوا۔ منجھلی چچی نے ایک دھپ رسید کر دی۔ وہ ہنسنے لگا۔

"مت تنگ کیا کر مجھے۔"

"آپ کو نہ تنگ کروں تو پھر کسے تنگ کروں؟ ایک ہی تو ماں ہے میری پیاری سی۔" محبت کا برملا اظہار ہوا۔

"اور لوگوں کی تو جیسے دس دس ہوتی ہیں۔" منجھلی چچی نے ڈپٹا۔

"اور لوگوں کی چاہے دس ہوں یا بیس...... مگر مجھے اپنی اکلوتی ماں بہت عزیز ہے۔"

"ہاں، ظاہر ہو رہا ہے پچھلے ایک سال سے۔" منجھلی چچی خفگی سے گویا ہوئیں تو وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"امی! آپ جانتی ہیں، ابھی اس کام کا یہ وقت نہیں۔ جن بھائیوں کے کاندھوں پر اتنی بہنوں کی ذمے داری ہو، وہ یوں سہرا سجاتے سجتے نہیں۔ پہلے آپ نمیرا وغیرہ کے لئے دیکھئے۔ ان کی طرف سے مطمئن ہو کر میری باری بھی آ جائے گی۔ وقت کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔" سمجھداری سے بولا تو منجھلی چچی سمیت دادی اماں اور سلمٰی بیگم بھی اسے دیکھنے لگیں۔ مگر بھی منجھلی چچی بولیں۔

"تو بچنے کے لئے کر رہا ہے۔ مہلت درکار ہے تجھے۔"

"امی پلیز! کم از کم مجھے غلط مت سمجھئے۔ خود سے نہ سہی مگر اپنی فیملی کے لئے میں بہت ...اس ہوں۔ آپ پہلے ہر طرف کی فکر سے آزاد ہو کر نمیرا کے لئے کوئی اچھا لڑکا دیکھئے...... تب تک یہ سب ہیں، میں اپنے لئے قطعی نہیں سوچوں گا۔" وہ کہہ کر اٹھا اور پھر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

دادی اماں، سلمٰی بیگم اور منجھلی چچی دیکھ کر رہ گئیں۔

✿......✿
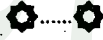
بہت سارے کاموں اور مصروفیت کے باوجود اس کا تمام تر دھیان اسی کی جانب لگا رہا تھا۔ سارے کام نمٹاتے ہوئے، سارے امور سرانجام دیتے ہوئے دھیان کے سب دھاگے اسی کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ فون کرنے کا کئی بار خیال بھی آیا تھا مگر پھر یہ سوچ کر ارادہ ترک کر دیا کہ وہ دواؤں کے زیر اثر سو رہی ہو گی۔ ڈسٹرب ہو گئی تو...... کتنی حیرت کی بات تھی۔ کچھ نہیں تھی وہ اس کے لئے...... فقط ایک وقتی تعلق کے ساتھ پابند تھا۔ پابند بھی کہاں تھا، ہر طرح سے آزاد تھا۔ ایک رشتہ ہونے کے باوجود، ایک تعلق باندھنے کے باوجود اسے کسی طرح کا کوئی دھاگہ باندھ نہ سکا تھا۔

زندگی میں آنے والے کسی نئے وجود نے اس پر اپنا "استحقاق" نہ جمایا تھا۔

وہ واقعی مکمل طور پر "آزاد" تھا۔ اسی روش پر چل رہا تھا۔

احسان مند...... رحم تلے دبی لڑکی کر بھی کیا سکتی تھی۔

اس کے کمرے میں اب بھی سجل عباس نقوی کا ہر ہر عکس اسی طرح جلوہ افروز تھا۔ ...اروں پر آویزاں، رونق بڑھا رہا تھا۔ کمرہ آباد تھا...... دل آباد تھا۔ اسے گمان تک نہ تھا کہ ...کمزور سی لڑکی کا دل "غیر آباد" بھی ہو سکتا ہے۔ کسی سلوک سے...... کسی رویے سے ..."... طور پر سہی، کوئی "کاری ضرب" بھی پڑ سکتی ہے، اسے احساس تک نہ ہوتا تھا۔ یا ...تھا بھی تو وہ "مجبور" تھا۔ دل کے ہاتھوں...... جذبات کے ہاتھوں...... وہ اس کے ساتھ ...ہم قدم شاید نہیں تھا۔ مگر اس کا نام اس کے ساتھ تھا۔ اک آسرا تھا۔ سہارا تھا۔ وہ مکمل ...اس کی "پناہ" میں تھی۔ محفوظ تھی۔ اس نے خود کو اس کے لئے "وقف" کر دیا تھا۔ ...ی طور پر ہی سہی...... وہ اس کے ساتھ تھا۔ اس سے زیادہ شاید وہ اس کے لئے کچھ کر ...نہیں سکتا تھا...... کہ کچھ تقاضے اس کی اپنی ذات کے بھی تھے۔ یہاں بھی دل تھا۔ روح ...اور سجل عباس نقوی...... اس کی محبت...... جسے حاصل کرنے کے لئے اس ...

رات کی نیندیں تباہ کر دی تھیں۔ اس مقام پر پہنچنے کے لئے، اسے پانے کے لئے اس نے کتنی محنت نہیں کی تھی۔ سبھی کچھ تو داؤ پر لگا دیا تھا۔

اور پھر......

اسے گمان تک نہ تھا، وہ اس کی زندگی میں یوں اچانک ہی در آئے گی۔ شاید زندگی ایسی ہی بہت سی ''حیرانیوں'' کا نام ہے۔

وہ لڑکی اس کے لئے اہم نہ تھی۔ کوئی خاص ''ربط'' بھی نہ تھا۔ مگر یہ اس کی فطرت میں شامل تھا کہ وہ بہت ''حساس'' تھا۔ مشکل میں کسی کو بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

وہ لڑکی کسی اور ناتے اس کے لئے ''اہم'' اور ''خاص'' ہو نہ ہو، مگر انسانیت کے ناتے اور اس کے مزاج کی نرمی کے باعث اس کے لئے بہت مشکل تھا کہ وہ اس کے لئے اپنے جذبات روک کر رکھتا۔ یہ اس کی حساس طبیعت ہی تھی جو وہ اس کے لئے مسلسل سوچ رہا تھا اور پریشان تھا۔

ابھی بہت سے کاموں کو نمٹاتے ہوئے وہ گھڑی دیکھتے ہوئے اٹھنے ہی والا تھا جب اچانک ہی سجل عباس نقوی آ گئی۔

''ہیلو، کیا ہو رہا ہے؟'' وہ خوش دلی سے بولی تھی اور وہ سر اٹھا کر فقط اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

یہ وہ لڑکی تھی جو کبھی اس کے لئے دنیا جہاں سے زیادہ اہم تھی۔

اس کی روح تھی...... جان تھی۔

جس کے لئے اس نے اپنا سب کچھ تیاگ دیا تھا۔

اور آج......!

وہ اہم تو اب بھی تھی اس کے لئے...... اب بھی روح تھی...... جان تھی۔ مگر ایک یکسر انجان لڑکی کے لئے وہ اسے کتنے دنوں سے کس کس طرح نظر انداز کر رہا تھا۔ نہ صرف نظر انداز کر رہا تھا بلکہ ان دونوں کے درمیان ہمیشہ جو ایک ''اعتبار'' اور ''اعتماد'' کی فضا بحال رہی تھی تو کچھ دنوں سے وہ بھی جیسے ناپید ہو کر رہ گئی تھی۔

اس نے اگرچہ براہِ راست سجل سے کوئی جھوٹ نہ بولا تھا تو کوئی ''سچ'' بھی نہ کہا تھا۔ بہت دنوں سے اس کا رویہ اس کے ساتھ بہت سرد تھا۔ اور اگرچہ ایسا دانستہ نہیں تھا۔ ایسا قطعی نہیں تھا کہ اس کا ''دل'' کہیں اور ''مبتلا'' ہو گیا تھا۔ یا اس کے محسوسات اس کے لئے سرد ہو گئے تھے یا جذبات میں کوئی شدت نہ رہی تھی۔ قطعاً نہیں...... وہ اب بھی اس کے لئے اہم

مگر شاید حالات کے تھپیڑے اسے بہت ''سرد'' اور ''جامد'' بنا رہے تھے۔ وہ آگاہ تھا مگر بے بس تھا۔ سجل اس عرصے میں کتنی بار شکوہ کر چکی تھی مگر وہ کوئی بھی سدباب کرنے سے قاصر تھا۔ بے بس تھا۔ بس خود کو حالات کے رحم و کرم پر ڈال دیا تھا۔

وہ مژگان کی اور اپنی خفیہ شادی کے متعلق اسے کچھ بھی نہ بتا سکا۔ وہ خوفزدہ قطعی نہیں تھا۔ یا پھر شاید تھا بھی۔ سجل کو کھونے سے ڈرتا تھا۔

عورت چاہے جتنی بھی محبت کرتی ہو، مگر وہ شراکت برداشت نہیں کرتی۔ محبت میں ذرا سی تقسیم اسے قبول نہیں ہوتی۔ وہ ''مصلحتوں'' کی پابند ہو کر نہیں رہنا چاہتی۔ ''شک'' محبت کو مارنے لگتا ہے۔ اور وہ جانتا تھا جہاں ''محبت'' ہوتی ہے، وہیں اردگرد پاس ہی کہیں ''شک'' بھی موجود ہوتا ہے۔ اور وہ اسے کسی بھی صورت کھونا نہیں چاہتا تھا۔

مگر کسی طرح کے ''اندھیرے'' میں بھی رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ بس کسی مناسب وقت یا لمحے کی تلاش میں تھا...... جب وہ اسے اعتماد میں لے کر تمام صورتحال اس پر واضح کر سکتا۔

''کیا ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو؟'' وہ جس طرح مسلسل اس کی جانب تکتا جا رہا تھا، شاید اسی پیشِ نظر وہ بولی تھی۔ اور تب وہ چونکتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

''ہوں...... ہوں...... کچھ نہیں۔'' اسے شاید مطمئن کرنے کو دھیمے سے مسکرایا بھی تھا۔

''تم کچھ پریشان ہو؟'' وہ اس کی کیفیت کو بغور بھانپتے ہوئے بولی۔ اور تب وہ اس کی جانب تکتے ہوئے مسکرا دیا۔

''نہیں...... بالکل نہیں......''

''رات سو نہیں پائے ہو؟'' ایک مزید حملہ اور وہ یک دم حیران رہ گیا۔

''ن...... نہیں...... ایسی بات نہیں۔'' وہ بمشکل بات بنا سکا۔ ''بس کام کا برڈن آج کل ہے۔''

''مگر اس کا مطلب یہ تو قطعی نہیں رہبان عالم شاہ! کہ تم اپنا خیال نہ رکھو۔ آئینہ دیکھو۔ تمہاری آنکھیں کس قدر سرخ ہو رہی ہیں۔ اپنا خیال کیوں نہیں رکھتے ہو تم؟''

''تم ہو نا......'' وہ بات کو بدلنے کے لئے زبردستی شرارت سے مسکرایا۔ مگر سجل پھر بھی مطمئن نہ ہوئی۔

''ہاں، میں ہوں۔ مگر میں چوبیس گھنٹے تو تمہارا خیال نہیں رکھ سکتی۔ تمہیں اپنی کچھ فکر خود کرنی چاہئے۔ انسان اور مشین میں ایک بات مشترک ہے اور وہ ہے تھکن۔ مشین بھی متحرک رہے تو تھک کر ٹھہر جاتی ہے...... رک جاتی ہے۔ انسان تو پھر انسان ہے۔'' وہ

فکرمندی سے بولی تو رہبان عالم شاہ نے بہت جذب سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"You are like an odour for my self" اس کا لہجہ بہت دھیما تھا۔
سجل مسکرا دی۔ "تو پھر کم از کم میرے لئے ہی اپنا خیال رکھ لیا کرو۔"
"رکھتا تو ہوں۔" یکدم وہ مسکرایا۔
"ہاں، مگر پراپر نہیں رکھتے۔" سجل فکرمندی سے بولی۔
"بے فکر رہو۔ میں بہت PERSERVERANCE ہوں۔"
"جانتی ہوں۔ بائے دی وے ابھی تم یقیناً لنچ کے لئے نکل رہے تھے؟" سجل بولی تو وہ چونک کر دیکھنے لگا۔
"آ...... ل...... ہاں...... یقیناً" انداز قدرے کھویا کھویا سا تھا۔ وہ یقیناً اب اگلے اقدام کے متعلق سوچ رہا تھا۔ اسے مژگان کے لئے بہت سی ضروری شاپنگ کرنی تھی۔ اہم دوائیں اور فروٹس وغیرہ لینے تھے اور ہر صورت میں گھر پہنچنا تھا۔ مگر اب وہ اس سے کس طرح کہتا کہ وہ اس کے لئے...... یعنی زندگی کی سب سے اہم ترین ہستی کے لئے ہی وقت نہیں رکھتا۔
"میرا خیال ہے رہبان عالم شاہ! تمہیں گھر جا کر آرام کرنا چاہئے۔" سجل اس کا جائزہ لیتی ہوئی بولی۔
"اور تم جو مجھ سے ملنے آئی ہو......؟"
"میں یہیں ہوں۔ ہمیشہ تمہارے ساتھ...... تمہارے پاس...... گیا وقت نہیں ہوں کہ جاؤں تو پلٹ کر نہ آسکوں۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئی تو وہ مسکرا دیا۔
"سجل! یو آر رئیلی اے نائس گرل۔" وہ جیسے اس کی محبت سے سرشار سا ہو گیا۔
وہ ہنس دی۔ "مائنڈ اٹ مسٹر رہبان عالم شاہ! میں خیال کسی شخص کا نہیں رکھ رہی، خیال اپنی محبت کا رکھ رہی ہوں۔ جو میری سب سے بڑی ضرورت ہے۔"
"اوہ یو سلفش گرل۔" وہ یک دم برا سا منہ بنا کر بولا تو وہ ہنسنے لگی۔
"محبت کے لئے اتنی ذرا سی بے ایمانی تو چل سکتی ہے۔ یوں بھی محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔ ایوری تھنگ اِز فیئر اِن لو اینڈ وار۔" سجل نے مسکرا کر کہا تو وہ دیکھ کر رہ گیا۔
"اور جھوٹ......؟" جانے کس خیال کے تحت پوچھا۔
"ہرگز نہیں۔ جھوٹ ایک الگ چیز ہے۔ یہاں قطعی بے ایمانی برداشت نہیں ہو سکتی۔" روانی سے بولی تو وہ دیکھ کر رہ گیا۔ پھر ایک گہرا سانس لیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ تبھی وہ بغور دیکھتی ہوئی بولی۔

"تم ڈسٹرب ہو...... کوئی پرابلم ہے؟"
وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرا دیا۔ پھر نفی میں سر ہلانے لگا۔ "اوں ہوں...... نہیں۔"
"او کے۔ فی الحال تمہیں آرام ضرور کرنا چاہئے۔" اور وہ اس کے کہنے پر سر ہلانے لگا۔
"میں چلوں گھر؟" جانے کیوں آفس سے نکلتے ہوئے وہ بولی تو وہ چونک کر دیکھنے لگا، بولا۔
"سجل! مائی لو! آئی ایم او کے رائٹ ناؤ۔" وہ یقیناً بات کو مزاح کا رنگ دینے کو مسکرایا۔
"تمہیں دیکھ لیا ہے نا...... مل لیا ہے۔ اب ٹھیک ہوں۔ آدھی تھکن تو یونہی دور ہو گئی۔" وہ یقیناً گھر لے کر جانا نہیں چاہ رہا تھا، تبھی بولا۔
اور سجل اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"او کے۔ دین ٹیک کیئر۔" وہ کہہ کر اسے دیکھتی ہوئی اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئی۔ اور رہبان عالم شاہ ایک گہرا سانس خارج کرتا ہوا اپنی "بالینو" کی طرف آ گیا۔

✿......✿

"ہائے سیو! تم تو عید کا چاند ہو جاتی ہو۔ چھوٹی بی بی بلا بلا کر تھک ہار جاتی ہیں مگر تم آ ہی نہیں دیتیں۔" مائی خیراں نے سیو کو دیکھتے ہی کہا تو وہ فوراً ہی نفی میں سر ہلانے لگی۔
"وہ بس کام بہت تھے۔" اس نے فوراً ہی جیسے صفائی دی۔
"ہاں، جیسے سارے جہان کے بکھیڑے تیرے ہی ذمے تو ہیں۔" وڈی چوہدرائن بولیں تو وہ زچ ہو گئی۔
"نہیں جی، بڑی بی بی جی! وہ بس..." اس نے وضاحت دینے کو لب کھولے۔ مائی خیراں جانفشانی کے ساتھ بڑی بیگم کے سر میں تیل ڈال کر مساج کر رہی تھیں۔ اس کی صورت سے بے بسی تھی شاید تبھی بڑی بیگم اس کی طرف دیکھتے ہوئے حلیمی سے بولیں۔
"اچھا...... آ گئی ہے تو چھوٹی بی بی سے مل لے جا کر۔ پر جاتے جاتے ذرا باورچی خانے میں دیکھتی جا...... وہاں تیری بے بے ہے۔ چائے بن گئی ہو تو چھوٹی بی بی کے ناشتہ اوپر لے جانا۔" وڈی چوہدرائن نے حکم دیا تو وہ سر ہلاتی ہوئی باورچی خانے کی جانب بڑھ گئی جہاں بے بے مصروف عمل تھیں۔
"بے بے! چائے بن گئی ہو تو ٹرے میں ناشتہ رکھ کر دے دو۔ میں چھوٹی بی بی کو پہنچا آؤں۔"
بے بے پلٹ کر دیکھنے لگیں۔ "تو جا...... میں بھجوا دیتی ہوں۔"

"اچھا......" وہ سر ہلا کر باہر نکلی۔ سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر ابھی پہلا قدم زینے کی جانب بڑھایا ہی تھا کہ اوپر کی جانب نگاہ اٹھی۔ اور پھر ساکت رہ گئی۔ دل جیسے دھک سے رہ گیا۔ وہ بلا ارادہ ہی پیلے دوپٹے کا کونا چہرے تک لے آئی۔

بلیو چست جینز اور سیاہ ٹی شرٹ میں وہ ہاتھ میں بندوق لئے شاید شکار کے لئے جا رہا تھا۔ جس وقار سے وہ سیڑھیاں اتر رہا تھا، دل جیسے مٹھیوں میں آ رہا تھا۔ کیسی شان تھی۔ کیا جلال...... سارے بھاری قدم جیسے دل پر تھے۔

خوبرو...... اونچا لمبا...... مگر انداز بے نیاز۔

حشمت و جلال قابل ستائش، قابل دید، قابل رشک تھا۔ مگر سیو جیسے پتھر کی ہونے کی تاب کہاں تھی اتنی...... نگاہ پہلی ہی بار دیکھنے پر جو جھکی تو پھر پلکوں کی لرزش تھمی نہیں...... لاتعلق بنا بے نیازی سے قریب سے گزرا تو جیسے سارا ماحول مہک گیا۔ اس کی خوشبو جیسے نس نس میں سما گئی۔

چھوٹے سرکار نے تو شاید اس کی جانب نگاہ بھی نہ کی تھی۔ ایک مرتبہ کے بعد دانستہ یا پھر کوئی دوجی نظر بھی نہ ڈالی تھی۔ مگر اس کے باوجود کیسی اتھل پتھل تھی وہاں۔

شہر دل کی ساری زمین جیسے لرز رہی تھی۔

دھرتی پر جیسے بھونچال سا آ گیا تھا۔ وہ جو رکی تھی تو پتھر کی ہو گئی تھی۔

گزرنے والا کب کا جا چکا تھا مگر وہ وہیں ساکت کھڑی تھی۔ دوپٹے کے پلو کو چہرے کے گرد کئے دوسرے ہاتھ سے ریلنگ کا سرا تھامے وہ جیسے "بت" بنی ہوئی تھی۔

"سیو...... اے سیو!" بے بے کی آواز کان میں پڑی تو وہ یک دم ہی چونک کر دیکھنے لگی۔

"تو ابھی تک یہیں پر ہے۔ گئی نہیں اوپر؟" بے بے نے قدرے بے رحمی سے دریافت کیا تو وہ کوئی بھی جواب دیئے بغیر ان کی جانب دیکھ کر رہ گئی۔

"ہائے سیو! ایک تو میں تیری اس طبیعت سے بڑی پریشان ہوں۔ باہر نکلے تو خوف سے فق ہو جاتا ہے تیرا رنگ...... ذرا کو جناں (ذرا سا بھی) اعتماد نئیں ہے تجھ میں...... کیا ہے تیرا...... جدھر دیکھتی ہے حیران رہ جاتی ہے۔ کسی کم کی نئیں توں تے۔" بے بے دبے میں اسے ڈپٹتے ہوئے بولی تو وہ ان کی طرف وضاحتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"وہ...... بے بے...... میں......" کچھ کہنے کے لئے لب کھولے تھے۔

"یہ سارا نتیجہ گھر میں گھس گھس کر بیٹھنے کا ہے۔ تیری عمر کی کڑیاں بھاگتی پھرتی ہیں۔ میں تیری بھی زبان چتر چتر چلتی ہے۔ مگر باہر نکلتے ہی ہاتھوں کے طوطے اُڑ جاتے ہیں۔

بے بے نے ایک بار پھر ڈپٹا تو وہ مزید کچھ کہے بغیر ان کے ہاتھ سے ٹرے لے کر تیزی کے ساتھ اوپر کی جانب بڑھ گئی۔

اب کیا بتاتی وہ......؟ کیا کہتی؟ کوئی جواب بھی تو نہ تھا اس کے پاس۔ بے بے کی تمام باتوں کے جواب میں اس کا دل ویسے ہی انداز میں اب بھی دھڑک رہا تھا۔

"سلام چھوٹی بی بی!" اس نے چھوٹی بی بی کے کمرے میں قدم دھرتے ہی بہت ادب سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! کیسی ہو تم؟ شکر ہے سیو، تم آئیں تو۔" کائنات بی بی اسے دیکھتے ہی مسکرا دیں اور تمام میگزین جو وہ شاید اس کے آنے سے قبل دیکھ رہی تھیں اٹھا کر بند کر کے ایک طرف رکھ دیئے۔

"کیسی ہیں جی آپ......؟" وہ بیڈ پر اس کے سامنے ٹرے رکھتے ہوئے وہیں بیڈ کی پٹی کے ساتھ لگ کر بیٹھنے لگی۔ تب ہی کائنات بولی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ مگر پلیز، تم اس طرح نیچے مت بیٹھو...... اچھا نہیں لگتا۔"

"مگر جی...... ہماری جگہ تو یہیں ہے۔" وہ عاجزی سے بولی تو کائنات اس کی سمت دیکھنے لگی۔ پھر اس کی صورت پر شاید حد درجہ مسکینی اور معصومیت ایک ساتھ دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"سیو! تم میری ملازم نہیں ہو۔ تمہاری بے بے حویلی میں کام کرتی ہیں...... مگر یہ بات بہت واضح ہے کہ ہم نے کبھی اپنے خدمت گزاروں سے برا سلوک نہیں کیا۔ کسی طرح کا کوئی نارویہ ان کے ساتھ روا نہیں رکھا۔ ہم انسانیت کے قائل ہیں۔ اور بحیثیت انسان ہم سب برابر ہیں۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔ "تم اوپر بیٹھو...... یہاں میرے سامنے۔"

وہ بہت آہستہ سے اس کے سامنے ٹک گئی۔ پھر اس کی جانب بہت معصومیت سے دیکھتی ہوئی بولی۔ "آپ بہت اچھی ہیں چھوٹی بی بی۔" اور کائنات کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

"تم خود بہت اچھی ہو...... بہت پیاری...... مجھے اچھی لگتی ہو۔ تبھی تو تمہیں یہاں بلاتی ہوں اپنے پاس۔" وہ چائے کے سپ لیتی ہوئی بولی۔ "تم بھی کچھ لو نا......" پلیٹ اٹھا کر اس کی جانب بڑھائی مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نہیں جی...... شکریہ...... بہت بہت...... آپ کھائیں۔"

"سیو! تم اتنی خوفزدہ کیوں رہتی ہو؟"

سیو بھی فوراً ہی نفی میں سر ہلانے لگی۔ "نئیں جی...... ایسی گل نئیں۔"

''اچھا پھر کیسی گل ہے؟'' کائنات شرارت سے ہنستے ہوئے بولی تو وہ بھی مسکرا دی۔ پھر جیسے افسردہ ہوتے ہوئے بولی۔

''چھوٹی بی بی! آپ چلی جائیں گی تو بہت یاد آئیں گی۔''

''تم بھی مجھے بہت یاد آؤ گی۔ مگر فی الحال تو میں یہیں ہوں۔'' کائنات کے لہجے میں بھی فطری رنگ عود کر آیا جسے دوسرے ہی پل وہ قابو میں کرتے ہوئے مسکرا دی۔ ''جب تک میں یہاں ہوں...... آجایا کرو نا۔ کام کاج تو کوئی نہیں مگر تم سے کسی حد تک دل بہلا رہتا ہے۔''

''جی اچھا۔'' وہ بہت سعادت مندی سے گردن ہلاتی ہوئی بولی۔ اور کائنات یک دم ہی مسکرا دی۔

''جس طرح تم سعادت مندی سے ''جی اچھا'' کہتی ہو، وہ بہت دلچسپ ہے۔'' سیو بھی مسکرا دی۔ تبھی وہ بولی۔ ''تم نے بتایا تھا تم نے پانچویں تک پڑھا ہے...... تو آگے پڑھنا کیوں نہیں شروع کر دیتیں؟''

''نہیں جی...... بے بے، چاچا اور میرے ویر کو یہ پسند نہیں۔'' سیو نے فوراً ہی نفی میں سر ہلایا۔ ''بے بے کہتی ہے کڑیاں بہت زیادہ پڑھ کر بگڑ جاتی ہیں۔''

''مگر میں تو نہیں بگڑی۔ تمہارے سامنے ہوں۔ کیا تمہیں ایسا لگتا ہے؟'' کائنات نے اس کی خوبصورت گہری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دریافت کیا تو وہ یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی۔

''نہیں جی، ایسی بات نہیں۔ آپ بہت اچھی ہیں۔ مگر آپ کی اور ہماری گل ہور ہے۔'' وہ انگلی پر دوپٹہ لپیٹتے ہوئے سر جھکا گئی۔ ''بے بے کہتی ہے جب کڑیوں کو ہانڈی چولہا ہی کرنا ہے تو پھر فائدہ...... اور میں تو سارے ہی گھر کے کام کاج کر لیتی ہوں۔ بے بے نے سلائی کڑھائی میں بھی مجھے اپنی طرح تاک کر لیا ہے۔ بے بے کا کہنا ہے ان کاموں میں بھی ما نہیں کھانی چاہئے۔ سارے ہنر آنے چاہئیں۔''

''یہ تو اور بھی اچھی بات ہے۔ مگر تعلیم اور تربیت بھی بہت ضروری ہے اس کے ساتھ ساتھ۔ پتہ ہے پہلے ہمارے خاندان میں بھی پڑھائی کا رواج نہ تھا۔ مگر ہمارے ابا نے ہمیں پڑھایا۔ کیونکہ وہ خود تعلیم کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ اگرچہ وہ واجب سے پڑھے ہیں مگر اپنی اولاد کو انہوں نے بیرون ملک بھی تعلیم کی غرض سے بھیج دیا۔''

''آپ کی بات تو اور ہے جی...... ہماری حیثیت کہاں ہے اتنی۔'' سیو نظریں جھکا کر بولی تو کائنات مسکرا دی۔

''جب تک میں یہاں ہوں، تم اگر چاہو تو میں تمہیں پڑھا سکتی ہوں۔''

''اور بے بے؟'' وہ بے بے کے خوف سے یک دم سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔

''انہیں میں دیکھ لوں گی۔ تم پڑھو گی؟'' کائنات نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے دریافت کیا تو وہ سر اثبات میں ہلانے لگی۔

''گڈ'' کائنات اس کی جانب دیکھتی ہوئی مسکرا دی۔

۞......۞

بہت سے پیکٹ صوفے پر ڈالتے ہوئے وہ اس کے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔ ہاتھ ہینڈل پر رکھ کر دھیرے سے پُش کیا تھا اور بہت ہولے سے دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔ عین سامنے وہ بیڈ پر آنکھیں موندے اسی طرح پڑی تھی جس طرح وہ اسے صبح چھوڑ کر گیا تھا۔

وہ یک دم ہی کسی خدشے کے پیش نظر آگے بڑھا تھا۔ اس کے بیڈ کے قریب جا کر بھاری قدم رکے تھے اور پھر دوسرے ہی پل وہ اس پر جھک گیا تھا۔ پہلے اس کی پیشانی کو چھوا تھا۔ پھر اس کی کلائی چھو کر جیسے اطمینان کی ایک لہر اس کے رگ و پے میں اتری تھی۔ اس کی دودھیا کلائی ابھی اس کے ہاتھ میں ہی تھی جب وہ دھیرے سے آنکھیں کھولتی ہوئی اس کی سمت تکنے لگی۔

''آر یو اوکے ناؤ؟'' وہ بہت دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے دریافت کرنے لگا۔ مژگان نے اس کے چہرے کی سمت بغور دیکھا...... پھر دھیرے سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''آپ اتنی جلدی لوٹ آئے۔'' اس نے پتہ نہیں سوال کیا تھا یا یونہی اسے سامنے پا کر بولی تھی۔ چہرے پر فکر کا ایک رنگ لئے یقیناً وہ اس کے لئے پریشان تھا۔

''ہوں...... تمہاری فکر نے سارا دھیان اپنی طرف لگائے رکھا۔'' وہ دھیرے سے مسکرا کر گویا ہوا۔ وہ اس سے یک دم نگاہ چرا گئی۔

''کہا تو تھا...... کچھ نہیں ہوگا۔ بہت ڈھیٹ ہوں۔''

''اوں...... ہوں۔ فضول باتیں نہیں...... زندگی بڑی نعمت ہے۔ خدا کی طرف سے حسین ترین تحفہ ہے۔ اس کی قدر کرنی چاہئے۔ خیال رکھنا چاہئے۔'' وہ دوستانہ انداز میں سمجھاتے ہوئے بولا۔

''چاہے زندگی بے بس کر کے مارتی چلی جائے۔'' وہ یکدم بول گئی۔ پھر جیسے احساس ہوا تو نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔ ''آپ بے فکر رہئے۔ ٹھیک ہوں میں اب...... انشاء اللہ کچھ نہیں ہوگا مجھے۔''

''تم اتنی عاجز کیوں ہو زندگی سے؟''

وہ دھیرے سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ رہبان عالم شاہ فوراً آگے بڑھا...... تکیے کو اس کی پشت پر رکھا۔ اس کی مستعدی پر وہ لمحہ بھر کو آنکھیں میچ کر رہ گئی۔ اس کی قربت کی خوشبو بڑی لطیف سی تھی۔ یک دم نتھنوں میں گھسی تھی اور جیسے تمام حواس کو جھنجھوڑ گئی تھی۔

''کیا ہوا......؟'' وہ پیچھے ہٹ کر اس کی جانب تکنے لگا۔

''اوں...... ہوں......'' وہ اس کی جانب بغیر دیکھے نفی میں سر ہلانے لگی۔ تبھی وہ اس کی جانب تکتے ہوئے بولا۔

''فضول سوچوں کو ذہن میں مت جگہ دو......'' وہ کرسی کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''اور اگر کوئی ایسا ارادہ ہے بھی تو پلیز اسے اچھے وقت کے لئے اٹھا رکھو...... تندرستی میں ذہن اور بھی مستعد ہو جاتا ہے۔ بیماری میں سوچوں کے گھوڑے دوڑانا نری حماقت ہے۔'' وہ جیسے درخواست کرتا ہوا بولا تو وہ جانے کیوں مسکرا دی۔

''شکریہ...... کم از کم آپ نے کسی بہانے مجھے انٹیلکچوئل تو سمجھا۔''

وہ مسکرا دیا۔ ''اگر سوچو تو تم ہو......''

''اور اگر نہ سوچوں تو......؟'' وہ یقیناً پہلے سے بہتر تھی تبھی اس کے ساتھ مسلسل باتیں کر رہی تھی۔ رہبان عالم شاہ اس کو بغور تکنے لگا تھا۔ پھر خفیف سے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''سوچنا ہوش مندی کی علامت ہوا کرتا ہے۔''

''آپ نے خواہ مخواہ زحمت کی...... میں ٹھیک تھی۔''

''مگر مجھے متواتر فکر تھی۔ صبح علی شاہ بھی آیا تھا۔ تم سو رہی تھیں۔ فقط دیکھ کر چلا گیا۔ شام کو آئے گا۔'' رہبان عالم شاہ نے آگاہ کیا۔ پھر بولا۔ ''تم اٹھ کر فریش ہو جاؤ...... میں لنچ لاتا ہوں۔ پھر تمہیں میڈیسن لینا ہوں گی۔''

''اوں...... ہوں...... میں ٹھیک ہوں اب......'' وہ سستی سے گویا ہوئی۔

''بری بات...... ابھی بخار ہے...... کم ہے...... مکمل طور پر ٹھیک نہیں ہو تم۔ میڈیسن لینا بہت ضروری ہے۔ پھر شام کو کلینک جائیں گے۔ اٹھو شاباش۔'' وہ بچوں کی طرح اسے پچکارتا ہوا بولا تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اور اس کے بچوں کی طرح دواؤں کے نام پر مسلسل برا سا منہ بنانے پر وہ جانے کیوں مسکرا دیا۔

تبھی مژگان نے کمبل دھیرے سے ہٹایا...... رہبان عالم شاہ نے فوراً کھڑے ہو کر اپنا مضبوط ہاتھ آگے بڑھایا۔ مژگان نے لمحہ بھر کو اسے تکا پھر اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام لیا۔

...رے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ رہبان عالم شاہ نے لمحہ بھر کو اسے دیکھا پھر دھیرے سے دوسرا ...اس کی کمر کے گرد حمائل کر دیا۔ اور مژگان کے رگ و پے میں جیسے بجلی سی کوند گئی۔ اس ...لمحہ بھر کو آنکھیں موند لیں۔ شاید تاثر کو زائل کرنے کو......

''آر یو اوکے......؟'' رہبان عالم شاہ کی نظریں جانے کیسے اس کے چہرے کے ...رات بھانپ گئی تھیں۔ مگر وہ اس کیفیت کو صحیح طور پر جان نہ پایا تھا۔ اس کے خیال میں ...یہ کیفیت تکلیف یا درد کے کسی لمحے کی تھی۔ مژگان پُرخفت انداز میں فوراً سر اثبات میں ...نے لگی۔

''یس آف کورس۔'' دوسرے ہی پل وہ قدم اس کی سنگت میں آگے بڑھانے لگی تھی۔

ہوشمندی واقعی سوچنے پر مائل کرتی ہے...... ابھی تھوڑی دیر قبل رہبان عالم شاہ نے کہا تھا۔

''سوچنا ہوش مندی کی علامت ہوا کرتا ہے......'' اور ابھی وہ لمحہ بھر کو اس جملے کی گہرائی ...پہنچ گئی تھی۔

کل رات تک اسے کوئی ہوش نہ تھا...... کتنی بار...... کتنے لمحوں میں وہ شخص قریب تر رہا تھا ...محسوسات جیسے منجمد تھے۔ ہوش کا کوئی در اس وقت کھلا نہ تھا۔ عقل و خرد سے بیگانہ تھی وہ ...لمحے۔

تبھی کوئی ''احساس'' بھی نہ جاگا تھا۔

مگر اب......!

جیسے پورا جسم طوفان کی زد میں تھا۔ وہ باقاعدہ لرز رہی تھی۔ اس کی پُرحرارت قربت جیسے ...خطا کر رہی تھی۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ واش روم کے قریب پہنچ کر اس نے ...ہی دروازہ کھولا تھا اور دوسرے ہی پل اس کی مضبوط گرفت سے نکل کر اندر داخل ہو کر ...زہ بند کر لیا تھا۔

رہبان عالم شاہ اس کی سرعت پر حیران رہ گیا تھا مگر جیسے اس کو مطلق پرواہ نہ تھی۔ وہ ...زے کے ساتھ لگ کر کتنے ہی پل گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی...... رہبان عالم شاہ ...اس کی کیفیات کے عین برعکس یونہی کچھ لمحے رک کر دروازے پر اس کا انتظار کیا تھا۔ مگر ...شاور کی آواز کان میں پڑی تو وہ قدرے حیران رہ گیا۔

''مژگان...... آر یو آل رائٹ......؟'' وہ جیسے اس کے اس اچانک اقدام پر برہم ہوا۔

''یس...... آئی ایم......'' اس کی بہت مدھم سی آواز ابھری تھی۔ اور تب وہ اس کے انتظار ...کرنے کی بجائے چلتا ہوا اس کے کمرے سے نکل آیا تھا۔ ہولے سے اس کے کمرے کا

دروازہ بند کر کے وہ صوفے پر دھرے پیکٹس اٹھا کر کچن میں آ گیا تھا۔

''ریڈی میڈ فوڈ'' برتنوں میں منتقل کر کے وہ گردن موڑ کر سامنے ڈرائنگ روم میں لگے وال کلاک کو دیکھنے لگا تھا...... اس کے کمرے کا دروازہ ابھی تک بند تھا اور رہبان عالم شاہ کی سمجھ میں قطعی نہ آ رہا تھا کہ اب وہ کیا اقدام کرے۔ بخار کی کیفیت میں یقیناً اسے باتھ لینا قطعی نہیں چاہئے تھا...... مگر......

اور اگر اب کچھ ہو گیا اسے تو......؟ یکدم ایک خدشے نے سر ابھارا تھا۔ مگر وہ کیا کر سکتا تھا۔ وہ جب تک واش روم میں تھی، وہ فقط رک کر اس کا انتظار ہی کر سکتا تھا۔

عجیب سر پھری لڑکی تھی۔ اسے پریشانی میں مبتلا رکھ کر جانے اسے کیسا سکون ملتا تھا۔

رہبان عالم شاہ کچھ لمحے یونہی ڈرائنگ روم کے بیچوں بیچ کھڑا رہا تھا، پھر کوٹ اتارتے ہوئے سامنے صوفے پر اچھالا تھا اور یونہی کھڑے کھڑے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنے لگا تھا۔

تبھی اس کے کمرے سے اس کے کھانسنے کی آواز آئی تھی...... یقیناً محترمہ اپنی مرضی کی کارروائی کرنے کے بعد فارغ ہو چکی تھیں۔

وہ چند لمحوں تک یونہی کھڑا دروازے کو گھورتا رہا تھا۔ تبھی دروازے کو بہت ہولے سے دوسری سمت سے اس نے کھولا تھا اور دروازے کی پشت سے سر نکال کر جس انداز سے اس نے مسکراتے ہوئے جھانکا تھا، وہ یقیناً رہبان عالم شاہ کی خفگی ختم کرنے کے لئے ہی تھا۔ مگر وہ اس کی مسکراہٹ کو مکمل طور پر نظر انداز کرتا ہوا کچن میں واپس آیا تھا...... اور پھر ٹرے اٹھا کر اس کے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ دستک دینے پر اس نے بہت مدھم انداز میں ''یس'' کہا تھا۔ اور تب وہ سگنل ملنے پر اندر داخل ہو گیا تھا۔

وہ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی...... ڈریس چینج تھا۔ گیلے بال پشت اور شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے اور بالوں میں پانی کے بہت سے قطرے اٹکے ہوئے تھے۔ وہ یقیناً بہت فریش لگ رہی تھی...... بیماری کی اس کیفیت میں بھی اس کا حسن بہت دمک رہا تھا۔ کشش کا پہلو دوچند تھا۔ مگر رہبان عالم شاہ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے نظریں چرا گیا تھا۔

''یہ کیا حماقت تھی......؟'' وہ جھک کر سائیڈ ٹیبل پر ٹرے رکھتا ہوا قدرے سخت لہجے میں بولا تھا۔ مگر وہ بہت دھیمے انداز میں مسکرا دی تھی۔

''میرا موڈ ہو رہا تھا...... اندر بہت گھٹن تھی۔''

''اور اب جو سائیڈ افیکٹ ہو گیا تو؟'' وہ دھیمے لہجے میں بولا تو وہ ہنس دی۔

''آپ اتنے پریشان کیوں ہو رہے ہیں؟ آج کی رات میں آپ کو قطعی طور پر بے آرام نہیں کروں گی...... آئی پرامس ٹو یو......'' وہ یقیناً بات کو مزاح کا رنگ دیتی ہوئی بولی تھی۔ مگر وہ جواب میں اسے دیکھنے لگا تھا...... اور اس کی نگاہوں سے شاید بچنے کو یا اس کے مزید سوالوں سے خوفزدہ ہو کر وہ فوراً بولی تھی۔

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ آپ نے بھی یقیناً لنچ نہیں لیا۔'' اور اس کے شگفتہ سے انداز پر رہبان عالم شاہ اسے فقط دیکھ کر رہ گیا تھا۔

❁......❁
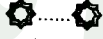
''کیا ہوا اماں، آپ کچھ پریشان ہیں؟'' سلمٰی بیگم نے ساس کو خاموش دیکھا تو پوچھنے لگیں۔ بہت دنوں سے ان کی کیفیت ایسی ہی تھی۔ یا شاید سلمٰی بیگم کو ہی محسوس ہو رہی تھی۔

''نہیں بہو، ایسی کوئی بات نہیں۔'' دادی اماں نفی میں سر ہلانے لگی تھیں۔

''مجھے لگ رہا ہے...... آپ بہت خاموش ہیں نا کچھ دنوں سے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''اے ہاں بہو، ٹھیک ہوں...... تم نے کیا سوچا اعصار بچے کے بارے میں؟'' دادی اماں نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے دریافت کیا۔ ''بات کی تو نے اس سے؟''

سلمٰی بیگم ساس کی جانب دیکھ کر نفی میں سر ہلانے لگیں۔ ''ابھی تو نہیں۔ مگر سوچ رہی ہوں کروں۔ اس کے ابا کی جانب سے تو رضا مندی ہے۔'' سلمٰی بیگم بولیں۔ ''سوچتی ہوں اماں! رشتے مضبوط ہوں گے۔ آخر کو اپنے ہی اپنوں کو ڈھانپتے ہیں۔''

''مگر بہو! اعصار کی مرضی بھی تو معلوم ہو نا......'' دادی اماں نے بہت دھیمے لہجے میں کہا اور تب سلمٰی بیگم نگاہ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگیں۔

''اماں! وہ بچہ ہے۔ اور بچے اگر نا سمجھی میں انگارے کو چھونے کی خواہش رکھیں تو ان کی خواہش قطعی پوری نہیں کی جا سکتی......'' سلمٰی بیگم کے لہجے میں یقیناً کچھ تھا۔ دادی اماں کتنے پل انہیں دیکھتی رہی تھیں۔ مگر وہ ان کی جانب قطعی طور پر متوجہ نہ تھیں۔ سر جھکائے بینگن کاٹتی جا رہی تھیں۔ اور تب دادی اماں بھی دھیان پھیر گئی تھیں۔

''آپ کو برا لگا......؟'' سلمٰی بیگم جانے کس خیال کے تحت پوچھنے لگیں۔

''قطعی نہیں۔'' دادی اماں یکدم نفی میں سر ہلانے لگیں۔ ''ماں باپ ہو تم اس کے...... یقیناً اس کے لئے بہتر ہی سوچ سکتے ہو...... کوئی پائیدار فیصلہ ہی کر سکتے ہو۔'' دادی اماں کا انداز لاتعلق سا تھا۔

''آپ سمجھ رہی ہیں ہم اس کے لئے کوئی غلط فیصلہ کر رہے ہیں؟'' سلمٰی بیگم سر اٹھا کر

ساس کو دیکھنے لگیں۔

''اے بہو! میرے سمجھنے یا نہ سمجھنے سے کیا ہوتا ہے...... تمہاری اولاد ہے۔ یقیناً تم سے بہتر اس کے لئے کوئی اور نہیں سوچ سکتا...... کوئی دوسرا چاہے جتنا مرضی عزیز رکھے...... لاڈ اٹھائے...... مگر زندگی کے اتنے اہم فیصلوں کے لئے والدین سے زیادہ موزوں کوئی اور قطعی نہیں ہو سکتا۔'' دادی اماں کا انداز بہت کچھ باور کرا رہا تھا۔ حالانکہ وہ بہت نرمی کے ساتھ بات کر رہی تھیں...... سلمٰی بیگم یقیناً سمجھ رہی تھیں یا پھر سمجھتے ہوئے نظر انداز کرنا چاہتی تھیں۔ تبھی وہ بولیں۔

''سوچ رہی ہوں، اعصار کی مرضی کیسے معلوم کروں۔ فون پر یا پھر اس کے آنے پر۔''

''میں کیا کہہ سکتی ہوں...جیسا تم مناسب سمجھو۔'' دادی اماں نے پھر لاتعلقی کا مظاہرہ کیا۔

''وہ آپ کا بھی تو پوتا ہے۔''

''اس سے کب انکار ہے مجھے...... سب سے زیادہ عزیز ہے مجھے۔''

''تبھی اس کے اہم ترین امور میں پیچھے ہٹ رہی ہیں۔'' سلمٰی بیگم نے کہا تو دادی اماں اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ اور وہ کہہ کر پھر سے سر جھکا کر مصروف عمل ہو گئیں۔

''بہو! میں پیچھے نہیں ہٹ رہی۔ خدا حیات دے میرے بچے کو...... اس کے شگنوں کے کاموں میں سب سے زیادہ خوشی ہو گی مجھے...... اسے خوش دیکھ کر یقیناً مجھے بھی بہت خوشی ہو گی۔ تم بسم اللہ کرو۔''

''وقار بھائی سے بات تو آپ ہی کو کرنا ہو گی۔'' سلمٰی بیگم نے ساس کو رام کیا۔

''اے بہو! جب تم لوگ راضی ہو تو پھر میری حاجت کیا باقی رہ جاتی ہے۔ آغاز کرو۔ مگر کوئی بھی قدم اٹھانے سے قبل اعصار کو مت بھول جانا۔ اس سے پہلے بات کر لو، پھر کوئی قدم اٹھانا...... یہ نہ ہو خدانخواستہ خاندان میں تعلقات میں کوئی بال آ جائے۔ یہ رشتے بڑے کچی ڈور ہوتے ہیں۔ ذرا سے بھی الجھ جائیں تو پیچیدہ سے پیچیدہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔'' دادی اماں نے سمجھایا، پھر زویا کو آواز دینے لگیں۔

''زویا...... اے زویا......''

''جی دادی اماں۔'' زویا نے فوراً دادی اماں کی آواز پر اندر سے جواب دیا۔

''زویا...... اے بچی، دیکھ وہ موا رحمت کہاں ہے۔ اسے بول مجھے ذرا چھوٹی بہو کے ہاں چھوڑ دے۔ بہت دن ہو گئے شکل نہیں دیکھی بچیوں کی...... ان کے داخلے پر تو پابندی ہے۔ میں تو آزاد ہوں۔ جب تک سانس باقی ہے، چھوڑ نہیں سکتی۔ موت ہی یہ ربط ختم کرے گی۔''

...اماں بہت شکستہ لہجے میں گویا ہوئیں تو سلمٰی بیگم انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔ مزید کچھ کہے بغیر ...ے ہی لمحے وہ جھک کر تمام دھیان سبزی بنانے کی جانب لگا چکی تھیں۔

✿......✿

...اس کی فکر یونہی نہیں تھی...... سہ پہر تک وہ ٹھیک تھی...... کیفیت قدرے بہتر تھی...... مگر یہ ...اس کی خودسری کا ہی دخل تھا کہ وہ اب پھر اسی کیفیت میں تھی۔

...بلکہ اب تو متواتر کھانس بھی رہی تھی۔

...وہ ڈاکٹر کے ہاں لے کر گیا تھا اور انہوں نے مزید چند نسخے لکھ دیئے تھے اور چند ...لی تدابیر بھی بتا ڈالی تھیں۔

...واپسی پر وہ بہت خفا تھا۔

''اپنی مرضی کا انجام دیکھ لیا......؟'' لہجے میں خفگی تھی۔ وہ اس کی جانب تکنے لگا تھا اور اس ...جانے اس کے لہجے میں کیسی اپنائیت تھی کہ جہاں مژگان نے چونک کر دیکھا تھا، وہیں ...ے لمحے دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

''بخار تو پہلے سے ہی تھا۔'' اس نے باور کرانے والے لہجے میں دھیرے سے کہا۔ گویا ...ن کرنا چاہا کہ یہ ''مزید کیفیت'' ہاتھ لینے کی مرہون منت قطعی نہیں تھی۔ اور وہ فقط اسے ...نگاہ خاموشی سے دیکھ کر دوبارہ ونڈ اسکرین کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''کہیں آپ کو یہی خدشہ تو لاحق نہیں کہ آج پھر آپ کی نیند تباہ ہو گی......؟'' رہبان عالم نے یکدم اسے دیکھا تھا۔ وہ بہت شرارت سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''مژگان! اپنے آپ کو مزید الجھن میں نہ ڈالو۔'' وہ بہت دھیمے سے جیسے ڈپٹتے ہوئے ...تھا۔ ''اس وقت تمہارا بی پی ہائی ہے۔ 103 بخار ہے تمہیں۔ اور تم اس طرح بے پروائی ...کر کے مزید احمقانہ حرکت کر رہی ہو۔ مگر یاد رکھو، اس طرح نہ تم مجھے بے وقوف بنا سکتی ...خود کو۔''

...اور وہ جو واقعی اس لمحے زبردستی مسکرا رہی تھی، یکدم ہونٹ بھینچ گئی۔

''آپ کو اچھا نہیں لگتا میں اس طرح ہنسوں مسکراؤں......؟'' اس کا سوال یقیناً بہت ...نہ تھا۔ تبھی رہبان عالم شاہ اس کی سمت تکنے لگا تھا۔ وہ جس طرح منہ پھلائے اس کی ...تک رہی تھی، وہ انداز خاصا دلچسپ تھا۔

''مژگان! میں تمہارا دشمن نہیں۔ مگر پلیز اس طرح تو مت ظاہر کرو۔ ''فطری پن'' اور ...ٹ'' میں بہت فرق ہوتا ہے۔'' اور تب وہ اس کی طرف سے رخ پھیر کر سیٹ کی پشت

سے سر ٹکا کر آنکھیں موند گئی تھیں۔ راستے میں اس نے گاڑی ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور کے سامنے روک کر اس کے لئے دوائیں اور ضروری اشیاء لی تھیں اور پھر گاڑی دوبارہ گھر کے راستے پر ڈال دی تھی۔

اس تمام عرصے میں اس نے کوئی بات مزید کرنے کا شغل قطعی نہیں فرمایا تھا۔ اور رہبان عالم شاہ نے بھی اس کی خاموشی کو بس ''خاموشی'' سے دیکھا تھا۔ کچھ کہا نہ تھا۔ ہاں جب وہ گھر پہنچ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی، تبھی وہ بولا تھا۔

''تم میرے کمرے میں سوؤ گی......'' اور وہ یکدم حیرت سے مڑ کر تکنے لگی تھی۔ مگر رہبان عالم شاہ کہنے کے بعد دوسرے ہی پل اس کے قریب سے گزرتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا...... اور تب وہ کتنی ہی دیر تک وہیں کھڑی رہی تھی۔

وہ رات بھر یقیناً سو نہ پایا تھا...... آنکھیں اب تک سرخ تھیں۔ اپنے کمرے میں یقیناً وہ ایزی انداز میں سو سکتا تھا۔ مگر اسے اس صورت میں مژگان کی جانب سے بھی مستقل فکر لاحق رہتی۔ تبھی شاید وہ بولا تھا۔ مگر وہ کس طرح یہ ''فعل'' سرانجام دے سکتی تھی...... اس صورت میں یقیناً وہ نہ سو پاتی۔

بات یہ نہ تھی کہ اسے رہبان عالم شاہ پر اعتماد نہ تھا...... اعتبار نہ تھا مگر وہ مکمل طور پر اس پر ''یقین'' رکھتی تھی...... ''ایمان'' کی حد تک۔ وہ جانتی تھی، وہ ''نفس'' کا کمزور شخص قطعی نہیں تھا۔ ایک جائز تعلق درمیان میں موجود ہوتے ہوئے بھی اس نے کسی لمحے بھی کوئی استحقاقی قدم نہیں اٹھایا تھا۔ حالانکہ ایسے میں کون روک سکتا تھا اسے۔ تعلق شرعی طور پر قائم ہوا تھا...... اور کہیں کسی طرح کی کوئی ''قید و بند'' واقع نہ ہوتی تھی۔ ساری ''پابندیاں''، ''حد بندیاں'' تو ان کی اپنی جانب سے تھیں۔ دونوں ہی اپنی اپنی مصلحتوں کے پابند تھے۔ اپنی اپنی ذات میں بند تھے۔ وہ بھی مجبور تھی اور وہ بھی پابند...... اسے فقط ''پناہ'' درکار تھی...... وقتی سہارا...... اور وہ کہیں اور مبتلا تھا...... مگر اس کے کہنے پر فوراً ہی اپنا نام اس کے نام کے ساتھ جوڑ دیا تھا۔
وہ اس کی پناہ میں آ گئی۔

کہیں کسی ''خواہش'' نے سر نہ ابھارا...... کسی ''تمنا'' نے جنم نہ لیا۔ ساری ''حقیقت'' اس پر کھل گئی۔ مگر اس کا اعتماد جوں کا توں قائم رہا...... بلکہ شاید مزید پختہ ہو گیا۔

کوئی بھی شخص یقیناً فرشتہ قطعی نہیں ہو سکتا۔ وہ قطعی طور پر قسم نہیں اٹھا سکتی تھی۔ مگر رہبان عالم شاہ کے متعلق جانے کیوں اسے یقیناً تھا کہ کوئی ''کمزور لمحہ'' کہیں اسے پسپا نہیں کر سکتا۔ حالانکہ ایسا اگر ہو بھی جاتا تو وہ روک تو قطعی نہ سکتی تھی...... کہ بہر حال تمام ''حقوق'' اس

ہنوز'' رکھتا تھا۔
جائز تعلق تھا۔
''سبھی کچھ'' اس کے لئے تھا۔ اگر وہ آگے بڑھتا تو یقیناً وہ کوئی مزاحمت کر ہی نہ پاتی کہ بہر حال وہ بہت کمزور تھی...... اس سے بہت طاقتور تھا وہ۔ مگر اس کا وجود تو جیسے اس کے بانے بے معنی تھا۔
سب کچھ ہوتے ہوئے بھی جیسے کچھ نہ تھا۔
اس شخص کی ''لاتعلقی'' کم از کم اس کے لئے بہت اطمینان کا باعث تھی۔ اس کی ''بے بازی''، ''سرد مہری'' پر وہ بہت مطمئن تھی اور جانے کیوں چاہتی تھی کہ یہ تمام کیفیات برقرار لا رہیں۔

وہ کتنے ہی لمحے وہاں کھڑی سوچتی رہی تھی، پھر ایک گہرا سانس خارج کرتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی...... بیڈ تک پہنچتے پہنچتے اس کا سانس پھول چکا تھا۔ وہ بیڈ پر گرتے ہوئے گہرے گہرے سانس لینے لگی تھی۔ مختلف نوعیت کے دو چار انجکشن بھی لگے تھے ...شاید اسی کے باعث بہت غنودگی چھا رہی تھی۔ وہ یونہی آنکھیں موندے گہرے گہرے سانس لے کر کیفیت متوازن کرنا چاہ رہی تھی، تبھی عین اسی لمحے رہبان عالم شاہ دروازے کے عین بیچوں بیچ آن رکا۔

''مژگان......!'' وہیں کھڑے ہو کر پکارا۔ پھر اس کی کیفیت پر دوسرے ہی پل آگے آیا۔ ''مژگان......'' اس پر جھک کر پکارا۔ مژگان نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا، پھر سر ...ت میں ہلانے لگی۔

''آئی ایم او کے...... ڈونٹ وری۔'' پھولے پھولے سانس میں بمشکل بولی۔

وہ فکرمندی سے تکنے لگا۔ آنکھوں میں بے تحاشا تھکن تھی۔ بہت سی سرخی تھی۔ مژگان کو نہ جانے کیوں اس لمحے بے تحاشا ترس آیا تھا۔ تبھی بولی۔

''آپ جا کر سو جائیے...... میں ٹھیک ہوں اب......'' وہ کہہ کر کھانسنے لگی اور وہ چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا...... پھر گہرا سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ مجھے فکر رہے گی تمہاری۔''

''میں ٹھیک ہوں نا۔'' وہ اس کے مستقل اپنی طرف دیکھنے پر نظریں جھکا کر بولی۔ تبھی وہ

''بچوں جیسی باتیں مت کرو...... چلو اٹھو...... کمرے میں چلو...... شب... بہت نیند آ رہی

ہے مجھے۔'' وہ تحکم بھرے انداز میں بالکل یوں گویا ہوا جیسے کسی بچے سے مخاطب ہو اور مژگان اس گھڑی اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر مزید کوئی بحث کیے بغیر دوپٹہ درست کرتی ہوئی دھیرے سے اٹھی۔ رہبان عالم شاہ نے فوراً ہاتھ آگے بڑھایا...... اس نے بادل نخواستہ اس کا بڑھا ہوا ہاتھ دھیرے سے تھاما۔ پھر اس کی سنگت میں چلتی ہوئی اس کی ''خواب گاہ'' میں داخل ہوگئی۔ ٹانگیں جیسے کانپ رہی تھیں...... یا پھر شاید پورا جسم ہی لرز رہا تھا۔ اسے بیڈ کے بائیں طرف تکیہ رکھ کر لٹا کر وہ ریموٹ اٹھا کر اے سی کی کولنگ بڑھانے لگا۔

مژگان نے دھڑکتے دل سمیت آنکھیں موند لیں۔ دل کا بہت سا شور جیسے کان پھاڑنے لگا۔ وہ کولنگ بڑھانے کے بعد دروازہ بند کرنے لگا۔ وہ ہر ہر حرکت کو واضح انداز میں محسوس کرتی رہی۔

لائٹ کے سوئچ کے پش ہونے کی آواز واضح ہوئی۔ کمرے میں فقط لیمپ کی مدھم روشنی باقی بچ گئی...... بیڈ کے داہنے کنارے کی جانب بیٹھتے ہوئے رہبان عالم شاہ نے لیمپ کے بٹن کو دھیرے سے پش کیا...... کمرہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔ مژگان کی جیسے جان لرز گئی۔

''پلیز...... پلیز...... لیمپ آن کر دیجیے...... مجھے اندھیرے سے خوف آتا ہے۔ میں سو نہیں پاؤں گی۔'' اور تب رہبان عالم شاہ نے یونہی لیٹے لیٹے اپنی طرف لگے بٹن کو دبایا تھا...... اور لیمپ روشن ہوگیا تھا۔ اس مدھم سی روشنی میں بیڈ کے تقریباً کنارے پر لیٹی مژگان کو بغور دیکھا تھا اور تب مژگان فوراً ہی بنا اس کی جانب دیکھے آنکھیں موند کر ان پر بازو رکھ کر مکمل طور پر لاتعلق بن گئی تھی۔

لمحہ بھر کو شرمندگی بھی ہوئی تھی۔

ایک احساس بھی ہوا تھا۔

وہ یقیناً ''بے اعتباری'' برت گئی تھی اور یقیناً رہبان عالم شاہ اس فعل کو جان بھی گیا تھا۔ مگر وہ کیا کرتی...... یہ حرکت بالکل بے ساختہ سرزد ہوئی تھی۔ دل کی بہت سی دھڑکنوں کو دباتی وہ خود کو سونے لگی تھی۔

✿......✿
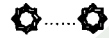
دادی اماں کتنے ہی پل ادعیہ کو ساتھ لگائے بیٹھی رہی تھیں۔

''میری بچی! آ جایا کر کبھی ملنے...... دادی معذور ہے...... چل کر نہیں آ سکتی تو تم ہی لوگ کچھ خیال کر لیا کرو...... قسم توڑی بھی جا سکتی ہے...... کل کو مر گئی تو پھر بھی تو آؤ گی نا منہ دیکھنے کو۔''

''دادی اماں! خدانخواستہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ اللہ نہ کرے کہ ہمارے دادی اماں کو ہو۔'' قریب ہی بیٹھی شعاع گویا ہوئی تو ادعیہ بھی ان کی آنکھوں کی نمی صاف کرتی ہوئی بولی۔

''تو اور کیا...... ہم تو دعا کرتے ہیں، خدا ہماری عمر بھی ہماری دادی ماں کو لگا دے۔''

''خدانخواستہ۔ میرے بچوں کو میری عمر بھی لگ جائے۔ ایسی بری باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔'' دادی اماں فوراً بولیں تو ادعیہ مسکرا دی۔

''دادی اماں! اتنا پیار کرتی ہیں آپ ہم سے...... پھر ہمارے پاس ہی کیوں نہیں آ جاتیں؟''

''تمہارے پاس ہی تو ہوں میرے بچو۔''

قریب ہی بیٹھی امی بھی مسکرا دیں۔ ''اماں! بچوں کا مقصد ہے آپ ہمارے ساتھ رہیے۔''

''اے چھوٹی بہو! خواہش تو میری بھی ہے۔ مگر جیتے جی وہ دہلیز نہیں چھوڑ سکتی۔ کبھی کبھی پاؤں یوں بھی قدم باندھ لیتی ہیں۔ شوہر کی آنکھیں اس گھر میں بند ہوئیں، میں بھی وہیں پابند ہوں۔ وہ جیتے جی اس گھر کے بیچوں بیچ حائل دیوار نہ ہٹا سکے۔ دلوں میں میل ہو تو دیواریں اور بھی قد بڑھانے لگتی ہیں۔ ساری بات تو دلوں کی ہی ہوتی ہے۔ ان میں بال آ جائے تو سارے گھر ویرانے بن جاتے ہیں۔ بہت سی حسرتیں، بہت سی خواہشیں لیے میں بھی ان منوں مٹی تلے چلی جاؤں گی۔'' دادی اماں کی آواز بھرا گئی۔ جانے کیوں بہت حساس ہو گئی تھیں وہ...... ان کی کیفیت پر چھوٹی بہو دیکھ کر رہ گئیں۔

''اماں! خدا نہ کرے...... اللہ گواہ ہے، ہم نے کبھی کوئی شکوہ زبان پر نہیں رکھا...... ہمارا ن اللہ ہے۔ گناہ کوئی نہ تھا...... مگر سزا ''عمر قید'' کی طرح کاٹی۔ خدا نصیب اچھے کرے بچیوں کے...... عمر خیر سے بڑا ہو رہا ہے۔ دو چار سال میں بہنوں کا سہارا بن جائے گا ذمہ داریاں اٹھا لے گا۔''

یہ بھی لاؤنج میں سے پکارنے لگی۔ ''امی! اعصار بھائی کا فون ہے۔''

''لے آ فون...... دادی اماں کی بھی بات کرا دے۔'' امی نے جواب میں کہا تو دھیرے سے اٹھ کر کچن کی سمت بڑھ گئی۔

ب باری باری بات کرنے لگے۔ عجیب افراتفری کا عالم تھا۔ وہ کچن میں کھڑی سب کا رہی...... سبھی کا شوق قابل دید تھا۔ وہ دھڑکتے دل کے ساتھ مصروف عمل ہوگئی۔

ٹرالی میں رکھ کر باہر نکلنے والی تھی...... تبھی رانیہ آ گئی۔

"آپ جائیے۔ امی بلا رہی ہیں...... میں چائے لے کر آتی ہوں۔" رانیہ کے کہ
چونک کر دیکھنے لگی۔ "بلاوا" فقط امی کی جانب سے تھا...... وہ دوسرے ہی پل سر ہلاتی
ٹرالی وہیں چھوڑ کر باہر نکل گئی۔
"جی امی......؟" وہ سعادت مندانہ انداز میں امی کے قریب رکی۔
"بات کر لو بیٹا تم بھی...... سب باری باری کر چکے...... بس تم ہی غائب تھیں......
نہیں لگتا۔ اتنی دور سے فون کیا ہے بچے نے......" امی دھیمے سے انداز میں کہہ کر دادی ا
سے کسی اہم امور پر بات چیت کرنے لگیں تو وہ فون کی جانب بڑھ گئی۔ ریسیور سب
استعمال کے بعد اسٹینڈ پر فقط اس کے انتظار میں دھرا ہوا تھا...... ایک گہرا سانس خارج کر
ہوئے فون اسٹینڈ کو بغور دیکھتے ہوئے ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔
"ہیلو......" بمشکل ایک چھوٹا سا لفظ ادا کیا۔
"ہیلو...... کیسی ہو......؟" بہت رسمی سے انداز میں دریافت کیا گیا۔
"ہوں...... ٹھیک ہوں...... آپ کیسے ہیں؟"
"ہم بھی ٹھیک ہیں......" اس کے بہت تمیز کے ساتھ "آپ" کہنے پر اس نے بہت
کر "ہم" کا صیغہ ڈھونڈ نکالا...... وہ جانے کیوں ہنس دی۔
اور جیسے ہر سو ایک نغمگی سی بکھر گئی۔
"ادعیہ شیخ! بہت بری ہو تم......" وہ جیسے تمام تر ناراضگی کے باوجود قطع تعلق کرنے
قاصر تھا۔
"ہاں جانتی ہوں۔"
"بہت مس بی ہیو کرتی ہو اکثر۔"
"جانتی ہوں۔"
"مگر اس کے باوجود مجھے قطعی بری نہیں لگتیں۔" وہ روانی سے بولا۔
"ہاں جانتی ہوں......" وہ بھی اسی قدر روانی میں کہہ گئی اور دوسری جانب سے جب
کا بہت شوخ سا قہقہہ سماعتوں میں پڑا تو وہ کچھ خجل سی ہو کر رہ گئی۔
"بہت کچھ جانتی ہو...... اس کے باوجود بے خبر بنتی ہو۔" جانے وہ سوال کر رہا تھا یا
الزام عائد کر رہا تھا...... وہ جان نہ سکی۔ مگر وہ اس کے فسوں گر لہجے کو ضرور محسوس کر سکتی تھی
اس کی آواز کی گمبھیرتا کو ضرور جان سکتی تھی۔
دل یکدم ہی تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا...... اس کی ایک ہی "گیند" پر وہ "کلین بولڈ"

تھی۔ تبھی شاید خاموش بھی تھی۔
"ہیلو......" اپنے "عمل" کا کوئی "ردعمل" نہ پا کر وہ دھیرے سے گویا ہوا۔ تبھی وہ اپنی
گی کا احساس دلانے کو بولی۔
"ہاں، سن رہی ہوں...... کیا کہہ رہے تھے تم...... اینچولی پیچھے بہت شور ہے۔ دادی اماں
ہوئی ہیں ناں......" اس نے بہت حسین جواز بروقت ڈھونڈا۔
"ادعیہ شیخ! تم اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔" اعصار شیخ جیسے سلگ کر بولا تھا اور وہ ہر طرح کے
زائل کرتی ہوئی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔
"ہاں، جانتی ہوں......" وہ جیسے سلگتی پر تیل ڈالتی ہوئی بولی۔ "وہاں کا موسم کیسا ہے؟"
"پتہ نہیں، دل تو وہیں ہے...... یہاں تو صرف ایک کیپٹن ہے۔" ایک گہرا سانس خارج
تے ہوئے کہا گیا۔
"کیپٹن صاحب! کیا دل کے بغیر چل رہے ہیں؟" وہ چھیڑنے سے باز نہ آئی اور دوسری
ب سے ایک سرد ترین آہ بھری گئی۔
"افسوس...... مگر ایسی کیفیت سے کوئی گزر رہا ہے۔ تمہیں شاید اندازہ نہ ہو...... مگر دل پر
بہت سے لمحے یوں بھی قیامت کرتے ہیں۔

دل تو میرا اداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

اس کا لہجہ بہت دھیما تھا۔ "تم نہیں جان سکتی ادعیہ شیخ! تم کبھی سمجھ نہیں سکتیں...... دل کے
حالات بڑے جان لیوا ہوتے ہیں۔ سبھی مرحلے دل پر قیامت کرتے ہیں۔"
بہت پُرفسوں سا لہجہ دھیمے دھیمے سُر چھیڑ رہا تھا...... اور تب ادعیہ نے بہت آہستہ سے
"خدا حافظ" کہہ کر ریسیور رکھ دیا تھا اور پھر چاروں جانب سے آنکھیں بند کرتی ہوئی اپنے
کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

❁......❁

رات کے جانے کس پہر یکدم ہی اس کا دم گھٹنے لگا تھا...... وہ بے تحاشا کھانسنے لگی
ی۔ بہت گہری نیند سے بیدار ہو چکی تھی۔ مسلسل کھانستے ہوئے اس کا سانس پھول رہا تھا۔
نے گردن موڑ کر دیکھا...... رہبان عالم شاہ بہت گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ کوئی میڈیسن
نے کے لئے اسے جگانا چاہ رہی تھی...... مگر پھر اس کے ڈسٹرب ہونے کے خیال سے اس
رام سے باز رہی تھی۔

ابھی اسی کیفیت میں کھانس رہی تھی کہ یکدم ہی لائٹ چلی گئی۔

اندھیرے کا خوف جیسے اس کی کیفیت کو مزید بڑھانے لگا...... ایک خوف کا عنصر اس کے رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔ بہت تپتے ہوئے وجود کے ساتھ وہ اٹھ کر بیٹھی...... سانس جیسے اکھڑنے لگی۔

''رہ...... رہبان!'' اس نے بادلِ نخواستہ پکارا...... کھانسی پھر ہونے لگی۔

''رہبان......!'' اس نے اندھیرے میں تیر چلایا...... اور اس سے قبل کہ اس کی جانب سے کوئی جواب موصول ہوتا...... وہ یکدم ہی نڈھال ہو کر بیڈ پر گر گئی۔ رہبان عالم شاہ جو گہری نیند میں تھا...... اس کے پکارنے پر فوراً ہی جاگا...... کمرے میں موجود اندھیرے اور سکوت پر وہ کیفیت سمجھنے سے قاصر قطعی نہ تھا۔ اگرچہ فوری طور پر نیند سے بیدار ہونے پر دماغ اتنا مستعد نہیں ہوتا، مگر رہبان عالم شاہ چونکہ پہلے سے تیار تھا، سو فوراً ہی کیفیت کو سمجھ گیا۔ سائیڈ ٹیبل کی دراز سے کینڈل اور لائٹر نکالنے کے بعد فوراً ہی انہیں روشن کیا۔ پھر موم بتی کی مدھم روشنی میں اس کی جانب تکا...... عموماً یہاں لائٹ جاتی نہیں تھی...... اپارٹمنٹ کا اپنا پاور جنریٹر سسٹم تھا مگر جانے کیا فالٹ آ گیا تھا۔

مدھم روشنی میں وہ اسے بے ترتیب حالت میں ایک جانب لڑھکی ہوئی نظر آئی۔ ہاتھ پاؤں بالکل ڈھیلے اور منہ اور آنکھیں جس کیفیت میں کھلی ہوئی تھیں اس پر وہ فوراً ہی کینڈل اسٹینڈ پر لگا کر اس کی جانب بڑھا تھا۔

''مژگان.... مژگان....'' اس کے گالوں کو تھپتھپاتے ہوئے اس نے بہت مضطرب انداز میں پکارا تھا مگر اس کے وجود میں کہیں حرکت نہ ہوئی تھی۔

''مژگان.... مژگان....'' اس نے تقریباً اسے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ وہ بالکل بے حس و حرکت تھی۔ آنکھیں اور منہ جس انداز میں کھلے ہوئے تھے، وہ رہبان عالم شاہ کے اوسان خطا کرنے کو کافی تھے۔

''مژگان! تمہیں کیا ہوا...... پلیز، آنکھیں کھولو۔'' وہ پکارتا ہوا بے ساختہ اس کے دل پر ہاتھ رکھ کر دیکھنے لگا۔ دھڑکن جیسے نام کو بھی نہ تھی...... گہری نیند میں اس کے مسلسل کھانسنے اور پکارنے کی آواز آتی رہی تھی۔ مگر وہ بہت گہری نیند میں تھا...... جانے کیوں جاگ نہ سکا...... اور جب جاگا تو......

''او مائی گاڈ....'' اس کی نبض کو بمشکل ٹٹولتے ہوئے اس کے منہ سے نکلا۔ ''مژگان!'' اس نے ایک کوشش پھر کی۔ اور پھر اس کے چہرے کو بغور تکنے لگا۔

یقیناً اب اس کے سوا کوئی راستہ نہ تھا۔ اسے بچانے کے لئے یہ بہت ضروری فعل تھا۔ تبھی بڑا اسے دیکھنے کے بعد وہ اس کے چہرے پر جھک گیا تھا۔ اس کے نرم و گداز ہونٹوں پر ہونٹ رکھتے ہوئے وہ اسے مصنوعی سانس فراہم کرنے لگا تھا۔ اس کے اس عمل سے اس کی جامد سانس بہت مشکل سے بحال ہوئی تھی اور وہ پھر سے کھانسنے لگی تھی۔ اس کی سانس دوبارہ واپس آتے دیکھ کر رہبان عالم شاہ کی جیسے جان میں جان آئی تھی۔

''مژگان...... آر یو او کے ناؤ......؟'' اس پر جھکا ہوا وہ دریافت کر رہا تھا۔

بہت گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے وہ اس کی جانب تکنے لگی تھی...... موم بتی کی مدھم روشنی میں ساری صورتحال بہت واضح تھی۔

اس تمام عرصے میں جیسے وہ ایک خلا میں معلق رہی تھی اور اب......

لبوں پر کوئی عجیب سا ذائقہ تھا۔

وہ قریب تھا...... بے حد قریب...... گرم گرم سانسوں کی تپش سارے وجود کو جھلسا رہی تھی۔ وہ ہونٹ سختی سے ایک دوجے میں پیوست کر کے اس کی جانب تکنے لگی۔

''مجھے جگا دیا ہوتا......'' وہ بولا۔ ''بہت گہری نیند میں تھا۔ مگر جاگ سکتا تھا۔'' وہ بہت انداز میں بولا۔ بہت دھیمی سی آواز مژگان کے کانوں میں پڑی۔

اس کا نازک سا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں تھا...... یقیناً ایک گئی ہوئی جان اس کی کوشش سے واپس لوٹی تھی۔ ٹوٹا...... بکھرا سانس اس کی سمجھداری اور بروقت کوشش سے واپس آیا تھا۔

وہ دوبارہ زندہ ہوئی تھی۔

بے جان...... بے حس و حرکت وجود میں فقط اس کے ''اقدام'' کے باعث زندگی واپس آئی تھی۔

اسے اس کا یقیناً مشکور ہونا چاہئے تھا۔

کچھ اور نہیں تو کم از کم ''شکریہ'' کے دو پُرخلوص لفظ تو ادا کر ہی دینے چاہئیں تھے۔ مگر وہ کچھ بولنے کے قابل نہ رہی تھی...... فقط آنکھیں موند گئی تھی۔ وہ اٹھ کر اس کی ساری اہم دوا اٹھا لایا تھا۔

''یہ سیرپ لے لو...... سکون سے سو سکو گی......'' وہ لمبا چوڑا شخص اس کے سر پر کھڑا، گھٹنوں کے بل گھٹتا ہوا مخاطب اس سے تھا...... اپنا آرام و سکون اس کے لئے تباہ کئے ہوئے، آنکھوں میں بہت سے سرخ ڈورے لئے اس کے لئے مضطرب تھا...... فکر مند تھا...... مخلص تھا

مثال تھا۔ مگر وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی رخ پھیر گئی تھی۔

"مجھے نیند آرہی ہے۔" وہ بہت مدھم لہجے اور آواز میں کہتی ہوئی وہ آنکھیں موند گئی تھی۔

لبوں پر اب بھی کوئی ان چکھا ذائقہ تیر رہا تھا۔

کوئی حدت تھی......

کوئی احساس تھا......

دو خمار آلود آنکھیں روبرو تھیں......

کوئی مخلص پیکر مضطرب تھا...... بے قرار تھا اس کے لئے...... اور وہ پُرتپش وجود کے ساتھ ہونٹ کچلنے لگی تھی۔

دل کی عجیب کیفیت تھی۔ ایک ہلچل تھی وجود میں۔

پورا وجود جیسے زلزلوں کی زد میں تھا۔

حدت اتنی تھی کہ پورا وجود جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

بہت گہرے گہرے سانس لیتی ہوئی وہ خود کو نارمل کرنے کی کوشش میں تھی۔ بغیر اس جانب دیکھے، بغیر یہ جاننے کی پرواہ کئے کہ وہاں کیا کیفیت تھی۔

شاید اس میں ہمت نہ تھی اس کی سمت تکنے کی۔ اس کے تاثرات جاننے کی۔ یا ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی تھی۔

مکمل مغربی ماحول کی پروردہ تھی وہ۔ مگر اس پل جو کیفیت اس کی تھی اسے دیکھ کر کون سکتا تھا کہ اس کی عمر کے اتنے سال اس آزاد ماحول میں بسر ہوئے ہیں۔ وہ معاشرے جہا ایسی چھوٹی موٹی گستاخیوں کا کوئی شمار نہیں ہوتا۔ نہ دل دھڑکتا ہے نہ ہی کہیں اتھل پتھل ہو ہے۔ بڑی سے بڑی بات کو بھی بہت معمولی انداز میں لیا جاتا ہے۔

اور وہ......

اس لمحے وہ خود حیران تھی۔

اٹھایا جانے والا ہر قدم دانستہ تھا اور قدم اٹھانے والا جائز وارث۔ مگر جیسے اس کے لا سب کچھ بہت ناقابل قبول تھا۔ حالانکہ کچھ بھی تو انوکھا نہ تھا۔ اس کی زندگی بچانے کے ایک ضروری اقدام تھا۔ جو اگر بروقت نہ اٹھایا جاتا تو یقیناً اس کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو تھا۔ لیکن پھر جانے کیوں دھڑکنوں میں ارتعاش سا برپا ہو گیا تھا۔ حالانکہ اس فعل میں کسی کے جذبوں کی تپش نہ تھی۔ کہیں چاہت و پذیرائی نہ تھی۔ کسی نے بس رکھ رکھاؤ کے نظر محض انسانیت کے تحت ایک "طریقۂ عمل" اختیار کیا تھا مگر۔

مژگان رئیس نواز سومرو، اتنی بولڈ لڑکی جانے کیسے ایک فطری رنگ میں رنگنے لگی تھی۔

ایک عام سی لڑکی بننے لگی تھی۔

پتہ نہیں ان لمحوں میں کوئی لڑکی واقعی کچھ ایسا ہی محسوس کرتی یا پھر اس کی سوچ یا محسوسات ا سے قدرے ہٹ کر ہوتیں۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ دخل اس شخص کو بھی ہوتا۔ اس کی بھرپور ...یت کا ہی سب کمال ہوتا اور۔

وہ یوں ہی گہرے گہرے سانس خارج کئے جا رہی تھی جب اچانک اس کی بھاری آواز ...ی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"مژگان!"

اور حالانکہ اس میں قطعی طور پر فی الحال اتنی تاب نہ تھی کہ وہ آنکھیں کھول کر اسے دیکھ ...تی یا اس کا سامنا کر سکتی۔ مگر جانے کس ممکنہ خطرے کے پیش نظر وہ فوراً ہی پہلی پکار پر ہی ...آنکھیں کھول کر دیکھنے لگی تھی۔ نظریں اس کی بھرپور نظروں سے ٹکرائی تھیں۔ لائٹ آچکی ...ی اور کمرے کا منظر بہت واضح تھا۔ اس کی نظروں میں کیا تھا، کیا نہیں، اس کا فیصلہ کرنے ...ی اس میں تاب نہ تھی۔ بس لمحہ بھر کو وہ اس کی جانب آنکھیں کھول کر دیکھ پائی تھی اور پھر ...رے ہی پل وہ آنکھیں میچ گئی تھی۔

جانے والا فقط اس کی خیریت جاننے کا ہی خواہاں تھا اور آنکھیں کھول کر اس نے ایک ...ے اپنی خیریت سے آگاہ کر دیا تھا۔ گویا مزید کسی تردّد کی ضرورت باقی نہ تھی۔ تبھی وہ ...ی کروٹ بدل کر لیٹا تھا اور یقیناً آنکھیں بھی میچ لی تھیں۔ کمرے کی لائٹ اس نے آف ...کے لیمپ یونہی جلتا چھوڑ دیا تھا۔ کمرے میں ملگجی سی روشنی تھی۔

مژگان نے تب دھیرے سے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔ نظریں پہلی فرصت میں ہی اس ...چوڑی پشت پر جا ٹکی تھیں۔ چوڑی...... مضبوط پشت...... وہائٹ کرتے میں اس کی جانب ...پشت کئے وہ یقیناً آنکھیں میچے سونے کی کوشش میں تھا۔

وہ جانے کیوں اسے دیکھے ہی گئی...... بے خبر وجود شاید نیند کی وادیوں میں اتر چکا تھا...... ...کے مدھم مدھم خراٹوں سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔

جو کچھ ہوا تھا...... جیسے اس کے لئے کسی اہمیت کا حامل نہ تھا۔

سب بہت عام تھا۔ کچھ بھی خاص نہ تھا۔

اور وہ......!

کتنی ہی دیر نظریں اس کی چوڑی پشت پر ٹکی رہی تھیں۔

اور پھر وہ جیسے زبردستی آنکھیں میچ کر نیند کی وادیوں میں اترنے کی کوشش کرنے لگی تھی۔
کمرے میں اشیاء کے اٹھا پٹخ کرنے کی آواز اگرچہ بہت معمولی تھی...... مگر پھر بھی
کی آنکھ کھل گئی تھی اور وہ آنکھیں کھول کر جیسے تمام تر یادداشت کو ازسرنو تلاشنے لگی تھی۔
کمرے میں بہت ہلکا سا مدھم شور اب بھی تھا...... اس نے دھیرے سے کروٹ بدل کر دیکھا
تھا اور پھر ہر یادداشت کا عکس واضح ہو کر ذہن کی اسکرین پر دوڑنے لگا تھا...... وہ اس
جانب پشت کیئے، بلیک جینز پر وہائٹ ٹاول شانوں پر دھرے آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔
کے ورزشی جسم کی مضبوطی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا تھا...... مضبوط جسم پر اور بالوں پر کہیں
کہیں پانی کے قطرے ٹکے نظر آ رہے تھے۔ وہ یقیناً باتھ لے کر نکلا تھا۔ اونچا لمبا شخص
لمحے مکمل طور پر اس کے جاگنے سے بے خبر تھا...... یقیناً وہ صبح کے ضروری امور انجام دے
تھا جو کسی بھی شخص کا معمول ہوا کرتے ہیں۔ بالوں میں ڈرائی کلون، پرفیوم اور دیگر ضروری
اشیاء کا استعمال۔ کمرہ خوشبو سے مہک رہا تھا۔ ملی جلی کئی خوشبوئیں تھیں۔ وہ کروٹ لے
آنکھیں میچے یقیناً خود کو بے خبر ظاہر کرنے کی کوشش میں تھی۔

شوہر نامدار تیار ہو رہے ہوں تو کئی ضروری کاموں کے لئے بیگمات کی خدمات درکار ہوا کرتی ہیں۔ کئی اہم اشیاء کے لئے پکارا جاتا ہے۔ کئی کاموں کے لئے ڈانٹا ڈپٹا جاتا ہے۔ بعض اوقات تکرار ہوتی ہے۔ فلاں شے وہاں کیوں نہ رکھی...... وہاں کیوں رکھ دی...... ناشتہ وقت پر تیار کیوں نہ ہوا...... بیگم! سوکس نہیں مل رہے۔ کئی شکایتیں۔ جواب میں کئی وضاحتیں۔

مگر یہاں کی فضا بہت مختلف تھی...... شوہر صبح آفس کی تیاری میں مصروف تھا اور بیگم کو سرے سے کوئی فکر ہی نہ تھی۔ نہ ناشتے کی فکر، نہ اشیاء کی تلاش میں کوئی مسئلہ، نہ بار بار آوازوں کا سلسلہ، نہ ہی کوئی تکرار نہ شکایت...... نہ وضاحت کا کوئی مرحلہ نہ محبت کو جتانے کا کوئی سلسلہ نہ ناراض ہونے کا کوئی بہانہ!

مسلسل اجنبیت...... اور گہری چپ......

نہ رشتوں کا کوئی احساس، نہ ان کے ہونے کا کوئی گمان۔

نہ جذبوں کی تپش، نہ ان کے اظہار کا کوئی راستہ۔

نہ آرزو، نہ کوئی خواہش۔

بس کڑوی...... کسیلی حقیقت...... اور اس کا سامنا...... اور کتنا مشکل ہوتا ہے اس کڑوی کسیلی حقیقت کو تسلیم کرنا۔

صورتحال یقیناً تکلیف دہ ہوتی ہے ایسے میں۔ کمرے میں اشیاء کی اٹھا پٹخ جاری تھی۔

...یا وہ تیاری کے آخری مرحلوں میں تھا۔ بیڈ پر اس کے بیٹھنے سے قدرے دباؤ سا محسوس ہوا
...زم نوم میں۔ تبھی وہ فوراً ہی کروٹ بدل کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ یقیناً سوکس پہن رہا تھا۔
...کے مڑ کر دیکھنے پر فوراً ہی پلٹ کر اس کی جانب تکنے لگا۔ نگاہوں کا تصادم ہوا اور پھر مژگان
...ریں جھکا گئی۔ پلکیں نہ صرف جھکیں بلکہ کسی خیال اور احساس کے تحت لرزنے بھی لگیں۔

"اب کیسا محسوس کر رہی ہو؟" اس کے سوال اور توجہ پر وہ سر ہلاتی ہوئی اٹھ بیٹھی۔ دونوں
...ہ پشت پر لے جاتے ہوئے گھنے بالوں کو سمیٹتے ہوئے جوڑے کی شکل میں لپیٹنے لگی۔ رات
...ے واقعے کا اثر اب تک تھا۔ وہ اس سے نظریں شاید تبھی نہ ملا پا رہی تھی۔ اور وہ مضبوط سراپا
...الک شخص بھی اب اس سے نظریں ہٹائے شوز پہننے میں مگن تھا۔

"میں نے ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لے لیا ہے۔ آفس سے جلد آ جاؤں گا۔ تیار رہنا۔" بنا اس
...ی جانب دیکھے وہ بولا۔

مژگان اس کی پشت کو دیکھنے لگی۔ تبھی وہ مڑ کر اس کی جانب تکنے لگا۔ ایک بار پھر نظروں
...ٹکراؤ ہوا۔ مژگان کا دل یکبارگی دھڑکا اور وہ نظریں جھکا گئی۔

"ڈاکٹر ضیاء کہہ رہے تھے تمہیں اسٹریس پرابلم ہے۔ سکون کی اور کھلی آب و ہوا کی اشد
...ضرورت ہے۔" وہ یقیناً اس کی جانب بغور تک رہا تھا...... مژگان یونہی ہاتھوں کو تکتی رہی۔ لمحہ
...بھر کو وہ خود کو بہت ہونق بھی لگی۔ خود کو کوسا بھی مگر نظریں نہ اٹھ سکیں۔

"جہاں تک کھلی آب و ہوا کا پرابلم ہے، مجھے خود لگتا ہے کہ تمہیں اس چاردیواری کے
...باہر کے ماحول اور آب و ہوا کی اشد ضرورت ہے اور...." وہ لمحہ بھر کو رُکا۔ مگر تبھی وہ فوراً بولی۔

"میں اب ٹھیک ہوں۔" ایک لمحہ کو اسے دیکھ کر وہ پھر سر جھکا گئی اور اس لمبے چوڑے
...مضبوط شخص کے گہرا سانس خارج کرنے کی آواز اسے بہت واضح انداز میں سنائی دی۔

"مژگان! اپنا خیال رکھا کرو۔ تمہیں کیوں اپنی فکر نہیں۔ اپنی زندگی کی فکر نہیں؟" وہ بہت
...انداز میں اسے ڈپٹتے ہوئے کہہ رہا تھا...... انداز میں حد درجہ اپنائیت تھی۔ شاید تبھی
...مژگان ہر خیال کو ایک طرف رکھتی ہوئی اس کی جانب تکنے لگی تھی۔ مگر جس انداز سے وہ
...اس کی جانب تک رہا تھا، اس سے وہ زیادہ دیر اس کی جانب نہیں دیکھ سکتی تھی۔ حالانکہ
...کی نظروں میں کوئی خاص تاثر نہ تھا۔ گرمیٔ جذبات نہ تھی...... جذبوں کی حدت نہ تھی......
...شدت نہ تھی۔ مگر جانے کیوں پھر بھی اس کی نظریں جھکتی چلی گئی تھیں۔

"تمہیں اپنا خیال رکھنا چاہئے مژگان...... سب کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" وہ یقیناً باور کرانے
...انداز میں بولا تھا اور تبھی وہ بولی تھی۔

''کیا آپ تھک گئے ہیں؟'' اس کا جملہ ذو معنی تھا اور تبھی وہ چونک کر تکنے لگا تھا۔ پھر یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

''مژگان! تم اتنے عرصے سے میرے ساتھ ہو۔ اس عرصے میں یقیناً میرے مزاج کو کسی حد تک سمجھ گئی ہو گی۔ کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ سے تھک چکا ہوں؟'' وہ یقیناً اس الزام پر تلملا کر رہ گیا تھا۔ مژگان اس کی جانب ایک نگاہ دیکھ کر وضاحتی انداز میں نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''میرا مقصد یہ قطعی نہیں تھا۔ مگر......''

''اوں ہوں......'' اس نے جیسے اسے مزید بولنے سے باز رکھا۔ جیسے کوئی صفائی سننے کا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ مژگان کو لگا جیسے وہ برا مان گیا ہو۔ تبھی اس کی جانب تکنے لگی...... شاید یا پھر یقیناً وہ اسے ہرٹ کر گئی تھی۔

''آئی ایم سوری......'' بہت ہولے سے وہ بولی۔ رہبان عالم شاہ نے لمحہ بھر کو اسے تکا۔ پھر کھڑا ہوا اور ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔

''میں ناشتہ لاتا ہوں۔'' مژگان ابھی کچھ مزید کہنے کا ارادہ رکھتی ہی تھی کہ وہ پلٹا اور پھر مضبوط قدم اٹھاتا باہر نکل گیا۔ مژگان کتنی ہی دیر اس جانب تکتی رہی۔ پھر ہولے سے بیڈ سے اٹھی اور واش روم میں گھس گئی۔ باہر نکلی تو رہبان کے علاوہ کسی اور کی آواز کان میں پڑی ......کوئی مسلسل رہبان عالم شاہ سے گفتگو میں مصروف تھا۔ اس نے توجہ لگا کر سنا...... آواز علی شاہ کی تھی۔ وہ صبح ہی صبح یقیناً کسی اہم کام سے آیا تھا...... وہ کچھ دیر تک وہیں کھڑی رہی...... پھر تھک کر بیڈ پر بیٹھ گئی اور پھر ٹیک لگا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اس تھوڑے سے وقفے میں وہ جیسے بہت بڑی کڑی مشقت انجام دے چکی تھی۔ تھکن وجود پر کم از کم اس طرح ہی غالب تھی... وہ اپنے کمرے میں جانے کا ارادہ لے کر واش روم سے نکلی تھی مگر اب علی شاہ کے باعث دوبارہ رہبان عالم شاہ کی خواب گاہ میں ہی مقید ہو گئی تھی۔ یہ کمرہ اس کی خوشبو سے بسا تھا۔ اس کا احساس تھا اس کمرے میں۔ اور در و دیوار پر ہر طرف سجل عباس نقوی تھی۔ مختلف انداز۔ حسن کے مختلف پیرائے اور ہر روپ پہلے روپ سے کہیں زیادہ حسین اور دلکش... سجل عباس نقوی بلاشبہ حسن کا شاہکار تھی۔ وہ رات سے اب تک کے عرصے میں پہلی بار ان تصویروں کی جانب متوجہ ہوئی تھی جو رہبان عالم شاہ کے کمرے میں ہر جانب لگی ہوئی تھیں۔

پہلی بار اسے اس شخص کے علاوہ کسی اور کے وجود کا احساس ہوا تھا۔

اور اس ایک پل میں ہی وہ حد درجہ پرایا لگا تھا۔

اپنا تھا ہی کب۔ مگر پھر بھی کبھی کبھی اپنا لگتا ضرور تھا۔ وجہ شاید اس کا دوستانہ کیئرنگ انداز تھا۔ حد درجہ احساس و مروت کا اظہار...... اپنائیت اور توجہ...... شاید یہ سب کچھ مل کر اسے اپنے پن کے احساس میں باندھ دیتے تھے۔

درحقیقت وہ اپنا تھا نہیں۔

بہت سی حدت اسے اپنے چہرے پر یکدم ہی محسوس ہوئی تھی۔ چہرہ جیسے جل رہا تھا۔ نظریں سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں مقید اپنے عکس سے جا الجھیں اور وہ بغور اپنے چہرے کو تکنے لگی۔ کتنی ہی دیر یونہی تکتی رہی، پھر ہاتھ خود بخود ہی گداز ہونٹوں پر جا پڑا اور وہ یکدم ہی آئینے سے نظریں چرا گئی۔ تبھی ہلکی سی دستک کے ساتھ دروازہ کھلا۔ رہبان عالم شاہ نے سر اندر ڈال کر جھانکا، پھر بہت مدھم انداز میں بولا۔

''علی شاہ ہے۔ تمہاری خیریت دریافت کرنے آیا ہے۔''

وہ جواب میں کیا کہتی۔ فقط دیکھ کر رہ گئی...... نظریں جھک گئیں۔ وہ اس لمحے اس کی خواب گاہ میں تھی۔ اس کے بیڈ پر تھی...... بری طرح ایک شرمندگی سی گھیراؤ کرنے لگی۔ علی شاہ کی آمد کے احساس سے جیسے اس پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ وہ یقیناً اس کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی...... تبھی بہت الجھی ہوئی سی نظریں اٹھا کر رہبان عالم شاہ کو تکا...... وہ یقیناً اس سے صحیح انداز میں کچھ کہنے کی استطاعت نہیں رکھتی تھی...... اور کہنے کا یارا بھی شاید نہ تھا۔ مگر رہبان عالم شاہ اس کی الجھن کو یقیناً محسوس کر گیا تھا۔ تبھی بہت دھیمے انداز میں بولا۔

''اوکے...... تم آرام کرو......'' اور پھر مزید کچھ کہے بغیر دروازہ بند کر کے علی شاہ سے کچھ کہنے لگا...... وہ بہت شرمندگی کا احساس لئے یونہی دروازے کی سمت تکتی رہی...... علی شاہ اتنے خلوص سے اس کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا اور وہ......

وہ بہت سی سوچوں میں الجھی ہوئی تھی جب وہ ناشتے کی ٹرے لئے اندر آیا۔

''جلدی اٹھو۔ فوراً ناشتہ کرو۔ اس کے بعد میڈیسن کی باری ہے۔'' اسے یقیناً آفس سے دیر ہو رہی تھی۔ تبھی وہ عجلت بھرے انداز میں گویا ہوا۔ تبھی وہ بولی۔

''علی شاہ......؟''

''چلا گیا ہے...... شام کو آئے گا۔ ایکچوئلی میں نے اسے ایک عدد خانساماں اور کام کرنے والی عورت کے لئے کہا تھا...... اس کے متعلق بتانے آیا تھا۔''

''اوہ......'' وہ یکدم جیسے کچھ یاد آنے پر چونکا۔ پھر فوراً ہی باہر نکل گیا اور چند ثانیوں بعد

واپس پلٹا تو اس کے ہاتھ میں بہت خوبصورت سا تازہ پھولوں کا مہکتا بوکے تھا۔

''اٹس فار یو۔'' مضبوط قدموں سے چل کر اس کے قریب رکتے ہوئے بوکے اس کی سمت بڑھایا۔ وہ بہت چونک کر دیکھنے لگی۔ پھر دھیرے سے رسمی انداز میں مسکرا دی۔

''تھینک یو......'' بوکے تھامتے ہوئے وہ دھیمے انداز میں بولی۔

''اوں ہوں......شکریہ میرا نہیں، شکریہ تم علی شاہ سے کہنا۔ یہ اسی کی جانب سے ہیں۔'' وہ علی شاہ کے خلوص پر ایک بار پھر شرمندہ سی ہو کر رہ گئی۔ پھر اس کی آمد کی وجہ کے متعلق سوچتے ہوئے بولی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ پلیز، کسی اضافی خرچے کے متعلق مت سوچئے۔ خانساماں اور کام کرنے والی یقیناً ایک اضافی بوجھ ہیں بجٹ پر......'' ایک امیر کبیر کی بیٹی جسے کبھی روپے کی وقعت کا احساس نہ ہوا تھا، آج بچت کے متعلق سوچتی ہوئی فضول خرچیوں کو کاؤنٹ کر رہی تھی۔ یقیناً بہت بڑا چیلنج تھا یہ۔ تبھی رہبان عالم شاہ کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔

''میرا خیال ہے میں افورڈ کر سکتا ہوں۔'' وہ بہت مختصراً کہتے ہوئے اس کی جانب تکنے لگا تھا۔ ''تمہیں ناشتہ کرنا چاہئے۔''

''آپ آفس جائیے۔ دیر ہو رہی ہے۔ میں ناشتہ کرنے کے بعد میڈیسن لے لوں گی۔''

رہبان عالم شاہ اس کی جانب تکنے لگا۔ پھر رسٹ واچ کو ایک نظر دیکھتے ہوئے سر ہلانے لگا۔ ''ٹیک کیئر...... میں جلد آؤں گا۔'' بہت کیئرنگ انداز میں کہتا ہوا وہ سائیڈ ٹیبل سے کی چین اٹھا کر دروازے کی جانب بڑھا۔

''سنیں!'' تبھی یکدم مژگان نے پیچھے سے پکارا۔ وہ چونک کر مڑا اور اس کی جانب سوالیہ نظروں سے تکنے لگا۔ مژگان اسے ایک نظر دیکھ کر سر جھکا گئی۔ ''آپ ناشتہ نہیں کریں گے؟'' بہت فکرمندی سے وہ بولی تھی اور جانے کیوں رہبان عالم شاہ اس کی جانب تکتے ہوئے خفیف سے انداز میں مسکرا دیا تھا، پھر دھیرے سے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''علی شاہ کے ساتھ چائے پی لی تھی۔'' وہ کہہ کر دروازہ بند کرتا ہوا چلا گیا۔ مژگان کتنی ہی دیر دروازے کو تکتی رہی۔

خواب گاہ میں اب بھی اس کی موجودگی کا احساس تھا...... اس کی خوشبو تھی......

وہی بہت کچھ تھا بھی اور نہیں بھی...... اپنا بھی تھا اور پرایا بھی تھا...... اجنبی بھی تھا اور بیگانہ بھی۔

❁......❁

ئے کتنے دنوں بعد ہم اس طرح اکٹھے ہوئے ہیں اور پانی بھرنے ساتھ ساتھ آئے ''زیبو نے سیو اور نگو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو نگو سر ہلانے لگی۔

ہاں، ہم تو پھر بھی کبھی کبھار مل ہی لیتے ہیں۔ گل ہو ہی جاتی ہے۔ مگر یہ اپنی سیو تو ی عید کا چن ہو گئی ہے۔ شاہ جی کے ویاہ کے بعد مجال ہے جو کبھی ڈھنگ سے صورت ہو۔'' زیبو نے سیو کی جانب دیکھتے ہوئے بھرپور شکوہ کیا۔

اور تب بھی کون سا یہ خود آتی تھی۔ ہم ہی کھینچ کھانچ کر لے آیا کرتے تھے۔'' نگو نے کہا تو سیو مسکرا دی۔

ایے کچھ کچھ بیگانی تو ہو ہی گئی ہے۔'' زیبو نے کنوئیں کا میٹھا پانی پی کر دوپٹے سے ف کرتے ہوئے مسکرا کر کہا تو سیو کے چہرے کی رنگت پل بھر میں متغیر ہو گئی۔

کیا...... کیا مطلب ہے بھلا تیرا؟''

لے، مطلب بھلا کیا ہونا ہے...... پر بدلی ہوئی ضرور لگ رہی ہے تو کچھ کچھ۔'' نگو نے شرارت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ زرد چہرے کو گھما کر ہونٹ کاٹتی ہوئی ست تیتر اور بٹیروں کے غول کو تکنے لگی جو کچھ ہی فاصلے پر کھیت میں سے شاید دانہ ے تھے۔

لے کھو گئی یہ تو......'' زیبو اس کی سمت تکتے ہوئے شرارت سے ہنسی تو وہ اس کی جانب رہ گئی۔

م لوگوں کی انہی باتوں کی وجہ سے میں نے ملنا کم کر دیا ہے۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے تم ب بھی ملوں بس گلے شکوے ہی کرتی نظر آتی ہو۔'' وہ خفگی سے بولی تو نگو مسکرا دی۔

لے، محبت بھی تو بہت ہے نا تجھ سے۔ اس لئے کچھ فکر تو ہو گی نا۔ تبھی تو ہر ویلے رتے ہیں۔'' زیبو نے شرارت سے آنکھیں نچاتے ہوئے کہا مگر وہ پھر بھی نہ مسکرائی۔

لے، ہمارے اڈیکنے سے بھلا کیا ہوتا ہے۔'' نگو نے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہا تو وہ خفگی سے گھورنے لگی۔

"کنوئیں میں دھکا دے دوں گی اب کے اگر کچھ اور کہا تو۔" سیو نے جل کر کہا مگر دونوں کھلکھلا کر ہنسنے لگیں۔

"لے، میں سمجھی تھی تو کہے گی کنوئیں میں چھلانگ لگا دوں گی۔" نگو نے چھیڑا تو وہ کچھ مسکرا دی۔

"مریں میرے دشمن۔"

"ہاں، وہ تو بیچارے مرمر کر ہی جی رہے ہیں۔" زیبو کی آنکھوں میں یکدم ہی شرارت پھر سے عود کر آئی۔ جبکہ نگو حلق پھاڑ کر زور سے ہنسنے لگی۔

"خدا کا کرم ہے۔ کوئی بہت بڑا دشمن نہیں اب تک۔" سیو نے اس کے ہنسنے پر منہ بنا کر کہا تو زیبو مسکرا دی۔

"بہت وڈا نہیں، پر بہت چھوٹا تو ہو سکتا ہے نا...... ویسے شاجی اس بار خاصا یاد کر رہی تھی تجھے۔ ہور......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر شرارت سے دیدے مٹکاتی ہوئی نگو کی طرف دیکھنے لگی۔

"چل نی ہٹ پرے...... تنگ نہ کر ہماری سیو شہزادی کو۔" نگو اس کا ستا ستا سا چہرہ دیکھ کر بولی۔

"لے، میں کہاں تنگ کر رہی ہوں۔ میں تو مخول کر رہی تھی بس ذرا...... بھئی میری تو پکی سیلی (سہیلی) ہے۔" زیبو اس کے چہرے کو ہاتھ سے چھوتے ہوئے مسکرا کر بولی تو وہ فقط اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر اسی ناگوار تاثر کے ساتھ پلٹ کر نگاہ کی تو جیسے اندر کی کڑواہٹ مزید بڑھ گئی۔ سامنے سے ہی بلو چلا آ رہا تھا۔

"ہائے کڈی وڈی عمر ہے اس کی۔ ابھی ابھی ذکر چلا اور یہ خود آن موجود ہوا۔" زیبو حیران ہوتے ہوئے بولی تو سیو بغیر کسی تاثر کو ظاہر کئے ان دونوں کی طرف تکنے لگی۔ وہ یقیناً یہی کہنا چاہتی تھی کہ "واپس چلو اب" مگر جانے کیوں کہہ نہ سکی۔ اور آنے والا ان کے سر پر آن پہنچا۔

"السلام علیکم...... کیا ہو رہا ہے بھئی......؟" قریب آ کر رکتے ہوئے بلو نے ان کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"شہری بابو کا انتظار......" نگو نے مسکراتے ہوئے آنکھیں مٹکا کر جواب دیا۔

"شہری بابو؟ کیا آنا تھا کسی شہری بابو کو یہاں؟" بلو اس بے خبر حسینہ پر ایک نگاہ ڈالتا ہوا اِدھر اُدھر حیرت سے تکنے لگا تو دونوں ہی ہنس دیں۔

"لو...... خود اپنے متعلق پہلی وار کسی کو پوچھتے دیکھا ہے۔" زیبو ہنسی۔ بلو لمحہ بھر کو چو...... حیران ہوا...... پھر بہت ہولے سے ہنس دیا۔

"میں...... تمہارا خیال ہے میں شہری بابو ہوں؟" ایک بھرپور نگاہ دوسری جانب دیکھتی سیو پر ڈالتے ہوئے اس نے ان دونوں سے دریافت کیا۔

"ہاں، ہو تو...... شہر سے آئے ہو...... پوری دس جماعتیں پاس ہو۔ انگریجی (انگریزی) بھی تھوڑی بہت گٹ پٹ گٹ پٹ بھی کر لیتے ہو...... اور......" نگو ابھی بول ہی رہی تھی کہ وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

"انگریزی اور میں...... توبہ کرو۔ اتنا عالم فاضل نہیں ہوں میں۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ پھر بولا۔ "عجیب لڑکیاں ہو تم۔ پہلے مجھ پر شہری بابو ہونے کا الزام لگایا اور اب انگریزی میں گٹ پٹ کرنے کا۔ بھئی شہری بابو تو کوئی اور ہے۔ اپنے ایسے نصیب کہاں۔ ہم تو زمین کی خاک ہیں...... قدموں کے لئے ہیں۔ دل سمیت جھکے پڑے ہیں۔ کوئی اٹھائے یا نہ اٹھائے...... دیکھے یا نہ دیکھے...... قدموں میں بے دردی سے روند کر چلا جائے...... خاک تو خاک ہے۔ مجال ہے احتجاج کی۔" وہ بہت مدھم انداز میں مسکراتے ہوئے سیو کو تکنے لگا۔

"لگتا ہے بہت تریائے (پیاسے) ہو......؟" زیبو دیدے مٹکاتے ہوئے مسکرائی تو وہ بھی مسکرا دیا۔

"ہاں ہوں تو۔ مگر مزہ تو تب ہے نا جب اس پیاس کا احساس کسی دوسرے کو بھی ہو۔ اگرچہ پیاس تو سمندر سی ہے مگر التفات کے چند قطرے بھی مل جائیں تو زمین سیراب ہو جاتی ہے۔ پر کوئی خیال کرے تب ہے نا۔" وہ بہت شکایتی انداز میں گویا ہوا...... نظریں پھر اس انجان بنتے چہرے سے الجھنے لگی تھیں۔

"لے تریائے! پورا کنواں ہے یہاں۔ جنی (جتنی) ترے (پیاس) ہے، پی لے پانی اور بجھالے ترے۔" نگو نے ہنستے ہوئے کنوئیں کی طرف اشارہ کیا۔

"کنواں تو سامنے ہے۔ مگر اب کوئی پلانے والا بھی تو ہو۔" وہ ہنسا۔

"اے سیو! پانی پلا دے شودے کو۔ بیچارا تریایا ہے جنموں کا۔" زیبو نے چپ چاپ کھڑی سیو کو ٹھوکا مارا تو وہ چونک کر اسے تکنے لگی۔ حالانکہ مکمل طور پر نظرانداز کرنے کی کوشش کے باوجود وہ اس کی تمام تر گفتگو سے کان بند نہ کر سکی تھی اور اب......

"زیبو! بہت دیر ہو گئی ہے۔ بے بے انتظار کر رہی ہو گی۔ مجھے روٹی ہانڈی بھی کرنی ہے۔" وہ گھڑا اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"لگتا ہے میری قسمت میں ترے ہی ترے ہے۔ تریایا ہی رہنا ہو گا مجھے۔" اس کی طرف تکتے ہوئے وہ بولا تھا۔ سیو نے سلگ کر نگاہ کی تھی...... وہ متواتر اسی کی جانب تک رہا تھا۔

نظروں کا ٹکراؤ ہوا تھا...... بہت ہولے سے مسکرایا تھا جبکہ سیو نظروں کا رخ پھیر گئی تھی۔ چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا تھا۔

''لے پتر، پی پانی چھیتی چھیتی۔'' زیبو کو جیسے اس پیاسے پر ترس آ گیا۔ فوراً کنوئیں سے پانی کا ڈول بھر کر نکالا اور اس کا رخ اس ''شہری بابو'' کی سمت کر دیا۔ وہ لمحہ بھر کو اس کی جانب دیکھ کر مسکرایا۔ سیو نے مطلق توجہ نہ دی۔

''شہر کب تک جا رہے ہو واپس......؟'' نگو نے جانے کیوں دریافت کیا۔ وہ پانی پی کر سیدھا ہوا۔

''فی الحال تو ارادہ نہیں۔'' لبوں پر تبسم سجا کر ایک بھرپور نگاہ گھڑا اٹھائے کھڑی دوسری سمت تکتی اس پری رخ پر ڈالی۔

''لگتا ہے دل کچھ لگ گیا ہے گاؤں میں تمہارا؟'' زیبو نے مسکرا کر پوچھا۔

''ہاں...... دل ہی تو لگ گیا ہے۔'' وہ بہت دھیمے انداز میں بولا۔

''تو سارا سیاپا اس دل کا ہے۔'' نگو نے جیسے افسوس کیا۔

''ہاں، سارا سیاپا اس دل کا ہی ہے۔ بتائے بغیر، کچھ بھی پچھے یا سنے بغیر کھٹ سے بس لگ جاتا ہے۔'' اس نے بہت تھکے ہوئے سے لہجے میں کہہ کر اس کے بے نیاز سراپا پر ایک نگاہ کی تھی۔

''ہائے...... چہ چہ چہ۔ لگیاں دے دُکھ وکھرے۔'' زیبو نے بہت دردمندی کا اظہار کیا۔

''سچ کہا ہے۔ لگیاں دے دُکھ وکھرے۔ پتہ نہیں کیسے لگ جاتا ہے یہ کمبخت دل...... نامراد چج (ڈھنگ) سے دیکھتا تک نہیں اور ہار جاتا ہے۔''

''چچ، چچ...... افسوس ہی کر سکتے ہیں۔'' نگو نے ڈرامائی انداز میں مکمل طور پہ ہمدردی کا اظہار کیا۔

''افسوس نئیں، دعا کرو میرے حق میں۔''

''چل دعا دیتے ہیں تجھے۔ خدا تیرے من کی مرادیں پوری کرے۔'' نگو نے کھلے پن سے دعا دی۔

''آمین...... ثم آمین......'' وہ مسکراتے ہوئے فوراً سر ہلانے لگا۔

''سیو! تم بھی کہو نا۔'' نگو نے اس کی توجہ چاہی...... وہ اس سارے ڈرامے پر تپے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

''تم لوگ چلو گی اب؟''

جاؤ تم لوگ...... لوگوں کو بہت جلدی ہے بھئی......'' بلو اس کی جانب تکتے ہوئے
ے مسکرا دیا تھا اور تب وہ بنا ان کا انتظار کئے واپسی کے لئے فوراً ہی قدم اٹھانے لگی
و اور زیبو نے اسے دیکھا تھا، پھر فوراً اس کے پیچھے دوڑی تھیں۔

۞......۞

سٹرز کے ختم ہونے کے بعد اسے اور کوئی کام نہ تھا۔ یونیورسٹی سے عارضی فراغت
ہوئی تھی۔ اب وہ کئی رُکے ہوئے کام نمٹا رہی تھی۔ گھر کی جھاڑ پونچھ، صفائی ستھرائی،
ں کی دھلائی اور موسم کے حساب سے لان کے کپڑوں کی سلائی اور اسی طرح کے
ے بہت سے کام جو کہ اس نے اپنی تعلیمی مصروفیات سے فراغت پر ڈال رکھے تھے،
ب ایک کر کے وہ ان تمام کاموں کو سرانجام دے رہی تھی۔ امی اور شعاع کی اپنی
ت تھیں اور رانیہ کالج سے آنے کے بعد اکثر سو جایا کرتی تھی۔ پھر اس کے سمسٹر سے
ے کے باعث ایک طرح سے تمام برڈن اسی پر آ گیا تھا۔ چنانچہ وہ مکمل توجہ ان کاموں
نے پر صرف کر رہی تھی۔
پوری جانفشانی کے ساتھ صحن دھونے میں مصروف تھی۔

ی یوں بھی تو ہو
ی یوں بھی تو ہو
یا کا ساحل ہو
ر تم آؤ......!
ی یوں بھی تو ہو......!

ب جانے کیوں آپ ہی آپ گنگنانے لگے۔
اید کوئی حسین اتفاق تھا یا پھر لفظوں کی کرشمہ سازی۔
شاید نادانستہ طور پر دل سے نکلی تھی۔
شعوری طور پر ایک ''پکار'' ابھری تھی۔
پھر محض اتفاق ہی تھا......

وازے پر دستک ہوئی تھی۔ ادعیہ کے گنگناتے لب پل بھر میں ہی ساکت ہو گئے تھے۔
قفے کے ساتھ دستک ایک بار پھر ہوئی تھی۔ جس ادا سے، بہت شائستگی کے ساتھ دستک
رہی تھی، اس سے بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ آنے والا کون ہے۔ ادعیہ لمحہ بھر کو چونکی تھی،
پ ایک طرف کیاری میں ڈالتے ہوئے اٹھی تھی۔ قریب ہی چیئر پر دھرا دوپٹہ اٹھا کر

سلیقے سے اوڑھا تھا، چہرے پر پھیلے اردگرد آنے والے بالوں کو ہاتھوں سے پیچھے ہٹاتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھ آئی تھی۔ اس عرصے میں آنے والا ایک بار پھر وہی عمل دہرا چکا تھا۔

''کون ہے؟'' اس نے اس خیال سے کہ گھر میں اکیلی ہے، کھولنے سے قبل پوچھ ضروری سمجھا۔ مگر دوسری جانب سے کوئی آواز نہ آئی۔

''کون ہے......؟'' اس نے ایک بار پھر صدا بلند کی مگر اب کے بھی جواب ندارد۔ اور پھر جیسے اس نے اس عمل سے اکتا کر دروازہ وا کر دیا۔

''اتنی بار اگر کوئی دل کے دروازے پر بھی دستک دے تو وہ بھی کھل جاتا ہے، تم نے ایک گھر کے دروازے کو کھولنے میں اتنی دیر کر دی۔'' دروازہ کھلتے ہی آنے والا تابڑ توڑ حملہ گیا۔ ادعیہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے تقریباً اس آنے والے کو گھورتے ہو خوش آمدید کہا۔

''تم......؟'' شہادت کی انگلی اس کے چوڑے مضبوط سینے کی جانب کرتے ہوئے ا کے لہجے میں حیرت بہت نمایاں تھی۔

''صرف تم کہو......'' اعصار شیخ اسے ایک طرف ہٹا کر اندر بڑھتے ہوئے دروازہ کرنے لگا۔ شاید اسے گمان تھا کہ وہ اسی حیرت کے عالم میں تا دیر وہیں کھڑی رہے گی۔

''کیونکہ جہاں ہم ہوتے ہیں...... وہاں صرف ہم ہوتے ہیں۔ کسی اور کی موجودگی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

''کیوں...... آپ کا تعلق کیا ہلاکو خان کے قبیلے سے ہے؟'' وہ تقریباً طنز کرتے ہو مسکرائی تو وہ کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''ہم اہل دل ہیں۔ اور دل والوں کا قبیلہ دل سے شروع ہو کر دل پر ختم ہو جاتا ہے۔ ان کا ڈیرہ ہے اور محبت شیوہ...... اس سے زیادہ اور کیا کہوں...... تم خود سمجھدار ہو ماشاءاللہ وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بہت ہولے سے ہنسا تھا۔ تب اس نے ڈرائنگ روم کی پیش قدمی کرنا ہی مناسب خیال کیا تھا۔

''کب آئے؟''

''کہاں...... دل میں؟'' اس کی جانب سے پوچھے گئے سوال پر بڑا برجستہ جواب آیا تھا ادعیہ کا دل چاہا تھا اپنا سر پیٹ لے یا پھر اس شخص کا سر پھاڑ ڈالے۔ مگر ان تمام عزائم کو کے ایک عمیق خانے میں دباتے ہوئے وہ اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''میں کراچی کی بات کر رہی ہوں۔'' اس نے دانت پیستے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''اوہ...... میں بھی حیران تھا۔ تم اتنے کام کے سوال کرنے کا ہنر نہیں رکھ سکتیں۔'' وہ ی چوٹ کرتے ہوئے مسکرایا۔ پھر صوفے پر بیٹھتے ہوئے مطلع کیا۔ ''آج ہی پہنچا ہوں۔ زمت میں ہی حاضری دینے چلا آیا ہوں۔'' جملہ اگرچہ کسی خوبصورت احساس سے لبریز چھ چاشنی تھی۔ مگر کہنے کے انداز میں ایک خاص جذبے کے علاوہ طنز بھی بہت واضح تھا۔ ادعیہ نے بغور سنا تھا۔ محسوس کیا تھا اور پھر بہت نارمل انداز میں تمام باتوں کو نظرانداز ی ہوئی مطمئن انداز میں مسکرا دی تھی۔

''اچھا کیا۔ امی ابھی رات ہی آپ کا ذکر فرما رہی تھیں۔''

''اور آپ......؟'' وہ فوراً ہی جواب میں اس کی جانب تکنے لگا۔

''سمسٹرز کے خاتمے کے بعد آج کل فقط آرام فرما رہی ہوں...... بس کوچنگ اور ٹیوشن کا لہ باقی ہے۔'' اس نے ایک بار پھر بھرپور انداز میں اس کی کوشش پر پانی پھیرا۔ دوسری ب سے فقط دیکھا ہی گیا...... خاموشی کے ساتھ...... بنا کچھ کہے...... جبکہ ادھر ادعیہ کے ا برخلاف معمول بڑی دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

''امی چند ضروری اشیاء کی خریداری کے لئے بازار تک گئی ہیں اور باقی سب اپنی اپنی گاہوں میں ہیں، شعاع کو نکال کر......'' اس کے کسی مزید ممکنہ حملے سے بچنے کے لئے اس ب سے جیسے بطور خاص حفاظتی بند باندھنے کی ٹھانی گئی۔

''گویا تم اکیلی ہو......؟'' جانے کس خیال کے تحت مسکراتے ہوئے اس نے دریافت کیا۔ لحہ بھر کو چونکی، پھر جانے کیوں نفی میں سر ہلا دیا۔ دوسری جانب سے بغور تکا گیا۔ پھر بہت رے ہوئے لہجے میں دھیما تبسم سجا کر فرمایا گیا۔

''ہوں...... تو میرے آنے سے تنہائی باقی نہیں رہی۔''

''اوں ہوں......'' وہ یکدم مسکرا دی۔ ''آپ کی آمد سے قبل بھی یقیناً میں تنہا نہ تھی۔ تنہائی ہ ساتھی بھی نہیں رہی...... آپ کی آمد سے قبل بھی میرے احباب کا احساس اور خیالات رے ساتھ تھے۔''

اہ بہت رکھ رکھاؤ سے مسکراتی ہوئی گویا دل پر تیز ضرب لگا گئی تھی۔ کسی کے جذبوں کا قتل ھر میں ہوا تھا...... وہ دل رکھنے کی بھی عادی نہ تھی۔ محض دل رکھنے کے سلیقے سے بھی الف تھی وہ۔

اعصار شیخ کے مسکراتے چہرے کی کیفیت لمحہ بھر کو تبدیل ہوئی تھی۔ جیسے ساری آس اور ا امیدیں پل بھر میں بہہ گئی ہوں۔ اور اس کے دوسرے ہی لمحے اس کے لبوں پر فقط

خاموشی تھی۔

ادعیہ نے اسے دیکھا تھا، پھر پل بھر کو جیسے ایک احساسِ ندامت نے اسے آن گھیرا تھا۔

''جاب کیسی رہی......؟'' بہت دوستانہ انداز میں وہ پوچھتی ہوئی صوفے کی پشت سے چلتی ہوئی اس کے سامنے آن بیٹھی تھی۔

''تمام مرحلے زندگی کی طرح بہت مشکل ہیں۔'' وہ بہت مدھم انداز میں مسکرایا تھا۔

ادعیہ نے اسے تکا تھا...... نظروں کا تصادم ہوا تھا۔ پھر جانے کیوں ادعیہ نظریں جھکا گئی تھی۔ پھر فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں تمہارے لئے مشروب لاتی ہوں۔ بھول ہی گئی تھی گرمی بہت ہے۔ تمہیں پیاس بھی لگی ہوگی۔''

وہ جانے کیوں ہنس دیا۔ ''ہاں، پیاس تو ہے مگر شاید تمہارا مشروب ناکافی ثابت ہو...... یہاں ایک تھل ہے۔ پیاس انتہا پر اور شدید ترین اور تم......'' وہ بہت دھیمے انداز میں مسکراتا ہوا رُکا، اُسے بغور تکنے لگا پھر دھیرے سے نفی میں سر ہلانے لگا۔ ''تم بھول جاتی ہو...... ہمیشہ ہی بھول جاتی ہے۔'' بہت افسوس بھرے انداز میں کہہ کر وہ ہولے سے ہنس دیا تھا۔

ادعیہ کے لئے یہ حملہ جیسے بہت غیر متوقع تھا۔ تبھی لمحہ بھر کو اس کی جانب دیکھ کر نظریں دوبارہ اٹھانے کی تاب نہ لاسکی تھی۔

''میں شربت لاتی ہوں۔'' وہ بہت مشکل سے کہتی ہوئی رسماً مسکرائی۔ مگر عین اسی لمحے وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ ادعیہ نے اس لمحے بہت چونک کر دیکھا مگر اس کے لبوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

''کیا بھروسہ زہر ہی ملا دو...... اپنی نگرانی میں تیار کراؤں گا شربت۔'' وہ یقیناً شرارت سے گویا ہوا تھا۔ لہجہ دھیما تھا...... شاید ادعیہ پر ترس کھا کر ہی یہ ''نرم انداز'' اختیار کیا گیا تھا ورنہ وہ اس کی مستحق تو شاید قطعی نہ تھی۔

ادعیہ نے اس کے انداز پر اسے دیکھا تھا، پھر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''اتنی بری نہیں ہوں۔'' بہت پُر افسوس انداز میں وہ گویا ہوئی تھی اور جواب میں اعصار شیخ کا فطری قہقہہ بہت بے ساختہ ابھرا تھا۔

''کاش تم اندازہ کرسکتیں۔'' بہت ذومعنی سا جملہ تھا۔ کہنے کے بعد اعصار شیخ کی نگاہوں نے ادعیہ کے چہرے پر ڈیرہ جمالیا تھا۔

''محترم کیپٹن صاحب! اعتبار کرنا چاہئے۔'' جانے کیوں وہ بلا ارادہ ہی بول گئی تھی۔

''ہوں...... بشرطیکہ اعتبار دلایا بھی جائے۔'' وہ بہت برجستہ بولا تھا اور ادعیہ ایک بار پھر اَڑ تھی...... وہ جیسے اس کے کسی بھی جملے کی تاب نہ رکھتی تھی...... بہت تیاری کے ساتھ آیا تھا آنے والا۔ یقیناً تبھی تو ادعیہ شیخ کی ہتھیلیاں پسینے سے تر ہونے لگی تھیں۔

اور تب وہ مزید کچھ کہے بغیر پلٹ کر فوراً ہی باہر نکل آئی تھی اور بہت کانپتے ہاتھوں کے ساتھ فریزر کھول کر آئس کیوب نکالنے لگی تھی۔ پھر جو پلٹی تھی تو اسے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا پایا تھا۔ دل لمحہ بھر کو دھڑکا تھا...... ٹھہرا تھا اور پھر دھڑکنیں معمول پر آگئی تھیں۔

''یہ مت سمجھنا کہ اعتبار نہیں۔ میں تنہائی کے ڈر سے تمہارے تعاقب میں آیا ہوں...... تنہائی تمہاری ساتھی نہ سہی مگر میری ساتھی ضرور ہے۔'' بہت گہری آنکھوں کو اس کے وجود پر جماتے ہوئے بہت گہرے لہجے میں فرمایا گیا تھا۔ ادعیہ نے لمحہ بھر کو نگاہ اٹھا کر اس لمبے چوڑے شخص کو دیکھا تھا۔ وہ اس کی کسی بات کو اہمیت دینے کی روادار نہ تھی۔ یا پھر کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اسے نظر انداز کئے جارہی تھی۔

اس لمحے بھی وہ بہت ملائمت سے مسکرائی تھی۔

''اہل خانہ کیسے ہیں؟'' یونہی سوال داغا گیا۔

''او...... ہو!'' وہ بہت محظوظ ہوا بلکہ باقاعدہ ہنسنے لگا۔ ''سب ٹھیک ہیں...... ایک دیوار ہی تو فاصلہ ہے...... آوازیں تو ضرور آتی ہوں گی۔'' اس نے بغور تکتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

''میں کان لگا کر نہیں سنتی۔'' وہ اب تپ گئی۔

''دل سے تم نہیں سنتیں۔ کانوں کا استعمال تمہیں گوارا نہیں...... آخر تمہاری گزر بسر ہو رہی ہے؟'' بہت سے حسابات وہ آج ہی بے باق کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

''یہ آپ کا دردِ سر نہیں......'' وہ گلاس پیش کرتی ہوئی اپنے لہجے کو ترش ہونے سے باز نہ رکھ سکی۔ تبھی دروازے پر بیل ہوئی۔

''اوہ...... امی آگئی ہیں شاید۔'' وہ اس کے قریب سے رستہ بناتی تیزی سے نکل گئی۔

۞......۞

تو مسیحا تو نہیں
دوست فقط دوست ہی ہے
دوست بھی وہ جو سدا دعویٰ گزاری میں رہے
عشوہ طرازی میں رہے
اور میں آشفتہ سرو چاک گریباں ایسا

جو ہمہ وقت کسی وحشت نادیدہ کی
کسی الجھن میں گرفتار
فقط خاک اڑانا چاہوں
جو بھی ہمدرد نظر آئے اسے
زخم جاں اپنا دکھانا چاہوں
تو مسیحا تو نہیں
دوست فقط دوست ہی ہے

آج پھر وہ فقط اس کے لئے آفس سے جلد اٹھ آیا تھا۔ بہت سی دیگر ضروری اشیاء سمیت آج ہاتھوں میں خلافِ معمول ایک بہت حسین مہکتا بوکے بھی تھا۔

مژگان نے دیکھا تو چونک گئی اور پھر نظریں جھکا لیں۔

''کیسی ہو؟'' مسکراتے ہوئے دریافت کیا گیا۔ ساتھ ہی مہکتا بوکے آگے بڑھایا گیا۔ مژگان نے لمحہ بھر کو سر اٹھایا۔ نظریں ملیں...... اس نے فوراً بوکے تھاما اور نظریں اپنے آپ ہی جھکتی چلی گئیں۔

''تھینک یو......!'' بہت مدھم لہجے میں کہا۔ وہ دھیمے انداز میں ہنس دیا۔

''آج جب میں تمہارے لئے یہ بوکے لے رہا تھا تو مجھے ان دنوں کی یاد شدت سے آئی جب تم مجھے ہسپتال ملنے باقاعدگی سے آتی تھیں۔ اسی قدر باقاعدگی سے میرے لئے پھول بھی لاتی تھیں۔'' وہ بہت دھیمے انداز میں بولا۔ لبوں پر تبسم جیسے ٹھہر سا گیا۔ مژگان نے ایک نگاہ کی پھر نظریں واپس پلٹ آئیں۔

''آپ کو لگتا ہے میں نے کوئی احسان کیا تھا؟'' جانے کیسے وہ بلا ارادہ ہی بول گئی۔

رہبان عالم شاہ چونکا۔ اسے بغور تکا۔ پھر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگا۔ ''ہم میں کوئی تعلق نہیں بھی تھا۔ مگر ہم تب بھی ایک دوسرے کے لئے بہت حساس تھے۔'' وہ بولا تھا اور تب مژگان یکدم ہی سر اٹھا کر اسے تکنے لگی تھی۔ وہ اس کے عین سامنے براجمان تھا۔ اس کی جانب متوجہ تھا۔ تک بھی رہا تھا۔ اس کا دل شدت سے چاہا تھا...... پوچھے۔

'کیا اب ہمارے درمیان کوئی تعلق ہے؟'

مگر وہ کچھ نہ کہہ سکی تھی۔ لمحہ بہت خاموشی کے ساتھ آگے سرک گیا تھا۔ رہبان عالم شاہ کہہ رہا تھا۔

''شاید ہم میں اخلاقیات کے جراثیم بہت زیادہ ہیں۔''

''ہوں، شاید۔'' وہ دھیرے سے سر ہلانے لگی تھی۔ کافی بہتر لگ رہی تھی۔ ہلکی ہلکی حدت ...ی۔ مگر اب اتنی تھکاوٹ قطعی فیل نہ کر رہی تھی۔ قدرے فریش تھی۔ ڈریس بھی چینج تھا۔ ...اس نے ہاتھ لیا تھا۔ بال پشت پر آبشار کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ وہ اپنے کمرے ...تھی۔ اپنے بیڈ پر تھی۔ رہبان عالم شاہ کے آنے سے قبل کوئی بک بھی پڑھ رہی تھی غالباً۔ ...وہ اس کنڈیشن سے بذاتِ خود باہر آنا چاہ رہی تھی۔ تمام اقدامات قصداً تھے کہ وہ جلد ...ت یاب ہو جائے۔

اگر یہ سب قصداً بھی تھا تو عجیب نہ تھا۔ ایک اچھی کوشش تھی۔ وہ واقعی پہلے سے کہیں ...یادہ فریش لگ رہی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا تھا، پھر یکدم اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی پر ...دیا تھا۔ غالباً وہ اب اس کے بخار کی کیفیت جاننا چاہ رہا تھا۔ مگر وہ یکدم ہی خود میں جیسے ...کر رہ گئی تھی۔ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھنے سے جیسے سارے وجود میں ایک کرنٹ کی لہر ...تھی۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں جیسے ہلچل سی ہوئی تھی۔ گویا کوئی کنکر سا گرا تھا۔ مگر پانی میں ...تعاش سا پیدا ہو گیا تھا۔

وجود میں دوڑتی ہوئی سنسناہٹ کی لہر کو دبانے کے لئے اس نے شدت سے آنکھیں میچ لی ...یں۔ کمرے میں اے سی کی کولنگ تھی۔ مگر اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے تھے۔

''کیا ہوا......؟'' رہبان عالم شاہ نے اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے پریشانی سے ...یافت کیا تھا۔

وہ یکدم ہی چونکی تھی۔ آنکھیں کھولی تھیں اور پھر ہاتھ کی پشت سے پیشانی کو صاف کرتے ...ئے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ اور تب رہبان عالم شاہ اسے بغور تکنے لگا تھا...... مژگان نے ...بھر کو اسے تکا تھا، پھر پلکیں جھکتی چلی گئی تھیں۔

یقیناً بہت بولڈ لڑکی تھی وہ۔ ایک مغربی تہذیب و معاشرے کی پروردہ۔ اگرچہ جب بھی ...ملی تھی، بہت سہمی سہمی خوفزدہ رہی تھی۔ مگر ایک پُراعتمادی اس کی طبیعت کا خاصا تھی جو ...کی شخصیت کا احاطہ کئے رکھتی تھی۔ اس کے بولنے، بات کرنے کے ڈھنگ سے اس بات ...ضح اندازہ ہوتا تھا۔ مگر اب وہ اسے بہت گریزاں لگ رہی تھی۔

وجہ کیا تھی......؟

...سمجھی کے ادوار وہ عرصہ دراز قبل طے کر چکا تھا...... عمر شعور کی تھی، آگاہی کی تھی۔ اور ...نے دیکھا تھا وہ یونہی پلکیں جھکائے اپنے ہاتھوں کو تکتی چلی جا رہی تھی...... یقیناً اپنے

اعتماد اور دوستانہ انداز سے وہ اس کی متزلزل کیفیت کو تبدیل کر سکتا تھا۔ وہ یقیناً فطری رنگ کے زیرِ اثر تھی۔

رہبان عالم شاہ نے دھیرے سے ہاتھ بڑھایا تھا اور اس کے نازک سے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔ وہ بہت چونک کر تکنے لگی تھی۔

"تمہیں اپنا خیال رکھنے کی ضرورت ہے۔ میں تمہارا دوست ہوں۔ پلیز، اپنا خیال رکھو۔" وہ یقیناً بہت کچھ باور کرانا چاہتا تھا۔ جو کچھ ہوا تھا، ہو چکا تھا اس کیفیت کی شدت کو کم کرنے کا اس سے بہتر راستہ کوئی اور نہ تھا۔ اس پر یہ آج کھلا تھا کہ عورت چاہے مغرب کی ہو یا مشرق کی، اس کی محسوسات ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ان کے جذبات کا رنگ ایک جیسا ہوتا ہے۔ ان کے احساس کی سمت ایک جانب ہی ہوتی ہے، ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔

وہی فطری شرم، وہی حیا، فوراً عود کر آنے والی کیفیت۔

چہرے کے وہی رنگ اور......

"مجھے جانے کیوں لگتا ہے تمہارا نام کم از کم مژگان نہیں ہونا چاہئے تھا۔" اس نے اپنی طرف دیکھتی اس دھان پان سی لڑکی کو مسکرا کر دیکھا تھا۔ وہ یکدم چونکی تھی۔ چہرے پر قدرے حیرت پھیلی تھی۔ پھر وہ جانے کیوں دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

"کیوں......؟"

رہبان عالم شاہ ہنس دیا۔ "مژگان کا مطلب پلکیں ہوتا ہے۔ مگر جہاں پلکیں آنکھوں کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث بنتی ہیں وہیں ان کو نمی سے دوچار بھی ہونا پڑتا ہے۔ آنسوؤں کی نمی۔" وہ کہہ کر کچھ دیر کو رُکا، پھر مسکرا دیا۔ مژگان اس کی جانب تکتی رہی۔ "نمی اگر خوشی کے آنسوؤں کی ہو تو اچھا لگتا ہے۔ حسن مزید بڑھ جاتا ہے۔ مگر اس سے متضاد کیفیت اچھی نہیں ہوتی۔ اچھی نہیں لگتی۔ پلکیں لرزتی اچھی لگتی ہیں... حیا سے جھکتی اچھی لگتی ہیں... ادا سے اٹھتی ہوئی اچھی لگتی ہیں۔ مگر بھیگی ہوئی اوں... ہوں..." وہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگا۔

وہ مسکرائی۔ پھر ہنس دی۔ "آپ شاعری بھی کرتے ہیں؟"

"تمہیں لگتا ہے یہ شاعری ہے؟" وہ الٹا سوال پوچھ گیا۔

وہ کچھ دیر کو سوچنے لگی، پھر مسکرا دی۔ "سوچ میں گہرائی تو ہے۔"

"اچھا......" وہ ہنس دیا۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"آپ کے خیال میں میرا نام کیا ہونا چاہئے تھا؟" یقیناً اس بے معنی قسم کی گفتگو میں اسے بھی مزہ آنے لگا تھا۔ وہ دھیمے انداز میں مسکراتی ہوئی بولی تھی اور رہبان عالم شاہ نے

بغور تکنے لگا تھا۔ اس کی گھنیری پلکیں اس کے رخساروں پر بہت واضح تھیں۔ لانبی پلکوں نے آنکھوں کا احاطہ کر کے آنکھوں کو ایک پُرکیف رنگ دے دیا تھا۔ اس کی بہت خوبصورت آنکھوں کی خوبصورتی کا بہت سا تاثر ان پلکوں کے باعث بھی تھا۔ بلاشبہ وہ حسین ترین آنکھوں کی مالک تھیں۔ اور پلکیں، اس کا نام جس کسی نے بھی رکھا تھا، بہت سوچ سمجھ کر رکھا تھا۔

"آئی تھنک، مژگان سے بڑھ کر حسین نام کوئی اور نہیں ہو سکتا۔" وہ بہت شوخی سے مسکراتے ہوئے بولا تھا اور مژگان مسکرا دی تھی۔

"گڈ......" اسی طرح مسکرانا چاہئے۔ اچھا اثر پڑتا ہے۔ یو آر لوکنگ ویری فریش رائٹ ناؤ۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تو وہ لمحہ بھر کو اس کی جانب دیکھتی ہوئی مسکرا دی۔

"تمہارے وکیل صاحب ملنا چاہ رہے ہیں۔"

"آپ نے کہہ دیا ہوتا۔"

"تمہاری طبیعت کے پیش نظر میں نے منع کر دیا تھا۔ اب فون آئے گا تو کہہ دوں گا۔" سر ہلاتے ہوئے اٹھ گیا۔ "میڈیسن لے لیں تم نے......؟" ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اس نے دریافت کیا۔

"ہوں......" مژگان سر ہلانے لگی۔

"گڈ...... شام کو تیار رہنا۔ ڈاکٹر صاحب کی زیارت کر آئیں گے ایک بار پھر۔" مسکراتے ہوئے وہ گویا ہوا تھا۔ تبھی مژگان بھی اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ رکھ پائی تھی اور مسکرا دی تھی۔

"تم نے کچھ کھایا تو قطعی نہیں ہوگا؟"

"نہیں، جوس لیا تھا۔"

"اوکے...... میں کپڑے چینج کر کے آتا ہوں...... پھر مل کر لنچ کریں گے۔" رہبان عالم نے کہا تھا اور پھر مضبوط قدموں پر گھومتا ہوا دروازے کی سمت بڑھ گیا تھا اور مژگان کی نگاہ جانے کیوں اس سمت سے ہٹ نہ سکی تھیں۔

✿......✿

"ہائے سیو! تو نے ابھی تک ڈنگروں کو پٹھے وی نئیں ڈالے۔ ٹوکا چلاتے ہوئے تجھے ویلا ہو گیا ہے۔" (تم نے ابھی تک جانوروں مویشیوں کو چارا نہیں ڈالا۔ ٹوکا چلاتے چلاتے تمہیں وقت ہو چلا ہے) بے بے نے بستر سے اٹھا کر تہہ کر کے اندر رکھتے ہوئے لمحہ بھر رک کر اسے دیکھا۔

''لگتا ہے پورا دن یہیں پر گزار دے گی۔ سورج سوا نیزے پر چلا آیا ہے۔ جیٹھ ہاڑ کا مہینہ ہے۔ گرمی زوروں پر ہے۔ پنج بجتے نہیں کہ صبح ہو جاتی ہے۔ چھ بجے تیکر سورج آدھ آسمانے چڑھ جاتا ہے۔ چرند پرند کی آنکھیں اوگڑ (کھل) جاتی ہیں۔ مگر اس کڑی کو جانے کب ہوش آئے گا۔ تیرا چاچا منٹوں میں یہ کم نمٹا لیتا ہے اور تو۔''

''بے بے! کر تو رہی ہوں۔ یہ بھی تو دیکھ کم کتنا اوکھا ہے۔ ادھی جان صرف ہو جاتی ہے۔'' سیو نے فوراً ہی اپنا دفاع کیا۔

''اتنی دیر میں تو پٹھے کتر نہ سکی ہور کیا کرے گی۔ کوئی کم نبڑتا (نمٹتا) ہی نئیں تجھ سے۔ پتہ نئیں کم تجھے چمبڑ جاتا ہے یا فیر تو کم کو چمبڑ جاتی ہے۔ چھوٹی بی بی کے جہیز کے لئے حویلی سے کچھ کم کرنے کو آیا ہے مگر تو ادھر کے کموں سے فارغ ہو تو کچھ ہور کرے نا۔''

''اچھا، کب چھوٹی بی بی نے بھجوایا سامان۔ مجھے تو خبر بھی نہ ہوئی۔'' سیو نے ٹوکا روک کر کترے ہوئے تمام چارے کو ایک برتن میں نکالا۔

''تجھے تو خود اپنی خبر نئیں۔ جاگتے میں بھی سوتی رہتی ہے۔'' بے بے کہہ کر چارپائیاں اٹھانے لگی۔ وہ جیسے پل میں ہی اپنی جگہ چور سی بن گئی۔ بہت ڈرتے ڈرتے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ بے بے منجیاں (چارپائیاں) اٹھا کر کچے صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کر رہی تھیں۔

وہ چارا مویشیوں کو ڈال کر واپس لوٹی تو بے بے جھاڑو لگا رہی تھیں۔

''بے بے! تو رہنے دے۔ میں خود لگا دوں گی۔''

''تو رہنے دے۔ ہور بہتیرے کم ہیں۔ ویر اور چاچے کے واسطے کھانا بنا کر بھجوا دینا او[illegible] چھوٹی بی بی کے جہیز کے لئے بستروں کے اچھاڑ بنانے ہیں۔ چادروں پر کڑھائی کرنی ہے۔ سوہنے وڈے ڈیزین (ڈیزائن) بنانا۔ چھوٹی بی بی کے شگنوں کا سامان ہے۔ خدا ہنڈا[illegible] (استعمال کرنا) نصیب کرے۔''

''آمین۔'' سیو نے فوراً ہی کہا۔ ''پر چھوٹی بی بی کو خبر کیسے ہوئی کہ میں یہ سب کام جا[illegible] ہوں؟''

''میں نے خود بتایا تھا۔ کیوں، تو کرنا نئیں چاہتی؟'' بے بے نے کسی خدشے کے پیش[illegible] نظر رک کر دریافت کیا تو وہ فوراً ہی مسکراتی ہوئی نفی میں سر ہلانے لگی۔

''ایسی بات نئیں ہے بے بے۔ چھوٹی بی بی تو میری استانی بھی ہیں۔ ان کا کم تو میں [illegible] جان سے کروں گی۔''

''استانی کا کیا مطلب؟'' بے بے حیران ہوئیں۔ تب سیو کے مسکراتے لب لمحہ بھر کو [illegible]

گئے۔ پھر وہ نرم لہجے میں گویا ہوئی۔

''وہ بے بے! چھوٹی بی بی کہہ رہی تھیں، جب تک وہ یہاں پر ہیں، میں ان سے پڑھ لیا کروں۔'' بے بے خاموشی سے دیکھنے لگیں تو وہ ہولے سے مسکرا دی۔ ''بے بے! چھوٹی بی بی تو کتنی عقل مند ہیں ناں۔ تعلیم واقعی انسان کو انسان بنا دیتی ہے۔ مکمل انسان۔ سوچنے سمجھنے کی پہچان کرا کے اس کی آنکھیں کھول دیتی ہے۔ صحیح معنوں میں بندے کو بینائی مل جاتی ہے۔''

''ہاں، ایسا تو ہے۔'' بے بے نے اس کی توقع کے برعکس سر ہلایا تو وہ حیرت سے انہیں تکنے لگی۔ بے بے پلٹ کر اندر چلی گئیں۔ پھر جب واپس لوٹیں تو وہ چادر کی بکل مار رہی تھیں۔ گویا حویلی کی طرف جا رہی تھیں۔ ساتھ ہی ہاتھ میں ایک تھیلا بھی تھا جو انہوں نے اس کی سمت بڑھایا۔

''یہ دیکھ لے، چھاپہ ڈال کر سوہنے وڈے پھول بوٹے کاڑھنا۔ سارے چنگے چنگے ٹانکے لگانا تجھے جو سکھائے ہیں، وہ پرو دینا۔ مگر صفائی سے۔ کوئی شکایت کا موقع نہ ملے۔''

''لے، بے بے! میرے ہتھ میں کنی صفائی ہے یہ تم جانتی ہو۔''

''ہاں، پر فیر وی (پھر بھی) ذرا احتیاط نال۔'' بے بے نے تاکید کی اور تب وہ اثبات میں سر ہلانے لگی۔ پھر سر اٹھا کر بے بے کو تکا۔

''بے بے! میں پڑھ لوں؟''

''تجھے کون سا تیر مارنا ہے کوئی۔ پڑھنا لکھنا تو آتا ہے تجھے۔ بہت ہے، چٹھی لکھنی پڑھنی آ جائے۔ ہور کیا کرانا ہے تجھ سے۔ خیر خبر کی گل بات پڑھ سکے، اس سے زیادہ کی بھلا تجھے کیا لوڑ (ضرورت) ہے؟''

''بے بے! ابھی تو، تو نے خود مانا تھا کہ تعلیم ضروری ہے۔ پھر میں نے کون سا اسکول جانا ہے۔ بس چھوٹی بی بی کے پاس ہی تو......'' اس نے دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''اچھا.....اچھا.....گل کروں گی تیرے چاچے سے۔'' بے بے نے جیسے ٹالا اور پھر بولیں۔ ''بوہا مار لے..... جا رہی ہوں میں.....'' اور تب وہ ان کے پیچھے چل دی تھی۔

✿......✿

شام کو جب وہ ڈاکٹر کے ہاں سے لوٹے تھے تو تبھی علی شاہ بھی آ گیا تھا۔

''ہماری بھابی ابھی تک ٹھیک نہیں ہوئیں؟'' بہت بے تکلفی کے ساتھ جس طرح اس نے بھابی کہہ کر مخاطب کیا تھا، اس پر وہ یکدم ہی چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ اگرچہ اس سے قبل بارہا علی شاہ نے رہبان عالم شاہ سے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے لئے یہی یغہ

استعمال کیا تھا۔ مگر اس کے سامنے یہ نفس نفیس یہ پہلا اتفاق تھا۔ تبھی شاید وہ بہت حیران ہوئی تھی۔

یہ نہیں تھا کہ اسے اچھا نہ لگا تھا یا بہت برا لگا تھا۔ مگر یکدم ہی اسے لگا تھا وہ ایک اہم سیٹ پر براجمان ہوگئی ہو۔ کسی اہم عہدے پر فائز ہو۔ بہت مختصر مگر بہت قابل احترام لفظ تھا۔ اس کی نگاہیں لمحہ بھر میں سامنے بیٹھے رہبان عالم شاہ پر جا ٹھہری تھیں۔ یقیناً اس تعلق کا باعث وہی شخص تھا۔ اسی کے باعث یہ تمام ''رشتے'' بندھے تھے۔ مگر وہ لمحہ بھر میں ہی اس شخص پر سے نگاہ ہٹا گئی تھی جیسے بھولے سے نگاہ کسی پرائی شے پر جا پڑے اور احساس ہونے پر فوراً ہی نظروں کا زاویہ واپس موڑ لیا جائے۔ رخ تبدیل کرلیا جائے۔

''کیا ہوا بھابی...... آر یو او کے؟'' علی شاہ نے اس کی خاموشی پر دریافت کیا تھا اور تب وہ اس کی سمت تکتی ہوئی جیسے زبردستی مسکرائی تھی اور پھر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''نہیں...... میں ٹھیک ہوں۔ بہت شکریہ آپ میری خیریت دریافت کرنے تشریف لائے اور......''

''اُف...اوہ مائی گاڈ... بھابی! خدارا اتنے تکلف سے تو کام نہ لیں۔ اور یہ آپ کی گاڑھی اُردو ماشاء اللہ، آپ کے اتنے پروٹوکول پر مجھے گمان گزر رہا ہے کہ میں کسی ریاست کی بہت ہی اہم سیٹ پر فائز ہوں۔'' علی شاہ اس کی بات کو یکدم ہی کاٹتے ہوئے بولا تو وہ مسکرا دی۔

''یہ رہبان آپ کا قطعی خیال نہ رکھتا ہوگا...... ہے ہی کیئرلیس۔ آج تک اپنا خیال تو رکھ نہ سکا۔ وہی ''چھڑوں'' والی خصوصیات اب بھی باقی ہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے، عادتیں فطرت بن جائیں تو مشکل ہی سے جاتی ہیں۔'' علی شاہ نے رہبان عالم شاہ کی جانب دیکھا جواب ریموٹ اٹھا کر ٹی وی سیٹ آن کر رہا تھا۔ علی شاہ کے الزام پر اس نے فقط ایک نگاہ ڈالی تھی اور پھر مزید کچھ کہے بغیر چینل تبدیل کرنے لگا تھا۔ جبکہ مژگان مسکرا دی تھی۔ پھر دھیمے انداز میں بولی تھی۔

''نہیں۔ یہ تو میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔'' گویا اس نے علی شاہ کے الزام کی تردید کی تھی۔ اور علی شاہ، رہبان عالم شاہ کی جانب تکنے لگا تھا اور رہبان عالم شاہ اس لمحے مسکرا دیا تھا۔

''آپ بھی ایک روایتی بیوی ثابت ہوئیں۔ بھابی! جواب نہیں آپ کا بھی۔ شوہر پرستی کا آپ نے تو صاف صاف ثبوت فراہم کر دیا۔'' علی شاہ نے جیسے افسوس سے ہاتھ ملے۔ وہ بے ساختہ مسکرا دی۔

''نہیں، یہ واقعی بہت اچھے ہیں۔''

''لو جناب محترم شوہر صاحب! سن لیجئے، آپ کی بیگم صاحبہ کتنی معترف ہیں آپ کی۔''

...شاہ حسب عادت چھیڑ رہا تھا۔ مذاق کررہا تھا۔ مگر مژگان کے لئے یہ سب عجیب تھا...... ...ت نیا اور انوکھا...... زندگی کا اولین تجربہ تھا یہ...... کوئی اسے کسی کا نام لے کر چھیڑ رہا تھا۔ ...ل کر رہا تھا۔ کسی کے معتبر حوالے سے اسے مخاطب کر رہا تھا اور......

مگر کتنا مختصر خواب تھا یہ...... حسین مگر جاں گسل۔

وہ لمحہ بھر کو آنکھیں میچ کر جیسے اس حقیقت کو بھگا کر دور لے جانا چاہ رہی تھی مگر۔

''بھابی......'' علی شاہ نے تبھی پکارا تھا۔

''ہوں......'' وہ فوراً ہی جیسے خود کو اس ماحول میں واپس لانے پر مجبور ہوگئی تھی۔

''آپ کو نیند آ رہی ہے شاید۔''

''نہیں، تم کہو۔'' وہ بلا ارادہ ہی اسے بے تکلفی سے تم کہہ گئی۔ جس طرح وہ اسے مسلسل ...ک خاص تخاطب سے مخاطب کر رہا تھا تو یہ اس کا نتیجہ بھی تھا جو کہ بے حد فطری تھا۔

''میرا خیال ہے آپ آرام کریں...... ہاں وہ آپ کے شوہر نامدار کے حکم پر ملازمہ کا ...ندوبست کر دیا ہے۔''

''آپ کے لئے کچھ لے کر آتی ہوں میں۔'' وہ اٹھی۔ تبھی صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھے ...ہبان عالم شاہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا...... وہ یکدم چونک کر دیکھنے لگی۔ پہلی بار بے ساختہ ...گاہ علی شاہ پر پڑی۔

...وہ جس انداز سے مسکرایا تھا وہ زیادہ دیر نہ دیکھ سکی تھی اور مجبوراً رہبان عالم شاہ کی سمت ...تکنے لگی تھی۔ اسے غالباً اس لمحے اس بات کا گمان تک نہ تھا کہ رہبان عالم شاہ کسی کی موجودگی ...میں [illegible] وہ ہاتھ

...ھڑا کر واپس پلٹی تھی اور اپنے کمرے میں گھس گئی تھی۔

تبھی رہبان عالم شاہ، علی شاہ کی سمت تکنے لگا تھا۔

''تمہیں اس درجہ بے تکلفی سے اسے بھابی قطعی نہیں کہنا چاہئے۔'' بہت دھیمے لہجے میں وہ ...بولا تھا۔ علی شاہ پہلے چونکا تھا، پھر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''تمہارے حوالے سے اور کیا تخاطب ہوسکتا ہے۔ جو مناسب ہو؟''

رہبان عالم شاہ اس لمحے اسے خاموشی سے تکنے لگا تھا اور علی شاہ جیسے محظوظ ہو کر مسکرا دیا ...ر پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''ایک حقیقت ہے یہ۔ تجھ سے منسوب ہے وہ۔ اور اسی حوالے سے مجھ پر اس کا احترام فرض ہے۔''

''علی شاہ! تم جانتے ہو یہ تعلق عارضی ہے۔'' رہبان عالم شاہ نے فوراً باور کرایا تھا۔

''تمہارے لئے ہوگا۔ لیکن جب تک وہ تم سے جڑی ہے، میں اسے بھابی کہنے کا پابند ہوں۔''

''اور اگر اسے مناسب نہ لگے تو؟'' رہبان عالم شاہ نے دھیمے انداز میں کہتے ہوئے مژگان کا ذکر کیا اور علی شاہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

''میرا نہیں خیال کہ انہیں برا لگے گا۔'' وہ باز آنے والا قطعی نہ تھا اور رہبان عالم شاہ مزید دلیلیں اور تاویلیں دے کر وقت ضائع کرنا نہ چاہتا تھا۔ تبھی جواب میں خاموش ہو گیا تھا۔ علی شاہ کتنی ہی دیر خاموش رہا تھا، پھر اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

''رہبان عالم شاہ! کیا تم واقعی اس لڑکی کو چھوڑ دو گے؟''

اس سوال پر رہبان عالم شاہ یکدم ہی چونک کر تکنے لگا تھا جیسے اسے گمان نہ تھا کہ اس لمحے کوئی اس سے اس کے متعلق باز پرس بھی کر سکتا ہے۔ مگر شاید اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا یا پھر جواب اگر تھا بھی تو وہ اسے دہرانا نہیں چاہ رہا تھا۔ یہ ایک معاہدہ تھا۔ سوچی سمجھی ایک حکمت عملی تھی جسے بہرصورت ہر طرح سے طے شدہ انجام پر پہنچنا تھا۔ تبھی شاید وہ بھی خاموش تھا اور علی شاہ اس لمحے بہت پُرافسوس انداز میں نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

''رہبان عالم شاہ! یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔ وہ بہت معصوم ہے۔'' علی شاہ کے لہجے میں بہت کچھ تھا۔ مگر رہبان عالم شاہ مسلسل اسکرین کی جانب متوجہ رہا تھا۔ پھر جیسے علی شاہ اپنے لفظوں کے بے وقعت ہو جانے پر بہت متاسف انداز میں نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

''تم چائے لو گے یا کافی؟'' رہبان عالم شاہ نے بنا اس کی جانب دیکھے دریافت کیا تھا۔

تبھی وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''چلتا ہوں......'' اور اس کے ساتھ ہی اس نے دروازے کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔ رہبان علم شاہ نے اسے دیکھا تھا مگر روکا نہیں تھا۔

✿......✿

ویندی کلی بیٹھی رو رو دہائیاں!
او ہی جانے جنیں کسے نال لائیاں
لگیاں دے دُکھ وکھرے!

لگیاں دے دُکھ وکھرے!!

سیو بہت مہارت کے ساتھ بیڈ شیٹ پر کشیدہ کاری کے نادر ٹانکے لگا رہی تھی، ساتھ ہی بہت مدھم آواز میں گنگنا بھی رہی تھی۔

آواز میں اِک سوز تھا۔ اِک جلن تھی۔ چبھن تھی۔

بہت سی ان کہی کہانیاں تھیں۔

بہت سے ان جانے درد تھے۔ بہت سے کرب تھے جو روح کا احاطہ کئے ہوئے تھے۔ جو روح کو مسلسل محصور کئے ہوئے تھے۔

لگیاں دے دُکھ وکھرے!
لگیاں دے دُکھ وکھرے!

ایک ہی بازگشت گونجنے لگی۔

یکدم نظروں میں ایک ہی چہرہ آن بسا۔

وہی بھرپور سراپا...... بھرپور مردانہ وجاہت کا پیکر۔

مضبوط...... نڈر...... مغرور...... بے نیازی سے لبریز۔ دل کی دھرتی کو ہلا دینے والا سراپا۔

نہ دیکھتے ہوئے بھی سارے وجود کو اپنی مضبوط گرفت میں باندھ کر رکھنے والا انجان۔

اِک نگاہ نہ کر کے بھی سارے وجود میں ہلچل برپا کر دینے والا اجنبی! نظروں میں کوئی اور منظر باقی نہ رہا۔

جانے کب اسی بے خبری کے عالم میں سوئی انگلی میں جا گھسی۔

''اُف......'' وہ ایک سسکاری بھر کر رہ گئی۔ خیالوں کا سارا تسلسل ٹوٹ گیا...... نگاہ انگلی پر پڑی...... درد کی شدت سے ہونٹ کچلتے ہوئے اس نے انگلی کو دبایا تو خون رسنے لگا۔

کملی کر کے چھڈ دتوں ای
تے بیٹھی لکھ گلیاں دے رولاں
غلام فرید میں تے دوزخ سڑ ساں
جے میں مکھ ماہی ولوں موڑاں!

نمکین پانی کے قطرے بہت آہستہ سے پلکوں پر ٹوٹے اور پھر بے وقعت ہو کر بہہ کر یونہی ضائع ہو گئے۔ وہ ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی۔

جیسے بہت کچھ کھو جانے پر گہرا ملال ہو۔

تدارک باقی نہ بچنے پر بہت ڈھیر سا دکھ ہو۔

بہت کچھ چلے جانے کا کوئی ازالہ نہ ہونے پر بہت سا کرب ہو۔
تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ چونکی۔ پھر فریم میں لگی بیڈ شیٹ پر سوئی ٹکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"کون ہے......؟" اس نے تنہا ہونے کے پیش نظر پوچھنا ضروری خیال کیا۔
"میں ہوں۔ شاجی...... ساتھ نگو بھی ہے۔" شاجی کی آواز پر وہ قدرے حیران ہوئی۔ پھر دوجے ہی پل مسکراتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔
"ہائے نی پیڑیئے پل (بھول) ہی گئی توں تے۔" سیو نے دیکھتے ہی شکوہ کیا۔
"اور تجھے تو جیسے ساری راہیں یاد تھیں۔" شاجی نے دہلیز عبور کرتے ہوئے اسے ساتھ لگا لیا۔
"سچ، بہت یاد آ رہی تھی تیری۔"
"چل ہٹ، منہ دیکھے کی محبتیں۔" شاجی نے دھپ رسید کر دی۔ سیو ہنس دی۔
"سچی، بڑا اُداس تھا جی۔" وہ اسے لے کر کمرے کی جانب بڑھنے لگی۔
"ہاں، تبھی تو تیری جوتیاں گھس گئی تھیں...... بھاگی بھاگی ملنے چلی آتی تھی۔" شاجی نے بھرپور شکوہ کیا۔ سیو کھلکھلا کر ہنس دی۔
وہ کمرے میں موجود نواڑی چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ سیو نے پیڈسٹل فین کی اسپیڈ بڑھا دی۔
"گرمی بہت ہے۔" شاجی نے موسم پر تذکرہ کیا۔ سیو اسے بغور تکنے لگی۔
"تجھے کیا۔ تیرا رنگ روپ تو لشکارے مار رہا ہے۔ سچ، ویاہ کے بعد تو اور بھی نکھر گئی ہے۔ حسن دوگنا ہو گیا ہے۔ لگتا ہے بہت خوش ہے۔"
"ہاں...... ہوں تو......" شاجی کے چہرے پر بہت دلکش رنگ آن رکے۔
"خدا تجھے خوش ہی رکھے۔" سیو نے دعا دی۔
"آمین۔" شاجی نے مسکراتے ہوئے فوراً کہا۔ "کتنی بار آئی۔ کتنے ہی پھیرے لگائے۔ ہزاروں بار تجھے سنیہا (پیغام) بھی بھجوایا۔ مگر تو نہ آئی ملنے۔ میرے رخصت ہوتے ہی بے وفا ہو گئی۔ میری جیسے لوڑ ہی مک گئی۔" شاجی کے شکوے ختم ہونے میں نہ آ رہے تھے۔
"بس مصروفیت بہت رہی۔ کبھی حویلی، کبھی سارا گھر۔" سیو نے ایک بار پھر دفاع کیا۔
"لو، مجھے تو اس گھڑی تم دونوں ہی بے وفا لگ رہی ہو۔ یہ شاجی مجھے ساتھ لا کر پل (بھول) گئی۔ اور تم سامنے دیکھ کر بھی۔" اسی لمحے نگو نے یوں کر یکدم ہی اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو دونوں جو اب تک واقعی اسے فراموش کیے بیٹھی تھیں، یکدم ہی مسکرا دیں۔

"لے پلا، (لے بھلا) ہم تجھے بھُل سکتے ہیں؟" شاجی نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔
"ہاں، سچی سہیلی ہے میری۔ کم از کم میں تو نہیں بھُل سکتی۔" سیو نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔
"اج تو بہت محبتیں نچھاور ہو رہی ہیں اور اس روز کنوئیں پر کس قدر ناراضگی دکھا رہی تھی تو...... بے چارے بلو کے ہونے تک کا خیال نہ کیا اور چل پڑیں گھڑا اٹھا کر گھر کو...... ہم سب کو چھوڑ کر......" نگو نے اس روز والی بات کا حوالہ دے کر جیسے اس کی ذات کو متنازعہ بنا دیا۔ وہ اپنی جگہ جیسے چور سی ہو گئی۔ اک نگاہ شاجی پر ڈالی۔ وہ اسے متواتر حیرانی سے تک رہی تھی گویا وضاحت درکار ہو۔
تبھی وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
"یہ نگو بھی پاگل ہے۔ مجھے باتوں میں لگا کر بٹھا لیا۔ کچھ شربت وغیرہ بنا کر لاتی ہوں میں تیرے لئے۔ اتنی گرمی میں تو آئی ہے۔"
"تو بیٹھ شاجی کے پاس۔ میں بنا کر لاتی ہوں۔" فوراً نگو اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ اسے مشکور نظروں سے تکتی ہوئی واپس بیٹھ گئی۔
"سب چیزیں چلانی (برتن رکھنے کی الماری) میں ہی ہیں نا۔" نگو نے دروازے پر رک کر دریافت کیا اور تب سیو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ پھر شاجی کی طرف تکنے لگی۔ اس کی نظروں میں اب بھی اسی سوال کا تاثر تھا۔
"یہ کیا کہہ رہی تھی نگو؟" اس نے استفسار کیا۔
"کچھ نہیں......" وہ فوراً ہی زبردستی نفی میں سر ہلانے لگی۔
"تو سنا...... سسرال کیسی ہے تیری۔ اور تیرا دولہا کیسا ہے؟"
"سب ٹھیک ہیں۔ خوش ہیں...... زندگی بڑی پُرسکون گزر رہی ہے۔ سچ ایک الگ ہی سکھ ہے اس زندگی کا بھی۔ کوئی اتنا خیال رکھتا ہے، فکر کرتا ہے، محبت کرتا ہے اور اہم جانتا ہے۔ ساری باتیں جیسے مغرور سا کرنے لگتی ہیں۔" شاجی مسکراتے ہوئے بولی۔ انداز سرشارانہ تھا۔ اس کی پُرکیف کیفیت پر وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"خدا تجھے خوش رکھے۔" شاجی تبھی چارپائی پر پڑی بیڈ شیٹ کے اس فریم کو اٹھا کر تکنے لگی۔
"تیری کہیں گل بات چل رہی ہے؟" بڑے معنی خیز انداز میں شاجی نے پوچھا تو وہ جیسے اچھل پڑی۔ پھر حواس باختہ انداز میں نفی میں سر ہلانے لگی۔
"تو فیر یہ؟" وہ ادھر بیل بوٹوں والی اس بیڈ شیٹ اور سوئی دھاگوں کی طرف اشارہ

کرتے ہوئے شرارت سے مسکرائی۔ ''جہیز کے لئے بنا رہی ہے؟''
اور اُس کا سر نفی میں ہلتا چلا گیا۔ ''چھوٹی بی بی کے لئے ہے۔ چار پانچ مہینے بعد کی تاریخ ٹھہری ہے نا ان کے ویاہ کی۔''
''اچھا...... اچھا......'' اس کے نظریں جھکائے ہونق سے انداز پر شاہجی کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔
''ویسے اپنے لئے بھی بنانا شروع کر دے۔ گل بنتے دیر نہیں لگتی۔'' اس کی جانب معنی خیز انداز سے مسکراتے ہوئے دیکھ کر وہ بولی تھی اور سیوو کا دل یکدم ہی تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔
''یہ نگو کہاں رہ گئی۔ میں دیکھتی ہوں۔'' وہ فوراً ہی اٹھی تھی اور پھر تیزی کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔ دل بہت تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔

✿......✿

میری آنکھوں کو سوجھتا ہی نہیں
یا مقدر میں راستہ ہی نہیں
پھر وہی شام ہے وہی ہم ہیں
ہاں مگر دل میں حوصلہ ہی نہیں
وہ بھرے شہر میں کسی سے بھی
میرے بارے میں پوچھتا ہی نہیں
میں تو اس کی تلاش میں گم ہوں
وہ کبھی مجھ کو ڈھونڈتا ہی نہیں

بہت سی پرانی یادوں کو وہ بکھرائے بیٹھی تھی۔
بہت سے نقش... بہت سے عکس... کچھ ادھورے... کچھ پورے۔ مگر سبھی اپنے۔ بہت اپنے۔ لندن میں گزارے جانے والے حسین ترین دنوں کی یادیں۔ جو اب تصویروں کی صورت البم میں محفوظ تھیں۔ لندن اسکول آف اکنامکس میں بکھرے کئی رنگ...... کئی منظر...... کئی نقش جو اب فقط یادگار بن کر رہ گئے تھے۔ اس کے تمام دوست...... کتنے دلفریب رنگ تھے۔ وہ ایک ایک کو چھو کر دیکھنے لگی۔ محسوس کرنے لگی۔
آج بہت دن بعد تیری یاد نے رستہ روکا ہے۔
وہ بہت سے مناظر کو تکتی ہوئی مسکرا دی۔
بہت دنوں بعد جیسے خود سے ملنے کا احساس ہوا۔ گرینی، زینب اماں، کیتھی، جسیکا، پیٹر، برائن اور نک...... وہی سبز آنکھوں والا اک پاگل سا لڑکا۔ دیوانگی کی حد تک دیوانہ اور......

وہ یکدم مسکرا دی۔
''محبت ہوتی ہے......
محبت ہوتی ہے......
ایک سرگوشی یکدم اس کا احاطہ کرنے لگی۔
''آئی ایم کریزی اباؤٹ یو۔'' ایک نڈر دعویٰ۔
وہ کئی صفحے پلٹتی چلی گئی...... تبھی آہٹ ہوئی...... دروازہ بہت دھیرے سے کھلا۔ وہ چونکی، یکدم ہی البم بند کر دی۔
''ہیلو...... کیا ہو رہا ہے؟'' رہبان عالم شاہ سفید کاٹن کے شلوار کرتے میں اس کے سامنے تھا۔
وہ اسے تکتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔
''میڈیسن لی ہیں تم نے؟'' وہ بہت ذمے دارانہ لہجے میں دریافت کر رہا تھا۔
''اب بہت بہتر ہوں میں۔'' مژگان نے فوراً وضاحت دی۔
''مگر میڈیسن تو پھر بھی لینا ہوں گی۔ ٹریٹ منٹ بہت ضروری ہے۔''
''میں لے چکی ہوں۔'' اس نے گویا جان چھڑائی۔ وہ وہیں بیڈ کے قریب رکا رہا۔ مژگان ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ اسے بیٹھنے کو کہے، تبھی وہ بولا۔
''چلو، سونے کا وقت ہو گیا ہے۔'' مژگان کے پورے جسم میں جیسے ایک سنسنی سی دوڑ گئی۔ پلکیں واضح انداز میں کپکپائی تھیں اور پھر جھک گئی تھیں۔ بہت دھیرے سے اس نے سر اٹھا کر اس اونچے لمبے شخص کو تکا تھا جو اس کے انتظار میں کھڑا متواتر اسی کی جانب تک رہا تھا۔ وہ نظریں جھکا گئی تھی۔ مزید کوئی بحث کرنا مناسب خیال نہ کیا تھا اور بے بسی سے ہونٹ کاٹتی ہوئی اٹھ گئی تھی۔
دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا تھا مگر انکار کے سارے در جیسے بند تھے۔ اور وہ ہمت میں یہ تک بھی نہ کہہ سکی تھی کہ وہ اب پہلے سے بہتر ہے۔ ٹھیک ہے۔
وہ مہربان تھا...... مسیحا تھا۔
اور انکار کی ہمت بالکل بھی نہ تھی اس میں...... تبھی وہ بہت تھکے تھکے قدم اٹھاتی رہبان شاہ کی خواب گاہ میں داخل ہو گئی تھی۔
اس کے بھاری مضبوط قدم اس کے سنگ تھے۔

✿......✿

زندگی کبھی سہل نہیں ہوتی۔
اور ''مشکل پسندی'' جینے والوں کو پسند نہیں ہوتی۔ کیونکہ ''مشکل'' کو آسان کرنے کے لئے بہت سے ناپسندیدہ امور سرانجام دینے پڑتے ہیں۔ بہت سے جان لیوا ادوار سے گزرنا پڑتا ہے اور ایسے میں سارے لمحے دل پر ''قیامت'' برپا کرتے ہیں۔
زندگی جینے کے لئے خود کو بہت سے ''سمجھوتوں'' کا پابند کرنا پڑتا ہے اور سمجھوتے کبھی خوشی سے نہیں وقوع پذیر ہوتے۔
روح مرتی ہے، دل مرتا ہے۔
جان فنا ہونے لگتی ہے۔
جسم بے جان ہونے لگتا ہے اور اس نیم مردہ جسم کو گھسیٹنا اور سفر کرنا بہت مشکل ہے۔
مژگان نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے جیسے از سرِ نو خود کو بہت کچھ باور کرایا تو اور پھر بالکنی سے ہٹ کر واپس اندر آ گئی تھی۔
ابھی ابھی وکیل صاحب اس سے مل کر گئے تھے۔ بہت سی اہم دستاویزات پر دستخط کرنے کے بعد وہ ایک مستحکم پوزیشن کی حامل ہو گئی تھی۔ وہ سب کچھ جو اس نے کبھی کھو دیا تھا، گنوا دیا تھا، آج پھر سے پا لیا تھا۔
بابا سائیں مرنے سے قبل بہت اہم امور سرانجام دے گئے تھے۔ مال و دولت ہی سب کچھ ہوا نہیں کرتے۔ مگر یہ بھی تھا کہ وہ اپنے حق سے دستبردار نہیں ہونا چاہتی تھی۔ وقت نے اسے ڈٹ کر کھڑا رہنے کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ وہ جو کبھی بھی کسی طور سود و زیاں کی حامی نہ رہی تھی، اپنے حق کو حاصل کرنے کے لئے انتہائی اقدام تک اٹھا گئی تھی۔
خود کو یہاں موجود رکھنے کے لئے اس نے اپنی ذات کے حقوق کسی اور کے نام محفوظ کر دیئے تھے۔
اور آج وہ یہ سب پا کر بھی جانے کیوں مطمئن نہ تھی۔
حالانکہ جو چاہا تھا وہی ہوا تھا۔ جو پانا چاہا تھا وہی آج پا لیا تھا۔ مگر اس کے باوجود بے

شاید کلی طور پر ڈرامے کا ڈراپ سین ہو گیا تھا۔ اب شاید مزید کوئی جواز باقی نہ بچا تھا۔
نے خود کو محفوظ کرنے کے لئے جو اقدام کیا تھا آج جیسے اس کی ضرورت ثانوی ہوتی ی تھی۔
تو جدوجہد تھی اس کی اپنے حق کے لئے لڑنے اور اسے حاصل کرنے کی۔ اور آج یہ پنے انجام تک پہنچا تھا۔
پھر......؟
نے یونہی اپنے ہاتھ کی لکیروں کو بغور دیکھا تھا، پھر جانے کیوں ہنس دی تھی۔ ہنستی ی۔ حتیٰ کہ آنکھوں میں بہت سا پانی آن جمع ہوا تھا اور اب وہ کمزور ہونا نہیں چاہتی ی طور پر نہیں۔ تبھی ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا تھا اور پھر جونہی پلٹی تھی، ٹھٹک کر ۔ پشت پر جانے کب سے رہبان عالم شاہ رُکا ہوا تھا۔
خود میں اس قدر مگن تھی، الجھی ہوئی تھی، خبر ہی نہ ہوئی تھی۔ یونہی نظر اٹھا کر دیکھا اس کی جانب بغور تک رہا تھا۔ اگرچہ نظروں میں کوئی خاص تاثر نہ تھا مگر وہ جانے ظریں جھکا گئی تھی۔
پ ہی آپ ہنسنے اور آپ ہی رونے کی لوجک بہت پیچیدہ ہے۔ سمجھائے بنا سمجھنا ر ممکن نہیں۔'' رہبان عالم شاہ کا لہجہ بہت مدھم تھا۔ وہ چونکی تھی۔ بلا ارادہ ہی نگاہ سے دیکھا تھا۔ پھر نظریں جھکا گئی تھی۔ یقیناً وہ جواز مانگ رہا تھا۔ اور وہ کیا کہتی......
اتی......؟
بھی کبھی بہت کچھ واقعی بہت پیچیدہ ہو جایا کرتا ہے۔ سمجھنے کی کوشش میں انسان اور بھی ہے۔'' وہ ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پیوست کرتے ہوئے جانے کیوں ہولے سے تھی۔ ''شاید میں بہت مشکل ہوں۔''
رہبان عالم شاہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ پھر اس ضمن میں مزید کچھ کہنے کا ارادہ ترک تھا۔
آپ کے وکیل صاحب تشریف لائے تھے......!''
ہوں۔'' اس نے یونہی سر ہلا دیا اور تب وہ اسے منتظر نظروں سے دیکھنے لگا۔ گویا اس منتظر ہو کہ وہ خود سے کچھ بیان کرے گی۔ اور اس لمحے یقیناً مژگان اس کی نگاہوں سوال کو پا گئی تھی۔ تبھی بولی۔
بابا سائیں نے مرنے سے قبل اپنی جائیداد میں سے میرے حصے کے کاغذات بنوا دیئے

تھے۔ انہی میں سے کچھ ضروری پیپرز پر میرے سائن ہونے باقی تھے۔"

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔" رہبان عالم شاہ کے لبوں پر یکدم ہی ایک دھیما سا تبسم پھیل گیا تھا۔ مژگان نے دیکھ کر جانے کیوں نگاہ پھیر لی۔

"میں کبھی بھی نفع و نقصان کی حامی نہیں رہی۔ کیونکہ جانتی ہوں کہ روپیہ پیسہ کبھی بھی آپ کے لئے خوشیوں کا باعث نہیں بن سکتا۔ نہ ہی ذات کے خلاؤں کو پُر کر سکتا ہے۔ ہاں پورا کر سکتا ہے تو فقط ظاہری ضرورتوں کو۔ مگر بہت سے مسائل یونہی دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ پیسے کی فراوانی کسی کام نہیں آتی۔ شاید آپ یقین نہ کریں مگر میں نے بہت سے صحن جلتے بجھتے دیکھے ہیں۔" اس کا لہجہ دھیما تھا مگر بہت کسک سی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے بغور دیکھا تھا۔

"آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ بلا تامل اس کے قریب سے گزری تھی۔

"نہیں تم...... تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں۔" رہبان عالم شاہ نے بہت مدھم انداز اختیار کیا وہ رک گئی۔ اسے دیکھا پھر جانے کیوں مسکرا دی۔

"میں ٹھیک ہوں اب۔"

تبھی اس آنے والے خانساماں کی چھٹی کر دی؟"

"ہوں...... ضرورت نہیں تھی۔ میں بہت اچھا کھانا بنا لیتی ہوں۔ میرا دعویٰ ہے۔ آپ کیا خیال ہے؟" وہ بہت دھیمے انداز میں مسکرا کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ اور وہ تب مسکرا کر اثبات میں سر ہلانے لگا تھا۔

"ہاں، وہ کام والی خاتون واقعی کمال کی تھیں۔ انہیں تعینات کر لیا ہے۔" وہ مطلع کر کے واپس مڑ گئی تھی۔ رہبان عالم شاہ کچھ ثانیے یونہی کھڑا اسے دیکھتا رہا تھا، پھر پلٹ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

✿......✿
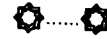
بن تیرے کیا ہے جینا......!
میرے دل کی رانی تم
میری خوشیوں کا موسم
میرے خوابوں کی تعبیر
میرے سپنوں کی تصویر
بن تیرے کیا ہے جینا

بالوں کو ڈرائی کرتے ہوئے وہ بہت دھیمے سُروں میں گنگنا رہا تھا۔ نمیرا نے دہلیز پر قدم ...تھا۔ وہ بہت مگن سا تھا۔ اس کی جانب مطلق توجہ نہ دی تھی۔ وہ وہیں رک کر بغور دیکھنے ...تھی۔

سونی خالی راتیں
روکھی پھیکی باتیں
ہر آہٹ پر چونکوں
تجھ کو ہر سو دیکھوں
تیرے بن تو جیون میرا ہے انتظار
بن تیرے کیا ہے جینا۔

اس کا تسلسل ٹوٹا نہیں تھا۔ تھما نہیں تھا۔ اور شاید نمیرا کے لئے یہ ناقابل قبول تھا۔ تبھی وہ ...انتظار کئے آگے بڑھ آئی تھی۔

اس کی سیٹی کی شوخ دھن متواتر گونج رہی تھی۔ وہ اس کے پیچھے رکی تھی اور اس سے قبل ...اسے متوجہ کرتی، یقیناً وہ اس کا عکس آئینے میں دیکھ چکا تھا۔ تبھی فوراً ہی مڑا تھا۔ اس لمحے ...نے کیوں نمیرا بوکھلا کر رہ گئی تھی۔ اس کی اچانک قربت کے خدشے کے تحت یکدم ہی دو ...پیچھے ہٹنا چاہا تھا مگر بوکھلاہٹ میں پاؤں الجھا تھا اور وہ پشت کے بل بیڈ پر جا پڑی تھی۔ ...عارفین اگرچہ اس لمحے اس کا مذاق اڑانے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا مگر اپنی ہنسی پر اختیار بھی نہ رکھ سکا تھا۔

"ہاہاہا...... ہاہاہا......!" نمیرا نے تپ کر اس کی نقل اتاری۔ "گرنے والوں پر ہنسنا حماقت ہے۔ کیونکہ کل کو آپ بھی گر سکتے ہیں۔" وہ سنبھل کر اٹھی تھی۔ اگر دو قدم پیچھے ہٹنے کا ارادہ نہ ...کرتی تو یقیناً اس کے لمبے چوڑے وجود سے ٹکرا سکتی تھی۔ وہ جس سرعت سے پلٹا تھا، یہ عین ...تھا وہ کسی قدر شرمندہ بھی تھی مگر وہ مسکرا رہا تھا۔

"گرنے والے پر ہنسنا اس وقت منع ہے جب گرنے والے کو کسی چوٹ کا شکار ہونا ...ہے۔ جبکہ تم تو خاصے نرم فوم پر گری ہو۔" وہ مسکراتے ہوئے اس پر تاول اچھال کر پلٹا تھا ...پر فیوم اسپرے کرنے لگا تھا۔ بلیک ٹی شرٹ اور بلیک جینز میں اچھا خاصا معقول لگ ...نمیرا نے بغور دیکھا تھا اور پھر تاول بیڈ پر ایک طرف ڈال دیا تھا۔

"بڑے موڈ میں ہو......!"

"تمہاری صورت دیکھنے کا اعجاز قطعی نہیں ہے۔" وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔ نمیرا کے

چہرے کی کیفیت یکدم بدل گئی۔

"میری صورت اتنی بری قطعی نہیں ہے۔ اپنی وے، تائی اماں تمہیں بلا رہی ہیں۔ فارغ ہو تو آ جانا۔" وہ کہہ کر واپس پلٹی۔ تبھی اعصار نے پیچھے سے پکارا۔ وہ مڑ کر دیکھنے لگی۔ وہ جانے کیوں مسکرا دیا۔ شاید اس کی ناراضگی کے خیال سے۔

"تم قطعی بہت بری نہیں ہو۔" اس نے "بہت" پر زور دیتے ہوئے کہا۔

وہ یکدم ہی مسکرا دی۔ "ہاں...... جانتی ہوں۔" وہ مزید کچھ کہے بغیر پلٹ کر باہر نکل گئی اور تب اعصار اس کے پیچھے ہی امی کی طرف چل پڑا۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھی شیداں کو دوپہر کے کھانے کے لئے ہدایات جاری کر رہی تھیں۔ اسے دیکھتے ہی انہوں نے اسے چلتا کر دیا۔

"ناشتہ کر لیا تم نے؟"

"نہیں... آپ نے بلایا تھا؟" وہ یونہی کھڑا رہا۔ تب امی نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا۔

"ماں کے پاس بیٹھنے کے لئے وقت نہیں ہے؟"

وہ چونکا، پھر مسکراتے ہوئے ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ "سارے وقت آپ کے ہی ہیں۔ حکم کیجئے، جان حاضر کر دوں۔" وہ شوخ ہوا۔

سلمیٰ بیگم مسکرا دیں۔ "خدانخواستہ...... خدا تمہیں میری عمر بھی لگا دے۔ جیتے رہو۔ میں بس تمہاری خیریت کے لئے دعائیں کرتی رہتی ہوں۔ دنوں تک شکل نہیں دکھاتے۔ دور رہتے ہو۔ جان کو فکر لگی رہتی ہے۔ بہت شوق تھا آرمی کا۔ ماں کی فکر نہ تھی۔ ہوتی ہے تو ہوتی رہے جان عذاب میں۔" انہوں نے مامتا بھرا شکوہ کیا۔ وہ مسکرا دیا۔

"ماں...... میری پیاری ماں! آپ کی خواہشوں کا احترام کرنے کے لئے تیار ہوں، موجود ہوں۔ کہئے کیا کہنا ہے۔ کون سا معرکہ سر کرنا ہے؟"

"شادی کر لے بس......" انہوں نے فوراً ہی خواہش کا اظہار کر دیا۔

"کیا......؟"

"بہت پھر لیا آزاد۔ اب کوئی فیصلہ کر ڈال زندگی کے لئے۔ تیری طرف سے فکر لگی رہتی ہے۔ سارے بچے اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوش ہیں۔ زویا ابھی بہت چھوٹی ہے، پڑھ رہی ہے۔ یہ فرائض بہت بے چین رکھتے ہیں۔ بڑے دونوں بیٹے خوش ہیں۔ تیری بھی ہو جائے تو جان سکھ میں آ جائے گی۔"

"ان تمام کاموں کے لئے ایک وقت متعین ہوا کرتا ہے۔ جب ہونی ہو گی، ہو جائے گی۔

زائی!"

سلمیٰ بیگم نے اسے بغور دیکھا، پھر اس کے گھنے بالوں پر دھیرے سے سر رکھ دیا۔ "اپنے قدموں پر کھڑا ہو چکا ہے۔ خیر سے کیپٹن بن گیا ہے۔ اس سے بہتر وقت بھلا اور کون سا ہو گا؟"

"لیجئے...... کیپٹن بن کر کیا زندگی کا نصب العین حاصل ہو گیا ہے؟ ابھی تو بہت سے محاذ پڑے ہیں۔"

"کرتے رہنا باقی کے محاذ بھی فتح۔ فی الحال زیادہ نہیں تو منگنی کر لے۔"

"منگنی کر لوں؟ مگر کس سے۔ کوئی ہو بھی تو۔ میری نظر میں ابھی کوئی خاص اچھی لڑکی نہیں ہے۔" اس نے بات یونہی مذاق میں ٹالی۔ مگر وہ مسکرا دیں۔

"تو پھر میری پسند کی لڑکی دیکھ لے۔"

"آپ کی پسند کی لڑکی؟" وہ لمحہ بھر کو حیران ہوا۔ دماغ میں کہیں دور خطرے کا الارم بجنے لگا۔ وہ یکدم ہی سنجیدہ ہو گیا اور اسی انداز میں امی کی طرف دیکھا بھی مگر وہ اپنے ہی خیال میں مگن مسکرا رہی تھیں۔

"مجھے نمیرا بہت پسند ہے۔" سلمیٰ بیگم نے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔

"کیا......؟" والدہ کے برملا اظہار پر وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ مگر وہ بولتی چلی گئیں۔

"پہلے کبھی اس کو اس زاویئے سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ مگر اچانک ایک دن سوچا تو بہت ...ل لگی۔ بہت خوبصورت ہے۔ حسین تو خیر ساری ہی بہت ہیں، مگر نمیرا کی وجہ سے تمہاری ...بھی بہت پریشان ہیں۔ بات خاندان کی ہے۔ اپنے ہی ایک دوسرے کا احساس کرتے ... بات کسی احسان کی نہیں، وہ لڑکی واقعی اس لائق ہے۔ تیرا کیا خیال ہے؟" انہوں نے ...کر اس کی طرف دیکھا تو وہاں جیسے ساری تازگی اور شگفتگی ایک لمحے میں غائب ہو چکی ... ایک گہرا سانس خارج کرتا ہوا وہ ان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ سلمیٰ بیگم اپنی بات ختم کر ... یقیناً اس کا جواب جاننا چاہتی تھیں۔ وہ کچھ دیر یونہی خاموش رہا، پھر دھیرے سے بولا۔

"یہ آپ کا فقط خیال ہے یا حتمی فیصلہ؟" وہ شاید اس کے ردعمل کے لئے تیار تھیں تبھی ...کی جانب دیکھنے لگیں۔

"کچھ بھی سمجھ لے۔ مگر مجھے تیرے لئے نمیرا سے بہتر کوئی اور لڑکی نہیں لگتی۔ بچپن ساتھ بیتا ... ذہنی ہم آہنگی ہے۔ مزاج آشنا ہو، ایک دوسرے کو سمجھتے ہو، اچھی طرح جانتے ہو۔" ...نا بیگم نے اپنے طور پر بہترین جواز ڈھونڈا۔

مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔
"امی! ساتھ رہنے سے ہم فقط ایک دوسرے کے صورت آشنا ہو سکتے ہیں، مزاج آشنا قطعی نہیں۔ دو چار افراد عرصہ دراز تک ساتھ رہیں تو کسی حد تک واقفیت تو ہو ہی جاتی ہے مگر یہ واقفیت پریکٹیکل لائف گزارنے کے لئے ناکافی ہوتی ہے۔" اس کی نظروں میں ابھی کچھ دیر قبل ملنے والی نمیرا کی شبیہہ لہرا گئی۔ "وہ لڑکی قطعی بری نہیں ہے۔ مگر امی! میں اپنی زندگی کم از کم اس کے ساتھ نہیں گزار سکتا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ تبھی سلمٰی بیگم نے اس کی جانب دیکھا، پھر فوراً بولیں۔
"پھر کیا اس کے علاوہ کوئی......"
مگر اس نے ان کا جملہ درمیان میں کاٹ دیا۔
"امی...... آئی ایم سوری۔ مگر نہ نمیرا نہ کوئی اور۔"
"تو پھر کیا عمر بھر کنوارے رہو گے خدانخواستہ......" وجہ وہ جانتی تھیں مگر پھر بھی مسلسل بے خبر بنی رہیں۔ وہ بہت تھک ہار کر ان کی جانب تکنے لگا۔
"میری طلب کیا ہے، کیا آپ نہیں جانتیں؟" یہ سوال بہت کڑا تھا۔ وہ فوراً ہی نظریں چرا کر رہ گئی تھیں۔ اور تب وہ آہستگی سے جھکتے ہوئے ان کے قدموں میں بیٹھا تھا اور ان کے چہرے کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے بولا تھا۔
"میری خواہش وہی لڑکی ہے جسے اس گھر کے تمام افراد اپنے لئے دشمن اول تصور کئے ہوئے ہیں۔"
"کس کا ذکر کر رہا ہے تو......؟" وہ نظریں چراتے ہوئے گویا ہوئیں اور تب وہ جانے کیوں ہولے سے مسکرا دیا۔
"وہی عام سی لڑکی جس کا حسن نہ تو نمیرا جیسا ہے نہ ہی حیثیت و مرتبہ متاثر کن۔ مگر اس دل کا کیا کروں جہاں ہر طرف وہی بستی ہے۔"
"کون......؟" وہ چاہتے ہوئے بھی زبان سے اس کا نام جانے کیوں نہ لے سکیں۔ وہ جانے کیوں مسکرا دیا۔
"ادعیہ......"
بیٹے کے منہ سے آج پہلی بار باضابطہ اس کا نام سن کر وہ ساکت رہ گئیں۔ مگر وہ بولتا گیا۔
"بہت معصوم اور بے ضرر ہے۔ نہ صرف وہ بلکہ چھوٹے چچا کی پوری فیملی ہی بہت اچھی ہے۔ پلیز امی...... یہ میری خوشی ہے۔ وہ دشمنی نبھانے کے قابل تو قطعی نہیں۔ کبھی آپ اسے

نظر سے بھی تو دیکھئے۔ اگرچہ عام سہی مگر کچھ تو خاص ہوگا اس میں جو آپ کا بیٹا دیوانہ ہوا۔"
سلمٰی بیگم بیٹے کی ہمت پر دنگ رہ گئیں۔ اسی بات کا تو خوف تھا۔ اسی بات کا تو خدشہ اور ہوا بھی سب وہی تھا۔ یہ معاملہ اتنا سیدھا تو قطعی نہیں تھا جتنا انہوں نے اخذ کیا تھا۔ لمحے وہ اسے دیکھے جا رہی تھیں۔ سختی اختیار کرنا وہ قطعی نہیں چاہتی تھیں مگر اس گھڑی چپ نہ رہ سکیں۔
"ایسا قطعی طور پر نہیں ہو سکتا۔ میں اس دہلیز پر قطعی طور پر سوالی بن کر نہیں جاؤں گی۔"
اصرار کتنے ہی لمحے ساکت رہا۔ مگر وہ جیسے پتھر بنی دوسری جانب تکتی رہیں اور تب وہ کھڑا ہوا۔
"گستاخی معاف امی! مگر میں بھی آپ ہی کا بیٹا ہوں۔" بولنے کے ساتھ ہی وہ مڑا تھا پھر چلتا ہوا کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا تھا۔ اور تب کتنے ہی لمحے سلمٰی بیگم دہلیز کی جانب رہی تھیں۔

✿......✿

وہ گہری نیند میں تھی، جب دروازے پر ہونے والی مسلسل بیل نے اسے جاگنے پر مجبور کر یقیناً رہبان عالم شاہ نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے پاس ایک کی (KEY) موجود ہوا کرتی تھی۔ باعث وہ دستک دینے کی زحمت بھی نہیں کرتا تھا یا پھر وہ اسے زحمت نہیں دینا چاہتا تھا۔ ڈور بیل اب بھی مسلسل ہو رہی تھی۔ اس نے لمحہ بھر کو سوچا تھا، پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ کوئی بھی ہو سکتا تھا۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ اور......
اس نے دروازے کے قریب رک کر پوچھنا مناسب جانا۔
"کون...... کون ہے......؟"
"مژگان...... میری بچی! یہ میں ہوں۔ تیری زینب اماں۔"
دروازے کے دوسری طرف ایک جانی پہچانی آواز مدت بعد سنائی دی تھی اور مژگان پر جذبات کی یلغار ہو گئی تھی۔ فوراً ہی آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا تھا اور دوسرے ہی پل ان کے ساتھ لگی آنسو بہا رہی تھی۔ عرصہ دراز کے بعد کسی اپنے کی قربت میسر آئی تھی۔ بعد کوئی شناسا لہجہ سنا تھا۔
زینب اماں اسے پیار سے تھپکے جا رہی تھیں۔
"پگلی...... رونے کی کیا بات ہے۔ چل چپ کر۔ خدا حیاتی دے۔ میل ملاپ ہو ہی جاتا

ہے۔" ان کی اپنی آنکھوں سے بھی پانی رواں تھا۔ اسے دلاسا دیتے ہوئے اپنی آنکھیں بھی نم تھیں۔ "سب خدا کے ہاتھ میں ہے۔ چھوٹے سائیں کے متعلق سنا تو یقین ہی نہ آیا۔ اپنے ہاتھوں سے پالا تھا۔ کب گمان تھا اپنے سے پہلے ملک عدم جاتا ہوا دیکھوں گی۔ مگر رب کو جانے کیا کیا اور منظور ہے۔" زینب بی بی نے اسے جیسے دلاسا دیا۔ مگر اس کے آنسو نہ تھمے۔

"ایسا کیوں ہوگیا اماں...... آخر کیوں؟"

"بیٹا! سب اس ذاتِ پاک کے ہاتھ میں ہے۔ ہم تو اس کاتب تقدیر کے سامنے یکسر بے بس ہیں۔ ایک دن سبھی کو جانا ہے۔ یہ زندگی فانی ہے۔ یہ دنیا جہان فانی ہے۔ بچی ذات فقط اس رب کریم کی ہے، سارا نظام جو چلا رہا ہے، جس کے ہاتھ نظامِ ہستی ہے۔" زینب بی بی نے اس کی آنکھوں کو اپنے ضعیف ہاتھوں سے پونچھا۔

"کیسی ہے تو...... خوش تو ہے نا اپنے گھر میں......؟" انہوں نے مسکرا کر ہولے سے دریافت کیا۔

"اتنی مدت بعد یاد آئی ہے؟" اس کی آواز پھر بھرا گئی۔

"نہ میرے بچے...... روتے نہیں۔"

"آپ نے پلٹ کر خبر تک نہ لی، مرگئی تھی نا میں......"

"خدانخواستہ......" انہوں نے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا۔ "ایسی بری بری باتیں مت کر۔ خدا تجھے میری حیاتی کے دن بھی لگا دے۔ اب ایسی کوئی بات مت کرنا۔ جہاں بھی رہی، تیری خیریت کے لئے دعائیں کرتی رہی۔ ملی نہیں تو کیا ہوا، اتنے عرصے تیری سلامتی کے لئے دعائیں مانگتی رہی ہوں۔ یقین تھا اپنے گھر میں مطمئن اور خوش ہوگی۔ ایک نئی زندگی میں مگن ہوگی۔" زینب اماں اس کے چہرے کو پیار سے تھامتی ہوئی مسکرائیں تو وہ فقط بھیگی بھیگی پلکوں سمیت انہیں جواباً دیکھ کر رہ گئی۔

"تو خوش تو ہے نا؟" انہوں نے اپنا سوال پھر دہرایا۔

"خوش ہونے اور خوش رہنے کی تشریحات بہت مختلف ہیں اماں......" وہ ہولے سے جیسے زبردستی مسکرائی۔ پھر شاید فوراً ہی ان کے خیال سے بولی۔ "آپ کے بغیر اور گرینی کے بغیر کیا میں خوش رہ سکتی ہوں؟" اور وہ جو اس کے پہلے جملے پر قدرے متاسف سی رہ گئی تھیں، یکدم ہی دھیرے سے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو تھام کر اس کی پیشانی پر بوسہ دینے لگیں۔

"میری جان، میرے بچے! بچیاں بیاہ کر اگلے گھر سدھار جائیں تو ماؤں کے لئے قدرے پرائی ہو جاتی ہیں۔ یہ زمانے کی ریت ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ قطعی نہیں کہ ہم نے تمہیں بھلا

" زینب اماں نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لے کر پیار سے دیکھا۔ "تیری گرینی کیسی ... کچھ خبر آئی اس کی جانب سے؟"

وہ جواب میں نفی میں سر ہلانے لگی۔ "آپ دونوں نے مجھے یوں فراموش کیا جیسے کبھی کچھ ... ہی نہیں۔ ترس گئی تھی کسی اپنے کی صورت دیکھنے کو اور آواز سننے کو۔ ایسی ہی بوجھ تھی ...؟" اس نے پھر بھرپور شکوہ کیا۔ وہ گہرا سانس خارج کر کے رہ گئیں۔

"میری بچی! کبھی کبھی دل پر بھاری پتھر بھی رکھنا ہی پڑتا ہے۔ یہی نظامِ دنیا ہے۔ خیر ... تو ان باتوں کو، وہ تیرے سر کا سائیں کہاں ہے؟ خوش تو ہے نا اس کے ساتھ۔ خیال تو ... ہے نا وہ تیرا......؟" زینب بی بی نے مسکرا کر دریافت کیا تو وہ پہلے ان کی جانب تکنے لگی، ... بہت دھیرے سے سر اثبات میں ہلا دیا۔ انہیں اس معاہدے کی کچھ خبر نہ تھی۔ وہ کیا کہتی ... ہے، دل کا غبار کیا دھوتی۔ سو سارے داغ یونہی لگے رہنے دیئے اور مسکراتی ہوئی انہیں ... ازدواجی زندگی کے خوشحال ہونے کا یقین دلاتی رہی یا پھر اپنی سی کوشش کرتی رہی۔ شاید ... کامیاب رہی تھی اس کوشش میں تبھی زینب اماں کے چہرے پر قدرے اطمینان سا دوڑتا ہوا ... آ رہا تھا۔ پھر وہ کتنی ہی دیر ان سے باتیں کرتی رہی تھی۔ گزرے کل کی باتیں، گرینی کی ...۔ اور وقت گزرنے کا سرے سے احساس ہی نہ ہوا تھا۔ لگ رہا تھا جیسے آج مدت بعد ... سے ملی ہو۔

"رہبان بچہ کب آتا ہے واپس؟" شام کے سائے گہرے دیکھ کر انہوں نے دریافت کیا

۔

"وقت تو ہو چلا ہے۔" اس نے مختصراً کہا۔ تبھی دروازے پر بیل ہوئی۔

"شاید آ گیا ہے۔" زینب بی بی فوراً بولیں۔ "بہت لمبی عمر ہے خیر سے بچے کی۔ ابھی ... نام لیا اور ابھی وہ پہنچ بھی گیا۔" وہ مسکرائیں۔ مژگان بہت ہولے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ... وہ حتمی طور پر جانتی تھی کہ دروازے پر رہبان عالم شاہ قطعی طور پر نہ تھا۔ یہی سوچتی ہوئی ... دروازے تک آئی تھی۔ کون تھا دروازے کی دوسری جانب، وہ قطعی طور پر نہیں جانتی تھی۔

ڈور بیل ایک بار پھر بجی تھی۔

اور تب اس نے بہت ہولے سے ڈور اوپن کر دیا تھا۔ مگر سامنے ایک غیر متوقع ہستی کو ... کر حیران رہ گئی...... کب ... گمان تھا، ایسا بھی ہو سکتا ہے...... کاٹو تو جیسے بدن میں لہو نہیں ... کیفیت تھی۔

... کے سامنے بجل عباس نقوی کھڑی تھی......!

غالباً اس کے لئے بھی اس کی ذات کسی دھچکے کا باعث تھی، تبھی قدرے حیران ہونے کے بعد گویا ہوئی تھی۔

"کیا یہ مکان مسٹر رہبان عالم شاہ کا ہے؟" اس کی آواز اور لہجے دونوں میں حیرت بہت واضح تھی۔ مژگان نے چونکتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"یس...... آف کورس...... اندر آیئے نا آپ۔"

تجل دھیرے سے اندر بڑھ آئی تھی۔ ساتھ ہی مسلسل حیرت کے ساتھ اسے دیکھنے کا سلسلہ بھی جاری و ساری تھا۔ یقیناً اس کی ذات اس کے لئے حیرت اور پریشانی کا باعث تھی۔ ایک خوبصورت، حسین اور نوجوان لڑکی کا رہبان عالم شاہ کے فلیٹ پر موجود ہونا اس کے لئے یقیناً حیرت کا باعث تھا۔

مژگان اس کی کیفیت اور موقع کی نزاکت کو سمجھتی تھی۔ تبھی اسے دیکھتی ہوئی دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

"آپ حیران ہیں......؟"

"تم......؟" تجل نے بلیک جینز اور مسٹرڈ ڈھیلی ڈھالی ٹی شرٹ میں ملبوس لڑکی کو بغور دیکھا۔ اگرچہ وہ بہت ہی رف سے حلیے میں تھی مگر انداز انتہائی حد تک متاثر کن تھا۔ اس کے دریافت کرنے پر مژگان چونکی قطعی طور پر نہ تھی۔ وہ یقیناً پوری طرح بیدار تھی۔ اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گئی۔ پھر اسی قدر اطمینان سے مسکراتی ہوئی وہ دھیرے سے گویا ہوئی۔

"وہ میرا کزن ہے۔ میں اور میری والدہ کل رات ہی یہاں آئے ہیں۔" اس نے بہت مہارت اور اعتماد کے ساتھ ایک جھوٹ نبھایا تھا۔ تجل اسے بغور تکنے لگی تھی۔

"اچھا...... مگر رہبان نے تو مجھے ایسا کچھ نہیں بتایا۔"

"شاید انہوں نے ضروری نہ جانا ہو۔" مژگان دھیرے سے مسکرا دی تھی۔ پھر اس کے مزید سوالات کی زد سے بچنے کے لئے فوراً ہی بولی تھی۔ "آپ ٹھنڈا لیں گی یا گرم؟"

"نو تھینکس۔" تجل نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔ پھر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"کیا گاؤں سے آئی ہو تم؟" اس نے گویا تحقیقات کا دفتر کھولا۔ مژگان پہلے چونکی، پھر بہت اعتماد سے بولی۔

"اوں...... ہوں، لندن سے۔"

"اوہ......" وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ "مگر رہبان نے تو مجھے کبھی نہیں بتایا کہ اس کی

کوئی کزن لندن میں بھی ہے۔"

اس کے الجھے ہوئے انداز پر جانے کیوں مژگان ہنس دی۔

"آپ تجل عباس نقوی ہیں نا؟"

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟" وہ شدید ترین حیران ہوئی۔

"رہبان نے بتایا ہے۔ نہ صرف بتایا ہے بلکہ اس کے کمرے میں ہر طرف آپ ہی کے عکس آویزاں دیکھے ہیں۔" وہ مسکراتی ہوئی بہت دوستانہ سے انداز میں گویا ہوئی تھی اور اس لمحے تجل یکدم ہی مسکرا دی تھی۔

"دیوانہ ہے وہ تو" اس کے چہرے کا تبسم دلکش ترین تھا۔ مژگان نے بغور اس کے چہرے کے رنگوں کو دیکھا تھا۔

"محبت کا دوسرا نام ہی دیوانگی ہے۔ اینی وے، رہبان عالم شاہ کی چوائس بہت اعلیٰ ہے۔ جیسا سنا تھا، ویسا ہی پایا۔" اس کے لہجے میں ستائش ہی ستائش تھی اور تجل ایک بھرپور استحقاق کے زعم کے ساتھ مسکرا دی تھی۔ پھر بولی۔

"رہبان ابھی تک آیا نہیں؟"

"نہیں، ابھی تک نہیں۔" اس نے مدھم سے لہجے میں گویا تصدیق کی۔ "آپ سے نہیں ملے؟"

"نہیں۔ فون پر دوپہر کو بات ہوئی تھی۔ میں سمجھی اب تک گھر پہنچ گیا ہوگا۔ اینی وے، شاید کوئی ضروری کام نکل آیا ہو۔"

"آپ انتظار کر لیجئے......" مژگان نے بہت ہولے سے آفر دی۔ وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پھر دوسرے ہی پل کچھ سوچتی ہوئی نفی میں سر ہلانے لگی۔ تبھی کمرے سے زینب بابی نکلی تھیں۔ تجل بغور تکنے لگی تھی۔ تبھی مژگان نے فوراً دفاعی نشست سنبھالی تھی۔

"میری والدہ......!"

"السلام علیکم......!" اس نے فوراً ہی سلام کیا تھا۔ زینب بی بی نے جواب دیتے ہوئے مژگان کی طرف دیکھا تھا۔ تبھی تجل اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ مژگان نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔

"اچھا ہوتا جو آپ انتظار کر لیتیں۔ ہوسکتا ہے ابھی وہ آ جائیں۔"

تجل اس کی طرف تکتی ہوئی نفی میں سر ہلانے لگی۔

"میں موبائل پر رابطہ کر لوں گی۔ تھینک یو ویری مچ...... اللہ حافظ۔" تجل دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ مژگان نے اس کی تقلید کی تھی۔ پھر اس کے باہر نکلتے ہی اس نے ایک گہرا

سانس خارج کرتے ہوئے اپنے تمام اعصاب کو ریلیکس کیا تھا اور وہیں دروازے کے ساتھ رک کر گہرے گہرے سانس خارج کرنے لگی تھی۔ یقیناً اس نے ایک بڑا محاذ سر کیا تھا۔ زینب بی بی نے اس کی جانب استفہامیہ نظروں سے دیکھا تھا اور تب وہ صورتحال کو یقیناً سنبھالا دینے کو مسکراتی ہوئی ان کی جانب بڑھی تھی۔

''دو چار دن کی بیماری نے تو بالکل ہی ناکارہ کر ڈالا ہے۔ دو قدم چلتی ہوں تو سانس پھولنے لگتا ہے۔'' اس کے لہجے میں جھوٹ کی ملاوٹ پتہ نہیں زینب بی بی نے محسوس کی تھی یا نہیں البتہ انہوں نے اس ضمن میں کچھ کہا نہیں تھا۔ ہاں تجل کے متعلق انہوں نے ضرور پوچھا تھا۔

''یہ لڑکی......؟''

''رہبان کے آفس کی تھی۔ آپ بیٹھئے، میں رات کے کھانے کی تیاری کرتی ہوں۔'' اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا تھا۔ مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھیں۔

''نہیں، اب چلوں گی میں۔ پھر آؤں گی۔''

''قطعی نہیں۔ اتنے عرصے میں پہلی بار آئی ہیں۔ ایسے تو قطعی میں جانے نہیں دوں گی۔'' اس نے اندر کی تمام کیفیات پر قابو پاتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا اور پھر کچن کی جانب بڑھ گئی تھی۔

✿......✿
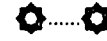
ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ موسم بہت ہی حسین و دلفریب تھا۔ وہ گاہے گاہے کاموں میں مصروف یہ بات واضح محسوس کر سکتی تھی کہ سب سے باتیں کرتے اور بظاہر شوخیاں اور قہقہے بکھیرتے ہوئے بھی اس شخص کی نگاہیں اسی پر تھیں اور ان نظروں میں آج نہ تو کوئی ستائش تھی نہ ہی کوئی شوخی یا شرارت کا احساس۔

اس نے دو چار بار چونک کر دیکھا تھا اور تب جیسے وہ انجان ہو گیا تھا۔ ''یہ آج اسے کیا ہو گیا؟'' اس نے لمحہ بھر کو سوچا تھا اور پھر سر جھٹک کر کاموں میں مصروف ہو گئی تھی۔ مگر جانے کیوں دھیان اسی طرف لگا رہا۔ وہ چائے سرو کر رہی تھی جب کسی نے ٹی وی کی آواز یکدم ہی بڑھا دی تھی۔

تمہیں دل لگی بھول جانی پڑے گی محبت کی راہوں میں آ کر تو دیکھو
تڑپنے پہ میرے نہ پھر تم ہنسو گے کبھی دل کسی سے لگا کر تو دیکھو

بہت ہولے ہولے چلتی ہوئی وہ اس کے قریب پہنچی تھی۔ دھیرے سے نگاہ اٹھائی تھی۔ لمحہ

دیکھا تھا مگر سامنے والا قطعی متوجہ نہ تھا۔

''چائے......!'' بہت مدھم آواز بمشکل حلق سے برآمد ہوئی تھی۔

سامنے والا یکسر بے خبر رہا تھا۔

''چائے......!'' لامحالہ اس نے پھر مخاطب کیا تھا۔ تسلسل لمحہ بھر کو ٹوٹا۔ نظریں ملیں۔

نہ جانے کیا تھا اس کی نگاہوں میں، نظریں جھکتی چلی گئی تھیں۔

''فار گاڈ سیک اعصار! تم قوالیاں کب سے سننے لگے؟'' شعاع نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے احتجاج کیا۔ اس نے بہت آہستگی سے والیم کم کیا۔

''چائے......!'' ادعیہ نے پھر ہمت کر کے پکارا۔ اس نے اب کے بھرپور نظروں سے ا۔ پھر کپ دھیرے سے تھام لیا۔

''نوازش، شکریہ، مہربانی۔'' اس کا لہجہ اور انداز دونوں ہی بے تاثر تھے۔ لہجے میں ہلکا سا کا رنگ بھی تھا۔ اگر وہ اپنے رویے سے اسے زچ کرنا چاہ رہا تھا تو وہ یقیناً کامیاب وہ فوراً ہی چہرے پر ناگوار تاثرات کے ساتھ مڑی تھی اور کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی تھی۔ وہ واپس کچن کی سمت جا رہی تھی۔ وہاں رانیہ تنہا رات کے کھانے کی تیاری میں مصروف ا۔

''ادعیہ......! چھت پر سے کپڑے اتار لاؤ، بارش تیز ہو گئی ہے۔'' امی نے کھڑکیاں بند تے ہوئے اسے با آواز بلند پکارا تھا اور تب اس نے فوراً ہی اپنا رخ چھت کی جانب نے والے زینے کی جانب موڑ دیا تھا اور بہت تیزی کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی۔ واقعی ناصی تیزی اختیار کر چکی تھی۔ ابھی تھوڑی دیر قبل تک فقط ہلکی ہلکی بوندا باندی تھی تب اس کے گمان میں نہ تھا کہ بارش یکدم ہی اتنی تیزی اختیار کر لے گی۔ وہ بہت تیزی ساتھ تار پر سے کپڑے اتار رہی تھی اور اسی تیزی کے ساتھ بھیگتی بھی جا رہی تھی۔

فضا میں بہت دنوں سے ایک حبس اور گھٹن سی تھی۔ گرمی اپنے عروج پر تھی اور آج اچانک جیسے قدرت مہربان ہو گئی تھی۔ وہ کپڑے تار پر سے اتارتے اتارتے لمحہ بھر کو فطری اس کے رنگ میں رنگنے لگی تھی۔ اس ابر کرم کو محسوس کرنے کو لمحہ بھر میں دل مچلا تھا۔ موسم دل کے دروازے پر جیسے دستک دی تھی اور اس نے مسحور سی ہو کر لمحے بھر میں پٹ وا کر یے تھے۔ اس نے کپڑے وہیں چارپائی پر ڈال کر باقی ماندہ کپڑے اتارنے کے لئے تار پر رکھا تھا اور پھر یونہی سر اٹھا کر آسمان کی طرف تکنے لگی تھی۔

بھیگتی راتوں کا منظر بہت خوابناک تھا۔ چھت پر دھرے پودوں کی مہک اس ماحول کو

بہت پُرفسوں بنا رہی تھی۔ وہ لحہ بھر کو آنکھیں بند کر کے اس تازگی کو اپنے اندر اتارنے لگی تھی۔ بہت تیزی کے ساتھ بوندیں چہرے پر گر رہی تھیں اور اس کا اندر تک جیسے سرشاری سے سیراب ہوتا جا رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا یونہی کھڑی بھیگتی رہے۔ مگر جلد ہی اسے چونک جانا پڑا۔ کسی کی نگاہوں میں گرمئ شوق شاید بہت شدید تھا۔ وہ یکدم ہی آنکھیں کھول کر پلٹی تھی۔ دو چار قدم کے فاصلے پر اعصار شیخ تھا اس کی جانب متواتر تکتا ہوا۔

اور وہ یکدم ہی چونک کر قدرے بوکھلائے ہوئے انداز میں دوپٹہ درست کرنے لگی تھی۔ وہ پوری طرح بھیگ چکی تھی۔ لان کا فیروزی سوٹ بھیگ کر یقیناً اس کی خجالت بڑھا رہا تھا۔

وہ تیزی کے ساتھ اس کی جانب سے دھیان ہٹا کر باقی ماندہ کپڑے تار پر سے اتارنے لگی تھی۔ اعصار شیخ مضبوط قدموں پر چلتا ہوا عین اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ تپش سے بھرپور نگاہیں جیسے مقابل کو مکمل طور پر جھلسانے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ وہ اس کے تیور پر چونکی تھی۔ مگر جانے کیوں کچھ کہنے کی یا لب وا کرنے کی ہمت مفقود تھی۔ اعصار شیخ نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی پر دھر دیا تھا۔ ادعیہ کو جیسے کوئی انگارہ چھو گیا تھا۔ بہت مشکل سے وہ اس کی جانب دیکھنے کی ہمت کر پائی تھی۔ اعصار شیخ کی نگاہیں جیسے اس کے چہرے پر گڑی تھیں۔ نگاہوں کی تپش سے سارا وجود جھلستا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں کچھ تھا۔ تبھی وہ دوسرے ہی پل نظریں جھکا گئی تھی۔ دل سینے میں دھڑک کر یکدم ہی اپنی موجودگی کا احساس دلانے لگا تھا۔

”یکطرفہ سفر بہت کٹھن ہوا کرتا ہے۔ جانے کیوں مجھے اس کا احساس نہ ہوا۔“ اس کی گرم گرم سانسیں اس کے چہرے پر تھیں۔ اس کا وجود کانپنے لگا تھا۔ اس کا یہ روپ بہت مختلف تھا۔ پہلے سے کہیں زیادہ مختلف، شدید جنونی اور شدت انگیز......!

وہ پیچھے ہٹ جانا چاہتی تھی۔ مگر اس کی گرفت بے حد مضبوط تھی۔ اسے جیسے اس گھڑی کسی بات کا احساس نہ تھا۔

”ایسا کیا تھا جو پاگل ہو گیا تھا میں......؟“ بہت ہولے سے مسکرا کر ا ، ے اس کے چہرے کو چھوا تھا اور اس کے لمس سے جیسے وہ جلنے لگی تھی۔

”جی چاہتا ہے تمہیں بھی اس آتش میں جلا دوں، جس میں پل پل میں جل رہا ہوں، راکھ ہو رہا ہوں۔“ لہجہ دھیما تھا مگر شدت بے انتہا۔ وہ جانے کیوں پلکیں اٹھانے کی جرأت نہ کر سکی۔

”جانے کیا لطف ملتا ہے اس بے خبری میں، اس بے اعتنائی میں......؟“ وہ یقیناً شکوہ

[کر رہا] تھا۔ مگر ادعیہ جیسے پتھر کی ہو چکی تھی، سنتے ہوئے بہری تھی اور...... جانے کیوں وجود [حر]کت کے قابل بھی نہ رہا تھا۔

اعصار شیخ شاید طنزاً مسکرایا تھا۔ اس کی کلائی پر اس کی گرفت مضبوط ہوتی چلی گئی تھی۔

”دل تو سدا سے مشکل میں تھا، اب تو جان پر بن آئی ہے۔ مگر تم سے کہنے سے کیا حاصل [ہو]گا۔ پتھر سے سر ٹکرانے سے اپنا سر زخمی ہوتا ہے۔“ اور پھر مضبوط قدموں پر گھوم کر دوسرے [ہی پ]ل سیڑھیاں اترتا چلا گیا تھا۔

بلب کی مدھم سی لو میں اس نے اس کی چوڑی پشت کو دیکھا تھا، پھر اپنی کلائی پر موجود اس [کی] گرفت کے نشان کو تکنے لگی تھی۔ اس کا لمس ابھی تک زندہ تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا [تھ]ا۔ وہ ہمیشہ ہی سے جارحانہ انداز رکھتا تھا مگر آج کا رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

اس کے لئے اعصار شیخ کی دیوانگی ہمیشہ ہی سے عروج پر رہی تھی۔ مگر آج تو دل میں بے تحاشا دھکم پیل تھی۔ یہاں سے وہاں تک ہلچل ہی ہلچل، طوفان ہی طوفان......!

بارش ہو رہی تھی۔ وہ اب بھی بھیگ رہی تھی۔ مگر جیسے سارا وجود جل رہا تھا۔

✿......✿

وہ بالکنی میں کھڑی کسی غیر مرئی نقطے کو گھورے جا رہی تھی۔ سمندری ہوائیں بدن کو چھو کر [گ]زر رہی تھیں۔ فضا معطر تھی۔ رہبان عالم شاہ کے اپارٹمنٹ کی لوکیشن بے حد شاندار تھی۔ [س]مندر چند ہی قدم کے فاصلے پر تھا۔

کافی کا کپ اس کے ہاتھ میں تھا مگر اس نے ایک سپ بھی نہیں لیا تھا ابھی تک......

ذہن بہت عمیق گہرائیوں میں بھٹک رہا تھا۔

وہ خود میں اتنی مگن تھی کہ رہبان عالم شاہ کے اپنے قریب آ کر رکنے پر بھی نہیں چونکی۔ اسی قدر بے خبری سے کھڑی رہی۔ اور شاید تبھی اسے خود مخاطب کرنا پڑا۔

”ہیلو...... یہ خلاؤں میں کیا تلاش کیا جا رہا ہے؟“

وہ اس کے مدھم لہجے پر چونکی، پھر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”آپ کو لگ رہا ہے کہ میں کچھ تلاش کر رہی ہوں؟“ اس نے یونہی پوچھا تھا۔ وہ اس کی [ج]انب بغور تکنے لگا۔

”تمہارا انداز کچھ اسی طرح کا تھا۔“

اس نے پھر دوبارہ نظریں کسی نہ نظر آنے والے منظر پر مرکوز کر دیں۔

”یہاں تو کچھ بھی واضح نہیں۔ نہ منظر نہ راستہ۔ پتہ نہیں یہاں رستہ ہے بھی یا نہیں۔ کس

قدر اندھیرا ہے۔ کون یقین سے کہہ سکتا ہے کہ یہاں راستے ہوں گے اور ان راستوں کے اختتام پر منزلیں۔'' اس کا لہجہ اور انداز دونوں ہی بہت کھوئے کھوئے سے تھے۔ رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا تھا۔ تبھی وہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی جانے کیوں مسکرا دی تھی۔ جیسے اپنے پاگل پن کا اعتراف خود بھی ہو۔ اس کی گفتگو ذومعنی تھی۔ بہت سے مفہوم پوشیدہ تھے۔ مگر جانے کیوں وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''وہاٹس میٹر......؟'' وہ اس کی کیفیت پر پوچھے بغیر نہ رہ سکا۔ مگر وہ پہلے چونکی پھر فوراً ہی نفی میں سر ہلانے لگی۔

''آپ نے سجل سے رابطہ کیا تھا؟'' اس نے یکدم ہی دریافت کیا تھا اور تب وہ اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔ پھر سامنے کی جانب دیکھتے ہوئے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''ہوں...... اُس کا فون آیا تھا۔'' وہ یقیناً اس کے یہاں آنے اور باقی کی صورتحال سے آگاہ تھا۔ مژگان نے اس کی جانب دیکھا تھا، شاید اس کا ری ایکشن جاننے کو۔ مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھی۔

''کوئی ضروری کام تھا......؟'' اگرچہ وہ حق نہیں رکھتی تھی مگر جانے کیوں پوچھ گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے لمحہ بھر کو دیکھا تھا، پھر دھیرے سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہوں...... وہ بیرونِ ملک جا رہی ہے۔ اس کا جانا بھی ناگزیر تھا۔ اسی سے متعلق آگاہ کرنا چاہتی تھی۔''

''اوہ......'' اس نے جیسے افسوس کا اظہار کیا۔ پھر دوسرے ہی پل یونہی اندھیروں پر نظر جما دی۔ تبھی رہبان عالم شاہ کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''تمہاری بہت تعریف کر رہی تھی۔''

''اچھا......؟'' اس کے لئے قطعی طور پر غیر متوقع تھا یہ۔ تبھی وہ حیران ہونے کے ساتھ ساتھ مسکرائے بنا بھی نہ رہ سکی تھی۔

''دریافت کر رہی تھی کہ اپنی اس کزن کے متعلق پہلے کیوں نہ آگاہ کیا؟''

وہ اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ وہاں قطعی طور پر اب کے سنجیدگی کا عنصر نہ تھا۔ وہ اس کی شرارت سمجھتے ہوئے ہنس دی تھی۔

''آپ جھوٹ بہت صفائی سے بولتے ہیں۔''

وہ مسکرا دیا تھا۔ ''آج قدرے فریش لگ رہی ہو۔''

''یہ زینب اماں کی محبت کا کمال ہے۔ میں واقعی آج خود میں ایک طمانیت کا احسا

تے محسوس کر رہی ہوں۔'' وہ اس کے بغور دیکھنے پر نگاہیں سامنے مرکوز کرتے ہوئے بولی

ی۔

''شاید تم نے آج ''آزاد فضاؤں'' کو اپنا دوست بنا لیا ہے؟'' وہ اس کے خلاف معمول ی میں کھڑے ہونے پر بولا تھا۔

''شاید...... کبھی کبھی انسان اندر کی بہت، بے تحاشا گھٹن سے گھبرا بھی تو جاتا ہے۔''

''تبھی تو کہتے ہیں دریچے کھلے رکھنے چاہئیں تاکہ ہوا کا گزر ہوتا رہے۔'' رہبان نے کہا اور وہ فقط مسکرا کر رہ گئی تھی۔ پھر شاید یونہی گفتگو کو جاری رکھنے کو پوچھنے لگی تھی۔

''سجل کب تک جا رہی ہے؟''

''جلد ہی...... اس کے والد کو عرصے سے ہارٹ پرابلم تھا۔ ڈاکٹرز متواتر کہہ رہے تھے مگر ل کے فرض سے شاید سبکدوش ہونا چاہ رہے تھے۔''

''اوہ......!'' اس کے لبوں سے جانے کیوں بے ساختہ نکل گیا تھا۔ جیسے اسے شدید ترین وس ہوا ہو یا پھر شرمندگی کا احساس کہ وہ اگر ان کے بیچ نہ آتی تو وہ اپنی نئی زندگی کا آغاز ر چکے ہوتے۔

اس گھڑی وہ خود کو راہ میں پڑا ہوا پتھر لگی تھی اور تبھی شاید اس کا سر جھک گیا تھا۔ رہبان م شاہ نے اسے دیکھا تھا، پھر جانے کیوں اور کیا سوچ کر اس کے نازک سے ہاتھ پر اپنا بوط ہاتھ دھر دیا تھا۔ مژگان چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ لمحہ بھر کو نگاہیں ملی تھیں، پھر جھک گئی ں اور تب نہ تو مزید وہ کچھ کہہ سکی تھی، نہ رہبان عالم شاہ نے کچھ کہا تھا۔

✿......✿

جانے کیوں اندر کا موسم کچھ حد تک ناخوشگوار محسوس ہو رہا تھا۔ صبح بھی یونیورسٹی کا موڈ ی طور پر نہ تھا مگر وہ پھر بھی تیار ہو کر نکل آئی تھی۔ مگر یہاں آ کر کلاسز لینا بے حد دُشوار ۔ رہا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ تینوں کلاسز لے کر ہی گھر کے لئے نکلی تھی۔ ذہن مسلسل تھکا ا سا محسوس ہو رہا تھا جیسے کچھ بھی اختیار میں نہ لگ رہا تھا۔

وہ اسٹاپ پر تھی جب ایک سفید گاڑی اس کے پاس آن رُکی تھی۔ اس نے بہت چونک کر لھا تھا۔ کھڑکی کا شیشہ اترا ہوا تھا اور اعصار شیخ ڈرائیونگ سیٹ پر براجمان نظر آیا تھا۔

اگرچہ اس کے لئے قطعی طور پر اس کی آمد غیر متوقع تھی مگر وہ چونکی قطعی نہیں تھی۔ اعصار ا نے اس کے لئے فرنٹ ڈور اوپن کیا تھا اور وہ بہت خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ پھر یہ موشی اس سے اگلے لمحوں تک برقرار رہی تھی۔ اعصار شیخ نے اسے کھڑکی کی طرف رخ

پھیرے بیٹھے دیکھا تھا، پھر نظریں دوبارہ ونڈ اسکرین پر مرکوز کر دی تھیں۔ جانے کیوں اس کا لاتعلق سا انداز کسی طور ہضم نہ ہوا تھا۔ مگر وہ ہمیشہ ہی اس کا امتحان لینے کے درپے رہتی تھی۔ جانے کیوں؟ اِک سرسری انداز کی نگاہ نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا تھا، پھر نظریں واپس پلٹ آئی تھیں۔

''اتنی چپ کیوں ہو؟'' اس نے بہت سپاٹ سے لہجے میں دریافت کیا تھا۔ ادعیہ نے چہرے کا رخ اس کی سمت کیا تھا، اسے بغور دیکھا تھا۔ نظریں ملی تھیں اور وہ پھر سے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ گویا خاموشی سے احتجاج کیا تھا۔ اعصار شیخ جانے کیوں یکدم ہی مسکرا دیا تھا۔ اب تک کے تنے ہوئے اعصاب میں یکدم ہی تبدیلی رونما ہوئی تھی۔

''اپنے سارے تیر تم مجھ پر ہی کیوں آزماتی ہو؟'' بہت غیر مبہم سا سوال تھا۔ ادعیہ نے چونک کر دیکھا تھا۔ اس کی نظروں کا رخ اس کے چہرے پر تھا اور وہ جو بہت سخت سا کوئی جملہ جواباً کہنا چاہتی تھی، جانے کیوں اس کی نظروں نے اس گھڑی اس کے سارے ارادے توڑ دیئے تھے۔ اعصار شیخ جانے کیوں اس لمحے ہنس دیا پھر دوسرے پل نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

''یہ میرا دیوانہ پن ہے۔'' اس کے لبوں پر بہت زخمی سی مسکراہٹ تھی۔ ''ایک ہی خدشہ ستاتا رہتا ہے مجھے، کہیں تنہا نہ رہ جاؤں۔ افسوس میں تو شکایت کا حق بھی محفوظ نہیں رکھتا۔'' انداز بہت پُر افسوس تھا۔

بہت سے خدشے تھے۔ وہ شاید اسے کوئی الزام دے رہا تھا۔ ادعیہ نے تمام تر ہمتیں مجتمع کر کے اس کی سمت دیکھا تھا اور تب وہ اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

''اگر تمہیں پتہ چلے کہ میں تمہیں اس گھڑی اغوا کر چکا ہوں، تم کڈنیپ ہو چکی ہو تو؟'' اس کے لبوں پر مسکراہٹ یکدم ہی گہری ہو چکی تھی۔ ادعیہ کی نگاہوں میں بہت سے احتجاج تھے یا پھر بہت زیادہ حیرت۔ اور وہ اس گھڑی ہنس دیا تھا۔

''خوفزدہ ہو رہی ہو؟'' مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''تمہیں خوفزدہ ہونا بھی چاہئے۔ میں بہت حوصلہ مند ہوں۔ بڑے سے بڑا اسٹینڈ لینا میرے لئے کوئی مشکل نہیں۔'' وہ اپنے نڈر اور بے خوف ہونے کا یقین دلا کر جیسے اسے خوفزدہ کرنا چاہ رہا تھا یا پھر محض تنگ کر رہا تھا۔ گاڑی جانی پہچانی راہوں پر رواں دواں تھی۔ وہ فقط چپ تھی۔ خوفزدہ قطعی نہ تھی۔ وہ یقیناً اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ یقیناً اعصار شیخ کے کہے کو مذاق کے زمرے میں رکھ رہی تھی۔

''تمہیں ڈر نہیں لگ رہا؟'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''تم کیوں چاہتے ہو کہ میں تم سے ڈروں؟'' اب کے اس نے تمام قفل توڑ دیئے تھے۔ کا سوال شاید بہت بے معنی تھا۔ تبھی شاید وہ یکدم ہی مسکرا دیا تھا۔

''تمہاری یہ معصومیت کسی روز جان لے لے گی میری۔''

''تم کس شوق میں امتحان لے رہے ہو میرا؟'' وہ سلگتے ہوئے انداز میں بولی تھی۔

''یہی سوال اگر میں تم سے پوچھوں تو؟'' وہ بہت مطمئن انداز میں جیسے اسے اور بھی تپا تھا۔

''اعصار شیخ! یہ ضروری نہیں ہے کہ جیسا جیسا تم سوچو، سب ویسا ویسا ہی ہو۔''

''چلو، جیسا ہم دونوں چاہتے ہیں ویسا ہی ہو جائے گا۔''

ادعیہ نے واضح انداز میں گھورا تھا اسے۔ مگر ·· ی جانب اس کا کوئی ری ایکشن نہ ہوا

''حرج ہی کیا ہے اگر ہم اپنی مرضی سے زندگی کا آغاز اپنے طور سے کر دیں۔ دونوں اللہ سے بالغ ہیں۔ اپنے لئے فیصلہ کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔''

ادعیہ کو جیسے کرنٹ چھو گیا تھا۔ دل نے جیسے سینے میں بھونچال برپا کر دیا تھا۔ وہ سلگتے ہُ اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ اس سے کچھ بعید بھی نہ تھا۔ ہمیشہ سے سرپھرا تھا۔ جارحانہ اس کا خاصا تھا۔ کچھ بھی کر گزر سکتا تھا۔ اب تک وہ فقط اس لئے چپ تھی کہ کسی قدر بار'' قائم تھا۔ مگر اس کے مسلسل بدلے ہوئے تیور اس کے اوسان آخر کار خطا کر ہی تھے۔

'یہ محبت ہے مائی ڈیئر! اور محبت میں سب جائز ہے۔''

'یہ پاگل پن ہے تمہارا۔ میں نے ہمیشہ تمہیں صرف اس لئے برداشت کیا کہ تم امی کو زیز تھے۔''

'ان کو عزیز تو میں اب بھی ہوں۔ تو کیا مضائقہ ہے کہ تم برداشت کرنے کا یہ فیصلہ عمر ہ لئے کر لو۔'' وہ زیرِ لب مسکراتے ہوئے ونڈ اسکرین کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ادعیہ اس ب دیکھ کر رہ گئی۔

تم اغوا ہو چکی ہو......!'' اس کا لہجہ اور آواز اس کے اندر گونجے تھے اور وہ ششدر رہ ا۔

گاڑی روکو....!'' اس نے کانپتی آواز میں کہا تھا۔ مگر سننے والے پر مطلق اثر نہ ہوا تھا۔ میں نے کہا ہے گاڑی روکو، مجھے اترنا ہے یہاں۔'' اس نے قدرے درشت لہجے میں

کہا تھا۔ مگر اعصار شیخ کا اطمینان جوں کا توں برقرار رہا۔

''بیچ راہ میں ہاتھ چھڑا لینا، چاہنے والوں کی معراج نہیں۔''

''اعصار شیخ......!'' وہ احتجاجاً چیخ بھی نہ پائی تھی۔ آواز جیسے رندھ گئی تھی۔

''کہو جانِ اعصار...... تمہارے لئے تو ہر عضو ساعت ہے، کچھ کہہ کر تو دیکھو۔'' وہ اپنی دیوانگی سمیت عروج پر تھا۔

''میں دروازہ کھول کر چھلانگ لگا دوں گی۔'' اس نے وارننگ دی۔

''ایسی گیدڑ بھبکیوں کا اثر کم از کم کیپٹن اعصار شیخ پر نہیں ہو سکتا۔'' اس نے جیسے اس کے تمام ارادوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

''تم واقعی سنجیدہ ہو......؟'' ادعیہ نے جیسے یقین کو استحکام بخشنے کی آخری کوشش کی تھی۔

''تمہیں کیا لگ رہا ہے، کیا اب تک میں مذاق کر رہا تھا؟''

''اعصار! فار گاڈ سیک۔ بند کرو یہ فضول بکواس۔ امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔ مجھے گھر پہنچنا ہے۔'' اس نے جیسے اپنا بچا کھچا اعتماد جمع کر کے اس کی جانب دیکھا۔

''حیرت ہے، تم ابھی تک بے یقین ہو۔ حالانکہ جانتی ہو کہ میں جھوٹ قطعی نہیں بولتا۔''

''تم جھوٹ بولو یا سچ، میری طرف سے جاؤ بھاڑ میں۔ مجھے کوئی فکر نہیں ہے تمہاری۔''

''حالانکہ اب فقط تمہیں میری فکر ہی کرنا ہو گی۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ سلگ گئی۔

''کیا بچپنا ہے یہ...... اچھے خاصے سمجھدار شخص ہو تم......'' اس نے ملامت کی۔ وہ بغور اسے دیکھ کر رہ گیا۔

''سمجھداری کا تقاضا یہی تھا۔ جن کی تمہیں فکر ہے، وہ ہماری خوشیوں اور زندگیوں دونوں کو بھاڑ میں جھونک دیں گے۔ وہ دشمنی کو بھی بچوں کی طرح پالنے کے عادی ہیں۔ انہیں اپنی خود ساختہ انائیں زیادہ عزیز ہیں بہ نسبت بچوں کے۔ وہ کبھی بھی ہمیں ایک ساتھ جینے نہیں دیں گے۔ سو میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم اپنے فیصلے خود کریں گے۔ یہ زندگیاں ہماری ہیں اور انہیں جینے کا حق بھی ہمیں ہی حاصل ہے۔ پچھلے ایک ہفتے سے میں یہاں ہوں اور دن رات یہ بات اپنے والدین کو سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تمہارا وجود میری زندگی کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ مگر سب بے سود۔ سو میں نے اپنے طور پر فیصلہ کر لیا۔''

وہ کہہ کر چپ ہوا اور وہ جیسے پتھر کی ہونے لگی۔

''کیسا فیصلہ......؟'' خود کو ایک بار پھر یقین دلانا چاہا کہ شاید سب وہم ہو، مذاق ہو، غیر سنجیدہ ہو ہمیشہ کی طرح۔ مگر......

''ہم ساتھ ساتھ جئیں گے...... اب کوئی دوری نہ رہے گی۔'' اس کا اطمینان ہنوز برقرار
ا۔ وہ تمام ہمتوں کو مجتمع کرنے لگی۔

''اعصار شیخ! یہ میری زندگی کا بھی فیصلہ ہے۔ تم نے سارے فیصلے اپنے طور پر ہی کر لئے۔
ے تو پوچھا ہوتا کہ میں تمہارے ساتھ جینا چاہتی بھی ہوں کہ نہیں۔ تمہیں کس طرح یہ
ش فہمی لاحق ہوئی کہ میں تم پر فریفتہ ہوں۔'' وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی تھی۔ مگر وہ مسکرا دیا۔

''کیا نہیں ہو......؟'' اس نے ڈائریکٹ اس کی نگاہوں میں جھانکا تھا اور اسے یکدم ہی
ی کمزوری کا احساس شدید ترین ہوا تھا۔

''اگر تم نے کچھ ایسا ویسا کیا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔'' نہ چاہنے کے باوجود
کھوں میں نمی تیر گئی تھی۔ ہمیشہ سے بے ضرر نظر آنے والا شخص آج کیسا اجنبی اور سفاک
ب رہا تھا۔ اعصار شیخ نے اس کی جانب دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

''محبت میں مطلوب پر جان چھڑکی جاتی ہے، واری جاتی ہے۔ یہ رسم بہت قدیم ہے۔''
راز ایسا تھا جیسے اس کے جملے نے اسے انتہائی محظوظ کیا ہو۔ وہ تو اب تک بے خبری میں
ی گئی تھی۔ اتنا سفر اسی لئے کیا تھا اس کے سنگ کہ اس پر اعتبار تھا۔ مگر وہ تو......!

''یقین نہیں آ رہا، میرے اعتماد کا خون کر چکے ہو تم......'' وہ بھیگی پلکوں سمیت اس کی
ب کھا جانے والے انداز میں دیکھ رہی تھی۔

''محبت کو بچانے کے لئے کبھی کبھی ایسے چھوٹے موٹے نقصان سہنے پڑتے ہیں۔ ایک
ا خود بخود یہ اعتماد دوبارہ بحال ہو جائے گا۔ محبت میں بہت پاور ہے۔''

''مجھے کس بات کی سزا دے رہے ہو تم۔ جانتے ہو کس قدر بدنامی ہو گی؟''

''بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا۔'' وہ زیرِ لب مسکرایا تھا۔ ''پلیز! اپنے یہ آنسو پونچھ
۔ ورنہ اگر میں کچھ کروں گا تو خوامخواہ ناراض ہو جاؤ گی۔''

اس کی ہمت پر وہ آج ایک بار پھر حیران رہ گئی تھی۔ آج سے پہلے کا تمام کھیل بہت
ف تھا۔ ''فیئر گیم'' تھا۔ مگر اس کے باوجود بہت سی چیزیں پوشیدہ بھی تھیں۔ اتنی پوشیدگی ہونا
زم و ملزوم تھا۔ مگر آج تو جیسے سارے پردے چاک ہوئے جا رہے تھے۔ اس بات کا گماں
ھی بھی نہ تھا۔ گاڑی میں بیٹھنے تک بھی وہ اس بات کے متعلق نہ سوچ سکتی تھی کہ وہ آج
ا شامت کو آواز دے رہی ہے۔ سوچ بھی کیسے سکتی تھی۔ آج سے پہلے اور آج تک یہ شخص
ا قابلِ اعتبار رہا تھا۔ گمان تک میں نہ تھا، وہ اتنی انتہائی حدود کو بھی چھو سکتا ہے۔ آنسو بنا
کاہت کا احساس کئے تیزی سے پلکوں سے رواں تھے۔

"پلیز...... اپنی ان آنکھوں کو پونچھ لو۔ اتنا سفاک نہیں ہوں۔ فقط حفاظتی بند باندھ رہا ہوں، اس سے زیادہ کچھ اور نہیں ہوگا۔" اس کی جانب رومال بڑھاتے ہوئے اس نے کہا تھا اور وہ اپنی جگہ جیسے کٹ کر رہ گئی تھی۔

"فی الحال ہم فقط حقوق ایک دوسرے کے نام محفوظ کریں گے۔ فقط یہی کارروائی آج کے دن ہوگی۔ اس کے بعد تم اپنے گھر پر ہوگی۔"

وہ اس کی جانب دیکھنا چاہتی تھی، اسے گھورنا چاہتی تھی مگر اس کے جملوں کا وزن اس قدر تھا کہ وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ اندر باہر جیسے قیامت برپا تھی۔

"مرجاؤں گی میں...... فقط لاش ملے گی تمہیں میری۔ آستین کے سانپ ہو تم......" بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر آنسو کمبخت حلق میں پھندا بن گئے تھے۔

"مجھے ڈراؤ مت۔ میری زندگی کا نصب العین فقط تمہیں پانا ہے اور اس کے لئے میں کوئی بھی راہ چن سکتا ہوں۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا اور انداز سفاک اور اجنبی۔ ادعیہ پتھر کی ہوگئی تھی۔

گاڑی اب بھی راستوں پر رواں دواں تھی۔ مگر کوئی راستہ گھر کا نہیں تھا......!

✿......✿
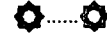
زندگی کا مقصد پورا ہونے کے بعد ہر جواز ختم ہوگیا تھا۔ اس نے ایک طوفان میں سہارا ڈھونڈنا چاہا تھا اور ایک مہربان نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ اور اب جبکہ طوفان تھم چکا تھا تو کیا جواز باقی تھا، ہاتھ میں ہاتھ باقی رہنے کا...... دو اجنبی اگر مصلحتاً ایک دوسرے کا ہاتھ تھام لیں تو وہ دوست تو نہیں ہو جاتے۔ خطرہ تھمتا ہے تو دونوں سنبھلتے ہوئے اپنی اپنی راہ پر واپس چل پڑتے ہیں اور......

وہ اپنی بکھری ہوئی چیزوں کو سمیٹتی ہوئی جانے کیا کیا سوچے جا رہی تھی۔ کتنا سامان تھا۔ جانے کیا کچھ بکھرا ہوا تھا اور کہاں کہاں؟

سمیٹتے سمیٹتے عمریں بیت جاتیں۔ اتنے کم عرصے میں کتنے نقش بن چکے تھے اس کی زندگی میں اور اس گھر میں......

"بی بی جی...... کہیں جا رہی ہو تم؟" اسے بہت سا سامان سوٹ کیس میں بھرتے ہوئے ملازمہ نے چونک کر دیکھا تھا۔

"آں...... ہاں!" وہ چونکی تھی، پھر اثبات میں سر ہلانے لگی تھی۔

"کیا صاحب بھی ساتھ ہی جائیں گے؟" اس کا اگلا سوال آیا تھا اور وہ چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

"یہ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"ظاہر ہے بی بی! ہمیں کام کے لئے آنا ہوگا۔ اگر گھر بند ہو جائے گا تو میں کدھر آؤں گی۔"

"اوہ......" وہ اس کی بات کو سمجھ کر نفی میں سر ہلانے لگی۔ "نہیں، صاحب یہیں ہوں گے۔ میرے ساتھ نہیں جا رہے۔" اسے آگاہ کر کے وہ وارڈ روب کے سامنے آن رکی۔

"آپ کیا مائیکہ کو جاتی ہو، صاحب کے بغیر......؟"

اس کے ہاتھ یکدم تھم گئے۔ "تم نے اگر کمرہ صاف کر لیا ہے تو صاحب کا کمرہ بھی صاف کر دو۔" کہنے کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ پھر متحرک ہو گئے تھے۔

ملازمہ شانے اچکاتے ہوئے پلٹی تھی اور پھر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ اور تب مژگان پلٹ کر جانے کیوں کمرے کا جائزہ لینے لگی تھی۔ ایک طائرانہ سی نگاہ پورے کمرے پر ڈالی تھی۔ بہ مشکل ڈیڑھ ماہ یا پھر دو ماہ...... اس سے زیادہ کا عرصہ تو قطعی نہیں گزرا تھا۔ مگر لگ رہا تھا جیسے صدیاں یہیں گزر گئی ہوں۔

کچھ بھی تو نہ تھا یہاں۔ فقط جائے پناہ تھی۔

وہ پل بھر کو آنکھیں میچ کر وہیں کھڑی رہی تھی۔ پھر فون کی مسلسل بیل نے چونکا دیا تھا۔ ذہن اس قدر الجھا ہوا تھا کہ اس نے سی ایل آئی دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔

"ہیلو......!"

"ہیلو، کیا آپ مژگان رئیس نواز سومرو ہیں؟" بہت شستہ انگریزی لہجہ تھا۔

"جی، آپ کون......؟" اس نے چونکتے ہوئے جواباً انگریزی میں دریافت کیا تھا۔

"نک...... نک ڈی کیپریو، آل دی وے فرام لندن۔" شناسا لہجے نے اپنا تعارف دیا تھا اور وہ جیسے خوشی سے چیخ اٹھی تھی۔

"نک! یہ تم ہو...... یقین نہیں آ رہا۔ اتنی مدت بعد آج اچانک تمہیں میں کیسے یاد آ گئی؟" سرشار سے لہجے میں وہ بولی تھی اور وہ ہولے سے ہنس دیا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میں بھولنے والوں میں سے ہوں یا تم فراموش ہو جانے والوں میں ہو؟" اس کا انداز اور لہجہ آج بھی اتنا ہی جذباتی تھا، اتنا ہی خمار آلود، اتنا ہی دیوانہ، اتنا ہی مؤثر......!

"تم اب تک اتنے ہی سینٹی مینٹل ہو۔"

"میں موسم کی طرح نہیں ہوں، بہت مستقل مزاج ہوں۔ یوں بھی بدلتے فقط موسم اور

حالات اچھے لگتے ہیں، انسان نہیں۔ اپنی وے، کیسی ہو تم......؟''

''تمہیں لگتا ہے کہ میں موسم کی طرح ہوں؟''

''نہیں...... مگر تمہاری آواز کے موسم ویسے نہیں ہے۔ بہت اداسی کا رنگ ہے۔ تم کچھ ڈیپریس ہو؟'' اس کا سوال اسے متحیر چھوڑ گیا تھا۔ اتنے فاصلے پر بیٹھے ہونے کے باوجود وہ اس کے لہجے کے رنگوں سے بنا دیکھے آج بھی اس کی کیفیت اخذ کر سکتا تھا۔

''بہت دنوں سے تم مسلسل میرے خوابوں میں آ رہی تھیں۔ بہت سوگوار، بہت پریشان، کچھ نہ کہتی ہوئی، کچھ نہ بولتی ہوئی، ہمیشہ کی طرح فقط خاموشی کی مار مارتی ہوئی۔ میرا دل ہولنے لگا۔ ہمیشہ سے تمہارا حمایتی تو تھا ہی، ان دنوں تو اور بھی بے قرار ہو گیا۔ اور تب مجھے مجبوراً گرینی سے رابطہ کر کے تمہارا نمبر لینا پڑا۔ تم خیریت سے تو ہو؟'' بہت دھیمے لہجے میں نک ڈی کیپریو نے دریافت کیا تھا اور وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ محبت کے کتنے رنگ تھے، کتنے موسم......!

اور ہر ایک دوسرے سے کس قدر مختلف تھا۔

محبت ہوتی ہے۔

ہر طرف ایک ہی سرگوشی گونجنے لگی تھی اور وہ مسلسل کہہ رہا تھا۔

''میں تم سے اجنبی ہو کر جینا چاہتا تھا۔ عین تمہاری خواہش کے مطابق۔ مگر یہ میرے لئے بہت کٹھن تھا اور کٹھن ہے۔ تمہارے لئے ہمیشہ سے میرا دل بہت الجھا ہوا رہا ہے۔ تمہارے ملنے تک تمہارے دل میں اترنے تک اور پھر بچھڑ کر اجنبی ہو جانے تک، سب کچھ بہت مشکل رہا ہے۔ اب بھی کبھی فرصت ملے اور تنہائی میں کبھی دل میں جھانکوں تو دل جوں کا توں ٹھہرا نظر آتا ہے۔'' وہ بولتے بولتے دھیرے سے ہنسا تھا۔

''میں پاگل تھا۔ اور وہ پاگل پن آج بھی برقرار ہے۔ اپنی ہی کہے جا رہا ہوں، تمہاری سن ہی نہیں رہا۔ تم سن رہی ہو نا مجھے......؟ ہیلو...... ہیلو......!''

''ہاں، سن رہی ہوں۔'' مژگان کی کچھ مزید کہنے کی جیسے ہمت ہی نہ رہی تھی۔

''گرینی بتا رہی تھی، تمہارا ہزبینڈ بہت ہینڈسم ہے۔ عجیب لڑکی ہو، چپ چاپ شادی کر لی اور ہمیں آگاہ تک نہ کیا۔ یہ امید تو قطعی نہ تھی تم سے۔ پرانے دوستوں کو کوئی یوں بھی فراموش کرتا ہے؟''

''ایکچوئیلی سب کچھ بہت ایمرجنسی میں ہوا۔ موقع ہی نہیں ملا اور......'' وہ ابھی بولنے جا رہی تھی جب اس نے دریافت کیا۔

''تم خوش ہو نا......؟'' عجیب سوال تھا جس کا کم از کم کوئی جواب مژگان کے پاس قطعی نہیں تھا۔ مگر اسے کوئی نہ کوئی جواب تو دینا ہی تھا۔ سو ہنس دی۔ اور وہ پھر چونک گیا۔

''تمہاری ہنسی بہت بدل گئی ہے۔ تم ایسے تو نہ ہنستی تھیں۔'' اور مژگان کو ایک بار پھر نکارہ جانا پڑا۔

''تم سناؤ...... تم کیسے ہو؟'' وہ اپنے تذکرے کو ایک طرف رکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

''ویسا ہی جیسا تم چھوڑ گئی تھیں۔ اگرچہ یہاں موسم بہت تیزی سے بدلتے ہیں، فضائیں معطر اور رنگین ہیں۔ مگر تم میری لوجک جانتی ہو، تیزی سے بدلتی ہوئی چیزیں مجھے وحشت بتلا کر ڈالتی ہیں۔'' اس کے لہجے کے سب موسموں کا رنگ بے حد پکا تھا۔

لیکن اس کے سارے لفظ جیسے کہیں کھو گئے تھے۔

کہنے کو کچھ بھی تو باقی نہ بچا تھا۔

''تم یقیناً حیران ہو ابھی تک......'' وہ اس کے چپ رہنے پر گویا ہوا۔ ''یقین نہیں آ رہا میں نے اتنی دور سے تمہیں کال کیا ہے۔'' وہ یقیناً مسکراتے ہوئے مذاق کر رہا تھا۔ وہ رادی۔

''تھینک یو ویری مچ نک! مجھے تم سب کی کمی بہت شدت سے محسوس ہوتی رہی ہے۔ اب میں تم سب کی تصویریں نکال کر دیکھتی ہوں تو خود کو تم سب کے ساتھ محسوس کرتی ہوں۔ وقت بہت حسین تھا مگر بہت جلد خواب ہو گیا۔ جانے اچھا وقت اتنی جلد کیوں گزر جاتا ہے۔'' مژگان کا لہجہ کوشش کے باوجود بہت بجھا بجھا سا تھا۔

''ہاں، وقت جانے اتنی جلد کیوں گزر جاتا ہے اور سب خواب ہو جاتا ہے۔'' نک ڈی کیپریو نے اس کی بات کی گویا تصدیق کی تھی۔

''باقی سب کیسے ہیں؟ پیٹر، جیسیکا، کیتھی، برائن؟'' اس نے سب کے متعلق دریافت کیا۔

''خوش ہیں، مطمئن ہیں۔ پیٹر اور جیسیکا تو گھر بسا چکے ہیں۔ برائن ان دنوں ماڈلنگ کا ز کر چکا ہے اور خوب پیسے بنا رہا ہے۔ گھر بسانے کا دیر تک کوئی ارادہ نہیں۔ کیتھی بھی ابھی ہے اور میں......'' وہ ہنس دیا۔

''اور تم......؟'' مژگان نے اس کے جملے کو دہرایا۔

''خوش ہوں۔ بہت کچھ ہے کرنے کو۔ بہت سے خواب، بہت سے رنگ، بہت سی باتیں، کی یادیں۔''

''یونہی عمر گزار دو گے؟'' نہ جانے کیوں پوچھ گئی۔

"شاید ہاں...... شاید نہیں، پتہ نہیں۔"

"ایسے کیسے زندگی گزرتی ہے؟" وہ بہت کچھ کہنے کا ارادہ رکھتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکی۔

"گزر جاتی ہے۔ اینی وے، لیواٹ، کبھی آؤ نا ہم سب سے ملنے اپنے ہزبینڈ کے ساتھ۔ بائے دی وے، نام کیا ہے ان کا......؟"

"میں...... میں آؤں گی۔" اس نے مختصراً کہا۔

"تمہیں ضرور آنا بھی چاہئے۔ یہاں اکثر جب ہم سب مل کر بیٹھتے ہیں تو تمہیں یاد کرتے ہیں۔ تمہیں مس کرتے ہیں۔ وہ گرینی بھی تمہیں بہت مس کرتی ہیں۔ میں اکثر ان سے ملنے جاتا رہتا ہوں، تمہارے بغیر وہ بھی بہت تنہا ہیں۔ ہاں یاد آیا، آج کل سیاحت کا بہت شوق ہوا ہے۔ ایک بار پاکستان جانا بھی ہوا تھا۔ بہت سے شمالی علاقے گھومے پھرے مگر تمہارا کچھ پتہ نہ تھا۔ لمحہ لمحہ تمہاری یاد آئی۔ دل تم سے ملنے کو چاہا مگر عمل پیرا نہ ہو سکا۔"

محبت ہوتی ہے۔

محبت ہوتی ہے۔

کتنی پرانی بازگشت تھی، مگر آج بھی سماعتوں میں اسی شدت کے ساتھ گونج رہی تھی۔

"گرینی سے پوچھ لیا ہوتا......!" وہ یقیناً مروتاً بولی تھی اور وہ جانے کیوں ہنس دیا تھا۔ وہ چپ ہوئی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

"تمہیں اپنی روٹس مل گئیں؟"

"ہاں......" اس نے مختصراً جواب دینا مناسب جانا تھا۔ "بہت بہت شکریہ...... مجھے یاد رکھنے کے لئے اور یاد کرنے کے لئے۔"

"کم آن، ہم تمہاری طرح نہیں ہیں۔" وہ ہنسا تھا۔ "اپنا خیال رکھنا۔"

"تم بھی......!" وہ مروت کے تمام تقاضے بخوبی نبھاہ رہی تھی۔

"اگر تمہیں برا نہ لگے تو......" وہ کچھ بولتے بولتے ٹھہر گیا۔ وہ جیسے جان گئی تھی، تبھی بولی۔

"فون کرتے رہو گے نا......؟"

"اگر تمہیں برا نہ لگے تو......"

"مجھے برا نہیں لگے گا۔" پھر فون رکھ کر وہ کتنے ہی لمحوں تک وہیں دیوار سے لگی کھڑی رہی تھی۔

✿......✿

بے بے شاید واقعی اس سے بہت محبت کرتی تھیں یا پھر وہ تعلیم کی اہمیت کو سمجھنے لگی تھیں

انہوں نے سیو کو چھوٹی بی بی سے پڑھنے کی اجازت دے دی تھی اور آج کل سیو حویلی جا کر کائنات بی بی سے پڑھنے لگی تھی۔

حویلی جانا تو یوں بھی ہوتا ہی رہتا تھا۔ شادی کی تیاریوں کے باعث کئی کام تھے۔ وہ کشیدہ کاری کے نادر کام سرانجام دے رہی تھی۔ سلائی میں بھی ماہر تھی۔ کئی سوٹ بھی سلائی کئے تھے۔

چھوٹی بی بی اس سے بہت خوش تھیں۔

"سیو! تم بہت ذہین اور عقلمند ہو، نہ صرف کام کاج میں بلکہ پڑھنے لکھنے میں بھی۔ تمہیں تھوڑی سی تیاری کے بعد نویں دسویں کی کتابیں لا دی جائیں تو تم بڑے آرام سے میٹرک کر سکتی ہو۔" کائنات نے اس کی کارکردگی دیکھتے ہوئے سراہا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

"سچی بی بی جی......؟" اس کا انداز معصوم تھا۔

"بالکل سچی۔ اب تم یہ مشکل الفاظ اپنی بول چال میں استعمال نہیں کرو گی۔ اس طرح تمہاری ویکیبلری انکریز نہیں ہوگی۔"

"جی......؟" وہ حیران ہوئی۔ اس کی نظروں میں حیرت دیکھ کر کائنات ہنس دی۔

"یو ول انڈر اسٹینڈ ویری سون......"

"مجھے تو نہیں لگتا جی۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگی تو کائنات مسکرا دی۔

"سب سے پہلے تو یہ بات بات میں جی جی کرنا چھوڑ دو۔"

"اچھا جی......" وہ روانی میں پھر کہہ گئی۔ کائنات نے خفگی سے گھورا تو وہ مسکرا دی۔ "سوری...... بی بی، جی۔"

"پھر جی......؟" کائنات زچ ہو گئی۔

"نہیں، اب نہیں کہوں گی۔" سیو نے یقین دہانی کرائی۔ تبھی وہ بولیں۔

"میں چاہتی ہوں، جب تک میں یہاں ہوں، تم بہت کچھ سیکھ لو۔"

"آپ بہت اچھی ہیں کائنات بی بی۔" وہ جیسے مشکور ہوئی۔

"اوں...... ہوں...... بی بی وی بی بالکل نہیں۔"

"آپ میری استانی ہیں جی......!"

"لیکن بڑی بہن جیسی......" کائنات مسکرائی۔

"کائنات! امی تمہاری کچھ شاپنگ کر کے آئی ہیں، جا کر دیکھ لو۔" دروازے میں سر ڈال کر "چھوٹے سرکار" نے جھانکا تھا اور سیو جو اس گھڑی بہت ریلیکس سی بیٹھی تھی، یکدم ہی

سنبھل کر دوسری جانب تکنے لگی تھی۔ سر پر سے اترا ہوا سبز آنچل اس نے فوراً سر پر ڈالا تھا۔

"آپ بھی ساتھ گئے تھے امی کے؟" کائنات نے مسکرا کر بھائی کی جانب دیکھا تھا۔

"ہاں...... بہن کی شادی ہو تو سب سے زیادہ شامت بے چارے بھائیوں کی ہی آتی ہے۔" اس کا لہجہ شگفتہ تھا۔ کائنات ہنس دی تھی۔

"خیال بھی تو اتنا رکھتی ہیں بہنیں، اس کے جواب میں کچھ تو حق بنتا ہے نا۔"

"تم پہلے اشیاء دیکھ لو، ورنہ امی کو فکر لگی رہے گی۔" اعیان نے دوبارہ کہا۔

"آپ کی چوائس بھی شامل ہوگی؟"

"کسی حد تک......"

"پھر تو سب کچھ کمال کا ہوگا۔" کائنات ہنسنے لگی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔ نظریں سر جھکائے بیٹھی سیو پر لمحہ بھر کو ٹھہری تھیں، ہونٹ کاٹتی ہوئی وہ اس لمحے بہت کنفیوژ لگ رہی تھی۔ بار بار داہنے ہاتھ سے سر پر پڑے سبز آنچل کو چہرے تک لا رہی تھی۔ پلکیں جھکی ہونے کے باوجود واضح انداز میں کانپ رہی تھیں۔

"بہتر ہوگا تم دیکھ لو۔" اس نے گویا فیصلہ اس کے دیکھنے پر مشروط قرار دے دیا۔ وہ کہہ کر واپس پلٹ گیا۔

کائنات، سیو کی طرف دیکھنے لگی۔

"تم بیٹھ کر یہ سبق یاد کرو، میں ابھی آتی ہوں۔" کائنات کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

اور تب سیو کتنے ہی لمحوں تک یونہی کاپی کو دیکھتی رہی تھی۔ جانے کیوں ہر طرف اسے ایک ہی نقش جھلملاتا نظر آ رہا تھا...... وہی عکس بن رہا تھا۔

ہن کی کراں جے آیا ہاڑ
تن وچ عشق تپایا بھاڑ
تیرے عشق نے ڈِتا ساڑ
رووَن اکھیاں کرن پکار

دھڑکنوں میں ارتعاش ہی ارتعاش تھا...... یہاں سے وہاں تک ہلچل ہی ہلچل سی۔

اس نے آنکھیں میچ کر تھک کر بیڈ کی پٹی سے ٹیک لگا دی تھی۔

✿......✿

کبھی تمنا کے راستوں پر نکل پڑو تو خیال رکھنا
کہیں سے خالی پلٹ کے آنا بہت کٹھن ہے

بہت کٹھن ہے

کسی فاصلے کی ریت ہو تو پاٹی جا سکتی ہے، سفر کیا جا سکتا ہے، میلوں چلا جا سکتا ہے۔ مگر فاصلے دلوں میں ہوں تو چلتے چلتے عمریں بھی گزر جائیں تو سفر ختم نہیں ہوتا، فاصلہ مٹتا نہیں، سفر کٹتا نہیں، جتنا چلو، فاصلہ مزید بڑھتا چلا جاتا ہے۔

وہ کتنی ہی دیر تک یونہی اِدھر سے اُدھر ٹہلتی رہی تھی۔ پھر تھک کر لاؤنج میں آ بیٹھی تھی جہاں وہ بی بی سی لگائے کوئی رپورٹ دیکھ رہا تھا۔ اس کے فلور کشن پر بیٹھتے ہی اس نے بغور اس کی جانب دیکھا تھا بلکہ اس سے قبل بھی وہ اسے کافی دیر سے بغور آبزرو کر رہا تھا۔ وہ اس کے عین سامنے آن تو بیٹھی تھی مگر نگاہوں کو ٹی وی اسکرین پر مرکوز کر دیا تھا۔ بنا اس کی جانب توجہ دیے وہ خالی خالی نظروں سے اسکرین کو گھورے جا رہی تھی۔

"اینی پرابلم؟" رہبان عالم شاہ نے بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ چونکی تھی، پھر فوراً ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"کچھ ڈسٹرب ہو؟" وہ غالباً اخذ شدہ مشاہدے سے مدد لیتے ہوئے بولا تھا۔

"ن...... نہیں......" وہ پھر سے اپنا دفاع کرتے ہوئے بولی۔

"کچھ پریشانی تو ہے۔" رہبان عالم شاہ نے ریموٹ کے ذریعے ٹی وی کی آواز کم کر کے مکمل توجہ اس کی جانب مبذول کر دی۔

"نہیں......" اس نے پھر سے وہی لفظ دہرائے۔ پھر شاید اس کی توجہ خود پر سے ہٹانے کو کہنے لگی۔ "آپ کافی پئیں گے؟"

"تم فقط اس لئے اتنی پریشان تھیں؟" وہ اس کے سوال پر حیران ہوا۔ وہ یکدم ہنس دی۔ ہنستی چلی گئی اور رہبان عالم شاہ اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔ اس عرصے میں وہ پہلی بار اسے اس طرح کھلکھلا کر ہنستے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں شفاف پانیوں سے بھر گئی تھیں اور چند شفاف قطرے پلکوں کے بند توڑ کر باہر نکل آئے تھے۔ وہ متواتر اسے دیکھے جا رہا تھا۔ جانان اس کے اس طرح بغور دیکھنے پر یکدم چونکی تھی، پھر یکسر سنجیدہ اور لاتعلق ہو کر چہرے کا رخ پھیر کر ہاتھ کی پشت سے بھیگی پلکیں صاف کرنے لگی تھی۔

"تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو؟" وہ اس کی کیفیت کو پا گیا تھا۔ وہ چونکی تھی۔ پھر فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔" مگر رہبان عالم شاہ نے دوسرے ہی لمحے اس کی کلائی کو مضبوط گرفت میں لے لیا تھا۔ وہ چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ وہ بغور تک رہا تھا۔ وہ زیادہ دیر

تک نظریں ملائے نہ رکھ سکی تھی اور پلکیں جھک گئی تھیں۔

''بات کافی کے کپ کے بغیر بھی ہو سکتی ہے۔'' اس کی کلائی چھوڑے بغیر وہ گویا ہوا تھا اور تب وہ اس کے سامنے دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔ کافی دیر یونہی چپ رہی تھی۔ ہاتھوں کی لکیروں کو یونہی تکتی رہی تھی۔ پھر پتہ نہیں کیا سوچ کر بولی تھی۔

''سجل چلی گئی......؟''

''ہوں......'' وہ چونکنے کے ساتھ ہی گہرا سانس بکھیرتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگا تھا جیسے کہہ رہا ہو آخر وہ کون سی بات ہے جسے کہنے کے لئے تمہیں تمہید کا سہارا لینا پڑ رہا ہے۔ وہ پھر چپ ہو گئی تھی۔

''مژگان......'' بہت ہولے سے پکارا تھا۔

''ہوں......'' وہ سر اٹھائے بغیر بولی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے دھیرے سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا تھا۔ ''نہ کہنے سے الجھنیں بعض اوقات مزید بڑھ جاتی ہیں۔''

اور تب وہ بہت ہولے سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ جیسے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہی ہو۔ پھر دھیرے سے ہنس دی تھی۔

''ہم یقیناً اچھے دوست رہے ہیں۔ کسی حد تک تو ایک دوسرے کے احساسات سمجھنے ہی لگے ہیں۔''

وہ کچھ دیر تک چپ رہی۔ وہ اس کی جانب بغور تکتا رہا۔

''کیا کہوں...... آپ بھی تو جانتے ہیں کہ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔'' وہ بہت مدھم انداز میں کہہ کر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''ڈراپ سین یقیناً ہو چکا ہے، کھیل ختم...... مجھے جانا ہے، واپس......'' وہ اس کے ہاتھ میں سے دھیرے سے اپنا ہاتھ نکالتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے دیکھتا رہا تھا۔

''بہت بہت شکریہ...... آپ نے اتنے عرصے تک کمپرومائز کیا۔ میرے پاس لفظ نہیں ہیں۔ اور یقیناً لفظوں میں شکریہ ادا ہو بھی نہیں سکتا۔ آپ نے جو کچھ بھی کیا، وہ بہت زیادہ ہے۔ میں اگر لفظ ''احسان'' استعمال کروں تو یہ بہت چھوٹا ہے۔ آپ کس قدر عظیم ہیں۔'' وہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

''زمانہ اس قدر خود غرض ہو چکا ہے کہ کوئی مر رہا ہو تو کوئی دو گھونٹ پانی اس کے منہ میں ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ مگر آپ نے ایک اجنبی ہو کر بھی میرا مان رکھا ہے۔ میرا اتنا خیال

کیا اور سجل کے ہوتے ہوئے اپنی زندگی کو شیئر کیا۔ ایک رسک لے کر مجھے اپنی ذات میں شامل کیا۔ اپنی زندگی میں شامل کیا۔ اپنے گھر میں جگہ دی اور......'' وہ جیسے مزید کچھ نہ کہہ سکی۔ وہ بغور دیکھتا رہا، بنا کچھ کہے۔

''فرشتے زمینوں پر نہیں ہوتے، کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ مگر میں نے دیکھا ہے۔ شاید وہ آپ ہی جیسے ہوتے ہوں گے۔'' لمحہ بھر کو اس نے اس کی جانب دیکھا، وہ بغور دیکھ رہا تھا۔ نظریں پھر جھکا گئی تھی۔ ''جتنا بھی وقت گزرا، وہ ناقابل فراموش ہے۔ میں ہمیشہ یاد رکھوں گی۔ اتنا جانتی ہوں، آپ کا احسان کبھی نہ اتار سکوں گی۔ نہ ہی ایسا میرا کوئی ارادہ ہے۔ کیونکہ نیکی کا کوئی بدل نہیں ہو سکتا، نہ ہی اسے قرض کی طرح اتارا جا سکتا ہے۔ ہم الگ الگ راہوں کے راہی تھے۔ الگ الگ سمتوں کے مسافر تھے۔ مگر جانے کیسے تقدیر نے ہمیں لا ملایا۔ سوچتی ہوں اگر آپ مجھے نہ ملتے تو میرا کیا ہوتا۔ میں تو شاید مر چکی ہوتی۔'' وہ لمحہ بھر کو ٹھہری، پھر گویا ہوئی۔ ''یہ بھی مانتی ہوں کہ میرے باعث آپ کی زندگی میں کچھ ڈسٹربنس بھی واقع ہوئی مگر......'' وہ جانے کیوں ہنس دی۔

''یہ سچ ہے، سب تقدیر کے کھیل ہیں۔ ہمیں کب، کہاں، کس سے ملنا ہے۔ کب کہاں کس سے بچھڑنا ہے، کہاں کچھ پانا ہے اور کہاں بہت کچھ گنوا دینا ہے، کہاں جینا ہے، کہاں مر جانا ہے، سب تقدیر کے ابواب میں پہلے سے رقم ہوتا ہے۔ یہ سب کاتب تقدیر کے علم میں ہوتا ہے اور ہمیں بھی ان باتوں کو یقیناً تسلیم کر لینا چاہئے۔ زندگی ہمیشہ سے میرے لئے ایک پہیلی رہی ہے۔ بہت مشکل، بہت زیادہ پیچیدہ۔ مگر پاکستان میں آ کر کسی قدر سہل اس لئے ہو گئی کہ آپ جیسے اچھے دوست کی محبت میسر آ گئی۔ نو ڈاؤٹ، آپ نے مجھے زندگی کو اس کی پیچیدگیوں کے ساتھ جینا سکھایا۔'' وہ کہہ کر چپ ہوئی اور اس کی سمت دیکھنے لگی۔ وہ بغور تکتا رہا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا جانے کیوں دھیرے سے مسکرا دیا۔

''کچھ اور......؟''

وہ سمجھ نہ سکی، وہ طنز کر رہا ہے یا مذاق۔ اس سے قبل کہ وہ مزید کچھ کہتا یا وہ دریافت کرتی، ڈور بیل نے دونوں کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی۔ دونوں نے ایک دوسرے کی سمت دیکھا، پھر رہبان عالم شاہ اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ اس کی پشت کو تکتی رہ گئی تھی۔

❁......❁

رہبان عالم شاہ نے دروازہ کھولا تھا اور جیسے پھر اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔

نظروں کے عین سامنے سیّد عالم شاہ تھے۔ ان کی پشت پر اعیان عالم شاہ تھا۔

عرصے بعد جیسے روح جسم کے مقابل تھی۔ منظر کس قدر ناقابل یقین تھا۔

رہبان عالم شاہ حقیقت کو اپنی نگاہ سے دیکھتے ہوئے بھی ایک بے یقینی کی کیفیت کے زیر اثر تھا۔ مدتوں کے بچھڑے نگاہوں کے سامنے تھے اور وہ ساکت سا بس انہیں تکے جا رہا تھا۔

''نا معقول! کیا اپنے باپ کو اندر آنے کے لئے نہیں کہو گے؟'' سیّد عالم شاہ کی تحکم بھری آواز ابھری تھی اور رہبان عالم شاہ ایک گہرے خواب سے بیدار ہوا تھا۔

''اندر...... اندر آیئے آپ۔'' حیرت کے عالم میں وہ اسی قدر کہہ سکا تھا۔ سیّد عالم شاہ نے اندر قدم رکھا تھا۔ کچھ دیر اس نوجوان، بھرپور توانا وجود کے مالک، اپنے بیٹے کو بغور دیکھا، پھر اپنا ضعیف ہاتھ بڑھا کر اس کے شانے پر دھر دیا۔ رہبان عالم شاہ نے اپنے والد محترم کو چونک کر دیکھا تھا۔

''برسوں بعد باپ سے کیا ایسے ملتے ہیں؟'' سیّد عالم شاہ نے دریافت کیا تھا۔ ان کے لہجے میں سختی کا عنصر کہیں موجود نہ تھا۔ چہرے پر بہت نرمی کا تاثر تھا۔ ان کا یہ انداز، رہبان عالم شاہ کے لئے بے حد انوکھا تھا مگر اس فوری کیفیت پر اپنے تمام تر احساسات و جذبات پر بھرپور انداز میں قابو پاتے ہوئے اس نے فوراً ہی پیش قدمی کی تھی اور دوڑ کر ان کے گلے لگ گیا تھا۔ ''پلٹ کر خبر بھی نہ لی...... ایسی ہی ناراضگی تھی کیا؟'' بہت محبت بھرا شکوہ تھا۔ شدت جذبات سے سیّد عالم شاہ کی آواز مغلوب ہو گئی تھی۔ رہبان عالم شاہ کتنی ہی دیر تک ان کے ساتھ لگا کھڑا رہا تھا۔ ''بچوں کو غلطیوں پر روکنا اور منع کرنا اتنا بڑا جرم تو نہیں۔ والدین کیا اتنا حق بھی نہیں رکھتے؟''

مژگان جہاں تھی، وہیں بیٹھی انہیں تکتی رہ گئی تھی۔ البتہ اس وقت فی الحال اس کی جانب کوئی متوجہ نہ تھا۔ تبھی اس کے کانوں میں رہبان کی آواز پڑی تھی۔

''ابا جی! ناراض کہاں تھا۔ مجال ہے میری۔ بس حالات کے دھاروں پر تھا۔ وقت نے

دربدر کر دیا تو اپنی ہی خبر نہ رہی۔ مگر میں آپ لوگوں کو لمحہ بھر کے لئے بھی فراموش نہیں کر سکا۔ امی، آپ، اعیان، کائنات سب کے لئے دل کیسے کیسے تڑپا ہے، بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بھرے راستے میں اگر رکاوٹیں حائل نہ ہوتیں تو شاید...... مجھے تو ان سرحدوں نے مار دیا۔ حد بندیاں میری جان کو فنا کرتی رہیں۔'' کہتے کہتے اس کے تمام جذبات کا عکس اس کے چہرے پر چھلکنے لگا۔

''اوں ہوں......'' اعیان نے ایک دم گلا کھنکار کر اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔ ''اگر دونوں جانب سے بھرپور شکوے شکایت اور محبتوں کے اظہار ہو گئے ہوں تو میں سلام عرض کرنے کی جسارت کر سکتا ہوں؟''

رہبان عالم شاہ نے اس لمحے واقعی چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا، پھر بے تابانہ آگے بڑھا اور دیکھتے ہی دیکھتے دونوں بھائی ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔

''اب کوئی ڈائیلاگ مزید نہیں۔ ابا جی کو رام کرنے کا سارا کریڈٹ میرے سر ہے۔ تیار رہیے، بہت بڑی ٹریٹ لوں گا۔ یہ کارنامہ ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے سے کم ہرگز نہ تھا۔'' قدرے سرگوشی کے انداز میں وہ مسکراتا ہوا اس کے کان میں بولا تھا اور رہبان عالم شاہ نے مسکراتے ہوئے ایک چپت اسے رسید کر دی تھی۔

مژگان مسلسل اس تمام صورتحال کو قدرے حیرت اور دلچسپی کے ملے جلے تاثر کے ساتھ تک رہی تھی۔ تبھی اعیان عالم شاہ کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔ وہ جو متواتر دیکھ رہی تھی، جانے کیوں ایک دم ہی نگاہ جھکا کر رہ گئی تھی۔ شاید اس لئے بھی کہ دیکھنے والے کی نگاہوں میں حیرت اور اشتیاق کے ساتھ لبوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ بھی تھی۔

''بھائی یہ......؟'' بہت مدھم آواز میں اعیان نے جیسے ایک سرگوشی کی تھی۔ ''کیا بھابی؟''

اس لمحے رہبان عالم شاہ نے بے حد چونک کر دیکھا تھا اور اس تمام عرصے میں وہ مژگان کے وجود کو جیسے فراموش کئے ہوئے تھا، اعیان کے دریافت کرنے پر بلا ارادہ ہی پلٹ کر کچھ فاصلے پر بیٹھی مژگان کی سمت تکنے لگا تھا جو کہ یقیناً ان کی گفتگو سن تو رہی تھی لیکن اس صورتحال کو پوری طرح سمجھ نہیں رہی تھی۔ اس کے اس طرح پلٹ کر دیکھنے سے یقیناً مژگان کو اپنی پوزیشن خاصی آکورڈ لگی تھی۔ تبھی شاید وہ نگاہ فوراً ہی جھکا گئی تھی اور رہبان عالم شاہ کی کیفیت بھی ایک دم ہی متغیر ہوئی تھی۔ واقعی اب تک وہ اس کے وجود کو بھولا ہوا تھا اور ان سے ملنے سے لے کر اب تک کہیں بھی وہ اس کے ذہن میں نہیں تھی۔ مگر اب یاد دہانی کے لمحے کے بعد وہ فوراً ہی سیّد عالم شاہ کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ اپنی پوزیشن کا احساس بہت

شدت کے ساتھ ہوا تھا۔ کرنے کو کوئی بہانہ نہ تھا، نہ گھڑنے کو کہانی۔ ابا جی نے پہلے مژگان
کی جانب دیکھا تھا، پھر وضاحتی انداز میں رہبان عالم شاہ کی جانب دیکھا تھا۔ وہ جیسے اپنی
جگہ مجرم بن کر رہ گیا تھا۔ دینے کو کوئی بھی معقول جواب موجود نہ تھا۔

''بھابی سے ملواؤ گے نہیں؟'' اعیان با آواز بلند مسکراتا ہوا گویا ہوا تھا اور تب رہبان عالم
شاہ مژگان کی جانب دیکھ کر رہ گیا تھا۔

مژگان کو اپنی جگہ الگ شرمندگی اور خجالت نے گھیر رکھا تھا۔ وہ کوئی جرم نہ کر کے بھی خود
کو اپنی جگہ مجرم تصور کر رہی تھی۔ سر جھکائے بیٹھی بہت نادم سی لگ رہی تھی۔ سید عالم شاہ نے
اسے بغور دیکھا تھا، پھر چلتے ہوئے اس کے قریب آن رکے تھے۔ کچھ دیر ٹھہر کر یونہی خاموشی
سے اسے دیکھتے رہے تھے۔ مژگان کی کیفیت عجیب تھی۔ کاٹو تو جیسے بدن میں لہو نہیں۔ مگر
احتراماً اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی تھی۔

وہ سر جھکائے جھکی آنکھوں سے سید عالم شاہ کے قدموں کو تکے جا رہی تھی۔ رہبان عالم
شاہ خاموش تھا۔ چہرہ کسی بھی قسم کے تاثر سے عاری تھا۔

''ہمارے خاندان میں بہو بیٹیوں کو بہت خاص عزت و مرتبہ سے نوازا جاتا ہے۔ یہ سید
خاندان کی خاص روایتوں میں شامل ہے۔ جیتی رہو۔ ہو سکتا ہے اس نامعقول نے تمہیں
ہمارے متعلق کچھ نہ بتایا ہو لیکن ہم اپنی بہو کو مطلع کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم اس نالائق شخص
کے جسے کہ تمہارے مجازی خدا ہونے کا شرف حاصل ہے، اس کے والد محترم ہیں۔'' چہرے
پر حد درجہ ملائمت لئے وہ اس سے مخاطب تھے۔ مژگان نے فوراً ہی جانے کس احساس کے
تحت سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔ ان کے لہجے کی طرح ان کے چہرے پر بھی بے حد نرمی تھی۔

''اور ہم وہ ہیں جن کی بھابی ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہے۔'' اعیان مسکراتا ہوا سید
عالم شاہ کی پشت پر آن رکا تھا۔ مژگان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح کے رویے کا
مظاہرہ کرے۔ بہت کنفیوژڈ انداز میں اس نے رہبان عالم شاہ کی جانب ایک نگاہ کی تھی اور
اس کے چہرے پر تو اس وقت کسی بھی تاثر کا شائبہ تک نہ تھا۔ بس خالی خالی آنکھوں سے وہ
اسے دیکھے جا رہا تھا، جیسے ذہن کہیں اور ہو اور فقط وجود یہاں۔

''لگتا ہے بھابی! ہمیں اچانک یہاں دیکھ کر آپ کو کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی۔'' اعیان
مسکراتا ہوا یقیناً اسے چھیڑ رہا تھا اور اس کے پاس تو کوئی ایسا جواب بھی نہ تھا کہ کوئی مان ہی
قائم رکھ سکتی۔ کسی مروت یا اخلاص کا مظاہرہ ہی کر پاتی۔ کتنی خالی تھی وہ۔ فقط خالی ہاتھوں
کے ساتھ کھڑی اپنی تقدیر سے ہاری ہوئی شکستہ جاں سی لڑکی۔ نگاہیں جانے کیوں اپنی ہتھیلی

ہتھیلیوں سے جا الجھی تھیں۔

''یہ بھی حیران ہیں میری طرح۔ گمان میں نہ تھا کہ سب کچھ اس طرح بھی ہو سکتا ہے۔''
رہبان عالم شاہ کی آواز اچانک ہی اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ اس نے متشکرانہ نگاہوں
سے اسے دیکھا تھا۔

''ابا جی! آپ تشریف تو رکھیے۔'' رہبان نے کہہ کر مژگان کی جانب دیکھا۔

''آپ ابا جی کی خاطر مدارات کے لئے کوئی پیش قدمی کریں گی یا پھر میں بازار کا رخ
کروں؟'' لبوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ لئے وہ اس کی جانب تک رہا تھا۔

''کیوں...... بھابی کو کیا کچن کے کاموں سے کوئی شغف نہیں؟'' اعیان نے حیرت کا
بھرپور مظاہرہ کیا۔ ''پھر تو آپ کی تمام تر جمع پونجی ہوٹلنگ میں ہی نکل جاتی ہوگی۔ تبھی آپ
کی صحت بھی پہلے سے خاصی مختلف نظر آ رہی ہے۔ دیکھیں ذرا ابا جی! رہبان بھائی کچھ کمزور
کمزور سے نہیں لگ رہے آپ کو؟'' اعیان یقیناً ماحول کی کثافت کو کم کرنا چاہ رہا تھا اور اپنی
اس کوشش میں وہ کامیاب بھی رہا تھا۔ ابا جی مسکرائے تھے۔ وہیں مژگان کے چہرے پر بھی
بہت مدھم سا تبسم پھیل گیا تھا اور وہ بہت آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں...... میں کچن دیکھتی ہوں۔'' اور اس کے ساتھ ہی وہ بہت آہستہ قدموں سے چلتی
ہوئی کچن میں داخل ہوگئی تھی۔ اعیان نے دور تک اس دھان پان سی لڑکی کو دیکھا تھا۔

''بھابی بہت اچھی ہیں۔ ہیں نا ابا جی؟'' اعیان نے سید عالم شاہ کی جانب تائیدی نظروں
سے دیکھا تھا۔

''بھیا کی چوائس بہت زبردست ہے۔'' اعیان نے سراہا تھا۔

''خدا جوڑی سلامت رکھے۔'' سید عالم شاہ نے بہت حلیم انداز میں کہا تھا اور رہبان عالم
شاہ فقط دیکھ کر رہ گیا تھا۔

❁......❁

تقدیر کے کھیل نرالے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات جی کسی بات کی تکمیل کے لئے بے تحاشا
اصرار کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ بات ہو جائے۔ بہت سی منتیں مرادیں تک مانی جاتی ہیں۔
دعاؤں کا ایک سلسلہ لگاتار کیفیت اختیار کر لیتا ہے۔ طلب اتنی شدید ہوتی ہے کہ پوری جان
انحصار کر لیتی ہے مگر وہ نہیں ہو پاتا۔ تقدیر اپنا وار کر جاتی ہے۔

اور بعض اوقات کسی کام کی خواہش نہیں ہوتی اور اچانک ہی وقوع پذیر ہو کر حیرت میں
مبتلا کر جاتا ہے۔

شاید وہ بہت زیادہ ناخوش تھی۔ ملال کی کیفیت چہرے پر چھائی ہوئی تھی۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ سب جائز اور اخلاق کے دائرے میں ہوا ہے۔ میں خود کو مجرم قطعی طور پر تصور نہیں کرتا۔" اس کی بہت سی سسکیوں کے جواب میں اعصار شیخ بہت جھنجھلا کر گویا ہوا تھا۔ مگر اس کی نہ تو آنکھوں کے آنسو ہی تھمے تھے نہ ہی ہچکیاں۔

"ادعیہ! اسٹاپ اٹ۔ فقط نکاح کے پیپرز ہی تو سائن ہوئے ہیں۔ ایسا کیا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ اپنی مرضی سے زندگی کا ہمسفر چن لینا گناہ ہے کیا؟"

اور تب وہ اچانک ہی سر اٹھا کر اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ انداز مرنے اور مارنے والا تھا۔

"مجھے میری مرضی کے خلاف اٹھا کر زبردستی اس ہوٹل کے کمرے تک لانے اور دھمکی آمیز انداز اختیار کر کے نکاح کے پیپرز پر سائن کرانے تک کے تمام عمل کو کیا آپ بہت قابل تحسین تصور کرتے ہیں؟" آنسوؤں کے درمیان لفظوں نے بمشکل ساتھ دیا تھا۔

اور وہ جو خونخوار انداز اختیار کر کے مرنے مارنے پر تلی بیٹھی تھی، جانے کیونکر یکدم ہی شکست پائی کا شکار ہوگئی۔

"مجھے تو تم نے کہیں کا بھی نہیں چھوڑا اعصار شیخ! ابو کے بعد تو یوں بھی کوئی پرسانِ حال نہ رہا تھا۔ اب تو حالت مزید دگرگوں ہو جائے گی۔ تم نہیں جانتے مگر تم میرے لئے زندگی کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر چکے ہو اور اس اقدام کے لئے یقیناً تم سراہے جانے کے قابل قطعی نہیں ہو۔ ہمیشہ اچھا دوست سمجھا تھا تمہیں۔ گمان تک نہ تھا کہ ایسا وار کرو گے۔ کس کس سے وضاحت کروں گی میں؟ کس کس کی نظروں کا سامنا کروں گی؟ کس کس کے طعنوں کو سہوں گی؟ کس کس کو اپنی بے گناہی کا یقین دلاؤں گی اور کسے میرے بے گناہ ہونے کا یقین ہوگا؟ تمہارے فقط ایک قدم نے مجھے پستیوں میں لا پٹخا ہے۔ اس طرح کب تک زمین کی خاک بنی رہوں گی میں۔ تم تو مرد ہو، آسمان کی مانند ہو۔ میں کب تک قدموں تلے روندی جاتی رہوں گی۔ کتنا غرور تھا، کس قدر مان تھا۔ تم نے تو پل میں مجھے بے مول کر دیا۔ اعصار شیخ! میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔" وہ شکستہ سے لہجے میں بولی۔

اعصار شیخ کتنے ہی لمحے اس کی جانب دیکھتا رہا تھا۔ شاید لمحہ بھر کو احساسِ ندامت ہوا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور چلتے ہوئے اس کے قریب جا رکا تھا۔ کچھ دیر ٹھہر کر یونہی اس کے جھکے سر اور سسکیوں کے زیر اثر ہولے ہولے ہلتے ہوئے وجود کو دیکھا تھا، پھر دھیرے سے گھٹنوں کے بل اس کے قریب عین سامنے بیٹھ گیا تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی متواتر سوں سوں کرتی ناک کے ساتھ آنسو بہائے جا رہی تھی۔

بہت دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے شانے پر رکھا تھا۔ وہ یک دم اچھلی تھی۔ اس کا ہاتھ فوراً ہی جھٹکا تھا اور اٹھ کر ایک سرعت کے ساتھ دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔

اعصار شیخ یقیناً شرمندہ تھا۔ کوئی وضاحت کرنا چاہتا تھا۔

وہ پھر اٹھ کر چلتا ہوا اس کے عین سامنے جا رکا تھا۔ کچھ دیر تک اس کے آنسوؤں سے تر چہرے کو یونہی دیکھتا رہا، پھر ہولے سے ایک ہاتھ دیوار پر ٹکا دیا جیسے اس کے فرار کے سارے راستے مسدود کر دیئے ہوں۔

قربت اچانک ہی بڑھ گئی تھی۔

کوئی اور موقع ہوتا تو شاید ادعیہ کے جسم کا تمام خون اس کے چہرے پر آن رکتا۔ دل شاید پوری شدت سے دھڑکتا۔ کسی کی گرمئی شوق سے شاید سارا وجود ہی جل جاتا۔

مگر اس لمحے اس کی کیفیت یکسر مختلف تھی۔ نہ تو بہت قربت کے احساس نے اس کے حواس خطا کیے تھے، نہ ہی کسی کی گرمئی شوق نے اسے پگھلایا تھا۔

اعصار شیخ نے اپنے مضبوط ہاتھ کو اس کے نازک سے شانے پر دھرا تھا۔ وہ چونکی تھی اور پھر یک دم ہی اس پر جھپٹ پڑی تھی۔ اپنے نازک سے ہاتھوں کے مکے بنا کر وہ اس کے سینے پر مارتی چلی گئی تھی۔ اعصار شیخ نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔ اس کے سامنے یونہی مضبوطی کے ساتھ کھڑا رہا تھا۔ آخر تھک کر وہ خود ہی رکی تھی اور پھر اسی کے سینے پر سر رکھ کر ایک بار پھر نئے سرے سے رونے لگی تھی۔ عجیب عالم مدہوشی تھا۔

"تم مار چکے ہو مجھے...... خود اپنے ہاتھوں سے۔ کیا یہی تھی تمہاری محبت؟" یکدم وہ اس سے جدا ہوئی تھی۔ عالم ہوش میں واپس لوٹتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ اعصار نے اس کے آنسو پونچھنے کو ہاتھ بڑھایا تھا جسے اس نے بری طرح جھٹک دیا تھا۔

"کتنی سطحی سوچ رکھنے والے مرد نکلے تم۔ وہی عام سا مرد جس کی حاجات اور ضرورتیں سطحی قسم کی ہوتی ہیں۔" بہت طنز سے بجھے تیر چلاتے ہوئے اس نے جیسے اعصار شیخ کو اپنی نگاہوں سے قتل کرنا چاہا تھا۔

"پتہ نہیں تم اپنی نگاہوں سے خود آپ گرے ہو یا نہیں۔ مگر میری نظروں میں تم بہت چھوٹے انسان بن چکے ہو۔" ادعیہ نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا تھا اور پھر کاؤچ پر دھری اپنی فائل اور شولڈر بیگ کی جانب بڑھنا چاہا تھا مگر اچانک ہی اس کا وجود اعصار شیخ کی مضبوط گرفت میں آ گیا تھا۔ اس کی کلائی کو ایک جھٹکے سے موڑتے ہوئے اس نے اس کا رخ اپنی جانب پھیرا تھا۔ اس کا سر اس کے سینے سے آن لگا تھا گرم گرم سانسوں کے الاؤ نے

جیسے اسے لمحہ بھر میں جھلسا دیا تھا۔

اس نے تمام حواسوں کو بیدار کرتے ہوئے بمشکل سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت سے اس کے شانوں پر ایک ناقابل برداشت بوجھ تھا۔ اس کی انگلیاں جیسے گوشت میں کھب رہی تھیں۔

اعصار شیخ کا انداز بے حد جارحانہ تھا۔

''تم میری بات سنے بغیر کہیں نہیں جا سکتیں۔ سننا چاہتی ہو تو سنو، تم زندگی ہو میری۔ اور زندگی کوئی کھونا نہیں چاہتا۔ میں اپنی آخری سانس تک تمہارے لئے لڑوں گا۔ کیونکہ میں جینا چاہتا ہوں۔''

اس کی مدھم سرگوشیوں کے بول اس کی ساعتوں میں منتقل ہو کر کوئی احساس قطعی بیدار نہ کر رہے تھے۔ وہ اب بھی ایسی ہی تنی تنی سی کھڑی تھی۔

''محبت کرنے والے چور راستے اختیار نہیں کرتے۔ ایسا فقط ارادوں میں ناپختہ لوگ ہی کرتے ہیں۔'' ادعیہ نے بہت مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے اعصار شیخ کے حصار کو اپنے گرد سے ہٹایا تھا۔ ''چند کاغذوں پر سائن کروا لینے سے کسی خوش فہمی میں قطعی نہ مبتلا ہو جانا کہ میں تمہیں حاصل ہو سکتی ہوں، یہ فقط تمہاری خام خیالی ہے۔'' ادعیہ کے لہجے میں زہر ہی زہر تھا۔

اعصار شیخ نے اسے بغور دیکھا تھا۔ پھر دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ ''تم مجھے حاصل ہو چکی ہو، میرے نام کے ساتھ جڑ چکی ہو۔ کیا اس بات کا احساس تمہیں نہیں ہے؟'' اس نے اس کی بے عقلی پر ماتم کیا تھا۔ ادعیہ اسے لمحہ بھر کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''اپنے نام اور علامتوں کے علم گاڑ دینے سے فقط قلعے اور مقبوضہ علاقے فتح ہوتے ہیں، جیتے جاگتے وجود نہیں۔ ادعیہ تمہاری ملکیت نہیں۔'' وہ بنا دبے مضبوط انداز میں باور کراتے ہوئے پلٹی تھی اور پھر دروازہ کھولتے ہوئے باہر نکل گئی تھی۔

اعصار شیخ کتنے ہی لمحے وہیں ساکت کھڑا رہا تھا۔

✿......✿

ابتدا کے لمحوں میں وہ جس قدر نروس ہوئی تھی، اب اسی قدر مطمئن اور پرسکون انداز میں مکمل استحقاق کے ساتھ اپنے اہم ترین فرائض سرانجام دے رہی تھی۔ اما اور اعیان کے لئے تیسرا بیڈ روم کھلوا کر صاف کرنے اور ان کے سونے تک وہ مکمل طور پر مستعد بہو کا روپ اختیار کئے رہی تھی۔ اعیان اسے دیکھ کر خاصا حیران بھی ہو رہا تھا۔

''بھائی کے انداز سے تو لگ رہا تھا کہ جیسے آپ گھرداری سے واقف ہی نہیں۔ مگر آپ تو

ماشاء اللہ سے خاصی سگھڑ معلوم ہو رہی ہیں۔'' اور وہ فقط مسکرا دی تھی۔

اور جب تمام ضروری امور سرانجام دے کر وہ اپنے بیڈ روم کی جانب بڑھ رہی تھی، تب اچانک ہی رہبان عالم شاہ نے اس کا نازک سا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ چونکہ اس کے لئے تیار نہیں تھی اس لئے بے حد چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ دل اس کے انداز پر جانے کیوں یکدم ہی تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا۔

''تم...... تم میرے بیڈ روم میں چلو۔'' رہبان عالم شاہ کا ایک جملہ بہت کچھ باور کرانے کو اور سمجھانے کو کافی تھا۔ وہ یقیناً سیّد عالم شاہ اور اعیان کی موجودگی کے باعث حفظ ماتقدم کے طور پر تمام حکمت عملی ترتیب دے رہا تھا۔ دل یا جذبات کو ہمیشہ کی طرح دخل نہیں تھا۔

مژگان نے ایک گہرا سانس خارج کیا تھا، پھر سر ہلا دیا تھا۔ اور اس کے باوجود وہ اس کے سامنے کھڑا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

مژگان نے اسے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہ بے حد قریب کھڑا اسے جس انداز سے دیکھ رہا تھا، وہ سمجھ نہ سکی۔ اس کی ''ہاں'' کے باوجود اور تب جانے کیوں اس کے لبوں پر کسی خیال کے تحت بہت مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تم سمجھ رہی ہو نا؟'' وہ یقیناً صورت حال کے متعلق فکرمند تھا۔

''ہوں۔'' اس نے ہونٹ بھینچ کر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اس کا نازک سا ہاتھ اب بھی اس کی مضبوط گرفت میں تھا۔ اس وقت مژگان کو وہ کوئی چھوٹا سا خوفزدہ بچہ لگ رہا تھا۔ اس نے تسلی کے طور پر اپنا دوسرا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ پر رکھ دیا تھا۔

''بے فکر رہئے، سب ٹھیک ہو گا۔'' اسے اطمینان دلاتے ہوئے وہ یقیناً خود کو بھی تیار کر رہی تھی۔ ایک نئے موڑ پر بدل جانے والے اور اچانک چونکا دینے والے وقت کو یقیناً اب اسے ہر صورت فیس کرنا تھا۔

وہ دونوں اسی طرح وہاں کھڑے تھے جب اعیان سامنے کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔

''اوہ مائی گاڈ...... آپ یہیں کھڑے کھڑے رومینٹک ہو رہے ہیں۔'' اس کا جملہ اتنا اچانک اور غیر متوقع تھا کہ بے ساختہ ہی رہبان عالم شاہ کے لبوں پر مسکراہٹ اتری تھی اور وہ جو واقعی اس کے بے حد قریب کھڑی تھی، یک دم ہی بوکھلا کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔ چہرے پر شرم سے زیادہ خجالت کے رنگ اور اثرات واضح انداز میں محسوس کئے جا سکتے تھے۔

''سوری۔ مگر میں اس لئے باہر نکلا تھا کہ آپ کو انفارم کر سکوں کہ صبح ذرا جلدی جگا دیجئے گا۔ کمرے میں الارم والی گھڑی موجود نہیں۔'' وہ یقیناً مژگان کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

لبوں پر بہت ہی شریر مسکراہٹ تھی۔ ”بھابی! اگر جلد اٹھ جائیں تو پلیز، ناک کر دیجئے گا۔ مجھے صبح جاگنگ کی عادت ہے۔ آپ کے ہزبینڈ کو ہے یا نہیں، اس کا تو مجھے پتہ نہیں۔ مگر میرا دن بغیر جاگنگ بہت برا گزرتا ہے۔“

وہ یونہی سر جھکائے کھڑی رہی۔

”بھابی!“ اعیان نے مسکراتے ہوئے پھر پکارا۔ ”آپ سن رہی ہیں نا؟“ کوئی شوخ اور لطیف سی شرارت کو محسوس کرنے کا تجربہ بہت نیا تھا۔

”ہوں...... سن رہی ہوں۔“ وہ موقع کی نزاکت کے تحت اس کی جانب فوری طور پر سر اٹھا کر دیکھنے کے لئے پابند تھی جیسے۔ ”صبح جگا دوں گی تمہیں۔ ڈونٹ وری۔“ اس نے رشتے کے بڑے پن کے حساب سے انداز اختیار کیا۔

”آپ تو اتنی سیدھی سادھی سی ہیں۔ بھیا کو کیسے ہینڈل کرتی ہوں گی؟“ وہ چھیڑنے سے باز نہ رہا تھا۔

رہبان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ ”تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے، موصوفہ لندن سٹی کی پروردہ ہیں۔“

”اوہ نو!“ اعیان کو جیسے یقین نہ آیا۔ بغور مژگان کو دیکھا۔ ”یعنی آپ کی محبت میں اتنی پاور تھی کہ مژگان بھابی نے خود کو بالکل ہی بدل ڈالا۔ حیرت ہے، یقین نہیں آتا۔“ اس کی نگاہ نے پل بھر میں ازسرِنو سرتا پا اس کا جائزہ لیا تھا۔

”یقین کر لو۔ محبت بہت کچھ بدل سکتی ہے۔ بہت سے رخ موڑ سکتی ہے۔“ رہبان، مژگان کی جانب دیکھتے ہوئے ہنسا تھا۔

”اس محبت نے فقط مژگان بھابی کو ہی بدلا ہے یا کچھ آپ بھی بدلے؟ ویسے لگ تو بالکل ایسے ہی رہے ہیں جیسے آج سے چار پانچ برس قبل تھے۔ یعنی محبت نے آپ کو اچھی خاصی چھوٹ دے ڈالی۔“ اعیان کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔ دونوں فقط رسمی مسکراہٹ کے ساتھ ایک دوسرے کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔

”اینی وے...... گڈ نائٹ۔“

وہ پلٹا تھا اور پھر کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کرنے سے قبل ایک مسکراتی نگاہ ان دونوں پر ڈالی تھی۔ اعیان کے جانے کے بعد بھی وہ اس کی گرم گرم نظروں کو خود پر محسوس کرتے ہوئے سر نہ اٹھا سکی تھی۔

”اٹس دی رائٹ ٹائم فار سلیپنگ۔“ وہ شاید یاد کرانے کو بولا تھا اور تب وہ دھڑکنوں

بہت سے شور کو دباتے ہوئے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

”آپ چلیں۔ میں کچن سمیٹ کر آتی ہوں۔“ اس نے ماہر گھریلو عورتوں کے سے انداز کہا تھا۔ رہبان عالم شاہ کے لبوں پر اس سے نہ تو کوئی رسمی مسکراہٹ تھی نہ شوخی نہ شرارت کوئی جملہ۔ بہت رسمی سا انداز تھا۔ کچھ لمحے قبل والے رہبان عالم شاہ اور اس رہبان عالم میں بہت فرق تھا۔ وہ ہولے سے مڑی تھی اور پھر کچن کی جانب بڑھ گئی تھی۔

اور جب وہ کچن کے کام سمیٹ کر اس کے بیڈ روم میں بہت دبے قدموں داخل ہوئی تھی دیواروں پر آویزاں تجل عباس نقوی کی بہت سی تصویروں کو اتارنے میں مصروف تھا۔ وہ دیر تک یونہی کھڑی دیکھتی رہی۔ بچی تو تھی نہیں، موقع اور موقعے کی نزاکت کو یقیناً سمجھ تھی۔ سمجھنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس اچانک صورت حال پر رہبان عالم شاہ یقیناً اپنا ع چاہ رہا تھا۔

ان بہت سی حسین تصویروں کو اتار کر اسے اپنے کمرے میں جگہ دینے کا مقصد یقیناً قطعی نہ تھا جو کہ دل میں کوئی ہلچل سی برپا کر کے پورے وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا۔ کوئی حسین، دلکش، معطر سا جذبہ یقیناً اس کے پس پردہ قطعی طور پر پوشیدہ نہ تھا۔ وہ یونہی ڑی دیکھ رہی تھی جب وہ یکدم پلٹا تھا۔ اسے دیکھ کر کوئی خاص تاثر نہ دیا تھا۔ تمام تصویروں لے کر وہ اسٹور روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔ وہ اس تمام صورتحال پر اگرچہ حیران نہیں تھی مگر بھی جانے کیوں وہاں سے ہل نہ سکی تھی۔

وہ جب واپس لوٹا تھا تب بھی وہ وہیں کھڑی ہوئی تھی۔

”تم ابھی تک یونہی کھڑی ہو؟“ وہ حیران ہوا تھا اور تب وہ دھیرے سے چلتی ہوئی بیڈ ایک سرے پر بیٹھ گئی تھی۔ تب وہ پہلے تو اسے کچھ دیر یونہی کھڑا دیکھتا رہا تھا، پھر چلتا ہوا کے قریب آن رکا تھا۔

”مژگان......!“ بہت ہولے سے پکارا تھا جیسے اس کی غائب دماغی کی کیفیت کو ختم کرنا ہو۔

”ہوں......“ اس نے فوراً ہی سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اور تب وہ ہولے سے اس کے یب بیٹھ گیا تھا۔ کچھ دیر یونہی خاموش رہ کر جیسے لفظ تلاشے تھے۔ وہ اس دوران خاموشی ساتھ منتظر نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔

”مژگان! اگرچہ میں تجل کے لئے کچھ تیاگ آیا تھا۔ لیکن پچھتاوے کے ایک بتے الاؤ میں برسوں جلتا رہا ہوں۔ ماں باپ کے دلوں کو دکھانے کا ملال دن رات ستاتا رہا

ہے مجھے۔ میں ساری کشتیاں جلا آیا تھا۔ واپسی کی کوئی ایک راہ بھی باقی نہ چھوڑی تھی۔ اگرچہ میں نے کبھی جلد بازی کا یا حد درجہ جذباتیت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ مگر نہ جانے کیسے تحمل کے لئے میرا دل میرے مقابل ڈٹ گیا اور میں نے اتنا بڑا فیصلہ کرلیا۔ سب کچھ تیاگ دیا۔ مگر اب...... میں واپس لوٹنا چاہتا تھا۔ ماں باپ، بہن بھائی سب سے اسی طرح ملنا چاہتا تھا۔ ان کے درمیان بیٹھ کر زندگی کے لطف کو محسوس کرنا چاہتا تھا مگر ہمیشہ ایک ڈر نے میرا راستہ روکے رکھا۔ شاید واپسی کی کوئی راہ نہ تھی۔ ابا جی کے اصولوں پر سمجھوتہ نہ کرنے کی عادت سے بخوبی واقف تھا۔ شاید اس لئے بھی۔''

وہ لمحہ بھر کو رکا۔ وہ سر جھکائے منتظر رہی۔

''وقت پہلی بار مجھ پر مہربان ہوا ہے اور میں ان لمحوں کو گنوانا نہیں چاہتا۔ ابا جی پہلی بار اپنی انا کے حصار کو توڑ کر جھکے ہیں۔ میں ان کے مان کو توڑنا قطعی نہیں چاہوں گا۔ اعیان بتا رہا تھا وہ میرے باعث ہارٹ پیشنٹ بن چکے ہیں۔ پچھلے سال وہ بائی پاس کے مرحلے سے گزرے ہیں۔ میں جانتا ہوں وہ مجھ سے کس قدر محبت کرتے ہیں۔ اپنی گزشتہ غلطی کو دہرا کر میں کوئی نقصان اٹھانا نہیں چاہتا۔'' رہبان عالم شاہ نے رک کر ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''کائنات کی شادی اک بہانہ ہوگئی۔ ابا جی نے برسوں سے جاری اپنی سرد مہری کے خول کو توڑ دیا۔ ورنہ تو شاید میں تاحیات ان کی جانب نہ لوٹ پاتا۔'' وہ کہہ کر خاموش ہوگیا۔

مژگان خاموشی سے سر جھکائے یونہی اپنی پھیلی ہوئی ہتھیلیوں کو کھوئے کھوئے سے انداز میں دیکھتی جا رہی تھی۔ رہبان عالم شاہ اسے دیکھ کر ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے دوسری سمت دیکھنے لگا تھا۔ تبھی وہ بہت ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

''میں نے اپنی زندگی کے لئے کبھی کوئی پلاننگ نہیں کی۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ زندگی کبھی کسی پلاننگ کے تحت بسر نہیں ہوتی۔ یہ لمحوں میں رخ بدلتی ہے اور ہمیں حیران چھوڑ جاتی ہے۔ آنے والا لمحہ کبھی کچھ بھی لے کر آسکتا ہے۔ اس میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ ساری حکمت عملیاں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ میں وقت کے ساتھ زندگی کے ڈھنگ کو برتنے کی قائل رہی ہوں۔ زندگی نے جن راستوں پر چاہا، میں نے ان راستوں پر سفر کیا۔ ان راہوں پر قدم رکھ دیا۔ اس نے جو راستہ میرے سامنے رکھا، مجھے وہی منزل لگا۔ میں نے کبھی کوئی مزاحمت نہیں کی۔ کیونکہ میں جانتی ہوں تمام فیصلے طے شدہ ہیں۔ جو ہونا ہے، جو ہو رہا ہے سب تقدیر کے ابواب میں پہلے سے درج ہے۔ میرے کچھ چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ بدلے گا نہیں۔ کچھ بدل بھی کیسے سکتا ہے۔ ہم جب سے دنیا میں آئے ہیں، اپنی طے شدہ

ذیر کے حصار میں مقید ہیں۔'' وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔

وہ خاموشی سے اسے تکتا رہا تھا۔ اگرچہ اس کی نگاہوں میں کوئی الزام نہ تھا مگر جانے کس ال کے تحت مژگان نے مسکراتے ہوئے دھیرے سے اس کے مضبوط ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر ا تھا۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں...... جس طرح تم میرے ساتھ تھے۔'' کہہ کر وہ اٹھی تھی اور رواش روم کی جانب قدم بڑھا دیئے تھے۔

رہبان عالم شاہ اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

✿......✿

آج اتنی دیر کردی آپ نے؟'' رانیہ نے دروازہ کھولتے ہی پہلا سوال یہی دریافت کیا

''میں تو عمر کو کوچنگ سنٹر بھجوانے والی تھی۔ امی بھی اتنی فکرمند ہو رہی تھیں۔''

اس نے بنا کوئی جواب دیئے قدم اندر کی جانب بڑھا دیئے تھے۔

رانیہ نے شاید اپنی فکر اور پریشانی میں اس کے چہرے کو بغور نہیں دیکھا تھا۔ اس کی ھوں پر غور نہیں کیا۔ تبھی کچھ ''عجیب'' بھی نہ لگا۔ نہ وہ چونکی تھی نہ حیران ہو کر امی کو آواز ی تھی۔ شاید ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یونیورسٹی اور کوچنگ کے بعد وہ اکثر شام ڈھلے ہی گھر میں م رکھتی تھی۔ ویگنوں اور بسوں کی خواریوں کے بعد چہرے پر تازگی بھی نام کو نہ بچتی تھی۔

''رانیہ! بہن آگئی یا نہیں؟'' امی نماز کے بعد فارغ ہو کر باہر نکلیں تو رانیہ سے دریافت کیا۔

''جی امی، آگئی ہیں۔''

''شکر ہے۔ میرا دل تو ہولنے لگتا ہے۔ بچیاں جب تک گھر کو نہ لوٹ آئیں، ایک بے ی سی لگی رہتی ہے۔ اتنی دیر کیوں ہوگئی؟''

''ظاہری بات ہے امی! ویگنوں، بسوں کی خواریوں میں دیر تو ہو ہی جاتی ہے۔'' رانیہ فوراً ہی وضاحت پیش کی۔

''ہاں، یہ تو ہے۔ چل کچن کو دیکھ۔ اور یہ عمر ابھی تک کوچنگ سے لوٹا یا نہیں؟''

''نہیں، ابھی وہ تو نہیں آیا۔'' رانیہ کہہ کر کچن کی سمت بڑھ گئی تو وہ ادعیہ کے کمرے کی نب آئیں۔

اس کا بیگ اور فائل بیڈ پر دھرے تھے اور وہ خود واش روم میں تھی۔ شعاع غالباً کچن میں ا۔ وہ مطمئن سی ہو کر ٹی وی لاؤنج میں جا بیٹھیں۔

وہ آتے ہی واش روم میں دانستہ گھس گئی تھی تاکہ فوری طور پر کسی کی نگاہوں کا سامنا نہ

کرنا پڑے۔ وہ کسی سے کچھ بھی چھپا نہ سکتی تھی نہ ہی چھپانا چاہتی تھی۔ مگر فی الفور سب کچھ عیاں کر کے شدید ترین صدمے سے دوچار بھی نہ کرنا چاہتی تھی۔ شعاع جب اس کے لئے چائے لے کر اندر آئی تو وہ بیڈ کے ایک سرے پر بت سی بنی بیٹھی تھی۔

''ادعیہ!'' شعاع نے دھیرے سے پکارا۔ ''اس طرح کیوں بیٹھی ہو؟''

اس نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ تب وہ یک دم چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''تم ٹھیک تو ہو؟'' اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر وہ قدرے فکرمندی سے پوچھ رہی تھی۔

''ہوں...... ہاں ٹھیک ہوں۔'' ادعیہ نے خود کو بہت مشکل سے سنبھالا تھا۔

''کیا ہوا ہے تمہیں؟'' شعاع کا لہجہ بہت مدھم تھا۔ متفکر سا۔ نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑے بغور وہ اسے تک رہی تھی۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے جیسے دل پر پتھر رکھ کر خود کو مسکرانے پر مائل کیا۔

''تمہاری آنکھیں، تمہارا چہرہ، روئی ہو تم؟'' شعاع جیسے اندر تک جھانکنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔

''نن...... نہیں۔ وہ باتھ لیتے ہوئے آنکھوں میں شاید شیمپو چلا گیا تھا۔ ابھی تک جلن ہو رہی ہے۔'' اس نے آنکھوں کو باقاعدہ ہاتھ سے چھوا تھا۔

شعاع اس کی وضاحت پر فقط خاموشی سے تکتی رہ گئی تھی۔

ادعیہ نے نگاہیں اٹھا کر بہت دھیرے سے دیکھا تھا۔ وہ اب بھی اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں میں بہت سے سوال تھے۔ بہت سے خدشے تھے اور وہ......

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' وہ یکدم ہی ہنس دی تھی۔

''ادعیہ تم......'' شعاع جانے کیوں کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

اور اس لمحے ادعیہ کے پاس اسے مطمئن کرنے کو کوئی ایک لفظ بھی نہ تھا۔ جانے کیسے، اتنے ضبط کے باوجود آنکھوں سے یکدم ہی آنسو بہہ نکلے تھے۔ سارے بند ایک لمحے میں ڈھیر ہو گئے تھے۔ سارے ضبط دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔

شعاع ساکت سی کھڑی اسے تکتی رہ گئی تھی۔

''شعاع! بہن کو چائے دے دی؟'' امی کی آواز باہر سے اچانک ہی آئی تھی اور شعاع ایک لمحے میں ہی ایک بہت گہری کھائی سے جیسے باہر آئی تھی۔

''جی...... جی امی۔'' شعاع نے ہاتھ بڑھا کر یکدم ہی اس کی آنکھوں کو صاف کیا۔ ادعیہ نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

شعاع نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر اسی خاموشی میں دھیرے سے نفی میں سر ہلاتے جیسے اسے کسی بھی پیش قدمی سے باز رکھنا چاہا تھا۔

''شعاع!'' ادعیہ کا جیسے ضبط ٹوٹنے لگا تھا۔ آنکھوں میں سمندر آن ٹھہرے تھے۔

''اوں...... ہوں......!'' شعاع نے ہونٹ بھینچ کر نفی میں سر ہلایا تھا۔ ''ادعیہ! ابو کا ہمیں چھوڑ کے چلے جانا ناقابل تلافی نقصان ہے۔ ابھی تک ہم اسی صدمے سے باہر نہیں نکل پائے۔ ان کے بعد میں کوئی مزید نقصان سہنے کی متحمل نہیں ہوں۔ امی سے بہت پیار ہے ہم کو، پلیز۔'' شعاع کے لہجے میں التجائیں ہی التجائیں تھیں۔

اور ادعیہ اتنی ظالم تو قطعی نہ تھی۔ امی سے پیار تو اسے بھی تھا۔ شاید تبھی دل پر ایک بھاری پتھر رکھ کر وہ اٹھی تھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔

شعاع نے بہت دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اسے دیکھا تھا اور پھر بہت ضبط کے ساتھ باہر کی جانب بڑھا دیئے تھے۔

کیا ہوا؟

یہ تو وہ قطعی نہ جانتی تھی

لیکن اتنا جانتی تھی کہ کچھ ہوا ضرور تھا۔

ادعیہ پر کیا بیتی تھی؟

اور کیا گزر گئی تھی؟ یہ فی الحال ایک معمہ ہی تھا اس کے لئے۔

ابھی تمام کیفیات پر قابو پاتے ہوئے وہ باہر نکل آئی تھی۔

''کھانا تیار ہو گیا؟'' امی نے اسے دیکھتے ہی دریافت کیا تھا۔

''جی...... جی ہاں۔'' اس نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔

''ادعیہ آتے ہی لیٹ گئی کیا۔ طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی؟'' امی نے فکرمندی سے پوچھا کیا تھا۔

''جی ہاں...... اسے بھلا کیا ہوگا۔ پہلے باتھ لے رہی تھی، اب چائے پی رہی ہے۔ کھانا لاؤں؟'' شعاع نے تمام تر تفصیل سے آگاہ کر کے اجازت چاہی۔

''عمر آ گیا ہے؟'' امی نے دریافت کیا۔

''نہیں۔ وہ تو شاید ابھی نہیں آیا۔''

''تو پھر ٹھیک ہے۔ جب آ جائے، تب ٹیبل لگا دینا۔ ایک تو اس لڑکے کو بھی ہوش نہیں۔ رات ہو رہی ہے اور ابھی تک گھر سے باہر ہے۔''

''امی! آپ خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ وہ کون سا لڑکی ہے۔'' رانیہ ہاتھ پونچھتی کچن سے باہر آئی تھی۔

''بیٹا! پریشانی فقط لڑکیوں کے لئے ہی نہیں ہوا کرتی، لڑکوں کے لئے بھی اسی قدر ہے۔ بیٹا ہو یا بیٹی۔ اتنی دیر تک کسی کا بھی باہر رہنا اچھا نہیں۔'' امی نے جواباً سمجھایا تو شعاع کا ذہن ایک ہی دائرے میں سفر کرنے لگا تھا۔

''یہ ادعیہ نے ابھی تک چائے نہیں پی؟'' امی کا دھیان پھر اسی طرف ہو گیا ''ادعیہ!'' امی نے اسے باقاعدہ آواز دے کر بلایا تھا۔

''جی امی!'' دوسرے ہی لمحے وہ دروازے میں تھی۔ شعاع نے بلا ارادہ ہی پلٹ کر تھا۔ دونوں کی نگاہیں ملی تھیں۔

''خیریت تو ہے؟ ادھر آ میری بچی! بہت ست لگ رہی ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟ سے آئی ہے کمرے میں ہی گھسی بیٹھی ہے۔ کئی بار پوچھ چکی ہوں۔'' امی نے چشمے کے سے اسے دیکھا تھا۔ وہ سر جھکا کر چلتی ہوئی ان کے قریب جا ٹھہری تھی۔

''جی امی! ٹھیک ہوں۔'' اس کا چہرہ اس کے لہجے کا ساتھ نہ دے رہا تھا۔ وہ بہت تک صورتحال کو سنبھالا دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

''یہ آنکھوں کو کیا ہوا تیری؟'' امی نے فکرمندی سے چونکتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں......بس یونہی۔'' وہ مسکرائی۔

امی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ ''تھک گئی ہے میری بچی؟''

ادعیہ نے بہت آہستہ سے سر جھکا دیا۔ ''ہاں، تھک گئی ہوں۔'' لہجہ بہت مدھم تھا۔

دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ امی نے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

''رانیہ! دروازہ کھول۔ بھائی آ گیا ہے۔ شعاع! کھانا لگا دو۔''

''لیں امی! آپ کو ڈور بیل سے ہی کیسے پتہ چل گیا کہ دروازے پر عمر ہے؟'' رانیہ مسکرائی۔

''ماں ہوں۔ بچوں کی صورت سے دل کے احوال جان لینے والی ہستی، بنا کہے سب باتوں کو سن لینے والی۔ ماں کی نگاہ بہت گہری ہوتی ہے۔ یہ ظاہری دو آنکھوں سے ہی نہیں دیکھتی، اس کے دل کی آنکھوں سے بڑے سے بڑے پوشیدہ اسرار و بھید دیکھے جا سکتے ہیں۔'' امی مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔ رانیہ دروازہ کھولنے کے لئے بڑھ گئی تھی۔

اور جہاں شعاع نے ادعیہ کی جانب دیکھا تھا، وہیں ادعیہ اپنی جگہ چور ہو گئی تھی۔ سر جھکا

فقط اپنے ہاتھوں کو تکنے لگی تھی۔

✿......✿

''بھابی! آپ کو دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ آپ شادی شدہ خاتون ہیں۔'' وہ بریانی لئے تیزی کے ساتھ پیاز کاٹ رہی تھی جب اعیان عالم شاہ کی آواز اس کی سماعتوں سے ئی تھی اور اس کے ہاتھ جہاں یک دم ہی تھمے تھے، وہیں دل یک دم ہی سینے کے اندر حد زور سے دھڑک اٹھا تھا۔ وہ چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

وہ بے تکلفی سے مسکرا رہا تھا۔

''لڑکیوں کو تو ہار سنگھار اور ایسے ہی کتنے درجن بھر دیگر کاموں کا شوق ہوتا ہے۔ آپ تو تمام باتوں سے مبرا نظر آتی ہیں۔'' وہ سینے پر ہاتھ باندھے جس طرح اسے جائزہ لیتی ں سے دیکھ رہا تھا، وہ جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

''آپ مسکرا رہی ہیں؟ ارے میں مطلع کر رہا ہوں۔ آفس میں درجن بھر حسین ترین ں کے جھرمٹ میں گھرے رہتے ہوں گے موصوف۔ یہ رنگ برنگ لہراتے آنچل اور ؤں سے لبریز وجود۔ ایسے میں گھر میں آپ کی خود سے لاتعلقی.....'' اعیان نے پُرافسوس اختیار کرتے ہوئے جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا تھا۔

مژگان نے فقط مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

''فقط مسکرائیں نہیں، خود پر کچھ توجہ دیں۔ مانا حسین ہیں، تو بجنے سنورنے کی ضرورت باقی رہتی۔ مگر کبھی کبھار ضرورت ہوا بھی کرتی ہے۔ بائے دی وے ایک بات تو بتائیں، جب پ دونوں پہلی بار ملے تھے تو پہلی دلچسپی یا پہلا تاثر کس جانب سے ابھرا تھا؟'' اعیان کا اور انداز شرارت سے لبریز تھا۔ اپنے رشتے کا استعمال وہ بہت بھرپور انداز میں کر رہا تھا۔

مژگان بھیگی بھیگی پلکوں کو اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ رہبان عالم شاہ سے بہت مختلف بہت شوخ سی مسکراہٹ لبوں پر لئے وہ یقیناً اس کے جواب کا منتظر تھا۔

اور مژگان سے فوری طور پر کوئی جواب نہ بن پڑا تھا۔ بس آنکھوں سے پانی بہہ رہا تھا۔

''یہ آپ پیاز کاٹنے کے بہانے کہیں رو تو نہیں رہیں؟'' وہ یقیناً مذاق کر رہا تھا اور وہ ہی بوکھلا کر ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑنے لگی تھی۔

''نن......نہیں تو......!''

''بھابی!'' وہ جیسے اس کے زچ ہو جانے پر محظوظ ہو کر ہنسنے لگا تھا۔ ''آپ بھائی کے [illegible] کم بات چیت کرتی ہیں؟'' وہ حیران تھا اس کی کم گوئی پر۔ اس نے فوراً

ہی نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"اچھا ایک بات بتائیں، پہلے اظہار کس جانب سے ہوا تھا؟" لفظ اظہار پر خاص زور دیتے ہوئے وہ بہت شرارت سے اس کی جانب تک رہا تھا۔

اب چونکہ وہ تیار تھی، سو اس کی جانب مصنوعی خفگی سے دیکھنے لگی۔

"اعیان......!" لبوں پر زبردستی دھیمی سی مسکراہٹ سجائی۔ "تم مجھے کھانا بنانے دو گے کہ نہیں۔ ابھی ابا جی اور وہ آجائیں گے۔" وہ کہہ کر تیزی کے ساتھ ہاتھ چلانے لگی تھی۔

"اوہ...... وہ......" اعیان کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔ مژگان کے لئے سب کچھ بہت انوکھا اور ناقابل یقین تھا۔ وہ فوری طور پر کیسا ری ایکٹ کرے، اسے بالکل سمجھ میں نہ آرہا تھا۔ یہ رشتہ...... یہ بڑے پن کا مان...... اس خوبصورت تعلق سے وابستہ شوخیوں اور شرارتوں کا سلسلہ...... اسے تو سرے سے کوئی تجربہ ہی نہ تھا۔

"تم باز نہیں آؤ گے۔ ان کے آنے پر سارا کھانا تم سے بنواؤں گی۔" اس نے دانست میں گویا دھمکی دی تھی اور وہ ہنس دیا تھا۔

"وائے ناٹ... یوں بھی ویسٹرن لائف نے مجھے خاصا ایکسپرٹ کر دیا ہے۔ کافی مزے کا کھانے بناتا ہوں۔ ابا جی پہچان ہی نہ پائیں گے کہ یہ کھانا ان کی بہو بیگم نے بنایا ہے یا اور نے؟" وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

"بات سنیں۔" اس نے پھر پکارا۔

وہ بادل نخواستہ سر اٹھا کر اسے تکنے لگی۔

"آپ کی کوئی اور بہن وغیرہ ہے؟" اس کے لہجے اور انداز میں شرارت ہی شرارت تھی

"اعیان!" وہ یقیناً اس کی شرارت سمجھ چکی تھی۔ لبوں پر آئی مسکراہٹ کو بھینچتے ہوئے اس نے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

"آئی ایم سیریس بھابی! ایک بیچارے شخص کا بھلا ہو جائے گا۔ آپ کا کیا جائے گا؟"

"میں اکلوتی ہوں۔"

"ویری سیڈ۔ کوئی دور پار کی کزن وزن بھی نہیں؟" وہ مسکرا رہا تھا۔

"اعیان!" اس نے ہاتھوں کو فارغ کرتے ہوئے اس کی جانب پیش قدمی کی تھی اور اسے پکڑ کر کچن سے باہر دھکیل دیا تھا۔ پلٹ کر کتنی ہی دیر تک وہ ایک عجیب سی کیفیت کے ساتھ کھڑی رہی تھی۔

✿......✿

معمول کے تمام کاموں کو نمٹا کر جب وہ کمرے میں واپس لوٹی تو شعاع اس کی منتظر بیٹھی تھی۔ وہ قدرے چونکی تھی۔ پھر دھیرے سے دہلیز چھوڑ کر آگے بڑھی تھی۔

"ادعیہ! دروازہ بند کر دو۔" شعاع نے بہت مدھم آواز میں کہا تھا اور تب وہ رکی تھی۔ پلٹی تھی۔ پھر بہت آہستگی کے ساتھ دروازہ بند کیا تھا اور دوسرے ہی لمحے چلتی ہوئی بیڈ کے کنارے پر آن بیٹھی۔

شعاع دھیرے سے اٹھی تھی اور چلتی ہوئی اس کے قریب آن بیٹھی تھی۔

ادعیہ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا، پھر دوبارہ نگاہ جھکا لی۔ شعاع اس کی جانب منتظر نظروں سے تک رہی تھی اور ادعیہ جیسے سر جھکا کر الفاظ ڈھونڈ رہی تھی۔

"ادعیہ پلیز۔" شعاع کی بہت دھیمی سی آواز نے اس سکوت کو توڑا تھا۔ جیسے اس کے لئے اب انتظار ناقابل برداشت تھا۔ ادعیہ نے سر جھکا کر آنکھوں میں آجانے والے پانیوں کو جیسے روکنا چاہا تھا۔

"جب میں یونیورسٹی سے واپس لوٹ رہی تھی، تب اچانک ہی وہاں پر اعصار آگیا۔"

"اعصار؟ اس نے کیا، کیا...... ادعیہ تم......" شعاع حیرت سے تقریباً چیخ پڑی۔ مگر آواز کو حد مدھم ہی رکھا۔ ادعیہ ہونٹ بھینچ کر اندر کی تمام کیفیات کو جیسے پسپا کرنے کی کوشش کرنے لگی مگر بہت سے اشک ٹوٹ کر رخساروں پر بہہ نکلے۔

"اس نے...... اس نے مجھے اغوا کیا...... اور......" بہت سے آنسو گلے کا پھندا ہو گئے۔

"اور......؟" شعاع کی جیسے جان پر بن گئی۔

"میری مرضی کے خلاف اس نے مجھ سے نکاح کے پیپرز پر سائن لے لئے۔" وہ کہہ کر گھٹنوں پر سر رکھ کر باقاعدہ ہچکیوں سے رونے لگی۔

شعاع تو اپنی جگہ ساکت تھی۔ جیسے پتھر ہو گئی تھی۔ "تم نے کر دیئے؟"

مگر ادعیہ کا وجود ہولے ہولے ہلتا رہا۔ بہت سی ہچکیوں پر قابو پاتے ہوئے وہ مسلسل آنسو بہائے جا رہی تھی۔

شعاع اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر ہاتھ بڑھا کر ہولے سے اس کے شانے پر دھر دیا تھا۔

"ادعیہ تم...... تم نے ایسا کیوں کیا؟" اس کے لہجے میں چھپے الزام نے جیسے ادعیہ کی روح کو روند ڈالا تھا۔ اسے اپنا وجود پستیوں میں پڑا ہوا نظر آرہا تھا۔

بہت سی ٹھوکریں جس کا نصیب تھیں۔

وہ سر اٹھا کر بے یقینی والے انداز میں بے بسی کے ساتھ اسے دیکھنے لگی تھی۔

شعاع نے اپنی نگاہ اس کے چہرے پر سے ہٹا لی تھی اور وہ اپنی جگہ کٹ کر رہ گئی تھی۔ ادعیہ کے لئے ہر بدلتا منظر جیسے قیامت تھا۔

''جانتی تھی میں، کوئی نہیں یقین کرے گا میرا۔ میں خود کو کبھی بھی بے گناہ ثابت نہ کر پاؤں گی۔'' بہت سے جملے پھر سے حلق میں پھنس گئے تھے۔

شعاع ایک دم ہی چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''اس نے...... اس نے...... اس نے تمہارے ساتھ مزید کچھ غلط تو نہیں کیا؟'' شعاع کا سوال تھا یا تیشہ...... ادعیہ کی ہمت نہ تھی کہ سر اٹھا کر اسے دیکھ بھی سکتی۔

''ادعیہ!'' شعاع کی آواز بہت کمزور تھی۔ بہت وحشت زدہ۔ اور اس گھڑی اس کے پاس سرنفی میں ہلانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا اور جواباً شعاع کی ایک اطمینان بھری گہری سانس خارج کرنے کی آواز واضح انداز میں اس کی سماعتوں میں پڑی تھی۔

''لیکن...... لیکن اس نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے ایک چور راہ اختیار کیوں کی؟'' شعاع پر اعصار کی تمام خصوصیات ظاہر تھیں۔ وہ واقعی سمجھ نہ پا رہی تھی کہ اتنے سمجھدار شخص نے ایسا بچگانہ قدم کیوں اٹھا لیا۔

''میں نہیں جانتی۔ لیکن اس نے میری زندگی تباہ کر ڈالی۔ میں کہاں جاؤں گی؟ کہاں پناہ لوں گی؟ کس کس کی نگاہوں سے بچوں گی؟ نا اعتباریوں کی گہری کھائی میں ڈال دیا ہے۔'' وہ سر گھٹنوں پر دھرے بہت سے گرم گرم لاوے کو باہر منتقل کرنے لگی تھی۔

شعاع نے اسے کوئی دلاسا نہیں دیا تھا۔ کوئی تسلی کا ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔

''ادعیہ! تم امی کو کچھ مت بتانا۔'' بہت مدھم لہجے میں ایک درخواست کی تھی جیسے اس نے۔ اور ادعیہ سر اٹھا کر اسے تکنے لگی تھی۔

''شعاع پلیز! مجھے مرنے کی کوئی راہ بتا دو۔ میرا گلا گھونٹ دو۔ میں زندہ رہوں گی تو بہت سی باتیں ہوں گی۔ نہیں جی پاؤں گی میں اتنی مشکل زندگی...... نہیں جی پاؤں گی۔'' شعاع کی گود میں سر رکھ کر بہت سے گرم گرم آنسو بہاتی چلی گئی تھی۔ ضبط کا کوئی یارا نہ رہا تھا۔

شعاع نے اس کو ایک نظر دیکھا تھا، پھر دھیرے سے ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا تھا۔

✿......✿

''واہ بھابی! زبردست۔ ابا جی کا دل تو آپ نے چٹکیوں میں جیت لیا۔ جواب نہیں ہے آپ کا۔ دل فتح کرنا تو کوئی آپ سے سیکھے۔ ابا جی بہت خوش نظر آ رہے ہیں اپنی بہو کے باعث۔ ان کا خیال تھا باہر کی آزاد فضا میں پرورش پانے والی لڑکیاں گھر داری کے فن سے

قطعی طور پر نابلد ہوتی ہیں۔ آپ نے تو تمام دعووں کو ہی مسترد کروا دیا۔ آج سمجھ میں آیا، بھیا کیوں ہار گئے۔''

''اعیان!'' وہ دل کی بے تحاشا دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے اس کی جانب تکنے لگی تھی اور وہ ہنس دیا تھا۔

''ایک اکلوتا دیور ہوں آپ کا۔ کیا اب اتنا سا حق بھی محفوظ نہیں رکھتا؟'' وہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ تبھی دروازہ کھول کر رہبان باہر نکلا تھا۔

''ختم ہو گئی آپ کی ابا جی کے ساتھ میٹنگ؟'' اعیان پلٹ کر بڑے بھائی کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''ہوں۔'' وہ آ کر مژگان کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ بہت کم فاصلہ تھا درمیان میں۔ مژگان کے اندر یکدم ہی ہلچل ہو گئی تھی۔ دل کی بہت سی منتشر دھڑکنوں کو قابو میں کرتی ہوئی وہ اسکرین کی سمت دیکھنے لگی تھی جس کا والیم اعیان نے بہت مدھم کر رکھا تھا۔ رہبان نے بھی نظریں اسکرین کی طرف کر دی تھیں۔

''آپ...... آپ چائے لیں گے؟''

''نہیں، ابھی موڈ نہیں۔'' وہ کہہ کر پھر چپ ہو گیا تھا۔ تب مژگان نے پھر خاموشی کے ساتھ نگاہیں اسکرین کی جانب مرکوز کر دی تھیں۔ اعیان نے دونوں کو بغور دیکھا تھا۔

''میرے خیال میں ڈرامہ اتنا دلچسپ تو قطعی نہیں جتنا آپ دونوں کا شوق ظاہر کر رہا ہے۔'' اعیان کے جملے پر دونوں ہی چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگے تھے۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''حالانکہ آواز بھی انتہائی کم ہے لیکن......'' وہ جملے کو ادھورا چھوڑ کر ان کی بیوقوفی پر جیسے محظوظ ہو کر ہنسنے لگا تھا۔ ''لگتا نہیں ہے کہ آپ دونوں اتنا دھواں دھار عشق فرما چکے ہیں۔'' ان کے بھرپور تجزیے پر دونوں نے بلا ارادہ ہی ایک دوسرے کی سمت دیکھا تھا اور پھر مژگان نے جہاں نگاہ چرائی تھی، وہیں رہبان عالم شاہ کا قہقہہ بہت غیر متوقع تھا۔

''تمہیں کیا کوئی شک ہے؟'' رہبان نے اس کی سمت ایک بھرپور پُر تپش نگاہ ڈال کر اعیان کی سمت دیکھا تھا۔

مژگان کو اس بات کی قطعی امید نہ تھی کہ کسی کے سامنے وہ اس طرح کا انداز اختیار کر سکتا ہے۔ وہ تو بند کمرے میں بھی برف کی سل تھا اور...... اس کی ایک نگاہ سے جیسے اس کے اندر بھونچال آ گیا تھا۔ نظریں نیچی کیے وہ کارپٹ کو گھورنے لگی تھی۔

''ہم نے نہ صرف دھواں دھار عشق فرمایا ہے بلکہ ایک دوسرے کے نام اپنی وفاداریاں بھی لکھ دی ہیں۔ اگر آج کے دور میں کوئی مؤرخ فارغ بیٹھا ہوتا تو یقیناً ہماری داستانِ عشق رقم کر رہا ہوتا۔ کیوں بیگم؟'' بہت شوخ سا انداز لئے وہ مسکراتا ہوا اس کی جانب دیکھتا ہو اس کی تائید چاہ رہا تھا۔

وقت کی مانگ کچھ اور تھی۔ وہ اگر حیرتوں کے سمندر میں غوطہ زن رہتی تو سارے کیے کرائے پر پانی بھی پھر سکتا تھا۔ شاید تبھی وہ دوسرے ہی پل بہت دھیمے انداز میں جیسے رہبان عالم شاہ کے کہے کی تصدیق کر کے نگاہ جھکا گئی تھی۔

''ہاں۔ اور یقیناً آنے والے وقت میں لوگ لیلیٰ مجنوں کی طرح آپ کی داستانِ عشق پڑھ کر محظوظ ہو رہے ہوتے۔'' اعیان ہنسنے لگا تھا۔

''کیوں، لیلیٰ مجنوں کے سر پر کیا سینگ تھے؟'' رہبان عالم شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور وہ جیسے زچ ہو کر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''میرا خیال ہے چائے لے ہی آتی ہوں۔'' لبوں پر مسکراہٹ لئے وہ اٹھنے والی تھی جب رہبان عالم شاہ نے یکدم ہی اس کی کلائی کو تھام لیا تھا۔

''چھوڑو نا۔ ابھی طلب نہیں ہے۔'' بہت پُرشوق نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ اعیان کے سامنے یہ حرکت اسے پانی پانی کرنے کو کافی تھی۔ وہ بہت آہستہ سے دوبارہ بیٹھ گئی تھی۔

اعیان عالم شاہ کا بے ساختہ قہقہہ اس کی سماعتوں میں تھا۔

''او مائی گاڈ، بھابی! آپ تو اس طرح کنفیوژ ہو گئی ہیں جیسے آپ کا ہاتھ ایک نامحرم کے ہاتھ میں آ گیا ہو۔ کون کہہ سکتا ہے آپ لندن پلٹ ہیں؟'' سر نفی میں ہلاتے ہوئے وہ مسکرا رہا تھا۔ مژگان نے ہمت کر کے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''اوں...... ہوں۔ لندن کبھی میرا تھا۔ اب تو میری جنت یہیں ہے۔'' بہت ہولے سے ایک نگاہ رہبان عالم شاہ کی سمت ڈالی تھی۔ اس کی نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں۔ اس کے اس طرح ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے پر وہ جیسے پگھلی جا رہی تھی۔

''اوہ ہو۔'' اعیان ہنسنے لگا تھا۔ ''قدموں میں تیرے جینا مرنا۔ اب دور یہاں سے جانا کیا؟''

مژگان مسکرا دی تھی۔

''ظاہری بات ہے۔ اب اور ٹھکانہ کہاں ہے؟'' مژگان نے اب کے نگاہ ملی بھی تو چرائی تھی۔ اعیان ہنسنے لگا تھا اور رہبان، جانے کیوں وہ دیکھے ہی چلا جا رہا تھا۔ ڈرامے بازی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ اتنے زیادہ کی بھلا کیا ضرورت تھی۔ اور وہ بھی کنفیوژ ہوئے جا رہی

تھی۔

''ونڈر فل...... جواب نہیں بھابی آپ کا۔ آپ جان نہیں سکتیں، انداز نہیں کر سکتیں میں کس قدر پُر ملال ہوں۔ جتنے ہاتھ ملوں، کم ہے۔ آپ بھیا سے قبل مجھے کیوں نہ مل گئیں۔'' وہ بنا سنجیدہ نہ تھا۔ رہبان عالم شاہ کا قہقہہ بہت بے ساختہ اور بھرپور تھا اور وہ......!

وہ نگاہ ہی کہاں اٹھا پا رہی تھی۔ سر جھکائے بس دھڑکنوں کو قابو میں کرنے کے جتن کرتی رہی تھی۔

❁......❁

''ہائے نی سیو! کہیں کوئی روگ شوگ تو نہیں لگا بیٹھی۔ اتنی کھوئی کھوئی رہنے لگی ہے۔'' وہ میں بہت مگن سی کھڑی تھی جب چھت پر آنے والی زیبو نے یکدم ہی اسے ٹہوکا مارا تھا۔ یکدم ہی چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''تو...... تو کب یہاں آئی؟''

''جب تو سوچوں میں کھوئی ہوئی تھی۔'' زیبو یکدم ہی کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ ''ویسے تو اس طرح مگن سی سوچ کس خوش نصیب کو رہی تھی؟'' اس کی نگاہوں میں شوخی ہی شوخی تھی اور از تجسس سے بھرپور۔

سیو لمحہ بھر میں بوکھلا ہی گئی۔

''کیا...... کیا مطلب ہے تیرا؟''

''لے، یہ تو اب مجھ سے پوچھے گی؟'' زیبو آنکھیں مٹکاتی ہوئی ہنس رہی تھی۔

''زیبو۔'' وہ جیسے زچ ہو گئی۔ ''اس طرح کے مذاق مجھ سے نہ کیا کر۔''

''لے، تو بھلا پھر کس سے کیا کروں؟'' زیبو شرارت سے اس کی سمت جھکی تھی۔ ''یاد آنے والا کیا بہت شدت سے یاد آ رہا ہے؟'' بڑی معنی خیز سی سرگوشی تھی۔ سیو بھونچکی رہ گئی تھی۔

''دماغ تو ٹھیک ہے تیرا؟ میں...... میں بھلا کسے سوچوں گی۔ اور مجھے بھلا کون یاد آئے گا۔'' بہت بوکھلاہٹ میں وہ اپنے دفاع کی کوشش کرنے لگی تھی۔

''اب یہ تو مجھے پتہ نہیں۔ پھر تیور ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ہوا نہیں...... پر لوگوں کو یہ روگ ضرور دیکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں ناں۔ کوڑی چھڑے نئیں پر دنیا کو چڑھتے ہوئے ضرور ڈیکھا ہے۔'' (گھوڑی پر خود نہیں سوار ہوئے مگر دنیا کو ضرور سواری کرتے دیکھا ہے)

''یونہی بکواس نہ کرتی رہا کر۔'' سیو نے ڈپٹا تھا۔

''ہاں بھئی، پڑھ لکھ رہی ہے۔ کابل ہو رہی ہے۔ ہُن اسیں تے بکواس کرن والے ہی

لگاں گے۔" زیبو نے برا مانتے ہوئے کہا۔

سیو اس کے پھولے ہوئے چہرے کی سمت دیکھنے لگی۔

"نئیں جی، ایسی کوئی گل نہیں۔ بس تم لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ جب بھی ملو، الٹی ہی بات کرتی ہو تمام کی تمام۔" سیو نے اسے منانے کے ساتھ ہی شکوہ کیا تھا۔

"ہاں، اب ہم تمہاری طرح پڑھے لکھے تو نہیں ہیں ناں۔" زیبو مسکرائی تو وہ بھی مسکرا دی تھی۔ "ویسے چپکے سے بتا دے گی تو سدا راز میں رکھوں گی۔ سچی پکی دوست ہے تو میری۔"

"کیا؟" وہ اس کے اپنی طرف جھکنے پر حیران ہی تو رہ گئی۔ پھر اس کی شرارت سمجھتے ہوئے ایک دھموکا جڑ دیا۔ وہ دور ہو کر کھلکھلا کر ہنستی چلی گئی۔

"آئی کس لئے ہے؟" وہ کٹھور ہوئی۔

"ہا...... ہائے...... تجھ سے ملنے آئی ہوں۔ کنی کمینی ہے تو...... صحیح کہتے ہیں سیانے، پڑھے لکھے لوگوں کا دماغ ستویں آسمان پر چڑھ جاتا ہے۔" اس کا شکوہ ایسے انداز میں تھا کہ سیو مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

"وہ بلو بڑا یاد کر رہا ہے بیچارا تجھے۔ واپس شہر جا رہا ہے۔ ایک نظر دیکھنا چاہتا ہے بس۔ پر تو ہے کہ عید کا چن بن کر رہ گئی ہے۔"

"کیا، کیا...... یہ کیا کہہ رہی ہے تو؟ اس کالے کلوٹے سے میرا کیا واسطہ۔ میں کیوں ملنے لگی اس سے؟ آیا بڑا ایک نظر دیکھنے والا۔ آنکھیں نہ نکال دوں گی اس کی۔ اور یہ تو کیا اس کی پیغام رسانی کرنے آئی ہے؟" سیو نے یکدم ہی گھورتے ہوئے تیز انداز اختیار کرتے ہوئے اسے گھورا تھا۔

زیبو اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"اتنا برا تو قطعی نہیں۔"

"لو، مجھے کیا واسطہ۔ وہ اچھا ہو یا برا، اپنے گھر میں رہے۔ میں اپنے گھر میں اچھی ہوں۔"

زیبو اس کے انداز پر اسے دیکھنے لگی تھی۔ "سیو! بیچارہ دل ہار چکا ہے وہ۔ اس بیچارے میں تو اتنی ہمت بھی نہیں کہ تجھے سامنے کھڑا کر کے پیار کے دو میٹھے بول ہی بول سکے۔" زیبو کو اس کی مظلومیت کی بڑی فکر ستا رہی تھی۔

"زیبو! یہ کیسی باتیں کر رہی ہے تو؟ تو جانتی ہے اگر بے بے نے یا میرے ویرے نے سن لیا تو تجھے تو منٹوں میں یہاں سے چلتا کرے گا ہی، میری بھی مفت میں شامت آ جائے گی۔"

سیو نے بہت مدھم آواز میں اسے کچھ بھی مزید کہنے سے باز رکھا تھا۔

"سیو، میری جان! سچی خیر خواہ ہوں تیری۔ اتنا بھی برا نہیں ہے وہ بیچارا۔ ذرا ٹھنڈے [illegible] سے سوچ، شکل میں کسی نے پا کے نہیں کھانا ہوتا۔ بندے کا دل خوبصورت ہونا چاہئے۔ [illegible] حسن تو اندر کا ہوتا ہے۔ وہ یقیناً اندر سے بہت خوبصورت ہے اور شکل سے بھی کوئی اتنا [illegible] برا نہیں۔ چنگا بھلا تو ہے۔ اور اونج وی (ویسے بھی) شادی تو تجھے کرنا ہی ہے کسی نہ کسی [illegible]۔ کیا چنگا نئیں کہ اس وچارے کو ہی دیکھ لے۔ قدر کرے گا تیری ساری حیاتی۔ خود سوچ، [illegible] اپنی بری خواہش تو نئیں اس کی۔ سچے دل سے تیرا طلب گار ہے۔"

وہ زیبو کی طرف دیکھتی چلی گئی۔

"یہ سب اس نے تجھ سے کہا؟" سیو کا ننھا سا دل یکدم ہی دھک دھک کرنے لگا تھا۔

اور زیبو اسے ایسے دیکھنے لگی تھی جیسے وہ دنیا کی سب سے کم عقل لڑکی ہو۔

"سیو! ہر شے منہ سے لفظوں کے سہارے کہنی ضروری نئیں ہوتی۔ اس نے خالی مجھ سے [illegible] دیکھنے کی گل کی تھی۔ اور میں تیری طرح اپنی کوڑھ مغز نئیں ہوں۔ ویسے کیا تو ملے گی [illegible] سے؟"

اور سیو نے ایک دم ہی بنا سوچے سمجھے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"تے فیر ہور کون ہے؟" زیبو نے تب اسے یکدم ہی جیسے دبوچ لیا تھا اور وہ لمحہ بھر میں اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

"کیا...... کیا مطلب ہے تیرا؟ اور کون ہو گا بھلا۔" وہ زیبو کے دیکھنے پر نگاہیں نہ ملا سکی [illegible] اور دوسرے ہی پل سر جھکا گئی تھی۔

زیبو اسے دیکھتی چلی گئی تھی۔

"سیو! سمجھنے کے لئے بہت موٹی موٹی کتابیں پڑھنا ضروری نئیں ہوتا۔ یہ دل اور عقل [illegible] کی باتوں کو کھول کر بندے کو حیران چھوڑ جاتی ہے۔ پتہ نئیں تجھے خبر ہے یا نہیں، مگر تیرا چہرہ اور آنکھیں بہت سے بھید کھولتی ہیں۔ اگر تجھے خود کو اتنا ہی چھپانے کا شوق ہے تو ان [illegible] اور اس چہرے کو چھپا لے۔"

زیبو بہت سے انکشافات ایک ساتھ کرتی ہوئی یکدم ہی پلٹی تھی اور پھر کچی سیڑھیوں پر [illegible] تیزی سے اترتی چلی گئی تھی۔

سیو کتنی ہی دیر تک جیسے طوفان کی زد میں رہی تھی۔

شام ڈھل رہی تھی۔

وہ خود کو گھسیٹتی ہوئی چھوٹی سی دیوار تک آئی تھی۔ تبھی نگاہ اچانک ہی نیچے گئی تھی۔

گلی میں کوئی تھا۔ اندھیرا بڑھنے لگا تھا۔ چہرہ واضح نہ تھا مگر سر اٹھائے کوئی اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ سامنے دیوار پر بھی اس کا ہیولا تھا۔

سیو کے لئے سمجھنا کوئی مشکل نہ تھا۔ اس نے لمحہ بھر کو خود میں ہمت پیدا کی تھی اور لمحہ بھر میں وہ دیوار سے ہٹی تھی اور قدم سیڑھیوں کی جانب بڑھا دیئے تھے۔ دل بہت تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

''اے سیو! چاچا آ گیا ہے تیرا۔ کیا کر رہی ہے تو وہاں اوپر۔ آ، روٹی ڈال کر دے۔'' بے بے کی آواز راستے میں ہی اس کے کانوں میں پڑی تھی۔

''آئی...... آئی بے بے۔'' اس نے فوراً ہی جواب دیا تھا۔

❁......❁

''پھر بتا، کیا سوچا ہے تم نے...... ماں کے ساتھ ضد کر کے ڈٹ گیا ہے؟'' سلمٰی بیگم نے کتنی ہی دیر تک بلا کر پہلے تو خاموش نظروں سے دیکھا تھا، پھر آخر کار مدعا بیان کر دیا تھا۔ وہ کچھ نہ بولا تھا۔ فقط خاموش تھا۔

''بتا تو سہی، آخر برائی کیا ہے نمیرا میں۔ جو بھی ہے، ایک بات کان کھول کر سن لے۔ ہو گی تیری شادی وہیں پر جہاں میں چاہوں گی۔ دیکھتی ہوں میں آخر کب تک ضد پر ڈٹا رہتا ہے تو۔ ماں ہوں تیری۔ مجھ سے ضد کرے گا تو...... میرے آگے ڈٹے گا...... اور...... اور کیا سمجھتا ہے تو...... ہار جاؤں گی میں؟ کبھی نہیں۔ سن لے، میں جب تک زندہ ہوں تیری شادی قطعی طور پر اس لڑکی سے نہیں ہو سکتی۔ ضد ہے تو ضد سہی۔ لاش پر سے گزرنا میری اگر تجھے اسے پانے کا اتنا ہی شوق ہے۔''

وہ کہہ کر ایک دم ہی آنسو بہانے لگی تھیں۔ وہ چلتا ہوا دھیرے سے ان کے قریب آیا تھا۔ پھر ان کے گھٹنوں میں بیٹھ کر بہت آہستہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھے تھے۔ وہ غصے سے ہاتھ جھٹکنے لگی تھیں۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''امی! کل صبح میں جا رہا ہوں۔'' اعصار شیخ نے دھیرے سے مدعا بیان کیا تھا۔ انہوں نے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

''ابو! آپ ہی امی کو سمجھایئے۔'' اس نے خاموشی سے بیڈ پر نیم دراز کتاب پڑھتے والد کو مخاطب کیا تھا۔

''بیٹا! تم ماں بیٹا اپنے درمیان کے اس تنازعے کو خود ہی حل کرنے کی کوئی ایک قابل قبول تجویز ڈھونڈ لو۔ بہتر یہی ہے۔ ورنہ مسئلہ بڑھتے دیر نہیں لگتی۔''

''آپ کی اسی بات نے ڈھیل دے رکھی ہے بچوں کو۔ خود سے ہینڈل کیا ہوتا تو آج یہ ن نہ دیکھنا پڑتا۔ آپ کی نرمی نے یہ دن دکھایا ہے۔'' انہوں نے سارا الزام شوہر کے سر ل دیا۔

''میں چلوں امی! سامان بھی پیک کرنا ہے۔'' اس نے اجازت چاہی۔ وہ خشمگیں انداز ے اس کی سمت دیکھنے لگیں۔

''جانے سے قبل کوئی سرا ہاتھ میں دے جا میرے...... تجھے اسی لئے بلایا تھا۔''

''امی! عمر پڑی ہے۔ سوچ لیں گے۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔'' اعصار شیخ مطمئن انداز ں مسکرایا تھا۔

''جتنا بھی وقت لے لے، شادی نمیرا کے ساتھ ہی ہو گی تیری۔ اس گھر میں اگر کوئی لڑکی ی دلہن بن کر آ سکتی ہے تو وہ صرف نمیرا ہے۔'' اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''نمیرا، نمیرا، نمیرا۔ امی! آپ کو لگتا ہے کہ آپ کے اتنے خوبرو بیٹے کے ساتھ وہ پھیکے نگ جیسی لڑکی سوٹ کرے گی؟''

''زیادہ سننے کی نہیں میں...... کوئی فیصلہ سنا کر جانا۔''

''مجھے وہ پسند نہیں ہے۔'' اس نے فوری طور پر بیان جاری کر دیا تھا۔ سلمٰی بیگم اسے نے لگی تھیں۔

''آخر نظر کیا آتا ہے تجھے اس میں؟''

''جو آپ کو نمیرا میں نظر آتا ہے۔'' وہ بہت دھیمے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''جادو کر دیا ہے اس چڑیل نے تجھ پر۔ ماں بھی جادوگرنی تھی، مردوں کو رجھانے کے گر ب اچھی طرح جانتی ہیں۔'' انہوں نے سخت ترین انداز اختیار کیا۔

''امی پلیز۔'' اعصار نے نرمی کے ساتھ انہیں مزید کچھ کہنے سے باز رکھا تھا۔

''گھر بدر کرنے کے بعد بھی جان نہ چھوٹی ہماری۔ اسی خدشے کے تحت روکتی تھی تمہیں۔''

''امی! آپ کو میری خوشی عزیز نہیں؟'' وہ دھیمے انداز میں بولا۔

''ہاں، میں ہی تو دشمن ہوں تیری اور تو سب کو تیری خوشیاں عزیز ہیں، مجھے ہی نہیں۔''

وہ دھیرے سے اٹھا تھا اور تیزی کے ساتھ چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

❁......❁

''ابا جی ہمیں لینے آئے ہیں۔ کائنات کی شادی میں بہت کم عرصہ باقی رہ گیا ہے۔ ہم ن کے ساتھ جائیں گے۔ میں ایک ہفتے بعد واپس لوٹ آؤں گا۔ تم وہاں ان کے پاس رہو

گی۔'' رہبان عالم شاہ نے بہت دھیمے انداز میں اسے مطلع کیا تھا۔ مژگان سر اٹھا کر تکنے لگی تھی۔ وہ جانے اس کے اس طرح دیکھنے سے کیا سمجھا تھا کہ بہت ہی آہستگی سے مسکرا دیا تھا۔

''اینی پرابلم؟''

''نہیں۔'' اس نے ایک دم ہی مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''جانا ہے یا نہیں؟'' وہ جانے کیوں کہہ گیا تھا۔

''رہبان! آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ کو دغا دوں گی؟'' وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی اور وہ جانے کیوں یونہی دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔

''میں پیکنگ شروع کر دوں گی۔ جانا کب ہے؟''

''ابا جی تو کل کے لئے کہہ رہے ہیں، مگر مجھے ابھی کچھ کام ہے۔ انشاء اللہ پرسوں یا پھر اس سے اگلے روز کے لئے سیٹیں کنفرم کروا لوں گا۔'' رہبان نے کہا تو وہ سر ہلانے لگی۔ تبھی یکدم کوئی خیال گزرا تو اس کی سمت دیکھا۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

''سجل کیسی ہے؟''

وہ قدرے چونکا، پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔ ''ٹھیک ہے۔''

''فون وغیرہ پر بات ہوئی؟''

''ہاں۔ کل شام میں ہی۔'' رہبان نے دھیمی آواز میں کہا۔

''اس کے فادر اب کیسے ہیں؟''

''ہاسپٹلائز ہیں۔ بائی پاس ہونے تک تو پرابلم ہے۔''

''خدا انہیں تندرستی دے۔'' اس نے فوری طور پر ان کی تندرستی کے لئے دعا کی تھی۔ رہبان اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

تبھی دروازے پر دستک ہوئی تھی۔

''یس......!''

''ہیلو۔'' اعیان نے دروازہ کھول کر جھانکا تھا۔ ''ڈسٹرب تو نہیں کیا؟'' حسب معمول لبوں پر شوخ سی مسکراہٹ تھی۔

''اب تو غلطی کر ہی چکے ہو۔'' رہبان مسکرا دیا تھا۔

''اپنی بھابی کے لئے کچھ لایا تھا۔'' اس نے آگے بڑھتے ہوئے پیکٹ مژگان کو تھمایا۔

''کیا ہے؟'' وہ مسکرائی۔

''دیکھ لیجئے۔''

''تم بیٹھو، میں تمہارے لئے چائے لے کر آتی ہوں۔ پھر دیکھوں گی۔ ابا جی بھی آنے لے ہوں گے۔'' وہ اٹھی۔ اعیان نے فوراً ہی اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''اوہ، میری ڈیئرسٹ سگھڑ مشرقی بھابی! کبھی ہم مردوں سے ہٹ کر تھوڑی توجہ خود پر بھی ے لیا کیجئے۔ حیرت تو مجھے بھائی پر بھی ہوتی ہے۔ جانے کیسے شوہر ہیں۔ نہ تو آپ کو ڑنگ کے لئے لے کر جاتے ہیں نہ ہی اتنے دنوں میں کوئی تحفہ تحائف لاتے اور دیتے ھا ہے۔'' اس کے بھرپور تجزیے پر جہاں مژگان نے چونکتے ہوئے رہبان عالم شاہ کو ھا تھا، وہیں وہ بہت مطمئن انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''ہم دنیا دکھاوے کی محبت نہیں کرتے۔'' فیروزی سوٹ میں ملبوس مژگان کو اُس نے رپور استحقاق سے دیکھا تھا۔

مژگان دوبارہ بیٹھ کر پیکٹ کھولنے لگی تھی۔ سامنے ہی مہکتے ہوئے موگرے اور موتیے کے جرے تھے۔ وہ کتنے ہی پل دیکھتی رہی تھی۔ پھر جو نگاہ اٹھی تو پہلی فرصت میں رہبان عالم اہ کی سمت ہی اٹھی تھی۔ اگرچہ اس کی نگاہوں میں کوئی الزام نہ تھا مگر اس گھڑی رہبان عالم اہ نے اس پر سے یکدم ہی نگاہ ہٹا لی تھی۔

''کیسا لگا؟'' اعیان منتظر نگاہوں سے تک رہا تھا۔

''بہت خوبصورت... بہت دلکش۔'' وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں کہہ کر ان مہکتے گجروں ی خوشبو کو سانسوں کے ذریعے اپنے اندر منتقل کرنے لگی تھی۔

''مین اسٹریٹ سے گزر رہا تھا۔ سگنل پر گاڑی رکنے پر بیچنے والے نے اصرار کیا تو یاد آیا ہ یار ہماری تو ایک عدد پیاری سی بھابی بھی ہیں۔ ان کی کلائیوں میں اچھے ہی لگیں گے۔ سو ے لئے۔''

''بہت شکریہ۔'' مژگان نے رسم نبھائی۔

''بھابی! ابھی تو بہت کچھ ادھار ہے ہم پر۔ گاؤں چلیے، بہت سی رسموں کو پورا کریں گے۔ فی الحال تو آپ کی رونمائی کا تحفہ بھی قرض ہے۔'' اعیان نے قدرے رازداری سے ں کے قریب جھک کر کہا تو وہ یکدم ہی مسکرا دی۔ پھر دوسرے پل ہاتھوں میں پکڑے ہوئے جروں کو دیکھنے لگی۔

''میرا خیال ہے کافی زیادہ دیکھنے کا شوق آپ پورا کر چکی ہیں۔ اب انہیں پہن لیجئے۔'' عیان نے بہت نادر مشورے سے نوازا تھا۔ اس کی نگاہ جانے کیوں بلا ارادہ ہی رہبان عالم شاہ کی سمت اٹھی تھی۔ اس کی بھی نگاہ مژگان کی سمت ہی تھی۔ وہ جانے کیوں زیادہ دیر تک

دیکھ نہ سکی۔ نگاہ جھکا لی۔ اعیان جانے کیا سمجھا کہ ہنس دیا۔

''اوہ، بھیا سے پہننا چاہتی ہیں۔'' اعیان کا جملہ اتنا اچانک تھا کہ مژگان کے سارے جسم کا خون اس کے چہرے پر آن رکا تھا۔ وہ نگاہ اٹھا کر دیکھ نہ سکی تھی۔

''اوہ میری پیاری سیدھی سادھی معصوم بھابی! اس میں اتنا شرمندہ ہونے کی کیا بات ہے۔ سارے حقوق انہی کے پاس تو محفوظ ہیں۔ ہماری بھلا کیا مجال ہے۔ پہن لیجئے۔ ہم دیکھیں گے بھی نہیں۔'' اعیان نے مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا۔ جانے کن سوچوں میں گم تھی گجروں کو وہ ہاتھوں میں اسی طرح لئے بیٹھی تھی جب اچانک ہی رہبان عالم شاہ نے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ دھیرے سے تھام لیا تھا۔ وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ دوسری نگاہ اعیان کی سمت اٹھی تھی۔ وہ محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔ وہ شرم سے اپنی جگہ کٹ کر رہ گئی تھی جبکہ رہبان عالم شاہ بہت پرسکون انداز میں اس کی کلائیوں میں گجرے پہنانے لگا تھا۔ اس گھڑی جانے کیوں مژگان کی ہتھیلیاں سرد ہونے کے ساتھ ہی پسینے سے بھیگتی چلی گئی تھیں۔ رہبان عالم شاہ کے پرتپش ہاتھ مسلسل اس کی کلائیوں پر تھے۔

گجرے دونوں کلائیوں میں پہنا کر رہبان عالم شاہ نے کلائی تھام کر جانے کیوں بغور اس کے مرمریں ہاتھوں کو دیکھا تھا۔

''ونڈرفل!'' اعیان نے بروقت لفظوں کو ادا کیا تھا۔ ''ہیں نا بھیا؟'' وہ شرارت سے رہبان کی سمت تک رہا تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح بہت کول انداز میں مسکرا رہا تھا۔ مژگان کی نگاہ لمحہ بھر کو اس کی نگاہ سے ٹکرائی تھی اور دوسرے ہی پل وہ ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھوں سے نکالتے ہوئے نگاہ جھکا گئی۔

''یہ بالے کانوں میں پہنتے ہیں غالباً۔'' اعیان نے باقی کے بچے ہوئے گجروں کی سمت نگاہ کی تھی۔ ''کیا یہ بھی بھائی سے ہی......؟'' اور اس کے اس سوال پر جہاں رہبان عالم شاہ کے لبوں پر موجود مسکراہٹ مزید گہری ہوئی تھی، وہیں مژگان نے فوراً ہی ان بالوں کو اٹھا کر کانوں میں پہننا شروع کر دیا تھا۔

''کیا خیال ہے، آج کا کھانا باہر نہ ہو جائے؟'' اعیان نے فوراً ہی رائے چاہی تھی۔

''خیال تو برا نہیں۔ مگر بات ہماری بیگم صاحبہ کی ہے۔ ہوم منسٹر ہیں بھئی، ان سے اختلاف کی مجال ہم میں نہیں۔'' رہبان عالم شاہ نے بہت دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے تمام ذمے داری اس پر ڈال دی تھی اور وہ اتنی چاشنی، اتنی مٹھاس، وہ تو اس لہجے کے حصار میں ہی جیسے قید ہونے کو تھی۔ مگر اُف ری حقیقت......!

وہ بالے پہن کر فارغ ہو کر گھڑی کی سمت تکنے لگی تھی۔

''اباجی لوٹ آئیں تو پھر مل کر چلتے ہیں۔''

''جو مزاجِ یار میں آئے۔ ہم تو حکم کے غلام ہیں جناب!'' رہبان عالم شاہ یقیناً بہت ...بالی سے اپنا کردار ادا کر رہا تھا۔ اعیان اس کے رومینٹک انداز پر گلا کھنکار کر رہ گیا تھا۔

''یار میری بیگم ہیں۔ شرعی اور قانونی وارث ہیں ہم۔ تمام حقوق محفوظ رکھتے ہیں۔ ان ...گن نہیں گائیں گے تو بھلا پھر کس کے گائیں گے۔'' رہبان عالم شاہ نے دلفریب انداز ...یار کیا تھا اور اعیان کا بھرپور قہقہہ ابھرا تھا۔

✿......✿

شعاع نے آفس پہنچتے ہی اعصار شیخ کو فون کر دیا اور اب وہ اس کے عین سامنے تھا۔

''یہاں سے اٹھو۔ مجھے تم سے بہت ضروری بات چیت کرنی ہے۔'' وہ فوراً ہی پرس اٹھا ...اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''ایسی کون سی بات ہے جو یہاں نہیں ہو سکتی؟'' وہ غیر سنجیدہ تھا۔ شعاع اسے یکدم ہی ...تے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔

''اعصار شیخ! اب اتنے معصوم تو مت بنو۔'' آنکھوں ہی آنکھوں میں بہت سے الزامات ...ہوئی وہ اسی قدر کہہ سکی تھی۔ مگر وہ بہت اطمینان کے ساتھ مسکرا دیا تھا۔

''خاتون! ایک تو صبح ہی صبح میری اتنی میٹھی میٹھی سی نیند خراب کر دی۔ پھر دوسرا ستم یہ کیا ...بالکل غیر متوقع طور پر اپنے آفس میں کال کر لیا اور اب......'' وہ مسکراتے ہوئے روانی ...ساتھ کہہ رہا تھا۔ پھر شعاع کے مسلسل تنبیہی انداز پر یکدم ہی سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا

...اوکے......اوکے۔ مگر لنچ ٹائم میں پورا ایک گھنٹہ باقی ہے۔''

...کراچی شہر اتنا بڑا ہے۔ ہوٹل اور ریسٹورنٹس کی کمی تو نہیں۔ بائی دی وے اپنی گھڑی کو ...کرلو۔ ایک بج چکا ہے۔''

...کہیں آپ میرے چہرے کی بات تو نہیں کر رہیں؟ یہاں ہمیشہ ہی بارہ بجے رہتے ...'' وہ اپنے مضبوط سے ہاتھ کو چہرے پر پھیرتے ہوئے ہنس دیا تھا۔

...شعاع نے خاموشی کے ساتھ اسے فقط دیکھنے پر اکتفا کیا تھا۔

...اس کے چہرے پر کوئی بات بھی تو نئی نہ تھی۔

...کسی بھی بات کا تو ملال نہ تھا۔

وہ ایک معصوم سی لڑکی کے ساتھ اتنی ناانصافی کر چکا تھا۔

کسی بھی شرمندگی کا شائبہ تک نہ تھا۔

وہ ایسے اظہار کر رہا تھا جیسے سرے سے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

شعاع آنکھوں پر سیاہ دھوپ کا چشمہ رکھتے ہوئے اس کے چہرے پر جانے کیا کچھ تلاش کرنے کی کوشش کرتی رہی تھی مگر وہاں تو کچھ بھی نہ تھا۔

نہ کوئی ملال۔

نہ ہی افسوس۔

نہ پچھتاوا۔

ہاں...... ایک سرشاری کا احساس بہت واضح انداز میں موجود تھا۔

ایک فتح مندی کا احساس بھرپور انداز میں اپنا رنگ ظاہر کر رہا تھا۔

یقیناً وہ خوش تھا۔

بہت خوش۔

اس لمحے شعاع کو یکدم ہی ادعیہ کا چہرہ یاد آیا تھا۔

یقیناً وہ مظلوم تھی اور بے قصور بھی۔

اور یہ شخص!

"یہ آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں۔ کیا بہت اچھا لگ رہا ہوں؟" وہ گاڑی کا فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے مسکراتے ہوئے اسے تکنے لگا تھا اور تب شعاع کوئی جواب دیئے بغیر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آیا تھا۔ پھر جیسے ہی اس نے گاڑی مین شاہراہ پر ڈالی تھی، تبھی شعاع نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"آپ پریشان ہیں کچھ؟"

"تمہارے خیال میں مجھے خوشی سے بے حال ہو کر لڈیاں ڈالنی چاہئیں؟" اس کا انداز سلگا ہوا تھا۔ مگر وہ نہ تو چونکا تھا، نہ ہی حیران ہوا تھا۔ بلکہ ہنس دیا تھا۔

"آپ خفا ہیں یا پھر بہت پریشان۔" اس نے ایک مزید تجزیہ کیا تھا۔

"اوں ہوں...... میں کیونکر پریشان ہوں گی۔ مجھے کڈنیپ کئے جانے کا قطعی کوئی خوف نہیں۔ تم چاہو تو اپنا سا شوق پورا کر سکتے ہو۔" اس نے بہت دھیمے انداز میں جواب دیا تھا اور اس لمحے اعصار شیخ چونکتے ہوئے اسے تکنے لگا تھا۔ پھر نگاہ ہٹا کر دوسرے ہی پل ونڈ اسکرین کی جانب ڈال دی تھی۔

"تم نے ایسا کیوں کیا اعصار شیخ؟" شعاع نے قدرے توقف کے بعد دوٹوک بات کرنے کی ٹھانی تھی۔

"کیا مطلب...... میں نے کیا، کیا ہے؟" وہ جواباً شانے اچکا رہا تھا۔ شعاع اسے ایک نظر سنجیدگی کے ساتھ دیکھ کر ایک گہرا سانس خارج کر کے رہ گئی تھی۔

"اعصار شیخ! تم میچور شخص ہو۔ میرے گمان میں بھی نہ تھا تم ایسا کوئی بچگانہ قدم بھی اٹھا سکتے ہو۔" شعاع کا انداز بہت ٹھوس اور مضبوط تھا مگر وہ یکسر حیرانی کے ساتھ اس کی سمت تکنے لگا تھا۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں، میری تو سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا۔"

اور اس گھڑی شعاع حیرانگی کے سمندر میں ہچکولے کھانے لگی تھی۔ بہت چونکتے ہوئے اس نے اعصار شیخ کی سمت دیکھا تھا مگر وہ اپنی مکمل توجہ اطمینان کے ساتھ ونڈ اسکرین کی جانب کئے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

شعاع کے لئے وہ ایک قیامت کی گھڑی تھی۔ اس کی دھڑکنیں لمحہ بھر کو جیسے تھمنے لگی تھیں۔

اس کے برابر میں بیٹھا لمبا چوڑا وہ مضبوط و توانا شخص جس طرح سرے سے لاتعلق نظر آ رہا تھا، وہ یقیناً اس کے لئے باعث تشویش تھا۔

اگر وہ مکر جاتا تو وہ کیا کر لیتی؟

اور ادعیہ؟

کیا بنتا پھر۔ صورتحال اختیار سے باہر ہو کر یقیناً جان کو آ جاتی۔

شعاع کو یقیناً ملنے سے قبل اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ وہ سرے سے مکر جائے گا یا اس معاملے میں لاتعلقی کا اظہار کرے گا اور اس لمحے وہ کتنی ہی دیر اسے بے یقینی سے تکتی رہی تھی۔

اعصار شیخ نے اس کی سمت ایک نگاہ ڈالی تھی، پھر جانے کیوں بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔ "کیا ہوا؟"

"انجان مت بنو اعصار شیخ! تمہارے متعلق بہت مثبت رائے ہے میری۔ اسے مثبت ہی رہنے دو تو اچھا ہے۔" شعاع نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا اور وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ "تمہیں ذرہ برابر پچھتاوا نہیں؟" شعاع نے اس کے اطمینان پر کسی قدر سلگتے ہوئے کہا تھا۔

"ڈیئر لیڈی! پچھتایا وہاں جاتا ہے جہاں آپ کچھ غلط اقدام کر گزرے ہوں۔ اپنی مرضی سے یا پھر کسی کے زیر اثر ہو کر۔" وہ بہت پُرسکون تھا۔

''اور میرے خیال میں جو شخص بہت کچھ کرنے کے بعد بھی نہ پچھتائے، وہ انتہائی پست ہے۔'' وہ بہت جلے ہوئے انداز میں بولی تھی۔ اعصار شیخ کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔ شعاع اسے دیکھنے لگی تھی۔

''تو آپ میرے متعلق یہ رائے رکھتی ہیں؟'' وہ قطعی طور پر سنجیدہ نظر نہ آ رہا تھا۔ شعاع زچ ہو گئی۔

''اعصار شیخ! کیا بہتر نہ ہو گا کہ اب ہم اصل بات پر آ جائیں؟''

بہت سبک رفتاری سے ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے شعاع کی جانب دیکھا تھا۔ ''خیال برا نہیں۔ لیکن وہ اہم بات ہے کیا؟'' وہ مسکرا رہا تھا اور یہ لمحہ شعاع کے لئے واقعی ناقابل برداشت تھا۔

''اپنے قد سے اتنا نیچے مت آؤ اعصار شیخ! کہ انسانیت پر سے ہمارا اعتبار اٹھنے لگے۔ تم جانتے ہو اچھی طرح سے، زندگی ہمارے لئے کسی طور سہل نہیں ہے۔ تم اور تمہارا خاندان ہمارے متعلق کس قسم کے احساسات رکھتا ہے، یہ بات تم سے ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ ہمارے والد نے فقط اپنی مرضی سے اپنے لئے جیون ساتھی منتخب کرنے کی بہت بڑی سزا کاٹی ہے اور اسی جیسے کی سزا آج تک ہم بھی کاٹ رہے ہیں۔ ہم پہلے ہی بہت پریشان تھے، تم نے اپنی ذات کو ہمارے لئے پریشانی کا باعث کیوں بنا دیا؟ تم جانتے ہو جو قدم تم نے اٹھایا ہے اس سے کیسی قیامت اٹھے گی؟ ادعیہ کو اغواء کرنے سے لے کر زبردستی نکاح، پیپرز سائن کروانے تک کا اقدام یقیناً سراہے جانے کے قابل نہیں۔ تم بچے تو نہ تھے۔ ایسا کون سا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا جو تم نے انتہائی قدم اٹھا لیا۔ تمہیں ہم پر ترس بھی نہ آیا، نہ ادعیہ پر۔ وہ تو اتنی معصوم سی ہے۔ تمہیں کیوں وہ سزا کے قابل نظر آئی؟ جانتے ہو کس حال میں ہے وہ؟ ایک قیامت گزر رہی ہے اس پر اور یہ قیامت نہ ختم ہونے والی ہے۔ وہ روز جیئے گی اور روز مرے گی۔ ایسی باتیں ڈھکی چھپی قطعی نہیں رہ سکتیں۔ جس روز یہ راز کھلے گا وہ یقیناً جی نہ پائے گی۔ تم نے کیوں مار دیا اسے جیتے جی؟ اتنے ظالم تو نہ تھے تم۔'' شعاع کے لہجے میں شکوے ہی شکوے تھے اور اعصار شیخ اس کی تمام باتیں بہت پُرسکون انداز میں سنتا رہا تھا۔ پھر گاڑی کو یونہی ایک لمبی شاہراہ پر ڈالتے ہوئے ایک گہرا سانس خارج کیا تھا۔ اس کے چہرے سے بہت اضطراب چھلک رہا تھا۔ آنکھوں میں بہت بے چینی سی تھی۔

''شعاع...... آپ کو لگتا ہے کہ میں نے کچھ غلط کیا ہے؟ وہ محبت ہے میری۔ مر سکتا ہوں میں اس کے لئے۔ کیا میں اس کے لئے مخلص نہیں ہوں؟''

شعاع اسے دیکھنے لگی تھی۔ ''تمہیں اگر لگتا ہے کہ تم نے کوئی قابل قدر قدم اٹھایا ہے تو ٹھیک ہے۔'' شعاع کا لہجہ طنزیہ تھا۔

وہ جانے کیوں بہت بے قرار نظر آنے کے باوجود دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ ''آپ مجھ سے کیا کہنا چاہتی ہیں؟''

شعاع اس لمحے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اس کا انداز بہت عجیب سا تھا۔ ''تم جانتے ہو اعصار! تنہا عورتوں کی زندگی کس قدر مشکل ہوتی ہے۔ تم یہ ذمے داری قبول کرو کہ تم نے ہم پر ایک اور قیامت برپا کی ہے۔'' شعاع کا لہجہ بہت مدھم مگر پُر احتجاج تھا۔

''جو ہونا تھا ہو چکا۔ مجھے جو صحیح لگا، وہ میں نے کر لیا۔ ایک سیدھے سچے راستے سے میں کسی طور پر اسے حاصل نہ کر پاتا۔ اس گھر میں قیامت تک کوئی راضی نہ ہوتا۔ میرا طریقہ کار غلط ہو سکتا ہے مگر جذبہ نہیں۔ آپ جانتی ہیں میں اس سر پھری لڑکی سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔ نہیں جانتی تو بس وہی نہیں جانتی یا پھر سمجھتے ہوئے بھی انجان بننے کی کوشش کرتی ہیں۔'' اعصار شیخ کا لہجہ بہت دھیما تھا۔

شعاع اسے دیکھتی رہی۔ یا پھر مناسب الفاظ چنتی رہی۔

''اب کیا ہو گا؟'' وہ بولی تو لہجہ بہت سے خدشات کا اظہار کر رہا تھا۔ ''ہم کس کس کو وضاحتیں پیش کریں گے؟ اور پھر یقین کون کرے گا؟ یہاں تو پہلے ہی ناکردہ گناہوں کی سزا بہت ملی ہے۔ اور اب تو......''

''آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں۔ کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں اتنا کمزور ہوں؟''

''تم کمزور نہیں ہوں۔ لیکن ہم ضرور ہیں۔'' شعاع نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے بے بسی سے کہا تھا۔

وہ بہت دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

''بے فکر رہو۔ میں کسی پر کوئی آنچ آنے نہیں دوں گا۔ ایک جائز تعلق باندھا ہے، اسے نبھانا میری ذمے داری ہے۔ اب وہ تنہا نہیں ہے۔ میں ہر قدم پر اس کے ساتھ ہوں۔''

''اعصار! محبت کی زبان سمجھنے والے یہاں بہت تھوڑے ہیں۔'' شعاع نفی میں سر ہلاتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔ ''تم نے اچھا نہیں کیا۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مجھے ہرگز تم سے یہ امید نہ تھی۔''

''لیکن اب تو ہو چکا۔'' وہ ہولے سے ہنس دیا تھا۔ پھر سامنے شاہراہ پر نگاہ جماتے ہوئے بولا۔ ''اچھا یا برا، میں کچھ نہیں جانتا۔ مجھ پر شادی کے لئے دباؤ بڑھنے لگا تھا۔ اگر میں

دیر کر دیتا تو سب سپنے ٹوٹ جاتے۔ آنکھوں میں کرچیوں کی چبھن بڑھنے لگتی اور پھر شاید جینا
بہت دشوار ہو جاتا۔ شی از مائی لائف۔ میرے اندر جیتی ہے وہ۔ میرے اندر بستی ہے۔ پھر
میں زندگی کو خود میں سے خارج کیسے کر دیتا؟''

اعصار شیخ کے چہرے اور آنکھوں سے اس کے تمام جذبات ہویدا تھے۔ وہ اسے یونہی
دیکھتی رہی تھی، پھر اس پر سے نگاہیں ہٹا کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

''وہ بہت معصوم ہے۔ بہت زیادہ اچھی۔ پلیز، اسے اس مشکل سے بری الذمہ کر دو۔''

''جی؟'' اعصار کے لئے یہ جملہ جیسے پگھلا ہوا سیسہ تھا۔

''پلیز، ابھی کسی کو پتہ نہیں۔ بات فقط ہم تینوں کے درمیان ہے۔ کچھ بگڑا نہیں ہے۔
ہمیں ہماری چھوٹی سی دنیا میں خوش رہنے دو۔'' اس کا لہجہ اور انداز ملتجی تھا۔

اعصار شیخ کے چہرے کی رگیں یکدم ہی تن گئی تھیں۔

''پلیز شعاع!'' بہت برداشت کے ساتھ وہ اسی قدر کہہ سکا تھا اور پھر گاڑی کو جانے
پہچانے راستوں پر ڈال دیا تھا۔ پھر جب وہ شعاع کو اس کے آفس کی عمارت کے سامنے
چھوڑ رہا تھا، تبھی گویا ہوا تھا۔

''ہاتھ بڑھا کر چھوڑ دینا کم از کم میری سرشت نہیں۔ اب ہاتھ تھاما ہے تو آخری سانس
تک یہ ساتھ رہے گا بھی۔ پلیز مائنڈ مت کیجئے گا۔ گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہوں۔ مگر آپ
کے حکم کو کسی طور ماننے کو تیار نہیں۔ آپ اتنا جان لیجئے، اعصار شیخ کمزور نہیں۔ ہر الزام اپنے
سر لینے کی جرأت رکھتا ہے۔ آپ کو یقیناً خدشے ہوں گے۔ مگر میں شکایت کا کوئی موقع نہ
فراہم کرنے کی ذمے داری قبول کرتا ہوں۔ انشاء اللہ حالات معمول پر لا کر دکھاؤں گا۔ کچھ
دیر سہی، مگر بہت سی خوشیاں اس وقت موجود ہوں گی۔'' بہت دھیمے انداز میں وہ بولا تھا۔

''اللہ حافظ...... میری امانت کا خیال رکھئے گا۔'' دوسرے ہی پل وہ گاڑی آگے بڑھا لے
گیا تھا۔ اور شعاع وہیں کھڑی خاموشی سے تکتی رہی تھی۔

✿......✿

وہ آئینے کے سامنے بیٹھی ٹونر کو چہرے پر اپلائی کر رہی تھی جب آئینے میں نمودار ہونے
والے عکس اور نگاہوں پر وہ یکدم چونک گئی۔ انداز دلچسپی لئے ہوئے تھا۔ اس نے نگاہیں جھکا
لیں۔

''ابا جی سو گئے؟'' بہت بروقت سوال پوچھا تھا۔

''ہوں.....'' وہ بہت ہولے سے مسکرا دیا۔ پھر چلتا ہوا بیڈ پر آن بیٹھا اور اسے دیکھنے لگا۔
''تھینکس۔ ابا جی تمہاری بہت تعریف کر رہے تھے۔'' وہ یقیناً مشکور تھا۔

''یعنی میں ایکٹنگ واقعی اچھی کر رہی ہوں؟'' وہ دھیرے سے ہنس دی۔ رہبان عالم شاہ
نے جانے کیوں اسے بغور دیکھا۔ وہ نگاہ جھکا کر لوشن کو ہاتھوں پر ملنے لگی۔

''ابا جی بہت اچھے ہیں۔ بالکل آپ کی طرح۔ اور اعیان، وہ تو بہت ہنس مکھ ہے۔'' وہ
پچھلے تاثر کو زائل کرنے کو مسکرائی۔

رہبان عالم شاہ نے ایک گہری سانس خارج کی۔

''بہت سنجیدہ اور بردبار شخص ہے اعیان۔ کسی سے بہت کم گھلتا ملتا ہے۔ مگر تمہارے ساتھ
اس کا رویہ بہت اپنائیت لئے ہوئے ہے۔''

''میں اس کی بڑی بھابی ہوں......'' وہ بے ساختہ ہی بولی تھی۔ پھر جانے کیوں جملے کی
نوعیت کا احساس ہوا تو رہبان عالم شاہ کی سمت نہ دیکھ سکی۔

سارا استحقاق، سارا مان جانے کیوں رخصت ہونے لگا۔

کئی لمحوں تک وہ یونہی سر جھکائے ہاتھوں کو مساج کرتی رہی۔ البتہ اتنا احساس اسے رہا
کہ کسی کی نگاہیں مسلسل اس پر ہیں۔

''مژگان!'' بہت ہولے سے پکارا گیا۔

اس کے اندر جیسے ہلچل سی مچ گئی۔

''جی......''

''یہاں آؤ۔'' بہت مدھم لہجے میں جیسے کوئی اسم پھونکا گیا۔ مژگان کی روح تک میں ایک

فسوں سفر کرنے لگا۔ وہ مکمل طور پر جیسے اس جادو کے زیر ہونے لگی۔ کیسا بلاوا تھا یہ، وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ آج سے پہلے ایسا کوئی انداز مقابل نے اختیار نہ کیا تھا۔ وہ قطعی طور پر ناتجربہ کار تھی...... رتی بھر بھی تمیز نہ کرسکتی تھی۔ انداز اور لہجے کے متعلق۔

تبھی شاید، کتنے ہی لمحے وہ گم رہی تھی۔

''مژگان!'' پکارنے والے نے ایک بار پھر پکارا تھا۔ اور تب اس نے دھیرے سے سر اٹھا کر نگاہ کی تھی۔ پھر بہت ہمت کے ساتھ اٹھ کر چلتی ہوئی پکارنے والے کے مقابل جا رکی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا، پھر ہاتھ بڑھا کر بہت دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''کھڑی کیوں ہو...... بیٹھ جاؤ۔'' اور تب وہ ایک معمول کے مطابق اس کے قریب بہت دھیرے سے بیٹھ گئی تھی۔ دھڑکنوں میں اتنی سرکشی کیوں تھی، وہ قطعی طور پر ناواقف تھی۔ تمام کیفیات جیسے اختیار سے باہر تھیں۔ وہ چند ثانیوں تک اسے یونہی تکتا رہا تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی جیسے منتظر تھی۔

''مژگان! میں تمہارا شکر گزار ہوں، تم نے واقعی میری زندگی کو اس لمحے بکھرنے سے بچایا ہے۔'' اس کے ہاتھ کو اس نے اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیا تھا۔ مژگان کے اندر جیسے ایک برقی رو منتقل ہونے لگی تھی۔ وہ اس کے اس قدر قریب تھا...... پاس تھا...... جانے کیوں اسے احساس نہ تھا۔ مژگان کے لئے وہاں ٹھہرنا محال ہونے لگا۔

''یو آر رچ اے نائس گرل۔ یہ بہت عظیم قرض ہے تمہارا مجھ پر۔'' مگر وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

''تم تمام صورت حال کو بہت سمجھداری کے ساتھ ہینڈل کر رہی ہو۔ تمام ان ذمے داریوں کو احسن طریقے سے نبھا رہی ہو جن سے کبھی تمہارا دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔ یقیناً یہ ایک مشکل امر ہے۔''

وہ جیسے اسے ساتویں آسمان پر بٹھانے کے درپے تھا۔ وہ سر جھکائے رہی۔ جانے کیوں نہ کہہ سکی کہ پلیز اب یہ ''شکریے، شکریے'' کا کھیل ختم کر دیجئے۔ احسان مندی والی کوئی بات نہیں۔ اب اگر ساتھ رہنا ہے تو یہ تو ایک معمول ہے اور......

''اعیان کی باتوں سے واقعی مجھے اپنی ذمے داریوں کا احساس ہوا۔ سوری، مگر کچھ کچھ ناتجربہ کار ہوں۔ کچھ پتہ نہ تھا۔'' وہ بہت دھیرے سے ہنسا تھا۔ ''مگر تم نے بھی مجھے قطعی کوئی احساس نہیں دلایا۔ کل شام تیار رہنا، ہم شاپنگ کے لئے چلیں گے۔''

وہ مصالحتی کارروائی پر جانے کیوں دھیرے سے مسکرا دی۔

''تھینک یو، میرے پاس بہت کچھ ہے۔ آپ خوامخواہ اعیان کی باتوں پر جا رہے ہیں۔ وہ تو یونہی شرارت میں بولتا رہتا ہے۔ مجھے فی الحال کسی شے کی ضرورت نہیں۔ آپ یہ بتایئے حمل کیسی ہے؟ اس کے پاپا کیسے ہیں؟'' بہت سہولت کے ساتھ قربت کے ان لمحوں میں اس نے اپنی جگہ کسی اور کو دی تھی۔

وہ قربت جو اس کا حصہ تھی۔

اس کے لئے تھی۔ اس نے دانستہ ان لمحوں پر کسی اور کا نام لکھ کر ہوا برد کر دیا تھا۔

شاید یہ کوئی مصلحت تھی یا پھر پاگل پن۔

رہبان عالم شاہ چونکا تھا۔ پھر ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔ ''ہوں...... وہ ٹھیک ہے۔''

''آپ یقیناً اسے مس کر رہے ہوں گے۔'' بہت دوستانہ انداز اختیار کرتے ہوئے وہ بولی تھی اور اس لمحے رہبان عالم شاہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ پھر بہت دھیرے سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اور وہ جو بغور اسے تک رہی تھی، جانے کیوں لمحے بھر میں اداس ہو گئی تھی۔

''جو سیٹ اس کی ہے اس کی ذمے داری بہت کڑی ہے۔ باخدا میں تو تھکنے لگی ہوں۔'' نہیں کیا باور کرانے کو وہ ہنسی تھی۔ وہ اسے تکتا گیا تھا۔

وہ اس کے مسلسل دیکھنے پر نگاہ چرا کر رہ گئی تھی۔ اس کا نازک سا ہاتھ اب بھی اس کی مضبوط گرفت میں دبا تھا۔

''آپ چائے پئیں گے؟'' اور دوسری جانب سے اس لمحے کوئی جواب نہ پا کر وہ جیسے فکری ہو کر دیکھنے لگی تھی۔ مقابل کے چہرے سے کسی جذبے کا عیاں ہونا سدا مشکل رہا تھا اور اب بھی وہ بہت کول لگ رہا تھا۔

''مژگان!'' بہت ہولے سے پکارا۔

''ہوں......'' اس کا ہر عضو جیسے سماعت بن گیا۔ لمحے بھر کو دوسری جانب خاموشی رہی۔ وہ سر اٹھا کر منتظر نظروں سے دیکھنے لگی۔

''اوں، ہوں...... کچھ نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔ تبھی موبائل کی بیل ہونے لگی۔ وہ بہت پُرتکلف انداز میں ''ایکسکیوز می'' کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

مژگان کتنے ہی لمحوں تک وہیں بیٹھی جانے کیوں مسلسل ایک ہی سمت خالی خالی نظروں سے تکتی رہی تھی۔

کبھی خوشبو میں لہراتا ہوا، کبھی رنگ سے دامن بھرتا ہوا
میں پہروں چلتا رہتا ہوں، ترے دھیان سے باتیں کرتا ہوا
جب سانسیں ٹوٹنے لگتی ہیں، جب نبضیں ڈوبنے لگتی ہیں
مری آنکھوں تک آ جاتا ہے کوئی میرے لہو سے گزرتا ہوا
اسی جلتے بجھتے موسم میں اسی خوابوں کے صد راہے پر
میں اکثر دیکھا کرتا ہوں اِک روپ زمیں پر اترتا ہوا
دن ہیں کہ گزرتے جاتے ہیں دُوری ہے کہ بڑھتی جاتی ہے
وہ ہر ہر آن نکھرتا ہوا میں ہر ہر موڑ بکھرتا ہوا
میں ابر خرام گزرتا ہوں ان خاک اُڑاتے رستوں سے
ان پیاسی پیاسی آنکھوں سے ہر دشت کو دریا کرتا ہوا

ایزی چیئر پر بیٹھا وہ کتنی دیر سے یونہی آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔ خیالوں اور سوچوں میں کوئی سفر کر رہا تھا۔ تبھی تو نمیرا کے دو تین بار پکارنے پر بھی اس کا تسلسل نہیں ٹوٹا۔

''اے، ہیلو، مسٹر! چائے یہاں رکھے جا رہی ہوں۔ پینا ہو تو پی لینا۔'' اس کی تیز آواز پر وہ چونکا تھا اور آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا۔

اس کے متوجہ ہو جانے پر وہ چونکتے ہوئے رکی تھی۔

''شکر ہے آپ جاگ گئے۔ ورنہ ٹرین چھوٹ گئی ہوتی۔'' وہ چھیڑنے سے باز نہ رہی۔

وہ اسے دیکھتا ہوا دھیرے سے مسکرا دیا۔

''اوں، ہوں۔ بے خبر سوتا ہوں۔ مگر اس قدر بھی نہیں کہ اپنا نقصان کر بیٹھوں۔ اس معاملے میں بہت شارپ مائنڈ رکھتا ہوں۔''

''بڑے چالاک شخص ہو تم تو۔'' وہ مسکرائی۔

''ظاہر ہے، اپنا آپ پیارا کسے نہیں ہوا کرتا۔'' وہ چائے کی جانب پیش قدمی کرتا ہوا مسکرا دیا۔ ''بیٹھو نا، تم بھی میرے ساتھ چائے پیو۔''

''میں کسی شاطر شخص کی صحبت قبول نہیں کر سکتی۔'' وہ ہنستے ہوئے ایک وار کر گئی۔

وہ ہنس دیا۔ ''بہت بے ضرر ہوں میں۔''

''یہاں یقین کرنے کو کوئی قطعی تیار نہیں۔'' وہ مسکرا دی۔

''کیوں، ہمت نہیں؟'' وہ حسب معمول اسے چھیڑنے لگا۔

وہ جانے کیوں کھلکھلا کر ہنس دی۔ ''اوں ہوں، سرے سے اعتبار ہی نہیں۔''

''سنو۔'' بہت دوستانہ انداز میں اسے پکارا تھا۔ وہ کچھ دیر تک یونہی خاموشی سے تکتا رہا، پھر جیسے کچھ کہنے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور نفی میں سر ہلانے لگا۔ ''کچھ نہیں۔''

''کیا بات ہے؟'' وہ متفکر ہوئی۔

''کچھ نہیں۔ امی تک ایک پیغام پہنچانا مقصود تھا۔ لیکن نہیں، ابھی خود ان کے حضور پیش ہوتا ہوں۔'' اس نے جیسے اسے ٹالا۔

وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ پھر سر ہلاتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی۔

اعصار شیخ کئی لمحوں تک یہی سوچتا رہا کہ اسے واقعی نمیرا کو اصل صورتحال سے آگاہ کر دینا چاہئے تھا یا کہ نہیں؟...... اس نے اسے نہ بتا کر اچھا کیا یا نہیں......؟

یقیناً اسے نمیرا کو اعتماد میں لے کر اپنے اور ادعیہ کے تعلق کے متعلق آگاہ کر دینا چاہئے تھا۔ گھر میں جو فضا تھی، وہ سازگار نہ تھی۔ اور وہ کتنی دیر تک ایک محاذ پر تنہا لڑتا۔

یقیناً یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ وہ لڑکی تھی اور اس گھر میں جاری اس مسئلے سے بھی کسی قدر آگاہ تھی۔ اور اگر نہیں بھی تھی تو اس کے علم میں اپنے ہونے والے رشتے کی خبر تو تھی ہی۔ اور اگر اس سے متعلق نتائج منفی نکلتے تو یقیناً اس کے وقار کو نہ صرف دھچکا لگتا بلکہ اسے کسی قدر دُکھ یا تکلیف بھی ہوتی۔

وہ جانتا تھا لڑکیاں بہت نازک جذبات و احساسات رکھتی ہیں۔ مگر مسئلہ یہ بھی تو تھا نا کہ وہ اس کے علم میں یہ بات لاتا کیسے کہ اسے وہ قطعی ناپسند نہیں، مگر وہ اس سے کوئی تعلق فقط اس لئے استوار کرنے سے معذور ہے کہ اس کا دل و دماغ کسی اور کے پاس رہن ہے۔

یقیناً اس کے نسوانی وقار اور انا کو کسی قسم کا دھچکا لگانا اعصار شیخ کو منظور نہ تھا۔ مگر بات کرنے کا کوئی اور طریقہ بھی تو سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔

✿......✿

''او مائی گاڈ، بھابی! آپ کا بھی جواب نہیں۔ وہاں بھیا صاحب آپ کے انتظار میں کڑھے دبلے ہوئے جا رہے ہیں اور یہاں آپ کو گھرداری کے کاموں سے ہی فرصت نہیں۔ چھوڑیں، یہ تمام کام ملازمہ کر لے گی۔''

وہ بہت سے کپڑے بیڈ پر پھیلائے تیزی سے تہہ لگاتے ہوئے بہت سی ہدایات سے اسٹنگ کرتی ملازمہ کو بھی نوازے جا رہی تھی جب اعیان نے اس کے سر پر آ کر کھڑے ہوتے ہوئے یکدم اسے بیدار کر دیا۔

وہ چونکتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

میرا انتظار......فوری طور پر ذہن بالکل بلینک تھا۔

"کم آن مائی سوئٹ بھابی! آپ کی بھیا کے ساتھ یقیناً کوئی کمٹ منٹ تھی۔"

"اوہ مائی گاڈ، بسنتی! تم نے ابا جی کو چائے دی یا نہیں؟" اس نے اعیان کی بات کو یکسر فراموش کرتے ہوئے اچانک یاد آنے پر ملازمہ کی جانب دیکھا اور اعیان اس کے ذمے دارانہ انداز پر اپنا سر پیٹ کر رہ گیا۔ وہ اس سے یکسر بے نیاز پلٹ کر بسنتی کو دیگر ہدایات دینے لگی تھی اور پھر جب وہ پلٹی تھی تو اسے دیکھ کر جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

"آپ دنیا کی عظیم ترین خاتون ہیں۔" اعیان یقیناً طنز کر رہا تھا۔ "اماں اپنی سگھڑ بہو سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔"

وہ جانے کیوں ہنس دی۔

"تم سب میری ذمے داری ہو۔ خاندان کی سب سے بڑی بہو ہوں۔" اس کا انداز جتانے والا تھا۔ تم چاہو تو اپنی بیگم کو تمام ذمے داریوں سے بری الذمہ قرار دے دینا۔"

وہ یکدم کھلکھلا کر ہنس دیا۔

"کیا ذکر چھیڑ دیا آپ نے۔" اک آہ تھی۔ وہ بغور تکتی ہوئی مسکرا دی۔

"کوئی سلسلہ ہے کیا؟"

"کہاں؟" وہ ہنس دیا۔ "فی الحال تو مکان خالی ہے، کچھ بھی نہیں۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اتنی عمر باہر گزار آئے، کوئی پسند نہیں آئی؟"

"ہم کوئی بڑے بھیا تھوڑی ہیں۔" اس کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا اور مژگان فقط مسکرا کر رہ گئی تھی۔

"ٹھیک تو کیا انہوں نے۔ ورنہ آج تمہیں اتنی اچھی بھابی کیسے ملتی؟"

"ہاں، یہ تو ہے۔ مگر اب یہ بھی تو دل چاہتا ہے نا کاش آپ جیسی دو ہوتیں۔" وہ شرارت کے ساتھ گویا ہوا تھا اور وہ ہنسے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

"یہ ہوئی نا بات۔ اسی طرح ہنستی رہا کریں۔ اچھی لگتی ہیں۔ ویسے وہاں بھیا آپ کی راہ تک رہے ہیں۔ چلنے کا ارادہ ہے یا نہیں؟"

"او کے، تم چلو میں آتی ہوں۔" وہ کہہ کر تیزی کے ساتھ کپڑے سمیٹنے لگی۔

"جلدی آ جایئے گا۔ کچھ کام اس بسنتی کو بھی کرنے دیا کیجیے۔" وہ جاتے جاتے بھی شوشہ چھوڑ گیا تھا اور وہ مسکراتی ہوئی تیزی کے ساتھ کپڑے سمیٹنے لگی تھی۔

"مژگان!" تبھی پشت پر رہبان عالم شاہ کی آواز نے چونکا دیا تھا۔ وہ فوراً ہی پلٹی تھی۔

"جی۔" وہ اسے سامنے دیکھ کر شرمندہ سی ہو گئی۔ "سوری، میں آ رہی تھی۔"

"ڈونٹ وری۔" وہ ملائمت سے مسکرا دیا۔ اس کی نظریں اس کے ہاتھوں میں تھامے پیکٹس پر جا ٹھہریں۔

"یہ تمہارے لئے ہیں۔ زیورات کے بغیر یقیناً خواتین نامکمل تصور کی جاتی ہیں۔"

"لیکن مجھے تو زیورات پہننے کا کوئی تجربہ نہیں۔"

"تجربات عمل سے گزرنے کے بعد ہی وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ تم پہننے کا عمل اختیار کرو۔" وہ تمام پیکٹس کو بیڈ پر رکھ کر ایک ڈبے کو کھولنے لگا۔ پھر اس کی سمت بڑھایا۔ "دیکھو کیسا ہے؟ ایکچوئلی مجھے بھی کوئی تجربہ نہ تھا۔ بس اچھا لگا اور تمہارے لئے خریدتا چلا گیا۔"

وہ مخملیں ڈبے میں دھرے بے انتہا حسین نیکلس کو دیکھنے لگی۔

"بہت اچھا...... بہت حسین...... لیکن......" وہ یکدم ٹھہر گئی۔

وہ چونک کر دیکھنے لگا۔ وہ جانے کیوں نظریں چرا گئی۔ شاید بن کہے وہ بھی جان گیا۔ تبھی خوشی کے ساتھ ڈبے میں سے نیکلس نکال کر اس کی جانب پیش قدمی کی۔

"یہ تمہارے لئے ہے۔" انداز باور کرانے والا تھا۔ وہ بے تحاشہ چونکی تھی۔ پھر فوراً ہی اس کی پیش قدمی نے جیسے اسے ایک لمحے میں بت بنا دیا تھا۔

وہ بہت استحقاق کے ساتھ اس کے گلے میں نیکلس پہنا رہا تھا۔ اس کی خوشبو مژگان کی سانسوں میں گھلی جا رہی تھی۔

اس کی قربت

اس کا لمس

اس کے ہاتھ نے کیا چھوا تھا......

سارے جسم میں جیسے ایک برقی رو دوڑنے لگی تھی۔

اور رہبان عالم شاہ کو جیسے کچھ احساس ہی نہ تھا۔

"آئینہ دیکھو۔ کیسا لگ رہا ہے؟"

وہ کیا کہتی۔ لبوں پر جیسے قفل آن لگے تھے۔

"کیا ہوا؟ پسند نہیں آیا؟ یار، نا تجربہ کار ہوں نا، بتایا تو ہے۔ اپنی اتنی اچھی دوست کے لئے پہلی بار کچھ خریدنے کا اتفاق ہوا اور......"

اور واقعی ساری کی ساری خوش فہمیاں دھری کی دھری رہ گئی تھیں۔

ساری خوش گمانیاں!

ساری باتیں جیسے بے معنی ہو گئی تھیں، پل بھر میں۔

مژگان نے دیکھا تھا اسے اور پھر دھیرے سے مسکرا دی تھی۔ ”میں سوچ رہی تھی، اسے سجل کے لئے رکھ دوں۔ اس کی صراحی دار گردن میں بہت دلکش لگے گا یہ۔“

رہبان عالم شاہ اسے دیکھنے لگا تھا۔ خاموش نظروں میں کیا تھا، وہ نہیں سمجھ سکی تھی۔ مگر جانے کیوں فوراً ہی پلکیں جھکا گئی تھی۔

تبھی اس کی آواز کانوں میں پڑی تھی۔

”تیار ہو جاؤ۔ آج ہم شاپنگ کے لئے جائیں گے۔“

اور وہ خوامخواہ ہی ہنس دی تھی۔

”آپ کو پیسے کے زیاں کا بہت شوق ہے؟“

”پیسہ کوئی اتنی اہم شے بھی نہیں۔“ وہ اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

”رہبان! خدارا، ابا جی کے خوف سے اتنا مت گنوائیے کہ بعد میں کوئی پچھتاوا ہو۔“ اس نے خود کو آئینے میں دیکھتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا تھا اور وہ جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

”فی الحال تو ابا جی کے پاس ہی جا رہا ہوں۔ پلیز تیار ہو کر جلدی آ جاؤ۔“ وہ بولا تھا اور پھر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

اور وہ کتنی ہی دیر تک اپنی گردن میں موجود نیکلس کو آئینے کے سامنے کھڑی تکتی رہی تھی۔

۞.....۞
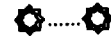
شعاع کے تمام سسرال والے آئے ہوئے تھے۔ فرحان بھائی کئی بار اس کا پوچھ چکے تھے۔ رانیہ کئی بار بلانے آ چکی تھی۔ مگر وہ کمرے سے نکلنے کو ہی تیار نہ تھی۔

”ادعیہ!“ وہ یونہی اوندھے منہ پڑی ہوئی تھی جب شعاع نے دروازے میں کھڑے ہو کر اسے پکارا۔

وہ فوری طور پر سیدھی ہوئی۔

”یہ مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے۔ کس بات کا افسوس کر رہی ہو تم۔ وہاں فرحان کئی بار تمہارا پوچھ چکا ہے۔ جانتی ہو تم وہ لوگ کس قدر قنوطی ہیں۔ فرحان کی بات تو اور ہے مگر مامی اور دیگر سے تو تم واقف ہی ہو، بات بنتے دیر نہیں لگتی۔ تمہیں سچویشن کو تو کم از کم سمجھنا چاہئے۔“

وہ دھیرے سے اٹھ بیٹھی۔

”ادعیہ!“ شعاع نے اس کی صورت تکتے ہوئے دوبارہ پکارا۔ ”جب تم مجرم نہیں ہو تو پھر

یوں سزا دے رہی ہو خود کو؟“

”مجھے نہیں پتہ۔ میں مر رہی ہوں اندر ہی اندر۔ میرا وجود بے جان ہو رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔“

”تماشہ بناؤ گی اس طرح تم۔ اپنا بھی اور ہم سب کا بھی۔“ شعاع بہت دبے ہوئے لہجے میں سختی سے گویا ہوئی تھی۔

”کیا ہوا بھئی۔ کیوں ڈانٹ رہی ہو ہماری اچھی سی سسٹر ان لاء کو۔“ فرحان عین اسی دروازے میں آن کھڑا ہوا تھا اور جہاں شعاع چونکی تھی وہیں ادعیہ کا دل بھی دھک سے گیا تھا۔

”عجیب ست لڑکی ہے۔ ذرا سا بخار آ گیا تو جان پر بن گئی۔ کب سے اٹھا رہی ہوں ر...... اس لڑکی کو تو اللہ سمجھے۔“ شعاع نے بروقت بات بنائی۔

”کیا ہوا؟“ فرحان چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا۔ ”ہماری اتنی پیاری سی سسٹر ان لاء کو س کی نظر لگ گئی؟“

وہ زبردستی مسکرائی۔ ”اتنی اچھی تو نہیں ہوں۔“

”لو، کس نے کہہ دیا۔ بھئی تم تو لاکھوں میں ایک ہو۔ نہیں بھی ہو تو کہنا پڑے گا کہ ہماری ت سے وابستہ شخصیت کے قریب ترین ہستی ہو۔“ وہ مسکراتا ہوا یقیناً چھیڑ رہا تھا۔ اور وہ اع کی جانب تکتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

”کچھ خاطر مدارات کی آپ نے ان محترم کی؟“

”لڑکی! تم جانتی ہو اپنی آپا کو۔ مجھے دیکھتے ہی بل میں گھس جانا اس کا فیورٹ مشغلہ ہے۔“ اس کا انداز اتنا بھرپور تھا کہ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”فرحان بھائی! آپ کا بھی جواب نہیں میری اتنی اچھی سی بہن کے خلاف بولنے کا کوئی قع جانے نہیں دیتے۔“

”اور کیا یار! آ جاؤ تو فوراً اِدھر اُدھر ہو جاتی ہے۔ رانیہ الگ کچن میں بزی ہے۔ اب میں ں سے بات کروں؟ ایک گھنٹہ خاموش بیٹھ کر زبان تالو سے جا چپکی۔“

”ارے تو آپ مجھ سے بات کیجئے نا۔“ وہ فوراً مسکراتے ہوئے بولی۔ ”آپ کی ہر بات ں گی، ماسوائے شعاع کی برائیوں کے۔ بائے دی وے کیسے فیانسی ہیں آپ۔ لوگ تو ریف کرتے نہیں تھکتے اور آپ شکایتیں......

فرحان ہنسنے لگا تھا۔

''سنو لڑکی! اب سارے ٹاپ سیکرٹ تمہارے سامنے تو اوپن ہونے سے رہے۔ یار کچھ پردے میں بھی رہنے دیا کرو۔'' وہ کہتے ہوئے شعاع کی جانب تکنے لگا جو ہاتھ باندھے مسکراتی ہوئی اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ وہ ادعیہ کی جانب قدرے رازداری سے جھکا تھا۔

''کبھی ان محترمہ سے تنہائی میں ملنا اور پوچھنا۔ بہت رومینٹک ہوں۔'' وہ شوخی سے مسکرایا تھا اور جہاں شعاع نے بے ساختہ اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا تھا وہیں ادعیہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

''آپ فوراً اٹھئے اور چلئے۔ کھانا لگ چکا ہے۔'' شعاع نے ہونٹوں پر در آنے والی مسکراہٹ کو ہونٹ بھینچ کر چھپایا تھا۔

''یار، دو سکھ کی دو دُکھ کی کرنے دو۔ تمہارا کیا جا رہا ہے۔'' فرحان نے مسکراتے ہوئے شعاع کو دیکھا تھا۔

''میرا کچھ نہیں جا رہا لیکن وہاں کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ آپ دو سکھ کی، دو دُکھ کی کرنے اور کہنے کا شوق کھانے کے بعد پورا کر لیجئے گا۔'' شعاع کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

''چلو بھئی، تمہاری آپا تو ابھی سے تھانیدار ہو گئی ہیں۔'' فرحان بہت مظلوم سی شکل بنا کر بولا تھا اور تبھی وہ مسکراتے ہوئے اس کے ہمراہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

✿......✿

مژگان دودھ کا گلاس لے کر بہت دھیرے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔
ابا جی نے کتاب سے نگاہیں ہٹا کر اسے دیکھا تھا۔

''ابا جی! دودھ پی لیجئے۔'' اس نے سائیڈ ٹیبل پر گلاس دھرتے ہوئے ان کی توجہ دودھ کی جانب مبذول کرائی تھی۔

وہ بہت ملائمت سے بولے تھے۔

''جیتی رہو۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔ ''یہاں بیٹھو میرے پاس۔'' انہوں نے عین سامنے دھری کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ وہ بہت دھیرے سے بیٹھ گئی۔

''تم جانتی ہو، بہو کے لئے ہمارے ذہن میں ایک خاص تصور تھا۔ کچھ خاص قسم کا۔ دراصل ہم بہت حد تک روایتی قسم کے واقع ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں زیادہ تر شادیاں خاندان میں ہی طے پاتی ہیں۔ بچوں کے رشتے نا سمجھی کی عمر میں ہی طے کر دیئے جاتے ہیں۔ سو شاید ہم بھی انہی روایتوں کے پابند ہو گئے...... مگر۔'' وہ ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے مسکرائے۔

''تم ہماری سوچوں سے اور امیدوں سے بہت بڑھ کر ثابت ہوئی ہو۔ ہم واقعی کچھ

ں مند تھے۔ مگر تم سے مل کر، تم کو دیکھ کر ہمیں لگا کہ واقعی ہمیں ایک ایسی ہی بہو کی
ت اور خواہش تھی۔ یقیناً تمہاری پرورش بہت عمدگی سے کی گئی ہے۔ تم عظیم اور معتبر
ن کی اولاد ہو۔''

'بہت شکریہ ابا جی۔'' وہ بہت ہولے سے بولی۔

'خوش رہو۔ اپنا خیال رکھا کرو۔ ہمارے خاندان کی سب سے بڑی بہو ہو۔ بہت سی
داریاں تمہارے سر ہیں۔ اگر کوئی شکایت ہو تو برملا کہہ دینا بچے! ہم اس نالائق کے والد
راب تمہارے زیادہ ہیں۔ تمہارا حق اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہمارے ہاں بہو بیٹیوں
ام بڑے مقدم ہیں۔ یقیناً تمہیں کسی قسم کی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔'' انہوں نے بہت
کے ساتھ اس کے سر پر ہاتھ دھرا۔

ابا جی! میری بھی کوشش ہوگی، آپ کو کسی قسم کی شکایت کا موقع نہ دوں۔''

بٹی! تم اتنی سمجھدار ہو۔ کبھی اس نالائق کو واپسی کی جانب مائل کیوں نہ کیا؟''

لحہ بھر کو کوئی جواب نہ دے سکی۔

ہ...... دراصل...... ابا جی، وہ...... وہ بہت خوفزدہ تھے۔ آپ سب سے بہت پیار کرنے
جود بھی بہت سے خدشے ان کے دل میں تھے کہ شاید آپ انہیں اور خصوصاً مجھے قبول
انہیں۔ وہ شاید یہ بھول گئے تھے کہ والدین کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں۔ سمندر
زیادہ بڑے اور گہرے۔ جو اولاد کی بہت سی غلطیاں اور خامیاں بڑی فراخ دلی کے
پنے اندر ضم کر لیتے ہیں۔ دنیا کی سب سے بے غرض ہستی والدین کی ہے۔ آپ لاکھ
لیں، آپ کو معافی بڑے آرام سے مل جاتی ہے۔ ماں باپ کبھی اپنی اولاد سے بدظن
تے۔'' بہت نپے تلے الفاظ میں اس نے کہا۔

ہت دھیرے سے مسکرا دیئے۔

نا کے ہاتھ میں تھامی کتاب کی جانب تکنے لگی۔

پ کو نطشے بہت پسند ہے؟''

، کبھی کبھی پڑھ لیتا ہوں۔''

ن ان کے بہت پُرنور سے چہرے کو تکنے لگی۔ بزرگی کا ایک خاص وقار چھلک رہا تھا
ہرے سے۔ بڑا پُرنور سا سراپا تھا۔

کو بھی کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا۔'' اسے یک دم جانے کیوں بابا سائیں یاد آ
دل میں جانے کیوں ایک نمی سی آن ٹھہری۔

"اوں، ہوں...... ہم سب ہیں نا۔ یہاں کوئی غیر یا اجنبی نہیں ہے۔ اس گھر میں ہر ایک تمہارے لئے مخلص ہوگا۔ ماں باپ، بہن بھائی، تمہیں ہر ایک کی محبت اور توجہ میسر ہوگی۔ خود کو کبھی تنہا یا اجنبی محسوس مت کرنا۔ تم اس خاندان میں بہو کی حیثیت سے نہیں، ایک بیٹی کی حیثیت سے شمولیت اختیار کرو گی۔" ابا جی کا لہجہ بہت اپنائیت لئے ہوئے تھا اور وہ کتنی ہی دیر ان کی جانب دیکھتی رہی تھی۔

✿......✿

وہ کتنی ہی دیر تک بیٹھا نمبر ڈائل کرتا رہا تھا۔ پہلے موبائل سے، پھر گھر کے نمبر سے۔ مگر دوسری جانب کال ریسیو نہیں کی جا رہی تھی۔

یقیناً سی ایل آئی پر نمبر دیکھنے کے بعد جان بوجھ کر کال پک نہیں کی جا رہی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر وہیں گھٹنوں پر کہنیاں ٹکائے اپ سیٹ سا بیٹھا رہا تھا، پھر اٹھ کر دادی اماں کے کمرے کی جانب چل پڑا تھا۔

"تیاری ہو گئی تیری۔ کب جانے کا ارادہ ہے؟" اسے دیکھتے ہی وہ پوچھنے لگی تھیں مگر وہ بہت خاموشی کے ساتھ چلتا ہوا ان کے قریب جا رکا تھا۔ پھر اسی آہستگی سے ان کے سامنے بیٹھ کر سر ان کے گھٹنوں پر دھر دیا تھا۔

"اے کیا ہوا بچے! خیر تو ہے؟" دادی اماں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے متفکر سے انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

"دادی اماں! کچھ خبر نہیں۔" وہ دھیرے سے گویا ہوا تھا۔ "پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔ لگتا ہے کچھ بھی بس میں نہیں۔ اضطراب بڑھتے جا رہے ہیں اور سب دروازے بند نظر آ رہے ہیں۔ لبوں پر بہت سی دعائیں ہیں مگر قبولیت کسی ایک کو بھی نہیں۔"

دادی اماں کا دل یکدم ہی ہولنے لگا۔ "کیا پہیلیاں بجھوا رہا ہے۔ میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا۔ اتنا گم صم کیوں ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تیری؟"

اور وہ یکدم ہی تلخی سے ہنس دیا تھا۔ "خواب پرونے نکلا تھا۔ تعبیر ڈھونڈنے نکلا تھا۔ مگر یہاں تو شہر بھر میں خوابوں کے لئے ہوا ہی ناسازگار ہے۔ یہاں تو کھلی آنکھوں والوں پر بھی پابندی عائد ہے۔ خواب دیکھنا اور ان کو پلکوں پر سجانا تو پھر دور کی بات ہے۔ انجانے ہاتھ بڑھتے ہیں اور آنکھوں کو ہی نوچ لیتے ہیں۔"

"اب بتائے گا بھی یا یونہی جان لے گا میری۔ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔ بول، کیا بات ہے؟" دادی اماں نے آخر کار گھبرا کر کہا تھا۔

اور تب وہ کتنے ہی لمحے خاموش رہا تھا، پھر بہت دھیرے سے بولا تھا۔

"دادی! وہ ادعیہ......"

"کیا ہوا ادعیہ کو؟" دادی اماں کی جیسے جان فنا ہونے لگی۔ اور وہ اس لمحے خاموشی کے ساتھ سر اٹھا کر ان کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ آپ غصہ ہوں گی، مجھ سے خفا ہوں گی یا پھر...... مجھے نہیں پتہ، لیکن دادی اماں! میں اتنا جانتا ہوں میرے پاس اب کوئی دوسرا رستہ باقی نہیں رہا تھا۔" وہ آہستہ سے کہہ کر ان کی جانب تکنے لگا تھا۔

"دیکھ اعصار! اب میری برداشت ختم ہونے کو ہے۔ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ مجھے اصل بات بتا دے۔"

اور تب وہ دھیرے سے مجرمانہ انداز میں سر جھکا گیا تھا۔

"میں نے اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرتے ہوئے کسی کو اس میں اپنی مرضی سے شامل کر لیا ہے۔" لہجہ بہت مدھم اور انداز دھیما تھا۔

"کیا......؟" دادی اماں چونک گئی تھیں۔

"ہاں دادی اماں! ادعیہ اب میری زندگی کا حصہ ہے۔"

اور دادی اماں کتنے ہی پل ساکت رہی تھیں۔ اعصار شیخ سر اٹھا کر ان کی جانب تکنے لگا تھا۔

"دادی اماں! یہ میرا حق ہے۔ زندگی میری ہے۔ اسے بسر کرنے کا حق بھی مجھے ہونا چاہئے۔"

"تیری اماں کو پتہ ہے؟" دادی اماں کی آواز جیسے کنوئیں سے آئی تھی۔

"کسی کو بھی پتہ نہیں۔ چچی جان کو بھی نہیں۔"

"کیا ادعیہ نے بھی کسی کو مطلع نہیں کیا؟"

"اسے تو خود خبر نہیں تھی۔"

"کیا مطلب؟" دادی اماں حیران و ششدر رہ گئی تھیں۔

اور تب اعصار شیخ نے بہت مجرمانہ انداز میں سر جھکا لیا تھا۔

"دادی اماں! یہ سب میری مرضی کے تحت ہوا۔ وہ سرے سے بے خبر تھی۔"

"یعنی تو نے اس بچی کے ساتھ زبردستی کی؟"

"مجھے نہیں پتہ دادی اماں۔ مگر میرے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔ میں اپنی ساری زندگی کو پچھتاوے کی بھٹی میں نہیں جلا سکتا تھا۔ میں نے بارہا اس کی آنکھوں میں اپنی

چاہت کی قندیلیں روشن دیکھی تھیں اور تب میں نے فیصلہ کیا کہ ہمیں ہمیشہ ساتھ رہنا چاہئے اور ہمیشہ ساتھ رہنے کے لئے یہ اقدام بہت ضروری تھا۔ میں نے جائز طریقے سے نکاح کیا ہے اور اب وہ قانونی اور شرعی طور پر میری زندگی کا حصہ ہے۔ میری منکوحہ ہے وہ۔''

اور اس کے اقرار پر دادی اماں کتنے ہی لمحے کچھ کہنے کے قابل نہ رہی تھیں۔

''جانتا ہے تو کس قدر قیامت برپا ہو گی۔ اپنی ماں کے مزاج سے واقف ہے نا تو۔ کیوں گھسیٹ لیا تو نے اس معصوم کو کانٹوں پر؟''

''دادی اماں! آپ بھی...... آپ بھی اس خاندان کو ایک ہوتا نہیں دیکھنا چاہتیں؟ اس گھر میں حائل دیوار کو گرانا نہیں چاہتیں؟ آپ بھی چاہتی ہیں یہ فصیلیں اونچی ہوتی چلی جائیں؟''

وہ بہت جذباتی انداز میں بولا تھا۔

''بچے، میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہو گا؟''

اور تب اس نے دھیرے سے ان کے ہاتھوں کو تھام لیا تھا۔

''دادی اماں! مجھ میں ہر طوفان سے ٹکرانے کا حوصلہ ہے۔ اس گھر میں، اس گھر کے مکینوں کے دلوں میں ادعیہ کو ایک دن اس کا جائز حق ضرور ملے گا۔ اس گھر کے درمیان اور دلوں میں حائل دیوار ایک دن ضرور ٹوٹے گی۔ میرا یہ اقدام اس بات کا آغاز ہے۔''

''ادعیہ کیا کہتی ہے؟''

''بہت ناراض ہے۔ وہ نکاح کے لئے قطعی تیار نہ تھی۔''

''تو نے زبردستی کی؟'' دادی اماں متفکر سی تھیں۔

''اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا دادی اماں! مگر وہ فقط میرے نکاح میں ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوا۔ فی الحال ہم فقط کاغذی بندھن میں ایک ہوئے ہیں۔'' اس نے دادی اماں کی آنکھوں میں موجود خدشات دیکھ کر مخفی الفاظ میں وضاحت دی۔

دادی اماں چپ سی ہو گئیں۔

''میں نے ٹھیک کیا نا دادی اماں؟'' وہ سر اٹھا کر دادی اماں کو دیکھنے لگا تھا۔

''پتہ نہیں۔'' وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھیں۔ ''میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔''

''دادی اماں! مجھ پر اعتبار رکھئے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے انہیں ایک آس بندھائی۔

''میرے چندا! سب اتنا آسان نہیں ہے۔ مجھے تو فکر اس بچی کی ستا رہی ہے۔ ان پر تو پہلے ہی قیامت ٹوٹی پڑی ہے۔ وہ بچی تو غصے کی بھی بہت تیز ہے۔ اگر جذبات میں آ کر کوئی

یا دیسا اقدام اٹھا لیا تو؟''

''شعاع کو پتہ ہے، وہ اسے ہینڈل کر لیں گی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں اسے۔ کچھ ہیں کرے گی وہ۔'' اس نے دادی اماں کو مطمئن کرنا چاہا تھا اور وہ اسے خاموشی سے تکتی رہ ئی تھیں۔

✿......✿

وہ سر جھکائے چھوٹی کو ہوم ورک کروا رہی تھی۔ سامنے دھرا چائے کا کپ ٹھنڈا ہو رہا تھا۔ ا انداز اگرچہ نارمل تھا مگر امی جانے کیوں متفکر ہو گئیں۔

''ادعیہ! خیر تو ہے؟'' ادعیہ یک دم ہی چونک کر ان کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''جی...... امی...... ہاں...... ٹھیک ہوں میں......'' زبردستی لبوں پر تبسم سجا کر اس نے ان کی ب دیکھا تھا۔ ''آپ نماز سے فارغ ہو گئیں؟'' اس نے یونہی سوال کیا۔ پھر ریموٹ اٹھا ٹی وی سیٹ آن کیا۔

امی سامنے والے صوفے پر آن بیٹھی تھیں۔ وہ سر جھکا کر چھوٹی کو مزید ہدایات دے کر ر فارغ ہو گئی تھی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟'' امی نے ایک بار پھر نشست سنبھالی تھی۔

''جی امی۔ آپ کو کیوں لگ رہا ہے کہ میں ٹھیک نہیں ہوں؟'' وہ یکدم ہی مسکرائی تھی۔

''یہ ماں کی نگاہ ہے۔ میں نوٹ کر رہی ہوں بہت دنوں سے تو کچھ چپ چپ سی ہے۔''

اور وہ یک دم ہی چونکی تھی۔ مگر دوسرے ہی پل تمام کیفیات پر قابو پاتے ہوئے مسکرائی۔

''کمال ہے امی، آپ تو بس۔'' اس نے بہت آہستہ سے ان کے گھٹنوں پر سر دھر دیا۔ ا ان دنوں کچھ تھکن سی غالب ہے۔ شاید واقعی تھک گئی ہوں۔''

''تبھی تو متفکر رہتی ہوں۔ اپنا خیال رکھا کرو نا۔ تمہی سب تو میری زندگی ہو۔ تم میں سے ایک بھی سست ہو تو میرا دل ہولنے لگتا ہے۔''

''کیا ہو رہا ہے بھئی؟ چپکے چپکے اتنا سارا پیار سمیٹا جا رہا ہے۔'' تبھی شعاع ٹرے میں ئے کے کپ لئے اندر داخل ہوئی تھی۔

''تم بے فکر رہو۔ فقط اپنا حصہ وصول کر رہی ہوں۔'' وہ جواباً کہتی ہوئی مسکرا دی۔ شعاع کے سامنے کپ دھرتی ہوئی یکدم ہی کسی خطرے کے پیش نظر اسے بغور تکنے لگی تھی۔ اور ا کا اشارہ یقیناً سمجھ چکی تھی، تبھی نظریں جھکا گئی۔

''تم کیوں جل رہی ہو اگر میں اپنی ماں کے پاس آج دو گھڑی بیٹھ گئی ہوں تو؟'' لبوں پر

زبردستی مسکراہٹ لا پائی تھی وہ۔

"لو، میں بھلا کیوں جلوں گی۔ میرا اپنا ایک حصہ ہے میری ماں کی محبت میں جسے یقین کوئی اور وصول نہیں کرسکتا۔ کیوں ڈیئر امی؟" شعاع نے مسکراتے ہوئے فرنچ فرائز اٹھا کر منہ میں رکھے۔

"یہ رانیہ سے سالن تیار ہوا یا نہیں؟" امی نے رانیہ کے متعلق پوچھا۔

"ہاں، بس آ رہی ہے۔" شعاع نے مطلع کی تھا۔ اور تبھی ادعیہ اپنا کپ اٹھا کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تم کہاں جا رہی ہوں؟" شعاع نے فوراً پوچھا تھا۔

"میں روٹی ڈال لوں۔"

"اطمینان سے بیٹھ کر چائے پی لو، پھر روٹی بنا لینا۔"

"مجھے بھوک محسوس ہو رہی ہے۔ چائے پیتے ہوئے ساتھ ہی روٹی بھی بنا لوں گی۔" ادعیہ بہت سے فرنچ فرائز ایک ساتھ اٹھا کر منہ میں رکھتی ہوئی کپ لئے باہر نکل گئی تھی۔

✿......✿

وہ ابا جی کو چائے دینے کے بعد واپس کچن کی سمت جا رہی تھی جب رہبان عالم شاہ اس کے سامنے آن رکا۔

"باہر کا موسم بہت خوبصورت ہے۔ تیار ہو جاؤ۔ آؤٹنگ کے لئے چلتے ہیں۔"

مژگان نے بہت چونک کر دیکھا تھا۔ وہ بھی اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو لگتا ہے کہ باہر کے موسم کا اثر انسان کے اندر کے موسم پر بھی ہو سکتا ہے؟"

"ہو تو سکتا ہے۔ اگر چاہنے والا چاہے۔"

اس کا جملہ سن کر وہ بہت محظوظ ہوئی تھی۔ "ہوں، اگر چاہنے والا چاہے۔" وہ جانے کیوں ہنس دی تھی۔ رہبان اسے بغور دلچسپی سے تکنے لگا تھا۔

"میں کچن میں مصروف ہوں۔ پھر کبھی چلیں گے۔ اعیان کھانے کے لئے ایک خاص فرمائشی فہرست تھما گیا ہے۔ میرے ہاتھ کی بریانی اور کباب اسے بہت اچھے لگتے ہیں۔ اور ابا جی......" وہ خالصتاً گھریلو انداز میں گفتگو کرتی ہوئی رہبان عالم شاہ کو بہت مختلف لگی تھی۔ شاید تبھی وہ یکدم ہی مسکرا دیا تھا۔

"آپ مسکرا کیوں رہے ہیں؟" وہ جیسے خجل سی ہو گئی تھی۔

"نہیں، کچھ نہیں۔" وہ ایک دم ہی نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔ "ہم جلد لوٹ آئیں گے۔

ب تک بنتی کچھ کام نمٹا لے گی۔ تم اسے سمجھا دو۔ ویسے باہر سے کچھ لانے کا آئیڈیا بھی کچھ ا نہیں۔ یوں بھی اعیان شاید باہر سے کچھ کھا کر ہی واپس لوٹے۔"

"اور ابا جی؟" وہ اس کے حیلوں بہانوں پر مسکرا دی۔

"ابا جی نے خود حکم دیا ہے۔"

"اوہ......" وہ یکدم جیسے بے دم ہو گئی پھر بولی۔ "وہ گھر پر اکیلے رہ جائیں گے۔ اور......"

"مژگان! سب کا خیال رکھنا بہت اچھی بات ہے۔ مگر خود اپنا خیال رکھنا بھی بے حد روری ہے۔ اگر تمہیں سب کا خیال ہے تو ان سب کو بھی تمہارا بہت خیال ہے۔ ابا جی کئی بار ہہ چکے ہیں۔" رہبان عالم شاہ نے بہت دھیمے انداز میں اسے باور کرایا تھا اور تب وہ سر تی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ سی گرین بلاک پرنٹ جدید تراش خراش کے سوٹ میں ملبوس اس ے سامنے تھی۔ چہرے پر کسی قسم کا کوئی میک اپ نہ تھا سوائے لپ اسٹک کے۔ بالوں کو ت پر اسکارف سے قید کئے وہ بہت دلکش لگ رہی تھی۔ رہبان نے سر سے پاؤں تک اس کا ے تنقیدی جائزہ لیا تھا۔

"میں ابا جی کو بتا کر آتی ہوں۔" وہ اس کی جانب دیکھے بغیر سرعت کے ساتھ کمرے سے ر چلی گئی تھی۔ "ابا جی بھی ساتھ چلتے تو اچھا ہوتا۔" جب وہ اس کے ساتھ نکل رہی تھی، تبھی ی آواز میں بولی تھی اور وہ جانے کیوں اسے دیکھنے لگا تھا۔ وہ اس کے اس طرح دیکھنے پر ا کوئی نتیجہ اخذ نہ کر پائی تھی۔ تبھی چپ ہو کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"آپ......" وہ جانے کیوں کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

"کیا میں؟"

"کچھ نہیں......" وہ نفی میں سر ہلاتی ہوئی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ وہ گاڑی اسٹارٹ تے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

"موسم دلکش ہے نا؟"

"ہوں...... شاید۔" بہت دنوں بعد اس نے ایک خوبصورت فضا کو اندر تک محسوس کیا تھا یا شاید محسوس کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بہت عرصے بعد وہ دو تین بار متواتر باہر نکلی تھی۔ رہبان کے ساتھ شاپنگ کے لئے اور آج......!

"شاید نہیں، یقیناً یہ موسم بہت خوبصورت ہے۔ دل میں اترتا ہوا۔ روح تک کو مسرور کرتا" رہبان کا لہجہ دھیما اور کھویا کھویا سا تھا۔

مژگان خاموشی سے اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ یقیناً رہبان عالم شاہ کسی کو اس موسم میں یاد کر رہا تھا۔ مس کر رہا تھا۔ اور......

وہ کیا پوچھتی؟

کیا دریافت کرتی؟ ہر بات کا تو علم تھا پھر۔

"سجل کو یہ موسم بہت پسند ہے۔ بادل چھائے ہوں، پروائی چل رہی ہو تو وہ دیوانی ہونے لگتی ہے۔" رہبان عالم شاہ کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ وہ چونکی نہیں تھی۔

حیران بھی نہیں ہوئی تھی!

بس اسے دیکھتی رہی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ یکدم ہی مسکرایا تھا۔ وہ یکدم نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"بہت سی چیزوں کے ساتھ ہماری بہت سی یادیں وابستہ ہوتی ہیں اور جب ہم ان چیزوں کو ایک تسلسل کے ساتھ دیکھتے ہیں تو ہر ہر یاد جیسے دل کے کوچے میں یہاں سے وہاں سفر کرنے لگتی ہے۔ جانے ایسا کیوں ہوتا ہے۔ لیکن ایسا ہوتا ہے۔"

"کہاں چلیں؟"

"آپ اس موسم میں کہاں جایا کرتے ہیں؟" وہ جانے کیوں بلا ارادہ ہی بول گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ چونکا تھا، پھر بہت دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

"سجل کو لانگ ڈرائیو بہت پسند تھی اور مجھے ساحل کا کنارا۔"

"شوق تو دونوں ہی بے حد اچھے ہیں۔" وہ ہنسی۔ "چلئے آج جہاں آپ کا دل کہے۔"

"اپنی پسند بتاؤ۔ معاملہ مجھ پر چھوڑ کر غلطی کرو گی تم۔ یہ دن تمہارا ہے، اس میں تفریح تمہاری پسند سے ہونی چاہئے۔"

"میری پسند؟" وہ وقتی طور پر کوئی فیصلہ نہ کر پائی۔ "میرے خیال میں ساحل سمندر ٹھیک رہے گا۔" اس نے یکدم جیسے فیصلہ دیا۔ وہ کہہ کر رہبان کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ اس نے گاڑی کا رخ "سی ویو" کی جانب موڑ دیا تھا۔

"آپ کو سجل میں سب سے اچھی بات کیا لگتی ہے؟" سجل کے باقاعدہ ذکر پر رہبان عالم شاہ چونکے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ تبھی پہلے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"اس میں تو بہت سی خصوصیات ہیں۔" اس نے سہولت سے جواب دیا تھا۔

"بات ہوئی آپ کی اس سے؟" وہ متواتر ایک ہی سمت سفر کرنے لگی۔

"ہوں۔" رہبان نے بہت ہولے سے سر ہلایا۔ پھر اس سے قبل کہ وہ کچھ مزید کہتی، فوراً

بولا۔ "تمہیں سمندر پسند ہے؟"

"ہاں شاید۔" وہ بہت ہولے سے مسکرا دی۔ رہبان بھی مسکرا دیا۔

"شاید کیوں، یقیناً کیوں نہیں؟"

"پتہ نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے شانے اچکائے۔ "آپ شاید یقین نہ کریں، مگر ے سمندر بہت پسند ہے۔ مگر جب میں کنارے پر کھڑی ہو کر اس کی سمت نگاہ کرتی ہوں تو ں کی وسعت، اس کی تاحد نگاہ پھیلی ہیئت اور شوریدہ پن مجھے خوفزدہ کر دیتا ہے۔"

"ارے۔" وہ حیران ہو کر ہنسا۔ "یہ کیا بات ہوئی؟"

"پتہ نہیں۔ مگر مجھے سمندر بس دور سے اچھا لگتا ہے۔ مگر وہ بھی کچھ دیر تک کے لئے۔ ں زیادہ سے زیادہ اس کی لہروں کے ساتھ سفر کر سکتی ہوں۔ کنارے کنارے چل سکتی ں۔ مزید نہیں۔"

بھی رہبان نے گاڑی سمندر کے کنارے روک دی۔

"چلو اترو۔ آج تمہیں خوفزدہ کرنے والے سمندر کی خبر لیتے ہیں۔" رہبان کا لہجہ بہت فتہ تھا۔ وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

پھر اس کے سنگ لہروں پر چلتے ہوئے کتنی ہی دیر تک وہ جیسے خواب کے سے عالم میں محو رہی تھی۔

"کیا اب بھی ڈر لگ رہا ہے؟" رہبان عالم شاہ نے پوچھا تو وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لی تھی۔

"اوں، ہوں......" پھر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ "بہت عرصے بعد میں نے سمندر کو دیکھا ہے۔ مجھے آج وہ دن یاد آ رہا ہے جب ہم سب سی شیل پر تھے۔ ویکیشنز میں یکدم ہی سب نے پروگرام بنایا تھا اور پھر ہم نے کتنے ہی خوبصورت مقامات دیکھ ڈالے تھے۔ سی شیل پر ے سب نے بہت چھیڑا تھا۔ سب ہی جانتے تھے میں سمندر سے، اس کی وسعت سے ڈرتی ال اور......"

اس کے تصور میں نک کی سبز سمندر سی آنکھیں یکدم ہی آن کر جگمگانے لگی تھیں۔ وہ یکدم کرا دی۔ "بہت بے وقوف تھی میں۔ اور شاید اب بھی ہوں۔" وہ ہنسی تھی۔ رہبان عالم شاہ ل کی سمت دیکھنے لگا تھا۔ وہ پہلی بار اسے اس تواتر سے کھلکھلا کر ہنستے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

وہ ہمیشہ سے مختلف لگ رہی تھی۔

"آج تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔ ہمیشہ سے بہت مختلف۔" وہ برملا کہہ گیا تھا اور مژگان

چونک کر کتنے ہی لمحے اسے دیکھتے ہوئے اندر کے شور کو سنبھالنے میں لگی رہی تھی۔

''خوش رہا کرو......ہنستی رہا کرو۔ زندگی خوبصورت لگنے لگتی ہے۔''

''ہاں شاید۔'' وہ زیادہ کچھ نہ کہہ سکی تھی۔ ہوا کے ساتھ اڑتے شریر آنچل کو سنبھالتے ہوئے وسیع وعریض سمندر کو تکنے لگی تھی۔

''تمہیں بھی اپنے سب دوست یاد آ رہے ہیں؟'' رہبان عالم شاہ کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی اور وہ ایک بار پھر جیسے چونک کر رہ گئی تھی۔

''ہوں۔ شاید.... میں نے کہا نا، بہت سی چیزوں کے ساتھ ہماری یادیں ایک خاص تسلسل کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔ اور جب ان چیزوں پر کبھی نگاہ پڑتی ہے تو سبھی منظر یادداشت میں تازہ ہو جاتے ہیں۔'' وہ چہرے پر آنے والی شریر لٹوں کو چہرے پر سے ہٹانے لگی تھی۔

''ویسے اس وقت میں سوچ رہی تھی کہ ابا جی بہت اچھے ہیں۔ مجھے بابا سائیں کی یاد آ گئی ان سے مل کر۔''

''ہوں، بہت اچھے ہیں واقعی وہ۔ اور امی تو اور بھی زیادہ اچھی ہیں۔ تم ان سے ملو گی تو یقیناً بہت خوش ہو گی۔'' رہبان نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''شاید سبھی والدین بہت اچھے ہوتے ہیں۔ دنیا میں سب سے بے غرض رشتہ ہے یہ۔''

''مگر ایک اور بے غرض رشتہ بھی تو ہے۔'' رہبان اس کی جانب دلچسپی سے دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔ وہ سوالیہ انداز میں اس کی جانب تکنے لگی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔ ''دوستی کا رشتہ۔ جیسے تمہاری اور میری دوستی۔''

وہ ہنس دی تھی۔ پھر خاموشی کے ساتھ سمندر کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''رہبان! کبھی کبھی مجھے بہت ڈر بھی لگتا ہے۔''

''یا اللہ، تم کب نہیں ڈرتیں۔'' وہ اس انداز سے بولا تھا کہ وہ مسکرا دی تھی۔ پھر اس کی جانب دیکھتی ہوئی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''پتہ نہیں مجھے واقعی کیوں ڈر لگتا ہے۔ یہ کھیل کب تک کامیابی سے چلے گا؟ تمہیں ابا جی کو سب کچھ بتا دینا چاہئے تھا۔ جہاں میں ہوں، وہ مقام میرا نہیں۔ کل کو سجل کے لئے کوئی مشکل بھی کھڑی ہو سکتی ہے۔ آپ کو یہ بات سوچنی چاہئے تھی۔ سجل تو بہت اچھی ہے۔ یقیناً میں خود کو اس کے پاسنگ بھی نہیں سمجھتی۔ میں نہیں چاہتی کہ اس کو کسی قسم کی مشکل کا سامنا ہو۔ وہ تو بہت تر و تازہ لڑکی ہے۔ بہت اچھی۔ بہت نازک۔''

رہبان عالم شاہ اسے دیکھتا چلا گیا تھا۔

''بات سن میری، بنے گا کیا اب؟'' دادی اماں بہت متفکر سی اسے دیکھ رہی تھیں۔ ''ایک وفان اٹھا کر اتنے سکون سے جا رہا ہے تو۔ جانتا ہے تیرے پیچھے کیا ہو گا۔ ذرا سی بھی بھنک گئی نا کسی کے کان میں تو قیامت مچ جائے گی۔ سب کے مزاج کو جانتا ہے تو...... اسی لئے ہتے ہیں فیصلے جوش سے نہیں، ہوش سے کرنے چاہئیں۔''

''دادی اماں! میں نے کوئی بھی فیصلہ قطعی جوش سے نہیں کیا۔'' اس نے بہت دھیمے لہجے ں جیسے باور کرانے کی کوشش کی۔

''ارے ہٹ، جانتی ہوں تجھے۔ سدا سے اتنا ہی جوشیلا ہے۔ یہ بچوں کے کرنے کے کام یں ہوتے۔ سیانے یوں ہی تو نہیں ہوتے۔'' دادی اماں نے گویا ڈپٹا تھا۔ مگر وہ کسی قدر مینان سے ان کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''دادی اماں! اب تو جو ہونا تھا ہو چکا۔'' اس کا انداز پُرسکون تھا۔ دادی اماں دیکھ کر رہ ئی تھیں۔

''کوئی آسان کھیل نہیں تھا یہ جو تو نے بڑے آرام سے شروع کر دیا۔''

''دادی اماں! میری ڈیئرسٹ دادی اماں! اس میں اتنا ڈرنے کی کیا بات ہے۔ پیار کیا ہے، کوئی چوری تو نہیں کی۔'' اس کا انداز غیر سنجیدہ تھا۔ لبوں پر موجود تبسم اس بات کا ثبوت ا۔ دادی اماں خاموشی کے ساتھ اسے دیکھنے لگی تھیں۔

''دادی اماں! کوئی گناہ تو نہیں کیا۔ اپنی مرضی سے نکاح ہی تو کیا ہے۔ آپ بجائے مجھے ت بندھانے کے ہمت توڑ رہی ہیں۔''

''ساری مسکراہٹ دھری کی دھری رہ جائے گی جب بات تیری ماں کے کان تک پہنچ گئی۔''

''دادی اماں! ڈرائیے تو نہیں اب۔ آپ ہیں نا۔''

''میں نہیں کرنے کی قبول یہ ذمے داری۔ اس عمر میں گھر سے چلتا کر دیا تو عزت دو وڑی کی بھی نہیں رہ جائے گی میری۔'' دادی اماں صاف بری الذمہ ہو گئیں۔

''ارے مجال ہے جو کوئی میری دادی اماں کو گھر سے نکالے۔''

''میرے بچے! کام تو تیرے ایسے ہی ہیں۔''

اور وہ ہنسنے لگا تھا۔ دادی اماں اسے یونہی دیکھنے لگی تھیں۔ وہ چلتا ہوا ان کے قدموں میں ن بیٹھا تھا۔

''آپ بتائیے، کیا کروں...... اعلان کر کے جاؤں؟'' بہت پُرسکون انداز میں دریافت کیا۔

تھا۔

"مجھے نہیں پتہ۔ مگر آج یا کل یہ سب ظاہر تو ہونا ہی ہے۔"

"وہ تو ہے۔ آخر کو چھپانے کو تو یہ قدم میں نے بھی نہیں اٹھایا۔" اعصار شیخ کا انداز مطمئن اور مضبوط تھا۔

"صبح تیری ماں خاصی بگڑ رہی تھی نمیرا کے سلسلے میں تبھی کہہ دیتا سب کچھ۔" دادی اماں نے کہا۔

"ہاں، تا کہ وہ مجھے تبھی نو دو گیارہ کر دیتیں۔" وہ یکدم ہی ہنس دیا تھا۔

"اعصار، میرے بچے! تو نے تو مجھے بھی پریشان کر دیا ہے۔ اور نہیں تو کم از کم اپنے باپ کو ہی اعتماد میں لے لیا ہوتا۔ وہ تو خاصا غیر جانبدار ہے تیری ماں کے معاملے میں۔"

"میں نہیں جانتا۔ شاید اس معاملے میں مجھے واقعی سب کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے۔"

"اور جو تیری ماں مسلسل تجھ پر نمیرا کے لئے دباؤ ڈال رہی ہے؟" دادی اماں متفکر تھیں۔

"دادی اماں! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اعصار شیخ پُر امید تھا۔

"ادعیہ سے ملا ہے تو؟" دادی نے یکدم ہی دریافت کیا تھا۔ وہ چونکتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

"جی بہت چاہ رہا ہے مگر وہ لڑکی بہت سر پھری ہے۔"

"کچھ کچھ تجھ جیسی ہے نا۔" دادی اماں مسکرائی تھیں۔

وہ بھی ہنس دیا تھا۔

"دادی اماں! جانے سے قبل اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ دل میں شدید ترین خواہش ہے۔ مگر وہ لڑکی بہت کٹھور ہے۔ کئی بار نمبر گھما چکا ہوں مگر وہ فون اٹھا کر نہیں دیتی۔ فون پر ملے تو روبرو ملنے کی بھی امید ہو۔ بہت خفا ہے مجھ سے۔ پتہ نہیں کب مانے گی۔"

"یہ بھی شکر کر وہ چپ ہے۔ جو کچھ تو نے کیا ہے وہ کسی طور بھی شرافت کے زمرے میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو قیامت برپا کر دیتی۔ وہ تو بے سہارا ہے، اپنی عزت اور اپنے خاندان کی عزت کو چپکی بیٹھی ہے دل کی دل میں لئے۔ وگرنہ تمہارا اقدام نہ تو حوصلہ افزا ہے نہ ہی قابل ستائش۔" دادی اماں نے ڈپٹنے میں کسر نہیں باقی چھوڑی تھی۔ مگر وہ بہت پُرسکون انداز میں نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

"دادی اماں! خدا جانتا ہے، میرا دل اس کے لئے صاف ہے۔ میں نے یہ قدم نیک نیتی سے اٹھایا ہے۔ دنیا چاہے جو بھی سمجھے مگر وہ میری زندگی کا محور ہے۔ میں سب کچھ ہار سکتا

ہوں۔ فقط اس کے لئے۔"

دادی اماں اسے دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

"لوٹے گا کب پھر؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

"کم از کم اپنی چچی سے ہی بات کر لی ہوتی۔"

"شعاع جانتی ہے نا۔"

"وہ تو قطعی نہ بتائے گی۔ جانتا ہے تو کس قدر کمزور دل کی خاتون ہے۔ صدمہ برداشت کہاں کر پائے گی۔ اسی ڈر سے شعاع بھی دل میں دبائے رکھے گی۔"

"آپ کچھ کوشش کیجئے گا نا۔"

"میں...... اے بچے! میری قدر و اہمیت تو تیرے دادا ابا کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی کب کی۔ اب تو فقط بے جان لاش ہوں۔"

"پلیز دادی اماں!" اس نے مزید کچھ کہنے سے انہیں باز رکھا تھا۔ "آپ ہمارے لئے بہت اہم ہیں۔ کم از کم میری تو جان ہیں۔" اس نے مسکرا کر چھیڑا تھا اور گود میں سر دھر دیا تھا۔

"چل ہٹ۔ شعاع، ادعیہ سے ملنے کو بہت دل مچل رہا ہے۔ مگر اب تیرے باعث مجھے بھی کچھ مشکل سی لگ رہی ہے۔ پتہ نہیں کیا رویہ رکھیں۔"

"ارے آپ سو بار جائیے۔ آپ کی دو دو بہوئیں اس گھر میں موجود ہیں۔ بلکہ میں خود آپ کو لے کر جاؤں گا۔" وہ مسکرایا تھا۔ اور دادی اماں سر ہلاتے ہوئے یقیناً کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔

✿......✿
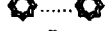
بہت سرعت کے ساتھ وہ پیکنگ کر رہی تھی جب فون کی بیل ہوئی تھی۔ وہ فون سے ابھی دوری پر تھی۔ دوسرا موبائل چارج پر لگا تھا۔ کچھ فاصلے پر رہبان عالم شاہ کہیں جانے کے لئے تیاری میں مصروف تھا۔ ایک...... دو...... تین...... فون متواتر بجتا رہا۔ اس نے مصروفیت کے باعث رہبان عالم شاہ کی سمت دیکھا۔ اگرچہ اس کی جانب اس کی پشت تھی مگر آئینے میں اسے دیکھ چکا تھا۔ نارملی وہ اپنا فون ہمیشہ خود ریسیو کرتی تھی مگر اب مصروفیت کے باعث اس نے گویا رہبان عالم شاہ کو اجازت دی تھی۔

"ہیلو...... رہبان عالم شاہ اسپیکنگ۔"

"یس، اِٹس اے کوریکٹ نمبر؟"

''نو...... آئی ایم ہزبینڈ آف ہر۔ اٹس مژگان موبائل نمبر۔ بٹ ہو یو آر...... شور...... او...... مسٹر نک...... آف کورس...... شی از ہیئر رائٹ ناؤ۔ ٹاک وِد ہر۔''

اس نے بہت چونک کر زہبان عالم شاہ کی سمت دیکھا تھا۔

''نک......'' ذہن میں جیسے ایک ہی بازگشت ہونے لگی تھی۔ اس کی نگاہیں رہبان عالم شاہ کی سمت تھیں مگر اس کے چہرے سے کسی قسم کے تاثر کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ بہت سپاٹ چہرے کے ساتھ موبائل اس کی سمت بڑھا دیا تھا۔ اس نے بہت دھیرے سے موبائل تھام کر کان سے لگا لیا تھا۔ وہ مڑ کر دوسرے ہی پل باہر نکل گیا تھا۔ اس کی نگاہیں اس کے تعاقب میں رہی تھیں۔

''ہیلو...... یس مژگان۔'' بہت کھوئے کھوئے سے لہجے میں آواز کا تاثر بہت مدھم تھا۔

''کیسے ہو تم؟'' شستہ انگریزی میں اس نے خیریت دریافت کرنے میں پہل کی تھی۔

''ہاں، میں ٹھیک ہوں۔ ہاں رہبان تھے۔ میرے ہزبینڈ۔ ہاں ان کی پرسنالٹی بھی بہت امپریسو ہے۔'' بہت ہولے سے مسکرا کر سر جھکاتے ہوئے جیسے اس نے اقرار کیا تھا۔

''خیال...... ہاں بہت...... محبت کے ساتھ بہت کچھ دیا ہے انہوں نے مجھے۔'' اس نے نک کے سوال کا جواب دیا۔

''تم خوش ہو نا؟'' نک پوچھ رہا تھا۔

''رہبان جیسے شخص کے ساتھ کون خوش نہیں ہوگا۔''

''مگر ان کا انداز بہت کول سا تھا۔'' نک جانے کیسے محسوس کر گیا تھا۔ ''اور تم لندن آنے والی تھیں۔ پتہ ہے گرینی تمہیں کس قدر مس کر رہی ہیں۔ سخت خفا ہیں وہ تم سے۔ تم نے انہیں کوئی فون بھی نہیں کیا۔ اگر یہ سب مشکل لگے تو کم از کم ایک دو لفظوں پر مشتمل خیریت کا ای میل ہی کر دیا کرو۔''

''ہوں.... گرینی سے میری جانب سے معذرت کر لینا۔ فی الحال ان دنوں بہت مصروفیت رہی ہے۔ دراصل گاؤں سے رہبان کے پیرنٹس وغیرہ آئے ہوئے ہیں۔''

''لندن کب آؤ گی؟'' نک کا لہجہ بے قرار تھا۔

''ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میں حالات کے رخ پر ہوں۔ ہوائیں جس جانب لے جائیں گی۔ چل دوں گی۔''

''کیا بات ہے، تمہارا لہجہ غمگین ہے۔'' نک پر جانے کیسے سب کچھ عیاں تھا۔ سات سمندر درمیان میں حائل تھے۔

''اوں ہوں۔'' وہ یکدم ہی ہنسی تھی اور نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''پتہ ہے، رات خواب میں، میں نے تمہیں بے تحاشا کھلکھلا کر ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ مجھے بہت اچھا لگا۔ تم یقیناً بہت خوش ہو۔ ہے نا؟''

''ہاں۔'' وہ یکدم کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ ''اور تم؟''

''میں......؟'' نک کا لہجہ دھیما تھا۔ ''شاید میں بھی خوش ہوں۔ پتہ نہیں۔''

''خوش رہنا اچھی بات ہے۔'' مژگان نے دوستانہ انداز نبھایا۔

''مگر خوش رہنا بہت مشکل ہے۔'' وہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔ ادھر مژگان کے پاس بھی جیسے باتیں ختم ہو گئیں۔

''سنو۔'' نک نے بہت دھیرے سے پکارا تھا۔ مژگان کا دل یکدم ہی بہت زور سے دھڑکا تھا۔

''ہوں۔''

''تم بہت یاد آتی ہو۔ بے حد...... بے حساب۔''

کتنی بے قراریاں تھیں۔ کتنے اضطراب تھے۔ مژگان جیسے اس سمندر میں ہچکولے لینے لگی تھی۔

''بہت مس کرتا ہوں میں تمہیں...... پتہ نہیں کیوں، بھولتی نہیں ہو۔ حیران ہوں، جانے کیوں تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔'' بہت دھیما تھا اس کا لہجہ اور مژگان وہ چپ ہی رہی تھی۔ شاید کہنے کو کچھ نہ تھا اس کے پاس۔

جانے کیوں نک بہت دھیرے سے ہنس دیا تھا۔

''بے وقوف ہوں نا۔ تم چاہو تو پاگل کہہ سکتی ہو مجھے۔''

''باقی سب کیسے ہیں؟''

''ٹھیک ہی ہوں گے۔'' اس کا انداز بیگانہ تھا۔

''اور کیا کر رہے ہو ان دنوں؟'' مژگان جیسے اسے بہلانے لگی۔

''تمہیں یاد کرنے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔'' وہ ہنسا تھا۔

''مذاق اچھا کر لیتے ہو۔'' وہ ہنسی تھی۔

''سنو۔'' اس نے ایک بار پھر پکارا تھا اور مژگان کی جیسے جان پر بن گئی تھی۔

''تم کیا واقعی رہبان سے بہت محبت کرتی ہو؟'' جانے کیا جاننے کا متلاشی تھا وہ سبز آنکھوں والا لڑکا!

مژگان کے اردگرد تو جیسے ایک ہی بازگشت ہونے لگی تھی۔

محبت ہوتی ہے...... محبت ہوتی ہے۔

"تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" وہ تمام کیفیات پر قابو پاتے ہوئے بہت شوخی سے مسکرائی تھی۔

"جل رہا ہوں نا۔" نک کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

"بہت بری بات ہے۔"

"کیا کروں۔ شاید میرے نصیب میں جلنا ہی جلنا ہے۔ ہجر کے الاؤ میں۔ یک طرفہ محبتوں کی آگ میں۔ بہت سی بے اعتنائیوں میں۔ اپنے بہت سے جذبوں کے ساتھ، بہت سی بے قراریوں کی انگلی تھامے، فقط جلنا ہی جلنا۔"

اور وہ کیا کہتی۔

بارش ہی بارش تھی۔ بہت سا پانی اور بے حد پیاس!

نک کا لہجہ بہت جلتا ہوا تھا۔

کسی آتش کی مانند...... یا پھر سمندر کی طرح گہرا اور بے حد گہرا۔

"ابھی تو مصروف ہوں، پھر بات کریں گے تو تمہاری روداد غور سے سنوں گی۔" وہ بات کچھ مذاق میں اڑاتے ہوئے ہنسی تھی۔

"کہیں جا رہی ہو؟" اس کا دھیما لہجہ ابھرا تھا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا؟" وہ حیران ہوئی۔

"اندر بستی ہو میرے۔ اپنے آپ کی کسے خبر نہیں ہوتی۔" نک کا انداز بہت مسرور تھا۔ قدرے جنونی سا۔

مژگان فوری طور پر سنبھل نہ سکی تھی۔

"اوکے۔ پھر بات ہو گی۔ ابھی تو میں اپنی سسرال جانے کے لئے تیاری کر رہی ہوں۔ پیکنگ ہو رہی ہے۔ میری نند کی شادی کی تقریب ہے۔ لوٹوں گی تو پھر تفصیل سے بات کریں گے۔" اس نے بہت سہولت سے گفتگو کو انجام کی جانب موڑا تھا۔

"خیال رکھنا اپنا۔" نک کے لہجے میں بہت کچھ تھا جو نظر انداز کئے جانے کے قابل نہیں تھا۔

"یو ٹو۔" فون کا سلسلہ منقطع کر کے کتنی دیر بعد بھی وہ اسی انداز میں کھوئی کھوئی کیفیت میں بیٹھی رہی تھی۔ نظریں جانے کیوں کھلی دہلیز سے اس طرف اعیان کے ساتھ کھڑے کسی بات پر دھیرے سے مسکراتے ہوئے رہبان عالم شاہ پر جا ٹھہری تھیں۔

اور وہ کتنی دیر تک چپ چاپ سی دیکھتی رہی تھی۔

......

وہ کچن میں تھی جب اعصار شیخ کی کھلکھلاتی ہوئی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

جانے کیسے آپ ہی آپ کپ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا پڑا تھا۔

پورے وجود کے اندر جیسے ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔

وہ رانیہ اور امی وغیرہ سے باتوں میں مصروف تھا۔

انداز ویسا ہی تھا۔ شوخ...... زندگی سے بھرپور۔

کسی بات پر کھلکھلا کر ہنس رہا تھا وہ۔ کسی طرح کا کوئی احساسِ ندامت نہ تھا۔

کوئی پچھتاوا...... نہ کوئی ملال۔

کس قدر ہمت تھی۔

وہ حیران تھی۔

"وہ محترمہ ادعیہ صاحبہ کہاں ہیں؟" اس کا نام اچانک ہی لیا گیا تھا اور اس کی حیرت دوچند ہو گئی تھی۔

"کچن میں ہیں۔"

"مزاج ساتویں آسمان پر ہیں یا لینڈ کر گئیں؟"

"خبردار بھائی! میری بہن بہت پیاری ہے۔" رانیہ مسکرائی تھی یقیناً اس کا دفاع کرتے ہوئے۔

"حالانکہ آپی ہمیشہ واقعی کلاؤڈ نمبر نائن پر پائی جاتی ہیں۔" عمر نے ان موصوف کی بات سے صد فی صد اتفاق کیا تھا۔ اور سب ہنسنے لگے تھے۔

"میری بچی بہت اچھی ہے۔" امی کی ملاحت سے بھرپور آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔

"ہاں، ہم نے کب انکار کیا ہے۔ ہم تو صد فی صد معترف ہیں۔ موصوفہ واقعی لاجواب ہیں۔ بے مثال ہیں۔" اس کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

"شعاع نظر نہیں آ رہیں؟" اب وہ شعاع کے متعلق دریافت کر رہا تھا۔

"اپنے کمرے میں ہو گی۔" امی کی آواز ابھری تھی۔

"کیا بات ہے اعصار بھائی! آج تو بہت خوش نظر آ رہے ہیں۔" رانیہ کی آواز ابھری تھی۔ اشتیاق بہت نمایاں تھا اور وہ جواب میں کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔

"خوش ہوں۔ بلکہ میں تو ہمیشہ ہی خوش رہتا ہوں۔ اللہ نے ایک ہی تو زندگی دی ہے۔"

روتے دھونے سے کیا حاصل۔ ہنسی خوشی گزار دینے میں مزہ ہے۔ ایک ہی بار ہیں اس جہاں میں۔ پھر کہاں موقع ملنا ہے۔ سو اس ایک ہی جیون کو صدیوں پر محیط کرنے کا یہ بھی ایک خاص انداز ہے کہ خوش رہا جائے۔ محبت کی جائے۔ دوسروں میں بانٹی جائے۔ سکون کے ساتھ، امن کے ساتھ مل جل کر رہا جائے۔'' وہ یقیناً مسکرا رہا تھا۔

''بڑے سمجھدار ہو گئے ہیں۔'' رانیہ ہنس رہی تھی۔

''ہاں، تمہاری سمجھدار آپا کی صحبت میں رہنے لگا ہوں نا۔'' وہ بے حد کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا تھا۔

''بہت دنوں بعد آئے بیٹا تم۔ میں تو سمجھ رہی تھی، ملے بغیر ہی واپس چلے گئے ہو۔'' امی نے دریافت کیا تھا۔

''ایسا کبھی ہو سکتا ہے؟ بس ذرا مصروف تھا۔'' وہ بہت مسرور انداز میں کہتا ہوا یقیناً مسکرا رہا تھا۔

''ایسی بھی کیا مصروفیت کہ ہم بھول گئے؟'' رانیہ نے شکوہ کیا تھا۔

''ارے تم سب مجھے بھول سکتے ہو؟ یہیں تو زندگی ہے میری۔'' لہجہ یقیناً ذومعنی تھا۔

''جا کب رہے ہیں؟'' عمر دریافت کر رہا تھا۔

''تم سب مجھے بھگانا چاہتے ہو؟'' وہ شرارت سے گویا تھا۔

''ہرگز نہیں۔'' رانیہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

''اب بیٹھے باتیں ہی کرتے رہو گے یا بھائی کی خاطر مدارات بھی کرو گے؟'' امی نے دریافت کیا تھا۔ ''دیکھو، وہ شعاع کیا کر رہی ہے؟''

''میں دیکھتا ہوں......'' وہ بہت مدھم لہجے میں کہتا ہوا اٹھا تھا۔ جانے کیوں ادعیہ کے اندر باہر ایک طوفان سا برپا تھا۔

بہت بوکھلائے ہوئے انداز میں وہ پلٹی تھی۔ پیش قدمی کا ارادہ اپنے کمرے کی جانب تھا۔ مگر عین موقع پر جانے کیسے لائٹ چلی گئی تھی۔

وہ چلتی ہوئی یکدم ہی کسی بھاری وجود سے جا ٹکرائی تھی۔

اس کی سانسیں جیسے رکنے لگی تھیں۔

دھڑکنوں کا بے تحاشا شور تھا۔

کان میں کسی اور کی دھڑکن کی آواز بھی گونج رہی تھی۔

حصار ہی قیامت سے کم نہ تھا۔

مضبوط بانہوں کا ہالہ اس کے اردگرد تھا۔

اس کے شانوں پر ایک تپش تھی۔

کسی کی گرم گرم سانسیں اس کے چہرے پر تھیں۔

پورا وجود جیسے جلنے لگا تھا...... پورے بدن میں سنسناہٹ سی تھی۔

کاٹو تو جیسے بدن میں لہو نہ تھا والی کیفیت کے مصداق وہ اس گھڑی اس لمبے چوڑے شخص کی گرفت میں تھی۔

بہت مشکل کے ساتھ اس نے مزاحمت کی تھی اور خود کو اس کی گرفت سے نکالنا چاہا تھا۔ مگر وہ جیسے ان لمحوں پر داستان رقم کرنے کا خواہاں تھا۔

مختصر لمحوں کو زندگی دے کر صدیوں پر محیط کرنا چاہ رہا تھا۔

اردگرد خاموشی ہی خاموشی تھی...... ویرانی ہی ویرانی!...... اندھیرا ہی اندھیرا!

اور......!

یہاں وجود جیسے شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔

اندر کمرے میں سے سب کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''ارے کینڈل ڈھونڈو نا۔'' عمر چیخ رہا تھا۔

''ڈھونڈ تو رہی ہوں۔ ماچس بھی نہیں مل رہی۔'' سب بول رہے تھے۔

''ادعیہ کچن میں ہے۔ جاؤ، کسی طرح وہاں سے ماچس لے آؤ۔'' رانیہ نے عمر کو مشورہ دیا تھا۔ ادعیہ کے لئے وہ قیامت کے لمحے تھے۔

وہ بلند آواز میں نہ تو کچھ بول سکتی تھی نہ ہی بھرپور انداز میں مزاحمت کر سکتی تھی۔

''مجھ سے بھاگ کر کہاں جا رہی تھیں؟'' اس کی سرگوشی اس کے کان کے بہت قریب تھی۔ مگر وہ چپ ہی رہی تھی۔

''جانتی ہو کس قدر بے قرار تھا میں۔ آخر اتنی کڑی آزمائش میں کیوں ڈال دیتی ہو تم؟'' اس کی سلگتی سانسیں اس کے چہرے کو جھلسا رہی تھیں۔ اس کی خوشبو، اس کی بے تحاشا قربت، جان فنا ہونے کو تھی۔ ''معاف نہیں کرو گی کیا؟ اب تک ناراض ہو؟'' بہت مدھم سرگوشی بہت تشنگی لئے ہوئے تھی۔

''چھو...... چھوڑو...... مجھے۔'' وہ اسی قدر کہہ سکی تھی۔ وہ بہت ہولے سے شاید ہنسا تھا۔

''کتنی بے قدری ہو تم۔ بے قدروں سے کر کے پیار، قدر گنوائی دل کی یار!''

''کک...... کوئی بات نہیں کرنی ہے مجھے تم سے۔''

"مجھے علم ہے۔ ہزاروں داستانیں دل میں دبی رہ جائیں گی میرے۔ بہت سے خواب ماتم کناں رہ جائیں گے۔" اس کی دیوانگی، مجنونانہ پن ہمیشہ کی طرح برقرار تھا۔

"جان چھوڑ دو میری۔ خدارا بخش دو مجھے۔" اس کا انداز ملتجی تھا۔

"کیسے گنوا دوں؟ جان ہو میری۔" اس کے لہجے میں جادو ہی جادو تھا۔ نشہ ہی نشہ......

ایک فسوں تھا جو بے دم کرنے کو کافی تھا۔

محسور کرنے کو بھرپور تھا۔

"ادعیہ...... ادعیہ......" رانیہ کی آواز ابھری تھی۔ اس نے ایک سرعت کے ساتھ دھڑکتے دل کی بے تابیوں پر قابو پاتے ہوئے خود کو اس کی گرفت سے ایک جھٹکے سے چھڑایا تھا اور بہت مشکل کے ساتھ ہانپتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب سفر کرنے لگی تھی۔

پورا وجود کانپ رہا تھا...... ہر طرف ہلچل ہی ہلچل تھی اور وہ......!

اپنے کمرے کے دروازے سے لگی بہت گہرے گہرے سانس لئے جا رہی تھی۔

"ادعیہ...... کیا ہوا......؟" یکدم ہی شعاع کی آواز ابھری تھی اور وہ بے تحاشا چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ اس سارے عمل میں وہ یقیناً اس بات سے ناواقف اور بے خبر رہی تھی۔ اور یہ بات اس کے گمان میں بھی نہ تھی کہ اس کمرے میں اس کے علاوہ بھی کوئی ہو سکتا ہے۔ اور اب جو آنکھیں کھولی تھیں تو یکدم ہی احساس ہوا تھا کہ کمرے میں نہ صرف کوئی دوسرا موجود تھا بلکہ ونڈوز اوپن ہونے کے باعث کمرے میں اچھی خاصی روشنی بھی تھی۔

شعاع نگاہیں جمائے یقیناً تشویش سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے فوری طور پر نفی میں سر ہلاتے ہوئے دھڑکنوں کو معمول پر لانے کی کوشش کی تھی۔

"کیا بات ہے؟" شعاع نے اٹھ کر قریب آتے ہوئے دوبارہ تشویش بھرے انداز میں دریافت کیا تھا اور ساتھ ہی اس کے شانے پر دھیرے سے ہاتھ دھرا تھا۔ وہ بس خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔

"ڈر گئی ہو؟" شعاع نے اپنے طور پر ہی اخذ کیا تھا۔

"اعصار بھائی! آپ تو شعاع آپی کو جگانے گئے تھے۔" رانیہ کی آواز بہت واضح انداز میں کمرے تک آئی تھی۔

"ہاں، مگر اندھیرے میں مجھے راستہ ہی سجھائی نہیں دیا۔" وہ یقیناً مسکراتے ہوئے وضاحت کر رہا تھا۔ جانے کیا بات ہوئی تھی، رانیہ اور عمر وغیرہ ہنسنے لگے تھے اور شعاع لمحہ بھر میں خاموشی کے ساتھ ان آوازوں کو سنتی رہی تھی۔ یقیناً صورتحال کو سمجھنے میں اسے کوئی دقت نہیں

ہوئی تھی۔

ملگجے اندھیرے کے باوجود ادعیہ نگاہ اٹھانے کے قابل نہیں رہی تھی۔ چہرے پر خجالت کے تاثرات بہت واضح تھے۔ ایک تپش نے چہرے کا حصار کر رکھا تھا۔ ادعیہ کو لگ رہا تھا جیسے شعاع اس کے چہرے سے پھوٹتی تپش سے پوری طرح واقف ہو، محسوس کر سکتی ہو، اس تمام سرخی کو اس اندھیرے کے باوجود دیکھ سکتی ہو۔

بہت آہستگی کے ساتھ اس نے بیڈ کی جانب پیش قدمی کی تھی۔

"میں قطعی طور پر اس کا سامنا نہیں کر سکتی۔" اپنے وجود کو بیڈ پر ڈالتے ہوئے اس نے بہت مدھم انداز میں نہ چاہتے ہوئے بھی وضاحت کی تھی اور اپنے خوفزدہ ہونے کا جواز پیش کیا تھا۔

شعاع نے اسے وہیں کھڑے ہوئے دیکھا تھا، خاموش نظروں کے ساتھ، مگر کہا کچھ نہیں تھا۔ ادعیہ جانے کیوں نگاہ جھکا گئی تھی۔ اور تبھی شعاع بہت دھیرے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔ ادعیہ کچھ دیر ایسے ہی خالی خالی نظروں کے ساتھ اس سمت تکتی رہی تھی۔

اندر باہر ایک تپش سے سلگ رہا تھا۔

جیسے ابھی تک اس کا لمس زندہ تھا۔ نہ جانے سب کچھ ویسا کیوں ہو رہا تھا جیسا کبھی اس نے سوچا نہیں تھا، چاہا نہیں تھا۔ سب کچھ اختیار سے باہر کیوں تھا۔

آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔

وہ لوگ مسلسل بول رہے تھے۔ ہنس رہے تھے۔

"ارے شعاع جی، آپ جاگ گئیں؟" یقیناً شعاع کی آمد پر وہ اس جانب متوجہ ہوا تھا۔

شعاع نے جانے کیا کہا تھا، اس نے تکیہ اٹھا کر چہرے پر رکھتے ہوئے تمام آوازوں سے کان بند کرنے چاہے تھے اور تب جانے کیوں بہت خاموشی کے ساتھ بہت سا گرم پانی آنکھوں کے راستہ باہر منتقل ہونے لگا تھا۔

کس قدر شرمندگی ہو رہی تھی۔

کچھ نہ کرنے کے باوجود بھی اس شخص نے اسے مجرم بنا دیا تھا۔

"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی...... اللہ کرے، مر جاؤ تم۔" بہت سسکتے ہوئے وہ دل کا غبار دھونے لگی تھی۔

چڑھ چناں تے کر رشنائی تارے ذکر کریندے تیرا
تیرے جیہے چن کئی سے چڑھ دے سانوں سجناں باجھ ہیرا
جتھے چمن ساڈا چڑھدا اوتھے قدر نہیں کجھ تیرا
جس دے کارن اساں جنم گوایا باہو یار ملے اِک پھیرا

''اے سیو! کتھے پہنچی ہوئی ہے تو؟'' زیبو نے اسے بہت بے خبر دیکھ کر کوئی تیسری بار آواز دی تھی اور وہ بے تحاشا چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

''ہاں...... کیا ہوا؟'' اس کا انداز بہت بے خبر اور انجان تھا۔

''ہا...... ہائے...... اڑیئے! جب سے تو نے کتابوں سے لو لگائی ہے توں تے بالکل ہی رہ گئی ہے۔ ہے نا نگو؟'' زیبو نے خود اظہارِ خیال کرنے کے ساتھ ہی نگو سے بھی رائے لی تھی اور نگو فوراً ہی سر اثبات میں ہلاتے ہوئے گویا تصدیق کرنے لگی تھی۔

''اے سیو! کہیں یہ کوئی گڑبڑ والی بات تو نہیں؟'' نگو نے فوراً آنکھوں کو مٹکاتے ہوئے اسے بہت شرارت سے دیکھا تھا۔

''کیا...... کیا...... مطلب ہے تم لوگوں کا...... کیا بکواس کر رہی ہو تم؟'' وہ دل کی بہت سی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے یکدم ہی اپنے دفاع کے لئے سرگرداں ہو گئی تھی اور شینو سمیت تینوں ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھیں۔

سیو سارے راز افشا ہو جانے کے خوف سے زرد پڑ گئی تھی۔

''یہ کیا فضول میں ہنسے جا رہی ہو تم تینوں؟''

''گل سن سوہنیئے!'' زیبو بہت شوخی سے مسکراتے ہوئے اس کی جانب جھکی تھی۔ ''یہ عشق اور مشک بڑے برے ہیں۔ چھپائے نہیں چھپتے، چاہے جتنا مرضی چھپا لو۔ سارے راز کھل جاتے ہیں۔'' سیو کو دونوں بازوؤں سے تھامتے ہوئے اس نے بہت شرارت سے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''یہ تو صاف ظاہر ہے کہ دل وچ صرف کچھ کالا نئیں، بلکہ پوری دال ہی کالی ہے۔ مگر

ب اصل قصہ کیا ہے یہ تو، تو ہی بتائے گی۔ دیکھ اب جھوٹ نہ کہنا...... ہم بھی دماغ اور عقل کھتے ہیں۔ تیری طرح موٹی موٹی کتابیں تو نئیں پڑھتے پر دل دیاں گلاں باتاں بہت خوبی ے سمجھتے ہیں۔''

سیو اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

''وہ بلو بیچارہ تو قطعی نہیں ہو سکتا۔ بیچارہ کتنا اُداس لوٹا ہے شہر کو۔'' زیبو نے خود ہی قیاس ر کے جیسے لطف اٹھایا تھا۔ نگو اور شینو مسکرا دی تھیں۔

''اے چل ہٹ۔ اپنی سیو کے لئے کیا وہ کالا بندر ہی رہ گیا ہے؟ یہ تو پری ہے پری۔ ں کے لئے تو کوئی شہزادہ ہی گھوڑے پر سوار آئے گا۔ مضبوط...... بہادر...... وجیہہ جوان...... ا اتھ بڑھائے گا اور سیو کی نازک سی کلائی کو دوسرے ہی پل اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے اسے اپنے ہمراہ سوار کر لے گا۔ کسی ریاست کا شہزادہ، جو دیکھے گا اور نظروں سے بھسم کر ے گا۔ جس کے قدموں سے زمین ہلتی ہو گی۔'' نگو نے اس کے لئے بھرپور خیالی پیکر تراشا۔ شینو کا تجسس قابلِ دید تھا اور زیبو ہنسنے لگی تھی۔

چہرے پہ سہرا ڈالے
آ جاؤ آنے والے
چاندی سی بنو میری تیرے حوالے!

زیبو نے بھرپور انداز میں اپنے شوق کو زباں دی تھی اور سیو نے اپنے دل کی دھکم پیل کو بالتے ہوئے انہیں ایک نگاہ دیکھا تھا اور دوسرے ہی پل بنا کچھ کہے سر جھکا گئی تھی۔

''اے جھلیئے، اتنا کیوں ڈر رہی ہے؟ محبت کوئی جرم تو نئیں......'' شینو نے زیبو کو چپ اتے ہوئے اس کے جھکے سر کو دیکھا تھا، پھر بہت دھیرے سے اس کے چہرے کو اٹھایا تھا۔

''ہم کوئی دشمن تو نئیں۔ بچپن سے ساتھ ہیں۔ نصیب نصیب کی بات ہے۔ یہاں کوئی کی نئیں۔ ہمیں تو خوشی ہو گی اگر تیرے بھاگ کھل جاتے ہیں۔'' اس کا انداز بہت اری لئے ہوئے اور سنجیدہ تھا۔ سیو نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا، پھر ایک گہری سانس ج کی تھی۔

''کوئی کسی سے نہ بھی ڈرتا ہو تو فقط اپنے نصیبوں سے ڈرتا ہے۔ مجھے تم تینوں سے کوئی ہیں۔ یہاں تو خود اندر سے بغاوت ہوئی ہے۔ اور میں...... افسوس کچھ بھی تو نہیں کر ۔'' بہت دھیمے سے وہ مسکرا دی تھی۔

''مجھے پتہ نہیں سب کیسے ہو گیا۔ مجھے تو سرے سے کوئی تجربہ ہی نہ تھا۔ اور اب بھی یقین

وگماں کے درمیان ہوں۔ یقینی و بے یقینی ہے۔ پتہ نہیں کچھ ہے بھی یا کہ نہیں۔'' وہ ایک دم ہی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''کچھ نہیں جانتی میں۔ بس بے قراری بہت ہے۔ چین ایک پل نہیں اور کوئی حل نہیں۔''
اس نے ہاتھ کی لکیروں کو جانچتے ہوئے ایک بار پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ تبھی تینوں مسکرا دی تھیں۔

''جھلی! کملی ہوگئی ہے۔ یہی تو محبت ہے۔'' نگو نے اس کے سر پر ایک چپت لگائی تھی۔

''پر وہ خوش نصیب ہے کون؟'' زیبو نے یکدم ہی قریب کھسکتے ہوئے رازدارانہ انداز اختیار کیا تھا۔ اور سیو دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''تو، تو ہمیں کچھ نہیں بتائے گی؟'' شینو نے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

''کیا حاصل...... کچھ بھی تو اختیار میں نہیں۔ سب ناممکن ہے۔ خوابوں، خیالوں میں بھی اس کا ہونا ممکن نہیں۔''

''اے سیو! یہ بڑی بڑی باتیں ہم سے مت کر۔ مانا موٹی موٹی کتابیں پڑھنے لگی ہے اب تو۔ مگر ہم تو وہی ہیں نا، پنج جماعت پاس۔'' نگو اس کے انداز پر اُلجھتی ہوئی بولی تھی۔

اور سیو بہت دھیرے سے ہنسی تھی۔ بہت زخمی سی ہنسی تھی۔

''گل سن، اس کی کسی کو بھی خبر ہے کہ وہ تجھے کتنا خالی کر گیا ہے؟'' شینو نے بہت سیدھی بات کی تھی۔ سیو چونکی تھی، پھر ہنس دی تھی۔

''خالی کہاں، میرے ساتھ تو ایک میلہ کر دیا ہے اس نے۔ اک جہاں آباد ہے میرے اندر۔''

زیبو نے بروقت اپنا سر پیٹا۔ ''گئی کم سے تو...... سیو تو گئی۔ سن، ہم صرف تیرے لئے دعا ہی کر سکتے ہیں۔'' اور وہ محظوظ ہو کر مسکرا دی تھی۔

''کبھی گل ہوئی کوئی......؟'' نگو کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''اس کی سمت تکنے کی ہمت کروں تو کوئی بات بھی کہے۔'' اس کا انداز مسرور سا تھا۔ تصور میں کوئی یکدم ہی اپنی حشمت اور وقار سمیت آن موجود ہوا تھا۔

''ہا...... ہائے...... تو نے کبھی اسے دیکھا بھی نہیں؟'' زیبو حیران ہوئی۔

''ہے کون وہ خوش نصیب؟''

سیو نے ان تینوں کے تجسس کو دیکھا تھا، پھر محظوظ ہو کر مسکرا دی تھی۔ ''چھوڑو، لا حاصل کو حاصل کرنا ممکن نہیں۔ وقت برباد ہوگا صرف...... اور وقت بڑا قیمتی ہے۔''

''وہ تیرے اختیار سے باہر ہے۔ یعنی چیز تیری رسائی کی نہیں؟'' زیبو نقطے تک پہنچی۔

''کچھ بھی سمجھ لے...... بس آگ ہی آگ ہے۔ اور یہ آگ بھی یکطرفہ ہے۔'' سیو کا انداز بہت کھویا کھویا سا تھا۔ اندر کے غبار کو جیسے واقعی کسی راہ کی تلاش تھی۔

''ہائے سیو! جل جائے گی توں تے۔'' نگو کی آواز بہت پُرافسوس تھی۔

''میرا نصیب۔'' وہ تلخی سے مسکرائی تھی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ''بے بے راہ دیکھ رہی ہوگی۔ چلتی ہوں۔'' اور اس کے ساتھ ہی اس نے قدم راستوں پر ڈال دیئے تھے۔

✿......✿

وہ ابا جی کے ساتھ ٹیرس پر بیٹھی سمندر کا نظارہ کرتے ہوئے مختلف موضوعات پر دلچسپ اظہار خیال کر رہی تھی۔ ابا جی اسے بہت مسکراتے ہوئے تک رہے تھے۔ یقیناً وہ اس کے آدابِ گفتگو کے قائل ہو گئے تھے۔

''اے عظیم خاتون! کیا ہو رہا ہے؟'' تبھی اعیان آ گیا تھا اور وہ مسکراتے ہوئے تکنے لگی تھی۔

''ابا جی کا نالج بہت کمال کا ہے۔ اسی سے مستفید ہو رہی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر کہا تھا اور ابا جی بہت ملائمت سے مسکرا دیئے تھے۔

''یعنی آپ نے ابا جی کا دل بھی جیت لیا۔'' وہ بہت شوخی سے بولا تھا اور پھر کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔ وہ ابا جی کی موجودگی میں قدرے خجل سی ہو گئی تھی۔

''آخر جادو کیا ہے آپ کے پاس؟'' وہ بنا ابا جی کی پرواہ کئے بہت رازداری سے اس کی جانب جھکا تھا۔ اس نے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا مگر وہ مسکرا دیا تھا۔ تبھی ابا جی مسکرا دیئے تھے۔

''تنگ نہیں کرو ہماری بہو کو۔ اس میں بہت سے گُر ہیں۔ بہت سی خصوصیات ہیں۔ انسان اپنے اخلاص سے دلوں کو فتح کرتا ہے۔ بلاشبہ ہماری بہو میں تمام خصوصیات موجود ہیں۔'' ابا جی نے اس کا بہت بھرپور دفاع کیا تھا۔

''اور یہ اس کا بھرپور استعمال بھی جانتی ہیں۔ کیوں بھابی؟'' اعیان مسلسل اسے چھیڑ رہا تھا۔ وہ بہت دھیرے سے مسکراتی ہوئی سمندر کو تکنے لگی تھی۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔ ''آپ کے اپارٹمنٹ کی لوکیشن بہت زبردست ہے۔ اس کا سلیکشن آپ کا تھا یا بھائی صاحب کا؟''

وہ یکدم ہی چونکی تھی، پھر دوسرے ہی پل نفی میں سر ہلاتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''آف کورس، تمہارے بھیا کی چوائس لاجواب ہے۔''

''یہ تو ہے۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔

''اور اب ہم بھی دیکھیں گے جناب دیوار صاحب کی چوائس کیسی ہے؟''

''ارے۔'' وہ ہنسنے لگا تھا۔ پھر بہت شوخی سے مسکراتے ہوئے جھکا تھا۔ ''ابا جی گواہ ہیں، اب یہ سارا معاملہ آپ کے ہاتھ ہوگا۔ اس امید کے ساتھ کہ آپ کوئی بے ایمانی نہیں کریں گی۔'' اس کے انداز پر یکدم ہی وہ ہنس دی تھی۔

''ابا جی! دیکھ رہے ہیں آپ ان محترم کی بے صبری؟'' وہ بہت دوستانہ انداز میں ابا جی کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''بیٹا! یہ آپ دیور بھابی کے درمیان کا معاملہ ہے۔ ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔'' وہ بہت دھیرے سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''پیکنگ مکمل کر لی آپ نے؟ کل ہمیں سدھارنا ہے۔''

''ہاں تقریباً۔'' اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''آپ کچھ متفکر لگ رہی ہیں۔ خیریت؟'' اعیان نے قدرے سنجیدہ انداز میں اس کا جائزہ لیا۔

وہ یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ ''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔''

''گاؤں جانے کا یقیناً پہلا اتفاق ہوگا یہ؟'' وہ بغور تکتے ہوئے مسکرایا۔

''ہوں۔'' وہ بہت دھیرے سے بولی۔

''تبھی پریشان ہیں؟''

''نہیں۔'' وہ ہنس دی۔ ''وہ سب میرے لئے بہت دلچسپ ہوگا یقیناً۔''

''پھر؟'' وہ جاننے پر بضد تھا۔

''ارے بھئی کچھ نہیں ہے نا۔'' وہ ہنس پڑی۔

''سسرالی رشتے داروں کو فیس کرنے کے خیال سے پریشان ہیں؟''

''پاگل ہو گئے ہو۔'' اس نے اس کے سر پر ایک چپت لگائی۔ وہ اسے اب کیا کہتی کہ وہ کس چیز سے خوفزدہ ہے۔ وہ سب یقیناً اس کا نہیں تھا، اس کے لئے نہیں تھا۔ اور شاید وہ ان سادہ لوح لوگوں کو ایک طرح سے دھوکہ بھی دے رہی تھی۔

وہ ہمیشہ کے لئے ان کے لئے نہیں تھی۔ بس وقتی کردار کو نبھا رہی تھی۔ مگر جانے کیوں وہ اندر ہی اندر مجرم بن رہی تھی۔

کچھ ملال تو روح تک کو گھائل کئے جا رہے تھے۔

دل اور روح پر جیسے ایک ضرب سی پڑ رہی تھی۔

جانے کیوں وہ خالی ہو رہی تھی۔ بالکل ہولے ہولے وجود میں سے کوئی شے نکل رہی تھی اور......!

''کہیں جا رہے ہو؟'' وہ تمام تر سوچوں کو ایک طرف ڈالتے ہوئے بہت شگفتہ انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''اوں...... ہوں......'' اعیان نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''دیٹس گریٹ۔ چلو پھر کہیں چلتے ہیں۔ لٹس موو۔''

اعیان نے اسے حیران ہو کر دیکھا تھا۔ پھر جانے کیوں شوخی سے مسکرا دیا تھا۔ ''ارادہ تو اچھا ہے۔ مگر جائیں گے کہاں؟''

مژگان نے اس کی شرارت سمجھتے ہوئے دوسرے ہی پل مسکراتے ہوئے اس کو ہاتھ کا مکا بنا کر دے مارا تھا۔

''ہائے بھابی!'' وہ مصنوعی انداز میں کراہا تھا۔

''چلو اٹھو فوراً۔ میں ابا جی سے پوچھ کر آتی ہوں۔'' وہ اٹھی۔

''سنیں خاتون! پروگرام تو برا نہیں۔ مگر وہ آپ کے صاحب بہادر آنے والے ہیں۔ آپ کو نہ پا کر کہیں برہم نہ ہو جائیں۔''

''بات ہو چکی ہے میری۔ موصوف میٹنگ میں بزی ہیں۔ آج واپسی دیر سے ہوگی۔''

''بہتر۔ انکار کی کوئی مجال کہاں ہے ہم میں۔'' اعیان کے ہتھیار ڈالنے والے انداز پر وہ پلٹ کر اندر بڑھ گئی تھی۔

اندر بے پناہ کثافت تھی اور کوئی راہ تو درکار تھی فرار کی۔

❁......❁

وہ بہت مشکل سے موڈ بنا کر اسائن منٹ بنانے بیٹھی تھی۔

''ادعیہ! کیا کر رہی ہو؟'' اچانک ہی رانیہ آ گئی تھی۔

وہ پلٹ کر ملائمت سے دیکھنے لگی تھی۔ ''کوئی کام تھا؟''

''ہاں۔ یہ شرٹ کی کٹنگ کروانا تھی۔ اگر تم بزی ہو تو پھر سہی۔'' رانیہ نے اس کے سامنے بکھرے پیپرز اور بکس کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ ''میں شعاع آپی سے ہیلپ لے لیتی ہوں۔''

''وہ پہلے ہی تھکی ہوئی ہیں۔ لاؤ، میں کر دیتی ہوں۔'' ادعیہ نے تمام چیزوں کو سمیٹتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔ وہ مسکرا دی۔

''ایسی بھی جلدی نہیں۔ تم کام کروا اپنا۔''

''ارے۔ یہ تکلفات کس خوشی میں برت رہی ہو تم؟'' ادعیہ بہت دھیرے سے مسکرائی تھی اور ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے شرٹ پیس لے لیا تھا اور پھر بہت ماہرانہ انداز میں اس کی شرٹ کی کٹنگ کرنے لگی تھی۔ رانیہ اسے بغور دیکھتی رہی تھی۔

''ادعیہ!'' بہت ہولے سے اس نے پکارا تھا۔

''ہوں......'' ادعیہ اپنے ہی دھیان میں بولی تھی۔

''ایک بات پوچھوں؟''

''ہاں پوچھو؟'' ادعیہ نے بہت مصروف انداز میں جواب دیتے ہوئے رانیہ کی جانب دیکھنا بالکل بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

''تم کچھ دنوں سے بہت چپ چپ اور کھوئی کھوئی سی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟ آئی مین......تم ٹھیک تو ہو؟''

ادعیہ کے ہاتھ ایک دم ہی تھم گئے تھے۔ اس نے بہت دھیرے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ قدرے خجل سی ہو گئی تھی۔ پھر اسی کیفیت میں اس نے ادعیہ کے ہاتھ پر دھیرے سے ہاتھ رکھ دیا تھا۔

یقیناً ایک مخلص بہن اور دوست ہونے کے ناتے اس کی پریشانی اور فکر بجا تھی۔ اور ادعیہ اسے کچھ دیر یونہی دیکھتی رہی تھی پھر بہت دھیرے سے بولی۔

''پاگل، بالکل ٹھیک ہوں میں۔ بس نئے سمسٹرز کا بوجھ زیادہ ہے۔ دوسرے اتنی ڈھیروں اسائنمنٹس بھی ہیں۔ اسی کے باعث کچھ پریشانی لاحق ہے۔''

رانیہ اس کے جواب پر بہت پُرسکون انداز میں مسکرا دی تھی۔ ان تینوں بہنوں میں اچھی دوستی تھی۔ تبھی باہر کسی دوست کے بنانے کی آج تک ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ وہ آپس میں واقعی بہترین دوستوں کی طرح ایک دوسرے کا خیال رکھتی تھیں۔ ایک دوسرے کے مزاج کو سمجھتی تھیں۔ شاید تبھی ادعیہ کی بہت سی چپ رانیہ کو ہضم نہیں ہوئی تھی۔

''رانیہ! اسے کب پہننا ہے تمہیں؟''

''پلاکچھ خاص نک نہیں۔'' رانیہ مسکرائی۔

''ارے تو پھر جلدی مچانے کی کیا ضرورت تھی؟''

''تم سے باتیں کرنے کو جو دل چاہ رہا تھا۔''

''پاگل ہو تم بے وقوف۔'' ادعیہ نے مدھم انداز میں مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔ مگر وہ ہنس دی۔ تبھی شعاع اندر داخل ہوئی۔

''دادی اماں آئی ہیں۔'' آتے ہی اس نے اطلاع دی تھی۔ ادعیہ نے جہاں بہت چونک سر اٹھایا تھا، وہیں رانیہ مسکرائی تھی۔

''کب آئیں؟ ہمیں تو خبر ہی نہیں ہوئی۔''

''ابھی ابھی آئی ہیں۔ امی تمہیں بلا رہی ہیں۔'' شعاع، رانیہ کی سمت دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ادعیہ کے ہاتھ جہاں تھے، وہیں تھم گئے تھے۔ شعاع اسے بغور دیکھا تھا، وہ خود سے انتہائی بے خبر لگ رہی تھی اس گھڑی۔

''ادعیہ!'' شعاع نے بہت دھیرے سے پکارا تھا۔

''ہوں۔'' وہ فوراً ہی سر اٹھا کر تکنے لگی تھی۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' شعاع فوری طور پر سمجھ نہ سکی تھی کہ کس طرح اسے ٹریٹ کرے۔

وہ حسب عادت فوراً ہی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ اور تب شعاع بہت دھیرے سے چلتی ہوئی اس کے قریب آن بیٹھی تھی۔ پھر اسی انداز میں بہت ہولے سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''چلو اٹھو۔ دادی اماں بہت دنوں بعد آئی ہیں ملنے۔ کیا سوچیں گی وہ......اور امی......''

ادعیہ بہت بے بسی کی کیفیت میں سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ جیسے وہ اس تمام تر صورتحال سے اب تھک کر چور ہو چکی ہو۔

''شعاع! مجھ سے یہ کھیل نہیں کھیلا جا رہا۔ میں نے بہت شفاف رویہ رکھا ہے ہمیشہ زندگی میں۔ ہمیشہ حقیقت پسندی کا مظاہرہ کیا ہے، بہت دیدہ دلیری کے ساتھ۔ مجھ سے...... یہ دوغلی زندگی نہیں گزاری جا رہی۔ مجھے لگتا ہے جیسے سب کو خبر ہے، سب احوال میرے چہرے پر درج ہے اور سب اسے با آسانی پڑھ سکتے ہیں۔ پڑھ رہے ہیں۔ کسی کا سامنا کرنے کی اہلیت نہیں رہی مجھ میں۔ میں گرتی جا رہی ہوں، اندر ہی اندر۔'' بہت سے آنسوؤں کا پھندا ایک دم ہی گلے میں آ گیا تھا اور وہ بے بسی کے ساتھ سر جھکا کر آنکھوں میں آ جانے والی بہت سی نمی کو اندر ہی اندر دفن کرنے لگی تھی۔

شعاع نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا، پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''ادعیہ! زندگی نے جب بہت سے کانٹے تمہاری راہ میں اُگا دیئے ہیں تو تمہیں اسے تسلیم تو کرنا ہوگا۔ یہ بات مان بھی لی جائے کہ قصور تمہارا نہیں ہے مگر سزا تو تمہارے حصے میں ضرور آئی ہے اور اسے ہر حال میں تمہیں نہ صرف جھیلنا ہے بلکہ بہت ہمت کے ساتھ اس صورتحال سے نبرد آزما بھی ہونا ہے۔'' شعاع کا لہجہ دھیما اور پُردرد تھا۔ یقیناً وہ اپنی بہن کے

لئے دل میں بہت گنجائش رکھتی تھی۔

”پتہ ہے ادعیہ! ابو نے جب تمہارا نام رکھا تھا تو وہ بہت خوش اور مسرور تھے۔ انہوں نے تمہارا نام پہلی بار پکارتے ہوئے یہی کہا تھا کہ یہ میری دعاؤں کا ثمر ہے۔ سو اس کا نام بھی بہت پاکیزہ ہونا چاہئے۔ یعنی دعا۔ ادعیہ، دعا کی جمع ہے۔ تم ان کی بہت چہیتی تھیں۔ میں نے انہیں کہتے سنا تھا کہ اس کے نصیب کے لئے میں قطعی فکرمند نہیں۔ کیونکہ دعائیں اپنے لئے خود راہ بناتی ہیں۔ اور میری بیٹی ایک مقدس دعا ہے۔ وہ تمہارے متعلق بہت پُر امید تھے۔“

شعاع کی آنکھوں میں بہت سا پانی آن ٹھہرا۔ اس نے مسکرانا چاہا اور پھر دوسرے ہی پل چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔ ادعیہ نے اسے دیکھا۔

”شعاع......!“ کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر شعاع نے اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ دھر دیا۔

”اوں ہوں...... مزید کچھ نہیں، جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ خود کو اب کوئی الزام مت دینا۔ میں جانتی ہوں قصوروار کون ہے۔“

”قصوروار کوئی بھی ہو، سزا تو میرے حصے میں آئی ہے۔“ ادعیہ تلخی سے بولی تھی۔ شعاع نے اس کی پلکوں کی نمی کو ہاتھ سے پونچھا تھا۔

”وہ خود بھی پھولوں کے بستر پر نہیں۔ میں ملی ہوں، دیکھا ہے اسے۔ بس جلد بازی میں بات بڑھا دی۔ شخص برا نہ تھا، نہ ہی اس کا جذبہ کھوٹ رکھتا ہے۔“

شعاع کو اس شخص کی حمایت میں بولتا دیکھ کر ادعیہ یکدم ہی چونک گئی تھی اور اس سے قبل کہ وہ اس بحث کو طول دیتی، شعاع فوراً ہی گویا ہوئی۔

”آؤ، دادی سے ملو۔ یہ بحث کسی اور وقت بھی ہو سکتی ہے۔ دادی اماں کب سے آئی بیٹھی ہیں۔ چلو اٹھو فوراً۔“

تب ادعیہ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی، پھر ہولے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”تم چلو، میں آتی ہوں۔“ اس نے دوپٹہ بیڈ پر ایک طرف ڈالا تھا اور پھر واش روم کی سمت قدم بڑھا دیئے تھے۔

❂......❂

وہ رت جگوں کی رتیں کس طرح گزارے گا
میں اس کا خواب ہوں، آخر مجھے پکارے گا
ادھورے کھیل سے کچھ اس کو حوصلہ تو رہا

مجھے یقیں تھا کہ بازی وہ مجھ سے ہارے گا
مجھے تو اس سے توقع نہیں دیے کی بھی
وہ میری راتوں میں سورج تو کیا اتارے گا

”خیریت تو ہے۔ آج تو سارا دن باہر ہی نہیں نکلا؟“ وہ یونہی بیڈ پر آڑھا ترچھا پڑا ہوا تھا جب سلمیٰ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔ اس نے بہت کسلمندی کے ساتھ کروٹ بدلتے ہوئے انہیں دیکھا۔ آنکھیں بالکل سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ چونک سی گئیں۔ فوراً آگے بڑھ کر اس کی پیشانی پر ہاتھ دھرا۔

”ارے، تمہیں تو بہت تیز بخار ہے۔ ارے لڑکے! بتایا تک نہیں، ماں ہوں، دشمن تو نہیں تمہاری۔ جانے کب سے یونہی پڑے ہوئے تھے۔ میں تو سمجھی پیکنگ میں مصروف ہو۔ شام کو جانا جو تھا۔ کیا خبر تھی ایسی حالت لئے پڑے ہو گے۔ ماں سے اس قدر بدظن تھے کہ آواز تک نہ دے سکے۔“ ان کی مامتا پل بھر میں اپنے عروج پر تھی۔ فوراً ہی فون سیٹ کی جانب بڑھی تھیں۔ ریسیور اٹھا کر ڈاکٹر کا نمبر ملایا تھا پھر اسے فوراً آنے کا کہہ کر واپس اس کی جانب پلٹ آئی تھیں۔

”کیا بچپنا ہے یہ...... ماں مری جا رہی ہے۔ اور بیٹا اسے اپنا دشمن اول تصور کئے بیٹھا ہے۔ کاش مجھے کچھ ہو جائے، مر جاؤں میں۔ سارا قصہ ہی تمام ہو جائے۔ میری وجہ سے ہی یہ حال ہوا نا۔ چپ رہ رہ کر خود کو اپنی آگ میں جلاتا رہا۔“ بہت سے آنسوؤں نے انہیں مزید کچھ کہنے کے قابل ہی نہیں چھوڑا۔ وہ بہت مجرمانہ انداز میں انہیں دیکھنے لگا تھا۔

”پلیز امی!“ اس نے ہاتھ بڑھا کر ان کے بہت سے آنسوؤں کو پوروں پر سمیٹا تھا۔ ٹھیک ہوں میں۔ آپ خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔ معمولی سا ٹمپریچر ہے۔ رحمت کو بلائیں، وہ ضروری سامان سمیٹ دے۔ آج جانا ہے مجھے۔“ اس نے بہت مدھم انداز میں کہتے ہوئے کمبل کو ایک طرف ہٹایا اور اٹھ کر بیٹھنا چاہا۔

”بھاڑ میں گئی نوکری۔ نوکری عزیز ہے، جان نہیں۔“ سلمیٰ بیگم نے اسے اٹھنے سے باز رکھتے ہوئے ڈپٹا۔

”امی! کہا نا، ٹھیک ہوں میں۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ سمجھیں آپ، پہلے ہی ایک دو دن لیٹ ہو چکا ہوں۔ فوج والے اپنے اصول سے چلتے ہیں۔ کل فون کر کے آج واپسی کا کہا تھا۔ اب مزید لیٹ ہو گیا تو بات بگڑ جائے گی۔“

اس نے پُر سکون انداز میں سمجھانا چاہا۔ سلمیٰ بیگم نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ بخار کی

شدت کے ساتھ چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ آنکھوں میں بہت سے سرخ ڈورے تھے۔ وہ جانے کیوں دیکھتی چلی گئی تھیں۔

''مائی ڈیئرسٹ مام! آئی ایم آل رائٹ۔'' اس نے انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔

''چپ رہو۔ کچھ نہیں سنوں گی میں۔ زویا! اے زویا!'' انہوں نے سختی سے کہتے ہوئے پلٹ کر زویا کو آواز دی تھی۔ پھر دوبارہ اس کو دیکھنے لگیں۔ ''ماں کا خیال نہیں۔ دشمن ہوں نا بہت بڑی تیری۔ عزیز تو بس وہ ہے۔ ارے میں پوچھتی ہوں کیا ہے ایسا اس چڑیل میں۔ چھپکلی سی تو ہے۔ نہ شکل نہ عقل۔ جادوگرنی ماں کو بھی سارے گُر معلوم تھے مردوں کو پھانسنے کے۔ بیٹی کو بھی پوری پٹی پڑھا دی۔ ارے کچھ ہو گیا نا میرے بچے کو تو چھوڑوں گی نہیں ان سب کو۔''

''امی پلیز!'' اس نے بہت نرم لہجے میں ان کو مزید کچھ کہنے سے باز رکھا۔ بیٹے کے چہرے پر بہت سی کہانیاں درج تھیں۔ بہت سی داستانیں رقم تھیں۔ وہ چپ ہو کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھیں۔ تبھی زویا کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''جی امی...... آپ نے بلایا تھا؟'' اس نے فوری طور پر بھائی کی طرف دیکھا تھا۔

''بھائی کو بخار ہے۔ برف لے کر آ۔ پٹیاں رکھنی ہیں پیشانی پر۔''

''ارے کیا ہو گیا بھائی کو؟'' وہ فکرمندی سے اعصار کو دیکھنے لگی تھی۔

''کہا تو ہے، سنا نہیں تم نے؟'' سلمیٰ بیگم نے توپ کا رخ اس کی سمت کیا تھا اور وہ سر جھکا کر باہر نکل گئی تھی۔

۞......۞

کس کو خبر تھی اب کے ساون ایسا جل تھل کر دے گا
یہ موسم مجھ کو ہی نہیں اس کو بھی پاگل کر دے گا
پہلے تو دشت بے خوابی میں اُبھرے گا مہتاب کوئی
اور پھر بعد میں نیند کا نشہ پلکیں بوجھل کر دے گا
بس آنکھوں میں اس چہرے کے خال و خدرہ جائیں گے
اور مجھ کو وہ رفتہ رفتہ مجھ سے اوجھل کر دے گا
یوں تو میں اِک چپ دریا ہوں لیکن وہ مہتاب صفت
شام ڈھلے آ جائے گا اور مجھ میں ہلچل کر دے گا
اپنے ادھورے پن کو سمیٹے ماہ و سال کے بیچ کہیں

میں اس پل کے کھوج میں ہوں جو مجھ کو مکمل کر دے گا

کمرے کی کھڑکی سے وہ کتنی ہی دیر تک آسمان سے گرتے پانی کے قطروں کو محویت سے ں رہی تھی۔ کچھ دنوں سے بادل مسلسل آسمان کو ڈھکے ہوئے تھے۔ یہ بارش غیر متوقع نہیں مگر اس کے باوجود مژگان کا انداز بہت پُرشوق تھا۔

پانی کے شفاف قطروں کو ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ بہت مگن سی تھی۔ آنکھوں میں بہت سی لئے ان قطروں کو دیکھتی یقیناً وہ اردگرد کے ماحول سے بے خبر تھی۔

رہبان اسے کتنے ہی لمحے یونہی خاموشی سے تکتا رہا تھا۔

''بچپن میں بارش کو دیکھ کر میں بھی بہت مبہوت رہ جایا کرتا تھا۔'' اس نے اسے متوجہ کر یقیناً چونکا دیا تھا۔ مژگان یکدم ہی حیران ہو کر پلٹی تھی۔ اس کی جانب دیکھا تھا۔

''بچپن کی ساری بارشیں مجھے بھی ازبر ہیں۔ یقیناً وہ یادگاریں بھولنے کے قابل نہیں۔ مگر مجھے ہمیشہ ہی محظوظ کرتی ہے۔'' وہ اس کی شرارت کو یقیناً سمجھ چکی تھی۔ ''آپ کو اب کیا اچھی نہیں لگتی؟'' وہ بھی شوخی سے اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

''کس نے کہا تم سے؟ بھئی انسان ہوں، موسم دل پر اثر رکھتے ہیں۔ اثر کرتے ہیں۔ لگتے ہیں۔ بہت سے نارمل انسانوں کی طرح میرے محسوسات بھی بہت فطری ہیں۔''

وہ اس کے چہرے کی طرف ہلکی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے دیکھ رہی تھی۔

''پیکنگ مکمل ہو گئی؟'' رہبان نے گہری سانس لے کر کہا۔ فیروزی سوٹ پر پھیلا ہوا بڑا روزی آنچل بہت بھلا لگ رہا تھا۔ بالوں کو پشت پر ڈالے وہ خاصی پُرکشش نظر آ رہی یقیناً کچھ دیر قبل باتھ لے کر نکلی تھی۔ پشت پر بکھرے بال کسی قدر گیلے نظر آ رہے تھے۔ تنے ہی پل اس نکھرے نکھرے سراپے کو دیکھتا گیا تھا۔ پھر جانے کیوں یکدم ہی بے خبر ہو گاہ پھیر لی تھی۔

مژگان لمحہ بھر کو اس کے محو انداز میں دیکھنے پر چونکی تھی، پھر یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگی

''بس تقریباً۔'' وہ بہت دھیمے انداز میں مسکرائی۔ تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ جانتی کون ہو گا۔ تبھی رہبان کی سمت تکنے لگی۔

''یس...... آ جاؤ بھئی۔'' وہ بھی شاید واقف تھا کہ دوسری طرف کون ہے۔ اجازت پر رے ہی پل اعیان سر اندر ڈال کر دیکھ رہا تھا۔

''بھائی جان! حاضر ہو سکتا ہوں؟'' چہرے پر دلفریب مسکراہٹ لئے وہ مژگان کی سمت

دیکھ رہا تھا۔ وہ مسکرا دی۔ ساتھ ہی کھڑکی سے ہٹ آئی اور سر کی جنبش سے اسے اجازت دی۔ وہ اندر بڑھ آیا۔

''ہماری کوئی اوقات نہیں۔ بطور خاص بھابی کی اجازت درکار تھی؟'' رہبان عالم شاہ نے مصنوعی خفگی کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

''بھائی صاحب! بقول آپ کے ہوم منسٹر ہیں محترمہ۔ اور مجھے فی الحال گھر سے باہر ہونے کا کوئی شوق نہیں۔ یوں بھی شادی کے بعد اگر بھائی سے بنا کر رکھنے کا شوق ہو تو بھابی سے ضرور بنا کر رکھنی چاہئے۔''

رہبان کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

مژگان ان دونوں بھائیوں کے ہنسنے پر مسکرائی تھی۔ ''بڑے افسوس کی بات ہے۔ تم دونوں میرے اس قدر خلاف ہو۔ اعیان! کم از کم مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اعیان کو دیکھا تھا۔ ساتھ ہی اچٹتی نگاہ رہبان پر بھی ڈالی تھی۔ وہ اس کی جانب بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ جانے کیوں نگاہ جھکا گئی۔ اس کے احتجاج پر اعیان ہنس دیا تھا۔

''یعنی آپ کو بھائی سے کوئی امید ہے؟'' وہ بہت شرارت سے اس کی جانب جھکا تھا۔ اس نے جھینپ کر اسے ہاتھ کا مکا بنا کر دے مارا تھا۔ نگاہ اچانک ہی اپنی سمت دیکھتے رہبان عالم شاہ کی سمت گئی تھی اور وہ فوراً ہی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ تبھی اعیان گویا ہوا تھا۔

''میں تو اس لئے حاضر ہوا تھا کہ موسم دلکش ہے۔ کوئی پروگرام وغیرہ بنائیں آؤٹنگ کا۔'' اعیان نے رہبان عالم شاہ کی سمت دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''اپنی بھابی سے پوچھ لو۔ ہم تو خادم ہیں ادنیٰ سے۔ آخر کو سرکار تو ہماری یہی ہیں۔'' رہبان عالم شاہ کا انداز بہت شگفتہ تھا۔ وہ مسکراہٹ دبانے کو ہونٹ بھینچ گئی تھی۔ اعیان شرارت سے اس کی سمت دیکھنے لگا تھا اور وہ بلا ارادہ ہی رہبان عالم شاہ کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ پھر جانے کیوں زیادہ دیر نہ دیکھ سکی تھی اور دوبارہ اعیان کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''آئیڈیا برا نہیں۔ لیکن جائیں گے کہاں؟''

''بھیا آپ کو ایسے موسم میں کہاں لے کر جاتے ہیں؟'' اعیان نے بہت برجستگی سے پوچھا تھا اور مژگان کی نگاہیں دوسرے ہی پل رہبان عالم شاہ کی نگاہوں سے جا الجھی تھیں۔

''ساحل سمندر۔ انہیں سمندر بہت پسند ہے۔''

رہبان عالم شاہ اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔

''اور آپ کو؟'' اعیان جانے کیوں ہنس دیا تھا۔

''مجھے...... مجھے تو سمندر سے خوف آتا ہے۔ اچھا لگتا ہے۔ مگر جہاں مجھے یہ بہت اچھا لگتا ہے، وہیں تھوڑا سا خوفزدہ بھی کرتا ہے۔ مگر چونکہ تمہارے بھیا کو سمندر کو ڈپٹنا آتا ہے، سو ان کی سنگت میں مجھے سمندر سے ڈر نہیں لگتا۔'' وہ یقیناً ماحول کو شگفتگی کا رنگ دینا چاہتی تھی جبھی ہنسی تھی۔ رہبان عالم شاہ جانے کیوں اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ لمحہ بھر کو اس کی نگاہ ملی تھی اور پھر وہ اعیان کی سمت دیکھنے لگی تھی جو اس کی بات پر یقیناً محظوظ ہو کر ہنس رہا تھا۔

''یقیناً سمندر ڈر ہی جاتا ہوگا۔ آپ تو بہت عقل مند خاتون ہیں۔'' وہ رہبان عالم شاہ کے لمبے چوڑے وجود کو دیکھتا ہوا بولا تھا۔ ''پھر میرا خیال ہے سمندر مناسب ہے۔ کیوں بھائی جان؟'' اعیان نے رہبان عالم شاہ کی سمت مسکراتے ہوئے دیکھا۔

''تم دونوں دیور بھابی فیصلہ کر لو۔''

''بھابی کا فیصلہ بھلا آپ سے ہٹ کر ہو سکتا ہے۔ انتہائی مشرقی خاتون ہیں۔ سعادت مند بیوی۔ جو اپنے مجازی خدا سے اختلاف کر ہی نہیں سکتی۔'' اعیان کے کڑھنے پر رہبان عالم شاہ یکدم ہی ہنسنے لگا تھا۔

''محبت کہتے ہیں اسے۔ کیوں بیگم؟'' بہت استحقاق سے پکارنے کے ساتھ ہی بھرپور نگاہ ڈالی تھی اور مژگان جانے کیوں اس تپش سے لمحہ بھر میں پگھلنے لگی تھی۔

''میرا خیال ہے ہمیں پروگرام مرتب کر لینا چاہئے اس سے پہلے کہ......''

''اس سے پہلے کہ ساون کی جھڑی تھم جائے۔'' اعیان اس کا جملہ اچکتے ہوئے یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

''محترم امجد اسلام امجد نے کیا خوبصورت لفظ پروئے ہیں اس ضمن میں۔

اس سے پہلے کہ یہ ساون کی جھڑی تھم جائے
جتنے اظہار کے الفاظ ہیں کہہ دو مجھ سے
بھیگتے پیڑ ہیں، میں ہوں، تم ہو
اس برستے ہوئے بادل کی طرح
لفظ اگر مڑ کے بھی نہ آئیں تو کیا
بھیگتے پیڑ کسے جا کے گواہی دیں گے
اس سے پہلے کہ یہ ساون کی جھڑی تھم جائے
جتنے اظہار کے الفاظ ہیں کہہ دو مجھ سے''

اعیان نے بہت دلفریب لفظوں کے ساز چھیڑے تھے۔ مژگان کی نگاہیں رہبان عالم شاہ

کی سمت اٹھی تھیں۔ وہ اس گھڑی جانے کیوں اسی کی سمت تک رہا تھا۔ شاید ڈرامے کی "کامیابی" کے خیال سے۔ وہ جیسے اندر تک بجھ کر رہ گئی تھی۔ بہت دھیرے سے نگاہ جھکا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"میرا خیال ہے، ہمیں واقعی امجد اسلام امجد کی بات مان لینی چاہئے اور دیر نہیں کرنی چاہئے۔" وہ بہت دلکشی سے مسکراتے ہوئے یقیناً اس ڈرامے میں اپنا حصہ ادا کر رہی تھی۔

"اوکے...... میں کیمرہ لے آؤں۔ آپ بھی ضروری اقدامات کر لیجئے۔" اعیان مسکراتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

اور تب وہ بلا ارادہ ہی رہبان عالم شاہ کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ وہ بھی اسی کی جانب متوجہ تھا۔ وہ جیسے ہر احساس کو فراموش کرتے ہوئے اس گھڑی دوستانہ انداز میں مسکرائی۔

"آپ اباجی کو بھی ساتھ چلنے کے لئے کہہ دیجئے۔" اس کا انداز بہت ذمے دارانہ تھا۔

رہبان عالم شاہ بھی شاید اس لمحے مسکرا دیا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے چونکی تھی۔

"اوں ہوں......" وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے مسکرایا تھا پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"میں......" مژگان نے خود پر ایک نگاہ ڈالی۔ "میرا خیال ہے ٹھیک ہے۔ آپ جلدی کیجئے، ساون کہیں واقعی تھم نہ جائے۔" وہ جانے کیوں اس لمحے ہنسنے لگی تھی۔ شاید اعیان کے سنانے کے انداز پر...... رہبان عالم شاہ مڑا تھا اور دوسری ہی گھڑی باہر نکل گیا تھا۔

وہ پلٹ کر آئینے کے سامنے آن رکی تھی۔

اس سے پہلے کہ یہ ساون کی جھڑی تھم جائے!
جتنے اقرار کے الفاظ ہیں کہہ دو مجھ سے!
اس سے پہلے کہ......!

جانے کیوں اعیان کی آواز اس کے اردگرد منڈلانے لگی تھی۔ اس نے دل کی بہت تنا... کو بہت سہولت سے سنبھ... تھا اور "مون لیس نائٹ" اٹھا کر لبوں پر پھیرنے لگی تھی۔

✿......✿

سلوک ناروا کب تک رہے گا
کوئی ہم سے خفا کب تک رہے گا
ہمارے اور تمہارے بیچ آخر
انا کا مسئلہ کب تک رہے گا

کہاں تک انتظارِ زخمِ تازہ
محبت کا خلا کب تک رہے گا

بہت سی خاطر مدارات اور کڑوی کسیلی دوائیاں نگلنے کے بعد آخر وہ ایک ہفتے بعد اٹھ کر چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا تھا۔ سلمٰی بیگم جانتی تھیں اسے غم کیا ہے۔ اپنی دانست میں وہ یہی خیال کر رہی تھیں کہ وہ چونکہ نمیرا کے لئے راضی نہیں، سو اسی کی ٹینشن کے باعث ایسی کیفیت ہے۔ مگر وہ اصل صورتحال سے قطعی طور پر واقف نہ تھیں۔

اعصار کی بیماری کا کسی حد تک سبب وہی تھا۔ مگر معاملہ کچھ گمبھیرتا لئے ہوئے تھا۔

یقیناً وہ احساسِ جرم اور احساسِ ندامت کے زیرِ اثر تھا۔

کسی کی بے توجہی...... کسی کی بے اعتنائی...... کسی کی سرد مہری اسے لمحہ بہ لمحہ اندر ہی اندر کاٹ رہی تھی۔

وہ جو اس کی دھڑکنوں میں بستی تھی، وہی اس سے بے خبر بن رہی تھی۔

اجنبیت برت رہی تھی۔

یہ کیسی آگ تھی۔ وہ جانتا تھا۔

پورا وجود سلگ رہا تھا۔

وہ کم از کم ایک بار جانے سے قبل اس سے ملنا چاہتا تھا۔

بالمشافہ بات چیت کر کے اس شدت کو رفع کرنا چاہتا تھا۔ مگر کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا۔

اس نے کئی بار نمبر ملایا تھا۔ وہ حسبِ عادت فون اٹھانے کو تیار نہ تھی۔ ایک بار رانیہ سے بات ہوئی، دوسری بار عمر نے رسمِ دنیا نبھا دی۔

وہ جیسے تھک سا گیا۔ گھر جانا اب اس کے لئے کوئی مشکل نہ تھا مگر گھر کا ماحول یقیناً ان سب باتوں کے لئے سازگار نہ تھا۔

وہ کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا تھا، پھر یکدم ہی گاڑی کی چابی اٹھا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" سلمٰی بیگم نے اسے باہر کی جانب پیش قدمی کرتے دیکھ کر قدرے فکرمندی سے دریافت کیا تھا۔

"آ رہا ہوں امی۔ کچھ ضروری اشیاء لینی ہیں۔ ذرا مارکیٹ تک جا رہا ہوں۔" اس نے راہی جواب دیا تھا۔

"طبیعت ابھی سنبھلی نہیں اور اس لڑکے کو پھر سے گھومنے پھرنے کا شوق چڑھ گیا۔ ایک تو آج کل کے بچے بھی......" سلمٰی بیگم کی آواز نے اس کا تعاقب کیا تھا مگر وہ سرعت سے چلتا

ہوا باہر نکل آیا تھا۔

✿......✿

آشفتگی کے باب میں تنہا نہیں تھے ہم
اس عشق کے سراب میں تنہا نہیں تھے ہم
اب کرچیاں بھی جن کی سلامت نہیں رہیں
ایسے کسی بھی خواب میں تنہا نہیں تھے ہم

وہ لگاتار تین کلاسز لینے کے بعد فارغ ہوئی تھی۔ تبھی تمام دوستوں نے کیفے ٹیریا جانے کی تجویز پیش کر دی تھی اور اگرچہ اسے قطعی طور پر بھوک نہیں تھی مگر وہ فقط ان کے کہنے پر ان کے ساتھ چل پڑی تھی۔

وہ لوگ ایڈمنسٹریشن بلاک کے سامنے تھے جب اچانک ہی ایک گاڑی ان کے قریب رکی تھی۔ اس کے قدم جانے کیوں یکدم ہی تھم گئے تھے۔ ذہن میں یکدم ہی ایک الارم ہوا تھا اور دوسرے ہی پل یہ خدشہ درست ثابت ہو چکا تھا۔

"ایکسکیوز می مس کزن صاحبہ!" اعصار شیخ کھڑکی کا شیشہ اتارے اس کی جانب بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کا دل یکبارگی سکڑا تھا۔ سمٹا تھا۔ چہرے پر پل کے پل زردی اتر آئی تھی۔ بہت خوفزدہ ہو کر اس نے اس سمت دیکھا تھا۔ وہ بھرپور انداز میں اس کی سمت دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

"کہاں کی تیاری ہے؟" وہ بہت بے تکلفی سے دریافت کر رہا تھا۔ اس کی تمام فرینڈز اس انتہائی ہینڈسم سے شخص کو بہت دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہی تھیں۔ تبھی وہ ان سب کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"ہیلو، شی از مائی کزن۔ آئی ایم کیپٹن اعصار شیخ۔ یقیناً اس نے ذکر تو کر رکھا ہوگا۔" اس کے لبوں پر رقصاں مسکراہٹ پر ادعیہ کا دل جیسے دھڑکنا بھول گیا تھا۔ اسے یقیناً یہی خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ وہ تمام راز فاش نہ کر دے۔ تبھی بہت رسمی انداز میں زبردستی مسکرائی تھی۔

"یہاں آنے کی تکلیف فرمانے کی ضرورت کیونکر پیش آ گئی؟"

"آپ کا ملنا ناگزیر ہوتا جا رہا تھا۔ سو یہاں آنے کا قصد کرنا پڑا۔ معذرت چاہتا ہوں اگر ڈسٹرب کیا ہو۔" اس کا لہجہ اور انداز دونوں ہی غیر سنجیدہ تھے۔ اس کی تمام فرینڈز کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل چکی تھی۔

"تم لوگ نارملی اتنے ہی پُرتکلف انداز میں گفتگو فرمانے کے عادی ہو آپس میں؟" اس

کی دوست سعدیہ نے بہت محظوظ ہو کر کہا۔

"یہ ہماری محبت کی علامت ہے۔" اعصار شیخ کا قہقہہ جاندار تھا۔ "اینی وے، ادعیہ! ساتھ چلو۔ کچھ ضروری کام ہے۔" وہ یکدم ہی اصل مدعا بیان کر گیا تھا اور ادعیہ کی ہتھیلیاں یکدم ہی پسینے سے بھیگ گئی تھیں۔

"ہم کیفے ٹیریا جا رہے ہیں۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ پھر شاید کچھ اسٹڈی کا بھی موڈ ہے۔" اس نے بہت سہولت سے بروقت بہانہ تراشا۔

"ارے یہ کون سا اہم کام ہے۔ راستے میں کئی اہم ریسٹورنٹس پڑتے ہیں۔ اعصار صاحب شکل سے انتہائی کنجوس تو قطعی دکھائی نہیں دیتے۔ کچھ نہ کچھ کھلا دیں گے تمہیں۔ اور اسٹڈی تو ہوتی رہتی ہے۔" تابندہ نے اسے گویا ہتھیار ڈالنے پر مائل کیا۔ وہ بہت بے بسی کے ساتھ ان سب کو دیکھ کر رہ گئی۔ بحث یقیناً اس لمحے فضول تھی اور وہ شخص..... بہت دلفریب مسکراہٹ اس گھڑی اس کے لبوں کا احاطہ کیے ہوئے تھی۔

وہ سلگ کر رہ گئی۔ جی چاہا اس شخص کا منہ نوچ لے۔ مگر موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے وہ دوستوں کو خدا حافظ کہتی ہوئی اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر براجمان ہو گئی تھی۔ اعصار شیخ نے اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی تھی اور پھر کتنے ہی لمحے وہ کھڑکی سے باہر تکتی رہی تھی۔ بلا جواز۔

اس نے گاڑی ہوٹل کے سامنے روکی تو اس نے سختی کے ساتھ گردن نفی میں ہلا دی۔

"مطلب کی بات کرو۔ مجھے تمہارے ساتھ ہوٹلنگ کا کوئی شوق نہیں۔ آج کون سا تیر آزمانا چاہتے ہو؟" اس کا لہجہ بہت تیز اور کڑوا تھا۔ اعصار شیخ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ پھر جانے کیوں بہت مدھم انداز میں بولا۔

"میرے پاس محبت کے سوا کچھ نہیں۔ اگر بات تیر کی ہے تو میں محبت کے تیروں سے لیس ہوں۔ محبت فاتح عالم، میرا نظریہ ہی نہیں ایمان بھی ہے۔ آزمائش شرط ہے۔" اس نے بہت شگفتہ انداز اختیار کیا تھا۔

وہ بہت سلگتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ دو چار روز کی بڑھی ہوئی شیو، چہرے پر بیماری کے واضح اثرات، لہجے میں نقاہت، اس کی بھوری آنکھوں میں محبتوں کی بہت سی ندیلیں روشن تھیں۔ مگر اس طرف "اعتبار" کا کوئی یارا نہ تھا۔

"دیکھ لو، مجنوں ہو گیا ہوں نا تمہارے عشق میں۔" وہ بہت معصوم انداز میں اس کے بغور دیکھنے پر مسکرایا تھا۔ وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

''کیسی لیلیٰ ہو، اپنے بیمار کا بالکل بھی خیال نہیں۔ جانتی ہو کتنے دن تک بستر پر رہا ہوں۔ کتنی امید تھی، کس قدر انتظار تھا، مگر سب لا حاصل رہا۔'' بہت محبت بھرا شکوہ تھا۔ مگر اس طرف گہری چپ تھی۔

بہت سرد اور جامد نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ جیسے کہہ رہی ہو بند کرو اب یہ ڈرامہ۔

''آج کون سے مقصد کے لئے لے کر جا رہے ہو؟'' اس کا لہجہ اور انداز غیر لچک پذیر تھے۔ وہ یقیناً بہت بدل گئی تھی۔ بہت سے طنز کے نشتر اس کے اس ایک جملے میں پوشیدہ تھے اور وہ ونڈ اسکرین سے نظریں ہٹا کر اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

''محترمہ ادعیہ صاحبہ! مجھ پر کوئی جبر قطعاً نہ تھا۔ کوئی دباؤ نہ تھا۔ نہ ہی مجھے کوئی خوف لاحق تھا۔ اگر چہ کچھ کرنا ہوتا تو اس روز کر گیا ہوتا۔ تم اچھی طرح جانتی ہو، تم مکمل طور پر میرے رحم و کرم پر تھیں۔ کچھ بھی حاصل کرنا میرے لئے مشکل نہ تھا۔ میں بہت کچھ کر سکتا تھا یقیناً۔ کون تھا جو مجھے روکتا، ٹوکتا یا پھر باز رکھتا۔ مگر وہ میری اپنی حد بندی تھی، مجھے کسی سے بازپرس کا خدشہ لاحق نہ تھا۔ جرم کرنے والا مجرم کہلاتا ہے۔ چاہے وہ کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بہت بڑا۔ جرم کے مرتکب کو مجرم ہی کہتے ہیں۔ سو میں بھی جرم کا مرتکب ہو چکا تھا تمہیں اغوا کر کے اور تم سے زبردستی تمہاری مرضی کے خلاف نکاح کر کے۔ اس کے بعد جو بھی ہوتا، وہ اسی جرم میں شمار ہوتا۔ تمہیں مکمل طور پر حاصل کرنا میرے اختیار سے باہر قطعی نہ تھا۔ میں پارسا نہیں ہوں، فرشتہ نہیں ہوں۔ تم اسی روز میرا جائز حق بن گئی تھیں۔ مگر میں نے اپنا کوئی حق تم پر استعمال نہیں کیا۔'' وہ ونڈ اسکرین کی سمت دیکھتے ہوئے بہت مدھم انداز میں گویا ہوا تھا اور ادعیہ اپنی جگہ جیسے ساکت رہ گئی تھی۔

''تمہارے سامنے موجود ہوں۔ دیدہ و دل سے وار کرو۔ سینے کو تیار ہوں۔ لڑنے اور جنگ کرنے کے بھی کچھ ادب و آداب ہوتے ہیں۔ برائے مہربانی، ان کی پاسداری ملحوظِ نظر رکھو۔'' لبوں پر بہت مدھم اور دھیمی مسکراہٹ سجا کر اس نے اب کے ادعیہ کی نظروں میں براہِ راست جھانکا تھا۔

ادعیہ کا چہرہ تپ گیا تھا۔ بہت سی تپش جیسے وجود کو سلگانے لگی تھی۔ بے بسی کا احساس مارنے لگا تھا۔ بہت کوشش اور ہمت کے باوجود جانے کیسے آنکھوں میں نمی آن ٹھہری تھی۔ وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی مگر آنسوؤں نے آنکھوں میں ڈیرا ڈال کر اسے شرمندہ کر دیا تھا۔

''کیا چاہتے ہو تم مجھ سے؟ کیوں جان نہیں چھوڑ دیتے میری؟'' آنسوؤں کی نمی میں ڈوبی ہوئی آواز ابھری تھی اس کی۔

وہ بہت پُرسکون انداز میں دیکھتا ہوا بولا تھا۔ ''جان ہو میری۔ کبھی تم نے جان کو جسم سے دیکھا ہے؟'' وہ یقیناً غیر سنجیدہ تھا مگر وہ بہت بے دردی کے ساتھ ہونٹ کچلتی ہوئی کھڑکی جانب رخ پھیر گئی تھی۔

''فار گاڈ سیک، پلیز لیو می۔ مجھے خود سے اپنی زندگی سے خارج کر دو۔ میں تمہارا حصہ بنا چاہتی۔ بخش دو مجھے۔'' اس کا انداز دھیما تھا مگر لہجہ درشت تھا۔ مگر وہ بہت اطمینان ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس پر نگاہ ڈال کر بہت دلفریبی سے مسکرایا تھا، پھر ٹشو نکال کر اس سمت بڑھا دیا تھا۔ مگر وہ بہت لاتعلق بنی بیٹھی رہی تھی۔

''جاناں!'' اس نے بہت مدھم انداز میں پکارا تھا۔ کتنی نغمگی تھی اس ساز میں۔ کس قدر لئے ہوئے تھا۔ مگر وہ دوسری سمت بالکل بے حس تھی۔

''سنو! تمہارے تمام آنسو میرے دل پر گر رہے ہیں۔ انہیں پونچھ لو۔ اگر کوئی گستاخی کر تو پھر الزام عائد کر دو گی۔'' بہت مدھم سرگوشی تھی۔ ادعیہ کے اندر یہاں سے وہاں تک ہی ایک قیامت برپا تھی، ایک اور قیامت مچ گئی تھی اس گھڑی۔ اس نے جھپٹنے والے ز میں اس کے ہاتھ سے ٹشو لیا تھا اور پھر سختی کے ساتھ آنکھیں رگڑ ڈالی تھیں۔

''تمہیں جو کہنا ہے، فوراً کہو۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' سوں سوں کرتی ناک کے ساتھ وہ کی سمت دیکھنے سے مکمل طور پر گریز کرتی ہوئی گویا ہوئی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے ایک آہ بھر کر رہ گیا تھا۔

''کچھ کہنا چاہیں تم سے
ڈرتے ہیں برا نہ مانو!
کہنا تو بہت کچھ ہے۔ بشرطیکہ کوئی بغور سننا بھی چاہے۔''

وہ پٹڑی سے اترنے لگا تھا۔ وہ بہت سلگتے ہوئے انداز میں اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''کوئی بہت عزیز، ہمارا قریبی، بے حد مطلوب شخص جب شناسائی کے طویل موسم کے بعد م ہی یکسر اجنبی بن کر ملے تو جانتی ہو کیسا لگتا ہے؟'' اس کے رویے کے پیشِ نظر دریافت تھا مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی وہ دوبارہ گویا ہوا تھا۔

''روح و دل میں ایک قیامت مچ جاتی ہے۔ اپنا آپ پرایا لگتا ہے......''

''اور جو تم نے میرے اندر ایک قیامت ہمیشہ کے لئے برپا کر دی ہے۔ اس کا کیا ہو'' وہ یکدم ہی اس کا جملہ کاٹتے ہوئے تیزی سے بولی تھی۔ اس کی آنکھیں بہت سی نمی تر تھیں۔ ''تم میرے قاتل ہو اور میرے سامنے بیٹھے ہو۔ مگر افسوس میں تمہارا کچھ نہیں

بگاڑ سکتی۔ کتنی لاچار اور بے بس ہوں نا۔'' بہت سی بے بسی اس کی آواز سے بھی ہویدا تھی۔

اعصار شیخ کے دل پر جیسے ایک بوجھ آن پڑا تھا۔

''سنو، یہی تو کہنا چاہتا ہوں تم سے۔ معاف کر دو۔ میرا قصور صرف اتنا ہے کہ تم سے محبت کر بیٹھا ہوں۔ بہت چاہتا ہوں۔ بے حد، بے حساب۔ مگر کیا کروں۔ تمہیں یقین ہی نہیں۔ ایک جہاں سے لڑ سکتا ہوں، ٹکرا سکتا ہوں، مگر فقط تمہارا ہاتھ، ہاتھ میں چاہئے۔'' اس کا لہجہ مدھم اور پُرسوز تھا۔

''تم سمجھتی ہو مجھے تمہارا کوئی احساس نہیں۔ حالانکہ دن رات سلگ رہا ہوں۔ جانتی ہو کتنے دنوں سے سویا نہیں، کس قدر بے قرار ہوں۔ جا رہا تھا، مگر جا نہیں سکا۔ تمہیں ملنے کو تڑپتا رہا۔ اپنی صفائی کا موقع تو ہر ایک کو ملنا چاہئے۔ میں تمہاری نظروں میں پارسا بننا قطعی نہیں چاہتا۔ مگر پلیز، کم از کم تم مجھے سمجھنے کی کوشش تو کرو۔ میں اگر غلط ہوں بھی تو اس غلطی کی وجہ کو تو سمجھو۔''

وہ بہت مدھم انداز میں جیسے کوئی افسوں پھونک رہا تھا۔ بہت سا جادو ایک ساتھ ماحول کو اپنے حصار میں مقید کر رہا تھا اور...... وہ یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''پلیز مجھے گھر چھوڑ دو۔ مجھے تم سے اب مزید کوئی بات نہیں کرنی۔'' وہ بہت سرد لہجے میں کہہ کر بنا اس کی سمت دیکھے چہرہ اور نظریں دونوں ہی پھیر گئی تھی اور اس لمحے اعصار شیخ اسے بہت بے بسی کے ساتھ دیکھ کر رہ گیا تھا۔

✿......✿
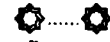
ان سب نے بہت اصرار کیا تھا مگر وہ جانے کو قطعی تیار نہ ہوئے تھے۔

''تم بچوں کی تفریح میں بھلا ہم بوڑھوں کا کیا کام۔ یہ سب تو بچوں کے شوق ہیں۔'' وہ بڑے آرام سے کہہ کر دامن بچا گئے تھے۔ اور تب اعیان یا رہبان نے بالکل بھی اصرار نہیں کیا تھا۔ البتہ عین اسی لمحے علی شاہ بھی آ گیا تھا اور بہت سی چھیڑ چھاڑ اور ہنسی مذاق کے ساتھ بارش میں بھیگتا ہوا یہ قافلہ سمندر کی جانب رواں دواں ہوا تھا۔

علی شاہ کا چونکہ ذکر چلتا رہتا تھا، سو اعیان کے لئے اس سے ملنا اور گھلنا ملنا قطعی مشکل نہ رہا تھا۔ یوں بھی لڑکے مزاجاً گھلنے ملنے میں قطعی دیر نہیں لگاتے۔ منٹوں میں دوست بنانا اور بے تکلف ہونا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے۔ جبکہ لڑکیاں اس معاملے میں خاصی ست رو ہوتی ہیں۔ ان دونوں کے چھت پھاڑ قہقہے سنتی ہوئی مژگان یہی سوچ رہی تھی۔

''بھابی بہت چپ ہیں۔ خیریت؟'' علی شاہ نے اگلی سیٹ پر رہبان عالم شاہ کے ساتھ

قدرے خاموش سی بیٹھی مژگان کو مخاطب کیا تھا اور وہ یکدم ہی چونکتے ہوئے مسکرا دی تھی۔ علی شاہ شہر سے باہر تھا مگر صورتحال سے بالکل بھی انجان نہ تھا۔ رہبان کا بہترین قریبی دوست ہونے کے ناطے اسے مکمل خبر تھی۔

''نہیں، میں تم لوگوں کو سن رہی ہوں۔''

''سننا اچھی بات ہے۔ مگر کبھی سنانا بھی چاہئے۔'' علی شاہ مسکرایا تھا۔

''اور وہ بھی کھری کھری۔'' اعیان ہنسا تھا۔ وہ رہبان کی سمت دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

''تم لوگ میرے معصوم سے شوہر پر اتنے اٹیک کرتے رہتے ہو۔ شرم نہیں آتی؟'' وہ قصداً پھینکے گئے تیر کا مفہوم سمجھتے ہوئے مصنوعی خفگی سے انہیں دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''آپ کے محترم شوہر معصوم ہیں؟'' علی شاہ نے مسکرا کر رہبان کو دیکھا تھا۔ رہبان ڈرائیونگ کرتا ہوا مسکرا دیا تھا۔

''اور ہماری تو جیسے تھانوں میں تصویریں لگی ہوئی ہیں۔'' اعیان نے بھرپور احتجاج کیا تھا۔ رہبان سمیت علی شاہ کا قہقہہ بہت جاندار تھا۔ وہ بھی مسکراتے ہوئے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

''محترم معصوم شوہر! خدا سے شکر ادا کرتے رہو، انتہائی اچھی شریک سفر نصیب ہوئی ہیں آپ کو۔'' علی شاہ نے بہت جتاتے ہوئے رہبان عالم شاہ کی پشت کو دیکھا تھا۔

''اور شکر کرنے کے ساتھ ہمارے لئے بھی دعا کیا کریں۔'' اعیان نے بہت برجستہ جملہ پھینکا تھا۔ اسی طرح برستے ساون میں چھیڑ چھاڑ کرتے، ہنستے گاتے وہ ساحل پر پہنچے تھے۔ موسم کے باعث وہاں بہت ہجوم تھا۔ بہت سے من چلوں کے ٹولے تھے۔ رہبان دانستہ گاڑی آگے ایک سنسان مقام تک لے گیا تھا۔

''کراچی کی بارشیں غنیمت ہیں۔ انہیں ساحل پر گزارنے والے بہت خوش نصیبوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ یقیناً یہ یادگار لمحے ہوں گے۔'' علی شاہ نے گویا تجزیہ کیا تھا۔ اعیان مسکرا دیا تھا۔

''جی چاہ رہا ہے اس سمندر کو اٹھا کر اپنے ہمراہ لے جائیں۔''

''خواہش اچھی ہے۔ مگر افسوس، پانی کبھی کسی کے ہاتھ نہیں آیا۔'' رہبان عالم شاہ بہت بردباری سے بولا۔

وہ سب گاڑی سے اتر کر اس برسات میں بھیگنے لگے تھے۔ علی شاہ نے مووی کیمرہ آن کر لیا تھا۔ بہت سے دلربا منظر محفوظ ہو رہے تھے۔

"تم بھی باہر آؤ نا علی۔" مژگان نے اسے گاڑی میں بیٹھے دیکھ کر پکارا تھا۔ وہ کیمرے کے بھیگنے کے خیال سے ڈور کھولے وہیں بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی بہت سوفٹ میلو میوزک آن کر رکھا تھا۔ وہ سب اطراف میں ہی تھے۔

اعیان سمندر کا بہت سا نمکین پانی اس کی سمت اچھال رہا تھا۔ وہ بے تحاشا بارش میں بھیگتی ہوئی اس نمکین پانی سے بچ رہی تھی۔

"بھابی! یہاں آئیں نا۔ ڈر کیوں رہی ہیں۔ بھیا ساتھ ہیں نا سمندر کو ڈانٹنے کے لئے۔" اعیان نے اسے سمندر میں اترنے کی دعوت دی تھی۔ مگر وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ رہبان عالم شاہ اس سے کچھ ہی فاصلے پر گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس نے پلٹ کر نگاہ کی تو نظروں کا بھرپور تصادم ہوا تھا۔ وہ چہرے پر آ جانے والے بالوں کو ایک سمت ہٹاتی بے تحاشا تیز ہوا سے اڑتے سرسراتے آنچل کو سنبھالنے لگی تھی۔

"بھائی! بھابی کو لے کر اس طرف آئیں۔ یہ لمحات اللہ کا انعام ہیں۔ انجوائے کیجئے۔" اعیان نے بلند آواز سے کہا تھا۔ تبھی رہبان چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ اس نے اس کی قربت کو محسوس کیا تھا، پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ رہبان عالم شاہ نے بہت آہستگی سے اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیا تھا۔ مژگان کے جیسے پورے وجود میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ اس نے بلا ارادہ ہی سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا، ان نگاہوں میں اگرچہ گرمئ شوق نہیں بھی تھا مگر وہ جیسے پگھلنے کو تھی۔ شاید تبھی نگاہ جھکا گئی تھی۔

"جسٹ موو یار! مجھے اچھے منظر قید کرنے ہیں۔" علی شاہ گاڑی میں بیٹھا بیٹھا چلا رہا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا اور پھر رہبان عالم شاہ جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

"کھیل مشکل ہے، مگر کھیلنا تو ہے۔" وہ شاید اس کی چپ کو گریز سمجھتے ہوئے مدھم انداز میں بولا تھا اور وہ اسے فقط دیکھ کر رہ گئی تھی۔

میں اور تم!
ننگے پاؤں ریت پہ چلتے جائیں!
دو پنچھی!
دو پیاسے دل!
ملتے جائیں!
میں اور تم!

بہت مدھر گیت تھا، دھن دلفریب تھی۔ روح تک کو محصور کرتی ہوئی۔ شاید تبھی علی شاہ نے

والیم بڑھا دیا تھا اور وہ واقعی اس گیلی ریت پر سنگ سنگ چلنے لگی تھی۔ اس گھڑی اعیان نے ان دونوں پر بہت سا پانی اچھالا تھا۔ وہ یکدم بچنے کو پیچھے ہٹی تھی، مڑی تھی اور رہبان عالم شاہ کے فراخ سینے سے جا ٹکرائی تھی۔ بھیگے موسم کا جادو عروج پر تھا۔ وقت صد افسوس پھونک رہا تھا اور وجود جیسے اپنے آپ مسحور ہوتا جا رہا تھا۔ کتنی بہت سی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے اس نے بمشکل سر اٹھا کر رہبان عالم شاہ کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ کس قدر قریب تھا۔ اس کے مضبوط بازوؤں کا حلقہ اس کے گرد اس کی حفاظت کے لئے تنگ تھا۔

تم نے جو باتیں کہنی ہیں
کہتی جاؤ، ہنستی جاؤ
میں نے جو باتیں کہنی ہیں
کہہ نہ پاؤں چپ ہو جاؤں
ڈوبتی شام کی کچی ڈور سے
کھنچتے جائیں، میں اور تم!

اعیان کس قدر ہنس رہا تھا۔ وہ یکدم چونکی تھی جیسے کسی گہرے خواب سے۔

اس سے پہلے کہ یہ ساون کی جھڑی تھم جائے
جتنے اقرار کے الفاظ ہیں کہہ دو مجھ سے

وقت کیسا اصرار کر رہا تھا۔

اور...... وہ یکدم ہی اس مدہوش کن کیفیت سے باہر نکلی تھی اور ساتھ ہی اس کی بانہوں کے حصار سے بھی۔

جانے کیوں بہت خجل سی تھی۔ وہ شخص بھی جانے کیوں اس کی جانب متوجہ نہ رہا تھا۔ دونوں فاصلوں پر کھڑے ہو گئے تھے۔

دوری قصداً بڑھنے لگی تھی۔

"بھابی، بھیا! پلیز کلوز ہو جاؤ ذرا سا۔ یار، لگ رہا ہے کوئی دو اجنبی کھڑے ہیں۔ کیسے ہزبینڈ وائف ہیں آپ لوگ۔"

اب کے کیمرہ اعیان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ بہت دھیرے سے نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ وہ بھی اس گھڑی اس کی سمت ہی دیکھ رہا تھا۔

بہت سا جادو آسمان سے برس رہا تھا
بہت سا پانی اور!

تم اپنی منزل میں کھوئے
میں اپنی راہوں میں
دونوں درد کی راہ پہ بھولے
پاگل پن کی باتوں میں
آنکھوں میں انجانے گل
کھلتے جائیں
میں اور تم

"بھابی......!" اعیان پھر چیخا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ پھر اس بھیگتے منظر میں وہ بہت دھیرے سے چلتی ہوئی اس کی سمت بڑھتی چلی گئی تھی۔

ان سب کی چھیڑ چھاڑ، ہنسی مذاق عروج پر تھا۔ بالکل اس موسم کی دلکشی کی طرح آسمان سے ساون جادو کی طرح اب بھی ٹوٹ کر برس رہا تھا۔

سارے دلربا منظر اپنی جگہ قائم تھے۔ اور دل کا عجیب سماں تھا۔ بہت سی دھڑکنیں
بہت سا شور
بہت سی بے چینی، بے قراری!

وہ بے تحاشا ہنستی چلی جا رہی تھی۔ علی شاہ، اعیان مسلسل جملے بازی کر رہے تھے۔ اس پر پانی اچھال رہے تھے۔ اسے سمندر میں کھینچ کر لے جانے کی کوشش میں سرگرداں تھے۔ مگر وہ بہت مضبوطی کے ساتھ رہبان عالم شاہ کا مضبوط ہاتھ تھامے ہوئی تھی۔

کل یہ منظر خواب ہو جانے تھے۔
یہ بھرپور، پُرتپش قربت!
یہ محترم کر دینے والے رشتے!
یہ احساس، یہ اپنا پن!
مگر آج اس کے ساتھ تھا۔

شاید تبھی وہ اپنا حصہ بہت عمدگی سے کشید کر رہی تھی۔

کل انہیں گاؤں کے لئے سفر کرنا تھا۔ بہت سے خدشات اس جانب سے بھی متوقع تھے۔ مگر اس کے چہرے پر بہت سکون تھا۔ رہبان عالم شاہ کی نگاہوں نے کئی بار اس کے گرد حصار کھینچا تھا۔

وہ بے حد، بے تحاشا ہنس رہی تھی۔

آنکھوں سے بہت سا پانی رواں تھا مگر وہ ہنسے جا رہی تھی۔

"بہت خوش ہو نا تم!" کہیں اندر سے سبز آنکھوں والے لڑکے کی بازگشت ابھری تھی۔

"ہاں!" وہ یکدم ہی سر اثبات میں ہلاتی ہوئی باآواز بولی تھی۔

رہبان نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔

"کیا...... ہاں؟"

"اوں...... ہوں......!" وہ مسکراتے ہوئے یکدم نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ اور انہی ساحلوں پر پھر اس سبز سمندر آنکھوں والے لڑکے کی صدا ایک بار پھر گونجنے لگی تھی۔

محبت ہوتی ہے!
محبت ہوتی ہے!

مژگان کا دل بے فکر پنچھی بن کر فضاؤں میں اڑنے لگا تھا اور ایک دلفریب تبسم نے اس کے لبوں کا حصار کر لیا تھا۔ وہ یقیناً خود اسیری کی کیفیت میں تھی۔ رہبان عالم شاہ نے کتنی ہی بار اسے چونک کر دیکھا تھا۔

✿......✿
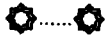
وہ پہلے ہی حادثے سے نہ سنبھلی تھی اور وقت نے اسے پھر دگرگوں کر دیا تھا۔ اعصار شیخ سے ملاقات کے بعد وہ جانے کیوں پہلے سے زیادہ الجھ گئی تھی۔

وہ شخص اسے روز بروز اندھیروں کی نذر کرتا جا رہا تھا۔

محبت کا دعویدار تھا اور اسے احساس تک نہ تھا۔

اس نے سنا تھا، پڑھا تھا۔ محبت بے غرض ہوتی ہے۔ حرص، طمع، لالچ سے پاک ہوتی ہے۔

مگر! وہ کس سے کہتی...... کس سے کیفیات بیان کرتی۔

رونے کو کس کا شانہ تلاشتی۔

بہت کچھ مخفی رکھ کر بھی وہ مجرم ہو رہی تھی۔

"میں ایک بار پھر ملوں گی اس سے۔ دوبارہ بات کروں گی۔" شعاع اس کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے اسے تسلی دیتے ہوئے بولی تھی اور وہ سر جھکا کر اپنے ہاتھ کی الجھی ہوئی لکیروں کو تکنے لگی تھی۔

✿......✿
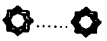
اس شام فرحان اور مامی وغیرہ پھر آ گئے تھے۔ رانیہ نے آ کر اطلاع دی تھی اور شعاع چونک گئی تھی۔ "ابھی ہفتہ بھر پہلے تو آئے تھے۔"

ادعیہ اس کے انداز پر بہت دھیرے سے مسکرا دی تھی۔ ''ہفتہ وار آنے پر پابندی ہے کیا؟ یار، تمہاری سسرال ہے۔ آنے کے لئے تمہارا جواز بہت معقول ہے۔ بہو ہو ان کی، دل اُداس ہو بھی سکتا ہے۔''

اور شعاع اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''ان کی محبتوں کا بھی اعتبار نہیں۔ پچھلے دنوں میری جاب کو لے کر واویلا مچایا ہوا تھا اور اب اچانک ہی مزید محبتیں ایڈ کر آ رہی ہیں۔''

''یا اللہ، آپا تمہیں کس کس بات پر اعتراض ہے؟'' رانیہ نے مسکراتے ہوئے شعاع کو دیکھا تھا۔

''ہاں، رانیہ ٹھیک کہتی ہے۔ محبتوں کو ''پرکھ'' کر کسوٹی پر رکھنا روا نہیں۔ آج کل کے دور میں اخلاص ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔ مامی اور ماموں کا بڑا ساتھ رہا ہے ہر اچھے برے وقت میں۔ مامی ذرا تیز مزاج ہیں مگر محبت بھی بہت کرتی ہیں۔ دل کی بری نہیں۔'' ادعیہ نے بہت مدھم انداز میں رائے کا اظہار کیا تھا۔

''ارے بچو، کہاں ہو تم؟ وہاں تمہاری ممانی اور دیگر لوگ آئے بیٹھے ہیں اور یہاں تم۔'' تبھی امی نے کمرے میں قدم دھرا تھا اور وہ تینوں فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

ادعیہ کچن میں تھی جب ممانی بطور خاص اس کے پاس آئیں۔ امی ساتھ تھیں۔

''ارے آپ نے مجھے بلوا لیا ہوتا۔ زحمت کیونکر کی؟'' وہ ان کے شفقت سے سر پر ہاتھ رکھنے پر شرمندہ سی ہوئی۔

''ارے میرا اپنا گھر ہے۔ زحمت کیسی۔ بچی ہو میری۔ بہت مصروف ہو۔ ممانی سے ملنے کا خیال نہیں آیا تو آپ چلی آئی۔'' ممانی کا انداز شہد آگیں تھا۔ وہ رسماً مسکرا دی۔

''اگلے ہفتے فہد آ رہا ہے کینیڈا سے۔ اسی کی اطلاع دینے آئی تھی۔ سب بہنیں آنا۔ فون آیا تھا اس کا۔ تم سب کے لئے بطور خاص تاکید کی تھی۔'' مسکراتے ہوئے مدعا بیان کیا تھا۔ وہ چونکی، پھر مسکرا دی۔

''اچھا...... فہد بھائی آ رہے ہیں۔ ایم بی اے مکمل ہو گیا ان کا؟''

''اے ہاں، شکر ہے اللہ کا۔'' وہ مسکرا دی۔

''تنہا ہی آ رہے ہیں نا؟'' لہجہ شگفتہ تھا۔ ممانی چونکیں، پھر کھلکھلا کر ہنس دیں۔

''اللہ کا شکر ہے۔ بچے بہت سعادت مند ہیں۔ فرحان کے بعد وہ بھی اپنی قدروں سے شناس ہے۔ [illegible] [illegible] وطن، اپنے کلچر سے محبت کرنا جانتا ہے سو لڑکی بھی یہاں کی ہو گی۔ یہ اسی [illegible]

کا خیال ہے۔''

''بہت خوب...... فہد صاحب کی سوچ تو بہت پختہ اور اچھی ہے۔'' وہ مسکرائی۔

''اے بی! تمہیں اس کے اچھا ہونے پر کوئی شک ہے؟'' ممانی اس کے شانے پر ہاتھ رکھتی ہوئی مسکرائیں تو وہ ہنس پڑی۔

''جب آخری بار دیکھا تھا، اچھے خاصے معقول تھے۔ قیاس بندی تو ہے اور قوی امید بھی۔ شاید اب بھی ویسے ہی ہوں۔'' اس نے بہت مشکل سے خود کو اپنے خول سے نکالا تھا اور اپنی پرانی جون میں واپس لوٹی تھی۔ شاید اس لئے بھی کہ وہ اب محتاط ہو گئی تھی۔ خصوصاً ان رشتوں سے جن کے باعث اسے خدشات تھے۔ وہ خود کو کوئی متنازعہ شخصیت بنا کر پیش نہیں کرنا چاہتی تھی۔

جو ہوا تھا، جو ہو چکا تھا، نا قابل قبول اور نا قابل برداشت تھا۔ اور اسے نبرد آزما بھی ہونا تھا۔ مگر سب کے سامنے اگر اس کا کوئی مختلف روپ آتا تو یقیناً داستان بنتے دیر نہ لگتی۔

وہ واقف تھی تمام صورتحال سے۔ شاید تبھی بات بے بات کھلکھلا کر ہنس رہی تھی۔ بالکل پہلے والی ادعیہ کی طرح۔

''شریر کہیں کی۔'' ممانی نے بہت پیار کے ساتھ اس کے سر پر ایک چپت رسید کی تھی۔

''اب آئے گا تو مل کر یقین کر لینا۔ بچپن سے ساتھ رہے ہو۔ تم لوگوں سے بہتر ایک دوسرے کو کون جانتا ہو گا۔''

اس کی شرارت پر ممانی جان نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی تھی۔ اور وہ مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلانے لگی تھی۔

پھر اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے ممانی مسکرائی تھیں۔

''آنا ضرور، شعاع اور رانیہ وغیرہ کے ساتھ۔ تم میرے گھر بہت کم آتی ہو۔ بچپن سارا وہیں گزرا ہے۔ اب جانے کیوں کترانے لگی ہو۔ شعاع کی تو مصروفیت زیادہ ہے، دوسرے سسرال ہے۔ مگر تم تو آ سکتی ہو۔'' انہوں نے شکوہ کیا۔

''جی ضرور۔'' اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ ''اب تو فہد صاحب آ رہے ہیں۔ دو دو ہاتھ کرتے رہیں گے۔'' وہ ہنسی۔ بچپن میں واقعی وہ بہت زیادہ لڑتے جھگڑتے رہے تھے۔ فہد چونکہ اس سے بڑا تھا سو ہمیشہ جنگ میں فتح یاب ہوا کرتا تھا اور وہ ''ریں ریں'' کرتی امی کی گود میں پناہ ڈھونڈتی تھی۔

اب بھی ساری کیفیت محسوس کر کے وہ ہنس دی تھی۔ پھر ممانی جان اور اس فیملی کے

رخصت ہونے کے بعد وہ کچن سمیٹنے میں لگ گئی تھی۔ جب فارغ ہو کر باہر نکلی تب بدن تھکن سے چور تھا۔ صبح جلدی اٹھنا تھا سو وہ سونے کی غرض سے کمرے کی جانب بڑھ رہی تھی جب امی نے پکار لیا۔ وہ چونکی تھی، کیونکہ اکثر امی اس سے سونے سے قبل باتیں کرنے کی عادی تھیں اور وہ بھی ان کے پیر دباتی ہوئی یا پھر کبھی ٹانگیں دباتے ہوئے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی جاتی تھی۔ بہت دنوں کی مصروفیت سے یہ سلسلہ موقوف تھا۔

''جی امی!'' اس نے سعادت مندی سے ان کے سامنے کھڑے ہو کر کہا تھا۔

''ارے یہاں آؤ۔ بیٹھو میرے پاس۔'' امی مسکرائی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں بہت میٹھی سی چمک تھی۔ ضعیف چہرے پر آج اس نے عرصے بعد ایک اطمینان کی کیفیت دیکھی تھی۔ یقیناً نہ صرف وہ پُرسکون تھیں بلکہ خوش بھی تھیں۔ وہ چونکی تھی، پھر ان کے قریب جا بیٹھی تھی۔

''خیریت، بہت خوش نظر آ رہی ہیں۔ کہیں ممانی نے شجاع کی شادی کی تاریخ تو نہیں مانگ لی؟'' اس نے مسکراتے ہوئے قیاس کیا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی تھیں۔

''ارے وہ بھی ہوتا رہے گا۔ فی الحال ایک اور اچھی بات ہے۔ تم بتاؤ، تم تھک تو نہیں گئیں؟'' امی نے بہت محبت سے اسے دیکھا تھا۔ وہ چونکی۔ دل جانے کیوں بہت تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا مگر وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بغور امی کی سمت تکنے لگی۔

''تمہارے ابو کے بعد مجھے تم سب کی بہت فکر تھی۔ مگر خدا کا شکر ہے، سارے وسوسے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ اپنے ہی اپنوں کو ڈھانپتے ہیں۔ حنیف بھائی نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا ہے، پہلے شجاع کی جانب سے اور اب......''

امی بہت پُرسکون انداز میں بہت دھیرے سے مسکراتی ہوئی بولی تھیں اور اس کا دل بہت ہی شدت کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا۔

''اور اب......؟'' اس نے امی کے ادھورے جملے کو مکمل کرنے کی سعی کی تھی۔

''فہد بہت پیارا ہے۔ مجھے قطعی امید نہ تھی بھابی اس کے لئے بات کریں گی۔ میں تو حیران ہی رہ گئی۔'' وہ بہت تمکنت سے انداز میں مسکرائی تھیں اور ادعیہ کی روح جیسے پھڑپھڑانے لگی تھی۔

''فہد بہت اچھا بچہ ہے۔ پھر گھر کا ہے۔ اعتراض کی گنجائش ہی کہاں بچتی ہے۔ پھر بھی میں نے بھابی سے سوچ کر جواب دینے کے لئے وقت لے لیا ہے۔ تم بتاؤ...... تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟'' امی نے اس کے چہرے کو اٹھا کر بہت مان کے ساتھ پوچھا تھا۔

اور وہ زرد زرد چہرہ لئے خالی خالی آنکھوں سے انہیں تکتی چلی گئی تھی۔

اس کی روح جیسے جسم سے پرواز کرنے کو تھی۔ چہرہ دُھلے ہوئے لٹھے کی مانند سفید تھا۔

امی بہت آس بھری نظروں سے اس کی سمت تک رہی تھیں۔ ان کی نگاہوں میں بہت عرصے بعد اس نے روشنی کی کرنیں دیکھی تھیں۔ وہ یقیناً آج بہت عرصے بعد مطمئن اور پُرسکون ہوئی تھیں۔

اور وہ......!!

اندر باہر جیسے قیامت ہی قیامت تھی۔

یہ کس موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا تھا اسے وقت نے!

اس کے پاس نہ اپنا چہرہ تھا نہ آنکھیں!

کس قدر خالی تھی وہ......!

امی اس کے جواب کی منتظر تھیں، اس کی جانب بہت مان سے تک رہی تھیں۔

وہ کیا کہتی۔ وقت نے اسے تو بہت پہلے ہی خالی ہاتھ کر دیا تھا۔

''کیا ہوا...... تم چپ کیوں ہو؟'' امی نے اس کی سمت بہت نرمی سے دیکھا تھا۔ ان کا لہجہ ہمیشہ کی طرح ملائم اور ٹھنڈک لئے ہوئے تھا۔ ادعیہ کا جی چاہا تھا، ان کی گود میں سر رکھے اور سارا درد بہا ڈالے اور سب کچھ بتا کر دل پر دھرا بہت سا بوجھ کم کر لے۔ پھر سے وہی ادعیہ بن جائے۔

وقت بہت ظالم تھا۔ یقیناً سب ویسا کا ویسا قطعاً نہ ہو سکتا تھا۔ سبھی کچھ تو بدل چکا تھا۔

وہ اپنا مان، بھروسہ، اعتبار، سبھی کچھ گنوا چکی تھی۔

''ادعیہ!'' امی نے بہت مدھم انداز میں کہتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ دھرا تھا اور اس کے سامنے یکدم ہی شجاع آن کھڑی ہوئی تھی۔

''ابو کے بعد امی ہمارا کل اثاثہ ہیں۔ میں مزید کسی نقصان کی متحمل قطعی نہیں ہو سکتی۔ پلیز تم۔''

اور وہ یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ ''امی! فی الحال آپ اس تمام معاملے کو یونہی رہنے دیجئے۔ شجاع کے متعلق سوچئے۔ ابھی اس گھر کو میری بہت ضرورت ہے۔ میں اتنی جلد قطعی ہتھیار ڈالنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ ابھی بہت سے کام ادھورے پڑے ہیں۔ میرا مقصد ابھی نامکمل ہے اور......'' اس نے بہت سی کیفیات پر قابو پاتے ہوئے بہت دھیرے سے نفی میں سر ہلایا تھا۔ پھر امی کے شانے پر بہت ہولے سے سر دھر دیا تھا۔

''ابھی مجھے اپنے پاس رہنے دیں۔ کہیں نہیں جانا مجھے۔'' جانے کیوں ہمت اور کوشش

کے باوجود آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔

"پاگل۔" امی نے بہت آہستہ سے ایک چپت اس کے سر پر رسید کی تھی۔ "میں ہوں نا سب فکروں سے نمٹنے کو۔ تم اور شعاع آگے سدھارو تو میری پریشانی بھی ختم ہو۔ والدین کی زندگی کی یہی تو سب سے بڑی آس ہوتی ہے۔ یہی خواہش کہ بیٹیاں اپنے گھر کی ہو جائیں۔ وہ خوش رہیں، آباد رہیں۔ دلوں میں ٹھنڈک پڑ جاتی ہے۔" امی نے اس کا چہرہ بہت محبت سے مسکراتے ہوئے اپنے سامنے کیا۔

اس نے اپنے آنسو ہاتھ کی پشت سے رگڑ کر صاف کئے۔

"یہی ارمان تھا دل میں۔ اپنے بچوں کو زندگی میں شاد و آباد دیکھ لوں۔ اللہ کا شکر ہے سب کام وقت پر ہو رہے ہیں۔ میری فکروں میں کمی ہو رہی ہے۔ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ جانے کب سانسوں کی ڈور تھم جائے۔ جلد سے جلد سب کام نمٹا دینا چاہتی ہوں۔" امی کا لہجہ مدھم تھا۔ وہ دہل کر رہ گئی۔

"خدا نہ کرے جو آپ کو کچھ ہو۔ خدا میری عمر بھی آپ کو لگا دے۔"

"پگلی۔ بچے والدین کو اس طرح کی دعائیں نہیں دیتے۔ ہم تو اپنی زندگی جی چکے۔ اب تو وقت تم سب کا ہے۔ بھابی نے جواب مانگا تھا۔ کیا کہوں؟" وہ پھر اصل مدعا پر آ گئیں۔

وہ پھر سے ہارنے لگی۔

"امی پلیز! فی الحال تو بالکل بھی نہیں۔ میں پڑھ رہی ہوں ابھی۔ ایک پورا سال باقی ہے ابھی۔" اس نے بروقت جواز دیا۔

"تو ان کو بھی کچھ جلدی نہیں۔ فقط بات طے کر دینے میں کیا حرج ہے۔ فہد کو تو تم جانتی ہو۔" ادعیہ جیسے ہارنے لگی تھی یا شاید ہار چکی تھی۔ کہاں تک مزاحمت کر سکتی تھی۔

"فی الحال کچھ مت سوچئے۔ شعاع کا معاملہ بہت اہم ہے۔ میری بات تو بہت بعد کی ہے۔ اتنی جلدی کہیں نہیں جاؤں گی میں۔" اس کا انداز بہت بچگانہ تھا۔ امی اس کی صورت کو دیکھ کر مسکرا دی تھیں۔

"بیٹیاں پھول سہی، مگر یہ پھول پرائے آنگنوں کی امانت ہوا کرتے ہیں۔ چاہے جتنا بھی عزیز رکھ لو، چاہے جتنا بھی چاہو، دور تو کرنا پڑتا ہے۔ یہی رسم دنیا ہے۔ یہی دستور ہے۔" امی نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت محبت بھری نگاہوں سے دیکھا۔ ادعیہ کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی۔ مگر وہ ساکت نظروں سے انہیں دیکھتی چلی گئی۔

"پاگل......" امی نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ "مجھے اپنی بچیوں کی خوشی سے بڑھ کر کچھ

نہیں۔ بھابی نے بات کی تھی، معقول لگی، تبھی تمہاری رائے بھی مانگ لی۔ اس بات کو ان میں رکھنا کہ تمہاری ماں کبھی بھی کوئی غلط فیصلہ تمہارے لئے نہیں کرے گی۔ جاؤ، سو جا کر شاباش۔ صبح یونیورسٹی کے لئے آنکھ نہیں کھلے گی۔"

امی کے بہت پُرشفقت سے انداز پر وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی تھی۔ پھر خاموشی سے اٹھی اور بے دم قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ بیڈ پر نڈھال جسم کو ڈال کر کتنے لمحے وہ ساکت سی رہی تھی اور اس لمحے بہت سے آنسو بہت خاموشی سے آنکھوں سے تکیے کا سفر کرتے چلے گئے تھے۔

سفر بہت تھکا دینے والا تھا۔ مگر وجود پر پھر بھی جیسے برسوں کی تھکن تھی۔ کتنے خدشات تھے دل میں۔ کتنے وہم۔ گاؤں پہنچنے تک کا وقت اس نے مسلسل خود سے، اپنی خود ساختہ سوچوں سے الجھتے ہوئے گزارا تھا۔ کسی دلربا منظر پر اس کی نگاہ نہ تھی۔ جب رہبان عالم شاہ کی سنگت میں اس نے حویلی کی دہلیز پر قدم دھرے تھے، تب بھی دل بہت تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ جانے کیوں اور کس خیال کے تحت اس نے رہبان عالم شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر بہت سکون تھا۔ مژگان کے اس طرح دیکھنے پر شاید وہ اس کی کیفیت جان گیا تھا، تبھی بہت نرمی سے مسکرایا تھا۔ جیسے اس کا حوصلہ بندھا رہا ہو۔

اج کوئی ساڈے وہڑے آیا
اج کوئی ساڈے وہڑے آیا
بھر بھر خوشیاں نال لیایا
اج کوئی ساڈے وہڑے آیا

بہت فطری انداز میں خوشی کا اظہار بہت دلکشی لئے ہوئے تھا۔ گاؤں کی خواتین بہت سے پھولوں کی پتیاں ان پر نچھاور کرتے ہوئے استقبال کر رہی تھیں۔ اس کے لئے یہ سب بہت نیا اور حیران کن تھا۔

راہداری کے اختتام پر کھڑی پُروقار سی خاتون کو دیکھ کر جان گئی تھی کہ کون ہیں۔

''سامنے اماں ہیں۔ ان کے داہنی جانب کھڑی کائنات اور اس کے ساتھ بہت سی دیگر رشتے دار خواتین۔'' رہبان عالم شاہ نے اس کی کنفیوژن کو سمجھتے ہوئے اسے الرٹ کیا تھا۔ اس کی سرگوشی میں بہت نرمی تھی جیسے وہ مژگان کے ہر ہر احساس سے واقف تھا۔ مژگان نے جانے کیوں اس گھڑی اس کی جانب دیکھنے سے گریز کیا تھا۔

راہداری کے آخری کونے پر کھڑی خاتون نے بہت سی مخصوص رسموں کو ادا کیا تھا۔ دہلیز پر تیل ڈالا تھا۔ اور پھر اسے قدم اندر رکھنے کا اشارہ دیا تھا۔ وہ بہت سے انوکھے تجربات سے گزر رہی تھی۔ سبھی چہرے اسے نہ صرف حیرت سے تک رہے تھے، بلکہ ان کے چہروں پر اس

کے لئے پسندیدگی کے ساتھ اور بھی بہت سے تاثرات نمایاں تھے۔ اسے دیکھ کر جس طرح وہ ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں مخاطب تھیں، وہ اس سے قطعی پوشیدہ نہ تھا۔ مگر اسے کسی کی مطلق پرواہ نہ تھی۔ پرواہ تھی تو سامنے کھڑی خاتون کی، جن کے چہرے پر بہت نرم سی مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں خوشی کی ایک لہر۔ اسے اپنے ساتھ بھینچ کر بھرپور انداز میں خوش آمدید کہا تھا انہوں نے۔ ساتھ ہی بہت سی دعاؤں سے بھی نوازا تھا۔ پھر وہ رہبان سے ملی تھیں اور کتنی ہی دیر تک اس لمبے چوڑے شخص کے ساتھ لگی خاموشی کے ساتھ آنسو بہاتی رہی تھیں۔

''لوٹ آیا ہوں نا میں۔'' وہ بہت بردبار انداز میں مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ پھر اس پر نگاہ پڑی تو مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

''نہ صرف لوٹ آیا ہوں بلکہ بونس کے طور پر ایک عدد بہو بھی ساتھ لایا ہوں۔ اب تو خوش ہو کر معاف کر دیجئے۔'' یقیناً وہ ماحول کی کثافت کو دور کرنے کو پُرشرارت انداز میں گویا ہوا تھا۔ اماں نے اس کے شانے پر ایک چپت رسید کی تھی اور مسکرا دی تھیں۔

''بہت ستایا ہے تو نے...... اب کہیں جانے نہیں دوں گی۔''

''بہتر۔ ہم جانے کے لئے آئے بھی نہیں ہیں۔ اپنی جنت کے پاس رہنے کا قصد کر کے آیا ہوں۔ جاؤں تو جو چور کی سزا وہ میری۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ اماں مسکرا دیں۔ پھر بہت تشکر بھری نظروں سے سیّد عالم شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ وہ بہت ملائمت سے مسکرا رہے تھے جیسے کہہ رہے ہوں اب تو کوئی گلہ نہیں؟

''بیٹے اور بہو سے مل کر ہمیں تو آپ نے یکسر فراموش ہی کر ڈالا۔ ہم بھی پڑے ہیں راہوں میں امی جان!'' اعیان نے بہت شرارت سے جھک کر کہا تو وہ مسکرا دیں۔

''میری آنکھوں کا نور ہو تم سب۔''

تبھی سیّد عالم شاہ گویا ہوئے۔ ''ساری باتیں یہیں کھڑے کھڑے کر لو گی بھاگوان۔ بہو پہلی بار سسرال آئی ہے۔ کچھ خاطر مدارات نہیں کرو گی؟''

''میں صدقے، میں واری۔ چلو بچو، اندر چلو۔'' نصیب بی بی نے فوراً کہا تھا۔

مژگان، خواتین کے گھیرے میں ایک سجے سجائے کمرے تک پہنچی تھی۔

جہازی سائز بیڈ، پھولوں سے سجا کر اس کے لئے سیج بنائی گئی تھی۔ وہ بہت حیرت کے ساتھ تک رہی تھی۔ وہ عروسی ملبوس میں نہ ہوتے ہوئے بھی نگاہ نہ اٹھا پا رہی تھی۔

''چلو بھئی، سب باہر چلو۔ بھابی اب آرام کریں گی۔'' کائنات نے ہاتھ اٹھا کر کہا تھا اور

جیسے اسے یہ جملہ غنیمت لگا تھا۔ وہ اگرچہ تھکی ہوئی نہیں تھی مگر اس نئے ماحول کو قبول کرنا واقعی مشکل لگا تھا۔ اس سے قبل کی تمام چیزیں ایک اگریمنٹ تھیں۔ وہ دونوں سمجھوتے کو اپنی اپنی مرضی اور شخصی آزادی کے ساتھ نبھا رہے تھے۔

مگر اب ضرورت ''دکھاوے'' اور ''دنیا داری'' کی تھی۔ اس تعلق کو اتنے ڈھیر سارے لوگوں کی نگاہ میں سچ ثابت کرنا تھا۔ اور اسے یہ سب بہت مشکل لگ رہا تھا۔ کوئی ایک جملہ...... کوئی ایک قدم...... کوئی چھوٹی سی بے ارادہ لغزش طوفان کھڑا کرسکتی تھی۔

''بھابی! ریلیکس فیل کریں۔ بلکہ چاہیں تو ہاتھ لے لیں۔'' کائنات نے بہت محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر مخاطب کیا تھا۔ وہ چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ پھر اس کی نگاہوں اور چہرے پر اپنائیت کا رنگ دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

''تم کائنات ہو؟''

''ہوں...... بھیا نے یقیناً بتایا ہوگا۔'' وہ ہنس دی۔ مژگان بھی مسکرا دی۔

''اپنی اتنی اچھی سی اکلوتی نند کو کیونکر نہ پہچانوں گی۔ تم سب سے دوری کے باوجود میں نے خود کو ہمیشہ تم سب کے قریب محسوس کیا۔ کیونکہ وہ اکثر ذکر کرتے رہتے تھے۔'' بہت آہستگی سے اس نے کہا تھا اور کائنات اسے دیکھنے لگی تھی۔

''آپ واقعی بہت خوبصورت ہیں۔ بھیا کا انتخاب لاجواب ہے۔''

مژگان شرم محسوس کرنے لگی۔

''میں آپ کے لئے کپڑے نکالتی ہوں۔ آپ ہاتھ لے لیں۔''

''ارے نہیں، تم تو خود مہمان ہو۔ اور میں کون سا نئی نویلی دلہن ہوں۔ اپنے گھر میں آئی ہوں۔'' وہ بھرپور اپنائیت جتاتے ہوئے مسکرائی تھی اور کائنات ہنس پڑی تھی۔

''آف کورس۔ یہ آپ ہی کا گھر ہے۔ ہماری تو دلی خواہش ہے کہ آپ نہ صرف اس گھر میں ہمیشہ کے لئے رہیں بلکہ اسے سنبھالیں بھی۔ اماں یوں بھی اب تھک چکی ہیں۔'' کائنات نے ہنس کر کہا۔ تب لفظ ''ہمیشہ'' کے باوجود اسے اس کا ساتھ دینے کے لئے مسکرانا پڑا تھا۔

☆......☆

نہ جانے کیوں تقدیر نے اسے ہی آزمائش کے لئے منتخب کرلیا تھا۔ اس کی جان جیسے سولی پر اٹکی ہوئی تھی۔ اندر کا غبار بڑھتا چلا جا رہا تھا اور کوئی راستہ سجھائی نہ دیتا تھا جو زندگی کی سمت لاتا۔

وہ کس سے اپنا کرب بانٹتی، کس کے شانے پر سر رکھ کر اپنے جی کا بوجھ ہلکا کرتی۔

وہ کتنی ہی دیر اِدھر سے اُدھر بلا مقصد ٹہلتی رہی تھی۔ شعاع نے اسے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا، پھر اٹھ بیٹھی تھی۔

''کیا تکلیف ہے؟'' اس نے گویا نئی صورتحال کو جاننا چاہا تھا۔ وہ رکی تھی۔ پھر بہت دھیرے سے چلتی ہوئی اس کے قریب آن بیٹھی تھی۔ مگر بولی کچھ نہیں تھی۔

''اب کیا ہوا ہے؟ تمہیں پتہ ہے گھڑی اس وقت کیا بجا رہی ہے؟'' شعاع نے دیوار گھڑی کی طرف دیکھا۔

ادعیہ نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''شعاع! میری جان سخت عذاب میں ہے۔ ایک قیامت گزر رہی ہے روح پر۔''

شعاع نے اسے بغور دیکھا تھا۔ ''کیا ہوا؟''

ادعیہ نے اسے دیکھا تھا، پھر تلخی سے نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب بہت غیر متوقع اور حیران کن ہے۔ کچھ اختیار میں نہیں۔ پتہ نہیں یہ سب میرے ساتھ ہی کیوں ہوتا ہے۔ میرے ساتھ ہی کیوں ہو رہا ہے؟''

شعاع نے اس گھڑی مزید کچھ نہ کہا تھا۔ بس خاموشی سے اسے دیکھا تھا اور وہ اس لمحے اصل مدعا پر آگئی تھی۔

''ممانی جان فہد کا پرپوزل لائی ہیں میرے لئے۔''

''کیا......؟'' شعاع بھی اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ تبھی وہ سر جھکا کر مزید گویا ہوئی تھی۔

''امی نے مجھ سے خود بات کی اور ساتھ ہی میری مرضی بھی جاننا چاہی ہے۔''

''اور تم......؟'' شعاع کچھ بولنے لگی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل رک گئی۔ ''ادعیہ! کیا ہو رہا ہے یہ؟'' شعاع کی آواز میں تاسف ہی تاسف تھا اور ادعیہ اس لمحے جیسے ہار کر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''قیامت کی گھڑیاں ہیں اور قیامت کے واقعات۔ جانے کیوں تقدیر نے مجھے ہی آزمائش کے لئے چن لیا۔ میں نے تو کبھی کسی کا برا نہیں چاہا۔ کبھی کسی کے متعلق برا نہیں سوچا۔ پتہ نہیں پھر بھی کیوں؟'' ادعیہ کی آواز بہت دھیمی تھی۔ شعاع نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''اب تو وہ شخص بھی اس شہر میں نہیں کہ فوری طور پر کوئی اقدام ہی کیا جا سکے۔ مجھے تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہوگا کیا؟ یقیناً یہ سب اتنا آسان اور بے ضرر نہ تھا، جتنا میں نے تصور

کر لیا تھا۔ اور یہ فہد کو اب ہی آنا تھا۔ اور اگر آنا ہی تھا تو اس قدر قیامت برپا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور ایک وہ بے وقوف شخص، پانے کے اور بھی بہت سے راستے ہیں۔ اس قدر حماقتوں سے منزلیں نہیں پائی جاتیں۔ چلے تھے محترم رومیو بننے۔ زندگی عذاب کر کے رکھ دی۔'' شعاع آج پہلی بار اتنی جذباتی ہو رہی تھی۔ یقیناً بدلتی صورتحال اس کے لئے پریشانی کا باعث تھی۔ اور شاید دوسری بڑی اہم وجہ کسی ''حل'' کا نہ ہونا بھی تھا۔

ادعیہ سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔

''تم نے امی کو کیا جواب دیا؟''

ادعیہ نے اس کے سوال پر خاموشی سے سر ہلا دیا تھا۔ ''میرے پاس فوری طور پر کوئی معقول جواز نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود میں نے دبے دبے انداز میں انہیں فوری طور پر کوئی قدم نہ اٹھانے کا اشارہ دیا تھا۔''

''ادعیہ! کیا تم اس شخص کے ساتھ جڑی رہنا چاہتی ہو؟'' شعاع نے یکدم ہی پوچھا تھا اور وہ جیسے سر اٹھانے کے قابل نہ رہی تھی۔

''شعاع! یہ تعلق میں نے اپنی مرضی سے ہرگز نہیں باندھا۔'' اس نے ایک بار پھر نیم مردہ انداز میں وضاحت کی تھی۔

شعاع نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔ ''ادعیہ! کچھ بھی ہے، مگر یہ گھڑی بہت کڑی ہے اور ایسے میں یقیناً تم سے بہتر فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی کہانی کو انجام تک لا سکتا ہے تو وہ فقط تم ہو۔ یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے اور بروقت کرنا ہے کہ تمہیں اس شخص کے ساتھ چلنا ہے یا......'' وہ جانے کیوں رک گئی۔ ادعیہ اس کی سمت دیکھتی چلی جا رہی تھی۔ شعاع اس کے چہرے پر سے نگاہ ہٹا کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

''شعاع! یہ فیصلہ فقط مجھ سے نہیں جڑا۔ یقیناً میں بے اختیار ہوں اور میرے ہاتھ خالی ہیں۔ میں تو کوئی مزاحمت تک نہیں کر سکتی۔ کوئی احتجاج تک نہیں کر سکتی۔ آواز نکالوں گی تو بہت سی نگاہوں کا سامنا ہو گا۔ شور کروں گی تو بدنامی آن جکڑے گی۔ کوئی الزام عائد کروں گی تو نظریں نہ ملا پاؤں گی۔ یقین ہے ہار جاؤں گی۔ اور ہار رہی ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں بہت سے سمندر آن رکے تھے۔

شعاع نے اسے دیکھا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا کہ کیا کرے۔ اس نے بس دھیرے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''سو جاؤ...... صبح تمہیں بھی یقیناً جلد اٹھنا ہو گا۔''

ادعیہ میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ اس کی سمت دیکھ سکتی یا چیخ کر اپنی صفائی پیش کر سکتی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے واقعی وہ پستیوں میں گرتی جا رہی ہو۔

''ادعیہ! سوچنے سے انسان مزید الجھتا ہے۔ کوئی حل نہیں نکلتا۔ اور اس طرح تو بالکل بھی نہیں۔ چلو شاباش سو جاؤ۔ سوچتے ہیں کچھ۔''

''شعاع! یہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ نہ ہی اسے چھپانا اتنا آسان ہے۔ مجھے لگتا ہے مجھے امی کو سب صاف صاف بتا دینا چاہئے۔ اس طرح کم از کم میری اپنی روح پر چھایا بوجھ تو کسی طور کم ہوتا محسوس ہو گا۔ شعاع! میں نے کبھی بھی امی سے کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ کبھی دانستہ ان کا دل نہیں دکھایا۔ کبھی ان کا مان توڑنے کی کوشش نہیں کی۔ ہمیشہ اعتماد قائم رکھا۔ مگر اب جیسے ہر شے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اور میرا وجود بھی۔'' اس نے رک کر ایک گہری سانس خارج کی۔ بہت سا پانی رخساروں پر بہہ نکلا۔ وہ نگاہ دوسری سمت کر کے دیکھنے لگی۔

''میں امی کو سب کچھ بتا دوں گی۔'' وہ جیسے ایک حتمی فیصلے پر پہنچی تھی۔

''اور پھر اگر ان کو کچھ ہو گیا تو......؟'' شعاع نے فوراً ہی اسے جیسے جھنجوڑ دیا تھا۔

وہ جیسے بے بسی کے اندھے غار میں جا گری تھی۔

پھر بہت سی سسکیوں کو اندر دباتے ہوئے تکیے پر سر رکھ کے کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

✿......✿
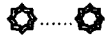
''ہائے نصیب بی بی! تیری بہو تے بہت سمجھدار اے۔ پورے خاندان لئی لیڑے کپڑے، اپنی کائنات لئی سونے دے کڑے، کپڑے تے زیورات۔ بھئی واہ، اساں تے اوہو جئی عقلمند نہ دیکھی نہ سنی۔'' رشتے کی ایک خاتون بہت فراخدلی سے مژگان کے اقدامات کو سراہ رہی تھی۔

''اے، میں تاں سمجھی ساں، کوئی موئی فرنگن ہوئے گی۔ نہ عقل نہ مت، نرا سجن سنورن دا شوق، تنگ چڑھی، گوری چمڑی والی کوئی میم۔ مگر یہ تو بالکل الٹ نکلی، حیرت ہے۔ نصیب بی بی! تجھے اتنی دیر بعد اس لڑکی کی یاد آئی۔ میں ہوندی اگر تیری جگہ تے پہلے دن ہی گھر وچ لے آندی۔'' ایک اور بزرگ خاتون نے اظہار خیال کیا۔ نصیب بی بی مسکرا دیں۔

''بی خالہ! کہتے ہیں دیر آید درست آید۔ اور اس خاندان کا نصیب تھی سو آ گئی۔ یہی ویلا لکھا تھا اس کے لئے اس گھر میں آمد کا۔ میری کائنات کرموں والی ہے جو بچھڑے بھائی اور بھابی کو کھینچ لائی۔ میرا دل تے عرصے سے بے کل تھا۔ پر سیّد صاحب...... ان کی مرضی کے

بغیر میری کہاں چلتی ہے۔ اب بھی جانے کیسے ترس آ گیا مجھ پر۔ جو ساری حیاتی نہ کرنا تھا وہ کرلیا۔ خود گئے لینے، اپنی انا کو مار کے۔''

''انا کو مارنا کیسا بھلئے۔ نیارسی بہو ساتھ لائے ہیں۔ من یا نہ من، ایسی سٹہ بہو تجھے چراغ لے کر ڈھونڈے سے بھی نہ ملتی۔'' آصفہ ممانی نے مسکرا کر کہا تو نصیب بی بی مسکرا دیں۔

''تے ہور کیہ...... جوڑی ہی چن سورج ہے۔ نظر اتارتی رہنا۔'' بی اماں نے بھی مشورہ دیا۔

''اللہ جوڑی سلامت رکھے۔'' خالہ بشریٰ نے دعا دی۔

''آمین۔'' نصیب بی بی نے فوراً کہا۔ ''عرصے بعد ایک خوشی کی گھڑی دیکھی ہے۔ خدا ان خوشیوں کو قائم و دائم رکھے۔'' نصیب بی بی کے دل میں سکون ہی سکون تھا۔

''اے پتر تے آ گیا۔ کیا ہی اچھا ہو کہ کوئی ہور بچھڑیا ہویا بھی آن ملے۔'' پھوپھو زبیدہ نے ایک آہ بھری۔ نصیب بی بی نند کی جانب دیکھنے لگیں۔ زبیدہ پھوپھو کی آنکھوں میں درد ہی درد تھا۔ انہوں نے دھیرے سے مسکرا کر ان کے شانے پر ہاتھ دھر دیا۔

''جیتے رہیں تو آسیں بھی ہمارے سنگ جیتی رہتی ہیں۔ میرا تے ایمان ہے، وقت بے رحم سہی، پر اینا وی نئیں...... دعاواں پوریاں ہوندیاں ضرور ہیں۔ دیر سے ہی سہی پر آہ میں اثر ہو تو ست آسمان کا پردہ چاک ہو ہی جاتا ہے۔'' انہوں نے نند کو بھرپور دلاسہ دیا تھا اور ان کی نگاہوں سے جانے کیوں دو قطرے آن گرے تھے۔

''پگلی!'' نصیب بی بی نے نند کے سر کو اپنے شانے پر دھر لیا۔ ''بس خیریت کی دعائیں مانگا کر۔ پرندے چاہے جتنی بھی دور کی اڑان بھر لیں، اک دن اپنے گھر کو ضرور لوٹتے ہیں۔ پھر ہم ہیں نا۔ تیرے وڈے بھرا جی، تے میں۔ چل اٹھ، بچے دیکھیں گے تو کیا سوچیں گے۔ شام کو تیری بہو کی رونمائی کی رسم ہو گی۔ شادی کو چاہے جتنا عرصہ لنگ گیا ہو، پر ساڈے لئی تو نویں نکور پہلی کی دلہن ہے۔ خیر کون سا وہاں رسمیں پوری ہوئی ہوں گی۔ سارے شگن پورے کروں گی، پورے پنڈ کو لگے گا کہ کسی کے گھر دلہن آئی ہے۔ یونہی تھوڑی دیدار کراؤں گی۔'' نصیب بی بی نے مسکرا کر کہا تو زبیدہ بیگم بھی مسکرا دیں۔ تبھی رہبان آ گیا۔

''کیا ہو رہا ہے اماں؟ میں شہر جا رہا ہوں۔ کسی شے کی ضرورت ہو تو بتا دیں۔'' اماں نے لمبے چوڑے سجیلے بیٹے کو مسکرا کر بغور دیکھا۔

''اے ہے، ضرورت کسی شے کی نئیں۔ اور اعیان کدھر ہے وہ لے آئے گا کجھ لیانا ہوئے گا تے، تو گھر رہ...... شام کی تقریب کے لئے بہت سے کام ہیں۔''

''مگر کائنات کی رسم مایوں تو پرسوں ہے اماں۔'' وہ حیران ہوا۔

''اے اس کی مایوں پرسوں ہے۔ پر تیری رسم آج ہے۔''

''رسم...... کیسی رسم؟'' وہ حیران ہوا۔ نصیب بی بی سمیت دیگر تمام خواتین بھی پُر اشتیاق انداز میں دیکھتے ہوئے دبے دبے انداز میں مسکرانے لگی تھیں۔ اماں تو باقاعدہ ہنس پڑیں۔

''میرے پتر...... سارے شگن پورے کرنے ہیں مجھے۔ آخر اس دل کے بھی ارمان ہیں۔ مجھے اپنی بہو کے ہاتھوں میں ابھی مہندی لگی دیکھنی ہے۔ اسے دلہن کے روپ میں دیکھنا ہے۔ سوہا جوڑا اس کے تن پر دیکھنا ہے۔ سارے چاؤ پورے کرنے ہیں مجھے۔ چاہے کچھ وی بول توں۔''

''اماں!'' رہبان نے محبت سے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ ''میری اچھی اماں! یہ بھی تو سوچیں، لوگ کیا کہیں گے۔ بڈھے گھوڑے لال لگام۔ ہمارا تو وقت گزر گیا۔ پرانے ہو گئے۔ اب تو اعیان کا وقت ہے۔ ساری خواہشیں، حسرتیں اس پر پوری کیجئے۔'' بہت دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''ہا ہائے...... پتر میرے، ابھی تو ہم جوان ہیں، کیسی باتیں کرتے ہو تم؟'' زبیدہ پھوپھو نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی ہنس دیا۔ تبھی نصیب بی بی گویا ہوئیں۔

''خیر سے اعیان کے وقت بھی سارے ارمان نکالوں گی۔ اے تے وقت میرے وڈے پتر کا ہے۔ دولہا بنا دیکھوں گی تو جی میں ٹھنڈ پڑ جائے گی۔''

''اُف...... اماں...... آپ بھی......'' وہ مسکرا دیا۔ تبھی مژگان آ گئی۔ لائٹ براؤن سوٹ میں بالوں کو کلپ کیے، دوپٹہ ایک طرف شانے پر ڈالے، میک اپ سے بے نیاز چہرہ لئے۔ وہ انتہائی جاذب نظر لگ رہی تھی۔ وہ بلا ارادہ دیکھنے لگا تھا۔

''ارے اچھا ہوا، بہو بیگم بھی آ گئی۔ آؤ پتر، آؤ۔'' بی اماں نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ وہ ان بہت سی بزرگ خواتین سے اگرچہ واقف نہیں بھی تھی مگر اس کے باوجود جھک کر آداب بجا لائی۔

''کوئی کام ہو تو بتا دیں اماں۔'' بہت دھیمے لہجے میں وہ پوچھتی ہوئی مکمل طور پر ایک ے دار بہو لگی۔ وہ جانے کیوں چہرہ دوسری جانب گھما کر مسکرانے لگا۔ مژگان نے اسے دیکھا تھا۔ مگر صورتحال سمجھنے سے قاصر رہی تھی۔

''اے کم کرنے کو ملازموں کی اک فوج ہے بہو۔ تجھے کم کرنے کی کیا لوڑ ہے۔'' ممانی بیگم مسکرائیں۔ نصیب بی بی نے مسکراتے ہوئے اس کی بلائیں لیں۔

"جیتی رہ میری بچی۔ کم تے کوئی نئیں، توں ویسے ہی بیٹھ میرے کول۔ تجھے دیکھوں، دل نہیں بھرتا میرا تے۔" اماں کہتے ہوئے مسکرائیں۔ وہ نگاہ جھکا کر مسکرا دی۔ رہبان بھی اسے بغور دیکھتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ تبھی چھوٹی ممانی نے اس کے سر پر سرخ زرتار آنچل ڈال دیا تھا جس پر وہ تھوڑی دیر قبل زری ٹانک رہی تھیں۔

"دیکھ تے سہی، کیسی لگتی ہے ہمارے رہبان کی ووہٹی۔" وہ لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔ نگاہ لمحہ بھر میں اس مہربان شخص سے ٹکرائی تھی۔ اپنے نام کا آنچل دیکھتے ہوئے اس کی نگاہوں میں بہت نرمی تھی اور لبوں پر دھیمی مسکراہٹ۔ یقیناً انداز ستائشی تھا۔

"ہائے، کتنی سوہنی لگ رہی ہے بہو رانی۔" زبیدہ پھوپھو نے مسکرا کر تعریفی کلمات ادا کئے تھے۔ "لگتا ہے چاند سے کوئی پری زمین پر اتر آئی ہو۔ کیوں، ہے نا رہبان؟" بہت شرارت سے پلٹ کر وہ رہبان کی سمت دیکھنے لگی تھیں۔ اس کے لبوں پر بہت دھیمی مسکراہٹ تھی۔

"لگتا ہے واقعی کوئی چاند ہے۔" ممانی مسکرا رہی تھیں۔

"تبھی تو چرا لایا ہوں۔" اس نے بہت دھیمے انداز میں گویا انکشاف کیا تھا۔ تمام خواتین اس کی شرارت پر محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا دی تھیں۔ جبکہ وہ نگاہ اٹھا کر لمحہ بھر کو اسے دیکھنے لگی تھی۔

بنا کچھ کہے بھی جیسے وہ لمحہ قیامت تھا۔ اس کی بھوری آنکھوں میں شاید کچھ تھا۔ وہ دیکھنے کی خواہش کے باوجود جیسے ہار گئی تھی اور سر جھکا گئی تھی۔

"اے بہو! عرصہ کتنا ہوا ہے شادی کو؟" بی اماں نے چشمے کے پیچھے سے دھان پان سی مژگان کو بغور جانچا۔

مژگان نے پہلی فرصت میں اس کی جانب دیکھا تھا۔ دونوں کی نگاہیں ملیں اور وہ جیسے کچھ اخذ نہ کر سکی۔

"جی...... شاید سات یا آٹھ ماہ۔" وہ یقیناً ان بزرگ خاتون کی جانب سے پوچھے گئے سوال کی نوعیت نہ جان سکی تھی۔ تبھی بہت مدھم انداز میں رہبان کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا تھا۔

"اے...... پھر تو خیر ہے۔ زندگی پڑی ہے۔ خیر سے نئی نویلی دُلہن ہو۔"

"جی......" وہ یقیناً چونک گئی تھی۔ دیگر رشتے دار خواتین کے چہروں پر رقصاں مسکراہٹ اسے بہت کچھ سمجھانے کو کافی تھی۔

حواس باختہ انداز میں نگاہ اس شخص سے ٹکرائی تھی۔ وہ یقیناً اس صورتحال کو نہ صرف سمجھ رہا تھا بلکہ اس کے منہ پھیر کر مسکرانے پر وہ اپنی جگہ جیسے خجل سی ہو کر رہ گئی تھی۔

بے طرح شرمندگی نے آن گھیرا تھا۔ نظریں پل کے پل میں زمین سے جا لگی تھیں۔

اس نے بہت آہستگی سے آنچل سر پر سے اتارنا چاہا تھا۔

"اے بہو! رہنے دے۔ شگنوں کا آنچل ہے۔ سج رہا ہے تجھ پر۔" ممانی جان نے اصرار کیا۔

نگاہ ایک بار پھر اس شخص سے جا ٹکرائی تھی۔ اس کے انداز میں اب کے بہت ملائمت تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ زیادہ دیر نہ دیکھ سکی تھی اور نگاہ پھیر لی۔

❁......❁
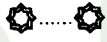
"سیّد صاحب شہر سے اپنی بہت سوہنی بہو تے بیٹے نوں لے کے واپس پلٹ آئے ہیں۔ ووہٹی تے رج کے سوہنی ہے۔ وڈے پتر دے نال تے جوڑی بڑی پھبدی ہے۔ دونوں جیویں (جیسے) ایک دوجے لئی بنے ہوں۔" بے بے نے حویلی سے لوٹ کر ایک نئی اطلاع دی تھی۔ وہ یکدم ہی روٹی بناتی ہوئی چونک پڑی تھی۔

"چوہدری صاحب لوٹ آئے؟" وہ جیسے زیرِ لب بڑبڑائی تھی۔ بے بے چونکے بغیر بولتی چلی گئی تھی۔

"بہت عرصے سے طاری سکوت یکدم ہی حویلی میں سے دُم دبا کر بھاگ گیا۔ چوہدری صاحب نے بڑا ہی اچھا فیصلہ کیتا۔ وڈی گل تے یہ ہے کہ کسی نوں کنوں کن خبر نہ پئی کہ چوہدری صاحب چھوٹے پتر دے نال کیہڑی مہم تے گئے نے۔ جس دن لوٹے، اس دن سب لوکاں نوں خبر پئی۔ کجھ وی ہووے، چوہدرائن بڑی خوش نے۔ دل کی مراد بر آئی ہے۔ ج شام نوں بہو دے شگن کرن دا نیوتہ دِتا۔ چلیں تو وی۔"

"شگن...... وہ کیوں بے بے؟ ان کی شادی تو ہو چکی ہے ناں؟" وہ جیسے ایک جذب کی ی کیفیت میں گویا ہوئی تھی۔

"اے جھلئے، وڈے لوگاں دیاں وڈیاں باتاں۔ شادی ہو چکی پر چوہدرائن کے دل کے رمان تے باقی ہیں ابھی۔ ملازموں کو بہت کچھ نوازیں گے۔ دیگیں پہ دیگیں پکیں گی۔ گھر ابھی سے سج چکا ہے۔ برقی قمقمے روشن ہیں، شہنائیاں گونج رہی ہیں۔ دوہٹی کے ہاتھوں میں شگنوں ی مہندی سجائی جا رہی ہے۔"

"وڈے سرکار کی دُلہن کیا ولایت کی ہیں؟"

"اے ہاں، ہے تو ولایت سے ہی۔ گاؤں پہلی وار دیکھا ہے۔"

"کیا گوری میم ہے کوئی؟" سیو مسکرائی۔

"اے نہیں۔ خیر سے اپنے ہی ملک کی ہے۔ پر لگتی میم ہی اے۔ رج کے سوہنی...... گوری چٹی...... فرفر انگریزی بولتی۔"

"ارے پھر تو کسی دوسرے بندے کو اس کی زبان سمجھ میں نہیں آتی ہو گی۔" سیو نے توے پر سے روٹی اتاری۔

"اے نہیں...... ہون اینی وی اوکھی بولی نہیں بولدی۔ سب رشتے داراں نال تے اپنی ہی بولی بولدی اے۔" بے بے نے اسے دیکھا۔ "اے بس کر...... شام میں حویلی سے کھانا آ جائے گیا۔ زیادہ روٹیاں مت بنا۔"

"شام کا ویلا شام نال۔" سیو مسکرائی۔ "پر بے بے! میں کپڑے کون سے پہنوں گی؟" اسے اپنی فکر ہوئی۔ جانے کیوں دل بے حد حسین دِکھنے کو چاہا۔ بے پناہ حسین نظر آنے کو۔

"چل، تجھے تو اپنی فکر ستانے لگی۔" بے بے نے اسے گھورا۔ "پہن لینا کوئی بھی ایک۔ چھوٹی بی بی نے تے تجھے درجنوں جوڑے دے رکھے ہیں۔"

"ہاں پر......" وہ کچھ کہتے کہتے رہ گئی۔ بے بے نے اسے دیکھا۔

"اب اٹھ جا۔ پھر تیاری میں ویلا لگا دے گی۔"

اس نے توا اتار کر ایک طرف دھرا اور خود اٹھ کر کمرے میں آ گئی۔ اٹیچی کھول کر سب سے حسین جوڑا منتخب کرنے کی کوشش میں وہ کئی لمحوں تک اسی طرح اٹیچی پر جھکی رہی تھی۔

"اے، نہا تے لے پہلے...... سارا ویلا ایویں صرف کر دے گی؟" بے بے کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی اور وہ فوراً ہی تولیہ لے کر باہر نکل گئی تھی۔

دل میں بہت ہلچل سی تھی۔ طبیعت میں ایک عجیب طرح کی سرشاری تھی۔

جسم میں ایک تازہ روح کے دوڑنے کا گمان یقین کی حد تک تھا۔

اندر تک ایک اطمینان روح کو پُرسکون کر رہا تھا۔

کوئی دسترس میں نہ سہی۔

مگر دل کے قریب، نظر کے قریب پھر سے لوٹ آیا تھا۔

یہ چھوٹی سی بات بھی دل کو دھڑکانے اور مطمئن و خوش کرنے کو کافی تھی۔

لب خود بخود گنگنا رہے تھے۔

کسی کو زیر کرنے، اپنی طرف متوجہ کرنے کے خیال سے سو جتن سوچے جا رہے تھے۔

بل کانٹوں سے لیس ہو کر، سج سنور کر ایسا روپ اختیار کرنے کو جی مچل رہا تھا کہ دیکھنے لی نگاہ پل بھر میں خیرہ ہو جائے۔ آئے تو پھر لوٹ کر واپس پلٹنا بھول جائے۔

لٹ جائے، ساکت ہو جائے۔

گھائل کر دے، مار ڈالے۔ کہیں کا نہ چھوڑے۔

کتنی حسرتیں تھیں ننھے منے سے دل میں۔ کتنی خواہشیں اور امنگیں تھیں۔

"اے سیو، کب نکلے گی تو۔ بس وی کر۔ ویلا لنگ رہا ہے۔" بے بے نے باہر سے واز دی تھی اور اس نے "جی اچھا" کہہ کر جلدی سے آنکھوں میں کجلے کی ایک دھاری ئی تھی۔ اس کے بعد بغور آئینے میں اپنا عکس دیکھا تھا۔ "آئینہ" جانے کیا کہہ رہا تھا۔ وہ ں دھیرے سے مسکرا دی تھی اور پھر کاجل بھری نگاہوں کو جھکا کر سر پر آنچل ڈالتی ہوئی ہر نکل آئی تھی۔

✿......✿

اس کا پور پور سجایا گیا تھا۔ روایتی دُلہنوں کا سا انداز دیا گیا تھا۔ بھاری زیورات کا بوجھ ن کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ سر پر سرخ بھاری زرتار آنچل، کورے دبکے کے بھاری ام سے مزین جدید تراش خراش کا لہنگا، ہاتھوں پر بلکہ کلائیوں تک لگی مہندی۔ اسے اپنا وجود ایا لگ رہا تھا۔

قد آدم آئینے میں وہ اپنا عکس دیکھ کر آپ حیران تھی۔ کیسا روپ تھا یہ۔ کیسا سنگھار۔ کس ے نام سے اس کا پور پور سجا تھا۔ وجود مہک رہا تھا۔

کلائیوں میں بجی چوڑیاں، ماتھے کا جھومر، پیشانی پر جھولتا ٹیکا، سرخ زرتار آنچل...... کس ے لئے تھا یہ سب کچھ؟ کس کے نام سے تھا؟ کس حیثیت سے تھا؟ کس تعلق سے تھا؟ وہ ینے میں اپنے عکس کو دیکھتی ہوئی بہت کھوئے کھوئے سے انداز میں ہر زاویئے پر سوچ رہی ی۔ جانے کیوں۔ مگر بہت سی سوچیں ذہن میں تھیں۔ دل میں طوفان اٹھا رہی تھیں۔ بہت امت کا منظر تھا، روح تک میں بھونچال سا تھا۔ وہ اسی طرح ساکت سی کھڑی تھی۔ ابھی ائنات بیوٹیشن کو چھوڑنے باہر تک گئی تھی۔ کمرے میں اس کے علاوہ کوئی نہ تھا۔ شاید تبھی سے اپنے سے الجھنے کا وقت مل گیا تھا۔ جانے کس خیال کے تحت اس نے اپنے عکس کو دیکھتے وئے باقاعدہ اپنے چہرے کو چھوا تھا۔

تبھی دروازہ بہت آہستہ سے کھلا تھا۔ آنے والے نے اندر قدم رکھے تھے۔ اس کا دل یکبارگی دھڑکا تھا مگر وہ اپنی جگہ اسی طرح ساکت رہی تھی۔ نہ تو پلٹی تھی، نہ ہی اس کی سمت

دیکھا تھا۔ ایک عجیب سے احساس نے اس کا گھیراؤ کر رکھا تھا جو ناقابل بیان اور انوکھا تھا جسے کم از کم وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ آنے والے نے وہیں رک کر ساکت زاویہ نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔ اس کی پشت تھی، مگر دھڑکنوں کا شور پھر بھی قیامت خیز تھا۔

دیکھنے والے کی نگاہوں کا رخ یا تو اس کی پشت پر تھا یا اس کے آئینے میں جھلکتے عکس پر۔ مگر پھر بھی جانے کیوں اسے اپنا چہرہ جھلستا ہوا محسوس ہوا تھا۔

لمحے جیسے تھمنے لگے تھے۔

خاموشی بڑھنے لگی تھی۔

اور......!

اس نے آنچل درست کرنے کو یونہی ہاتھ کو جنبش دی تھی۔ کمرے میں چارسُو جیسے ایک جلترنگ بج اٹھا تھا۔ وہ تمام ہمتوں کو مجتمع کرتے ہوئے مڑی تھی۔ نگاہ اس سے ملی تھی۔ وہ بہت اپنائیت سے مسکرا رہا تھا۔ شاید اس کی کیفیت کو سمجھتے ہوئے اس کا اعتماد جیسے بڑھ گیا تھا۔ وہ بھی بہت آہستگی سے مسکرا دی تھی۔

''کیسی لگ رہی ہوں؟'' شاید اپنی خجالت مٹانے کو اور خود کو پُر اعتماد ظاہر کرنے کو وہ مسکرا کر دوستانہ انداز میں گویا ہوئی تھی۔

دیکھنے والے نے سرتا پیر اس کا بغور جائزہ لیا تھا پھر بہت ستائشی نگاہ تھی۔ لبوں کی دھیمی مسکراہٹ شکست خوردہ کرنے کو کافی تھی۔

''بہت اچھی...... بہت مختلف۔'' دیکھنے والے نے مکمل طور پر سچ سے کام لیا تھا۔

مژگان یونہی ہنس دی تھی۔ ''میں نے پہلی بار اتنی ہیوی جیولری استعمال کی ہے۔ اور اتنا ہیوی میک اپ۔'' اس نے اپنی کلائی کی چوڑی سے کھیلتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔ ''جانتے ہیں مجھے کیا لگ رہا ہے؟''

''کیا؟'' بہت دھیمے لہجے میں دریافت کیا گیا۔

وہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی مسکرا دی۔

''کسی افسانوی ماحول سے گزر رہی ہوں۔ کوئی خوابناک قصہ، سب کچھ ناقابل یقین، ناقابل بیان، ناقابل فراموش۔ مگر اس کے باوجود حقیقت۔'' وہ ہنس دی۔ ''آج سے قبل ایسا یا تو میں نے میگزینز میں دیکھا یا پھر آن اسکرین ڈراموں میں۔ کتنے شاہانہ سے انداز میں۔ میں تو خود کو کسی مغلیہ دور میں چلتا پھرتا محسوس کر رہی ہوں۔ شاید تم یقین نہ کرو، مگر فقط اس ڈریس کا وزن میرے وزن سے دوگنا ہے۔''

رہبان عالم شاہ نے دیکھا، وہ مسکرا رہی تھی۔ سرتا پیر اس کا سجا وجود بہت انوکھا انداز ختیار کیے ہوئے تھا۔ بہت الگ روپ تھا اس لڑکی کا اس کے سامنے۔ وہ جو عام روٹین میں الکل ہی خود سے بے خبر اور لاتعلق رہتی تھی، آج ایک قیامت کا روپ دھارے اس کے سامنے تھی۔ یہ حسین ترین روپ، یہ ہار سنگھار، یہ مکمل تیاری اس کے نام سے تھی۔

اس تعلق کے باعث جوان دونوں کے درمیان تھا۔

وہ تعلق جو فقط ایک ''وقتی ایگریمنٹ'' تھا۔

ایک کاغذی تعلق!!

رہبان عالم شاہ نے بہت آہستگی سے نگاہ کا زاویہ پھیر لیا تھا۔

''مگر اس کے باوجود تم اچھی لگ رہی ہو۔'' انداز صاف گوئی کا سا تھا۔ مژگان کے لبوں ی مسکراہٹ یکدم ہی غائب ہوگئی تھی۔

''مژگان!'' اس نے بہت مدھم انداز میں اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ چونک کر دیکھنے لگی ھی۔ وہ قدرے قریب تھا، اس کی جانب بہت نرمی کے ساتھ دوستانہ انداز میں دیکھتا ہوا۔

''بہت شکریہ......'' وہ یقیناً اس تمام اقدام کے طور پر اس کا احسان مند تھا۔ شکریے کا نقاضی تھا۔

''ارے!'' وہ مسکرا دی۔ پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔ ''جو آپ نے کیا، اس کے جواب میں یہ کچھ بھی نہیں رہبان عالم شاہ!'' اس کی جانب بغور دیکھتی ہوئی وہ بولی تھی۔ پھر جانے لیوں بہت ہولے سے ہنس دی تھی۔ ''ویسے آپ بھی خاصے اچھے اور مختلف لگ رہے ہیں۔'' بدید انداز کے روایتی دولہا ڈریس اور پگڑی میں وہ واقعی بہت امپریسو اور ہینڈسم لگ رہا تھا۔ ژگان کے اس طرح کہنے پر وہ بہت جاندار انداز میں مسکرایا تھا۔

''میرا خیال ہے ہمیں باہر چلنا چاہیۓ اس سے قبل کہ ہمیں کوئی باقاعدہ لینے آئے۔''

مژگان کا دل جانے کیوں بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ ہاتھ پسینے سے تر تھے۔ وہ تنے لوگوں کی نگاہوں کا سامنا کرنے کے خیال سے ہی بہت کنفیوژ ہو رہی تھی۔ اس کنڈیشن ں اس کا سب کے سامنے جانا ایک مختلف امر تھا۔ وہ اگرچہ مستقل پُر اعتماد انداز سے مسکرا ہی تھی مگر اس کے باوجود جانے کیسے وہ شخص اس کی پرابلم جان گیا تھا تبھی بہت نرمی سے سکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

مژگان کے پورے وجود میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ بے ساختہ نگاہ اٹھا کر اس شخص کی ست دیکھا تھا۔ وہ بہت نرمی کے ساتھ اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"چلیں؟" قدم اس کی اجازت کے منتظر تھے۔

مژگان نے بہت آہستگی کے ساتھ قدم راہ پر ڈال دیئے تھے۔ اس راہ پر، جس پر وہ شخص اس کا ہاتھ تھامے اس کا ہمقدم تھا۔

ساتھ وقتی تھا۔

ہمسفر وقتی تھا۔

مگر وہ چل رہی تھی۔

اس راہ پر!

جہاں سے واپسی یقینی تھی۔

جہاں سے ایک نہ ایک دن پلٹنا شرط تھا......!

✿......✿
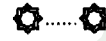
کتنے بہت سے لوگ تھے۔ پتہ نہیں کتنے گاؤں کے چوہدریوں اور ملکوں کی فیملیز مدعو تھیں۔ اسے یہ تقریب بہت ڈرامائی انداز کی لگ رہی تھی۔ جیسے واقعی وہ کسی افسانوی دور سے گزر رہی ہو۔ افراد کا ہجوم، خوشبوؤں کا نگر! بہت روایتی انداز۔ بہت پُرتکلف سی محفل۔

"نصیب بی بی! تیرا پتر تو واقعی آسمان سے چن چرا لایا ہے۔" ایک بہت تک سک سے تیار خاتون کی آواز اس کے کان میں پڑی تھی۔

"تو اور کیا۔ مجھے تو کوئی پری لگ رہی ہے۔ مان گئے ہم تو نصیب بیگم۔ آپ کے خاندان کی تو کایا پلٹ گئی۔ ایسی تقریب، ایسا اہتمام، ایسی حسین جوڑی، نہ دیکھی نہ سنی۔ رہبان عالم شاہ واقعی داد کا مستحق ہے۔ اس کی پسند لاجواب ہے۔" ایک اور ستائشی آواز بہت وضع قطع کے ساتھ سنائی دی۔ غالباً یہ کوئی نواب خاندان سے تعلق رکھنے والی خاتون کی رائے تھی۔

اماں کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر وہ کتنی دیر دیکھتی ہی گئی تھی۔

"بھابی!" تبھی کائنات نے اس کے حواس کو آن جھنجوڑا تھا۔ وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

"ہوں......!" مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

"پتہ ہے، ہمارے خاندان کی یہ پہلی تقریب ہے اور ماحول اس قدر دلکش۔ دل کی کیفیت کیا بتاؤں، ساتویں آسمان پر اُڑنے کو جی مچل رہا ہے۔ یہ سب مسرتیں آپ کے باعث ہیں۔ آپ کے وجود سے۔ تھینک یو بھابی!" اس کا ہاتھ آہستگی سے تھام کر وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

یہ کس مسند پر بٹھایا جا رہا تھا اسے۔

کس مقام سے نوازا جا رہا تھا۔

وہ اس تمام کی اہل تو نہ تھی۔ نہ ہی حق دار۔

"بھابی!" کائنات اسے دیکھتی ہوئی ہولے سے چہچہی تھی۔ وہ چونکی تھی، پھر مسکرا دی تھی۔ سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا کہ کیا کہے، کس طرح کا ری ایکشن دے۔ اور کائنات کہہ رہی تھی۔

"اس تمام عرصے میں بلکہ میں نے اپنی پوری زندگی میں اماں اور ابا جی کو اتنا خوش اور مطمئن نہیں دیکھا۔ یہ رنگ و بو، یہ خوشیاں، یہ مسرتیں، یہ سب آپ کے باعث ہیں۔ پلیز ان خوشیوں کو بکھرنے مت دیجئے گا۔ یہ ماحول، یہ زندگی کا احساس برقرار رکھئے گا۔"

وہ اس کی درخواست کا کیا جواب دیتی۔ اس کے ہاتھ تو خالی تھے۔ اتنی محبتوں، اتنی عنایتوں کے جواب میں وہ کچھ بھی نہیں دے سکتی تھی۔ فقط تہی داماں تھی وہ۔

"رہبان، آئی مین تمہارے بھیا کہاں ہیں؟" وہ جواب میں بولی تھی اور کائنات کی نگاہوں میں بہت سی شوخی جھلملانے لگی تھی۔ بہت شرارت سے وہ مژگان کی سمت تکنے لگی تھی۔

"بھابی! اگر کہیں تو بلا لوں بھائی جی کو؟" کتنی لطیف شرارت تھی۔ وہ مسکرا دی تھی جواب میں۔ تبھی قریب سے سیو گزری تھی۔ کائنات نے اسے آواز دے کر بلا لیا تھا۔

"جی......؟" وہ نازک اندام سی الہڑ دوشیزہ، بوکھلائی ہوئی سی، نگاہ نہ اٹھا پا رہی تھی۔

"ارے دُلہن مژگان بھابی بنی ہیں اور شرما لجا تم رہی ہو۔" کائنات نے اسے شانوں سے تھام کر شوخی سے کہا تھا۔ مژگان اس نوعمر سی لڑکی کو دلچسپی سے دیکھتی ہوئی مسکرائی تھی۔ کائنات کی شرارت پر اس کا سر اور بھی جھک گیا تھا۔ چہرہ پہلے ہی سرخی لئے ہوئے تھا، اب تو گلال اور بھی بڑھ گیا تھا۔ مگر کائنات پھر بھی ہنس رہی تھی۔

"بھابی! شی از سیو۔ آئی مین سویرا۔ اس کا نہ صرف نام سویرا ہے بلکہ یہ خود بھی بہت اجلی اجلی سی لڑکی ہے۔ اس گاؤں میں میری اگر کوئی اچھی دوست ہے تو وہ یہی ہے۔" کائنات نے اس کا تعارف کرایا تو مژگان نے اسے بغور دیکھا۔

بلیو رنگ کے آنچل کو سر پر جمائے اور اس کے ایک کونے کو قدرے چہرے کے گرد گرہ کئے وہ اس وقت بہت کنفیوژ تھی۔ بہت معمولی سا ڈریس ہونے کے باوجود "حسن" کا پیمانہ لبریز تھا۔

"بہت اچھی ہے سیو تو۔ اب یقیناً یہ میری بھی دوست بن جائے گی۔ ہے نا سیو؟" وہ اس کی کنفیوژن کو کم کرنے کے خیال سے مسکراتی ہوئی اسے دیکھنے لگی تھی۔ سیو نے اپنی بلوریں

نگاہ اٹھا کر اس پری رخ کو دیکھا تھا۔

''جی...... جی......'' بولتے سے جانے کیوں زبان لڑکھڑا گئی تھی۔ مژگان مسکرا دی تھی۔

''سیو! میری بھابی اچھی ہیں نا؟'' کائنات بے تکلفی سے دریافت کر رہی تھی۔

''جی...... بہت...... بہت زیادہ خوبصورت...... میں نے...... میں نے اپنی ساری زندگی میں ان سے زیادہ خوبصورت دلہن نہیں دیکھی جی۔''

''ارے۔'' مژگان یکدم ہی ہنس پڑی تھی۔ اس کے اس انداز پر سیو بھی مسکرا دی تھی۔

''بھئی آخر کو ہماری بھابی ہیں۔ لیکن تم یہ بھی تو دیکھو نا سیو! کہ میرے بھیا بھی کس قدر حسین و جمیل ہیں۔ دیکھو، اس تمام ہجوم میں تمہیں نظر آتا ہے کوئی اور ان جیسا؟'' کائنات نے اردگرد موجود تمام ہجوم میں ان جیسا کوئی اور ڈھونڈنے کا گویا چیلنج دیا تھا۔

سیو کا ارادہ اگرچہ ایسا قطعی نہ تھا کہ رہبان عالم شاہ کا کوئی مدمقابل تلاشتی۔ مگر نگاہ جانے کیسے اٹھی تھی اور اس سمت جا ٹھہری تھی جہاں اعیان عالم شاہ، رہبان عالم شاہ اور دیگر لوگوں کے ساتھ کھڑا کچھ کہتا ہوا مسکرا رہا تھا۔

سیو نے شاید رہبان عالم شاہ کو ہی دیکھنا چاہا تھا مگر نگاہ جیسے ایک ہی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ ایک ہی منظر پر جم گئی تھی۔

''ارے بس بھئی...... اب کیا نظر لگاؤ گی؟'' کائنات نے مسکرا کر چھیڑا تھا اور سیو بوکھلا کر رہ گئی تھی۔ کسی سہمی ہوئی ہرنی کی سی نگاہیں تھیں۔ چشم آہو......!

''خدا جوڑ... جوڑی سلامت رکھے۔'' اپنی بوکھلاہٹ مٹانے کو سیو نے فوراً ہی دعا دی تھی۔

''آمین!'' سیو کے جملے پر کائنات بے ساختہ بولی تو مژگان کے مسکراتے لب یکدم ہی سکڑ گئے تھے۔

''تمہارا نام بہت خوبصورت ہے سویرا۔ لیکن اتنا خوبصورت نام ہونے کے باوجود تم خود کو سیو کیوں کہلواتی ہو؟'' مژگان نے یونہی دریافت کیا تھا۔ شاید اپنے اندر کے سکوت کے ڈر سے وہ کچھ بولتے رہنا چاہتی تھی۔

''وہ جی...... ہمارے ہاں ایسے نام نہیں ہوتے ناں۔ پھر نہ ہی کسی کے پاس اتنا وقت ہے کہ پورے نام پکار سکے۔ سو آدھے نام ہی مناسب خیال کئے جاتے ہیں۔'' سیو کا وضاحتی انداز بہت معصوم اور لاجواب تھا۔ کائنات سمیت مژگان بھی ہنس دی تھی۔

''آپ کو پتہ ہے بھابی! میں سیو کو پڑھا رہی ہوں اور یہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ اس نے چند ہی دنوں میں بہت امپروومنٹ کی ہے اور بہت کچھ سیکھ لیا ہے۔ اب انشاء اللہ کچھ مزید

تیاری کے بعد میٹرک کا امتحان دے گی اور اس طرح یہ گاؤں کی پہلی لڑکی ہو گی جو کہ میٹرک پاس ہو گی۔''

سیو اپنی تعریف پر مسکرانے لگی تھی۔ اس کی بلوریں آنکھوں کی چمک بڑھنے لگی تھی۔

''بھابی! میرے چلے جانے کے بعد آپ کو اسے پڑھانا ہو گا۔ اور مجھے یقین ہے آپ کو ایسا کرنے میں کوئی تامل نہیں ہو گا۔''

''ہاں، ہاں کیوں نہیں۔'' مژگان نے ایک سرد آہ خارج کی۔ ''لیکن کیا اتنی بڑی آبادی میں کوئی سکول نہیں ہے یہاں؟''

''سکول تو ہے۔ مگر لڑکیوں کے لئے نہیں۔ فقط پرائمری تک ایجوکیشن رائج ہے یہاں۔ اس کے بعد والدین اپنی بچیوں کو گھر میں بٹھا لیتے ہیں۔ اور کچھ لوگ تو پرائمری تک کو بھی معیوب خیال کرتے ہیں۔ بھابی! یہاں نظام بہت مختلف ہے۔ یہاں بیٹرمنٹ کی بہت اشد ضرورت ہے۔ اس نظام، اس سوچ کو بدلنے کی سخت ضرورت ہے۔ آپ حیران ہوں گی مگر یہاں بنیادی ضرورتوں کے لئے بھی لوگ سینس نہیں رکھتے۔ میں بہت کچھ کرنا چاہتی تھی مگر ابا جی نے بیچ میں یہ شادی کا بکھیڑا ڈال دیا۔'' کائنات کی فکر پر مژگان ہولے سے مسکرا دی۔ وہ یقیناً یہاں ہمیشہ کے لئے نہیں آئی تھی نہ ہی ہمیشہ کے لئے کوئی عہد نبھانے کی ذمے داری لے سکتی تھی۔

وہ کوئی رسمی وعدے کی زنجیر بھی نہ باندھ سکتی تھی۔

کوئی وقتی رسم بھی نہ نبھا سکتی تھی۔

فقط لفاظی کے طور پر کوئی پیمان نہ باندھ سکتی تھی۔ شاید تبھی وہ سر جھکا گئی تھی۔

''تمہاری پوری سسرال مدعو ہے۔ مگر وہ حضرت کیوں نہیں آئے؟'' سر اٹھا کر وہ بولی تھی تو موضوع یکسر ہی بدل دیا تھا۔ کائنات کے چہرے پر یہاں سے وہاں تک رنگ ہی رنگ بکھرتے چلے گئے تھے۔

''بھابی! شادی میں اتنے کم دن رہ جائیں تو کچھ روایتی باتوں کو ماننا پڑتا ہے۔ یہاں یہی ہوتا ہے۔'' کائنات سر جھکا کر بولی تھی۔

''اوہ......'' مژگان نے ہونٹ سکوڑے تھے۔

تبھی اعیان آ گیا تھا۔ سیو کی جیسے سانسیں تھمنے لگی تھیں۔ نظریں زمین سے جا لگی تھیں مگر آنے والا اس پر اک سرسری سی نگاہ بھی ڈالے بغیر کائنات سے مخاطب تھا۔

''بھابی کو اندر لے جاؤ۔ یہ تھک گئی ہوں گی۔''

"بہت جلدی خیال آ گیا؟" مژگان نے بڑا اپن جتایا۔ وہ مسکرا دیا۔

"کہاں آپ جیسی دھان پان لڑکی، کہاں یہ من دو من کا بوجھ۔ خیال ہے مجھے۔ مگر افسوس آپ کی کوئی بھی مدد کرنے سے قاصر ہوں۔"

مژگان کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔ تبھی وہ پلٹ کر کائنات کے ساتھ اندر کی جانب بڑھنے لگی تھی۔ بہت ساکت سی سیو نے بھی قدم اٹھائے تھے۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟" اعیان عالم شاہ کی بھاری آواز نے جیسے اس کے قدم پھر سے وہیں باندھ ڈالے تھے۔ وہ فقط دو یا تین قدم کے فاصلے پر تھا۔ سیو کی نگاہ تو کیا ہی اٹھتی، اس کا بس تو اپنے دل کی دھڑکنوں پر بھی کسی طور نہ چل رہا تھا۔ نگاہیں گرفت میں آ ہی نہ رہی تھیں۔ وہ ستمگر، اجنبی، خوشبوؤں کا پیکر، خوشبو صفت شخص اس کے قریب تھا۔ بے حد قریب۔ اسے بغور دیکھتا ہوا۔ وہ اس کی نگاہ کا محور تھی۔ کسی طور بھی سہی، وہ اس پر نگاہ جمائے ہوئے تھا۔ کسی بہانے ہی سہی، وہ اس کی سمت بغور تک رہا تھا۔ اس کی جانب نگاہ مرکوز کئے ہوئے تھا۔

یہ لمحہ گویا دل کی مراد بر لایا تھا۔

دل کی حسرتوں اور خواہشوں کے لئے زندگی بخشتا ہوا لمحہ تھا۔

مگر اس میں اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ وہ اس کی جانب نگاہ اٹھا کر نظر کر سکتی۔

اسے فقط خاموش نظروں سے تک کر اپنا اسیر کر سکتی یا کچھ اور نہیں تو کسی قدر بے قراری ہی سونپ سکتی۔ اس کی روح پر کوئی منتر پھونک کر بے چین ہی کر سکتی۔

فقط ایک لمحے کو ہی سہی، مگر ایسا کچھ بھی ممکن نہ تھا۔

وہ اپنی بلوریں آنکھوں کو سرسبز گھاس پر جمائے جانے کیا تلاش کرنے کی کوشش میں سرگرداں تھی۔ نگاہ تھی کہ اٹھ ہی نہ رہی تھی۔ حالانکہ معرکہ اتنا مشکل تو نہ تھا۔

اگر کھیلتی تو جیتنا مشکل بھی نہ تھا اور اگر جیتتی نہ بھی تو ہار بھی کچھ بری نہ تھی۔

اگر مقابلے میں شامل ہوا جائے۔ باقاعدہ، باضابطہ کھیلا جائے تو "ہارنے" کے بھی چانسز ہوتے ہیں۔ لیکن اگر مقابلے میں شامل ہی نہ ہوا جائے تو ہاتھ کچھ بھی نہیں آتا۔ نہ جیت، نہ ہار۔ مگر وائے قسمت، اس میں کھیلنے کی بھی ہمت نہ تھی۔

وہ سامنے تھا۔

مدمقابل تھا۔

اس کی جانب تک رہا تھا۔ نگاہ جمائے ہوئے تھا۔

مگر اس کی زبان تالو سے چپکی ہوئی تھی۔

نگاہ تھی کہ زمین سے جا لگی تھی۔

اس میں "ہار" اور "جیت" تو ایک طرف، سرے سے کھیلنے کا ہی یارا نہ تھا۔

"تمہیں اماں بلا رہی ہیں۔ وقت ضائع کئے بغیر ان کے پاس چلی جاؤ۔ کوئی ضروری کام ہے۔ دیر مت کرنا۔ اوکے۔" وہ بہت تحکم بھرے انداز میں کہتا ہوا پلٹا تھا اور زمین کے سینے پر بہت مضبوطی کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے ایک شان، ایک تفاخر کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔

اور سیو دھیرے سے نگاہ اٹھا کر اس کی پشت کو جانے کیوں دیر تک دیکھتی چلی گئی تھی۔

✿......✿
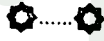
چھٹی کا دن تھا۔ سب ماموں کے ہاں جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے اور اس کے پاس کوئی بہانہ نہ تھا۔ وہ بہت سے ریڈنگ میٹریل اور بکس پھیلا کر یونہی بیٹھ گئی تھی۔ اندر تک وحشت ہی وحشت تھی۔

جی چاہ رہا تھا، کوئی راہ فرار کی ہو اور وہ اس پر بھاگتی چلی جائے۔

مگر کوئی ایسا قطعی گمان کہیں نہ تھا۔ کہیں کوئی راہ نہ تھی، کوئی سمت نہ تھی۔ وہ بہت بے بسی کے ساتھ پُر وحشت انداز میں نفی میں سر ہلا رہی تھی جب شعاع کمرے میں داخل ہوئی۔

"تم تیار نہیں ہوئیں ابھی تک؟"

ادعیہ نے بہت جھلا کر سر نفی میں ہلاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"شعاع، پلیز! امی سے میری جانب سے معذرت کر لو۔ مجھے کل یہ اسائنمنٹ دینا ہے۔"

شعاع نے اسے بغور دیکھا تھا، پھر چلتی ہوئی وارڈ روب کے سامنے آن رکی تھی۔

"تم نے جو کہنا ہے خود جا کر کہہ دو۔" شعاع نے خود کو اس سارے قصے سے دور رکھا تھا۔ بری الذمہ قرار دیا تھا۔ ادعیہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ یقیناً یہ سارا اس کا ہی دردِ سر تھا اور اس تمام صورتحال سے نمٹنا بھی اسی کو تھا۔ اسے شعاع سے کوئی شکوہ نہیں ہونا چاہئے تھا۔ نہ ہی کسی اور سے۔ مگر وہ اس کے باوجود بہت ہارے ہوئے انداز میں سر جھکا کر یونہی آڑی ترچھی لکیریں بنانے لگی تھی۔

"ادعیہ! کسی بھی مسئلے کا حل یہ نہیں ہے۔" شعاع نے بہت سلگ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"ہاں۔" اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ "یقیناً کسی مسئلے کا حل یہ نہیں۔" اس نے آڑی ترچھی لکیریں بنانے کا عمل جاری رکھا تھا۔ تبھی شعاع اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ادعیہ! تمہارا انداز بہت اِمیچور ہے۔ تمہیں ابھی تک یہی نہیں پتہ کہ کیا ہونا چاہئے اور کس طرح ہونا چاہئے۔ زندگی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ جینے کے لئے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ بہت کچھ سہنا پڑتا ہے۔ بہت کچھ جھیلنا پڑتا ہے۔ مگر اپنی ذات کے اندر رہ کر سب کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ہماری ہر خوشی ہماری اپنی ہوتی ہے اور ہمارا ہر غم فقط ہمارا اپنا۔ اس دنیا میں اگر رہنا ہے، جینا ہے تو ان تمام قوانین پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ تم کیا سمجھتی ہو، کسی کو تمہارا خیال نہیں اور تمہاری زندگی پر اثر انداز ہونے والے حالات کا سایہ فقط تم تک محدود ہے؟ اس کے نقصانات کا اندازہ فقط تمہیں ہے؟ ادعیہ! اگر دیکھو تو ہم سب بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ پیش پیش ہیں اس سارے عمل میں۔ مگر ادعیہ! بات فقط سمجھنے کی ہے۔ ایک عرصے بعد امی کسی حوالے سے خوش نظر آ رہی ہیں اور تم......" شعاع نے جیسے تھک کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میں خود غرض نہیں ہوں۔" ادعیہ جیسے بلبلا اٹھی۔ "مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ میں کیا کروں؟" وہ کہہ کر بہت بے بسی کے ساتھ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ شعاع کو اس وقت اس پر بہت ترس آ رہا تھا۔ تبھی وہ چلتی ہوئی قریب آن رکی تھی اور بغور اس کی سمت دیکھتی ہوئی ملائمت سے گویا ہوئی تھی۔

"ادعیہ! میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتی ہوں۔ مگر یہ سب ٹھیک نہیں۔" اس کا نازک سا ہاتھ بہت آہستگی سے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے وہ بولی تھی۔ وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ فقط لبالب بھری آنکھوں سمیت اسے دیکھا تھا۔

"چلو اُٹھو شاباش۔ تیار ہو جاؤ۔ فہد اتنے عرصے بعد لوٹا ہے۔ کیا سوچے گا وہ؟"

"وہ میرے متعلق کیا سوچے گا اور کیوں سوچے گا، یہ میں ہی کیوں سوچوں؟ یہ سارا دردِ سر میرا ہی کیوں ہے۔ ضروری تو نہیں کہ میں بھی ضرور جاؤں۔ تم سب لوگ جا تو رہے ہو۔"

وہ یقیناً اس نئے جواز کے باعث بہت ذہنی خلفشار کا شکار تھی۔

شعاع کو جانے کیوں اس کے بچوں جیسے انداز پر ہنسی آ گئی۔

"ممانی جان نے خاص طور پر تمہیں مدعو کیا ہے۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟"

"تیار ہو جاؤ۔ ورنہ محترم فہد صاحب لینے خود پہنچ جائیں گے۔" وہ اسے ریلیکس کرنے کو چھیڑتے ہوئے مسکرائی تھی۔

"پہلے ہی عذاب کم تھا، اب ایک نیا عذاب ان محترم کی صورت بھی سہنا ہوگا۔" بہت

پ کر وہ گویا ہوئی تھی اور پھر اٹھ کر واش روم میں گھس گئی تھی۔ "میرے کپڑے نکال دو۔ آ ہی ہوں میں۔"

شعاع نے بند دروازے کو دیکھا تھا پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے پلٹ کر ارڈروب کے سامنے جا رُکی تھی۔

✿......✿

وہ کوریڈور میں یونہی بلاوجہ چکر لگائے جا رہا تھا۔ پھر جیسے تھک کر رُکا تھا۔ تبھی جیب میں ھرا موبائل بج اٹھا تھا۔ وہ سی ایل آئی پر نمبر دیکھ چکا تھا تبھی بہت بے قراری کے ساتھ "ٹاک" پش کیا تھا۔

"ہیلو تجل! کیسی ہو تم؟" بہت بے قراری کے ساتھ وہ گویا ہوا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟ میں شام سے ٹرائی کر رہی تھی مگر تمہارا فون بند تھا۔ کیا صروف تھے؟" تجل بہت خفگی سے بولی تھی۔

"ہاں۔" وہ بہت ہولے سے بولا تھا۔ "سوری، میں واقعی بہت بزی تھا۔"

"دُوری حائل ہوئی ہے تو بھولنے لگے ہو؟" جانے کس خدشے کے تحت وہ بولی تھی۔

"محبتیں دُوری یا نزدیکی کے خیال سے مشروط نہیں ہوا کرتیں۔ قربتیں رہیں یا دُوریاں ائل ہوں، محبتوں کے پیمانے لبریز رہتے ہیں۔ کوئی سمندر ان کے درمیان حائل نہیں ہو کتا۔ اعتماد شرط ہے۔ بس وہی نہیں ٹوٹنا چاہئے۔ جنہیں ہم چاہتے ہیں، محبت کرتے ہیں وہ مارے دل میں بستے ہیں۔ اور دل میں بسنے والے دل سے دور کیسے جا سکتے ہیں؟ وہ فزیکلی ہیں بھی رہیں، مگر ان کا خیال دل میں بستا ہے، سوچوں میں سفر کرتا ہے۔ اور یوں بھی یاد تو ہیں کیا جاتا ہے جنہیں بندہ فراموش کر دے۔ جو دل میں رہتے ہیں، وہ تو رگِ جاں سے ی قریب تر ہوا کرتے ہیں۔ اور اپنی جان کو کون بھولتا ہے؟"

"بہت اچھا! فلسفہ بولنے لگے ہو۔ لگتا ہے آج کل اچھی خاصی بکس سے استفادہ کر رہے و۔" وہ ہنس دی تھی۔

"میری محبت کو لفاظی کا نام تو مت دو۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا اور وہ ہنسنے لگی تھی۔

"حیرت ہو رہی ہے مجھے تم جیسا شخص اتنا بولنے لگا ہے۔ رہبان عالم شاہ! یہ تم ہی ہو نا؟"

"تمہیں یقین نہیں؟ کیا اس قدر تبدیل ہو رہا ہوں؟" وہ اس کی بات کو مذاق میں اڑاتا وا مسکرایا تھا۔

"لگ تو رہا ہے۔ اب آؤں گی تو بغور جانچوں گی۔ اینی وے، کائنات کی شادی کیسی جا

رہی ہے۔ رسمیں شروع ہو گئیں۔ تم نے جب مجھے بتایا تھا تو میں نیند سے بیدار ہوئی تھی۔ تب مجھے انکل کا تمہیں لینے آنا نا قابل یقین اور گمان ٹائپ ہی لگا تھا۔ کیا واقعی ایسا ہو چکا ہے؟“ وہ جیسے اب تک بے یقین تھی۔

”ہاں۔“ اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا تھا۔ اس نے یہاں آنے سے قبل اسے فون کر کے مطلع کیا تھا۔ زیادہ طویل بات چیت نہ ہو سکی تھی۔ فقط ایمرجنسی میں اطلاع ہی دی تھی۔ تبھی شاید وہ اب استفسار کر رہی تھی۔

”یقین نہیں آتا ایسا ہوا کیسے؟“ وہ مسلسل بے یقین تھی۔ ”بہرحال یہ اگر ہو چکا ہے تو مبارک ہو۔ تم نے تو واقعی معرکہ مار لیا۔ اب تو شادی میں دیر نہ ہو گی نا؟“ بہت سرشاری کے عالم میں دریافت کر رہی تھی وہ۔ وہ چند ثانیوں کو ساکت رہ گیا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

”انشاء اللہ۔ تم بتاؤ انکل کیسے ہیں؟“

”سرجری تو ہو چکی ہے اور وہ ڈے بائے ڈے امپروومنٹ بھی کر رہے ہیں۔ مگر معاملہ دل کا ہے اور تم جانتے ہو کہ دل کے معاملے کس قدر پیچیدہ ہوتے ہیں۔“

”اور کتنے دن لگیں گے؟“

”اُداس ہو رہے ہو؟ جی نہیں پا رہے میرے بغیر۔ کہہ دو نا۔“ وہ ہنس پڑی تھی۔ ”تم جیسے کول شخص سے تو محبت کر کے بھی ہار گئی میں رہبان عالم شاہ۔ کبھی تو دل رکھنے کو ہی کچھ کہہ دیا کرو۔“ وہ جیسے شکوہ کر رہی تھی۔ وہ ہنس دیا۔

”تم آؤ تو سامنے بیٹھ کر سارے قصے سناؤں گا۔ تب تک کچھ اور کتابیں پڑھ کر رٹ لوں۔“ قہقہہ بہت جاندار تھا۔

”ابھی کچھ دن لگیں گے۔ جب تک پاپا کی طبیعت مکمل طور پر نہیں سنبھل جاتی۔ ایکچوئلی پاپا تو آنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ آخر کو بزنس مائنڈ پرسن ہیں۔ مگر میں سمجھتی ہوں ان کو ابھی ٹریٹمنٹ کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹرز بھی یہی خیال کر رہے ہیں۔ کچھ دن اور لگیں گے۔ پھر ہم باپ بیٹی یہیں سے ورلڈ ٹور کے لئے نکل پڑیں گے۔“

”بڑے شاندار پروگرام ہیں۔ مگر یہ مجھ غریب کو کس بات کی سزا دی جا رہی ہے؟“ رہبان مظلوم سے انداز میں گویا ہوا۔ وہ ہنس دی، پھر بہت سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

”رہبان! تمہارے ساتھ تو مجھے زندگی بھر کے لئے رہنا ہے۔ مگر پاپا، یہ بہت تنہا رہ جائیں گے۔ تنہا اور اکلوتی اولاد کا بھی عذاب ہوتا ہے۔ اینی وے، تم نے انکل سے بات

کی؟“ وہ یکدم ہی پوچھنے لگی تھی اور وہ چونک گیا تھا۔

”ہوں، آئی ول ڈو...... آج کل تو بہت معروفیت درپیش ہے۔ خیر، ملتی رہنا۔ ٹیک کیئر۔“ رہبان نے چاہت سے کہا تھا۔

”یو ٹو۔“ اس نے بہت محبت سے جواب دیا تھا۔

فون بند کر کے وہ کتنی ہی دیر تک یونہی خاموشی سے بیٹھا رہا تھا۔ تبھی پیچھے آہٹ ہوئی تھی۔ رہبان نے فوراً پلٹ کر دیکھا، راہداری کے کنارے پر اماں تھیں۔

”کیا بات ہے پتر! اس وقت تو یہاں؟“ انہوں نے تشویش سے پوچھا تھا۔

”جی اماں، بس یونہی بہت دنوں سے آزاد فضاؤں کو محسوس نہیں کیا تھا۔ موسم اچھا تھا۔ سو یونہی یہاں چلا آیا۔“ اس نے بھرپور انداز میں جھوٹ بولا۔ اماں نے اسے بغور دیکھا۔

”چل اپنے کمرے میں۔ بہت کھالی ہوا۔ دُلہن راہ تک رہی ہو گی۔ یہ بھی کوئی وقت ہے تفریح کا؟“

”جی۔“ اس نے فوراً ہی کمرے کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تھا تو پہلی نگاہ اس بے خبر سوئے وجود پر پڑی تھی۔ دن بھر کی مشقت نے اسے یقیناً تھکا دیا تھا۔ ایک ہاتھ کو سینے اور دوسرے کو پیشانی پر دھرے وہ گہری نیند میں تھی۔ وہ کتنے ہی لمحے یونہی کھڑا رہا تھا۔

یہ تھا وہ وجود جو اس سے وابستہ تھا۔

جو دنیا کے سامنے اس کی ذات کا حصہ بن رہا تھا۔

جسے دنیا اس کے حوالے سے پہچان رہی تھی۔ جان رہی تھی۔

رہبان کی دُلہن...... خاندان کی بڑی بہو۔

تقدیر نے کیسا رشتہ جوڑ دیا تھا اس کے ساتھ اس کا۔

”رہبان! تمہارے ساتھ تو مجھے زندگی بھر کے لئے رہنا ہے۔“

”تم نے انکل سے بات کی؟“ اور...... ”اب تو شادی میں دیر نہ ہو گی نا؟“ کتنے جملے بازگشت بن کے اس کے گرد گونج رہے تھے۔

اور رہبان عالم شاہ کی نگاہیں فقط اس کے چہرے پر ساکت تھیں۔

کس قدر معصوم تھی وہ...... کس قدر بھولی...... احسان کا بدلہ کس طرح چکا رہی تھی۔

اس کے ہاتھوں کی مہندی پر اس کی نگاہ پڑی تھی اور وہ نگاہ پھیر گیا تھا۔ پھر بہت دھیرے سے چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا تھا۔ بہت آہستگی کے ساتھ اس پر کمبل ڈالا تھا، پھر اسی

آہستگی کے ساتھ گھوم کر جہازی سائز بیڈ کے دوسرے کنارے کی طرف آ گیا تھا۔

✿......✿

''یہ تم ہو...... یقین نہیں آ رہا۔'' فہد نے کوئی دسویں بار یہ جملہ اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''آخر کو تم بھی تو اتنے بدل گئے ہو۔'' آخر کار اس نے یہی کہنا گوارا کیا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

''ذہین بھی ہو گئی ہو ماشاء اللہ سے۔'' بغور تجزیہ کیا تھا اس نے اور وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

''شکریہ!''

''مجھے قطعی یقین نہ تھا تم اتنی سوبر قسم کی مخلوق بن چکی ہو گی۔ بچپن میں تو خاصی چلبلی واقع ہوئی تھیں۔''

''بچپن میں تو تم بھی اکثر دوپہر میں لوگوں کی ڈور بیلز بجا کر بھاگ جایا کرتے تھے۔'' اس نے برجستگی سے کہا تھا اور وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔

''وہ دن واقعی بہت خوبصورت تھے۔ میں اکثر وہاں ان سب باتوں کو یاد کر کے ہنستا رہتا تھا۔ بائے دی وے تم سب سے کٹ کر یہاں چھت پر تنہا کیا کر رہی ہو؟'' وہ شام کے ڈھلے سایوں کو دیکھتے ہوئے مسکرایا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

بہت عام سا نوجوان تھا، بہت عام سا شخص۔ اچھی وضع قطع سے یقیناً امپریسو دکھائی دے رہا تھا۔ آنکھوں میں بہت سے جذبوں کی جوت جگائے وہ بغور اس کی سمت تکتا ہوا یقیناً نظر انداز کئے جانے یا رد کئے جانے کے قابل قطعی نہ تھا۔

اگر وہ اتنے الجھاؤ کا شکار نہ ہوتی اور اس کی زندگی میں اعصار شیخ نے اچانک ہی بھونچال نہ مچا دیا ہوتا تو وہ یقیناً اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنے میں کسی پس و پیش سے کام نہ لیتی۔

اگر کسی نے اسے اپنا زبردستی پابند نہ کر لیا ہوتا تو وہ بنا کسی تامل کے اس سامنے کھڑے شخص کے سنگ چل پڑتی۔

''کیا ہوا؟ اس طرح کیا دیکھ رہی ہو، کیا بہت اچھا لگ رہا ہوں؟'' وہ شرارت سے دیکھتا ہوا مسکرایا تھا۔ جس طرح وہ بہت کھوئے ہوئے انداز میں ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھتی چلی جا رہی تھی، اس سے یقیناً وہ بہت محظوظ ہوا تھا۔

''ہاں، دیکھ بھی تو عرصے بعد رہی ہو۔ چلو دیکھتی رہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ وہاں بھی

کئی لڑکیاں مجھے یونہی دیکھتی تھیں اور پھر مبہوت ہو کر دیکھتی چلی جاتی تھیں۔'' اس کے فنی سے انداز پر وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

''عجیب و غریب چیزوں کو دیکھنے کے بعد اکثر ذی ہوش لوگوں کی یہی کیفیت ہوا کرتی ہے۔'' فہد اسے اس طرح بے تحاشا ہنستا دیکھ کر قدرے مبہوت سا انداز لئے مسکراتا ہوا دیکھتا چلا گیا تھا۔

''تھینکس گاڈ! ورنہ میں تو یہ سمجھا تھا کہ تم ہنسنا بھی بھول چکی ہو۔ ویسے آپس کی بات ہے، اتنا بدل کیوں گئی ہو؟'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا تو وہ اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''وقت کے ساتھ سب کچھ اپنے آپ بدل جاتا ہے۔ شاید یہی بہتر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ تبدیلی اور تغیر زندگی کے احساس کو اجاگر کرتا ہے۔''

''لیکن محترمہ! زندگی کا احساس تب ہوتا ہے جب تبدیلی مثبت ہو۔''

''تمہارے خیال میں یہ مثبت تبدیلی نہیں؟'' پھر فوراً ہی جیسے اس موضوع سے ہٹتے ہوئے بولی۔ ''تم اپنے ساتھ کوئی گوری میم کیوں نہیں لائے؟''

اور اس کا سوال جس قدر بچگانہ تھا، فہد کا قہقہہ اسی قدر بے ساختہ تھا۔

''تمہیں ایسا کچھ یقین تھا کہ میں اپنے ساتھ کوئی ایسی مخلوق ضرور لاؤں گا؟'' وہ جیسے خجل سی ہو گئی۔

''نہیں۔ مگر اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔'' اس نے اپنا بھرپور تجزیہ پیش کیا۔

''اگر تم نے مجھے اپنی اس خواہش سے پہلے آگاہ کر دیا ہوتا تو شاید میں کچھ عمل بھی کر پاتا۔ بہرحال اب بھی اگر کہو تو......'' اس نے شرارت سے مسکراتے ہوئے جملہ یونہی ادھورا چھوڑ دیا تھا اور وہ یکدم چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔ پھر فوراً ہی اپنی جگہ سے ہٹی تھی۔

''چلو واپس چلتے ہیں۔'' اور اس کے ساتھ ہی اس نے سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھائے تھے۔ فہد نے اسے دیکھا تھا، پھر اس کی تقلید کر دی تھی۔

✿......✿

شور اس قدر تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔ کائنات کی سسرال آ چکی تھی۔ رسم اُبٹن شروع ہونے والی تھی۔ وہ یونہی کونے میں دبکی بیٹھی تھی جب بی اماں نے اسے پکارا۔

''اے بچی! جا دیکھ، بی خیراں سے اُبٹن تیار ہوا یا نہیں۔ کب سے گئی ہوئی ہے، اب تک

نہیں لوٹی۔ ایک تو یہ موئی بھی جہاں جاتی ہے جا کر چپک ہی جاتی ہے۔ پتہ بھی ہے ہزاروں کام ہیں۔" اماں بی رشتے میں نصیب بی بی کی ممانی تھیں۔ سب انہیں بی اماں ہی کہتے تھے۔

سیو نے ان کی بات کو بغور سنا تھا اور پھر فوراً ہی "جی اچھا" کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بہت سے ہجوم کو پاٹتی ہوئی وہ تیزی کے ساتھ زینے کی سمت بڑھی تھی جب یکدم ہی وہ کسی وجود سے بری طرح ٹکرا گئی۔ کسی نے فوراً ہی اسے سنبھالا دیا تھا۔

"اُف......!" اس نے درد کی شدت سے کراہ کر آنکھیں میچ لیں۔

"آپ کبھی آنکھوں کا استعمال بھی کرتی ہیں؟" بہت درشت سے انداز میں کوئی اس سے مخاطب ہوا تھا۔ اس نے فوراً ہی آنکھیں کھول کر دیکھا تھا، سامنے کھڑے شخص سے نگاہ پل بھر کو ملی تھی اور وہ دوسرے ہی پل جیسے تھک ہار گئی تھی۔

"خدا نے جو اتنی موٹی موٹی آنکھیں نوازی ہیں کبھی غلطی سے اس کا استعمال بھی کر لیا کریں۔ آنکھیں نہیں تو کم از کم ایک عدد دماغ بھی موجود ہو گا۔ کہتے ہیں چیزیں پڑی رہیں تو زنگ آلود ہو کر گل سڑ جاتی ہیں۔ آئندہ ان آنکھوں کو اور دماغ کو کھول کر چلئے گا۔" اعیان عالم شاہ نے اسے بہت کڑے انداز میں ڈانٹا تھا۔ اس کی روح تک جیسے کانپ گئی تھی۔ کہاں تو وہ مخاطب ہونے کے خیال سے ہی دہل جایا کرتی تھی اور کہاں وہ اس کے سر پر کھڑا مسلسل اسے دیکھتا ہوا انتہائی سخت الفاظ میں ڈانٹ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں فوراً ہی زمین سے جا لگی تھیں۔ ہتھیلیاں پسینے سے تر تھیں۔ چہرہ جیسے انگارے کی مانند تپنے لگا تھا۔ شاید پیشانی پر بھی پسینے کے قطرے آن ٹھہرے تھے۔ سینے کے اندر موجود دل اتنی تیزی سے دھڑکنے لگا تھا کہ دھڑکنوں کا شمار ناممکن تھا۔

چھوٹے سرکار نے اسے بدستور اپنے سامنے کھڑے دیکھ کر جیسے اکتا کر اسے دیکھا تھا۔ پھر اسی سرعت سے اپنا مضبوط ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو اوپر اٹھایا تھا۔ اس کی نگاہیں لمحہ بھر کو ملی تھیں، پھر دوسرے ہی پل فوراً ہی دوبارہ سجدہ ریز ہو گئی تھیں۔ کب توقع تھی اس "اقدام" کی۔ پورے بدن میں نہ صرف سنسنی دوڑ گئی تھی بلکہ وجود واضح انداز میں کانپنے بھی لگا تھا۔

"چلنے کا بہترین طریقہ گردن اٹھا کر چلنے کا ہے۔ نظریں راہوں پر جما کر۔ اس طرح نہ ٹھوکر لگتی ہے نہ انسان لڑکھڑاتا اور گرتا ہے۔ آئندہ اسی طرح چلنا۔" بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ قدرے سخت لہجے میں بولا تھا اور پھر دوسرے ہی پل اسے اسی حیرت میں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا تھا۔

سیو کی کیفیت تو وہ تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ کب توقع تھی اس ستمگر سے ایسی۔ کبھی تصور میں بھی نہ سوچا تھا ایسا۔ وہ مخاطب ہو گا۔ روبرو ہو گا اور انداز اور تیور اس درجہ ہوں گے۔ سب ہی کچھ تو توقع سے ہٹ کر اور سوچوں سے بڑھ کر ہوا تھا۔

وہ حیران نہ ہوتی تو اور کیا کرتی۔

کتنی حماقتوں کا مظاہرہ وہ اب تک اس کے سامنے کر چکی تھی۔ کتنی بار یونہی گھبرائی تھی۔ پھر اس سے آگے لڑکھڑائی اور گرتی ہوئی پھسلتی جاتی۔ اگرچہ ایسا دانستہ کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔ اس نے کبھی ایسا نہیں چاہا تھا۔ مگر جانے کیسے سب حماقتیں اپنے آپ ہی سرزد ہو جایا کرتی تھیں۔ اور آج......!

اس کا درشت لب و لہجہ اب تک اس کی سماعتوں میں گونج رہا تھا اور اس نے بلا ارادہ ہی اپنے چہرے کو چھوا تھا جو اب تک کسی لمس کے باعث تپ رہا تھا۔

"اے کڑیئے! تو یہاں کھڑی ہے اور اوتھے بی اماں تیری راہ تک رہی ہے۔" ممانی جان نے اسے پکارا تھا اور وہ فوراً ہی چونکتے ہوئے آگے بڑھ گئی تھی۔

اور جب وہ ابٹن دے کر واپس لوٹی، تبھی مژگان نے اسے بلا لیا تھا۔ اس کے قریب ہی چھوٹے سرکار بھی براجمان تھے۔ اس نے لمحہ بھر کو نگاہ کی تھی، پھر جیسے دیکھنا محال ہو گیا تھا۔ دیکھنے والی نگاہ بہت سرسری تھی۔

"جی بی بی جی۔" وہ بہت مؤدب انداز میں مژگان کے قریب جا رکی تھی۔ مژگان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"تمہاری دوست تمہیں اتنی دیر سے بلا رہی تھی۔ تم کہاں تھیں؟"

"جی...... وہ، بی بی جی! مجھے تو کسی نے اطلاع نہیں دی جی۔" اس کی نگاہیں اٹھ ہی نہ رہی تھیں۔ شاید وہ شخص وہاں موجود نہ ہوتا تو وہ پھر مژگان کے سامنے قدرے اعتماد سے کھڑے ہو کر بات کر سکتی یا اسے جواب دے سکتی۔ "جی اب بتا دیں۔ کوئی کام تھا؟"

اس کے بہت بوکھلائے سے انداز پر مژگان بہت دھیمے انداز میں مسکرا دی۔ "نہیں، کام تو کوئی خاص نہیں۔ پھر بھی تم کائنات سے مل لو۔ ویسے تم نے آج کے دن کوئی خاص تیاری کیوں نہیں کی؟ حالانکہ آج کے دن تو تمہیں بہت اہتمام سے تیار ہونا چاہئے تھا۔"

سیو نے ایک نظر اس حلیم سی لڑکی کو دیکھا تھا، پھر نگاہ جھکا گئی تھی۔

"جی اچھا۔"

"کیا جی اچھا۔ تم اتنا گھبرا کیوں رہی ہو۔ خیریت تو ہے؟" مژگان نے بہت فکرمندی

سے دریافت کیا تو بلا ارادہ ہی سیو کی نگاہ اٹھ کر اس دشمن جاں سے جا ٹکرائی جو اس سے بے نیاز کسی اہم مسئلے پر اس گھڑی اماں سے بات کر رہا تھا۔

''نہیں۔ ایسی کوئی بات...... نہیں...... میں جاؤں اب؟'' سیو نے فوراً ہی سر نفی میں ہلاتے ہوئے مؤدب انداز میں اجازت چاہی تھی۔

''اوکے......'' اس کی جانب سے اشارہ ملتے ہی وہ تیر کی سی تیزی سے اس جگہ سے ہٹی تھی اور پھر جیسے بھاگتی چلی گئی تھی۔

''دلہن! تم نے وہ کندن کا سیٹ کیوں نہیں پہنا؟'' زبیدہ پھوپھو نے مژگان کی تیاری کو ادھورا خیال کرتے ہوئے دریافت کیا تھا اور وہ مسکرا دی تھی۔

''پھوپھی اماں! بہت ہیوی ہو جاتا ہے سب کچھ۔ مجھے تو یہ بھی سنبھالنا قیامت لگ رہا ہے۔ اماں نے تو اتنی اہم ذمے داری ڈال دی ہے مجھ پر۔ مجھے نہ تو ان بیش قیمت زیورات کو پہننے کا کوئی اتفاق ہوا ہے نہ ہی سنبھالنے کا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تو زبیدہ پھوپھو ہنس دیں۔

''ارے بچے، جانتی ہوں میں بھی شہر کی زندگی۔ تم تو پھر باہر رہی ہو۔ آج کل کی بچیوں کو زیورات پہننے کا سرے سے کوئی شوق نہیں۔ مگر کچھ تقاضے نہ چاہتے ہوئے بھی نبھانے پڑتے ہیں۔ مسئلہ خاندانی وقار کا بھی ہے۔ لوگ بھلا کیا سوچیں گے۔ سیّد عالم شاہ کے خاندان کی سب سے پہلی اور سب سے بڑی بہو کا تن گہنوں سے خالی ہے۔ بھابی نے بھی اسی بات کو مدنظر رکھا ہوگا۔'' پھوپھو نے وضاحت دی تو مژگان مسکرا دی۔

''جی...... مگر یہ بہت مشکل ہے۔''

''اب شادی شدہ زندگی میں ایسی چھوٹی موٹی مشکلات تو جھیلنا پڑتی ہی ہیں۔ ہمارے زمانے میں تو لڑکیوں کو ہار سنگھار اور گہنوں کا شوق قابل دید ہوا کرتا تھا۔ ہم تو کسی تقریب کے منتظر رہتے تھے فقط اس لئے کہ سجنے سنورنے اور گہنے پہننے کا موقع ہاتھ لگے گا۔ اب تو سب کچھ بدل گیا ہے۔''

زبیدہ پھوپھو کی بات پر وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''میں کائنات کو دیکھوں۔ رسم کے لئے تیار ہوئی یا نہیں۔''

''اے ہاں، ضرور۔'' پھوپھو نے فوراً کہا تھا۔ تبھی وہ پلٹ کر فوراً ہی اماں کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''اماں! کوئی کام تو نہیں؟''

اماں فوراً ہی متوجہ ہوئی تھیں۔ ''ارے نہیں پتر۔ پر یہ لاکر کی چابی لیتی جا۔ کائنات کو جو سیٹ پسند ہو، پہنا دینا۔ باقی لاکر میں رکھ کے تالا لگا دینا۔''

''اچھا امی۔'' اس نے چابی تھامتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔

''اور سن۔'' اماں نے پھر پکارا۔ ''کائنات نوں ذرا چھیتی تیار کرا کے لے آویں۔ اس دے سسرال والے اک ویلے توں انتظار کر رہے نیں۔''

''جی بہتر۔'' وہ سر ہلانے لگی تبھی اعیان نے بھی پکارا۔

''بھابی! یہ رہبان بھائی کہاں ہیں۔ نظر نہیں آ رہے؟'' شاید اسے کوئی ضروری کام تھا، تبھی دریافت کر رہا تھا۔ مژگان کو یکدم احساس ہوا۔ اس نے بھی کافی دیر سے رہبان عالم شاہ کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ خاصی دیر سے یہیں مصروف تھی۔ اماں اسے آنے والی بری کے سوٹ اور زیورات دکھا رہی تھیں۔ ساتھ ہی اہم امور پر ڈسکشن بھی جاری تھی۔

وہ کافی دیر سے یہیں تھی۔ اور اس دوران اعیان تو کئی بار کمرے میں آیا تھا مگر رہبان عالم شاہ ایک بار بھی نظر نہیں آیا تھا۔

اس نے چونکتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔ ساتھ ہی مسٹرڈ ساڑھی کے بھاری آنچل کو ہولے سے درست کیا تھا۔

''نہیں، مجھے نہیں پتہ۔ شاید ابا جی نے کسی کام سے انہیں بھیجا ہو۔''

لمحہ بھر میں ہی پریشانی کے آثار اس کے چہرے پر چھا گئے تھے۔ اعیان نے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

''آپ کیوں پریشان ہو گئی ہیں۔ خیر سے اچھے خاصے بڑے ہیں، ذی عقل ہیں، خردمند ہیں۔ راہ تو بھٹک نہیں سکتے۔ جہاں بھی ہیں، لوٹ آئیں گے۔ یہ دھیان میں رکھیں، یہ دوری فقط چند لمحوں کی ہے۔'' وہ شرارت سے جھک کر بولا تھا۔

''بہت بدتمیز ہو۔ میں تو یونہی۔''

''ہاں، چہرے کا احوال تو جیسے کسی پر ظاہر ہی نہیں۔'' اعیان چھیڑتے ہوئے مسکرایا تھا۔ اس نے ہاتھ کا ایک مکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔ تبھی وہ ہنستے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''ویسے آپس کی بات ہے، بھیا کی وہ والی اولڈ فیانسی اور ان کی فیملی کو بھی ابا جی نے اس شادی پر مدعو کر رکھا ہے۔ کیا پتہ......'' اعیان نے جملہ کہہ کر شرارت کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ وہ پہلے تو حیران ہوئی تھی، پھر انتہائی خفگی سے اسے دیکھا تھا۔

''بکو نہیں۔''

"لیجئے، نہ یقین کیجئے۔ ویسے اچھی لگ رہی ہیں آج آپ۔" سرتا پیر اس کا جائزہ لیتا ہوا وہ بھرپور شرارت سے مسکرایا تھا۔

وہ یکدم اس کے سر پر ایک چپت رسید کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

وہ بہت تیزی کے ساتھ راہداری کی سمت بڑھ رہی تھی جب یکدم ہی چونک گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ موبائل فون کان سے لگائے بہت انہماک سے کسی سے گفتگو میں مصروف تھا۔ لبوں کی مسکراہٹ سے صاف واضح تھا کہ گفتگو آفیشل قطعی نہ تھی۔ وہ اگرچہ تجسس نہ رکھتی تھی، نہ ہی اتنی مصروفیت میں اسے اس بات کی فرصت تھی کہ اس کی جانب کسی خاص زاویہ نظر سے دیکھتی۔ وقت کی ڈور اس کے ہاتھ میں نہ تھی، نہ ہی کوئی اختیار۔ کس بل بوتے پر وہ کوئی استحقاق جتاتی۔

وہ اسی عجلت میں قریب سے گزر جانا چاہتی تھی کہ جب یکدم ہی قریب سے گزرتے ہوئے ہاتھ رہبان عالم شاہ کی گرفت میں آ گیا۔ وہ وقتی طور پر کچھ نہ سمجھ سکی، نہ ہی کہہ سکی۔ البتہ چونک کر سر اٹھا کر خاموش نظروں سے اس کی جانب دیکھا ضرور تھا۔ وہ دوسری طرف کسی سے اختتامی جملے ادا کر رہا تھا۔

"ہاں۔ اوکے، پھر بات ہو گی۔" اس کے ساتھ ہی موبائل آف کر کے اس کی جانب دیکھا تھا۔ مژگان کا ہاتھ اب تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ مژگان کو اگرچہ جلدی تھی مگر اس کے خیال سے نہ صرف کھڑی رہی بلکہ اس کے اپنی جانب متوجہ ہونے پر مسکرا دی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" وہ غالباً اس کی عجلت کو دیکھتے ہوئے بولا تھا۔ نگاہیں بھرپور انداز میں اس کے سراپا پر تھیں۔

"کائنات کی رسم مایوں شروع ہونے والی ہے۔ اسی کی طرف جا رہی تھی۔ اگرچہ وہ جتانا نہیں چاہتی تھی مگر انداز کسی قدر بدلا ہوا تھا جو واضح محسوس ہوا۔

رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا تھا، پھر بہت دھیمی مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔

"کوئی کام تھا؟" مژگان نے اپنے روکے جانے کا جواز چاہا۔

"اوں...... ہوں۔" رہبان عالم شاہ نے جس قدر خاموشی سے دیکھا بعد میں اسی قدر زور وشور سے سر نفی میں ہلا دیا۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگی، پھر شاید رسماً مسکرا دی۔

"میں جاؤں؟" اس سامنے کھڑے شخص کو بغور دیکھا۔ رہبان نے چونک کر اس کا ہاتھ

آزاد کیا۔

"ہوں۔" وہ جانے کیوں مسکرا دیا۔ "ہاں جاؤ۔"

مژگان مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ جانے کیوں دل کی دھڑکنوں میں تا دیر ارتعاش برپا رہا تھا۔

ایک نگاہ ہی تو تھی۔ شاید بہت بے تاثر، بہت سرسری سی۔

شاید رسماً!

ایک لمس ہی تو تھا۔

شاید غیر ارادتاً ہی ہاتھ، ہاتھ میں آ گیا ہو۔

شاید کوئی ضروری خیال گزرا ہو۔ کوئی اہم کام کہنا ہو اور یونہی بے دھیانی میں ہاتھ، ہاتھ میں رہ گیا ہو!

کوئی خوش فہمی کا احساس یا گمان پالنے کو بھی طبیعت مائل نہ تھی۔ مگر جانے کیوں پیروں میں واضح انداز میں ایک لرزش سی تھی۔

جب وہ رسم کے لئے کائنات کے ساتھ تھی، تب بھی دل جیسے باغی ہوا جا رہا تھا۔ کس قدر شور تھا دھڑکنوں کا۔ کس قدر قیامت تھی۔

اور اختیار......

کتنی ہی بار نگاہ بلا ارادہ ہی اس بے خبر کی جانب گئی تھی۔ وہ مسلسل ایک انجانے حصار میں تھی۔ کئی بار نگاہ ڈالنے پر شاید وہ بھی چونکا تھا پھر بہت اپنائیت سے مسکرا دیا تھا۔

اس رات جب وہ مہندی کی رسم کے بعد یونہی چھت پر آ گئی تھی اور یونہی خاموشی سے لاتعداد سوچوں سے الجھتی ہوئی چاند کو تک رہی تھی، نہ جانے کب بہت خاموشی کے ساتھ وہ پشت پر آن کھڑا ہوا تھا۔ وہ چونکی تھی، پھر اسی سرعت سے پلٹ کر دیکھا تھا۔ وہ بہت قریب تھا۔ اپنائیت سے دیکھتا ہوا۔ اپنائیت کا ایک واضح رنگ آنکھوں میں لئے اسے دیکھتا ہوا۔ بھرپور توجہ کے ساتھ۔ وہ فوری طور پر سمجھ نہ سکی تھی کہ اسے کس طرح کا ردعمل ظاہر کرنا چاہئے۔

"آپ......" وہ دھیرے سے بولی۔ چہرے پر سرخی ابھر آئی تھی۔

"سب متفکر تھے اپنی بڑی بہو کی اچانک عدم موجودگی پر۔ مجھ سے بھی دریافت کیا گیا۔ سو بنا تردد تلاش کو نکل پڑا۔" وہ یقیناً غیر سنجیدہ تھا۔

بلیک سوٹ میں اونچا لمبا سراپا بے حد متاثر کن تھا۔ ماؤف شرٹ اور قدرے ڈل ٹائی،

آنکھوں میں روشنی کی موجودگی کسی بھرپور احساس کا ثبوت دے رہی تھی۔

یہاں سے وہاں تک زندگی دوڑ رہی تھی۔

اب سے قبل اس ویرانے میں خاموشی ہی خاموشی تھی۔

اس کوچے میں فقط تنہائی تھی۔ خزاں تھی۔ فقط زرد رنگ منظر تھے۔

فقط سپنوں سے محل آباد تھا۔

اور اب جیسے یکدم ہی ایک بھونچال آ گیا ہو۔

جیسے اس ویرانے میں چپکے سے بہار آ گئی ہو۔

وہ جانے کیوں اسے سامنے پا کر کنفیوژ ہونے لگی۔ نظریں یکدم ہی جھک گئیں۔ حالانکہ اس کے شگفتہ سے جملے پر ارادہ مسکرانے کا تھا مگر مسکرا نہ سکی۔

"اس سیاہ رات میں، ویرانوں میں کیا تلاش کر رہی ہو؟" وہ جیسے اسے مہم جو تصور کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔

وہ اس لمحے جانے کیوں سر اٹھا کر یونہی آسمان کی سمت تکنے لگی تھی۔ عین چودھویں شب کا چاند اچانک ہی توجہ کا مرکز بن گیا تھا۔ بہت سے ستارے اردگرد اپنا حصار باندھے ہوئے تھے۔ وہ جانے کیوں دھیرے سے ہنس دی۔ پھر یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

وہائٹ جدید تراش خراش کے سوٹ میں ملبوس وہ خاصی جاذب نظر لگ رہی تھی۔ وہ اسے جانے کیوں دلچسپی سے اپنی سمت دیکھتا پا کر دوسری سمت تکنے لگی تھی۔

"کتنے بہت سے ستارے ہیں آسمان پر۔ پتہ نہیں ہمارا کوئی تعلق ان کے ساتھ منسلک ہے بھی یا نہیں۔ مگر اس کے باوجود سب اپنی قسمت کا ستارہ ڈھونڈتے ہیں۔ جب بھی آسمان کی سمت نگاہ اٹھے، ایک بچگانہ سی سوچ ذہن میں ابھرتی ہے اور اس گھڑی سب بے حد دلچسپ لگنے لگتا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ دل بھی اس گھڑی بچہ بننے کو مچلتا ہے اور عقل و خرد کا ہاتھ لمحہ بھر میں چھڑا کر اس روش پر چل نکلتا ہے۔ حالانکہ اس میں صداقت بالکل بھی نہیں۔"

وہ خنک ماحول میں اسے ایک خوابناک ماحول میں کھڑے دیکھ رہا تھا۔ اس گھڑی وہ کسی خواب کا حصہ لگ رہی تھی۔

"تمہیں کیا واقعی ان باتوں کی صداقت پر یقین نہیں؟" وہ بے معنی قصے پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے بہت دھیمے سے بولا۔

"پتہ نہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔ "شاید واقعی سچ ہو۔ بہرحال یہ امر ہے دلچسپ۔"

"اور تم؟" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ وہ چونک کر اس کی سمت تکنے لگی۔ شاید اس لمبے

چوڑے شخص کی نگاہوں میں کچھ تھا تبھی وہ اس پر سے نگاہ ہٹاتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ جانے کیوں کچھ کھو جانے کا احساس ہوا تھا۔

"کیا میں؟" وہ چونک کر نظروں سے دوسری سمت تکنے لگی تھی۔

"اس موسم میں اس گھڑی، یہاں، خیال کرو کچھ اپنا..... یہاں کا موسم انجوائے منٹ کے لئے قطعی سازگار نہیں۔"

"اچھا لگ رہا ہے۔ بہت مزہ آ رہا ہے۔ یہاں کی زندگی، یہاں کا ماحول، بہت دلفریب ہے سب کچھ۔"

"اور لوگ؟" وہ جانے کیوں شوخی سے مسکرایا۔ وہ چونکی پھر دوسرے ہی پل مسکرا دی۔

"بے مثال ہیں سب۔ بہت اچھے، بہت پیارے۔ ان سب کی محبتوں کے آگے یقیناً زندگی ہاری جا سکتی ہے۔ بے مول محبتیں نوازنے والے انمول لوگ۔ ان کا بدل کہیں نہیں۔ میرے پاس تعریف کے لئے لفظ نہیں۔ یقیناً میں اپنی زندگی کے ناقابل فراموش لمحوں کو بسر کر رہی ہوں۔" اس کے احمری لب بہت مدھم انداز میں مسکرائے تھے اور نظروں نے یکدم ہی دوسری سمت ڈیرہ جما لیا تھا۔ قدرے چہرے کا رخ پھیر کر وہ دیکھتی ہوئی بہت ماورائی سی مخلوق لگ رہی تھی۔ سفید آنچل سرد ہوا کے باعث سرسرا رہا تھا۔ اس کی دراز زلفوں کی خوشبو سے جیسے ماحول مہک رہا تھا۔ بہت سی شریر لٹیں ہوا کی شرارتوں کے رخ پر تھیں۔ وہ یکدم ہی نگاہ پھیر کر دوسری سمت تکنے لگا تھا۔

"کچھ روز سے تم بہت چپ چپ سی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟ آئی مین....." وہ جیسے اصل مدعا پر آیا۔ وہ لمحہ بھر کو چونکی، پھر تمام تاثرات کو زائل کرنے کے لئے دھیرے سے ہنس دی۔

"رہبان عالم شاہ! میں اپنی زندگی کا حسین دور بسر کر رہی ہوں۔ ان لمحات کے عوض کوئی میری پوری حیات بھی مانگ لے تو بلا دریغ نواز دوں گی۔ میں نے چند لمحوں میں زندگی کا مزہ چکھا ہے۔"

نہ جانے کس جذبے سے مغلوب ہو کر اس اونچے لمبے شخص کی سمت دیکھا تھا، پھر بے اختیار ہی اس کے مضبوط ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ رہبان عالم شاہ نے بہت چونک کر اس لڑکی کو دیکھا تھا، پھر بہت دوستانہ انداز میں بولا تھا۔

"مجھے تمہاری فکر ہے۔"

"اس گھڑی میں تو اگر موت کا قاصد بھی آ گیا تو جانے سے صاف انکار کر دوں گی۔" اس کی آنکھوں میں بہت شوخی ہی شوخی تھی۔ مسلسل ہنسنے کے باعث آنکھوں میں پانی کی ایک

تہہ آن جمی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے اسے شاید اسی باعث بغور دیکھا تھا اور وہ آنکھوں میں آئی نمی کو ہاتھ کی پشت سے رگڑتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"یہ خوشی کے آنسو ہمیشہ مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔ سب کہتے ہیں ایسی آنکھیں بہت خوبصورت لگتی ہیں مگر مجھے ہمیشہ اس گھڑی ایک عجیب طرح کی شرمندگی آن گھیرتی ہے۔ خیر رات بہت تیزی سے سفر طے کر رہی ہے۔ ہمیں واپس چلنا چاہئے۔" وہ فوراً ہی کہہ کر اس کی سمت تکنے لگی تھی۔

اور تب رہبان عالم شاہ نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے قدم سیڑھیوں کی سمت بڑھا دیئے تھے۔

اب محبت فضول شے کی طرح
دل کے بوسیدہ
طاقچے پر دھری
کارِ سود و زیاں کے لمحوں میں
خلوتِ دل تک آنے والوں پر
آپ ہی آپ مسکراتی ہے!

اس نے جیسے ہی گھر کی دہلیز پر قدم رکھا تھا، کانوں میں فہد کی آواز پڑی تھی۔ اس نے شدید تھکن کے ساتھ ایک گہرا سانس خارج کیا تھا۔

ارادہ تو اپنے کمرے میں ہی جانے کا تھا مگر یہ قطعی طور پر مناسب نہ ہوتا۔ سو اسے روایتوں اور رواداریوں کو نبھانے کے لئے ڈرائنگ روم کی سمت آنا پڑا۔ سب وہیں پر موجود تھے۔ اس نے دہلیز پر رُک کر سلام کیا۔

"ارے واہ...... بڑے بڑے لوگ آ گئے ہیں۔" فہد اسے بھرپور انداز میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ جواب میں وہ بھی رسماً مسکرا دی۔

"بڑے ہم کہاں، بڑے تو آپ ہیں جناب!"

اور فہد ہنسنے لگا تھا۔ "ہم فقیروں سے دوستی کر لو، گر سکھا دیں گے بادشاہی کے۔" اس کی آنکھوں میں بہت سی چمک اچانک ہی آ گئی تھی اور یہ کس باعث تھی، وہ سمجھ سکتی تھی۔ شاید تبھی بہت آہستگی کے ساتھ ہونٹ بھینچ لئے۔

"تم اتنی کم گو تو نہ تھیں، ہیں پھوپھو! کتنا بولا کرتی تھی نا یہ پٹر پٹر۔ اور اب......" اس نے قریب بیٹھی امی سے وضاحت چاہی۔

"سمجھدار ہو گئی ہے میری بچی...... وقت نے بہت سی ذمے داریاں ڈال کر لبوں کی مسکراہٹ چھین لی ہے۔" امی کا لہجہ یکدم ہی افسردہ ہونے لگا تھا۔

"اب آ گئے ہو تو کیا یہیں پر ڈیرہ جمائے رکھنے کا ارادہ ہے۔" اس کی آمد پر وہ بولی تھی اور وہ یکدم ہی ہنس پڑا تھا۔

"ارادہ ہے تو کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" براہ راست آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا تھا اور وہ یکدم ہی رانیہ کی سمت تکنے لگی تھی۔

"پلیز! ایک کپ چائے پلا دو۔ بہت تھکن ہو رہی ہے۔" اس کے لہجے میں واضح انداز میں تھکن موجود تھی۔ تبھی امی نے اسے دیکھا تھا۔

"تم اپنے کمرے میں چلو۔ رانیہ چائے وہیں پہنچا دے گی۔" اور اسے وہ لمحہ غنیمت لگا تھا۔ تبھی فہد کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھتے ہوئے وہ واپس پلٹ آئی تھی۔

"اُف یہ رواداریاں نبھانا بھی کس قدر مشکل ہے۔" اس نے بیڈ پر گرتے ہوئے سوچا تھا۔ کچھ دیر تک یونہی لیٹی رہی تھی۔ پھر اٹھی تھی اور واش روم میں گھس گئی تھی۔ پھر جب وہ چائے کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتے ہوئے یونہی میگزین کے صفحات دیکھ رہی تھی تو دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ دروازے کے بیچوں بیچ فہد کھڑا تھا۔ چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ اسے بھی مروتاً ہونٹ پھیلانے پڑے۔ وہ آگے بڑھ آیا۔

"یہ تم میری تحقیقات پر مامور ہو یا مجھ پر ریسرچ کر رہے ہو؟"

"میری خوش بختی۔" اس کی مسکراہٹ یکدم ہی گہری ہو گئی تھی۔ ادعیہ نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا، پھر سر جھکا کر دوبارہ میگزین کا جائزہ لیا۔

"خاصی باذوق بھی ہو گئی ہو۔" کمرے کا بغور جائزہ لے کر کہا اور وہ سوائے مسکرانے کے کوئی جواب نہ دے سکی۔ وہ بھی جانے کیوں بہت خاموشی سے دیکھنے لگا۔ ادعیہ اس کے اس طرح متواتر دیکھنے پر چونک سی گئی۔ وہ مسلسل بول کر کوئی بھی تاثر ظاہر نہ کرنا چاہتی تھی مگر پتہ نہیں کیوں کرنے کو جیسے کوئی بات ہی نہ تھی۔ کہنے کو جیسے لفظ ہی نہ تھے۔ وہ یونہی سر جھکائے بیٹھی تھی جب اچانک ہی فواد کا بھاری ہاتھ بہت دھیرے سے بڑھا تھا اور اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ایک انجانے لمس پر جیسے ادعیہ کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ وہ سر اٹھا کر دیکھ نہ سکی تھی۔

"پتہ نہیں کیوں، جب ہم بہت دیر بعد ملتے ہیں تو درمیان میں بہت سی دیواریں حائل ہو چکی ہوتی ہیں۔ بہت زیادہ لمبی فصیلیں، اجنبیت کی، بہت زیادہ بیگانگی کی۔ جانے کیوں ایسا ہوتا ہے لیکن ایسا ہوتا ہے۔" اس کے ہاتھ کو بغور دیکھتے ہوئے وہ مدھم لہجے میں گویا ہوا

تھا۔

وہ لمحہ بھر کو اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ پھر یکدم کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"یہ سب باتیں کیا میری ہتھیلیوں کی لکیروں میں تحریر ہیں؟"

"کاش میں ان لکیروں کو پڑھ سکتا۔"

"اس سے بھلا کیا ہوتا؟" اس نے یکدم ہی اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"کم از کم میں یہ تو جان پاتا کہ میں تمہاری قسمت کی لکیروں میں ہوں بھی کہ نہیں؟" فہد کے لہجے میں بہت کچھ تھا۔ وہ یکسر مختلف انداز میں ہنسنے لگی۔

"اچھا چلتا ہوں۔" فہد مسکراتا ہوا بولا۔

"بیٹھو نا۔" ادعیہ نے ایک بار پھر مروت کا دامن تھاما۔

"تم آرام کرو، میں تو یہیں ہوں۔ آتا جاتا رہوں گا۔" وہ کہتا ہوا باہر نکلتا چلا گیا۔ ادعیہ بہت دیر تک خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے سر پشت سے ٹیک دیا۔

✿....✿

چپکے چپکے جل جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے
پُروا سنگ نکل جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے
آنکھوں آنکھوں جل پڑتے ہیں تاروں کی قندیل لئے
چاند کے ساتھ ہی ڈھل جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے
تتلی، تتلی لہراتے ہیں پھولوں کی امید لئے
اِک دن خوشبو ہو جاتے ہیں
لوگ محبت کرنے والے

اس روز کی تقریب کی تصاویر آ چکی تھیں۔ ہال میں سب بیٹھے انہیں نہ صرف بغور دیکھ رہے تھے بلکہ ساتھ ہی ساتھ تبصرے بھی جاری تھے۔

"بھابی! یو آر لکنگ سو پریٹی۔ لگ تو بھیا بھی اچھے رہے ہیں مگر آپ تو پہچان میں ہی نہیں آ رہیں، اتنی غضب کی خوبصورتی۔ جانے کیوں مجھ سے دیر ہو گئی۔ آپ بھیا سے پہلے مجھے کیوں نہیں مل گئیں۔" اعیان نے اچانک ہی شرارت سے قدرے جھک کر کہا تھا اور وہ یکدم ہی بلش ہو گئی تھی۔

"شرم کرو۔" وہ مسکرائی۔ نگاہ جانے کیوں عین سامنے بیٹھے شخص پر جا ٹھہری۔

"حالانکہ آپ کو تو کہنا چاہیے۔ صبر کرو۔" وہ کھلکھلا کر ہنسا۔ وہ بھی مسکرا دی۔

"تمہیں واقعی صبر کرنا چاہیے۔ خدا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں۔" اس نے ایک تصویر کو بغور دیکھا جس میں رہبان عالم شاہ اور وہ ایک ساتھ تھے۔ وہ عروسی لباس میں واقعی پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ کھڑا ماہتاب صفت شخص جیسے خواب سا تھا۔ وہ دونوں ایک تصویر میں مقیم تھے۔ بے حد قریب تھے۔ وہ مسکراتی ہوئی اِک ادا سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کے لبوں پر بھی وہی مدھم سی مسکراہٹ تھی اور...... جانے کب یہ منظر قید کیا گیا تھا۔

"مانا بھئی تصویر اچھی ہے۔ مگر جب تصور حقیقت بنا نظر کے سامنے موجود ہو تو پھر نگاہ کا زاویہ اسی پر مرکوز ہونا چاہیے۔" اعیان نے بہت شوخی سے چھیڑتے ہوئے کہا تھا۔ وہ یکدم جیسے ایک گہرے خواب سے چونکی تھی اور مسکراتے ہوئے بلا ارادہ ہی نگاہ عین سامنے جا رکی تھی۔

"بھابی! دیکھئے، یہ تصویر کتنی اچھی ہے۔ بھیا اور آپ کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔" کائنات نے ایک تصویر کی جانب توجہ مبذول کروائی تھی۔ اعیان نے فوراً ہی تصویر اس کے ہاتھ سے اچک لی تھی۔

"بے وقوف! وہ سنا نہیں تم نے۔

جو بات تم میں ہے وہ تمہاری تصویر میں نہیں آئی
کیا یہ تصویر تم نے کسی دشمن سے ہے بنوائی"

اعیان کا قہقہہ بہت ہی بے ساختہ تھا۔ مژگان کے لبوں پر بھی بے ساختہ ہی مسکراہٹ آ گئی تھی۔ رہبان عالم شاہ بہت فاصلے پر نہ تھا نہ ہی بہت بے خبر تھا۔ یقیناً وہ اعیان کی شرارتوں سے محظوظ ہو رہا تھا۔ کتنے بہت سے لوگوں کے درمیان تھی وہ۔ اب جو نگاہ ٹکرائی تھی تو بری طرح خجالت نے آن گھیرا تھا۔ رہبان عالم شاہ کے لبوں پر بڑا خفیف سا تبسم ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ جھینپ کر رہ گئی۔

"میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" اس نے اس لمحے وہاں سے ہٹنا مناسب خیال کیا۔

"ارے بیٹھئے نا، ملازمین کی فوج ہے گھر میں۔" اعیان نے ہاتھ تھام کر دوبارہ بٹھا لیا۔

وہ خفیف سے انداز میں مسکرا دی۔

"کائنات! جاؤ شاباش چائے بنا کر لاؤ۔"

"اعیان! خیال کرو۔ وہ کل تک کی مہمان ہے، چلی جائے گی تو مہمان ہو جائے گی۔" اس نے بہت محبت سے کائنات کو تھام کر اپنے ساتھ لگایا۔ اس گھڑی وہ واقعی بہت ذمے دار سی بڑی بھابی لگی۔

"مہمان کیوں، ہم جا کر آپ مل آیا کریں گے۔ خود لے آیا کریں گے۔" اعیان مسکرایا۔ ساتھ ہی شرارت سے کائنات کی چوٹی بھی کھینچی۔

"پتر! بیٹیاں تو پرایا ہی دھن ہوا کرتی ہیں۔ رخصت ہوئی نہیں اور پرائی ہوئی نہیں۔ پھر تو قسمتوں سے میل ہوا کرتے ہیں۔" زبیدہ پھوپھو نے کہا۔

"قسمتوں سے کیوں، ہم تو قریب ہی ہوں گے۔ اپنی کائنات کی روز خبر لیا کریں گے۔ ایک ہی شہر کی بات ہے۔ اس شہر میں تنہا نہیں ہو گی ہماری گڑیا۔"

"ارے واہ، کیا محبت ہے نند بھاوج میں۔" اعیان مصنوعی حیرت سے چڑاتے ہوئے بولا۔

"تم کیوں جل رہے ہو؟" مژگان نے حساب بے باق کیا۔

"میں کیونکر جلوں گا۔ اپنی شادی میں آپ کو بھی یونہی لا کر رکھوں گا۔ سارے انتظام آپ ہی کو سنبھالنے ہوں گے جس طرح کائنات کی شادی میں کر رہی ہیں۔ ویسی ہی بھرپور شرکت کرنا ہو گی۔"

اعیان کے حق جتانے پر وہ جانے کیوں لحہ بھر میں ساکت رہ گئی۔ مسکراتے لبوں کی مسکراہٹ جامد ہوئی۔ آنکھیں پل بھر میں ہی رہبان عالم شاہ سے جا ٹکرائیں۔ وہ بھی اس گھڑی اسی کی جانب متوجہ تھا۔

"کیا ہوا...... کیا میری شادی میں بائیکاٹ کا ارادہ ہے؟" اعیان اسے خاموش دیکھ کر گویا ہوا۔ وہ کوئی لفظ نہ کہہ سکی۔ البتہ سر یکدم نفی میں ہلاتے ہوئے بہت دھیمے انداز میں مسکرا دی۔ پھر یکدم اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں چائے لے کر آتی ہوں۔" وہ سرعت سے اٹھی تھی اور کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ کی نگاہیں جانے کیوں اس لمحے ساکت رہ گئی تھیں۔

⭘......⭘

موسم بہت تیزی سے تبدیل ہو رہا تھا۔ ان دنوں موسم میں خنکی کچھ بڑھنے لگی تھی۔ وہ بہت خاموشی سے چلتی جا رہی تھی۔ کوئی ہمقدم سنگ اور بھی تھا۔ مگر وہ جیسے اجنبی سی تھی۔ امی نے اسے زبردستی فہد کے ساتھ کر دیا تھا اور وہ......

"تمہاری آئسکریم پگھل رہی ہے شاید۔" اس کے یکدم ہی کہنے پر ادعیہ چونکی تھی۔

"شاید نہیں یقیناً۔" ساتھ ہی اصلاح بھی کی تھی۔ "میں نے سوچا شاید تمہیں پگھلی ہوئی آئسکریم کھانا پسند ہو تو تم اس سے محروم نہ رہ جاؤ۔"

وہ اس کے خفیف سے طنز پر شرمندہ ہو گئی۔

"بائے دی وے تم غائب کہاں تھیں؟" فہد نے جانے کیوں پوچھنا ضروری خیال کیا۔ وہ یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نہیں، ایسی بات نہیں۔"

"پھر؟" وہ جیسے محظوظ ہوتے ہوئے مسکرایا۔ "بہر حال یوں بے خبر رہنا قطعی اچھا نہیں۔ بائے دی وے تم سوچ کیا رہی تھیں؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا، پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے موسم کی دلفریبی کا لطف لیا۔ "موسم اچھا ہے نا؟"

"اوں، ہوں...... بہت خوبصورت۔" فہد نے تائیداً کہا۔ وہ اس کی جانب ایک نظر ڈالتی ہوئی پھر سے راہوں کو دیکھنے لگی۔

"ایک بات کہوں؟" بہت خاموشی کے بعد وہ مدھم سے انداز میں گویا ہوا۔ وہ یکدم چونکی۔ سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔

"اوں ہوں۔" وہ نظروں کو پھیر کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔

"رات کا بھی اپنا ایک حسن ہے۔ اس کی خاموشی بھی لطف دیتی ہے مگر دل چاہتا ہے، کبھی کبھی باضابطہ گفتگو ہو۔ لفظوں کے ذریعے اس مدھم خاموشی کو توڑا جائے۔ اس تسلسل کو ختم کیا جائے۔"

"تو شوق سے بولتے رہو۔ منع کس نے کیا ہے؟"

"ہاں، پاگل ہوں نا۔"

خاموشی ایک بار پھر سر اٹھانے لگی۔

"سنو۔" فہد نے جیسے ایک بار پھر اس خاموشی میں شگاف ڈالنے کی کوشش کی۔

"ہوں......" ادعیہ کی جیسے جان پر بن آئی۔

"ناصر کاظمی کی ایک بہت دلربا سی نظم سنو گی؟" عجیب عالم شوق کا تھا۔ وہ ابھی کوئی جواب بھی نہ دے پائی تھی کہ وہ دھیرے دھیرے خاموشی کا سینہ چاک کرنے لگا۔

اک بات کہوں گر سنتے ہو
تم مجھ کو اچھے لگتے ہو
کچھ چنچل سے، کچھ چپ چپ سے
کچھ پاگل پاگل لگتے ہو

ادعیہ کی نگاہیں جھکتی چلی گئیں۔ دل جانے کیوں بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

ہیں چاہنے والے اور بہت
پر تم میں ہے اک بات
تم اپنے لگتے ہو
اک بات کہوں گر سنتے ہو
تم مجھ کو اچھے لگتے ہو

اس کی نگاہیں ادعیہ کے رخ پر تھیں اور جیسے ادعیہ کا پورا وجود جلنے لگا تھا۔ قدم اٹھانا دوبھر ہو رہا تھا۔ وہ اسی وقت سے خوفزدہ تھی اور وقت نے آخر کار اسے مات دے دی تھی۔

فہد کا لہجہ بہت سی کہانیوں سے عبارت تھا۔

اور وہ نظریں تھیں کہ اٹھ ہی نہ رہی تھیں۔

یہ بات بات پہ کھو جانا
کچھ کہتے کہتے رک جانا
یہ کس الجھن میں رہتے ہو
اک بات کہوں گر سنتے ہو
تم مجھ کو اچھے لگتے ہو

ادعیہ جیسے اپنے تمام حوصلوں کو مجتمع کرتے ہوئے پُراعتماد لہجے میں سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھتی ہوئی بولی۔

"تم تو خاصے باذوق بندے ہو۔"

وہ اس کے احمق پن پر جیسے پیچ و تاب کھا کر رہ گیا۔ ادعیہ جانے کیوں ہنس دی۔

"اچھا ایک بات بتاؤ۔ تم اتنا عرصہ جو وہاں رہے تو کوئی لڑکی نہیں پسند آئی تمہیں؟ دیکھو

اب جھوٹ مت کہنا۔ جانتی ہوں میں تم کتنے گھونچو شخص ہو۔"

اس کے انداز پر وہ بہت زور سے ہنسا تھا۔

"سچ کہتے ہیں، گھر کا بھیدی ہی لنکا ڈھا سکتا ہے۔ بہت چالاک لڑکی ہو تم۔ بلیک میلر۔" اس کے بے بسی سے کہنے پر وہ ہنسنے لگی۔ تبھی وہ بولا۔ "لڑکیاں تو بہت تھیں مگر کوئی ناصر کاظمی کے شعر کی تفسیر نہ تھی۔ کہیں کوئی "سردیوں کی شام" نہیں تھی۔" فہد کا لہجہ اور انداز بہت دلچسپ تھا۔

"کیوں، کیا وہاں سردیوں میں شامیں نہیں ہوتیں؟"

"اوں ہوں۔ ڈائریکٹ راتیں ہوتی ہیں۔" اس کا قہقہہ بہت جاندار تھا۔ وہ ہونٹ بھینچ کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔

"اینی وے، تم اچھی ہو۔" اس نے ایک دم ہی چونک کر دیکھا تھا۔ وہ شرارت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ گھور کر رہ گئی تھی۔

"میرا خیال ہے اس سے قبل کہ موسم کا مزید کوئی اثر تمہارے دماغ پر ہو، واپس گھر چلیں۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے واپسی کے لئے قدم راہوں پر ڈال دیئے تھے۔

فہد ایک بہت گہری سانس خارج کر کے رہ گیا تھا۔

✿.....✿

یکسر انجان تھی وہ۔

ایسے امور کو نبھانے کا آج تک اتفاق نہ گزرا تھا۔ مگر آج وہ مکمل طور پر گرہستی کے رنگ میں رنگ گئی تھی۔ بنا کسی صلے کی تمنا کے۔ اس نے تمام امور میں خود کو الجھا لیا تھا۔ سب تعریفوں کے پل باندھ رہے تھے۔ بڑی بہو کی ذمے داریوں اور کارکردگیوں پر اسے سراہ رہے تھے تو وہ کسی حد تک سرشار بھی تھی۔ مگر جواب میں اسے کسی شے کی تمنا نہ تھی۔ کچھ زیادہ کی حاجت نہ تھی۔ نہ ہی ضرورت۔

اور ضرورت جس بات کی تھی اس کا جیسے امکان ہی نہ تھا۔ جیسے ہر راہ بند تھی۔ ہر امید زرد رنگ تھی۔ کوئی بھی آس عبث تھی، کوئی بھی خواہش بے مقصد تھی۔

معروفیت ہی معروفیت تھی ان دنوں۔ لمحہ بھر کی بھی فرصت میسر نہ آتی تھی۔ رات دیر سے سونا ہوتا تھا اور صبح خلاف معمول جلد اٹھنا۔ گو گھر میں نوکروں کی فوج تھی مگر اس نے تمام تر ذمے داری اپنے سر لے لی تھی۔

اماں آج کے دن کے حوالے سے بہت سی بیش قیمت جیولری کے سیٹ سنگھار میز پر اس

کے لئے رکھ گئی تھیں۔ وہ میرون ساڑھی کے آنچل کو نیچے گرائے باری باری ایک ایک سیٹ کو ساتھ لگا کر دیکھ رہی تھی۔

"بھابی، جلدی کیجئے نا۔ بارات آنے والی ہے۔" زبیدہ پھوپھو کی بیٹی حنا اس کے ساتھ تھی اور اسے تیاری میں مدد دے رہی تھی۔

"تمہیں اگر جلدی ہے تو چلی جاؤ۔ میں آ جاؤں گی۔" اس نے مسکرا کر سہولت سے کہا۔

"اگر کہیں تو جیا کو بھیج دوں؟" حنا بہت شرارت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

وہ جھینپ کر رہ گئی۔ "اینی وے، کتنی دیر لگے گی مزید؟" حنا کو شاید جلدی تھی۔

"بس تھوڑی ہی دیر میں آ جاؤں گی۔ اماں پوچھیں تو بتا دینا۔" اس نے خود کو آئینے میں بغور دیکھتے ہوئے تلقین کی۔

"اور اگر رہبان بھائی پوچھیں تو؟" حنا یکدم ہی شوخ ہوئی۔ وہ بہت دھیرے سے مسکرا دی۔

"تب بھی یہی کہہ دینا۔" بہت اعتماد سے جواب دیا۔ تب حنا پلٹ کر باہر نکل گئی۔

اسے سرے سے کوئی تجربہ نہ تھا ایسے زیورات کو پہننے کا۔ سمجھ میں ہی نہ آ رہا تھا کہ کیا پہنے۔ عجیب پریشانی لاحق تھی۔ ایک بیش قیمت نیکلس اٹھا کر صراحی دار گردن پر رکھا تھا، جب یکدم ہی نگاہ آئینے میں الجھ گئی تھی۔ آئینے میں بننے والا عکس تنہا نہ تھا۔

وہ اب تک کمرے میں تنہا تھی۔ کسی اور کی آمد کا امکان تک نہ تھا۔

اور رہبان عالم شاہ کو عین اپنے سامنے مجسم پا کر وہ جیسے پتھر ہو گئی تھی۔ جانے کب وہ بہت خاموشی سے اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا تھا۔ اسے تو خبر تک نہ ہوئی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے اس کے پلٹ کر دیکھنے پر ایک بھرپور نگاہ کی تھی اور پھر دوسرے ہی پل نظروں کا زاویہ پھیر لیا تھا۔ وہ بھی اس گھڑی جیسے بیدار ہوئی تھی۔ فوراً ہی زمین پر جھولتا ہوا آنچل اٹھا کر شانے پر ڈالا تھا۔

"آپ......؟" نظریں جھکا کر وہ اسی قدر کہہ سکی۔

"وہ اماں نے کہا تھا تمہیں یہ دے دوں۔" رہبان عالم شاہ نے اس کی جانب دیکھنے سے جانے کیوں اب کے گریز برتا۔ وہ اس کے مضبوط ہاتھ میں تھما پیکٹ دیکھنے لگی۔

"کیا ہے یہ؟" اس نے بہت دھیرے سے مسکرا کر پوچھا۔

"دیکھ لو۔" رہبان عالم شاہ نے ایک سرسری نگاہ کی۔ مژگان نے ہاتھ بڑھا کر پیکٹ تھام لیا۔

"جلدی کرو۔ بارات کی آمد کا وقت ہو چلا ہے۔ بہت سی رسمیں تمہارے ہاتھوں ہی انجام پانا ہیں۔" رہبان عالم شاہ نے گویا مطلع کیا۔ وہ اس کی جانب دیکھنے لگی۔ پھر مسکرا دی۔

"تیاری تو میری تمام مکمل ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آ رہا جیولری کون سی پہنوں۔ کین یو ہیلپ می؟" اس نے جیسے منت کی۔

"میں......؟" وہ حیران ہوا۔ پھر ہولے سے مسکرایا۔ "او کے۔" ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے وہ آگے بڑھا۔

میرون رنگ کی ساڑھی میں اس کا وجود جیسے سنگ مرمر سے تراشا ہوا کوئی مجسمہ تھا۔ کھلے سیاہ بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ یقیناً بہت دلربا لگ رہی تھی۔

اس کا مہکتا ہوا وجود اس کے بہت قریب تھا۔ اور اس گھڑی جانے کیوں وہ نگاہ چرا کر بہت سے بیش قیمت جیولری سیٹس کو دیکھنے لگا تھا۔ پھر بہت سہولت سے ایک نازک اور نفیس سا نیکلس اٹھا لیا تھا۔

"میرے خیال میں یہ خوبصورت ہے۔"

مژگان نے اس کے ہاتھ سے وہ نیکلس لے لیا۔

"تھینکس! جانے کبھی کبھی کوئی فیصلہ نہیں ہو پاتا۔ یا شاید واقعی کوئی فیصلہ کرنا اتنا سہل نہیں۔" وہ بہت دھیمے انداز میں مسکرائی۔ رہبان عالم شاہ نے اسے بغور دیکھا۔

اتنے بہت سارے دنوں میں وہ کس مہارت کے ساتھ اس خاکے میں ڈھل چکی تھی۔

کوئی کیسے کہہ سکتا تھا کہ وہ اس رشتے میں منسلک نہ تھی۔ یا پھر کسی شے سے اس کی وابستگی نہ تھی۔ وہ درحقیقت وہ نہ تھی، جو اسے سمجھا جا رہا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ اس کے اس طرح بدستور دیکھنے پر مسکرائی۔ "اچھی لگ رہی ہوں نا؟" بہت معصوم سے انداز میں دریافت کیا گیا تھا۔

وہ چونکا تھا۔ پھر مسکراتے ہوئے دوسرے پل سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اس نے رہبان عالم شاہ کے چہرے کو جانے کیوں بغور دیکھا تھا، پھر پلٹ کر اپنی گردن میں موجود نفیس سے نیکلس کو دیکھنے لگی تھی۔ رہبان عالم شاہ کا سلیکشن واقعی کمال کا تھا۔ اس نے آئینے میں دیکھ کر اس بات کا اعتراف کیا تھا۔

"یہ تو واقعی اچھا لگ رہا ہے۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئی تھی۔ البتہ رہبان عالم شاہ نے کوئی بھی جواب دیئے بغیر دھیان دوسری سمت کر لیا۔

وہ آنچل کو سلیقے سے شانے پر جمانے لگی تھی۔

"تیار ہو کر جلدی سے آ جاؤ۔" وہ بولا تھا اور پھر پلٹ کر اسی سرعت سے باہر نکل گیا تھا۔

کمرے میں ایک دم ہی جیسے گہرا سکوت چھا گیا تھا۔

مژگان نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے کمرے کا ازسرنو جائزہ لیا تھا۔ ویرانی جانے کیوں یکدم ہی بڑھ گئی تھی۔

ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے وہ پلٹی تھی۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل پر دھرے اس پیکٹ پر نگاہ پڑی تھی۔ اس نے اٹھا کر دھیرے سے پیکٹ کھولا تھا۔ تازہ موتیے اور موگرے کے بہت سے گجرے مہک رہے تھے۔ اس کے لبوں پر جانے کیوں بہت دھیمی سی مسکراہٹ نے ڈیرا آن جمایا تھا۔ اس نے ایک کیف کے عالم میں ان گجروں پر جھک کر چند سانسیں اندر منتقل کی تھیں پھر دوسرے ہی پل انہیں اپنے ہاتھوں اور بالوں میں سجانے لگی تھی۔

✿......✿

ایک تصور ہے
جس میں میرے سارے شہر کا منظر ہے
منظر میں اِک ویرانہ ہے
اور اس ویرانے میں دل!

آج شام میں ایک بار پھر ماموں کی فیملی والے سب ہو کر گئے تھے۔ اور ایک بار پھر گویا اس کی جان پر بن آئی تھی۔ ممانی جان کی توجہ اس پر پہلے سے بڑھ کر تھی اور فہد کی نظروں سے اس کے اندر آج قیامت مچی ہوئی تھی۔

اس تمام عرصے میں وہ کس قدر مشکل کے ساتھ فقط امی کے خیال سے ان سب کے درمیان نہ صرف موجود تھی بلکہ متواتر خوش اسلوبی سے مسکراتی بھی رہی تھی۔ وہ جانتی تھی، ان کے جانے کے بعد یقیناً امی ایک بار پھر اس سے اسی بابت دریافت کریں گی۔ گو اس کے سامنے ممانی اور ماموں نے کوئی ایسا قصہ نہیں چھیڑا تھا۔ مگر وہ جان سکتی تھی کہ یہ آمد کس باعث تھی۔ پھر فرحان بھائی کی چھیڑ چھاڑ اور دیگر کزنز کی ہنسی مذاق، اور بطور خاص محترم فہد کا نام لے کر اسے نشانہ بنانا۔ وہ اس قدر ناسمجھ تو قطعی نہ تھی۔ ان کے جانے کے بعد وہ قصداً کچن میں مصروف ہو گئی تھی۔ پھر جب فارغ ہوئی تو سیدھی اپنے کمرے میں آ گئی تھی جہاں شعاع اس کی منتظر تھی۔

"یہ فرار کی کون سی کوشش ہے؟" اسے بغور دیکھتے ہوئے شعاع نے دریافت کیا تھا۔ عجب تلخی سی تھی انداز میں۔

"میں تھک چکی ہوں اس تمام کھیل سے۔ دو چار روز میں مزید کوئی حل نہ نکلا تو......"

"تو؟" شعاع نے مکمل اطمینان سے اسے دیکھا۔

وہ چونکی، پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس کی سمت دیکھا۔

"کچھ بھی ہو، اب میں مزید سولی پر نہیں لٹک سکتی۔ اگر وہ شخص سامنے آ گیا تو پہلی فرصت میں شوٹ کر ڈالوں گی۔ قصور وار فقط وہ ہے۔ اپنی آسانیوں کے لئے اس نے مجھے چارا بنایا ہے۔" اس کے تپے ہوئے انداز پر جانے کیوں شعاع کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"تم کیوں ہنس رہی ہو۔ خود صاف بچ کر نکل گیا اور مجھ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ گیا۔ کم ہمت، بزدل شخص۔"

شعاع نہ جانے کیوں ہنسنے لگی۔

"اسے کوسنا کسی مسئلے کا حل نہیں ثابت ہوگا ادعیہ! ڈونٹ بی اسٹوپڈ۔"

"پھر کیا کروں میں؟ شعاع! میں واقعی تھک رہی ہوں۔ اور وہ فہد......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ شعاع اسے سنجیدگی سے دیکھنے لگی، پھر بولی۔

"ابھی امی میرے پاس سے اٹھ کر گئی ہیں۔"

وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ کسی قدر جان تو گئی تھی کہ بات کیا ہوگی۔ تبھی سر جھکا کر بولی۔

"تم نے کیا کہا؟" بہت مدھم انداز میں پوچھنے کے ساتھ ہی اسے دیکھنا بھی ضروری خیال کیا تھا۔ شعاع چپ ہونے کے ساتھ ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"امی کیا کہہ رہی تھیں؟" ادعیہ نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے شعاع کی سمت دیکھا۔

"امی کہہ رہی تھیں، میں تم سے اس سلسلے میں بات کروں۔" ادعیہ نے اسے تھک کر دیکھا۔ پھر نظریں پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔ تبھی شعاع نے بات کو مزید جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "امی کا خیال ہے میں بہتر طریقے سے تم سے اس سلسلے میں بات کر سکتی ہوں اور تمہاری مرضی معلوم کر سکتی ہوں۔"

"اور تم؟" وہ بہت تیزی سے بولی۔ پھر جانے کیوں مزید کچھ کہے بغیر چپ ہو کر سر جھکا گئی۔ شعاع نے اسے دیکھا پھر بہت ٹھہرے ہوئے انداز میں گویا ہوئی۔

"امی کی ایک بات بہت حوصلہ افزا ہے۔ اور وہ یہ کہ انہوں نے تمہاری پسند کو بھی فوقیت دی ہے۔ وہ یہی کہہ رہی تھیں کہ تمہاری مرضی کو اولیت حاصل ہوگی۔"

ادعیہ اس کی بات کے جواب میں بس خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔ مسئلہ یقیناً اس کی

رائے کی فوقیت کا نہ تھا۔ امی کو اصل صورت حال سے آگاہ کرنا اور پھر ان کی جانب سے کسی جوابی ردعمل کا ظاہر ہونا۔ یقیناً اسے خدشہ اسی بات کا تھا۔

"ادعیہ......" وہ یونہی سر جھکائے بیٹھی تھی جب شعاع نے اسے پکارا۔

"ہوں......" اس نے سر اٹھا کر قطعی نہ دیکھا۔

"کیا چاہتی ہو تم؟" شعاع کا لہجہ بہت ٹھہرا ہوا تھا اور وہ پل بھر میں جیسے انگاروں پر آ گئی تھی۔

"شعاع! بات فقط میری مرضی کی قطعی نہیں ہے۔ تمہیں یہ بات میں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔" وہ یکدم بہت تیزی سے بولی پھر احساس ہوا تو کچھ لمحوں کو چپ ہو گئی۔ شعاع نے اسے بغور دیکھا۔

"اگر تم اعصار شیخ کی طرف ہی جانا چاہتی ہو، تمہارا کیا خیال ہے؟" شعاع کوشش کے باوجود لفظوں میں اپنا مدعا بیان کرنے میں ناکام رہی۔

وہ کچھ دیر تک یونہی خاموشی سے دیکھتی رہی، پھر بہت تھکے ہوئے انداز میں سر کرسی کی پشت سے ٹکایا۔ "میں بیچ منجدھار میں ہوں۔ میری نہ تو کوئی خواہش ہے، نہ ہی مرضی۔"

شعاع نے اسے دیکھا، ایک گہری سانس خارج کی۔ "اگر میں امی کو اعصار شیخ کے متعلق سرسری سا آگاہ کر دوں؟ کم از کم اس کی مرضی اور خواہش کے متعلق ہی تو؟"

"یہ کیسے ممکن ہے؟ رشتہ بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ اگر تم امی کو آگاہ کر بھی دو گی تو بھلا کیا ہوگا۔ امی کی خواہش تو یہی ہوگی کہ اگر اس شخص کی مرضی ہے تو وہ اپنے والدین کو بھیج دے۔ اور یہی تو اہم مسئلہ ہے جس کے باعث اس نے مجھے اس دلدل میں گھسیٹا ہے۔ اسے خود بھی مسئلہ درپیش تھا اور اس نے الٹا مجھے قربانی کا بکرا بنا ڈالا۔"

"تو پھر تو وہی کوئی بہتر فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں اگر ہم خلع بھی لینا چاہتے ہیں تو بات ڈھکی چھپی تو قطعی نہ رہے گی اور یہی بات ہمیں چپ رہنے پر مجبور کر رہی ہے۔ میں چاہتی ہوں ادعیہ! بات مزید نہ بگڑے۔ جو کچھ ہو گیا ہے، وہی کافی ہے۔ اس کے بعد جو بھی فیصلے ہوں، وہ عقل و خرد کے ساتھ ہوں تا کہ مزید پچھتاوے جنم نہ لے سکیں۔ مگر کسی بھی اقدام کے لئے اعصار شیخ کی یہاں موجودگی بہت ضروری ہے۔ آخر اس نے اتنا بڑا قدم اٹھایا ہے تو کچھ آگے کی حکمت عملی بھی تو اس کے ذہن میں موجود ہوگی نا۔" شعاع نے بہت دھیمے انداز میں کہا تو وہ فقط دیکھ کر رہ گئی۔ پھر بہت مدھم آواز میں گویا ہوئی۔

"شعاع! سب ٹھیک ہو جائے گا نا؟" اس کے لہجے میں آس ہی آس تھی۔

''انشاء اللہ۔'' شعاع نے اس کا حوصلہ بندھایا۔ ادعیہ کی نگاہوں میں یکدم ہی پانی کے قطرے آن ٹھہرے۔

''میں بغیر کسی نقصان کے اس بھنور سے نکلنا چاہتی ہوں۔ مجھے اپنے آپ سے وابستہ ہستیاں بہت عزیز ہیں اور میں خود اپنے آپ کا نقصان تو برداشت کر سکتی ہوں مگر کسی اور کا قطعی نہیں۔'' شفاف قطرے پلکوں سے بہت آہستگی سے ٹوٹے تھے اور رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔ شعاع نے بہت دھیرے سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ دھر دیا تھا۔

❁.....❁

بقیہ واقعات کے لئے ''اے شمع کوئے جاناں''
کی جلد دوئم کا مطالعہ کیجئے

اے شمع کوئے جاناں
عشنا کوثر سردار

معیاری اور خوبصورت کتابیں

بااہتمام: محمد علی قریشی

باراول ——— 2004ء

مطبع ——— نیر اسد پریس

سرورق ——— ذاکر

کمپوزنگ ——— وسیم احمد قریشی

قیمت ——— -/300 روپے

مکمل سیٹ -/600 روپے

وسیع و عریض

بے کنار

گہرے اتھاہ

اور گم صم

چپ چاپ

کبھی کبھی

ایک اکیلی رات

اور بھٹکا ہوا میں!

''سوہنے رب کا شکر ہے ہر کم چنگی طرح اپنے انجام کو پہنچا۔ بیٹیاں لاکھ عزیز سہی مگر ہوتی تو پرایا دھن ہی ہیں۔ مجھے تو اس دن کا ہی انتظار تھا۔ خیر سے کائنات اپنے گھر کی ہوئی، خدا نے سوہنی جئی بہو سے بھی نواز دیا۔ ایک بیٹی اپنے گھر کی ہوئی اور دوسری بیٹی نے گھر کو آباد کر دیا۔ ہن کوئی دُوجی خواہش نئیں دل میں۔'' اماں نے اسے بہت محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔ نارملی وہ بہت گاڑھی پنجابی ہی بولتی تھیں۔ مگر غالباً اس کے مغربی ماحول کے پروردہ ہونے کے خیال سے بات کرتے ہوئے اُردو زیادہ استعمال کرتی تھیں۔

مژگان نے ان کی ضعیف آنکھوں سے پھوٹی روشنی کو دیکھا، پھر دھیرے سے مسکرا دی۔

''اماں! آپ بہت اچھی ہیں۔''

جانے کس خیال کے تحت وہ بولی پھر سر جھکا لیا۔ اماں نے اس کے سر پر ہاتھ دھر دیا۔

''بڑی آرزو تھی میری، اس گھر کے در و دیوار میرے رہبان کی دُلہن کے وجود سے آباد ہوں۔ اور آج وہ گھڑی خدا نے مجھے دکھا دی۔ مجھ سے نہیں سنبھالی جاتیں اب ذمے داریاں، آ گئی ہے تو سنبھال اپنے گھر کو۔ بڑے عرصے سے بوجھ اٹھائے رہی۔ اب نہیں سنبھالے جاتے یہ بکھیڑے۔ اپنے گھر کو چلا اور مجھے فارغ کر دے۔ بہت جی چاہتا ہے اب آرام کرنے کو، حکم چلانے کو اور چھوٹے چھوٹے پوتے پوتیاں کھلانے کو۔'' وہ اس کے چہرے کو

بہت پیار سے چھوتے ہوئے مسکرا دیں۔

وہ جانے کیوں یکدم ہی سرخ پڑ گئی۔ نظریں زمین سے جا لگیں۔ کہنے کو ایک لفظ بھی نہ بچا۔

''بڑا انتظار تھا مجھے اس وسیلے کا۔ قدرت آج مہربان ہوئی ہے تو ویلا لنگنے نہ دوں گی۔ اگر یہاں نہ رہنا ہو تو ہم بھی تیرے ساتھ شہر جا بسیں گے۔ گھر رہنے والوں سے بنتے ہیں۔ در و دیوار کو پھونکنا نہیں ہے۔ جس گھر میں میرے بچے نہ رہیں، وہاں ہمیں بھی رہ کر کیا کرنا ہے۔'' اماں کا لہجہ محبتوں سے چور تھا اور وہ...... کیا کہتی؟ اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ تبھی رہبان اور اعیان اندر داخل ہوئے تھے۔

''کیا مذاکرات چل رہے ہیں ساس بہو میں؟'' رہبان عالم شاہ ساس بہو کو ایک ساتھ بیٹھے دیکھ کر دلچسپی سے مسکرایا تھا۔

''خدا رحم کرے۔ تاریخ ساز دن دیکھ رہا ہوں۔ ساس بہو، اس قدر قریب اور وہ بھی اتنے پیار سلوک کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی دیکھی جا رہی ہیں۔ ضرور گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ کو انفارم کرنا چاہئے۔'' اعیان چھیڑنے سے باز نہ آیا تھا۔ اماں اور وہ ایک ساتھ مسکرائی تھیں۔

''بٹھا آیا اپنی پھوپھو کو گاڑی پر؟''

دونوں بھائی مل کر اپنی پھوپھو اور بی اماں کو اسٹیشن تک چھوڑنے گئے تھے۔

''جی!'' رہبان نے بہت ادب سے جواب دیا۔ تبھی اماں بولیں۔

''میں بہو سے کہہ رہی تھی کہ اب اس گھر کو اپنے وجود سے آباد کرو۔''

''اور رہبان بھائی کا کیا ہوگا؟'' اعیان بے حد برجستگی سے گویا ہوا تھا اور جہاں رہبان عالم شاہ بے ساختہ مسکرایا تھا، وہیں وہ جھینپ کر رہ گئی تھی۔ اعیان ہنسنے لگا تھا۔ تبھی اماں نے اسے خفگی سے گھورا تھا۔

''تو چپ رہ...... میں تیرے بڑے بھائی سے بات کر رہی ہوں۔'' اماں کہہ کر رہبان عالم شاہ کی سمت دیکھنے لگیں۔

''آنے والے سب لوگوں نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ مہمان تھے، سو سب سدھار لئے۔ تو اب...... اب تیری کیا مرضی ہے؟''

رہبان عالم شاہ نے مژگان کی سمت دیکھا۔ یقیناً اماں تھوڑی دیر قبل اسی مسئلے پر اس سے بات چیت کر رہی تھیں، وہ کسی قدر جان گیا تھا۔ اگر مژگان درحقیقت اس سے منسوب ہوتی تو یقیناً وہ اس مسئلے کو خود رہبان عالم شاہ سے ڈسکس کرتی اور اماں کی طرف داری کرتی۔ مگر وہ اس گھڑی بہت غیر جانبداری کے ساتھ سر جھکا گئی تھی جیسے سرے سے اس مسئلے سے کوئی واسطہ

نہ ہو۔ رہبان نے جانے کیوں اس گھڑی اس کی نگاہوں اور چہرے پر بہت گہرا اضطراب دیکھا تھا۔

''اماں! ہم کوئی مہمان تو نہیں۔'' وہ بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔ ساتھ ہی مژگان کو دیکھا تھا۔ وہ سر جھکائے بہت انہماک سے اپنے ناخنوں سے کیوٹکس کھرچ رہی تھی۔

''مہمان ہیں، تبھی تو پوچھ رہی ہوں۔ بول اب تو کیا کہتا ہے؟ اپنی بہو سے تو بات ہو چکی میری۔ یہ تو طے ہے، اب کے میں نہیں تنہا رہنے والی۔'' اماں نے جیسے دوٹوک بات کی۔ وہ بہت ہولے سے مسکرا دیا۔

''اماں! ہم آپ کو تنہا چھوڑیں گے بھی نہیں۔ ہماری جنت ہیں آپ۔'' اس نے بہت محبت سے کہا۔

''لیجئے، شکر بٹ رہی ہے۔'' اعیان بہت شرارت سے مسکرایا۔ تبھی مژگان بہت ہولے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں ابا جی کو پوچھ لوں، کسی شے کی ضرورت نہ ہو۔'' وہ بہانے سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی پھر واقعی وہ کچھ دیر ابا جی کے پاس بیٹھی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی۔ دراصل وہاں بیٹھ کر وہ کسی طور خود کو ''فٹ'' محسوس نہ کر رہی تھی۔ اسے تو یہ بھی پتہ نہ تھا کہ وہ کتنی دیر اور اس ڈرامے کا حصہ تھی۔ پھر کسی کی بھرپور محبتوں کا جواب کیسے اور کیونکر دے سکتی تھی۔ وہ خود کو ان تمام باتوں سے فقط اس لئے بھی الگ رکھنا چاہتی تھی کہ اس کے پاس سرے سے کسی بات کا کوئی جواب نہ تھا اور نہ ہی معلوم تھا کہ کس قسم کا رد عمل ظاہر کرنا ہے۔ یہ بات یقیناً اس کے ایجنڈے میں شامل نہ تھی۔

اسے خبر نہ تھی کہ ان ماں بیٹے میں کیا بات طے پائی ہے۔ اسے فقط مرتب کردہ فیصلوں پر سر جھکانا تھا۔ منتخب کردہ راہوں پر قدم رکھنے تھے، چنی گئی راہوں پر چلنا تھا۔ وہ مکمل طور پر پابند تھی۔ شاید تبھی ہونٹوں پر چپ کے قفل لگا لئے تھے۔ ابا جی کے پاس سے اٹھ کر اگرچہ دل قطعی طور پر کمرے میں جانے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر کچھ پوچھے جانے کے خیال سے وہاں سے اٹھی تو سست قدموں سے چلتی ہوئی کمرے میں آ گئی۔ عارضی قیام گاہ، عارضی نام و مقام، عارضی رشتہ، عارضی رواداریاں اور مروتیں۔

اس نے بہت آہستگی سے دروازہ کھولا تھا اور رہبان عالم شاہ کو پہلے سے بیڈ روم میں موجود پا کر لمحہ بھر کو چونک گئی تھی۔

وہ نائٹ سوٹ میں ایزی انداز میں بیڈ پر نیم دراز کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف

تھا۔ مژگان نے بہت آہستگی کے ساتھ قدم دہلیز کے اندر رکھے تھے مگر اس کے باوجود وہ توجہ بٹا کر اس کی سمت تکنے لگا تھا۔ وہ اس گھڑی جانے کیوں بہت گھبرا رہی تھی۔

"میں ابا جی کے پاس تھی۔" جانے کیوں وضاحت دی تھی اس نے۔ حالانکہ دیکھنے والے نے کوئی وضاحت چاہی تو نہیں تھی۔

"ابا جی سے باتیں کرتے ہوئے احساس ہی نہیں ہوتا کہ بیچ میں کوئی ایج ڈیفرنس موجود ہے۔ بہت دوستانہ انداز ہے ان کا۔" مژگان جانے کیوں بولتے رہنا چاہتی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے اسے فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔

"تم وہاں سے کیوں چلی گئی تھیں؟" اور وہ یکدم چونک پڑی تھی۔ پھر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"ایکچوئلی مجھے ابا جی کا خیال آ گیا تھا۔" اس نے بروقت بہانا تراشا۔

رہبان عالم شاہ جانے کیوں بہت خفیف سے انداز میں مسکرا دیا۔ وہ جیسے خجل سی ہو کر سر جھکا گئی۔

"اب کیا وہیں کھڑی رہو گی؟" رہبان عالم شاہ نے جیسے اسے بیدار کیا۔ وہ چونکی پھر اپنی بیوقوفی پر جی بھر کر غصہ آیا۔ تبھی جیسے وہ ہر قسم کے تاثر کو زائل کرنے کے لئے مسکرا دی۔

"گاؤں کی راتیں کتنی دلفریب لگتی ہیں نا؟" وہ دھیرے سے آگے بڑھ آئی اور بیڈ کے کونے پر ٹک گئی۔

"گاؤں کی ہر شے باکمال ہے۔" رہبان عالم شاہ نے اسے بغور دیکھا۔

"ہاں واقعی۔" وہ دھیرے سے ہنس دی۔ "میں سمجھی تھی فقط مجھے ہی اٹریکشن فیل ہو رہی ہے۔" لائٹ فیروزی سوٹ میں وہ عام سے حلیے میں ہونے کے باوجود توجہ کا باعث تھی۔ خلاف معمول بالوں کو تیل لگا کر چٹیا گوندھی گئی تھی۔ یہ یقیناً اماں کی محبت کا ثبوت تھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو، لطیف جذبات فقط فرد واحد ہی کی میراث ہوا کرتے ہیں؟"

وہ اس کی بات سمجھتے ہوئے یکدم مسکرا دی۔ "نہیں، یقیناً کوئی دوسرا فرد بھی آزادانہ طور پر اس طریقے سے محسوس کر سکتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ آپ تو یہاں پر غالباً رہتے ہیں تو یہ ماحول آپ کو شاید اس قدر متاثر نہ کرتا ہو بہ نسبت پہلی بار دیکھنے والوں کے۔" مژگان نے وضاحت کی۔ رہبان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"میں نے وضاحت تو نہیں چاہی تھی۔ بہرحال ایسی بات قطعی نہیں ہے۔ یہ ماحول ہمیں بھی اسی قدر متاثر کرتا ہے۔ اس کے لہلہاتے کھیت، پگڈنڈیاں، کچے مکان اور تر و تازہ معطر

ہوا ہر شے اپنے حسن میں یکتا ہے۔"

وہ سر جھکا کر دھیرے سے مسکرا دی۔ اگرچہ وہ اس گھڑی جاننا چاہتی تھی کہ فیصلہ کیا ٹھہرا۔ رکنا ہے یا سامان پیک کرنا ہے مگر جانے کیوں پوچھ نہ سکی۔ تبھی شاید رہبان عالم شاہ نے اس کی سوچ پڑھ لی۔

"امی کا اصرار ہے کہ کچھ دن مزید رہا جائے۔ میرے لئے تو یہ بہت مشکل ہے۔ ہاں، ان کا اصرار تمہارے لئے بہت ہے۔ اگر تم چاہو تو کچھ دن ٹھہر جاؤ۔"

مژگان سر اٹھا کر خاموش نظروں سے دیکھنے لگی۔ تبھی وہ بولا۔

"شاید تم سمجھ سکو کہ ان کے یہ جذبات بہت فطری ہیں۔ ایکچوئلی اس تعلق کے حوالے سے یقیناً ان کے دل میں بہت سے ارمان ہیں۔"

مژگان جانے کیوں دیکھتی رہی۔ فقط خالی خالی نظروں سے۔ جانے کیوں پوچھ نہ سکی کہ کیا یہ مناسب ہے، کل کو وہ جب نہیں رہے گی تو لوگ کیا جواز ڈھونڈیں گے۔ وہ کیوں اسے ان سب سے اس قدر قریب کر رہا تھا جبکہ اسے ہمیشہ ان کے قریب نہیں رہنا تھا۔ غالباً وہ اس کے نتائج سے واقف نہ تھا۔ یا اگر تھا بھی تو مسلسل مصلحت کی انگلی تھام کر چلتا چلا جا رہا تھا۔

اس کے وجود کی توڑ پھوڑ کی کسے فکر تھی۔ کل جب وہ واپس پلٹتی تو کیا اس کے دل میں کوئی خواہش ناسور نہ بن چکی ہوتی؟ جہاں دل تھا وہاں فقط ویرانہ نہ ہوتا؟ کوئی کھیل تو نہ تھا کھیلنے والا۔ مگر وہ جانے کیوں کھیل رہی تھی۔ کھیلتی جا رہی تھی۔ ہر شے داؤ پر لگاتی جا رہی تھی۔ مسلسل آگ سے کھیل رہی تھی۔ شعلوں کی زد میں تھی۔ جل بھی تو سکتی تھی، جاں بھی تو جا سکتی تھی۔

وہ مرد تھا، با اختیار تھا۔ اس کے باوجود مجبوریوں کا رونا رو رہا تھا۔ مصلحت کی انگلی تھامے اس کے سہارے کھیل رہا تھا اور وہ ہر شے کی پرواہ کئے بغیر چلتی چلی جا رہی تھی۔

اس شخص کو تو ایک دن لوٹ جانا تھا، اپنی طے شدہ منزل کی جانب۔ راہیں اس کے سامنے تھیں۔ تمام راستے کھلے ہوئے تھے۔ اور وہ...... وہ خالی۔

راستے بند گلی کو دیکھنے کو یقیناً تنہا رہ جاتی۔

ایک خالی وجود کے ساتھ!

بے روح جسم کے ساتھ!

جلے ہوئے وجود سمیت!

جانے کیوں ہاتھ تھام کر چلنے والے کو اس کی شکستگی کا احساس نہ تھا۔

اس کی نسوانی انا اور وقار کا خیال نہ تھا۔
اس کے جذبات کے متعلق ادراک نہ تھا۔
وہ تنہا رہ جاتی تو کون تھا جو اس کی دل جوئی کرتا۔ اس کے جلے ہوئے وجود پر اپنی نرم انگلیوں سے پھاہے رکھتا۔ اس کا خیال کرتا، احساس کرتا۔ وہ کیوں اسے ایک بند گلی کی سمت لئے جا رہا تھا۔ اور جانے کیوں وہ بھی مسلسل چلتی چلی جا رہی تھی۔

''مژگان!'' اسے خالی خالی آنکھوں سے اپنی سمت دیکھتا پا کر رہبان عالم شاہ نے اس کے ہاتھ پر بہت دھیرے سے اپنا ہاتھ دھر دیا تھا اور وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ نظریں اس کی بھوری آنکھوں سے ملی تھیں اور وہ یکدم ہی نظریں جھکا گئی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''او کے، تم سامان پیک کر لو۔''

اور وہ یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ ''نہیں، ایسی بات نہیں۔ میں رہ لوں گی۔ آپ بتا دیجئے، کب آئیں گے آپ؟''

اس کی بوکھلاہٹ پر وہ بہت دھیرے سے مسکرا دیا۔ پھر اس کے چہرے کو بغور دیکھتا ہوا بولا۔ ''دو دن تک کے لئے ہم یہاں ہیں۔ امی کا اصرار ہے، اعیان بھی کہہ رہا ہے۔ فارم ہاؤس کے لئے مجھے انکار کرنا مناسب نہیں لگا۔ پھر امی تمہیں شاہ جی کے مزار پر بھی لے جانا چاہتی تھیں۔ کوئی دیا وغیرہ جلانے کی رسم ہوتی ہے، اسے پورا کرنا ہے۔ اس کے بعد ہم کراچی میں ہوں گے۔'' رہبان نے بہت دھیرے سے مسکرا کر کہا۔

''میں نے رہنے سے انکار نہیں کیا۔ مجھے خوشی ہو گی اماں اور ابا جی کے پاس رہ کر اگر آپ اجازت دیں تو۔''

''اور پھر میرا خیال کون رکھے گا؟'' پتہ نہیں جملے کی واقعی کوئی حقیقت تھی یا فقط مذاق۔ البتہ مژگان کا دل لمحہ بھر کو جیسے رکا تھا، سمٹا تھا اور پھر یکدم ہی بہت تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا۔ وہ بلا ارادہ ہی اس شخص کی آنکھوں میں دیکھنے لگی تھی۔ جانے کیا کھوجنے کو؟

''اے...... کیا ہوا؟'' وہ اسی شگفتگی سے مسکرایا تھا۔ وہ چونکی تھی، پھر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''اگر رہنا چاہتی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ بلکہ رہنا تو میں بھی چاہتا ہوں لیکن مجبوری، حالات اجازت نہیں دیتے۔ اینی وے، قیام کب تک رہے گا؟''

''جب تک آپ اجازت دیں گے۔'' وہ سر جھکائے جانے کیوں اس گھڑی بہت عادت مند سی لگی۔ ہر ایک بات میں اس سے پوچھنا، اس کی اجازت مانگنا، فطری رنگ میں اسے

اہمیت دینا، احترام سے نوازنا۔ وہ مکمل طور پر اس سانچے میں ڈھلتی جا رہی تھی یا پھر فقط اس کی نظر کا دھوکا تھا۔

وہ یونہی سر جھکائے بیڈ شیٹ پر انگلی سے حاشیئے بنا رہی تھی۔

''او کے، جب تک جی چاہے رہو۔ جب چلنا ہو تو فون کر کے آگاہ کر دینا۔'' اس نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اجازت دی۔ تبھی وہ سر اٹھا کر دیکھنے لگی۔

''فون سے یاد آیا، تجل کیسی ہے؟ اس کے پاپا کا بائی پاس ہونے والا تھا نا؟''

''ہوں...... ٹھیک ہے۔ اب تو وہ کچھ ہی دنوں میں پاکستان بھی آنے والی ہے۔'' رہبان عالم شاہ نے اس کی سمت دیکھنے سے مکمل گریز کیا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' جانے کیوں آج وہ اس قدر بولتے رہنا چاہتی تھی۔ رہبان عالم شاہ چونکا تھا۔

''ہوں۔''

''کیا آپ تجل سے بہت محبت کرتے ہیں؟'' نہ جانے کیوں وہ یہ جاننا چاہتی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا، پھر منہ پھیر کر دوسری سمت تکنے لگا تھا۔

''جب تمہیں نیند نہیں آتی ہے تو باتیں کرنے کے علاوہ اور کیا کرتی ہو؟'' اس کا گہرا سانس خارج کرنا اور دھیمے سے مسکرانا، صاف ظاہر تھا کہ وہ بڑی ادا سے ٹال گیا تھا۔

''مجھے واقعی نیند نہیں آ رہی، اور دوسری بات غالباً یہ بھی ہے کہ ہم کئی روز کے بعد یوں مل کر بیٹھے ہیں۔ اور یہ بھی طے ہے کہ اگلے کئی دن تک ہمیں نہیں ملنا۔ شاید اس لئے ساری جمع شدہ باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔ اینی وے، آپ کو یقیناً نیند آ رہی ہے۔ شب بخیر۔'' وہ بہت مدھم انداز میں کہتی ہوئی اٹھی تھی اور پھر واش روم کی سمت بڑھ گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ تا دیر اس لڑکی کی سمت دیکھتا رہا تھا۔

✿......✿

''بہو! تم بھی اپنی پیکنگ کر لو۔ مجھے بن باس نہیں دینا تمہیں یہاں پر۔ جب ملنے کی خواہش ہو گی تو شہر چلی آؤں گی۔ دُوری دلوں میں نہیں ہونی چاہئے۔ محبتوں میں میلوں کے فاصلے حائل نہیں ہوتے۔'' اماں نے کہا تو مژگان کتنی ہی دیر انہیں دیکھتی رہی۔

''کیوں، میرا کوئی تعلق نہیں آپ سے؟''

''پیاری بھابی! تعلق تو آپ سے بہت خوبصورت اور مضبوط سا ہے۔ تبھی تو اماں کو اتنا خیال ہے۔ ایکچوئیلی اماں آپ دونوں میں دُوری حائل کر کے ظالم سماج نہیں بننا چاہتیں۔''

اعیان نے بہت شرارت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

"تم کوئی بات تمیز کے ساتھ بھی کر سکتے ہو؟"

"لیجئے، اتنے ادب و احترام سے تو مخاطب ہوں۔ ایک تو مدعا بھی واضح طور پر بیان کر دیا۔ اس پر الٹا شکوہ کر رہی ہیں۔ بھابی جان! کمال کرتی ہیں آپ بھی۔"

"بکو نہیں۔" وہ جھینپ کر مسکرا دی۔ تبھی اماں بولی۔

"ارے بہو! اس کو چھوڑ۔ تو جلدی سے تیار ہو جا، شاہ جی کے مزار پر جانا ہے۔ اپنے ہاتھوں سے خیرات کرنا۔ اس خاندان کی رسم ہے۔ اور وہ رہبان کہاں ہے؟ اس نوں وی بول دے۔"

"حاضر ہوں میں بھی۔ مگر میرا وہاں کیا کام ہے؟ محترمہ مژگان تو صدقہ خیرات کریں گی، دیا جلائیں گی اور میں کیا کروں گا؟" اس نے بہت خوش اخلاقی کے ساتھ مسکراتے ہوئے دریافت کیا تو اماں نے محبت سے ایک چپت رسید کی۔

"تم دونوں کوئی الگ نہیں ہو۔ ایک ساتھ حاضری ضروری ہے۔"

"چلیے جی۔ ایسا ہے تو ایسا ہی سہی۔" رہبان نے سر تسلیم خم کیا۔ ساتھ ہی سفید سوٹ میں ملبوس مژگان کو دیکھا۔ تبھی اس کی نگاہ بھی اس کی سمت اٹھی۔

"اماں مجھے رکھنے پر قطعی آمادہ نہیں۔ ناراض ہو رہی ہیں۔" اس نے شکوہ کیا۔

وہ دھیمے انداز میں مسکرا دیا۔ ساتھ ہی اماں کے گلے میں بانہیں حمائل کر دیں۔

"میری اماں!"

"ارے بس۔ کوئی خفا نہیں میں۔ ہمیشہ خوش رہو۔ ساتھ رہو۔ یہی خواہش ہے میری۔ کوئی زیادہ دُوری تو نہیں، آتے جاتے رہنا۔ میں آپ بھی پھیرا مارتی رہوں گی۔ اب جی تھوڑا ہی لگے گا اپنی دھی رانی کے بغیر۔" انہوں نے مژگان کی سمت محبت پاش نظروں سے دیکھا۔ وہ رسماً مسکرا دی۔

نظریں رہبان عالم شاہ کی سمت اٹھیں، ملیں، اسے جانے کیوں بہت سی بے کلی ان سے جھانکتی نظر آئی۔ رات کو اس کا انداز بالکل مختلف تھا اور اب بالکل مختلف۔ اس کا اصل رنگ کیا تھا؟ وہ جاننے سے یکسر قاصر تھا۔

مزار پر دیا جلانے کے بعد وہ دعا مانگ کر پیچھے ہٹی تھی جب اعیان بہت شرارت سے دیکھنے لگا تھا۔

"کیا مانگا ہے آپ نے؟"

"دعائیں بتائی نہیں جاتیں۔" وہ بہت دھیرے سے بولی۔ نگاہ اس شخص سے ایک بار پھر

ٹکرائی۔ دوسرے پل وہ جیسے لاتعلق ہو گئی۔

"بھابی! آپ جھوٹ بھی کتنے میٹھے انداز میں بولتی ہیں۔" اعیان چھیڑنے لگا۔

"میں جھوٹ قطعی نہیں بولتی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "دعائیں ہمیشہ دل میں مانگی جاتی ہیں، دل میں رکھنی چاہئیں۔ بتائی نہیں جاتیں۔" اس کی آنکھوں کا رنگ بہت سوگوار تھا۔ لبوں پر بہت دلفریب تبسم کے باوجود آنکھیں آج اس کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھیں۔ پتہ نہیں واقعی ایسا تھا یا پھر فقط رہبان عالم شاہ کا وہم تھا۔ وہ اس کی سمت دیکھتے ہوئے یہی سوچ رہا تھا۔

"اماں! آپ نے کیا مانگا؟" اعیان کو جانے کیوں شوق تھا جاننے کا۔

"ارے بیٹا! اپنی خوشیوں کے وقت تو گزر گئے۔ خدا ہماری اولاد کی خوشیاں پوری کرے۔ میری بہو کی گود بھر دے۔ یہی تمنا ہے اب تو۔" اماں کی بات اس قدر بے ساختہ اور غیر متوقع تھی کہ مژگان یکدم ہی چونک کر اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ پھر جانے کیوں دوسرے ہی پل نظریں جھکا کر چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ سفید دوپٹے کے ہالے میں اس کا چہرہ بہت مقدس لگ رہا تھا۔ اس طرح یکدم رخ پھیرنے کا مطلب شرمانا تو قطعی نہ تھا۔ ہاں البتہ یہ غیر متوقع بات اسے خجل ضرور کر گئی تھی۔ اعیان کا مسکرانا اور بھی قیامت خیز تھا۔

"اماں! آپ بھی بس۔" رہبان کو وقتی طور پر کوئی بھی ازالہ کرنا محال لگا۔

"ارے بیٹا! ایک اسی آس پر تو زندگی کی سانسیں چل رہی ہیں۔ تیرے بچوں کو گودوں کھلاؤں۔"

"گول مٹول سے پیارے پیارے بچے، جو مجھے بہت پیار سے چاچو کہیں۔" اعیان کی آنکھوں میں شرارت ہی شرارت تھی۔

وہ اس گھڑی بہت فاصلے پر نہ تھی۔ اگرچہ ان سب کی جانب پشت تھی اور وہ اس گھڑی خیرات کرنے میں مصروف تھی مگر ان سب کی آوازیں کان میں متواتر پڑ رہی تھیں۔ دل جانے کیوں بہت تیزی کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ اپنے موجود ہونے کا احساس دلانے لگا تھا۔

رہبان وہاں سے ہٹ کر گاڑی کے پاس آن کھڑا ہوا تھا اور دور سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ حالانکہ اس جانب دیکھنے کا ارادہ قطعی نہ تھا مگر جانے کیسے پھر بھی اس جانب نگاہ جا ٹکی تھی۔

سفید لباس میں اس کا سراپا بہت سحر انگیز لگ رہا تھا۔ بہت پاکیزہ، بہت مقدس۔

بہت عجیب سی شعاعیں جیسے اس کے وجود سے نکل کر دیکھنے والی نگاہ کو اپنے سنگ باندھ رہی تھیں۔ شاید تبھی وہ اسے بلا ارادہ ہی دیکھتا چلا جا رہا تھا۔

"بھابی اچھی لگ رہی ہیں نا؟" وہ اسی تسلسل اور انہماک کے ساتھ اس کی سمت دیکھ ر

تھا جب اچانک ہی اعیان نے آکر اسے چونکا دیا تھا۔ وہ چور سا ہو کر مسکراتا ہوا دوسری سمت تکنے لگا تھا۔

''اپنی چیزوں کو یوں چوری چوری نہیں دیکھتے۔ مکمل استحقاق سے دیکھتے ہیں اور دھڑلے سے دیکھتے ہیں۔ ڈٹ کر۔'' اعیان شرارت سے پھر بھی باز نہ آیا تھا۔ وہ بنا کچھ کہے ہونٹ بھینچ کر چلتا ہوا گاڑی کا دروازہ کھول کر سیٹ پر آن جما تھا پھر سر سیٹ کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لی تھیں۔

✿.....✿

شہر کے باشندے
نفرتوں کو بو کر بھی
انتظار کرتے ہیں
فصل ہو محبت کی
چھوڑ کر حقیقت کو
ڈھونڈنا سرابوں کا
ریت اس نگر کی ہے
اور جانے کب سے ہے
خامشی میرا شیوہ!
گفتگو ہنر ان کا
میری بے گناہی کو لوگ کیسے مانیں گے
بات بات پر جب کہ مانگنا حوالوں کا
ریت اس نگر کی ہے
اور جانے کب سے ہے۔

''ادعیہ! اعصار بھائی کا فون ہے۔'' وہ کچن میں مصروف تھی جب رانیہ نے آکر اسے مطلع کیا تھا۔ وہ جیسے ساکت رہ گئی تھی۔ جانے کیوں اپنی ہستی مجرم سی محسوس ہوئی تھی۔ حالانکہ وضاحت کسی نے نہیں چاہی تھی، دیکھنے والی کسی نگاہ میں شک نہیں تھا۔ اس کے باوجود دل یکدم ہی بہت تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا۔ دل اگرچہ قطعی طور پر اس سے بات کرنے کا روادار نہ تھا مگر رسم نبھانی تو ضروری تھی نا۔

اور وہ اپنی رواداریوں کے ہاتھوں زندہ درگور ہو رہی تھی۔ ایک بہت گہری سانس خارج

کی تھی اس نے پھر نیم مردہ قدموں سے چلتی ہوئی فون تک آ گئی تھی۔ باقی سب لوگ ٹی وی لاؤنج میں تھے اس لئے وقتی طور پر اسے کسی طرح کا کوئی خدشہ لاحق نہیں تھا۔ اس نے بہت بے دلی کے ساتھ ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تھا مگر بولی کچھ نہیں تھی۔

''ہیلو، کیسی ہو؟'' وہ جیسے اس کی موجودگی کو پا گیا تھا۔ خاموشی کے باوجود جیسے جان گیا تھا کہ دوسری سمت کون ہے۔

''ٹھیک ہوں۔'' اس کی آواز بہت دھیمی تھی جیسے زبردستی بول رہی ہو۔ دوسری سمت اعصار شیخ بھی جانے کیوں کچھ لمحوں کے لئے چپ ہو گیا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

''بہت کوشش کرتا ہوں تم سے بے خبر رہنے کی، دور رہنے کی، لاتعلق رہنے کی۔ مگر......'' اس کی آواز میں بے بسی ہی بے بسی تھی۔ ''ہر بار یہی کھلتا ہے کہ یہ ممکن نہیں۔'' اس کے مدھم لہجے میں جیسے ایک آنچ سی تھی۔ ادعیہ نے جانے کیوں خاموشی کے اس سکوت کو توڑا نہیں تھا۔

''تم چپ ہو۔ چلو چپ ہی رہو۔ مگر میں تمہاری خاموشی کو بھی محسوس کر سکتا ہوں۔ تمہیں خاموشی میں بھی سن سکتا ہوں۔ بلکہ یہ کہیں زیادہ دلفریب ہے۔ لفظوں کے کھوکھلے سہاروں کے بغیر جذبوں کو محسوس کرنا، ان کہی کہانیوں کو سننا، سمجھنا، بے قراریوں کی دھیمی آنچ کو محسوس کرنا، بے چین دھڑکنوں میں گنگناتے نغموں کی لے کو سننا، سمجھنے کے لئے الجھنا، الجھنے کے بعد ادراک کے در پر پاؤں رکھ کر سرشاری کی پیشانی پر بہت ہولے سے اقرار کا بوسہ دینا، یہ سب محبتوں کے سلسلے ہیں۔ اُلفتوں کی نشانیاں ہیں۔

سارے اسرار، سارے بھید سمجھنے کا بھی اپنا ہی ایک لطف ہے۔ بن کہے لفظوں سے معنی اخذ کرنا دُشوار نہیں، بہت دلربا ہے۔ میں بھی سن رہا ہوں تمہاری چپ کو، تمہاری ان کہی کو سمجھ رہا ہوں۔ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ بہت سے بھید ہیں، بہت سے اصرار ہیں۔ مگر یہ امر بہت دلچسپ ہے۔''

''اعصار شیخ!'' وہ جیسے تھکن سے چور ہونے لگی۔

''اوں ہوں۔ مجھے بولنے دو۔ پلیز چپ رہو تم۔ میں واقعی تمہاری موجودگی کو دل سے محسوس کرنا چاہتا ہوں۔ اس چپ کو سمجھنا چاہتا ہوں۔ سنا ہے چپ کی بھی اپنی ہی ایک کہانی ہوتی ہے۔'' وہ بہت دھیرے سے ہنسا تھا۔

''اعصار شیخ! زندگی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔'' وہ زچ ہو کر بولی تھی۔ ''تم ہر بات کو اپنے اوپچے سے سوچتے ہو، سمجھتے ہو اور ہنسی میں اڑا دیتے ہوں۔ درحقیقت تم ہر شے سے فرار

چاہتے ہو، بھاگتے رہنا چاہتے ہو۔ اور یہ فرار تمہاری کردار کشی کرتا ہے۔'' اس کی آواز یکدم ہی رندھنے لگی تھی۔ ''مجھے کیوں کانٹوں پر گھسیٹ رہے ہو، کس خوشی میں؟ بولو کیا قصور ہے میرا؟ اپنے نام کی مُہر لگا دی اور اس کو کافی خیال کر رہے ہو۔ اس کے بعد کی کیا صورتحال ہو سکتی ہے، تمہیں کچھ اندازہ نہیں۔ نہ تم سمجھنا چاہتے ہو۔ تم نے فقط اپنی ضد کو پورا کیا۔ میں تمہارے لئے ناقابل تسخیر تھی اور تم نے اس تاثر کو کسی طور ختم کر لیا۔ اب خوش ہو، مطمئن ہو تمہاری بلا سے میں بھاڑ میں جاؤں۔'' نہ چاہنے کے باوجود جانے کیوں پلکوں سے پانی کے قطرے ٹوٹ پڑے۔

''تم بہت خود غرض شخص ہو اعصار شیخ! بے حد خود غرض۔'' اس کی ہمت جیسے جواب دے گئی۔ اس نے ریسیور کریڈل پر دھرا تھا اور اسی کیفیت میں واپس پلٹی تھی۔ مگر جیسے وجود پتھر ہو گیا تھا۔ دروازے کے بیچوں بیچ ہی کھڑی تھیں...... ادعیہ کے دل کی دھڑکنیں یکدم ہی تھم گئی تھیں۔ بھیگی بھیگی آنکھوں سے نظر آنے والا ہر منظر جیسے دھندلانے لگا تھا......!

✿......✿

گاؤں میں گزارے جانے والے دن اس کی تمام زندگی کا حاصل تھے۔ اس نے ان دنوں میں جیسے زندگی کو پا لیا تھا۔

ہر لطف، ہر مزے کو چکھ لیا تھا۔

ہر رنگ کو دیکھ لیا تھا۔ اور سبھی کچھ ناقابل فراموش تھا۔

ان سب لوگوں کی محبت، ان کی جانب سے نوازے جانے والا خلوص، وہ تعلق اور سے جڑا احترام اور انسیت۔ اس نے جیسے پل میں ہزار برس پا لئے تھے۔ بظاہر خالی ہاتھ تھی اس سفر کے اختتام پر تھی۔ مگر ایک سرشاری اس کے رگ و پے میں زندگی بنی دوڑ رہی تھی۔

اس نے ہر احساس کو چھو لیا تھا۔

دل میں اب کہیں کوئی خواہش یا حسرت باقی نہ بچی تھی۔

ایک سرشاری کا عالم تھا۔

وہاں سے لوٹ کر آنے کے بعد بھی وہ جیسے اسی ماحول میں قید تھی۔ ساعتوں میں اب شوخ لطیف سے جملے رس گھول رہے تھے۔ اس معتبر تعلق کے حوالے سے سرگوشیاں گونج تھیں۔ ہر بازگشت بہت دلکش معلوم ہو رہی تھی۔

وہ آنکھیں موندے یونہی پڑی تھی جب آہٹ سی ہوئی تھی۔ اس نے چونک کر آنکھ کھولی تھیں۔ رہبان عالم شاہ جانے کب لوٹا تھا، اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی۔

اس نے وال کلاک کی سمت دیکھا۔ ''آپ کب آئے؟''

اس کا فریش انداز بتا رہا تھا کہ وہ آفس سے آنے کے بعد باتھ لے چکا ہے۔

''تم غالباً سو رہی تھیں یونہی بیٹھے بیٹھے۔'' وہ اسے صوفے پر بیٹھے دیکھ کر ہولے سے مسکرایا۔ وہ جیسے خجل سی ہو گئی۔

''نہیں، ایسی بات نہیں۔''

''تھک گئی ہو؟'' اس کا جملہ بہت ذو معنی تھا۔ وہ یونہی خاموشی سے دیکھنے لگی، پھر یکدم ہی نظریں چرا کر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ پھر فوراً ہی بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں آپ کے لئے چائے لے کر آتی ہوں۔'' وہ کہہ کر اس کے قریب سے گزرنے لگی تبھی اس نے جانے کیوں کلائی تھام لی۔

''نہیں، رہنے دو۔'' وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ وہ بے حد قریب تھا اور قدرے الجھا ہوا بھی۔ اس کی بھوری آنکھوں سے بہت اضطرابیت جھلک رہی تھی۔ وہ جانے کیوں بن کہے ہی اس کی پریشانی جان گئی۔

''آپ پریشان ہیں کچھ؟''

''تم نے کیسے جانا؟''

''آپ کی آنکھوں سے۔'' وہ چہرے پر آئی ہوئی لٹ کو بہت دھیرے سے پیچھے ہٹاتی ہوئی چہرے کا رخ پھیر گئی۔

رہبان عالم شاہ جانے کیوں کئی لمحوں تک اسے یونہی خاموشی سے دیکھتا رہا۔

''تمہیں آنکھیں پڑھنا آتی ہیں؟'' بولا تو جانے کیوں لبوں پر بہت دھیما سا تبسم آن ٹھہرا۔ وہ غالباً رسماً یا شاید اخلاقاً مسکرا دی۔

''زیادہ تو نہیں، مگر تھوڑی بہت۔ آپ واقعی پریشان ہیں نا؟'' براہ راست چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔ رہبان عالم شاہ کا تبسم گہرا ہو گیا۔ سینے پر ہاتھ باندھے بہت دلچسپی سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ سر جھکا گئی۔ شاید مزید کوئی جواب نہ بن پڑا تبھی بحث کا ارادہ یکدم ترک کر دیا۔

''میں آپ کے لئے کافی بنا کر لاتی ہوں۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ کچن کی طرف آ گئی تھی۔ کافی تیار کرنے کے دوران اس کا دھیان اسی کی سمت لگا رہا تھا۔ کہیں وہ اس کے باعث تو پریشان نہیں؟ وہ مسلسل اس کے وجود کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اس کی ذات کا حصہ

بنی ہوئی ہے۔ اور وہ مسلسل وقت گزرنے کے ساتھ اس تعلق کو لے کر اُلجھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ دوسری طرف تجل عباس نقوی تھی۔ آں ہاں، تجل عباس نقوی۔ کہیں وہی تو نہیں آ گئی؟

اس کا ذہن مسلسل سوچتے سوچتے چونکا تھا۔

"کہیں واقعی ایسا ہی تو نہیں؟" ایک بار پھر وہی سوال ذہن میں ابھرا تھا۔

اگر ایسا تھا تو یہ پریشانی واقعی رہبان عالم شاہ کے لئے بہت بڑی تھی۔ خود اسے یعنی مژگاں کو ہٹانا اور پھر تجل عباس نقوی کو اس کی جگہ دینا گو ناممکن نہیں تھا مگر بہت مشکل ضرور لگ رہا تھا۔ اس صورت میں جبکہ رہبان عالم شاہ کے گھر والے اسے اپنی بہو کی حیثیت سے تسلیم کر چکے تھے۔ اگر ایسا تھا تو یقیناً یہی بات رہبان عالم شاہ کی پریشانی کا سب سے بڑا باعث تھی۔

وہ مصلحت کی انگلی تھام کر چل تو پڑا تھا مگر یہ سفر یقیناً بہت آسان نہ تھا۔ وقتی حل نے مسئلے کو مزید الجھا دیا تھا۔

رہبان عالم شاہ کو تو یوں بھی دوطرفہ صفائیاں پیش کرنے کی ضرورت تھی۔ ایک طرف اس کی فیملی تھی اور دوسری طرف تجل عباس نقوی۔

رہبان عالم شاہ تو شاید تجل کو اپنے اس وقتی سمجھوتے کے متعلق ہی نہ بتا سکا تھا۔ اس کے وجود کے متعلق ہی اطلاع نہ دے سکا تھا۔

اور کہاں ایک نئے زاویئے اور ڈرامے کے متعلق آگاہ کرنا۔

سب کچھ خود بخود ہی بہت پیچیدہ ہوتا چلا گیا تھا۔ یقیناً یہ سب اتنا آسان نہ تھا جتنا اسے سمجھ لیا گیا تھا۔ وہ شخص کسی مکڑی کے جال میں پھنستا چلا گیا تھا اور اب فرار کے سارے راستے مسدود تھے۔

شاید وہ بذاتِ خود اتنا قصوروار نہ تھا۔ اسے اپنے سامنے جو راہ نظر آئی تھی، اس نے اس پر قدم رکھ دیئے تھے۔ بالکل اس کی طرح، جس طرح اس کے سامنے کوئی راہ نہ تھی دوسری۔ ایسے میں اسے جو راستہ نظر آیا، اس نے اسی کو اپنی راہ بنا لیا۔

وہ خود کتنی مظلوم یا قابلِ رحم تھی، اسے معلوم نہ تھا۔ مگر اسے رہبان عالم شاہ پر بہت رحم آ رہا تھا۔ ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ یقیناً اس کے ساتھ کچھ اچھا نہ ہوا تھا۔ وہ اگر اسے اپنی آزمائش ختم کرنے کے لئے استعمال نہ کرتی تو شاید آج وہ اس قدر الجھا ہوا، پریشان نہ ہوتا۔

پتہ نہیں اصل صورتحال ایسی تھی بھی کہ نہیں۔ مگر جانے کیوں اسے لگ رہا تھا کہ بات کچھ ایسی ہی ہے۔ وہ جب کافی لے کر ٹی وی لاؤنج میں آئی تھی تو وہ یونہی بیزاری سے چینلز تبدیل

کیے جا رہا تھا۔

"کافی!" اس کے سامنے کپ رکھتے ہوئے بولی۔

"تھینک یو۔" اس نے جواباً اسے دیکھا۔ وہ اپنا کپ لے کر اس کے قریب ہی فلور کشن پر بیٹھ گئی اور نظریں ٹی وی اسکرین پر جما دیں۔ کمرے میں بہت دیر تک فقط ٹی وی کی مدھم آواز گونجتی رہی۔

وہ کافی کے چھوٹے چھوٹے سپ لینے کے ساتھ یونہی خالی خالی نظروں سے ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر یکدم بولی۔

"آپ کھانے میں کیا لیں گے؟" انداز بہت گھریلو سا تھا۔ وہ چونکا تھا۔ پھر دھیمے انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"جو چاہو بنا لو۔"

وہ جانے کیوں خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی۔ اگرچہ دل میں رہ رہ کر یہی سوال مچل رہا تھا کہ اس ڈرامے کا ڈراپ سین کیا ہوگا؟ مگر اس کی کم ہمتی ہمیشہ کی طرح آڑے آتی رہی۔ اور وہ یونہی خاموشی کے ساتھ لبوں پر قفل لگائے خالی خالی نظروں سے ٹی وی اسکرین کو گھورتی رہی۔ وہ وہاں سے اٹھنے کا ارادہ کر رہی تھی تبھی وہ گویا ہوا۔

"تجل عباس نقوی واپس آ گئی ہے۔"

اور وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ گویا اس نے جو قیاس کیا تھا وہ صد فیصد درست تھا۔ رہبان عالم شاہ کے لئے کچھ ایسی ہی بات باعثِ تشویش تھی۔

وہ بنا کچھ کہے یونہی دیکھتی رہی تھی اس کی سمت۔ اس کا انداز بہت کھویا کھویا تھا۔ وہ یقیناً پوچھنا چاہتی تھی کہ کون سی بات اس کے ذہن کے لئے پریشانی کا باعث ہے۔ مگر جانے کیوں وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے بولی تھی۔

"اب تک ہم دونوں ہی مصلحتوں کی انگلی تھام کر چلتے رہے ہیں۔ مگر شاید اب فیصلے کی گھڑی آ گئی ہے۔" پھر اس کی سمت تکنے لگی تھی۔ "اینی وے، میں آپ کی کیا مدد کر سکتی ہوں؟" وہ یوں کہہ رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو، میرے لئے کیا حکم ہے؟ رہبان عالم شاہ اسے خاموشی سے دیکھتا گیا، پھر چہرے کا رخ پھیر کر بہت بے بسی سے مسکرا دیا تھا۔

"شاید ہم واقعی مصلحتوں کے پابند ہیں اور پتہ نہیں کب تک۔" رہبان عالم شاہ نے جملہ تھک کر ادھورا ہی چھوڑ دیا تھا۔

"آپ نے یقیناً تجل کو اب تک اصل حقیقت سے آگاہ نہیں کیا تھا؟" اس نے بہت مدھم

لہجے میں دریافت کیا اور وہ فقط خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

وہ سمجھتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔ ”آپ کو اسے آگاہ کر دینا چاہئے تھا۔ اس سے بدگمانیاں جنم نہیں لیتیں۔“ وہ بہت تاسف بھرے انداز میں بولی۔ ”محبتیں جس قدر شدتیں رکھتی ہیں اسی قدر پوزیسو بھی ہوتی ہیں۔ اپنی شے پر کوئی پرائی نظر برداشت کرنا محال ہوا کرتا ہے، کجا اسے کسی کے استحقاق میں دیکھنا۔“ وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر سر نفی میں ہلانے لگی۔

”یہ ٹھیک نہیں ہوا۔ خدا نہ کرے کچھ غلط ہو۔ مگر مجھے جانے کیوں بہت ڈر لگ رہا ہے۔ اگر میرے باعث کچھ ہوا تو یقیناً میں خود کو معاف نہیں کر پاؤں گی۔“ اس کا چہرہ بہت متفکر تھا۔ رہبان عالم شاہ دیکھتا چلا گیا۔

”ٹیک اٹ ایزی۔ سب ٹھیک ہو گا۔“ اس نے جیسے مژگان کا حوصلہ بڑھایا۔

”رہبان! کسی بھی خدشے سے بچنے کے لئے سب سے پہلے اپنے مطلوبہ شخص کو اعتماد میں لینا ضروری ہوا کرتا ہے۔“ اس کا تاسف یہی ظاہر کر رہا تھا کہ وہ رہبان عالم شاہ سے کس قدر مخلص تھی۔ ”آپ جانتے ہیں میں نے شاہ جی کے مزار پر کیا دعا مانگی تھی؟“ وہ یکدم بولی تھی۔ وہ چونک کر دیکھنے لگا تھا۔ تبھی وہ سر جھکا کر بولی تھی۔

”سجل عباس نقوی اور آپ کا ساتھ کبھی نہ ٹوٹے۔ زندگی کے سفر میں آپ سدا ایک دوسرے کے ہمسفر رہیں۔“

رہبان عالم شاہ کتنی ہی دیر تک اس دھان پان سی لڑکی کو خاموشی سے دیکھتا چلا گیا تھا اور اس سے قبل کہ وہ مزید کچھ کہتی، تبھی دروازے پر بیل ہوئی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

جانے کیوں مژگان کا دل بہت ہی تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا۔

اُس کی چھٹی حس جانے کیوں کسی خطرے کا الارم بجا رہی تھی۔ اسے مسلسل ایک ہی گمان گزر رہا تھا۔ رہبان عالم شاہ دروازے کے قریب پہنچنے کو ہے۔ جب وہ یکدم ہی اپنا کپ لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور سرعت کے ساتھ کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا تھا۔ یکدم تیزی سے متحرک ہونے کے باعث دھڑکنیں اعتدال پر نہ رہی تھیں۔ بہت تیزی سے دھڑکتے دل پر اس نے ہولے سے ہاتھ رکھ کر جیسے بے قابو دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ وہ مجرم نہیں تھی مگر اپنا آپ جانے کیوں چور سا لگ رہا تھا۔

یوں منظر سے ہٹنا، چھپنا، کسی کی نگاہ میں آنے کے خوف سے ڈرنا۔ سارے اقدام اسے چور ظاہر کرنے کو کافی تھے۔

ایک شرعی حق کے ہوتے ہوئے بھی کوئی استحقاق اس کے پاس محفوظ نہ تھا۔ اسے ایک

یکسر اجنبی لڑکی کے لئے اپنی ذات کی نفی کرنا پڑ رہی تھی جو اس شخص کی کچھ نہ تھی اور اس کے باوجود سب کچھ تھی۔

اور وہ بظاہر حق محفوظ رکھتی تھی مگر پھر بھی خالی تھی۔

کچھ بھی تو نہ تھا اس کے پاس۔

اس پر آج کھلا تھا کہ خالی پن کیا ہوتا ہے۔

سب کچھ ہونا اور کچھ نہ ہونا کسے کہتے ہیں۔

اور یہ کہ محبت کس قدر بڑا حوالہ ہے...... کس قدر بڑی سچائی ہے۔

اس پر آج کھلا تھا کہ محبت کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے۔

اور یہ کہ وہ آج تک اس سے خالی رہی ہے۔

آج پہلی بار اس پر اس جذبے کی حقیقت واضح ہوئی تھی۔

کب اوس کے پہلے قطرے کی مانند دل کی سرزمین پر گری تھی اور کب یہی قطرہ الاؤ بن کر دہک اٹھا تھا، خبر ہی نہ ہوئی تھی۔ وہ تو ہمیشہ بے خبر رہی تھی، انجان رہی تھی اور آج ایکدم جیسے لمحے کے ہزارویں حصے میں ایک گہری حقیقت اس پر منکشف ہوئی تھی۔ ایک انوکھا بھید اس پر کھلا تھا۔ اس ایک پل میں اس پر کھلا تھا کہ وہ صدیوں کا سفر طے کر آئی تھی اور پھر بھی خالی ہاتھ تھی۔

دروازے کے دوسری طرف سے مدھم آوازیں آ رہی تھیں۔

اس کا گمان یقین کی صورت موجود تھا۔

سجل عباس نقوی کی آواز اس خاموشی کو توڑ رہی تھی۔

”اتنے بہت سے دنوں کے بعد مجھے اپنے سامنے پا کر تمہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی رہبان عالم شاہ؟“ اس کے دل میں جانے کیسا شک تھا کہ لبوں پر شکوہ مچل اٹھا تھا۔

”نہیں، ایسی بات نہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ تم وعدے کے مطابق واقعی پہنچ بھی گئیں۔“ رہبان عالم شاہ نے یقیناً مسکراتے ہوئے وضاحت دی تھی۔

مژگان جانے کیوں دم سادھے کھڑی تھی۔ مجرم نہ ہونے کے باوجود خوفزدہ تھی۔ آوازوں کا سلسلہ داخلی دروازے سے ڈرائنگ روم تک آ گیا تھا۔

”گھر کو خاصا بنانے سنوارنے کے عادی ہو گئے ہو۔ خاصا نظم و ضبط نظر آ رہا ہے۔ پہلے تو ایسے نہ تھے۔ لگتا ہے اس گھر کو جیسے کسی ماہر خاتون کے ہاتھ لگ گئے ہوں۔“ سجل نے ایک طائرانہ نگاہ اردگرد ڈالتے ہوئے ایک بم پھوڑا تھا جیسے۔ رہبان عالم شاہ نے ایک گہری

سانس خارج کی تھی۔ اس کی نگاہ بلا ارادہ ٹی وی لاؤنج کی سمت گئی تھی جہاں اب وہ موجود نہ تھی۔ وہ اس کی حکمت عملی کو اگرچہ جان گیا تھا مگر چہرے پر اب بھی اطمینان کی کوئی لہر نہ تھی۔ سجل عباس نقوی سے کچھ بعید نہ تھا۔ وہ پورے گھر میں دندنانے کی عادی تھی۔

''گھر میں کام والی آتی ہے۔ یہ اسی کے ہاتھ کا کرشمہ ہے۔'' رہبان عالم شاہ کی وضاحت بہت کمزور سی تھی۔

''اوہ...... محترمہ خاصی سگھڑ معلوم ہوتی ہیں۔'' تنقیدی نگاہ اک اک شے پر تھی۔

''میرے ذوق سے تم واقف ہو۔'' وہ بات کو مذاق کا رنگ دینے کا خواہاں تھا۔ وہ بغور دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

''عمر کتنی ہے؟'' سجل کے لہجے میں فطری رنگ تھا۔ رہبان عالم شاہ کی مسکراہٹ تمام تر ذہنی خلفشار کے باوجود گہری ہوگئی تھی۔

''کم آن سجل۔''

مگر سجل مسکرا دی تھی۔ ''تم سمیت اس گھر پر مکمل حق رکھتی ہوں۔ اب اس گھر میں کون آتا ہے، کون جاتا ہے؟ اس بات کی خبر گیری کرنا تو میرا فرض ہے۔ تم تو جانتے ہو اپنا گھر کس قدر عزیز ہوا کرتا ہے۔''

رہبان عالم شاہ جواب میں کچھ نہ کہہ سکا تھا۔ وہ جلد از جلد اسے یہاں سے ہٹانا چاہتا تھا مگر سجل کے ارادے کچھ اور ہی تھے۔ وہ جس طرح پھیل کر صوفے پر بیٹھی تھی، اس پر رہبان عالم شاہ اسے دیکھ کر ایک گہری سانس خارج کر کے رہ گیا تھا۔

''تم بھی بیٹھو نا، کھڑے کیوں ہو؟ اتنی بہت سی باتیں ہیں تم سے کرنے کو۔ بائے دی وے تم اتنے چپ چپ سے کیوں ہو، کس سوچ میں گم ہو؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہیں باہر چلیں، کھلی فضا میں۔ کتنے دن ہو گئے ہم نے ساتھ ڈنر نہیں کیا۔ لٹس موو۔ ڈنر کے بعد ہم لانگ ڈرائیو پر چلیں گے۔'' ایک قابل قدر خیال کے آتے ہی وہ مسکرایا۔ سجل دیکھنے لگی۔

''ایسی بھی کوئی جلدی نہیں۔ ابھی وقت ہے ڈنر میں۔ یوں بھی میں بہت اچھا کھانا پکا سکتی ہوں۔''

''بدمزہ ہونے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔'' وہ بہت نارمل انداز میں مسکرایا۔ ''چلو شاباش۔'' بچوں کی طرح پچکارا۔

''ابھی تو آئی ہوں۔ کچھ دیر تو بیٹھنے دو۔ کم از کم کافی ہی کا پوچھ لو۔'' وہ بہت دھیمے انداز

میں مسکرائی۔ تبھی نظر عین سامنے ٹی وی لاؤنج کی سمت گئی۔ ٹیبل پر دھرے کافی کے کپ کو اس نے بغور دیکھا۔

''اوہ...... کافی تو تم شاید پی چکے ہو۔'' ٹی وی سیٹ آن تھا۔ یقیناً وہ اس کے آنے سے قبل وہیں پر براجمان تھا۔

''تبھی تو کہہ رہا ہوں، ڈنر کے لئے چلتے ہیں۔'' رہبان عالم شاہ نے مسکراتے ہوئے اصرار برقرار رکھا۔

''کیا اس ڈریس میں......؟'' سجل نے مسکراتے ہوئے سرتا پا جائزہ لیتے ہوئے اسے دیکھا۔ یقیناً اس تمام تر بوکھلاہٹ میں رہبان عالم شاہ اس بات کو فراموش کر گیا تھا۔ وہ واقعی اس کے ساتھ فوری طور پر باہر جانے کی پوزیشن میں نہ تھا۔ سجل کے احساس دلانے پر اس نے ایک نظر اپنے آپ کو دیکھا، پھر بہت مدھم انداز میں مسکرایا۔ ایک مسئلہ یہ بھی درپیش تھا کہ وہ اسے اس طرح تنہا چھوڑ کر کپڑے چینج کرنے کے لئے بھی نہیں جا سکتا تھا۔ وہ ایک جگہ ٹک کر بیٹھنے کی قائل ہرگز نہ تھی اور...... وہ کوئی رسک لینے کے موڈ میں نہ تھا۔ تبھی بہت دھیمے انداز میں مسکرایا۔

''ایک کام کرتے ہیں، تم گاڑی میں چل کر بیٹھو، میں بس پانچ منٹ میں پہنچتا ہوں۔'' کہنے کے ساتھ ہی اس نے سجل کو اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

''یہ کیا فضول کی تک ہے؟ بھئی میں یہاں بیٹھ کر انتظار کر سکتی ہوں۔'' وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے چیخی۔

''چند لمحوں کی تو بات ہے۔ بس میں پہنچ رہا ہوں۔ صرف پانچ منٹ۔'' اس نے سجل کو بہت سہولت کے ساتھ خوشگوار انداز میں مسکراتے ہوئے دروازے کی سمت دھکیلا۔ سجل کچھ نہ سمجھتے ہوئے گھورتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔

''میری جان!'' اس کے دیکھنے پر اور خفا انداز پر بہت محبت سے پچکارا۔ وہ پلٹ کر دروازہ کھولتی ہوئی باہر نکل گئی اور تب رہبان عالم شاہ نے ایک گہری سانس خارج کی، پھر بغیر وقت ضائع کئے سرعت کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ ان چند لمحوں کی تیاری کے دوران بھی اس کی سوچوں سے مسلسل ایک ہی تصور چپکا رہا تھا۔ ایک ہی خیال۔ اپنے کمرے سے نکلنے کے بعد اس نے دانستہ طور پر اس کی جانب پیش قدمی کی تھی۔

وہ ابھی تک دم سادھے دروازے سے پشت لگائے کھڑی تھی۔ رہبان عالم شاہ کی ہلکی سی دستک پر اس نے دروازہ وا کیا تھا۔ غیر دانستہ طور پر براہ راست نگاہ ٹکرائی تھی۔ وہ جانے

کیوں سر جھکا گئی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے بھی فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔ وہ سر جھکائے مجرم بنی کھڑی تھی۔ جیسے فردِ جرم عائد کیے جانے کا انتظار ہو۔

''آئی ایم سوری۔'' رہبان عالم شاہ نے بہت ہولے سے معذرت کے لفظوں کو زبان دی تھی۔ وہ ایک دم ہی سر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی، خاموش...... بے تاثر نظروں اور چہرے سمیت۔ اور رہبان عالم شاہ اس لمحے جانے کیوں نظروں کا رخ پھیر گیا تھا۔

''میں جا رہا ہوں، کچھ دیر بعد لوٹ آؤں گا۔ دروازہ لاک کرلو۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹا تھا اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا دروازے کی سمت بڑھ گیا تھا۔ مژگان کتنی ہی دیر تک یونہی ساکت کھڑی رہی تھی۔ پھر سست سست قدموں سے چلتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھنے لگی تھی۔ جانے کیوں ہر قدم من من بھر کا محسوس ہو رہا تھا۔

✿......✿

امی نے آگے بڑھ کر بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور پھر اسے اپنے کمرے میں لے جا کر اندر سے دروازہ بند کرلیا تھا۔ وہ اس وقت ہر قسم کی صورتحال کے لئے تیار تھی۔ اس کے باوجود دل میں جیسے جھکڑ چلنے لگے تھے۔

''ادعیہ! کچھ جھوٹ مت بولنا اب۔ مجھے صاف صاف بتاؤ، بات کیا ہے؟'' وہ بہت پُرسکون انداز میں اسے اپنے سامنے بٹھا کر دیکھتے ہوئے نرمی سے گویا ہوئی تھیں۔ ادعیہ نے اس گھڑی سر اٹھا کر انہیں خاموشی سے دیکھا تھا۔ ابو کے بعد وہی چھتنار تھیں ان سب کے لئے۔ وہ کسی قیمت پر کوئی مزید نقصان نہیں چاہتی تھی۔ تبھی یکدم سرنفی میں ہلانے لگی۔ نظریں جانے کیوں جھک گئیں۔

''پھر تم اعصار سے بات کرتے ہوئے اس کیفیت سے کیونکر دوچار ہوئیں؟'' وہ ماں تھیں۔ بنا کہے سب بھیدوں کو جاننے والی۔ وہ کیسے جھوٹ بولتی۔ ان کی نرم نگاہوں کو خود پر محسوس کرتے ہوئے وہ شرمندگی کی ایک گہری کھائی میں گرنے لگی۔ وہ یقیناً ان کے اعتماد کا خون کر چکی تھی اور اس سے بھی بڑی بات وہ مزید سچائی سے انہیں جان بوجھ کر بے خبر رکھنا چاہتی تھی مگر اس کی خاموشی اس کی سب سے بڑی دشمن ہو رہی تھی۔

''کیا تم واقعی سمجھتی ہو کہ اعصار شیخ زندگی کے سفر میں تمہارا بہترین شریکِ سفر ثابت ہو سکتا ہے؟'' امی نے بہت ہولے سے اس کا جھکا ہوا سر اٹھایا تھا مگر وہ خالی خالی نظروں سے انہیں تکتے ہوئے سرنفی میں ہلانے لگی تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں امی... وہ... دراصل...'' اس سے بروقت کوئی معقول جواز نہ بن سکا۔

''کیا وہ بھی تمہارے بارے میں ایسے ہی جذبات رکھتا ہے؟'' امی نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ ادعیہ کے لئے جیسے ساری راہیں مسدود ہونے لگیں۔ اس کا جھکا ہوا سر اسے مجرم ثابت کرنے کو کافی تھا مگر وہ مجرم ہونا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے باوجود اس کے پاس ایک لفظ بھی وضاحت کے نام پر باقی نہ تھا۔ جانے کیوں ذہن اس قدر ماؤف ہو رہا تھا۔

''ادعیہ! میں ماں ہوں تمہاری۔ کیا میں سمجھوں کہ تم مجھ پر اعتماد کرنے سے کترا رہی ہو؟''

ادعیہ کے دل پر ایک ضرب سی پڑی۔ اس نے بہت آہستگی سے ان کے شانے پر اپنا سر رکھ دیا۔ آنسو خودبخود بہنے لگے۔

''ادعیہ......!'' امی اس کی کیفیت سے جیسے کچھ اخذ کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔

''امی! میں آپ سے کچھ بھی چھپا نہیں سکتی، نہ ہی چھپانا چاہتی تھی۔ میں آپ کو سب بتانا چاہتی تھی مگر......'' بہت سے خدشے اس کی زبان بندی کئے ہوئے تھے۔

''ادعیہ! تم جانتی ہو یہ کس قدر مشکل ہے۔'' امی کی آواز بہت مدھم تھی۔ فقط اس کی پسندیدگی پر ان کی رائے یہ تھی اور اگر اس کے علاوہ انہیں پتہ چل جاتا تو جانے ان کا ردعمل کیا ہوتا۔

''امی! آپ مجھ پر اعتبار کرتی ہیں؟'' وہ آنکھیں صاف کرتے ہوئے ان کی سمت دیکھنے لگی۔ وہ بہت اُلجھے ہوئے انداز میں ادعیہ کو دیکھنے لگیں۔

''ادعیہ! تم مجھ سے کچھ چھپا رہی ہو؟''

اور تب اس نے جیسے ہار کر تمام کہانی ان کے گوش گزار کر دی۔ وہ ایک لمحے کو ساکت رہ گئیں۔ ادعیہ ان کا ردعمل جاننے کو متواتر ان کی سمت تکتی چلی گئی۔ وہ بہت آہستگی سے اٹھیں اور چلتی ہوئی ایک دریچے کے پاس جا رکیں۔

''امی! یقین کریں، اس میں میری کوئی مرضی شامل نہیں تھی۔ مجھے ایک دھوکے میں رکھ کر زبردستی سولی پر چڑھایا گیا۔'' اس نے اپنی صفائی پیش کی۔

آنسوؤں نے تمام منظر دُھندلا کر دیا۔

''مجھے آپ سے بڑھ کر کوئی شے دنیا میں عزیز نہیں۔ میں تمام دنیا تج سکتی ہوں، ہر وہ زنجیر توڑ سکتی ہوں جو مجھے آپ سے الگ کرتی ہو۔'' وہ امی کی پشت کو دیکھتی ہوئی بولی۔ مگر دوسری طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔

''امی!'' اس نے تڑپ کر پکارا۔

''ادعیہ! تم اپنے کمرے میں جاؤ۔'' ان کی آواز بہت مدھم تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور

چلتی ہوئی ان کی پشت پر جا رکی۔

"یقین کریں امی! آپ کی ادعیہ بے قصور ہے۔ آپ جو چاہیں مجھے سزا دے لیں، میں بے گناہی کے باوجود ہر سزا سہنے کو تیار ہوں۔ مگر پلیز امی! اپنی ادعیہ کو معاف کر دیجئے۔"

"ادعیہ! تم اپنے کمرے میں جاؤ ابھی۔" امی کی آواز اور لہجہ بہت بے تاثر تھے۔ وہ جو انہیں تنہا قطعی طور پر نہ چھوڑنا چاہتی تھی، اس گھڑی چپ چاپ قدم اٹھاتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

✿......✿
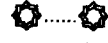
وہ بہت چپ چاپ سی ایک گہری ہوتی شام میں شوریدہ سمندر کو دیکھتی ہوئی چائے کے سپ لے رہی تھی جب بہت آہستگی کے ساتھ رہبان عالم شاہ اس کے قریب آن رکا۔ وہ چونکی تھی، نہ ہی اس کی سمت نگاہ کی۔ رہبان عالم شاہ نے اس کی سمت بغور دیکھا، پھر وسیع و عریض سمندر کی سمت دیکھنے لگا۔ رہبان نے کچھ کہنا چاہا تھا مگر کوشش کے باوجود جیسے اسے لفظ نہ مل سکے تھے۔

"کہیں باہر چلیں؟" اس نے بہت مدھم انداز میں مسکرا کر اس کی توجہ چاہی تھی۔

مژگان نے اس کی سمت ایک نگاہ کی تھی، پھر دوسرے ہی پل دھیمے انداز میں مسکراتی ہوئی نگاہ پہلے والے منظر پر مرکوز کر دی۔ رہبان عالم شاہ اس کی اس مسکراہٹ سے کچھ اخذ نہ کر سکا تھا۔ پتہ نہیں وہ طنزاً مسکرائی تھی یا پھر اخلاقاً۔

طنز کا وہ کوئی حق محفوظ نہ رکھتی تھی، ہاں اخلاق کا دامن وہ اب تک تھامے ہوئے اس کے سنگ چل رہی تھی۔ جو بھی تھا، وہ واقعی بہت شرمندہ تھا۔

"ناراض ہو؟" وہ اس کی خاموشی پر کچھ اخذ نہ کر پا رہا تھا۔

وہ یکدم مردانہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "زندگی بہت جامد سی ہے۔ سرد، جمی اور ٹھہری ہوئی۔"

"تھکنے لگی ہو تم؟" رہبان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

"اوں ہوں۔ مگر سوچ رہی ہوں اس تھمی تھمی سی زندگی کو کسی طرح پھر سے رواں دواں کر دوں۔" وہ خوامخواہ ہنس دی۔ رہبان عالم شاہ اس کے رویے سے کچھ بھی سمجھنے سے قاصر رہا۔

"واپس جانا چاہتی ہو؟"

وہ چونک کر دیکھنے لگی۔ وہ بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نظروں میں کسی قسم کا کوئی تاثر نہ تھا۔ وہ چند ثانئے یونہی خاموشی سے دیکھتی رہی، پھر نظروں کا رخ پھیرتی ہوئی مسکرا دی۔

"تم چاہتے ہو میں لوٹ جاؤں؟" اس کا لہجہ شگفتہ تھا۔

"میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے بھلا کیا ہو گا؟" وہ اس کی شرارت پر مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا۔

"تمہارے چاہنے پر ہی تو ہر بات کا محور ہے۔" اس کا لہجہ بہت حسرت و یاس لئے ہوئے ر چہرے پر بہت دلکش سی مسکراہٹ تھی۔ جانے وہ اسے کس بات کا احساس دلانا چاہتی وہ چپ چاپ اسے دیکھنے لگا تھا۔ اسے رہبان کا بغور دیکھنے کا احساس تھا شاید تبھی وہ و زائل کرنے کو بھرپور شگفتگی سے مسکرا دی تھی۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

"اگرچہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ مگر تم گھر جانا چاہو تو تم آزاد ہو ہر فیصلہ کرنے میں۔ ہرگز نہیں چاہوں گا کہ تم کسی مجبوری کی زنجیر سے بندھ کر رہو۔"

اس کے لئے رہبان عالم شاہ کے یہ تمام جملے برچھیاں تھے۔ اس کی زبان سے مدھم لہجہ ادا ہونے والے یہ لفظ دل کے نہاں خانوں میں چھید ہی چھید کرتے چلے گئے تھے۔ ہی لمحوں تک وہ خاموشی کے ساتھ دیکھتی رہی تھی۔ رہبان کو جیسے کسی بات کا احساس تک شاید تھا۔ بہت آہستگی کے ساتھ مژگان کے ہاتھ پر اس نے اپنا ہاتھ دھرا تھا۔

مژگان! واقعی میں نادم ہوں۔ تمہیں دُکھ دینا بھی نہیں چاہتا۔ ہم اس تمام عرصے میں یک دوسرے کو سمجھنے لگے ہیں۔ اچھے دوستوں کی طرح ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں۔ رح تم میرے ساتھ مخلص ہو، اسی طرح میں بھی پوری طرح مخلص ہوں۔ میں تمہیں کوئی ہیں پہنچا سکتا۔ نہ ہی تمہیں کسی تکلیف میں دیکھ سکتا ہوں۔ یہ تعلق بغیر کسی حرص کے ہم کسی بزنس ڈیل کے پابند نہیں۔ نہ ہی کسی مخصوص عرصے تک کے لئے ایک دوسرے ابستہ ہیں۔"

ژگان نے اس کے مدھم لہجے پر مسکراتے ہوئے سر ہلا دیا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ نی اچھے دوست ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شاید ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح ہیں۔"

"شاید۔" رہبان عالم شاہ یکدم مسکرایا۔ وہ ہنس دی۔

"آپ یہ بات ذہن سے نکال دیجئے کہ میں کسی زبردستی کے تحت یا جبراً یہاں ٹھہری ہوں۔ ابھی آپ نے کہا کہ ہم ایک دوسرے کے خیر خواہ ہیں۔ تو خیر خواہ فقط دوست ہی لتے ہیں اور دوست وہ جو ایک دوسرے کو سمجھے، سو پھر تمہیں ان کرائسس میں تنہا کیونکر سکتی ہوں، باوجود اس کے کہ میں تمہارا کوئی نقصان نہیں چاہتی۔" وہ کہہ کر ایک گہری سا خارج کرتے ہوئے مسکرائی۔

"میں سوچ رہی ہوں کچھ کر لوں۔ کوئی کام۔ بابا اتنا کچھ میرے نام چھوڑ گئے
جب تک یہاں ہوں، کچھ مصروفیت ہی ہو جائے گی۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

"ہوں، اچھی بات ہے۔ اگر تمہارا دل چاہ رہا ہے تو ضرور کر لو کچھ۔"

"میں ایک بات اور بھی سوچ رہی تھی۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ
جواب میں رہبان عالم شاہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا، تبھی وہ گویا ہوئی۔ "اگر آ
اعتراض نہ ہو تو میں کچھ دنوں کے لئے اماں ابا کے پاس چلی جاؤں؟"

رہبان عالم شاہ اسے چند ثانیوں تک خاموشی سے دیکھتا رہا، پھر مسکرا دیا۔ "فرار
ہو؟" اس کی آنکھوں سے ہویدا شرارت مژگان کو کنفیوژ کرنے کو کافی تھی۔ وہ یکدم نف
میں ہلانے لگی تھی۔

"نہیں...... ایسی بات نہیں۔ مگر میں آپ کی زندگی میں کسی قسم کا بگاڑ نہیں چاہتی
جانے کیوں اس کی جانب دیکھنے سے مکمل گریز برتتی ہوئی نظروں کا رخ پھیر گئی تھی۔

"کیا تم سمجھتی ہو تمہارے چلے جانے سے میری زندگی پر کوئی مثبت اثرات مرتب
ہیں یا پھر تمہارے قریب رہنے سے مجھے کوئی نقصان ہو سکتا ہے؟" وہ یقیناً غیر سنجیدہ تھا
جواب میں قطعی مسکرا نہ سکی۔

"کوئی مذاق کی بات نہیں ہے۔ میں واقعی آپ کا کوئی نقصان برداشت نہیں کر سکتی
نے سنجیدہ انداز میں کہا۔

"اور اگر تمہارے چلے جانے سے میرا کوئی نقصان ہو گیا تو پھر؟" وہ اس سانو
میں بہت شوخ سے انداز میں مسکرایا تھا۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کی سمت خالی خالی
سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ تبھی اس نے پہلی بار بہت بے تکلفی کے ساتھ دوستانہ انداز م
کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی تھی۔

"پاگل، کبھی کبھی مجھے تم بہت بے وقوف سی لڑکی لگتی ہو۔ پریشان مت ہو۔ جو ہونا
ہونا ہے۔ پریشان ہونے سے کچھ تبدیل نہیں ہوگا۔"

وہ کچھ کہنا چاہتی تھی اور منہ کھولا ہی تھا مگر رہبان عالم شاہ فوراً ہی ہاتھ اٹھا کر ا
بولنے سے باز رکھتے ہوئے گویا ہوا۔ "زندگی میں سوچنے اور کرنے کو بہت کچھ ہے۔
والے کل کی فکر کرنا فضول ہے۔ کیونکہ آنے والا کل کسی نے نہیں دیکھا۔ جو آج ہے وہ
کچھ ہے۔ اب کہئے، کچن کا کیا پروگرام ہے۔ کھانا گھر میں تیار کرنے کا ارادہ ہے یا کہی
ڈنر کرنے کا موڈ ہے؟"

اسے بالکل بچوں کی طرح ٹریٹ کرتا ہوا وہ مسکرایا تھا اور تب وہ بھی دھیرے سے مسکرا
تھی اور اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ حالانکہ اس وقت ذہن میں بہت سے خدشے تھے۔ مگر
نے کھڑا لمبا چوڑا مضبوط شخص جس قدر اطمینان اور سکون سے مسکرا رہا تھا، اس سے لگ رہا
کہ زندگی حسین ہی حسین ہے۔
سکون ہی سکون ہے۔
تبھی وہ ان تمام خدشوں کے باوجود بھی مسکراتی ہوئی کچن تک آ گئی تھی۔

☆......☆
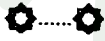
اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ تمام رات وہ سو نہ سکی تھی۔ صبح سر بری
رح دکھ رہا تھا۔ امی کی جانب سے سخت فکر تھی۔ رات میں وہ بارہا اٹھ کر ان کے کمرے کی
ب آئی تھی مگر جانے کیوں اندر جانے کی ہمت ایک بار بھی نہ ہوئی تھی۔ کمرے کے
وازے اور کھڑکیوں سے چھن کر آتی لائٹ کے باعث وہ یہ نتیجہ اخذ کر سکتی تھی کہ امی جاگ
ی تھیں۔ اس نے کئی بار شعاع کو جگانا چاہا تھا مگر اسے گہری نیند میں دیکھ کر اس نے اپنا
ادہ ترک کر دیا تھا۔ جانے کس پہر اس کی آنکھ لمحہ بھر کو لگی تھی جب شعاع نے اسے جگا دیا۔

"یونیورسٹی نہیں جانا؟" اور وہ آنکھیں کھول کر اجنبی انداز میں اسے دیکھنے لگی تھی۔

"امی کہاں ہیں؟" پہلا سوال اس نے یہی کیا تھا۔

"چھوٹی کو اسکول چھوڑنے گئی ہیں۔ اور تم؟" شعاع نے اس کے حواس باختہ چہرے کو
یکھتے ہوئے جیسے کچھ جانچنا چاہا۔

"امی ٹھیک تھیں؟" وہ ایک ہی خدشے اور خوف میں مقید تھی۔

"الحمدللہ، وہ ٹھیک ہیں۔" شعاع اس کے انداز پر چونکی۔ "کیا ہوا ہے؟"

وہ بہت آہستگی سے اٹھ بیٹھی۔ "امی کو سب کچھ بتا دیا ہے میں نے۔"

"کیا......؟" شعاع بھونچکی رہ گئی۔ ادعیہ خاموشی کے ساتھ بیڈ سے ٹیک لگا کر سامنے
ار کو دیکھنے لگی۔ "تم نے ایسا کیوں کیا ادعیہ؟"

"میں تھک گئی تھی شعاع! یہ بوجھ میرے لئے ناقابل برداشت بنتا چلا جا رہا تھا۔"

"امی نے کیا کہا تھا؟" شعاع کو صبح سے کچھ بھی غیر فطری محسوس نہ ہوا تھا۔ کیا واقعی امی
ضبط اتنا کڑا تھا۔ وہ جانتی تھی، وہ ایک بہادر خاتون تھیں، بہت ہمت اور حوصلے کی مالک۔
کے بعد انہوں نے جس قدر ہمت اور حوصلے سے ان کی پرورش کا بیڑا اٹھایا تھا وہ ان کی
ت قدمی، ثابت کرنے کو کافی تھا۔ مگر اسے یہ علم نہ تھا کہ وہ اس لمحے میں بھی اس قدر ضبط

کا مظاہرہ کریں گی کہ ان کے رویے سے کوئی کچھ اخذ بھی نہ کر پائے گا۔

شعاع سوالیہ انداز میں اس کی جانب دیکھ رہی تھی اور تب اس نے دھیرے سے گردن ہلا دی تھی۔ ''شعاع! امی کی چپ سے مجھے ڈر لگ رہا ہے۔'' اور شعاع اس گہری سوچ میں گم تھی۔ وہ یقیناً آفس جانے کی غرض سے تیار تھی۔ اور اب اس گمبیر [...] چھڑتے ہی وہ جیسے اپنی جگہ ساکت و جامد رہ گئی تھی۔

''ان کے رویے سے کسی قسم کا کوئی اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ بالکل معمول کے مطابق [...] نے اٹھ کر کچن سنبھالا، ناشتہ تیار کیا، رانیہ اور عمر کو کالج روانہ کیا اور پھر مجھے تمہیں [...] کہہ کر باہر نکل گئیں۔ مجھے تو ایک بار بھی ان کے رویے سے کچھ احساس نہیں ہوا کہ آ[...] مختلف ہے۔'' شعاع کا لہجہ بہت دھیما تھا۔

''تم آفس نہیں جاؤ گی؟'' ادعیہ نے ایک دم احساس دلایا۔

''کیا تم یونیورسٹی جاؤ گی؟'' شعاع نے الٹا اس سے دریافت کیا۔

''پتہ نہیں۔''

شعاع نے اس کے کہنے پر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے لمحہ بھر کو کچھ [...] کمرے سے باہر نکل گئی۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ کمرے میں آئی تو وہ پیروں کو جوتو[...] آزاد کر رہی تھی۔

''تم یونیورسٹی جاؤ۔''

''تم آفس نہیں جا رہیں؟'' وہ حیران ہوئی۔

''ظاہر ہے، نہیں جا رہی۔'' شعاع بہت سرد انداز میں بولی مگر ادعیہ یونہی بستر [...] رہی اور تب شعاع بھی اس سے کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی تھی۔

⚙......⚙

کائنات کے ہاں جانا تھا۔ گویا اس شام اسے پھر ایک بناوٹ کا لبادہ اوڑھنا تھا۔ [...] شعار بیوی کے ساتھ ذمے دار بڑی بھابی کا بھی روپ اختیار کرنا تھا۔ وہ وارڈرو[...] سامنے کھڑی کپڑوں کا انتخاب کرتے ہوئے بہت چپ چاپ سی تھی۔ پھر شام کی م[...] سے ماؤف رنگ کا سوٹ نکال لیا تھا۔ تبھی پشت پر رہبان عالم شاہ آن رکا تھا۔

''ابھی تک تم نے ڈریس بھی منتخب نہیں کیا؟''

''نہیں، کر چکی ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے پلٹی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے ڈریس [...] نے تنقیدی نگاہوں سے دیکھا۔ مژگان نے دیکھا، بلیک سوٹ میں محترم خاصے نکھرے [...]

نظر آ رہے تھے۔ وجود سے اٹھتی خوشبو نتھنوں میں گھس رہی تھی۔

''یہ پہنو گی؟''

وہ جواب میں کچھ نہیں بولی۔ تبھی وہ آگے بڑھ کر اس کے وارڈروب کو کھول کر تنقیدی نظروں سے دیکھنے لگا۔ پھر ایک فیروزی ساڑھی اس کے ہاتھ میں تھما کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''شاباش، جلدی سے تیار ہو جاؤ۔'' کہنے کے ساتھ ہی رہبان عالم شاہ پلٹ کر باہر نکل گیا تھا اور مژگان ہاتھ مین تھمائے گئے ہینگر میں موجود ساڑھی کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔ بلیک کے ساتھ فیروزی رنگ کا یقیناً اچھا تاثر ابھرتا۔ مژگان کے لبوں پر جانے کیوں دھیمی سی مسکراہٹ آ گئی۔

اس نے ایک بات بارہا سوچی تھی۔ رہبان عالم شاہ کی زندگی میں اس کا مقام کیا تھا؟ اس کی حیثیت کیا تھی؟ اس کا مرتبہ کیا تھا؟

بارہا اس کا جی چاہا تھا، اس شخص کے مقابل کھڑی ہو اور اس سے دریافت کرے۔ مگر ہر بار جیسے پست حوصلہ مات دے گیا تھا۔ پتہ نہیں کیوں وہ ہر بار خود سے ہی ہار جاتی تھی۔ شاید اس لئے بھی کہ اس نے کبھی جیتنے کے متعلق سوچا ہی نہ تھا۔ کبھی اس نے اس مقابلے میں خود کو شامل ہی نہ کیا تھا۔ اس امتحان میں خود کو ڈالا ہی نہ تھا۔ ورنہ ہو سکتا ہے وہ جیتنے کے لئے ہاتھ پیر مارتی یا پھر اپنی سی کوشش ہی کرتی۔ وہ ہاتھ پاؤں چھوڑ کر فقط اس لئے بیٹھی ہوئی تھی کہ اسے اس بات کا احساس تھا کہ یہاں اس کا کچھ نہیں۔

جو ہے، سب پرایا ہے...... اور پرائے کے لئے وہ کیا لڑتی۔

حق تو اپنی چیزوں پر جتایا جاتا ہے، لڑا تو اپنی چیزوں کے لئے جاتا ہے۔ اور یہاں تو کچھ بھی اپنا نہ تھا۔ مگر پھر بھی جانے کیوں لمحہ لمحہ وجود جیسے کسی گہری کھائی میں گرتا چلا جا رہا تھا۔ دل جیسے ڈوبتا جا رہا تھا۔ پتہ نہیں کس بات کی کسک مسلسل کچوکے لگا رہی تھی۔ کون سا درد اندر ہی اندر بے چین کئے ہوئے تھا۔

وہ اپنے ہی خیالوں میں مگن تیار ہو کر خود پر پرفیوم اسپرے کر رہی تھی جب اپنے سراپا کو آئینے میں دیکھ کر خود ہی دنگ رہ گئی۔

اس کا اپنا آپ کہاں تھا؟

یہ تو کسی اور کا مطلوبہ تراشیدہ پیکر حسن، شبیہہ کی صورت آئینے میں مقید تھا۔ اس کا اپنا آپ تو جانے کب کا کھو چکا تھا۔ اسے کوئی خبر ہی نہ ہوئی تھی۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں

تھا کہ زندگی کبھی کوئی ایسا ڈھب بھی اختیار کرے گی۔ اس سارے کھیل میں پتہ نہیں اس نے کچھ پایا تھا یا گنوایا تھا؟ ابھی تک اسے اس بات کا ادراک نہ تھا۔

وہ خود میں اس قدر الجھی ہوئی تھی کہ نہ تو پاس دھرے فون کے مسلسل بجنے کا احساس ہوا نہ ہی رہبان عالم شاہ کے اندر داخل ہونے کا۔

رہبان عالم شاہ نے اسے کسی بت کی طرح ساکت و جامد کھڑے دیکھا تھا، پھر اس کا پرسنل موبائل اٹھا کر کان سے لگا لیا تھا۔

''ہیلو، رہبان عالم شاہ اسپیکنگ۔'' کال ملانے والے نے یقیناً ٹیلی کارڈ کے تحت کال ملائی تھی تبھی موبائل کی اسکرین پر اس کا نمبر نہ آسکا تھا۔ تبھی رہبان عالم شاہ بھی جاننے سے قاصر تھا کہ دوسری طرف کون ہے۔

''ہیلو، اٹس می، نک۔ کین آئی ٹاک ود مژگان؟''

''شیور۔'' رہبان عالم شاہ نے چونکے بغیر بے تاثر لہجے میں کہا تھا۔ ''پلیز ہولڈ آن۔'' اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہہ کر مژگان کی طرف دیکھا تھا جو اب تک بے خبر اسی انداز میں کھڑی تھی۔

''مژگان!'' لہجہ اور انداز بہت مدھم اور بے تاثر تھا مگر مژگان کے وجود میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تھی۔ جیسے اس نے سنا ہی نہیں تھا۔

''مژگان!'' رہبان عالم شاہ نے جیسے ایک بار پھر اس کے منجمد حواس پر ضرب لگائی تھی۔

مژگان نے یکدم چونک کر دیکھا تھا۔ لمحہ بھر کو چہرے پر خجالت ابھری تھی، پھر وہ جیسے اس تاثر کو زائل کرنے کو مسکرا دی تھی۔

''کون ہے؟'' اس نے یقیناً فون کے متعلق پوچھا تھا۔ رہبان عالم شاہ کا چہرہ اس لمحے بہت بے تاثر سا تھا۔ مژگان نے ہاتھ بڑھا کر موبائل تھاما تھا۔

''شاید تمہارا کوئی دوست ہے۔'' وہ بہت مدھم لہجے میں بولا تھا اور پھر فوراً ہی پلٹ کر باہر نکل گیا تھا۔ مژگان کو جانے کیوں اس کا رویہ بہت عجیب سا لگا تھا بہت سرد۔

بہت جامد...... یا شاید اس کا قیاس تھا۔

فی الحال اس نے تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکتے ہوئے فون کان سے لگایا تھا۔

''ہیلو، نک کیسے ہو تم؟'' اس نے شستہ انگریزی میں دریافت کیا۔

''آفٹر ویری لانگ ٹائم، آئی ایم لسننگ یو۔ سو آئی ایم گلیڈ۔'' نک کا لہجہ بہت خوشگوار تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

''واقعی ایک عرصے بعد ہماری بات ہو رہی ہے۔''

''تم نے مجھے مس کیا؟'' نک نے جواباً فوراً ہی دریافت کیا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو چپ ہوئی تھی، پھر بولی تھی۔

''اچھے دوستوں کو کون مس نہیں کرتا؟''

''تبھی تم نے مجھے گنوا دیا۔'' وہ تاسف سے ہنسا۔

''کم آن نک! ہاؤ کین آئی لوز مائے بیسٹ فرینڈ۔'' اس نے بہت سنجیدگی سے کہا تھا۔

''یہ سچ ہے میں نے تمہیں واقعی بہت مس کیا۔ کیا تم پاکستان نہیں آسکتے کچھ دنوں کے لئے؟ رئیلی ان دنوں مجھے کسی اپنے کی کمی بہت شدت کے ساتھ محسوس ہو رہی ہے۔ پتہ نہیں کیوں خود کو تنہا ہی محسوس کر رہی ہوں۔ کیا تم آسکتے ہو؟ کسی اپنے کے ساتھ مل کر بیٹھنے کو، بات کرنے کو، ہنسنے کو، مسکرانے کو بہت دل چاہ رہا ہے۔ گرینی، تم، سب بہت یاد آ رہے ہو۔ بابا کے بعد میں بہت تنہا رہ گئی ہوں۔'' اس کا لہجہ بہت مدھم تھا۔ آواز میں ایک کسک سی بول رہی تھی۔

''مژگان! آر یو آل رائٹ؟'' نک دوسری طرف بہت فکرمندی سے گویا ہوا تھا۔ وہ ہونٹ کچلتے ہوئے بمشکل مسکرائی تھی۔

''ہاں، میں ٹھیک ہوں۔ بہت مطمئن، بہت خوش۔ مگر پتہ نہیں کیوں کبھی کبھی ہم خالی ہاتھ رہ جاتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے پاس بظاہر سب کچھ ہوتا ہے مگر اندر کہیں بہت خاموشی سی پھیلنے لگتی ہے، بہت بے تحاشا چپ، ایک خلا سا ابھر آتا ہے وجود کے علاقے میں۔ وہ خلا جو فقط محسوس ہوتا ہے، دکھائی نہیں دیتا۔ جانے کیوں ہمارے اردگرد کے تمام رنگ اس گھڑی پھیکے سے لگنے لگتے ہیں۔ بہت سی رونقیں بھی اس خاموشی کا تدارک نہیں کر سکتیں اور خالی پن بڑھتا چلا جاتا ہے۔ خالی ہاتھ اور ویران چپ چاپ سا۔ جانے ایسا کیوں ہوتا ہے۔ تم جانتے ہو ایسا کیوں ہوتا ہے؟'' وہ یکدم ہنسی تھی۔

''احمق، پاگل ہوں نا میں؟'' وہ ہنسنے لگی تھی۔ تبھی نک نے پکارا تھا۔

''مژگان! مجھے یقین ہے تم خوش نہیں ہو۔'' اس کے لہجے میں یقین بول رہا تھا اور وہ پھر ہنس دی تھی۔

''نہیں، ایسی بات نہیں۔ میں بہت خوش ہوں۔ مگر کبھی کبھی...... بھئی انسان ہوں نا...... اینی وے، گرینی کیسی ہیں؟'' اس نے لمحہ بھر میں خود پر قابو پایا تھا۔

''ٹھیک ہیں۔''

"پتہ ہے میں نے پچھلے دنوں انہیں کئی ای میل کیے مگر ان کی طرف سے کوئی ریپلا[ئی] نہیں ہوا۔"

"ہاں، پچھلے دنوں ان کی طبیعت ذرا ٹھیک نہیں تھی۔ بہرحال ڈونٹ وری، اب وہ ٹھیک ہیں۔" تک بول رہا تھا۔ تبھی اس نے دیکھا رہبان عالم شاہ کمرے کے باہر عجلت میں اِ[دھر] سے اُدھر متواتر ٹہل رہا تھا۔ یقیناً وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"تک! ہم بعد میں بات کریں گے۔" اس نے گفتگو کو فوراً سمیٹا۔

"میں آ رہا ہوں بہت جلد۔ اب روبرو بات ہو گی۔ اپنا خیال رکھنا۔" تک نے کہا [تو] پھر سلسلہ منقطع ہو گیا تھا۔ وہ دھیرے سے چلتی ہوئی رہبان عالم شاہ کے پاس آن رکی تھی۔

"چلیں؟"

رہبان عالم شاہ نے چونک کر اسے دیکھا تھا، پھر سر ہلاتے ہوئے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے۔ مژگان نے اس کی چوڑی پشت کو دیکھا تھا، پھر تھکے تھکے قدموں سے اس کے پیچھے چل پڑی تھی۔

✿......✿

اس کے وسوسے سچ ثابت ہوئے تھے۔ امی کی چپ بے مقصد نہ تھی۔

دادی اماں، اعصار شیخ اور امی جس طرح ایک بند کمرے میں بیٹھے مذاکرات کر رہے [تھے] اس پر اُس کا دل دہلے جا رہا تھا۔

کبھی کبھی بہت سی دعائیں لبوں پر ہوتی ہیں۔

بہت سی مناجاتیں دل میں۔

لب ورد بھی کرتے ہیں، مگر نامہربانی کے بادل گھرے ہوتے چلے جاتے ہیں۔

کتنی ہی دعائیں اس کے دل سے بھی نکلی تھیں مگر سیاہ وقت کے بادل اس کی تقدیر سیاہی ملتے چلے گئے تھے۔

وہ دیوار سے لگی اندر کی تمام روداد سن رہی تھی۔

"اعصار شیخ! مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔ میری بچی معصوم تھی، بھولی تھی۔ اگر تم اُ[س] کے لئے سنجیدہ تھے تو تمہیں کسی طرح کی چور راہ کو چننے کی ضرورت باقی نہ تھی۔" امی کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔ "اب جب کہ تم اتنا بڑا قدم اٹھا چکے ہو تو اس سے آگے کا کوئی لائحہ عمل بھی تم نے ذہن میں ضرور مرتب کر رکھا ہو گا۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گی کہ تم اب مزید دیر لگاؤ یا دیگر لوگوں اور وقت کے مہربان ہونے کا انتظار کرو۔ اگر تم نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا ہے تو یقیناً او[ر]

بھی بہت کچھ کرنے کی استطاعت رکھتے ہو گے۔ بہت کچھ منوانے اور جائز حق دلانے کے گر سے بھی واقف ہو گے۔ لہٰذا میں چاہوں گی کہ تم جلد از جلد اپنی امانت کو لے جاؤ۔ وہ اب تمہاری ذمے داری ہے۔ میں کوئی کمزور ماں نہیں ہوں، نہ ہی میں وقت کے تھپیڑوں کی زد پر اپنی بچی کو تنہا چھوڑوں گی۔ میں اسے ناکردہ گناہوں کی سزا نہیں دوں گی۔ وہ میرے لئے بوجھ ہرگز نہیں مگر میں اسے اس کے جائز مقام پر دیکھنا چاہتی ہوں۔ میں نے اسی لئے تمہیں یہاں مدعو کیا ہے۔ میں آج ہی اس قصے کو سلجھا دینا چاہتی ہوں۔ تمہیں آج ہی کوئی قدم اٹھانا ہو گا۔ ادعیہ کو اپنے ساتھ لے جانا ہو گا۔"

ادعیہ کو معلوم نہ تھا کہ جواب میں کوئی کیا بولا تھا مگر یکدم ہی اس کے اندر باہر شور بہت بڑھ گیا تھا۔ باہر دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ اس نے بمشکل حواس کو جگاتے ہوئے دروازے کی جانب پیش قدمی کی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی تایا ابا کی صورت دکھائی دی تھی۔ ان کی پشت پر چھوٹے چچا تھے۔ وہ اپنی جگہ ششدر تھی۔ یقیناً اس کی تقدیر آج کوئی اہم فیصلہ سنانے جا رہی تھی۔ وہی طے شدہ تقدیر۔ وہی ازل سے مقید اس کا وجود۔

اس نے سر اٹھا کر ان کی سمت دیکھا تھا۔ بہ مشکل سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام!" دونوں نے باری باری اس کے سر پر ہاتھ دھرا تھا اور پھر اس کمرے کی جانب بڑھ گئے تھے۔

ادعیہ کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ بمشکل چلتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں آئی تھی اور بستر پر ڈھیر ہو گئی تھی۔

✿......✿

"رہبان عالم شاہ! میں تمہاری زندگی میں اپنا مقام چاہتی ہوں۔ بہت ہو چکا۔ اگرچہ یہ بات مجھے تمہاری زبان سے سننی چاہئے تھی۔ مجھے یقین ہے، میں مر جاؤں گی تب بھی تم کچھ نہیں کہو گے۔ یہ جملہ آج میں سویں بار کہہ رہی ہوں۔ مگر یہ سچ ہے رہبان عالم شاہ! میں تو واقعی ہار گئی تم سے محبت کر کے۔" سجل عباس نقوی اگرچہ سنجیدہ تھی۔ مگر اس کے انداز میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ رہبان عالم شاہ جیسا سنجیدہ بندہ یکدم ہی مسکرانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

"رہبان عالم شاہ! میں سنجیدہ ہوں۔" وہ جیسے تپ کر بولی۔

"ہاں تو میں کہاں غیر سنجیدہ ہوں۔" رہبان عالم شاہ کی مسکراہٹ بدستور برقرار تھی۔

"رہبان عالم شاہ! عرصہ دراز گزر گیا۔ اور کتنا وقت درکار ہے تمہیں مجھے اپنی ذات کا حصہ کرنے کے لئے؟ جہاں تک میرا خیال ہے، اب تو سارے مسئلے حل ہو چکے ہیں۔ پھر اب

تم کیوں دیر کر رہے ہو؟ دنیا کی کسی لڑکی کو، کسی مرد کو اپنی زبان سے یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں پڑی ہو گی۔ جانے کیوں تمہیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا۔ میں نے تمہاری ہر پریشانی کو انڈراسٹینڈ کیا۔ ہر مشکل کو جانا۔ مگر پاپا کی بیماری کے متعلق سب کچھ جانتے ہوئے بھی تم کوئی قدم اٹھانے کو تیار نہیں۔ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے تمہیں مجھ سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ محبت ہے ہی نہیں۔'' سجل زچ ہو کر بولی تو وہ اس کی جانب سے نظریں ہٹا گیا۔

''فضول باتیں مت کرو سجل! ضروری نہیں ہر بار کہنے سے محبت بڑھ جاتی ہو۔ محبت بس ہوتی ہے یا پھر نہیں ہوتی۔ اور یہ سچ ہے کہ عرصہ دراز سے میں اس راہ میں اپنا سب کچھ ہار چکا ہوں۔ سب کشتیاں جلا آیا تھا۔ کیا یہ ثبوت کافی نہیں؟ اگرچہ محبت کے وجود کو منوانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ اپنا آپ خود منواتی ہے۔''

''پھر اب تک تم کوئی قدم کیوں نہیں اٹھا سکے ہو؟ چلو مانتی ہوں پہلے کچھ مشکلات تمہیں درپیش تھیں، مگر اب تو میرا مسئلہ سمجھنے کی کوشش کرو۔ رہبان! پاپا مجھے اپنی زندگی میں ہی اپنے گھر کا دیکھنا چاہتے ہیں۔''

رہبان عالم شاہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

''سجل! مجھ پر اعتبار کرتی ہو؟'' پتہ نہیں کیسا سوال تھا۔ سجل کی سمجھ میں بالکل نہ آیا۔

''یہ کیا بات ہوئی...... ظاہر ہے کہ کرتی ہوں تو تمہارے ساتھ ہوں۔''

رہبان عالم شاہ نے بہت اُلجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھا تھا، پھر نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

''تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟'' سجل کا ماتھا یکدم ٹھنکا۔

رہبان عالم شاہ جواب میں خاموشی سے دیکھتا رہا، پھر نگاہ پھیر لی۔

''اگر کبھی تمہیں پتہ چلے کہ میں نے واقعی اپنی ذات کا بہت بڑا حصہ تم سے قصداً مخفی کر رکھا ہے تو؟''

''کیا مطلب؟'' سجل کچھ سمجھ نہ پائی۔ پھر اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ ''دیکھو رہبان عالم شاہ! ایسے خطرناک مذاق اتنے سنجیدہ انداز میں مت کرو۔ تم جانتے ہو میرا دل بہت نازک ہے۔ اگر تم نے کچھ ایسا ویسا کرنے کے بارے میں سوچا بھی تو میں تمہاری اور اپنی جان ایک کر دوں گی۔ بہت انتظار کیا ہے میں نے تمہارے لئے۔ مجھے دھوکا مت دینا۔'' وہ وارننگ دیتی ہوئی جس انداز سے بولی تھی اس پر جانے کیوں رہبان مسکرا دیا تھا۔ سجل جانے کیوں اس لمحے اسے متواتر دیکھتی چلی گئی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟''

مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی اور یونہی ہولے سے چلتی ہوئی اس کے سامنے جا رکی تھی۔ اپنے نازک سے ہاتھ کا مُکا بنا کر اس کے فراخ سینے پر مارا تھا۔ پھر دوسرے ہی پل اپنا سر اس کے ساتھ ٹیک دیا تھا۔ ''ایسا مذاق مجھ سے دوبارہ مت کرنا۔ تم جانتے ہو میں شراکت برداشت نہیں کر سکتی۔ کسی معمولی شے میں بھی نہیں۔ محبت تو پھر بہت بڑی بات ہے۔'' آنکھوں سے آنسو خود بخود بہنے لگے تھے۔

رہبان عالم شاہ نے ایک نظر اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

✿......✿

اعیان کمرے میں بیٹھا اہم دستاویز دیکھ رہا تھا جب کسی نے یونہی دروازہ کھولا تھا۔ ایک کاسنی رنگ کا آنچل لہرایا تھا اور آنے والے نے اندر آنے کی ہمت نہ پاتے ہوئے جیسے ارادہ ترک کر دیا تھا۔

''کون ہے؟'' اعیان عالم شاہ نے کہا تھا مگر دوسری جانب سے کوئی آواز نہیں آئی تھی۔

''کون ہے؟'' اس کی رعب دار آواز پھر گونجی تھی۔ تبھی سیو نے بہت ڈرتے ڈرتے سر اندر ڈال دیا تھا۔

''جی، میں ہوں۔''

''تم یہاں کیا کر رہی تھیں؟'' بہت بے تاثر لہجے میں پوچھتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔

''جی.... جی.... وہ.... وہ.... میں....'' اس نے بولنا چاہا مگر حلق سے آواز برآمد نہ ہو سکی۔

اعیان متواتر سوالیہ نظروں سے دیکھتا رہا۔

''کوئی کام تھا؟'' یکدم اس کی آواز میں قدرے نرمی آ گئی۔ سیو جو اپنے دھک دھک کرتے دل کو سنبھالتی ہوئی سر جھکائے کھڑی دوپٹے کو انگلی پر لپیٹ رہی تھی، یکدم چونک پڑی۔ سر اٹھا کر دیکھا۔ مگر جس طرح چھوٹے سرکار اس کی جانب متواتر دیکھ رہے تھے، اس پر دھڑکنوں کا شور اور بھی بڑھ گیا۔

''وہ.... وہ جی.... مجھے پتہ چلا تھا کائنات.... کائنات بی بی آ رہی ہیں۔'' اس نے بمشکل اپنا مدعا بیان کیا تھا۔

''کس نے بتایا تھا تمہیں؟'' اعیان نے الٹا دریافت کیا۔

''وہ...... جی...... انہی نے۔ انہیں شاید بڑی چوہدرائن نے بتایا تھا۔''

اعیان نے اسے دیکھا، پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔ ''ہاں، وہ آنے والی تھی۔ مگر اب وہ اگلے ہفتے آئے گی۔''

''اور جی...... وہ بھابی جی؟'' سیو نے بہت ڈرتے ڈرتے ایک اور مدعا بیان کر ڈالا۔

''بھابی؟'' وہ چونکا۔

''وہ جی...... رہبان صاحب کی بیگم۔''

''مژگان بھابی!'' وہ فوراً بولا۔ پھر اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ ''کیا انہوں نے اپنے آنے کے متعلق تمہیں مطلع کیا تھا؟''

سیو کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔ پھر یکدم نفی میں سر ہلانے لگی۔

''نن...... نہیں جی...... میں نے سوچا آپ سے پوچھ لوں۔'' سیو چاہ رہی تھی فوراً سے پیشتر یہاں سے بھاگ نکلے۔ مگر جس طرح وہ سوال پر سوال کر رہا تھا اس سے لمحے پھیلتے چلے جا رہے تھے اور دل......؟

جانے کیوں دھڑکنوں پر اختیار ہی نہ تھا۔

اور اختیار تو شاید کسی بات پر بھی نہ تھا۔

اس نے اپنے تمام حوصلوں کو مجتمع کر کے سر اٹھایا تھا۔ وہ جواب دینے کے بعد دوبارہ سے سر جھکا کر فائل دیکھ رہا تھا۔

''میں...... میں جاؤں جی؟'' اس کے رتبے کے پیش نظر احترام دینا اس نے ضروری خیال کیا تھا۔

اس کے پوچھنے پر اعیان نے چونک کر سر اٹھایا تھا اور اسے خاموش نظروں سے دیکھا تھا جیسے کہہ رہا ہو، تمہیں اس کے لئے اجازت لینے کی کیا ضرورت تھی۔

اور تبھی وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی ہوئی بمشکل پلٹی تھی اور تیزی کے ساتھ باہر نکل آئی تھی۔ دل تھا کہ کسی بے لگام گھوڑے کی طرح دھڑکتا چلا جا رہا تھا اور ہمیشہ کی طرح آج بھی اسے اپنے دل پر اختیار نہ تھا۔

✿......✿

صورت حال ہمیشہ حالات کے قابو میں ہوتی ہے۔

حالات کبھی بھی قابو میں نہیں ہوتے!

اور وقت ہمیشہ انسانوں سے بھی زیادہ تیزی سے بدلتا ہے۔ بے دردی کے ساتھ مارتا ہے اور روح تک زخمی کرتا چلا جاتا ہے اور انسان!

انسان موسموں اور حالات دونوں سے برتر ہے۔

اس کے تیزی سے بدلنے پر حیرت و افسوس ہے۔

مگر اس کے باوجود وہ جانے کیوں چپ چاپ آنسو بہائے جا رہی تھی۔

زندگی میں بہت کم باتیں ہماری پسندیدہ ہوتی ہیں۔

بہت کم فیصلے ہوتے ہیں جو خوشی سے طے پاتے ہیں۔

بہت سی چوٹیں اپنی پوری شدت رکھنے کے باوجود آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ ان کا تدارک کون کرے؟

وہ حیران تھی۔ جس شخص نے اسے مصلوب کیا تھا اسی کو اس کا مسیحا بنا دیا گیا تھا۔ اس کے اعتماد کو توڑنے والے شخص کے ساتھ اس کی زندگی عمر بھر کے لئے جوڑ دی گئی تھی۔ اس کے وجود کو چھلنی کرنے والا شخص اس کی زندگی کا مالک تھا۔ اس کے ہاتھ میں اس کی عمر بھر کی ڈور تھما دی گئی تھی۔ وہ رونا چاہتی تھی جی بھر کے۔

کم از کم اس فیصلے پر احتجاج ہی کرنا چاہتی تھی مگر جانے کیوں وہ بالکل بے حس ہو گئی تھی۔ کچھ بھی نہ کر سکی تھی۔ وقت نے اسے ایک بار پھر مات دے دی تھی۔

اور اس کے سر پر اعصار شیخ کا زرتار آنچل اوڑھا دیا گیا تھا۔ اس کے بت بنے بے حس وجود کو اعصار شیخ کے نام سے سجایا جانے لگا تھا۔

وہ جیسے پتھر ہو گئی تھی۔

جانے کیوں وہ چاہتی تھی یہ سب خواب ہو اور جب وہ جاگے تو حالات اپنے معمول پر ہوں۔ سب اس کے اختیار میں ہو۔ کچھ بھی بس سے باہر نہ ہو۔ مگر جانے کیوں سبھی کچھ ناممکن نظر آ رہا تھا۔

شعاع اس کی کلائیوں میں سرخ چوڑیاں پہنا رہی تھی۔ اچانک ایک چوڑی ٹوٹ کر کلائی میں چبھ گئی تھی۔ یکدم ہی خون رسنے لگا تھا۔ مگر اسے جیسے کسی بات کا احساس نہ ہوا تھا۔ شعاع نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا، پھر یکدم ہی اس کے بے جان و بے حرکت وجود کو اپنے ساتھ لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

''ادعیہ! میری جان! کچھ بولو، کیوں پتھر کی ہو گئی ہو تم؟''

یہ بارات تھی اس کی۔ نہ شہنائی تھی، نہ ڈھولک تھی، نہ سکھیوں کے گیت تھے، نہ کہیں خوشی کی رمق تھی۔ مگر اس رخصتی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ اس نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ شعاع سے پہلے اس گھر کی دہلیز پار کرے گی۔ کتنے ارمان تھے اس کے دل میں اس حوالے

سے۔ وہ شعاع کی شادی پر یہ کرے گی وہ کرے گی۔
سب کچھ توقع کے برعکس ہو رہا تھا۔
اور پتہ نہیں کیوں وہ ان سب باتوں کی عادی نہیں ہو سکی تھی اب تک۔ حالانکہ اتنے تو
سے کچھ ہو تو انسان عادی ہو ہی جاتا ہے۔
چھوٹے چچا، بڑے تایا، دادی اماں اور......
اس نے پتھرائی ہوئی نظر سے ہر ایک کو دیکھا تھا۔
آخر کار اس کی رخصتی کا وقت بھی آن پہنچا تھا۔
دہلیز پار کرنے سے پہلے امی نے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا اور اس مہربان وجود کا لمس
پاتے ہی وہ یکدم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔

❁......❁

درد کی کس چھتری تلے دل نے پناہ ڈھونڈی ہے۔ آنکھیں برسانے سے کیا فائدہ۔
"میں نے اسے سب کچھ بتانا چاہا تھا۔ سب کچھ، مگر لفظ میرے پاس سے اچانک
کہیں کھو گئے تھے اور میں کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔"
رہبان عالم شاہ کی آواز ابھری تھی اور اس کے اندر تک چھید ڈالتی چلی گئی تھی۔ وہ جا
کیوں نظریں اٹھا کر ایک آس کے ساتھ اسے دیکھنے لگی تھی۔
"میں اسے کھونا نہیں چاہتا۔ مگر میرے لئے اسے کچھ بھی بتانا بہت مشکل ہے۔" رہبا
عالم شاہ کے سارے جذبات اس کے لہجے میں بول رہے تھے۔ اور اس گھڑی جانے کیو
مژگان اسے بکھرتے ہوئے نہ دیکھ سکی تھی۔ تبھی بہت دھیرے سے اس کے ہاتھ پر اپنا نازک
سا ہاتھ دھر دیا تھا۔
"کیا میں آپ کی کوئی مدد کر سکتی ہوں؟"
رہبان عالم شاہ نے لمحہ بھر کو نظر اٹھا کر اسے دیکھا تھا پھر دوسرے ہی پل نفی میں
ہلانے لگا تھا۔
"میں اس سے بات کروں؟"
"ارے نہیں۔" وہ بہت دھیمے سے مسکرا دیا۔ "بہت توپ صفت لڑکی ہے وہ۔" وہ یق
ماحول کی کثافت کو کم کرنا چاہتا تھا تبھی شگفتہ انداز میں بولا تھا۔ مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔
"تم پریشان مت ہو، انشاء اللہ میں اس مسئلے کو حل کر لوں گا۔"
تبھی کائنات اپنے ڈونگے سمیت آ گئی تھی۔ اسے مجبوراً چہرے کے تاثرات بدلنے پڑے۔

تھے۔
"بھابی! قطعاً نہیں لگتا آپ کوئی نئی نویلی دلہن ہیں۔ کوئی یوں بھی غافل ہوتا ہے خود
سے؟" کھانے کے بعد وہ برتن سمیٹ رہی تھی تبھی وہ مسکرا دی تھی۔
"پاگل، نئی نویلی دلہن تو تم ہو۔"
"ہاں، آپ تو جیسے سو سال پرانی ہو چکی ہیں۔" وہ بہت دھیرے سے ہنس دی تھی۔
"سجنے سنورنے کے دن تو تمہارے ہیں۔" بہت ہولے سے مژگان نے اس کا چہرہ چھوا
تھا۔ انداز سے بڑا پن صاف ظاہر تھا۔ "تم خوش ہو نا؟"
کائنات یکدم فطری حیا سے نظریں جھکا گئی تھی۔ چہرہ سرخی سے بھر گیا تھا۔ مژگان کتنے
ہی لمحے اسے دیکھتی رہی تھی۔
"عاطف بہت اچھے ہیں۔ بہت خیال رکھتے ہیں میرا۔"
"اور تم......تم خیال رکھتی ہو یا نہیں ان کا؟" مژگان نے چھیڑا تھا اور وہ دھیرے سے
ہنس دی تھی۔ تبھی کائنات گھر پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے مسکرائی تھی۔
"آپ نے گھر بہت زبردست ڈیکوریٹ کیا ہے۔ یقیناً یہ آپ کے اعلیٰ ذوق کی نشانی
ہے۔"
"ہاں، مگر اب اس گھر کو میرے بغیر رہنے کی عادت ڈالنا ہو گی۔" وہ بہت مدھم آواز میں
بولی تھی۔
"کیا مطلب؟" کائنات یکدم چونکی تھی۔
"ظاہر ہے، میں نے ابا جی اور اماں کے پاس گاؤں جانے کا ارادہ جو کر لیا ہے۔" وہ
اطمینان سے کہتی ہوئی مسکرائی تھی۔
"اوہ......آپ نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔" کائنات نے رکی ہوئی دھڑکنوں کو بحال کیا۔
"تم کیا سمجھی تھیں؟" مژگان نے سر اٹھا کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔
"بھابی!" کائنات نے زچ ہو کر ٹوکا مگر وہ ہنسنے لگی۔ جانے کیوں کائنات دیکھتی رہی۔
"آپ ہنس کیوں رہی ہیں؟"
"یونہی۔" اس نے بکھرے ہوئے بالوں کو سمیٹ کر یونہی جوڑا سا بل دیا۔ "سوچ رہی
ہوں......" وہ کچھ کہتے کہتے رہ گئی۔
"کیا سوچ رہی تھیں آپ؟"
"جب میں یہاں نہیں ہوں گی تو تم یہاں آ کر مجھے مس کرو گی یا کہ نہیں۔ ویسے بتاؤ، کیا

واقعی مجھے مس کرو گی؟'' مژگان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی مگر آنکھوں میں عجیب سی نمی تیر رہی تھی۔

''بھابی پلیز! اتنی مسٹری ٹائپ باتیں مت کریں۔ یوں بھی اس گھڑی آپ مجھے مسٹریکس گرل لگ رہی ہیں۔''

مژگان یکدم ہنسنے لگی تھی۔ بہت سا پانی آنکھوں سے چھلکنے لگا تھا۔ اس نے چہرے کا رخ پھیر کر آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑا تھا۔

''بھابی! آپ...... اوہ مائی گاڈ، بھابی رو رہی ہیں۔'' اس نے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے عاطف کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے رہبان عالم شاہ کو پکارا تھا۔

''پاگل! یہ آنسو قطعاً نہیں ہیں۔'' وہ پلٹ کر کچن کی سمت بڑھ گئی تھی۔

''کیا ہوا بھئی۔ کیا کہہ دیا تم نے ہماری بیگم کو؟ بن گئی نا روایتی نند ابھی سے؟'' رہبان عالم شاہ نے بہت شرارت سے مسکراتے ہوئے کائنات کو دیکھا تھا۔ وہ یکدم مسکرا دی تھی۔

''بھیا! غلط فہمی ہو رہی ہے آپ کو۔ بھابی کو میں نے نہیں، آپ نے رلایا ہے۔''

مژگان نے برتن سنک میں رکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلاتے ہوئے انہیں دیکھا تھا۔ تبھی رہبان عالم شاہ چلتا ہوا قریب آ گیا تھا۔

''نصیب دشمناں، ہوا کیا ہے؟'' انداز ایسا تھا کہ مژگان بھیگی پلکوں سمیت یکدم ہی مسکرا دی تھی۔ پھر نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''ہماری بیگم کی آنکھوں میں آنسو آئے بھی اور اتنے بے وقعت ہو کر بہہ بھی گئے۔ ہمیں اتنی دیر سے کیوں پتہ چلا؟'' مسکراتے ہوئے تاسف سے بولا تھا۔ وہ نگاہ اٹھا کر دیکھنے لگی۔ رہبان کی پشت پر کھڑی کائنات ہنسنے لگی۔ یہ وقت یقیناً اس کے لئے مسکرا کر نگاہ جھکانے کا تھا۔ سو اس نے فوراً عمل کیا۔

''بھابی! آپ اب بھی بھیا کی باتوں میں آ جاتی ہیں؟'' کائنات چھیڑنے سے باز نہ آئی۔

''کیا کروں.... اس کے سوا چارہ بھی تو نہیں۔'' اس نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔ نگاہ دانستہ اس شخص پر ڈالی تھی جو زیر لب مسکرا رہا تھا۔

''بھابی خفا لگتی ہیں آپ سے بھیا!'' کائنات نے قیاس آرائی کی۔

''کون کس سے خفا ہے؟'' تبھی عاطف بھی وہیں آن رکا۔

''کوئی کسی سے خفا نہیں۔ تم لوگ جا کر بیٹھو۔ میں کافی لے کر آتی ہوں۔'' مژگان نے کائنات کے بے ساختہ ہنسنے اور محترم رہبان عالم شاہ کے مسکرانے پر لب بھینچ کر کہا اور پلٹ گئی۔ رہبان عالم شاہ نے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔

''بھیا! بعد میں منا لیجئے گا۔ آیئے فی الحال لاؤنج میں چلتے ہیں۔'' کائنات نے شرارت سے کہا تھا۔ تبھی رہبان عالم شاہ نے مسکراتے ہوئے لاؤنج کی طرف قدم بڑھا دیئے تھے۔

✿......✿

''بے بے! آج پلٹنے میں تم نے اتنی دیر کر دی۔'' سیو چھت پر سے سوکھے ہوئے کپڑے لے کر اندر آ رہی تھی جب بے بے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئیں۔

''میں تو اکبر بھائی کو بھیجنے والی تھی پیچھے۔'' اس نے سارے کپڑے چارپائی پر ڈھیر کرتے ہوئے بے بے کو دیکھا۔ انہوں نے گہرا سانس لیا، پھر چارپائی پر بیٹھ گئی تھیں۔ سیو نے گھڑے سے پانی کا گلاس بھر کر ان کو دیا تھا۔

''وہ چھوٹے سرکار ہیں نا، اس دی گڈی دا حادثہ ہو گیا۔ جانوں بچ گئے۔ شکر ہے رب کا، دعاؤں نے بچا لیا۔'' بے بے نے بتایا تو اس کا دل یکدم جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر دبا ڈالا۔

''کون چھوٹے...... اعیان صاحب؟''

دل نے بے ساختہ چاہا یہ خبر جھوٹی ہو۔ بے بے کو بتانے میں مغالطہ ہوا ہو۔ اسے سننے میں غلطی ہوئی ہو۔

''ارے ہاں نا، ہور کون۔ میرا تے دل بڑا ہی مندا ہویا۔ اینا سوہنا گھبرو جوان بچہ۔ پتہ نہیں کس دی نظر لگ گئی۔ زندگی دے سوہنا رب اس کو۔ میں تو ہول کے رہ گئی یہ خبر سن کے۔ لوں لوں چوں اس دے واسطے دعا نکلدی پئی ہے۔ وڈی چوہدرائن نے صدقہ خیرات کیا ہے۔ پتر بچ گیا۔'' بے بے تفصیل بتا رہی تھی۔ ''شہر گئے سن، واپسی تے گڈی کسے دوجی گڈی نال ٹکرا گئی۔''

سیو کے جسم سے جیسے جان ہوا ہونے لگی۔ وہ ہولے سے چلتی ہوئی باورچی خانے میں آ گئی۔ چھوٹی سی چھت کے نیچے رکھا ہوا چولہا۔ گھر کا یہ حصہ باورچی خانے کے نام سے مختص تھا۔ ہانڈی کے نیچے آنچ مدھم پڑنے کو تھی۔ وہ پھونکیں مار مار کر جھکنے لگی۔ دھواں بڑھنے لگا۔ آنکھوں سے بہت سا پانی بہنے لگا۔

''پیچھے ہٹ...... میں دیکھتی ہوں۔'' بے بے نے اس کی جدوجہد ناکام دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ ہولے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بے بے! چھوٹے سرکار کیا ہسپتال میں ہیں؟'' اس کی سوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی

تھی۔ گیلی پلکوں کو رگڑتے ہوئے اس نے بہت ہچکچاتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

”ابھی تو ہسپتال میں ہیں۔ کل پرسوں تک گھر مڑن گے۔“

اس کی جیسے جان پر بن آئی تھی۔ وہ مڑ کر چارپائی پر دھرے ہوئے سارے کپڑے اٹھا
کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

آنکھوں میں بہت سا پانی جانے کیوں اُمڈے چلا آ رہا تھا۔

اور وہ جیسے ہر بند باندھنے میں ناکام تھی۔

نظروں میں ان کا اس دن والا چہرہ گھوم رہا تھا جب وہ بے دھیانی میں ان کے کمرے
طرف جا نکلی تھی۔ کیسے ان سے نگاہ ملتے ہی روح تک میں بھونچال سا آ گیا تھا۔ تب ا
دیکھتے ہوئے وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ وہ کچھ روز میں کسی ایسے درد سے ہم کنار ہوں گے۔

اسے جانے کیوں اپنے اردگرد ایک درد ہی درد پھیلتا نظر آ رہا تھا۔

نادان دل مچلے جا رہا تھا۔

اس وجود کی ہر تکلیف، ہر درد چن لینے کو جی چاہ رہا تھا۔

ان کے ساتھ کیونکر ہو گیا یہ..... وہ تو اتنے اچھے ہیں کہ کسی دشمن کی نظر لگ گئی۔ اے
تو انہیں جلدی سے اچھا کر دے۔ اور اس کے بدلے میں مجھے دھر لے۔“ کپڑے تہہ کر
ہوئے آنکھیں بھیگتی چلی جا رہی تھیں اور ہر آنسو کے ساتھ چھوٹے سرکار کے لئے دعا ہو
تھی۔ اگرچہ اس شخص نے کبھی اس کی جانب ہمدردی سے نہیں دیکھا تھا، کبھی کوئی مہربان
نہیں کی تھی، کجا کوئی التفات کرنا۔ وہ شخص اپنے رویے سے کبھی بھی اس کے لئے کسی آش
صورت نہ تھا۔ مگر اس کے لئے جانے کیوں پھر بھی اس کا دل بہت بے قرار ہو رہا تھا۔

❁......❁

اس کا استقبال قطعی طور پر گرمجوش نہ تھا۔ کہیں اس کی راہ میں سرخ کارپٹ نہ تھے
ہاتھ نے پھول نہیں برسائے تھے نہ اس کی نظر اتاری گئی تھی۔ ہر طرف خاموشی ہی خا
تھی۔ وہ عروسی ملبوس میں تھی۔ نئی نویلی دلہن تھی۔ اس گھر کی بہو تھی۔ کسی بھی دلہن ک
میں اس حوالے سے بہت سے خواب ہوا کرتے ہیں۔ بہت سے ارمان، بہت سی امی
بہت سے دبے دبے دھیمی آنچ دیتے جذبے، من کو سلگانے والے بہت جذبے، دل میں
برپا کر دینے والے بہت سے رنگ۔

مگر وہ تو بت بنی ہوئی تھی۔ جیسے کسی بے جان وجود کو اس گھر کی دہلیز سے گزارا گیا
اس کی آمد پر کہیں گرمجوشی نہیں تھی، گہما گہمی نہیں تھی۔

مگر سچ تھا وہ دلہن تھی، نئی نویلی دلہن۔

چھوٹی چچی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ایک قیمتی جیولری سیٹ اس کی گود میں رکھ دیا تھا۔

”جیتی رہو، خوش رہو۔“ بہت بے تاثر انداز میں کہہ کر وہ باہر نکل گئی تھیں۔

زویا نے اس کا آنچل سرکا کے ہولے سے اس کا چہرہ اٹھایا تھا۔

”خوش آمدید بھابی! گو کہ یہاں کوئی اہتمام نہیں۔ مگر یقین کیجئے، ہمارے دلوں میں آپ کے لئے اتنا ہی احترام اور عزت ہے جتنی کہ کسی بہو کے لئے ہو سکتی ہے۔ آپ کو زندگی کا یہ نیا سفر بہت بہت مبارک ہو۔ ہمارے بھائی صاحب کی چوائس لاجواب ہے۔ آپ اس عام سی تیاری اور سوگوار انداز میں بھی قیامت برپا کر رہی ہیں۔ یقین نہ آئے تو بھائی سے پوچھ لیجئے۔“ وہ یقیناً ماحول کی کثافت کو دور کرنے کے لئے شگفتہ انداز میں جھک کر سرگوشی کرتے ہوئے مسکرائی تھی۔ اس لطیف سی شرارت پر بھی اس کے اندر کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی۔ کسی لطیف احساس نے اسے بیدار نہیں کیا تھا۔ ابھی تک اس کے اندر کی قیامت ہی کم ہونے میں نہ آ رہی تھی اور ایک مشکلات کا سمندر مزید اس کے سامنے تھا۔ اسے اپنے اندر سے ہی فرصت نہ تھی۔ ابھی اس کے اندر کی جنگ ہی ختم ہونے میں نہ آ رہی تھی اور اسے ایک نئے محاذ پر بھی لڑنا تھا۔

اس کے لئے یہ رشتہ ناقابل قبول تھا۔

ناقابل برداشت۔

اور وہ اس تعلق کے حوالے سے یقیناً اس گھر کے لئے ناپسندیدہ تھی۔

گو کہ وہ یہاں اپنی مرضی سے نہیں آئی تھی مگر یہاں رہنا اب اس کا مقدر تھا۔ وہ لاکھ بدگماں سہی، دل میں لاکھ کدورتیں سہی، مگر یہ ایک حقیقت تھی کہ وہ باضابطہ طور پر اس گھر میں لائی گئی تھی۔ اسے ایک بہو کی حیثیت سے اگرچہ قبول نہ کیا جاتا مگر وہ اس حوالے سے یہاں موجود ضرور تھی۔ اور شاید یہ بھی طے تھا کہ اسے اب یہیں رہنا تھا۔ ناپسندیدہ فیصلے پر سرنگوں کر کے، ناپسندیدہ لوگوں کے ساتھ۔ ان چاہے رشتے میں بندھ کر۔

وہ زبردستی کا بندھن جسے فریق واحد نے اپنی مرضی کے تحت قائم کیا تھا اور عمر بھر کے لئے اسے سب کی نگاہوں میں جھکا دیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا اس کی حیثیت دو کوڑی کی ہو۔

اتنی ارزاں تو وہ کبھی نہیں تھی۔ کب سوچا تھا اتنی پستی کے متعلق جس طرح اسے دیس نکالا دیا گیا تھا۔

اس سے اس کی ذات پر جیسے نا اعتباریوں کے گہرے سائے چھا گئے تھے۔ اس
اپنوں نے کسی ناسور کی طرح ایک پل میں اس کو اپنے وجود سے کاٹ کر الگ کر دیا تھا۔ ا
کی بے گناہی جاننے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ اس کی مرضی نہیں پوچھی گئی تھی۔ فقط فریق وا
کی سوچ کو اہمیت دی گئی تھی۔ اس کے فیصلے کو عملی جامہ پہنایا گیا تھا۔ جیسے وہ مٹی کا بے جا
وجود تھی۔ کتنی آسانی کے ساتھ وہ دسترس میں آ گئی تھی۔ اور سب سے بڑی بات، وہ کو
مزاحمت بھی نہ کر سکی تھی۔ ایسا کب سوچا تھا اس نے؟ جانے وہ سب کیوں ہو جاتا ہے ج
کے متعلق سوچا نہیں ہوتا۔

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا، اس کی تقدیر اس کے چہرے پر اتنی سیاہی مل دے گی۔ اس
پوری زندگی تاریکیوں کی نذر کر دے گی۔

وہ اس کا چاہنے والا تھا مگر اس نے اپنے ایک قدم سے اس کی ذات کو پستیوں میں
ڈالا تھا۔ کتنا غلط راستہ اختیار کیا تھا اسے حاصل کرنے کا اس نے۔ اس نے فقط اپنا مفاد س
تھا اور اس ضمن میں اسے جو صحیح راہ ملی تھی، جو راستہ صحیح لگا تھا اس نے وہی چن لیا تھا۔ مگر ا
کے سامنے ہر راہ بند کر ڈالی تھی، اسے ایک بند گلی میں لا پٹخا تھا۔

اس خاندان نے ابو کو ان کے ناکردہ گناہوں کی سزا دی تھی۔ فقط اپنی پسند کا ہمسفر منتخ
کرنے پر اپنے آپ سے کاٹ کر الگ کر دیا تھا اور ان کے بعد کبھی بھی اس خاندان
پلٹ کر ان کی خبر نہیں لی تھی۔ فقط اس شخص نے التفات کیے تھے، کرم کیے تھے۔ اپنے مطل
کے لئے وہ اس کے گھر میں آتا رہا تھا۔ انہیں اعتماد میں لے کر ملتا رہا تھا۔ کس بے درد
سے اس نے اس کے وجود کو چھلنی کیا تھا۔ کیسے بے خبری میں چھرا گھونپا تھا اس کی پشت پر۔
وہ کس کس غم کو مٹاتی۔

''ادعیہ!'' اسے خبر ہی نہ ہوئی تھی کب کمرہ خالی ہوا اور وہ شخص اس کے سامنے آن بیٹھ
نہ صرف سامنے آن بیٹھا بلکہ اس کے ہاتھ کو بہت دھیرے سے اپنے ہاتھ میں بھی لے چکا تھ

''ادعیہ! زندگی انہی بدلتے ہوئے منظروں کا نام ہے۔ بہت سے موسم دیکھنے کو ملتے ہ
اس میں۔ مگر ہماری زندگی میں کوئی برا موسم کبھی قدم نہیں رکھ سکے گا۔ اس بات کا ہمیشہ یقی
رکھنا۔''

اس کی ٹھہری ہوئی منجمد آنکھوں سے جانے کب دو قطرے ٹوٹ کر گرے تھے۔ سا
بیٹھے شخص نے ان موتیوں کو بے وقعت جانے سے پہلے اپنی پوروں پر چن لیا تھا۔ اس کے لم
پر وہ جیسے لمحہ بھر میں بیدار ہوئی تھی۔ اس نے چونک کر دیکھا تھا۔ وہ مضبوط شخص بغور اس

سمت دیکھ رہا تھا۔ نگاہوں میں نرمی تھی، بہت سی محبت تھی۔ نرم روشنی کی شعاعیں دوستی کا پیغام
لئے ہوئے تھیں۔ اس کا انداز بھرپور دوستانہ تھا۔

ایک قاتل، ہمدردی کا ڈھونگ رچا رہا تھا۔ اپنے مقتول کے زخمی وجود پر ہمدردی کے مرہم
کے پھاہے رکھ کر اسے زندہ کرنے کا خواہاں تھا۔

عجیب قاتل تھا۔

میرا قاتل ہی میرا منصف ہے
کیا میرے حق میں فیصلہ دے گا

''یقین کرو، میں نے یہ سب کچھ نہیں چاہا تھا۔ مگر تم یقین کرو، تم تنہا نہیں ہو۔ میں قدم
قدم پر تمہارے ساتھ ہوں۔ ہم ساتھ مل کر چلیں گے تو ساری مشکلات ختم ہو جائیں گی۔ ہو
سکے تو مجھ پر یقین رکھو۔ میں کبھی تمہیں بے وقعت نہیں ہونے دوں گا۔ جو ہو چکا سو ہو چکا، مگر
اب میری کوشش یہی ہو گی کہ تمہیں اس گھر میں نہ صرف ایک خاص مقام ملے بلکہ بہت سی
خوشیاں بھی۔ میرا اعتبار کرو۔''

ادعیہ نے بھیگی بھیگی پلکوں سے اسے دیکھا تھا۔ یکدم نمی بڑھنے لگی تھی۔ سامنے کا سارا
منظر جیسے دھندلانے لگا تھا اور وہ یکدم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ اعصار شیخ نے
ایک ہمدرد دوست کی حیثیت سے اس کے شانے پر دھیرے سے ہاتھ رکھ کر اس کے جھکے
ہوئے سر کو دیکھا تھا۔ یقیناً اس نے اس کا حوصلہ بڑھانا چاہا تھا۔ اس پُر درد کیفیت میں اس کی
دل جوئی کرنا چاہی تھی۔ مگر ادعیہ نے یکدم ہی سر اٹھاتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا اور
بہت بے دردی کے ساتھ ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ ڈالی تھیں۔ بہت کچھ کہنا چاہا تھا،
بہت کچھ سنانا چاہا تھا مگر ہمت اور حوصلہ جیسے دونوں مفقود ہو گئے تھے۔ اچانک اس کی نگاہوں
کے سامنے اندھیرا سا چھانے لگا تھا اور دوسرے ہی پل وہ اعصار شیخ کی بانہوں میں ڈھیر ہو
چکی تھی۔

❁......❁

''یہ تم کس کے خیالوں میں ڈرائیو کر رہے تھے؟'' مژگان نے بڑے پن سے ڈپٹتے
ہوئے بستر پر پڑے ہوئے اس شخص کو دیکھا تھا۔ اعیان عالم شاہ یکدم مسکرا دیا تھا۔

''اب پڑے رہنا یونہی دنوں تک۔''

''میری ڈیئرسٹ بھابی! کاش کوئی ہوتا۔'' اس کی آواز میں آہ ہی آہ تھی۔ ''بڑی خودغرض
خاتون ہیں آپ۔ اتنی مطمئن ہو کر بیٹھ چکی ہیں۔ کچھ خیال ہی نہیں اپنے اس ہینڈسم سے دیور

کا۔ اس پر خالی خولی طعنے دے رہی ہیں۔'' وہ شخص یقیناً غیر سنجیدہ تھا۔
مژگان کے لبوں پر بے ساختہ ہی مسکراہٹ آ گئی تھی۔ تبھی اس نے شرارت سے دیکھا تھا۔
''سچ پوچھیں تو سارے آپ کو بلوانے کے بہانے تھے۔ جی اداس ہو گیا تھا نا۔'' اس نے سرگوشی کی تھی۔ وہ گھورنے لگی تھی مگر وہ ہنسنے لگا تھا۔
''میں تو یوں بھی آنے کا ارادہ باندھ رہی تھی۔ تمہارے بھیا کے پاس ہی وقت نہیں تھا۔ کتنے دنوں سے کہہ رہی تھی۔ پیکنگ تک مکمل تھی مگر ان کا ارادہ بن کر نہ دے رہا تھا۔ بائی دی وے، بلوانا تھا تو ڈھنگ سے بلوایا ہوتا۔ میرا تو دل ہول گیا۔ عجیب شخص ہو تم۔'' اس کے لہجے میں فطری بڑا پن اور محبت بول ہی تھی۔ رہبان عالم شاہ جو دروازے کے قریب کھڑا تھا، اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اس لمبے چوڑے شخص کو بہت توجہ سے اپنے ہاتھوں سے سوپ پلا رہی تھی۔
''ارے بھابی! معمولی زخم ہی تو ہیں۔ بھر ہی جائیں گے۔'' وہ متواتر مسکرا رہا تھا۔ بچہ بنا ہوا تھا۔
''اور وہ جو بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے؟'' مژگان نے باور کرانے کے لئے اس کی سمت دیکھا تھا، وہ مسکرا دیا تھا۔
''سوچیے، اگر یہ بازو نہ ٹوٹا ہوتا تو آج کیا اتنی حسین ترین خاتون کے ہاتھوں سوپ پینا نصیب ہوتا؟''
''بے شرم۔'' اس نے مصنوعی خفگی سے گھورا تھا مگر اعیان عالم شاہ ہنسنے لگا تھا۔ رہبان بھی مسکرا دیا تھا۔
''شکر ہے میرے بچے کے منہ پر بھی مسکراہٹ آئی۔ میری بیٹی کے قدم بہت مبارک ہیں۔ آتے ہی خوشیاں لے آئی۔'' اماں نے محبت سے بہو کو دیکھا۔ رہبان عالم شاہ اس تمام سچویشن کو سینے پر ہاتھ باندھے کھڑا دیکھ رہا تھا۔
''بھیا! لگتا ہے بھابی آپ کو یہاں زبردستی باندھ کر لائی ہیں۔'' وہ یقیناً چھیڑ رہا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔
''چپ کرو۔ بہت بول چکے تم۔ اپنے بیمار ہونے کا ہی کچھ خیال کر لو۔'' رہبان عالم شاہ نے محبت سے ڈانٹا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔ تبھی دروازے پر بہت مدھم سی آہٹ ہوئی تھی۔ سب نے ایک ساتھ اس جانب دیکھا تھا۔
وہ بہت بوکھلائی ہوئی سی دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ سر حسب معمول جھکا ہوا تھا۔

دوپٹے کا پلو دانتوں میں دبا تھا۔ ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھامے وہ جیسے بمشکل قدم جمائے زمین پر کھڑی تھی۔
''سیو! آؤ نا۔ رُک کیوں گئیں؟'' مژگان نے اسے حد درجہ بوکھلائے دیکھ کر ملائمت سے کہا۔
سیو نے ہولے سے نگاہ اٹھائی۔ کمرے میں موجود سبھی نگاہیں اس کی جانب تھیں۔ وہ کیونکر نہ بوکھلاتی۔ مژگان کی مہربان نظریں اگرچہ اس میں شامل تھیں مگر اس کی فطری جھجک راہ میں حائل کھڑی تھی۔
''چا...... چائے جی۔''
مژگان نے اسے مسکرا کر دیکھا، پھر سر ہلاتے ہوئے اعیان کی طرف دیکھنے لگی۔
''دوائیاں تو وقت پر لے رہے ہو نا تم؟''
''اب آپ آ گئی ہیں نا تو دوائیں بھی وقت پر ملنے لگیں گی۔'' وہ بالکل بچوں کے سے انداز میں مسکرایا تھا۔ سیو نے مژگان کو کانپتے ہاتھوں سے چائے تیار کر کے آگے بڑھائی تھی۔ بلا ارادہ نگاہ چھوٹے سرکار پر بھی گئی تھی۔ مسکراتے ہوئے کس قدر مختلف روپ تھا اس کا۔
اس نے اپنے روبرو اسے بے حد اسپاٹ اور کلف لگا ہی دیکھا تھا۔ بے حد مغرور، بے حد نخوت یا پھر ازلی بردباری کا کوئی انداز۔ لیکن اب بڑے بھائی اور بھابی کے ساتھ اس کا انداز یکسر مختلف تھا۔ کون کہہ سکتا تھا یہ وہی تھا، وہی حد درجہ مغرور شخص۔ کسی کو مشکل سے خاطر میں لانے والا۔ شاید سارے رویوں کا تعین رشتے ہی کرتے ہیں۔ آپ کے رشتے ہی آپ کو معتبر کرتے ہیں۔ دوسروں کے سامنے حد درجہ ریزرو نظر آنے والے بھی اپنوں کے روبرو یکسر مختلف نظر آتے ہیں۔
''سیو! اعیان کو بھی چائے دو۔ اعیان، چائے پیو گے؟'' مژگان نے سیو کو کہنے کے ساتھ ہی اعیان سے پوچھا تھا۔
''نہیں بھابی، ابھی تو سوپ پیا ہے۔ بالکل بھی موڈ نہیں چائے کا۔''
''چائے تو تم نے اچھی بنائی ہے سیو۔ تمہاری چائے کو ٹیسٹ کرنے کے بعد مجھے رہبان کے ہاتھ کی چائے کا مزہ یاد آ گیا ہے۔'' مژگان نے چائے کا سپ لے کر مسکراتے ہوئے رہبان عالم شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ وہ جو اب تک خاموش نظر آ رہا تھا، یکدم ہی مسکرا دیا تھا۔
''بھابی تو یہاں ہیں جناب! آپ کہاں کھوئے ہوئے ہیں؟'' اعیان نے بہت شگفتہ سے نداز میں جملہ اچھالا تھا۔ رہبان عالم شاہ کی مسکراہٹ ایک دم گہری ہو گئی تھی۔

"بھابی! ان پر نظر رکھا کریں۔ اتنا اندھا اعتماد اچھا نہیں ہوا کرتا۔" اس نے بہت رازدار
سے پُرخلوص انداز میں مشورے سے نوازا تھا۔ اماں سمیت سبھی مسکرا دیئے تھے۔ مژگان
اٹھا کر براہِ راست اس ستمگر کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ وہ بھی اسی کی جانب متوجہ تھا۔

"افسوس، الزام کسی کے سر نہیں دھر سکتی۔ کیونکہ دل سے نکلنے والے جذبات ہی اند
ہیں۔ سو اندھے اعتماد و اعتبار کا قائم ہونا تو شرط ہے۔" مژگان کے لبوں پر بہت د
مسکراہٹ تھی۔ وہ متواتر اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اعیان ہنس دیا تھا۔

"کمال ہے یار، بھابی! آپ بھی بہت بھولی ہیں۔ مانا محبت میں اپنے مطلوبہ فریق
"ناٹھیک" بھی "ٹھیک" ہی لگتا ہے۔ مگر اب ایسی بھی عنایتیں نہیں ہونی چاہئیں کہ جو آ
کے لئے باعث تشویش ہو جائیں۔" اس نے پُرشرارت انداز میں رہبان عالم شاہ کو دیکھا ت
وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔ اماں بھی متواتر مسکرا رہی تھیں۔

"شرم کرو۔ اپنے انتہائی شریف سے بھائی کے خلاف کان بھر رہے ہو اپنی بھابی کے
رہبان عالم شاہ نے اپنا دفاع بہت خوبی سے کیا تھا۔

"کان کہاں بھر رہا ہوں، میں تو حقیقت سے آگاہ کر رہا ہوں۔ کیونکہ جانتا ہوں
لڑکیاں دنیا کی سب سے معصوم قوم ہیں۔ بنیادی طور پر تمام لڑکیاں ایک ہی جیسی ہوتی ہیں
خواہ لڑکی جدید ترین معاشرے کی پڑھی لکھی عقل و خرد رکھنے والی باشعور لڑکی ہو چاہے
عام سی جاہل گنوار ان پڑھ۔ ان کی فطرت، ان کی عادات اور جذبات ایک جیسے ہوتے ہ
بہت جلد اعتبار کرنا اور آنکھیں بند کر کے محبت کی راہوں پر چلنا ان کا وتیرہ ہے۔ مرد گھا
ہوتے ہیں۔ انہیں زیر کرنے کے طریقے آتے ہیں اور بہلانے کے تمام گر ان کی مٹھی
مقید ہوتے ہیں۔ انہیں کب، کہاں، کون سا پینترا بدلنا ہے، کہاں کون سا رویہ اپنانا ہے، ک
محبت برتنی ہے، کہاں التفات بخشنا ہے اور کہاں بیگانگی برتنی ہے، کہاں رواداری نبھانی ہے
کہاں ہاتھ سہولت سے چھوڑ کر آگے بڑھ جانا ہے انہیں تمام ہنر بخوبی آتے ہیں۔
اوصاف میں کمال عروج پر نظر آتے ہیں یہ۔" اعیان نے مسکراتے ہوئے تیل چھڑکا تھا۔

"یار! میری معصوم سی اکلوتی بیگم کو بہکانے اور بھڑکانے کی کوشش مت کرو۔" رہبان
شاہ کا انداز حد درجہ ملتجی تھا۔

اعیان یکدم ہی ہنسنے لگا تھا۔ تبھی اماں مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

"سیو! شام کے کھانے میں ذرا اہتمام کر لینا۔ وہ کائنات بی بی آ رہی ہے۔ جب

وچ یہاں پہنچی ہوتی۔"

"اماں! آپ بے فکر رہیں۔ رات کا کھانا میں خود تیار کروں گی۔" مژگان نے ذمے
دارانہ انداز میں کہا تو اماں سر ہلاتی ہوئی اعیان کو دیکھنے لگیں۔

"اب اپنی بھابی کو زیادہ پریشان مت کر۔ کچھ آرام بھی کرنے دے، اتنی دور سے آئی
ہے۔" اماں کہہ کر پلٹ کر رہبان عالم شاہ کی طرف دیکھنے لگیں۔

"آرام کر لے کچھ تو بھی۔ تھک گیا ہوگا۔ تیرے ابا جی تو اب رات کو ہی لوٹیں گے۔"
وہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں۔ رہبان عالم شاہ کو یکدم ہی اپنی دوری کا احساس ہوا۔
اس عمر میں یقیناً ابا جی اور اماں کو اس کی ضرورت تھی۔ اور وہ میلوں کی دوری پر بیٹھا کس قدر
بے خبر تھا۔

"سیو! تم رات تک یہیں ہو یا شام تک چلی جاؤ گی؟" یکدم مژگان کی آواز نے رہبان
کی سوچوں کے تسلسل کو ایک جگہ جامد کر دیا۔

"جی آپ کہیں گی تو رک جاؤں گی۔" اس نے برتن سمیٹتے ہوئے بمشکل نگاہ کی۔

"نہیں بھابی! اسے جانے دیجئے، اس کی والدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ یوں ہی بہت دیر
ہو جائے گی جو کہ مناسب نہیں۔" اعیان نے یکدم ہی اس کی فیور میں کہا تھا۔ جانے کیسے
اسے احساس تھا، گاؤں کے فطری ماحول کا، اس کی عزت کا، اور سب سے بڑھ کر اس کی
مجبوری کا، بے بے کے بیمار ہونے کا۔ سیو نے بہت مشکل سے اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ وہ
یکسر اجنبی بنا رہبان کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو چکا تھا۔

"تم نے خود تو چائے پی ہی نہیں۔" مژگان نے اس کے دمکتے چہرے کو دلچسپی سے دیکھا۔

"جی...... وہ میں چائے نہیں پیتی۔"

"اوہ، تبھی تو اتنی تر و تازہ ہو۔ میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ گاؤں کے لوگ اس قدر تر و تازہ
کیونکر ہوتے ہیں۔ آج بہت سے دیگر اسباب کے ساتھ ایک اہم سبب یہ بھی سامنے آ گیا۔"
مژگان نے مسکرا کر کہا تو وہ مروتاً مسکرا دی۔

پھر جب وہ ٹرے لے کر اٹھ رہی تھی تبھی اعیان کی بھاری آواز ابھری تھی۔

"میرے لئے ایک کپ کافی کا بھجوا دینا۔" وہ کہہ کر پھر سے گفتگو میں مصروف ہو گیا تھا
اور سیو دل کی تمام منتشر دھڑکنوں کو سمیٹتی ہوئی تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ مگر ہمیشہ کی طرح
سب کچھ اختیار سے باہر تھا۔

اس نے بہت دھیرے سے کسمسا کر آنکھوں کو بمشکل کھولنے کی کوشش کی تھی۔ سر بے حد بھاری ہو رہا تھا۔

سارے حواس بری طرح منجمد تھے۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کر کے خود کو بیدار کرنے کی حتی الامکان کوشش کی تھی۔

تبھی اس کے جاگنے کا احساس کسی دوسرے فریق کو بھی ہو گیا تھا۔ فوراً آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا اور دوسرے ہی پل اس پر جھک گیا تھا۔

"ادعیہ...... آر یو آل رائٹ؟" بہت مدھم سی سرگوشی تھی۔ بہت سا خیال اپنے اندر سمیٹے ہوئے کوئی بہت اپنے پن سے کہہ رہا تھا۔ "تم نے تو مجھے پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ کوئی یوں بھی کرتا ہے؟ اینی وے، کیسا فیل کر رہی ہو تم اب؟" لہجہ میں کیا کچھ نہ بول رہا تھا۔

ادعیہ ساکت آنکھوں سے اس کی سمت دیکھتی چلی گئی تھی۔ کوئی بہت توجہ سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی سانسوں کو اپنے چہرے سے ٹکراتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔

"ڈاکٹر نے تمہیں آرام کرنے کو کہا ہے۔ اس لئے کچھ دن اب یہاں ٹھہرنا ہو گا۔ ورنہ طے تھا کہ ہمیں صبح یہاں سے کوچ کر جانا تھا۔ خیر میں جاگ رہا ہوں، تم آرام سے سو جاؤ" بہت میٹھے مدھر لہجے میں بولتا ہوا وہ جیسے ہر پچھلے رویے کا ازالہ چاہ رہا تھا۔ اس کے ذہن و دل کی سلیٹ سے جیسے پچھلا ہر برا تاثر مٹانے کی کوشش میں تھا۔ ہر وہ نقش جس نے ان کے درمیان دوری کی ایک لمبی دیوار لا کھڑی کی تھی۔

بہت بڑا شعبدہ باز تھا وہ شاید۔

نہ جانے کیوں اسے اب بھی یقین تھا کہ وہ ہر بات کو پہلے جیسے رنگ میں رنگ سکتا ہے۔ اپنے پر اب بھی اسے ناز تھا کہ وہ سارے سوئے ہوئے جذبات پھر سے جگا سکتا ہے۔ اپنے فسوں سے ہر اس نقش کو مٹا سکتا ہے جو بھی ناپسندیدہ رہا تھا۔ میٹھے بولوں سے ہر تاثر زائل کر سکتا ہے۔

جانے کیوں اب بھی اسے یقین تھا کہ وہ اس کانچ سی لڑکی کو ہاتھ بڑھا کر اپنی مٹھی میں

لے سکتا ہے۔

"آنکھیں بند کر لو شاباش...... سو جاؤ۔ میں ہوں یہاں۔ تمہارے پاس، بہت قریب۔"

کتنے مدھر بول تھے، کس قدر جادو تھا۔ اس شخص کے مضبوط ہاتھ نے بہت دھیرے سے اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر تھا۔ وہ اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی تھی۔ پھر یکدم ہی اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ آنکھوں میں یکدم ہی ایک سمندر آن ٹھہرا تھا۔ وہ ڈبڈبائی آنکھوں سے اسے دیکھتی چلی گئی تھی۔

ایک رات کی نئی نویلی دلہن تھی یہ۔

سرخ جوڑے میں ملبوس!

کسی بھی ہار سنگھار کے بغیر!

کسی زیور کے بغیر بھی جس کا حسن دو آتشہ ہو رہا تھا۔

بے رخی کے ساتھ بھی جس کا وجود نظر انداز کئے جانے کے قابل قطعی نہ تھا۔

تمام تر بے اعتنائی کے بعد بھی جو بے حد کشش کی حامل تھی۔

اس کے عین سامنے موجود شخص آنکھوں میں نرمی لئے اسے بہت ملائمت سے دیکھ رہا تھا۔ غالباً وہ اس کی اس کیفیت پر کچھ اور اخذ کر رہا تھا شاید تبھی اس کی بھیگی پلکوں کو بغور دیکھتے ہوئے دوستانہ انداز میں اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ مگر ادعیہ نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا تھا۔ بہت سے سوتے تمام حدود توڑ کر باہر نکل آئے تھے۔ یکدم وہ بہت ناگواری کے ساتھ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"پلیز، لیو می الون۔" اس نے بہت ضبط کے ساتھ کہا تھا۔ یونہی چہرے کا رخ پھیرے پھیرے وہ بولی تھی۔

اعصار شیخ نے اسے ایک نظر دیکھا تھا، پھر دھیرے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور پلٹ کر چلتے ہوئے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

پھر کتنی ہی دیر وہ بے قراری سے لان میں اِدھر سے اُدھر چکر کاٹتا رہا تھا۔

پیار کی جنگ ہے عجیب بہت

جیت کے ساتھ مات اتری ہے

جیت کے ساتھ مات اتری ہے!

اس نے تلخی سے مسکراتے ہوئے یکدم ہی زیر لب دہرایا تھا۔ پھر یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔

افسوس، میں تو پچھتا بھی نہ پاؤں گا کہ واپسی کے سبھی در اپنے ہاتھوں بند کر آیا ہوں۔ میرے پاس تو افسوس کرنے کو کچھ نہیں بچے گا کہ یہاں آنے کے بعد ساری کشتیاں میں نے خود جلا دی ہیں۔ پھر واپسی کی راہ کہاں بچتی ہے، مگر یہ بات وہ کیوں نہیں سمجھتی؟

محترمہ ادعیہ، اگر اس سفر میں خالی ہاتھ تنہا کھڑا رہ گیا تو میں تمہیں کوئی الزام بھی نہ دے سکوں گا۔

کوئی یوں کبھی نہیں ہارا ہوگا، کسی کھیل میں۔

رات ہولے ہولے اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ بہت بھیگا ہوا منظر تھا۔ سرد، جامد جاڑے کی ویران ٹھٹھرتی رات کس قدر تنہا تھی۔ اور چاند!

چمکتا ہوا چاند کتنی ہی دیر اس کی توجہ کا مرکز رہا تھا۔

”تمہیں پانا واقعی دیوانے کا خواب ہے۔ آج خبر ہوئی دیوانگی کسے کہتے ہیں۔ جنون خیزی کیا ہوتی ہے۔“

✿......✿

ممانی کو جانے کیسے خبر ہو گئی تھی۔ شاید ایسی ساری باتیں کبھی ڈھکی چھپی نہیں رہ سکتیں بلکہ جتنا چھپانے کی کوشش کی جائے، اتنی ہی جلد پھیلتی چلی جاتی ہیں۔ امی کے ساتھ ان کے مسلسل بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ان کی اچانک آمد پر وہ قطعی حیران نہ تھی۔ کیونکہ جتنا بڑا طوفان گزر گیا تھا اس کے بعد ہر طرح کے مزید امکانات کے لئے وہ تیار تھی۔

رانیہ کچھ فاصلے پر بالکل مجرموں کے سے انداز میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔

عمر جانے کہاں تھا، شاید اپنے کمرے میں۔

تانیہ اس کے پہلو میں دبکی بیٹھی تھی۔

جانے کیوں گھر کی فضا بہت سوگوار سی تھی۔ جیسے کوئی بہت بڑا حادثہ گزر گیا ہو۔

بالکل ویسے ہی خاموشی تھی جیسی طوفان کے گزر جانے کے بعد ہوتی ہے۔ اسے یاد آ رہا تھا۔ کچھ روز سے مسلسل ایسی ہی خاموشی کا حصار اس گھر کے گرد تنا ہوا تھا جسے اس نے بخوبی محسوس کیا تھا۔ مگر تب وہ اخذ کرنے سے قاصر تھی کہ واقعی یہ خاموشی کسی بہت بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہے۔ مگر اب جبکہ طوفان گزر گیا تھا تب اسے اندازہ ہو رہا تھا۔

ممانی جان جانے کیا کہہ رہی تھیں۔ دوری کے باعث اسے آواز واضح طور پر سنائی نہ دے رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ کمرے میں جائے اور بغور اس گفتگو کو سنے۔ مگر جانے کیوں اس میں حوصلہ نہ تھا۔ اس کے پیر جیسے بندھ گئے تھے اور دل...... جانے اب کیا ہونا

تھا۔ کون سا نیا طوفان آنا تھا۔ کون سا نیا فیصلہ رقم ہونا تھا۔

وہ دم سادھے وہیں ساکت بیٹھی تھی۔

آوازیں اب بھی مسلسل آ رہی تھیں۔ ممانی جان بہت تیز تیز بول رہی تھیں۔ شاید واقعی کوئی فیصلہ رقم ہونے جا رہا تھا۔

وہ یکدم ہی بہت ہمت کر کے اٹھی تھی۔

”شعاع آپی!“ رانیہ نے لرز کر یکدم ہی اسے پکارا تھا۔ اس نے لمحہ بھر کو پلٹ کر دیکھا تھا، پھر بہت ضبط کے ساتھ قدم اٹھاتی ہوئی دروازے کے قریب جا رکی تھی اور بہت ہولے سے دروازہ کھول دیا تھا۔

”یہ کیا طریقہ ہوا امینہ! ایسے چوری چھپے بھی کوئی اس طرح کے کام کرتا ہے؟ ایمرجنسی تھی، تمہاری ساس کی طبیعت یکدم ہی بگڑ جانے کے باعث تمہیں یہ اقدام اٹھانا پڑا مگر تمہیں اپنے بھائی صاحب کو تو مطلع کرنا چاہئے تھا۔ دیکھو دکھ ہمیں اس بات کا نہیں کہ ہم نے فہد کی بات درمیان میں ڈالی تھی اور وہ پوری نہ ہو سکی۔ یہ سب تو تقدیر کے کھیل ہیں۔ رشتے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ انسان تو فقط محرک بنتے ہیں۔ دکھ ہمیں فقط اس بات کا ہے کہ اپنے گھر کی خبر ہمیں کسی اور کی زبانی سننے کو ملی۔ ایسی بھی کیا رازداری تھی۔ تمہیں ساری زندگی جن کی طرف سے کچھ کے لگے، آخر کو تمہیں انہی کی فکر ہوئی۔ اپنوں کو فراموش کر گئیں تم۔ اے ہم کون سا روک لیتے یا منع کر دیتے۔ بچی تھی ہماری، اپنے ہاتھوں خوشی خوشی رخصت کرتے۔ خیر خواہ تھے۔ بچہ اتنا پڑھ لکھ کر باہر سے لوٹا تھا۔ یہ نہ تھا کہ اور رشتے نہ تھے، لاکھوں لڑکیاں مل جاتیں، اچھے گھرانے مل جاتے۔ جو بیٹی کے ساتھ ساتھ دیگر مراعات بھی دیتے۔ مگر حنیف میاں کو تو بھانجیاں عزیز تھیں۔ بہن کی محبت مارے ڈال رہی تھی۔ سو ایک کے بعد دوسرے لڑکے کی بھی بات ڈال دی۔ اپنا سمجھا تھا، خبر نہ تھی یوں منہ کی کھانی پڑے گی۔ سچ مانو تو امینہ! تم نے جی بھر کے ہماری جگ ہنسائی کرا ڈالی۔ امید نہ تھی ایسے بچگانہ فیصلے کرتی پھرو گی۔ اے منہ میں خاک، ایسا کیا عیب تھا بچی میں۔ فرشتہ صفت معصوم سی بچی تھی۔ مگر کہنے والوں کی زبان کون روکے گا۔ مارتے کا ہاتھ پکڑا جا سکتا ہے، بولتے کی زبان نہیں۔ کس کس کا منہ بند کریں گے۔ اے لوگ تو پھر بھی چٹ منگنی پٹ بیاہ کا ڈھونگ رچا لیتے ہیں، تم نے تو فقط نکاح کر کے دو بول پڑھا کر یوں رخصت کیا جیسے خدانخواستہ وہ بچی بوجھ تھی تمہارے لئے۔ کس کس کو بتائیں گے کہ کیوں پکڑ کر اتنی جلد چلتا کر دیا، جبکہ ابھی اس سے بڑی بھی بیٹھی ہوئی ہے۔“

ممانی جان کے لفظ تھے کہ نشتر۔ دل میں اتر کر روح تک کو چھلنی کئے دے رہے تھے۔ وہ یکدم ہی دہلیز چھوڑ کر چلتی ہوئی امی کے کمرے کے عین وسط میں جا رکی تھی۔ امی مجرموں کی طرح سر جھکائے، چپ چاپ ممانی کی تمام باتیں سن رہی تھیں۔

''امینہ! تمہارے بھیا اسی باعث نہ آئے۔ کہہ رہے تھے جب بہن کو ہی بھائی یاد نہیں تو اب کس منہ سے جا کر باز پرس کروں۔ سچ پوچھو تو تم نے بھائی کا مان توڑ کر اچھا نہیں کیا۔ میرے میکے میں جس جس کو خبر ہوئی، سبھی دریافت کر رہے ہیں۔ ہم کسی کو کیا بتائیں۔ ہمیں کسی نے کسی قابل ہی نہیں سمجھا۔''

''ممانی جان آداب!'' وہ سارے لحاظ بالائے طاق رکھ کر ان سے مخاطب ہوئی۔ امی نے یکدم اسے چونک کر دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے چپ رہنے کی بھی درخواست کی۔ ان کی خاموش نظروں میں ایک التجا تھی۔ وہ جس ضبط سے بیٹھی ہوئی تھیں وہ بخوبی سمجھ سکتی تھی۔ ان کی آنکھوں میں پوشیدہ سمندر اس سے پوشیدہ نہ تھے۔ ایک بیٹی رخصت کر چکی تھیں وہ۔ اور اب دوسری کے لئے بھی ان کی خواہشات ایسی ہی تھیں۔ ان کی آنکھوں میں چھپے خدشے اور پھر اسے خاموش رہنے کی تلقین بلا جواز نہ تھی۔

ممانی جان نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا۔

''آداب۔ آج تم آفس نہیں گئیں؟''

شعاع نے ایک نظر امی کی طرف دیکھا، پھر ایک گہری سانس خارج کر کے اندر کے طوفان پر جیسے قابو پانے کی کوشش کی۔

''جی نہیں۔'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''کیا تمہیں بھی اپنی دادی اماں کی تیمارداری کو جانا تھا؟'' ممانی جان نے براہ راست اسے دیکھتے ہوئے ایک مزید تیر اچھالا تھا۔ ان کا انداز بہت مختلف تھا۔ بات سخت تھی، شدید اور کاری ضرب تھی مگر لہجہ اتنا ہی مدھم اور دھیما تھا۔ وہ یقیناً بہت ماہر کھلاڑی تھیں۔ جہاندیدہ تھیں۔ کس سے کس ڈھنگ سے پیش آنا ہے، وہ بخوبی جانتی تھیں۔ طنز بھی سلیقے اور طریقے سے کر رہی تھیں۔ شعاع جواب میں بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔ بہت کچھ سنانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ مگر ماں کی اک خاموش نگاہ نے جیسے اس کی زبان کو قفل لگا دیئے تھے۔

اسے اس لمحے اپنی بھی فکر نہ تھی کہ اس کی زندگی اس گھڑی کون سی راہ اختیار کرے گی۔ جب پورا گھر ہی جل رہا تھا تو وہ خود کو بچا کر کیا کرتی۔

مگر امی...... وہ اپنا کوئی قیمتی نقصان نہیں چاہتی تھیں تبھی چپ چاپ کھڑی دیکھتی رہیں۔

''تمہاری امی نے تو تنہا ہی سارے اقدام کر لئے، سارے اہم امور سرانجام دے لئے۔ تم تو ہماری بیٹی تھیں، تمہیں تو کم از کم ہمیں مطلع کر دینا چاہئے تھا۔'' بہت مدھم انداز میں مسکرا کر وہ یوں کہہ رہی تھیں جیسے روزمرہ کے معمول کے متعلق دریافت کر رہی ہوں۔

''بس ممانی جان! وقت کبھی کبھی یونہی ہاتھ پاؤں باندھ کر بے بس کر ڈالتا ہے۔ دادی جان کی شدید ترین خواہش تھی، وہ اس ٹوٹے ہوئے خاندان کو پھر سے ایک کرنے کی خواہش مند تھیں۔ سو ان کی خواہش پر ہمیں سر جھکانا پڑا۔'' اس نے بہت مدبرانہ انداز میں کہا تو امی نے اسے بغور دیکھا۔

''ماشاء اللہ، اچھی بات ہے۔ بزرگوں کی خواہشات کا احترام ضرور کرنا چاہئے۔ اب ہم بھی تو اپنی ساس ماں ہی کی خواہش پر تمہیں بہو مانے بیٹھے ہیں۔'' عجیب لہجہ تھا۔ جانے وضاحت تھی یا پھر گہرا طنز۔ ممانی جان تو جانے کب کب کے بدلے چکا رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔ ایک لمحہ میں ممانی نے اسے چت کر دیا تھا۔

''اب کیسی طبیعت ہے ان کی۔ کون سے ہسپتال میں ہیں؟'' ممانی جان نے دادی اماں کے متعلق دریافت کیا تھا۔

''جی اب بہتر ہیں وہ۔ گھر پر ہی ہیں۔'' شعاع نے امی کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ امی نے نظروں ہی نظروں میں اسے وہاں سے ہٹنے کا اشارہ کیا۔

'امینہ! تمہاری ساس کی خیریت دریافت کرنے جانا تو چاہئے۔ کیا سوچیں گے وہ لوگ؟''

شعاع امی کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔

''اسی بہانے ادعیہ کو بھی دیکھ لوں گی۔''

''جی ضرور بھابی! کیوں نہیں۔'' امی نے بہت مدھم انداز میں کہا۔ پھر شعاع کو دیکھا۔

''شعاع! اپنی ممانی جان کے لئے چائے لے کر آؤ۔''

''جی اچھا۔'' وہ سر ہلاتی ہوئی پلٹی۔

''اے اس کی کیا ضرورت ہے۔ اپنا گھر ہے، کون سا مہمان ہوں میں یہاں۔'' ممانی نے مسکرا کر کہا۔ ''یہ بچے کہاں ہیں؟ نظر نہیں آ رہے۔ کیسی خاموشی سی چھائی ہوئی ہے گھر میں جیسے خدانخواستہ کوئی حادثہ گزر گیا ہو۔''

''خدانخواستہ۔'' امی نے مردہ سے لہجے میں کہا۔ وہ جانے کیوں دہلیز کے پاس جا کر رک گئی۔

''سب مصروف ہیں اپنے اپنے کاموں میں۔ عمر شاید سو رہا ہے۔ رانیہ پڑھ رہی ہو گی۔''

"یہیں رہے گی ادعیہ اپنی سسرال میں یا پھر اعصار شیخ اپنے ساتھ اسکردو لے جائے گا؟" ممانی جان بھی جیسے آج قصد کر کے آئی تھیں کہ تمام بخیے ادھیڑ کر ہی جائیں گی۔

"کیا کہہ سکتی ہوں۔ ان کی مرضی پر منحصر ہے۔ ہم نے تو ان کی چیز ان کے حوالے کر دی۔" امی بمشکل دھیرے سے مسکرائیں۔ "حنیف بھائی سے معذرت کہئے گا میری طرف سے۔ بلکہ میں خود ان سے کہوں گی، ملوں گی تو۔" امی نے یونہی بات بنائی۔

"اے میں کیا کہوں، تم بھائی بہن کے آپس کے معاملات ہیں۔" ممانی نے صاف دامن بچا لیا تھا۔

شعاع نے ہونٹ کچلتے ہوئے دہلیز چھوڑ دی تھی اور پھر مردہ مردہ قدموں سے چلتی ہوئی کچن میں آ گئی تھی۔ آنکھوں میں بے حساب جلن تھی۔ مگر اسے بہت زیادہ ضبط کا مظاہرہ کرنا تھا۔ بہت کچھ برداشت کرنا تھا۔

✿.....✿
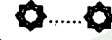
خبر حالانکہ ان کے لئے ہرگز کسی خوشی کا باعث نہ تھی مگر اس کے باوجود خبر پھیلتے ہی اس گھر میں جمع ہوتے چلے گئے تھے۔

ستارہ آپی، زارا آپی، ان کے بچے، ان کے کئی سسرالی رشتے دار (اعصار کی بہنیں) دیگر خاندانی رشتے دار۔ وہ تو کئی چہروں اور ناموں سے واقف تک نہ تھی۔ صبا، سارہ وغیرہ نے فقط دور سے دیکھا تھا۔ انداز مین کوئی گرمجوشی نہ تھی۔ نمیرا البتہ قریب آئی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اٹھایا تھا اور کئی لمحوں تک اس کی صورت چپ چاپ دیکھتی رہی تھی۔ پھر جانے کیوں یکدم ہنس دی تھی۔

"کیسی ڈرامائی سچویشن ہے نا۔"

وہ جواب میں کچھ نہیں بولی تھی۔

"دیکھا تو تمہیں کئی بار تھا، مگر تب یہ نہیں جانتی تھی کہ ایک دن تم سے ہی شکست کھا جاؤں گی۔" ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی مگر لہجے میں تاسف ہی تاسف تھا۔ "تم تو چھپی رستم نکلیں۔ مگر سنو، مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔ ہاں، تم سے ہمدردی ضرور ہے۔ شاید تم واقعی وہ مقام اس خاندان میں حاصل کر سکو جس کی تم حقدار ہو۔ یہ تو بتاؤ، اتنی پُرملول سی کیفیت کیوں طاری کر رکھی ہے چہرے پر؟" اس کے چہرے کو بغور جانچتے ہوئے کہا تھا۔ وہ جواب میں کچھ نہیں بولی تھی۔

"خاندان کی سب سے اہم ہستی کو اڑایا ہے آپ نے۔ کم از کم اس غرور پر ہی مسکرا دیجئے۔ وہ شخص جسے پانے کے خواب کئی آنکھوں میں تھے، اب وہ آپ کی دسترس میں ہے۔ یقیناً آپ کی روشن چمکتی پیشانی آپ کی خوش بختی کی گواہ ہے۔ بڑے نصیب والی ہو تم۔" بہت زخمی سی مسکراہٹ تھی نمیرا کے لبوں پر۔ وہ بے جان سے انداز میں بت بنی دیکھتی رہی تھی۔ بولی کچھ نہیں تھی جبکہ نمیرا کے لہجے میں زہر ہی زہر تھا۔

"اب پا لیا ہے تو سنبھال کر رکھنا۔ مزاج سے تو تم واقف ہی ہو گی۔ موصوف خاصے کشادہ دل واقع ہوئے ہیں۔" وہ یکدم ہی ہنسی تھی۔ "کتنی پاگل ہوں نا میں، قریب ان حضرت کے تم رہی ہو اور آگاہ تمہیں میں کر رہی ہوں۔ خیر مبارک ہو بہت بہت۔"

ادعیہ نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ وہ بھی براہ راست اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جانے کیا تلاشتی رہی تھی وہ اس کے چہرے پر۔ پھر یکدم ہی مڑ کر باہر نکل گئی تھی۔

سب کا رویہ اس کی توقع کے عین مطابق سرد و جامد تھا۔

"یہ کوئی ڈھنگ ہے شادی بیاہ کا۔ خیر سے کنوارا بھائی تھا ہمارا۔ ایسے تو لوگ رنڈووں کی شادیاں بھی نہیں کرتے۔" ستارہ آپا کا شکوہ اور احتجاج عجیب وغریب تھا۔

"پورے خاندان میں ناک کٹوا دی۔ کیا منہ دکھاؤں گی میں سسرال میں۔ لوگ سو سو باتیں بنا رہے ہیں۔" زارا آپی جو ابھی ابھی اس سے مل کر گئی تھیں اور انداز میں گرمجوشی نام کو نہ تھی، اب اپنی بزرگ خواتین کے سامنے بیٹھی دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔

"اے میں کیا کہوں، کہنا ہے تو اپنے ابا سے کہو۔ یا پھر دادی اماں سے۔ میں تو آپ ہاتھ مل رہی ہوں۔" سلمیٰ بیگم کا لہجہ پُر تاسف تھا۔

"اسی دن سے خوفزدہ تھی میں اور آخر وہ دن آ ہی گیا۔ نحوست نے میرے در پر اپنے پاؤں گاڑ ہی لئے۔ کیا کیا ارمان نہ تھے دل میں، اس لڑکے نے تو سارے خوابوں کے محل پل بھر میں مسمار کر ڈالے۔" تائی اماں کی آواز یکدم ہی آنسوؤں میں بھیگ گئی تھی۔

"جو ہونا تھا، وہ ہو چکا۔ ہمیں ادعیہ بھابی کو خوش دلی سے اور گرمجوشی سے ویلکم کہنا چاہئے۔ آخر کو وہ اعصار بھائی کی پسند ہیں اور اب اس گھر کی بہو ہیں۔" زویا نے اپنی عمر کے بالکل برعکس بڑی بات کہی تھی۔

"چپکی رہو تم۔ آئی بڑی بھابی کی حمایتی بن کر۔ میں قیامت تک اسے قبول نہیں کروں گی۔ زیادہ دیر تک مونگ نہیں دلنے دوں گی اس ڈائن کو اپنے سینے پر۔"

"آپا! چپ کرو۔ جو ہو گیا سو ہو گیا۔ جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔" صفیہ بیگم نے بہت مدھم سے لہجے میں کہا تھا۔ سلمیٰ بیگم بھیگی ہوئی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی تھیں۔

""تم بھول سکتی ہو اپنے نقصان کو؟ تمہاری بچی کی جگہ لی ہے اس نے۔ حق پر ڈاکہ ڈالا ہے اس نے۔""

""چھوڑو آپا! کیسا حق اور کیسا ڈاکہ۔ بچی وہی جو پیا من بھائے۔"" صفیہ بیگم نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے کہا تھا پھر اٹھ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔ تبھی اکبر صاحب اندر داخل ہوئے تھے۔ کمرے میں موجود سبھی افراد کو دیکھا تھا۔ سلمیٰ بیگم دوپٹہ منہ میں دبائے آنسو بہائے جا رہی تھیں۔

""بیٹا! آپ سب باہر جائیے۔ مجھے آپ کی امی سے ضروری بات کہنا ہے۔"" زارا، ستارہ اور دیگر نے ایک نظر انہیں دیکھا تھا پھر سبھی چپ چاپ اٹھ کر کمرے سے نکل گئی تھیں۔

اکبر صاحب نے کچھ دیر یونہی کھڑے کھڑے سلمیٰ بیگم کو دیکھا تھا، پھر آہستگی سے ان کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔

""تقدیر کے لکھے کو قبول کرنا سیکھو بھاگوان! سچ یہی ہے کہ وہ بچی اب اس گھر کی بہو ہے۔ ہماری عزت ہے۔ اب وہ دور گزر گیا جب بچوں پر زور و زبردستی کی جاتی تھی یا زبردستی فیصلوں کو ان پر تھوپا جاتا تھا۔ اب اپنے فیصلوں کو تھوپنے کا دور نہیں رہا۔ آج کے بچے باشعور ہیں، سمجھدار ہیں، وہ اپنے فیصلے خود بہت اچھی طرح سے کر سکتے ہیں۔ اور میرا خیال ہے انہیں اس بات کا حق بھی ہونا چاہئے۔ زندگی ان کی ہے، گزارنی ان کو ہے۔ ہم کیوں ان کے لئے زندگی کے راستے خوامخواہ تنگ کریں۔ فیصلے کا اختیار انہیں حاصل ہونا چاہئے اور ہمیں اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ قطعی نہیں بنانا چاہئے۔""

""وقت گزرنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنی قدروں کو بھول جائیں یا روایتوں کو فراموش کر دیں۔ جو بات غلط ہے سو غلط ہے۔ چاہے وہ اپنا خون ہی کیوں نہ کرے۔"" سلمیٰ بیگم تڑپ کر گویا ہوئیں۔ اکبر صاحب نے بہت ملائمت سے انہیں دیکھا تھا، پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیئے تھے۔

""یہی بات سمجھنے میں تو بہت دیر ہو گئی۔"" ان کے لہجے میں تاسف تھا۔ ""بہرحال اب بھی دیر نہیں ہوئی۔ کل یہی قدم جب حسن نے اٹھایا تھا تو سب کچھ غلط نظر آ رہا تھا۔ ہم نے انتہا پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے اس پر سارے در بند کر دیئے تھے۔ وہ بھائی تھا، آج بیٹا ہے۔ میں اس غلطی کو کم از کم دہرانا نہیں چاہتا۔ بھائی کھونے کا کرب سہہ چکا ہوں، بیٹے کے درد کو سہنے کا حوصلہ نہیں۔ بدلتے وقت کے ساتھ کسی قدر بدل جانا کوئی برا نہیں۔ وقت کے تقاضوں کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ اولاد کوئی بھیڑ بکری نہیں کہ اٹھا کر جس کھونٹے سے چاہا باندھ دیا۔

جیتے جاگتے وجود ہیں یہ جو اپنی خواہش، اپنی مرضی، اور اپنی پسند رکھتے ہیں۔ سو کوئی برائی نہیں اگر ہم تھوڑا سا تعاون کرتے ہوئے انہیں ان کی زندگی آپ جینے دیں۔ وہ بچی بے قصور ہے۔ اس سارے کھیل میں اسے مہرہ بنا کر استعمال کیا ہے آپ کے لاڈلے سپوت نے۔ اگر آنکھیں کھول کر دیکھیں گی تو قصور آپ کو اپنی ہی اولاد کا نظر آئے گا۔ سو کیا سزا تجویز کریں گی آپ اس کے لئے؟""

سلمیٰ بیگم نے ان کے نرم انداز میں کہنے پر یکدم ہی سر اٹھا کر دیکھا۔

""تالی کبھی بھی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔"" سلمیٰ بیگم نے فوراً باور کرایا۔

""بجا فرمایا آپ نے۔ مگر اس معاملے میں یکسر یکطرفہ اقدامات سرزد ہوئے ہیں۔ اس بچی کی مرضی کے خلاف زبردستی ہوئی ہے اس پر۔ پہلے نکاح اور اب رخصتی۔ وہ قطعی طور پر ایسا نہیں چاہتی تھی۔ کچھ اپنے اس معصوم بیٹے سے بھی دریافت کر لیجئے۔""

""اے ڈرامے باز ہیں دونوں ماں بیٹیاں۔ سوچ سمجھ کر کھیل کھیلا ہے۔ مال دار لڑکا پھانسا ہے۔ جب سب راستے بند ہو گئے تو یہ ڈھنگ اختیار کر لیا۔"" بہت نخوت سے وہ گویا ہوئی تھیں۔ اکبر صاحب چپ چاپ انہیں دیکھتے چلے گئے تھے، پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

""بہرحال جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ طے شدہ فیصلوں میں ترمیم ہونا آسان ہے مگر اس ضمن میں قطعی نہیں۔ وہ اس گھر میں آ گئی ہے اور اس کی حیثیت اس گھر میں ہمیشہ برقرار رہے گی۔""

""میں کبھی قبول نہیں کروں گی اسے۔"" سلمیٰ بیگم نے سسکی لی۔ آنسو پھر نکل پڑے۔

""بچوں جیسی باتیں مت کیجئے۔ ایک عرصے بعد جمی ہوئی برف اگر پگھل رہی ہے تو اسے پگھلنے دیجئے۔ شاید خدا کو دو ٹوٹے ہوئے خاندانوں کو یونہی ملانا مقصود تھا۔ کبھی کبھی بچے بھی بہت بڑے اور اچھے فیصلے کر جایا کرتے ہیں۔ بظاہر یہ ناقابل قبول لگتا ہے۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو شاید وہی صحیح بھی ہوتا ہے۔ خوامخواہ ہمیں واویلا نہیں مچانا چاہئے۔ یہ کاتب تقدیر کے فیصلے ہیں۔ ان پر سر جھکانا ہی ہماری رضا ہونی چاہئے۔"" اکبر صاحب نے مفصل انداز میں کہا۔ پھر بہت ہولے سے مسکرا دیئے۔ ""سہیل اور خلیل کے لئے آپ نے خود فیصلے کئے، زارا اور ستارہ کے سلسلے میں بھی سارے شوق پورے کئے۔ کیا حرج ہے اگر ایک بیٹے نے اپنی من مانی کر لی۔""

""آپ کے خیال سے اس نے من مانی کر کے کچھ برا نہیں کیا؟"" اکبر صاحب کی مسکراہٹ دیکھ کر وہ جل کر گویا ہوئیں۔

"من مانی کر کے خیر اچھا تو نہیں کیا۔ مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ آپ سے کہہ چکا ہوں
میں پچھلی غلطیوں کو کم از کم دوبارہ دہرانا نہیں چاہتا۔ میں نے دعوت نامے تقسیم کروا د
ہیں۔ کل شام اعصار شیخ کی دعوت ولیمہ ہے۔ ہمارا سب سے لاڈلا سپوت ہے، کچھ تو اہتم
مقصود ہونا چاہئے۔" اکبر صاحب نے گویا فیصلہ سنایا تھا اور سلمٰی بیگم ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں
انہیں دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"میں اماں کی خدمت میں حاضری دے لوں۔ آپ بھی فریش ہو کر بہو کی زیارت
لیجئے۔" وہ مسکرا کر بولے تھے اور پھر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

سلمٰی بیگم کی برداشت کمال عروج پر تھی۔

✿......✿

ایسے نہ تھے ہم اہل دل، اتنے کہاں خراب تھے
ہم بھی کسی کی آس تھے، ہم بھی کسی کے خواب تھے

مژگان، کائنات اور اعیان کی کسی شرارت پر کھلکھلا کر بے ساختہ ہنس رہی تھی جب
رہبان عالم شاہ نے چونکتے ہوئے پلٹ کر دیکھا تھا اور جانے کیوں دیکھتا ہی چلا گیا تھا۔ اما
اسے جھک کر پیار کر رہی تھیں۔ اس کی پیشانی چوم رہی تھیں۔

"میری بیٹی کے آنے سے گھر میں زندگی دوڑ جاتی ہے۔ خاموش در و دیوار بھی بول پڑ
ہیں۔" مژگان مشکور سی سر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔ تبھی اس کی نگاہ رہبان عالم شاہ سے ٹکرا
تھی۔ وہ بہت دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ مژگان نظریں جھکا گئی تھی۔

اعیان نے تبھی ان کی طرف شرارت سے دیکھا تھا۔

"یعنی آپ کو رہبان بھائی کے آنے پر قطعی خوشی نہیں ہوتی؟"

اماں نے پلٹ کر اسے دیکھا، پھر مسکرا دیں۔ "چاند ہے یہ تو میرے گھر کا۔" اماں کے
لہجے میں محبت ہی محبت تھی۔

"لیجئے، قصہ ہی ختم ہوا۔ وہ حضرت چاند اور ان کی بیگم کے دم سے روشنی۔ گویا بے وقعت
تو فقط ہم ہی ہوئے۔"

"تو بھائی صاحب! اس میں جلنے کڑھنے کا کیا فائدہ۔ آپ بھی شادی کر لیجئے، خود بخود اہم
ہو جائیں گے۔ بڑی وی آئی پی ٹریٹ منٹ ملتی ہے۔ مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔" عاطف
نے مسکرا کر کہا تو سب مسکرا دیئے۔ اعیان ایک سرد آہ بھر کے رہ گیا۔

"فرار کی یا اقرار کی؟" کائنات نے جھک کر وضاحت چاہی تھی۔

"فرار کون کافر چاہتا ہے یار۔" اعیان ہنستے ہوئے رہبان کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ "فی
الحال تو لوگوں کو دیکھ کر رشک کر رہے ہیں۔ اپنی بند قسمت کا تالا جانے کب کھلے گا۔" ایک
بہت سرد آہ کے ساتھ حسرت بھرے انداز میں کہا گیا تھا۔

"بس اماں! اب لڑکی دیکھ لیجئے جلدی سے کوئی۔" کائنات نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"اب اگر آپ نے سوچ لیا ہے اس کے متعلق تو پسند بھی پوچھ لیجئے۔" اعیان کی معصومیت
عروج پر تھی۔

"چلئے، آج بتا ہی دیجئے، کیا ہے آپ کا آئیڈیل؟" کائنات نے مسکرا کر دریافت کیا۔

"اوں ہوں۔ آئیڈیل وائیڈیل پر کوئی بلیو نہیں ہے میرا۔ جدید دور کا شخص ہوں، ایسی
خرافات نہیں پالتا۔"

"پھر کیسے پتہ چلے گا دیور جی! کہ آپ کو کیسی لڑکیاں پسند ہیں؟" مژگان نے مسکرا کر
اسے دیکھا۔

تبھی سیو چائے کی ٹرے اٹھائے بہت آہستگی سے چلتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔

"یہاں ایک لڑکی ملنا دشوار ہے اور آپ نے جمع کی اصطلاح ڈھونڈ نکالی۔ کمال کرتی ہیں
بھابی آپ بھی۔ ویسے آپ بھی عجیب خود پسند قسم کی خاتون ہیں۔ آپ کو کبھی خیال نہیں آیا کہ
آپ کی کوئی اور بہن بھی ہونی چاہئے تھی؟" آنکھوں میں انتہائی شرارت سمیٹے وہ اسے دیکھ رہا
تھا۔ وہ یکدم ہی مسکرا دی تھی۔

"جناب! یہ شاہکار فقط ہمارے ہی لئے تھا۔" رہبان عالم شاہ نے اسے محبت پاش نظروں
سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"خوش نصیب ہیں آپ۔" اعیان نے مسکراتے ہوئے سرد آہ بھری تھی۔

سیو پہلی بار اس شخص کو اس طرح ہنستے مسکراتے اور شرارتیں کرتا دیکھ رہی تھی۔ یقیناً وہ کسی
لڑکی کی بات کر رہے تھے۔

"لڑکی؟" اس کے سوئے ہوئے حواس یکدم بیدار ہوئے تھے۔ جس طرح سب چھوٹے
سرکار کو چھیڑ رہے تھے، اس سے وہ کسی قدر معنی اخذ کر ہی گئی تھی۔ دل جانے کیوں یکدم ہی
بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

"سیو! تمہاری بے بے اب کیسی ہیں؟" اس نے چائے کا کپ مژگان کی طرف بڑھایا
تھا جب اس نے یکدم ہی دریافت کیا تھا۔

"جی...... جی وہ ٹھیک ہیں۔ آئی مین...... پہلے...... سے بہتر ہیں۔"

"ارے سیو! تم نے تو بہت امپروو کیا ہے۔" نہ صرف کائنات چونکی تھی بلکہ سبھی نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔ وہ یکدم ہی بوکھلا کر رہ گئی تھی۔ ان تمام نظروں میں وہ دو نظریں بھی تو شامل تھیں۔ اس کی نگاہیں جھکتی چلی گئی تھیں۔

"عاطف! آپ کو پتہ ہے یہ میری اسٹوڈنٹ تھی۔ شیواز ریئلی انٹیلی جنٹ۔ بہت جلد کیچ کیا کرتی تھی یہ۔"

وہ خود کو موضوع بنتا دیکھ کر یکدم ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بڑی چوہدرائن جی! آج جلد گھر جانا چاہوں گی۔ بادل گھر گھر کے آ رہے ہیں۔ لگتا ہے مینہ چھاجوں برسے گا۔"

"ارے کیا واقعی؟" کائنات یکدم جوش سے مسکرائی۔ "مجھے بارش بہت پسند ہے۔ بھابی! باہر چل کر خوب انجوائے کریں گے۔"

"لو، ابھی تک بے وقوف کی بے وقوف ہیں۔" اماں یکدم ہنس دیں۔ پھر پلٹ کر منتظر کھڑی سیو کو دیکھا۔ "چلی جانا۔ اور جنت بی بی کو میری طرف سے پوچھ لینا۔"

"جی بہتر۔" وہ پلٹی، پھر سرعت کے ساتھ باہر نکل گئی۔

✿......✿

ابھی اس طرف نہ نگاہ کر میں غزل کی پلکیں سنوار لوں
مرا لفظ لفظ ہو آئینہ تجھے آئینے میں اتار لوں
میں تمام دن کا تھکا ہوا تو تمام شب کا جگا ہوا
ذرا ٹھہر جا اسی موڑ پر تیرے ساتھ شام گزار لوں

شب و روز کس طرح گزر رہے تھے، اسے کچھ ہوش نہ تھا۔ کب دن چڑھا، کب شام ڈھلی۔ وقت جیسے اس کے لئے بے معنی ہو گیا تھا۔ منجمد حسیات کے ساتھ وہ ساکت آنکھوں سے ہر ہر منظر کو دیکھ رہی تھی۔

اس کے ساکت وجود کو کس قدر اہتمام سے سجایا گیا تھا۔ اسے کچھ اندازہ نہ تھا۔

کسی نے ہمراہ ساتھ چلتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ بس زندگی لئے ہوئے تھا۔ مہربان نظروں نے اس کی طرف ملامت سے دیکھا تھا۔ وہ قطعی طور پر نہ چونکی تھی، نہ ہی شرما کر سر جھکا سکی تھی۔ حالانکہ نگاہوں میں گرمئی شوق کس قدر تھا۔ مگر وہ جیسے اردگرد سے، خود اپنے آپ سے بیگانہ تھی۔

کس قدر بڑی دعوت کا اہتمام تھا۔ کتنے لوگ جمع تھے۔ مگر اسے جیسے پرواہ ہی نہ تھی۔

"ادعیہ! میری جان۔" جانے کب شعاع اور دوسرے لوگ آئے تھے۔ کس قدر گرمجوشی سے شعاع نے اسے ساتھ لگا کر بھینچا تھا۔ "کیسی ہو تم؟" جانے کیوں شعاع کی آواز بھرا گئی تھی۔ آنکھوں میں آ جانے والی بہت سی نمی کو اس نے کس قدر مہارت سے چھپایا تھا۔

"امی نہیں آئیں؟" اس کے ساکت و جامد لب دھیرے سے وا ہوئے تھے۔

شعاع نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ پھر نظریں جھکا گئی تھی۔

"عمر آیا ہے؟ کیا وہ بھی میری شکل دیکھنا نہیں چاہتا؟" ادعیہ کے لہجے میں درد سمٹ آیا۔

شعاع نے بہت ضبط سے اسے دیکھا۔

"نہیں، ایسی بات نہیں۔ ابھی تو یہیں تھا۔ شاید کہیں......"

"شعاع! کبھی کبھی جواز اور وضاحتیں پیش کرنا بہت عجیب سا لگتا ہے۔ شاید اس لئے کہ اس گھڑی ساری وضاحتیں بہت بھونڈی اور سارے جواز بہت غیر موثر ہوتے ہیں۔" اس کا لہجہ بہت بے جان تھا اور آواز بہت مدھم۔

شعاع نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ ساتھ ہی مسکرا دی تھی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔"

اعصار شیخ دونوں بہنوں کو چپ چاپ دیکھتا جا رہا تھا۔ اس گھڑی جانے کیوں اسے اپنا آپ بہت مجرم لگا تھا۔

"کیا میں واقعی تم سب کے لئے مر گئی ہوں؟" ادعیہ نے یکدم کہا تھا۔ شعاع نے فوراً ہی اس کے منہ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

"پلیز ادعیہ!"

"سچ کڑوا ہوتا ہے نا۔ نگلنے کی کوشش کر رہی تھی۔" بہت تلخی سے وہ مسکرائی تھی۔ "کیا میں ایک بار وہاں آ سکتی ہوں، تم سب سے ملنے؟ رانیہ سے، ثانیہ سے، امی سے اور عمر سے؟" بہت آس سے پوچھ رہی تھی وہ۔

شعاع کا ضبط جیسے جواب دینے لگا تھا۔ ہونٹ کچلتے ہوئے اس نے اپنے اندر کے سارے کرب کو بہت مشکل سے دبایا تھا، پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے مسکرا دی تھی۔ ساتھ ہی اعصار شیخ کو دیکھا تھا۔

"اعصار شیخ! تمہیں میری بہن کو بہت خوش رکھنا ہے سمجھے؟" عجیب دھونس تھی لہجے میں۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔" وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔
"جیتے رہو تم دونوں۔ خوش رہو۔ زندگی کا یہ نیا سفر تم دونوں کو بہت بہت مبارک ہو۔"
شعاع نے بڑے پن کے ساتھ ادعیہ کو دیکھا، پھر بہت ہولے سے اس کے چہرے کو چھوا۔ ادعیہ نے یکدم ہی اس کے شانے پر سر دھر دیا تھا اور بہت ہولے ہولے اندر کا درد باہر منتقل ہونے لگا تھا۔ شعاع نے اپنی طرف دیکھتے اعصار شیخ کو دیکھا تھا، پھر نگاہ چرا گئی تھی۔
"کیا بچپنا ہے یہ۔ بھئی ایک نہ ایک دن لڑکیوں کو رخصت ہو کر دوسرے گھروں کو آباد کرنا ہی ہوتا ہے۔ اس میں اس قدر واویلا کرنے والی کون سی بات ہے۔ دیکھو تمہارے میاں مجھے کس طرح گھور رہے ہیں۔" وہ اس ثقیل ماحول کے بوجھل پن کو کسی قدر کم کرنا چاہ رہی تھی۔ تبھی ادعیہ کو خود سے الگ کر کے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔
"پگلی! لڑکیاں اس موقع پر فقط شرماتی، لجاتی اچھی لگتی ہیں۔ روتی ہوئی قطعی نہیں۔"
"اعصار! ادعیہ کو لے کر گھر آنا۔" ادعیہ کی پیشانی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کر کے وہ مسکراتی ہوئی پلٹی تھی اور پھر ہجوم میں غائب ہو گئی تھی۔ ادعیہ کتنی ہی دیر تک اس جانب دیکھتی رہی تھی۔
شعاع کا تھمایا ہوا بوکے اور گفٹ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا اور ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں ساکت تھیں۔ جی چاہ رہا تھا ہر قسم کا بندھن توڑ کر ساری بیڑیاں توڑ کر بھاگتی چلی جائے۔ پھر کم از کم تمام لحاظ بالائے طاق رکھ کر اندر کا درد ہی کسی طور کم کر سکے۔
اردگرد کے تمام ہجوم کی پرواہ کئے بغیر اپنے اندر سے اٹھتے ہوئے کرب پر جی کھول کر رو سکے۔ مگر جانے کیوں کچھ نہیں کر سکی تھی وہ...... کچھ بھی نہیں۔
اس کے ساتھ کھڑے شخص نے جیسے اس کی کیفیت کو بھانپتے ہوئے بہت دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ مقصد یقیناً اس کا حوصلہ بڑھانا تھا۔ اسے یہ احساس دلانا تھا کہ درد کے ان لمحوں میں تم تنہا نہیں ہو۔ کوئی تمہارے ساتھ ہے۔ بہت قریب ہے۔
نہ جانے کیوں جواب میں ادعیہ نے اسے تڑپ کر دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کراتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔
اعصار کتنے ہی لمحے اس کی جانب خاموشی سے دیکھتا چلا گیا تھا۔
بے حد، بے حساب حسین لگ رہی تھی وہ۔ عروسی لباس میں اس کا حسن دوبالا ہو رہا تھا۔
کس قدر قریب تھی وہ...... اور کس قدر دور۔

یہ روپ سروپ، یہ بناؤ سنگھار اسی کے نام سے تھا۔ اسی کے حوالے سے تھا۔
یہ وہی چہرہ تھا جو ہمیشہ آنکھوں میں بسا تھا۔
وہی روپ تھا جسے دیکھنے کے خواب اس نے ہمیشہ دل میں پنپتے محسوس کئے تھے۔
مگر آج جب سب کچھ تھا تو اتنی خاموشی کیوں طاری تھی ماحول میں؟ اتنی اجنبیت کی فضا کیوں قائم تھی؟ کوئی اتنا اجنبی کیونکر تھا؟
لگ ہی نہ رہا تھا یہ وہی موم سی لڑکی تھی۔ وہی نازک سے، کومل جذبے رکھنے والی کانچ سی گڑیا جسے رنگوں سے عشق تھا۔ تتلیوں کا جنون تھا۔ کس قدر بدل گئی تھی وہ۔ کسی قدر پتھر کی مانند۔ یہ لڑکی تو کوئی اور ہی تھی۔ وہ خواب رنگ کومل سی لڑکی تو جانے کب کی کھو گئی تھی۔
شاید اسے ہی اب احساس ہوا تھا۔

۞......۞

وہ آفس سے نکلی تھی جب اپنے انتظار میں گاڑی سے ٹیک لگائے فرحان کو دیکھ کر چونک گئی۔
"تم یہاں؟" دل جانے کیوں یکدم ہی بہت تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ اس کی چھٹی حس نے جیسے کسی خطرے کا الارم بجایا تھا۔ نہ جانے اب کیا ہونے والا تھا۔
"اس قدر حیران کیوں ہو رہی ہو؟ کیا آج پہلی بار سامنا ہوا ہے؟" وہ مکمل پُرسکون انداز میں مسکرایا تھا۔ شعاع نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر انہیں تر کیا تھا۔ فرحان نے گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی تھی پھر فوراً ہی اس کے لئے فرنٹ ڈور اوپن کر دیا تھا۔ اس نے اپنے بکھرے ہوئے حواس کو سمیٹتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور پھر گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ گاڑی تارکول کی سیاہ سڑک پر تیزی سے دوڑنے لگی تھی۔ وہ چپ چاپ بیٹھی تھی جیسے خود کو کسی بڑے طوفان کے لئے تیار کر رہی تھی۔
"کیا ہوا..... اتنی چپ کیوں ہو؟" فرحان نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔ شعاع نے چہرے کا رخ پھیر کر خاموشی سے اسے دیکھا تھا، پھر گویا ہوئی تھی۔
"وہ کون سی ایسی بات تھی جسے تم گھر میں نہیں کر سکتے تھے اور اسے کہنے کو مجھے یہاں لے آئے ہو؟" بہت سے خدشوں کو اس نے فقط ایک جملے میں سمویا تھا۔ اس کا انداز بہت پُراعتماد تھا۔ اگرچہ اس کا اندر پتے کی مانند لرز رہا تھا مگر اس نے اپنے اردگرد ایک مضبوط خول بنا دیا تھا۔ وہ اس گھڑی واقعی خود کو کسی بھی بات کے لئے تیار کر چکی تھی۔
فرحان نے چند ثانیے یونہی دیکھا تھا، پھر دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔

''یہ کیسی باتیں کر رہی ہو تم؟ میری منگیتر ہو۔ کیا اتنا بھی حق حاصل نہیں کہ تم سے آزادانہ مل سکوں؟''

شعاع نے جواب میں اسے خاموشی سے دیکھا تھا، پھر ہونٹ بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ جانے کیوں ایک دم ہی بے بسی غالب آ گئی تھی۔ جانے کیسے سارے بند ٹوٹتے چلے گئے تھے اور آنسوؤں نے آنکھوں کی راہ دیکھ لی تھی۔ کسی قدر خاموشی سے دھیرے دھیرے پانی آنکھوں سے بہہ کر بے وقعتی کا سفر طے کرنے لگا تھا۔ وہ حوصلہ ہارنا نہیں چاہتی تھی مگر جیسے ہمت اب جواب دے گئی تھی۔ فرحان نے اسے دیکھا تھا، پھر فوراً ہی بولا تھا۔

''کیا پاگل پن ہے یہ؟''

وہ ہونٹ کچل کر جیسے ہر درد پر قابو پانے کی کوشش میں سرگرداں تھی۔

''آخر یہ کیا ہو رہا ہے...... کیوں رو رہی ہو تم؟''

وہ یکدم ہی ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ فرحان نے اسے ایک نظر پھر دیکھا تھا، پھر نظریں ونڈ اسکرین سے اس پار دیکھنے لگی تھیں۔

''اگر رو کر ہی تمہارے جی کا غبار ہلکا ہو سکتا ہے تو میں تمہیں روکوں گا نہیں۔ بہہ جانے دو ان تمام آنسوؤں کو جو تمہارے دل پر بوجھ کی صورت میں موجود ہیں۔'' پتہ نہیں وہ واقعی دوست تھا، ہمدرد تھا، یا پھر سب خواب تھا، خیال تھا، دھوکا تھا۔ وہ یقین و بے یقینی کے درمیان کھڑی اسے دیکھتی جا رہی تھی۔ فرحان نے بہت دھیرے سے ٹشو پیپر اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''اتنی بے اعتباری اچھی نہیں ہوتی۔ کم از کم جو اپنے ہوں، انہیں اعتماد میں ضرور لینا چاہئے۔'' وہ جانے کس سبب یہ کہہ رہا تھا۔ اس کے یہ لفظ کس حوالے سے تھے۔ شعاع کتنے ہی پل ساکت رہی تھی۔

''فرحان! جب ہنگامی حالت ہو تو فقط فوری اقدام کے متعلق سوچا جاتا ہے۔ کچھ سوچنے کی مہلت ہی کب ہوتی ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے فرحان کو دیکھا تھا۔ کتنا کچھ ہو گیا تھا، مگر اس نے کسی سے ایک لفظ بھی شیئر نہ کیا تھا۔ شاید واقعی وہ بہت بے اعتباریوں میں گھری ہوئی تھی۔

اس نے اس سے قبل بھی کبھی اس کے متعلق نہیں سوچا تھا۔ جو ہوا تھا، اسے سب سے چھپا کر دل کے کونوں کھدروں میں دفن کرنے کی کوشش کی تھی کہ کہیں کچھ غلط نہ ہو جائے۔ فرحان نے آج شکوہ کیا تھا تو اسے یاد آیا تھا کہ اس نے واقعی اسے بھی اس قابل نہ جانا تھا۔ شاید وہ واقعی بہت زیادہ ڈری ہوئی تھی۔

''اتنا کچھ ہو گیا، تم نے مجھے آگاہ تک نہ کیا؟'' فرحان نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔

وہ جواب میں چپ ہی رہی تھی۔

''ادعیہ کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے مختصراً جواب دیا تھا۔

''اپنے گھر کی خبریں جب باہر سے سننے کو ملتی ہیں تو دکھ ہوتا ہے۔''

شعاع چہرے کا رخ پھیرے کھڑکی سے باہر دیکھتی جا رہی تھی۔ شاید جواب میں اس کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہ تھا۔ فرحان بول رہا تھا۔ ''امی بے حد خفا ہیں اور شاید انہیں خفا ہونا بھی چاہئے۔ تمہاری خاموشی کی وجہ کم از کم میں جان سکتا ہوں، مگر وہ نہیں۔'' فرحان نے لحہ بھر کو رک کر اس پر نگاہ کی تھی۔ ''جانتی ہو سب سے زیادہ دکھ کب ہوتا ہے؟''

وہ جواب میں کچھ نہیں بولی تھی۔ یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے چپ چاپ بھاگتے دوڑتے مناظر کو ساکت و جامد آنکھوں سے دیکھتی رہی تھی۔

''جب کوئی اپنا، جو ہمارا بے حد قریبی فرد ہوتا ہے، ہم پر اعتبار نہیں کرتا۔ جنہیں ہم اپنا سب کچھ سمجھے بیٹھے ہوتے ہیں وہی ہمیں بے اعتباریوں کی گہری کھائیوں میں دھکیلتے چلے جاتے ہیں۔ اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی ناقابل اعتبار کہلانا بہت بڑا گھاؤ ہوتا ہے۔ یعنی اگلا فریق ہر بات کا دعوٰی تو کرے مگر آپ پر فقط اعتبار ہی نہ کرے۔ اپنا آپ کس قدر چھوٹا لگتا ہے اس گھڑی، شاید تم یہ نہ جان سکو۔''

شعاع ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی اس کی سمت دیکھنے لگی تھی جیسے کہہ رہی ہو کہ

''میں سزا کی منتظر ہوں۔ مجھے سزا سنا دو۔''

''شعاع! تمہارا مسئلہ یہ ہے کہ تم ہر محاذ پر تنہا ہی لڑنا چاہتی ہو۔ کیونکہ تم اندر سے بہت خوفزدہ لڑکی ہو۔ ڈری سہمی، اپنے آپ سے بھی خوفزدہ لڑکی۔ اب بھی تم میری بہت سی باتوں کو منفی انداز میں لے کر سوچ رہی ہو۔''

''ہاں، اور میں واقعی جاننا چاہتی ہوں کہ میرے لئے تمہارا فیصلہ کیا ہے؟'' شعاع نے بہت مدھم لہجے میں کہا تھا۔

فرحان نے نظریں ونڈ اسکرین سے ہٹا کر اسے ایک نظر دیکھا تھا، پھر نفی میں سر ہلانے لگا تھا جیسے کہہ رہا ہو، کہا تھا نا میں نے۔

''تم چپ ہو، یعنی میرے خدشے درست ہیں؟'' شعاع کی آواز جیسے کسی کنوئیں سے آ رہی تھی۔

فرحان نے اسے دیکھا تھا، پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ ''تمہارے خدشات کسی قدر درست ہیں۔''

''کیا؟'' شعاع یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

وہ پُرسکون انداز میں گویا تھا۔ ''امی بہت خفا ہیں۔ یقیناً یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔''

''تو کیا تم بھی ان کا ساتھ دو گے؟'' شعاع نے جیسے ایک آس سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا تمہیں ایسا لگتا ہے؟'' وہ یکدم ہی مسکرا کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ وہ جواب میں کچھ نہیں بولی تھی، یونہی چپ چاپ دیکھتی رہی تھی۔

''فی الحال تو حالات کو معمول پر لانے کی کوششیں جاری ہیں۔ دیکھو کیا ہوتا ہے؟''

شعاع کی دھڑکنیں جیسے یکدم ہی مدھم پڑنے لگی تھیں۔ اس نے بہت بے یقینی سے اس شخص کو دیکھا تھا۔ پھر چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔

''جب فیصلہ ہو چکے تب مجھے آگاہ کر دینا۔ میں انتظار کروں گی۔'' اس نے کہہ کر لب بھینچ لئے تھے اور نظریں راستوں پر جما دی تھیں۔ اور تب فرحان بھی مزید کچھ نہیں بولا تھا۔

✿......✿

میری زمیں پر جو چاندنی ہے، وہ سب تری ہے
میرے فلک پر جو دل کشی ہے، وہ سب تری ہے
جو تتلیوں کے پروں پہ لکھے ہیں خط مرے ہیں
یہ جگنوؤں میں جو روشنی ہے، وہ سب تری ہے
جو شب پہ چھائی خموشیاں ہیں وہ سب مری ہیں
سحر میں جتنی بھی نغمگی ہے، وہ سب تری ہے
جو تیرے منظر ہیں اور منظر ہیں سب مرے ہیں
جو میرے سینے میں شاعری ہے، وہ سب تری ہے
جو تیری مٹی میں خوشبوئیں ہیں وہ سب مری ہیں
جو میری آنکھوں میں روشنی ہے، وہ سب تری ہے

ہلکی ہلکی بونداباندی ہو رہی تھی۔ جانے کیا سوچ کر وہ دونوں ساتھ نکل آئے تھے۔ اور بھیگتی شام میں گاؤں کی پگڈنڈیوں پر چلتے ہوئے جیسے چپ کوئی مدھر سا گیت لکھتی چلی جا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ چلتے وہ کتنی دور نکل آئے تھے۔

ہلکی ہلکی پھوار جیسے اسم پھونک رہی تھی۔ مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو جیسے شاعری کر رہی

تھی۔ مست ہوائیں جیسے گنگنا رہی تھیں۔ اور وہ چپ چاپ چلتے جا رہے تھے۔

''کتنا حسین ہے نا یہ سب کچھ۔ چپ رہنے کو جی چاہتا ہے ایسے میں۔'' مژگان نے بہت دھیرے سے مسکرا کر کہا تھا۔ ''یہ شعر کہتی فضا اپنے اندر بہت گہرائی لئے ہوئے ہے۔ اسے شاید خاموشی میں ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ سارے رنگ، یہ سارے منظر اپنے اندر ایک الگ ہی داستان چھپائے ہوئے ہیں۔''

''ہاں، حسن شاید یونہی مبہوت کر دیا کرتا ہے۔'' وہ اس کے صبیح چہرے کو بغور دیکھتا ہوا دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ معمول میں وہ مسکراتی بھی مشکل سے تھی، کجا ہنسنا۔ یہ یقیناً موسم کا جادو تھا۔ لائٹ پرپل سوٹ میں وہ اس شام کا دلربا حصہ تھی اس پُرفسوں ماحول سے جیسے اس کا گہرا ربط تھا۔ رہبان عالم شاہ اسے دیکھتا چلا گیا تھا۔

''تمہیں بارش پسند ہے؟''

''بہت زیادہ۔'' اس کا انداز سرشارانہ تھا۔ سر اٹھا کر وہ آسمان کو دیکھتی ہوئی ہمیشہ سے کہیں مختلف لگ رہی تھی۔ ''بارش کا بھی اپنا ہی ایک حسن ہے۔ برستی ہے تو بہت سی کثافتوں کو دھو جاتی ہے۔ بارش چاہے آنکھوں کی ہو یا آسمان کی، دونوں ہی بوجھل پن کو کم کرتی ہیں۔ بارشیں ہوتی رہنی چاہئیں۔ زمین نم رہتی ہے اور نم زمین میں زرخیزی کا امکان موجود رہتا ہے۔ یہ بات بہت خوش آئند ہے۔'' آنکھیں بند کئے بہت سے قطروں کو اپنے چہرے پر گرتے ہوئے محسوس کرتی وہ عجیب دیوانگی کے عالم میں بول رہی تھی۔

رہبان عالم شاہ جانے کیوں اسے ایک ٹک دیکھے گیا تھا۔

اس کا حسین چہرہ۔

چمکتی پیشانی۔

اناری لب۔

اس شام کی دلفریبی کا کوئی حصہ لگ رہے تھے۔ وہ سر اٹھائے، آنکھیں میچے کوئی بت بنی کھڑی تھی۔ بوندیں اس کے چہرے پر ایک تواتر سے گر کر اسے بھگو رہی تھیں۔ چہرہ جیسے دمک سا رہا تھا۔ جانے کیوں وہ یکدم ہی نگاہ چرا گیا تھا۔

''آؤ واپس چلیں۔ سردیوں کی بارشیں بھیگنے کے لئے قطعی مناسب نہیں ہوتیں۔'' رہبان عالم شاہ نے دوسری سمت تکتے ہوئے کہا۔

''ارے، موسم کی پہلی بارش ہے۔ اسے تو انجوائے کرنا چاہئے۔'' وہ کسی بھی طرح کے گرم کپڑے سے مبرا تھی۔ پرپل دوپٹہ فقط پھیلا کر اوڑھ رکھا تھا۔ اس کا وجود ہولے ہولے کانپ

رہا تھا مگر وہ اپنی من مانی کرنے پر بضد تھی۔

رہبان عالم شاہ نے اپنے شانوں پر سے شال اتار کر بہت ہولے سے اس کے شانوں پر ڈال دی تھی۔ وہ یکدم ہی چونکتے ہوئے آنکھیں کھول کر دیکھنے لگی تھی۔ وہ بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ نظر جھکا کر مسکرا دی تھی۔

''تھینک یو۔'' پھر ہاتھوں سے شال کو اپنے گرد لپیٹنے لگی تھی۔

''واپس چلیں؟'' رہبان عالم شاہ نے بہت دھیمے سے دریافت کیا تھا۔

''واپسی ضروری ہے کیا؟'' چہرے کا رخ پھیر کر وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے دیکھتا گیا تھا۔ پھر جانے کیوں ہولے سے مسکرا کر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

''واپس تو پلٹنا پڑتا ہی ہے۔ چاہے کتنا بھی طویل سفر کرلیں، اگر وہ سفر منزل کی سمت نہ ہو تو واپس پلٹنا ضروری ہو جایا کرتا ہے۔''

''اور اتنی آگے، بہت دور تک جا کر واپس لوٹنا کس قدر کٹھن ہوا کرتا ہو گا نا۔'' مژگان نے چہرے پر گرنے والی بہت سی بوندوں کو ہاتھ کی پشت سے صاف کیا تھا۔

''ہوں۔'' وہ دھیمے سے مسکرا دیا۔

''اور اگر واپسی کا سفر تنہا ہو تو؟'' مژگان نے بظاہر مسکرا کر پوچھا تھا۔ وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھی رہبان عالم کتنی ہی دیر اس کی سمت دیکھتا چلا گیا تھا۔ بھیگتی شام کے سائے گہرے ہوتے چلے جا رہے تھے۔ گاؤں کے کچے گھروں میں روشنی ہونے لگی تھی۔ رہبان عالم شاہ کی طویل خاموشی پر وہ یکدم ہی جانے کیوں ہنس دی تھی۔

''شاید کہیں سے واپس پلٹ کر آنا بہت کٹھن ہے اور تمنا کے راستے تو اور بھی پُر پیچ ہوا کرتے ہیں۔'' جانے کیوں لایعنی گفتگو کر کے اسے جیسے بہت لطف آ رہا تھا۔ جانے کیوں وہ مسلسل بولتے رہنا چاہتی تھی۔

کبھی تمنا کے راستوں پر نکل پڑو تو خیال رکھنا
کہیں سے خالی پلٹ کے آنا بہت کٹھن ہے
بہت کٹھن ہے!

بہت مدھم لہجے میں کہہ کر وہ یکدم ہی ہنس دی تھی۔

رہبان عالم شاہ ڈھلتے سایوں میں جانے کیا تلاشنے کی کوشش میں سرگرداں رہا تھا۔ تبھی وہ چلتے چلتے رکی تھی۔

''وہ سامنے برگد کا پیڑ کتنا خوبصورت لگ رہا ہے نا۔'' رہبان عالم شاہ اس کی نگاہوں کا

مفہوم جان گیا تھا۔ تبھی مسکرا دیا تھا۔

''چلو وہاں چلتے ہیں۔ مگر ذرا سنبھل کر۔ راستہ کچا ہے۔ پھسلن ہو رہی ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا پھر دوسرے ہی پل شاید احتیاطاً اس کا نازک سا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا۔ مژگان نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا، پھر نظر راستے پر جما دی تھی۔ بہت سنبھل سنبھل کر چلتے ہوئے وہ پیڑ کے سائے میں پہنچے تھے۔

''یہ گاؤں کی ایک کامن پلیس ہے جہاں پر عموماً لوگ اپنے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد آ کر محفل آباد کرتے ہیں۔ پھر کئی موضوع زیرِ بحث آتے ہیں۔'' رہبان نے درخت کے گرد بنے ہوئے سیمنٹ کے تھڑے پر بیٹھتے ہوئے اسے آگاہ کیا تھا۔

''لیکن آج تو یہ جگہ خالی ہے۔ غالباً موسم کے باعث۔ ہے نا؟'' مژگان نے کچھ سوچ کر خود ہی جواز ڈھونڈ لیا تھا۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''ہاں، موسم کے باعث لوگ سرِ شام ہی گھروں کے اندر دبک کر بیٹھ گئے ہیں۔ ایسے میں کوئی اگر ہمیں یہاں دیکھے گا تو دیوانہ ہی سمجھے گا۔ یہاں کا ماحول شہر سے بہت مختلف ہے۔''

مژگان مسکراتے ہوئے اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھ گئی۔

''جو کچھ بھی ہے، کمال ہے۔ یقین کرو مجھے لندن سے بھی زیادہ یہاں لطف آ رہا ہے۔'' مژگان کا انداز مسرور تھا۔

''تمہیں یاد تو آتا ہو گا سب کچھ۔ وہ جگہ، وہ ماحول، وہ لوگ۔'' رہبان عالم شاہ نے مکانوں سے چھن کر آتی بلب کی مدھم روشنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں، بہت۔ میرے خیال میں ایسا کوئی نہیں جس کے سنگ یادیں سفر نہ کرتی ہوں۔ موجودہ گزرنے والا وقت کتنا بھی دلکش و دلفریب کیوں نہ ہو، مگر اس کے باوجود ہم پلٹ کر پیچھے ضرور دیکھتے ہیں۔ اپنے سنگ چلتی یادوں کے قافلے سے ٹھہر کر مکالمہ ضرور کرتے ہیں۔''

''تم بہت گہری باتیں کرتی ہو، بہت مشکل۔'' وہ یکدم ہنسا۔ وہ بھی ہنس دی۔

''حالانکہ میں خود قطعی بھی مشکل لڑکی نہیں ہوں۔''

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟ آپ کے متعلق رائے تو فقط دوسرے قائم کرتے ہیں۔'' اس نے مسکرا کر اختلاف کیا۔ مژگان مسکرا دی۔

''چلیے پھر آپ بتا دیجیے، میں کیسی ہوں؟''

رہبان عالم شاہ نے اسے چند ثانیوں تک دیکھا، پھر نگاہ کا رخ پھیر لیا۔

''اچھے دوست کبھی بھی اپنے دوستوں کے منہ پر اپنی رائے نہیں دیا کرتے۔'' اس کے

لبوں پر بہت دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔ مژگان چونکی، پھر یکدم ہنس دی۔

''نک کا بھی یہی خیال ہے۔''

رہبان یکدم ہی اس کی سمت دیکھنے لگا۔ وہ بولتی رہی۔ ''جانتے ہو اس نے کبھی بھی میرے بارے میں رائے نہیں دی۔ مگر میں جانتی ہوں وہ بہت اچھا ہے۔ میرا بہت مخلص دوست۔ میلوں کی دوری پر بیٹھا بھی وہ میرے پل پل کی واقفیت رکھتا ہے۔ مجھ سے بات کئے بغیر وہ میرے محسوسات، میرے سارے احساسات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میں کب بہت زیادہ خوش ہوں، کب بہت افسردہ، کب میں پریشان ہوں، جانے وہ سب کیسے جان جاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہ بہت برا ہے، پاگل۔''

رہبان عالم شاہ جانے کیوں ایک ٹک اسے دیکھے گیا تھا۔ مژگان اپنی ہی دھن میں بولتی جا رہی تھی۔ ''کیتھی، جیسیکا، برائن، پیٹر، دوست تو سبھی بہت اچھے ہیں۔ لیکن نک سے بہت انڈر اسٹینڈنگ ہے۔''

''تم یقیناً اسے بہت مس کرتی ہو گی؟'' رہبان عالم شاہ کا لہجہ بہت مدھم تھا۔

''ہوں۔ شاید سبھی اچھے دوستوں کو بہت زیادہ مس کرتے ہیں۔ وہ دوست جو بنا کسی غرض کے، بنا کسی لالچ کے آپ کے قریب رہتے ہیں، آپ کو آپ کی کامیابیوں پر سراہتے ہیں، مبارکباد دیتے ہیں، آپ کے غمزدہ لمحوں میں آپ کی دل جوئی کرتے ہیں، تنہائی کے لمحوں میں آپ کا حوصلہ بندھاتے ہیں اور ناکامی میں جو سنگ رہتے ہیں انہیں کون مس نہیں کرتا ہوگا۔ اچھے دوست بھی خدا کا انعام ہوتے ہیں۔ انہیں کھو دینے والے بہت بدنصیب ہوتے ہیں۔ میں اپنے اچھے دوستوں کی بہت قدر کرتی ہوں۔'' وہ کہتی ہوئی اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بہت دھیمے سے مسکرا دیا۔

''تم بھی تو اپنے دوستوں کو مس کرتے ہو گے؟''

''نہیں، اس کی ضرورت کبھی نہیں پڑی۔ کیونکہ میں ان خوش نصیبوں میں سے ہوں جو اپنے اچھے دوستوں میں موجود ہے۔''

وہ یکدم ہی ہنس دی۔ ''سجل بھی تو ایک بہترین دوست ہے تمہاری۔ کس قدر انڈر اسٹینڈ کرتی ہے تمہیں۔''

''اور تم؟'' رہبان عالم شاہ نے یکدم مسکرا کر مدھم لہجے میں کہا۔ وہ چونکی، پھر مسکرا دی۔

''ہاں، میں بھی ہوں۔ شکریہ، تم نے مجھے اپنے اچھے دوستوں کی فہرست میں جگہ دی۔ لیکن میں سجل کی بات کر رہی ہوں۔ وہ واقعی بہت اچھی ہے۔ مگر ایک بات کا بہت خدشہ ہے،

کہیں وہ ہرٹ نہ ہو۔ یو نو، ہمیں اچھے دوستوں کے جذبات کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ انہیں کم از کم ہرٹ نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ جب ہم اپنے اچھے دوستوں کو ہرٹ کرتے ہیں تو ہم انہیں کھو دیتے ہیں۔ اور خدانخواستہ سجل کے معاملے میں، میں ایسا نہیں چاہتی۔ تمہیں سہولت سے ساری بات اس سے کہہ دینی چاہئے۔ اگر اسے یہ بات کسی اور ذریعے سے معلوم ہوئی تو وہ بہت زیادہ ہرٹ ہوگی۔ اسے بہت زیادہ دُکھ ہوگا۔ پھر شاید وہ نارمل ری ایکٹ نہ کر سکے۔''

وہ بہت مدبرانہ انداز میں کہہ رہی تھی۔ اور رہبان عالم شاہ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''اور تمہارا کیا ہوگا؟''

''میرا؟'' وہ انگلی کی سمت سے اپنی جانب اشارہ کرتی ہوئی اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس کی آنکھوں سے ہویدا شرارت کو دیکھتی ہوئی یکدم مسکرا دی تھی۔ ''میں تو غالباً آپ کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہوں۔''

''تم ایسا سمجھتی ہو؟'' اس کی جانب دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

ہاتھ پھیلا کر بہت سی بوندوں کو اپنی ہتھیلیوں پر جمع کرتی ہوئی وہ یکدم ہی ہنسنے لگی تھی۔

''چلو واپس چلیں۔ سب پریشان ہو رہے ہوں گے۔ شام گہری ہو رہی ہے اور راستے بھی اچھے نہیں۔ موسم کے تیور بھی خطرناک ہیں۔ کہیں بارش تیز ہوگئی تو......''

وہ یکدم ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ مگر جانے کیسے یکدم ہی پاؤں لڑکھڑا گیا تھا۔ رہبان عالم شاہ نے ہاتھ بڑھا کر فوراً ہی اسے اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا تھا۔ ایک خوشبو کے جھونکے نے لمحہ بھر کو ہی اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ سخت جاڑے کی خنک شام میں جیسے ایک پل میں ہی کوئی انگارہ سا چھو گیا تھا۔

مژگان لمحے بھر میں سنبھل کر پیچھے ہٹی تھی اور اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ سے نکالا تھا۔ سانسیں جانے کیوں یکدم ہی بہت ناہموار ہوگئی تھیں۔

''راستہ ٹھیک نہیں۔ ذرا سنبھل کر چلو۔'' رہبان عالم شاہ بہت مدھم آواز میں بولا تھا۔ وہ سر ہلاتی ہوئی اس کے سنگ چل پڑی تھی۔

✿.....✿

پاس رہتا ہے دور رہتا ہے
کوئی دل میں ضرور رہتا ہے
ایسے رہتا ہے وہ مرے دل میں
جیسے ظلمت میں نور رہتا ہے

"میں تمہاری پیکنگ کر دیتی ہوں۔ تم باتھ لے لو۔" ندا بھابی نے اس کے چہرے کو بہ
محبت سے تھپتھپایا تھا۔ وہ جواب میں بہت خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

اعصار شیخ نے اخبار پر سے نظریں ہٹا کر لحہ بھر کو اسے دیکھا تھا۔ دادی اماں اس کے سامنے بیٹھی اس کی دل جوئی میں لگی ہوئی تھیں۔ وہ اتنی عنایتوں کے جواب میں سر جھکا یکسر لاتعلق نظر آ رہی تھی۔ ندا بھابی اس کی پیکنگ میں مصروف تھیں۔

بہت سے مخلص لوگ اس کے گرد موجود تھے مگر جیسے اسے کسی سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

"بیٹا! یہ گھر تمہارا ہے۔ یہاں خود کو اجنبی خیال مت کرو۔ سب تمہارے اپنے ہیں۔" بھولی بھٹکی نگاہ اٹھی تھی اور جانے کیسے اس ستمگر سے جا ملی تھی۔ اس لمحے اس نے نگاہ چرا نہیں تھی۔ جانے کیوں دیکھتی ہی گئی تھی۔

"خدا سب سے بڑا منصف ہے۔ وہ جو فیصلے کرتا ہے، وہ جھٹلائے جانے کے قابل نہ ہوتے۔ ان سے انحراف قطعی طور پر ممکن نہیں۔ یوں بھی بیٹا! یہ رشتے اور جوڑے تو آسمانو بنتے ہیں۔ وہاں تمہارے نام کے ساتھ اعصار ہی کا نام لکھا تھا، سو کون روک سکتا تھا ا بندھن کو۔ ہم انسان تو فقط طے شدہ فیصلوں پر سر جھکانے کے لئے ہیں۔ یہ سب یونہی ہ مقصود تھا۔ سو ہمیں اسے مان لینا چاہئے، بلا تردّد۔ اسی میں بھلائی ہے۔ پھر تجھے اس گھر م ایک نہ ایک دن تو آنا ہی تھا کہ یہی میری بھی خواہش تھی۔ سو دیر سے کیا، جلدی کیا۔"

اعصار شیخ نیوز پیپر سے نگاہ ہٹا کر گاہے بگاہے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اعصار بچے! اس کا خیال رکھنا۔ اب یہ مکمل طور پر تمہاری ذمے داری ہے۔ اس ک خوشیوں کا خیال رکھنا تم پر فرض ہے۔ وہاں بہت ٹھنڈ پڑ رہی ہے۔ دل تو نہیں مان رہا، مگ اس کے سوا چارہ بھی نہیں۔ سچ پوچھو تو میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم دونوں ایک ساتھ رہو، ایک ساتھ زندگی بسر کرو۔ اس سے کم از کم تم دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ گھلنے ملنے کا موقع ملے گا۔"

دادی اماں کی بات اگرچہ بہت سنجیدہ نوعیت کی تھی مگر ندا بھابی یکدم ہی ہنس دی تھیں۔

ادعیہ نے بلا ارادہ ہی اس دشمن جاں کی سمت دیکھا تھا۔ جس طرح وہ زیر لب مسکرا ر تھا، وہ جانے کیوں نگاہ پھیر گئی تھی۔

"ہنس کیوں رہے ہو تم دونوں۔ میں مذاق تو نہیں کر رہی۔"

"دادی اماں! آپ کی یہ بین کسی کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ بہتر ہے وقت ضائع مت کیجئے۔" وہ بہت مدھم انداز میں کہہ کر نیوز پیپر ایک طرف رکھتے ہوئے یکدم ہی اٹھ کھڑا ہ

تھا۔

ادعیہ اپنی جگہ لحہ بھر میں کھول کر رہ گئی تھی۔ مگر "حملہ" کرنے والے نے اس کی سمت توجہ نہیں دی تھی اور چلتے ہوئے واش روم میں گھس گیا تھا۔

دادی اماں نے لبوں پر بے ساختہ در آنے والی مسکراہٹ کو لب بھینچ کر دبایا تھا پھر اس کی طرف دیکھا تھا۔

"بکواس کرنے کی عادت ہے اس کی۔ تو برا مت ماننا۔ جانتی تو ہو تم اس کے مزاج کو۔ خاندان میں شادیوں کا ایک فائدہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ بچے پہلے سے ایک دوسرے کے مزاج آشنا ہوتے ہیں۔ اس سے ازدواجی زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ نباہ کرنے میں بہت آسانی ہو جاتی ہے۔ پہلے سے ہی آگاہی کے باعث وہ دشواریاں جنم نہیں لیتیں جو کہ عموماً دوسری صورت میں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔"

وہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ دادی اماں نے ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھ دیا۔

"آج اعصار کے ساتھ امینہ کی طرف ہو آنا۔"

کسی بہت اپنے کے ذکر پر لحہ بھر میں ہی اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ وہ سر جھکا کر جیسے اپنی ہر کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

"پگلی!" دادی اماں نے اسے تھام کر اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

وہ چپ چاپ آنسو بہاتی رہی۔

"مانا فی الحال دُشواریاں بہت ہوں گی۔ اپنے اخلاص اور حسن سلوک سے تم سب کے دل جیت سکتی ہو۔ محبت سے تو جانور تک سدھائے جا سکتے ہیں یہاں تو پھر معاملہ انسانوں کا ہے۔ مہاری ماں نے یہ اقدام بہت سوچ کر کیا تھا۔ کیا تم چاہو گی کہ تم اس کی خواہشات کو رائیگاں کرو؟ جو مقام اسے اس گھر میں نہ مل سکا تھا، اس مقام پر وہ تمہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔ کیا تم اپنی ماں کی اتنی سی خواہش بھی پوری کرنا نہیں چاہو گی؟"

اس نے خاموشی سے دادی اماں سے علیحدہ ہو کر اپنی آنکھیں پونچھی تھیں۔ دادی اماں نے خاموشی سے ایک نظر اسے دیکھا تھا، پھر پلٹ کر ندا بھابی کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔

"دلہن! ذرا مجھے میرے کمرے میں چھوڑ دو۔"

"جی اماں!" ندا بھابی فوراً ہی ان کی طرف بڑھی تھیں۔

"تمہاری بقیہ پیکنگ میں آ کر مکمل کر دوں گی۔" ندا بھابی نے اس کے قریب رکتے ہوئے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔ "اور سنو، اب میرے اتنے اچھے دیور سے صلح کر لو۔

بہت اچھا ہے وہ۔ اور سب سے بڑی بات تم سے بہت پیار کرتا ہے۔ بہت لکی ہوتے ہیں
لڑکیاں جنہیں کوئی اس طرح سے چاہتا ہے۔ اس طرح سے آواز دیتا ہے۔ ایسی دلفریب دستک
پر فوراً در وا کر دینا ہی عقل مندی ہے۔"

اس کی آنکھوں سے پھر ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی۔

"جلنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ مزہ تو جلانے میں ہے۔ ایندھن بننے سے بہتر ہے آتش بن
جاؤ۔" اس نے مسکرا کر اس کے چہرے کو ذرا سا اوپر اٹھایا۔ اس لطیف سی شرارت پر بھی
مسکرائی نہیں تھی۔

ندا بھابی، دادی اماں کی وہیل چیئر کو ہینڈل کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔ تب
کچھ لمحوں کے توقف سے اعصار شیخ واش روم سے برآمد ہوا تھا۔ سیٹی پر شوخ سی دھن بجاتے
ہوئے وہ یقیناً مسرور تھا۔ وہ سر جھکائے ہاتھوں کی لکیروں میں جانے کیا کھوجتی رہی تھی۔

اعصار شیخ نے آئینے میں نظر آتے اس کے عکس کو بغور دیکھا تھا۔ لائٹ فیروزی سو
میں خود سے بیگانہ سی وہ اس گھڑی یقیناً بہت دلفریب لگ رہی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر تک دیکھتا
گیا تھا۔

ادعیہ کو یکدم ہی احساس ہوا تھا۔ وہ چونک کر اس کی پشت کو دیکھنے لگی تھی۔ وہ اب
اس کے عکس کو اسی تسلسل سے تک رہا تھا۔ دوسرے لفظوں میں اسی ڈھٹائی سے گھور رہا تھا
اس کے متوجہ ہونے پر پہلی بار دوستانہ انداز میں مسکرایا تھا۔ وہ یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر
دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

"تیار ہو جاؤ، امی کے گھر جانا ہے۔" اعصار نے بہت نرم لہجے میں کہا تھا۔ وہ یونہی
رہی تھی۔ "شاباش، اٹھ جاؤ۔ میں نے فون کر دیا تھا۔ وہ لوگ انتظار کر رہے ہوں گے۔"

اس کے اندر جیسے سمندر موجزن تھا۔ آنکھیں لمحہ بھر میں پرنالے بن گئی تھیں۔ وہ ضبط کر
ہوئی ہونٹ کچلنے لگی تھی۔

اعصار شیخ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی، پھر اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا تھا۔ اد
نے سلگ کر اس کی طرف دیکھنا چاہا تھا مگر پھر جانے کیوں نظریں اپنے آپ ہی جھکتی چلی
تھیں۔ فریش شیو تھا، چہرے پر سرشاری ہی سرشاری تھی۔ کسی بھی قسم کا حزن و ملال تک نہ

"میڈم! ٹرائے ٹو میک سینس۔ کچھ انوکھا نہیں ہوا ہے آپ کے ساتھ۔ دنیا میں
لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں اور وہ رخصت ہو کر دوسرے گھروں کو آباد کرتی ہیں۔" اس
متواتر آنسو بہانے پر وہ تپ کر گویا ہوا تھا۔ وہ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی تھی

کتنا کچھ کہنا چاہا تھا۔ کس قدر غبار تھا اندر۔ مگر گلے میں جیسے یکدم ہی آنسوؤں کا پھندا سا آ
گیا تھا۔ وہ جو بہت کچھ کہنے کی آرزو رکھتی تھی، کچھ بھی نہ کہہ پائی تھی۔ چہرے کا رخ پھیر کر
ہونٹ کچلتے ہوئے اپنی ہر کیفیت پر قابو پانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی وہ۔ اور آنکھوں سے
آنسو پھسلتے جا رہے تھے۔

اعصار شیخ کو اس گھڑی اس پر ترس آ گیا تھا۔ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس
کے قریب بیٹھا تھا، پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ کو بہت دھیرے سے اپنے مضبوط ہاتھ میں
لے لیا تھا۔ وہ یکدم ہی چونک پڑی تھی۔ وہ خاموش نظروں سے اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"یقین کرو، میں نے ایسا کچھ نہیں چاہا تھا۔ میں فقط تمہیں کھونا نہیں چاہتا تھا۔ تمہاری
عزت وحرمت، تمہارا وقار، تمہاری انا، ان سب کا مجھے ہمیشہ بہت پاس رہا۔ میں کسی بھی لمحے
تمہیں کوئی زک پہنچانا نہیں چاہتا تھا۔ کبھی بھی میں نے تمہیں کسی کی نظروں میں گرانا نہیں چاہا
تھا۔" اس کا لہجہ بہت مدھم تھا۔

"مجھے بے حد عزیز ہو۔ جان ہو میری۔ اور اپنے آپ کو رسوا کون کرتا ہے۔ سب وہم
ہے تمہارا۔ جو ہوا وہ کچھ بھی غلط نہیں۔ ہم نے کہیں بھی کوئی غلط اقدام نہیں اٹھایا۔ سب کی
باہمی رضامندی سے اس تعلق میں بندھے ہیں۔ ایک جائز تعلق ہے یہ۔ پچھتاوے کی صورت
کہیں بھی نہیں نکلتی۔ ہاں، کسی حد تک کچھ غیر رسمی ہوا ہے۔ اندازوں سے ہٹ کر ہوا ہے۔
لیکن سب شاید اسی طرح ہونا مقسوم تھا۔ شاید اسی میں کوئی مصلحت پوشیدہ تھی۔ جانتی ہو، میں
نے کبھی بھی اپنے خدا کے فیصلوں سے انحراف نہیں کیا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ جو بھی کرتا
ہے بہتر کرتا ہے۔ بلاشبہ وہ جانتا ہے کہ ہمارے لئے کیا بہتر ہے اور کیا نہیں۔ تم اس گھر میں
میرے حوالے سے موجود ہو، یہ کاتب تقدیر کا فیصلہ تھا۔ ہم واقعی ایک دوسرے کے لئے بنے
تھے۔ تم میری عزت ہو، میری ذمے داری ہو۔ اپنے اعتبار کو، اپنے اعتماد کو ایک بار بحال
کرو۔ تمہیں یقیناً کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ تم ایک پڑھی لکھی باشعور لڑکی ہو۔ ذہنی
طور پر بہت میچور ہو۔ مجھے اندازہ ہے کہ تم ان سب چیزوں کو انڈر اسٹینڈ کر سکتی ہو۔ یہ وقت
ایسی بچگانہ سوچوں کا نہیں ہے۔ مجھے تمہارے ساتھ کی اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ جتنی پرابلمز تم
فیس کر رہی ہو، اس سے کہیں زیادہ پرابلمز میں فیس کر رہا ہوں۔ امی ابھی تک مجھ سے خفا
ہیں۔ بات نہیں کر رہیں۔ پھر تم بھی مجھ سے الگ نہیں ہو۔ تمہاری ہر ایک پریشانی اب میری
پریشانی ہے۔ ہر مشکل میں، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ہم دونوں کہنے کو خردمند ہیں۔ چاہیں تو
اپنے راستوں میں بچھے سب کانٹوں کو بہت سلیقے سے ہٹا سکتے ہیں اور ان کی جگہ پھول

سکتے ہیں۔ مگر بات فقط ایک ساتھ مل کر چلنے کی ہے۔"
اعصار شیخ نے اس کی سمت دیکھتے ہوئے بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ ادعیہ نے نگاہ ا
کر اسے دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکال لیا تھا۔
"تم کہہ سکتے ہو ہر بات، بہت آرام وسکون کے ساتھ، بہت میٹھے اور مدھم لہجے میں
کیونکہ اعصار شیخ! تم ایک مرد ہو۔ لیکن تم میری پرابلمز کو کبھی انڈر اسٹینڈ نہیں کر سکتے۔ کیونک
میں ایک عورت ہوں۔ اور ایک مرد کبھی ایک عورت کا خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ جو بات تمہار
لئے بہت آسان ہے، بہت سرسری نوعیت و حیثیت کی ہے، وہی میرے لئے بہت سنگین بھ
ہو سکتی ہے۔ تمہیں اس بات کا ادراک نہیں۔ میری راہوں میں دور تک کانٹے بچھا کر
پھولوں کی اور خوشبوؤں کی بات کرتے ہو۔ کیونکہ تمہیں ان کانٹوں کی چبھن کا سرے سے
اندازہ ہی نہیں جن پر تم نے مجھے لا پٹخا ہے۔ میرے وجود پر کتنے زخم آئے ہیں، تمہیں کچ
اندازہ نہیں۔ کس کس درد کو روؤں میں، کس کس بات کا غم کروں؟" اس کی آنکھوں سے آنس
ایک تسلسل کے ساتھ گرتے چلے جا رہے تھے۔
"دنیا جہاں کی نگاہوں میں گرا دیا ہے تم نے مجھے اعصار شیخ! اتنی پستیوں میں گر گئی ہوں
میں کہ اب نگاہ اٹھا کر کسی سے ملا بھی نہیں سکتی۔ تم نے مجھے جیتے جی مار دیا ہے۔ اگر تم ا
کچھ کرنے کے بعد بھی سمجھتے ہو کہ میں تمہیں معاف کر دوں گی تو تم احمقوں کی جنت میں ب
رہے ہو۔ اگر کوئی جذبہ کبھی میرے دل میں تمہارے حوالے سے تھا بھی تو اب وہ اپنی موت
آپ مر چکا ہے۔ فقط نفرت ہے مجھے تم سے۔ شدید ترین نفرت۔"
اعصار شیخ بہت ضبط کے ساتھ ہونٹ بھینچتے ہوئے اسے پُرسکون انداز میں دیکھتا چلا گیا
تھا۔

✿......✿

اور ترے شہر سے جب رختِ سفر باندھ لیا
در و دیوار پہ حسرت کی نظر کیا کرتے
چاند کجلائی ہوئی شام کی دہلیز پہ تھا
اس گھڑی میں ترے مجبور سفر کیا کرتے
ہم نے جب وادیٔ غربت میں قدم رکھا تھا
دل ٹھہر جانے کو کہتا تھا مگر کیا کرتے
جس طرح یادِ وطن آئی تھی سمجھانے کو
کچھ اسی طرح کی کیفیت جاں آج بھی ہے
جس طرح کوئی قیامت ہو گزر جانے کو
جس طرح کوئی کہے پھر سے پلٹ آنے کو
جس طرح کوئی کہے پھر سے پلٹ آنے کو!

کوئی ربط باہم ہو تو "دھونس" جتائی بھی جا سکتی ہے۔
کوئی تعلق بیچ میں موجود ہو تو "دھمکی" بھی دی جا سکتی ہے۔
دل سے دل کے تار جڑے ہوں تو "زبردستی" بھی کی جا سکتی ہے۔
سارے "حق" جتائے جا سکتے ہیں۔ وہ بھی جو بنتے ہیں اور وہ بھی جو کہ نہیں بنتے۔ ہر
طرح کی بے تکلفی روا رکھی جا سکتی ہے۔ ہر طرح کی "دیوار" گرائی جا سکتی ہے۔ مگر "درمیاں"
کچھ ہو بھی تو۔ خالی "خلاؤں" میں تیر نہیں چلائے جا سکتے۔
بیگانگی، اجنبیت ایک ایسی دیوار ہے جو اگر درمیان میں تن جائے تو ہر تعلق اپنا مان کھو دیتا
ہے۔ رشتے اپنا حسن کھو دیتے ہیں۔ دوریوں کی اتنی وسیع خلیج درمیان میں حائل ہو جاتی ہے
کہ جسے پاٹنا ناممکن ہوتا ہے۔
اعصار شیخ کتنی ہی دیر یونہی، بلا مقصد پھیلے ہوئے راستوں پر بھٹکتا رہا تھا، سوچوں بھرے
دل و دماغ کے ساتھ۔

جانے کیوں اسے ہر سو ایک ویرانی رقص کرتی نظر آ رہی تھی۔ دسترس میں سب کچھ تھا۔ اختیار میں سب کچھ تھا مگر اس کے باوجود بے اختیاری کا احساس مسلسل کچوکے لگا رہا تھا۔ جن سے بہت کچھ اخذ کیا جائے، جب وہ صاف طور پر بہت واضح انداز میں ہاتھ کھینچ لیں تو شاید ایسی ہی بے کلی ہوتی ہے۔ اس نے ساری زندگی دو میٹھے بول سننے کے لئے انتظار کیا تھا۔ وہ بول جو اس کی روح میں سرایت کرتے تو زندگی بن جاتے۔ مگر سدا ایک بے مہری کی فضا تنی رہی تھی۔ دبیز تہہ نے سارے منظر اپنی لپیٹ میں لے رکھے تھے۔ اجنبیت اور لاتعلقی کی فضا نے کبھی کچھ کھلنے ہی نہیں دیا تھا کہ دوسری جانب کیا ہے۔ وہ سدا متلاشی رہا تھا کچھ جاننے کا، کچھ اخذ کرنے کا کہ دوسری جانب کیا ہے؟

اس کی اتنی شدتوں کے جواب میں دوسری جانب کیسا ردعمل ظاہر ہوتا ہے۔ اس کی وارفتگیوں کا کیا اثر ہے۔ کوئی اسے کس طرح سے سوچتا ہے۔ اپنے لمحوں کو اس کے خیال سے آباد کرتا ہے، اسے ڈھونڈتا ہے، اسے پاتا ہے۔

اسے تمنا تھی اس اقرار کی جو دوسری سمت سے اس کے لئے کسی کن من سے کم نہیں ہوتا۔ وہ اس پھوار میں بھیگنا چاہتا تھا۔ محبت کے اظہار کی اس معطر بارش میں تادیر چلنا چاہتا تھا جہاں اس کے سنگ کسی اور وجود کا احساس بھی ہوتا۔ مگر وہاں سے کبھی کوئی جوابی سند موصول نہیں ہوئی تھی۔

اور آج اگر ہوئی تھی تو ایک گہرا گھاؤ دینے والے نشتر کے ہمراہ۔

''اگر کوئی جذبہ کبھی میرے دل میں تمہارے حوالے سے تھا تو اب وہ اپنی موت آپ مر چکا ہے۔ فقط نفرت ہے مجھے تم سے۔ شدید ترین نفرت۔''

کوئی تو ربط ہو دلوں میں باہم
بعد از محبت اب وہ نفرت چاہتا ہے

دبی دبی محبت کا اظہار ہوا بھی تھا تو کن لمحوں میں جب نفرت سر ابھارے تنی کھڑی تھی۔ اقرار ہوا تھا مگر اس اقرار کے ہمراہ انکار بھی واضح انداز میں موجود تھا۔

یہ کہنا آسان نہیں کہ جس کے دم سے آپ کے سارے مان قائم تھے وہ بڑی سہولت کے ساتھ ہاتھ چھڑا کر اپنی راہ ہو لیا۔ یا ایک دلفریب تعلق کے قائم رہنے کے بعد اب اس کے دل کی وسعتیں آپ کے لئے سمٹنا شروع ہو گئیں۔ جہاں محبتوں کے پھول کل تک مہک رہے تھے، وہاں یکدم ہی کانٹوں کی فصل اُگ آئی تھی۔

کسی کے دل میں آپ کے لئے گنجائش ختم ہو کر کسی ناپسندیدہ رخ پر جا ٹھہری تھی۔ محبت

دلفریبی ہے۔ سراسر دلکشی ہے اور نفرت یکسر اس کی منفی کیفیت۔ بیگانگی سہی جا سکتی ہے، اجنبیت قبول کی جا سکتی ہے، لاتعلقی منظور نظر ہو سکتی ہے مگر نفرت قبول کرنا ناممکن ہے۔ کسی کی نگاہوں میں اپنے لئے اس احساس کو جھلکتے دیکھنا ناقابل برداشت ہے۔

کتنی ہی دیر تک وہ جلتے ہوئے ذہن کے ساتھ ویران بنجر راستوں پر وحشت سے سرگرداں رہا تھا۔ ان کانٹوں سے اٹے راستوں پر جہاں وہ تنہا تھا۔ اس یکطرفہ محبت نے اسے یقیناً کچھ نہیں دیا تھا۔ ون وے پر چلتے ہوئے اسے احساس ہی نہ تھا کہ وہ تنہا اس راہ پر چل رہا ہے اور راہ بھی وہ جس کی کوئی منزل نہ تھی۔ واپسی کی کوئی راہ جہاں نکلتی ہی نہیں تھی۔

''مجھے تمہارے سنگ نہ تو رہنا ہے، نہ ہی چلنا ہے۔ کوئی بھی خوش فہمی اگر دل میں ہے تو اسے نکال دو اعصار شیخ! میں بیسویں صدی کی کوئی کمزور لڑکی نہیں ہوں جسے اپنی زندگی کو سمجھوتوں کی نظر کرنا پڑے۔ میں کوئی بھی اسٹینڈ لینے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔ تم یہ مت سمجھ لینا کہ اگر میں اس وقت تمہارے سامنے کسی حوالے سے موجود ہوں تو میں ہار چکی ہوں۔ میں ہر قسم کے زبردستی کے حصار کو توڑ سکتی ہوں۔ اور یہ طے ہے کہ مجھے تمہارے سنگ نہیں جینا۔ میں کوئی کھلونا نہیں ہوں، نہ ہی کوئی چیز کہ تمہاری تسکین کے لئے تمہاری دسترس میں رہوں۔ میں جیتا جاگتا وجود ہوں، مجھ پر تسلط نہیں جما سکتے تم۔ اگر مجھ پر کوئی زبردستی مزید کرنے کی کوشش کی تو نتائج کے ذمے دار تم خود ہو گے اعصار شیخ! میں مر سکتی ہوں مگر تمہارے اشاروں پر چلنا ہرگز گوارا نہیں۔''

کتنی نفرت تھی اس لڑکی کے لہجے میں۔ کتنے پُرعزم انداز میں وہ کہہ کر پلٹی تھی۔ کیسی وحشت اس کی آنکھوں سے جھانک رہی تھی۔

اور تب سے اب تک وہ آگ کی لپٹوں میں تھا۔ وجود مسلسل جل رہا تھا۔ مگر سدباب کچھ نہ تھا۔

ڈھلتی شام کے سایوں کے ساتھ وہ گھر لوٹا تھا۔ رات گہری ہونے کو تھی۔ وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا۔ وہ بیڈ پر کروٹ دوسری جانب کئے لیٹی تھی۔ نظر بے اختیار اس پر گئی تھی اور پھر وہ ہر احساس پر قابو پاتے ہوئے اپنا بیگ بھر کر باہر نکل آیا تھا۔ پلٹتے ہوئے جانے کیوں اس دشمن جان کو ایک نگاہ دیکھا ضرور تھا۔ وہ وجود ویسا ہی بے حس تھا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل آیا تھا۔

''بھائی! آپ جا رہے ہیں؟'' زویا نے یکدم اسے پکارا تھا۔

وہ رکا تھا، اسے دیکھا تھا۔ پھر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ ''امی کو بتا دینا۔''

"لیکن بھابی؟" زویا نے کچھ دریافت کرنا چاہا تھا۔

"خدا حافظ۔" وہ فوراً ہی پلٹ کر باہر نکل گیا تھا۔

زویا سراسیمہ سی وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

✿......✿

بیٹھے بیٹھے اُگ آتا ہے جنگل میری آنکھوں میں
چھا جاتے ہیں گہرے کالے بادل میری آنکھوں میں
دیکھو تم کو آنا ہو تو اپنی چھتری لے آنا
بوندا باندی رہ جاتی ہے پل پل میری آنکھوں میں

وہ مسلسل چھینکتی جا رہی تھی اور جیسے ہی اس نے یہ سلسلہ موقوف کیا تھا، رہبان عالم شاہ چھینکنے لگا تھا۔ مژگان نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر یکدم ہی ہنسنے لگی تھی اور ہنستی چلی گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے اسے بے طرح ہنستے ہوئے دیکھا تھا، پھر آپ بھی ہنس دیا تھا۔

"ہوں، پاگلوں کی طرح ہنس کیوں رہے ہو۔ دیکھ لیا نا انجام بارش وچ بھیگنے کا؟" اماں نے ڈپٹا تھا۔ مگر مژگان پھر بھی ہنستی چلی گئی تھی۔ اس کی گہری دلکش آنکھیں پانیوں سے لبالب بھر کر چھلکنے لگی تھیں۔ بھیگی بھیگی دراز زلفوں کے درمیان چہرہ دمک رہا تھا۔ وہ جانے کیوں دیکھے ہی گیا۔

"مجھے لگ رہا ہے یہاں چھینکوں کا کوئی مقابلہ جاری ہے۔" مژگان مسکرائی۔

"مزہ آ رہا ہے نا تمہیں؟" رہبان نے اسے محظوظ ہوتے دیکھ کر مسکرا کر کہا۔ وہ مسکراتی ہوئی یکدم سر نفی میں ہلانے لگی۔

"مجھے تسلیم ہے کہ یہ میرے ہی باعث ہوا ہے۔ اماں! یہ تو متواتر منع کر رہے تھے۔ میں ہی ضد کر رہی تھی۔" مژگان نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے تمام الزام اپنے سر دھر لیا۔

رہبان عالم شاہ نے اسے بغور دیکھا۔

"پتر! میں ڈپٹ نہیں رہی تجھے۔ اتنی بے پروائی نہیں برتنی چاہیے۔ موسم ٹھیک نہیں۔ خدانخواستہ طبیعت زیادہ بگڑ گئی تو؟" اماں نے خدشہ ظاہر کرتے ہوئے مائی خیراں کو آواز دی۔

"اماں! معمولی فلو ہی تو ہے، ٹھیک ہو جائے گا۔" رہبان نے دھیمے سے کہا۔

"جب خود ماں باپ بنو گے تب پوچھوں گی، اولاد کتنی پیاری چیز ہوتی ہے۔ ان کی جان پر پڑنے والی ذرا سی تکلیف بھی برداشت نہیں ہوتی۔" اماں نے روانی سے کہا، پھر کمرے میں داخل ہونے والی مائی خیراں کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔ نظریں ملیں، پھر مژگان کی پلکیں دوسرے ہی پل جھکتی چلی گئیں۔ رہبان عالم شاہ نے بھی رخ پھیر لیا۔ اماں مائی خیراں کو ہدایات دے رہی تھیں۔

"ان دونوں کے واسطے کافی بنا لا۔ بیسن کا حلوہ بھی دے دینا۔ سرد موسم وچ بڑا موافق ہوندا اے۔ اعیان سو کے اٹھا کہ نہیں؟" اماں شاید اور بھی بہت سی ہدایات جاری کرنے والی تھیں۔ وہ جانے کیوں کشن ایک طرف رکھتی ہوئی صوفے سے یکدم ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور چلتی ہوئی اپنے عارضی بیڈ پر آ گئی۔

بیڈ پر بیٹھ کر کمبل اوڑھتے ہوئے پشت سے ٹیک لگا لی۔ دل جانے کیوں بہت تیزی کے ساتھ دھڑکتا رہا۔ مائی خیراں آ کر گرم گرم کافی کا کپ دے گئی۔ وہ کھڑکی کے شیشے پر گرنے والی بوندوں کو تکتی ہوئی چھوٹے چھوٹے سپ لیتی رہی۔ تبھی دروازہ بہت ہولے سے کھلا۔ آنے والا کمرے کے اندر داخل ہوا۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا پھر ہولے سے مسکرا دی۔

رہبان عالم شاہ اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"تمہیں اماں کا اس طرح ڈانٹنا اچھا نہیں لگا؟" اس کے اچانک اٹھ آنے کا جواز تلاشا گیا۔ وہ چونکی، پھر یکدم نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نہیں......نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ ہولے سے مسکرائی۔ وہ بھی بغور دیکھتا ہوا مسکرا دیا۔

"میں سمجھا تم روایتی بہو بننے جا رہی ہو۔" اس کے لہجے میں شرارت ہی شرارت تھی۔ وہ یکدم ہی مسکرا دی۔

"آپ سمجھتے ہیں کہ میں اتنی بری ہوں؟" کافی کے کپ سے کھیلتے ہوئے نگاہ اٹھا کر اس شخص کو دیکھا۔ دیکھنے والے نے اسے بغور دیکھا، پھر دھیمے انداز میں مسکرا دیا۔

"خیر، ہو تو......لیکن تھوڑی سی اچھی بھی ہو۔ اینی وے، تم مجھے آپ کی جگہ با آسانی تم کہہ سکتی ہو۔ مجھے قطعی برا نہیں لگے گا۔"

مژگان نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا، پھر مسکرا دی۔ "سوری! میں نے آپ کو بیمار کر دیا۔" اس نے معذرت کی۔

رہبان عالم شاہ نے بغور اس لڑکی کو دیکھا پھر جانے کیوں لبوں پر ایک تبسم مچل گیا۔

"تمہیں یقین ہے رہبان عالم شاہ تمہارا "بیمار" ہے؟"

مژگان نگاہ نہ اٹھا پائی۔ دل جانے کیوں یکدم ہی بہت تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا۔

وہ اس گھڑی بہت بے بسی کی سی کیفیت میں ہونٹ کچلنے لگی تھی۔ وہ جانے کیوں ہنس دیا تھا۔ تبھی وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''مجھے ایسی کوئی خوش گمانی نہیں ہے۔'' بہت پُراعتماد انداز میں کہتی ہوئی وہ کافی کا سپ لینے لگی تھی۔ وہ متواتر دیکھتا چلا گیا تھا۔ نگاہوں سے ہویدا شرارت کنفیوژ کرنے کو کافی تھی۔

لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ لئے اس دھان پان سی لڑکی کو جانے کیوں امتحان میں ڈال دیا۔

مگر وہ یکدم ہی سر اٹھا کر دیکھنے لگی، پھر دوسرے ہی پل مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔

وہ کتنے ہی لمحے اسے دیکھتی رہی تھی۔ اس لمحے کس قدر مختلف لگ رہا تھا یہ شخص۔ اس کا رویہ اس کی سمجھ سے کہیں بالاتر تھا۔ اسے ساکت دیکھ کر اس نے ہولے سے اس کا سر تھپتھپایا مسکراتے ہوئے مژگان کے چہرے کو دیکھا تھا۔

''جسٹ کڈنگ یار! ٹرائے ٹو میک سینس۔''

وہ یکدم ہی شرمندہ ہوگئی تھی۔ ''ایسی بات نہیں۔ آئی کین میک سینس۔ آئی مین، آئی کین انڈر اسٹینڈ۔'' وہ وضاحت دینے کو مسکرائی۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

''معلوم ہے تمہاری سب سے اچھی بات کون سی ہے؟''

وہ یونہی خاموشی سے دیکھتی رہی۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا۔

''یو آر ویری انڈر اسٹینڈنگ پرسن۔''

''تھینکس۔'' وہ دھیمے سے مسکرا دی۔ تبھی رہبان عالم شاہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی کو چھوا۔ مژگان کے لئے یہ بالکل غیر متوقع تھا۔

''ڈاکٹر کو بلوا لوں؟''

(یا اللہ اتنے کرم) وہ لمحہ بھر کو آنکھیں میچ گئی، پھر مروتاً فوراً ہی مسکرا دی۔

''نن...... نہیں۔ میں ٹھیک ہوں بالکل۔''

رہبان عالم شاہ نے بغور دیکھا۔ ''شیور؟''

''پوزیٹو۔'' مژگان بمشکل مسکرائی۔

''اماں خاصی پریشان ہو رہی ہیں اپنی بہو کے بیمار پڑنے پر۔ اینی وے، ان کے پاس کئی موثر قسم کے ٹوٹکے ہیں۔ وہ تمہیں چٹکی بجاتے ہی اچھا کر دیں گی۔ پھر بھی کوئی پریشان کن بات ہو تو......''

''کم آن رہبان اٹس اونلی فلو۔ اٹس اے نارمل ڈیزیز۔'' وہ یکدم مسکراتے ہوئے بولی تو وہ سر ہلاتے ہوئے مسکرا دیا۔

''او کے، تم آرام کرو۔ میں ذرا ابا جی کو دیکھ لوں۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ اونچا لمبا شخص پلٹ کر باہر نکل گیا تھا۔ اور مژگان کتنے ہی لمحوں تک اس خوشبو کے حصار میں گھری اپنے دل کی منتشر دھڑکنوں کو سنبھالنے میں مصروف رہی تھی۔

✿......✿

مجھ کو بھی ترکیب سکھا کوئی یار جڑائے
اکثر تجھ کو دیکھا ہے کہ تانے بُنتے
جب کوئی تانہ (دھاگہ) ٹوٹ گیا
یا ختم ہوا
پھر سے باندھ کے اور سرے کو جوڑ کے اس میں
آگے بُننے لگتے ہو
تیرے اس تانے میں لیکن
اِک بھی گانٹھ گرہ بنتر کی
دیکھ نہیں سکتا ہے کوئی!
میں نے تو اِک بار بنایا تھا
ایک ہی رشتہ
لیکن اس کی ساری گرہیں
صاف نظر آتی ہیں میرے یار جڑائے!
مجھ کو بھی ترکیب سکھا دے یار جڑائے!

اعصار شیخ کتنے ہی لمحے یونہی آنکھیں میچے چپ چاپ بیٹھا رہا تھا۔ چہار سو ویرانی تھی۔ خاموشی کی ایک دبیز تہہ نے ماحول کے گرد اپنا حصار باندھ رکھا تھا۔ رات تاریک تھی، سرد تھی، جامد و ساکت تھی، سیاہ تھی، گہری تھی۔

وہ لوٹ آیا تھا۔ مگر جیسے بہت کچھ وہیں چھوڑ آیا تھا۔ وجود کے کسی ایک علاقے میں بہت چپ کا پہرہ تھا۔ خاموشی کا گہرا راج تھا۔

بہت ویرانی تھی وہ وہاں سے لوٹ کر بھی وہیں گم تھا۔ دل وہاں تھا، دماغ وہاں تھا اور خود یہاں۔ شاید ساری متاع حیات ہی وہیں تھی۔ اس نے فون کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔

''ہیلو دادی اماں، جی میں ٹھیک ہوں۔'' دوسری جانب دادی اماں کو موجود پا کر اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔

"کیا بات ہے، تو ادعیہ کو لئے بغیر کیوں چلا گیا؟ اور اس قدر اچانک۔ ایسی کیا افتاد آن پڑی تھی؟" اسی بات کا ڈر تھا اسے۔ وضاحتوں کے ڈر سے وہ کئی دنوں سے بات کرنے سے کترا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا جواب دہ فقط اسے ہونا تھا۔

"کیا بات ہے، چپ کیوں ہے تو؟ بیٹا ایسی بھی کیا غیر ذمے داری۔ جانتا ہے تو اس گھر میں اس کی حیثیت وقعت کیا ہے۔ تیرے ہوتے صورتحال مخدوش ہے اور جب تو نہیں ہوگا تب اس کے ساتھ کیا ہوگا، اندازہ ہے تجھے؟" دادی اماں نے اسے چپ دیکھ کر خوب لتاڑا۔

"دادی اماں! ہر بات کا قصور وار آخر مجھے ہی کیوں گردانا جاتا ہے؟ آپ لوگ مجھے ہی کیوں غلط سمجھتے ہیں؟" اعصار کا لہجہ مدھم تھا۔

"اے وہی تو پوچھ رہی ہوں، بات کیا ہوئی؟ اچھی بھلی تو بچی تیار تھی۔ پھر اچانک کیا آفت آن پڑی کہ تم بیگ اٹھا کر اکیلے ہی نکل لئے؟"

"دادی اماں! میری زندگی میں تو لفظ "اچانک" کی بہت کرم فرمائیاں ہیں۔ سبھی کچھ اچانک ہوا ہے میرے ساتھ۔ سبھی کچھ اچانک وقوع پذیر ہوتا ہے۔" وہ اس لمحے جانے کیوں ہولے سے ہنس دیا تھا۔

"اے کیا بول رہا ہے، میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ ایک تو بچی کو چھوڑ گیا اوپر سے اول فول بک رہا ہے۔"

"دادی اماں! اطلاعاً عرض ہے کہ آپ کی ان عزیز بچی کو میرے ساتھ رہنا قبول نہ تھا اور مزید کوئی زبردستی میں کرنا نہیں چاہتا تھا۔ پڑھی لکھی باشعور لڑکی ہے وہ۔ بقول ان محترمہ کے وہ بیسویں صدی میں پسنے والی کوئی مظلوم لڑکی نہیں، وہ اپنے حق کے لئے آواز بلند کرنا خوب جانتی ہے۔ دادی اماں! یہ اکیسویں صدی ہے۔"

"اے کیا کہہ رہا ہے، کیا ساتھ نہیں رکھے گا تو اسے؟ بچی کو دربدر کر دیا ہے، بے گھر کیا اور اب ہاتھ کھینچ رہا ہے؟" دادی کو یکدم کرنٹ چھو گیا۔ اعصار شیخ نے ایک گہری سانس خارج کی۔

"آپ کو اب بھی وہی مظلوم نظر آتی ہے؟"

"اے میری بات سن! بچی ہے وہ تو.... تو، تو عقل مند ہے۔ وہ غصے میں اگر کوئی غلط بات کہہ دے گی تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تو بھی سٹھیا جائے۔ اے بچے! عقل کے ناخن لے۔ مجھے تجھ سے ایسی امید نہیں تھی۔ اکبر میاں بھی تیری بابت پریشان ہیں۔ اے بچے، عرضی ہے ایک اب، اس بڑھاپے میں ناک نہ کٹوانا۔ ان سفید بالوں کی کچھ تو لاج رکھ لینا۔"

"دادی اماں! آپ یہ کیوں چاہتی ہیں کہ سارے سمجھوتے میں ہی کروں؟"

"کیونکہ قصور وار تم ہو۔ اوکھلی میں سر بھی تمہی نے دیا تھا، اب بھاگ کاہے کو رہے ہو؟"

"دادی اماں! کمال کرتی ہیں آپ بھی۔ جتنا آپ مجھے سمجھا رہی ہیں، اتنا ہی ان محترمہ کو بھی سمجھا دیجئے۔ عقل ٹھکانے نہیں ہے اس کی۔"

"اے تو کیا اس طرح عقل ٹھکانے لگائے گا تو اس کی؟ اسے بے سہارا کر کے، بے آسرا کر کے؟"

"وہ آپ ایسا چاہتی ہے۔ ایک آزاد، خود مختار خاتون بننے کا خبط ہے اسے۔ گزارنے دیجئے اپنی مرضی کے ساتھ اس کو زندگی۔"

"اے بچے! وہ تو بیوقوف ہے۔ وقتی طور پر، دماغی طور پر پریشان ہے۔ اگر کچھ غلط کہہ بھی دیا تو چل تو ہی درگزر کر ڈال۔" دادی اماں نے پوتے کو منانے کی ہر ممکن کوشش کی۔

"آپ جانتی ہیں وہ میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔" بڑے حوصلے سے آگاہ کیا۔

"ایسا کہا اس نے؟" دادی اماں کو جیسے یقین نہ ہوا۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اک اک کر کے سارے نشتر جیسے دل میں اترتے چلے گئے۔

"اس سے بھی کہیں بڑھ کر۔ چھوڑیئے اسے۔ آپ بتائیے خیریت سے ہیں آپ؟ گھر میں سب کچھ ٹھیک ہے؟" اس نے موضوع سے ہٹنا چاہا۔

"اے بچے! کسی بھی بات کو انا کا مسئلہ مت بنا۔ گھر بڑی مشکل سے آباد ہوتے ہیں۔ کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے یہ۔ کھیل شروع بھی تمہی نے کیا تھا۔"

"اور اب ختم بھی میں ہی کر رہا ہوں۔" وہ تیزی کے ساتھ ان کی بات کاٹتے ہوئے گویا ہوا۔ "دادی اماں! میں نے اپنی تمام غلطیاں مانی ہیں، قبول کی ہیں۔ مگر برداشت کی بھی حد ہوا کرتی ہے۔ میں نے ہی شاید غلط کیا تھا۔ یہ سراسر یکطرفہ فیصلہ تھا۔ اس کا ادراک مجھے اب ہوا ہے۔ اور یکطرفہ تعلقات کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔"

"اے خدانخواستہ بچے عقل سے کام لے۔ جلدی میں کوئی غلط فیصلہ مت کر دینا جس سے جگ بھر میں ہماری رسوائی ہو۔" دادی اماں کا دل ہول کر رہ گیا تھا۔

"خیر ایسا تو میں کچھ بھی نہیں کروں گا۔ وہ میرے اختیار سے باہر کبھی نہیں ہو سکتی، نہ ہی اپنی دسترس سے باہر جاتا اسے میں دیکھ سکتا ہوں۔ وہ اسی گھر میں رہے گی، آپ لوگوں کے ساتھ۔ اس گھر کی بہو بن کر۔"

"اور تو......؟" دادی اماں چونک پڑیں۔

"میں......" وہ ہنس دیا۔ "ہم تو پردیسی ہیں، آج یہاں ہیں تو کل وہاں۔ کوئی ایک ٹھکانہ تو ہے نہیں۔ بہر حال آپ اپنا خیال رکھئے گا۔ اللہ حافظ۔"

"بات سن میری۔" دادی اماں نے دوسری سمت سے پکارا۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کی۔

"کوئی بکواس نہیں سننے کی میں۔ واپس آ تو۔" اچھی خاصی خاطر مدارات ہوئی۔

"دادی اماں! نوکری پیشہ بندہ ہوں، کوئی مذاق بات تو نہیں۔ اتنی چھٹیاں لوں گا تو فوج والے نکال باہر کریں گے۔ کورٹ مارشل کروانے کے سارے پلان ہیں آپ کے۔"

"اے بھاڑ میں جائے نوکری۔ یہاں گھر لٹا جا رہا ہے اور تجھے نوکری کی پڑی ہے۔"

"دادی اماں! بند باندھ کر پہاڑ نہیں بنائے جا سکتے۔ آپ ہی تو اکثر کہتی ہیں، جس گھر کا بسنا مقصود نہیں، وہ لاکھ کوششوں سے بھی نہیں بسے گا۔ یہ خدائی کام ہیں۔ بہتر ہو گا ہم بھی خدا پر تمام معاملات چھوڑ کر مطمئن ہو جائیں۔" لہجہ کس قدر مطمئن تھا۔

"یہ بات تو نے پہلے کیوں نہ سوچی۔ اگر پہلے اسی ہوش مندی اور عقل و خرد سے کام لیا ہوتا تو آج ایسے حالات درپیش نہ ہوتے۔" دادی اماں نے پھر کان کھینچے۔ وہ ہنس دیا۔

"اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ یہ فطرت انسانی ہے۔ پہلے تجربات کرتا ہے پھر سبق سیکھتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں سننے کی میں...... کچھ دن میں چکر لگا تو۔ بات کرنی ہے مجھے تجھ سے ضروری۔"

"نوکری چھوڑ کر ان محترمہ کے گھٹنوں سے لگ کر بیٹھ جاؤں۔ کوئی کام نہ کروں؟" سلگ کر دریافت کیا۔ "مزاج ساتویں آسمان پر ہے محترمہ کا۔ ہوش ٹھکانے لگانے از حد ضروری ہیں۔ اگر سب ٹھیک نہ بھی ہوا تو مجھے کوئی ملال نہیں ہو گا۔ میں نے "بنانے" کی بہت کوشش کی ہے۔ اگر اس اسٹیج پر کوئی دوسرا اس بات کو نہیں سمجھے گا تو اپنے طور پر میں بھی بری الذمہ ہوں گا۔ پھر بات ہو گی، خدا حافظ۔"

اس نے کہہ کر ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ دوسری جانب دادی اماں پُر سوچ نظروں سے ریسیور کو دیکھتی رہ گئی تھیں۔

✿......✿

"اے اسے کیا میرے سینے پر مونگ دلنے کو یہاں چھوڑ گیا۔ اتنی عزیز تھی تو ساتھ کیوں نہ لے گیا۔ صبح شام اٹھتے بیٹھتے اب کیا اس کی صورت دیکھنا ہو گی؟" سلمیٰ بیگم کا جلا کٹا لہجہ

اسے اندر تک کاٹ گیا تھا۔

وہ کمرے میں گھٹنوں پر سر دھرے چپ چاپ ساری ناپسندیدہ باتوں کو سن رہی تھی۔

"اے بہو! خدا کا خوف کرو۔ بہو نہ سہی، شوہر کی بھتیجی ہی جان لو۔ اس گھر پر اس ناتے سے ہی اس کا بھی کچھ حق تو ہوا نا۔" دادی اماں نے فوراً انہیں ٹوک کر ادعیہ کے دفاع کے لئے پیش قدمی کی۔ "اور دوسری بات یہ کہ وہ خود سے نہیں آئی یہاں۔ تمہارا عزیز ترین لاڈلا بیٹا ایک خاص حوالے سے اسے یہاں بیاہ کر لایا ہے۔ لاکھ بگڑو مگر اس رشتے کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔"

"اماں بی! اگر لایا تھا تو چلتے ہوئے اسے ساتھ بھی کر دیا ہوتا۔ مجھے اپنے گھر میں اسے برداشت کرنا تو نہ پڑتا۔ میرا سینہ تو پہلے ہی جلا ہوا ہے۔ یہ ان پھپھولوں پر نمک پاشی کا کام کرے گی۔" سلمیٰ بیگم نے نم آنکھوں سے دہائی دی۔

"اے خدانخواستہ بہو بیگم! خیر سے عقل مند ہو، ہوش مندی سے کام لو۔ برا بھلا کہنا ہے تو اپنے بیٹے کو کہو۔ اس یتیم بچی کو کیوں مفت میں کوس رہی ہو؟" دادی اماں نے قدرے سخت لہجے میں کہا تھا اور سلمیٰ بیگم دوسرے ہی پل اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔

ادعیہ کی آنکھوں سے چپ چاپ بہت سا پانی بہتا رہا تھا۔

"وقتی صدمہ ہے اماں بی! خود ہی وقت کے ساتھ صورتحال معمول پر آ جائے گی۔" صفیہ بیگم نے ساس کو پریشان دیکھ کر حوصلہ بڑھایا۔

"اے تو صدمہ تو اس بچی کو بھی ہے۔ پہاڑ تو اس پر بھی ٹوٹا ہے۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ آخر کیوں یہ ماں بیٹا مل کر اسے سزا دے رہے ہیں۔ کن جنموں کا حساب چکا رہے ہیں۔ ان ماں بیٹے کی ضد میں وہ معصوم لڑکی تو پس گئی نا۔" دادی اماں نے جل کر کہا تو صفیہ بیگم خاموشی سے دیکھ کر رہ گئیں۔

تبھی شجاع آ گئی۔

"السلام علیکم دادی اماں! السلام علیکم چچی جان!"

صفیہ بیگم نے چونک کر دیکھا، پھر سر ہلا دیا۔

"وعلیکم السلام بیٹا، کیسی ہو تم؟" دادی اماں اسے اچانک سامنے دیکھ کر قدرے حیران ہوئیں، پھر اپنے موڈ کو بحال کرتے ہوئے مسکرا دیں۔ "کیسے رستہ بھول پڑی آج میری بچی؟"

"بس دادی اماں۔ وہ ادعیہ کہاں ہے؟" شجاع بے دلی سے مسکرائی، پھر فوراً ہی مدعا بیان کر ڈالا۔

"اپنے کمرے میں ہے، جاؤ مل لو۔"

"اعصار بھی کیا وہیں ہے؟" شعاع کو تامل ہوا۔

دادی اماں نے رسانیت سے اسے دیکھا۔ "نہیں...... تنہا ہے وہ...... جاؤ مل لو۔"

شعاع نے چچی جان کے جھکے سر کو دیکھا، پھر ادعیہ کی طرف بڑھ گئی۔ دروازے پر ہلکا دباؤ ڈالا، دروازہ کھلا۔ وہ بیڈ پر گھٹنوں میں سر دھرے بیٹھی تھی۔

"ادعیہ!" شعاع نے بہت مدھم انداز میں پکارا۔

ادعیہ جو خود میں گم تھی، یکدم ہی چونک کر سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ فوراً ہی ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ جانے کیوں نظریں نہ ملا سکی۔ حد درجہ شرمندگی نہ آن گھیرا۔

شعاع نے خاموشی سے اسے دیکھا پھر دھیرے سے اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"آج آفس نہیں گئیں تم؟" ادعیہ سنبھلی، سنبھل کر مسکرائی۔

"نہیں...... آج موڈ نہیں تھا۔ تم سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا۔ رات کچھ اچھا خواب نہ دیکھا تھا، سو پہلی فرصت میں تم سے ملنے کی ٹھانی۔" شعاع نے نارمل انداز میں مسکرانے کوشش کی۔ ادعیہ نے بھی بمشکل مسکرا کر اس کا ساتھ دیا۔

"کیسی ہو تم؟" شعاع نے ہاتھ بڑھا کر دھیرے سے اس کے چہرے کو چھوا۔ ادعیہ مسکرا دی۔

"تم آج بھی خوابوں پر یقین کرتی ہو؟"

"کیا کروں، عام سی لڑکی ہوں نا۔ تم سناؤ، کیسی گزر رہی ہے تمہاری "ان لاز" یہاں۔ خوش تو ہو نا؟ اور یہ اعصار صاحب کہاں ہیں؟"

ادعیہ یکدم ہی سر جھکا گئی۔ نگاہ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔ "امی کیسی ہیں؟ عمر ہے؟ رانیہ، تانیہ، سب ٹھیک تو ہیں نا؟" کیسا مردہ سا بے جان سا لہجہ تھا۔

شعاع اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ وہ خود کو نارمل ظاہر کر کے یقیناً ساری صورتحال کو قابو ظاہر کرنا چاہتی تھی۔ شعاع نے اسے دیکھا، پھر ایک گہری سانس خارج کی۔

"سب ٹھیک ہیں۔"

"مجھے یاد کرتے ہیں؟" ایک آہ تھی۔ آنکھوں میں یکدم ہی نمی آن ٹھہری تھی۔

"بھول سکتے ہیں بھلا، پاگل؟" اس کے چہرے کو ہولے سے تھپتھپایا پھر بغور اسے دیکھا وہ سر جھکا کر جانے کن طوفانوں سے نبرد آزما ہونے کی کوشش کر رہی تھی۔ "ادعیہ! سب زندگی کا حصہ ہے۔ کسی غیر متوقع صورتحال پر لچک اختیار کرنا ہی عقل مندی ہے۔"

ادعیہ کی پلکوں سے بہت سے اشک ٹوٹ کر بہہ نکلے۔ شعاع چپ چاپ دیکھتی گئی۔

"اعصار صاحب کہاں ہیں؟"

"میں امی سے ملنا چاہتی ہوں۔ گھر آنا چاہتی ہوں۔" ادعیہ نے آنکھیں پونچھتے ہوئے اپنے حوصلوں کو مجتمع کیا۔

شعاع نے ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔ "وہ تمہارا گھر ہے، تم آ سکتی ہو جب چاہو۔ پاگل، اس میں پوچھنے والی کون سی بات ہے۔"

"پتہ نہیں کون سا گھر میرا ہے اور کون سا نہیں۔ میں تو راستوں میں بھٹک رہی ہوں فی الحال۔" آواز میں نارسائی کا گہرا کرب تھا۔ شعاع نے رسانیت سے اسے دیکھا۔

"اعصار کا رویہ تو تمہارے ساتھ اچھا ہے نا...... خیال رکھتا ہے نا وہ تمہارا؟"

"مجھے اس شخص سے کچھ سروکار نہیں ہے۔ اس کی بابت مجھ سے کوئی بات مت کرو پلیز۔"

شعاع کتنے ہی لمحوں تک ساکت سی دیکھتی رہ گئی۔

"تائی اماں اور دیگر ٹھیک ہیں تمہارے ساتھ؟"

ادعیہ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ پھر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ نگاہیں پھر بھرنے لگیں۔

"شعاع! میں یہاں رہنا نہیں چاہتی۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ میں مر جاؤں گی یہاں۔ پلیز مجھے یہاں سے لے چلو۔"

شعاع ششدر سی اسے دیکھتی رہی، پھر تمام حوصلوں کو مجتمع کرتے ہوئے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ساتھ ہی اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"احمق، گھر ہے یہ اب تمہارا۔ اور وہ تمہارے محترم صاحب بہادر گلے آن پڑیں گے میرے۔" خوشگوار انداز میں کہہ کر ماحول کی کثافت کو کم کرنے کی کوشش کی۔ "یوں بھی تمہیں ہمیشہ تو نہیں رہنا۔ آئی مین محترم کیپٹن اعصار شیخ کی پوسٹنگ تو شہروں شہروں ہوا کرے گی۔ تمہیں تو پورا ملک دیکھنے کو ملے گا۔ ساری بوریت دور ہو جائے گی۔ بائی دی وے کب جا رہے ہو تم دونوں اسکردو؟"

"کہیں نہیں جا رہی میں۔" ادعیہ نے پل کے پل میں اس کے سارے شوق پر پانی پھیر دیا۔

"ادعیہ! بچی مت بنو۔ جو ہو چکا ہے اسے قبول کرنے کی کوشش کرو۔"

"کچھ نہیں قبول کر سکتی میں۔ کسی کے بوئے کو میں کیوں کاٹوں؟ میں اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا نہیں کاٹ سکتی۔ میں اپنی زندگی کو سمجھوتوں کی نظر نہیں کر سکتی۔ آخر میں بھی تو جیتا جاگتا

وجود ہوں۔ کیوں نہیں سوچتے آپ لوگ۔'' ادعیہ کا ضبط جیسے جواب دے گیا۔ شعاع اس جھکے ہوئے سر اور ہولے ہولے ہلتے وجود کو دیکھتی رہ گئی، پھر بہت ہولے سے اسے تھا اپنے ساتھ لگا لیا۔

''تم سمجھ کیوں نہیں جاتیں کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ جو کچھ ہو چکا ہے وہی بہت ز ہے۔ اب اس کے اثرات مزید شدید تو ہو سکتے ہیں، کم نہیں۔ ہاں اگر خرد مندی سے کام تو صورتحال کو مزید بگڑنے سے ضرور بچایا جا سکتا ہے۔'' اس نے ایک گہری سانس خارج

''ادعیہ میری جان! اس معاشرے میں تنہا عورتوں کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ یہاں کے لئے سمجھوتے بہت ضروری ہیں۔''

''چاہے وہ سمجھوتے ہماری ساری عمر پر سیاہی پھیر دیں؟'' ادعیہ سر اٹھا کر اسے د گئی۔ وہ ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر ہولے سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''ہاں، تب بھی۔''

''ادھر کیا صورت حال ہے۔ فرحان بھائی اور ممانی ماموں؟'' ادعیہ نے شعاع چہرے کو دیکھا۔

''تمہیں اگر جانا ہے تو تیار ہو جاؤ۔'' شعاع نے یکدم ہی بات بدل دی۔

ادعیہ اس کے چہرے کو دیکھتی ہوئی تمام صورتحال کو جیسے سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔

''اعصار سے اجازت تم لو گی یا پھر میں بات کروں ان محترم سے؟'' خوشگوار لہجہ دریافت کرنے کی کوشش کی۔

ادعیہ سر جھکا گئی، بولی۔ ''وہ جا چکا ہے واپس۔''

''جا چکا ہے؟ تمہیں ساتھ لئے بغیر؟'' شعاع اس نئی افتاد پر ششدر سی رہ گئی۔ ادعیہ جھکا گئی۔

''میں نے طے کر لیا ہے، اپنے لئے خود راستے تلاش کروں گی۔''

''مزید بے وقوفی کرنا چاہتی ہو تم؟ مزید جگ ہنسائی؟ اتنا کچھ جو ہو چکا ہے کیا ہے؟'' شعاع نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔ وہ سر جھکائے یونہی چپ چاپ بیٹھی رہی

''تم امی کو مزید دکھ دینا چاہتی ہو۔ انہوں نے جو بروقت اقدام کر کے اپنے بچے خاندانی وقار کو سہارا دینا چاہا تھا، تم اسے پھر سے تہس نہس کرنا چاہتی ہو۔ ادعیہ! آخر کب آئے گی تمہیں؟''

''تو پھر کیا کروں؟ ان حضرت کے قدموں کی خاک ہو جاؤں جس نے مجھے کانوں

بچا، اسے سر کا تاج کر لوں؟'' ادعیہ روہانسی ہو گئی۔

''ہاں...... یہ ضروری ہے۔'' شعاع نے مدھم انداز میں اسے باور کرایا۔ وہ بلبلا کر اسے دیکھنے لگی۔

''تم کیوں مجھے اسکیپ گوٹ بنانا چاہتی ہو؟'' اور شاید ادعیہ کی اس ''کیوں'' کا جواب شعاع کے پاس نہیں تھا۔ تبھی وہ نگاہ پھیر گئی۔ پھر قدرے توقف سے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

''مجھے کچھ ایسی ہی امید تھی تم سے۔''

''تم سارا کا سارا الزام میرے سر کیوں دھر رہی ہو شعاع؟'' وہ تڑپ گئی۔

''میں کوئی الزام نہیں دھر رہی تمہارے سر۔ میں فقط صورت حال کو قابو کرنے کے حق میں ہوں۔ کیونکہ جو میں دیکھ رہی ہوں، وہ تم ہرگز نہیں جان سکتیں۔''

ادعیہ اسے دیکھنے لگی۔ وہ نگاہ چرا گئی۔

''خیر، کچھ دنوں کے لئے چلو تم۔ پھر میں تمہیں واپس چھوڑ دوں گی۔'' شعاع نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

ادعیہ ہونٹ کچلتی رہی، پھر یکدم نفی میں سر ہلا دیا۔ ''تم جاؤ۔ مجھے نہیں جانا۔'' کہہ کر سر جھکا کر اپنی تمام تر بے بسی پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی اور تب جانے کیوں شعاع بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اوکے، پھر میں چلتی ہوں۔ جب ارادہ ہو تو فون کر دینا۔ عمر آ کر تمہیں لے جائے گا۔''

ادعیہ نے یکدم ہی اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''شعاع! سب ٹھیک ہے نا؟'' اس کا اشارہ شعاع سمجھ گئی تھی۔ تبھی بہت خاموشی سے اسے دیکھا، پھر دھیمے سے مسکرا دی۔

''ہوں۔''

ادعیہ اس کی زبردستی کی مسکراہٹ پر جیسے کٹ کر رہ گئی۔

''تم کچھ فضول مت سوچنا، سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ۔ میں پھر چکر لگاؤں گی۔ تم ہم سے الگ نہیں ہو۔ خود کو کسی بھی لمحے تنہا مت محسوس کرنا۔'' اس کے چہرے کو چھوتے ہوئے بڑے پن سے اس کا حوصلہ بڑھایا۔ ادعیہ ایک دم اس کے ساتھ لگ کر بے آواز بہت سا غبار دل سے دھونے لگی۔

''اوکے، ٹیک کیئر۔'' شعاع اس کے سر کو تھپتھپا کر پلٹی۔ تبھی ندا بھابی چائے لے کر اندر داخل ہوئیں۔

"السلام علیکم بھابی، کیسی ہیں آپ؟" شجاع نے مسکرا کر کہا۔

"ٹھیک ہوں۔ میں تو چائے لائی تھی اور تم جا رہی ہو۔"

"پھر سہی، اب تو آنا جانا ہوتا رہے گا۔" شجاع نے مسکرا کر کہا، پھر دروازے کی جا
پیش قدمی کر دی۔

ادعیہ وہیں بیڈ پر بیٹھ کر دل کے بہت سے طوفانوں پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی تھ

✿......✿

گاہ دل مشکل میں ہے اور گاہ جاں مشکل میں ہے
کیا گزشتہ کا گلہ عمرِ رواں مشکل میں ہے
دیکھ مجھ کو میں تماشا ہو گیا اس کھیل میں
تو نے کیا دیکھا ہے اب تک تو کہاں مشکل میں ہے

"بیٹیاں کتنی عزیز ترین ہوتی ہیں۔ اتنی چھوٹیوں کو پالتے ہیں، نخرے اٹھاتے ہیں،
دیتے ہیں اور بڑے ہونے پر یکدم ہی پرائے ہاتھوں میں سونپ دیتے ہیں۔ عجیب رسم
ہے یہ بھی۔ ابھی دیکھو کل تک کس قدر رونق تھی اس کے دم سے۔ اب چلی گئی ہے تو کیسا
ویران سا لگ رہا ہے۔" اماں نے افسردگی سے کہا تو ابا جی مسکرا دیئے۔

"بھاگوان! ایک بیٹی اگر رخصت کی ہے تو ایک بیٹی گھر کی زینت بھی تو بن گئی ہے۔
پن سے ہٹ کر سوچو تو بہو بھی بیٹی ہی ہوتی ہے۔" ابا جی کا انداز خوشگوار تھا۔ مژگان یکدم
مسکرا دی۔ اعیان بھی پہلے سے کہیں بہتر تھا، سو یہاں موجود تھا۔ ہاں بازو پلاسٹر سے حسب
معمول جکڑا ہوا تھا۔

"اللہ معاف کرے، میری تو دھی ہے یہ۔ بہو ہو گی آپ کی۔" اماں نے مسکرا کر سہو
سے بات لوٹا دی تو ابا مسکراتے ہوئے دوبارہ کتاب پر نگاہ جھکا گئے۔

"اماں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں واقعی ان کی بیٹی ہوں۔" مژگان نے محبت سے ا
کے گلے میں بازو حمائل کر دیئے۔

"ماشاء اللہ، ساس بہو کی محبت کا لازوال سین۔" اعیان چینل تبدیل کرتے ہوئے مسکرایا

"تم کیوں جل رہے ہو؟" مژگان نے مسکرا کر دیور کو دیکھا۔ وہ مسکراتے ہوئے ٹی
اسکرین کی جانب دیکھنے لگا۔

"یہ رہبان نہیں لوٹا ابھی تک۔ کب تک کا کہہ کر گیا تھا؟" اماں نے دریافت کیا۔

"شام تک کا ہی کہا تھا۔ بھابی بیگم سے کہئے موبائل پر ٹرائی کریں۔ شاید بھائی راستے

ہوں۔" اعیان نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا۔ مژگان ابا جی کی طرف دیکھنے لگی۔

"ابا جی! آپ چائے پئیں گے؟"

"فقط ابا جی ہی کیوں؟" اعیان نے یہ بھی موقع نہیں گنوایا۔ وہ مسکرا دی۔

"سیدھے سے کہہ دو کہ تمہیں بھی پینا ہے؟" مژگان بولی تو اعیان ہنس دیا۔

"وقت نہ کٹ رہا ہو تو یہ بھی ایک اچھی مصروفیت ہے۔ چائے بنانا اور چائے پینا۔" اس
کا لہجہ حد درجہ شرارت سے پُر تھا۔ یہ لطیف سی شرارت یقیناً ایک خاص حوالے سے تھی۔
مژگان نے مسکراتے ہوئے لب بھینچ کر اسے دیکھا تھا۔ وہ توجہ مکمل طور پر ٹی وی اسکرین کی
جانب مبذول کیے ہوئے تھا۔

"انتظار کے لمحے بڑے کٹھن ہوا کرتے ہیں۔" اعیان صاحب کہاں باز آنے والے
تھے۔ اماں اور ابا جی ایک ساتھ ہنس دیئے۔ وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مت تنگ کیا کر اپنی بھابی کو۔ چند دن کی مہمان ہے یہاں۔ پھر گئی تو جانے کب
دوبارہ لوٹے۔"

"اب کے رہنے کو آئی ہوں میں۔ بہت سارے دن یہاں گزاروں گی آپ دونوں کے
ساتھ۔" مژگان نے مسکراتے ہوئے اعلان کیا۔

"اور بھائی صاحب کا کیا ہو گا؟" اعیان کا جملہ اتنا اچانک تھا کہ وہ یکدم ہی سرخ پڑ گئی
تھی۔ ابا جی کے سامنے یہ یقیناً غیر مناسب تھا۔ اس نے اعیان کو گھورنا چاہا تھا مگر وہ ہنس رہا
تھا۔ "ان کی خدمتیں کون کرے گا۔ بائی دی وے جھگڑ کر تو نہیں آئیں؟"

"اے چپ کرو تم تو۔" اماں نے اعیان کو ڈانٹتے ہوئے مژگان کی سمت دیکھا۔ "اے
پتر! کیا واقعی اب کے رہو گی؟"

"اماں! مجھے رہنے ہی آنا تھا۔ کئی دنوں سے رہبان سے کہہ رہی تھی مگر انہیں فرصت ہی
میسر نہ آ رہی تھی۔"

"اسے کہتے ہیں سعادت مند اچھی بہو۔" اعیان کے لبوں پر بدستور شرارت موجود تھی۔

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ چلو بہت ساری باتیں کریں گے ہم ماں بیٹی، سارے دکھ
سکھ۔"

"چلو، ابا جی اور بھیا کی ساری برائیاں از سر نو زیر بحث آنے کا وقت آن پہنچا۔" اعیان
بے ساختہ ہنسا تھا۔ ابا جی کتاب پر سے نگاہ ہٹا کر مسکراتے ہوئے ان کی سمت دیکھنے لگے تھے۔

"تم چپ نہیں رہ سکتے ہو؟" مژگان نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے دیکھا۔

"مت تنگ کیا کرو، ایک اکلوتی تو میری بہو ہے۔" اماں نے محبت سے مژگان کی
دیکھا۔

"میری بھی تو ایک ہی بھابی ہے۔" ہنستے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ کچن کی طرف بڑھ گئی

"ایک اضافی کپ بھی بنا لیجئے گا۔ بھائی صاحب بھی آنے والے ہوں گے۔"

وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی تھی۔

چائے دم کرنے کے ساتھ ساتھ جب وہ بہت سے لوازمات ٹرے میں رکھ رہی تھی تو
کیوں اندر بہت سی اُداسی پھیلنے لگی تھی۔

✿.....✿

اور خبر یہ ہے
دُعاؤں کے دیے بے رنگ شاموں کی
منڈیروں پر کہیں بجھنے والے ہیں
سو ایسے میں ہمیں
اب خاک اڑاتے روز و شب کے اس طرف
جانے کی حسرت ہو رہی ہے
کہ جیسے ناگہاں
اب ختم مہلت ہو رہی ہے

اس کے سامنے تو پھر بہت سے عزائم تھے۔ تبھی وہ تایا ابا کے سامنے آن کھڑی ہوئی

"تایا ابا! میں یونیورسٹی جوائن کرنا چاہتی ہوں۔"

اکبر صاحب نے اسے سر اٹھا کر بغور دیکھا تھا، پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"بیٹھو۔"

وہ بہت ہولے سے ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ ان کی جانب دیکھنے سے مکمل گریز کیا۔ نہ
جانے کیوں بہت دیر تک خاموش رہے تھے، جیسے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ اور ادعیہ کے
لئے یہ سارا وقت کاٹنا جیسے محال ہو رہا تھا۔

"بیٹا! میں تمہیں منع قطعی نہیں کروں گا۔ یقیناً تمہیں تعلیم کو ادھورا نہیں چھوڑنا چاہئے۔
میں ساتھ ہی یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ اس گھر میں، اس گھر کے ماحول میں خود کو ایڈجسٹ
کرنے کی کوشش کرو۔ بعض اوقات جس ہار کو ہم اپنی ہار سمجھ رہے ہوتے ہیں درحقیقت
ہار میں جیت چھپی ہوتی ہے۔ پھر ایک محاذ پر ہارنا کوئی ہارنا نہیں۔ ابھی تو عمر پڑی ہے۔

نہ صرف جینا ہے بلکہ ان بہت سی دوسری زندگیوں کے متعلق بھی خیال کرنا ہے جو تم سے
منسلک ہیں۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات؟" تایا ابا کا لہجہ بہت مدھم اور دھیما تھا۔ ان کے لہجے
میں بالکل بابا جیسی شفقت تھی۔ ادعیہ خالی خالی آنکھوں کے ساتھ چہرہ اٹھائے انہیں دیکھتی
چلی گئی تھی۔

"بیٹا! میں جانتا ہوں تم سمجھدار ہو، عقل مند ہو، اس ماحول میں اتنی کشیدگی کی لہر پر تم یقیناً
اپنے بلند حوصلے اور ثابت قدمی سے قابو پا سکتی ہو۔ میں خدانخواستہ تم سے کوئی قربانی نہیں
مانگ رہا، میری بیٹی ہو تم، جس سے وابستہ ہر شے مجھے بے حد عزیز ہے۔ تم تو پھر اس کا حصہ
ہو۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ ہنستا مسکراتا ہوا۔" انہوں نے مسکرا کر اس کے سر پر
ہاتھ دھرا۔

"بیٹی! زندگی ایک امتحان ہے اور یہ امتحان عمر بھر چلتا رہتا ہے۔ اس کے ہر چیلنج کو ہمیں
حوصلے سے قبول کرنا چاہئے۔ زندگی میں تقدیر کے لکھے پر بہت یقین رکھنا چاہئے اور اسے
قبول کرنا چاہئے۔ شاید جو ہوا وہ ایسے ہی ہونا تھا۔ اور جو بھی ہوا اچھا ہی ہوا کے مصداق ہر
شے کو قبول کرنا سیکھو۔ سچ پوچھو تو مجھے اعصار کے اس اقدام سے کچھ زیادہ پرخاش نہیں۔ میں
خوش ہوں۔ کیونکہ شاید اندر کہیں تمہیں بہو کی صورت یہاں دیکھنے کی خواہش میرے دل میں
بھی تھی۔ بعض اوقات یوں بھی تو ہوتا ہے کہ مصلحتوں کے پیشِ نظر ہم اپنی زبان کو قفل لگائے
رکھتے ہیں۔"

وہ سر جھکا کر چپ چاپ سب کچھ سنتی رہی۔

"بہر حال خدا سب سے بڑا منصف ہے۔ اپنی تائی اماں کی باتوں کو سنو بھی تو درگزر کر
دینا۔ اس عمر میں بندہ ذرا سا چڑچڑا ہو ہی جاتا ہے۔" وہ دھیمے سے مسکرائے۔ "دل کی بری
نہیں وہ۔ بیٹے سے جب اتنا پیار کرتی ہے، اس کی اشیاء سے اتنی محبت رکھتی ہے تو اس کی
سب سے خاص اور مطلوبہ ہستی کو کیونکر قبول نہ کرے گی۔ وقتی غصہ ہے بس۔ یقیناً جلد اس
بات کو مان لے گی۔ فی الحال اس گھر میں تمہاری پذیرائی نہیں ہو رہی تو اس کا مطلب یہ نہیں
کہ تم دل برداشتہ ہو جاؤ۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہاری جگہ اپنی جگہ مسلّم ہے۔ مگر
اس کے ساتھ ہی اس رشتے کی کچھ ذمے داریاں بھی ہیں جو کہ تم پر نبھانا فرض ہے۔ بیٹا!
لائف کچھ دو کچھ لو کے اصول پر چلتی ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ بانٹنا، ایک دوسرے کے
محسوسات بانٹنا، ایک دوسرے کی خوشیوں کو بانٹنا اور سب سے بڑھ کر محبت بانٹنا۔ محبت سے
یقیناً دل فتح کئے جا سکتے ہیں۔"

اسے لگا جیسے بابا اس کے روبرو بیٹھے بول رہے ہوں۔ بہت سا پانی اس کی آنکھوں سے دبے پاؤں باہر نکلنے لگا۔ تایا ابا نے اس کے سر پر ہاتھ دھر دیا۔

''بیٹا! یہ گھر تمہارا ہے۔ سب افراد تمہارے اپنے ہیں۔ یہاں خود کو اجنبی تصور مت کرو۔ حسن بہت محبت کرنے والا تھا۔ اور میں جانتا ہوں وہ گر تم میں بھی موجود ہو گا۔ بیٹا! میری خاطر، حسن کی خاطر کیا تم یہ سب نہیں کرو گی؟ برسوں بعد یہ جمی برف پگھل سکتی ہے۔ یہ دو گھروں کے درمیان حائل دیوار گر سکتی ہے، بس فقط ذرا سی سمجھ داری کی ضرورت ہے۔ تم اس گھر میں اتنی ہی آزاد ہو جتنے کے دیگر بچے۔ کوئی پابندی نہیں ہو گی تم پر۔ بس مان قائم و دائم رکھنا۔ جو چاہو کر سکتی ہو، جتنا چاہو پڑھ سکتی ہو، اس سے متعلق اُس نالائق سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم یہ اجازت تمہیں خود دیتے ہیں۔ مگر بیٹا! اس کی حقیقت کو سمجھو اور قبول کرو۔ تمہارا فرض ہے۔ شوہر مجازی خدا ہوتا ہے۔ شادی جیسے بندھن میں بندھ کر اس کی مرضی پر چلنا بیوی کی ذمے داری ہے۔ لوٹے گا تو اس کے بھی کان کھینچوں گا۔ اسے یقیناً ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مگر یہ گھر بھی پرایا نہیں۔ سسرال سے زیادہ ددھیال ہے تمہارا۔''

وہ سر جھکائے بیٹھی رہی۔

''بیٹا! کیا سب کی طرح ہم سے بھی خفا ہو؟'' انہوں نے اس کے جھکے سر کو دیکھ کر یکدم پوچھا۔ وہ چونک پڑی۔

''جی...... جی نہیں۔'' اس نے مدھم لہجے میں کہتے ہوئے سر یکدم نفی میں ہلایا۔

''کب سے یونیورسٹی جانا چاہتی ہو؟''

''جی، کل صبح سے۔''

''او کے۔ میں ڈرائیور سے کہہ دوں گا۔ وہ تمہیں چھوڑ بھی دے گا اور واپسی پر پک بھی کر لے گا۔''

''تایا ابا میں...... میں اپنی پارٹ ٹائم جاب بھی جاری رکھنا چاہتی ہوں۔'' اس نے سر اٹھا کر مضبوط لہجے میں کہا۔ اکبر صاحب اسے دیکھتے رہ گئے، پھر پُر خیال انداز میں اثبات میں سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے، جیسے تم خوش رہو۔'' اس کے ذہن بٹنے کے خیال سے شاید وہ بولے تھے اور وہ جواباً سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔

''شکریہ تایا ابا، بہت شکریہ۔'' آنکھیں جانے کیوں پھر نمی سے بھرنے لگیں۔

''تمہاری دادی اماں کہہ رہی تھیں، عمر نے فون کیا تھا۔ وہ تمہیں لینے آ رہا ہے۔ تیار ہو جاؤ جا کر۔'' انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''جی بہتر......'' وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ دل کے اندر دھیرے دھیرے کہیں اطمینان کی لہر اتر رہی تھی۔ جینے کا ایک نیا عزم سر اٹھا رہا تھا۔

زندگی کرنے کو عمر پڑی تھی ابھی۔

اور وہ حوصلہ مند بھی تھی۔

✿......✿

اِک ادھورے عشق کا قصہ چھڑا اور شام کچھ ڈھلنے لگی
گھر کا گھر پرچھائیوں سے بھر گیا اور شام کچھ ڈھلنے لگی
موسمِ سرما کی ڈھلتی آخری بے رنگ سی شاموں کے بیچ
زخم مہکے، درد سا دل میں اٹھا اور شام کچھ ڈھلنے لگی

زندگی ہر طرف رواں دواں تھی۔ ہر سو گہما گہمی تھی، رونق تھی، رنگ تھے۔ خاموشی تھی تو فقط اس گوشۂ دل میں۔ ذہن و دل پر ایک ہی ہستی کا خیال طاری تھا۔ اس نے بارہا خود کو بری الذمہ قرار دیتے ہوئے اس خیال کو جھٹکنے کی کوشش کی تھی، اپنا دامن بھی چھڑانا چاہا تھا، خود کو لاتعلق کرنا چاہا تھا، مگر۔ ہر شے جیسے باطل ہو گئی تھی، سب کوششیں عبث تھیں۔ جیسے سب کچھ ناکامی کے رستے پر جا کر ختم ہوا تھا۔

دل بہلانے کو ہزار رنگ تھے، کئی بہانے تھے۔ مگر دل جیسے ایک ڈگر پر تھم سا گیا تھا۔

کرنل ہاشم کے ہاں آج وہ تقریب میں مدعو تھا۔

زندگی کرنے کے کئی سامان تھے۔

کئی چہرے تھے۔

کئی منظر تھے۔

اور وہ خالی خالی ان رنگوں کو کتنی ہی دیر دیکھتا رہا تھا۔ خود کو بہت کوشش کی تھی وہاں مگن کرنے کی مگر ہر تدبیر ناکام ہو گئی تھی۔

''کیا ہے یار! کہاں گم ہو؟ کیا بھابی یاد آ رہی ہیں؟'' کیپٹن حارث نے مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا۔ وہ چونکا تھا، پھر یکدم مسکرا دیا تھا۔

''ہم دیکھ رہے ہیں، جب سے یہ حضرت زوجہ محترمہ کو پیارے ہوئے ہیں تب سے کچھ کھو سے گئے ہیں۔'' میجر عامر کی رائے بڑی مفصل تھی۔ وہ ماسوائے مسکرانے کے کوئی جواب نہ دے سکا تھا۔

''یار! اُداس ہونے کی کیا بات ہے۔ بھابی کو یہیں بلوا لو۔'' کیپٹن حارث نے لقمہ دیا تھا۔ سب ہنس دیئے تھے اور وہ مسکراتے ہوئے سرنفی میں ہلانے لگا تھا۔ تبھی کیپٹن عبداللہ گویا ہوا تھا۔

''اللہ بخشے میری دادی اماں کہا کرتی تھیں بلکہ ایک حکایت سنایا کرتی تھیں اس بابت۔ کسی لڑکے کی منگنی ہوگئی، اس نے بہت شوق سے اپنے ایک بزرگ دوست کو خوشخبری سنائی۔

''بابا جی میری منگنی ہوگئی ہے۔''

بابا جی نے سنا اور فرمایا۔ ''چل میرے توں گئیوں۔ (مجھ سے گئے)''

پھر ان موصوف کی مایوں ہوئی۔ یہ خبر بھی بڑے ہی شوق کے ساتھ ان بزرگ دوست تک منتقل کی۔

''بابا جی میری مایوں ہوگئی۔''

بابا جی نے سنا اور بڑی رسانیت سے کہا۔ ''چل یاراں توں وی گئیوں۔ (دوستوں سے بھی گئے)''

پھر وہ دن بھی آن پہنچا جب ان حضرت کی شادی بھی انجام یہ خبر بھی بڑے بھرپور شوق اور سرخوشی کے عالم میں ان بزرگ دوست تک منتقل کی۔

''بابا جی میری شادی ہوگئی۔'' یہ سن کر بابا جی نے اس نوجوان کو بہت خاموشی سے دیکھا، پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بڑے ہی تھکے ہوئے انداز میں گویا ہوئے۔

''چل اپنے آپ توں وی گئیوں۔ (خود سے بھی گئے)''

ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا اور جیسے محفل زعفران زار ہوگئی تھی۔

اعصار شیخ مسکراتے ہوئے اس ماحول میں خود کو موجود رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔

''یار عبداللہ! تیری دادی اماں کا سینس آف ہیومر کافی اچھا ہے۔'' میجر عامر نے مسکراتے ہوئے گویا قبول کیا۔

''سیانے صحیح کہہ گئے ہیں بھئی!'' کیپٹن حارث نے اسے شوخ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میری کچھ طبیعت ٹھیک نہیں۔'' اس نے بروقت بہانہ تراشا۔

''یار! بیماریٔ دل سے بڑا مرض کوئی نہیں۔ سن رکھا ہے ہم نے بھی۔'' کیپٹن عبداللہ نے پھر حملہ کیا تھا اور وہ مسکرا دیا تھا۔ پھر کچھ ہی دیر بعد وہ سہولت سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ دور تک ویرانی ہی ویرانی تھی، خاموشی ہی خاموشی تھی۔ انتہائی سرد فضا تھی۔ وادی کا حسن اپنے عروج پر تھا۔ مختلف پیڑوں کی مخصوص خوشبو ہوا میں تھی۔ ماحول معطر تھا۔ سیاہ تاروں بھرے آسمان کی پیشانی پر جگمگاتا چاند جانے کیوں بہت خاموش تھا۔ اور وہ......

یونہی چل پڑا تھا۔

ہوا سنگ تھی۔

خوشبو ساتھ تھی۔

چاند ہم قدم تھا۔

اور وہ یاد کی اُنگلی تھامے چلنے لگا تھا۔

ایک کھڑکی ہے
ایک چہرہ ہے
ٹوٹا شیشہ ہے
گرتی شبنم ہے
وہ تو دن رات میری آنکھوں میں ہے
کیا اب بھی میں اس کے رستوں میں ہوں؟

اردگرد کی معطر فضا پُرفسوں ہونے کے ساتھ ایک سوگواری کا رنگ لئے ہوئے تھی جیسے ہر منظر اس کے دل جیسا تھا۔

ایک سیڑھی ہے
ایک رستہ ہے
کوئی اپنا ہے
یا کہ سپنا ہے!
وہ تو دن رات میری آنکھوں میں ہے
کیا اب بھی میں اس کے رستوں میں ہوں؟

یاد کے کتنے خشک پتے اس کے پیروں تلے تھے۔ سرسراتی ہوا میں کتنے سوالوں کی چبھن تھی۔ اور اس کے لبوں پر جامد چپ تھی۔ دل سے کیسے کیسے سوال ابھر رہے تھے۔ کیسی کیسی تمناؤں کا مسکن دل میں تھا۔

اور دل...... دل کیسا چپ سا تھا!

......

کائنات اور عاطف ہنی مون ٹور پر جا رہے تھے۔ جانے سے پہلے اس نے فون کیا تھا۔

اماں فون پر کئی ہدایتیں جاری کر رہی تھیں۔ مژگان اور رہبان عالم شاہ قدرے فاصلے پر متواتر ان کی گفتگو سے محظوظ ہو رہے تھے۔

''بھابی! بائی دی وے آپ لوگوں نے ہنی مون پیریڈ کہاں گزارا تھا؟'' اعیان مسکراتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

مژگان یکدم ہی چونکی تھی۔ بوکھلاہٹ میں پہلے اعیان کی سمت دیکھا تھا پھر بلا ارادہ نگاہ رہبان عالم شاہ سے جا ٹکرائی تھی اور دوسرے ہی پل وہ نگاہ جھکا گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے اس کے چہرے پر رنگوں کی ایک قوسِ قزح دیکھی تھی، پھر وہ مسکرایا تھا۔ ''یار! ہم نے اپنے بجٹ کو دیکھتے ہوئے اس رسم کو پھر کبھی پر ڈال دیا تھا اور زیادہ انہی محترمہ کی طرف سے تھا۔ حالانکہ میں نے آفر بھی کی تھی۔'' رہبان نے مسکراتے مژگان کی طرف دیکھا۔

مژگان اسے دیکھ کر رہ گئی۔ کیسی شرارت ہویدا تھی اس شخص کی نگاہوں سے۔

وہ دوسرے ہی پل نگاہ پھیر کر اماں کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''کتنے کنجوس ہیں آپ دونوں۔'' اعیان کو سراسر حیرت نے آن گھیرا تھا۔

''ظاہر ہے، کچھ مستقبل کے لئے بھی تو سیونگ کرنا مقصود تھی۔'' رہبان عالم شاہ کا بہت غیر متوقع تھا۔

دوسری طرف اماں مسلسل مصروف تھیں۔

''ہاں، سب ٹھیک ہیں۔ ہاں اپنی بھابی سے بات کرو۔'' انہوں نے مژگان کے متعلق کر اس کی سمت دیکھا۔ ''آؤ پتر! بات کرلو کائنات سے۔'' اور مژگان کو وہ لمحہ غنیمت لگا اٹھی اور فون اسٹینڈ کی طرف بڑھ گئی۔ اماں رہبان عالم شاہ کی طرف آ گئیں۔

''جا رہا ہے تو آج پھر؟'' اماں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے افسردگی سے دریافت

''جی ہاں۔ اگرچہ دل تو نہیں چاہ رہا آپ سب کو چھوڑ کر جانے کو۔ مگر مجبوری ہے۔ بے فکر رہیے، چکر لگاتا رہوں گا۔'' مژگان کو ایک نگاہ دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ وہ کا سے بات کرتی ہوئی کسی بات پر مسکرا رہی تھی۔ اس کی نظر جانے کیوں الجھنے لگی۔

''وہ تو اب آپ کی مجبوری ہے۔'' اعیان نے اس کی نگاہوں کا تعاقب کرتے جیسے اسے جان لیا۔

''آں...... ہاں...... کیا مطلب؟'' رہبان عالم شاہ کچھ سمجھے بغیر چونکا۔ اعیان یکا کھلکھلا کر ہنسنے لگا۔

''پہلی بار آپ کو جاتے ہوئے اتنا افسردہ دیکھا ہے۔ شاید آپ کو بھی یہ دکھ پہلی بار ہو رہا ہے۔'' اس کا انداز بہت معنی خیز تھا۔ رہبان عالم شاہ لب بھینچ کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ وہ چہرے کا رخ پھیر کر سیٹی پر شوخ سی دھن بجانے لگا تھا۔

اماں نے آواز دے کر ملازمہ کو بلایا تھا۔ ''بشیراں...... اے بشیراں!''

''جی چوہدرائن جی!'' بشیراں دوسرے ہی لمحے حاضر تھی۔

''او میرے پلنگ دے نال والے دراز وچ کچھ ڈبے پئے نے زیوراں دے۔ چھیتی نال کڈ لیا۔'' انہوں نے چابی تھماتے ہوئے ہدایت کی۔ ملازمہ سر ہلاتی ہوئی واپس مڑ گئی۔

''مژگان خود ہی ضد کر رہی ہے۔ ورنہ تو میں چاہ رہی تھی وہ تمہارے ساتھ جائے۔ تمہاری بھی فکر رہے گی۔ تمہاری دیکھ بھال کون کرے گا؟'' اماں کو دوسری طرف کی فکر تھی۔

''اوہ میری بھولی اماں! یہ اب کوئی بچے تھوڑی ہیں۔ خیر سے گبھرو جوان ہیں، چھ فٹ سے زیادہ لمبے اور چوڑے۔ اپنی دیکھ بھال خود بھی کر سکتے ہیں۔ ہے نا بھائی؟''

''تم پٹ جاؤ گے میرے ہاتھوں۔'' رہبان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ ہنسنے لگا تھا۔

''پھر بھی مجھے فکر تو رہے گی ناں۔'' اماں بیٹے کی شرارت سمجھے بغیر گویا ہوئیں۔

''نہیں اماں، ایسی بات نہیں۔ آپ بے فکر رہیے۔'' رہبان نے اعیان کو ایک مصنوعی پنچ لگاتے ہوئے اماں کی طرف دیکھا۔

''آہ......!'' اعیان کراہ کر رہ گیا۔

''ہاں اماں! آپ بے فکر رہیے۔ فکر کرنے کے دن تو اب بھابی کے شروع ہونے والے ہیں۔'' اعیان نے بے ساختہ ہنستے ہوئے ایک بار پھر حملہ کیا تھا۔

اماں اب کے اس کی شرارت سمجھتے ہوئے مسکرا دی تھیں۔ رہبان عالم شاہ بھی مسکراہٹ پر قابو پائے بغیر مسکرا دیا تھا۔

''اچھا خاصا شریف بندہ ہوں۔ اور سب سے بڑی بات بیگم کے اعتماد کی سند رکھتا ہوں۔''

''آپ کا سند یافتہ ہونا کوئی خاص معنی نہیں رکھتا۔ آج کل ہر سند یافتہ شے کو بھی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے۔ کیونکہ کسوٹی کے پیمانے تبدیل ہو گئے ہیں۔'' اعیان نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور وہ ہنس دیا تھا۔

''یہ کیا کسوٹی کسوٹی کا کھیل کھیلا جا رہا ہے؟'' تبھی مژگان فون رکھ کر ان کی جانب پلٹی تھی۔

''کچھ نہیں، چھوڑو تم ان دونوں کو۔ ادھر آؤ، میرے پاس بیٹھو۔'' اماں نے اسے محبت سے اپنے پاس بلایا۔ وہ ان دونوں کی جانب تکتی ہوئی اماں کے قریب بیٹھ گئی۔ اعیان کی مسکراتی نگاہوں میں رشک کا واضح عنصر موجود تھا۔ تبھی بشیراں اندر داخل ہوئی۔

''یہی ناں چوہدرائن جی؟'' زیورات کے مختلف سائز کے چھوٹے بڑے ڈبے دکھاتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں ہاں، یہی ہیں۔'' اماں نے سر ہلایا۔ مژگان سمیت دونوں مرد حضرات بھی پُرشوق نظروں سے اماں کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''یہ کیا ہے اماں؟'' مژگان نے اماں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اماں نے جواب دیئے بغیر مسکراتے ہوئے ایک چھوٹا ڈبہ کھول کر پہلے سونے کی چوڑیاں نکالیں، پھر دوسرا ڈبہ کھول کر بہت یونیک ڈیزائن کے کنگن نکالے اور اس کی کلائی تھام کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

''ہمارے یہاں گاؤں دیہاتوں میں وہائی وری (شادی شدہ) لڑکیاں اس طرح خالی ہاتھ منہ نہیں پھرتیں۔ کتنے دنوں سے دیکھ رہی تھی میں، عجیب سا لگ رہا تھا مجھے۔ زیورات پہننے کا رواج شہر میں نہیں ہو گا مگر یہاں یہ بہت ضروری ہے۔ دیکھنے والے لوگ سو سو باتیں بناتے ہیں۔''

پہلے کنگن، پھر بارہ سونے کی چوڑیاں اور پھر کنگن ایک کلائی میں پہنانے کے بعد اماں نے کلائی کو بغور تھام کر دیکھا۔ وہ مسکراتی ہوئی انہیں تکتی رہی۔

''دیکھو، اب لگ رہی ہو نا اچھی۔ چلو دوسری کلائی کرو آگے۔'' اماں کا اصرار عجیب تھا۔ وہ مسکرا دی پھر بنا تامل دوسری کلائی آگے کر دی۔ اماں اپنا شوق پورا کرنے لگیں۔

''مانا تجھے شوق نہیں، پر میرے دل کی رضا سمجھ کر پہنے رکھنا اسے۔ تیرا تو شوہر بھی کورا ہے۔ یہاں تو شوہر آپ سجنے سنورنے کو اصرار کرتے ہیں۔'' اماں نے اب کے سارا الزام رہبان عالم شاہ کے سر دھر دیا۔ جہاں وہ مسکرایا وہیں اعیان کا قہقہہ پڑا۔ رہبان خجل سا ہو کر رہ گیا۔ مژگان مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔ رہبان عالم شاہ نے بغور دیکھا۔

''خود سے اقدامات کرو تو مجھے تو نہ شرمندہ ہونا پڑے۔'' رہبان نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا۔

''آپ نے تو کبھی اصرار نہیں کیا۔'' کیسا بروقت جوابِ شکوہ تھا۔ وہ کہہ کر اماں کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ رہبان عالم شاہ کتنے ہی لمحے اس کی جانب دیکھتا رہا تھا۔

''بھابی! کیا پتہ آپ بھائی جان کو یونہی اچھی لگتی ہوں۔ سادگی میں بھی تو حسن پوشیدہ ہوتا

ہے۔'' اعیان نے مسکراتے ہوئے ٹکڑا لگایا۔

''اے رہنے دو۔ یہ سب ضروری ہوا کرتا ہے۔ یوں سر جھاڑ منہ پہاڑ کوئی نہیں رہتا۔ دیکھو اب کتنی سوہنی لگ رہی ہے۔'' دونوں بغور اسے دیکھ رہے تھے۔ اماں نے اس کے کانوں میں ننھے منے آویزے پہنائے۔ وہ ایک خوبصورت رِنگ کو بغور دیکھنے لگی۔

''معلوم ہے، یہ مجھے میری ساس نے پہنائے تھے۔ یہ رِنگ جو تم اس گھڑی دیکھ رہی ہو، یہ ہماری خاندانی رِنگ ہے۔ میری ساس کو ان کی سسرال کی طرف سے ملی تھی اور ان کی ساس کو ان کی سسرال سے۔ یہ نسل در نسل منتقل ہوتی ہوئی تم تک پہنچی ہے۔ رہبان سے کہو اسے وہ تمہیں خود پہنائے۔ یہ رسم چلتی آ رہی ہے۔''

وہ یکدم ہی سر اٹھا کر رہبان عالم شاہ کی طرف دیکھنے لگی۔

اماں اس کے گلے میں پینڈنٹ پہنا رہی تھیں۔

''کیسی لگ رہی ہوں؟'' وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

رہبان عالم شاہ بغور دیکھنے لگا۔

''بھابی! آپ نے ایک صحیح اور مناسب سوال کیا ہے۔ مگر غلط وقت پر پوچھا ہے۔'' رہبان نے بہت شرارت بھرے انداز میں دونوں کو دیکھا تھا۔ رہبان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا، پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہوں، اچھی لگ رہی ہو۔ اماں کی بات مانو گی تو یونہی اچھی لگتی رہو گی۔'' جملہ خاصا پُرکیف تھا۔ وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ پھر اماں کے کہنے پر اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی تھی۔

''رسم کے طور پر اسے پہنا دیجئے۔'' کتنا ذومعنی جملہ تھا۔ شاید مژگان کو خود بھی اس گھڑی احساس نہ تھا۔ رہبان عالم شاہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ ہاتھوں میں ایک قیمتی رِنگ لئے اسے منتظر نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے بغور اسے دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ کو دھیرے سے تھاما تھا، پھر دوسرے ہاتھ سے رِنگ تھامی تھی۔ اس گھڑی وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھی۔ اس کی گرفت میں موجود اپنے ہاتھ پر نظریں جمائے تھی۔ شاید یہ جان بوجھ کر تھا۔ رہبان عالم شاہ نے اپنے ہاتھ میں تھمے اس کے ہاتھ کو بغور دیکھا تھا۔ چوڑیوں سے بھری کلائیاں قابلِ دید تھیں۔ وہ اس گھڑی واقعی حسین لگ رہی تھی۔ زیورات نے اس کے حسن کو بناکسی اور سنگھار کے ایک قیمتی دلکشی عطا کر دی تھی۔ اس کا چہرہ اس گھڑی دمک رہا تھا۔ شاید اس کی نظروں کی حدت

سے! رہبان عالم شاہ نے محسوس کیا تھا، اس کا ہاتھ سرد تھا اور واضح انداز میں کپکپا
یقیناً وہ فقط اماں کی خوشی کی خاطر اس گھڑی اس کے مقابل تھی۔ رہبان نے بہت
سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے رِنگ اس کی انگلی میں پہنائی تھی۔

''بھائی صاحب! شاید آپ کو معلوم نہیں، رِنگ داہنے ہاتھ میں نہیں، بائیں ہاتھ
انگلی میں پہنائی جاتی ہے تاکہ دل کا تعلق مزید مضبوط ہو جائے۔'' اعیان نے بتا
ہوئے وضاحت کی۔

رہبان عالم شاہ چونکا، پھر مژگان کی سمت دیکھا۔ وہ ایک نگاہ اس کی سمت ڈالتی
چرا گئی۔ جانے کیوں اس گھڑی رہبان عالم شاہ نے بجائے اس کا ہاتھ چھوڑنے
اس کی اُنگلی سے بہت آہستہ سے نکالی اور اس کے بائیں ہاتھ کو تھام کر تیسری انگلی
کر ڈالی۔

''بھابی! جب بھائی نے آپ کو انگیج منٹ رِنگ پہنائی تھی، اُس گھڑی بھی آپ
یونہی فق ہو رہا تھا؟'' اعیان نے اس کے چہرے کی اُڑی اُڑی رنگت کو دیکھتے ہوئے
ہوئے کہا تھا۔ مژگان یکدم ہی چونک پڑی تھی۔ رہبان عالم شاہ شاید مروتاً مسکرا
گھڑی۔ ساتھ ہی اس کے ہاتھ کو بغور دیکھا تھا۔

''رِنگ تو واقعی خوبصورت ہے۔ اماں! آپ نے ہمیں نہیں دکھائی کبھی پہلے۔''
معمول کے ایک واقعے کا رنگ دینے کے درپے تھا۔ مژگان نے یکدم ہی اپنا ہاتھ
گرفت سے نکالا تھا۔

''اوہو! آپ کی پیکنگ کر دوں میں۔ میں تو بھول ہی گئی تھی آپ کو واپس بھی پلٹ
وہ کہہ کر فوراً ہی پلٹی تھی اور کمرے سے نکل گئی تھی۔ رہبان عالم شاہ کی نظروں ۔
کیوں تادیر اسے دیکھا تھا۔

''میں تو بھول ہی گئی تھی کہ آپ کو واپس بھی پلٹنا ہے۔'' اس کے جملے کی بازگشت
کیوں ذہن میں گونجتی رہ گئی تھی۔

⭘......⭘

کتنے دن بیت گئے تھے مگر اس کی آنکھیں ابھی تک یونہی جل تھل تھیں۔ سب
کے بعد جب وہ امی کی طرف بڑھی تھی تو سارے منظر کتنے دھندلے تھے۔

''کیوں آپ نے میرے لئے اتنی کڑی سزا تجویز کی؟ کیوں آپ نے مجھے
دے دیا؟ کیوں مجھے اس طرح گھر بدر کر دیا؟'' ان سے لپٹ کر وہ دھواں دھار رو

''ادعیہ پلیز، چپ ہو جاؤ۔'' شجاع نے بہت مدھم انداز میں کہا تھا۔ امی نے اپنے ضبط
کو آزماتے ہوئے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے تھے مگر پانی پھر بھی پلکوں کے بند توڑ کر باہر بہہ نکلا
تھا۔ کتنی ہی دیر وہ یونہی روتی رہی تھی۔ امی نے اسے یونہی ساتھ لگائے رکھا تھا۔ پھر کتنی ہی
دیر بعد جب وہ اندر کا تمام غبار دھو چکی تھی تب امی نے اسے خود سے علیحدہ کیا تھا۔

''تم اعصار شیخ کے ساتھ کیوں نہیں گئیں؟'' بہت عجیب سوال تھا۔ وہ نظریں نہ ملا سکی۔
یکدم ہی دوسری سمت دیکھنے لگی۔

''ادعیہ! تمہیں اب وہیں رہنا ہے بیٹا! خود کو اس تمام صورتحال سے نبرد آزما ہونے کے
لئے تیار کرو۔ اب وہیں زندگی ہے تمہاری، ماں باپ کے گھر سے رخصت ہونے کے بعد
شوہر ہی سب کچھ ہوا کرتا ہے۔ تم کیوں مسلسل اسے نظر انداز کر رہی ہو چندا! اب بچی نہیں
ہو تم۔ حقیقت کا سامنا کرنا سیکھو، تبھی جینے کے قابل ہو سکو گی۔'' امی نے پُرسکون نظروں سے
اسے دیکھا تھا۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔

''امی! میں اس شخص کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی۔'' اس نے سسکی بھری تھی۔

''اس سے کیا فائدہ ہوگا، تم جانتی ہو؟ صورتحال اس سے مزید کشیدہ ہوگی۔ کوئی فائدہ
نہیں ہوگا۔ نہ ہی آئندہ ہونے والے نقصانات اس کے باعث تھم سکیں گے۔''

''آپ کیوں نہیں سمجھتیں امی۔ یہ زبردستی کا تعلق زیادہ عرصہ قائم نہیں رہ سکے گا۔ مجھے یہ
احساس پل پل مارتا رہے گا کہ.....'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ہونٹ کچلنے لگی۔ بہت سا پانی
آنکھوں میں آن ٹھہرا۔ امی نے اسے رسانیت سے دیکھا۔

''بیٹا! جو ہونا تھا، ہو چکا۔ میں نے اپنی خوشی سے تمہیں اس کے سنگ کیا تھا۔ اس سے
قبل جو بھی ہوا، اسے بھول جاؤ۔ فراموش کر دو۔ بس اتنا یاد رکھو کہ تمہاری یہ رخصتی تمہاری ماں
کا پسندیدہ اقدام ہے۔ میری رضا سے یہ سب ہوا۔''

''کیسے بھول جاؤں امی! کیسے بھول جاؤں کہ آگے کیا ہونے والا ہے۔ حنیف ماموں کی
فیملی کی جانب سے کیا ردِعمل ہونے والا ہے۔ وہ نقصان جس کا احتمال ہی مجھے جینے نہیں دے
رہا، کیونکر اس خدشے کو فراموش کروں؟''

امی نے پُرسکون انداز میں سر ہلایا۔

''خدا ہے نا، وہ سب اچھا کرے گا۔ تم اپنی ڈور اس پر ڈال دو۔ میں نے خود کو ہر وقت
کے لئے تیار کر لیا ہے۔ جو ہوگا بہتر ہوگا۔ یہ سب اتنا عجیب نہیں ہے جتنا تم اسے لے رہی
ہو۔ بلکہ دنیا میں وقوع پذیر ہونے والی کوئی بھی بات اچنبھا نہیں۔ خود کو ہر قسم کی صورتحال کے

لئے تیار رکھنا چاہئے۔ تم سناؤ، سسرال میں تو سب ٹھیک ہے نا؟ سب لوگوں کا رویہ تم
ساتھ کیسا ہے؟'' امی صورت حال کو معمول پر لانے کی کوشش کرتی ہوئی دھیمے سے مسکرا
اس نے انہیں دیکھا، پھر چہرے کا رخ پھیر کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ امی نے اسے
پھر مطمئن انداز میں گویا ہوئیں۔ ''ادعیہ! تم جو چاہتی ہو وہ مزید بے وقوفی کے زمرے
ہے۔ اعصار شیخ سے علیحدگی اختیار کرنے میں اس سے زیادہ بڑھ کر جگ ہنسائی ہو گی
بات کا احساس ہے تمہیں؟''
وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ تبھی وہ گویا ہوئیں۔
''پھر خود سوچو، تم کیا کرو گی۔ کیا انجام ہو گا تمہارا، اور کون قبول کرے گا تمہیں؟ تم
کی معاشرے میں کوئی حیثیت نہیں بیٹا! اور ایک طلاق یافتہ کو تو یوں بھی بد تصور
ہے۔'' امی کہہ کر چپ ہو گئیں۔ ادعیہ سر جھکائے یونہی بیٹھی رہی۔ گویا اب اس شخص
جڑے رہنا ہی اس کی مجبوری تھی۔
امی نے اسے تھام کر ساتھ لگا لیا۔
''میری بچی! چلو اٹھو شاباش، منہ ہاتھ دھو کر آؤ۔ شعاع چائے لا رہی ہے۔ کچھ
سوچو مزید۔ جانتی ہو مجھے دکھ ہوتا ہے۔ جان ہو میری۔ اولاد کا درد بڑا جان لیوا ہوتا
خوش نہیں ہو گی تو میرا دل کبھی مطمئن نہیں ہو گا۔ میں تو خوش تھی، ایک بیٹی اپنے گھر کی
قدرے ذمے داریاں کم ہوئیں، ایک فرض سے سبکدوش ہوئی۔ دل ہولتا رہتا ہے، پتا
اور کتنی سانسیں باقی ہیں۔ دعا کرتی ہوں خدا سے کہ اتنی مہلت تو دے کہ میں اپنی زندگی
اپنے بچوں کو اپنے گھر کا ہوتا دیکھ سکوں۔''
''خدا نہ کرے امی آپ کو کچھ ہو۔ خدا آپ کو ہماری عمر بھی لگا دے۔'' ادعیہ تڑپ
گئی۔ امی دھیمے انداز میں مسکرا دیں۔
''پاگل! ابھی تو جینے کے دن شروع ہوئے ہیں تمہارے۔ ابھی تو بہت سے خوابوں
تعبیر پانا ہے تجھے۔ خدا تجھے ان خوشیوں کو سمیٹنا نصیب کرے۔''
''امی! میں نے تایا ابا سے یونیورسٹی جانے کی اجازت لے لی ہے۔ میں اپنی تعلیم اد
چھوڑنا نہیں چاہتی۔'' اس نے دھیرے سے مدعا بیان کیا۔
''اعصار سے پوچھا تم نے؟'' امی نے ملامت سے دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ وہ سر
گئی۔ امی نے دھیرے سے اس کا چہرہ اٹھایا۔
''بری بات ادعیہ! اب وہ تمہارا مختار کل ہے۔ تم اس کے تابع ہو۔ تمہیں اس کی اطا

کرنا چاہئے۔ کم از کم اسے آگاہ تو کرنا چاہئے۔ بیٹا! تعلقات کی اہمیت اس گھڑی اور بھی
بڑھ جاتی ہے جب ان کے زاویوں کو صحیح نوعیت میں سمجھا جائے۔''
''امی! آپ معاف کر سکتی ہیں سب کچھ۔ میں نہیں۔''
''پھر وہی بحث۔'' امی نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھا۔
تبھی شعاع اندر داخل ہوئی، چائے کے ساتھ بہت سے لوازمات لئے۔
''امی! اس گھر میں دم گھٹتا ہے میرا۔'' ادعیہ تڑپ سی گئی۔ گھر کے در و دیوار پر نگاہ کرتی
ہوئی گویا اپنی بے بسی پر کڑھنے لگی۔
''جاؤ شاباش، منہ ہاتھ دھو لو۔'' امی نے اسے بچوں کی طرح پچکارا۔ مگر وہ یونہی بیٹھی رہی۔
شعاع چائے نکال رہی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلا اطمینان اس کے اندر کی غمازی کر
رہا تھا۔ وہ ہولے سے مسکرا دی۔
''دیکھو میرا کمرہ کس قدر بے ڈھب ہو رہا ہے۔ تم صفائی کا جتنا خیال رکھتی تھیں میں اتنی
ہی کیئرلیس ہوں۔'' ماحول کی کثافت کو کم کرنے کو وہ ہنسی۔ ''رانیہ کہہ رہی تھی، ادعیہ آپی صفائی
کرنے میں بڑی ایکسپرٹ ہیں۔ چار ہی دن میں اپنی سسرال کا صفایا کر دیں گی۔''
ادعیہ کے لبوں پر یکدم ہی مسکراہٹ آ گئی۔
''دیٹس لائک اے گڈ گرل۔'' شعاع مسکرائی۔ ''یہ ہوئی نا اچھے بچوں والی بات۔ کچھ دن
رہو گی تو مزاج خاصے ٹھکانے آ جائیں گے۔'' شعاع نے مسکراتے ہوئے چائے کا کپ اسے
تھمایا۔
''مجھے آج ہی جانا ہے واپس۔''
''اوہ......!'' شعاع نے مسکراتے ہوئے معنی خیز انداز میں دیکھا۔ ''کہاں تو آنے پر
واویلا تھا اور کہاں واپسی پر اصرار ہو رہا ہے۔ حالانکہ وہاں کوئی ''فردِ خاص'' منتظر بھی نہیں۔''
امی کی پرواہ کئے بغیر شعاع گویا ہوئی۔ ادعیہ یکدم ہی جھینپ کر رہ گئی۔
''نہیں، دراصل مجھے صبح یونیورسٹی جانا ہے۔ میں نے امی کو بتایا ہے۔'' ادعیہ نے وضاحت
کی۔ یکدم ہی اس شخص کا احساس دل کی دھڑکنوں کو بڑھا گیا۔
''تو اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ یونیورسٹی تو تم یہاں سے بھی جا سکتی
ہو۔ صاف کہو نا، اپنی سسرال کے بنا دل نہیں لگ رہا۔'' شعاع نے کباب اس کے منہ میں
رکھتے ہوئے چھیڑا تو وہ مسکرا دی۔ ساتھ ہی امی کے خیال سے کباب اپنے ہاتھ سے تھام کر
کھانے لگی۔ حالانکہ دل بالکل بھی نہ چاہ رہا تھا۔ امی کی نظروں میں اسے اس طرح دیکھ کر جو

اطمینان چھلک رہا تھا وہ اس سے پوشیدہ نہ تھا۔

"تم بیٹھو، بہن بھائی باتیں کرو۔ میں ذرا نماز پڑھ لوں۔" امی کہتے ہوئے اٹھی تھیں۔

تبھی رانیہ اندر داخل ہوئی تھی۔ "شعاع آپی! وہ..... وہ فرحان بھائی آئے ہیں۔" اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اطلاع دی تھی۔ تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

شعاع کا دل یکدم ہی بہت تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا۔

کسی شدید نقصان کا احتمال ہی جان لیوا تھا۔

یقیناً کسی خطرے کی گھڑی آن پہنچی تھی!

کوئی طوفان آنے کو تھا۔

روح پر قیامت ہونے کو تھی۔

شعاع اپنی جگہ ساکت سی کھڑی رہ گئی تھی۔ امینہ بیگم اور ادعیہ بھی جیسے خطرے کو بھانپ گئی تھیں۔

"شعاع!" امی نے خود کو یکدم نارمل کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ "بیٹا، تم ڈرائنگ روم میں چلو۔ میں آ رہی ہوں۔"

شعاع یکدم چونکی تھی، پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا اور ساتھ ہی پیش قدمی کر دی تھی۔ امی کی نگاہ ادعیہ سے ملی اور ادعیہ جیسے مجرم سی ہو کر رہ گئی۔ نظریں یکدم ہی جھکتی چلی گئیں۔

"آؤ تم بھی۔" امی نے بہت ہولے سے پکارا۔ اس نے فوراً ہی نفی میں سر ہلا دیا۔

"آپ جائیے، میں ذرا رانیہ سے مل لوں۔" اس کے لہجے میں بہت سے ان کہے جواز بہت واضح انداز میں محسوس ہو رہے تھے۔ امی نے اسے دیکھا تھا، پھر سر ہلاتی ہوئی نکل گئی تھیں۔ ادعیہ کتنی ہی دیر تک یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔

✿.....✿

اعیان عالم شاہ نے پہلے ابا جی کو ان کے کمرے میں دیکھا تھا، پھر ان کو وہاں نہ پا کر سامنے سے آتی ہوئی مژگان سے دریافت کیا تھا۔

"بھابی! ابا جی کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں ہوں گے۔ خیریت؟" مژگان نے جواب دیتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثرات جاننے چاہے۔

"جی۔" وہ دھیمے سے مسکرایا۔ "کچھ کاروباری مذاکرات کرنے تھے۔"

"اپنے کمرے میں نہیں تو پھر اسٹڈی میں ہوں گے۔ تم نے ابھی سے کام شروع کر دیئے۔ ابھی تو مکمل طور پر صحت یاب بھی نہیں ہوئے تم۔" مژگان نے اس کے پلاسٹر زدہ بازو کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

"اب اور کتنا آرام کروں۔ تھک چکا ہوں میں۔ پھر ابا جی کا ہاتھ بھی تو بٹانا ضروری ہے۔ اچھا میں دیکھتا ہوں ابا جی وہاں ہیں یا کہ نہیں۔" وہ کہہ کر اسٹڈی کی سمت بڑھ گیا۔

بہت ہولے سے دروازہ کھولا تھا۔ یکدم ہی کسی کو بوکھلا کر اٹھ کر پردے کی اوٹ میں چھپتے دیکھ کر اپنی جگہ حیران رہ گیا۔ کوئی تھا یہاں اس کی آمد سے قبل اور اس کی اچانک آمد پر لمحہ بھر میں پس پردہ چلا گیا تھا۔

"اے، کون ہے یہاں؟" اعیان عالم شاہ نے مکمل با رعب لہجے میں دریافت کیا۔ دبیز پردے کی اوٹ میں ہلکی سی حرکت ہوئی تھی کوئی کوشش کے باوجود دم سادھے نہ رکھ سکا تھا۔

اگر "چور" تھا تو بہت "کم ہمت" اور بزدل تھا۔ اگر کوئی "سراغ رساں" تھا تو "ناتجربہ کار" تھا اور اگر کوئی "لٹیرا" تھا تو اس گھڑی واقعی اس نے اپنی شامت اعمال کو دعوت دی تھی۔ اس حویلی میں تو کوئی پرندہ بھی بلا اجازت پر نہ مار سکتا تھا، پھر یہ دن دہاڑے کون جرأت مند تھا۔

"کون ہے وہاں؟" اعیان عالم شاہ کی آواز کا ازلی رعب عود کر آیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پیش قدمی کی تھی اور قریب پہنچ کر ایک جھٹکے سے پردہ ایک طرف ہٹا دیا تھا۔ چھپنے والا "چور" پوری طرح ظاہر ہو چکا تھا۔

اعیان عالم شاہ نے بغور دیکھا تھا۔ اپنی چوری پکڑے جانے پر وہ خاصی شرمندہ تھی
شاید ہاتھ میں پکڑی ہوئی موٹی سی کتاب کو فوراً ہی پشت کے پیچھے کر لیا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" اس نے بغور تکتے ہوئے اسے درشت لہجے میں دریافت
سیو نے بڑی ہمت کے بعد ایک نگاہ اس لمبے چوڑے بارعب شخص پر کی، پھر دو
ہی پل نگاہ جھکا گئی۔

"میں نے پوچھا ہے کہ کیا کر رہی تھیں تم یہاں؟ اور یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے
چھپا رہی ہو تم؟" اس نے دو قدم آگے بڑھ کر دریافت کیا۔ سیو کی جان جیسے ہوا ہونے
سوکھے لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے تمام ہمتوں اور حوصلوں کو مجتمع کرنے کی کو
کی۔ چوری کی عادت تو کسی ملازم میں نہ تھی۔ آج تک ایسی کوئی ہمت ہوئی ہی نہ تھی۔
دھان پان سی لڑکی سر جھکائے کیا شے پشت میں چھپائے کھڑی تھی۔

"میں نے تم سے کچھ دریافت کیا ہے؟" اعیان عالم شاہ جیسے اکتا کر گویا ہوا۔

"جی.... جی میں نے کوئی.... کوئی چوری نہیں کی۔" سیو نے ہولے سے نگاہ اٹھا کر ج
دینے کی گستاخی کی۔ اعیان شاہ نے اسے بغور دیکھا۔ فیروزی قمیض، سفید شلوار اور سر پ
دوپٹہ ڈالے وہ بہت معصوم سی صورت لئے گویا اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے درپے
اعیان شاہ نے بلا تامل بڑھ کر اس کی سمت اپنا مضبوط ہاتھ بڑھایا اور پشت کی جانب
ہاتھ ایک جھٹکے سے آگے کر ڈالا۔ صدیق سالک کی "پریشر ککر" ایک ہی جھٹکے میں فرش
پڑی۔ اعیان شاہ نے پہلے آڑی ترچھی پڑی کتاب اور پھر اس کی سمت قدرے حیرانی
دیکھا تھا۔

وہ سر جھکائے ہونٹ کچلتی ہوئی یوں مجرم بنی کھڑی تھی جیسے دنیا میں اس سے بڑا مجرم
اور نہ ہو۔ اس کا ہاتھ بدستور اعیان شاہ کے ہاتھ کی مضبوط گرفت میں تھا۔

"میں..... میں..... تو..... جی....." سیو نے کچھ کہنے کے لئے زبان کھولنی چاہی مگر آنکھ
میں آئے بہت سے پانی نے اسے کچھ کہنے ہی نہ دیا۔ گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا آن
اور وہ بے بسی کے ساتھ ہونٹ بھینچ کر سر جھکا گئی۔ اس کی پل بھر کو اٹھی ہوئی بھیگی آنکھوں
اس کی بے گناہی صاف طور پر ظاہر تھی۔ ان لمحہ بھر کو اٹھی نگاہوں میں جہاں بے بسی تھی، و
ایک دلکشی اور رعنائی بھی تھی۔ اعیان شاہ ساکت سا کتنی دیر یونہی خاموشی سے دیکھتا رہا تھا۔

"مـ..... میں..... چور..... نہیں ہوں جی۔ میں نے کوئی چوری نہیں کی۔" سیو یکدم
بھیگی بھیگی پلکیں اٹھا کر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ کتنا بہت سا ٹھہرا ہوا پانی پلکوں کی با

پھلانگ کر رخساروں پر بہہ نکلا تھا۔

"بے بے کی قسم...... میں نے کوئی چوری نہیں کی۔" اس کے لہجے اور چہرے پر شرمندگی
اور خجالت کے تاثرات بہت بری طرح غالب تھے۔ اس کا ہاتھ بدستور اعیان شاہ کے ہاتھ
میں تھا۔ اعیان شاہ نے بہت دھیرے سے اس کا ہاتھ اپنی گرفت سے آزاد کیا تھا۔ سیو نے
پہلی ہی فرصت میں وہاں سے دوڑ لگا دی تھی۔

اعیان شاہ کی نگاہیں فرش پر پڑی کتاب پر جا ٹھہری تھیں۔

❀.....❀

پھرا ہوں سارے زمانے میں دربدر کیسا
میں تیرے بعد بھی زندہ رہا مگر کیسا
وہ جانتا تھا کہ کچھ روز وہ نہیں تھا تو میں
پکارتا رہا اس کو اِدھر اُدھر کیسا
بس ایک شخص کی خاطر بس ایک دل کے لئے
وطن کو تج دیا دیوانگی میں گھر کیسا

وہ اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی کتنی ہی دیر یونہی خالی خالی نظروں کے ساتھ گاؤں
کے روایتی منظر کو تکتی رہی تھی۔ جانے کیوں اندر تک ایک خالی پن کا احساس ستا رہا تھا۔
حالانکہ کچھ ایسی بے کلی بھی نہ تھی۔ کوئی بظاہر "وجۂ خاص" بھی نہ تھی۔ اس نے ایک تھکی ہوئی
گہری سانس خارج کی تھی۔ تبھی ملازمہ نے آ کر اسے چونکا دیا تھا۔

"دلہن بیگم! تساں نوں چوہدرائن جی بلاندے پئے نے۔"

"او کے...... تم چلو، میں آتی ہوں۔" مژگان نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو ملازمہ پلٹ کر
واپس باہر نکل گئی۔

"دلہن بیگم!" کیسے کیسے القابات تھے۔ اس کے لبوں پر جانے کیوں ایک تبسم لمحہ بھر میں آ
کر ٹوٹ گیا۔ پتہ نہیں وہ اچھا کر رہی تھی کہ برا۔ کسی سے نیکی کر رہی تھی تو کسی کے حق میں یہ
برا بھی تو تھا۔

رہبان عالم شاہ کا "وقار" جہاں بڑھ رہا تھا، وہیں تحمل عباس نقوی کی "جگہ" سمٹتی چلی جا
رہی تھی۔ اس نے بارہا اس نکتے کو ملحوظ خاطر رکھ کر مکمل دیانتداری سے اور مخلصی سے سوچا تھا،
ایسا کر کے وہ ایک لڑکی کے حق پر "نقب" تو نہیں لگا رہی؟ کسی اور کی "جگہ" اتنی جانفشانی
سے سارے "امور" اور "ذمے داریاں" نبھا کر کہیں وہ کسی اور کے لئے جگہ تنگ تو نہیں کر

رہی؟ کہیں اس سے صورتحال پیچیدہ ہونے کے درپے تو نہ تھی؟ وہ کسی کے مقام پر ''فرضی کردار'' نبھا رہی تھی۔ فقط کچھ عرصے کے لئے۔ پھر اس کی اتنی لگاوٹ، اتنی جانفشانی چہ معنی دارد؟ ایک مخصوص مدت کے ختم ہونے پر جب اسے رخت سفر باندھنا پڑتا تب کیا ''جواز'' اختیار کیا جاتا واپسی کا؟ جب وہ سب کے دلوں میں گھر کرنے کے لئے ''گر'' نبھا چکی تھی اور فتح اس کی پیشانی پر اپنی مُہر ثبت کر چکی تھی، تب اگر وہ واپس پلٹنے کو بتاتی، اپنی تنہا واپسی اور علیحدگی سے مطلع کرتی تو کوئی کیا جواز تلاشتا؟

اس نے کئی بار سوچا تھا کہ اس کا رویہ اتنا ''اپنائیت'' سے بھرپور یا لگاوٹ والا قطعی نہیں ہونا چاہئے۔ اسے بہت لئے دیئے انداز میں اس فیملی کے افراد سے ملنا چاہئے۔ بہت نارمل انداز میں، ایک فاصلے کے ساتھ، قدرے سرد مہری کے ساتھ۔

اتنی چاشنی کو مزاج کا حصہ نہیں بنانا چاہئے۔ مگر شاید یہ اس کے لئے اس لئے بھی ناممکن تھا کہ وہ کسی کے ساتھ بھی سرد مہری نہیں برت سکتی تھی۔ ایسا اس کے مزاج میں شامل ہی نہ تھا۔ اور تب تو وہ کوئی ''لائحہ عمل'' تیار کرنے کے متعلق کچھ سوچ بھی نہ سکی تھی۔ سب کچھ ہوا بھی تو اچانک ہی تھا۔ بالکل غیر متوقع طور پر۔ پتہ نہیں اب کیا ہونا تھا اور کس طور ہونا تھا۔

ویسے ''چھوڑنے'' کے لئے اور ''قطع تعلق'' کرنے کے لئے کسی ''جواز'' کے ہونے کی یا بتانے کی ضرورت تو کبھی پیش نہیں آتی۔ بہت سے کامیاب رشتے، بہت سے کامیاب تعلق اپنی نہج پر چلتے چلتے یکدم ہی رُک بھی تو جاتے ہیں۔ رستے رُک بھی تو جاتے ہیں۔

کسی کو ''راستہ'' بدلتے دیر تو نہیں لگتی۔ بس لمحوں میں فاصلے طے بھی تو پا جاتے ہیں۔ ''رواداریاں'' نبھانا کچھ اتنا ضروری بھی نہیں۔ ذاتی ''مفادات'' بھی تو ''اہمیت'' کے حامل ہوتے ہیں۔ ضروری تو نہیں سبھی ''جواز'' پوچھنے والوں کو بتائے جائیں۔ بات اپنی خواہش کی ہو تو کون دوسری سمت دیکھتا ہے۔ ذاتی مفاد کے لئے کوئی کسی دوسرے کے لئے سوچتا بھی کب ہے؟ بات ساری یہ تھی کہ ابھی تک اس کا ''ذاتی مفاد'' کہیں شامل نہ تھا۔ اس لئے وہ اتنی گہرائی میں جا کر سوچ رہی تھی اور خود کو ہلکان کر رہی تھی۔ ورنہ کون کسی ''دوسرے'' کے لئے اپنی جان ''جوکھوں'' میں ڈالتا ہے۔ کون خود کو پرائی آگ میں جلاتا ہے۔ کون خود کی نفی کرتا ہے۔

''اوہ!'' وہ یکدم ہی چونک کر مڑی تھی۔ کب سے اسے اماں نے بلایا ہوا تھا اور وہ اب تک خود میں الجھی ہوئی یہیں کھڑی تھی۔ اس نے خجل ہوتے ہوئے تیزی کے ساتھ قدم باہر کی سمت بڑھا دیئے تھے۔

''بھابی بیگم! ذرا آہستہ۔ بھائی صاحب یہاں موجود نہیں ہیں۔ خدانخواستہ گر گئیں تو سنبھالے گا کون؟'' اسے تیزی سے چلتے دیکھ کر کوریڈور کے سرے پر کھڑے اعیان شاہ نے مسکراتے ہوئے جملہ کسا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرائی تھی۔ رکی نہیں تھی۔ اور سیدھی اماں کے پاس آ گئی تھی۔

''جی اماں!...... آپ نے مجھے بلایا تھا؟''

''آؤ میری پتر! بچوں کی صورت نہ دیکھوں تو جی ہولنے لگتا ہے۔ یہ ماں ہونا بھی عجیب ہوتا ہے۔ دل جیسے بچوں کے ساتھ بندھا سا رہتا ہے۔ کچھ سجھائی ہی نہیں دیتا۔'' اماں نے اسے اپنے سامنے بٹھا کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر محبت سے دیکھا۔ وہ مسکرا دی۔

''اعیان کو بھی کہیں ٹھکانے لگا دوں تو تم دونوں کے پاس وہیں شہر آ بسوں گی۔ اب نہیں جی لگتا تم لوگوں کے بغیر۔''

''ہم بھی تو آپ کے بنا نہیں رہ سکتے۔'' مژگان نے جواباً مسکرا کر انہیں دیکھا۔

''اُداس تو نہیں ہوئی میری بچی؟''

مژگان نے ان کے سوال پر سر اٹھا کر انہیں دیکھا، پھر مسکرا دی۔ ''اماں! آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ کوئی بھلا اپنے ہی گھر میں اُداس ہو سکتا ہے؟''

''پیا بنا آنگن سونا، سیانے کہتے نہیں ہیں کیا؟'' اماں نے اس کے چہرے کو ہاتھ میں لے کر مسکراتے ہوئے کہا تو وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

''چہرہ کیسا کملایا سا ہے۔ بچوں کے دل کا احوال ان کے چہروں پر درج ہوتا ہے۔ منہ سے نہ بھی کہیں تو ماں کی نگاہ پڑھنے سے قاصر نہیں ہوتی۔ سچ بتا، یاد تو آ رہا ہے نا وہ نالائق؟'' اماں کا انداز ایسا تھا کہ وہ یکدم ہی مسکرا دی۔ چہرے پر یکدم ہی رنگوں کی بہار سی آ گئی۔ ایک ''ذکر'' میں کیسا کمال تھا۔

''پہلی بار کی جدائی ایسی ہی ہوتی ہے۔'' اماں جانے کیا سمجھ رہی تھیں اور وہ سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی تھی۔

''فرق'' تو وہاں پڑتا ہے جہاں کوئی ربط بنا ہو۔ کوئی تعلق درمیان میں موجود ہو۔

اماں جانے کیا سمجھ رہی تھیں۔ کیا وہ واقعی کامیاب ''ایکٹنگ'' کر رہی تھی؟ کیا وہ اس قدر مہارت سے اپنے کردار کو نبھا رہی تھی کہ سارے منظر ''حقیقت'' کا رنگ لگنے لگے تھے۔ یا پھر واقعی اس کے چہرے پر کچھ تھا۔

"پتر، کیا ہوا؟" اماں نے اسے چپ دیکھ کر فکرمندی سے دریافت کیا تھا۔ وہ یکدم ہی چونکتے ہوئے مسکرائی تھی اور پھر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"آیئے، باہر لان میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔"

"تو پہلے رہبان سے فون پر بات کر لے۔" اماں نے فوراً مشورہ دیا۔

"وہ بھی ہو جائے گی۔ پہلے آپ اٹھئے فوراً۔" اس نے مسکراتے ہوئے انہیں ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا۔

"ہا...... ہائے، پتر رُکو تو۔" اماں نے کہا۔ مگر وہ مسکراتی ہوئی انہیں لے کر لان کی سمت بڑھنے لگی۔

✿......✿
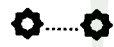
میں آڑے ترچھے خیال سوچوں
کہ بے ارادہ کتاب لکھوں
کوئی شناسا غزل تراشوں
کہ اجنبی انتساب لکھوں
گنوا دوں اک عمر کے زمانے
کہ ایک پل کا حساب لکھوں
میری طبیعت پہ منحصر ہے
میں جس طرح کا نصاب لکھوں
یہ میرے اپنے مزاج پر ہے
عذاب سوچوں، ثواب لکھوں
طویل تر ہے سفر تمہیں کیا؟
میں جی رہا ہوں مگر تمہیں کیا؟
مگر تمہیں کیا کہ تم تو کب سے
مرے ارادے گنوا چکے ہو
جلا کے سارے حروف اپنے
مری دُعائیں بجھا چکے ہو
میں رات اوڑھوں کہ صبح پہنوں
تم اپنی رسمیں اٹھا چکے ہو

سنا ہے سب کچھ بھلا چکے ہو
تو اب میرے دل پہ جبر کیسا
یہ دل تو حد سے گزر چکا ہے
گزر چکا ہے مگر تمہیں کیا
ٹھہر چکا ہے مگر تمہیں کیا
خزاں کا موسم ٹھہر چکا ہے
مگر تمہیں کیا کہ اس خزاں میں
میں جس طرح کے بھی خواب لکھوں

اس نے کتنی باتوں سے دل کو بہلایا تھا۔ دن بھر خود کو بھرپور انداز میں مصروف رکھا تھا۔ ہن کو بٹائے رکھا تھا۔ مگر سب کے باوجود وہ "خیال" سے دامن نہ چھڑا پایا تھا۔ خود کو لاتعلق لاہر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی، جتایا تھا...... کہ کوئی ربط باہم نہیں، کوئی تعلق استوار نہیں۔ 'درمیان" کچھ بھی نہیں۔ مگر دل ہر یاد کی انگلی تھام کر پھر اس راہ پر چل نکلا تھا!

اور وہ بہت مضبوط سا شخص!

جیسے اپنی "ہار" مانتے ہوئے ادھر کا نمبر ملانے لگا تھا۔

"ہیلو، اعصار شیخ ہوں۔" جانے کیسی عجلت تھی کہ بنا توقف کے وہ گویا ہوا تھا۔ دوسری جانب کون تھا اسے یہ جاننے کا بھی خیال نہیں گزرا تھا۔

"ہاں اعصار...... کیسے ہو تم؟" دوسری جانب اس کی توقع کے عین برعکس نمیرہ موجود تھی۔ اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"نمیرہ...... کیسی ہو تم؟"

"ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ۔ اکیلے اکیلے ہی سدھار لئے؟" نمیرہ نے کھلکھلاتے ہوئے تیر اچھالا تھا۔

"کیا کرتا۔ "دو اکیلے" والا سلسلہ جو نہ تھا۔" وہ بہت برجستگی سے بولا تھا۔ وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔

"وہاں اسکردو میں رہ کر بھی تمہاری برجستگی اسی طور قائم ہے؟"

"ہم بدلنے والوں میں سے نہیں، بدل دینے والوں میں سے ہیں۔" اعصار شیخ بہت دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری.... آواز کچھ بدلی ہوئی سی ہے۔" نمیرہ کا تجزیہ بہت درست

تھا۔

"نہیں...... ٹھیک ہوں بالکل۔ تم سناؤ۔ کہیں ٹھکانے لگیں یا کہ نہیں؟" بہت خوشگو
میں دریافت کیا تھا اس نے۔ نمیرہ یکدم ہی ہنس پڑی تھی۔

"اپنی تو نیا ہی ڈوب گئی۔ اب کیا ٹھکانے لگیں گے۔" کیسی مترنم تھی اس کی ہنسی
ایسی ہی کوئی بات سننا چاہتے تھے نا تم؟" وہ مزاح میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی شاید۔ اع
نے لمحہ بھر میں لب بھینچ لئے۔ اپنی غلطی کا فوراً ہی ادراک ہوا۔

"سمیرا اور باقی سب کیسے ہیں؟" لمحہ بھر میں ہی موضوع بدل دیا۔

وہ جانے کیوں ہنسنے لگی۔ ہنستی چلی گئی۔

"خوفزدہ ہو کر بھاگنے کیوں لگے ہو؟ تمہیں خدشہ ہے کہ میں تم سے "باز پرس"
گی؟" پتہ نہیں وہ مذاق کر رہی تھی یا واقعی سنجیدہ تھی۔ اعصار شیخ جواب میں کچھ نہ بولا تھا
وہ مسکراتی ہوئی بولی تھی اور نگاہ سامنے سے آتی ہوئی ادعیہ پر ڈالی تھی جو دادی اماں کی
بڑھ رہی تھی۔

"بائی دی وے، "باقی سب" سے تمہاری کیا مراد ہے؟" بہت معنی خیز انداز میں مسکر
ہوئے اس نے "باقی سب" پر خاصا زور ڈالا۔ اعصار شیخ لب بھینچ کر رہ گیا۔

نمیرہ نے دادی اماں سے گفتگو کرتی ادعیہ پر ایک بھرپور نگاہ ڈالی۔

"بات کرا دوں؟" بنا کسی حوالے کے اس نے پُر اعتماد انداز میں کہا۔

"کس سے؟" اعصار شیخ یکدم ہی چونک پڑا۔

نمیرہ جانے کیوں اس گھڑی کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ ادعیہ سمیت دادی اماں بھی اسے چ
کر دیکھنے لگیں۔

"کم از کم اپنے اندر کو تو سمجھنا سیکھو۔ زیادہ نہیں تو وہی مان لو جو دل اس گھڑی کہ
ہے۔" نمیرہ لمحہ بھر میں ہی اعصار شیخ جیسے شخص کو حیران کر گئی تھی۔ کتنا مضبوط تھا اس کا ل
جیسے وہ واقعی جو کہہ رہی ہو اس پر صد فیصد یقین ہو۔

"دادی اماں ہیں؟" وہ پل میں ہر شے نظر انداز کر گیا۔

"حضرت اعصار شیخ! آپ کا بھی جواب نہیں۔" نمیرہ کا منہ جیسے حلق تک کڑوا ہو
اعصار شیخ اس گھڑی جانے کیوں ہنس دیا۔

"مجھے دادی اماں سے بہت محبت ہے نمیرہ۔" وہ یقیناً اس کی حیرانگی سے محظوظ ہوا تھا۔
نمیرہ مسکرا دی تھی۔ پھر ادعیہ کو دیکھا تھا جو بلا ارادہ اس کی سمت دیکھ رہی تھی، یکدم

نگاہ جھکا گئی تھی۔

"کوئی اور بھی ہے یہاں۔" نمیرہ نے سنجیدگی سے بہت دھیمے لہجے میں کہا۔ اعصار شیخ
جان کر بھی انجان ہوا۔

"تم سے بات کر تو رہا ہوں۔" وہ ہنس دیا۔ نمیرہ اس کی شوخیوں سے واقف تھی۔ تبھی
ہنس دی۔ وہ سمجھ نہ سکتی تھی کہ کوئی "جان" کر تیر چلا رہا ہے۔ "کسی" کی آمد سے واقف ہو کر
گفتگو کو جان بوجھ کر طول دے رہا ہے۔ مقصد کسی کو تڑپانا تھا، جلانا تھا یا اپنی کسی تسکین کی راہ
تلاش کی جا رہی تھی۔ مسکراتی لڑکی...... ان تمام باتوں سے بے خبر تھی۔ ادعیہ سر جھکائے
خاموش سی بیٹھی تھی۔ دادی اماں نمیرہ کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ ادعیہ جیسے نہ چاہتے ہوئے بھی
سب کچھ سننے پر مجبور تھی۔

"ادعیہ سے بات کرو گے...... بلاؤں اسے؟" نمیرہ اسے راہ پر لے آئی۔

"نہیں، فی الحال ذرا جلدی ہے۔ پھر فون کر لوں گا۔ خدا حافظ۔" اعصار شیخ یکدم ہی
دامن بچا کر اپنی راہ ہو لیا۔ نمیرہ فون کی ٹون کو سنتی رہ گئی۔ پھر ریسیور کان سے ہٹا کر کریڈل
پر ڈال دیا۔ پھر دادی اماں کی سمت دیکھا۔

"اعصار شیخ تھا۔" اگرچہ وہ اور ادعیہ جان گئی تھیں مگر اس نے اس کے باوجود مطلع کیا۔
ادعیہ اٹھ کر تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ دادی اماں نے سر ہلا دیا تھا۔

"ٹھیک تو ہے نا؟"

"جی۔ کہہ رہا تھا دوبارہ فون کرے گا۔ میں نے تو کہا بھی کہ ادعیہ سے بات کر لو مگر وہ
شاید جلدی میں تھا۔ سب کے متعلق پوچھ رہا تھا۔" نمیرہ نے جانے کیوں وضاحت کرنی
ضروری خیال کی۔

"چل بیٹا، اس کی خیریت تو پہنچ گئی۔ تو ذرا دیکھ یہ زویا کدھر ہے؟" دادی اماں بہت
سہولت سے گویا ہوئیں۔ نمیرہ نے خاموشی سے ان کی سمت دیکھا۔

"جی بہتر!" سر ہلاتے ہوئے وہ اندر کی سمت بڑھ گئی۔

✿......✿

وہ ساجن ہو کر بھی ساجن نہیں ہے
کبھی یہ پریم ہے بندھن نہیں ہے
ادھورا ہے ہر اک سپنا ہمارا
کبھی جھولے کبھی ساون نہیں ہے

وہ ساجن ہو کے ساجن نہیں ہے
سکھی یہ پریم ہے بندھن نہیں ہے

"رہبان عالم شاہ! کہاں ہو تم؟" سجل عباس نقوی کتنی ہی دیر سے اس کی خاموشی کو محسوس کر رہی تھی۔ اس کے چہرے سے اگرچہ کسی قسم کے تاثر کا احساس غالب نہ تھا مگر سجل جو اسے جانتی تھی، وہ سمجھ سکتی تھی کہ اس گھڑی واقعی اس کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے۔

رہبان عالم شاہ چونکا تھا۔ پھر مسکرا دیا تھا۔ "تمہارے ساتھ ہوں۔"

"اطلاع اچھی ہے۔ لیکن اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا تم واقعی اس گھڑی میرے ساتھ ہو؟"

رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا، پھر ہنس دیا۔ "بیکار کی بحث میں وقت ضائع کرنے والے کسی طور عقلمند نہیں کہلائے جاسکتے۔"

"تمہارے لئے میری محبت، میری شخصیت فضول شے ہے؟" سجل نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے رسانیت سے کہا تو رہبان عالم شاہ ہنس دیا۔

"عورتوں کی ایک بات اچھی نہیں۔ کبھی اعتبار نہیں کرتیں۔"

"تم مرد اعتبار کی فضا قائم بھی تو کرو۔ تقریب اعتبار منعقد بھی تو کرو۔" سجل نے برجستگی سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے سرنفی میں ہلانے لگا۔

"اچھا بتاؤ، کہاں چلنا ہے؟"

"چلنا تو عمر بھر تمہارے ساتھ چاہتی ہوں رہبان عالم شاہ!" سجل کے لہجے میں کاٹ تھی۔

"سچ بات کہوں، تم مرد اعتبار کے قابل کبھی ہوتے ہی نہیں ہو۔" سجل نے اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے کہا اور رہبان عالم شاہ جیسے اپنی جگہ پر چور سا ہو گیا تھا۔ نگاہیں ونڈ اسکرین پر مرکوز رکھے پوری توجہ سے ڈرائیونگ میں مصروف ہو چکا تھا۔

سجل اسے متواتر تکتی چلی گئی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" اس پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے کہا۔ وہ سرنفی میں ہلانے لگی۔

"خاصے بدلتے جا رہے ہو تم۔" اس نے بھرپور انداز میں تجزیہ کیا۔

"اچھا؟" رہبان عالم شاہ گویا محظوظ ہو کر ہنس دیا۔ سجل نے ایک گہری سانس خارج کی۔

"ایک بات کہوں، جانے کیوں اب کچھ پرائے سے لگنے لگے ہو۔ لگتا ہے اپنے تعلقات میں وہ پہلی والی گرمجوشی نہیں رہی۔ تمہیں شوقِ تمنا نہیں رہا۔ وہ اول اول اور اس کے بعد کے سارے لمحے گویا خواب لگتے ہیں۔ جانے یہ سچ ہے بھی یا کہ نہیں، مگر مجھے لگتا ہے جیسے اب ہم

ی ہونے کو ہیں۔ جیسے تم......" وہ بولتے بولتے رک گئی۔

رہبان عالم شاہ نے اسے بغور دیکھا۔ کچھ دیر خاموش رہا، پھر بولا۔ "ہم جا کہاں رہے ؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ کچھ بتاؤ بھئی۔ جانا کہاں ہے؟" یکسر بات بدلتے ہوئے گوار انداز میں کہا گیا۔ وہ اسے دیکھتی چلی گئی۔ پھر بہت مدھم انداز میں بولی۔

"یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ ہم جا کہاں رہے ہیں۔ یہی تو تم سے دریافت کرنا چاہتی ں ہیں۔" بہت مدھم لہجے میں بہت سے خدشے تھے۔ جملے ذو معنی تھے۔ نظر انداز تو قطعی نہ ے جاسکتے تھے۔ وہ ایک نگاہ اس کے سراپے پر ڈال کر مکمل سنجیدگی سے ونڈ اسکرین سے اس ر دیکھنے لگا تھا۔

سجل عباس نقوی بولتی چلی گئی تھی۔

"کہیں ہم غلط راستوں کی سمت تو نہیں بڑھ رہے، بنا کسی منزل کا تعین کئے۔ یہ سفر ا ں تو نہیں ہے؟ یہ سب بے معنی اور فضول تو نہیں ہے؟"

سجل کے مدھم لہجے میں کئی اضطراب سمٹے ہوئے تھے۔ بہت سی بے چینیوں کی داستانیں ـ رہی تھیں۔ رہبان عالم شاہ نے دیکھا، پھر بولا۔

"میرا خیال ہے ہمیں کسی اچھی سی جگہ پر ساتھ ڈنر کرنا چاہئے۔" رہبان عالم شاہ نے بڑی ہی اور سہولت سے اپنا دامن بچایا تھا اور اس گھڑی سجل اسے خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

✿......✿

میری زندگی میں بس اک کتاب ہے!
اِک چراغ ہے، ایک خواب ہے اور تم ہو!
یہ کتاب و خواب کے درمیان جو منزلیں ہیں
میں چاہتا تھا......
تمہارے ساتھ سفر کروں
وہی کل اثاثۂ زندگی ہے اسی کو زادِ سفر کروں
میرے دل کے جادۂ خوش خبر پہ بجز تمہارے کسی کا کوئی گزر نہ ہو
مگر اس طرح کہ تمہیں بھی اس کی خبر نہ ہو!

کئی دن تیزی کے ساتھ بیت گئے تھے۔ اور بنا کسی عرصے اور مخصوص مدت کا تعین کئے مزید یہاں قیام کرنا چاہتی تھی۔ کوئی ڈر نہیں تھا اس کے اندر۔ یا شاید یہ سب کچھ کسی "ڈر" ی کے باعث تھا۔

بہت سے خدشات کے باعث وہ ایک مقام "خالی" کر آئی تھی۔ بہت سے وسو
باعث اس نے "راہ" بدل لی تھی۔ وہ کسی اور کا نقصان نہیں چاہتی تھی۔ جانے کیا
متعلق اس نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔

"بھابی! کیا سوچے جا رہی ہیں۔ کیا بھیا کو؟" اعیان شاہ نے جھک کر یکدم ع
کھوئی کھوئی سی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا تھا۔

اماں جی اور ابا جی بھی وہیں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

وہ یکدم ہی چونکی تھی، پھر مسکرا دی تھی۔ "نہیں، دراصل میں کچھ اور سوچ رہی تھی
نے بروقت خود کو سمیٹا۔ پھر ابا جی کی طرف دیکھنے لگی "ابا جی! میں خود کو یہاں رہ کر
رکھنا چاہتی ہوں۔ اپنی صلاحیتوں اور وقت کو یوٹلائز کرنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ اجازت
میں کچھ کرلوں۔ یہاں کی خواتین بہت ہنرمند اور باصلاحیت ہیں۔ میں ان کی صلا
بروئے کار لانا چاہتی ہوں اور اس کے بدلے میں انہیں مناسب ادائیگی کر کے ان
کردہ مصنوعات کو انٹرنیشنل مارکیٹ میں متعارف کروانا چاہتی ہوں۔ یہاں کے ہینڈی
کی دوسرے مغربی ممالک میں بہت زیادہ ویلیو ہے۔ یہاں کا ایمبرائڈری ورک وہا
پسند کیا جاتا ہے۔" اس نے کہہ کر ابا جی اور اماں کے چہرے کے تاثرات جاننے چا
جی خاموشی کے ساتھ اس کی جانب تکتے ہوئے جیسے کچھ سوچنے لگے۔ تبھی اماں گویا ہو

"اے...... جی...... برائی تو اس میں کوئی نہیں۔ خیر سے اپنی بیٹی پڑھی لکھی ہے
استعمال کرنے کا یہ ذہن قطعی برا تو نہیں۔ اسی بہانے اپنے گاؤں کی مالی حالت بھی
جائے گی۔ عورتیں یوں بھی کام تو کرتی ہی ہیں۔ کھیتوں میں کھیتی باڑی سے کہیں آسان
ہے۔ گاؤں کی عورتیں اس سے زیادہ بہتری محسوس کریں گی۔" اماں نے سیّد صاحب
پُرسوچ خاموش چہرے کو تکتے ہوئے بہت دھیمے انداز میں اس کی حمایت کی تھی۔ وہ ابا
اماں پر ڈال کر انہیں تکنے لگی تھی۔

"ہوں...... ویل...... مجھے تو یہ بہت مناسب لگتا ہے۔" اعیان نے بھی اپنی دانست
حمایت کی۔ ابا جی نے دونوں کے تاثرات جان کر کسی قسم کی رائے کا اظہار نہیں کیا۔

"بیٹا! آپ تو یہاں فقط کچھ دن کی مہمان ہو۔ رہبان ہمیشہ تو تمہیں یہاں نہیں چھ
گا۔ پھر کام بہت محنت طلب ہے۔" ابا جی کی بات میں "انکار" کہیں پوشیدہ نہ تھا۔ وہ
گہری سانس خارج کرتے ہوئے اعیان اور اماں کی طرف دیکھتے ہوئے مدھم اندا
مسکرائی تھی۔

"ابا جی! اس میں میری خوشی بھی تو ہے نا۔" مژگان نے اک آس سے ابا جی کی سمت
کھا۔ وہ ایک لمبے عرصے کے لئے دانستہ یہاں خود کو مصروف رکھنا چاہتی تھی۔ "وہاں" کی
ورتحال کو "مخدوش" نہ کرنے کی غرض سے۔ وہ یہاں خود کو باندھ کر رکھنا چاہتی تھی کہ
الات" تو "یہاں" کے بھی معمول پر لانے ضروری تھے۔ یہ سب کتنے عرصے تک کے لئے
کے متعلق نہ تو رہبان عالم شاہ نے اسے آگاہ کیا تھا اور نہ ہی وہ خود کچھ جانتی تھی۔
یہ بھی اخذ کرنا مشکل تھا۔ اور تب تک اسے ہر حال میں "بات" بنائے رکھنا تھی۔ وعدہ
اتے رہنا تھا۔ جب تک کہ "ڈراپ سین" نہ ہو جاتا۔

"بچی کتنی آس سے پوچھ رہی ہے اور اب دے بھی ڈالئے نا اجازت۔" اماں نے ملائمت
کہا۔

ابا جی نے اس کی صورت کو بغور دیکھا تھا۔ وہ جس امید اور آس کے ساتھ ان کی سمت
رہی تھی، اس سے وہ جانے کیوں یکدم ہی مسکرا دیئے تھے۔

"اوکے۔ مگر بیٹا! ایک دفعہ رہبان عالم شاہ سے بھی اس کی بابت ضرور دریافت کر لینا۔"

"جی بہتر۔" وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی۔ "تھینک یو ابا جی۔ تھینک یو
ماچ۔"

ابا جی نے دھیمے سے سر اثبات میں ہلا دیا۔ تبھی اماں گویا اس کا حوصلہ بڑھانے کو بولیں۔

"رہبان سے خود میں بھی بات کروں گی۔ وہ مجھے قطعی انکار نہ کرے گا۔ پھر کام بھی کون
برا ہے۔ اپنے گاؤں کی گل ہے۔ ساری عورتیں تو واقف کار ہیں۔ کل ہی پیغام بھجوا کر
ہ کو حویلی میں بلوا لیں گے۔"

"نہیں اماں...... کام ہمارا ہے۔ میں خود ان سے ملنے جاؤں گی۔" مژگان عاجزی سے
یا ہوئی۔

"ہا، ہائے پتر! سیّد خاندان کی بہو اور گھر گھر حاضری دیتی پھرے۔ یہ گل کچھ چنگی نہیں۔"
ماکو تامل ہوا۔ ابا اور اعیان ان کی بات پر یکدم ہی مسکرا دیئے۔

"اماں! اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کام بھی تو ہمیں ہی ہے۔ اور اس طرح کوئی چھوٹا
ڑا ہی ہو جاتا ہے۔ وہ سب بھی تو ہماری طرح انسان ہی ہیں۔ اور انسان کوئی چھوٹا یا بڑا
ں ہوتا۔"

"ماشاء اللہ۔" ابا جی نے گویا داد دی۔ وہ مسکرا دی۔ تب اماں بھی سر ہلانے لگیں۔

✿......✿

ادعیہ نے اپنے شل قدموں کی رفتار بمشکل بڑھائی تھی۔ طبیعت جانے کیوں بے
ہو رہی تھی۔ تبھی وہ یونیورسٹی سے کوچنگ جانے کا ارادہ ترک کر کے سیدھی گھر آ گئی
ہوئے کتنی شدت سے دل چاہ رہا تھا کہ قدموں کو اس پرانے رخ پر موڑ دے۔ ا
لے جائے جہاں کئی پیارے اس کی راہ تک رہے ہوں، جہاں پہنچ کر وہ اپنی ساری
جائے۔ جہاں پہنچ کر اس کی روح پر چھائی ہر بے چینی، بے قراری پل بھر میں
جاتی۔

وقت نے اسے عجیب راہ پر لا پٹخا تھا کہ اس سے آگے کوئی راہ سجھائی دے رہی
اسے واپسی کا کوئی راستہ نظر آ رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر جیسے ہر راہ بند تھی۔ اور وہ ایک
چپ چاپ کھڑی ان لمبی لمبی دیواروں کو دیکھ رہی تھی۔ کب، آخر کس طرح ان د
بلندی کم ہو گی؟ اور کہاں سے کوئی "نئی راہ" نکلے گی۔

اس نے ہال کمرے میں سے گزرتے ہوئے تمام افراد کو ایک ساتھ بیٹھے
دیکھا تھا۔

"بھابی! آؤ بیٹھو نا، چائے پیو۔" زویا نے اسے دیکھ کر فوراً ہی پکارا تھا۔

وہ لمحہ بھر کو رکی تھی، پھر نفی میں سر ہلاتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ آئی تھی
بہت تھکے ہوئے انداز میں بیڈ پر ڈال دیا تھا۔ کیا تھا یہ گھر اس کے لئے؟ ایک س
ایسے تو نہیں ہوتے۔ اس نے کبھی اپنے حوالے سے ایسے گھر کا "خواب" نہیں دیکھ
کس سے بات کرتی، کس سے کہہ سن کر دل کا غبار دھوتی!

یہاں تو دیواریں تک اپنی نہ تھی۔ وہ یہاں تھی کیونکر...... اور کب تک یہیں قیام
تھا، وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ ایک معاملہ تو ٹھیک ہو گیا تھا۔ اس دن فرحان کی آمد پر ل
والے سارے خدشات فقط خدشات ہی ثابت ہوئے تھے۔ وگرنہ کس قدر مشکل
زندگی۔ شاید خطرہ اب بھی ٹلا نہ تھا۔ کہیں کسی کونے میں دبکا بیٹھا تھا۔ مگر فی الحال
وقتی صورت حال ہی تسکین بخش لگی تھی۔ ممکن تھا کہ مستقبل میں بھی سب ٹھیک ہی
کرے!" اس نے بے ساختہ لب ہلائے تھے۔ فرحان بھائی اس سے جس طرح
کمرے میں آئے تھے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر مبارک باد دی تھی، اس پر
شعاع اور امی بھی اپنی جگہ حیران رہ گئی تھیں۔ کتنی ہی دیر وہ ہونقوں کی طرح سر اٹھا
تکتی رہی تھی۔

"بے وقوف، پاگل لڑکی! اس طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ باضابطہ بلایا ہوتا تو د

سائے میں رخصت کرتے۔ ہائے دی وے تمہارے وہ صاحب بہادر کہاں ہیں؟" انہوں نے
خود ہی گویا صورت حال کے باعث مسکراتے ہوئے بات سمیٹ دی تھی اور تب اس نے بھی
سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ٹھیک ہیں سب۔"

"سب؟" فرحان بھائی خوشگواری سے مسکراتے ہوئے چونکے تھے۔ "میں نے فقط ایک
فرد واحد کے متعلق دریافت کیا تھا۔" اور تب وہ سر جھکا کر مسکرا دی تھی۔

"خدا کرے سب اچھا ہی ہو۔" اس نے ایک بار پھر سوچا تھا۔ تبھی کروٹ بدلی تھی تو
دادی اماں کو وہاں دیکھ کر وہ یکدم ہی چونک پڑی تھی۔

"دادی اماں آپ......" وہ یکدم اٹھ کر بیٹھنے لگی۔

"ارے لیٹی رہو۔ آتے ہوئے تمہارا اترا ہوا چہرہ دیکھا تو دل ہول کر رہ گیا۔ ٹھیک تو ہو؟"

"جی دادی اماں!" اس نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بہت مشکل سے
مسکرانے کی کوشش کی۔

"اے کہاں، شکل سے تو اتنی ست دکھ رہی ہو۔" دادی اماں نے کہنے کے ساتھ ہی ہاتھ
بڑھا کر اس کی پیشانی کو چھوا۔ "ارے تمہیں تو بخار ہے۔" دادی اماں دوسرے ہی پل چونک
پڑیں۔

"نہیں دادی اماں! بس کچھ تھکن سی محسوس ہو رہی تھی۔ آج یونیورسٹی میں پھر شٹل کی چھٹی
تھی ہمو سلور جوبلی گیٹ تک واک کرنا پڑی۔ دھوپ بہت زیادہ تھی، اس کا اثر ہے۔" اس
نے ہر تاثر کو زائل کرنا چاہا۔

"اے بچی! ماں ہوں۔ مجھے نہیں بہلا سکتی تو۔ تیرے باپ کی بھی ماں ہوں۔" وہ یکدم
ہی ہنس دی۔ "لے اب ہنس کیوں رہی ہے؟ آرام سے لیٹ، میں ڈاکٹر کو فون کرواتی ہوں۔"

"ارے نہیں دادی اماں۔ میں ٹھیک ہوں۔" اس نے ان کی پریشانی کی غرض سے سر نفی
میں ہلایا۔

"ارے چپکی بیٹھی رہ۔ سارا قصور اس لڑکے کا ہے۔ جان بوجھ کر سارے اقدامات کر رہا
ہے۔" دادی اماں نے محترم اعصار شیخ کا ذکر کیا۔ وہ گویا اپنی جگہ چور ہو گئی۔ یہ قطعاً ظاہر نہ
کرنا چاہتی تھی کہ کسی کے "رونے" کے باعث کیفیت ایسی ہوئی۔ بے طرح شرمندگی نے آن
گھیرا۔ تبھی فوراً وضاحت کی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے دادی اماں۔ آپ تو خواہ مخواہ ہی پریشان ہو رہی ہیں۔"

"اے بچی، سمجھتی ہوں خوب میں۔ اگر زبان سے نہ کہو گی تو کوئی کیا جان نہ پائے گا۔ تو یہی ہے نا کہ تمہارے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے۔ مگر میں اب کے چپ نہیں رہوں گی۔ دوں گی، اگر تمہیں خدانخواستہ کچھ ہو گیا تو میں معاف نہیں کروں گی کسی کو۔" دادی اماں ہوئی باہر نکل گئی تھیں اور وہ اعیہ آنکھیں موند کر لیٹ گئی تھی۔

نہیں تھا اہم "کوئی" اس کے لئے۔ کسی کے متعلق نہیں سوچتی تھی وہ۔ نہ ہی کوئی اس بیماری کا "کارن" تھا۔ وہ کیسے وضاحت دیتی۔ کیسے سمجھاتی۔ وہ کیوں سمجھ رہے تھے کہ وہ اب بھی اسی خاص حوالے سے کسی "تعلق" کو دل میں سموئے بیٹھی تھی۔ سینے میں اب بھی "دل" تھا اور "دل" میں نرم کومل جذبے۔ کسی کی یاد، کسی کا پیار۔ اور......!

جانے کیوں پلکوں سے بہت سے قطرے ٹوٹ کر گرتے چلے گئے تھے۔

موتیے کے پھولوں میں
رات کی خموشی میں
اپنے دل کی دھڑکن میں

......

اسے اتنی مشکل پیش نہیں آئی تھی۔ سب کام بہت آرام سے اور آسانی سے سرانجام پانے لگا تھا۔ وہ ابھی بہت سی خواتین سے اسی سلسلے میں مل کر لوٹی تھی جب اعیان نے آواز دے کر بلا لیا۔

"بھابی! آپ کے "شہری بابو" کا فون ہے۔" اعیان کا انداز حسب معمول شوخ تھا۔ وہ رُکی، چونکی۔ اعیان ہنس دیا۔

"ڈر گئی تھیں آپ؟"

"تمہارے اطلاع کرنے کا انداز بھی تو شاندار ہے۔" وہ پاس سے گزرتی ہوئی ایک چپت رسید کر گئی۔

"پوچھ لیجئے گا، یہاں تشریف کب لا رہے ہیں۔ موصوف آپ کے بنا خاصے "پُرسکون" اور "مزے" میں لگتے ہیں۔ پلٹ کر پوچھا تک نہیں۔" اعیان پھر بھی باز نہ آیا۔ مسکراتے ہوئے تیر اچھالتا چلا گیا۔ وہ مسکراتی ہوئی فون اسٹینڈ تک پہنچ گئی۔ دل یکدم ہی بہت تیزی کے ساتھ متحرک ہو گیا تھا۔ دھڑکنوں میں ایک ارتعاش سا تھا۔ شاید یہ تیزی سے چلنے کے باعث تھا۔ کتنی عجلت میں ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔

"ہیلو، السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟" پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان وہ بولی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔ تم کیسی ہو؟" رہبان عالم شاہ نے دوسری سمت سے دریافت کیا۔ کتنے دنوں بعد سن رہی تھی یہ آواز، یہ لہجہ۔

"میں بھی ٹھیک ہوں۔ کہیں ملک سے باہر تھے آپ؟"

"نہیں۔ کیوں؟" رہبان عالم شاہ یکدم چونک گیا۔ وہ سانسوں کو بحال کرتے ہوئے بولی۔

"وہ آپ نے فون نہیں کیا نا۔ بہت دیر میں یاد آئی۔" شکوہ کرنے کا انداز بہت دلربا تھا۔ رہبان عالم شاہ یکدم ہی ہنس دیا تھا۔

"تو تم نے فون نہ کرنے پر یہ اخذ کر لیا؟" جانے کیوں کسی کی بے قراری سے جی بھر کر محظوظ ہونا چاہا۔

"نہیں، ایسی بات نہیں۔" مژگان نے فوراً ہی بات سمیٹ دی۔ "وہاں کا موسم کیسا ہے۔ آپ ٹھیک ہیں نا؟" کتنا استحقاق بول رہا تھا لہجے میں۔ رہبان عالم شاہ چونک سا گیا تھا۔

"ہوں.... آں.... ہاں.... بالکل اچھا موسم ہے۔ گرمیوں کی آمد آمد ہے۔ سنا ہے خاصی بزی ہو ان دنوں؟"

"ہاں، بہت مزہ آ رہا ہے۔ سمجھو زندگی کو ایک راہ مل گئی ہے۔" تار سے کھیلتی ہوئی وہ سرشار سے انداز میں مسکرائی۔ اماں بہو کے دمکتے چہرے کو بغور تکتی ہوئی مسکراتی رہیں۔

"تبھی مجھے فون کرنے کا خیال بھی نہ گزرا۔" جواباً شکوہ ہوا۔

"ارے۔" وہ سمجھ گئی موصوف "بدلہ" پورا کر رہے ہیں۔ تبھی مسکرا دی۔ تبھی قریب ہی بیٹھا ہوا اعیان گویا ہوا۔

"بھابی! بھیا سے کام کی بات بھی پوچھ لیں۔ جب اتنے دنوں تک حضرت شوہر کو اپنی انتہائی سعادت مند بیگم کا خیال نہ گزرے تو سمجھ لینا چاہئے کہ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ہے۔" اماں مسکرا دیں۔ مژگان یکدم ہی جانے کیوں کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

"اعیان کا سوال تو آپ نے سن ہی لیا ہوگا۔ کیا جواب دیں گے؟"

رہبان عالم شاہ جان گیا یہ سب "ڈرامے" کا حصہ ہے۔ تبھی تمام گزشتہ گفتگو کو ازسرنو "جانچ پڑتال" کیا۔

"ان موصوف کو فون تو دو۔ کانوں میں تیل ڈالتا ہوں۔" مسکراتے ہوئے فرمایا گیا۔

مژگان نے ریسیور کان سے ہٹا کر اسے دیکھا۔

"لو...... خود بات کر لو۔" اعیان مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اسے ریسیور تھما کر اماں کی

طرف آ گئی۔

"اماں! سر میں تیل ڈال کر اپنے ہاتھوں سے مساج کر دیں۔ بہت سر درد ہو رہا ہے" پاس بیٹھ کر سر دوسرے ہی پل ان کی گود میں ڈال دیا۔ اماں مسکرا دیں۔ پھر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"اسی لئے منع کرتی تھی۔ اتنے سارے کاموں میں لگ کر اپنی صحت خراب کر لی۔ رہبان میری جان کو آ جائے گا۔"

وہ آنکھیں موند گئی۔ تبھی اماں نے اعیان کی سمت دیکھا۔

"اے پتر! پوچھ آ کب رہا ہے۔ اب اگر کوئی احساس نہیں دلائے گا تو کیا خود سے نہیں آئے گا کہ یہاں کوئی راہ تک رہا ہے؟" اماں نے کہہ کر مژگان کی سمت دیکھا۔ وہ بے خبر ہو کر نیند کی وادیوں میں اتر چکی تھی۔ اماں نے اس کا دمکتا روشن چہرہ دیکھا تھا۔ پھر مسکرا دی تھیں۔

⚙......⚙

وہ کتنی ہی دیر کتاب لئے چھت پر بیٹھی رہی تھی۔ قریب ہی کئی کبوتر ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ شام کے سائے ڈھل کر گہرے ہونے کو تھے۔ دل کو جانے کیوں ایک پل کو بھی چین نہیں پڑ رہا تھا۔ پتہ نہیں کیوں ایک اضطراب نے سارے وجود کا گھیراؤ کر رکھا تھا۔ شاید اس لئے بھی کہ اس نے اسے بیٹھے بٹھائے "چور" بنا ڈالا تھا۔ اسے رنگے ہاتھوں پکڑ کر شرمندگی کی گہری کھائی میں ڈال دیا تھا یا پھر......

اس کی نگاہ بھٹکتی ہوئی کلائی پر آن ٹھہری تھی۔ جیسے اب بھی وہاں کوئی لمس زندہ تھا۔ "متاثرہ" حصہ اب بھی انگارے کی مانند دہک رہا تھا۔ کیسی ہلچل سی تھی سارے وجود میں۔ کس قدر مضبوط اور آہنی گرفت تھی "چھوٹے سرکار" کی۔ اتنے پہر گزرنے کے بعد بھی جیسے وہ احساس اپنی پوری شدت سے حاوی تھا۔ وہ جتنا بچتی تھی، جتنا کتراتی تھی، راہ پھر وہیں سے مڑتی تھی۔ کوئی نہ چاہتے ہوئے بھی سامنے آن ٹھہرتا تھا۔ کتنے دنوں سے وہ حویلی بھی نہ گئی تھی۔ مژگان بی بی نے کتنے پیغام بھجوائے تھے اور اس نے بے بے سے کہہ کر بیماری کا بہانہ بنا دیا تھا۔ دل کی بھی عجیب کیفیت تھی۔ بے چینی کسی طور تھمتی نہ تھی۔

وہ سامنے جانے سے بھی انکاری تھی۔ "سامنا" ہونے سے ڈرتی بھی تھی اور نگاہ ملنے کے بہانے بھی ڈھونڈتی تھی۔

وہ کتنی ہی دیر تک کتاب پر خالی خالی نظروں کو دوڑاتی رہی تھی۔ پھر یکدم ہی کتاب بند کر

کے سر اٹھا کر آسمان کی سمت تکنے لگی تھی۔ پھر سر کو پشت کی دیوار کے ساتھ ٹیک دیا تھا۔

"سیو...... اے سیو!" بے بے نے نیچے سے آواز دے کر پکارا۔

"جی بے بے۔" اس نے آواز دے کر وہیں سے اپنی موجودگی کا پتہ دیا۔ کتنا فرق آ گیا تھا اس کی شخصیت میں۔ "تب" سے لے کر "اب تک" وہ کتنا بدل چکی تھی۔ اور یہ سارا "عمل"، کس قدر تیزی سے انجام پایا تھا۔ اتنے کم عرصے میں کتنی تیزی کے ساتھ اس نے "شعور" کا سفر طے کیا تھا۔

بے بے کتنی بار چونکی تھیں۔

"سیو پتر! تیری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" بے بے سے اس کی سمجھداری اور سنجیدگی ہضم نہ ہو رہی تھی۔

"ہاں بے بے۔ بالکل ٹھیک ہوں میں۔" اس نے مسکراتے ہوئے وضاحت کی تھی۔

سکھیوں سہیلیوں نے تو اول روز ہی تاڑ لیا تھا۔ اور وہ!

کہاں تھی اتنی عقلمند۔ کہاں تھی اتنی سمجھ بوجھ کہ اتنے سارے رازوں کو چھپا کر رکھتی، نظر بچا سکتی۔ چہرے پر درج احوال چھپا سکتی۔ سو کچھ بھی کہے سنے بغیر اپنی راہ بدل لی تھی۔ کئی کترا کر ایک طرف ہو لی تھی۔ فقط اس ایک شخص نے اسے کتنا کاٹ کر رکھ دیا تھا، اس سے اور سب سے۔ کس قدر بدل دیا تھا۔

"سیو، اے سیو! تھلے اتر آ۔ رات پے گئی اے۔ کوئی جن بھوت عاشق ہو جائے گا۔ ایہہ ویلا کلے چھت تے بیٹھن دا نہیں اے۔ کئی چنگیاں بریاں چیزاں لنگدیاں پھردیاں نیں۔"

بے بے نے با آواز بلند اسے باخبر کرتے ہوئے اپنا خدشہ بھی بیان کیا۔

سیو کے لبوں کو جانے کیوں مسکراہٹ چھو گئی۔

"ہُن ہور کیہڑا جن عاشق ہووے گا۔"

"سیو، اے سیو! آ جا تھلے۔ ویر آ گیا اے۔ روٹی ڈال دے آ کے۔" بے بے نے پھر پکارا۔ وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آ رہی ہوں بے بے۔" اور اس کے ساتھ ہی وہ تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگیں۔

⚙......⚙

بچھڑنے سے ذرا پہلے
تمہیں بھی سوچ لینا چاہئے تھا
کہ یوں چاہت کو ٹھکرایا نہیں کرتے

کہ یوں بیتے دنوں کو بھولنا اچھا نہیں ہوتا
کہ یوں انجان بن کر چین سے جینا ہمارے واسطے ممکن نہ ہو گا
تمہیں بھی سوچ لینا چاہئے تھا!
کہ وہ باتیں جو ہم اک دوسرے سے کر چکے ہیں
اب کبھی واپس نہ آئیں گی
کہ وہ لمحے جو ہم اک دوسرے میں جی چکے ہیں
پھر کبھی زندہ نہیں ہوں گے!
بچھڑنے سے ذرا پہلے
تمہیں بھی سوچ لینا چاہئے تھا!

اعصار شیخ نے جب فون کیا تو قطعی امید نہ تھی کہ دوسری جانب سے کس قسم کی پذیرائی ہو گی۔

"اے لڑکے! ایک ہی بار تم سب کے ساتھ مل کر اس بچی کا گلا ہی کیوں نہیں گھونٹ دیتے۔ ایسی ہی دشمنی ہے تو ایک پل میں مار کر راہ صاف کر لو۔ یوں لٹکائے کیوں دے رہے ہو؟" دادی اماں نے بہت درشت لہجے میں کہا تو اعصار شیخ ایک گہری سانس خارج کر کے رہ گیا۔

"اب کیا ہوا ہے؟"

"اے یہی تو پوچھ رہی ہوں۔ اگر کوئی کسر باقی رہ گئی ہو تو وہ بھی پوری کر ڈالو۔ کوئی حسرت رہ نہ جائے دل میں۔ اگر شکار ہاتھ سے آ کر نکل گیا تو پھر پچھتاتے پھرو گے کہ مرحومہ کے مرنے سے قبل طے شدہ عزائم پورے کیوں نہ کر لئے۔ کوئی دنیا سے اتنی جلد رخصت کیونکر ہو گیا۔" دادی اماں کی "گولہ باری" جوں کی توں جاری رہی۔ اعصار شیخ یہ تو سمجھ رہا تھا کہ ذکر کن "موصوفہ" کا ہے۔ طرفداری کن "معصومہ" کی، کی جا رہی ہے۔ کس "بے زبان" پر ظلم ڈھانے کی تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔ مگر وہ یہ سمجھنے سے قطعی قاصر تھا کہ اب موجودہ "صورتحال" کس "نہج" پر ہے۔ جس کے باعث دادی اماں مکمل جانفشانی کے ساتھ بنا سانس لئے تابڑ توڑ حملے کئے جا رہی ہیں۔ یقیناً ادھر کوئی نیا ڈرامہ ہو رہا تھا۔ تبھی وہ رسانیت سے گویا ہوا تھا۔

"جب تک آپ مجھے صورتحال سے آگاہ نہیں کریں گی، مجھے کہاں خبر ہو گی۔"

"اے بچے! ایسے ہی تو معصوم ہو تم۔ تم بھول سکتے ہو اس یتیم کو یہاں لا کر، قید میں ڈال

کر، بے آسرا اور بے یار و مددگار چھوڑ کر۔ میں نہیں۔"

"اب کیا افتاد نازل ہو گئی ان محترمہ پر؟" بہت پُرسکون انداز میں دریافت کیا۔

"اے ہے، خدانخواستہ۔ افتاد نازل ہو اس کے دشمنوں پر۔"

"یعنی اب آپ مجھے بھی "بد دعائیں" دینے لگیں؟" مسکراتے ہوئے شکوہ کیا۔

"تمہیں نہیں، اس کے دشمنوں کو دے رہی ہوں۔" دادی اماں نے بلا تامل کہا۔

وہ ہنس دیا۔ "مجھ سے بڑھ کر ان موصوفہ کا دشمن کون ہو گا۔ پوچھ کر دیکھ لیجئے۔ پہلا نام برجستگی سے میرا ہی زبان پر آئے گا۔"

"اے، وہ تمہاری طرح اتنی بے مروت اور بدلحاظ نہیں۔" دادی اماں برجستگی سے بولیں۔

"ماشاء اللہ۔ دو ہی دن میں آپ کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیا۔" قہقہہ بے حد فطری اور بے ساختہ تھا۔ "یہی تو کمال بدرجہ اتم موجود ہے محترمہ میں۔ جادو کرنے میں ثانی نہیں رکھتیں۔ پکی ساحرہ ہے۔ یہ بات تصدیق شدہ ہے۔ حتمی اور ٹھوس۔" لہجہ بہت مدھم اور دھیما تھا۔ دادی اماں نے ڈپٹ دیا۔

"اے بچے، کچھ خیال کر۔ مجھے تجھ سے قطعی ایسی امید نہ تھی۔ یہ کس جنم کے حساب چکا رہا ہے۔ تو، تو محبت کا دعویدار تھا۔ پھر اس کے دشمنوں کی قطار میں کیونکر جا کھڑا ہوا؟"

"دادی اماں! میں تو فقط ردعمل ظاہر کر رہا ہوں۔ آپ ان سارے سوالوں کے جوابات ان "عمل" کرنے والی موصوفہ سے کیونکر نہیں مانگتیں؟" جملہ بہت برجستہ تھا۔ انداز ٹھہرا ہوا اور قدرے سنجیدہ۔ دادی اماں لمحہ بھر کو چپ سی رہ گئیں۔

"تجھے میرا ابھی خیال نہیں آ رہا؟" آخر کار تھک کر اپنا واسطہ دیا۔

"آپ ہی کا تو خیال ہے ورنہ تو...... خیر چھوڑیں، یہ بتایئے کراچی کا موسم کیسا ہے؟" بڑے دلفریب انداز میں موضوع ہی بدل ڈالا۔ دادی اماں کا خون کھول کر رہ گیا۔

"اے بھاڑ میں گیا موسم۔ تجھے موسم کا احوال جاننے کا شوق ہے، اپنی اس شریک حیات کا مزاج نہیں؟"

"جس بات کا پتہ ہے اس کے متعلق کیا دریافت کروں؟" اعصار شیخ محظوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

"جانتی ہوں کتنا خیال ہے کسی کو اس کا۔ سن لو تم بھی۔ معاف نہیں کروں گی کسی کو بھی اگر اسے کچھ ہو گیا تو۔"

"دادی اماں! آپ بے فکر رہئے۔ موصوفہ خود حساب بے باق کرنے میں اپنا ثانی نہیں

رکھتیں۔'' وہ ہنس رہا تھا۔

''بخار ہے اسے۔ تپ رہی ہے۔'' دادی اماں نے آخر کار مطلع کیا۔

''اوہ......'' اعصار شیخ نے ہونٹ سکوڑے۔ ''یعنی مکافات عمل۔''

''اعصار، بچے! اتنا بے درد تو نہ تھا، تجھ سے تو کسی پرندے کی تکلیف تک نہ دیکھی جاتی تھی۔'' دادی اماں نے بہت مدھم لہجے میں احساس دلایا۔ وہ مسکرا دیا، اسی رسانیت سے بولا۔

''کیا کروں، ان محترمہ کا کچھ اثر اب بھی برقرار ہے۔ رنگ خاصا گاڑھا چڑھا تھا۔ اترتے اترتے ذرا دیر لگے گی۔'' کس قدر بے درد اور ظالم و سفاک لگ رہا تھا وہ اس گھڑی۔ دادی اماں ساکت رہ گئیں۔

''اچھا ہے نا۔ کچھ ان محترمہ کو بھی احساس ہوگا۔ دوسروں کو تو آگ میں جلا کر بہت لطف ملتا ہے۔ خود ذرا سی تپش میں ہی ہمت ہار بیٹھیں۔ اپنے ان اسیروں کی خبر گیری بھی تو کرنے نکلیں جنہیں ایک عرصے سے جھلستی ہوئی بھٹی میں ڈالے ہوئے ہیں۔ اب کھلا ''جلانا'' کتنا آسان ہے اور ''جلنا'' کس قدر تکلیف دہ۔ اسی بہانے دوسروں کی تکلیف کا کسی قدر احساس تو ہوگا موصوفہ کو۔'' کیسا سنگدل لگ رہا تھا۔ لہجے میں کہیں بھی تو بے چینی اور اضطراب نہ تھا۔ ایسے ہوتے ہیں ''محبت کرنے والے'' دادی اماں کے پاس کہنے کو گویا اب اور کچھ باقی نہ رہا تھا تبھی دوسرے ہی پل ریسیور کریڈل پر ڈال دیا تھا۔

اعصار شیخ کتنی ہی دیر ریسیور تھامے چپ چاپ سا کھڑا رہا تھا۔

✿......✿

''رہبان عالم شاہ! ایک بات بتاؤ، کتنی محبت کرتے ہو تم مجھ سے؟ کیا اس سمندر جتنی، یا اس نیلگوں آسمان جیسی؟'' اس کے سنگ گیلی ریت پر چپ چاپ چلتے ہوئے سجل نے یکدم ہی رک کر دریافت کیا تھا۔

''تم عورتیں ہمیشہ تول مول کے چکر میں ہی کیوں الجھی رہتی ہو؟''

''جب اظہار چاہا جائے تو تم مرد اتنی آسانی سے ٹال کیوں جاتے ہو؟'' وہ اس قدر برجستگی سے بولی تھی کہ رہبان عالم شاہ ہنستا چلا گیا تھا۔

''سچی بات کہوں، چور چھپا بیٹھا ہوتا ہے تم سب کے دل میں۔ چور!'' اس کے سینے پر شہادت کی انگلی رکھتے ہوئے اس نے زور دیتے ہوئے کہا۔ رہبان عالم یکدم ہی اپنے لب بھینچ گیا۔ سجل عباس نقوی اس کے چہرے کو تکتی ہوئی مسکرائی، پھر یکدم ہی ہنس دی۔

''اتنے ہراساں کیوں ہو رہے ہو؟ میں تم پر کوئی فرد جرم تو نہیں عائد کر رہی۔

''سجل! تم بہت بری ہو۔''

''گزار لو گے میرے ساتھ ساری زندگی؟'' نگاہ اٹھا کر ایک ادائے دلربائی سے دریافت کیا۔ رہبان عالم شاہ کوئی جواب دیئے بغیر نگاہ پھیر کر سمندر کو تکنے لگا۔

''مجھے سمندر سے بہت خوف آتا ہے۔'' مژگان کا خوفزدہ لہجہ یکدم ہی سماعتوں میں گونج گیا۔

''سجل! مجھے دو تین دنوں کے لئے گاؤں جانا ہوگا۔'' اس نے بہت سنجیدہ لہجے میں مطلع کیا۔ وہ چونک کر دیکھنے لگی۔

''خیریت؟''

''ہاں...... یونہی گھر چکر لگانے کو جی چاہ رہا ہے۔ اماں اور ابا جی کو دیکھے کئی دن بیت گئے ہیں۔''

سجل کتنی ہی دیر اسے دیکھتی رہی، پھر گویا ہوئی۔ ''رہبان! مجھے بارہا لگا ہے جیسے تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو۔ تمہاری ان آنکھوں میں ہمیشہ اک اضطرابیت میں نے تیرتی دیکھی ہے۔ چہرے کے تاثرات چھپانے پر تو تمہیں عبور حاصل ہے مگر اپنی آنکھوں کو کم از کم مجھ سے قطعی نہیں چھپا سکتے۔''

رہبان عالم شاہ کتنے ہی پل ساکت سا اس کی سمت تکتا رہا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔''

''شیور؟'' سجل کو جیسے یقین نہ ہوا۔

''یس۔'' رہبان عالم شاہ مسکرا دیا۔ ''حیرت کی بات ہے تمہیں آنکھوں کی زبان بھی پڑھنی آتی ہے۔'' اس کی بات کو مزاح کا رنگ دیتے ہوئے مسکرایا۔ وہ یونہی خاموشی سے اسے تکتی رہی۔ رہبان عالم شاہ جیسا شخص نگاہ چرانے پر مجبور ہو گیا۔

''چلو واپس چلیں۔'' وہ واپس پلٹا۔

سجل نے ایک لمحے میں ہی اس کا ہاتھ پشت سے تھام لیا۔ وہ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

وہ بھرپور دلکشی سے مسکرا دی۔

''مجھے تمہارے سنگ سنگ چلنا ہے۔ تمہارے ہم قدم۔''

رہبان عالم شاہ جانے کیوں یکدم ہی خاموش ہو گیا۔

✿......✿

دادی اماں نے شعاع وغیرہ کو بھی اس کی بیماری کی اطلاع کر دی تھی۔ تبھی وہ لوگ
وہاں پہنچ چکے تھے۔

''دادی اماں بھی بس یونہی۔ حالانکہ کچھ ایسی خاص بیمار بھی نہیں ہوں میں۔'' ادعیہ نقاہت
کے باوجود مسکرائی۔

''اے بچی! ہفتہ ہونے کو آیا ہے موئے بخار کو۔ خدانخواستہ مرض بگڑتے دیر نہیں لگتی۔''

''بیٹا! ہم کوئی غیر تو نہیں۔'' امی نے محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے
کہا تو وہ مسکرا دی۔

''غیر کی بات نہیں امی! آپ لوگوں کو خواہ مخواہ پریشان کر دیا۔''

''گھر چل۔ کچھ دن رہ وہاں۔'' امی نے اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے کہا۔ کچھ
دن میں چہرہ کملا کر رہ گیا تھا۔

''اے بہو بیگم! خیر سے اپنا گھر ہے یہ بھی۔''

''اماں بی! وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر سیانے کہہ گئے ہیں، سیاں بنا آنگن سونا۔ آنگن کی قد
بھی تب ہی ہوتی ہے جب سر کا سائیں سر پر ہو۔ اکیلے گھر کو کیا چاٹنا ہوتا ہے۔''

دادی اماں چپ چاپ سی سر جھکا گئیں۔ ادعیہ ماحول کی کثافت کو محسوس کرتے ہو
اٹھ بیٹھی۔ خود کو فریش ظاہر کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

''میں ٹھیک ہوں'' کی تصویر بنی وہ تا دیر بولتی رہی۔

''دادی اماں! آپ کے لئے فون ہے۔'' تبھی چھوٹی بھابی نے اندر آ کر اطلاع د
دادی اماں معذرت کرتی ہوئی چھوٹی بھابی کے ساتھ رخصت ہو گئیں۔ تبھی ادعیہ، شعاع
سمت تکنے لگی۔

''شعاع! سب خیریت ہے نا؟'' اس بیماری کے عالم میں بھی اس کا دھیان اسی جانب
ہوا تھا۔

''ادعیہ! اپنے آپ پر ترس کھاؤ۔'' شعاع نے اسے جواب میں ڈانٹ دیا۔ ''مجھے
خدشہ تھا تمہارے متعلق۔ سوچ سوچ کر حشر بگاڑ لیا ہے تم نے۔''

وہ سر جھکا گئی۔ تبھی امی نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''ابھی بھائی جی سے بات کرتی ہوں میں۔ ساتھ لے کر جائیں گے تمہیں۔ کچھ دن رہ
پھر ٹھیک ہو جاؤ تو واپس لوٹ آنا۔'' محبت سے کہا۔

''نہیں امی، پہلے سے بہت بہتر ہوں میں۔ پھر کچھ ہی دنوں بعد سمسٹرز بھی ہیں۔

اس کی ٹینشن ہے۔'' کہتے ہوئے نگاہ امی سے ملی۔ وہ لمحہ بھر میں نگاہ کا رخ پھیر گئی۔

''اس کے بعد فرحان بھائی کے ہاں سے کوئی آیا یا کہ نہیں؟''

''نہیں، فرحان نے دو چار چکر لگائے ہیں۔'' امی نے سہولت سے اسے آگاہ کیا۔ ''انشاء
اللہ خدا سب بہتر کرے گا۔ تم فکرمند مت ہو اس بابت۔''

''آپ رانیہ اور عمر کو کیوں نہیں لائے؟ ان کو دیکھے ہوئے کتنے دن ہو گئے ہیں مجھے۔''
امی کی گود میں سر رکھتے ہوئے وہ پل بھر میں بچی سی بن گئی۔

''بیٹا! کسی کو گھر بھی تو رہنا تھا نا۔ اگلی بار وہی آئیں گے۔'' امی نے کہا۔ تبھی نمیرہ نے
دلہیز پر قدم رکھا۔

''ادعیہ! تمہیں دادی اماں بلا رہی ہیں۔ غالباً فون ہے کوئی تمہارے لئے۔'' ادعیہ یکدم
ہی چونک کر دیکھنے لگی۔ نگاہ پہلے امی اور پھر شعاع سے جا ٹکرائی۔

شعاع نے اس کا ہاتھ بہت نرمی سے دبایا۔ گویا سگنل دیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی فقط
''امی'' کی خاطر اس گھڑی بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''شعاع بیٹا! بہن کے ساتھ جاؤ۔ نقاہت بے حد ہے۔ کہیں گر نہ جائے۔''

شعاع نے اسے تھاما۔

''نہیں امی۔ ٹھیک ہوں اب میں۔ با آسانی چل سکتی ہوں۔'' ادعیہ نے بہت سہولت سے
منع کیا۔ دل جانے کیوں یکدم ہی بہت شدت کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا۔ بہت ہولے ہولے
چلتی ہوئی وہ لاؤنج تک پہنچی تھی جہاں دادی اماں ریسیور ہاتھ میں لئے اس کی منتظر بیٹھی
تھیں۔ یقیناً کوئی آن دی لائن تھا۔

''لو، بات کرو۔'' دادی اماں نے ریسیور اسے تھما دیا تھا۔ اس کے لئے جیسے یہ ہلکا سا
ریسیور منوں بھاری ہو گیا تھا اس گھڑی۔ پلٹ کر دیکھا تھا۔ دادی اماں دانستہ وہاں سے ہٹ
رہی تھیں۔ وہ ہونٹ بھینچتی ہوئی بہت مشکل کے ساتھ خود کو اس سمجھوتے کے لئے تیار کر رہی
تھی۔ دل جیسے یکدم ہی پورے وجود میں ہلچل مچا گیا تھا۔ دھڑکنوں کی آواز سے کان پھٹنے کو
تھے۔ کتنا مشکل تھا خود کو مار کر دوسروں کو خوش کرنا۔

اس نے بہت مشکل کے ساتھ ریسیور کو کان سے لگایا تھا۔ ''جھکنا'' آسان تو نہ تھا۔ انا کو
کچلنا آسان تو نہ تھا۔

''ہیلو!'' حلق سے آواز جیسے نکل نہ رہی ہو۔

دوسری جانب مکمل طور پر خاموشی رہی تھی۔

"ہیلو..... ہیلو!" اس نے بہت ہمت باندھ کر ایک بار پھر نقاہت بھرے لہجے میں
تھا۔ دوسری سمت خاموشی کچھ لمحوں تک برقرار رہی تھی اور پھر کال ڈراپ ہونے والی مخصوص
"ٹون" اس کا منہ چڑانے لگی تھی۔ وہ ایسا کچھ قبول نہیں کر رہی تھی۔ کتنی کاری ضرب لگی تھی
ایک پل میں انا کا محل چکنا چور ہو گیا تھا۔ بت زمین بوس ہو گیا تھا۔

جھکنا آسان تو نہ تھا۔ مگر دوسری سمت کھڑا شخص ایک لمحے میں اسے "توڑ" گیا تھا۔ تذلیل
کے احساس نے اس کی آنکھوں میں ڈھیروں پانی بھر دیا۔ چند ثانیوں کے لئے وہ وہیں دیوار
کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ آنکھیں سختی سے میچ لیں۔

"اے، ادعیہ! کیا ہوا؟" نمیرہ جو اس جانب سے گزر رہی تھی، یکدم اسے دیکھ کر رک
اس نے فوراً ہی آنکھیں کھولیں۔ نمیرہ اس کے قریب آن رکی۔

"آر یو آل رائٹ؟"

اس نے ضبط کے بہت سے بند باندھتے ہوئے سراثبات میں ہلایا۔

"اعصار شیخ سے بات ہوئی؟"

"ہوں۔" اس نے سر ہلانے کے ساتھ ہی اپنے کمرے کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔

✿......✿

آج کتنی ہمت کر کے اس نے اس طرف آنے کے لئے خود کو آمادہ کیا تھا۔ مژگان
کئی پیغام بھجوا چکی تھیں۔ آخر کار بے بے نے بھی اسے ڈپٹا تھا اور وہ خود بھی اپنی جگہ کچھ شرمندہ
سی محسوس کرنے لگی تھی۔ آج بہت ساری ہمت باندھ کر آخر کار اس جانب آ ہی گئی تھی۔

"سیو! کیسی طبیعت ہے اب تمہاری؟" مژگان نے بہت لگاوٹ سے پوچھا تھا۔ اور
اپنی جگہ شرمندہ سی ہو کر رہ گئی تھی۔

"سوری جی...... میں آ نہ سکی۔"

مژگان نے اسے بغور دیکھا۔ معصوم چہرے پر خجالت کے واضح تاثرات لئے وہ
گھڑی اسے ہنسنے پر مجبور کر گئی۔ سیو مزید خجل ہو گئی۔ سر جھک کر رہ گیا۔

"سیو!" مژگان نے ہولے سے پکارا۔ وہ سر نہ اٹھا سکی۔ مژگان مسکرا دی۔ "ارے
میں تمہارا مذاق نہیں بنا رہی ہوں۔" اس نے یقین دلایا۔ وہ گویا یہی اخذ کر سکی تھی کہ
کے ہنسنے کا مطلب کچھ اور لے رہی ہے۔

"لیکن آپ ہنس تو رہی ہیں جی۔" سیو نے پھولے پھولے چہرے سے جس انداز
کہا، مژگان یکدم ہی کھلکھلا کر ہنس دی۔

"تو کیا تمہیں میں ہنستی ہوئی اچھی نہیں لگتی؟"

سیو نے بہت حسین سی شہری بیگم صاحبہ کو دیکھا۔ چہرے پر حد درجہ دلکشی اور رعنائی لئے
جس انداز میں وہ اسے دیکھ رہی تھیں، اس پر وہ ہولے سے مسکراتے ہوئے یکدم ہی سرنفی
میں ہلانے لگی۔

"آپ..... تو جی بہت اچھی ہیں۔ مگر وہ آپ کے صاحب کیوں نہیں آ رہے؟"

"صاحب..... آں ہاں....." مژگان یکدم چونکی، پھر سمجھتے ہوئے مسکرا دی۔ "تمہیں کیا
میں اکیلی اچھی نہیں لگتی؟"

"خدانخواستہ جی۔ سہاگنیں تو جی اپنے سرتاج کے سنگ ہی پھبتی ہیں۔ جیسے بے بے کہتی
ہیں۔" مژگان نے دیکھا تو سیو نے فوراً ہی وضاحت دی۔

مژگان کتنے ہی لمحے اسے خاموشی سے تکتی رہی۔ تبھی سیو بولتی گئی۔

"آپ دونوں کی جوڑی بہت خوبصورت ہے جی۔ رج کے سوہنی۔ بہت پھبتی ہے جی۔
لگتا ہے خدا نے آپ دونوں کو فقط ایک دوجے کے لئے ہی بنایا ہو۔"

کیا تجزیہ تھا ایک گاؤں کی الہڑ دوشیزہ کا۔ مژگان تکتی چلی گئی تھی۔

'کیا واقعی ایسا تھا.....؟' سوچنے کو نقطہ قابل غور تھا۔

"بی بی جی!" سیو نے اسے کھوئے کھوئے دیکھ کر یکدم پکارا۔

"ہوں!" مژگان یکدم ہی چونک کر مسکراتی ہوئی اسے تکنے لگی۔

"ایک بات پوچھوں جی؟" سیو نے تبھی بہت ڈرتے ڈرتے اس دھان پان سی لڑکی پر
نگاہ کی۔ "وہ..... جی..... کہیں..... آپ دونوں میں کوئی کھٹ پٹ..... تو نہیں ہو گئی جی؟"

"کھٹ پٹ..... کھٹ پٹ مین.....؟" مژگان نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ سیو بوکھلا کر
ادھر ادھر تکنے لگی۔

"وہ..... رہ جی..! وہی لڑائی جو دو فریقین کے درمیان ہوتی ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے
وضاحت کی۔

مژگان لمحہ بھر کو حیران ہوئی، پھر مسکراتے ہوئے سرنفی میں ہلانے لگی۔ "نہیں، ایسی کوئی
بات نہیں۔ ہم دونوں میں کبھی لڑائی ہوئی ہی نہیں۔ ہو بھی نہیں سکتی۔ کیونکہ ہم میں کبھی کوئی
اختلاف رہا ہی نہیں۔" بہت کھوئے ہوئے سے انداز میں جیسے مژگان نے خود کلامی کی تھی۔
پل بھر میں احساس ہوا تھا کہ "ہزبینڈ، وائف" کے فطری رشتے میں کتنے فطری مراحل آتے
ہیں۔ اور یہاں تو..... وہ یکدم ہی سر جھٹکتے ہوئے سیو کو مسکراتے ہوئے تکنے لگی تھی۔

"تمہاری اسٹڈی کیسی جا رہی ہے؟"

"جی بہت اچھی جی۔" سیو نے بہت ہولے سے سر ہلایا۔

"ہاں، وہ تو دیکھ رہی ہوں۔" مژگان ہنسی۔ "جس رفتار سے پٹر پٹر بولنے لگی ہو، انہی کتابوں کا اثر ہے۔"

"جی، یہ سب تو آپ کی بدولت ہے جی! آپ اور کائنات بی بی جی اگر میرا ح بڑھاتیں، مجھے تحریک نہ دیتیں تو جی کہاں یہ کملی گوری کچھ کر سکتی۔" سیو کے انداز میں عاجزی تھی۔

"اور تو سب ٹھیک ہے، بس یہ اتنی کثرت سے "جی جی" بولنا بھی ترک کر دو۔" مخلصانہ مشورہ دیا۔ سیو ہنس دی۔

"وہ جی کائنات بی بی بھی یہی کہتی تھیں۔"

"تم نے بہت تیزی سے امپروو کیا ہے۔ انگلش کچھ اور اچھی کر لو تو تم با آسا دسویں کے بورڈ کے امتحان میں شریک ہو سکتی ہو۔" مژگان نے کہا تو وہ چونک کر تکنے

"بورڈ کے امتحان میں جی...... یہ کیا ہوتا ہے جی؟"

"یہ بھی ہوتا ہے۔ تمہیں پھر کبھی بتاؤں گی۔ اتنا جان لو، یہ بہت ضروری ہوتا ہے سے ایک "سند" ملتی ہے جو آپ کو پڑھا لکھا ظاہر کرتی ہے۔ یہ سند زندگی کے دیگر مرا کرنے کے لئے بہت کام آتی ہے۔ اس کے بعد تم مزید تعلیم حاصل کر کے ترق منازل طے کر سکتی ہو۔"

"میں جی......؟" سیو کی خوبصورت آنکھوں میں بہت دلربا روپہلے سپنے لحہ بھر جھلملانے لگے۔ جیسے وہ ان خواب موسموں کی انگلی تھام کر یکدم ہی چل پڑی تھی۔

"اے...... کہاں کھو گئیں؟" مژگان نے اسے یکدم چونکا دیا۔ وہ سر جھٹکتے ہو دی۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے یکدم ہی نفی میں سر ہلانے لگی۔

"مگر بے بے کو کون سمجھائے گا جی؟ ان کو تو گوریوں کا یہ پڑھنا لکھنا بالکل ہے۔ وہ تو کبھی بھی مجھے اتنا ڈھیر سارا پڑھنے لکھنے نہیں دیں گی جی!"

"ان کو میں سمجھا لوں گی۔ تم فکر مت کرو۔ فی الحال تو میں نے تمہیں اس لئے کہ تم اس تیار شدہ ایمبرائڈری ورک کو چیک کر سکو۔ تمہاری بے بے بتا رہی تھیں کہ تم میں بہت مہارت رکھتی ہو۔" مژگان نے کہتے ہوئے تیار شدہ بہت سے کپڑے سامنے رکھے تو وہ حیران سی مژگان کی سمت تکتی چلی گئی۔

"آپ مجھ پر اتنا اعتبار کرتی ہیں جی؟" اس کا کہنے کا انداز ایسا تھا کہ مژگان مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

"تم پر بھی اور تمہاری صلاحیتوں پر بھی۔ تم ان کپڑوں کو چیک کرو۔ میں ذرا اماں جی کو دیکھ لوں۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور چلتی ہوئی لیونگ روم میں آ گئی جہاں اعیان اور اماں بیٹھے پرانی البمز دیکھ رہے تھے۔

"یہ کیا ہے بھئی؟" مژگان کہتی ہوئی اماں کے پاس بیٹھ گئی۔

"یہ اعیان آج پرانی الماری میں دھری کب کی پرانی البمز نکال لایا ہے۔" اماں نے مسکراتے ہوئے آگاہ کیا۔

اعیان اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "یہ بڑی نادر و نایاب تصویروں پر مبنی البم ہے۔ نادر و نایاب اس لئے کہ یہ اماں اور ابا جی کی شادی کی تصویروں سے بھی مزین ہے۔ دیکھئے، یہ دونوں حضرت اور بی بی اپنے عہد جوانی میں کس قدر حسین و جمیل تھے۔" اعیان نے مسکراتے ہوئے البم اس کے آگے کی۔

پہلے ہی صفحے پر اماں کی دلکش و دلفریب تصاویر تھیں۔

"ارے یہ اماں ہیں؟" مژگان مسکراتی ہوئی حیرت سے اماں کی سمت تکنے لگی۔ "آئی کانٹ بلیو اِٹ۔ اماں! آپ تو بڑی دلکش خاتون تھیں۔"

"کیا اب نہیں ہیں؟" اعیان نے مصنوعی خفگی سے گھورا۔

"نہیں، میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" مژگان مسکراتی ہوئی اماں کی طرف تکنے لگی۔ "اماں! آپ تو اب بھی بہت خوبصورت ہیں۔" اس نے ان کے ساتھ لگ کر محبت سے کہا۔ اماں اس کے گرد اپنے بازو حمائل کرتے ہوئے مسکرا دیں۔

"یہ ابا جی کو بھی تو دیکھیں، کس قدر ہینڈسم تھے موصوف۔" اعیان نے ابا جی کی تصویر آگے کی۔ مژگان لحہ بھر کو حیران رہ گئی۔ پھر مسکراتی ہوئی اعیان کو دیکھنے لگی۔

"ارے یہ تو کافی حد تک رہبان سے مشابہہ ہیں۔"

"یہ نہیں، آپ کے محترم رہبان عالم شاہ ہمارے ابا جی سے مشابہت رکھتے ہیں۔" اعیان نے مصنوعی خفگی اختیار کرتے ہوئے فوراً وضاحت کی۔

"اور تم یہاں کہاں تھے؟"

"میں، اس وقت ابا جی کے پیچھے چھپا اس ساری تقریب سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔" یان کا قہقہہ بہت فطری تھا۔

"بہت شریر ہو۔" اماں نے محبت سے اسے دھموکا جڑا۔

"جناب! ہم جن حضرت پر پڑے ہیں، وہ بھی یہیں کہیں ہیں۔ دکھاتے ہیں ابھی لو۔" اعیان عجلت میں صفحات اُلٹنے لگا۔

"ذرا دیکھیے انہیں، بتایئے یہ کون ہیں؟" اعیان نے آخر کار ایک مطلوبہ تصویر ا... کے اس کے سامنے کر دی۔

اس کی آنکھوں میں یکدم ہی بہت سی حیرت سمٹ آئی۔ "یہ کون ہیں؟"

تصویر میں موجود شخص واقعی اعیان عالم شاہ سے خاصا مشابہہ تھا۔

مژگان نے سر اٹھا کر اعیان کی جانب دیکھا تھا۔ اماں کے چہرے کے تاثرات واضح انداز میں بدلتے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔ وہ یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر کر قری... ملازمہ سے ابا جی کے متعلق دریافت کرنے لگی تھیں۔

"یہ....؟" اعیان نے دھیمے سے کہا۔ ساتھ ہی اماں کی جانب دیکھا۔ "یہ ہمارے چچا صاحب ہیں۔ سید وجاہت افتخار شاہ۔ عرصہ دراز سے اپنی مرضی سے ملک بدر ہیں۔"

مژگان کتنی ہی دیر تصویر کو دیکھتی رہی۔

"تم لوگ بھی کبھی نہیں ملے؟ آئی مین تم لوگوں نے بھی کبھی نہیں دیکھا انہیں؟"

"نہیں، جب ہم بہت چھوٹے چھوٹے تھے تو وہ یہاں آئے تھے۔ پھر واپس... گئے۔ غالباً پاکستان کی آب و ہوا انہیں راس نہیں آئی۔ اپنی نوعمری کے زمانے ... فرنگیوں کے دیس سدھار گئے۔ بقول دادی اماں کے۔" وہ مسکرایا۔ "پھر اگر لوٹے بھی... نہیں لگا۔ رہبان بھائی نے یقیناً ان کے متعلق آپ کو آگاہ نہیں کیا ہوگا۔"

"ہاں۔" مژگان نے جواب دیا۔ پھر اماں کی طرف دیکھا جو اٹھ کر باہر نکل گ... جانے کیوں اسے محسوس ہوا تھا کہ اماں کے انداز میں یکدم ہی تبدیلی رونما ہوئی تھ... لاتعلق سی نظر آتی ہوئیں منظر سے قصداً ہٹ گئی تھیں۔ اعیان نے مژگان کی نظر... جھانکتے ہوئے اس کی الجھن کو سمجھنا چاہا تھا۔

"میں شہر جا رہا ہوں۔ کچھ منگوانا ہو تو بتا دیں۔"

مژگان نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا۔

"اوکے، پھر ملتے ہیں ڈنر پر۔ اور ہاں، وہ آپ کے صاحب بہادر کا فون میر... سیل پر موصول ہوا تھا۔ فرما رہے تھے کہ اپنی بھابی سے کہہ دو اگر یاد کرنے کی فرص... لمحہ بھر کو وقت نکال کر موبائل ہی آن کرنے کی زحمت کر لیں۔ غالباً کوئی گھر...

کرنے ہیں انہیں آپ سے۔" اعیان کے چہرے پر دوسرے ہی پل بہت شرارت سے پُر مسکراہٹ تھی۔ اور مژگان جواباً دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

اعیان اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ بظاہر اس نے خود کو پُرسکون ظاہر کر دیا تھا مگر کمرے سے اٹھ کر گاڑی تک آنے تک اس کے ذہن میں مسلسل ایک ہی سوال ابھر کر پریشان کر رہا تھا کہ اکثر وجیہہ چاچا کے ذکر پر اماں اور ابا دونوں کے تاثرات اس قدر سرد کیوں ہو جاتے ہیں؟ اس نے کئی بار یہ بات محسوس کی تھی، کئی بار وہ چونکا تھا۔ اماں تو بھابی تھیں، سرد مہری کا جواز باقی بچتا بھی تھا۔ مگر ابا جی تو بھائی تھے۔

پھر......؟

اس نے کئی بار دریافت کرنا چاہا تھا۔ پوچھنے کے متعلق سوچا تھا مگر کبھی پوچھ نہیں پایا تھا۔ کئی بار اس نے خود کو یہ باور کرانے کی بھی کوشش کی تھی کہ شاید یہ اس کا محض وہم ہو۔ شاید وہی ایسا محسوس کر رہا ہو۔ مگر جانے کیوں اسے لگتا تھا کہ ایسا نہیں ہے۔ اسے یاد تھا جب آخری بار چچا آئے تھے تو وہ دونوں بھائی بورڈنگ ہاؤس سے گھر آئے تھے۔ چاچا نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا تھا اور ان مختصر سی سردیوں کی چھٹیوں کو ان کے ساتھ جی بھر کے انجوائے کیا تھا۔ کتنے مقامات کی سیر کی تھی۔ کتنے مقامات پر یادیں چھوڑی تھیں۔ چاچا ان کے ساتھ بچوں جیسے کھیل کھیلتے ہوئے کس قدر محظوظ ہو رہے تھے اور ان دونوں نے بھی کس قدر انجوائے کیا تھا۔

وہ دن بھولنے والے نہ تھے۔ پھر اس کے بعد وہ دوبارہ بورڈنگ واپس چلے گئے تھے۔ اس کے بعد اگر دو ایک بار وجیہہ چاچا کا آنا ہوا بھی تو کم از کم اعیان کی ملاقات ان سے نہیں ہوئی تھی۔

تب کی باتیں اسے بہت اچھی طرح یاد تھیں۔ اگرچہ وہ بہت چھوٹا تھا۔ سات یا پھر آٹھ برس کا۔ شاید اتنی ہی عمر تھی مگر اسے یاد تھا کہ رویے کیا ہوتے ہیں اور انہیں کس نہج پر 'پُرجوش' اور 'گرم جوش' کہا جا سکتا ہے۔ تب دادی اماں اور دادا ابا بھی حیات تھے۔ ابا جی تو شروع سے ہی وجیہہ چاچا سے بہت محبت کرتے تھے مگر اماں کو بھی اپنا اکلوتا دیور بہت عزیز تھا۔

شادی سے قبل اماں اور ابا جی آپس میں فرسٹ کزن بھی تھے۔ یوں رشتوں کی ڈور شروع سے ہی بہت مضبوط تھی۔ سو سرد مہری کا تو سوال ہی نہ اٹھتا تھا، کجا بیگانگی اور اجنبیت برتنا۔

کئی لمحوں تک جانے کیوں وہ اسی نہج پر سوچتا رہا تھا۔ مگر ہمیشہ کی طرح آج بھی کوئی معقول جواز اس کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔

شاید وجیہہ چاچا نے اپنی مرضی سے ایک انگریز خاتون سے شادی کر کے خود کو ہمیشہ کے

لئے وہیں کا کر لیا تھا۔ وہ کئی اہم موقعوں پر بھی پاکستان نہیں آئے تھے۔ دادا ابا گزر گئے تھے۔ بیٹے کی دید کی تمنا لئے، دادی اماں بھی سدھار گئیں۔ مگر وجیہہ چاچا نے پاکستان کا رخ نہیں کیا تھا۔ اسے یاد تھا جب دادی اماں کی ڈیتھ ہوئی تھی، اس وقت ابا جی بہت نڈھال تھے اور انہوں نے کسی کے وجیہہ چاچا کے متعلق دریافت کرنے پر بہت مدھم آواز میں کلامی کی تھی۔ ”وہ ہمارے لئے مر چکا......!“

اور پھر اس کے بعد اس گھر میں کبھی وجیہہ چاچا کا ذکر کسی نے نہیں چھیڑا تھا۔ کسی نے نہیں، ابا جی نے نہیں اور نہ ہی اماں نے۔ رہبان اس وقت پڑھنے کے لئے باہر سیٹ ہو گیا تھا جبکہ وہ اپنے کمرے میں پڑی البم کو کھول کر دیکھتے ہوئے کئی بار اماں سے باتوں باتوں میں ان کا ذکر کر جایا کرتا تھا، دانستہ نہیں۔ نادانستہ طور پر۔ کبھی ان کے دیئے کھلونوں سے کھیلتے ہوئے اور کبھی ان کے دیئے گئے دیگر تحائف کو دیکھتے ہوئے۔ کبھی رشتے داروں کے ہجوم میں مختلف بچوں کو اپنے چچا یا ماموں کے ساتھ مل کر کھیلتے دیکھ کر یا لگاوٹ کا مظاہرہ کرتے دیکھ کر۔

”اماں! وجیہہ چاچا کب آئیں گے؟“ اس نے دو ایک بار یہ سوال کیا تھا مگر اماں بجائے اسے جواب دینے کے، یکسر نظر انداز کرتے ہوئے کوئی دوسری بات چھیڑ دی تھی کی دلچسپی کی کوئی معصوم سی بات۔ وہ تب بچہ تھا، معصوم تھا۔ شاید اتنے سہل انداز میں سمجھ نہ پاتا۔ مگر آج جب گزرے لمحوں پر نگاہ کی تھی تو جیسے بہت سے رنگ واضح تھے۔ مگر اس کے باوجود وجوہات کا سلسلہ جوں کا توں مخفی تھا۔

✿......✿

سیہ اپنی ہی دھن میں مژگان کے کمرے سے نکل رہی تھی۔ جب عین اسی گھڑی اعیان شاہ کو اپنے کمرے سے نکلتے دیکھ کر چونک پڑی۔ نظریں یکدم ہی جھک گئیں۔ سانسوں کی رفتار حسب معمول بڑھ گئی۔ عجلت میں اس نے قدم تیزی سے آگے بڑھانے چاہے۔ اس منظر سے ہٹ جانا چاہا، بھاگ جانا چاہا۔ اس روز تو چوری کا الزام عائد کیا تھا، آج جانے کون سا الزام لگا دیا جاتا۔ وہ غریب تھی، مگر شخصی وقار اور انا کا مطلب بخوبی جانتی تھی۔

”اے سنولڑکی...... ٹھہرو۔“ اعیان نے اسے عجلت سے بھاگتے دیکھ کر یکدم ہی پکارا تھا۔ وہ لمحہ بھر میں جیسے اپنی جگہ پر بت ہو گئی تھی۔ حالانکہ اس نے پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا تھا۔ مگر سارا وجود جیسے پتھر کا سا لگ رہا تھا۔ وہ خود کو بے حد کم ہمت محسوس کر رہی تھی دو قدم اٹھانے کی سکت بھی ناپید تھی۔

اعیان شاہ نے اسے ٹھہرے دیکھ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے اس کی جانب پیش قدمی کی تھی اور پھر اس کے مقابل آن رکا تھا۔ وہ سر جھکائے سنگ مرمر سے مزین فرش کو دیکھتی رہی تھی۔ سینے کے اندر جیسے بھونچال سا آ گیا تھا۔ ایک قیامت نے جیسے سارے وجود کا احاطہ کر لیا تھا۔ اعیان شاہ اس کے عین مقابل کھڑا اسے چند ثانیوں تک دیکھتا رہا تھا۔ وہ جیسے بے بسی کی تصویر بنی کھڑی تھی۔

”میں...... میں نے آج تو لائبریری میں قدم بھی نہیں رکھا جی! آج تو آپ مجھ پر چوری کا الزام مت لگائیں۔ چھوٹے سرکار! قسم لے لیجئے، ہم نمک حلال ہیں۔ جس تھالی میں کھاتے ہیں اس میں چھید کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتے۔“ ہونٹوں کو زبان سے نم کرتی ہوئی وہ نگاہیں اٹھائے بغیر گویا ہوئی تھی۔

اعیان عالم شاہ نے لمحہ بھر کو حیران ہو کر اس دھان پان سی لڑکی کو دیکھا تھا۔ وہ سر جھکا کر کھڑے ہونے کے باوجود اپنا دفاع بہت بھرپور انداز میں کر گئی تھی۔

”تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ آج بھی میں تم پر چوری کا ہی کوئی الزام عائد کروں گا؟“ بغور دیکھتے ہوئے اس نے سرد و جامد لہجے میں کہا۔ وہ لمحہ بھر کو نگاہ اٹھا کر پھر جھکا گئی۔ اعیان شاہ

نے اس کے وجود پر سے اپنی نگاہیں ہٹائی نہیں۔

''یہ یقیناً ان موٹی موٹی کتابوں کا ہی اثر ہے کہ تمہیں اب بولنا آ گیا ہے۔'' پ
طنز کر رہا تھا یا پھر تجزیہ۔ وہ قطعی طور پر سمجھنے سے قاصر رہی۔ سر یونہی جھکا رہا۔ نگاہ ی
پر ٹکی رہی۔

سیو وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی، بھاگ جانا چاہتی تھی۔ مگر جس انداز سے وہ
شخص راستہ روکے کھڑا تھا، فرار کے سارے راستے مسدود ہو چکے تھے۔ وہ بے بسی
ہونٹ کاٹتی رہی۔ کہتی بھی تو کیا۔ مزید کوئی الزام عائد کر دیا جاتا۔ وہ ابھی یہی سوچ
جب اعیان شاہ کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''ہمیں افسوس ہے اس روز کے واقعے پر۔ بہرحال تم چاہو تو اپنے شوق کو بخوشی
سکتی ہو۔''

''جی شکریہ۔ مجھے شاہ جی کی جانب سے اس بات کی اجازت پہلے ہی حاصل ہے
نے ایک نگاہ اٹھا کر پل بھر میں ہی اعیان شاہ کو گویا حیرت میں معلق چھوڑ دیا۔ ''ا
جاؤں جی؟'' خشک لبوں پر زبان پھیرتی ہوئی وہ اس لمبے چوڑے شخص پر نگاہ ڈالتی ہوئی

''ہاں..... ہوں..... تم جا سکتی ہو۔'' اور اس کے ساتھ ہی چھوٹے سرکار نے مڑ کر
کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔

سیو نے اسے کتنی ہی دیر یونہی خاموشی سے تکا تھا، پھر دیوار سے پشت ٹکا کر کب
ہوا سانس خارج کیا تھا۔ کیا واقعی وہ اتنی ہمت کا مظاہرہ کر چکی تھی؟ کیا واقعی اس م
ہمت آ چکی تھی؟ اسے یقین نہ آ رہا تھا۔

✿.....✿

کیوں ٹھہر جاتے ہیں دریا سرِ شام
روح کے تار ہلا، غور سے سن
دل تڑپ اٹھتا ہے کیوں آخر شب
دو گھڑی کان لگا، غور سے سن
اسی منزل میں ہیں سب ہجر و وصال
رہ رو آبلہ پا، غور سے سن
کیا گزرتی ہے کسی کے دل پر
تو بھی اے جانِ وفا، غور سے سن

دل سے ہر وقت کوئی کہتا ہے
دل نہیں تجھ سے جدا، غور سے سن

''آپ کب آئے؟'' مژگان واپس لوٹی تو رہبان عالم شاہ کو ڈرائنگ روم میں اماں اور ابا
جی کے درمیان بیٹھا دیکھ کر چونک گئی۔

''کچھ ہی دیر قبل۔ تم سناؤ، کیسی چل رہی ہے تمہاری ہابی؟'' رہبان عالم شاہ نے مسکراتے
ہوئے اسے دیکھا۔ اس نے دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے قدم آگے بڑھائے۔ پھر بیگ
ٹیبل پر ڈالتے ہوئے اماں کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''یہ ہابی نہیں ہے، مقصد ہے۔ میری زندگی کی شاہ راہ ہے یہ۔ ایک راہ ملی ہے مجھے
یہاں آ کر۔ تم یقین نہیں کر سکتے رہبان! یہاں کی خواتین کس قدر مہارت رکھتی ہیں۔ بہت
ہنر ہے ان کے ہاتھ میں۔ بس ضرورت راہ ملنے کی ہے۔ میں حیران ہوں مجھے انہیں ایکسپلور
کرنے کا خیال اتنی دیر میں کیوں آیا۔'' مژگان بہت پُرجوش اور پُرعزم دکھائی دے رہی تھی۔
رہبان عالم شاہ نے اسے دھیمے سے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

اس کا چہرہ بہت دمک رہا تھا۔ اس کے سارے خواب جیسے اس کی آنکھوں میں تیر رہے
تھے۔ اس سارے عرصے میں رہبان عالم شاہ نے پہلی بار اسے اس قدر خوش اور مطمئن دیکھا
تھا۔

''چلو اچھی بات ہے۔ کسی طرح سے وقت اچھا گزر جایا کرے گا۔ خالی انسان کا دماغ
یوں بھی شیطان کا کارخانہ بن جاتا ہے۔'' رہبان عالم شاہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا
تھا۔ تبھی اماں بولی تھیں۔

''ہمیں تو یہی خدشہ لاحق رہا ہے کہ تم ہم پر یہ الزام عائد نہ کر ڈالو کہ ہم نے بچی کو
مصروف کر کے کمزور کر ڈالا۔''

''کمال کرتی ہیں اماں آپ بھی۔ میری یہ مجال؟'' اس نے اماں کے گرد بازو حمائل کر دیا۔

''اماں! باتوں میں مت آئیے گا۔ حضرت بٹرنگ کر رہے ہیں۔'' مژگان نے مسکراتے
ہوئے چھیڑا۔ وہ ہنس دیا۔ ابا جی بھی مسکرا دیئے۔

''تم بیٹھو، باتیں کرو۔ میں نماز پڑھ لوں۔'' ابا جی اپنے خوشحال بچوں کو دیکھتے ہوئے اٹھ
کھڑے ہوئے۔ تبھی اماں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے۔ خاموشی
چاروں اطراف اپنے سائے پھیلانے لگی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو نگاہیں اٹھا کر دیکھا۔
پھر دونوں ہی غالباً اخلاقاً مسکرا دیئے۔

"سجل کیسی ہے؟"

"ہوں...... ٹھیک ہے۔" رہبان عالم شاہ لمحہ بھر میں چونکا، پھر اسی رسانیت سے کہا۔ "تم ٹھیک ہو؟" نظریں اس کے چہرے پر ٹکاتے ہوئے دریافت کیا۔

مژگاں یکدم ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ "ہاں...... کیا نہیں لگ رہی ہوں؟"

رہبان اسے دیکھتے ہوئے گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا۔ "کہاں عادت ہوئی تمہیں اتنی ٹف جاب کی۔"

"عادت تو ہو ہی جاتی ہے۔" مژگان جواباً مسکرا دی۔

"واپس چلنے کا ارادہ ہے کہ نہیں؟" بڑا دلربا جملہ تھا۔ مژگان یکدم ہی چونک کر کہنے والے کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ شاید اس جملے کی کیفیت اس کے چہرے پر پڑھنے کی خواہاں تھی یا پھر کسی حد تک اس کی نوعیت جاننے کی خواہش مند تھی۔ مگر شاید وہ جملہ فقط ایک رسمی جملہ ہی تھا۔ رہبان عالم شاہ کی آنکھوں میں، اس کے چہرے پر...... کہیں بھی تو کچھ نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ دلکشی سے مسکرا دی تھی۔

"چل ہی تو رہی ہوں۔"

رہبان عالم شاہ نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"میں گھر چلنے کی بات کر رہا ہوں۔" اس سے قبل کہ مژگان کسی مزید خوش فہمی کی سمت پیش قدمی کرتی، وہ کہہ رہا تھا۔ "یقیناً تمہاری مصروفیت بہت ہے اور فی الحال یہ ممکن نظر نہیں آتا۔"

"کیا میرے بغیر وہاں کوئی کمی ہے؟" یونہی مسکراتے ہوئے اس نے سر اٹھایا۔ رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا تھا، پھر اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"گاؤں کی آب و ہوا کا ٹھیک ٹھاک اثر ہوا ہے تم پر۔ حس مزاح کافی اچھی ہو گئی ہے۔"

وہ سہولت سے ٹال گیا تھا اور تب مژگان بیگ تھامتی ہوئی ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی اس کی آنکھوں کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"بہت جلد چکر لگاؤں گی۔ فی الحال تو اس پراجیکٹ پر ہی ساری توجہ صرف ہو رہی ہے۔ کافی عرصے سے گھر کی بھی خبر نہیں۔ اس پراجیکٹ کو لے کر مجھے ان سے بھی بات کرنا ہے تاکہ میری آمد سے قبل وہ تمام صورتحال کو سنبھال لیں اور میرے لئے کام آسان ہو جائے۔ اینی وے، پھر ملتے ہیں۔ میں ذرا فریش ہو لوں۔" وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے اسے اپنے ہی گھر میں مکمل استحقاق کے ساتھ چلتے پھرتے ہوئے

دیکھا تھا۔ پھر صوفے کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لی تھیں۔

✿......✿

اِک چوٹ جو دونوں کو برابر کی لگی ہے
محسوس تمہیں ہو گی دکھائی ہمیں دے گی
گو ترکِ مراسم ہے قتیل اس کے سبب سے
الزام مگر ساری خدائی ہمیں دے گی

وہ اپنی مطلوبہ بس کے انتظار میں بس اسٹاپ پر کھڑی تھی جب ایک گاڑی اس کے قریب آن رکی۔ وہ بری طرح چونک گئی۔ دوسرے ہی پل کسی نے شیشہ اتار کر دیکھا تھا۔

"فہد تم؟" ادعیہ نے سکون کی ایک سانس خارج کی۔ حالانکہ اسے اس پل اپنے سامنے پا کر اسے قدرے حیرت زدہ ہونا چاہئے تھا کہ اپنی رخصتی سے لے کر اب تک یہ اس کی پہلی ملاقات تھی فہد سے۔ مگر وہ اندر سے اس قدر خوفزدہ رہنے لگی تھی کہ پتا بھی ہلتا تو لرز جاتی اور اب تو فہد نے اچانک ہی گاڑی اس کے سامنے لا کھڑی کی تھی۔

"آؤ بیٹھو۔" فہد کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر ناپید تھا۔ ادعیہ چونکی تھی، پھر دوسرے ہی پل خود کو ریلیکس کرتے ہوئے اس کے سنگ ہو لی تھی۔

"شادی مبارک ہو۔" فہد کا لہجہ اور انداز بہت سرد تھا۔ وہ اس کے لئے جیسے پہلے سے تیار تھی، تبھی بہت پُرسکون انداز میں فہد کی جانب دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"شکریہ...... لیکن اتنی دیر میں خیال آیا تمہیں؟" وہ فہد پر کوئی بات بھی ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی، تبھی بولی تھی۔

فہد نے اس کے مطمئن، پُرسکون انداز پر اسے جیسے بطور خاص دیکھا تھا۔ ادعیہ پل بھر میں ہی نگاہ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

"ممانی، ماموں اور باقی سب کیسے ہیں؟" رسانیت سے دریافت کیا تھا۔

"یاد ہیں تمہیں سب؟" عجیب سا طنز تھا۔ وہ جیسے اپنی جگہ پر کٹ کر رہ گئی تھی مگر خود کو بہت آہستگی سے سنبھالتے ہوئے وہ یکدم ہی مسکرا دی تھی۔

"تمہارا غصہ بجا ہے۔ اور میں جواباً شکوہ بھی قطعی نہیں کروں گی۔ مگر زندگی بعض اوقات بہت تیزی سے سفر کرتی ہے۔ بھرپور افراتفری کے سے انداز لئے اور ایسے میں بہت سے اسٹیشن یونہی چھوٹ جایا کرتے ہیں اور ایسے ہی بہت سے حادثے بھی اچانک ہی وقوع پذیر ہو جایا کرتے ہیں۔ انہی شدید حادثات میں شادی بھی شمار ہوتی ہے۔" اس نے خود کو خوش

ظاہر کرنے کی حتی الامکان کوشش کی تھی۔ فہد نے ونڈ اسکرین پر سے نگاہ ہٹاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”تم خوش ہو؟“ جانے فہد نے یہ سوال کیوں کیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔ مگر لمحے بھر میں ہی اس کے لبوں سے مسکراہٹ غائب ہوگئی تھی۔ وہ مسکراہٹ جسے لبوں تک لانے کے لئے اسے ہزار ہا جتن کرنے پڑے تھے۔ جانے کیوں ہر کوئی اس کی آزمائش لینے کے درپے تھا۔ جیسے وہ شیشہ ہوگئی تھی کہ دیکھنے والی نگاہ پل میں آر پار ہو جاتی تھی۔

”تمہیں کیا لگتا ہے؟“ وہ یکدم ہنس پڑی تھی۔ ”آف کورس بہت خوش ہوں میں۔“

”اگرچہ یہ شادی تمہاری مرضی کے برخلاف ہوئی۔ تمہاری رضا کے بغیر ہوئی۔“ فہد کو جانے کیوں اسے بکھیرنا اچھا لگ رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو ساکت ہوئی تھی، پھر مسکرا دی تھی۔

”کم آن فہد... یہ مشرق ہے۔ یہاں پر نائنٹی نائن پرسنٹ شادیاں لڑکیوں کے ماں باپ اپنی مرضی سے طے کرتے ہیں اور وہ شادیاں کامیاب بھی رہتی ہیں۔ یہاں پر مغرب والا رجحان نہیں ہے۔“ ادعیہ نے ایک دلکش مسکراہٹ کے ساتھ اسے ٹالا تھا۔

”میں مشرق کے طور و اطوار بھولا نہیں ہوں۔ بہرحال، اعصار شیخ صاحب کیسے ہیں؟“

”ٹھیک ہیں۔“ ادعیہ نے بھاگتے دوڑتے راستوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

”تم ساتھ نہیں گئیں اس کے؟“ وہ لمحہ بھر میں ہی جیسے زمین بوس تھی۔ فہد سوال کرنے کے بعد بہت مطمئن انداز میں ونڈ اسکرین سے اس پار دیکھ رہا تھا۔

”نہیں، میری اسٹڈی کا مسئلہ تھا۔ تم آؤ نا کبھی ہمارے ہاں۔“ عجلت میں کچھ اور نہ بن پڑا تو یہی کہہ ڈالا۔ فہد نے خاموشی اختیار رکھی۔ تبھی وہ بولی۔

”سنو، یہاں اسٹاپ پر روک دو۔ مجھے کوچنگ کے لئے اندر کی طرف خاصا واک کرنا پڑے گا۔“ اس کے لئے جیسے مزید سفر کرنا محال تھا۔ فہد نے ایک خاموش نگاہ اس پر ڈالی تھی اور پھر گاڑی سائیڈ پر روک دی تھی۔

✿......✿

نگاہِ فکر کو حیراں بنا گیا کوئی
مرا ہی عکس تھا، مجھ کو دکھا گیا کوئی
سمجھ رہے تھے کہ دشت جنوں میں تنہائی
یہاں بھی شہر بسا کر چلا گیا کوئی

”گھر کا سارا حسن عورت کے دم سے ہے۔ کتنا ویران لگ رہا ہے اس گھڑی یہ گھر مژگان بھابی کے بغیر۔“ علی شاہ نے گھر کے خالی پن کو محسوس کرتے ہوئے رہبان عالم شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ وہ خاموشی سے چائے کے سپ لیتا رہا تھا۔

”تم نے غور کیا ہے، مژگان بھابی کے آنے سے پہلے تمہارے، اس چھوٹے سے فلیٹ کی حالت کس قدر بنجر تھی؟“ علی شاہ نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے رہبان عالم شاہ کے احساسات پر ایک کاری ضرب لگانا چاہی تھی۔

”تم سناؤ، کب بسا رہے ہو گھر...... کب تک یوں دربدر پھرتے رہو گے؟“ رہبان عالم شاہ نے مسکراتے ہوئے اپنی جانب سے توپ کا رخ یکدم ہی ہٹا دیا تھا۔

علی شاہ ہنس دیا تھا۔ ”فی الحال تو یار! اس ہاتھ میں شادی کی لکیر نظر نہیں آرہی۔ شاید کچھ دنوں بعد بن جائے۔ کاش میں بھی تمہاری طرح خوش نصیبوں کی قطار میں شامل ہوتا۔“

”شادی کی لکیر بنتی نہیں، بنانی پڑتی ہے۔ آج ارادہ باندھو تو لکیر خود بخود نمودار ہو جائے گی۔“ رہبان عالم شاہ نے اس کے مضبوط ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرا۔ وہ ہنس دیا۔

”میں تم جیسا خوش نصیب تا حال نہیں ہوں۔“

رہبان نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ چہرے پر پریشانیوں کا جال آج واضح انداز میں تامحسوس ہو رہا تھا۔ علی شاہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

”تمہارے چہرے پر یہ خوف کیسا ہے؟ کسی کے ساتھ ناانصافی کرنے کا خدشہ ہے یا کسی کے ساتھ کئے گئے وعدوں کو ادھورا چھوڑ دینے کا غم؟“ علی شاہ نے جیسے اس کے چہرے کو پڑھا تھا۔

”پتہ نہیں علی شاہ، میں واقعی شاید دوراہے پر آن کھڑا ہوا ہوں۔ اس وقت سے واقعی بہت خوفزدہ ہوں جب مجھے کوئی ایک راہ چننی پڑے گی۔“

”تمہارا دل کیا کہتا ہے؟“ علی شاہ نے اس کے سینے پر ہاتھ دھرا تھا۔

”دل کی چھوڑو۔ یہ تو پاگل ہے۔“

”اوہ......تو تم دماغ بھی رکھتے ہو۔“ علی شاہ مسکرا دیا تھا۔ رہبان سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

”علی شاہ! میں واقعی خوفزدہ ہوں۔ سوچ سوچ کر تھکنے لگا ہوں۔ کوئی راہ مل نہیں رہی۔“

”وقت پر ڈال دو۔ وقت کوئی فیصلہ کرنے میں کبھی غلطی نہیں کرتا۔“

”مگر وقت کو مٹھی میں بند کر کے بھی نہیں رکھا جا سکتا علی شاہ! یہ وقت کسی کا نہیں ہے اور

میں کسی کو اس وقت کے رحم و کرم پر نہیں ڈال سکتا۔ یہ وقت بہت ہی بے رحم ہے۔"

علی شاہ نے سنجیدگی سے اسے لمحہ بھر کو دیکھا تھا۔ "کہیں تمہیں مژگان بھابی سے محبت نہیں ہو گئی؟"

رہبان عالم شاہ اسے خاموشی سے دیکھتا رہا تھا۔ پھر دوسری جانب دیکھنے لگا تھا۔

"یہ ہم مرد حضرات محبت کے معاملے میں بڑے خود کفیل ہوتے ہیں۔ محبت کے راستے پر سفر کرتے رہنا بڑا دلفریب مشغلہ ہوتا ہے ہمارے لئے۔ کسی ایک منزل پر تھم جانا ناممکن ہو۔ جہاں قدم پڑتے ہیں، وہیں منزلیں بنانے کا ہنر رکھتے ہیں۔ کراچی سے چلیں لنڈی کوتل تک پہنچتے پہنچتے پچاس عشق بڑے آرام سے فرما چکے ہوتے ہیں۔ نان اسٹاپ والی ٹرین کی طرح ہمارا سفر بھی تیز رفتار ہوتا ہے۔"

رہبان عالم شاہ یکدم ہی ہنس پڑا تھا۔

حضرت! مذاق کی بات نہیں ہے یہ۔ ایک عمر کا نچوڑ ہے یہ۔"

"کبھی اس عمر کے نچوڑ سے خود بھی فائدہ اٹھاؤ۔" رہبان عالم شاہ نے مسکراتے ہوئے شاہ پر وار کیا۔ وہ مسکرا دیا اور اسے بغور دیکھنے لگا۔ "ویسے اگر تمہیں مژگان بھابی سے محبت بھی گئی ہے تو اس میں شرمندہ ہونے والی تو کوئی بات نہیں۔ تمہیں اس جیسی لڑکی سے محبت ہی جانی چاہئے تھی۔ تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا، اسے بھی یہ مرض لاحق ہو ہی جاتا۔"

رہبان عالم شاہ کے ہونٹ یکدم ہی سکڑ گئے تھے۔ وہ سنجیدگی کے ساتھ اسے دیکھنے لگا

"علی! یار واقعی، میں ان دنوں بہت الجھن میں ہوں۔"

"تو یعنی کہ میرا تجزیہ اور شک درست ثابت ہوا؟" علی شاہ مسکرایا۔ رہبان عالم شاہ سر میں ہلانے لگا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی۔

"علی! مجھے اس سے محبت نہ بھی ہو، مگر وہ واقعی بہت پیاری ہے۔ نازک، نفیس اور محبت کیے جانے کے قابل۔ اگر میں سجل کی جانب گامزن نہ ہوتا تو شاید مجھے وہ واقعی اپنی منزل لگتی۔ مگر اب میں سجل کے بارے میں سوچتا ہوں تو نہ تو اس گھڑی میں سجل کو کچھ بتانے کی پوزیشن میں ہوں اور نہ ہی مژگان کو چھوڑنے کی حالت میں ہوں۔ میں ابا جی اور اماں کو کسی صورت تکلیف پہنچانا نہیں چاہتا اور......"

علی شاہ نے اسے دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کی۔

"سنو رہبان عالم شاہ! تمہیں یاد ہے کہ تم اس گھڑی ایک لڑکی کو مس یوز کر رہے ہو؟"

رہبان چونک کر دیکھنے لگا تھا۔ علی شاہ نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرا تھا۔

"مجھے اس لڑکی پر بہت ترس آتا ہے یار! اگر اس کے ساتھ زندگی نہیں گزارنی تو کیوں خوامخواہ اسے اپنے سنگ باندھے ہوئے ہو، فقط اپنے فائدے کے لئے؟ تم جانتے ہو اس ڈرامے کی ایکٹنگ کے لئے اسے کتنی صعوبتوں سے گزرنا پڑتا ہوگا۔ وہ ایک نازک سی لڑکی ہے یار۔ بہت نازک جذبات رکھنے والی۔ تم اسے کیوں بہت مضبوط خیال کئے ہوئے ہو؟ لڑکیاں مغرب کی ہوں یا مشرق کی، ان کی سوچیں، ان کے جذبات یکسر ایک سے ہوتے ہیں۔ تمہیں اتنے عرصے میں کبھی گھڑی بھر کو بھی یہ گمان نہیں گزرا کہ تم اس لڑکی کے جذبات و احساسات سے کھیل رہے ہو۔ ضروری نہیں کہ وہ خود کو اگر بہت باہمت اور مضبوط ظاہر کر رہی ہے تو وہ پتھر ہی ہو۔ ٹھیک ہے، تمہیں سجل سے محبت ہے اور اسے اپنانے کی کسک اور تمنا تم آج بھی اپنے دل میں محسوس کر رہے ہو۔ مگر یار، اس سارے عمل میں تم اس لڑکی کو کس جرم کی سزا دے رہے ہو؟ فقط اس کی کہ اس نے اپنے برے وقت میں تمہیں محسن جانا؟ تمہارے نام کا سہارا لیا؟ تو کیا فقط ایک نام دے کر تمہیں یہ حق حاصل ہو گیا کہ تم اسے جس طرح چاہو استعمال کرو، جیسے چاہو کھیلو؟" علی شاہ کی آواز بہت مدھم اور لہجہ پُر اثر تھا۔ رہبان عالم شاہ کتنے ہی لمحے ساکت سا اسے دیکھتا رہا تھا۔

"رہبان عالم شاہ! مرد معاشرے کا حاکم اس لئے نہیں ہے کہ وہ جیسے چاہے فیصلے صادر کرتا پھرے، جیسے چاہے حالات کو اپنے بس میں کر لے۔ اگر تمہیں سجل کو پانا ہے تو تمہیں مژگان کو اپنے ساتھ باندھ کر رکھنے کی ضرورت قطعی نہیں ہے۔ اگر تم میں ہمت ہے تو راست قدم اٹھاؤ۔ تم نے اس سمت کیوں نہیں سوچا کہ اپنے فائدے کے بعد جب مژگان کو تم اپنی زندگی سے خارج کرو گے تو اس کی منزل کہاں ہوگی۔" علی شاہ نے کہنے کے بعد ایک طویل سانس خارج کی تھی۔

"اینی وے، تمہیں جلد از جلد کوئی فیصلہ کر لینا چاہئے۔ تم جیسے دانشمند بندے سے مجھے بہت مثبت امید بندھی ہے۔ تم سوچ سمجھ کر جو بھی فیصلہ کرو گے یقیناً وہ بہت بہتر ہوگا۔" علی شاہ نے کھوئے کھوئے سے رہبان عالم شاہ کے شانے پر دوستانہ انداز میں ہاتھ رکھتے ہوئے حوصلہ بندھایا تھا۔ رہبان عالم شاہ نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ پھر نگاہ پھیر لی تھی۔

✿......✿

صفیہ بیگم کو شاید اعصار شیخ کے اقدام کے بعد کوئی شدید ترین خطرہ لاحق ہو چلا تھا، تبھی انہوں نے ایک بہت اہم فیصلہ لمحے میں کر ڈالا تھا۔ تائی اماں بہت حیران تھیں۔

"صفیہ بیگم! سوچ لو۔ لڑکی آتے ہی چڑھائی کر دے گی۔ اپنی جیت اسے بہت سرشار کر دے گی۔"

"چھوڑو آپا! خوامخواہ کی ضد میں بھلا کیا رکھا ہے۔ زندگی تو بچوں کو گزارنا ہے۔ زندگی میں کسی پسندیدہ شخص کے بغیر جینا آسان ہے مگر کسی ناپسندیدہ شخص کے ساتھ بسر کرنا بے حد دشوار۔ اور میں اپنے اکلوتے بچے کے دل پر کوئی قیامت برپا کرنا نہیں چاہتی۔ کوئی تو منتخب کرنا ہی تھی۔ پھر اس کی پسندیدہ لڑکی ہی کیوں نہیں۔" صفیہ بیگم نے سمجھداری کا ثبوت دیتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا تھا اور سلمیٰ بیگم اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

"اماں بی! میں نے صحیح فیصلہ کیا نا؟" صفیہ بیگم نے دادی اماں کی جانب دیکھا تھا۔

"اے بیٹا! جس میں تیرا دل مطمئن ہو، وہی ٹھیک فیصلہ ہے۔ بچوں کی خوشی پر رضا مندی دینا، جھکنا قطعی نہیں۔"

سلمیٰ بیگم جانے کیوں اس گھڑی بہت خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئی تھیں۔

گھر میں بہت جلد ہی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ سمیر بہت خوش تھا، مطمئن تھا۔ ایک عرصے سے دل میں دبی مراد بر آنے کو تھی۔

"یہ سب آپ کے شوہر محترم کے باعث ہوا۔" وہ ادعیہ کے سامنے کھڑا کہہ رہا تھا اور ادعیہ کتنے ہی پل خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی چلی گئی تھی جیسے وہ کچھ سمجھ نہ پائی تھی۔

"تشریف کب لا رہے ہیں حضرت؟ بندہ منتظر ہے شکریہ کے لئے۔"

وہ خاموشی سے ہونٹ بھینچے اسے دیکھتی ہوئی نگاہ پھیر گئی تھی۔

"بھابی!" سمیر نے دھیرے سے پکارا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔

"کیا اب تک ناراض ہیں آپ اعصار سے؟"

وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تب سمیر نے ہاتھ بڑھا کر بہت مان کے ساتھ اس کے سر پر دھر دیا تھا۔ "زندگی محبت کے لئے بہت مختصر ہے۔ اس لئے کوشش کرنی چاہئے کہ جتنے بھی لمحے میسر آئیں ان میں محبت کاشت کریں۔ ہم میں ایک رشتہ اور بھی ہے۔ تم چھوٹی ہو مجھ سے۔ بالکل نمیرہ جیسی۔ میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ بہنیں اپنے گھر آباد رہیں تو بھائیوں کو بھی سکون رہتا ہے۔" ادعیہ کی آنکھوں میں جانے کیوں ایک لمحے میں ہی سمندر آن ٹھہرا تھا۔ وہ سر اٹھا کر سمیر کی سمت دیکھتی چلی گئی تھی۔

"یہاں تنہا نہیں ہو تم...... تمہارا بھائی بھی ساتھ ہے تمہارے۔" سمیر کے لہجے سے بڑا اپنا

...لک رہا تھا۔ "اس اعصار شیخ سے کوئی شکایت ہو تو دل کھول کر بلا دریغ کہئے۔ پل بھر میں ...ش ٹھکانے لگا دوں گا موصوف کے۔" لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ لئے وہ بولا تھا۔ ادعیہ بھی ...سکرا دی تھی۔

✿......✿

تم نہ تھے تو گھر کی ویرانی چھپانے کے لئے
خوشبوئیں تھیں، رنگ تھے اور خوشنما گلدان تھے
زرد موسم میں کچھ ایسی سبز یادیں پاس تھیں
جیسے اجڑے جسم و جاں میں تازہ تر ارمان تھے
دستکوں سے جن کواڑوں پر کبھی کھلتے تھے پھول
اوڑھ کر امید کی بیلیں بھی وہ ویران تھے

مژگان نے گھر پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تھی۔ ہر شے بے ترتیب تھی۔ ہر طرف افراتفری ...سا منظر تھا جیسے کسی نے بہت عجلت میں سب کچھ ویسا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اسے اس گھر سے ...نہ ہوئے بہت زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا، مدتیں نہیں گزری تھیں، سال نہیں گزرا تھا۔ مگر ...، ہر ہر شے پر اپنا گمان گزر رہا تھا۔

کس قدر سکون سرایت کر گیا تھا دہلیز کے اندر قدم دھرتے ہی۔

کتنا کم عرصہ وہ اس چھت سے دور رہی تھی لیکن لگ رہا تھا جیسے مدتوں دور رہی ہو۔ اس ...آگے بڑھ کر اس شخص کی تصویر کو تھام لیا تھا۔ کتنی گرد جمی ہوئی تھی۔ اس نے مخروطی ہاتھ ...لا کر اس ساری گرد کو دھیرے سے ہٹایا تھا۔ یہاں کچھ اس کا نہ تھا۔ نہ در، نہ ہی دیوار...... ...ی کوئی اور۔ جو بھی تھا سب پرایا تھا۔ پھر بھی جانے کیوں جیسے اسے سب کچھ اپنا اپنا سا ...رہا تھا۔ کوئی عرصے بعد کہیں سے لوٹے تو اپنے گھر میں آ کر جو سکون، جو سرشاری اور ...نان ملتا ہے، کچھ ویسی ہی کیفیت تو تھی۔ وہ کتنی ہی دیر تک اس کی تصویر کو دیکھتی رہی تھی۔ ...پیچھے سے آہٹ ہوئی تھی۔ جانے کب آ گیا تھا وہ شخص۔ مژگان نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

"کب لوٹیں تم؟" رہبان عالم شاہ محو حیرت تھا۔

"کچھ ہی دیر قبل۔" مژگان نے دھیرے سے کہا تھا اور ہاتھ میں تھمی اس کی تصویر کو اس جگہ دھر دیا تھا۔

"اطلاع کر دی ہوتی، میں لینے پہنچ جاتا۔"

"اب تو لوٹ آئی ہوں۔" وہ مدھم سے انداز میں مسکراتی ہوئی مڑی تھی۔ "تم نے تو گھ

کا نقشہ ہی بدل دیا ہے۔" وہ یونہی بات بناتی ہوئی بولی تھی۔

"تبھی تو تمہاری یاد آتی رہی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ وہ اس کی شرارت سمجھتے ہوئے ہنس دی۔

"یہ عمر تھی سراب، یہ اک عمر میں کھلا
اور میں تھا محوِ خواب، یہ اک عمر میں کھلا
اک عمر تک میں نشۂ ہجرت میں گم رہا
ہے بے گھری عذاب، یہ اک عمر میں کھلا"

رہبان کا لہجہ شستہ اور انداز بے حد سحر طراز تھا۔ وہ پلٹ کر بکھری ہوئی چیزوں کو سمیٹنے لگی تھی۔

"میرے بعد تجل بھی نہیں آئی؟"

رہبان عالم شاہ نے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔ مستعدی سے چیزوں کو سمیٹتی ہوئی وہ خالص گھریلو انداز میں آ چکی تھی۔

"نہیں، ہاں، شاید آئی تھی۔" وہ بری طرح چونکا تھا۔ مژگان نے پلٹ کر حیرت سے اسے دیکھنا چاہا تھا مگر وہ غالباً فریش ہونے کے لئے اندر کی جانب بڑھ گیا تھا اور تب مژگان ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے دوبارہ مصروف ہو گئی تھی۔

"کتنا کام نمٹ گیا تمہارا؟" وہ تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد فریش ہو کر لاؤنج میں آئی تھی جب وہ کافی کے دو کپ لے کر وہیں آ گیا۔

"تھینکس!" مژگان نے کپ تھامتے ہوئے گیلے بالوں کو پشت پر ڈالا۔

"کافی حد تک۔ مجھے گرینی سے بات کرنا تھی۔ کچھ ہی دنوں میں مجھے لندن جانا ہے۔ گرینی کافی اسپیس میرے لئے بنا چکی ہیں، مجھے زیادہ پرابلم نہیں فیس کرنا پڑے گا۔"

"تم باصلاحیت ہو۔ پھر گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟" رہبان عالم شاہ نے اس کا حوصلہ بندھایا۔ تبھی رہبان کے موبائل کی بیل بجنے لگی۔ اس نے نمبر دیکھ کر دوسرے ہی پل کال پک کر لی۔ مژگان بے قراری کے واضح انداز سے اخذ کر گئی تھی کہ دوسری جانب کون ہے۔ تبھی وہاں سے اٹھ کر بالکونی میں آن کھڑی ہوئی تھی۔ کافی کے سپ لیتے ہوئے بہت سی سوچیں بھی اس کے سنگ تھیں۔

✿......✿

کتنے عرصے بعد کوئی لوٹا تھا، کتنے نقش بدل چکے تھے۔ گزرے وقت کی دھول واضح

میں اثر انداز ہوئی نظر آ رہی تھی۔ جہاں اماں اور ابا جی حیرت میں تھے، وہیں وہ بھی ساکت سا تھا۔

کیا ایسا ہو سکتا تھا کہ کوئی عرصے پہلے قطع تعلق کر لے، اجنبی ہو جائے اور یہاں تک کہ اس کے آنے کا گماں تک باقی نہ رہے۔ وہ یاد بن جائے۔ یاد بھی وہ جو بھولے سے بھی جھلک نہ دیتی ہو۔ جو ماضی کا حصہ بن کر رہ گئی ہو۔ اور وہ یاد یکدم ہی کسی روز حقیقت کا روپ دھار کر سامنے آن کھڑی ہو۔ ذہن یقین بھی نہ کر سکے، بھلا ایسا کبھی ہوا ہے۔ مگر ایسا ہو چکا تھا۔

سیّد وجاہت افتخار شاہ ان سب کے روبرو تھے۔

ان کے وجیہہ چاچا۔ گزرے وقت نے انہیں کسی قدر پُر وقار کر دیا تھا۔

ابا جی جو ہمیشہ سرد مہر رہے تھے، آج بھائی کے سامنے آنے پر جانے کیوں نگاہ نہ پھیر سکے تھے۔ اماں نے دیور کو بیٹا بنا کر پالا تھا اور آج بھی کسی بیٹے کی طرح بانہوں میں بھر کر اس کا استقبال کیا تھا۔

"برخوردار! تم تو ہمارے قد سے بھی باہر نکل گئے۔ جانتے ہو کل تک گود میں لے کر تمہیں کھلایا کرتے تھے اور آج ماشاء اللہ کتنے مضبوط ہو چکے ہو۔ وقت واقعی شاید بہت زیادہ گزر گیا ہے۔" وجیہہ چاچا نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تھا اور اعیان شاہ مسکرا دیا تھا۔ مگر وہ یہی سوچ رہا تھا کہ واقعی وقت شاید بہت زیادہ گزر گیا تھا۔ مگر اس کے باوجود جیسے آج بھی سب کچھ رکے اپنی جگہ پر تھی۔ ریل جیسے وہیں سے دوبارہ چل پڑی تھی جہاں رکی تھی۔ جہاں سے سلسلہ منقطع ہوا تھا۔ سب کچھ اسی تسلسل سے دوبارہ چل پڑا تھا۔

✿......✿

عجب پُرلطف منظر دیکھتا رہتا ہوں بارش میں
بدن جلتا ہے اور میں بھیگتا رہتا ہوں بارش میں
صدائیں ڈوب جاتی ہیں ہوا کے شور میں اور میں
گلی کوچوں میں تنہا چیختا رہتا ہوں بارش میں
دیئے جلتے ہیں بجھتے ہیں میرے اطراف میں اور میں
بس اک سائے کے پیچھے بھاگتا رہتا ہوں بارش میں
نہ سونا میرے بس میں ہے نہ شب بھر جاگنا خالد
میں آنکھیں کھولتا اور میچتا رہتا ہوں بارش میں

سمیر کی شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ غالباً بری کو خوانوں میں سجائے جانے کی
رسم تھی۔ وہ اس گھر میں اب تک بے حد اجنبی تھی۔ اتنی ہی غیر۔ اتنی ہی الگ تھلگ۔ کسی نے
بھی اس کی کسی بات میں مداخلت نہیں کی تھی۔ کبھی زبردستی نہیں کی تھی۔ وہ چاہتی تو
ساتھ بیٹھ جاتی۔ چاہتی تو اٹھ جاتی۔ دوسروں کا ہی رویہ سرد نہ تھا، شاید اس نے بھی کم
ملنے کی زیادہ کوشش نہیں کی تھی۔ اس لئے یکطرفہ طور پر کسی پر الزام عائد کرنا غلط تھا۔
تائی اماں کو اگر اس سے پرخاش تھی تو وہ بھی کبھی ان کے سامنے نہیں گئی تھی۔ سامنا ہو
جاتا تو لاتعلق سی ہو کر راہ بدل جاتی یا یکسر نظر انداز کر جاتی۔ شاید اسے تائی اماں کا
سے بہت ڈر لگتا تھا۔

دادی اماں نے ان ہنگامی دنوں میں کتنی بار اسے سب کے ساتھ شامل ہونے کو کہا
تھا مگر وہ جانے کیوں خود کو وہاں مس فٹ سا محسوس کرتی۔ تھوڑی دیر بیٹھتی اور پھر
انداز میں اٹھ کر کسی ویران گوشے میں آ بیٹھتی۔ کبھی پڑھائی کی مصروفیت کا بہانہ کر
کسی اور بات کا۔

اب بھی وہ یونہی کتاب کھولے خالی خالی نظروں سے لفظوں کو گھورے چلی
جب زویا نے دروازے میں قدم دھرا۔

"بھابی! دادی اماں نے آپ کو بلایا ہے۔ بائے دی وے، کر کیا رہی ہیں آپ"
سے قبل کہ وہ چونک کر واپس مڑتی، زویا اس کے سر پر پہنچ چکی تھی۔

"یقین نہیں آتا آپ وہی ادعیہ ہیں۔ آپ کو تو ہنگاموں سے عشق تھا۔" زویا
ہونے کے باوجود پُرافسوس انداز اختیار کیا تھا۔ وہ ایک گہری سانس خارج کر
اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تمہیں کس نے کہا ہے کہ مجھے ہنگامے اور شور بہت پسند ہے؟"

"جیسے میں آپ کو جانتی نہیں۔" زویا کا انداز کچھ اس انداز سے جھٹلانے والا
مسکرائے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

"اٹھئے اب۔ اب مجھے آپ کو اپنے پلو سے باندھ کر رکھنا پڑے گا تا کہ آپ
سکیں۔" زویا نے اس کا ہاتھ تھام کر اٹھایا تھا اور تب وہ واقعی مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی

"نیچے اتنی زبردست قسم کی بری تیار ہے سمیر بھائی کی دلہن کی کہ حد نہیں۔ اتنے
زیورات کہ نگاہ نہیں ٹھہر رہی۔ چچی نے دل کھول کر خرچ کیا ہے۔ سارے ارمان
ہیں۔ اور نکالیں بھی کیوں نہ۔ آخر کو اکلوتے صاحبزادے ہیں ان کے۔" زویا

ہوئے بھی اس کی معلومات میں اضافہ کرتی جا رہی تھی۔ وہ بادل نخواستہ سنتی ہوئی اس کے
ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ تبھی نمیرہ نے اسے اپنی طرف بلایا تھا۔

"دیکھو کس قدر حسین ہے سب۔ سب میری چوائس ہے۔" نمیرہ مسکراتے ہوئے بری کے
قیمتی جوڑے دکھاتی گئی۔ "شادی کے بکھیڑے بھی بڑے تھکا دینے والے ہوتے ہیں۔ فقط دو
بندوں نے مل کر جہاں بھر کو افراتفری میں مبتلا کیا ہوتا ہے۔ تمہاری شادی تو بہت غیر فطری
انداز میں ہوئی، تمہیں تو شاید اندازہ نہیں۔ مگر یہ امور واقعی بہت کڑے ہیں۔"

نمیرہ کی بات پر اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھی۔ جانے
واقعی اس نے طنز کیا تھا یا پھر......! وہ کچھ بھی تو سمجھ نہ پا رہی تھی۔ یا پھر سمجھ کر بھی انجان ہونا
چاہ رہی تھی۔ یہی تو خدشہ لاحق تھا اسے۔ یہی تو رونا تھا۔ وہ یہی الزام تا حیات برداشت نہیں
کر سکتی تھی۔ یہی طعنہ نہیں سہہ سکتی تھی۔

کمال ضبط سے وہ وہاں کھڑی اک اک شے کو دیکھتی رہی تھی۔

"یہ اعصار کو آنا ہے کہ نہیں؟" دادی اماں نے غالباً تائی اماں سے دریافت کیا تھا۔

"فون تو کر دیا تھا۔ سمیر کی بات ہوئی تھی۔ کہہ رہا تھا کہ آنے کا وعدہ کیا ہے۔" صفیہ بیگم
نے اطلاع دی۔ وہ تھمی ہوئی دھڑکنوں کے ساتھ سر جھکائے اطراف سے بے نیاز کھڑی رہی۔

زویا اس کا ہاتھ تھام کر سمیر کی دلہن کے کنگن پہنانے لگی۔

"ارے......" اس نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے تردد کیا۔

"دیکھنے تو دیجئے، کیسے لگتے ہیں آپ پر۔" زویا باز نہ رہی۔ کنگن پہنا کر پیشانی پر جھومر
بھی لگا دیا۔

"کیا کر رہی ہو یہ؟" ادعیہ نے دبا دبا احتجاج کیا۔ زویا نے ہونٹوں پر شہادت کی انگلی
رکھتے ہوئے گویا اسے چپ رہنے کا حکم صادر کیا۔ ساتھ ہی شرارت سے آنکھیں نچاتے
ہوئے بولی۔

"دلہن بنا رہی ہوں آپ کو۔"

ننھا منا سا ٹیکا اس کی شفاف پیشانی پر دھرا۔ اس نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ یکدم ہی
شور سا اٹھا۔ اس نے پلٹ کر نہ دیکھا۔

"بھیا آ گئے ہیں۔" زویا نے داخلی دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے با آواز بلند اعلان
کیا اور اس کا ہاتھ چھوڑ کر پل بھر میں بھائی کی سمت بڑھ گئی۔

ادعیہ نے شدت سے وہاں سے بھاگ جانے کی خواہش دل میں محسوس کی مگر سارا وجود

جیسے پتھر ہو گیا۔ نہ تو وہ ہل سکی اور نہ ہی کسی اور ہمت اور عقلمندی کا مظاہرہ کر سکی۔ بس جھکائے
کی توں سر جھکائے کھڑی رہی۔

کتنے لمحے یونہی بیتتے چلے گئے۔ عقل نے اس گھڑی یکدم ہی در وا کیئے۔ وہ خود کو
ہوئی کنگن اتارنے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر تبھی زویا اعصار شیخ کا ہاتھ تھامے اس کے قریب
پہنچ چکی تھی۔ لمحہ بھر کو نگاہ ملی۔ ادعیہ سر جھکا گئی۔ اعصار شیخ البتہ ساکت و جامد رہ گیا۔

پرعذ لان کے بلیو سوٹ پر پلین دوپٹہ اوڑھے وہ اس گھڑی کیل کانٹوں سے لیس
اس کی راہ میں منتظر کھڑی تھی۔ اس کے سواگت کو تیار تھی۔

"بھیا! کیسی لگ رہی ہیں بھابی؟" زویا نے خاموش کھڑے اعصار شیخ کو ٹھوکا مارا تھا۔ وہ
چونکتے ہوئے دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"جانتے ہیں، یہ سب آپ کے سواگت کی تیاریاں ہیں۔" زویا بے حد بدتمیز تھی۔ اس
نے اس گھڑی یہی فتویٰ جاری کیا تھا۔ حالت کیسی تھی، یہ وہی جانتی تھی۔ احساسِ توہین لمحہ
میں ہی کچوکے لگانے لگا تھا۔ وہ جو ساکت سی کھڑی تھی، لمحہ بھر میں ہی جھومر اور ٹیکہ اتارنے
کو ہاتھ پیشانی کی سمت لے جانا چاہا تھا، مگر تبھی زویا نے مسکراتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کا
ہاتھ تھام لیا تھا۔

"رکیں...... رکیں بھئی۔ یہ تیاریاں جن حضرت کے لئے تھیں، انہیں جی بھر کر دیکھنے
دیں۔" زویا بھرپور شرارت کے موڈ میں تھی۔ ادعیہ کے اندر جیسے بھونچال آیا ہوا تھا۔ سینے کے
اندر کتنا شور تھا کہ باہر کی سب آوازیں بھی کم پڑ رہی تھیں۔ نگاہیں اٹھانے کی ہمت ناپید تھی۔

"دیکھئے نا بھیا!" زویا نے محترم بھائی صاحب کو ایک بار پھر دھڑلے سے متوجہ کیا
جیسے واقعی اس گھڑی ادعیہ شیخ سے بہتر دیکھنے کے لائق ہستی کوئی اور نہ ہو۔ پتہ نہیں کیا بات
تھی کہ اس گھڑی بہت لاتعلق نظر آنے والا اعصار شیخ لبوں پر جامد چپ لئے بہت ہولے
آگے بڑھا تھا۔

سب لوگ اپنے آپ میں معروف تھے۔ مشغول تھے اور اگر متوجہ ہوتے بھی تو کیا۔
جائز حق رکھتا تھا وہ۔ استحقاق جمانے کا حق محفوظ تھا، کون اعتراض کر سکتا تھا؟ کون روک
سکتا تھا؟ شاید تبھی بہت استحقاق کے ساتھ ہاتھ بڑھا کر اس کی نازک سی کلائی کو گرفت میں
لیا تھا۔

ادعیہ کے تن بدن میں جیسے کرنٹ دوڑ گیا تھا۔ لمحہ بھر کو اس نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا
مگر جانے کیونکر نظر دوسرے ہی پل دوبارہ جھکتی چلی گئی تھی۔

"ہوں...... کنگن تو واقعی بہت خوبصورت ہیں۔" کلائی پر اس کی گرفت بڑھتی چلی جا رہی
تھی۔ "کاش کلائی بھی خوبصورت ہوتی۔" لبوں پر خفیف سا تبسم سجائے وہ غالباً طنز ہی فرما رہا
تھا۔

"خدارا بھائی! اب پیشانی اور گردن کو بھی برا بھلا کہنا مت شروع کر دیجئے گا۔ یہ بات
آپ بھی جانتے ہیں اور ہم بھی کہ ادعیہ بھابی واقعی لاکھوں میں ایک ہیں۔" زویا نے ہنستے
ہوئے باور کرایا تھا۔ ادعیہ کی دھڑکنوں کا شور بڑھتا چلا گیا تھا۔ جانے کیوں اس گھڑی شدت
سے رونے کو جی چاہا تھا۔ دیکھنے والا بغور دیکھتا چلا گیا تھا۔ ادعیہ کا چہرہ جیسے جلنے کو تھا۔

"حسین نقوش سے کچھ نہیں ہوتا، دل بھی خوبصورت ہونا چاہئے۔ یہ ہم پر بھی عرصہ دراز
بعد کھلا ہے۔" اعصار شیخ کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی تھی۔ ادعیہ نے کلائی کو اس کی گرفت
سے ایک جھٹکے سے نکالا تھا پھر اسی سرعت سے ماتھے پر سے جھومر اور ٹیکا اتارا تھا۔ گردن سے
نیکلس اور کلائیوں کو کنگن سے آزاد کر کے تمام چیزوں کو زویا کو تھمایا تھا اور تیزی کے ساتھ
چلتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔ اپنے کمرے میں آ کر جانے کیوں وہ بیڈ پر گر کر زار و قطار
رونے لگی تھی۔
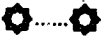
✿......✿

تمہاری آنکھوں کے سرخ ڈورے
وہ بات کہنے کے منتظر ہیں
جو تم نے اب تک کہی نہیں ہے
مگر تمہیں کچھ خبر نہیں ہے
تمہارا چہرہ اک آئینہ ہے
کہ جس پہ لکھی
شکست دل کی عبارتوں نے
بہت سی باتوں کو بن کہے بھی
ہماری آنکھوں سے کہہ دیا ہے

وہ کچن میں مصروف تھی جب رہبان عالم شاہ اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

مژگان نے اسے پلٹ کر ایک نظر دیکھا تھا۔

"کھانے کی تیاری۔" مختصراً کہہ کر وہ پھر سے مصروف ہو گئی۔ رہبان اسے بغور دیکھنے لگا۔

"کہیں باہر چلیں ڈنر کے لئے؟" سرسری لہجے میں دریافت کیا۔ مژگان نے سر ا
اسے دیکھا مگر بولی کچھ نہیں۔

"کیا ہوا؟" رہبان اس کے یکدم چپ ہو جانے پر شاید حیران ہوا یا یکدم رک جا
والی کسی بات نے چونکنے پر مجبور کر دیا۔

"اوں...... ہوں۔" مژگان نے دھیمے سے نفی میں سر ہلایا۔

"تم کچھ کہنے والی تھیں؟" رہبان نے بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ وہ سر اٹھا کر بو

"ایسی کوئی خاص بات نہیں۔ جب میں گھر میں کھانا تیار کر سکتی ہوں تو پھر باہر جا کر
برباد کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" وہ کسی کفایت شعار خاتون کی طرح گویا ہوئی تھی۔
رہبان عالم شاہ بجائے مطمئن ہونے کے مسکرا دیا تھا۔

"آخر یہ خوف کب تک ہمارا حصار کئے رہے گا؟" رہبان کا لہجہ بہت دھیما تھا۔

"کبھی کبھار خوفزدہ رہنا ہمارے حق میں بہتر بھی ہوتا ہے۔ ہر کام میں کوئی مصلحت
ہوتی ہے۔ کون جانے کب من چاہی خوشی جھولی میں آن پڑے۔ کب کوئی پل چپکے سے
نواز جائے۔" مژگان کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔ رہبان خاموشی سے دیکھتا رہا تھا۔ تبھی وہ
لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"اگر تمہیں کوئی فیصلہ کرنا ہے تو اس سے مناسب گھڑی کوئی اور نہ ہو گی۔ میں اپ
میں بزی ہوں۔ تمہیں وقت نہیں دے پا رہی ہوں۔ آزاد خیالی سے زندگی کی روش پر گا
ہوں، جیسے تمہاری فکر ہی نہیں۔ اس ملک اور فضا کی پروردہ ہوں جہاں رشتے نبھانے کا
کوئی جانتا ہی نہیں۔ گھر بسانا جہاں کسی کو آتا ہی نہیں۔ گھر ٹوٹ جائے تو کوئی خاص بات
نہیں ہوتی۔ آزاد معاشرے میں پلی بڑھی آزاد خیال، آزاد منش لڑکی...... جسے گھر سے
اپنی ذاتی دلچسپیوں سے فرصت ہے۔ جس کے لئے اس کی نجی زندگی سے زیادہ اس کی
زندگی اہم ہے۔"

رہبان عالم شاہ کتنے ہی لمحے اسے دیکھتا گیا تھا۔ چپ چاپ...... ساکت و جامد......
وہ نظریں دوسرے رخ پر پھیرے بہت پرسکون سی نظر آ رہی تھی۔ گویا اسے صحیح را
رہی ہو۔ اسے درست ترغیب دے رہی ہو۔ جانے کیوں وہ سارا جرم اپنے سر دھرنا چا
تھی۔ وہ سامنے کھڑی دھان پان سی لڑکی خود کو قصوروار ٹھہرا کر اسے کس قدر وقار کے
ایک گہری کھائی میں ڈال رہی تھی۔

رہبان عالم شاہ اسے چپ چاپ دیکھتا چلا گیا تھا۔ اس کے مستقل دیکھنے پر مژگان

ملا سکی تھی۔ چہرے کا رخ پھیر کر تیزی کے ساتھ ہاتھ چلانے لگی تھی۔

"تم ایک کامیاب زندگی کے لئے سجل کو بے خبر بھی رکھ سکتے ہو۔ اگر تم چاہو تو۔ لیکن
جانے کیوں مجھے یہ مناسب نہیں لگتا۔ لڑکیاں بہت پاگل ہوتی ہیں۔ ان کے لئے اعتبار اور
مان بہت اہمیت رکھتا ہے۔ رشتوں میں اگر یہی قائم نہ رہے تو رشتے بے وقعت ہو کر رہ جاتے
ہیں۔ میں سجل کو قائل کرنے کی کوشش کر سکتی ہوں اگر تم اجازت دو تو۔ رہبان عالم شاہ! مجھے
بھی اب تمہاری طرح بہت ڈر لگنے لگا ہے۔ شاید جو ہو رہا ہے وہ ٹھیک نہیں۔ میں سجل کے
مقام پر اپنے قدم مضبوط قطعی نہیں کرنا چاہتی۔ اور اس مقام پر ٹھہرے رہنے کا مقصد دن بدن
ایک رشتے کا مفہوم مستحکم ہونا ہے۔ مجھے بارہا لگتا ہے کہ میں ایک دوسری لڑکی کی جگہ اس کا
حق وصول کر رہی ہوں۔ شاید یہی درست بھی ہے۔ اماں، ابا جی سب بہت اچھے ہیں، بہت
زیادہ اچھے۔ مجھے انہیں مسلسل دھوکا دینا بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ ایسا مت سمجھو کہ میں تھکنے لگی
ہوں یا فرار چاہتی ہوں۔" وہ خدشے کو زبان پر لاتی ہوئی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"میں قطعی طور ایسا نہیں چاہتی۔ تم جب تک کہو میں تمہاری مدد کو حاضر ہوں۔ مگر کیا تمہیں
نہیں لگتا کہ اس طرح سجل کو مزید پرابلمز فیس کرنا پڑیں گے۔ جتنے دن میں یہاں رہوں گی،
میری پوزیشن مضبوط اور سجل کی پوزیشن اتنی ہی ویک ہوتی چلی جائے گی۔ اور یہی میں نہیں
چاہتی۔" اس نے رسانیت سے ایک گہری سانس خارج کی۔ تبھی ڈور بیل کی آواز نے جیسے
سارا تسلسل توڑ دیا تھا۔

رہبان عالم شاہ کے پتھر وجود میں یکدم ہی حرکت ہوئی تھی۔ وہ مڑا تھا اور دروازے کی
جانب بڑھ گیا تھا۔

مژگان سر جھکائے ذہنی بے دھیانی کے ساتھ کھوئی کھوئی سی کیفیت میں چمچ چلاتی چلی گئی
تھی۔ تبھی رہبان عالم شاہ کسی کے ساتھ شستہ انگریزی میں گفتگو کرتا اندر داخل ہوا تھا۔

"مژگان! تمہیں کوئی ملنے آیا ہے۔" رہبان عالم شاہ نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا
تھا۔ وہ یکدم ہی مڑی تھی۔

"نک تم......؟" وہ بری طرح چونک پڑی تھی۔

نک اسے دیکھتے ہوئے خوش دلی سے مسکرایا تھا۔ مژگان جانے کیسے بے خود ہو کر چلتی
ہوئی اس کے ساتھ جا لگی تھی۔ اس کے شانے پر سر دھرتے ہی جانے کیوں آنکھوں سے پانی
پھسلتا چلا گیا تھا۔

شاید اس لئے بھی کہ عرصے بعد کسی اپنے کو، اپنے روبرو دیکھا تھا۔

یا شاید اس لئے بھی کہ اندر کے غبار کو آخر کوئی راہ تو چاہیے تھی۔
یا شاید اس لئے بھی کہ وہ واقعی اتنی مضبوط نہیں تھی جتنی خود کو اب تک ظاہر کرتی رہی تھی
شاید وہ واقعی تھکنے لگی تھی۔
تک اسے ہولے ہولے تھپکنے لگا تھا۔

"کہا تھا نا جلد آؤں گا۔ پاگل! جب کوئی اپنا پرانا مدتوں کا بچھڑا دوست ملتا ہے تو اسے مسکرا کر ویلکم کہتے ہیں، روتے ہوئے نہیں۔" مژگان کے لرزتے وجود کو تھپکی دیتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے وہ اس کے ریشمی بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گویا اسے حوصلہ دے رہا تھا۔
رہبان عالم شاہ کتنی خاموشی سے یہ سب دیکھتا رہا تھا...... جیسے وہ واقعی پتھر تھا۔

✿......✿

صبح بے نور لڑکھڑاتی ہوئی
آن پہنچی مرے دریچوں تک
میرے کمرے سے رتجگوں کا دھواں
کچھ نئے دائرے بناتا ہوا
منزلِ شب کی طرف لوٹ گیا
اور میں ایک تھکے ہارے مسافر کی طرح
سرحد سود و زیاں تک آیا!

اس نے چھپانا نہیں چاہا تھا۔ اور یہی ایک بات خاندان بھر میں عام تھی کہ ان دونوں کے بیچ کوئی راہ و رسم نہیں، کوئی احساس، کوئی مروت باقی نہیں۔
سبھی کو خبر تھی کہ ان دونوں کے بیچ اب کچھ باقی نہیں بچا۔
کوئی حوالہ، کوئی جذبہ، کوئی ناتا، شاید کچھ بھی نہیں۔ سرد مہری کی تنی دیوار سب پر اول روز سے ظاہر تھی۔ اور وہ شاید اس سب کو باطل کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔
رسماً ہی اس شخص کے سنگ رہنا، اس کے ساتھ چلنا، بات کرنا، ہنسنا، مسکرانا، یہ سب بھی اس کے لئے بہت مشکل تھا۔
وہ اسی طور سرد مہر تھی۔ جس طور اول روز سے تھی۔
اور دوسرے کنارے پر کھڑا وہ شخص بھی اسی طور اجنبی اور لاتعلق تھا۔ شاید پرواہ اسے بھی نہیں تھی۔ تبھی تو وہ مہندی کی اس رات مسلسل نمیرہ کے ساتھ دل کھول کر ہنسی مذاق کرتا رہا تھا۔
وہ دادی اماں کے اور چچی جان کے اصرار کرنے پر بے دلی سے سفید سلیولیس انگرکھا پہنا

کر بالوں کی سیدھی سی چوٹی کر کے بنا کسی ہار سنگھار کے، ان کے درمیان آن بیٹھی تھی۔
"ادعیہ بیٹا...... کتنے لوگ باہر کے بھی مدعو ہیں۔ اس طرح اچھا نہیں لگتا۔ تم نئی نویلی دلہن ہو اس گھر کی۔ مانا یہ سب باتیں ساس کے بتانے والی ہوتی ہیں۔ مگر بچے! سہاگنیں اس طرح سر جھاڑ منہ پہاڑ نہیں پھرتیں۔ دیکھنے والے سو سو باتیں بناتے ہیں۔" چچی جان نے اسے بہت سے مدھم لہجے میں ٹوکا تھا۔ وہ خالی خالی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔
"تمہارے میکے سے ابھی تک کوئی شریک نہیں ہوا۔ حالانکہ بطور خاص مدعو کیا تھا۔ خیریت تو ہے نا وہاں سب؟"
"جی، پتہ نہیں چچی جان! میرا ابھی کئی دنوں سے کوئی رابطہ نہیں۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا تو چچی جان سر ہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔
وہ سر جھکائے اردگرد کے شور کو سنتی رہی۔ ڈھولک کی تھاپ پر کھنکتے قہقہے اور گیت۔ تبھی قریب بیٹھی ندا بھابی نے اسے دھیرے سے ٹہوکا مارا۔ وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگی۔ بھابی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں عین سامنے توجہ دلانی چاہی۔ جیسے کہہ رہی ہوں، میری جانب نہیں، وہاں دیکھو۔
ادعیہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی نگاہ کی۔ اعصار شیخ، نمیرہ کے قریب، بے حد قریب کھڑا جانے کیا کہہ رہا تھا کہ وہ ہنستی چلی جا رہی تھی۔
"جان! ناسمجھ ہو ابھی تک تم...... گھر یوں نہیں بستے۔ کچھ تو اپنے بس میں رکھو۔" ندا بھابی نے بہت دھیرے سے جیسے اسے سمجھانا چاہا تھا۔
"نہ سسرال کی خوشنودی حاصل ہے اور نہ ہی اس ہمسفر کو اپنے ہاتھ میں رکھا۔ اس انا پرستی کے چکر میں کہیں کچھ گنوا مت بیٹھنا۔ گھر کے لئے بہت کچھ سہنا پڑتا ہے۔ بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے، تب کہیں جا کر گھر بنتا ہے۔ تم نے تو بنیادیں ہی کھوکھلی دھری ہیں۔ عمارت کہاں مضبوط ہو گی۔ جب رہنا اسی گھر میں ہے، اسی چھت تلے ہے تو پھر حق سے کیوں نہیں۔ تم چھوٹی ہو ابھی۔ زندگی کی باریکیوں سے قدرے ناواقف۔ اور میں نہیں چاہتی کہ تم کسی تجربے سے گزرو یا کوئی سنگین نقصان اٹھاؤ۔ اور باقی کی تمام عمر پچھتاوے کی بھٹی میں جھلستی رہو۔ مرد کے لئے کئی راستے کھلے ہوتے ہیں۔ معاشرے کا دندناتا سربراہ ہے۔ یہ سارے قانون جس کے ہاتھ میں ہیں، جو چاہے روا رکھے۔ وہی واجب اور درست ہے۔ کوئی الزام اس کے سر نہیں آتا، نہ ہی کوئی اس پر انگلی اٹھاتا ہے مگر......"
وہ چپ چاپ، خالی خالی نظروں سے ان کی سمت دیکھتی چلی گئی تھی۔

"اپنا حلیہ دیکھو اور پھر اس شخص پر نظر کرو۔ حقیقت یہیں پر کھل جائے گی۔" ندا بھابی نے بہت پُراثر انداز میں کہا تھا۔

"یہ آپ کیا سرگوشیاں کر رہی ہیں بھابی! اس کونے میں دبکی؟" صبا نے تبھی انہیں متوجہ کیا تھا۔ ندا بھابی مسکراتی ہوئی سرنفی میں ہلانے لگی تھیں۔

"کچھ گائیے بھئی۔" صبا نے ندا بھابی سے ہی شوق کا اظہار کیا تھا۔

"اعصار شیخ کو پکڑ کر لاؤ۔ محترم خاصی فارم میں نظر آ رہے ہیں۔" ندا بھابی نے مسکراتے ہوئے جملہ اچھالا تھا۔

"اعصار شیخ کی دُلہن بھی تو یہیں موجود ہے۔ اسی سے کیوں نہیں کہتیں؟" رشتے کی کسی خاتون نے شوخی سے کہا تھا۔

وہ بہت ہولے سے ہر آواز سے جیسے کان بند کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اتنے لوگوں کے ہوتے ہوئے بھی جیسے وہ تنہا تھی۔ سب اپنوں کی یاد شدت سے آئی تھی۔ اس نے تیزی سے اپنی عارضی قیام گاہ کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

گوشۂ تنہائی میں پہنچ کر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

آنکھیں موندے وہ کتنی ہی دیر بند دروازے سے لگی لمبے لمبے سانس لیتی رہی تھی۔ نمی اپنے آپ راہ پا گئی تھی۔ کتنے آنسو رخساروں پر چپ چاپ پھسلتے چلے گئے تھے۔ کسی کی بھاری آہٹ نے یکدم ہی اسے چونک کر آنکھیں کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اعصار شیخ اس کے سامنے تھا۔ اس کے قریب تھا۔ اور مزید قریب ہو رہا تھا۔

اس کی سانس جیسے حلق میں اٹک گئی۔

اعصار شیخ نے اس کے عین سامنے کھڑے ہو کر ایک ہاتھ دروازے پر ٹکا کر دوسرے ہاتھ سے اس کے نازک شانے کو تھاما تھا۔

ادعیہ حواس باختہ رہ گئی تھی...... پورے وجود میں پل بھر میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔ نگاہوں میں بے یقینی لئے وہ اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ جیسے سرے سے اس اقدام کی امید نہ ہو۔

کس قدر تپش تھی اس شخص کی نگاہوں میں...... کس قدر خاموشی سے وہ اس کی سمت دیکھے جا رہا تھا۔

اس کے مضبوط ہاتھ کا دباؤ اس کے شانے پر کس قدر بڑھنے لگا تھا۔

ادعیہ نے بہت ہولے سے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

اعصار شیخ نے شہادت کی انگلی سے چمکتی پیشانی سے گداز لبوں تک ایک صراط کھینچتے ہوئے لطیف سا لمس اس کے چہرے پر چھوڑا تھا۔ کتنی گرم گرم سانسوں کی حدت اس کے صبیح چہرے پر تھی۔

"سمٹ جانے سے پہلے کچھ بکھر کے دیکھ لیتے ہیں
ہوا کی لے پہ رقصِ شام کر کے دیکھ لیتے ہیں
تماشا ہو گئی ہونے نہ ہونے کی اذیت بھی
سو اندر کی گواہی سے مکر کے دیکھ لیتے ہیں"

لبوں پر خفیف سا تبسم لئے اس نے بڑی مدھم سی سرگوشی کی تھی۔

ادعیہ کا جیسے سارا وجود جل اٹھا تھا۔ سینے کے اندر جیسے بھونچال آ گیا تھا۔ اس نے کسمسا کر خود کو اس کی گرفت سے آزاد کرانا چاہا تھا مگر کوئی جیسے ابھی اس کے لئے تیار ہی نہ تھا۔

"کتنے ہنر آتے ہیں تم حسن والوں کو زیر کرنے کے؟ کتنے تیر ہیں تمہارے پاس؟" کتنا گمبھیر لہجہ تھا۔ اس کی پلکوں پر اٹکے ایک شفاف موتی کو اس نے اپنی پور پر لے کر بغور دیکھا تھا۔

"سب کچھ کس قدر دلربا ہے۔ کس قدر دلفریب۔ مگر سب فریب ہے۔" وہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔ مدھم لہجے میں کتنی کاٹ تھی۔ اس کی انگلیاں اس کے نازک شانے میں گھستی چلی جا رہی تھیں۔ وہ شدت سے ہونٹ بھینچتی ہوئی چہرے کا رخ دوسری سمت پھیرے کھڑی تھی۔

اس شخص کی قربت، اس کی خوشبو جیسے حواس خطا کر رہی تھی۔

"حسن بہت بڑا ہتھیار ہے۔ مگر اب کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔ اعصار شیخ اب تمہارا بیمار قطعی نہیں ہے۔ اتنا دھیان میں رکھنا۔ اگر مجھے اس آگ میں جلنا ہے تو اس کی تپش سے تم بھی محفوظ نہ رہ پاؤ گی۔" کتنا سفاک تھا اس کا لہجہ۔ اسے ایک جھٹکے سے چھوڑتے ہوئے وہ دروازہ کھول کر یکدم ہی باہر نکل گیا تھا۔

ادعیہ کتنی ہی دیر ساکت سی کھڑی، خالی خالی ذہن کے ساتھ خالی خالی نظروں سے دروازے کو دیکھتی رہی تھی۔

✿......✿

کبھی دھوپ اور چھاؤں کے میلے ہیں
کبھی بے مقصد پروازیں ہیں
کبھی چاروں سمت آوازیں ہیں

کبھی تنہائی سے کھیلے ہیں
کبھی سناٹے بھی جھیلے ہیں
کبھی اِدھر اُدھر کی باتیں ہیں
کبھی بھولی بسری یادیں ہیں
ہم دنیا بیچ اکیلے ہیں

کبھی کبھی بہت کچھ کسی سے نہیں کہا جاتا۔
اور کبھی کبھی بہت کچھ یکدم ہی کسی سے کہہ دیا جاتا ہے۔
یہ بھرم کے تقاضے بہت مختلف ہوتے ہیں۔
مان کے طور طریقے بہت حیرت انگیز ہوتے ہیں۔
کوئی ساری عمر اعتبار قائم نہیں کر پاتا۔
کوئی ایک لمحے میں روح کے قریب ڈیرا ڈال لیتا ہے۔

کچھ ہاتھ بہت مہربان لگتے ہیں کہ سچائی جن کا شیوہ ہوتی ہے۔ فن جراحت سے آگا ہوتے ہیں پوری طرح۔ دوستی کے تقاضوں کو نبھانا پوری طرح جانتے ہیں۔ ان پر گویا یقین ہوتا ہے کہ وہ زخم کھرچیں گے نہیں۔ بہت نرمی سے مرہم رکھیں گے، دل جوئی کریں گے۔

مژگان نے بھی وہ سب کچھ آج اس دوست سے کہہ دیا تھا جو اب تک دل میں بسائے بیٹھی تھی۔ چھپائے بیٹھی تھی۔ جو اب تک کسی سے نہیں کہا تھا۔

''تم اتنی بے وقوف بھی ہو سکتی ہو، مجھے اس بات کا یقین نہیں ہو رہا۔'' تنک نے اسے دیکھتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ ''تم نے اتنا کچھ کیسے اتنی آسانی سے کر لیا؟'' تنک حیرت اور بے یقینی سے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

''کیا یہ سچ ہے کہ تمہیں رہبان عالم شاہ سے محبت نہیں تھی؟ کیا تمہیں واقعی اس سے محبت نہیں ہے؟'' تنک نے یکدم ہی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کا رخ اچانک ہی پھیر دیا تھا۔

''اتنا سب تو شاید کوئی محبت میں بھی نہ کر سکے اور تم انسانیت اور مروت کی خاطر یہ سب کر گزریں۔ تم نے کبھی بتایا نہیں تھا پہلے کہ زندگی میں تمہارا ایم (Aim) فرشتہ ہونے کا تھا ہے۔'' تنک نے غالباً واضح اور بھرپور انداز میں طنز ہی کیا تھا۔

مژگان نے ہونٹ کچلتے ہوئے سر جھکا لیا تھا۔

''اور یہ سب تم اب بھی جاری رکھنا چاہتی ہو۔ اس شخص کی خاطر جس کے دل میں اب بھی تمہارے لئے کوئی جذبہ موجود نہیں۔ سویٹی! اگر تمہیں سوشل ورک کا اتنا ہی شوق تھا تو زندگی کی کئی راہیں اور بھی کھلی تھیں۔ تم نے اسی راہ کو منتخب کیوں کیا؟ اگر یہ تجربہ ہے تو بہت بھیانک ہے۔ اور اگر یہ محض ہمدردی ہے، احساس اور مروت ہے تو بہت بڑی بے وقوفی ہے۔ تم از کم اس خود غرض دنیا میں آج کے دور میں کوئی اپنا اتنا بڑا نقصان نہیں کر سکتا۔'' تنک نے ایک گہرا سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ بہت مدھم انداز میں مسکرائی تھی۔ شاید اسے مطمئن کرنے کو...... کول ڈاؤن کرنے کو۔

''تم یہ کیوں نہیں دیکھتے ہو کہ اس نے بھی کتنا بڑا اسٹیپ لیا۔ مجھ پر کتنا بڑا احسان کیا۔''

تنک تھک کر سر یکدم ہی نفی میں ہلانے لگا تھا۔ ''اور جو تم نے کیا، اس سب نے اس احسان کے بوجھ کو کم ہی نہیں، تقریباً ختم ہی کر دیا۔ اینی وے، کب تک مزید تم اس کھیل میں پارٹ پلے کرنے کا ارادہ رکھتی ہو؟'' تنک نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ بہت مدھم انداز میں یوں مسکرا دی تھی جیسے معمول کے کسی واقعے کا ذکر ہو۔

''جب تک رہبان عالم شاہ کا مسئلہ حل نہیں ہو جاتا۔ جب تک اسے میری ضرورت ہے۔'' انداز بیاں عجیب سرسری سا تھا۔

تنک نے جھنجلا کر چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ پھر دوسرے ہی پل اسے برہم انداز میں دیکھا تھا۔ ''تم جانتی ہو، ضرورت اور خواہش وطلب میں بہت فرق ہوتا ہے؟'' تنک کے لہجے میں بہت کچھ تھا۔ یہ جملہ سادہ نہ تھا۔ وہ شاید درست ہی کہہ رہا تھا۔ مگر وہ ہولے سے مسکراتی ہوئی اسے دیکھنے لگی تھی۔

''سویٹی! تمہیں فرشتہ بننے کا اتنا جنون کیوں ہوا ہے؟'' اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے وہ بہت مضطرب انداز میں گویا ہوا تھا۔ مژگان نے ایک بھینچے ہوئے تبسم کے ساتھ اس کے ہاتھ پر ہاتھ دھر کے جیسے عقیدت کا اظہار کیا تھا۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم میرے لئے اس قدر پریشان ہو جاؤ گے۔ ورنہ تمہیں کبھی بھی کچھ نہ بتاتی۔''

''جس طرح اب تک سب کچھ چھپاتی رہی تھیں، مزید چھپاتی ہوئی فنا ہو جاتیں۔'' تنک نے چڑ کر کہا تھا۔ ''لڑکی! تمہیں اپنی بقا کی فکر ہونی چاہئے۔ جب وہ شخص اپنی محبت کی بقا کی خاطر تم سے......'' تنک یکدم کہتے کہتے رک گیا۔ بہت چونکتے ہوئے مژگان کی طرف دیکھا۔ بہت دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو اوپر اٹھایا۔

''سنو! تمہیں اس سے محبت ہے ناں؟'' کیسا مضبوط لہجہ تھا۔ کتنا یقین بول رہا تھا۔

مژگاں پل بھر میں ہی نظروں کا رخ پھیر گئی تھی۔ پھر یکدم ہی کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

"پاگل ہوں میں؟ جہاں سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں وہاں جگہ تلاش کرتی پھروں، پھر سے سر پھوڑتی پھروں؟" شانے اچکاتے ہوئے اس نے جیسے جھٹلایا۔ نک اسے دیکھتا چلا گیا۔

"تم پاگل ہی تو ہو سویٹی! بالکل پاگل۔"

نک تو کہے بنا اندر تک اتر جایا کرتا تھا۔ پھر وہ کیونکر اس کی سمت مزید دیکھتی رہتی۔ اس کی نظریں کیسے اس کے آر پار ہو رہی تھیں۔ اور وہ تبھی تو یکدم ہی اس کے پاس سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

⚙......⚙

منزلوں کے روبرو بھی الجھنوں میں قید ہوں
اب کھلا ہے میں بھی کتنی خواہشوں میں قید ہوں
شہرِ جاں میں تھی اُداسی پر کبھی ایسی نہ تھی
کچھ نہیں کھلتا کہ میں کن موسموں میں قید ہوں

کتنے ہی لمحوں تک وہ چپ چاپ ایک ساتھ چلتے رہے تھے۔ کچھ ہی فاصلے پر سمندر کھلے طور پر شوریدہ ہو رہا تھا۔ شب کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ فضا میں خاموشی کا پہرہ تھا اور خاموشی بھی جیسے بول رہی تھی۔ چودھویں شب کی جانب گامزن چاند بہت دلربا لگ رہا تھا۔ اسٹریٹ لائٹ کی روشنی میں ایک دوجے سے غافل، ایک دوجے سے اجنبی، چپ چاپ چلتے جا رہے تھے۔

"رہبان! تمہیں خبر ہے آج میرا برتھ ڈے تھا؟" سجل عباس نقوی نے اچانک ہی خاموشی کے تسلسل کو توڑا تھا۔ رہبان عالم شاہ نے چونک کر دیکھا تھا، پھر فوراً ہی مسکرا دیا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" بہت روانی میں وہ کہہ گیا تھا۔ سجل اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ خاموش نگاہوں میں یقیناً بہت شکوے تھے۔

"سوری۔ تمہیں مجھے بتا دینا چاہئے تھا۔ مصروفیات اس قدر ہیں کہ......" رہبان عالم شاہ سے جیسے الفاظ نہ بن پڑے۔

سجل چپ چاپ اسے دیکھتی ہوئی نگاہ پھیر گئی۔

"خفا ہو؟" رہبان نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے مدھم لہجے میں کہا۔

"اوں، ہوں......" سجل نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "مصروفیات اس سے قبل بھی ہوا کرتی تھیں مگر تم......" سجل کچھ کہتے کہتے رُک گئی۔ رہبان عالم شاہ نے اس کے چہرے کو ایک ٹک

دیکھا، پھر سمندر کی جانب نگاہ پھیر دی۔

"جانے کیسے بھول گیا میں۔"

"آج کل تم اور بھی بہت کچھ بھولتے جا رہے ہو۔ کہیں خود کو بھی مت بھول جانا۔" سجل نے مدھم لہجے میں گویا جل کر طنز کیا تھا۔

"سجل! مجھے ہمیشہ یہی خدشہ رہا ہے کہ تم مجھ سے خفا نہ ہو جاؤ۔ اسی خوف، اسی ڈر کے باعث میں بہت کچھ نہیں بھی کہہ سکا ہوں۔ وہ جو کہ میں ہمیشہ سے کہنا چاہتا تھا۔ وہ سب کچھ جو ہمیشہ سے میرے دل میں تھا اور جس نے ہمیشہ مجھے اک عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا۔ تمہیں کھونے کا ڈر، تمہیں گنوانے کا کرب میں شاید نہیں سہہ پاتا۔ نہیں سہہ پاؤں گا۔ بہت سے وسوسے رہے ہیں اس دل میں۔ بہت سے ڈر میری انگلی تھامے مجھے اپنے ساتھ چلاتے رہے ہیں۔ اور شاید اسی باعث میں تم سے کسی قدر دور ہوتا چلا گیا ہوں۔" رہبان عالم شاہ نے بہت سے لفظوں کو زبان دی تھی۔ "ناگفتنی" کو "گفتنی" کرنے کی راہ ہموار کی تھی۔

سجل عباس نقوی چلتے چلتے یکدم ہی ٹھہر گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

سجل نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر بہت ہولے سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

رہبان نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ بہت دلربا انداز اختیار کئے اس کی جانب متوجہ تھی۔

رہبان نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے تھے۔

"کچھ مت کہو رہبان عالم شاہ! آج کچھ مت کہو۔" وہ ہولے سے مسکراتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ "بہت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں بھی ہوتی۔ تم کیا سمجھتے ہو، نہیں کہو گے تو میں جان نہ پاؤں گی کہ تم مجھ سے کس قدر محبت کرتے ہو۔ تمہارے دل کی وسعتوں میں، میں ہوں۔ یہاں وہاں ہر طرف میں ہی میں۔ یادوں میں، گھر میں، کمرے میں اور دل میں۔" سجل کا لہجہ بہت خواب ناک، مدھم اور دھیما تھا۔ "تمہیں مجھ سے بڑھ کر بھلا کون سمجھے گا رہبان عالم شاہ! جو تمہارے دل میں ہوتا ہے وہ کبھی لبوں پر نہیں آتا۔ اور جو لبوں پر ہوتا ہے وہ دل میں شاید نہیں ہوتا۔" وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔

رہبان عالم شاہ چپ چاپ سا اسے دیکھتا چلا گیا تھا۔

"کتنے کم لمحے گزرے ہیں جب تمہاری جانب سے اس رفاقت کے متعلق کچھ اظہار ہوا ہو، تم نے کوئی اقرار کیا ہو۔ یہ میں ہی ہوں جو تمہاری سرد مہری کے سنگ جی رہی ہوں۔ کبھی

کبھی تو مجھے یہ گمان گزرتا ہے رہبان! کہ ساری عمر کیسی چپ میں جمی برف سی کٹے گی۔ میں اس برف تلے دب کر بے دم ہی نہ ہو جاؤں۔" وہ ہنسی تھی۔

رہبان عالم نے ساری ہمتوں کو مجتمع کرتے ہوئے اس کا ہاتھ بہت ہولے سے تھاما۔

"سنبل!" کچھ کہنے کو اس نے لب وا کئے تھے۔

"اوں، ہوں۔ بور مت کرو بھئی۔ اب اگر اتنے اچھے اور مدھر جملوں میں اظہار الفت کر ہی دیا ہے، اپنی بے قراریوں کو مجھ تک منتقل کر ہی دیا ہے تو کم از کم مجھے ان حسین لمحوں کے سحر کو چند لمحوں تک محسوس تو کرنے دو۔ اس یقین میں جینے تو دو۔ اس احساس سے سرشار ہونے دو کہ تم جیسا برف سا شخص میری محبت میں پور پور ڈوبا ہوا ہے۔" وہ بے حد سرشار تھی۔ جیسے واقعی کوئی جادو اسے اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔

رہبان عالم شاہ کی ساری تمہید بے اثر ہو گئی تھی۔ اس نے ہونٹ بھینچ کر ایک نظر اسے دیکھا تھا۔ وہ اسے بہت دلکشی سے مسکراتی ہوئی دیکھ رہی تھی۔

اور اس لمحے جیسے اخلاقاً اس پر بھی مسکرانا فرض ہو گیا تھا۔

٭......٭

سیّد وجاہت افتخار شاہ کتنے ہی لمحے خاموشی سے سیّد عالم شاہ کے روبرو بیٹھے رہے، پھر بہت ہولے سے بولے تھے۔

"بھائی جی! آپ نے مجھے معاف کر دیا؟" دبے دبے سے لہجے میں کہہ کر سیّد عالم شاہ کی طرف دیکھا تھا۔ ان کا چہرہ بہت بے تاثر انداز لئے ہوئے تھا۔

بظاہر دیکھنے سے کوئی بھی نہ جان پاتا کہ اس گھڑی وہ کیا سوچ رہے ہیں۔ مگر وہ اس وقت کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے ضرور تھے۔ مگر وہ سوچ کیا تھی؟ یہ سیّد وجاہت شاہ واضح طور پر اخذ کرنے سے قاصر تھے۔

"بھائی جی! اتنا طویل عرصہ گزر گیا آپ سب سے الگ ہوئے۔ بچھڑے تو جیسے اندھیرے ہو گئے۔ گہرے سائے ہو گئے جو تاریکیوں میں ڈوبتے چلے گئے۔ بھائی جی! زندگی کس قدر عجیب شے ہے، شاید یہ بات مجھ سے زیادہ بہتر انداز میں کوئی اور نہ سمجھ سکے۔ ایک طویل مدت تپتی ریت پر چلا ہوں میں۔ ایک عرصے تک شعلوں کی لپیٹ میں رہا ہوں، جلتا رہا ہوں۔ آپ سب سے دور تڑپتا رہا ہوں، سسکتا رہا ہوں۔" سیّد وجاہت شاہ کی آواز بھاری اور بوجھل ہوتی چلی گئی تھی۔ اس خاموش، پُرسکوت کمرے میں فقط سیّد وجاہت شاہ کی آواز گھڑی ابھر رہی تھی۔

سیّد عالم شاہ بالکل خاموشی سے ایک جانب دیکھتے رہے تھے۔

"بھائی جی! آپ شاید یقین نہ کریں، مگر میں نے ساری زندگی صحرا نوردی میں گزار دی ہے، کسی عمرِ لا حاصل کی طرح۔ اب جو لوٹا ہوں تو...... تو بھی خالی ہاتھ ہوں۔ خود کو مدتوں دھوکا دیتا رہا میں۔ دور رہ کر خود کو بہلانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ شادی کی، گھر بسایا، مگر ہر شے بہت کھوکھلی ثابت ہوئی۔ بچے جو میری آس تھے اس عمر میں وہ بھی اپنی اپنی راہوں پر نکل پڑے۔ خوشی ہمیشہ میرے ہاتھوں سے بھربھری ریت کی مانند پھسلتی چلی گئی۔ بھائی جی! میں آپ سب سے دور رہ کر خوشیاں تلاش کرتا رہا، دریا سے دور رہا اور تشنگی میں جلتا رہا۔ گھر سے دور رہا اور آباد ہونے کی خواہش دل میں پالتا رہا۔ چھت سے دور رہا اور سائے کو ترستا رہا۔ جتنی سزا میں خود کو دے سکتا تھا وہ میں نے دے دی۔ مگر اب وہ سب کچھ جیسے میری برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ میں تھکنے لگا تھا۔ ٹوٹنے لگا تھا۔ بہت تھک چکا تھا۔ اور ایسے میں، میں خود کو قطعی نہیں روک سکا۔ قدم خود بخود ہی گھر کی جانب اٹھ پڑے اور میں نے سفر کرنے میں تاخیر نہیں کی۔ عمر بھر تاخیر کرتا آیا اور پچھتاتا آیا۔ مگر ان سب پچھتاوؤں کا بوجھ جیسے میرے لئے ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔" کچھ دیر رک کر انہوں نے ضبط کی کڑی منازل طے کیں، پھر سیّد عالم شاہ کی سمت دیکھتے ہوئے گویا ہوئے۔

"اب بھی نہ آتا تو پھر کب آتا۔ اتنا کچھ تو گنوا چکا تھا۔ کتنے لمحے مجھے بدنصیبی کی قبر میں دفنا گئے تھے۔ ابا کو نہ دیکھ سکا۔ اماں سے نہ مل سکا اور بھاگتا ہی رہا۔ کتنی کڑی سزا تھی۔ بھائی جی! مجھے نہیں معلوم کہ اب بھی وہ سزا ختم ہوئی ہے کہ نہیں۔ میرے گناہ دُھلے ہیں کہ نہیں۔ مجھے معاف کیا گیا ہے کہ نہیں۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ مگر اب میں خود کو مزید سزا دینے کی سکت نہیں رکھتا۔ میرا وجود شل ہو چکا ہے۔ میں واقعی تھک چکا ہوں۔ بے ہمت ہو چکا ہوں۔ کیا اتنی سزا کافی نہیں؟" انہوں نے بہت ہولے سے سیّد عالم شاہ کے ہاتھ پر ہاتھ دھرا تھا۔ وہ بہت بے تاثر انداز میں چہرے کا رخ پھیرے دوسری جانب دیکھتے چلے گئے تھے۔

"بھائی جی! کیا مجھے پھر ننگے پاؤں ان شعلوں پر چلنا ہو گا؟ آپ چپ کیوں ہیں؟ پلیز کچھ بولئے۔ کچھ اور نہیں تو آپ کی ناراضگی کا ہی احساس ہو۔ آپ کے غصے کا ہی پتہ چلے۔ اس دہلیز پر میں نے قدم تو دھر دیا ہے مگر آج بھی جیسے شعلوں کی لپیٹ میں ہوں۔ آپ کی سرد مہری کی آگ مجھے جینے نہیں دے رہی۔ بھائی جی! آپ مجھے معاف کریں یا نہ کریں مگر فقط آپ سب کو دیکھنا تھا، سو دیکھ چکا۔ کیا عجب کہ ساری عمر جب انگاروں پر لوٹتے ہوئے گزار دی اور یہ چند روز نہ گزار سکوں۔ آپ کو حق ہے، آپ مجھے اس کاٹی گئی سزا سے بھی

بڑی سزا دے سکتے ہیں۔ اس سے بھی بڑی فرد جرم عائد کر سکتے ہیں۔ میں سر نہیں اٹھاؤں
مگر شرط آپ کا بولنا ہے۔" ایک مضبوط شخص کی آواز ٹوٹنے لگی تھی۔ کتنا کرب تھا لہجے میں
کتنی نارسائی تھی آواز میں۔

وہ بولتے بولتے تھک کر خاموش ہو گئے تھے۔

سیّد عالم شاہ کے ساکت وجود میں بہت ہلکی سی حرکت ہوئی تھی۔ گردن پھیر کر
وجاہت شاہ کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا۔ پھر ان کا ہاتھ ہولے سے آگے بڑھا تھا اور
کے شانے پر جا پڑا تھا۔

سیّد وجاہت شاہ نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ سیّد عالم شاہ ان کی جانب متوجہ تھے۔
بغور دیکھ رہے تھے۔

"تم اتنے بڑے کیسے ہو گئے تھے کہ تم نے اپنی سزائیں خود ہی تجویز کر ڈالیں؟"
مدھم، بہت بکھرے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے انہوں نے سیّد وجاہت کو دیکھا تھا۔
یکدم ہی آنکھوں میں تیرنے لگی تھی۔

"اگر تمہارے بڑے ہم تھے تو تمہاری سزا بھی ہمیں ہی تجویز کرنا چاہئے تھی۔" سیّد
شاہ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"افسوس، تم نے اپنے لئے بہت کڑی اور طویل سزا تجویز کی۔ اپنے گناہ سے بہت
بڑی۔ حالانکہ تم یہاں رہ کر بھی اپنے گناہ کی تلافی کر سکتے تھے۔ مگر کس بنا پر تم خود کو
جہانوں میں کھینچ لے گئے۔ جب ہم، ہمارا وجود تمہارے لئے اتنا اہم تھا تو پھر کیسے تم
میں اتنی ہمت پیدا کی، ہمیں خود سے دور لے جانے کی۔ ابا جی، اماں کتنے عرصے تک
پوچھتے رہے۔ ماں تمہاری جدائی میں کیسی سودائی ہو گئی۔ آخری دم تک تمہاری راہ دیکھی
تمہیں پوچھتی رہی۔ لیکن تم کو نہ آنا تھا نہ آئے۔"

"سنو جی! صبح کا بھولا شام ویلے گھر آوے تے اس نوں بھولا نئیں آکھدے۔"
کس لمحے پیچھے اماں آن رکی تھیں۔ "چھڈو وی ہُن ساریاں گلاں۔ خوشیاں دے ویلیاں
خوشیاں نال منانا سکھو۔ وجیہہ اپنا بچہ ہے۔ تے بچیاں دی خطاواں نوں وڈے ای
کروے نیں۔ درگزر کرن وچ ہی وڈیاں دی عظمت اے۔ جان وی دو ہُن تسی۔"
دیور کی بھرپور حمایت کی تھی۔ پھر اسی انداز سے وہ چلتی ہوئی سیّد وجاہت کی پشت پر آ
تھیں۔

"بہت سزا کاٹ چکے ہو تم...... اب ہور نئیں۔ تیرے بھائی تجھے دل سے معاف

ہیں۔ اب تو فقط دوری کا گلہ ہے۔ چل اٹھ تو، ادھر تیرا بھتیجا تیری راہ تکدا پیا اے۔ ہور وے
کدھر جانا سی اس دے نال توں۔"

سیّد وجاہت نے سر اٹھا کر سیّد عالم شاہ کی طرف دیکھا۔ وہ آنکھوں میں بہت نرمی لئے
اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ بھینچے تبسم کے ساتھ مسکرایا تھا۔

سیّد عالم شاہ کی نرمی کو وہ یقیناً سمجھ چکا تھا۔ وہاں معافی نامہ واضح انداز میں موجود تھا۔
تبھی وہ ہولے سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اماں نے اس اونچے لمبے شخص کو کمرے سے باہر
جاتے دیکھا تھا، پھر گویا ہوئی تھیں۔

"چھڈیا کرو تسیں وی۔ کھدو، پھولو گے تے لیراں ای نکلن گیاں۔ گئے وقت دی گل
نوں جان وی دیو۔ ہُن اوہ کوئی بچہ تے نئیں اے۔" اماں نے بہت سہولت سے کہتے ہوئے
ابا جی کے شانے پر ہاتھ دھرا تھا۔ انہوں نے ایک گہری سوچ میں گم انہیں دیکھا تھا، پھر اٹھ
کھڑے ہوئے تھے۔

سیّد وجاہت شاہ، بھائی جی کے کمرے سے نکل کر تیزی سے زینہ کراس کر رہے تھے
جب سامنے سے آتے نازک و کومل وجود کو دیکھ کر لمحے بھر میں ساکت ہو گئے۔

سیاہ شلوار قمیض، نیلے دوپٹے میں وہ دھان پان سی لڑکی بہت ہراساں سی اِدھر اُدھر دیکھ
رہی تھی۔ غالباً وہ کسی کو ڈھونڈ رہی تھی۔

مگر سیّد وجاہت شاہ کی نگاہیں تو اس کے خدوخال میں ہی اُلجھ کر رہ گئی تھیں۔

اس کے نقوش دیکھ کر وہ جیسے ساکت سے رہ گئے ہوں۔

کتنے ہی لمحے ساکت، وہ دیکھتے چلے گئے تھے۔

لڑکی کی نگاہ بھٹکتی ہوئی اسی دم سیّد وجاہت شاہ پر جا ٹھہری تھی۔ کسی یکسر اجنبی شخص کو اپنی
جانب بہت محویت سے دیکھتا پا کر وہ لمحہ بھر میں ہی بوکھلا کر رہ گئی تھی۔ شاید تبھی وہ ہراساں سی
دوسرے ہی لمحے پلٹی تھی اور راہداری کے دوسری جانب غائب ہو چکی تھی۔

سیّد وجاہت نے ایک دم چونک کر اس خالی خالی منظر کو دیکھا تھا جہاں اب کوئی نہیں تھا۔
تبھی اس گھڑی اعیان شاہ وہاں آ گیا تھا۔ سیّد وجاہت جس درجہ محویت کا شکار تھے، وہ
اعیان شاہ کو چونکا گیا تھا۔

"چاچا...... چاچا جانی...... کیا ہوا؟ خیریت؟" اعیان شاہ نے بغور انہیں دیکھتے ہوئے
دریافت کیا تھا۔ وہ چونکے تھے، پھر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگے تھے۔

"چلو" بھاری لہجے میں حکم صادر کیا۔

اعیان شاہ نے ان کے متفکر چہرے کو لمحہ بھر کو دیکھا، پھر فکر مندی سے گویا ہوا۔
''آپ ٹھیک ہیں نا؟''
''ہوں۔'' سید وجاہت شاہ نے اپنے لمبے چوڑے مضبوط جسم کے مالک بھتیجے کو دیکھا اور
ہولے سے مسکرا دیئے۔ ''تم نے اتنی دیر کر دی آنے میں۔ بہر حال اب چلو۔ ورنہ مزید دیر ہو
جائے گی۔''
اعیان نے دوسرے ہی لمحے ان کے ساتھ پیش قدمی کر دی تھی۔

✿......✿

سیو حویلی سے لوٹ رہی تھی جب راہ میں اچانک ہی بلّو آن ٹکرایا۔ سیو کو اس کی امید نہ تھی۔ اس کا اقدام قطعی غیر متوقع تھا۔ شاید تبھی وہ بوکھلا کر رہ گئی تھی۔
بلّو اسے بغور دیکھتا ہوا بولا۔
''اتنے دنوں بعد ملیں تو سلام کے ساتھ حال احوال ضرور پوچھتے ہیں۔''
گرمیوں کی اس جھلسی سہ پہر میں سب راستے ویران پڑے تھے۔ دور دور تک کسی کا نام و نشان نہ تھا۔ اس گھڑی جانے کیوں سیو کی دھڑکنیں یکدم ہی تیز ہونے لگیں۔ مگر وہ جانے کیوں خود کو اس گھڑی مضبوط ظاہر کرنے کو مکمل اعتماد کے ساتھ اس آدمی کو دیکھنے لگی۔
''اس طرح راہ روکنے والوں کے حال احوال نہیں پوچھا کرتے۔''
بلّو نے اس کے تپتے ہوئے حسنِ بلا خیز کو دیکھا تھا۔ سورج کی تمازت نے اس کے چہرے پر جیسے ایک گلال مل دیا تھا۔ اس تپتی دوپہر میں اس کا دمکتا روپ کیسا چھاؤں جیسا تھا۔ بلّو بے ساختہ دیکھتا چلا گیا تھا۔ وہ چہرے کا رخ موڑ گئی تھی۔
''کتنے عرصے بعد دیکھ رہا ہوں نا۔ لوٹا بھی تو عرصے بعد ہوں۔ اور کتنی بدلی بدلی سی لگ رہی ہے تو۔ شاید پہلے سے زیادہ اچھی لگ رہی ہے۔ شاجی بتا رہی تھی تم نے پڑھنا لکھنا شروع کر دیا ہے۔ بہت موٹی موٹی کتابیں پڑھنے لگی ہو اور بڑے بڑے کام کرنے لگی ہو۔'' بلّو نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔ سیو نے رسانیت سے اسے دیکھا تھا۔
''جب پتہ ہے تو پھر پوچھ کیوں رہے ہو؟'' کڑے تیور سے کہہ کر اس نے آگے بڑھنا چاہا تھا مگر تبھی بلّو نے فوراً اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ سیو کو جیسے لمحے بھر کو کرنٹ چھو گیا۔ ایک جھٹکے میں ہی اس نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرایا تھا۔
''کیا بدتمیزی ہے؟'' درشت لہجے میں کہتے ہوئے سیو نے اسے آنکھوں سے قتل کرنا چاہا۔
''ذرا گھڑی کو میری بات سن لو۔ کچھ زیادہ نہیں کہنا ہے تم سے۔'' بلّو نے ملتجی لہجے میں کہتے ہوئے درخواست کی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل وہ اپنی قمیض کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالنے لگا تھا۔

سیو کے لئے یہ گھڑیاں نا قابل برداشت تھیں اور وہ وہاں بادل نخواستہ کھڑی تھی۔ بلّو نے پیکٹ کھول کر اس کے سامنے کیا۔ سرخ، نیلی، پیلی کانچ کی کتنی ہی چوڑیاں تھیں۔ سیو سر اٹھا کر اس کو دیکھنے لگی تھی۔ انداز سوالیہ تھا۔

بلّو آنکھوں میں کئی رنگ لئے مسکرا دیا تھا۔

"یہ سب تیرے لئے ہیں۔" اس نے ہاتھ اس کی جانب بڑھا دیا تھا۔ سیو نے ناپسندیدہ انداز سے دیکھا۔ اس معمولی سے شخص کی آنکھوں میں اس وقت کتنے رنگ تھے، کتنے خواب تھے۔

سیو نے بھینچے ہوئے ہاتھ کو یکدم کھول کر اس کے ہاتھ کو جھٹکا تھا۔ کانچ کی کتنی ہی چوڑیاں زمین پر جا پڑی تھیں۔ مگر وہ دوسرے ہی پل بے تاثر چہرہ لئے آگے بڑھ گئی تھی۔ بلّو کتنی ہی دیر وہاں کھڑا مٹی میں اٹی چوڑیوں کو دیکھتا رہا تھا۔

✿......✿

کتنے روز سے دل بوجھل سا تھا۔ اتنے ہنگاموں کے باوجود اندر کے ویرانے جانے کیوں مزید گہرے ہوتے چلے جا رہے تھے۔ تبھی وہ دادی اماں سے اجازت لے کر امی کی طرف آ گئی تھی۔ حالانکہ آج یہاں رسم مہندی تھی۔ مگر اسے کہاں دلچسپی تھی اس سارے معاملے سے۔ اس کے لئے تو ہر شے جیسے بے معنی ہو کر رہ گئی تھی۔ زندگی اور جینے کا احساس دور دور تک نہ تھا۔ بس دن گزار رہی تھی۔ شام تک وہ وہاں رہی تھی۔ سکون تلاشنے نکلی تھی مگر سکون جیسے کہیں موجود ہی نہ تھا۔ اس کے باوجود اس کا دل وہاں کی بجائے اس جائے پناہ کو معتبر قرار دے رہا تھا۔ کچھ بھی تھا یہاں پھر بھی مان تھا، بھرم تھا، اعتبار تھا، یقین تھا، رشتوں کا خلوص تھا۔ اور وہاں کتنی اجنبی تھی وہ۔

واپسی کو دل رضامند نہ تھا۔ مگر امی نے عمر کے ساتھ اسے کر دیا۔

رات کا سناٹا اس گھر میں اور بھی گہرا تھا۔ مہندی کی تقریب کی غرض سے یقیناً وہ لوگ ہال کی طرف روانہ ہو چکے تھے۔ گھر میں دو چار ملازمین کے علاوہ اس گھڑی شاید وہ خود ہی تھی۔

"تائی اماں کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ اس لئے وہ گھر پر ہی ہیں۔" وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھنے والی تھی جب ملازم نے اسے اطلاع دی۔ وہ سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھ آئی۔

عمر اسے چھوڑ کر واپس لوٹ گیا۔ اتنے بڑے سارے گھر میں آج وہ بالکل تنہا تھی۔ چار سو خاموشی کا ڈیرا تھا۔ بالکل دل کی طرح۔

وہ دانستہ دیر سے لوٹی تھی۔ حالانکہ دادی اماں نے اسے جلد لوٹنے کو کہا تھا مگر اس نے یہ

دیر جان بوجھ کر کی تھی۔ شاید وہ کچھ لمحے سکون کے ساتھ اپنے سنگ بسر کرنا چاہتی تھی۔

سوچوں میں ابھی وہ کتنی دیر تک یونہی کھڑی رہی تھی۔ پھر ہولے سے چلتی ہوئی کچن کی سمت آ گئی تھی۔ اپنے لئے چائے بنا کر ٹی وی لاؤنج میں آن بیٹھی تھی۔ یہ گھر اس کا تھا مگر استحقاق نہ ہونے کی حد تک تھا۔ آج وہ پہلی بار اس طرف آئی تھی۔ چائے کے چھوٹے چھوٹے سپ لیتے ہوئے اس نے یقیناً اپنا دھیان بٹانے کی خاطر ٹی وی سیٹ آن کیا تھا۔ آواز اسی حد تک تھی کہ وہ سن سکے یا پھر کمرے کا سکوت ٹوٹ سکے۔ وہ تائی اماں کی کیفیت سے واقف تھی۔ وہ آرام کر رہی تھیں۔ اور خاموشی میں تو ذرا سا پتا بھی گرے تو آواز دور تک جاتی ہے۔

وہ ابھی تائی اماں کے متعلق سوچ ہی رہی تھی کہ ایک زوردار چیخ کی آواز آئی۔ تائی اماں کا کمرہ اوپر تھا اور آواز یقیناً قریب سے ابھری تھی۔ وہ کپ رکھ کر لمحہ بھر میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ تائی اماں کو زینے کے اختتام پر اوندھا پڑا دیکھ کر وہ حواس باختہ ہو گئی۔ بنا کسی تردد کے فوراً آگے بڑھ کر جھک کر انہیں سیدھا کیا۔ وہ یقیناً بے ہوش ہو چکی تھیں۔ وہ یقیناً کسی کام سے نکلی تھیں اور سیڑھیاں اترتے ہوئے پھسل گئی تھیں۔

"او مائی گاڈ" بلا ارادہ ہی اس کے منہ سے نکلا تھا۔ تبھی وہ پلٹی تھی اور ملازم کو آواز دے کر فوراً ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کو کہا تھا اور پھر دوبارہ وہ ان کی جانب آ گئی تھی۔

انہیں بظاہر کوئی چوٹ نہیں آئی تھی۔ مگر ان کی بے ہوشی اس بات کی نفی کر رہی تھی۔ یقیناً کوئی اندرونی چوٹ بہت شدید انداز میں لگی تھی۔

"بی بی صاحب! گاڑی نکال لی ہے۔" ڈرائیور مؤدب انداز میں گویا ہوا تھا۔ ادعیہ نے سر ہلاتے ہوئے انہیں اٹھانے کا اشارہ کیا تھا اور پھر وہ تائی اماں کو لے کر ہسپتال کی جانب روانہ ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر نے فوری ٹریٹمنٹ دی تھی اور انہیں ہوش آ گیا تھا۔ داہنے بازو اور داہنی ٹانگ کے گھٹنے میں ضرب لگی تھی۔ ڈاکٹرز نے پلاسٹر چڑھا دیا تھا اور اب تائی اماں ہوش میں تھیں۔

اس نے گھر فون کر کے ملازم کو اطلاع دی تھی اور صورتحال کے متعلق بتا دیا تھا۔ یقیناً باقی گھر کے افراد ابھی تک تقریب سے نہ لوٹے تھے۔ بہرحال اطلاع دے کر وہ تائی اماں کی جانب آ گئی تھی۔ وہ جاگ رہی تھیں۔ اسے قریب رکتے دیکھ کر جانے کیوں انہوں نے ناگواری سے منہ دوسری طرف پھیر لیا تھا۔ ادعیہ کے دل پر اس وقت ایک کاری ضرب پڑی تھی۔ جانے کیوں؟ حالانکہ اسے کسی اچھے رویے کی امید نہیں تھی۔ کسی ستائش کی تمنا نہیں تھی۔

مگر اس گھڑی وہ اپنے چہرے کے تاثرات نہ چھپا سکی تھی۔ شاید تبھی دوسرے پل پلٹی تھی
پھر باہر نکل آئی تھی۔

۞......۞

"یہ کیا تم اجنبی لوگوں کی طرح ہوٹل میں آن پڑے ہو۔ کس قدر شرمندگی ہو رہی
مجھے۔ کیا تم اسی لئے پاکستان آئے تھے؟" مژگان نے لابی کی جانب سے آتے ہوئے
سے بھرپور شکوہ کیا تھا۔

نک خفیف سا مسکراتا ہوا اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

"تو پھر کیا کروں۔ جہاں تم خود مہمان ہو، وہاں آن بسوں؟"

مژگان جانے کیوں چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ حالانکہ کہنے والے نے دانستہ کوئی طنز
کیا تھا۔ نہ ہی ارادہ کچھ جتانے کا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ بہت شرمندہ سا ہو کر مژگان
سمت دیکھنے لگا تھا۔

"آئی ایم سوری مژی!"

"اٹس اوکے۔" مژگان بہت ہولے سے مسکرا دی۔ "شاید میں بھول گئی تھی۔ جو گھر
نہیں، جہاں میں خود کوئی اجنبی مہمان ہوں، وہاں تمہیں رہنے کی دعوت کیونکر دے سکتی ہوں"

"میرا ارادہ تمہارا دل دکھانے کا نہ تھا۔" نک شرمندہ تھا۔

"لیوات۔ میں جانتی ہوں تم کس قدر قابل اعتماد دوست ہو۔" مژگان نے اعتماد کا
اظہار کیا۔

"اس کے باوجود میری نہیں مانتی ہو تم۔" نک نے شکوہ کیا۔ اس کے گمبھیر لہجے میں
کچھ نہ تھا۔ مژگان جانے کیوں اس کی جانب مسلسل نہ دیکھ سکی تھی اور چہرے کا رخ پھیر
تھی۔ اس شخص کی سبز سمندر آنکھوں میں کس قدر طغیانی تھی۔ ان کہی کتنی صدائیں تھیں۔

نک نے دھیرے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لیا
مژگان نے اس کی جانب دیکھنے سے مکمل گریز کیا تھا۔

"سویٹی! تمہاری بے چینی، تمہاری اضطرابی کیفیت میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔"
اس ایک جملے میں کیا کچھ پنہاں نہ تھا۔ بات درگزر کئے جانے کے قابل تو قطعی نہ
لہجہ نظرانداز کئے جانے کے قابل بھی نہ تھا اور وہ سبز سمندر آنکھیں۔ مگر مژگان خود کو سنبھالے
ہوئی یکدم ہی مسکرا دی تھی۔

"میں خوش ہوں...... بہت مطمئن ہوں۔ تم میرے باعث پریشان ہونا چھوڑ دو۔"

"وہ کام کہہ رہی ہو جو کہ میں نہیں کر سکتا۔"

مژگان نگاہ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

"جب تم خوش ہو گی تو میں خودبخود مطمئن ہو جاؤں گا۔ تمہارا اطمینان ہی میرا اطمینان
ہے۔" نک کے مدھم لہجے میں کیا کچھ نہ تھا۔ مگر مژگان یکدم ہی نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی۔

"تم مجھے خود سے الگ کر کے نہیں دیکھ سکتے؟"

"کوشش بھی نہیں کر سکتا کہ جانتا ہوں یہ ناممکن ہے۔" وہ مسکرا دیا تھا۔

"اچھا یہ بتاؤ تمہیں کبھی خود کو مکمل کرنے کا خیال نہیں گزرا؟" مژگان نے اسے باور
کرانے کو کہا۔

"میں ادھورا کب ہوں؟" نک کا قہقہہ بہت بھرپور تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ اس کی
آنکھوں میں بغور دیکھنے لگا تھا۔ "تمہیں لگتا ہے میں نامکمل ہوں؟"

اور اس کا یقین جیسے مژگان کو متزلزل کرنے لگا تھا۔ اس شخص کے سامنے ہمیشہ ہی ہر
دیوار بھربھری ریت کی مانند ڈھے جاتی تھی۔ وہ جانے کیوں ڈھیر ہو جاتی تھی۔ وہ کمزور پڑنا
نہیں چاہتی تھی۔ جس طرح مسلسل خود کو سنبھالے ہوئے تھی، اسی طرح اب بھی بھرپور
اطمینان کے ساتھ مسکرا دی۔

"کم آن۔ مجھے باتوں میں الجھانا اب اتنا آسان نہیں۔" اس نے کچھ اس انداز سے کہا
کہ وہ یکدم ہی ہنس پڑا۔

"ہنی! تم بالکل بھی نہیں بدلی ہو۔ بالکل ویسی کی ویسی ہو۔ مجھے آج بھی تمہاری آنکھوں
میں وہی خوف کی پرچھائیاں دکھائی دیتی ہیں۔ تم مسکراتی ہو تو تمہاری آنکھوں کی ویرانی اسی
قدر چھلکتی محسوس ہوتی ہے۔ آج بھی میں جان سکتا ہوں کہ تم دل سے قطعی نہیں مسکراتی ہو۔
اور اگر مسکراتی بھی ہو تو کوئی خدشہ آج بھی تمہاری راہ روک لیتا ہے۔ ان آنکھوں کے جگنو
آج بھی اسی قدر ہراساں اور خوفزدہ نظر آتے ہیں۔ اتنے ہی دور۔ تمہارا چہرہ آج بھی آئینہ
ہے جس کے آر پار میں جھانک سکتا ہوں۔ سارے موسم دیکھ سکتا ہوں۔ وہ بھی جو گزر گئے اور
وہ بھی جو کہ گزر رہے ہیں۔ ان سب موسموں کی تمازت میں اپنے دل پر محسوس کرتا ہوں۔
تمہارے اندر کی چپ چاپ بارش میں میرا اندر بھی اتنا ہی بھیگتا ہے۔ تمہارے اندر کی رکی
تھی خزاں مجھے بھی اتنا ہی بے کل رکھتی ہے۔ خشک زرد پتوں کی آہٹیں مجھے بھی اتنا ہی
مضطرب رکھتی ہیں۔ بہت سے زرد لمحوں کی جلن مجھے بھی اسی قدر بے چین رکھتی ہے۔
مسکراتی، بظاہر ہنسی مسکراتی آنکھوں کی نمی...... کیا میں نہیں جانتا کہ یہ اتنا پانی کہاں سے آتا

ہے۔ تمہارے اندر جو سمندر تیرتے ہیں...... طغیانی برپا کرتے ہیں کیا میں انہیں نہیں دیکھ سکتا
......تم کہو تو میں اپنی آنکھیں بھی بند کرلوں، میلوں کے، صدیوں کے فاصلے پر جا رکوں، مگر ان تمام آہٹوں سے میں پھر بھی کان بند نہیں کرسکتا۔ دراصل سویٹی...... یہ معاملہ نظر کا ہے ہی نہیں۔'' وہ بہت مدھم لہجے میں کہتا ہوا نفی میں سر ہلانے لگا تھا۔ ''جو فقط آنکھوں سے دیکھتے ہیں، ہر دم ساتھ رہنے سے بھی وہ، وہ سب کچھ نہیں جان پاتے...... ہمارا تعلق کچھ اور ہے یہ نظر یا فقط آنکھ کا تعلق نہیں۔''

کتنا کچھ بول گیا تھا وہ شخص۔ کتنی راہیں لمحہ بھر میں ہی مسدود کرڈالی تھیں اس شخص نے کتنی شدتیں تھیں، کیسی دل نوازیاں تھیں۔

''نک! یو آر ریئلی میڈ...... پاگل ہو تم آج بھی۔ بلکہ اور بھی دیوانے ہوگئے ہو۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکی۔ اور جواب میں نک نے اسے فقط خاموش نظروں سے دیکھا۔ کہا کچھ نہیں تھا۔

✿......✿

کبھی تو نے خود بھی سوچا کہ یہ پیاس ہے تو کیوں ہے
تجھے پا کے بھی میرا دل جو اداس ہے تو کیوں ہے
مجھے کیوں عزیز تر ہے یہ دھواں دھواں سا موسم
یہ ہوائے شامِ ہجراں، مجھے راس ہے تو کیوں ہے

''کیا سمجھتی ہے، اس طرح کے ڈھونگ رچا کر دل جیت لے گی؟ کچھ اور نہ بن پڑا تو یوں دل تک راستہ بنانے کا ڈھنگ اختیار کرلیا۔'' ستارا آپا کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔ اس کو اگرچہ کچھ ستائش کی تمنا ہرگز نہ تھی۔ مگر لمحہ بھر کو دل دکھا ضرور تھا۔

''اے بچی، کیا برا کیا اس نے۔ بروقت ہسپتال نہ لے جاتی تو خدانخواستہ کچھ برا بھی تو ہوسکتا تھا۔ یہاں تو عجیب قانون ہے۔ نیکی کا بھی کوئی اجر نہیں۔ بلکہ نیکی پر بھی تنقید فرمائی جا رہی ہے۔'' دادی اماں نے آخر کار میدان میں کود کر اس کی حمایت کی ٹھانی تھی۔ تبھی چچی جان گویا ہوئی تھیں۔

''کہہ تو خیر بی اماں ٹھیک رہی ہیں۔ ادعیہ کا گناہ کوئی اتنا بڑا بھی نہیں۔ بلکہ اس کا اقدام تو قابل ستائش ہے۔''

''چھوڑیں چچی جان! یہاں کون سنے گا اور سمجھے گا۔ یہاں فقط مخالفت برائے مخالفت کا کھیل جاری و ساری ہے۔'' زویا نے تپ کر کہا تھا۔ ستارا نے اسے گھورا تھا۔

''زویا! چپ رہو تم...... بچی ہو ابھی۔''

''ہاں، آپ سب بڑوں کے پاس تو گویا لائسنس ہے دوسروں کو بے عزت کرنے کا۔'' وہ صاف گوئی سے کہتی ہوئی دوسرے ہی پل وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ پلٹی تھی۔ جب ستون کے ساتھ لگ کر کھڑی ادعیہ پر نگاہ ٹھہر گئی۔ وہ چلتی ہوئی اس کے پاس آن رکی، پھر بغور دیکھتی ہوئی بولی۔

''آپ کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیسی لڑکی ہیں آپ؟ چپ چاپ سختی رہتی ہیں، برداشت کرتی رہتی ہیں۔ کبھی تو کوئی شکوہ کر دیا کیجئے۔ کبھی کبھی چپ بڑی نقصان دہ ہوتی ہے۔ اس گھڑی قطعی چپ نہیں رہنا چاہئے جب شکوہ ضروری ہو۔'' وہ بولتی چلی گئی تھی۔ ادعیہ نے اسے فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔

''آپ کو پتہ ہے آپ اپنی اسپیس کس قدر کم کرتی جارہی ہیں فقط اس لاتعلقی اور خاموشی کے باعث؟'' زویا چھوٹی تھی اس سے مگر کس قدر مدبرانہ انداز میں اس کی سمت دیکھتی ہوئی گویا مطلع کر رہی تھی اور وہ چپ چاپ سی دیکھتی رہی تھی۔ تبھی زویا جیسے تھک کے آگے بڑھ گئی تھی۔

اس کا قصور کیا تھا......؟ کہاں تھا؟

وہ ہمیشہ یہی تو تلاشتی رہی تھی۔

اسی کوشش میں ہی تو لگی رہی تھی۔

کتنے ناکردہ گناہوں کی سزا اس نے اب تک بھگتی تھی۔ کاٹی تھی اور کاٹ رہی تھی۔ یہ کام بھی کرتے ہوئے اس نے سوچا نہیں تھا کہ وہ گناہ کمانے جارہی ہے یا پھر ثواب......!

کسی بھی سود و زیاں سے ہٹ کر اس نے قدم اٹھایا تھا مگر جواب میں اسے کیا مل رہا تھا۔ وہ اپنی سوچوں میں غلطاں تھی جب اعصار شیخ اس گھڑی یکدم ہی اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ وہ ابھی چونکی ہی تھی جب اس نے بنا کچھ کہے اس کی کلائی کو اپنی مضبوط گرفت میں لیا تھا اور اسے کھینچتا ہوا کمرے میں لے گیا تھا۔

وہ اس اقدام پر حیران تھی۔ سنبھلنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ پھر سمجھتی کیسے؟''

''ستائش حاصل کرنے کا بہت شوق ہے تمہیں؟ چاہتی ہو سب تمہارے احسان مند ہو جائیں، تمہیں سر آنکھوں پر بٹھالیں؟'' اسے بیڈ پر پٹختے ہوئے وہ دھیمے مگر انتہائی ترش لہجے میں گویا تھا۔

''نیکیاں کمانے اور داد حاصل کرنے کا بہت شوق ہے تمہیں؟ میری ماں کو بروقت ہسپتال پہنچا کر مقروض بنانا چاہتی تھی مجھے اپنا۔ کیا سمجھتی ہو...... اس طرح جھکا سکو گی تم اعصار شیخ کو؟

اس کے دل میں پھر سے مقام بنا سکو گی؟ نوکروں کی فوج انہی کی خاطر چھوڑ کر گیا تھا۔ تم اگر یہ احسان نہ بھی کرتیں، یہ زحمت نہ بھی فرماتیں تو میری ماں تب بھی بخیر و عافیت ہی رہتیں۔ تم اگر اس بات پر خوش گماں ہو کہ تمہارے اس اقدام پر تمہیں "ود تھینکس" دل کے سنگھاسن پر بٹھا لیا جائے گا تو ادعیہ بیگم! تم غلطی پر ہو... کسی اندھیرے میں ہو۔ اپنا جو مقام تم گنوا چکی ہو وہ شاید زندگی بھر حاصل نہ کر سکو۔ جو نقش دل سے اتر جائے وہ دوبارہ نہیں بن سکتا۔ تمہارے کہیں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس کے باوجود میں تم سے قطعی طور پر دستبردار نہیں ہوں گا۔"

کیسا زہر میں بجھا ہوا تھا اس شخص کا لہجہ۔ ادعیہ ساکت سی دیکھتی چلی گئی تھی۔ کیا یہ وہی شخص تھا جس نے اسے ٹوٹ کر چاہنے کا دعویٰ کیا تھا؟ جس نے اس کی راہ میں سدا التفات کے پھول دھرے تھے۔ پلکیں بچھائی تھیں۔ کیا کوئی اس قدر سفاک بھی ہو سکتا ہے؟ اتنی جلد بھی بدل سکتا ہے؟

"مائنڈ اٹ ادعیہ شیخ! اس گھر میں رہنا ہے تو خود کو میرے معاملات سے الگ رکھنا ہوگا، سمجھیں۔" ایک لمحے میں وہ باور کراتا ہوا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔ ادعیہ ساکت سی خالی خالی نظروں سے ایک ہی سمت دیکھتی جا رہی تھی۔ اور بہت سا پانی جانے کیوں اس گھڑی چپ چاپ رخساروں پر پھیلتا چلا جا رہا تھا۔

✿......✿

وہ کمپیوٹر اسکرین پر بغور نظریں جمائے تیزی کے ساتھ کی بورڈ پر انگلیاں چلا رہی تھی جب رہبان عالم شاہ نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

"بزی ہو تم؟" اگرچہ وہ دیکھ چکا تھا مگر اس کے باوجود شاید ازراہ تذکرہ دریافت کیا۔ مژگان نے ہاتھ روک کر گردن کا رخ پھیر کر اس کی سمت دیکھا پھر مسکرا دی۔ رہبان عالم شاہ ہاتھ میں چائے کا کپ تھامے اس کی جانب تک رہا تھا۔

"نہیں، آؤ تم۔" وہ مکمل دوستانہ انداز میں بولی۔

"کام کرو، اچھی بات ہے۔ مگر خود کو بھی تو کچھ وقت دو۔" رہبان نے مسکراتے ہوئے چائے کا کپ اسے تھمایا۔ وہ جواباً کپ تھامتی ہوئی مسکرائی۔

"تھینکس۔" پھر اس کی جانب دیکھتی ہوئی گویا ہوئی۔ "خود ہی کو تو وقت دے رہی ہوں۔ عرصہ دراز بعد تو اپنے وجود کے ہونے کا احساس ہوا ہے۔ خود کو، اپنی صلاحیتوں کو یوٹیلائز کرنے کا موقع ملا ہے۔"

"مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم خود کو بھول جاؤ۔" رہبان عالم شاہ نے اسے بغور

دیکھا تھا۔ یقیناً اس کا اشارہ اس کے بے ترتیب حلیے کی جانب تھا۔

"بعض اوقات خود کو فراموش کر دینا ہی مناسب ہوتا ہے۔ مگر یہ بھی بہت قوی فعل ہے، ایک جاں گسل عمل۔" وہ مدھم انداز میں کہتی ہوئی مسکرا دی۔ پھر دوسرے ہی پل چائے کا سپ لیتی ہوئی مسکرا دی۔ "بائے دی وے، چائے کافی اچھی بنائی ہے آپ نے۔" اس نے یقیناً بات کو بہت خوبصورتی سے موڑ دیا تھا۔

رہبان عالم شاہ اسے دیکھتا رہا تھا۔ جواباً اس نے دیکھا تھا تو اخلاقاً دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔ تبھی اس نے کہا تھا۔

"تم سجل سے ملنے گئے تھے۔ کیسی ہے وہ؟"

"موسم کے زیر اثر ہے۔"

"اوہ......" مژگان نے افسوس کا اظہار کیا۔ "کیسی طبیعت ہے اس کی؟"

"ٹھیک ہے۔ ٹریٹمنٹ کے لئے سختی سے کہہ کر آیا ہوں۔" رہبان عالم شاہ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔ مژگان مسکرا دی۔

"یہ موسمی بیماریاں جتنی عام اور معمولی نوعیت کی سمجھی جاتی ہیں اتنی دراصل ہوتی نہیں۔ جان عذاب میں مبتلا ہو جاتی ہے۔"

"ہوں......تم تمک کی طرف گئی تھیں۔ کیسا ہے وہ؟" رہبان نے جواباً پوچھا تو وہ یکدم ہی جانے کیوں چونک پڑی۔ پھر بہت مدھم انداز میں بولی۔

"ہاں، ٹھیک ہے وہ۔"

"تم نے اسے یہاں رکھنے کی دعوت کیوں نہیں دی؟ ایک اچھے خاصے گھر کے ہوتے ہوئے ہوٹل میں رہنا کہاں کی دانشمندی ہے؟"

مژگان نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ اس گھڑی جانے کیوں تمک کے کہے ہوئے لفظ یاد آ گئے تھے۔ لمحہ بھر میں ہی چہرے پر ایک سایہ سا پھیل گیا تھا جیسے وہ اندر سے اب تک اتنی ہی خجالت محسوس کر رہی تھی۔

"کیا ہوا؟" رہبان نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"نن......نہیں۔ کچھ نہیں۔ میں نے تمک سے کہا تھا مگر وہ وہاں شاید بہت ایزی فیل کر رہا ہے۔ یوں بھی اسے کئی اور کام بھی نمٹانے ہیں۔ مجھ سے ملنا تو اک بہانہ تھا، دراصل اسے پاکستان اپنا ٹورزم کا شوق کھینچ کر لایا ہے۔"

"کیا خبر دوسری بات بہانہ ہو۔" رہبان عالم شاہ برجستہ گویا ہوا تھا اور مژگان بے حد

چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔

''جسٹ کڈنگ۔'' رہبان عالم شاہ یکدم ہی مسکرایا تھا۔ اور اگرچہ یہ شخص کوئی خا... محفوظ نہیں رکھتا تھا، نہ ہی وہ اپنے کسی فعل کے لئے اس کے سامنے جواب دہ تھی۔ مگر اس کے باوجود اس گھڑی وہ چہرے کا رخ دوسری سمت پھیر کر دیکھنے لگی۔

''کیا خیال ہے، کہیں باہر چلیں؟'' رہبان عالم شاہ نے پہلا تاثر زائل کرنے کو مسکرا... ہوئے اسے دیکھا تھا۔

وہ شاید مروتاً ہی جواب میں مسکرا دی تھی۔

''خیال برا نہیں ہے۔ یوں بھی میرا ذہن اس گھڑی شل ہو چکا ہے۔ کچھ ریلیکس ... چاہوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔ پھر میں باہر منتظر ہوں۔ تیار ہو کر جلدی سے آ جاؤ۔'' رہبان عالم شاہ ... کھڑا ہوا تھا۔

مژگان سر جھکائے کتنی ہی دیر خالی خالی نظروں سے چائے کے خالی کپ کو دیکھتی رہی تھی۔ پھر ایک گہری اور تھکی ہوئی سانس خارج کرتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

✿......✿

سیو کپڑے پھیلا کر چھت سے نیچے اتر رہی تھی جب نگو اور چھینو اندر داخل ہوئیں۔ اما... ٹوکے سے پٹھے (جانوروں کا چارا) کتر رہی تھیں۔

''ماسی! اپنی سیو کتھے ہے؟'' نگو نے پکارا۔

''لو کڑیے، تہانوں وی چین نئیں۔ کوئی کم نہیں اے گھر وچ؟ کھیڈن دی عمر لنگ گئی کوئی گھر داری سکھو، گھر بیٹھو۔'' بے بے نے انہیں لتاڑا۔

''ہائے ماسی! کم ہی تے کرتے رہتے ہیں۔ اج کنے دناں بعد سیو ول آئے ہیں۔ پر... کتھے او؟'' چھینو نے بتانے کے ساتھ ہی دریافت کیا۔

سیو سیڑھیوں سے اتر کر ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''لو، آپ آ گئی۔ مل لو رج رج کے۔'' بے بے نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

''بڑے دنوں بعد آئی ہو تم لوگ؟'' سیو نے خالی کنال ایک طرف رکھتے ہوئے اپنے دوپٹے سے ہاتھ پونچھتے ہوئے انہیں دیکھا تھا۔

''لو، ہم تو فیر (پھر) وی آ گئے ہیں۔ تم تو عید کا چن (چاند) ہی ہو گئی ہو اڑیے۔'' ... نے بھرپور انداز میں شکوہ کیا تو سیو رسانیت سے مسکرا دی۔

''نیا بھئی، بہت وڈی بندی بن گئی ہو۔ شہری بی بی کے ساتھ ہاتھ بٹانے لگی ہو۔ ان کی طرح وڈے وڈے معرکے مارنے لگی ہو۔ مگر ہم بھی تو ہیں نا۔ ان پڑھ سہی، گنوار سہی، پر تیری بچپن کی سہیلیاں۔'' چھینو نے دیدے مٹکاتے ہوئے کہا تو سیو ہنس پڑی۔

''کہاں بھولی ہوں میں۔ سب یاد ہے مجھے۔ بھولی ہوئی ہوتی تو یہاں تھوڑی ہوتی۔'' وہ انہیں لے کر اندر اپنے کمرے کی جانب آئی۔

''ہاں، فیر تے پلاتم ستویں آسمانے اُڑتی نظر آتیں۔'' نگو نے ہنس کر کہا۔

''تو اور کیا۔'' سیو نے سر اثبات میں ہلایا۔ تبھی چھینو بولی۔

''لگتا ہے اسمانے اڈنے (اڑنے) کا تجھے کچھ زیادہ ہی شوق ہے۔'' چھینو کے انداز میں طنز بہت واضح انداز میں موجود تھا۔

سیو چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ پھر جانے کیوں نظر انداز کرتی ہوئی پوچھنے لگی تھی۔

''زینو نہیں آئی؟''

''لے، تجھے وہ بے چاری وی یاد ہے؟'' نگو نے پھر طنز کا تیر اچھالا۔ سیو خفگی سے دیکھنے لگی۔

''کیسی بیگانوں جیسی باتیں کر رہی ہو تم۔ میں کہاں تم لوگوں سے الگ ہوں؟''

''الگ نہیں ہو۔ پر الگ ہونے کے خواب تو ضرور دیکھ رہی ہو۔'' چھینو نے مسکراتے ہوئے کہا تو سیو چونکتے ہوئے انہیں دیکھنے لگی۔

''تم دونوں کے دماغ تو ٹھکانے ہیں؟ کیسی اونگی بونگی باتیں کر رہی ہو؟''

''لو، ہم کیا اونگی بونگی مار رہے ہیں، الٹی سیدھی حرکتیں تو تم کر رہی ہو۔ کیا ضرورت تھی پلا اس بلو کو بیچ راہ میں بے عزت کرنے کی؟'' نگو نے کہا تو وہ ششدر سی رہ گئی۔

''تم سے کس نے کہا؟''

''کہا جس نے وی ہو۔ پر سیو! تو آپ بتا، یہ بھلا ٹھیک ہے؟ اپنی ذات، اپنی برادری سے بھاگنے کی تو نے بھلا کیوں ٹھانی؟'' چھینو نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے کہا۔

''کوئی ذات برادری نہیں ہے۔ نہ ہی میں مانتی ہوں۔ جانوروں کا غول ہے یہاں۔ انسان بستے ہیں۔ پھر جنگل کے قانون کیونکر لاگو ہوں۔ انسانوں کی نسلوں میں کوئی امتیاز نہیں۔ سب ایک جیسے انسان ہیں، خدا نے سب بندوں کو برابر بنایا ہے۔ اس کے یہاں کسی کا بھی درجہ چھوٹا یا بڑا نہیں ہے۔ یہ درجہ بندی ہماری اپنی کی گئی ہے۔'' اس نے مدبرانہ انداز میں کہا تو نگو نفی میں سر ہلانے لگی۔

"تیری موٹی موٹی کتابوں کی باتیں اس نگری میں نہیں چلتیں۔ یہ دیس بڑا ہی وکھرا ہے۔ کتابوں کی دنیا حقیقت کی دنیا سے بڑی وکھری ہوتی ہے۔ بہت زیادہ پڑھی لکھی نئیں اپنی اوقات پہچانتی ہوں۔"

سیو سلگ سی اٹھی۔

"ایک شخص نے بیچ راہ مجھے روک کر بدتمیزی کی، یہ تم لوگوں کو نظر نہیں آتی۔ یہ تو احسان ہے کہ میں نے اس کی شکایت کسی سے نہیں کی۔ خود بھی دانستہ اس سے سختی سے بات نہیں کی۔ اگر کوئی اور میری جگہ ہوتا تو شاید وہ شکایت کرنے کے قابل نہ بچتا۔"

"سیو! اس وچارے نے شکایت نئیں کی۔ وہ تو شاجی آئی ہوئی تھی۔ میں گئی تو اس نے بتایا۔" نگو نے کہا۔

"بتاتے ہوئے اسے شرم نہ آئی کہ بیچ دوپہر کس طرح غنڈوں کی طرح راہ روک کر ہو گیا تھا۔ میں نے تو فقط اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔" سیو نے جل کر کہا۔

تبھی وہ دونوں ہنس پڑیں۔ سیو حیران سی دیکھنے لگی۔ نگو نے تبھی اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"جھلی! دل وچ رکھتا ہے وہ تجھے۔ اتنا وی نئیں جانتی۔ موٹی موٹی کتابوں کی باتیں ہے۔ اینا وی نئیں سمجھتی کہ جب کوئی مرد محبت کرتا ہے تے اس کی آنکھوں کا رنگ کیسا ہو جاتا ہے۔"

"کیا بکواس ہے یہ۔" سیو نے فوراً ہی اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑایا۔ تبھی سر اٹھا کر دیکھا تو دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اکبر وہاں جانے کب سے جما کھڑا تھا۔ سیو کی جیسے جان پر بن آئی۔ اکبر نے اسے خاموش نظروں سے دیکھا، پھر واپس پلٹ گیا۔ اس کی دھڑکنیں جیسے تھمنے لگیں۔ اس کا چہرہ ڈھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا تھا۔

"اے کیا ہوا تجھے؟" نگو نے اسے ہلایا۔

"بیڑا غرق ہو تم دونوں کا۔ شامت آئے گی اب میری۔ اکبر لالے نے ساری باتیں سن لی ہیں۔"

"کیا......؟" دونوں کی دبی دبی آواز ایک ساتھ ابھری۔

سیو کی دھڑکنیں ابھی سے ڈوبتی جارہی تھیں۔

✿......✿

شادی کے ہنگامے جتنے دن گھر میں جاری رہے، ادعیہ نے خود کو یکسر ان سے الگ

صبح یونیورسٹی جاتی تو کوچنگ سے فارغ ہو کر دن ڈھلے گھر میں قدم رکھتی اور پھر اپنے کمرے میں قید ہو جاتی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ گھر میں ان دنوں کیا ہو رہا ہے۔

کون سی رسم چل رہی ہے۔

کئی دن سے اس شخص سے بھی سامنا نہ ہوا تھا۔ اسے خبر بھی نہ تھی، وہ یہاں تھا بھی کہ واپس چلا گیا۔ یہ کمرہ اس کا تھا۔ اس کے آنے سے قبل اس کا مکمل استحقاق اس پر قائم تھا۔ مگر اب کتنے دنوں سے اس طرف کا رخ بھی نہ کیا تھا۔ وہ اس قدر بیگانگی کا مظاہرہ کر رہا تھا کہ جیسے سرے سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔

پرواہ تو شاید اسے بھی نہ تھی۔

مگر اس شام گھر فون کرنے کی غرض سے لاؤنج تک گئی تو واپسی پر تایا ابا نے بلوا لیا۔ وہ اگرچہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی مگر ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی تایا ابا کے کمرے کی جانب چل پڑی۔

"کیسی ہے ہماری بیٹی؟" تایا ابا نے کتنی محبت سے ہاتھ اس کے سر پر دھرا تھا۔

وہ خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہ گئی تھی۔ جانے کیوں آنکھوں میں بہت سی نمی آن ٹھہری تھی۔ حالانکہ وہ کسی بھی لمحے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر جانے کیسے آنکھیں اس گھڑی چھلک پڑیں۔ وہ سر جھکائے جیسے اپنے اندر کی خجالت کو چھپاتی رہی۔

تایا ابا نے اس کے سر پر ہاتھ دھرا۔ پھر دوسرے ہاتھ سے اسے شانے سے تھام کر اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس کے اندر کے طوفان کو جیسے راہ چاہئے تھی۔ یکدم ہی وہ سسک پڑی تھی۔ کتنا لاوا تایا ابا کے شانے پر بہنے لگا تھا۔ تایا ابا چپ چاپ ہولے ہولے اس کا سر تھپکتے رہے تھے۔ وہ کئی لمحوں تک اپنے اندر کا غبار دھوتی رہی تھی۔

آخر کار جب اندر کی دھند کچھ چھٹی تھی تو وہ چپ چاپ سی پیچھے ہٹ گئی تھی اور سر جھکا کر بنا ان کی طرف دیکھے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑنے لگی تھی۔

"بیٹا! ہم جانتے ہیں، جو تمہارے ساتھ ہو رہا ہے وہ کسی طور مناسب نہیں۔ اور ہمیں اسی بات کا ڈر تھا۔ اسی کا خدشہ ہمیں بے چین کئے ہوئے تھا۔" تایا ابا نرمی سے اسے دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولے تو وہ بنا کچھ کہے سر جھکائے کھڑی رہی۔

"بیٹا! وقت کسی کے ہاتھ میں نہیں رہتا۔ اس کی ڈور اگر ایک بار الجھ جائے تو پھر سلجھانی بے حد مشکل ہو جاتی ہے۔ جو وقت گزر گیا اس کی باگیں تو تم ہاتھ سے گنوا چکیں۔ لیکن میرے بچے! جو وقت گزر رہا ہے، اسے تم اپنے ہاتھ میں لے سکتی ہو۔ بس بات ذرا سی

سمجھوتے کی ہے۔ جنگ جیتنی ہو تو جوش سے نہیں، ہوش سے کام لینا ضروری ہوا کرتا ہے
عقل و خرد کی انگلی تھام کر چلو گی تو ہاری بازی بھی جیت میں بدل جائے گی۔"

وہ چپ چاپ ہونٹ کچلتی ہوئی اپنے ضبط کو جیسے آزماتی رہی تھی۔

"بیٹا! ساری زندگی پڑی ہے۔ خوش رہا کرو۔ سب بچے موجود ہوتے ہیں اور تم ان میں موجود نہیں ہوتی ہو تو دل بہت کٹتا ہے۔ دیگر بچوں کی طرح تم بھی خاندان کا حصہ ہو۔ اپنی اہمیت کو جانو اور منواؤ۔ یہاں پر کبھی کبھار حق چھیننا بھی پڑتا ہے۔ جب سب خوش ہیں، خوش ہیں تو تم کیوں خود کو کمرے میں دبک کر بیٹھ کے ضائع کر رہی ہو؟ اس طرح تو تم خود اپنی اپنی نفی کر رہی ہو۔" وہ تایا ابا کی ان باتوں کے جواب میں بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر بچپن زبان تالو سے جا چپکی تھی۔ کبھی کبھی کتنا برداشت کرنا پڑتا ہے نا۔ کتنا ضبط کرنا پڑتا ہے کہ اندر اگر چھلنی بھی ہو رہی ہو تو خود کو سنبھالے کھڑے رہو اور......!

"بیٹا! تمہاری کیفیت پر میرا دل بہت کڑھتا ہے۔ جو کچھ بھی ہو رہا ہے یا ہوا ہے وہ اچھا نہیں۔ حیرت ہے سب تمہارے اچھے اقدام کو بھی رد کر رہے ہیں۔ لیکن ہم، آپ کو تہ دل سے شکریہ ضرور کہیں گے۔ بچے! سب تم سے بدگماں سہی مگر تمہیں اب اپنے قدم روکنا ہرگز نہیں ہیں۔ پتھر پر بھی پانی قطرہ قطرہ گرتا رہے تو اس کے دل میں چھید ہو ہی جاتا ہے انشاء اللہ ایک دن تمہارا مقام بھی سب کو تسلیم کرنا ہی ہوگا۔ اور ایسا ہو کر رہے گا۔"

کیا کہہ رہے تھے تایا ابا اور کیوں کہہ رہے تھے۔ وہ بھلا کیوں قربانیاں دیتی۔ اپنی انا توڑ کر جھکتی اور دوسروں کے قدموں کی خاک ہو جاتی۔ وہ کیوں اپنی ذات کی نفی کرتی۔

کیوں اور کس لئے؟

فقط اس لئے کہ وہ مجبور تھی، کمزور تھی اور کم ہمت تھی۔ یا پھر عورت تھی......!

وہ جو سارے اقدامات کر کے سرخرو ہوئے تنا کھڑا تھا، اس پر کوئی ذمے داری عائد کیوں نہ ہوتی تھی۔

ادعیہ کا دل چاہا تھا اس ساری تذلیل کے بدلے میں وہ پہلی فرصت میں اپنا ضروری سامان باندھے اور گھر سے نکل کھڑی ہو۔ مگر کہاں ٹھکانہ تھا اس کا؟

کہاں جائے پناہ تھی اس کی؟

وہ گھر...... جس پر اس کا مان تھا، وہ گھر تو اسے کافی عرصہ پہلے ہی "بے گھر" کر چکا تھا۔

وہ کہاں امان ڈھونڈنے جاتی۔

اس ماں کے پاس جس نے اپنی مجبوریوں کی بیڑیاں اس کے قدموں میں ڈال دی تھیں؟

اپنی بہن کے پاس جو پہلے ہی اس کی ناکردہ خطاؤں کو بھگتنے کو تیار بیٹھی تھی؟ بھلا کہاں کوئی ٹھکانہ تھا۔ وہ تو بس بند گلی میں کھڑی تھی۔

"بیٹا!" تایا ابا نے جانے کب ہولے سے اس کے سر پر ہاتھ دھرا تھا۔ "تمہاری امی کا فون آیا تھا۔ طبیعت کی خرابی کے باعث وہ باقی کی تقریبات میں تو شرکت نہیں کر سکیں مگر آج آ رہی ہیں۔ بس دو ہی دنوں کی تو بات ہے۔ میں نہیں چاہتا شادی اور ولیمے میں تمہاری شرکت نہ پا کر ان کو کوئی صدمہ ہو۔ اس خاتون نے بہت درد جھیلا ہے۔ امید ہے تم کم از کم اس معتبر ہستی کا خیال کرو گی، جسے تم ماں کہتی ہو۔"

اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

"انہی کا تو خیال ہے تایا ابا! انہی کے خیال سے تو یہ سزا کاٹ رہی ہوں۔ انہی کی خاطر تو جبر سہا ہے۔" وہ ہونٹ بھینچ کر کتنے قفل اندر کے راستوں پر لگا رہی تھی۔ سب کہہ رہے تھے، بول رہی تھی وہ۔ وہ ادعیہ جو لڑنے بھڑنے میں ماہر تھی، اب کسی کے جواب میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکتی تھی۔

وہ چپ رہتے رہتے جیسے بولنا بھولتی جا رہی تھی۔

تایا ابا کی ڈھیروں نصیحتوں کے جواب میں وہ خاموشی سے باہر نکل آئی تھی۔ اندر کتنی خاموشی تھی...... کتنی ویرانی تھی...... کیسی تنہائی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

اس نے کمرے سے باہر قدم دھرا تو جیسے باہر ایک ہجوم تھا۔

وہ ان تمام ہنگاموں سے آنکھیں بند کر کے آگے بڑھ جانا چاہتی تھی مگر یکدم ہی جانے کس نے کلائی تھام کر روک لیا۔

"بھابی! اس طرح کدھر جا رہی ہیں؟" زویا تھی۔ اسے مسکراتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"آج آپ نہیں بچ سکتیں۔ دیکھیں یہاں کون کون جمع ہے۔ آپ کی پوری فیملی آج موجود ہے۔" زویا نے کہہ کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھ سے گھمایا تھا جہاں جانے کون کون تھا؟

مگر اس کی نظریں تو ایک ہی منظر پر ساکت رہ گئی تھیں۔

جہاں کوئی کسی کا ہاتھ تھامے تنہائی کے گوشے میں کھڑا جانے کیسی سرگوشیاں کر رہا تھا کہ سننے والے فریق کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔

کس قدر شدت سے اس نے ہونٹوں کو دانتوں میں دبا رکھا تھا۔

ضبط کی کیسی حد تھی یہ۔

سمجھوتہ سب چاہتے تھے مگر فقط یکطرفہ اقدام کے نام پر۔ قربانی کی درخواست تھی گو
فقط اسی کا نگاہ میں تھا۔

کتنا بہت سا پانی آنکھوں میں آن ٹھہرا تھا۔ اور وہ بنا کچھ کہے اپنے ہاتھ زویا کے
سے چھڑا کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ آئی تھی۔

تکیے میں سر چھپا کر وہ کتنے ہی درد چپ چاپ بہانے لگی تھی۔

✿......✿

''سویٹی! تم نے اپنا لندن جانا کینسل کیوں کر دیا؟'' نک نے اس کے ساتھ ساحل
لہروں کے سنگ سنگ چلتے ہوئے کہا تھا اور وہ اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

''تمہاری خاطر، تمہارے لئے۔''

''کیوں، کیا تم واپسی پر میرے ساتھ جانا چاہتی ہو؟'' نک آنکھوں میں بھرپور شرا
سمیٹے اس کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

مژگان نے اس کی سبز سمندر آنکھوں میں تیرتی شرارت کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا
یکدم ہی اپنے داہنے ہاتھ کا مُکا اس کے شانے پر دے مارا تھا۔ ساتھ ہی کھلکھلا کر ہنس
تھی۔ ''تمہیں عقل کب آئے گی اے شخص؟'' وہ تاسف بھرے اناز میں گویا ہوئی تھی۔
ہے لمبے آدمی کی عقل ٹخنوں میں ہوتی ہے۔ مگر تمہاری تو شاید ٹخنوں میں بھی ناپید ہے۔''

''سویٹی! دل اور دماغ ایک ساتھ گزارا نہیں کر سکتے۔ معاملہ دل کا تھا، سو ہم نے
ہنستے ہنستے رخصت کر دیا۔'' اس کا لہجہ کس قدر گہرا تھا۔ لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ لئے
وہ اسے لمحہ بھر میں ہی ''ناک آؤٹ'' کر گیا تھا۔

مژگان یکدم ہی ہونٹ بھینچ کر وسیع و عریض سمندر کی جانب دیکھنے لگی۔

کتنی ہی دیر وہ شوریدہ سمندر کی سمت دیکھتی رہی تھی، پھر بہت ہولے سے گویا ہوئی تھی

''جانتے ہو تم، میں سمندر سے ہمیشہ کس قدر خوفزدہ رہی ہوں۔ مجھے اسے فقط
سے دیکھنا اچھا لگتا تھا۔ مگر رہبان عالم شاہ کے ساتھ جب میں یہاں آئی تو اس نے
رعب سے سمندر کو ڈپٹا۔ اور اب مجھے سمندر سے ہرگز خوف نہیں آتا۔ دیکھو آج میں تمہا
سنگ لہروں پر سفر کر رہی ہوں۔'' اس نے گفتگو کا رخ بدل کر جیسے اپنے ساتھ ساتھ کسی
بھی دھوکا دینا چاہا تھا۔

''ہنی! تم اس جھوٹ سے کس کو بہلانا چاہ رہی ہو، مجھے یا خود کو؟'' جواب میں نک
ہی اعتماد سے گویا ہوا تھا اور مژگان کی ساری خود اعتمادی دھری کی دھری رہ گئی تھی۔

''وہ اجنبی شخص تمہارے لئے کس قدر سنسیئر ہو سکتا ہے، کیا میں نہیں جانتا؟'' وہ جانے
کیوں اس کا بچا کھچا اعتماد بھی متزلزل کرنا چاہتا تھا۔

اور مژگان جانے کیوں اس گھڑی بجائے اس کی سمت دیکھنے کے، سمندر کی سمت تکے جا
رہی تھی۔

''وہاں کچھ نہیں ہے ہنی! وہاں کیوں دیکھ رہی ہو؟ دیکھنا ہی ہے تو اپنے اس طرف دیکھو،
جہاں میں ہوں، جہاں تم ہو۔'' نک کا لہجہ کتنا پُرفسوں تھا۔ مژگان کی جیسے جان تک میں
قیامت برپا ہو گئی تھی۔

''دیکھو، ادھر کتنا حسین سمندر ہے۔'' وہ جیسے اس کی تمام بازگشت کو جھٹلاتی ہوئی بولی تھی
اور وہ اتنے ہی اطمینان سے مسکرا دیا تھا۔

''ادھر دیکھو، ادھر میں ہوں، ادھر دل ہے۔'' لہجہ کتنا گمبھیر تھا۔ مگر مژگان لمحہ بھر میں ہی
گردن کا رخ پھیر کر مسکراتی ہوئی اسے گھورنے لگی تھی۔

''مجھے تنگ کرنے سے کبھی باز نہیں آؤ گے تم؟ میری جان جلا کر تمہیں کیا ملتا ہے؟''

وہ بدستور اس کی سمت مسکراتی نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔ ''وہی سکون جو تمہیں مجھ سے
اجنبی ہو کر ملتا ہے۔'' کس قدر اطمینان سے کہہ کر وہ ہنس دیا تھا۔

وہ مصنوعی خفگی سے اسے دیکھنے لگی، بلکہ گھورنے لگی تھی۔

''اوکے ڈیئر! اب نہیں...... بالکل بھی تنگ نہیں کروں گا۔ مگر میری طرف دیکھو تو سہی، کیا
تم مجھ سے اس قدر خوفزدہ ہو کہ میری جانب دیکھ بھی نہیں سکتیں؟'' وہ اسے اپنی طرف سے
غافل پا کر گویا ہوا تھا اور تب وہ دوسرے ہی پل بھرپور اعتماد سے اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

وہ جانے کیوں اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ ارادہ شاید کچھ کہنے کا تھا، مگر پھر غالباً اس
کی ناراضگی کے خیال سے ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔

''مسکرا کیوں رہے ہو؟'' مژگان سے جیسے ہضم نہ ہوا تھا۔

''پھر کیا کروں؟'' وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنس دیا۔

مژگان نے سبز سمندر آنکھوں والے اس لڑکے کو دیکھا، پھر نگاہ کا زاویہ پھیر گئی۔ تبھی وہ
بولا ''کیسی مژگان ہو تم۔ اپنا ملک، حتیٰ کہ اپنا شہر تک نہیں دکھا رہی ہو؟''

''تمہاری طرح فالتو وقت نہیں ہے نا میرے پاس۔'' مژگان نے مسکراتے ہوئے اسے
جیسے ٹالا تھا۔ وہ مسکرایا تھا، تبھی وہ بولی تھی۔ ''دس پندرہ دنوں کے لئے مجھے لندن جانا ہے۔
اس عرصے میں تم یہیں کچھ گھوم پھر لو۔ پھر میں لوٹوں گی تو گھومنے چلیں گے۔ ویسے ایک

مزے کی بات بتاؤں...... میں نے بھی ابھی تک یہاں کچھ نہیں دیکھا۔" مژگان نے مسکراتے ہوئے اسے اطلاع دی تھی۔

"کیوں، اپنے ہزبینڈ کے ساتھ تم ہنی مون کے لئے کہیں نہیں گئی تھیں؟" وہ برجستگی سے بولا تھا۔ وہ یکدم ہی خاموش ہو کر چہرے کا رخ پھیر گئی۔

"اگر تم مجھے تنگ کرنے سے باز نہیں آئے تو میں تمہیں......" مژگان سے کوئی جملہ نہ بن پڑا تو بات ادھوری ہی چھوڑ دی۔

"تو کیا تم مجھے اپنے ہزبینڈ سے پٹواؤ گی؟" مژگان نے اسے کھولتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں بھرپور مستی تھی۔ شرارت تھی۔ وہ جو بھرپور غصہ کرنا چاہتی تھی، یکدم ہی مسکرا دی تھی۔

"اس سے بھی برا کروں گی۔ تمہیں سمندر برد کر دوں گی۔"

"ہنی! تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں تم آج بھی سمندر سے اتنی ہی خوفزدہ ہو۔ اس کے باوجود کہ تمہارے نام نہاد ڈیئر ہزبینڈ نے سمندر کو تمہارے سامنے ڈپٹا تھا۔"

وہ یکدم ہی ساکت ہو کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ بنا پرواہ کئے بولتا گیا تھا۔

"یہ تعلق آنکھوں کا نہیں ہے۔ یہ روابط کچھ اور ہیں ہنی! میں تمہیں آنکھوں سے نہیں پڑھتا، میں تمہیں دل سے پڑھتا ہوں۔ تم مجھ سے پوشیدہ نہیں ہو۔ تمہارے سارے اسرار سارے بھید میں جان سکتا ہوں، اس سمیت بھی کہ تم مجھے نہیں چاہتیں اور اس سمیت بھی کہ تم کسے چاہ سکتی ہو۔ تمام حقیقتیں مجھ پر منکشف ہیں، جو تمہارے سنگ ہیں، وہ تمہارے ساتھ نہیں۔ اور جس کے سنگ میں ہوں وہ اس گھڑی میرے ساتھ نہیں۔ یہ سارا کھیل بہت عجیب ہے سویٹی! بے حد عجیب۔" وہ بہت جنوں خیز انداز میں کہہ کر سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

"میں اکثر سوچتا تھا اور اب بھی سوچتا ہوں۔ آج بھی تم بھلا کیسے شخص کو چاہو گی؟ وہ کیسا شخص ہوگا جس کا گزر تمہاری سوچ میں ہوگا؟ تمہاری آنکھوں میں ہوگا۔ بارہا سوچا ہے میں نے اور سوچ کر جانے کیوں جی بھر کر حسد محسوس ہوا ہے۔ شاید یہ معاملات دل اسی طور پر ہوتے ہیں۔" وہ خفیف سا مسکرایا تھا۔

"میں اگرچہ حاسد نہیں ہوں، مگر جلن مجھے بھی برابر ہوتی ہے۔ تم بہت بری ہو ہنی! بہت بری۔" وہ کہہ کر چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگا تھا۔

اور مژگان سینے میں بے حد گھٹن لئے وسیع و عریض سمندر کو دیکھتی چلی گئی تھی۔

✿......✿

مدتوں ان کو، فقط ان کو سنانے کے لئے
گیت گائے دلِ آشفتہ نوا نے اے دوست
پر انہیں گوشِ توجہ سے نوازا نہ گیا
ناشنیدہ ہی رہے اپنے فسانے اے دوست
عشق بے چارے کو محرومِ نوا چھوڑ کر وہ
کھو گئے کون سی دنیاؤں میں جانے اے دوست
پھر کبھی فرصتِ اظہارِ تمنا نہ ہوئی
ناشنیدہ ہی رہے دل کے فسانے اے دوست
اب وہ لوٹے ہیں تو کہتے ہیں جگا سکتے ہیں
دل کو تجدیدِ محبت کے بہانے اے دوست
ان سے کہہ دو کہ وہ تکلیفِ مروت نہ کریں
اب نہ پھوٹیں گے کبھی اس سے ترانے اے دوست
ان سے کہہ دو کہ بڑی دیر سے خاموش ہے ساز

اِردگرد کے ماحول سے بے خبر وہ بیٹھی اپنی اسائنمنٹ تیار کر رہی تھی۔ زویا بتا کر گئی تھی کہ آج سمیر کا ولیمہ تھا۔ تقریب ہوٹل میں منعقد تھی۔ وہ بتا کر گئی تھی کہ سمیر بھائی شکوہ کر رہے ہیں کہ آخر بھائی سے کیا دشمنی ہے۔ میری دلہن دیکھنے بھی نہیں آئیں۔

وہ کیا جواب دیتی، بس خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

"آج تو شامل ہوں گی نا تقریب میں؟" زویا نے جھک کر محبت سے پوچھا تھا۔ وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"کیا میری خاطر بھی نہیں؟" زویا نے منت بھرے لہجے میں کہا تھا اور تب اس نے شاید اس کا دل رکھنے کو مروتاً اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

ارادہ قطعی نہ تھا اس لئے باتھ لینے کے بعد بالوں میں برش کر کے بالوں کو پشت پر یونہی ڈال دیا تھا۔

اس گھڑی وہ خود میں اس قدر مگن تھی کہ احساس ہی نہ ہوا کہ کب دروازہ کھلا اور کب کوئی اندر داخل ہوا۔ چونکی اس وقت جب کوئی چلتا ہوا اس کے بے حد قریب آن رکا۔

ادعیہ نے سر اٹھایا تھا اور پھر اس شخص کو سامنے دیکھ کر لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔ وہ اس گھڑی بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ وہ جانے کیوں نظریں پھیر گئی تھی۔

"تمہیں لینے آیا ہوں۔ فوراً تیار ہو جاؤ۔" بھاری لہجے میں اعصار شیخ نے حکم صادر کیا
وہ ہونٹ بھینچے جیسے سنی ان سنی کر گئی تھی اور سر جھکا کر بہت اطمینان کے ساتھ قلم تیزی
ساتھ کاغذ پر چلانے لگی تھی۔
سامنے کھڑا شخص خود کو نظر انداز کیے جانے پر جیسے لمحہ بھر میں ہی تلملا اٹھا تھا۔ سارے
ایک جھٹکے سے ہاتھ مار کر اچھال دیئے تھے اور اس کے نازک سے ہاتھ کو پل بھر میں
مضبوط گرفت میں لے لیا تھا۔ ادعیہ درد کے مارے کراہ کر رہ گئی تھی۔ اعصار شیخ نے
کی سسکی کی پرواہ کیے ایک جھٹکے سے کھینچ کر اسے اپنے مدمقابل کھڑا کیا تھا۔ ادعیہ کی آنکھوں
میں لمحہ بھر میں ہی ایک سمندر آن رکا تھا۔ ضبط کے مارے اس نے لبوں کو دانتوں تلے
آنکھیں زور سے میچ لی تھیں۔ وہ سسک پڑی تھی۔
"کیوں کر رہے ہو تم سب یہ میرے ساتھ، کس لیے؟" نہ چاہتے ہوئے بھی کئی
قطرے رخساروں پر ڈھلکتے چلے گئے تھے۔
"تمہارے کسی سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں ہوں میں۔ بس اتنا کہنا چاہتا ہوں
جلدی سے تیار ہو جاؤ، تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔" بہت سرد و جامد لہجے میں کہتے ہوئے
انتہائی سفاک لگ رہا تھا۔ اس کی کلائی اب تک اس بے درد کی گرفت میں اسی طور
ہوئی تھی اور ادعیہ کی جیسے جان نکلی جا رہی تھی۔
وہ کس قدر قریب تھا، پاس تھا۔ مگر کس قدر اجنبی تھا۔ یہ کیسا روپ تھا اس کا......!
کسی کے لیے دراز گیسوؤں کی کتنی ہی لٹیں چہرے پر تھیں۔ اس وجود کی خوشبو
کرنے کو کافی تھی۔ زلفوں کی مہک پر اک سلطنت واری جا سکتی تھی۔ جاں ہاری جا سکتی تھی
اس ایک لمس کو پانے کو کیا کچھ نہ تیاگا جا سکتا تھا۔ اس مرمریں جسم کی تپش کو
کرنے، اس کے احساس کی حدت کو پانے کو کتنے دودھ کے دریا بہائے جا سکتے تھے۔
نظر انداز کیے جانے کے قابل تو نہ تھا۔
وہ بے خبر، جامد وجود جو اس گھڑی اس کی بانہوں میں بے بس سا تھا، شکست خوردہ
کبھی وہ کیا کچھ نہ رہا تھا، مگر آج جب وہ استحقاق میں تھا، مکمل طور پر دسترس میں تھا تو
ہر جذبہ گہری نیند سو چکا تھا۔
وہ گداز لبوں کو دانتوں میں دبائے، آنکھیں زور سے میچے جیسے اپنی تکلیف پر قابو
تھی۔ لمبی پلکیں بھیگی بھیگی سی رخساروں پر تھیں۔ اعصار شیخ نے اسے بغور دیکھا تھا۔
گرفت جانے کیوں ڈھیلی کر دی تھی۔ وہ لمحہ بھر میں ہی الٹے قدموں چلتی دیوار

تھی۔ لمحہ بھر کو اسے دیکھا تھا۔ نظریں پل بھر کو ملی تھیں، پھر وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ متورم
آنکھیں قیامت برپا کرنے کو تھیں۔
"میرے کچھ دوستوں کو تمہیں دیکھنے کا بہت شوق ہو چلا ہے۔ سو تمہیں منظر عام پر لانا
ناگزیر ہو چلا ہے۔" بہت روڈ لہجے میں جواز دیا گیا تھا۔
وہ لمحہ بھر کو خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی، پھر نظریں پھیر گئی تھی۔
"میں ڈمی نہیں ہوں، ایک جیتی جاگتی لڑکی ہوں۔ اگر تمہیں اپنے حلقۂ یاراں کو خوش
کرنے کا اتنا ہی شوق ہے تو اپنے اراؤنڈ میں سے کسی ایک کو پکڑ کر سامنے پیش کر دو۔" اس
نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے مضبوط لہجے میں کہا تھا۔ "ادعیہ از ناٹ اے ڈمی۔"
اعصار شیخ نے اسے دیکھتے ہوئے اس کی جانب پیش قدمی کی تھی۔ پھر اس کا ہاتھ اٹھا تھا
اور ادعیہ کے چہرے پر اپنے نشان ثبت کر گیا تھا۔
ادعیہ کتنے ہی لمحے تحیر سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر دھیرے دھیرے وہیں بیٹھتی چلی گئی
تھی۔ ہونٹ بھینچے وہ کتنے طوفانوں کو بمشکل کنٹرول کر رہی تھی۔
"ادعیہ بیگم! تم میری کمزوری ہرگز نہیں ہو۔ میں نے پہلے ہی باور کرا دیا تھا کہ خود کو
میرے معاملات سے الگ رکھو۔"
وہ جیسے پھٹ پڑی تھی۔
"اعصار شیخ! کیسے دوغلے اور کھوکھلے شخص ہو تم۔ ایک طرف مجھے خود سے الگ رہنے کی
ترغیب دیتے ہو، مجھے اپنے معاملات سے الگ رہنے کی تلقین کرتے ہو اور دوسری جانب مجھے
میری پرسنل لائف سے کھینچ کھانچ کر اپنی دنیا میں گھسیٹنا بھی چاہتے ہو۔"
آنسوؤں کے درمیان اس کی آواز کس قدر شکست خوردہ اور کانپتی ہوئی تھی۔
وہ جیسے اندر تک سے ٹوٹ اور بکھر رہی تھی۔
"مجھے تمہارے سنگ جینے اور چلنے کا کوئی ارمان نہیں۔ پلیز، مجھے جینے دو۔ تمہیں خدا کا
واسطہ مجھے بخش دو۔" مسلسل آنسوؤں کے ساتھ وہ کہہ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔
اعصار شیخ نے اسے مسلسل آنسو بہاتے ہوئے دیکھا تھا، پھر گھٹنوں کے بل جھک کر اس
کے سامنے ٹک گیا تھا۔ اس کے مخروطی ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ پھر اسے بغور دیکھنے لگا
تھا۔ ادعیہ اس کی جنوں خیزی پر پل بھر میں ساکت رہ گئی تھی۔ بھیگی بھیگی آنکھوں سے اسے
دیکھا تھا۔
"دنیا میں فقط ایک تمہی حسین لڑکی نہیں ہو۔ ڈھونڈنے نکلو تو قدم قدم پر سنگ مرمر سے

حسیں تراشیدہ وجود سامنے راہ میں کھڑے ملیں گے۔ بس بات یہ ہے ادعیہ بیگم! کہ آپ
میری ضد بن گئی ہو۔" دھیمے مدھم لہجے میں وہ کیا کچھ باور نہ کرا گیا تھا۔ ادعیہ ساکت سی اسے
دیکھتی چلی گئی تھی۔

"شاباش، جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں مزید زبردستی کرنا نہیں چاہتا۔ تم خاصی سمجھدار
ہو۔ وہاں تمہارے میکے اور سسرال کے سب سے بڑے حمایتی فرد محترم آپ کے سسر صاحب
بہت بے قراری سے آپ کی راہ تک رہے ہیں۔ کچھ بھی ہو، تم نام کو ہی سہی، اس خاندان
بہو تو ہو نا۔" وہ بہت رسانیت سے کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ لمبے لمبے ڈگ بھرتا دروازے
سمت بڑھا تھا۔

ادعیہ پتھر بنی اس کی پشت کو دیکھتی چلی گئی تھی۔ تبھی دروازے تک جا کر وہ یکدم پلٹا
اور شاید یاد دہانی کو گویا ہوا تھا۔

"فقط دس منٹ...... اوکے؟...... میں نیچے منتظر ہوں۔"

اس کے ساتھ ہی وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔

ادعیہ کا دل چاہ رہا تھا کہ بہت زور زور سے چیخے، بہت زور زور سے روئے۔ اتنا
چھت اس پر آن گرے اور وہ اس کے نیچے دب کر مر جائے۔ مگر ایسا کچھ بھی شاید ناممکن تھا
تبھی وہ خود کو ایک بار پھر مارتی ہوئی ہونٹ کچلتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ کتنے آنسو
چاپ رخساروں پر بہہ رہے تھے اور وہ تیار ہو رہی تھی۔

✿......✿

صبح اٹھی تو طبیعت بہت ست سی تھی۔ اٹھنے کو دل نہ چاہا تھا۔ تبھی وہ کسلمندی سے بستر
پڑی رہی تھی۔

"شعاع بیٹا! کیا ہوا؟" امی کسی کام سے اندر داخل ہوئی تھیں۔ اسے بے دلی سے بستر
پڑا دیکھ کر فکرمندی سے اس پر جھکی تھیں۔ "طبیعت تو ٹھیک ہے؟" پوچھنے کے ساتھ ہی پیشانی
پر ہاتھ لگا کر چیک بھی کیا تھا۔

وہ آنکھیں کھولتی ہوئی دھیرے سے مسکرا دی تھی۔ "امی! بالکل ٹھیک ہوں میں۔"

"پھر اس طرح کیوں پڑی ہو؟ کیا آفس نہیں جانا؟"

"نہیں امی! آج موڈ نہیں ہو رہا۔"

"چلو، اسی بہانے کچھ آرام کر لو گی۔" امی نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے تسلی
پُر انداز میں کہا تھا۔ پھر یہ کہتی ہوئی پلٹ گئی تھیں۔ "خود چاہے سو جاؤ، مگر رانیہ کو اٹھا دو

کے پریلیئم ہونے والے ہیں۔ ایک تو اس لڑکی کو رتی بھر بھی فکر نہیں ہوتی۔ اٹھے گی تو
دھما چوکڑی مچا دے گی۔"

شعاع نے مسکراتے ہوئے رانیہ کی طرف دیکھا تھا، پھر اسے جگا کر وہ خود دوبارہ سے
آنکھیں میچ گئی تھی۔ رانیہ اٹھ کر واش روم میں گھس گئی تھی۔ مگر اسے آنکھیں میچے رہنے کے
باوجود جانے کیوں نیند نہیں آ رہی تھی۔

"شکر ہے آپا! آج تم گھر پر نظر آ رہی ہو۔" رانیہ نے کالج کے لئے تیار ہوتے ہوئے
اسے دیکھ کر کہا تھا۔

"کیوں، تمہیں میں فارغ بہت اچھی لگتی ہوں؟"

"اوں...... ہوں۔" رانیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "معروف بہت بری لگتی ہیں۔" وہ کہہ کر
باہر نکل گئی تھی اور وہ مسکراتے ہوئے نیوز پیپر دیکھنے لگی تھی۔

باہر عمر، رانیہ اور تانیہ کے مسلسل بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ ناشتہ کرنے کے دوران
مسلسل لڑ جھگڑ رہے تھے۔

وہ چائے کے سپ لیتی ہوئی ان کی تمام آوازوں کو سنتی ہوئی نیوز پیپر دیکھ رہی تھی جب
امی نے کمرے میں جھانکا۔ "میں تانیہ کو اسکول چھوڑ آؤں۔ تم دروازہ اندر سے بند کر لو۔ رانیہ
اور عمر کالج کے لئے نکل گئے ہیں۔"

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کسی کام کو ہاتھ مت لگانا۔ میں خود آ کر سب دیکھ لوں گی۔ ہاں، وہ ادعیہ کو فون کر کے
خیریت پوچھ لینا۔ اس روز ولیمے کی دعوت میں اس کی صورت بہت اتری اتری سی تھی۔" امی
نے کئی ہدایات ایک ساتھ دی تھیں اور وہ ان کے پیچھے پیچھے دروازے تک آتی ہوئی مسکرا دی
تھی۔ "اور ہاں، وہ حنیف بھائی کی طرف بھی فون کر کے خیریت معلوم کرنا۔ کئی دن سے ان
کی طرف سے کچھ اتا پتہ نہیں۔ فرحان کو فون کر لینا۔ بھائی بھابی سے میں خود بات کروں
گی۔ بلکہ آج شام میں عمر کو ساتھ لے جا کر چکر لگاؤں گی۔" امی نے اپنی تمام دن کی حکمت
عملی لمحہ بھر میں ہی بیان کر دی تھی۔

وہ تانیہ کے پھولے پھولے گالوں کو پیار سے کھینچتی ہوئی مسکرا دی تھی۔ ساتھ ہی امی کی
طرف دیکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ "آپ بے فکر ہو جائیے۔"

اس نے امی کو رخصت کر کے دروازے کو لاک لگایا تھا۔ پھر چلتی ہوئی لاؤنج میں آ گئی
تھی۔ ہر طرف چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ مسکراتی ہوئی نفی میں سر ہلاتی ہوئی جھک کر تمام

چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔

پھر ہر شے ترتیب سے رکھ کر وہ باہر آئی تھی اور پائپ لگا کر پودوں کو پانی دینے لگی تھی۔

تبھی ڈور بیل بجی تھی۔

امی تو اتنی جلدی آ نہ سکتی تھیں۔ پھر کون تھا؟

اس نے چونکتے ہوئے دروازے کی جانب پیش قدمی کی تھی۔ اور پھر یہی سوچتے ہوئے دروازہ کھول دیا تھا۔ سامنے فرحان تھا۔

"تم...... اتنی صبح صبح؟ خیریت، کیا آج تم نے بھی آفس سے چھٹی کر لی ہے؟" وہ اسے غیر متوقع طور پر سامنے پا کر حیران ہوتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔ وہ بنا کوئی جواب دیئے اندر داخل ہو گیا تھا۔ اس کا چہرہ بہت بے تاثر سا تھا۔ آج اس نے شعاع کو دیکھ کر کسی قسم کی گرم جوشی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ نہ ہی اس کے لبوں پر کوئی تبسم پھوٹا تھا۔ شعاع جانے کیوں اس کی بدلی بدلی کیفیت دیکھ کر لحہ بھر کو چپ سی رہ گئی تھی۔ پھر جیسے ہر تاثر کو جھٹکتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"خیریت، آج مزاج اتنے سرد کس لئے ہیں؟ اور کیا تمہیں معلوم تھا کہ میں آج گھر پر ہوں جو تم سیدھا یہیں پر چلے آئے؟"

"نہیں۔ دراصل میں پھوپھی سے ملنے آیا تھا۔" فرحان نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"تم بیٹھو نا، میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" اسے مسلسل کھڑے دیکھ کر وہ گویا ہوئی تھی۔

"نہیں۔ ذرا جلدی میں ہوں۔ وقت نہیں۔"

"کیوں، ہوا کے گھوڑے پر سوار آئے ہو؟" وہ چھیڑتی ہوئی بولی تھی۔ مگر وہ شخص اس گھڑی قطعی مسکرایا نہیں تھا۔ شعاع کی چھٹی حس جیسے یکدم ہی کسی خطرے کا الارم بجانے لگی تھی۔

"تم ٹھیک تو ہو؟" بہت دھیمے لہجے میں اس نے فرحان کو بغور دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"ہوں۔" فرحان نے ہنکارا بھرتے ہوئے اس کے چہرے سے نگاہ ہٹا لی تھی۔ شعاع کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی جیسے بہت کچھ کھوجنے کی متمنی تھیں۔ تبھی وہ بہت مدھم انداز میں گویا ہوا تھا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ...... بات تو مجھے پھوپھی جان سے ہی کرنی تھی۔ مگر بہرحال کیونکہ یہ تمہارے حوالے سے اور بھی اہم ہے، سو تم سے کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔" فرحان نے جیسے تمہید باندھی تھی۔

وہ الجھے ہوئے انداز میں اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"کون سی بات...... کیا کہنا چاہتے ہو تم مجھ سے؟"

فرحان جواب میں کچھ لمحے خاموش رہا تھا، پھر قدرے توقف سے گویا ہوا تھا۔

"شعاع! تم مجھے قطعی غلط مت سمجھنا۔ تناظر تو پچھلے کچھ دنوں سے چل رہے تھے، ان کی روشنی میں جو بھی فیصلہ ہوا ہے وہ قطعی طور پر چونکا دینے والا نہیں۔ اگرچہ میرا قصور کہیں بھی شامل نہیں۔ نہ ہی تم گناہ گار ہو۔ مگر بعض اوقات ہمیں ہمارے ناکردہ گناہوں کی سزائیں بھی بھگتنا پڑتی ہیں۔ شاید یہ سب تقدیر کے درج شدہ ابواب ہوتے ہیں جنہیں بعض اوقات ہماری خواہش اور دعائیں بھی نہیں بدل پاتیں۔ مجھے تم سے یہ کہتے ہوئے بہت افسوس ہے کہ ہم مزید آگے نہیں چل سکتے۔ زندگی کے راستے...... ہمارے لئے بس یہیں تک کھلے تھے۔ اس سے آگے کی ہر راہ بند ہے۔" فرحان حنیف نے اپنا فیصلہ لمحے بھر میں صادر کیا تھا اور شعاع ساکت رہ گئی تھی۔ تبھی وہ مزید گویا ہوا تھا۔

"میں یہ نہیں کہوں گا کہ مجھے تم سے بچھڑنے کا کوئی دکھ نہیں، یا راہیں الگ کرنے کا کوئی ملال نہیں۔ بہت دکھ ہے، بہت رنج ہے۔ مگر شعاع! کچھ فیصلے ہم اپنے اندر کی نفی کرتے ہوئے بھی کرتے ہیں۔ اپنے بڑوں کی منشا پوری کرنے کے لئے، ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے۔ اور میرے بڑوں کی خوشی اسی میں تھی۔ میں شرمندہ ہوں، میں تمہارے لئے کوئی اسٹینڈ نہیں لے سکا، لڑ نہیں سکا۔ شاید یہ سب یونہی ہونا مقصود تھا۔" فرحان نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اپنی بات مکمل کی تھی۔

شعاع جیسے اس گھڑی کسی سکتے میں تھی۔

فرحان نے اسے ایک نگاہ دیکھا تھا، پھر وہ اسی طور جانے کو پلٹا تھا جب شعاع نے جیسے گہری نیند سے بیدار ہوتے ہوئے اسے پکارا تھا۔

"سنو!"

فرحان نے جانے کیوں اس گھڑی اپنے قدموں پر گھوم کر پلٹ کر دیکھا تھا۔

شعاع بغور اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

شعاع نے بہت اعتماد کے ساتھ سر جھکا کر اپنے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی سے بہت دھیرے سے انگوٹھی اتاری تھی اور ہاتھ فرحان کی سمت بڑھا دیا۔ فرحان نے بہت خاموشی سے ہاتھ بڑھا کر منگنی کی اس انگوٹھی کو اس کے ہاتھ سے تھام لیا تھا۔

"میں صرف اتنا ہی کہنا چاہوں گی فرحان حنیف! مجھے اس تعلق کے ٹوٹنے کا رتی بھر بھی

افسوس نہیں۔ جن رشتوں کی بنیاد ہی اتنی کھوکھلی ہو، ان پر ایک مضبوط عمارت کی بنیاد قطعی نہیں رکھی جا سکتی۔ مجھے تم سے مزید کچھ نہیں کہنا۔ اب تم جا سکتے ہو۔"

فرحان حنیف نے ایک نظر اسے دیکھا تھا، پھر پلٹ کر چلتا ہوا دہلیز پار کر گیا تھا۔

شعاع کتنی ہی دیر ساکت سی وہیں کھڑی رہی تھی۔ پھر بہت مرے مرے قدموں سے چلتی ہوئی دروازے تک پہنچی تھی۔ دروازہ بند کر کے اسی انداز سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی

دروازہ بند کر کے پشت لگا کر وہیں کھڑی ہو گئی تھی۔

بہت سا پانی جانے کہاں سے اس گھڑی آنکھوں میں آن ٹھہرا تھا۔

وہ وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی۔

اندر کا سارا غبار یکدم ہی راہ پانے کو بے چین ہو گیا۔ اور تب اس نے بھی کوئی تردد نہ کیا۔ چپکے سے گھٹنے پر سر دھرا تھا اور سارے آنسوؤں کو راہ مل گئی تھی۔

✿......✿
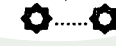
وہ جانتی تھی قیامت ہی ہو گی۔ اور وہی ہوا تھا۔

اکبر نے بے بے، چاچا کے سوتے ہی اسے آ لیا تھا۔ یقیناً وہ بے بے اور چاچا کے سامنے کسی بھی بات کی تشہیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

وہ بہن تھی، جانتی تھی اس گھڑی اس کے اندر کیسے جوار بھاٹے اٹھ رہے ہوں گے۔

وہ جو سدا سے سیو کے معاملے میں بہت حساس رہا تھا، آج اس لمحے ایک غیر شخص کے ساتھ اس کا نام سن کر اس کے اندر کیسی ہلچل نہ مچ گئی ہو گی۔

اور وہ اس گھڑی کیسے کڑے تیوروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

سیو کے اندر جیسے جان نہ رہی تھی۔

کتنے مردہ قدموں سے چلتی ہوئی اس کے کمرے تک آئی تھی۔ اور اب جو مرحلہ درپیش تھا وہ کس قدر مشکل تھا۔

وضاحتیں دینا، جواز ڈھونڈنا اور دوسروں کو مطمئن کرنا کتنا دشوار تھا۔

اکبر کے چہرے پر اس گھڑی بہت تناؤ تھا اور وہ جانتی تھی اس خاموشی کے پیچھے طوفان مچل رہے تھے۔

اکبر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ سر جھکا کر اس کے سامنے ٹک گئی تھی۔

"مجھے سچ سچ بتا! قصہ کیا ہے؟"

سیو نے سر اٹھا کر اسے ایک نظر دیکھا تھا۔ اس کی سانسیں تھمنے لگی تھیں۔

"ویر...... وہ......" اس کی ہمت نہ بندھ سکی۔

تبھی اکبر اس کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ "دیکھ سیو! معاملہ عزت کا ہے۔ اور تو جانتی ہے بات کتنی بگڑ سکتی ہے۔ مجھے سچ سچ بتا دے، تو اس میں شامل ہے کہ نہیں؟" اکبر کا لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ کس قدر برہم ہے۔ سیو نے اسے دیکھتے ہوئے سر جھکا لیا تھا۔ پھر اسی طرح مدھم انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"ویرے! میرا اعتبار کرو۔ میرا اس معاملے میں کہیں بھی کوئی حصہ نہیں۔ نہ ہی میں کسی معاملے میں شریک ہوں۔"

"پھر وہ سب کیا تھا؟ ان لڑکیوں کے تذکروں میں تیرا نام کیوں آیا؟"

وہ یکدم ہی لٹھے کی مانند سفید پڑ گئی تھی۔

"ویرے! میں مجرم نہیں ہوں۔ نہ ہی میں نے کوئی گناہ کیا ہے۔ آج جب میں حویلی سے لوٹ رہی تھی تو اس نے راستے میں میری راہ روک کر چوڑیاں دینے کی کوشش کی اور میں نے اسے جھٹک دیا۔" اس نے بہت مدھم انداز میں سارا احوال کہہ سنایا۔

اکبر اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ سیو میں اتنی ہمت نہ تھی کہ سر اٹھا کر اسے دیکھ سکتی۔ کتنی خجالت نے گھیر رکھا تھا۔ ایک بھائی کے سامنے اسے جواب دہ ہونا پڑ رہا تھا۔ اس کی باز پرس کے جواب میں ساری روداد سنانا پڑ رہی تھی۔

اکبر نے بہت دھیرے سے اس کے سر پر ہاتھ دھرا تھا۔ "تو نے میرے دل پر سے بہت بھاری بوجھ سرکا دیا۔" اس نے بہت گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس کی سمت دیکھا تھا۔

سیو نے اپنا مان بڑھ جانے پر بھائی کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ "میرے سر پر ہاتھ دھر کے ایک عہد تو بھی کر لے مجھ سے۔"

اکبر نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ تبھی سیو دھیمے سے گویا ہوئی تھی۔ "تم اس سے کوئی لڑائی جھگڑا نہیں کرو گے۔"

اکبر اسے مطمئن کرنے کو ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

✿......✿

وہ ایک لمحہ
جو مجھ کو چھو کر گزر گیا ہے
جو تجھ سے مل کر بکھر گیا ہے
کہاں گیا وہ

جو ساتھ اپنے
ہماری خوشبو بھی لے گیا ہے
وہ ایک لمحہ
ہمارا کب تھا؟

ادعیہ اپنے کمرے سے نکل رہی تھی جب اس کا اس شخص سے سامنا ہو گیا۔ وہ نظر انداز
کے آگے بڑھ جانا چاہ رہی تھی۔ مگر اس نے یکدم ہی کلائی تھام لی۔ ادعیہ کے وجود کو جیسے
کرنٹ چھو گیا۔ لمحہ بھر میں ہی اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

"گھبراؤ مت۔ میں نے تمہارا ہاتھ کسی جذباتی شورش سے مغلوب ہو کر نہیں تھاما۔"
بہت مدھم سے انداز میں مسکراتا ہوا جانے کیا جتانا چاہ رہا تھا۔

ادعیہ خاموشی سے تکتی ہوئی سر جھکا گئی تھی۔

اعصار شیخ نے اس کے نازک سے ہاتھ پر سرسری نگاہ کی تھی۔ پھر دھیرے سے چھوڑتا
ہوئے اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔

"مدعا کچھ یوں ہے، شام میں ایک دوست کی طرف دعوت ہے۔ میں اگرچہ ہرگز نہیں
چاہتا، مگر اس نے اصرار بہت کیا۔ سو یہ ناگزیر ہو گیا۔ تم شام کو تیار ہو جانا۔ گو مجھے ارادہ
نہیں، نہ کوئی حسرت ہے۔ مگر دنیا داری تو نبھانا پڑے گی نا۔" وہ بہت بے تاثر انداز اور لہجے
میں گویا تھا۔

ادعیہ نے سر جھکا کر اس کو سنا تھا۔ پھر یکدم سر اٹھایا تھا۔ لمحہ بھر کو اس پر نگاہ کی تھی۔
اس گھڑی اسے بغور تک رہا تھا۔ جانے کیوں لبوں پر اس گھڑی بڑی عجیب سی مسکراہٹ تھی
شاید طنز کا کوئی انداز تھا یہ بھی۔ وہ کوئی وار خالی نہیں جانے دیتا تھا۔ ہاتھ میں آنے والے
لمحے کو بھرپور انداز میں استعمال کرتا تھا اور ہمیشہ کتنے زخم روح و دل پر لگا جاتا تھا۔ ادعیہ نے
نگاہ جھکانے کے ساتھ ہی رخ پھیرا تھا اور چلتی ہوئی دادی اماں کے کمرے کی جانب بڑھنے
لگی تھی۔

پھر جب کافی دیر دادی اماں کے پاس گزارنے کے بعد لاؤنج کی سمت آئی تھی، تب
وہ وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ اور بھی کئی لوگ تھے۔ نمیرا بھی قدرے قریب ہی تھی اور جناب صاحب
ان محترمہ سے گفتگو فرمانے کے ساتھ ہی ہاتھ میں ریموٹ لئے ٹی وی سے بھی لطف اندوز ہو
رہے تھے۔ گزرتے ہوئے لمحہ بھر کو نگاہ ملی تھی مگر وہ دوسرے ہی پل نظر انداز کرتی ہوئی چہرے
کا رخ پھیر کر فون اسٹینڈ کے پاس آن رکی۔ ان کی ہنسی مذاق کا شور مسلسل کان میں پڑ رہا

اس نے پہلے ایک دوست کا نمبر ملایا۔ بات کی۔ اس سے گزشتہ لیکچر لانے کی ریکویسٹ
کی، پھر گھر کا نمبر ملانے لگی۔ شاید کوئی بات کر رہا تھا، لائن مسلسل بزی مل رہی تھی۔ وہ ری
ڈائل کرنے لگی۔

جانے کیا بات ہوئی، ان محترمہ کا بھرپور قہقہہ ابھرا۔ وہ بلا ارادہ ہی پلٹ کر دیکھنے لگی۔
جانے کیوں وہ بھی اس لمحے اسی کی جانب متوجہ تھا۔ وہ رخ دوسرے ہی پل دوبارہ پھیر کر نمبر
ڈائل کرنے لگی۔ خود کو مکمل طور پر بے تاثر ظاہر کرنا چاہا تھا مگر دوسری جانب سے ارادہ مکمل
طور پر زچ کر دینے کا تھا۔ شاید تبھی اس گھڑی ٹی وی کا والیوم یکدم ہی بڑھا دیا گیا تھا۔
شاید کوئی موسیقی کا پروگرام تھا۔ مغنی کی آواز بہت واضح انداز میں پہنچ رہی تھی۔

اب ہو رہا ہے ان کو غم بچھڑنے کا
اب یاد آ رہا ہے وعدہ وہ ساتھ چلنے کا
اب ہو رہا ہے ان کو غم بچھڑنے کا

اگر کسی کا ارادہ فقط اسے زچ کرنے کا تھا تو وہ اس گھڑی مکمل طور پر کامیاب تھا۔ وہ اس
لمحے واقعی بری طرح ڈسٹرب ہو رہی تھی۔ بے تحاشا انتشار محسوس کر رہی تھی۔ نمبر ملایا تھا اور
پھر انگیج بیل نے اس کا موڈ آف کر دیا تھا۔ کتنے دنوں سے گھر میں بات نہ ہوئی تھی۔ اس
لئے وہ کھڑی رہی تھی۔

وہ دریا کنارے محبت کے دھارے
وہ اُلفت کے سب سلسلے
وفا کے ارادے وہ قسمیں وہ وعدے
جو پورے نہ تم نے کئے
تیرا دل مچل رہا ہے
میرا دل نہیں ہے ملنے کا
اب ہو رہا ہے ان کو غم بچھڑنے کا

وہ رخ پھیرے نمبر ڈائل کرتی چلی گئی۔ جانے کیوں دل شدت سے چاہا، پلٹے اور اس
شخص کو کھری کھری سنا ڈالے۔ مگر پھر جانے کیا سوچ کر ارادہ ترک کر ڈالا۔ بس پلٹ کر
اک نگاہ کی۔ وہ نمیرا کے ساتھ کسی بات پر ہنس رہا تھا۔

"اعصار! آواز کم کرو نا۔ بچی فون پر بات کر رہی ہے۔" چچی جان نے تقریباً چیخ کر ان
محترم کو یاد دہانی کرائی۔ مگر ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔

وہ خط سب تمہارے جو تھے ہمارے پاس
واپس ہم نے کیئے
نہ تم ہو ہمارے نہ ہم ہیں تمہارے
یہ باتیں پھر کس لئے
ہمیں بھولنے لگا ہے پیار وہ ان کا رسمی سا
اب ہو رہا ہے ان کو غم بچھڑنے کا
اب یاد آ رہا ہے وعدہ وہ ساتھ چلنے کا

"مجھے ان دنوں یہ گیت بے حد اچھا لگ رہا ہے۔ اس میں فیلنگز کا بے حد خوبصورت اظہار ہے۔ جذبات کو بہت عمدہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔" وہ یقیناً کسی کو جی بھر کے جلانا اور چڑانا چاہ رہا تھا۔

نمیرا مسکرا رہی تھی۔

"بس بھی کرو۔ آواز کم کرو۔ دیکھو، ادعیہ بری طرح ڈسٹرب ہو رہی ہے۔ اسے فون پر بات کرنا ہے۔"

ادعیہ کو وہ لمحہ واقعی ناقابل برداشت لگا تھا۔ اس نے ریسیور یکدم ہی کریڈل پر ڈالا تھا اور پھر پاؤں پٹختی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آ گئی تھی۔ چہرہ بری طرح تپ رہا تھا۔ خون کھول رہا تھا۔ تذلیل کا احساس سلگائے جا رہا تھا مگر تدارک ناممکن تھا۔

وہ ضبط کی حدوں کو پھلانگتی ہوئی ہونٹ کچل رہی تھی مگر اس کے باوجود آنکھوں سے پانی بہے جا رہا تھا۔

✿......✿

وہ اک شخص
گماں گماں سا قیاس سا
کبھی خوشبوؤں میں بسا ہوا
کبھی صرف اس کی شباہتیں
کبھی صرف اس کی حکایتیں
کبھی صرف ملنے کے سلسلے
کبھی صرف اس سے ہیں فاصلے
کبھی دور چلتی ہواؤں میں
کبھی مینہ برستی گھٹاؤں میں
کبھی بدگماں، کبھی مہرباں
اسے عمر بھر میں دعائیں دوں
اسے عمر بھر میں صدائیں دوں

وہ پندرہ دن لندن میں گزارنے کے بعد لوٹی تو گھر میں کوئی اس کا منتظر نہ تھا۔ اگرچہ وہ کچھ خاص محسوس نہیں کر رہی تھی، نہ ہی کسی بھرپور پذیرائی کی امید تھی۔ مگر جانے کیوں اس اقدام سے ایک خاموشی سی چاروں طرف پھیلنے لگی۔

وہ فریش ہو کر کمرے میں آئی تو اندر کی گھٹن سے گھبرا کر یکدم ہی سارے دریچے کھول دیئے۔

شاید جب گھٹن بہت زیادہ بڑھ جائے تب بارش ہونے لگتی ہے۔ اندر تو مسلسل ایک سکوت سا طاری تھا۔ مگر باہر اس گھڑی واقعی بارش شروع ہو چکی تھی۔ بوندا باندی کو دیکھنے کے لئے اس نے ہاتھ کھڑکی سے باہر بڑھایا تھا۔ کتنی ہی بوندیں اس کے ہاتھ پر آ گئی تھیں۔ وہ یونہی چپ چاپ سی ان بوندوں کو تکتی رہی تھی، پھر یکدم ہی نک کا خیال آیا تھا اور وہ موبائل اٹھا کر اس کا نمبر ملانے لگی تھی۔

''ہیلو ہنی! ویلکم ٹو کراچی سٹی۔'' اس نے دانستہ اس کے پرسنل سیل کے بجائے ہوٹل کا
ملایا تھا تا کہ اسے سرپرائز دے سکے۔ مگر اس کے یقین پر وہ ساکت سی رہ گئی۔
''تھینک یو۔ مگر تم نے کیسے جانا؟ آئی مین تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ میں کراچی پہنچی
ہوں؟'' پھر جیسے خود کو مطمئن کرنے کو بولی۔ ''تمہیں کوآرڈینیٹر نے بتایا ہوگا۔ ہے نا؟''
اور وہ یکدم ہی ہنس دیا تھا۔ ''ہنی! مجھے تم تک پہنچنے کے لئے ایسے کسی حوالے کی ضرورت
نہیں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا نا یہ تعلق کچھ اور ہے۔ خیر تم سناؤ، تمہارا ٹور کیسا رہا؟''
وہ یکدم ہی چونک پڑی۔
''ہاں۔ بہت اچھا۔ خاصا کامیاب رہا۔ سب سے بڑھ کر گرینی بہت خوش تھیں۔
عرصے بعد ہم ملے، کام کے ساتھ بہت زیادہ تفریح کی۔ ہاں، وہ سارا لندن اپنے نک
کیپر یو کو صدائیں دے رہا تھا۔'' وہ چھیڑنے لگی۔
''ہنی! تم چاہتی ہو، میں پہلی ہی فرصت میں اپنا بوریا بستر سمیٹ کر لندن کی راہ لوں
وہ ہنسنے لگا۔
''نہیں، میں ایسا ہرگز نہیں چاہتی۔'' وہ مسکرا دی۔
''حالانکہ تم دل سے ایسا ہی چاہتی ہوں۔'' نک مکمل یقین سے گویا ہوا۔
وہ کھڑکی سے باہر بوندوں کا منظر تکنے لگی۔ ''بارش کو انجوائے کر رہے ہو؟''
''ہاں، ابھی ابھی کھڑکی کھولی ہے۔'' نک نے بوندوں کو بغور تکا۔ ''ان بوندوں
معصومیت اور تازگی تم جیسی ہے۔ یقیناً موسم نے یہ حسن تم سے چرایا ہے۔ حالانکہ ابھی تھوڑی
دیر قبل میں جب باہر سے لوٹا تھا تو بارش کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ آسمان پر بادل
نہ تھے۔ دھوپ کی تمازت میں سارا شہر جھلس رہا تھا۔ اور تم نے آتے ہی سارا شہر جل تھل کر
دیا۔'' نک کا لہجہ بہت مدھم اور دھیما تھا۔ بہت سا جادو اس میں بھرا تھا۔ ایک ساحرانہ
تھی۔ مگر وہ یکدم ہی سر جھٹکتی ہوئی ہنس دی۔
''یہ تم مجھ پر الزام دھر رہے ہو یا......؟''
''مکمل خراجِ تحسین ہے ہنی! میں تمہارے مخالف سمت چلنے کے متعلق سوچ بھی کہاں
ہوں کہ دل مجھے کبھی ایسا کرنے ہی نہیں دیتا۔'' وہ پٹڑی سے اتر رہا تھا اور مژگان یکدم
نفی میں ہلانے لگی تھی۔
''ہونے لگے نا پھر سے پاگل؟''
''میں کب پاگل نہیں تھا؟'' نک کا بھرپور لہجہ مژگان کے یقین کو جیسے متزلزل کرنے

اور وہ جیسے ہر شے کو رد کرتی ہوئی بولتی چلی گئی تھی۔
''یو نو بیوٹی فل ویدر ٹاکس ٹو آور ہارٹس۔ لائف از سو بیوٹی فل مور دین ایوری تھنگ۔
اِٹس اے بیوٹی فل گفٹ آف گاڈ۔ سو انجوائے ٹو یور لائف۔ (جانتے ہو، حسین موسم ہمارے
دلوں سے کہتے ہیں کہ زندگی ہر چیز سے زیادہ خوبصورت ہوتی ہے۔ یہ خدا کا ایک خوبصورت
تحفہ ہے۔ چنانچہ اپنی زندگی کو انجوائے کرو)''
''سویٹی! تم میرے ساتھ خود کو بھی بہلاتی رہو۔ یہی باور کراتی رہو کہ زندگی واقعی حسین
ہے اور اسے تمہیں حسین انداز میں بسر کرنا ہے۔'' وہ جیسے اس کا سب سے بڑا خیر خواہ تھا۔
اور مژگان کے پاس جیسے بولنے کو مزید کچھ نہ بچا تھا۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے گویا ہوا تھا۔
''تمہارے شوہر نامدار کہاں ہیں؟ یقیناً اس گھڑی وہ تمہیں ریسیو کرنے کو گھر پر موجود نہیں۔''
مژگان جیسے ساکت سی رہ گئی۔ ''تم کیسے کہہ سکتے ہو؟'' وہ جیسے اسے جھٹلانا چاہتی تھی۔
''وہ اس گھڑی میرے پاس، میرے قریب بھی تو ہو سکتا ہے۔''
اور نک جانے کیوں اس لمحے ہنس دیا تھا۔ ''خدا کرے تمہارے لہجے کا یقین قائم رہے
ہنی! مگر بعض اوقات ''قریب'' رہنے والے درحقیقت قریب نہیں بھی ہوتے۔ اور میں
تمہارے معاملے میں قطعی ایسا نہیں چاہتا۔''
مژگان کو لگ رہا تھا وہ اسے سامنے بیٹھا دیکھ رہا ہو۔ اسے پڑھ رہا ہو۔ اس کے چہرے
کو، اس کے لہجے کو۔ شاید تبھی وہ ہونٹ بھینچ کر کچھ ثانیوں کے لئے خود کو سمیٹنے بھی لگی تھی۔ پھر
یکدم ہی بولی تھی۔ ''او کے، پھر بات ہوگی۔ تم آؤ گے نا میری طرف؟''
''ابھی؟'' نک دھیمے انداز میں مسکرایا۔
''جب تمہیں وقت ملے۔ ویسے تم آج رات کا ڈنر ہمارے ساتھ کیوں نہیں کھاتے؟''
''اگر تم ایسا چاہتی ہو تو میں قطعی طور پر رد کرنے کی جرأت نہیں رکھتا۔'' وہ مؤدب انداز
میں گویا ہوا۔ مژگان نے مسکراتے ہوئے ''بائے'' کہنے کے ساتھ ہی رابطہ منقطع کر دیا۔
وہ جیسے ہی پلٹی، حیران رہ گئی۔ رہبان عالم شاہ دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔
''تم کب آئے؟''
''یہ سوال تو مجھے تم سے پوچھنا چاہئے تھا۔'' وہ ہولے سے مسکرا دیا۔
مژگان نے اس پر ایک نگاہ کی، پھر نظر پھیر کر دوسری سمت تکنے لگی۔ ''میں تو سمجھی تھی تم
رات گئے ہی لوٹو گے۔ معمول کے عین مطابق۔ اینی وے، کیسے ہو تم؟''
وہ مسکرا دیا۔ پھر چلتا ہوا آگے بڑھ آیا۔ پھر یکدم ہی پشت سے ہاتھ نکال کر اس کے

سامنے کر دیا۔

سرخ سرخ گلابوں کا مہکتا گلدستہ اس کے سامنے تھا۔ کتنی ہی شفاف پانی کی بوندیں سرخ گلابوں پر تھیں۔ مژگان ساکت سی تکتی رہی تھی۔

"ویلکم ٹو کراچی۔ سوری، کچھ دیر ہو گئی۔ مگر مجھے امید ہے میری اچھی سی دوست مجبوری کو ضرور سمجھے گی۔" رہبان عالم شاہ مسکرا رہا تھا۔ مژگان نے بہت ہولے سے بڑھا کر اس مہکتے بوندوں سے اٹے دلفریب گلدستے کو تھام لیا تھا۔

"تھینک یو۔" اس نے بے ساختہ ان گلابوں کو چہرے کے قریب لے جا کر ان پر چاند سانسیں منتقل کیں پھر سر اٹھا کر اسے تکتے ہوئے بولی۔

"سجل کیسی ہے؟ اور اماں، ابا جی...... اعیان...... سب ٹھیک تو ہیں نا؟"

رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا، پھر مسکرا دیا۔ "تم آ گئی ہو نا، دیکھ لینا خود ہی۔" کہا دم گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے گویا ہوا۔ "ایک ضروری اسائنمنٹ کے سلسلے میں جانا ہے۔ کے کھانے پر ملاقات ہو گی۔"

تبھی وہ چونکتی ہوئی دیکھنے لگی۔ "وہ رات کے ڈنر پر میں نے تک کو بھی انوائٹ ہے۔" جانے کیوں اسے مطلع کرنا ضروری جانا۔

"ویٹس گریٹ۔ پھر تو اہتمام بھی اسی طور ہونا چاہیے۔" پھر چند ثانیوں کو چپ رہ کر کی جانب تکتے ہوئے بولا۔ "تم تکلیف نہیں کرنا، میں باہر سے کچھ لیتا آؤں گا۔" اس کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر باہر نکلتا چلا گیا تھا۔

مژگان سر جھکا کر ان سرخ گلابوں کو دیکھنے لگی تھی۔

اور جانے کیوں ذہن مسلسل پوچھتا چلا گیا تھا۔

تمہاری زندگی میں، میں کہاں پر ہوں
ہوائے صبح میں یا شام کے پہلے ستارے میں
تمہاری زندگی میں، میں کہاں پر ہوں
چھلکتی بوندا باندی میں
کہ بے حد تیز بارش میں
روپہلی چاندی میں
یا کہ پھر تپتی دوپہروں میں
بہت گہرے خیالوں میں کہ

بے حد سرسری دھن میں

✿......✿

وقت کرتا ہے پرورش برسوں
حادثہ ایک دم نہیں ہوتا

"آپ لوگوں نے مجھے اس قابل نہیں سمجھا کہ کسی بات کے متعلق آگاہ کر سکیں، اتنی ہی اجنبی ہو گئی تھی میں؟" ادعیہ نے گہرے تاسف سے کہتے ہوئے پہلے امی اور پھر شعاع کو دیکھا۔ مگر دونوں ہی خاموشی سے اسے دیکھتے ہوئے نگاہ چرا گئیں۔

"اس گھر کے معاملات سے، سکھ دکھ، ہر بات سے کاٹ کر علیحدہ کر دیا گیا ہے مجھے۔ جیسے میں آپ سب کا حصہ تھی ہی نہیں۔"

کتنا بہت سا پانی اس کی آنکھوں سے چپ چاپ بہتا چلا گیا تھا۔ اپنی ذات اسے سب سے بڑی مجرم لگ رہی تھی۔ یقیناً یہ سب کچھ اسی کے باعث ہوا تھا۔ اس ایک کی وجہ سے اس گھر پر قیامتیں ٹوٹ رہی تھیں۔

خوشیاں رخصت ہو رہی تھیں۔

اطمینان جا رہا تھا۔

فقط اس کے باعث کتنا بڑا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا تھا۔

یہ احساس جان جلائے جا رہا تھا۔

دل پر ایک کاری ضرب پڑ رہی تھی۔

"یہ سب میرے باعث ہو رہا ہے۔ میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔" وہ شدت غم سے بولی تھی۔

امی نے اسے دیکھا تھا۔ تبھی شعاع چلتی ہوئی ان کے پاس آن رکی تھی۔ پھر ہولے سے دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر دھر دیئے تھے اور بہت دھیرے سے گویا ہوئی تھی۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ جو ہونا ہوتا ہے، وہی ہوتا ہے۔ کسی کا کوئی قصور نہیں ہوتا۔"

شعاع نے یقیناً اسے تسلی دینا چاہی تھی مگر ادعیہ آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"میں جانتی ہوں، میرے باعث ہی اس گھر پر یہ قیامتیں ٹوٹ رہی ہیں۔ تم نہ کہو، مگر کیا میں نہیں جان سکتی؟ شعاع! میری روح عذاب میں ہے۔"

"تم کیوں پریشان ہو؟ اچھا ہوا نا، ابھی سے ہر شے کھل گئی۔ سب واضح ہو گیا۔ اگر

شادی ہو جاتی اور اس کے بعد کچھ ہوتا تو سوچو پھر کتنی مشکل ہوتی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید ہم پر ان سب لوگوں کی حقیقت کبھی نہ کھلتی۔ دیکھو، مجھے دیکھو۔ میں قطعی طور پر افسردہ نہیں ہوں۔ سچ پوچھو تو بہت مطمئن ہوں۔ ایک اطمینان ہے میرے اندر۔ ایسے کھوکھلے تعلقات کسی مجبوری کے تحت آگے بڑھانے سے کہیں بہتر ہے کہ ہم سہولت سے ان کو ختم کر دیں۔ آغازِ سفر سے قبل اگر طوفان کا اندازہ ہو جائے تو سفر شروع کرنے والے بے وقوفی کے زمرے میں ہی آئیں گے۔ خدا کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ سو میں بھی اس سے انحراف نہیں کر سکتی۔'' شعاع نے بہت مضبوط لہجے میں کہا۔

ادعیہ اسے بے یقینی سے تکتی رہی۔

''شعاع! تم مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتیں۔ یہ نظریں جو تم مجھ سے چرا رہی ہو، کیا میں نہیں جانتی کہ ان کے پس پردہ کیا اسباب ہیں؟''

شعاع چونکتے ہوئے دیکھنے لگی۔

''ادعیہ! بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ کچھ بھی ایسا نہیں ہے یہاں۔ بات صرف یہ ہے کہ تمہاری عقل پر پتھر پڑے ہیں۔ اندھیرے میں سارے رنگ سیاہ ہی دکھائی دیتے ہیں۔ سو تمہاری کیفیت بھی یہی ہے۔ امی! سمجھائیں اسے آپ ہی کچھ۔'' وہ اسے ڈپٹتی ہوئی باقی کا معاملہ امی پر ڈالتی ہوئی کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ امی نے اسے فقط دیکھنے پر اکتفا کیا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا۔

اور اس گھڑی وہ خاموشی کے ساتھ ستون سے لگی کھڑی رانیہ کی سمت تکتے ہوئے سر جھکا گئی تھی۔

وجود کے کسی علاقے میں بے حد بے چینی و بے قراری تھی۔

بہت سا سکوت تھا۔

اور بہت زیادہ درد تھا۔

مگر تدارک کچھ نہ تھا۔

✿......✿

وہ بہت جارحانہ انداز میں اس کی جانب بڑھی تھی اور پھر اسی انداز سے اس کے فراخ سینے پر ہاتھوں کے مکے بنا کر برساتی چلی گئی تھی۔

اعصار شیخ اس کی دیوانگی کی کوئی وجہ فوری طور پر نہ سمجھ پایا تھا۔ البتہ اس نے اسے روکنے کی قطعی کوشش نہ کی تھی۔ یونہی جما کھڑا رہا تھا۔ وہ اسی طور اس پر اپنا غصہ اتارتی رہی تھی۔

اور پھر بالآخر تھک کر اپنا سر اس کے سینے پر ٹکا دیا تھا اور روتی چلی گئی تھی۔ بہت سا پانی آنکھوں سے پھسلتا چلا گیا تھا۔

کتنا درد تھا اندر

لامتناہی

دور تک پھیلا، بکھرا

درد ہی درد!

وہ قطعی طور پر سمجھ نہ پا رہا تھا، اس پر کیا افتاد ٹوٹی تھی۔ وہ بس خاموشی سے اپنے سینے پر اس کے جھکے ہوئے سر کو تکتا جا رہا تھا۔ وہ دھواں دھار روتی چلی جا رہی تھی۔

اعصار شیخ نے اسے اپنا سینہ دینے سے انکار نہیں کیا تھا۔

وہ اتنا جان گیا تھا کہ وہ اس گھڑی بہت کچھ جھیل کر تھک گئی تھی اور اب سب کچھ اس کی برداشت سے باہر ہو چلا تھا۔

ادعیہ واقعی اندر کا بہت سا لاوا جب آنسوؤں کی صورت اس شخص کے سینے پر منتقل کر چکی تو سر اٹھا کر اسے بھیگی بھیگی آنکھوں سے تکتی چلی گئی۔ اعصار شیخ قطعی طور پر کچھ سمجھ نہ پا رہا تھا۔

''میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی اعصار شیخ! جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ تم ہو۔ نہ تم نے اتنی خود غرضی کا مظاہرہ کیا ہوتا اور نہ سب یوں ہوا ہوتا۔''

اگر کوئی فقط آنکھوں سے قتل کر سکتا تو آج وہ اعصار شیخ کو قتل کر چکی ہوتی۔ اس کی آنکھوں سے نفرت کی آگ برس رہی تھی۔

''مجھے تم سے واقعی نفرت ہے اعصار شیخ! جانے خود تمہیں کوئی شرمندگی ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ مگر مجھے یہ سوچ کر بھی کراہیت کا احساس ہوتا ہے کہ میں تم سے منسلک ہوں۔'' اس کا لہجہ زہر میں بجھا ہوا تھا۔ اس کے اندر باہر جیسے زہر ہی زہر تھا۔

اعصار شیخ فقط خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ بولتی چلی جا رہی تھی۔

''تم کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔ تم نے اپنی خواہشوں کا محل تعمیر کرنے کے لئے کتنی گردنوں سے سر کاٹے ہیں، تمہیں کچھ اندازہ نہیں۔ تم کبھی خوش نہیں رہو گے۔ خدا کرے تم جلتے رہو، ترستے رہو خوشیوں کو۔ تمہیں کبھی چین نہ آئے۔ تم نے فقط مجھے تختہ مشق بنایا ہوتا تو مجھے دکھ نہ ہوتا۔ میں تم سے شکوہ نہ کرتی۔ گلہ نہ کرتی۔ مگر تمہاری لگائی ہوئی آگ سے آج میرا گھر جل رہا ہے۔ مجھ سے منسلک لوگ تڑپ رہے ہیں، جھلس رہے ہیں۔ اور یہ درد میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔'' وہ تڑپتی سلگتی اپنے اندر کی بہت سی تپش میں اسے جلاتی، سلگاتی پلٹی تھی اور

کمرے سے باہر نکلتی چلی گئی تھی۔

✿......✿

آج بہت دنوں بعد وہ دونوں مل کر بیٹھے تھے۔

بہت عرصے بعد یہ لمحے میسر آئے تھے۔

بہت دنوں بعد یہ فراغی ملی تھی۔

کتنے دنوں سے وہ ایک دوسرے سے اجنبی تھے۔ گریزاں تھے۔ دانستہ یا نادانستہ۔

وہ کچن میں تھی۔ رات کا کھانا تیار کر رہی تھی۔

"رہبان عالم شاہ! کتنے دن ہو گئے، میں نے ابا جی اور اماں سے بات نہیں کی۔ گھر کا نمبر تو ملاؤ۔ اور وہ کائنات اور عاطف واپس لوٹے یا نہیں؟" اگرچہ وہ فقط پندرہ دن بعد لوٹی تھی مگر لگ رہا تھا وہ کافی عرصہ باہر گزار کر آئی ہو اور اس دوران کئی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہوں۔

رہبان عالم شاہ نے اسے چونک کر دیکھا تھا۔ اس کا انداز بہت اپنائیت لئے ہوئے تھا۔ وہ اسے کہہ کر اب مکمل طور پر مصروف ہو چکی تھی۔ لگ رہا تھا وہ سدا سے اس گھر کا، اس خاندان کا حصہ ہو۔

جانے کیوں وہ اسے تا دیر تکتا رہا تھا۔

اور وہ بنا اس کی جانب متوجہ ہوئے تیزی سے ہاتھ چلاتی بولتی جا رہی تھی۔

"ٹک کا پروگرام مختلف ناردرن ایریاز کے لئے ہے۔ میں نے اس سے پرامس کیا تھا کہ واپسی پر ہم ضرور گھومنے چلیں گے۔" اگرچہ وہ اس کا کچھ نہیں تھا، مگر پھر بھی وہ اسے مکمل ذمے داری سے آگاہ کر رہی تھی۔

رہبان عالم شاہ اس گھڑی سمجھ نہ پایا تھا کہ وہ اسے فقط مطلع کر رہی تھی یا پھر اجازت طلب کر رہی تھی۔

"پروگرام تو اچھا ہے۔ میں نے بھی ابھی تک پاکستان کو نہیں دیکھا۔" مژگان نے یکدم سر اٹھایا تھا اور اسے متواتر اپنی جانب دیکھتا پا کر چونک پڑی تھی۔

"کیا ہوا؟"

"اوں، ہوں۔" اس نے سر نفی میں ہلا دیا اور پھر چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگا تھا۔ تبھی مژگان نے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔

"تم بھی چلو نا ہمارے ساتھ۔" اگرچہ مژگان کا لہجہ سرسری تھا مگر وہ یکدم ہی چونک کر

تکنے لگا تھا۔

مژگان نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے سے وہ کچھ اخذ نہ کر پائی تھی۔

تبھی وہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔

"خدارا، رہبان عالم شاہ! کبھی بولنے کی زحمت بھی کر لیا کرو۔ تمہارا چہرہ پڑھنے کی میں کم از کم قطعی صلاحیت نہیں رکھتی۔" وہ کہتی ہوئی پلٹ کر کیبنٹ میں کچھ تلاش کرنے لگی تھی۔

وہ یکدم ہی ہنس دیا تھا۔ "کیا اتنا غیر جذباتی چہرہ ہے میرا؟" اسے جانے کیوں تصدیق کا شوق ہوا تھا۔ حالانکہ اس سے قبل کجل کئی مرتبہ اسے باور کرا چکی تھی۔

"اس سے بھی بہت زیادہ۔" مژگان چلتی ہوئی فریج تک گئی تھی، پھر سلاد کا سامان لے کر واپس پلٹی تھی۔ "کبھی کبھی میرا دل چاہتا ہے تمہیں دیکھوں، تم جذباتی ہوتے ہوئے کیسے لگتے ہو۔ کجل سے پوچھوں جب تم اسے دیکھتے ہو، بات کرتے ہو تو تمہاری آنکھوں میں، تمہارے چہرے پر کیسے رنگ ہوتے ہیں؟ کیسے تاثرات ہوتے ہیں؟" وہ یقیناً مذاق کر رہی تھی۔ مگر وہ یکدم ہی ہونٹ بھینچ کر رہ گیا تھا۔ مگر وہ بہت مصروف تھی۔ تبھی اس کی طرف دیکھ نہ پائی تھی۔

"تو پھر کیا یہ طے ہے کہ تم ہمارے ساتھ چل رہے ہو؟"

"آئی ول لک ان ٹو۔ دین آئی ول لٹ یو نو۔ (میں سوچوں گا، پھر تمہیں بتاؤں گا)" اس نے سہولت سے کہا تھا۔

"ٹال رہے ہو نا؟" وہ یکدم ہی کہہ گئی تھی۔ جانے کیوں اتنا یقین بولتا تھا سدا اس کے لہجے میں۔

رہبان عالم شاہ ساکت سا رہ گیا تھا۔ پھر یکدم ہی اس کے دیکھنے پر ہولے سے مسکرا دیا تھا۔ "نہیں، ایسی بات نہیں۔ واقعی کچھ اپائنٹ منٹس ہیں ضروری۔ دیکھنا ہوگا، وہ کینسل ہو سکتی ہیں تو ضرور میں تم لوگوں کے ساتھ جاؤں گا۔" رہبان عالم شاہ نے جواز پیش کیا۔

مژگان سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر تیزی سے کھیرا کاٹنے لگی۔ "کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تم ہمیں درمیان میں بھی جوائن کر سکتے ہو۔"

"اوکے بابا، میں کوشش کرتا ہوں۔" رہبان عالم شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔ تبھی وہ گویا ہوا۔

"یہ ٹک کچھ پراسرار سا شخص نہیں ہے...... عجیب سا؟"

"عجیب سا...... کیا مطلب؟" وہ چونکی۔ پھر یکدم ہی ہنسنے لگی۔ "کم آن رہبان عالم شاہ!

میرے اتنے اچھے سے، ہینڈسم سے دوست کو تم رابن ہڈ سے کمپیئر کرنا چاہتے ہو یا پھر
ہچ کاک کے کسی پراسرار کردار سے۔ ہی از اے ویری نائس پرسن۔ ہاں، اس کی آنکھوں
بہت الگ بات ہے۔ شاید ویسی بات کسی اور کی آنکھوں میں نہیں۔ اس جیسی آنکھیں بھی
کسی اور کے پاس نہ ہوں۔'' وہ سر جھکائے انتہائی اعتماد کے ساتھ اپنے دوست کی خو
بیان کر رہی تھی اور اس گھڑی رہبان عالم شاہ اسے جانے کیوں خاموشی سے فقط تکتا رہا تھا۔

''تمہیں میں نے گاؤں میں نمبر ملانے کو کہا تھا۔'' مژگان اسے بدستور لاؤنج میں
کر بولی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔

''تم فارغ ہو جاؤ، پھر ملا دیتا ہوں۔''

''تب تو شاید بہت دیر ہو جائے گی۔ ابا جی اور اماں تو بہت جلد سو جانے کے عادی ہیں
میں فارغ ہو رہی ہوں۔ تم نمبر ملاؤ۔'' وہ تیزی سے ہاتھ چلاتی ہوئی بولی تھی اور تب وہ اٹھ
گاؤں کا نمبر ملانے لگا تھا۔ تبھی دروازے پر بیل ہوئی تھی۔

''رہبان! دیکھو ذرا کون ہے۔'' مژگان نے پلٹ کر فریج کی جانب بڑھتے ہوئے
تھا۔ رہبان عالم شاہ فون رکھ کر دروازے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ نک وہاں منتظر تھا۔ رہبان
عالم شاہ ہولے سے مسکرایا تھا۔ پھر ہونٹ بھینچ کر اسے اندر آنے کی دعوت دی تھی۔

''مژگان! تمہارے مہمان ہیں۔'' اس نے وہیں سے آواز دے کر مژگان کو مخاطب کیا تھا
مژگان چونکتی ہوئی پلٹی تھی اور پھر نک کو اس گھڑی سامنے دیکھ کر یکدم ہی ہنس پڑی تھی
لمحہ بھر میں ہی رہبان عالم شاہ کے الفاظ سماعتوں میں تازہ ہو گئے تھے۔

''کیا ہوا؟'' نک سمجھ نہ پایا تھا۔

''نہیں...... کچھ نہیں۔'' مژگان فوراً ہی کچن سے نکل آئی تھی۔ ''بیٹھو تم۔ دراصل ابھی
لمحوں قبل تمہارا ہی ذکر چل رہا تھا۔ تم بہت لمبی عمر رکھتے ہو یقیناً۔'' مژگان ایک نگاہ رہبان
عالم شاہ پر ڈالتی ہوئی مسکرائی تھی جو اس گھڑی بہت بے تاثر سا نظر آ رہا تھا۔

مژگان نے اسے ایک نگاہ دیکھا تھا، پھر نک کے ساتھ لیونگ روم میں آ گئی تھی۔

''بہت اچھے وقت پر آئے ہو۔ ڈنر تیار ہے۔'' وہ مسکراتی ہوئی بولی تھی اور نک کی نگاہ
لمحے رہبان عالم شاہ پر جا ٹھہری تھی جو بہت بے تاثر انداز میں اس گھڑی ریسیور کان
لگائے کوئی نمبر ملا رہا تھا۔

''تم بیٹھو، میں جلدی سے ٹیبل لگاتی ہوں۔ ہاں، ایک اور اچھی خبر ہے۔ رہبان عالم
ہمارے ساتھ جانے کے لئے قدرے رضامند نظر آ رہا ہے۔''

''اوہ، یہ تو بہت ہی اچھی خبر ہے۔'' نک، رہبان عالم شاہ پر نگاہ ڈالتا ہوا مسکرایا تھا۔

رہبان عالم شاہ نے لائن ملنے پر مژگان کی طرف دیکھا تھا۔ ''مژگان! نمبر مل گیا ہے، تم
بات کر لو۔ میں ٹیبل لگاتا ہوں۔''

مژگان جاتے جاتے رک گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ پلٹ کر کچن کی جانب بڑھ گیا تھا۔

نک نے ایک ''مثالی میاں بیوی'' کو دیکھا تھا اور جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

✿......✿

اعصار شیخ نے شعاع سے فون پر جب سے بات کی تھی تب سے وجود شعلوں کی لپیٹ
میں تھا۔ اسے واقعی بے حد افسوس ہو رہا تھا۔ اس میں اتنا دم نہیں تھا کہ وہ شعاع کی نظروں کا
براہ راست سامنا کر سکتا یا اسے تسلی کے دو حروف کہہ سکتا۔

اسے واقعی گمان نہ تھا کہ اس کا ایک قدم کسی کی زندگی کو اس طور زک پہنچا سکتا ہے۔

اس نے کتنی دیر اِدھر اُدھر بھٹکنے میں لگا دی تھی۔

ساری ہمتوں کو مجتمع کرنے میں۔

سارے حوصلے سمیٹنے میں۔

زندگی کے لئے اس کی اپروچ بڑی Optimistic رہی تھی۔ اس نے کبھی دانستہ کسی کو
تکلیف پہنچانے کے متعلق سوچا بھی نہ تھا۔ مگر اس نادانستگی میں سرزد ہوئے اقدام نے اسے
بہت زیادہ شرمندگی سے ہمکنار کیا تھا۔

وہ کیسے سامنا کرتا چچی کی نظروں کا۔

کتنی نائس خاتون ہیں وہ۔ اتنا کچھ کرنے پر بھی انہوں نے کس قدر بلند حوصلے اور اعلیٰ ظرفی
سے بنا کچھ کہے قبول کیا تھا۔

اس نے تھک کر بالآخر گاڑی مطلوبہ راستے پر ڈال دی تھی۔

''کیا ہوا...... خیریت؟'' شعاع رات کے بارہ بجے اسے اپنے سامنے دیکھ کر یکدم ہی
پریشان ہو اٹھی تھی۔

اس نے بہت ہولے سے نفی میں سر ہلایا تھا، پھر دھیرے سے بنا کچھ کہے اسے خاموشی
سے تکتا ہوا گھٹنوں کے بل اس کے قریب ٹک گیا تھا۔

''شعاع! آئی ایم سوری۔'' وہ اگرچہ کہنا بہت کچھ چاہتا تھا، لیکن دوسرے ہی پل ہونٹ
بھینچ کر رہ گیا تھا۔ شاید کسی کا نقصان کر دینا اور پھر تلافی کے نام پر فقط معذرت کے الفاظ ادا

کر دینا کافی نہیں ہوتا۔ شعاع خاموشی سے اسے تکتی رہی تھی۔ تبھی وہ اسے دیکھ کر نظریں پھیر گیا تھا۔

"شعاع! بعض نقصانات ناقابل تلافی ہوتے ہیں۔ سو میں بھی ہیلپ لیس ہوں مگر....."

وہ جیسے بولتے بولتے تھک گیا تھا۔

شعاع اس کی جانب تکتی رہی تھی۔ پھر جانے کیوں دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

"تم دونوں ہی بے حد بے وقوف اور جذباتی واقع ہوئے ہو۔" وہ بہت مضبوط لہجے میں کہتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

وہی ہوئی ہے جو ہونی تھی
وہی ملا ہے جو لکھا تھا
دل کو یونہی رنج ہے ورنہ
تیرا میرا ساتھ ہی کیا تھا

"لڑکے! سنو، مجھے کوئی رنج نہیں ہے۔ یہی بات میں نے تمہاری زوجہ محترمہ کو بھی باور کرانے کی کوشش کی تھی۔ اور تم نے فون پر پوچھا تو تب بھی بات واضح کرنے کو تمہیں بتا دیا۔" شعاع نے بہت نارمل انداز میں مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"میں نہیں سمجھتی کہ میرا کوئی عظیم نقصان ہوا ہے۔ شاید ہمارا ساتھ اتنا ہی تھا۔ اس سے آگے کے تمام راستے واقعی بند تھے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا، آخر تم دونوں خود کو کیوں قصور وار سمجھتے ہو؟"

وہ خاموشی سے تکتا رہا تھا، پھر یکدم بولا تھا۔ "میں بات کروں گا فرحان حنیف سے۔ یہ کوئی بات نہ ہوئی۔ اچھے خاصے سمجھ دار شخص ہیں۔ ایسے بچگانہ فیصلے کرتے اچھے لگتے ہیں؟"

"نن...... نہیں۔ تم کسی سے بات نہیں کرو گے۔ کیونکہ میں ایسا نہیں چاہتی۔" شعاع نے اسے ایک نظر دیکھتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ "اعصار شیخ! میں ایک بات جانتی ہوں! آپ ضرور دوسروں کو اہمیت دیجئے، انہیں عزت دیجئے، توجہ دیجئے، محبت دیجئے، مگر اپنی اصل کہیں مت گنوائیے۔ جہاں آپ کی عزت ختم ہونے لگے، اپنی انا پر چوٹ پڑنے لگے، وہاں فوراً اپنی راہ الگ کر لیجئے۔ میں بہت کھری ہوں اس معاملے میں۔ ہر تعلق میں انا کو قائم و دائم رکھئے۔ تشخص، اپنے وقار کو کہیں مجروح مت ہونے دیجئے۔ ہاتھ پھیلانے سے فقط خیرات ملتی ہے اور محبت نہ تو خیرات ہے اور نہ ہی پھیلا ہوا ہاتھ۔"

اعصار شیخ اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر ہونٹ بھینچ کر دوسری سمت تکنے لگا تھا۔

"اس کے باوجود میں بہت شرمندہ ہوں۔"

شعاع نے ہاتھ بڑھایا اور اس کے بال لمحے بھر میں بکھیر دیئے۔ "تمہارے شرمندہ ہونے سے جب میرا کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا تو پھر تمہارے خالی خولی شرمندہ ہونے سے فائدہ؟" وہ یقیناً بات کو مزاح کا رنگ دے کر ٹالنا چاہ رہی تھی۔

اعصار شیخ نے فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔

تبھی وہ بہت سنجیدگی سے اس کا ہاتھ تھامتی ہوئی بولی تھی۔ "تم اس وقت میرا ایک کام کر سکتے ہو؟"

وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگا تھا۔ انداز سوالیہ تھا۔ شعاع بغور تکنے لگی تھی۔

"بس ادعیہ کا خیال رکھنا۔ اسے خوش رکھنا۔ بہت عزیز ہے وہ مجھے۔ ہے بھی تو بہت معصوم۔ وقتی طور پر ضد ضرور کرتی ہے مگر دوسروں کی غلطیوں کو جلد معاف کر دینے کا ہنر بھی رکھتی ہے۔ بہت بھولی ہے، میں نے کبھی اس پر بہت ذمے داریاں پڑنے نہیں دیں۔ سو وہ تھوڑی سی لاپرواہ ہے۔ مگر بہت زیادہ حساس ہے۔ سب سے بڑی بات، وہ کسی سے کبھی نفرت نہیں کر سکتی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھرپور خفگی کا اظہار ضرور کرتی ہے، خفا بھی ہوتی ہے۔ مگر یہ سب عارضی ہوتا ہے۔ تمہارا سب سے بڑا احسان مجھ پر یہی ہو گا۔ بس اسے کوئی دکھ مت پہنچنے دینا۔" شعاع نے بہت مدھم انداز میں اس کے ہاتھ کو تھام کر جیسے درخواست کی تھی۔

وہ کتنی ہی دیر فقط خاموشی کے ساتھ اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اپنا خیال رکھنا۔" شعاع نے بڑے پن سے کہا تھا۔ وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

"آپ بھی۔ میں صبح آؤں گا چچی جان سے ملنے۔"

"ضرور...... ساتھ ادعیہ کو بھی لیتے آنا۔" شعاع نے تاکید کی۔

"جی ضرور۔" وہ پلٹا اور باہر نکل آیا۔

✿......✿

سید وجاہت شاہ اپنے کمرے میں تھے جب اعیان شاہ نے دستک دے کر اندر جھانکا۔

"آ جاؤ بچے۔" وہ ایزی چیئر پر تھے۔ سینے پر کتاب دھری ہوئی تھی۔ یقیناً وہ مطالعے کا شوق فرما رہے تھے۔

"آپ بزی تھے چاچا؟" اعیان شاہ دھیرے سے مسکراتا ہوا ان کے قریب گیا۔

"ارے نہیں بچے! بڑھاپے میں انسان اور تو سب کچھ ہو سکتا ہے مگر بزی قطعی نہیں ہو

سکتا۔" وہ بہت دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے بولے تھے۔

"چھوڑیے چاچا جانی! آپ تو اس عمر میں بھی انتہائی فٹ فاٹ ہیں۔ اتنے تو آج کے نوجوان بھی نہیں ہوتے۔ بلیوی چاچا جانی! جب میں باہر تھا تو بڑی باقاعدگی سے پارک وغیرہ کا چکر لگاتا تھا۔ صبح میں جاگنگ بھی ہوتی تھی۔ گھڑ سواری بھی۔ مگر یہاں سارے شوق دھرے کے دھرے رہ گئے۔ اعیان شاہ نے کہا۔

"اس کے باوجود قابل رشک حد تک اسمارٹ اور ہینڈسم ہو ماشاء اللہ سے۔" سید وجاہت شاہ نے بھتیجے کو مسکراتے ہوئے ستائشی نظروں سے دیکھا تھا۔

"ارے ہاں چاچا جانی!" وہ مسکرا دیا تھا۔ "آپ رہبان بھائی کو دیکھیں تو حیران رہ جائیں گے۔ ماشاء اللہ، کیا فزیک ہے ان کی۔ میرے شانوں سے ڈبل شولڈر ہیں ان کے اور یہ مجھ سے بھی نکلتا ہوا قد۔" اعیان نے مسکراتے ہوئے کہا تو چاچا مسکرا دیئے۔

"بہت ارمان ہے مجھے اسے دیکھنے کا، ملنے کا۔ بھابی بتا رہی تھیں ہماری بہو بہت اچھی ہے۔"

"ہاں، اس میں شک نہیں، مژگان بھابی کمال کی خاتون ہیں۔ آپ حیران رہ جائیں گے چاچا جانی ان کو دیکھ کر۔ آپ جانتے ہیں ان کا سارا وقت برٹین میں گزرا ہے، مگر اس کے باوجود ان میں نخرہ نام کو نہیں۔ سادگی اس قدر کوٹ کوٹ کر بھری ہے کہ گمان تک نہیں ہوتا کہ اتنی نوبل فیملی کی اکلوتی بیٹی ہیں۔ آپ ملیں گے تو یقیناً بہت خوش ہوں گے۔ ایسا جیون ساتھی بھی بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ اور ان دونوں کا کپل بہت شاندار ہے۔"

"کب آئیں گے وہ دونوں؟"

"کل رات فون پر بات تو ہوئی تھی۔ میں نے آپ کی آمد کے متعلق بتا دیا تھا۔ بس آ جائیں گے۔"

"کون آ رہا ہے بھئی؟" تبھی اماں دودھ کا گلاس لئے کمرے میں داخل ہوئیں تو وہ دونوں چونک کر دیکھنے لگے تھے۔

"بھابی! ہم رہبان بیٹے کی بات کر رہے تھے۔"

"ہاں، میرا بھی بہت جی اداس سا ہے۔ اپنی بہو کے بغیر تو بہت زیادہ۔ ہے بھی بہو رانی ایسی اچھی۔" اماں کو تصور میں ہی مژگان پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

"اماں! میں چاچا جانی کو ابھی ان کے متعلق ہی بتا رہا تھا۔" اعیان بولا۔ تبھی وہ سر ہلاتی ہوئی بولیں۔

"میں تو سو باتوں کی ایک ہی بات کہوں گی، لڑکی ہیرا ہے۔ جانتے ہو کس قدر پریشان تھے تمہارے بھائی جی اور میں۔ پتہ نہیں کیسی لڑکی ہو گی، کس خاندان سے تعلق ہو گا، کیسا حسب نسب ہو گا۔ مگر اس نے سارے خدشوں پر پیار کا پوچا پھیر دیا۔ میں تو دعا مانگوں گی، خدا سب کو ایسی بہو دے۔"

"آمین!" اعیان نے فوراً ہی لقمہ دیا۔

اماں حیران ہو کر دیکھنے لگیں۔ تبھی وجاہت چاچا مسکرا دیئے۔ اماں نے کچھ کچھ سمجھتے ہوئے اسے ہولے سے ایک چپت لگائی۔ وہ مسکرا دیا۔ تبھی وہ پلٹ کر دودھ کا گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھتی ہوئی بولیں۔

"یہ دودھ رکھ رہی ہوں وجیہہ! یاد سے پی لینا۔ اور اعیان! جلدی سے اپنے کمرے میں چلو۔ صبح پھر جلدی اٹھا دیں گے تیرے ابا جی تجھے۔"

اعیان مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کام کی دھن سوار ہے، بچے کی صحت کی کوئی فکر نہیں۔" یقیناً وہ اس گھڑی ابا جی کی شان میں قصیدہ خوانی کر رہی تھیں۔

سیّد وجاہت شاہ مسکرا دیئے تھے۔

✿......✿

کئی دن سے خاصا سکون تھا۔ حالانکہ سیو کا دل مکمل طور پر ڈرا ہوا تھا۔ اکبر بہت غصے والا تھا۔ اگرچہ اپنے سر پر ہاتھ رکھوا کر اس نے قسم تو اٹھوا لی تھی، وعدہ بھی لے لیا تھا مگر وہ جانتی تھی وہ باز قطعی نہیں رہے گا۔ ایک اکلوتا تو ویر تھا اس کا۔ کچھ بھی تھا، وہ لڑتی جھگڑتی بھی تھی مگر پیار بھی تو کتنا کرتی تھی۔

اور اکبر بھی تو کتنا چاہتا تھا اسے۔

وہ جانتی تھی ساری ظاہری ڈانٹ ڈپٹ فقط انہی حالات کے پیش نظر تھی۔ پہلے وہ اتنی باشعور نہ تھی، اتنی سمجھدار نہ تھی۔ مگر اب سارے اسرار و رموز سمجھنے لگی تھی۔ اکبر اسے کس لئے باہر نکلنے سے منع کرتا تھا۔ کیوں بلاوجہ سہیلیوں کے ساتھ گھومنے پھرنے نہ جانے دیتا تھا۔ اب وہ بخوبی سمجھ رہی تھی۔

غریب کسی سے نہیں ڈرتا، فقط اپنی عزت سے ڈرتا ہے۔

کتنے دن تک اسے دھڑکا لگا رہا تھا۔ کتنی پریشان رہی تھی وہ۔

سب نے بارہا پریشانی کی وجہ جاننا چاہی تھی۔ بے بے نے، چاچے نے۔ مگر اس نے

بہت سہولت سے ٹال دیا تھا۔

مگر جب بہت سارے دن آرام سے گزر گئے تو اس نے سکھ کا گہرا سانس لیا تھا۔ اس نے جان لیا تھا کہ اس کے ویر نے اس کے کہے کا مان رکھا تھا۔ کوئی گڑبڑ نہیں کی، فقط سلیقے سے سمجھا دیا ہوگا۔

وہ معروف بھی تو ان دنوں بہت ہوگیا تھا۔ وقت ہی نہ ملتا تھا بات کرنے کا۔ ... آتا تو اتنا تھک چکا ہوتا کہ بس کھانا کھاتا اور سو جاتا۔ وہ پہلے پہل تو باہر نکلنے سے بھی ... تھی، مگر پھر آہستہ آہستہ زندگی معمول پر آ گئی۔ اور ان دنوں تو وہ بغیر کسی خوف و خطر ... پھرنے لگی تھی۔ ہر جگہ آنے جانے لگی تھی۔ بلّو کی دوبارہ قطعی ہمت نہ ہوئی تھی اس کی روکنے کی۔

"نی اڑیے! اس بلّو وچارے کو تو چپ ہی لگ گئی۔" چھینو نے گہرے تاسف کا اظہار ... تھا۔ مگر اس نے سنی ان سنی کر دی تھی۔

"گل سن، تجھے اس کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ دل کا برا نہیں۔" گو ... طرف داری کی تھی۔

وہ تپ گئی۔ "دل کا برا نہیں تو پھر پھڑ لو اس کی بانہہ۔ مجھ سے اس کی بابت دوبارہ بات مت کرنا۔ ورنہ دوبارہ کبھی نہیں ملوں گی تم لوگوں سے۔" سیو نے صاف انداز میں دھمکی دی۔ وہ حیران سی تکنے لگیں۔

"اپنے ویر، چاچے کی پگ نہیں اچھلنے دوں گی میں۔ تم لوگوں کی بے وقوفی کے ... ایک بار پہلے ہی بات بگڑ گئی۔ اب یہ نوبت قطعی نہیں آنے دوں گی۔" وہ دوٹوک کہتی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

کتنا مان ہوتا ہے نا بھائیوں کا۔ وہ پگڈنڈی پر چلتی جا رہی تھی اور سوچتی جا رہی تھی۔ اچانک ہی بلّو راہ میں آن رکا۔ وہ یکدم ہی ساکت سی رہ گئی۔ قدم جہاں تھے، وہیں جم ... دوپٹے کا کونا اس نے منہ میں دبا لیا۔ کوشش کے باوجود وہ چہرے سے ہراساں نظر آنے ...

"دیکھو، ڈرو مت...... مجھ سے ڈرو مت۔" بلّو نے ہاتھ اٹھا کر کہتے ہوئے جیسے ... منت کی۔

وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔ اس وقت کوئی آس پاس نہ تھا۔ اس کا دل ڈوبنے سا لگا تھا۔

بلّو نے اسے بغور دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی اور نرمی سے گویا ہوا تھا۔

"میں کوئی غلط شخص نہیں ہوں۔ تمہاری دل سے عزت کرتا ہوں۔ میری بات ...

کوشش کرو۔ میں تمہیں کوئی نقصان قطعی نہیں پہنچانا چاہتا۔ تم مجھے بھی بہت عزیز ہو۔ میں تو بس تمہیں باعزت طریقے سے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں۔ یوں راہیں روک کر کھڑے ہونا اور ملنا مجھے بھی اچھا نہیں لگتا۔ اگر تم راضی ہو تو میں باعزت طریقے سے رشتہ دے کر اپنے بزرگوں کو تمہارے بے بے اور چاچا کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں۔ دیکھو...... دیکھو انکار مت کرنا۔" وہ اک آس سے سیو کی جانب دیکھ رہا تھا۔ وہ یکدم ہی نگاہ پھیر گئی تھی۔

"میں تم سے کوئی بھی تعلق نہیں باندھنا چاہتی۔ بس اتنی عرضی مان لو، اگر تمہیں واقعی میری عزت کا خیال ہے تو آئندہ یوں میری راہ میں مت آنا۔ مجھے سرِ راہ روکنے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ اکبر سے تم واقف ہو۔ پہلی بار تو اس نے فقط زبانی سمجھایا تھا، اب میرے ٹوٹے کر کے دریا میں بہا دے گا یا پھر تندور کا بالن کر دے گا۔ اس کے غصے سے تم واقف نہیں۔ اپنا وقت یہاں برباد مت کرو۔ سیو تمہیں نہیں چاہتی۔" وہ کہہ کر دوسرے ہی پل تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی۔ اور بلّو اس دھانی آنچل والی لڑکی کو تکتا رہ گیا تھا۔

✿......✿

دادی اماں کی برتھ ڈے تھی۔ اسے اتفاقاً یاد تھی۔ سو جس دن کوچنگ سے سیلری ملی، وہ اس سے اگلے دن عوامی مرکز چلی گئی اور جب خاصی تگ و دو کے بعد گفٹ منتخب کر کے باہر نکلی تو تبھی اس شخص سے ٹکرا گئی۔ جانے کہاں سے آ گیا تھا وہ یہاں پر۔

اعصار شیخ خشمگیں نظروں سے اسے دیکھے جا رہا تھا اور وہ نگاہ پھیر کر بے تاثر نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی انداز میں اس نے وہاں سے نکل جانا چاہا تھا مگر تبھی اعصار شیخ نے اس کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا تھا اور اسے لے کر باہر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

ادعیہ کچھ سمجھ ہی نہ پائی تھی، بس اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی۔

اعصار شیخ بنا اردگرد کی پرواہ کئے اسے کھینچتا جا رہا تھا۔

وہ کچھ بولنے کا قصد نہ کر سکتی تھی کہ اتنے ہجوم میں مذاق بننے اور بے عزت ہونے کا اس کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ شاید تبھی "زبان بندی" کیے اس گھڑی اس کے ساتھ چلتی چلی جا رہی تھی۔

اعصار شیخ نے اسے گاڑی کے قریب رک کر ایک ہاتھ سے اس کے ہاتھ تھام رکھ کر دوسرے ہاتھ سے گاڑی کا لاک کھولا تھا جیسے اگر اس کا ہاتھ چھوڑا تو وہ بھاگ جائے گی۔

اردگرد کے لوگ عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ادعیہ سر جھکائے جیسے زمین میں گڑی جا رہی تھی۔

اعصار شیخ نے دروازہ کھول کر اسے اندر بٹھایا تھا اور پھر دوسری طرف سے گھوم کر

ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا تھا۔ ادعیہ نے اس کے چہرے پر نگاہ کی تھی۔ وہ بنا اس کی جانب دیکھے بہت رش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔

وہ قطعی طور پر اس سے مخاطب نہیں ہونا چاہتی تھی۔ مگر اتنا وہ جان گئی تھی کہ اس لمحے اسے عوامی مرکز میں دیکھ کر یقیناً اس کے تخریب کار ذہن نے کچھ اچھا اخذ نہیں کیا تھا۔ وہ اسے شک کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے کردار پر شک کر رہا تھا۔

وہ قطعی کوئی صفائی پیش کرنا نہیں چاہتی تھی۔ تبھی یونہی زبان تالو سے چپکائے کھڑکی کی جانب چہرہ کیے باہر تکتی رہی تھی۔

اعصار شیخ نے گاڑی گھر کے پورچ میں کھڑی کی تھی اور پھر اسے اسی طرح کھینچتا اپنے کمرے تک لے گیا تھا۔ گھر کے کتنے لوگوں نے یہ منظر دیکھا تھا۔ کمرے میں آ کر اس نے اسے بیڈ پر پٹخا تھا، تبھی وہ پھٹ پڑی تھی۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ؟''

''بدتمیزی نہیں ادعیہ شیخ! اسے ''حفظ ماتقدم'' کہتے ہیں۔ تم میری ناموس ہو۔ اور میں نہیں چاہتا کہ میری ناموس یوں خوار ہو۔'' اس کا لہجہ سلگتا ہوا تھا۔

وہ غصے سے کھولتی ہوئی پلٹی تھی۔ ''جب تمہیں مجھ سے کوئی غرض نہیں، کوئی واسطہ نہیں تو پھر کیوں رچاتے ہو یہ دکھاوے کے ڈھونگ؟'' ادعیہ کا انداز تپا دینے والا تھا۔ وہ بہت ضبط سے دیکھنے لگا تھا۔

''دیکھو ادعیہ بیگم! میرا ضبط مت آزماؤ۔ تم جانتی ہو میں کس حد تک جا سکتا ہوں۔''

وہ شدید ترین ضبط کے ساتھ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ ''خالی ہو تم...... خالی ہو اندر سے کھوکھلے انسان!'' آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھرتی چلی گئی تھیں۔ ''مگر میں تمہیں کسی شے کا یقین دلانا نہیں چاہوں گی۔ نہ ہی مجھے کوئی تقریب اعتبار منعقد کرنے کی ضرورت ہے۔'' پانی بند توڑ کر یکدم پلکوں سے باہر نکل آیا تھا۔ ''کیونکہ میں جانتی ہوں میں صحیح ہوں۔ پلیز مجھے اپنے معاملات سے الگ کر دو۔'' وہ بولی تھی اور پھر پلٹ کر دوسرے ہی پل واش روم میں گھس گئی تھی۔

اعصار شیخ تنتناتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

❁......❁

سید وجاہت شاہ کوریڈور میں تھے، جب بھابی جی کے کمرے سے اس نازک اندام لڑکی کو نکلتے دیکھا۔ لڑکی یقیناً کسی اور فرد کی موجودگی سے بے خبر تھی، تبھی بہت ہولے ہولے قدم

اٹھاتی چل رہی تھی۔

سید وجاہت شاہ اسے پیچھے سے چلتے ہوئے دیکھتے رہے تھے۔ تبھی وہ دائیں جانب مڑی تھی۔ اس کا چہرہ اس گھڑی بے حد واضح ہو رہا تھا۔ وہ وہی تھی...... اسی روز والی لڑکی۔

وہ دیوانہ وار لپکے تھے۔

''سنو لڑکی!'' انہوں نے بھاری لہجے میں پکارا تھا۔ لڑکی یکدم ہی چونک کر رکی تھی۔ اس شخص پر نگاہ پڑی تھی اور پھر دوسرے ہی پل وہ چہرے کو اپنے سیاہ آنچل میں چھپاتی دوسرے ہی پل دوڑتی چلی گئی تھی۔

''اے لڑکی!'' سید وجاہت شاہ نے آواز دینے کے لئے ہاتھ کا سہارا بھی لیا تھا مگر ہاتھ یونہی فضا میں معلق رہ گیا تھا۔ اور وہ خوفزدہ سی لڑکی دوڑتی ہوئی غائب ہو گئی تھی۔

سید وجاہت شاہ کتنی ہی دیر وہیں ستون کے ساتھ لگے کھڑے رہے تھے۔

❁......❁

''دیکھو بچے! جو تم کر رہے ہو نا، وہ قطعی طور پر مناسب نہیں۔ تمہیں ایسا رویہ قطعی طور پر زیب نہیں دیتا۔ وہ بن باپ کی یتیم بچی ہے۔ آہ مت لو اس کی۔ یتیموں کی آہ ساتویں آسمان تک جاتی ہے۔'' دادی اماں نے اعصار شیخ کو تیزی سے سامان پیک کرتے دیکھ کر کہا تھا۔ مگر وہ جیسے سنی ان سنی کر گیا تھا۔

''میں تم سے کہہ رہی ہوں۔ سن رہے ہو تم؟'' دادی اماں نے سلگ کر کہا تھا۔ ''سوچ لیا تھا میں نے، تم سے اب اس بابت سرے سے کوئی بات ہی نہ کروں گی۔ مگر میں چاہوں بھی تو شاید خود کو اس معاملے سے الگ نہیں رکھ سکتی۔ کیونکہ شاید میں خود غرض نہیں بن سکتی دیگر لوگوں کی طرح۔'' دادی اماں اسے لتاڑتی چلی گئیں۔

وہ یکدم رک گیا۔ ''دادی اماں! کوئی معصوم اور بے چاری وچاری نہیں ہیں وہ محترمہ۔ اور یہ یتیم وغیرہ کہہ کر آپ قطعی مجھے بلیک میل مت کریں۔ آپ جانتی ہیں میں نے بہت حد تک نباہ کرنے کی کوشش کی اور اب بھی وہ فقط اس لئے میرے حوالے سے اس گھر میں موجود ہے کہ میں آپ کو اور چچی جان کو کوئی دکھ دینا نہیں چاہتا۔''

''اے بچے! بڑی مہربانی ہے تمہاری۔ کرم ہے تمہارا۔ ورنہ تو شاید آسمان ٹوٹ پڑتا اس یتیم کے سر پر۔'' دادی اماں نے بھرپور انداز میں طنز فرمایا۔ ''اس گھر کے مکینوں کے دل سے تو رحم ہی اٹھ گیا ہے۔ آخر کو تم بھی اس راہ پر ہی چل پڑے جس پر تمہاری ماں تمہیں لے جانا چاہتی تھی۔ گرا دیا نا بالآخر تم نے اسے سب کی نگاہوں سے۔ اس کا قصور آخر کیا تھا؟ یہی نا

کہ وہ تم پر انحصار کئے ہوئے ہے، تمہاری پناہ کی متقاضی ہے، تم سے جڑے رہنا اس کی مجبوری ہے۔'' دادی اماں نے جتایا۔

''یہی...... یہی بات وہ بھی کئی بار کہہ چکی ہے۔ جتا چکی ہے کہ میرے سنگ رہنے کا اسے کوئی ارمان نہیں۔ یہ تو بس فقط مجبوری ہے۔ اسے اپنی آزادی درکار ہے۔ آزادی سے پیار ہے۔ وہ نام نہاد بندھنوں اور تعلقات میں بندھنا نہیں چاہتی دادی اماں! آپ خواہ مخواہ کی طرف داری مت کریں۔ وہ محترمہ اپنی جنگ بہت بھرپور انداز میں لڑنے کی بھرپور سکت رکھتی ہیں۔'' اعصار شیخ نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے دادی اماں کو دیکھا اور دوبارہ سے جھک کر سامان بیگ میں بھرنے لگا۔ دادی اماں تھک کر اسے دیکھنے لگیں۔

''ایسا آخر کب تک چلے گا؟ ایک طرف تمہاری ماں اسے قبول کرنے کو تیار نہیں۔ دوسری طرف تم اسے نظر انداز کئے جا رہے ہو۔ اور......''

اس نے تیزی سے دادی اماں کی بات یکدم ہی کاٹ ڈالی۔ ''دادی اماں! ان موصوفہ کو میرے التفات سے کوئی سروکار نہیں۔ نہ ہی انہیں میری توجہ درکار ہے۔ آپ کیوں یقین نہیں کر لیتیں؟'' وہ پھر سے بیگ کی جانب متوجہ ہو گیا۔ پھر جیسے خود کلامی کرتے ہوئے بولا۔

''مجھے لگتا ہے، میں نے فقط یکطرفہ سفر طے کیا۔ مجھے کوئی بھی قدم اٹھانے سے قبل کسی کو اپنا ہم خیال ضرور بنا لینا چاہئے تھا۔ اس سے کم از کم یہ ضرور ہوتا کہ آپ کے سر کوئی الزام نہیں آتا۔ یہاں معاملہ یہ ہے کہ میں نے ہی بویا تھا اور میں ہی کاٹ رہا ہوں۔''

دادی اماں اسے خاموشی سے تکتی جا رہی تھیں۔

وہ یکدم جیسے تھک کر رک گیا۔ سب کچھ اس جگہ ویسا ہی چھوڑ دیا۔

پھر اسی طور ہولے سے چلتا ہوا دادی اماں کے قریب آن رکا۔ کچھ دیر انہیں تکتا رہا اور پھر دھیرے سے ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

''دادی اماں! آپ فقط میری ہی خطاؤں پر نگاہ مت رکھیں، دوسرے فریق کی غلطیوں پر بھی تو نظر کریں۔'' اس کا انداز بہت دھیما تھا اب کے۔

''اس کی غلطیوں کو کیا دیکھوں۔ اس نے تمہاری ماں کی جان بچائی تو کیا یہ اس کا جرم ہو گیا؟ اپنی پڑھائی کی غرض سے خود کو شادی کے ہنگاموں سے دور رکھا، تمہاری فرمائشوں کو رد کیا تو کیا وہ اس کا جرم ہو گیا؟ یا پھر میری سالگرہ پر اپنے پیسوں سے میرے لئے گفٹ لینے چلی گئی، یہ اس کا گناہ ہو گیا۔ اس کی کیا ذمے داری تم نے آج تک پوری کی؟ اسے کبھی پوچھا کہ اسے کس شے کی ضرورت ہے اور کس شے کی نہیں۔ اس کے پاس کیا ہے اور کیا نہیں۔''

پیسے کہاں سے لیتی ہے۔ اس کی تمہیں فکر نہ ہوئی۔ وہ خریداری کرتی پائی گئی، یہ بات تمہاری عزت کے لئے تازیانہ بن گئی۔ کوئی حق پورا نہ کیا اور خواہ مخواہ حق جتانے چل پڑے۔ بچے! انسان ہے وہ۔ کوئی قلعہ یا علاقہ تو نہیں کہ پرچم گاڑ دینے سے تمہارے نام ہو گیا۔ یہ تعلقات بہت سی چیزوں کے متقاضی ہوتے ہیں۔ ان میں انا نہیں چلتی، ضد نہیں چلتی، ہٹ دھرمی نہیں چلتی۔ گھر بسانے ہوں تو محبت کا گارا وافر مقدار میں درکار ہوتا ہے۔ یوں ''نہیں تو نہ سہی'' والی پالیسی کارگر نہیں ہو گی اس معاملے میں۔ کچھ دیر درگزر سے کام لینا پڑتا ہے۔ کچھ ایثار کرنا پڑتا ہے۔ تب کہیں جا کر گھر بنتے ہیں، بستے ہیں۔ کسی سے محبت جتا کر اسے گھر سے بے گھر کر کے، سارے سماج کے سامنے بے عزت کر کے، ذلیل و خوار کر کے گھر نہیں بنتے۔ اس طرح تو فقط ٹوٹتے ہیں گھر۔ اور یہاں یہی ہو رہا ہے۔'' دادی اماں نے بول کر ایک گہری سانس خارج کی۔

تبھی وہ چہرے کا رخ پھیر کر گویا ہوا۔ ''میں نے جہاں تک تعاون کرنا تھا، کر چکا۔ بہت کچھ گنوا چکا ہوں۔ اب مزید نہیں گنوا سکتا۔ مجھ سے اب مزید کوئی ایثار نہیں ہو سکتا۔''

''تبھی تم دل لگانے کے بہانے ڈھونڈنے لگے؟'' دادی اماں یقیناً اب تک سب کچھ بہت خاموشی سے دیکھ رہی تھیں، آج آخر کار بول ہی پڑیں۔

''یہ میرا حق ہے۔ آخر کو انسان ہوں دادی اماں! میرا بھی دل چاہتا ہے چند گھڑیاں نشاط کی کاٹنے کو۔ اور اس میں برا ہی کیا ہے۔ آپ تو جانتی ہیں، میں ہمیشہ سے ہی ایسا ہوں۔ خوش رہنا چاہتا ہوں اور دوسروں کو خوش رکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ خفیف سا مسکرایا تھا۔

دادی اماں اسے خاموشی سے دیکھتی رہی تھیں، پھر یکدم نفی میں سر ہلانے لگی تھیں۔ ''تم سے بات کرنا فضول ہے اعصار شیخ! تم اب سمجھنے اور سمجھانے کی منزل سے نکل چکے ہو۔ بچے جب خود سر ہو جائیں تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے۔'' وہ وہیل چیئر گھسیٹتی ہوئی کمرے سے نکلتی چلی گئی تھیں۔ اور اعصار شیخ خاموشی سے وہیں پر گھٹنوں کے بل بیٹھا تا دیر اسی طرف تکتا چلا گیا۔

تبھی وہ کمرے کے اندر داخل ہوئی تھی۔ یونیورسٹی سے لوٹی تھی۔ ایک شدید ترین تھکان چہرے پر تھی۔ اس گھڑی وہ وہیں بیٹھا تھا۔ بالکل اسی طرح، اسی انداز میں، گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوا۔ مگر وہ جیسے نظر انداز کرتی قریب سے گزرتی چلی گئی۔

اعصار شیخ اٹھ کھڑا ہوا تھا اور چلتا ہوا الماری کی طرف آیا تھا۔

تبھی وہ سائیڈ ٹیبل پر بیگ اور فائل رکھنے کے بعد واپس مڑی تھی جب یکدم ہی وہ اس شخص سے ٹکرا گئی تھی۔ دونوں ہی بلا ارادہ ایک دوسرے کو سر اٹھا کر دیکھنے لگے تھے۔

اعتبار، اعتبار!
روز و شب کے تسلسل کی
اِک دُھند ہے
جس میں ہم تم
کھڑے ہیں، کسی موڑ پر
ڈور تھامے ہوئے
خواب سوچے ہوئے
اعتبار، اعتبار

ادعیہ بے تاثر انداز میں چہرے کا رخ پھیر کر دوسری جانب تکنے لگی تھی۔ اعصار شیخ بھی چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

دونوں اجنبی بنے ایک دوسرے کے سامنے کھڑے تھے۔

لمحے چپ چاپ سرکتے جا رہے تھے۔

ان کہے رفت کار
ان کہا درد ہے
رنج کی ڈور ہے
رنج کی ڈور کا اک سرا
دُھوپ ہے
اِک سرا چھاؤں ہے
جس کے اک پار تو
جس کے اک پار ہم
اعتبار، اعتبار

دونوں ہی شاید ایک دوسرے کے پہلے وہاں سے ہٹنے کے منتظر تھے مگر دونوں ہی انا گھڑی ہارنے کو تیار نہ تھے۔ کون کہہ سکتا تھا کل ان کے بیچ محبت بولتی تھی۔

کوئی معتبر حوالہ تھا۔

وہ جو نا آشنائی کی ڈور میں الجھے چپ کھڑے تھے۔ سرد مہری جن کے رویوں میں بول رہی تھی، کل وہ چاہت کی زبان جانتے تھے، محبت کی باتیں کرتے تھے۔ مگر آج ہر عکس دُھندلا سا گیا تھا۔

دونوں نے ایک ساتھ لاک پر ہاتھ دھرا تھا اور اسی طور چونک کر ایک دوجے کو دیکھا تھا۔ نظریں لمحہ بھر کو ملی تھیں اور پھر یکدم ہی ادعیہ پلٹ کر چلتی ہوئی واش روم میں گھس گئی تھی۔

اور اعصار شیخ اس بند دروازے کو تکتا رہا تھا۔

✿......✿
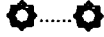
''ہنی! مجھے لگتا ہے تمہارے ہزبینڈ کو میرا یہاں آنا، تم سے ملنا جلنا، سب کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔'' نک نے بہت مدھم لہجے میں کہا تھا۔ اور وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل سرنفی میں ہلانے لگی تھی۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟'' اس کا لہجہ بے یقین تھا۔ پھر دوسرے ہی پل وہ سر جھٹکتی ہوئی مسکرائی تھی۔ ''تمہیں وہم ہو رہا ہے۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔'' وہ کچھ سوچتی ہوئی پلٹی تھی اور یونہی بیگ کھول کر نئے سرے سے ہر شے کو چیک کرنے لگی تھی۔

''ہنی! تمہیں خود کو دھوکے دینا کیوں اچھا لگتا ہے؟'' پشت پر بیٹھا ہوا وہ شخص انتہائی پُراعتماد انداز میں مسکرایا تھا جیسے وہ اس کی کیفیت سے مکمل طور پر محظوظ ہو رہا تھا۔

مژگان لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔ پھر جیسے خود کلامی کے سے انداز میں بولی تھی۔ ''دھوکہ ہی تو نہیں دینا چاہتی خود کو۔'' اس کا لہجہ دھیما تھا۔ مگر نک جانے کیوں بھرپور انداز میں مسکرا دیا تھا۔

''ایک بات بتاؤں تمہیں ہنی! بعض اوقات بہت سے دھوکے ہمیں کھا لینے چاہئیں۔ کیونکہ بعض اوقات بہت سے دھوکے ہم نادانستگی میں کھا ہی رہے ہوتے ہیں۔ پھر کچھ دھوکے دانستگی میں کیوں نہیں۔''

اور مژگان یکدم چونک کر مڑی تھی۔ وہ تو بہت مدھم لہجے میں بولی تھی، پھر اس شخص تک کیسے اس کی آواز پہنچ گئی تھی۔ وہ شاید اس کی نظروں کی حیرت کو پڑھ گیا تھا تبھی ہولے سے بولا تھا۔

''تم یقین نہیں کرتی ہو، مانتی نہیں ہو، مگر ہنی! یہ سچ ہے تمہارے معاملے میں میرا ہر عضو کان ہے۔ ہر عضو آنکھ ہے اور ایسا دانستہ نہیں ہے۔ میں آپ نہیں جانتا، مگر ایسا ہے۔'' نک کا لہجہ نظرانداز کیے جانے کے قابل کب تھا؟ کتنی دیوانگی تھی۔ کتنا پاگل پن تھا۔

وہ یکدم ہی رخ پھیر کر سوٹ کیس پر جھک گئی تھی۔ پھر بہت ہولے سے بولی تھی۔ ''تم نے اپنی ساری چیزیں چیک کر لی ہیں نا؟ وہاں بہت ٹھنڈ ہو گی۔ آج کل تو پھر بارشوں کا متواتر سلسلہ بھی جاری ہے۔ یہاں کے شمالی علاقوں کے موسم کا کوئی اعتبار نہیں۔'' مژگان نے

سرے سے موضوع بدلنا چاہا تھا۔

"میں ہمیشہ ایک بات سوچتا ہوں ہنی! اور ہر بار حیران رہ جاتا ہوں۔ جانے مجھے کیوں موسم کے سبھی تیور، محبوب کے تیوروں سے لگتے ہیں۔ کیا تمہیں ایسا نہیں لگتا؟" وہ بہت پُراعتماد انداز میں دریافت کر رہا تھا اور مژگان کے پاس جیسے اس ضمن میں کوئی جواب نہیں تھا۔ تبھی وہ رخ پھیرے جانے سوٹ کیس میں کیا تلاشتی رہی تھی۔ وہ اسے چند ثانیوں تک یونہی دیکھتا رہا تھا۔ پھر اٹھ کر چلتا ہوا کھڑکی کے پاس جا رکا تھا۔

تبھی وہ بولی تھی۔ "تمہیں میں ایک بہت اچھی جگہ بھی لے جاؤں گی جو میری دیکھی ہوئی ہے اور بہت دلفریب ہے۔" وہ ایک بار پھر موضوع بدلنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ تبھی مسکراتی ہوئی بولی تھی۔ مگر نک بالکل بھی نہیں چونکا تھا۔ نہ ہی اس لمحے کسی حیرت کا اظہار کرتا ہوا اسے تکتا ہوا کوئی استفسار چاہ رہا تھا۔ وہ اسی طور کھڑکی کے سامنے نہایت دلجمعی سے باہر کا منظر دیکھنے میں مشغول تھا۔

مژگان نے پلٹ کر اسے دیکھا تھا، پھر اپنی بات مکمل کرتے ہوئے بولی تھی۔ "تم جانتے ہو، وہ جگہ کیا ہے؟ کہاں ہے؟" مژگان نے تجسس پھیلانے کا ارادہ ترک نہیں کیا تھا۔

وہ اسی جانب تکتا ہوا بہت رسانیت سے مسکرا دیا تھا۔ "ہنی! تم جس راہ پر کہو گی، میں آنکھیں بند کر کے چل دوں گا۔ جس سمت اشارہ کرو گی، وہ میرے لئے معتبر ہو جائے گی۔ میرے لئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ تم اس گھڑی میرے ساتھ ہو گی، ہم قدم ہو گی۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر کوئی احساس نہیں۔"

مژگان نے وہیں سے اس پر نگاہ کی تھی، پھر جیسے تھک کر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ "میں تمہیں گاؤں لے کر جاؤں گی۔ رہبان عالم شاہ کے گاؤں۔"

"یعنی تمہاری سسرال؟" وہ یکدم ہی مسکرا دیا تھا۔ اور مژگان خاموشی کے ساتھ سر جھکا گئی تھی۔ تبھی وہ کھڑکی سے باہر بغور تکتا ہوا گویا ہوا تھا۔

"ایک بات بتاؤ ہنی! تمہیں اس شخص کے ساتھ ایک خوشحال زندگی گزارنے کا ڈرامہ کر کے کیسا محسوس ہوتا ہے؟" وہ یقیناً چھیڑ رہا تھا۔ مگر مژگان کے دل پر جیسے یکدم ہی کوئی بھاری بوجھ آن گرا تھا۔ وہ وہیں ساکت سی بیٹھتی چلی گئی تھی۔ انداز بہت شکست خوردہ تھا۔

تبھی نک پلٹا تھا اور مکمل اطمینان کے ساتھ مسکراتا ہوا اس کی جانب تکنے لگا تھا۔

"کبھی کبھی یہ احساس بہت جان سلگانے والا ہوتا ہے کہ جن کے ساتھ ہم ہوتے ہیں، درحقیقت ان کے ساتھ ہوتے نہیں۔ اور جن کے ساتھ ہونا چاہتے ہیں، ان کے ساتھ ہو نہیں

سکتے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے، میں نہیں جانتا سویٹی۔ مگر ایسا ہوتا ضرور ہے۔"

پتہ نہیں وہ اس کی اہمیت بڑھا رہا تھا، اس کے کسی زخم پر مرہم لگا رہا تھا، ہمدردی کے پھاہے رکھ رہا تھا، افسوس کر رہا تھا یا پھر فقط تجزیہ کر رہا تھا۔ یا پھر طنز کر رہا تھا۔

وہ بہت خاموشی کے ساتھ سر اٹھا کر اسے تکنے لگی تھی۔ مگر اس گھڑی وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔

"زندگی کے فیصلے کبھی طے شدہ نہیں ہوتے۔ سب کچھ ہم خود کرتے ہیں، خود طے کرتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود پچھتاوے ہم سے دامن گیر رہتے ہیں۔ شاید مطمئن ہونا اور نظر آنا دو الگ الگ کیفیات ہیں، کسی کے ساتھ ہونا اور نظر آنا دو الگ الگ کیفیات ہیں۔ ہم جانے کیوں دوغلی زندگیاں بسر کرنے کے عادی رہتے ہیں۔" نک مدھم لہجے میں بول رہا تھا۔

اور جانے کس احساسِ تذلیل کے تحت، کون سے درد کے تحت مژگان کی آنکھوں میں ڈھیروں پانی آن جمع ہوا تھا۔

وہ چپ چاپ ایک سمت تکتی جا رہی تھی۔

نظر اس گھڑی ساکت تھی جیسے وہ واقعی خود کو بہلاتی بہلاتی تھک گئی تھی۔

گھنی پلکوں کی باڑھ پھلانگ کر آنسو بہت خاموشی سے اپنا سفر طے کرنے لگے تھے۔ ایسا جانے کیوں ہوا تھا۔

مگر واقعی اس گھڑی مژگان نواز سومرو خود پر کوئی بند نہ باندھ سکی تھی، یا پھر اندر گھٹن بے حد بڑھ گئی تھی۔ شدید ترین ہو گئی تھی۔ تبھی بہت سا پانی پلکوں کی باڑھ پھلانگ نکلا تھا اور اس نے کوئی تردد بھی نہ کیا تھا یا پھر اس ہمدرد دوست کے سامنے اسے کسی کھوکھلے ڈرامے کی واقعی کوئی ضرورت نہ تھی۔

کسی نقاب کی ضرورت نہ تھی کہ وہ تو بنا بتائے ہی ہر بات، ہر کیفیت [illegible] جایا کرتا تھا۔

اور نک نے یکدم ہی اس پر نگاہ کی تھی اور پھر چونک پڑا تھا۔ "تم رو رہی ہو ہنی! یہ اتنے بہت سارے آنسو تمہاری پلکوں سے کیوں بہہ رہے ہیں؟" وہ بے قرار سا ہو کر آگے بڑھا تھا اور گھٹنوں کے بل اس کے بے حد قریب آن بیٹھا تھا۔

مژگان نظریں جھکا گئی تھی۔ مگر وہ اس کے چہرے کو بغور تکنے لگا تھا۔

"ہنی پلیز!" وہ بہت کچھ کہنے کی کوشش میں اس گھڑی کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔ بہت تھک کر گہری سانس خارج کی تھی، پھر یکدم بولا تھا۔

"تم جانتی ہو، تمہارے یہ آنسو میرے دل پر گر رہے ہیں...... یہاں۔" سینے پر ہاتھ رکھ

کر اس نے مکمل رنج کا اظہار کیا تھا۔ ”کیا تم چاہتی ہو میرا اندر بھیگتا چلا جائے؟“ بہت جذباتی انداز میں کہہ کر نک نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے چہرے کی جانب بڑھایا تھا اور بہت ہولے سے تمام آنسوؤں کو پونچھنے لگا تھا۔

تبھی عین اسی لمحے دروازہ کھلا تھا اور رہبان عالم شاہ نے اندر قدم رکھا تھا۔ نک، مژگان کے بے حد قریب بیٹھا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی ہی جانب متوجہ تھے۔

رہبان عالم شاہ کی نظریں اس گھڑی ساکت رہ گئی تھیں۔

مژگان کی نگاہ یکدم ہی اس کی سمت اٹھی تھی۔

اس کا نازک سا ہاتھ اس لمحے نک کے ہاتھ میں تھا۔ نک نے بھی اس گھڑی چہرے کا رخ پھیر کر مژگان کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ اور تب مژگان نے بہت ہولے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ کی گرفت سے نکال لیا تھا۔ پھر دوسرے ہی پل اپنے ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں رگڑنے لگی تھی۔ نظر قطعی رہبان عالم شاہ کی سمت نہ تھی۔ اس کا چہرہ بہت بے تاثر سا تھا۔

نک اس پل یکدم ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

رہبان عالم شاہ کچھ کہے بغیر، کچھ بھی بولے بغیر چلتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

مژگان کی نظریں تا دیر اس بند دروازے کو تکتی رہی تھیں۔

نک کچھ دیر تک یونہی سراسیمہ کھڑا رہا تھا، پھر اس کی سمت دیکھتا ہوا بولا تھا۔

”میں چلتا ہوں۔“

مژگان نے اسے یونہی ساکت نظروں سے تکا تھا۔ تبھی نک بولا تھا۔ ”اگر صبح کا پروگرام ڈن ہو تو مجھے فون کر دینا۔ میں فون کا انتظار کروں گا۔“ کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹا تھا اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا باہر نکل گیا تھا۔

مژگان کتنی ہی دیر وہیں بیٹھی رہی تھی۔ اسی طرح، خاموش سی، ساکت سی۔

✿......✿

جیسے عکس عکس گنوا دیا
کبھی روبرو تھی مرے لئے
جیسے نقش نقش بجھا دیا
کبھی چار سو تھی میرے لئے
جو حدِ ہوا سے بھی دور ہے
کبھی کو بہ کو تھی مرے لئے
جو تپش ہے موج سراب کی
کبھی آبجو تھی مرے لئے
جیسے ”آپ“ لکھتا ہوں خط میں اب
کبھی صرف ”تو“ تھی مرے لئے

اعصار شیخ نے چلتے ہوئے ذہن کے ساتھ سلمٰی بیگم کے کمرے تک کا فاصلہ طے کیا تھا۔

جسم و جاں میں قیامت سی تھی۔ جی چاہ رہا تھا ساری دنیا کو تہس نہس کر دے۔

اس کا اندر کا موسم شاید بہت شکستہ تھا، تبھی اس نے بہت تھک کر سلمٰی بیگم کی گود میں سر رکھ دیا تھا۔ سلمٰی بیگم بیٹے کو چپ چاپ دیکھتی رہی تھیں، پھر ہولے سے ہاتھ اس کے سر پر دھر دیا تھا۔

”جا رہا ہے تو؟“

”ہاں......“ اس کی آواز میں برسوں کی تھکن تھی۔

”اگر طبیعت ٹھیک نہیں تو رک جا۔ جانا ملتوی کر دے۔ ابھی تو تیری چھٹی باقی ہے۔“ بہت ہولے سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

وہ کتنی ہی دیر چپ رہا۔ پھر مدھم سی آواز ابھری۔ ”یونہی تو کس کے لئے؟ کس کے لئے؟ کوئی جواز بھی تو ہو۔ یہاں تو کچھ بھی باقی نہیں بچا...... ایک شہر تھا یہاں۔ اک دل تھا، سو جل بجھا...... ویرانوں میں اب کیا رکھا ہے۔ کوشش تو کی تھی اک شہر بسانے کی۔ اک گھر بنانے

کی۔ مگر بہت کڑی سزا ملی اس کی...... شہر پریشاں سائیں سائیں کرتا پھرتا ہے اس جرم کی
پاداش میں...... حد نگاہ تک ویرانی ہی ویرانی ہے۔ یہاں سے وہاں تک بکھری بہت سی اداسی
...... ہر شے ماتم کناں ہے۔ مگر اسے کوئی ملال ہی نہیں...... لگتا ہے سارے خواب میرے ہی
تھے۔ تبھی تو خاک ہو گئے۔''

اس کا لہجہ بہت مدھم تھا جیسے وہ اب تک خود کلامی کرتا رہا ہو۔

سلمٰی بیگم چپ چاپ بیٹے کو ٹوٹتے بکھرتے دیکھتی رہی تھیں۔

''غلطی میری ہی تھی۔ میں نے ہی بہتے ہوئے پانی پر مکان بنانے کی غلطی کی تھی، سوایا تو ہونا ہی تھا۔ امی! آپ ٹھیک کہتی تھیں...... ہمیشہ ٹھیک کہتی تھیں۔ شاید میں ہی غلط تھا۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ آج پہلی بار احساس ہوا ہے مجھے کہ والدین کبھی بھی غلط فیصلہ نہیں کرتے۔ اور شاید میں نے اپنی من مانی کر کے آپ کو نادانستہ دُکھ پہنچایا تھا۔ تبھی تو......''

اعصار شیخ کا لہجہ یکدم ہی بکھر گیا تھا۔

''امی! میں غلط تھا...... مجھے آج یقین ہو گیا۔ آپ پلیز...... پلیز مجھے معاف کر دیجئے گا۔ میں آپ کو شاد نہ کر سکا۔ تبھی تو غیر آباد رہا۔ آپ تو ماں ہیں۔ وسعت ہو گی آپ کے دل میں۔ تھوڑی سی گنجائش تو نکل ہی آئے گی۔''

سلمٰی بیگم چپ چاپ ساکت سی اس کی سمت تکتی جا رہی تھیں۔ وہ اس گھڑی بالکل بچوں کی طرح ان کی گود میں سر دھرے پُر ملال نظر آ رہا تھا۔ حد درجہ شکست خوردہ...... ٹوٹا بکھرا۔

سلمٰی بیگم نے غور کیا تو جانا۔ اس کی آواز اور لہجہ ہی نہیں، وہ خود بھی تو کس قدر ٹوٹا بکھرا تھا۔

''امی! گزرے وقت کا تدارک ممکن نہیں۔ مگر پچھتاوے آنے والے وقت کے لئے بے حد سودمند ثابت ہوتے ہیں۔ شاید میں بھی کسی نتیجے پر پہنچنے کے قابل ہو جاؤں۔'' کہہ کر وہ بہت دیر تک چپ رہا تھا۔

سلمٰی بیگم اسی جامد چپ کے ساتھ اسے تکتی رہی تھیں۔ جانے کیوں اس گھڑی وہ کچھ بھی کہنے کے قابل نہ رہی تھیں۔ جیسے قوت گویائی سلب ہو گئی تھی۔ وہ تو اس کا حوصلہ بھی نہ بندھا سکی تھیں۔

وہ چند پل یونہی خاموشی کے ساتھ ان کی گود میں سر دھرے بیٹھا رہا تھا، پھر یکدم ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''اپنا خیال رکھئے گا۔ میں فون کر کے آپ کی خیریت معلوم کرتا رہوں گا۔'' وہ نگاہ پھیر کر بولا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحے تیزی کے ساتھ پلٹ کر باہر نکل گیا تھا۔

سلمٰی بیگم کتنی ہی دیر اسی کیفیت میں اسی سمت تکتی رہی تھیں۔

✿......✿

ہمیشہ ایک سا موسم نہیں رہتا
کبھی دل میں ہزاروں دیپ جلتے ہیں
کبھی گہرا اندھیرا پھیل جاتا ہے
کبھی اک اجنبی آواز بھی
مانوس لگتی ہے
کبھی اپنا ہی سایہ
اجنبی معلوم ہوتا ہے
ہمیشہ ایک سا موسم نہیں رہتا

وہ اپنے لئے کافی بنا رہی تھی جب یکدم ہی اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ مژگان نے فوراً ہی پلٹ کر دیکھا تھا۔ رہبان عالم شاہ بہت خاموش سا اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ چہرے پر عجیب طرح کا تناؤ تھا۔ وہی بے تاثر چہرہ۔ وہ چاہتی بھی تو نہ پڑھ پاتی۔

وہ شام والی بات پر کچھ خجل سی تھی۔ تبھی شاید ہولے سے مسکرا دی تھی۔ حالانکہ اسے کسی قسم کی وضاحت کی ضرورت نہ تھی۔ نہ ہی کوئی جواز پیش کر کے مطمئن کرنے کی ضرورت تھی۔ کوئی ایسا تعلق، کوئی ایسا بندھن تھا ہی کہاں۔ کاغذی رشتے کی اہمیت ہی کیا تھی۔ جب چاہتا کوئی آرام سے، بڑی سہولت کے ساتھ، فقط ایک لمحے میں ختم کر سکتا تھا۔

اک رشتہ بے نام تھا اور شاید وہ بھی نہیں۔

ایک سمجھوتہ تھا جو فریقین نے اپنی اپنی مجبوریوں کے ساتھ باندھا تھا۔ کہاں تھا کچھ درمیان۔

''بہت چپ چپ سے ہیں، خیریت؟'' اس نے بہت دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ دریافت کیا تھا۔ ''اینی پرابلم؟''

''تم...... تم ٹھیک ہو؟'' غالباً اس کی آنکھوں کی سرخی کو دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ یکدم ہی نگاہ چرا گئی تھی۔ پھر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

''ہاں...... کچھ سر میں درد تھا۔ تبھی کافی بنانے چلی آئی۔ وہ نک صبح کے متعلق کنفرم کرنے آیا تھا کہ میرا موڈ جانے کا ہے کہ نہیں۔ کہہ رہا تھا اگر ہو تو فون کر دینا، میں ایئر پورٹ پہنچ جاؤں گا۔''

''تو صبح جا رہی ہو تم؟'' وہ بہت مدھم لہجے میں بولا تھا۔ مژگان کچھ دیر اسے یونہی خاموشی

سے تکتی رہی، پھر فوراً ہی اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ پھر بولی تھی۔
''اماں بتا رہی تھیں، وجیہہ چاچا آئے ہوئے ہیں۔ ان سے ملاقات ضروری ہے۔
کو سختی سے آنے کی تلقین کی تھی۔''
رہبان عالم شاہ کتنی ہی دیر اسے خاموشی سے تکتا رہا تھا۔ کتنی اپنائیت تھی اس کے
میں، اس سے وابستہ رشتوں کے حوالے سے۔ ان سے وابستہ کتنے اہم امور اسے یاد
تھے۔ کتنی باتیں زبانی ازبر رہتی تھیں۔ اسے جو بھی یاد نہیں رہتا تھا، وہ اسے بھی یاد رکھتی
بلکہ اسے بھی مطلع کرتی تھی۔
باقاعدگی سے گھر فون کر کے بات کرنے کی تلقین کرتی تھی۔ وہ بزی ہوتا تو خود
کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں برتتی تھی۔
وہ سراپا خلوص تھی...... سراپا محبت۔
رہبان عالم شاہ ایک ٹک اسے تکتا جا رہا تھا۔ وہ چونکتی ہوئی یکدم ہی مسکرائی تھی۔
''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''
وہ لمحہ بھر میں ہی چور ہو گیا تھا۔ نگاہ پھیرتے ہی سر یکدم ہی نفی میں ہلا دیا تھا۔
''آئی ایم شیور رہبان عالم شاہ! تمہیں کوئی مسئلہ درپیش ہے۔'' اس نے بہت یقین
کہتے ہوئے کافی کا کپ اس کی سمت بڑھایا تھا۔
رہبان عالم شاہ نے اسے اسی طور خاموشی سے تکتے ہوئے کپ تھام لیا تھا۔ پھر جا
کیوں ہولے سے مسکرا دیا تھا۔
''تم تو ٹک کے ساتھ رہتے ہوئے ''ڈی ٹکٹیو'' بنتی جا رہی ہو۔''
مژگان نے یکدم ہی چونک کر اسے دیکھا تھا۔ کیا وہ طنز کر رہا تھا کوئی، یا محض مذاق کر
تھا؟ وہ سمجھ نہ پائی تھی۔ تبھی اسی طور اسے دیکھتی رہی تھی۔ رہبان عالم شاہ جو اس کی سمت
دیکھنے سے گریزاں تھا، اس گھڑی یکدم ہی اس کی سمت تکنے لگا تھا۔
''کیا اس وقت ہم تھوڑا سا وقت کہیں باہر گزار سکتے ہیں؟''
کیسی خواہش تھی۔ کیا کسی نوازش کی گھڑی آن پہنچی تھی یا وہ محض اپنا دھیان بٹانا چاہ
تھا، کسی پریشانی کو رفع کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر اس کے لئے مژگان کے ساتھ کی کیا ضرورت
شکستہ لمحوں میں تو کسی اپنے مطلوبہ مہربان وجود کی طلب رہتی ہے نا۔ کچھ بانٹنے کو، کچھ سوچنے
کسی اپنے ہی مطلوب فرد کی حاجت رہتی ہے نا۔
وہ تو کچھ بھی نہیں تھی۔

مہربان، نہ اجنبی۔
وہ کتنی ہی دیر تک سر اٹھا کر اسی طور اس شخص کو تکتی رہی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں کچھ
نہیں تھا۔ اس کا چہرہ اتنا ہی سپاٹ تھا۔ کتنا کنٹرول رہتا تھا اسے اپنے جذبات و احساسات پر۔
کس قدر پوشیدہ رکھتا تھا وہ خود کو۔ چاہتا بھی تو کوئی پڑھ نہ پاتا۔ تبھی تو وہ بھی فقط خالی
خالی نظروں سے تکتی رہتی۔
رہبان عالم شاہ سمجھا تھا، وہ راضی نہیں ہے۔ تبھی اس کی سمت سے دھیان ہٹا دیا تھا۔
مژگان نے بہت الجھے ہوئے انداز میں اس گھڑی اس کی سمت دیکھا تھا۔
''اگر موڈ نہ ہو تو ڈونٹ وری۔'' رہبان عالم شاہ کے بولنے پر وہ جانے کیوں یکدم ہی
مسکرا دی تھی۔
''مجھ سے بدگماں ہو رہے ہو؟'' کتنا معتبر جملہ تھا۔ ذو معنی۔ مگر کسی کو کوئی انجانا احساس
بخشا، کوئی استحقاق سونپتا ہوا۔ جیسے کوئی سارے حق محفوظ رکھتا ہو۔
رہبان عالم شاہ کافی کا سپ لیتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ ''میں صدا
کا خوش گمان واقع ہوا ہوں۔'' بہت گمبھیر فقرہ فضا میں بکھرا تھا۔ وہ اس کی سمت دیکھتی ہوئی
مسکرا دی تھی۔
''خوش گمانی اچھی عادت ہے۔ اس سے بہت سے مسئلے مسائل بڑی خوبصورتی سے حل ہو
جاتے ہیں۔ اینی وے، میں ذرا فریش ہو کر آتی ہوں۔''
''نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ روانی سے گویا ہوا تھا۔ وہ یکدم ہی پلٹ کر اسے تکنے
لگی تھی۔
''تم مجھے نظر بٹو بنا کر ساتھ رکھنا چاہتے ہو؟'' اس کا لہجہ کسی قدر شگفتہ تھا۔ وہ بے ساختہ
ہنس دیا۔ پھر کپ ایک طرف دھر دیا تھا۔
''چلیں؟'' دوسرے ہی پل اس کی مسکراہٹ معدوم ہو چکی تھی۔ مژگان نے اسے دیکھا
تھا۔ پھر اس کے سنگ چل پڑی تھی۔
کہیں کوئی خوش گمانی نہیں تھی، مگر اس کے باوجود دل کی شدتیں عروج پر تھیں۔ جانے
کیوں دھڑکنوں میں بے تحاشا ارتعاش سا تھا۔ حالانکہ رہبان عالم شاہ کا چہرہ اسی طور بے تاثر
تھا۔ وہ خاموشی سے ڈرائیونگ کرتا رہا تھا۔ گاڑی سی ویو کی جانب بڑھتی جا رہی تھی۔ مژگان
اس کی خاموشی کو چپ چاپ محسوس کر رہی تھی۔
کتنی ہی دیر تک وہ اسی طرح خاموشی کے ساتھ چلتے ہوئے سمندر کے شور کو چپ چاپ

سنتے رہے تھے۔ تبھی ہلکی ہلکی بوندا باندی ہونے لگی تھی۔

مژگان نے سر اٹھا کر اپنے ساتھ چلتے ہوئے رہبان عالم شاہ کو دیکھا تھا۔ وہ اس
اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ لیکن وہ محسوس کر رہی تھی، کہیں نہ کہیں کچھ تھا ضرور۔ کوئی اندر
شورش، کوئی شکستگی۔

کچھ تو تھا...... چپ بلاوجہ تو نہ تھی۔

رات کتنی خاموشی سے بھیگ رہی تھی۔

دونوں سنگ سنگ تھے......مگر کتنے چپ سے تھے

عجب رمزِ سپردگی ہے ہوائے شب کی اشارتوں میں
کہ جیسے اس کے بدن کی خوشبو اُداس پھرتی ہو خلوتوں میں
جو درمیاں میں نہ ہو نزاکت تو ٹوٹ سکتی ہے یہ خموشی
مگر وہ شکوہ جو زیرِ لب ہے اُلجھ نہ جائے وضاحتوں میں

"رہبان!" اس نے چلتے ہوئے بہت مدھم لہجے میں جیسے سرگوشی کی تھی۔

"ہوں......" جواباً کتنی مدھم آواز میں اپنے ہونے کا احساس دلایا گیا تھا۔

وہ کچھ ثانیوں کو یونہی تکتی رہی تھی۔ ارادہ یقیناً کچھ کہنے کا تھا۔ مگر پھر یکدم ہی ارادہ ملتوی
کر دیا تھا۔ "اوں ہوں...... کچھ نہیں۔" سر یکدم ہی نفی میں ہلایا تھا۔

وہ چونک کر دیکھنے لگا تھا، جیسے یقین نہ ہوا تھا۔ تبھی شاید وہ بولا تھا۔ "تھک گئی ہو میرے
ساتھ چلتے چلتے؟" کتنا ذومعنی جملہ تھا۔

مژگان نے سر اٹھا کر خاموشی سے اسے دیکھا تھا، پھر گردن کا رخ سمندر کی طرف پھیر لیا
تھا۔ ساتھ ہی ہولے سے سر نفی میں ہلایا تھا۔ "نہیں...... ایسی کوئی بات نہیں۔ میں بہت دور
تک تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں۔ بنا تھکے۔"

رہبان عالم شاہ نے یکدم ہی اس پر نگاہ کی تھی مگر وہ اس گھڑی اس کی جانب متوجہ نہیں
تھی۔ سمندر کی طرف تکتی ہوئی گویا ہوئی تھی۔ "بارش ہو رہی تھی نا؟"

"پھر؟" وہ سمجھ نہ پایا تھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے بلاوجہ مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔ البتہ اس کی جانب دیکھنے سے
گریز کیا۔

جانے کیا ہوا، رہبان عالم شاہ نے بہت دھیرے سے اسے دیکھا تھا۔ پھر اسی انداز میں
بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں

لیا تھا۔ ساتھ ہی مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"ڈر لگ رہا تھا بارش سے؟"

مژگان نے چونک کر دیکھا تھا اس کے پُرحدت ہاتھ میں اپنا ہاتھ محسوس کر کے۔ جانے
کیوں وہ سر اٹھا کر بہت خاموشی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

مگر وہ شخص اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔

وہ کہنا چاہتی تھی "ڈر مجھے بارش سے نہیں، تمہاری خاموشی سے لگ رہا تھا۔ اس سکوت
سے جو اس گھڑی تم نے طاری کر رکھا ہے۔ میرے اردگرد پھیلا رکھا ہے۔" مگر وہ سوائے نفی
میں سر ہلانے کے کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

"مجھے یوں خاموشی میں چلتے رہنا بہت اچھا لگتا ہے۔ اور ساحل کی خاموشی تو اور بھی
دلفریب ہوتی ہے۔" وہ شاید اس کے خاموش لفظوں کو سن چکا تھا، تبھی بولا تھا۔ وہ چونک کر سر
اٹھاتی ہوئی اسے تکنے لگی تھی۔

"اب تو ڈر نہیں لگ رہا؟" وہ مکمل دوستانہ انداز میں گویا ہوا تھا۔ اس نے یکدم ہی سر نفی
میں ہلانا شروع کر دیا تھا۔ وہ اس کی جانب متوجہ تھا۔ کتنی مختلف لگ رہی تھیں اس لمحے اس
شخص کی آنکھیں۔ اس کا مدھم لہجہ، اس کی آواز۔

شاید اس پُرفسوں ماحول کا اثر تھا کہ ہر شے اسی رنگ میں رنگ گئی تھی۔

اس لمحے کچھ بھی کہے بغیر مژگان اس کی آنکھوں کو دیکھنے لگی تھی۔

تمہاری آنکھوں کے سرخ ڈورے
وہ بات کہنے کے منتظر ہیں
جو تم نے اب تک کہی نہیں ہے
مگر تمہیں کچھ خبر نہیں ہے
تمہارا چہرہ اک آئینہ ہے
کہ جس پہ لکھی
شکست دل کی عبارتوں نے
بہت سی باتوں کو بن کہے بھی
ہماری آنکھوں سے کہہ دیا ہے
کہ جس کو اپنی زباں سے تم نے نہیں کہا تھا

مگر اندر سے کیسی مدھر آواز اٹھی تھی۔ وہ یکدم ہی چہرے کا رخ پھیرتے ہوئے سر جھٹکنے

لگی تھی۔

"کیا ہوا؟" اسٹریٹ لائٹس کی مدھم روشنی میں رہبان عالم شاہ نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"نہیں...... کچھ نہیں۔" اس نے فوراً ہی نفی میں سر ہلایا تھا۔

"صبح چلی جاؤ گی؟" شاید وہ اس کی خاموشی کے خیال سے مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"ہاں...... اور تم آؤ گے نا؟" اس نے اس کی جانب بنا دیکھے یقین چاہا تھا۔

"ہوں...... ضرور......" وہ بہت مؤدب لہجے میں گویا ہوا تھا۔ اور مژگان یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت تکنے لگی تھی۔ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے سب کچھ مطمئن کرنا چاہا تھا۔ ہر کیفیت پر کنٹرول پانا چاہا تھا۔

"کیا ہوا...... تم پریشان ہو؟" وہ اس کے اس طرح گہری سانس خارج کرنے پر پوچھنے لگا تھا اور تب اس نے بنا اس کی جانب دیکھے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

ماحول خوابناک تھا۔ مگر وہ اتنی بھی کمزور نہیں تھی۔

✿......✿

مت مجھ کو سمیٹو مرے ہم دم ابھی کچھ دن
ہے دل کی تمنا رہوں برہم ابھی کچھ دن
اِک روز چلا آئے گا خود چل کے مسیحا
اے خلوتِ جاں کر یونہی ماتم ابھی کچھ دن
توڑا ہے فسوں اس نے مرے رنج و الم کا
بے کیف نہ ہو کیوں میرا، عالم ابھی کچھ دن

کس قدر بوجھل دل تھا اس کا...... ذہن و دل میں قیامت سی تھی۔ دل ماننے کو تیار نہ تھا۔ لگتا تھا سب فریب نگاہ ہو۔

جو نظر نے دیکھا ہو، محض سراب ہو، حقیقت نہ ہو۔

کوئی خوش گمانی ہو کہ "گمان" ہی کر کے دل بہلا لیا جائے۔

مگر ایسا کچھ بھی تو نہیں تھا۔ روح جیسے کٹ سی رہی تھی۔ وہ اعتبار کیا ہوا تھا، وہ محبت ہوئی تھی۔ کتنا مان رہا تھا اسے اپنے مطلوبہ فرد پر۔ دل نے اسے کیا کچھ نہ مان لیا تھا، کیا مان نہ دیا تھا۔ مگر سب کچھ کیسے ٹوٹ گیا تھا۔ وہ...... نجل عباس نقوی جیسی لڑکی...... خوابوں کی اسیر ہوئی تھی۔

کتنے خواب بنے تھے...... کتنے خواب نگر بنائے تھے اس ایک شخص سے وابستہ ہو کر۔

کیسے وہ اسے اپنا سب کچھ مان بیٹھی تھی، کچھ نہ ہونے کے باوجود۔

اسے تو ہمیشہ یہی احساس رہا تھا، کوئی اختیار میں ہے۔

استحقاق قائم و دائم ہے۔

وہ جب چاہے ہاتھ بڑھا کر کسی کا ہاتھ تھام سکتی ہے۔

وہ ہاتھ پرایا بھی ہو سکتا ہے۔

یکسر اجنبی ہو کر کسی اور کے ہاتھ میں بھی جا سکتا ہے، کب سوچا تھا ایسا۔

وہ بار بار خود کو جھٹلانے کی کوشش کرتی رہی تھی۔ "اعتبار" کو قائم و دائم رکھنے کی، یقین برقرار رکھنے کی۔ مگر کچھ بھی تو ممکن نہ تھا۔ وہ چاہتی تھی خود کو کوئی دھوکا دے، کوئی خوبصورت دھوکا۔ شاید وہ رہبان عالم شاہ نہ ہو۔

وہ اس گھڑی کسی کومل سی لڑکی کے ہاتھ کو تھامے اس کے صبیح چہرے کو دلنواز نظروں سے تکتا ہوا ہولے ہولے قدم اٹھا رہا تھا۔

وہ خوبصورت شام سی خوبصورت لڑکی، کس قدر حسین تھی اور کس قدر قریب تھی اس دشمن جاں کے۔ کون کہہ سکتا تھا کہ ان میں کوئی تعلق نہیں۔ کوئی رسمِ محبت نہیں۔

وہ کوئی میٹھی سی، مدھر سرگوشی کر رہا تھا شاید۔

لب کیسے ہولے ہولے ہل رہے تھے۔ اور وہ کومل سی لڑکی، وہ تو وہی تھی، وہی اس کی لندن پلٹ کزن۔ ذہن میں یکدم ہی جھماکا ہوا تھا۔ دل کو اک گمان ہونے کو تھا۔ شاید کوئی "تعلق خاص" درمیان نہ ہو۔ وہ فقط اسے رسم دنیا نبھانے کو سنگ لے آیا تھا۔ کوئی "عہد محبت" سنگ نہ ہو۔

مگر وہ دوسرے ہی پل بہت پُر وحشت انداز میں سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

رات گہری ہو رہی تھی مگر اس کے اندر جیسے جھکڑ سے چل رہے تھے۔

اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی تھی اور پھر باہر نکل آئی تھی۔ کس قدر ریش ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ اس کے اپارٹمنٹ تک پہنچی تھی۔ تبھی واچ مین پر نگاہ پڑی تھی۔ وہ دل کڑا کر کے تمام ہمتوں کو مجتمع کر کے اس تک پہنچی تھی۔

کتنا دل چاہا تھا۔

کس شدت سے

کہ جو سنے وہ خواب ہو۔

جو سنے وہ فسانہ ہو۔

وہ سب منظر فریب نگاہ ہو۔

"بابا! وہ رہبان عالم شاہ ہیں اوپر۔ 604 والے؟" اس نے کتنی مشکل سے لفظوں کو مجتمع کیا تھا۔ واچ مین نے اسے بغور دیکھا تھا، پھر سوچنے لگا تھا۔

"وہ تو تھوڑی ہی دیر قبل اپنی بیگم کے ساتھ باہر سے لوٹا ہے۔" بوڑھے واچ مین نے بالآخر یادداشت پر زور دے کر نجل عباس نقوی کو آگاہ کر دیا تھا۔

"اپنی بیگم کے ساتھ؟" وہ جیسے زمین پر آنے کو تھی دل کی دھڑکن یکدم ہی تھمنے سی لگی تھی مگر جیسے اس نے ایک بار خود کو پھر تسلی دینا چاہی تھی۔

"ان کی بیگم...... مگر ان کی تو ابھی شادی نہیں ہوئی۔"

"کیسی بات کرتی ہیں آپ بیگم صاحب۔ آپ تو اکثر یہاں آتی رہتی ہیں۔ رہبان عالم شاہ آپ کا دوست ہے۔ پر ان کی شادی سے واقف نہیں۔ ان کی سسرال میں سب کو خبر ہے۔ دوست احباب کو خبر ہے مگر آپ کو نہیں۔ حیرت ہے۔ ان کی شادی کو تو بہت عرصہ گزر گیا۔ شاید سال بھر پہلے کی بات ہے جب ان کی بیگم کو ہم نے اپنی آنکھوں سے خود ان کے ساتھ ادھر داخل ہوتے دیکھا تھا۔" واچ مین حیران تھا۔

اور حیران تو وہ خود بھی تھی۔ کتنے بہت سے منظر نگاہ میں گھوم رہے تھے کسی کی حد درجہ مصروفیت، بے اعتنائی، کج ادائی، وقت نہ ملنے کے بہانے کرنا، جواز تراشنا، مطمئن کرنے کی اپنی سی کوشش کرنا، اس کا اصرار کرنا، کسی کا مسلسل انکاری رہنا۔

اس کا گرمجوشی سے ملنا، کسی کا سرد مہر ہونا۔

خود اس کا مائل بہ کرم ہونا، کسی کا سہولت سے دامن چھڑانا، گریز برتنا۔

خود اس کی سرد مہری پر اپنی طرف سے جواز بنانا، وضاحتیں ڈھونڈنا۔

اس کا آگے بڑھتے جانا، کسی کا پیچھے ہٹنا، ہٹتے جانا۔

تیرا قصور نہیں، میرا تھا
میں تجھ کو اپنا سمجھا تھا
دیکھ کے تیرے بدلے تیور
میں تو اسی دن رو بیٹھا تھا
اب میں سمجھا، اب یاد آیا
تو اس دن کیوں چپ چپ سا تھا

کتنے بہت سے گرم گرم آنسو رخساروں پر پھیلتے چلے گئے تھے۔ وہ پلٹی تھی اور پھر وہ گاڑی کی سمت آ گئی تھی۔ اندر باہر، سب جل رہا تھا۔

اب کیا باقی بچا تھا۔ نہ کوئی مان نہ اعتبار۔

کیا وضاحت مانگتی، کیا دریافت کرتی، کس کس بات کا جواز مانگتی۔

اب تو رونا ہی رونا تھا۔ ماتم ہی ماتم تھا۔

اب تجھے کیا کیا یاد دلاؤں
اب تو وہ سب کچھ ہی دھوکا تھا

دھوکا ہی ہوا تھا۔ دھوکا ہی تو کھایا تھا اس نے۔ کس خوبصورتی کے ساتھ۔

کتنی پاگل تھی وہ۔ کس قدر احمق۔

کتنا بہت سا گرم گرم پانی آنکھوں سے پھسلتا جا رہا تھا۔

✿......✿

محبتیں بھی عجب اس کی نفرتیں بھی کمال
مری ہی طرح کا مجھ میں سما گیا اک شخص
کھلا یہ راز کہ آئینہ خانہ ہے دنیا
اور اس میں مجھ کو تماشا بنا گیا اک شخص
پلٹ سکوں نہ میں آگے ہی بڑھ سکوں جس پر
مجھے یہ کون سی رہ پہ لگا گیا اک شخص
تمام رنگ مرے اور سارے خواب مرے
فسانہ تھے کہ فسانہ بنا گیا اک شخص

اعصار شیخ بیگ لینے کے لئے کمرے میں آیا تھا جب اس کے بے تاثر وجود پر نظریں ساکت رہ گئیں۔ وہ بہت اجنبی سی بنی خود میں مگن سی کتاب کھولے بیٹھی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر مضبوط قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ وہ تب بھی متوجہ نہیں ہوئی تھی یا پھر اس کی جانب متوجہ ہونا چاہتی ہی نہیں تھی۔ وہ چند پل یونہی ساکت نظروں سے تکتا رہا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتا ہوا بولا تھا۔

"ادعیہ شیخ! میں تم پر مزید کوئی پابندی عائد نہیں کرنا چاہتا۔ تم اپنی زندگی کا لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے آزاد ہو۔ سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ اگر تم اس گھر میں نہیں رہنا چاہتیں تو تم پر کوئی بھی بندش نہیں۔ تم خوشی کے ساتھ اپنے گھر جا سکتی ہو۔" اعصار شیخ کا

لہجہ بہت مضبوط تھا اور چہرہ اسی قدر سپاٹ۔

ادعیہ شیخ یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔

”غلط سوچتا رہا تھا میں۔ غلط ہی تھا میں۔ بہرحال اب بھی کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی۔“ لہجہ بے حد مدھم اور سرد تھا۔

”شکوے گلے۔ اوں ہوں......“ وہ یکدم ہی عجیب سے انداز میں بولا تھا۔ پھر اس کی سمت سے نظریں ہٹاتے ہوئے بولا تھا۔ ”محترمہ ادعیہ شیخ! شکوے شکایات بھی وہیں واجب لگتے ہیں جہاں کوئی ربط باہم ہو۔ اور ہم میں تو کچھ بھی نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں۔ اک رشتہ استوار کرنے کی کوشش کی تھی میں نے۔ مگر کوشش کارگر نہیں ہوئی۔ مجھے افسوس ہے تمہیں میری وجہ سے شدید ذہنی کرب سے گزرنا پڑا، کوئی تکلیف پہنچی، زک اٹھانا پڑی، میرا پابند ہونا پڑا، جبر سہنا پڑا۔ ان سب باتوں کا ازالہ تو ممکن نہیں مگر تدارک کے طور پر یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ ہم بجائے مزید بے سمت راستوں پر سفر کرنے کے یہیں پر تھم جائیں۔ زیادہ دور جا کر لوٹنا دشوار بھی ہوتا ہے اور کٹھن بھی۔ پچھتاوے زیادہ شدت سے ستاتے ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ ہمارے معاملے میں پچھتاوے کسی بھی فریق کے لئے دامن گیر رہیں۔ تم پلٹنا چاہو تو پلٹ سکتی ہو۔ جس سمت چاہو، رخ اختیار کر سکتی ہو۔ ابھی ہم بہت دور نہیں آئے۔ کچھ دور چل کر اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو تدارک آسان رہتا ہے۔ تم ہر طرح سے آزاد ہو۔ کوئی بھی قدم اٹھانے میں، کوئی بھی سمت چننے میں اور کوئی بھی فیصلہ کرنے میں۔ ساری راہیں کھلی ہیں تمہارے سامنے۔ میں نے تم پر نافذ ہر قسم کی پابندی کو کالعدم قرار دے دیا ہے۔ دیر ہوئی مگر اتنی بھی نہیں۔ جان گیا ہوں، رشتے خود کو آپ منواتے ہیں۔ ساری پابندیوں میں باندھتے ہیں۔ اس میں پابندیاں عائد نہیں کرنا پڑتیں۔ محبت سب سے بڑی بندش ہے جو دلوں کو باندھتی ہے تو ہر شے ساتھ بندھ جاتی ہے۔ ادعیہ شیخ! اب تم ابھی سے قدم اٹھا سکتی ہو۔ میرے گھر کے دروازے تمہارے جانے کے لئے کھلے ہیں۔ کہیں کوئی زنجیر نہیں، کہیں کوئی پابندی نہیں۔ ہر راہ کھلی ہے۔“

وہ اسی طور سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔

اعصار شیخ نے خاموش ہو کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ پھر ہونٹ بھینچ کر چہرے کا رخ پھیرا تھا اور پھر پلٹ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا اپنے مضبوط قدموں کے نیچے زمین کو روندتا باہر نکل گیا تھا۔ ادعیہ اسی طرح ساکت و جامد بیٹھی رہی تھی۔

وہ تیری محبت، وہ میری محبت

وہ میرا سنورنا، وہ تیرا بہکنا
وہ سانسوں میں سانسوں کا گھل کر مہکنا
کئی بار چاہیں یہ میری نگاہیں
جہاں سے چھپا لیں، مجھے تیری بانہیں
کہاں ہے میرا جھوٹ میں روٹھ جانا
کہاں ہے تمہارا وہ گھنٹوں منانا
کہاں ہے مرے گیسوؤں کا وہ آنچل
کہاں ہے ترے گرم ہاتھوں کا مخمل
کہاں ہے کہاں گم ہوئی ہے اچانک!
وہ تیری محبت، وہ میری محبت!

کتنا بہت سا پانی آنکھوں میں آن ٹھہرا تھا۔

وہ یکدم اٹھی تھی اور کمرے کی ہر شے اٹھا کر پٹخنے لگی تھی۔ پورا کمرہ تلپٹ کرنے کے بعد وہ تھک کر دیوار سے جا لگی تھی اور پھر اسی طور بیٹھتی چلی گئی تھی۔

پُر وحشت نظروں سے پورے کمرے کو بکھرے اور ٹوٹے پھوٹے انداز میں اپنی حالت پر ماتم کناں دیکھا تھا۔ پھر وہ بہت آہستگی سے گھٹنوں پر سر ٹیک کر سسکنے لگی تھی۔

کتنا بہت سا گرم گرم پانی آنکھوں سے پھسل کر رخساروں پر پھیلنے لگا تھا۔ کتنی دبی دبی سی آہیں تھیں...... کتنی سسکیاں اس بند کمرے میں ابھرنے اور ڈوبنے لگی تھیں۔

✿......✿

شہر کے دکاندارو! کاروبارِ اُلفت میں سود کیا زیاں کیا ہے؟ تم نہ جان پاؤ گے۔
دل کے دام کتنے ہیں، خواب کتنے مہنگے ہیں اور نقدِ جاں کیا ہے؟ تم نہ جان پاؤ گے۔
وصل کا سکون کیا ہے، ہجر کا جنوں کیا ہے، حسن کا فسوں کیا ہے؟ عشق کے دروں کیا ہے۔
تم مریضِ دانائی، مصلحت کے شیدائی، راہِ گمرہاں کیا ہے؟ تم نہ جان پاؤ گے۔
زخم کیسے پھلتے ہیں، داغ کیسے جلتے ہیں، درد کیسے ہوتا ہے، کوئی کیسے روتا ہے۔
اشک کیا ہے، نالے کیا، دشت کیا ہے، چھالے کیا، آہ کیا فغاں کیا ہے؟ تم نہ جان پاؤ گے۔

رات آنکھوں میں بسر ہو گئی تھی۔ کس قدر درد تھا، کہاں کہاں دُکھن تھی۔ وہ کس سے کہتی، گلہ کس سے کرتی، کس کو شریکِ غم کرتی، کس کے شانے پر سر رکھ کر نالہ و فغاں کرتی۔

یہاں تو کسی شے کی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔ درد دینے والا تھا وہ، جس پر اس نے اعتقاد کیا

تھا۔ ایمان کیا تھا، اندھا اعتبار سونپا تھا۔ محبت کی تھی تو آنکھیں چاروں طرف سے بند کر لی تھیں۔ وہ تو سمجھی تھی محبت سب سے بڑا حوالہ تھا۔

پھر یہ شہرِ نگاراں میں کس "شکست" کے چرچے تھے۔ کیوں پورا کا پورا نگر جھلس رہا تھا۔

سجل نے نگاہ اٹھا کر گھڑی کی جانب دیکھا تھا، پھر اٹھ کر واش روم میں گئی تھی۔ منہ پر پانی کے بہت سے چھپاکے مارے تھے۔ آنکھیں کس درجہ جل رہی تھیں۔ پورا وجود جیسے شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔

وہ چہرے پر پانی کے چھپاکے مارتی چلی گئی تھی۔

وہ واش بیسن کی ٹیپ پر سر جھکا کر یکدم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ آنسو کل رات سے آنکھوں میں تھم سے گئے تھے۔ جھڑی لگی تھی تو تھمی نہیں تھی۔

کوئی تسلی، کوئی حرفِ ستائش قابلِ عمل نہ تھا۔

سب سے بڑا دکھ یہ تھا کہ کوئی اسے پاگل بناتا رہا اور وہ بنتی رہی۔ اندھی محبت میں، اندھے راستوں پر چلتی رہی۔ جہاں کوئی ہمسفر تھا ہی نہیں۔

بس وہ تھی اور اس کے اندھے خواب۔ اور وہ جانے کب تک یونہی چلتی جاتی۔

اس روز "دی ولیج" The Village سے نکلتے ہوئے انہیں ساتھ دیکھ نہ لیتی تو کوئی اسے مزید اس اندھے سفر پر مائل رکھتا۔

مگر اسے "خوش گمانی" میں گھرے رہنے کے باعث تاعمر احساس ہی نہ ہو پاتا کہ اسے کوئی فول بنا رہا ہے۔

وہ کوئی معمولی لڑکی ہوتی تو کوئی بات بھی تھی۔ عام سی اجڈ، گنوار، ناسمجھ، غیر خردمند، بے وقوف، احمق...... پاگل پاگل سی...... تو شاید کوئی ملال دامن گیر نہ ہوتا۔ مگر وہ تو "خردمند" ہوتے ہوئے، عقل مند ہوتے ہوئے "شکار" بنی تھی۔

ایک جدید دور کی باشعور لڑکی۔ عقل میں بالانشیں، رتبے میں بلند، حسن میں یکتا...... اسٹیٹس میں قابلِ رشک۔

اور کیسے دھوکے دیئے گئے تھے اسے...... سال بھر سے اسے کوئی بے وقوف بنا رہا تھا۔

"اوہ گاڈ...... میں کیسے...... میں ہی کیوں؟" وہ بے یقینی کے ساتھ نفی میں سر ہلاتے ہوئے آنسو بہائے جا رہی تھی۔

"نہیں رہبان عالم شاہ! ایسے نہیں۔ ایسے نہیں۔" وہ سر اٹھا کر خود کو، اپنے چہرے کو آئینے میں دیکھنے لگی تھی۔ پھر تیزی کے ساتھ منہ پر چھپاکے مارتی چلی گئی تھی۔

✿......✿

دل سلگنے کا سبب، ہجر نہ وصل
مسئلہ اس سے سوا ہے مجھ میں
پس ہنگامہ کوئی کیا جانے
کیسا سناٹا چھپا ہے مجھ میں
ہجر تو پہلے بھی گزرے ہیں مگر
اب کے عالم ہی جدا ہے مجھ میں

رہبان عالم شاہ علی الصبح ہی جاگ گیا تھا، مژگان کے خیال سے اسے سی آف کرنے کے لئے۔ مگر مژگان نے اسے سہولت سے منع کر دیا تھا۔ وہ اس کی رات والی اسٹریس سے واقف تھی۔ تبھی اپنا مختصر سامان لے کر نک کے انتظار میں نیچے آ گئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں نک کیب میں بیٹھا اس کے سامنے تھا۔

"ہنی! تم اکیلی ہو؟" وہ جانے کیوں اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔ مژگان نے اسے سرسری انداز سے دیکھا تھا، پھر اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔

"اگر تم اپنے ہزبینڈ کے نہ جانے پر اتنی ناخوش ہو تو تمہیں اپنا جانا ملتوی کر دینا چاہئے تھا۔" نک نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

وہ اسی طور خاموشی سے تکنے لگی تھی۔ پھر مکمل سنجیدگی سے گویا ہوئی تھی۔

"اب اگر مزید کچھ الٹا سیدھا بولا تو میں تمہیں کیب سے باہر دھکا دے دوں گی۔ بنا کسی بات کی پرواہ کئے۔" اس نے خطرناک تیوروں سے باقاعدہ دھمکی دی تھی۔ وہ یکدم ہی ہنس دیا تھا۔

"پھر تو تم دونوں ہزبینڈ وائف کی باقی ماندہ زندگی کورٹ کچہریوں کے چکر لگاتے لگاتے بیت جائے گی۔" نک نے شگفتہ انداز میں مسکراتے ہوئے چھیڑنے کا سلسلہ موقوف نہیں کیا تھا۔ اور تب مژگان نے اسے دیکھا تھا۔

"تمہارا زندہ رہنا بھی میرے لئے کسی خطرے سے کم نہیں۔ مجھے ہمیشہ تم ایک سرخ جھنڈی کی مانند نظر آتے ہو۔"

اور نک یکدم ہی کھلکھلا کر ہنستا چلا گیا تھا۔ "تمہارے کمپلیمنٹس سے زیادہ مجھے تمہارے لبوں پر اچانک در آنے والی اس دلفریب سی مسکراہٹ نے فیس نیٹ کیا ہے۔ کم از کم تم مسکرائیں تو۔ یہ بات کبھی مت بھولنا ہنی! مجھے تم سے وابستہ آسودگی ہی طمانیت بخشتی ہے۔ تم

اگر خوش ہو تو سمجھ لینا میں بھی خوش ہوں، مطمئن ہوں۔ تم اداس ہو تو سمجھ لینا میں بھی سوگوار ہوں۔ تمہاری نگاہ کے جگنو بجھنے لگیں تو سوچ لینا کہ میری طرف بھی تاریکیوں نے ڈیرا ڈالا ہے۔ تم بے چین و بے قرار ہو تو سمجھ لینا کہ میں بھی اضطراب کے جنگلوں میں بھٹکنے لگا ہوں۔ تم پریشان ہو تو جان لینا کہ میری جانب بھی سبھی موسم بغاوتوں پر اتر آئے ہیں۔ تم اگر خود کو اداس پاؤ تو اخذ کرنے میں دیر نہیں کرنا کہ میرے اردگرد کتنے زرد رنگ پھیل چکے ہوں گے۔ کتنے دھوپ موسم مجھے جھلسا رہے ہوں گے۔ تم نہ مانو مگر یہ حقیقت ہے۔'' وہ کتنے آرام سے بہت سے اسم پھونک گیا تھا۔ کتنی بہت سی بے قراریاں فضا میں انڈیل گیا تھا۔

وہ بول کر چپ ہو گیا تھا مگر فضا میں تا دیر اس کی آواز کی بازگشت رہی تھی۔

اِک جادو سا چارسُو بکھرا رہا تھا۔

وہ کتنی ہی دیر دم بخود سی اسے دیکھتی رہی تھی۔ وہ اسی طور پُرسکون انداز میں مسکراتا رہا تھا۔ تبھی وہ اپنے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ پھر بہت ہولے سے جیسے خود سے ہم کلامی کی تھی۔

''مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔'' وہ کہتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ نک اس کی سمت اسی اطمینان سے تکتا رہا تھا۔

''بہت غلط فیصلہ کیا میں نے تمہارے ساتھ آنے کا۔ یو آر میڈ...... رئیلی میڈ۔'' مژگان کے تجزیے نے نک کی مسکراہٹ گہری کر دی تھی۔

''تبھی تم اپنے شوہر نامدار کو ساتھ لینے پر بضد تھیں؟'' وہ جیسے چھیڑ رہا تھا۔

''تم قتل ہو جاؤ گے میرے ہاتھوں نک ڈی کیپریو!'' اس نے خطرناک تیوروں سے دیکھا تھا۔

وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔ ''مجھے خوشی ہو گی ہنی! میں راہِ محبت میں کام آ گیا۔ میری جان بے کار نہیں گئی۔'' نک کا انداز ہنوز وہی تھا۔ وہ لب بھینچے اسے دیکھتی گئی تھی۔

''ہنی! کیا ہوا...... تمہاری نظریں مجھ پر ساکت کیوں ہو گئیں؟ کیا میں سمجھوں کہ اب کی نظرِ عنایت کا وقت آن پہنچا ہے اور موسم بدلنے والا ہے؟'' اس نے اس کے چپ چاپ دیکھتے رہنے پر بہت شگفتگی سے مسکرا کر اسے چھیڑا تھا۔

''کیا میں سمجھوں کہ میرے اندر کی بہت سی آوازیں، ہولے ہولے تم تک پہنچنے لگی ہیں اور شاید میری خاموشیوں کو جلا ملنے لگی ہے۔ میری خاموشیاں معتبر ہونے کو ہیں؟''

مژگان نے اسے سرد مہر نظروں سے دیکھا تھا، پھر یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

☆......☆

سجل عباس نقوی نے علی الصبح اس کے اپارٹمنٹ کے دروازے پر دستک دی تھی۔ رہبان عالم شاہ کس قدر حیرت سے اسے تکتا رہا تھا۔

سوجے ہوئے پپوٹے شب بیداری کی علامت تھے تو سرخ آنکھیں بہت سی شورشوں کی

اس کا ملگجا لباس، اس کے بکھرے گیسو، اس کا پریشان حال اس کی دہلیز پر کھڑے ہونا۔

وہ سراسیمہ سا تکے گیا تھا۔

وہ اندر بڑھ آئی تھی۔ رہبان نے دروازہ بند کر کے اس کی جانب بغور دیکھا تھا۔

''تم اتنی صبح؟ اور کیا ہوا ہے تمہیں؟ سجل! ٹھیک تو ہو تم؟'' وہ انتہائی جذباتی انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ سجل اسے خاموشی سے تکتی گئی تھی۔ پھر اس کے ہاتھ اپنے شانوں سے جھٹکتے ہوئے اس پر پل پڑی تھی۔

''جھوٹے، فریبی، مکار! تم نے مجھے دھوکا دیا۔ محبت کا ڈھونگ رچا کر میرے دل کو تختہ مشق بنایا۔'' وہ چیختی ہوئی اس کے سینے پر دونوں ہاتھوں سے مکے برسانے لگی تھی۔

''تم نے سال بھر مجھے بے وقوف بنایا۔ اندھیرے میں رکھا اور آپ کہکشاؤں پر چلتے رہے۔ کیا سمجھتے تھے تم مجھے۔ کیا سمجھا تم نے سجل عباس نقوی کو، ایک اسٹوپڈ سی لڑکی جو تمہاری محبت میں سرتا پا غرق تھی؟ جانے انجانے میں بھی نہیں، جانتے بوجھتے ہوئے مجھے الو بنایا۔ محبت کا ڈھونگ رچایا اور بیاہ کہیں اور رچا لیا۔ نکلے نا وہی فطری مرد۔''

کتنے بہت سے آنسو اس کے رخساروں پر پھیلتے جا رہے تھے اور وہ کشن اٹھا اٹھا کر اس کی جانب اچھالتی جا رہی تھی۔

پھر تھک کر وہیں فرش پر بیٹھی تھی اور دھواں دھار رونے لگی تھی۔

''رہبان عالم شاہ! مجھے تم سے یہ امید نہ تھی۔ کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا؟ تمہیں کھیلنے کو میرا دل ہی کیوں ملا؟ اور اگر مجھے ہارنا ہی تھا تو تبھی کیوں میرے مقابل آن رکے؟ میں نے کیوں تم پر اعتبار کیا۔ سب کچھ اتنی آسانی سے توڑ دیا۔ میرے سارے احساسات، سارے جذبات، میرے خواب نگر، میرے سارے گھروندے اور دل۔''

وہ بھیگی بھیگی آنکھوں کے ساتھ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

''تمہیں ایک لمحے کو بھی خیال نہ گزرا، احساس نہ ہوا، ترس نہ آیا۔ کتنے ظالم نکلے تم۔'' وہ درد کی شدت سے جملہ ادھورا چھوڑ کر چہرے کا رخ پھیر گئی، [illegible] آنسو بہانے لگی۔

رہبان عالم شاہ نے خاموشی سے دیکھا تھا۔ ایک اسی دن کا ڈر تھا اسے۔ اور کیسے اس کے خدشے سچ ہو گئے تھے۔

اور اب اس کے پاس کہنے کو کیا بچا تھا۔ کوئی حرفِ تسلی، نہ حرفِ پشیمانی۔

وہ کیا کہتا، کس کس بات کی وضاحت کرتا۔ اور پھر یقین کون کرتا؟

وہ ہونٹ بھینچے کتنی ہی دیر اسے کھڑا تکتا رہا تھا۔ پھر بہت ہولے سے چلتا ہوا اس کے قریب جا رکا تھا۔ وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھی۔ وہ آہستگی سے جھکا تھا اور گھٹنوں کے بل اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ بہت ہولے سے اس کے ہاتھ تھامے تھے۔ وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ پھر ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ اس کی گرفت سے نکال لئے تھے اور بھیگی بھیگی آنکھوں کے ساتھ سرنفی میں ہلانے لگی تھی۔

''نہیں رہبان عالم شاہ! نہیں...... کوئی وضاحت مت دینا۔ سب کچھ بہت فضول لگے گا۔ وضاحتیں دینے سے، جواز پیش کرنے سے بعض اوقات سب کچھ مزید بھونڈا لگنے لگتا ہے۔ وضاحتیں دینے والے جھوٹے ہوتے ہیں...... مکار...... ساری وضاحتیں جھوٹ کے زمرے میں آتی ہیں۔ اور میں کوئی مزید جھوٹ سننا نہیں چاہتی۔ بہت بے وقوف بنا چکے مجھے تم...... اب اور نہیں۔''

''سجل! تم میری بات سنو۔ میرا یقین کرنے کی کوشش کرو۔'' رہبان عالم شاہ اس کی سمت تکتا ہوا بس یہی کہہ سکا تھا۔

وہ بھیگی بھیگی آنکھوں سے تکتی گئی تھی۔

''یقین ہی تو کیا تھا رہبان عالم شاہ! یقین ہی تو کیا تھا تم پر۔ مگر تم نے تو سب کچھ ہی توڑ ڈالا۔ اگر تمہیں راہ بدلنا تھی تو سلیقے سے آگاہ کیا ہوتا۔ میں تمہاری راہ سے آپ ہٹ جاتی۔ مجھے اشارہ کرتے، میں تم سے میلوں کے فاصلے پر جا ٹھہرتی۔ عمر بھر تمہیں اپنی صورت نہ دکھاتی۔ تم نے مجھے تاریک راہوں میں مارا۔ اتنی ارزاں تو نہیں تھی سجل عباس نقوی۔ تم نے کیوں اسے اتنی ارزاں جان لیا۔''

''پلیز سجل! مجھے کچھ بولنے کا موقع دو۔ میری بھی سننے کی کوشش کرو۔'' رہبان عالم شاہ نے مدھم انداز اختیار کیا۔ وہ چپ چاپ اس کی سمت تکنے لگی۔ تبھی وہ بولا۔

''دیکھو! اگر یقین کر سکتی ہو تو کر لو سجل! کہ میں نے تمہیں کوئی دھوکا نہیں دیا ہے۔ ہاں بہت کچھ بتانے کی خواہش کی تھی۔ مگر بہت کچھ آگاہ کرنے کا حوصلہ مجھ میں کبھی بھی نہیں رہا۔ اسی بات کا ڈر تھا مجھے، تمہیں کھو نہ دوں، گنوا نہ دوں۔ اور آج وہی گھڑی آن پہنچی۔''

وہ اسے تکتی ہوئی یکدم ہی ہنس دی۔ انتہائی تلخی کے ساتھ۔

''رہبان عالم شاہ! بولو، کیا یقین کروں میں تمہارا؟ سچ کہنے کے لئے، سچ بتانے کے لئے آنکھیں ملا کر بات کرنے کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ سچ کہنے والے ڈرتے نہیں، نگاہ ملاتے ہیں چراتے نہیں۔ تم جو مجھ سے نگاہ نہیں ملا سکتے، مجھے کیا سچ بتاؤ گے؟ اب بچا ہی کیا ہے سب کچھ تو کھل چکا ہے۔ تم تو خوش ہو، مطمئن ہو، دونوں طرف سے فتح یاب رہے۔ نقصان تو میرا ہوا ہے، وہ بھی ناقابلِ تلافی۔ کیا ازالہ کرو گے تم؟ ہاں بولو...... کیا کرو گے تم؟'' بہت اعتماد کے ساتھ وہ اس کی سمت دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی تھی۔

رہبان عالم شاہ اس کی سمت سے نظریں ہٹا گیا تھا۔

''سب مرد ایک جیسے ہوتے ہو تم۔ سطحی ذہن اور سطحی سوچ رکھنے والے۔ ایک جیسی مینٹلیٹی رکھنے والے۔ ہر طرف سے اپنے فائدے کی سوچنے والے، اپنا نفع اور نقصان ٹھان کر قدم بڑھانے والے۔ تمہارا ایک قدم بھی پلاننگ کے بغیر نہیں ہوتا۔ نپا تلا انداز، نپا تلا لہجہ، نپا تلا عمل اور محبت۔ اوں ہوں...... محبت نہیں۔ ایسا کوئی صفحہ تم لوگوں کی ڈکشنری میں ہے ہی نہیں جس میں یہ لفظ درج ہو۔ بس کھیلتے ہو تم سب...... کھیلنے کے عمل سے محظوظ ہوتے ہوئے بھول جاتے ہو کہ یہ کھیل کس کے حق میں کتنے کرب لکھ رہا ہے۔ اسے کتنا دکھ دے رہا ہے۔ ایک طرف اپنی بیگم سے رسمِ محبت نبھا کر اور دوسری جانب مجھے بے وقوف بنا کر۔ میں یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتی تو شاید تم مجھے اب بھی مزید بے وقوف بناتے رہتے اور میں بنتی چلی جاتی۔'' اس کی آواز ڈوب گئی۔ ''کیونکہ...... کیونکہ میں نے تو محبت کی تھی نا رہبان عالم شاہ! اس اندھی محبت کی پٹی میری آنکھوں سے کبھی اترتی ہی نہیں۔ اور میں خوش گمانیوں میں گھری فریب کھاتی رہتی۔ رہبان عالم شاہ! قصور شاید میرا ہی تھا۔ مجھے اپنی آنکھیں کھلی رکھنی چاہئے تھیں، کھلی آنکھوں سے محبت کرنی چاہئے تھی۔ دیکھو میں نے کتنا نقصان اٹھایا ہے نا۔ یہاں بہت درد ہو رہا ہے۔'' اس نے دل پر ہاتھ دھرا تھا۔ آواز بھرا گئی تھی۔ وہ بھیگی بھیگی آنکھوں سے اس کی سمت تکتی چلی گئی تھی۔ آنسو خود بخود رخساروں پر پھیل رہے تھے۔

''دل تھا نا...... ٹوٹ ہی گیا۔ کیسے روکتی میں تمہیں۔ سب کچھ جان بھی جاتی تو کیسے باندھتی تمہیں۔ کوئی کاروباری ایگریمنٹ تو سائن نہ کیا تھا ہم نے...... نہ ہی کوئی treaty سائن ہوئی تھی ہمارے مابین۔ بس دلوں میں ربط ہوا تھا اور دلوں کے کھیل میں تو یونہی ہوتا ہے۔''

وہ ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتے ہوئے یکدم ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے قریب سے گزر کر نکل جانا چاہا تھا مگر تبھی رہبان عالم شاہ نے اس کی کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا

تھا۔ تجل عباس نقوی نے بہت خاموشی کے ساتھ متورم آنکھوں سے اسے دیکھا تھا، پھر بہت چپکے سے ہاتھ اس کی گرفت سے نکال لیا تھا۔

"تم ہر حق گنوا چکے ہو رہبان عالم شاہ! اب کچھ باقی نہیں رہا۔ کچھ بھی نہیں۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ تیزی کے ساتھ دروازے کی سمت بڑھ گئی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل وہ رہبان عالم شاہ کے اپارٹمنٹ سے نکل گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ کتنے ہی پل ساکت کھڑا اس پُر وحشت کمرے کو دیکھتا رہا تھا جہاں کی ہر شے اس سے تلپٹ تھی۔

✿......✿

ساتھ والے گاؤں سے اس روز اچانک ہی بے بے کی کوئی بہن آئی تھیں۔ سیو کو بہت خاص خاص نظروں سے تک رہی تھیں۔ ساتھ ہی دو تین عورتیں اور بھی تھیں۔

"سیو! سر پر دوپٹہ ڈال کر سلام کر۔" بے بے نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھتے ہوئے کہا تھا اور سیو کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ البتہ اس نے انہیں سلام کرنے کے ساتھ ہی سر پر دوپٹہ بھی ڈال لیا تھا۔ وہ عورتیں اسے بہت پسندیدہ نظروں سے تک رہی تھیں۔ وہ اس سے قبل بے بے کی اس بہن سے ملی نہ تھی۔ بے بے بتا رہی تھی بچپن میں وہ ایک آدھ بار ان کی طرف گئی تھی بے بے کے ساتھ۔ پھر بے بے اپنے گھریلو امور میں جت کر اپنی اس خالہ زاد بہن سے مل ہی نہ سکی۔ بے بے ان کی بہت زیادہ آؤ بھگت کر رہی تھیں۔ نہ صرف بے بے بلکہ چاچا بھی پیش پیش تھے۔

"سیو! فٹافٹ روٹیاں ڈال لے۔ اور سن، پانڈے (برتن) وہ سچے والے نکالنا، نویں والے۔" بے بے نے اسے اٹھتے دیکھ کر بطور خاص تلقین کی تھی اور وہ سر ہلاتی ہوئی باورچی خانے میں آ گئی تھی۔ تبھی نکو آ گئی تھی، سیدھی اس کی طرف۔

"تم کہاں سے آن ٹپکیں؟" اس کے مسکرانے پر سیو نے دریافت کیا تھا۔

وہ ہنس پڑی تھی۔ "مکو ٹھپیا جا رہا ہے تیرا۔ اب تو پرائی ہونے جا رہی ہے۔ تیری بے بے نے بطور خاص آج سنیاہ دے کر آپ بلوایا ہے۔ تیری پکی سہیلی جو ہوں۔" نکو مکمل سرشاری سے گویا ہوئی تھی اور سیو کے ہاتھ جہاں تھے وہیں تھم گئے تھے۔

"کیا...... کیا بکواس ہے یہ؟ بے بے نے مجھے تو کچھ نہیں بتایا۔"

"مگر یہ سچ ہے لاڈو رانی!" اس کے ساتھ ہی وہ شوخی سے گنگنانے لگی تھی۔

آئے گا شہری بابو

تم دل پہ رکھو قابو
کرو انتظار آنکھیں بند کر کے
لے جائے گا اک لڑکی پسند کر کے
آئے گا شہری بابو

سیو کی آنکھیں ساکت رہ گئی تھیں۔ اندر کیسی قیامت اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ کیسی افراتفری کا عالم تھا۔

"پتہ ہے لڑکا پوری دس جماعتیں پاس ہے۔ سنا ہے شہر میں ہی نوکری کرتا ہے۔ چل، تیری تو عیش ہو گئی۔ کتنے مزے کرائے گا۔ یہ ڈھیروں ڈھیر کپڑے، نئے نئے جوڑے اور شہر کی سیریں۔ شادی کے بعد تو، تو شہر ہی میں رہے گی کہ اس کی نوکری وہیں کی ہے۔ تیری بے بے نے سب باتیں تو نہیں بتائیں مگر فکر مت کرو، میں معلوم کر لوں گی۔ آخر کو تو تیری سہیلی ہوں۔ تیرے کام نہیں آؤں گی تو بھلا کس کے آؤں گی۔" وہ شرارت سے چھیڑتی ہوئی ہنس رہی تھی مگر وہ ساکت تھی۔

"دیکھ لے، کتنا نصیبہ ہے تیرا۔ پہلے وہ بلو وچارا بھی شہری بابو تھا جو تیری نظروں کا شکار ہوا اور دل ہار بیٹھا اور اب یہ بھی شہری بابو۔ سچ، قسمت کی بہت دھنی ہے تو۔ کھری قسمت ہے تیری۔" وہ اس کے نصیب پر رشک کر رہی تھی۔ مگر سیو جیسے بت بن گئی تھی۔

تبھی نکو نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے توے پر ڈالی گئی روٹی پوری طرح جل چکی تھی۔

"سیو...... اے سیو! کیا ہوا؟ کہاں کھو گئی تو؟ پہنچ گئی نا اپنے اس شہزادے کے پاس۔ ابھی سے خواب دیکھنے شروع کر دیئے نا۔ پر سن، نکل آ ان خوابوں سے۔ یہ سارے خواب سچ ہونے والے ہیں۔ مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ اس شہزادے کے گھر سے آنے والے لوگوں کی تو جی جان سے آؤ بھگت کرے، ان کو جی جان سے خوش کر دے۔ ویسے تو خیر سے اتنی سوہنی ہے تو کہ وہ تجھے رد کر ہی نہیں سکتے۔ اور ابھی جب میں وہاں سے گزر کر آ رہی تھی، تیری بے بے جس طرح اطمینان سے مسکرا رہی تھیں اس سے صاف ظاہر تھا کہ بات بن گئی ہے۔ اب تو سمجھو سیو تو ہوئی پرائی۔ ہائے، ہم تو شکل بھی دیکھنے کو ترس جایا کریں گے۔ پہلے شاہی کے آنے کا انتظار رہتا تھا اور اب تیری راہ اڈیکاں کریں گے۔ سن۔" وہ اس کی طرف شرارت سے جھکی۔ "چکر ذرا جھیتی جھیتی لگایا کرنا۔ کتنی پیاری ہے تو ہمیں۔ تیری جدائی مشکل سے ہضم ہو گی۔"

نگو پُرشوق عالم میں بولتی چلی جا رہی تھی۔ سیو نے اسے دیکھا تھا، پھر پیڑا لے کر
ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر منتقل کرتے ہوئے ساتھ ہی توے پر موجود روٹی کو بھی دیکھنے
لگی تھی۔

"ہاں، یہ تو سیاہ پڑ گئی جل کر۔ اسے ساتھ باندھ دینا۔ وہ شہری بابو بڑے شوق سے
کھائے گا۔ یقین ہے مجھے۔" وہ چھیڑنے سے پھر باز نہ رہی تھی۔ وہ سنی ان سنی کر کے پھونکنی
اٹھا کر بجھتے ہوئے شعلوں کو پھر سے بھڑکانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ اس کوشش میں آنکھوں میں
بہت سا پانی بھر گیا تھا۔ اردگرد کتنا دھواں سا تھا۔

آنکھوں سے کتنا بہت سا پانی یکدم ہی پھسلنے لگا تھا۔

"ارے..... رو رہی ہے تو؟" نگو نے اسے چونکتے ہوئے دیکھا تھا۔

"نن..... نہیں..... یہ دھواں..... آنکھوں میں بھر گیا۔ اور پانی....." اس نے جملہ مکمل
نہ کیا گیا۔ تبھی نگو نے اسے ایک طرف ہٹا دیا۔

"چل ہٹ تو۔ میں بناتی ہوں۔ تو بس اب بیٹھ کر سپنے دیکھ اس شہری بابو کے۔" وہ
مسکراتی ہوئی بولی تھی۔ مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔ اسی طرح ساکت و جامد رہی تھی۔ نگو مسلسل
اسے چھیڑتی رہی تھی۔ جملے بازی کرتی رہی تھی۔

پھر کھانا کھانے کے بعد جب وہ عورتیں جا رہی تھیں، بے بے نے اسے بلایا تھا۔ وہ ان
کے سامنے جانا نہیں چاہتی تھی مگر اس گھڑی انکار بھی نہیں کر سکتی تھی۔ تبھی چپ چاپ اٹھ کر
ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔

انہوں نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کی ہتھیلی پر ایک سو ایک
روپے رسم کے طور پر رکھ دیئے تھے۔

"سن لو جنت بی بی! مُن یہ سیو ہماری ہوئی۔ بس اب تم نے آنا ہے ہمارے کامران
کو پسند کرنے کے لئے۔" بے بے کی بہن مسکرائی تھیں۔ تبھی بے بے بولی تھیں۔

"ارے پسند ناپسند کی کیا گل ہے۔ خیر نال اپنے گھر کا بچہ ہے۔ ہم لوگ پچھلے وقتوں کے
ہیں۔ زبان دے دی تو سمجھو بیٹی دے دی۔ یہ پسند کرنا نہ کرنا تو نویں دور کے چونچلے ہیں۔
جس طرح تم نے اپنی سیو کو بیٹی بنا لیا اسی طرح ہم بھی کامران پتر کو روکنے آئیں گے۔"
بے بے بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ ان کے جانے کے بعد بہت چپکے سے
ہوئی چھت پر آ گئی تھی۔ اور کتنی دیر وہاں بیٹھی چپ چاپ آنسو بہاتی رہی تھی۔

✿.....✿

اک شخص ہے اس کے چہرے پہ کیا صبح جمال سی لرزاں ہے
یہ آنکھ کہ اس کو تکتی ہے اور اندر اندر حیراں ہے
شاداب رُتوں کی ہریالی بس مہماں ہے پل دو پل کی
پھر اس کے آگے دور تلک اک رستہ ہے اور ویراں ہے

بہت سے گھنے درختوں کے جھنڈ میں سے گزرتے ہوئے مژگان یکدم ہی ٹھہر گئی تھی اور
ایک گھنے پیڑ کے ساتھ ٹیک لگا کر رکتے ہوئے گہرے گہرے سانس لیتی ہوئی اس معطر فضا کو
اپنے اندر منتقل کرنے لگی تھی۔

نک بھی اس کے ساتھ ہی ٹھہر گیا تھا اور اسے بغور تکنے لگا تھا۔

مژگان کا انداز بہت فطری سا تھا۔ وہ اس حسن سے جیسے پوری طرح محظوظ ہو رہی تھی۔

"کتنا حسین ہے سب کچھ۔" وہ یکدم ہی آنکھیں کھول کر مسکراتی ہوئی سرشاری سے بولی
تھی۔ "کتنا بہت سا حسن اِدھر اُدھر بکھرا ہوا ہے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا، حسن اتنا مبہوت کر
دینے والا بھی ہو سکتا ہے۔" اس کا لہجہ بے یقین تھا۔

نک اسے اطمینان سے تکتا ہوا مسکرا دیا تھا۔ "سویٹ! حسن ہمیشہ مبہوت کر دینے والا ہوتا
ہے۔ تبھی تو اسے "حسن" کہتے ہیں۔ تم نے شاید کبھی بغور آئینہ نہیں دیکھا۔ دیکھتیں تو جان
پاتیں کہ حسن کیا ہے اور حسن نظر کیا۔ دلفریبی کسے کہتے ہیں اور دلکشی کیا ہے۔ حسن تو ایک
جادو ہے، اور جادو بھی وہ جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ دیکھنے والے کی نگاہ خیرہ کر دیتا ہے۔ ہنی!
تم آئینہ دیکھو تو میری نظروں سے دیکھنا..... میں تمہیں اپنی آنکھیں مستعار دے دوں گا۔ دیکھنا
..... دیکھتی رہنا..... تم جان پاؤ گی کہ دنیا میں تم سے زیادہ حسین شے کوئی اور نہیں۔ تم کرشمہ
سازی کا عظیم نمونہ ہو۔ بے حد، بے پناہ حسین۔" وہ بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔ "میں اکثر
سوچتا ہوں کہ اگر میں مجسمہ ساز ہوتا تو کیا کرتا۔ شاید بے بس ہوتا۔ کوئی مصور ہوتا تو تمہیں
کینوس پر منتقل کرنے میں ناکام رہتا۔ میں کوئی عظیم شاعر ہوتا تو شاید تمہیں کسی گیت میں بھی
نہ ڈھال پاتا کہ تم تو یکتا ہو۔ دلفریب ترین..... حسین ترین..... تم تو تم ہو..... تمہیں کسی
شباہت سے کیا غرض! کسی عکس، کسی نقش، کسی شاہکاری سے کیا مطلب۔ تم بس تم ہو۔ تم جیسا
شاہکار مزید تخلیق نہیں ہو سکتا۔ کم از کم اس روئے زمین پر تو نہیں۔" کتنا بہت سا بول گیا تھا وہ
حسب عادت۔ اور مژگان اسے مبہوت سی تکتی گئی تھی۔

اس کی دیوانگی اس کے لئے باعث حیرت نہ تھی۔ وہ واقف تھی، اب سے نہیں، بہت
پہلے سے۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو ہنی! میری دیوانگی پر حیران ہو؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میری دیوانگی بے اختیاری ہے؟"

"تم اتنا بہت سا کیسے بول لیتے ہو؟ اتنے لفظ کہاں سے آتے ہیں تمہارے پاس؟" وہ ہونق صورت لئے تکتی ہوئی بولی تھی۔

اور وہ یکدم ہی ہنسنے لگا تھا۔ "تمہیں لگتا ہے ہنی! کہ میں بہت سا بول سکتا ہوں۔ بہت سے الفاظ ادا کرسکتا ہوں۔ تمہارے لئے بہت کچھ کہہ سکتا ہوں۔ مجھے تو اندازہ نہیں ہوتا۔ یہ سب بہت اختصار رکھتا ہے۔"

پتہ نہیں وہ سنجیدہ تھا کہ غیر سنجیدہ۔ البتہ وہ ضرور ہنس پڑی تھی جیسے کہہ رہی ہو۔ "ہونہہ! پاگل۔" پھر وہ یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر کر دور تک پھیلے ہوئے درختوں کو دیکھنے لگی تھی۔

"یہ گھنے پیڑوں پر مشتمل جنگل کتنا اسرار رکھتا ہے اپنے اندر۔ اس کی ویرانی میں جیسے ایک طلسم ہے۔ اس کی خاموشی بولتی محسوس ہوتی ہے اور اس کی خوشبو پاگل کرتی ہے۔ مجھے تو ان درختوں کی اقسام بھی نہیں معلوم۔ مگر ان کی خوشبو سے فضا میں ایک جادو سا پھیلتا ہوا محسوس کر رہی ہوں...... دور تک...... حد نگاہ تک پھیلے ہوئے یہ پیڑ...... کتنا حسین منظر پیش کر رہے ہیں۔" وہ بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔ وہ اس کی سمت بغور تکتا مسکرا دیا تھا۔

"ہنی! تم جانتی ہو...... میرے اندر بھی ایک ایسا ہی گھنا جنگل آباد ہے۔ یہاں سے وہاں تک پھیلا، دور تک بکھرا گھنا جنگل۔ اور میں ان جنگلوں میں بھاگتا رہتا ہوں، بھٹکتا رہتا ہوں۔ مگر کوئی راستہ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ تم جب لوٹ آئی تھیں تو یہ جنگل پھر اور گھنا ہو گیا تھا۔ میں پہروں ایک ہی مقام پر سرگرداں رہتا تھا۔ تمہیں ڈھونڈتا رہتا تھا اور بھٹکتا رہتا تھا۔ تم مجھے کہیں نہیں ملتی تھیں مگر میرا سفر تھمتا نہیں تھا۔ میں رکتا نہیں تھا۔ ہر بار ایک نئی ہمت کے ساتھ، ایک نئے حوصلے کے ساتھ چل پڑتا تھا اور بھاگتا پھرتا تھا اور آج تک بھاگ رہا ہوں۔ وہ جنگل اب تو اور بھی گھنا ہو گیا ہے۔ میں جانتا ہوں تمہیں کھوجنا تو ممکن ہے مگر پالینا ممکن نہیں۔ مگر اس ایک لمحے کا کیا کروں جب تمہارے تصور نے مجھے مبہوت کر کے اپنے حصار میں باندھ لیا تھا۔ بس وہی لمحہ تو تھا اور اس کے بعد سے میں بھٹکتا پھر رہا ہوں۔ جنگلوں میں راستہ نہیں۔ مگر تمہاری یادوں کی خوشبو اسی طور ٹھہری ہوئی ہے۔ میں فضا میں گہرے سانس خارج کرتا ہوں اور ان ساری خوشبوؤں کو سانس میں اتار لیتا ہوں۔ اتنا تو اختیار ہے مجھے۔ یہ میرے اندر کی خوشبو ہے۔ تبھی تو میں تمہارے تغافل پر شکوہ کناں نہیں ہوتا۔ کوئی الزام نہیں دھرتا۔ جانتا ہوں، بہت سی باتوں کا ہونا ممکن نہیں۔ مگر جو ہو سکتا ہے وہ ضرور کرنا چاہئے۔

میں خود کو ان معاملات سے الگ نہیں کرسکتا۔ تبھی تو اِدھر اُدھر بھٹکتے رہنے کا عمل رکتا نہیں۔ جنگل کی خوشبو میں لپٹا تمہارا خیال مجھے اپنے سنگ باندھ لیتا ہے تو میں کیا کروں۔ ہر جانب بکھری تمہاری یاد کی خوشبو مجھے پاگل کر دیتی ہے تو میں کیا کروں۔ میں اس جنگل سے نکلنے کا راستہ نہیں پاتا ہوں تو میں کیا کروں؟ تمہارا تصور مجھے اپنے حصار سے نکلنے ہی نہیں دیتا تو میں کیا سدباب کروں؟ کوئی عمل بھی تو کامل نہیں۔"

وہ مکمل سنجیدگی سے گویا تھا۔ مگر وہ یکدم ہی ہنسنے لگی تھی۔

"سنو اے شخص! تمہیں میں پاگل کہوں کہ نہ کہوں...... کوئی ایک جواز تو تم باقی چھوڑ دیا کرو۔" وہ یقیناً اس کے تمام کہے گئے کو مذاق میں اڑانا چاہتی تھی۔

تبھی وہ مسکرا دیا تھا۔ "تمہیں سب اختیار ہے ہنی۔ تم جو چاہے کہہ سکتی ہو...... اور جو مجھے پاگل کہتی ہو تو کچھ عجب بھی نہیں۔ میں کب انکاری ہوتا ہوں۔"

"تم انکاری نہیں ہوتے ہو۔ مگر......" وہ یکدم ہی مسکراتی ہوئی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

تبھی اس گھڑی اچانک ہی دھیان رہبان عالم شاہ کی سمت جا نکلا تھا۔

"تمہارا دھیان کسی اور سمت بھٹک گیا ہے ہنی۔ کیا سوچ رہی ہو تم؟" وہ اس کے چہرے کی تحریر کو بڑے آرام سے پڑھتا ہوا بولا تھا۔ وہ قدرے حیران ہوئی تھی۔ پھر ہولے سے مسکرا دی تھی۔

"میں کئی بار رہبان عالم شاہ کے پرسنل سیل پر رنگ کر چکی ہوں مگر اس کا پرسنل ڈیجیٹ مسلسل آف ہے۔ پتہ نہیں، کیا بات ہے۔ وہ کہاں ہے کچھ پتہ نہیں چل رہا۔ اس رات وہ بہت اسٹریس میں تھا اور......" اس نے پریشانی کے عالم میں کہتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

"ڈونٹ وری۔ تم فکر مت کرو۔ وہ یقیناً ٹھیک ہوگا۔ شاید مصروف ہو، کسی اہم اسائنمنٹ میں الجھا ہو۔ اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے بجل کے ساتھ بزی ہو۔" آخر میں اس نے مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا۔ مگر وہ ڈھنگ سے مسکرا بھی نہ سکی تھی۔

بس یونہی بے دھیانی میں سر ہلا دیا تھا۔

"اینی وے، واپس چلتے ہیں۔ شام ہونے والی ہے۔ موسم بھی ٹھیک نہیں۔ بارش شروع ہو گئی تو مشکل ہو جائے گی۔" وہ بولی تھی اور ساتھ ہی قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ تک نے بھی فوراً اس کی تقلید کی تھی۔

✿......✿

کیسی نیند تھی، کیسے خواب تھے اپنے

اور اب گلابوں پر
نیند والی آنکھوں پر
نرم خو سے خوابوں پر
کیوں عذاب ٹوٹے ہیں
تم سے کچھ نہیں کہنا
گھر گئے ہیں راتوں میں
بے لباس باتوں میں
کب چراغ جلتے ہیں، کب عذاب ٹلتے ہیں
اب تو ان عذابوں سے بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں جاناں!
جس طرح تمہیں سچ کے لازوال لمحوں سے واسطہ نہیں جاناں!
ہم نے سوچ رکھا ہے
تم سے کچھ نہیں کہنا

ادعیہ شیخ مکمل وحشت سے ہر ہر شے کو تک رہی تھی۔

باقی ہی کیا بچا تھا...... کہنے سننے کو...... سننے سنانے کو۔ دنیا دکھاوے کی خاطر کب تک یہ سہا جا سکتا ہے۔

سچ کہتے ہیں جس گھر کی بنیادیں کھوکھلی ہوں، وہ زیادہ دیر قائم و دائم نہیں رہ سکتا۔ اور یہاں تو ہوا تھا...... یہ مکان ریت پر تعمیر ہوا تھا۔ سو اس کی عافیت کس طرح قائم رہتی۔

دل میں کدورتیں ہوں تو پھر کچھ باقی نہیں بچتا۔

دونوں فریقین نے نبھانے کی اپنی اپنی سی کوشش کی تھی۔ مگر اتفاق سے دونوں ہی اپنی اپنی جگہ ناکام رہے تھے۔ انا کی دیوار بہت لمبی تھی۔ پاٹنا آسان نہ تھا۔ سو دونوں فریقین نے اپنی اپنی غلطیوں کو مان لیا تھا۔ وہ جو اب تک فقط سمجھوتے کی چادر اوڑھے بیٹھی تھی، اس کو جیسے ساری ہمتیں ہار گئی تھی۔ شاید اب کوئی مزید جواز نہ بچا تھا، اس کے صاف طور پر دینے سے، اسے اس گھر سے چلے جانے کا حکم صادر کرنے سے۔ اگر وہ پھر بھی اپنی جگہ رہتی تو کیا "انا" باقی بچتی۔

وہ واپس لوٹتا اور اسے وہیں پاتا تو کیا وہ اس کی تفاخر بھری نظروں کو جھیل پاتی؟

ارزاں تو نہیں تھی وہ کہ زبردستی کسی کے سر پر مسلط رہتی۔

کتنی بار سوچا تھا اس نے مگر انا چیختی جا رہی تھی۔

"نہیں، نہیں، نہیں۔" کسی مصلحت کو ماننے کو تیار ہی نہ تھی۔ اور تبھی وہ اٹھ کر الماری کے سامنے آن رکی تھی۔ سوٹ کیس اتار کر بیڈ پر رکھا تھا اور الماری کھول کر اپنے کپڑے تیزی کے ساتھ اس میں بھرنے لگی تھی۔ آنکھوں سے جانے کیوں پانی بہتا چلا گیا تھا۔

گزرے سارے زمانے نگاہوں میں گھومنے پھرنے لگے تھے۔ اس نے ایسا تو نہیں سوچا تھا۔ سب کچھ جانے کیوں اس کے مخالف ہی کیوں ہو رہا تھا اور وہ بھی کس قدر لاتعلق ہو چکا تھا۔ اس قدر سرد مہر۔ لگتا ہی نہیں تھا وہی اعصار شیخ ہے۔ وقت کسی کو اتنا بدل بھی سکتا ہے، کسی کے قول و قرار کو، کسی کے عہد و پیماں کو، کسی کے مزاج کو، کسی کی نظروں کو۔

وہ مزید سمجھوتہ کرتی تو کس جواز پر۔ دوسری جانب سے بھی تو کچھ پیش رفت ہوتی، تھوڑی پیش قدمی ہوتی۔ وہی کیوں پستی رہتی۔ وہی کیوں گھلتی رہتی۔ کتنا کچھ سہا تھا اس نے، کتنا کچھ برداشت کیا تھا۔ وہ بھی جو ناقابل برداشت تھا، وہ بھی جو ناقابل قبول تھا۔

اس نے سوٹ کیس بند کر کے اٹھایا تھا اور کمرے پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تھی۔ نظریں یکدم ہی اس کی تصویر پر جا ٹھہری تھیں۔

تم اک بار کہتے تو میں رک ہی جاتی
میں پل میں تمہاری جفائیں بھلاتی
کہاں ہے کہاں گم ہوئی ہے اچانک
وہ تیری محبت...... وہ میری محبت
یہیں ہے یہیں گم ہوئی ہے اچانک
وہ تیری محبت...... وہ میری محبت!!

بہت سا گرم گرم پانی چپ چاپ رخساروں پر پھیلتا چلا گیا تھا۔

امید، آس، خواہش، کچھ بھی تو پورا نہیں ہوا تھا۔ پھر کیا جواز تھا۔ وہ یکدم ہی پلٹی تھی اور چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔ آنکھیں جانے کیوں پانیوں سے لبریز تھیں اور وہ ہاتھ کی پشت سے مسلسل آنکھیں رگڑے جا رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے، یہ کہاں جا رہی ہو تم؟"

دادی اماں کی آواز یکدم ہی ابھری تھی اور وہ سر اٹھا کر ان کی جانب تکنے لگی تھی۔ کہنے کو اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ لبوں پر سرد خاموشی جامد تھی۔

"مجھے بھی کچھ پتہ چلے گا کہ اس گھر میں کیا ہو رہا ہے؟ آخر تم لوگوں کی نگاہ میں میری بھی کوئی وقعت ہے کہ نہیں؟" دادی اماں کی آواز دکھ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ مگر ادعیہ کے گلے

میں اس گھڑی آنسوؤں کا پھندا سا تھا۔ کیسے سناتی۔ کیسے کہتی وہ تمام تلخ الفاظ جو اس کی انا کے لئے تازیانہ تھے۔ کیسے بیان کرتی وہ تمام داستان کہ قصہ تو اب ختم ہو چکا تھا۔

"ادعیہ! میں تم سے پوچھ رہی ہوں، اس طرح سوٹ کیس لے کر تم کہاں جا رہی ہو؟"

دادی اماں کی آواز درشت تھی اب کے۔ تبھی وہ ہونٹ شدتِ غم سے بھینچ کر ان کی سمت تکنے لگی تھی۔ جیسے تمام تر ہمتوں کو مجتمع کرنا چاہتی ہو۔ پھر قدرے توقف سے اسی آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"سب کچھ ختم ہو چکا ہے دادی اماں! کہنے سننے کو کچھ بچا ہی کہاں ہے۔" آنکھوں سے بہت تیزی کے ساتھ آنسو بہہ کر اس کی تمام ہمتوں کو ایک بار پھر بکھیر گئے تھے۔

"دادی اماں! میں جا رہی ہوں۔ اپنے گھر۔"

دادی اماں کتنے ہی لمحے ساکت انداز میں اسے تکتی رہی تھیں۔ کچھ بھی تو نیا نہیں تھا۔ جس طرح کی کشیدگی ان کے درمیان تھی، اس سے کچھ بھی اخذ کیا جا سکتا تھا۔ کسی بھی انتہائی صورت حال کے متعلق ذہن کو تیار کیا جا سکتا تھا۔ مگر جانے کیوں دادی اماں اس گھڑی بہت بے یقینی کے انداز میں اس کی سمت دیکھ رہی تھیں۔ تبھی وہ بولی تھی۔

"آپ گواہ ہیں دادی اماں۔ پلیز! مجھے تحفظ ضرور دیجئے گا۔ اگر مجھ پر کوئی الزام آئے یا فردِ جرم عائد ہو تو کسی قدر صفائی ضرور دیجئے گا۔ میں جانتی ہوں قصور میرا نہیں۔ مگر الزام دینے والی تمام انگلیاں میری جانب ہی اٹھیں گی۔"

"اعصار شیخ نے کہا ہے تم سے ایسا کرنے کو؟" دادی اماں کا لہجہ اب بھی بے یقین تھا اور وہ جہاں چونک کر دیکھنے لگی تھی، وہیں بہت تلخی سے مسکرائی بھی تھی۔

"نہیں۔ "مختارِ کل" ہوں میں تو۔ سارے فیصلے میرے ہی تھے۔ سو یہ قدم بھی اٹھانے میں پیش قدمی میں نے ہی کی۔ وہ محترم تو اول روز سے ہی بری الذمہ ہیں۔ مرد ہونا بہت بڑا اعزاز ہے۔ تبھی تو لوگ بیٹیوں کے پیدا ہونے پر ناخوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ ان سے وابستہ کتنے الزام والدین کو بھی سہنے پڑتے ہیں۔" ادعیہ نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں ایک بار پھر رگڑی تھیں۔ "دادی اماں! مجھے کوئی ملال نہیں۔ میں ان تمام الزامات اور خطابات کو سہنے کا حوصلہ خود میں مجتمع کرنے کی کوشش ضرور کروں گی۔ مگر آپ اعصار شیخ سے کہہ دیجئے گا۔" آواز یکدم بھرا گئی تو وہ نگاہ پھیر کر ہونٹ بھینچ کر یونہی دوسری سمت دیکھنے لگی۔ پھر اپنی بکھری ہمتوں کو سمیٹتے ہوئے دوبارہ بولی۔

"اسے کہئے گا مجھے کبھی اپنی صورت نہ دکھائے۔ نفرت ہے مجھے اس سے...... شدید

نفرت۔"

دادی اماں کی آنکھوں سے بھی متواتر پانی بہنے لگا تھا۔ وہ لاکھ چاہنے کے باوجود اسے یہ نہ کہہ سکیں کہ وہ نہ جائے، رک جائے۔ وہ تو سمجھتی تھیں، اعصار شیخ وہ سب محض اس کو اپنی جانب راغب کرنے کو کر رہا ہے۔ اس کی سرد مہری توڑنے کو۔ اس کے غصے کو مٹانے کو یونہی اسے ستا رہا ہے کہ کسی طور وہ جلے کڑھے اور اس پر توجہ دے۔ اس پر نگاہ کرے اور درمیان کے تمام فاصلے اسی طور سمٹ جائیں۔ یہ سب ہوگا، ان کے سان و گمان میں نہ تھا۔ شام کو وہ جاتے ہوئے مل کر بھی کہاں گیا تھا اور اسے جانے کیا کہہ گیا تھا۔ ایسے کسی بچگانہ فیصلے کی امید اسے نہ تھی۔ وہ تو اچھا خاصا سمجھدار تھا۔ پھر اپنی زندگی کا فیصلہ ایک پل میں کیسے کر ڈالا۔ وہ جسے پانے کو اس نے دنیا سے ٹکر لی، کسی کی پرواہ نہیں کی، اب اس سے اتنی آسانی سے کیسے دستبردار ہو رہا ہے۔ کیوں اسے دنیا کے قدموں کی خاک کر رہا ہے۔ اتنا بڑا فیصلہ، اتنا اہم اقدام اور اتنی افراتفری میں۔

"کیسے روکوں میں تمہیں؟ چاہوں بھی تو کیسے روکوں تمہیں؟ یہ اعصار شیخ کیسا کھیل گیا ہے۔ کوئی یوں بھی کرتا ہے بھلا۔ کچھ مجھ سے کہتا سنتا۔ زندگی کے فیصلے بچوں کی مانند بھی ہوتے ہیں بھلا؟ پہلے پانے کی جلدی تھی اور اب......"

"دادی اماں! ان محترم کو کھلونا درکار تھا۔ جو اختیار میں رہتا تو ان کی انا کو تسکین پہنچاتا رہتا۔ ایک چال چلی تھی اس نے محبت کے نام پر۔ اور یہ مجھ پر اب کھلا۔ سارے پچھلے حساب چکانے کی کوشش کی گئی ہے۔ میرا قصور صرف اتنا تھا کہ میں حسن شیخ کی بیٹی تھی۔ اس حسن شیخ کی جسے اس گھر میں کبھی قبول نہیں کیا گیا، جسے نہ بیٹوں کی فہرست میں جگہ ملی، نہ جائیداد کے بٹوارے میں۔ ہم نے کبھی کوئی شکوہ نہیں کیا۔ مگر اس کے باوجود جانے کیوں ہم حریفوں کی فہرست میں رہے۔ شاید کسی موقع کی تلاش تھی اور وہ موقع اعصار شیخ کے ہاتھ لگ ہی گیا۔ اس خاندان کی دشمنی کبھی میری سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اس مخالفت سے کسی کو کچھ حاصل ہوا یا نہ ہوا ہو مگر مجھے بہت سے عذاب ملے ہیں۔ میں اس شکست کو کبھی فراموش نہیں کروں گی۔"

اس نے بھیگی پلکوں سے دادی اماں کو دیکھا تھا۔ وہ مسلسل روتے ہوئے خاموشی سے اشک بہاتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھیں۔ کیسا بے بس سا انداز تھا ان کا۔

ادعیہ نے ضبط کے کئی باندھ باندھتے ہوئے سوٹ کیس اٹھایا تھا۔ تبھی تایا جان سامنے آن رکے تھے۔

وہ کتنی ہی دیر خاموشی سے دیکھتی رہی تھی۔

''کہیں نہیں جاؤ گی تم۔ یہ میرا حکم ہے۔ ایک بیٹی کے لئے ایک باپ کا حکم۔'' ان کے مدھم لہجے میں کتنا مان تھا۔ ادعیہ کتنی ہی دیر خاموشی سے انہیں تکتی رہی تھی۔ پھر بہت ہولے سے سرنفی میں ہلانے لگی تھی۔

''نہیں تایا ابا۔ پلیز، اب میں آپ کا مان نہیں رکھ پاؤں گی۔ آپ پلیز مجھے ایسی کسی بندش میں باندھنے کی کوشش مت کیجئے جس سے میری انا کو مزید چوٹ پہنچنے کا احتمال ہو۔''

تایا ابا بہت ہولے سے چلتے ہوئے آگے بڑھ آئے تھے۔ پھر اسی آہستگی سے اس کے ہاتھ سے سوٹ کیس لے کر ایک طرف رکھتے ہوئے اس کے سر پر بہت پیار سے ہاتھ دھرا تھا۔

''اعصار شیخ اتنا بااختیار قطعی نہیں ہوا کہ اپنی زندگی کے سبھی فیصلے خود کرتا چلا جائے۔ ایک اقدام پر کان نہیں کھینچے گئے تو یقیناً اس کی ہمت سوا ہو گئی۔ مگر اب ایسا بھی نہیں کہ وہ مختار کل ہو گیا۔ دیکھتا ہوں اب وہ اپنی من مانی کیسے کرتا ہے۔'' ان کا لہجہ اور انداز بہت مضبوط تھا۔ مگر وہ سر اٹھا کر نفی میں گردن ہلانے لگی تھی۔

''پلیز تایا ابا! اب میں مزید کسی کھیل کا حصہ بننا نہیں چاہتی۔ آپ پلیز......''

مگر انہوں نے اس کے مزید بولنے سے قبل ہی اسے روک دیا تھا اور اسے شانوں سے تھام کر اس کے کمرے کی طرف چلنے لگے تھے۔

''کیا ایک باپ کو اتنا بھی اختیار نہیں کہ اپنی بیٹی پر کوئی زبردستی کر سکے؟ اگر حسن شیخ ہوتا تو کیا تم انکار کرتیں؟''

اور ان کے ساتھ چلتے ہوئے، قدم آگے بڑھاتے ہوئے جانے کیوں کچھ کہہ ہی نہ سکی تھی۔ بس چپ چاپ بھیگی آنکھوں سے سر اٹھا کر انہیں دیکھتی رہی تھی۔

''ایک باپ کا وعدہ ہے، اب کوئی ناانصافی نہیں ہو گی اس گھر میں تمہارے ساتھ۔ بہت ہو چکا، اب مزید کی گنجائش نہیں۔''

ان کا لہجہ مضبوط تھا اور ادعیہ کے لبوں پر خاموشی طاری تھی۔

❁......❁

سب کچھ سچ تھا۔ مگر اس کے باوجود ناقابل قبول تھا۔ جو کچھ ہو چکا تھا، بہت ہو چکا تھا، قیامت لگ رہا تھا۔

شاید کوئی قیامت ہی تھی۔ تبھی تو سب کچھ تہس نہس ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ ایک رشتہ جس کے لئے اس نے سب رشتوں کو پس پشت ڈال دیا۔ جس کے لئے اپنا سب کچھ تج دیا۔ اپنا رتبہ، اپنا مقام، اپنا نام، حیثیت و مرتبہ، کسی بھی شے کی پرواہ نہیں کی تھی اس نے۔ کتنی صداقت سے چاہا تھا اسے۔ اور آج وہی اسے نا اعتباری کی گہری کھائی میں ڈال گئی تھی۔

مگر وہ غلط کہاں تھی، حق پر تھی۔ اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا، یہی کرتا۔ محبت جتنا مضبوط رشتہ ہے، اسی قدر نازک اور کمزور بھی ہے۔ ذرا سی بدگمانی، ذرا سی بے اعتباری ساری ریاضتوں پر پانی پھیر دیتی ہے۔

''رہبان عالم شاہ! اسے خود سے آگاہ کر دو۔ اگر اسے کہیں اور سے تمام حقیقت پتہ چل گئی تو اسے زیادہ دکھ ہو گا۔ محبت جتنی مضبوط ہے، اسی قدر نازک بھی۔'' یہی تو کہا تھا مژگان نے۔ اور وہ تو کبھی ہمت ہی نہ کر سکا تھا کچھ کہنے کی۔ کتنے خدشے تھے اس کے اندر۔ کتنے ڈر بکل مارے بیٹھے تھے۔ اور اب جیسے ہر سو اندھیرا تھا۔

کتنی ہی بار اس نے سجل کا نمبر ملایا تھا۔ مگر دوسری جانب سے کوئی ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ بدگمانی حد سے سوا ہو گئی تھی۔ وہ اعتبار خاک ہو گیا تھا۔ مگر رہبان عالم شاہ مسلسل چہرے پر تناؤ لئے کوشش کئے جا رہا تھا۔ اس تعلق کو پھر سے معتبر کرنے کی کوشش۔

دوسری طرف سجل جیسے ہر طرف سے کان بند کئے بیٹھی تھی۔ کریڈل سے ریسیور اس نے اس سے قبل ہی ہٹا رکھا تھا، اب جھنجلا کر پرسنل ڈیجٹ سیل آف کرنے کو اٹھایا تھا جب سی ایل آئی پر آنے والے نمبر پر اس کی نگاہ لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی۔ شدت غم سے اس نے ہونٹ بھینچ کر اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔ کتنی بہت سی نمی آنکھوں میں آن ٹھہری تھی۔ درد پہلی شدت سے کہیں سوا ہو گیا تھا۔ بیل مسلسل ہوئے جا رہی تھی۔ اس نے جیسے تھک کر

''ٹاک'' پش کیا تھا مگر بولی کچھ نہیں تھی۔

''سجل پلیز! میری بات سنو، پلیز۔'' کتنی گہری پُر سکون سانس خارج کی تھی رہبان عالم شاہ نے۔ مگر وہ جواب میں تب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

رہبان عالم شاہ اس کی خاموشی کو دل سے محسوس کر رہا تھا۔ اس کا احساس، اس کی دوسری جانب موجودگی ایک حوصلہ افزا بات تھی۔

''سجل! آئی ایم سوری۔ تمہاری مسلسل چپ مجھے مار رہی ہے۔''

سجل کی آنکھوں سے چپ چاپ گرم گرم لاوا بہنے لگا۔

''کیسی ہو تم؟'' کتنے لمحے چپ رہنے کے بعد وہ مدھم انداز میں بات کرنے کا جواز ڈھونڈ پایا تھا۔

''ٹھیک ہوں، کیا یہی جاننے کو بے تاب تھے تم؟ دیکھنا چاہتے تھے تمہارے ہجر میں کس طور بسر ہو رہی ہے میری۔ تمہاری بے وفائی، تمہاری کج روی نے مجھے کس قدر شکستہ کیا ہے؟ میں کتنی رنجیدہ ہوں؟ کتنی ملول ہوں؟ کتنے اندھیروں میں گھر گئی ہوں۔ کس درد سے گزر رہی ہوں؟ دیکھنا چاہتے تھے نا تم یہی سب؟'' کتنے مدھم لب و لہجے میں وہ طنز کے تیر برسا رہی تھی۔ اور رہبان عالم شاہ کے پاس ایک بار پھر کہنے کو جیسے کچھ نہ تھا۔ تبھی وہ تلخی سے مسکرائی تھی۔

''رہبان عالم شاہ! تم ایک کامیاب بزنس مین ہو۔ کوئی گھاٹے کا سودا کر ہی کیسے سکتے ہو۔ تم تو جیتے ہوئے کھلاڑی ہو رہبان عالم شاہ۔ کوئی ہار کیسے تمہارے قدم چھو سکتی ہے۔ محبت کی ہوتی تو کچھ خدشہ بھی ہوتا۔ بزنس ڈیل تھی وہ تو ایک۔ پھر کیسے گھاٹے میں رہتے تم۔ کوئی خسارہ کیوں تمہیں تڑپائے گا۔ خسارے کا لطف تو کسی اہل دل سے پوچھو۔ مگر تم کیوں پوچھو گے، جاننے کی ضرورت ہی کیا ہے تمہیں۔ دو اور دو چار کرنے والے دل کے معاملات کیا سمجھیں۔ سچ کہو، کتنا گراف اوپر گیا ہے تمہاری اکانومی کا؟ کتنی تسکین تمہیں سرشار کر رہی ہے؟ کس قدر محظوظ ہو رہے ہو تم میری کیفیت جان کر؟ سوری رہبان عالم شاہ! میں تمہیں مبارکباد دینا تو بھول ہی گئی۔'' کس قدر زہر میں بجھا ہوا تھا اس کا لہجہ۔

''سجل پلیز!'' رہبان عالم شاہ نے مدھم انداز میں بول کر اسے جیسے مزید بولنے سے باز رکھا۔ وہ بھیگی بھیگی آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑتی ہوئی یکدم ہی ہنسنے لگی۔

''اسٹاپ اٹ سجل۔ پلیز، اسٹاپ اٹ ناؤ۔'' رہبان عالم شاہ کی آواز میں آج پہلی بار اس کے اندر کی شورش تھی۔ سجل نے آج پہلی بار اسے اس طرح بولتے ہوئے سنا تھا۔ وہ بار بار

کرانے کو کہہ رہا تھا۔

''تم جانتی ہو، ہمارے درمیان جو کچھ بھی تھا، بہت فیئر تھا۔ میں نے تمہارے لئے جو بھی کچھ کیا اس میں بے حد صداقت تھی۔ ہمارے درمیان جو چھ برس کی طویل رفاقت تھی، وہ اس بات کی گواہ ہے کہ میں کہیں غیر مخلص نہیں ہوتا۔ اگر مجھے نام و رتبہ درکار ہوتا تو آج میں سید عالم شاہ ملز کا حصے دار ہوتا۔ مجھے کوئی مجبوری یہاں کھینچ کر نہیں لا سکتی تھی۔ اب تم نہ سمجھو، نہ مانو تو یہ بات اپنی جگہ مگر سجل! یہ حقیقت تھی کہ ایک ڈور ہم میں بندھی ہوئی تھی جسے محبت کہتے ہیں۔ وہ محبت جو مجھے تم سے تھی اور تمہیں مجھ سے۔ بولو، کیا ایسا نہیں تھا؟''

رہبان عالم شاہ کا انداز کس قدر مختلف تھا۔ کتنے بہت سے معتبر لفظ تھے مگر کتنے نامعتبر لمحوں میں۔ وہ بھیگتی آنکھوں کے ساتھ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''تمہارے لئے تو محبت بھی بزنس ڈیل تھی۔ اگر فقط محبت ہوتی تو کیا آج تم مجھ سے یہ سوال کر رہے ہوتے؟'' اس نے ایک ہی لمحے میں مخاطب کو ساکت کر دیا تھا۔ وہ چپ رہی تھی۔ پھر قدرے توقف سے بولی تھی۔

''میں سمجھ نہیں پا رہی ہوں رہبان عالم شاہ! اب تم کیا چاہ رہے ہو؟ اب جبکہ سب کچھ تمہارے اختیار میں ہے تو کس بات کی خلش تمہیں تڑپا رہی ہے؟ کس شے کی کمی تمہیں جلا رہی ہے؟ مجھے بتاؤ، جھوٹ کہاں تھا؟ کیا تمہارے گھر کی چھت تلے تمہارے ساتھ اپنے شب و روز بسر کرتی وہ لڑکی، وہ واچ مین جھوٹا تھا یا میری آنکھوں نے فریب کھایا تھا اس روز تمہیں ''دی ولیج'' سے نکلتے دیکھ کر...... مجھے بتاؤ...... کس شے کی وقعت نہیں...... اس رشتے کی...... اس بندھن کی، یا اس دلنشین لڑکی کی۔ اگر ہر جگہ میں تھی تو بولو وہ کہاں سے آ کر ہر شے پر چھا گئی؟ جب ہر شے پر میرا استحقاق تھا تو اس کا تسلط کیسے قائم ہوا؟ جب وہ چھ برس کی ریاضت جھوٹ نہیں تو بتاؤ پھر یہ کسیلا سچ کیوں میرے اندر تک گھلا جا رہا ہے؟'' وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئی تھی۔ رہبان عالم شاہ کچھ نہیں بولا تھا۔

''میں جانتی ہوں رہبان عالم شاہ! کسی بات کا جواب نہیں ہے تمہارے پاس۔ کیونکہ ہر شے حقیقت ہے۔ بس ایک یہی تعلق فسانہ تھا تبھی تو فسانہ بن گیا۔ مجھے ملال نہیں۔ اگر میں یہ کہوں تو غلط ہوگا۔ مجھے کوئی دکھ نہیں، یہ بھی جھوٹ ہوگا۔ مجھے یہ تمام درد مار رہا ہے۔ یہ زہر میرے اندر تک اتر کر میرے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے۔ میرے اندر ایک گہرا اضطراب ہچکولے لے رہا ہے۔ تم نے جس قدر چاہا تھا اسی قدر درد بھی دیا ہے۔ بس ایک یہی گلہ ہے تم سے۔ پلیز اب میرے ضبط کو مزید مت آزمانا۔ میں خود پر مزید خول نہیں چڑھا

سکوں گی۔ بعض معاملات میں برداشت کا پیمانہ لبریز ہو ہی جایا کرتا ہے......"

"لیکن...... لیکن ابھی میری بات ادھوری ہے نحل!" رہبان عالم شاہ تیزی سے اس کی بات کاٹ کر بولا تھا اور وہ یکدم ہی ہنس پڑی تھی۔

"لیکن......" بہت مدھم انداز میں اس نے زیر لب دہرایا تھا۔ "جانتے ہو رہبان عالم شاہ! بہت بچپن میں، میں نے سنا تھا جہاں محبت میں مرد کی "لیکن" ہوتی ہے وہیں عورت کے لئے "بس" ہوتا ہے۔ تب میں سمجھی نہیں تھی۔ مگر آج بہت اچھی طرح سے جان گئی ہوں۔" نحل نے "END" پش کرتے ہوئے رابطہ منقطع کر دیا تھا اور رہبان عالم شاہ بہت وحشت کے ساتھ لب بھینچ کر خالی خالی کمرے کو دیکھنے لگا تھا۔

✿......✿

وہ ہرنائی میں تھی جب اماں (رہبان عالم شاہ کی والدہ) کا فون آیا۔ انہوں نے بتایا تھا کہ موسم کے زیر اثر ان کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ دوسرے وہ وجیہہ چاچا کے متعلق بتا رہی تھیں کہ وہ ملنا چاہ رہے ہیں۔ اس کے بعد وہ زبیدہ پھوپھو کی جانب جانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس بارے میں وہ خاصی شرمندہ ہو گئی تھی۔ جب سے وجیہہ چاچا کے آنے کی خبر ملی تھی، اماں کئی بار فون کر کے آنے کا کہہ چکی تھیں مگر رہبان عالم شاہ کو فرصت مل کر نہ دے رہی تھی۔ اور اب وہ...... اسے اچانک ہی خجالت نے آن گھیرا تھا۔ تبھی وہ فوراً ہی سامان پیک کرنے لگی تھی۔

"خیریت؟" نک جو اچانک کمرے میں داخل ہوا تھا اسے حیران نظروں سے دیکھتے ہوئے دریافت کرنے لگا تھا۔ اس نے دیکھا تھا، پھر رسانیت سے مسکرا دی تھی۔

"ہاں، وہ اماں کا فون آیا تھا۔ ان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔ اور دوسرے وجیہہ چاچا سے بھی ملنا ہے۔ مجھے جانا پڑے گا۔" عجلت میں سامان بیگ میں ٹھونستے ہوئے وہ بولی تھی۔

نک بہت خاموشی کے ساتھ اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔

مژگان نے قدرے توقف سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تو وہ اسی طرح کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ تبھی وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"سوری نک! اماں بہت اچھی ہیں۔ بے حد اچھی۔ اور ان کا دل میں نہیں دکھا سکتی۔" کہہ کر وہ پھر بیگ پر جھک گئی تھی۔ تبھی وہ بہت مدھم انداز میں بولا تھا۔

"دل تو شاید تم کسی کا بھی نہیں دکھا سکتیں۔"

مژگان نے لمحہ بھر کو سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ اس کے لبوں پر بڑی عجیب سی

مسکراہٹ رکی ہوئی تھی۔ وہ کچھ نہیں سمجھی تھی یا پھر سمجھنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ تبھی سر جھٹک کر پھر مشغول ہو گئی تھی۔ کمرے میں بہت خاموشی تھی۔

دونوں موجود فریقین چپ تھے۔ تبھی اس سکوت میں معمولی سی آواز جلترنگ بجا رہی تھی۔ مژگان کی نازک کلائیوں میں موجود سونے کی کئی چوڑیاں اس ماحول کو ایک انوکھے ساز سے روشناس کر رہی تھیں۔ نک کتنی ہی دیر اس مدھر ساز کو سنتا رہا تھا۔ نگاہیں کتنی ہی دیر اس کی کلائیوں پر منجمد رہی تھیں۔ اس سے قبل اس نے کبھی اسے ایسے لوازمات سے آراستہ نہ دیکھا تھا۔ تبھی شاید اس کی نظریں بہت حیرت لئے ہوئے تھیں۔ مژگان نے سر اٹھا کر اسی گھڑی اسے دیکھا تھا۔

نک کی نگاہیں ہنوز اس کی کلائیوں پر تھیں۔ حیران ہو کر اس نے لمحہ بھر کو خود اپنی کلائیوں پر نگاہ کی تھی۔ پھر مسکرا دی تھی۔

"اماں نے دی تھیں یہ چیزیں۔ تم جانتے ہو مجھے تو کوئی شوق نہیں ان تمام چیزوں کا۔ مگر بس میں بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

"محبت میں یا محبت کے لئے؟" نک بہت دھیمے سے اس گھڑی مسکرایا تھا اور مژگان چونک کر اس کی سمت دیکھنے لگی تھی۔ نگاہ یکدم ہی اس رنگ پر جا ٹکی تھی جو رہبان عالم شاہ نے اپنے ہاتھوں سے اس کے ہاتھ میں پہنائی تھی۔

"بات تو ایک ہی ہے۔"

"یہ اماں، رہبان عالم شاہ کی وہی والدہ ہیں نا جو گاؤں میں مقیم ہیں؟" نک نے اس گھڑی جانے کیا جاننے کی کوشش کی تھی۔ البتہ مژگان کا اطمینان اس گھڑی برقرار تھا۔

"ہاں۔" وہ بلا ارادہ ہاتھ میں موجود رنگ سے کھیلنے لگی تھی۔ اور تب وہ کتنی ہی دیر اسے دیکھتا رہا تھا۔ شاید اس کی نظروں میں بہت حیرت تھی۔ مژگان نے اسے سر اٹھا کر کچھ لمحوں تک دیکھا تو مسکرا دی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟"

"مژگان سومرو! مجھے تم پر بہت ترس آتا ہے۔ تم بہت غلط جانب سفر کر رہی ہو۔ خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔ میں فقط مخلصی میں یہی کہہ سکتا ہوں۔"

"بہت شکریہ۔" وہ ہنس دی تھی۔ "اگرچہ میں لائق ہمدردی نہیں، مگر تمہاری یہ روش بھی قبول ہے۔ دوست جو ٹھہرے۔" اس کا غیر سنجیدہ انداز نک کو تڑپا گیا تھا۔ وہ چپ چاپ اسے تکتا گیا تھا۔ مژگان نے یکدم ہاتھ روک کر اسے دیکھا تھا۔

"تمہیں ٹرپ عین درمیان میں چھوڑ دیئے جانے کا ملال ہے نا؟" وہ یقیناً دوستانہ انداز
میں اسے دیکھتے ہوئے اس گھڑی چھیڑ رہی تھی۔ مگر وہ اس کی سمت دیکھتا ہوا بہت پُرسکون
انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"یہ تو فقط ٹرپ میں ادھورا چھوڑ جانے کی بات ہے ہنی! کبھی تو کوئی زندگی کی راہوں میں
عین درمیان میں سے راہ بدل کر تنہا چھوڑ گیا تھا۔ مجھے تو وہ ملال بھی ابھی تک نہیں بھولا۔"
تک یقیناً اسے لاجواب کر گیا تھا ایک بار پھر۔ تبھی تو وہ سر جھکا کر دوبارہ مصروفِ عمل ہو گئی
تھی۔

"تم فارغ ہو تو لوٹ آنا۔ میں تمہیں گاؤں کی سیر کراؤں گی۔"
اور اس لمحے تک کے لبوں پر مسکراہٹ یکدم ہی گہری ہو گئی تھی۔
"میں سمجھا، تم کہو گی، میں تمہارا انتظار کروں گی، منتظر رہوں گی۔"
وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ تبھی وہ ہنس دیا تھا یکدم۔
"کتنی بری ہو تم...... مجھے ایک بار پھر تنہا چھوڑ کر جا رہی ہو۔ مجھے تو راستوں کی بھی خبر
نہیں۔ جانے کب تک انہی جنگلوں میں بھٹکتا پھروں گا اور جانے اس عرصے میں تم کتنی دور
جا نکلو۔" اس کے لبوں پر بڑی دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔
"ابھی تک میں تو پہلے والے حادثات سے ہی باہر نہیں نکلا اور تم ایک بار پھر۔" ہنی
کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ تبھی وہ سر جھکائے اپنی پیکنگ کرتی رہی۔

✿......✿

نیند کب آنکھوں میں آئی کب ہوا ایسی چلی
سائباں کیسے اڑے، ویراں نگر کیسے ہوئے
جھٹ پٹے میں شام کے پرچھائیاں کیسے ملیں
اور پھر آنکھوں سے اوجھل بام و در کیسے ہوئے
ایک تھی منزل ہماری ایک تھی راہ سفر
چلتے چلتے تم ادھر اور ہم ادھر کیسے ہوئے

علی شاہ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی، پھر رہبان عالم شاہ کی جانب دیکھنے لگا تھا۔
"اب تم کیا چاہتے ہو؟" کس قدر گمبھیر سوال تھا اور کس قدر بوجھل لمحے تھے۔
رہبان عالم شاہ کے چہرے پر حد درجہ تناؤ تھا اور آنکھوں میں بے پناہ سکوت۔ علی
کچھ بھی اخذ نہ کر پایا تھا اس گھڑی۔ ہاں مگر وہ ایک بات جانتا تھا کہ وہ بے حد جا

لبوں کی گرفت میں تھا۔
اس کے اندر ایک گہرا اضطراب ہچکولے لے رہا تھا۔ اس کے پُرسکون چہرے کے پیچھے
ایسے ہی کڑے طوفان دبے تھے جیسے کسی پُرسکون سمندر کے اندر۔ علی شاہ نے بہت ہولے
سے اس کے شانے پر ہاتھ دھر دیا تھا۔
"رہبان عالم شاہ! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ میں تمہیں اتنا ضرور کہوں گا کہ خود کو
ریلیکس رکھو۔ معاملاتِ محبت میں ایسے مقام تو آتے ہی رہتے ہیں۔" بہت ہولے سے اس
کے شانے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ بڑھایا تھا۔ رہبان عالم شاہ اسی طرح ساکت بیٹھا رہا تھا۔
"تم نے بھابی کو مطلع کیا؟" علی شاہ نے پوچھا۔
رہبان عالم شاہ نے تب نفی میں سر ہلاتے ہوئے گہری سانس لی تھی۔
"رہبان! جو ہوا، ہونا نہیں چاہئے تھا۔ تم اتنے عقل مند شخص کیسے کوئی اقدام نہ کر سکے۔
ہمت تھی، حوصلہ رکھتے تھے پھر شاید ایسے معاملات میں کوئی اسٹریٹجی کام نہیں آتی۔ بہرحال اگر
تم نے تجل کو پہلے سے آگاہ کر دیا ہوتا، اعتماد میں لیا ہوتا تو شاید صورت حال آج مختلف
ہوتی۔ تجل بھی حق بجانب ہے۔ اتنے عرصے تک اس نے تمہارے لئے انتظار کیا۔ ایک آس،
ایک امید کی ڈور تھامے کھڑی تمہیں دیکھتی رہی۔ اور جب سب کچھ ٹھیک ہو گیا، تم نے حسب
منشا تمام گول اچیو کر لئے تب صورت حال ہی بدل گئی۔ شاید جب امیدیں ٹوٹتی ہیں تو ایسا ہی
ہوتا ہے۔ اس لڑکی نے تو کئی خواب دیکھے تھے۔ تمہارے اور فقط تمہارے حوالے سے۔ اس
کی ذات کا محور تھے تم۔ دکھ تو ہونا ہی تھا اسے۔"
"جانتا ہوں۔ بہت دکھ دیا ہے اسے میں نے...... بے حد۔" رہبان عالم شاہ بہت مدھم
انداز میں گویا ہوا تھا۔ "دکھ تو واقعی بے حد دیا ہے اسے لیکن وہ میری بات بھی تو سنے۔ وہ مجھے
سنتی کیوں نہیں، میری جانب دیکھتی کیوں نہیں۔ اتنی بدگمان ہے مجھ سے۔ اسے مجھ پر اعتبار
کیوں نہیں رہا؟ محبت کرتی تھی وہ تو مجھ سے۔ کم از کم مجھے صفائی کا موقع تو دے۔ کہنے تو
دے کہ اگر میں نے اسے دھوکا دیا تو اس کا پس منظر کیا تھا۔ وہ کیوں نہیں سمجھتی، کیوں نہیں
کوشش کرتی سب کچھ سمجھنے کی۔ سبھی کچھ تو تج دیا تھا میں نے اس کے لئے۔ سبھی کچھ۔ پھر وہ
مجھ پر فردِ جرم عائد کرنے میں کوئی عار کیوں محسوس نہیں کرتی؟ خطا وار ہوں تو خطا کا سبب تو
جاننے کی کوشش کرے۔ گناہ گار ہوں تو حقائق تو سمجھے۔ وہ کیوں ایک روایتی لڑکی کی طرح
سلوک کر رہی ہے؟"
"کیونکہ وہ ایک روایتی لڑکی ہے رہبان عالم شاہ!" علی شاہ بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

"لڑکیاں اس معاملے میں سبھی ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ایک ہی طرح سوچتی ہیں۔ ایک
طرح قدم اٹھاتی ہیں اور ایک ہی طرح رویہ رکھتی ہے۔ اور وہ محبت کا معاملہ ہے۔ محبت
وہ ایک طرح سے سوچتی ہیں اور ایک جیسا محسوس کرتی ہیں۔"
رہبان عالم شاہ اسے یکدم ہی دیکھنے لگا تھا۔
"وہ بھی ایسے ہی الزامات کی بوچھاڑ کر رہی ہے۔ مگر میں جانتا ہوں، میں کہیں غلط نہیں
تھا۔ میں نے کبھی کسی کی دل آزاری کے متعلق نہیں سوچا۔ دانستہ یا نادانستہ بھی نہیں۔ اس
ہے، محبت کی بات کرتی ہے مگر سمجھتی کچھ نہیں۔"
"تم نے کوئی مان چھوڑا ہی کب ہے رہبان عالم شاہ!" علی شاہ یکدم ہی مسکرایا۔
"سب سے بڑا اعتبار یہی تو ہوتا ہے کہ کوئی آپ کے سوا کچھ نہیں سوچتا، وہ سنسیئر ہے، آپ
پابند ہے۔ تم نے تو یہی مان توڑ دیا۔ اب وہ بے چاری بھی کیا اعتبار کرے۔ عورت سب
برداشت کر سکتی ہے مگر محبت کی تقسیم نہیں۔ اور تم نے تو اپنی زندگی بانٹ دی ہے۔ وہ گھر
دیا ہے جہاں وہ آنے کے سپنے ایک عرصے سے اپنی آنکھوں میں سجائے بیٹھی تھی۔ اس گھر
تزئین و آرائش، اس گھر کی کلر اسکیم، اس کے کرٹنز، حتیٰ کہ ڈیکوریشن پیسز، ہر شے تو اس
خود منتخب کی تھی اور کتنے استحقاق کے ساتھ۔ اس وقت وہ سب کچھ کرتے ہوئے اس
سان و گمان تک میں نہ تھا کہ کوئی اسے ایک دن ان سب چیزوں سے یکدم ہی بے دخل
دے گا۔ کسی بھی صورت کے تحت سہی، تم نے اس سے بے وفائی تو کی ہے نا رہبان عالم
اب لاکھ دلائل دو، جواز ڈھونڈو، حقائق کا سہارا لو، مجبوریاں بیان کرو، مگر یہ سب حقیقت
ہے کہ اب تمہاری زندگی میں اس کی جگہ کوئی اور لے چکا ہے۔ وہ لڑکی ہے، ایک کمزور
ناتواں لڑکی، کہاں تک برداشت کر سکتی ہے۔ کتنا حوصلہ ہو سکتا ہے اس میں۔ وہ یہ سب
کرتی تو شاید گھٹ کر مر جاتی۔ اچھا ہے اس کا غبار ڈھل رہا ہے۔ جی ہلکا ہو جانے دو۔
بھی اور اس کا بھی۔ پھر دونوں تسلی سے سوچنا۔ کچھ وقت تک کے لئے انتظار کرو۔ فی الحال
تم دیگر معاملات سے نبرد آزما ہو لو، کئی محاذوں پر ایک ساتھ ڈٹے ہوئے ہو۔ میری سمجھ
نہیں آ رہا تم نے خود کو اتنا اور اس قدر کیسے الجھا لیا۔ ابھی تک تو اس طرف سے سناٹا پڑا
ہیں۔ دوسری جانب بھی سوچو۔ جب اماں اور ابا جی کو تمام حقیقت معلوم ہو گی اور وہ
مژگان نواز سومرو، جانے اس کے ساتھ کیا ہو گا؟ تم نے تو واقعی خود کو بے حد الجھا لیا ہے
ہر طرف سے خود کو مجرم ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ حالانکہ تم اتنے بھی مجرم نہیں ہو۔
رہبان عالم شاہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور خاموشی سے تکتا رہا تھا۔ علی شاہ

آنکھوں ہی آنکھوں میں حوصلہ بندھایا تھا۔ پھر اس کے شانے پر ہولے سے ہاتھ رکھ کر دباؤ
ڈالا تھا اور گویا ہوا تھا۔
"بی ریلیکس۔ فی الحال خود کو مطمئن کر کے گاؤں جانے کی تیاری پکڑو جہاں وجیہہ چاچا
سمیت کئی لوگ تمہارے منتظر ہیں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" علی شاہ نے کہنے کے
ساتھ ہی گہری سانس خارج کی تھی اور پلٹ کر باہر نکل گیا تھا اور رہبان عالم شاہ اسی طور
سوچوں میں الجھا بیٹھا رہا تھا۔

✿......✿

مژگان نے آتے ہی گھر کو اور اماں کو سنبھال لیا تھا اور اس قدر خیال رکھ رہی تھی ان کا
کہ وجیہہ چاچا کتنی حیرت سے تکتے جا رہے تھے اسے۔ پھر بہت دھیمے انداز میں مسکراتے
ہوئے بولے تھے۔
"بھابی! آپ جتنی اچھی ہیں اس سے کہیں اچھی بہو ملی ہے آپ کو۔ رہبان عالم شاہ اتنا
عقلمند بھی ہو سکتا ہے، یقین نہیں آتا۔"
وہ ہولے سے مسکرا دی تھی۔ "وجیہہ چاچا! آپ یقین کر لیں، وہ بے حد ذہین انسان ہیں۔"
"جس گھونچو کی حمایت کرنے کو تم جیسی لڑکی ہو گی، وہ یقیناً ذہین ہی ہو گا۔" وہ مسکرائے
تھے اور مژگان ہنس دی تھی۔
"چاچا جی! کم از کم میرے سامنے تو ان کا خیال کریں۔"
تبھی اعیان مسکراتے ہوئے میدان میں کودا تھا۔ "چاچا جی! آپ بھی کہاں کی بحث لے
کر بیٹھ گئے۔ یہ دونوں ہزبینڈ، وائف ایک دوسرے کا تحفظ کرنے میں جواب نہیں رکھتے۔
بہت مثالی قسم کا کپل ہے اس معاملے میں۔"
اماں اور ابا جی دلچسپی کے ساتھ محظوظ ہوتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔ مژگان بھی مسکرا رہی
تھی۔ یہ تمام رشتے اس کے کچھ نہیں تھے۔ مگر کس قدر خاص حوالہ رکھتے تھے اس کے لئے۔
اس کی عمر بھر کی تشنگی ڈھل گئی تھی۔
کچھ بھی اپنا نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود سب کچھ بہت طمانیت بخش رہا تھا۔
پھر اس شام عاطف، کائنات اور رہبان عالم شاہ پہنچ گئے تو گھر میں مزید رونق ہو گئی۔
ایک عرصے بعد گھر کو یہ ماحول میسر آیا تھا۔ اماں اور ابا جی کے چہرے پر بہت اطمینان
تھا۔ ان سب کی موجودگی، ان کے چھوٹے چھوٹے جملے، ہنسی مذاق، یقیناً انہیں یہ سب باتیں
بہت سرشار کر رہی تھیں۔ ان سب کو اکٹھا دیکھ کر وہ دونوں بہت خوش تھے۔ رہبان عالم شاہ

متواتر مسکرا رہا تھا۔ مگر مژگان دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں مسلسل ایک سکوت سا تھا۔
مژگان کچھ بھی اخذ نہ کر پا رہی تھی۔

شام کے گہرے ہوتے سایوں کے ساتھ جب وہ سب کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہوئے شہر کی طرف جا رہے تھے تبھی مژگان نے بہت ہولے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''اینی پرابلم؟''

رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا تھا، پھر ہولے سے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

''کہنا نہیں چاہتے ہو؟'' بہت مدھم انداز میں اس نے مسکرا کر اس شخص کو دیکھا تھا۔

تبھی اعیان نے جو کہ کچھ فاصلے پر تھا، مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا تھا۔

''آپ دونوں کیا راز و نیاز کر رہے ہیں؟''

مژگان نے لمحہ بھر کو رہبان عالم شاہ کو دیکھا تھا، پھر مسکرا دی تھی۔

''اوں، ہوں۔ کچھ نہیں۔''

پھر اسے فرصت کے وہ لمحات میسر ہی نہ آئے تھے جن میں وہ رہبان عالم شاہ کے اضطراب کی وجہ جان پاتی۔

کتنی مصروف ہو گئی تھی وہ بھی۔ روز کہیں نہ کہیں کا پروگرام بن جاتا۔ دن بھر اک مصروفیت کے تحت گزر جاتا۔ رات میں دیر تک بیٹھے وہ ہنسی مذاق کرتے رہتے اور جب سونے کے لئے وہ کمرے میں آتی تو رہبان سو چکا ہوتا۔

کوئی نہ کوئی بات تو ضرور تھی۔

اس نے اتنے عرصے میں کبھی بھی رہبان عالم شاہ کو اس قدر مضطرب نہیں دیکھا تھا۔ جانے کیوں اس کا درد اسے مسلسل کچوکے لگا رہا تھا۔ اس کی کیفیت مسلسل اسے پریشان کر رہی تھی۔ حالانکہ وہ تو کوئی بھی نہیں تھی اس کی۔ کچھ بھی تو نہیں۔

✿......✿

ایک راہِ خیال پر تنہا
میں اِدھر اور وہ اُدھر تنہا
سوچتے ہیں وہ کیوں نہیں ہوتا
آ کہ سوچیں یہ بیٹھ کر تنہا
خواب اپنے تھے وادیاں اپنی
یہ نکل آئے ہم کدھر تنہا

خواب تھا وہ کہ جل رہا تھا رات
بیچ دریا میں کوئی گھر تنہا
ہم نے دیکھے ہیں شام کے سائے
ہم نے کاٹی ہے دوپہر تنہا

کتنی بہت سی تپش تھی ہر طرف۔ جانے کہاں کہاں الاؤ دہک رہے تھے۔ اسے تو پورا نگر جلتا نظر آ رہا تھا۔ لگ رہا تھا کوئی سانحہ بیت گیا ہو۔ کہیں کوئی مر گیا ہو۔ اور شاید یہ درست بھی تھا۔ اس کی انا کی موت واقع ہوئی تھی۔ اس کی خودداری قبر میں اتاری گئی تھی۔ اس نے اپنی سلف ریسپیکٹ کو کسی کے قدموں کی خاک کر دیا تھا۔ اپنے وقار کو تھپکی دے کر ہمیشہ کے لئے سلا دیا تھا۔

وہ کل سے کمرے میں بند تھی۔

اس نے نظر اٹھا کر کمرے کے در و دیوار پر نگاہ کی تھی۔ کیسی وحشت سی تھی ہر جانب۔

کھڑکی کی درزوں سے پھوٹتی روشنی کی ننھی سی لکیر بتا رہی تھی کہ صبح ہو چکی تھی۔ وہ بہت آہستگی سے اٹھی تھی۔ پھر یونیورسٹی کے لئے تیار ہونے لگی تھی۔

کتنا مشکل ہوتا ہے نا خود کو مارنا۔ اپنے آپ کو مصلحتوں کی نذر کرنا۔ اس گھر کی کوئی شے اس کی نہیں تھی۔ مگر اسے پھر بھی خود کو ان در و دیوار میں قید رکھنا تھا۔ سر جھکا کر اس شخص کے سامنے کھڑے ہونا تھا جو اسے اس گھر سے چلے جانے کا حکم صادر کر گیا تھا۔ جلا وطنی کا حکم۔ اور وہ پھر بھی اسی جگہ تھی۔ کسی کی حکم عدولی کرتے ہوئے، ناپسندیدہ ہوتے ہوئے مسلط ہو رہی تھی۔ کیونکہ کوئی راہ نہیں تھی اس کے پاس۔ اسے اپنی نہیں، اِدھر اُدھر کی فکر کرنا تھی۔ اسے اپنی پرواہ نہیں تھی، اسے لوگوں کی پرواہ تھی۔ اسے سدا یہ دھڑکا لگا رہا تھا کہ کوئی کیا کہے گا۔ وہ ہمیشہ اس لئے خوفزدہ رہی تھی کہ کوئی اس پر اور اس سے وابستہ لوگوں پر انگلی نہ اٹھائے۔ تبھی اس نے ہر ناپسندیدہ فیصلے کو سر جھکا کر قبول کیا تھا۔

پڑھی لکھی ہونے کے باوجود، باشعور ہونے کے باوجود وہ ان تمام پرانی رسموں رواجوں کا حصہ تھی، کردار تھی۔ چاہتے نہ چاہتے ہوئے بھی، کوئی جرم نہ کرتے ہوئے بھی۔ کوئی جرم نہ ہونے کے باوجود بھی اسے یہی ڈر تھا، یہی خدشہ تھا کہ کوئی اس پر انگلی نہ اٹھائے۔ کسی جانب سے اس پر الزام نہ لگے۔

وہ تیار ہو کر نیچے آئی تھی جب تایا ابا نے اسے پکار لیا۔ وہ ناشتے کی ٹیبل پر تھے۔ وہ سر جھکا کر دبے پاؤں گزر جانا چاہتی تھی مگر کبھی ایسا نہیں ہوا تھا جیسا وہ چاہتی تھی۔ یہ گھڑی بھی

اس کے مخالف تھی۔ تبھی وہ سر جھکا کر ان کے سامنے آن رکی تھی۔

"بیٹھو اور ناشتہ کرو۔" انہوں نے بہت دھیمے لہجے میں حکم دیا تھا۔ اس کا قطعی موڈ نہیں تھا۔ تبھی سر نفی میں ہلا دیا۔

"مجھے دیر ہو جائے گی۔" بمشکل لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے حلق سے آواز برآمد ہوئی۔

"میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔" تایا ابا اس کی کوئی تاویل سننے کو تیار نہ تھے۔ اس نے بہت تھکے ہوئے انداز میں ایک بار پھر ہتھیار ڈال دیئے اور کرسی کھینچ کر ان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ نگاہ پل بھر کو تائی اماں سے ملی۔ وہ عین اس کے سامنے کی چیئر پر تھیں۔ ان کی نظریں بہت سرد تھیں۔ وہی بے نیازانہ انداز۔ وہ دوسرے ہی پل سر جھکا گئی تھی۔

دادی اماں نے چائے کا کپ اس کی سمت بڑھایا تھا۔ اس نے نہ چاہتے ہوئے اسے تھام لیا تھا اور سر جھکا کر ٹیبل کی سطح کو دیکھنے لگی تھی۔

"بیٹا! ناشتہ کرو۔" دادی اماں نے سلائس اس کے سامنے رکھتے ہوئے اسے متوجہ کیا تھا۔ وہ چونکی تھی، پھر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ پھر دوسرے ہی پل چائے کے سپ لینے لگی تھی۔

اس لمحے بہت گہرا سکوت کمرے کے ماحول پر طاری تھا۔ جانے کیوں۔ یا پھر شاید ادعیہ کو ہی ایسی ہولناک خاموشی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ خود کو اس ماحول سے ہٹا کر اپنی توجہ بٹانا چاہتی تھی۔ تبھی سر اٹھا کر پہلے دادی اماں اور پھر تایا ابا کو دیکھا۔

"میں کچھ دن امی کے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔"

اس کا مدعا سن کر دادی اماں اور تایا ابا نے خاموش نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ پھر تایا ابا بہت ہولے سے بولے تھے۔

"تمہیں اس کے لئے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ دونوں گھر تمہارے اپنے ہیں۔ جتنے دن چاہے رہ لو۔ شام میں ڈرائیور کو ساتھ لے کر چلی جانا۔"

تبھی ادعیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں، میں واپسی پر خود چلی جاؤں گی۔" وہ سر جھکا کر سپ لینے لگی تھی۔ وہ اٹھنے کے متعلق سوچ رہی تھی۔ تبھی جانے کہاں سے اس گھڑی فہد آ گیا تھا۔ وہ حیران ہو کر کتنے ہی پل اسے دیکھتی رہی تھی۔

"کیسی ہو تم؟ چہرے پر یہ بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" سب سے ملنے کے بعد وہ اس کی جانب آیا تھا۔ وہ یکدم ہی نفی میں سر ہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

دادی اماں، فہد سے حنیف ماموں اور ممانی سے متعلق دریافت کر رہی تھیں۔

"تم لوگ تو راہ ہی بھول گئے۔ ہم سے نہ سہی، ادعیہ سے ہی ملنے آ جایا کرو۔" دادی

اماں نے شکوہ کیا تھا۔ فہد جواز بتاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ وہ مختصر نظروں سے تایا ابا کو دیکھنے لگی تھی۔ تبھی دادی اماں بولی تھیں۔

"دونوں بہن بھائی چلے جاؤ۔ راستے میں باتیں بھی ہو جائیں گی۔" وہ تو سدا ہی "احکامات" کی منتظر رہی تھی۔ سو اس گھڑی بھی سر جھکا کر اس کے ساتھ ہو لی تھی۔

"کیا ہوا ہے، ناراض ہو تم بھی؟"

اس نے اس کی جانب دیکھے بغیر سر نفی میں ہلا دیا تھا اور تب فہد بھی خاموش ہو گیا تھا۔ کتنی دیر تک وہ چپ چاپ ڈرائیو کرتا رہا تھا، پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"ادعیہ! فرحان بھائی نے یقیناً اچھا نہیں کیا۔ میں کئی دنوں سے تم سے ملنے کے متعلق سوچ رہا تھا مگر مجھ میں ہمت نہ تھی۔ قصور میرا نہیں مگر ایسے معاملات میں گیہوں کے ساتھ گھن بھی پستا ہے۔ سو سزاوار میں بھی ہوں۔" اس نے معذرت کی تھی۔ مگر ادعیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اسی طرح خاموشی سے کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی تھی۔

"تم اتنی چپ کیوں ہو؟ کچھ بولو پلیز۔ کم از کم کوئی الزام ہی دو، کوئی طنز ہی کرو۔" فہد نے کہا تھا اور تب وہ اس کی جانب ایک نظر ڈال کر پھر سے نگاہ پھیر گئی تھی۔

"کیا فائدہ؟" ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ "یہ سب تقدیر کے کھیل ہیں فہد! کوئی کسی کا مجرم نہیں۔ میرے ظرف کھونے سے، الزام دینے سے کسی بھی بات کا ازالہ تو نہیں ہو گا۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔"

فہد نے اس پر ایک نگاہ ڈالی تھی، پھر نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ "ادعیہ! تمہارے ایسا کہہ دینے سے وہ بوجھ اور بھی بڑھنے لگا ہے۔ کبھی کبھی جب ہمیں کوئی معاف نہیں کرتا تو وہ بوجھ جو سینے پر ہوتا ہے اور بھی بڑھ جاتا ہے۔"

"تم نے غلط در کھٹکھٹایا ہے فہد! تمہیں معافی مانگنی ہے تو شعاع کی جانب رجوع کرو۔ نہ تو تم نے میرا کوئی نقصان کیا ہے نہ ہی تم میرے مجرم ہو۔ مگر سنو! بعض اوقات معافی کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہوتی۔ معذرت کے وہ لفظ، ان لمحوں کا ازالہ نہیں کر سکتے جو قیامت بن کر کسی کے دل پر گزر چکے ہوں۔ کبھی ان لمحوں سے گزرو تو شاید اس بات کا احساس کر سکو۔ اور تم کیوں معذرت کر رہے ہو۔ تمہاری خطا تو یقیناً کہیں نہیں۔"

وہ چپ ہو کر کتنے ہی لمحے ونڈ اسکرین کی جانب تکتا رہا تھا، پھر بہت ہولے سے بولا تھا۔ "فرحان بھائی بھی مجبور تھے۔ کبھی کبھی مجبوریاں بہت سی بیڑیاں ہمارے قدموں میں ڈال

دیتی ہیں اور......"

"پلیز فہد! اب تم ان مجبوریوں کا رونا رونا چھوڑ دو۔ کان پک چکے ہیں میرے۔ سہولت سے ہر فعل کو مجبوری کا لبادہ اوڑھا کر تم لوگ بچنے کی کوشش کرتے ہو۔" اس کا یکدم ہی تیز ہو گیا تھا۔ پھر دوسرے ہی پل احساس ہوا تھا تو چپ ہو کر کھڑکی سے باہر لگی تھی۔

"آئی ایم سوری۔ پلیز یہاں سائیڈ پر گاڑی روک دو۔" اس کے لئے جیسے محال تھا تبھی بولی تھی۔

فہد نے گاڑی ایک جانب روک دی تھی اور چپ چاپ اسے دیکھتا رہا تھا۔ اور اس کی جانب دیکھے بغیر گاڑی سے اتر گئی تھی۔

✿......✿
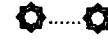
وہ گم صم سی اپنے کمرے میں دبکی بیٹھی تھی۔ اس روز سے اسے جو چپ لگی تھی تو ٹوٹی تھی۔ بے بے اور چاچے نے جانے اتنی جلدی کیوں کی تھی۔ کیا اکبر نے انہیں ایسا کرنے تلقین کی تھی؟ اس بلّو کے جواب کے عمل میں کوئی ردعمل تھا یہ؟

اور یہ سب تو شاید اسی طور ہونا ہی تھا۔ کوئی بھی ہوتا، اس کا ہاتھ کسی کے ہاتھ میں ہی تھا۔ وہ کوئی بھی ہو سکتا تھا۔ کوئی بھی۔ مگر "وہ" نہیں۔ "وہ" جس کے لئے اس کے میں جگہ تھی۔

اس کے دل نے جس کے سبب سے دھڑکنا سیکھا تھا۔

اس کے دل کی اولین ہلچل...... پہلی دھڑکن...... پہلا ارتعاش۔

جس نے شب بیداری سے آگاہ کیا۔ پہلی سوچ جس نے آنکھوں سے نیند بھلا دی۔ جو جاگی تو پھر کبھی سوئی ہی نہیں۔ دل کی انگلی تھام کر اس روش پر چلی تو پھر کبھی رکی نہیں۔ کتنی ہی آگے بڑھتی رہی۔ دن گزرتے رہے۔

وہ تنہا تھی ان راستوں پر، اور آج بھی تنہا ہی تھی۔

تبھی تو اور بھی تنہا رہ گئی تھی۔

جانے کیوں اس نے یہ روگ پال لیا تھا۔ بس ایک پل میں ہار گئی تھی وہ۔

"سیو...... اے سیوا!" بے بے نے باہر سے آتے ہوئے اسے پکارا تھا۔ "سیوا، کدھر ہے تو؟" وہ یقیناً اسے ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہاں بے بے! آ رہی ہوں۔" وہ آنکھیں پونچھ کر ان کے سامنے جا رکی تھی۔

"کیا بات ہے؟" بے بے نے اسے بغور دیکھا تھا۔ پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا تھا۔ "کیا ہوا؟ تیری آنکھیں سرخ کیوں ہیں؟ کسی نے کچھ کہا ہے کیا۔ کیا اکبر نے یا پھر......؟" ان کا انداز کس قدر محبت لئے ہوئے تھا۔ ہمیشہ اسے ڈپٹتی رہتی تھیں تو اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ وہ اسے محبت نہ کرتی تھیں۔ وہ خود یہ بات اچھی طرح جانتی تھی۔ ان کی محبت سے واقف تھی۔ تبھی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"نن...... نہیں...... کچھ نہیں۔" بہت مدھم لہجے میں کہہ کر اس نے بہت ہولے سے آگے بڑھ کر ان کے شانے سے اپنا سر ٹکا دیا تھا۔ وہ پہلے تو لمحہ بھر کو حیران ہوئی تھیں پھر دوسرے ہی لمحے مسکرا دی تھیں اور ہاتھ اس کے سر پر پھیرتے ہوئے گویا ہوئی تھیں۔

"جھلی! تو کوئی انوکھی اگلے گھر جا رہی ہے۔ یہ تو ریت رواج ہیں۔ صدیوں سے یہی سلسلہ لگا آ رہا ہے۔ بیٹیاں تو بادشاہوں کے گھر نہ رہیں۔ پھر ہم کیسے وہ ریت توڑ سکتے ہیں؟"

وہ جو ضبط کئے بیٹھی تھی، یکدم ہی آنسو بہانے لگی تھی۔ بے بے چند لمحوں تک چپ چاپ رہی تھیں، پھر مسکرا دی تھیں۔

"اب اگر تو چپ نہ ہوئی تو بہت پٹائی لگاؤں گی۔"

وہ یکدم ہی سر ان کے شانے سے ہٹا کر بھیگی بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگی تھی۔

"بوجھ ہوں تو گلا دبا کر مار ڈالو مجھے۔ یوں پرائے ہاتھ کیوں سونپ رہی ہو مجھے؟"

"ہا...... ہائے...... جھلی۔" بے بے نے باقاعدہ مسکراتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا۔ پھر اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لیتے ہوئے مسکرا دیں۔ ساتھ ہی اس کے آنسو پونچھنے لگیں۔

"اب روئی تو میرے سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" مامتا کے لہجے میں کتنی محبت تھی۔ دھمکی میں کس قدر پیار تھا۔

"وہ تیری شہر والی بی بی ہیں نا، رہبان صاحب کی وہٹی، وہ آئی ہوئی ہیں اور وہ...... کائنات پتر وی...... میں تو تجھے خوشخبری سنا کر خوش کرنا چاہتی تھی اور تو ہے کہ رو رو کر آسمان سر پہ چک لیا ہے۔"

اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑیں۔ دل کی آنکھوں میں جانے کیوں یکدم ہی ارتعاش سا برپا ہو گیا۔ وہ اس خوف سے کہیں سب کچھ عیاں نہ ہو جائے فوراً ہی نظریں جھکا کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

بے بے اس کے دل کی کیفیات سے قطع نظر بولتی جا رہی تھیں۔ "چلی جانا ملنے۔ ورنہ فیر گلہ کرے گی۔ میں نے تو آتے ہی سنیہا دے دیا۔ اور سن...... اب رونے مت بیٹھ جانا۔"

وہ بھیگی بھیگی آنکھوں سے انہیں تکتی چلی گئی تھی۔

"بے بے! نہیں کرنی ہے نا مجھے ابھی شادی۔ یہ بیاہ رک نہیں سکتا؟" وہ بچوں کی طرح منمنائی تھی۔

"ہا...... ہائے...... فیر وہی بچپنا...... ہن کوئی گل کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ لوگ تو کہ در در خواریاں کرتے ہیں فیر کوئی اچھا بر ملتا ہیں۔ ہم تو خوش نصیب ہیں، خدا آپ انہیں چلا کر لایا یہاں۔"

بے بے کہہ کر باورچی خانے کی جانب چلی گئی تھیں اور وہ جانتی تھی اب کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی۔ تبھی ہونٹ کچلتے ہوئے پلٹی تھی اور مرے مرے قدموں سے واپس اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

✪......✪

وہ ہولے سے چلتی ہوئی رہبان عالم شاہ کے قریب آن رکی تھی۔ باقی سب دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کر رہے تھے۔ موقع غنیمت تھا۔ مژگان نے پس و پیش سے کام لیے بغیر اسے مخاطب کیا تھا۔

"رہبان! مجھے تمہاری اس مسلسل چپ سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ ہم اچھے دوست ہیں۔ کیا تم مجھ سے اپنی ان آنکھوں میں طاری سکوتِ مسلسل کے متعلق کچھ نہیں کہو گے؟ کیا میں جاننے کا حق نہیں رکھتی کہ تمہاری ان مضمحل کیفیات کا سبب کیا ہے۔ اس اضطرابِ مسلسل کے معنی کیا ہیں؟ کیا میں سمجھوں کہ میں اعتبار کے قابل نہیں یا پھر......" اس نے تھکے ہوئے مدھم لہجے میں کہہ کر بات ادھوری ہی چھوڑ دی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا تھا، پھر نگاہ پھیر کر دوسری جانب دیکھنے لگا تھا۔ بہت سے لمحے خاموشی میں بیت گئے تھے۔

مژگان چپ چاپ اس کی سمت تکتی اس کے بولنے کی منتظر رہی تھی اور تبھی وہ بولا تھا۔

"سجل سب کچھ جان گئی ہے۔"

فقط ایک جملہ ابھرا تھا اور مژگان ساکت انداز میں اسے دیکھتی رہ گئی تھی کتنے ہی پل تک وہ سوچ بھی نہ سکی تھی۔ جیسے کوئی سکت ہی باقی نہ رہی تھی اس میں۔ وہ مزید کیا پوچھتی...... کیا کہتی۔ کوئی حرفِ تسلی، کوئی دلاسہ، کوئی ہمدردی کا پھاہا، وہ کچھ بھی تو سوچنے کے قابل نہ رہی تھی۔ بس یونہی کھڑی ایک ٹک اسے تکتی رہی تھی۔

اس شخص کی یہ کیفیت، یہ حالت یقیناً اسی کے سبب تھی۔ اسے ایک "ہمدردی" کے جواب میں یہ سب بھگتنا پڑ رہا تھا۔ ایک مسیحائی کے جواب میں یہ عذاب کاٹنا پڑ رہا تھا۔

نہ جانے کیوں احساسِ جرم لمحہ بھر میں ہی اس سے دامن گیر ہو گیا تھا۔ وہ جانتی تو تھی، کوئی بات تھی۔ اس شخص کی خاموشی مسلسل اسے کاٹ رہی تھی مگر اس خاموشی کے پس پردہ یہ طوفان پوشیدہ ہوگا، وہ تو اخذ بھی نہ کر پائی تھی۔

"تمہیں یہ سزا میرے باعث ملی رہبان عالم شاہ! آئی ایم سوری۔ میں...... میں......"

بہت کچھ کہنے کے ارادے میں وہ کچھ بھی نہ کہہ پائی تھی۔ لفظ اس کا ساتھ ہی نہ دے رہے تھے۔ اور وقت...... وقت تو سدا اس کی مخالف سمت سفر کرتا رہا تھا۔

وہ بہت اضطرابی کیفیت میں ہونٹ کچلنے لگی تھی جب رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا۔

"تم خود کو مجرم مت جانو۔ یہ سب اسی طور ہونا مقسوم تھا۔ نہ تو یہ کسی فرد کی خطا ہے نہ وقت کی سازش اس میں شامل ہے۔ یہ تو سارے قسمت کے کھیل ہیں۔" بہت مدھم لہجے میں کہہ کر اسے احساسِ جرم سے نکالنا چاہا تھا۔ مگر وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"میں جانتی ہوں...... میں جانتی تھی...... ایسا ہی ہوگا...... تبھی تو......"

رہبان عالم شاہ نے اس دھان پان سی لڑکی کو بغور دیکھا تھا۔ اس کے درد میں سلگتی ہوئی وہ کس قدر معصوم لگ رہی تھی۔ اس کی تمام تر کیفیت اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ اس کی آنکھوں سے چھلکتا بہت سا خوف، اس کے چہرے پر طاری بہت سی پریشانی، سب اپنائیت کا غماز تھا۔ ہر کیفیت اپنے پن کے زمرے میں آ رہی تھی۔ وہ یقیناً خود کو مجرم تصور کر رہی تھی۔

"مژگان! جانتا تو میں بھی تھا۔ مگر قصور تو شاید میرا بھی ہے۔ میں نے تمہیں مزید ساتھ دینے پر مجبور کیا۔ حالانکہ تم تو اسی دن لوٹ جاتیں جب وکیل نے تمام کاغذات تھما دیئے تھے۔ تمہیں تو احساسِ تحفظ اسی روز میسر آ گیا تھا۔ میری پناہ تو اسی روز بے معنی ہو گئی تھی۔ اگر تم چلی جاتیں تو میری زندگی میں کسی بات کا شائبہ بھی نہ ہوتا مگر......" وہ چہرے کا رخ پھیر کر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

"مژگان! مجھے اس بات کا اقرار کر لینے دو کہ میں ہی مجرم ہوں۔ میں نے ہی ایک ذرا سی ہمدردی کر کے تمہیں مس یوز کیا۔ اس احسان کا بدلہ لینا چاہا جو میں نے تم پر کیا تھا۔ مجھے تو ملنا ہی تھی۔ فقط اپنے انٹرسٹ کے لئے میں نے تمہیں روکا اور اس ڈرامے کو جاری رکھنے کی کوشش کی۔ کیونکہ میں اپنے بہت سے رشتوں کو دوبارہ کھونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ تمام محبتیں اس ایک محبت پر حاوی آ گئیں اور میں ہار گیا۔ قصور کسی کا بھی نہیں۔ یا پھر شاید سارا ہی میرا ہے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ ہم جتنا ڈرتے ہیں، خوف ہمیں اتنا ہی دبوچتا جاتا ہے۔ محبت انسان کو جس قدر مضبوط بناتی ہے، اسی قدر کمزور بھی کر دیتی ہے۔ میں نے اپنی محبت

کے حوالے کو بہت مضبوط جانا تھا مگر وہیں کہیں مجھے محبت کمزور بنا رہی تھی۔ میں اس خوف میں مبتلا تھا کہ اگر سجل کو سب پتہ چل گیا تو کہیں وہ مجھے چھوڑ نہ دے۔ میں اسے گنوا نہ دوں۔ اور بالآخر میں نے اسے گنوا دیا۔ پاگل سمجھتی ہے مجھے کوئی ملال نہیں، کوئی دکھ نہیں اس تعلق کے ٹوٹنے کا۔ اس رشتے کے ٹوٹنے کا جسے سینچتے ہوئے میں نے سب کچھ گنوا دیا، اپنا ہر تعلق، اپنا ہر رشتہ، سارے معتبر حوالے۔ وہ سمجھتی ہی نہیں کہ انسان کو سب سے زیادہ دکھ کب گھیرتا ہے۔ جب ایک گہرا کرب اس کے رگ و پے میں دوڑتا ہے۔ جب اسے ایک مسلسل اضطراب آن گھیرتا ہے اور کسی پل چین نہیں پڑتا۔ وہ ایک رشتہ جسے پانے کو، بنانے کو میں نے اپنا ہر رشتہ تج دیا، جب وہی رشتہ ٹوٹے گا تو مجھ پر کیا گزرے گی؟ وہ سمجھتی ہی نہیں۔ اس ایک رشتہ تو میں نے آپ بنایا تھا۔ ہر رشتے کو پس پشت ڈال کر۔ پھر کیسے اپنے ہاتھوں اسے توڑنے کی کوشش کر سکتا تھا؟ ایک اتنی سی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی۔" اس کا دھیما، مدھم لہجہ بے حد، بے حساب شکست خوردہ تھا۔

مژگان اسے بس خاموشی سے تکتی جا رہی تھی۔ آج پہلی بار وہ شخص اس پر عیاں ہوا تھا۔ پہلی بار اسے وہ اس قدر شکستہ دکھ رہا تھا۔ وہ جو سدا اس کی سرد مہری کو دیکھتی رہی تھی، آج اس پر کھلا تھا کہ وہ شخص درحقیقت اپنے اندر کیسے کیسے سمندر چھپائے پھرتا تھا۔ پھر اس کا انداز، اس کے تیور سبھی کچھ کس قدر مختلف تھے۔ کتنی محبت رکھتا تھا وہ سجل عباس نقوی کے لئے اپنے دل میں۔ کس قدر چاہتا تھا اسے۔ اور وہ جانے کیونکر درمیان میں آ گئی۔ جانتے بوجھتے درمیان موجود رہی اور اس کی جگہ لینے کی کوشش کرتی رہی۔ حالانکہ ہر جگہ تو وہی تھی۔ اسے ناقابل تلافی جرم سرزد ہوا تھا۔ اسے جان بوجھ کر یقیناً مزید قیام نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مگر رہبان عالم شاہ کی بات نہ مانتی، اس کا ساتھ نہ دیتی تو یقیناً احسان فراموشی کہلاتی۔

اس نے پوری ایمانداری سے اس عہد کو نبھایا تھا۔ اس تعلق کو نبھایا تھا۔ کہیں اس نے اس تعلق کا فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ خود کو ہمیشہ باور کرایا تھا کہ یہ مقام، یہ حیثیت، یہ تمام حوالے، یہ رشتے اس کے لئے نہیں، اس کے نہیں۔ اور یہ مقام کسی اور کا ہے۔ وہ کسی لمحے کمزور نہیں پڑی تھی۔

مگر وہ رسم دوستی اسے بہت مہنگی پڑی تھی۔

اپنی شے کا استحقاق کیا ہوتا ہے؟ دل میں کومل جذبوں کی ہلچل کیسی ہوتی ہے؟ آنکھوں میں خواب کیسے سجتے ہیں؟ اور کیسے ان خوابوں پر عذاب ٹوٹنے سے جسم و جاں پر قیامت گزرتی ہے۔ وہ کسی قدر تو سمجھ ہی سکتی تھی۔

سجل عباس نقوی کا نقصان تو واقعی ہوا تھا۔ مگر وہ نقصان ناقابل تلافی نہیں تھا۔ اس نے بھی بہت ہولے سے آگے بڑھ کر رہبان عالم شاہ کے مضبوط ہاتھ پر اپنا نازک سا ہاتھ دھر دیا تھا۔ اس نے جواباً چونک کر دیکھا تھا۔ مژگان نے بہت ہولے سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"ڈونٹ وری...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس کے لہجے میں جانے کیسا یقین بول رہا تھا۔ رہبان عالم شاہ اسے دیکھتا رہا تھا۔

❁......❁

سو، چھوٹی بی بی اور مژگان سے ملنے کے بعد فوراً ہی حویلی سے نکل جانا چاہتی تھی۔ جانے کون سا خوف دامن گیر تھا۔ وہ تو یہاں پر سرے سے آنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ مگر بے بے نے مسلسل اس پر دباؤ ڈالا ہوا تھا۔ اب وہ اصل صورت حال سے تو واقف نہیں تھیں، سو وہ مسلسل انکاری ہو کر چور بننا نہیں چاہتی تھی۔ مگر یہ سچ تھا کہ وہ اتنی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ اتنا حوصلہ تھا ہی نہیں اس میں۔ کسی کا سامنا کرنے کی سکت تھی ہی نہیں اس میں۔

کمزور سی لڑکی ہی تو تھی وہ۔ کہاں سے لاتی وہ اتنی ہمتیں اور ڈھیر سارے حوصلے۔

تبھی اس نے سوچ لیا تھا، اس سمت نگاہ ہی نہیں کرے گی۔ مگر جانے کیوں جب وہ راہداری عبور کر رہی تھی، تبھی اس ستم گر سے ٹکرا گئی تھی۔ سنبھل کر بنا معذرت کئے اس نے یونہی سر اٹھا کر ساکت نظروں سے اعیان عالم شاہ کو دیکھا تھا۔

حسب عادت، حسب روایت نہ تو آج وہ شرمندہ تھی نہ ہی حد درجہ بوکھلاہٹ کا شکار تھی۔ بلکہ آج اس کا انداز بہت پُر اعتماد تھا۔

چھوٹے سرکار نے اپنے سامنے کھڑی اس نازک سی دیہاتی لڑکی کو دیکھا تھا۔ کتنا بہت سا پانی ٹھہرا ہوا محسوس ہوا تھا اس کی آنکھوں میں۔ کیسی پُر درد کیفیت تھی۔ کیسے ایک ٹک وہ اس کی سمت تکتی جا رہی تھی۔

"لڑکی! سنبھل کر نہیں چل سکتیں تم...... ہمیشہ افراتفری کا شکار رہتی ہو اور......" وہ ہمیشہ کی طرح مضبوط حاکمانہ لہجے میں گویا ہوا تھا۔ مگر دوسری جانب آج کوئی قطعی مرعوب نہیں ہوا تھا۔ جیسے آج ہر طرح کا خوف مٹ گیا تھا۔ اپنی کمتری کا، اپنی کم حیثیتی کا، اپنی بے مائیگی کا اور کسی کے بے تحاشا باحیثیت ہونے کا۔

"کہیں چوٹ تو نہیں آئی تمہیں؟" اس کی آنکھوں میں تیرتا بہت سا پانی دیکھتے ہوئے چھوٹے سرکار کو شاید ترس آ گیا تھا تبھی قدرے نرمی سے دریافت کیا تھا۔

"ہاں، چوٹ تو بہت شدت سے لگی ہے اور درد بھی بہت ہو رہا ہے۔ مگر آپ نہیں سمجھو

گے۔' وہ کہنا چاہتی تھی مگر جانے کیوں بہت سے قفل لبوں پر آن پڑے تھے اور وہ فقط سر نفی میں ہلاتی ہوئی فوراً ہی بھاگ کھڑی ہوئی تھی۔ اعیان عالم شاہ کتنی ہی دیر تک کھڑا اس سمت تکتا رہا تھا۔ کچھ بھی تو سمجھ نہیں پایا تھا وہ۔ جھلی سی لڑکی اس سے کیا کہنا چاہتی تھی۔ کیا باور کرانا چاہتی تھی، کیا سننا چاہتی تھی۔ کچھ بھی تو نہیں۔

تبھی تو دوسرے ہی پل بہت بے تاثر انداز میں سر جھٹکتے ہوئے پلٹا تھا تو وجیہہ چاچا پشت پر بہت ساکت سے کھڑے سیو کو جاتا دیکھتے نظر آئے۔

''کیا ہوا چاچا؟ آپ اس طرف کیا دیکھ رہے ہیں؟'' ان کی نظروں کے تعاقب میں اعیان عالم شاہ نے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ وہ یکدم چونکے تھے، پھر نفی میں سر ہلانے لگے تھے۔

''وہ لڑکی......؟'' ہاتھ کا اشارہ اس جانب کر کے سیو کے متعلق دریافت کیا تھا۔

''وہ لڑکی؟ وہ تو سیو ہے۔ عجیب پاگل سی سرپھری لڑکی ہے۔ ہماری ملازمہ جنت بی بی ہے نا، اس کی بیٹی...... اکثر کام کرنے حویلی آتی رہتی ہے۔ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ کچھ بدتمیزی کی اس لڑکی نے؟ ایکچوئیلی وہ حویلی بہت کم آتی ہے اس لئے یہاں کے طور اطوار سے کسی قدر واقف نہیں جس طرح کہ باقی سب ملازم ہیں۔ آپ......'' اعیان نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

''نن...... نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ کچھ پریشان سی لگ رہی تھی نا۔'' وجیہہ چاچا نے تمام تر سوچوں سے نکلتے ہوئے دھیمے سے مسکرا کر وضاحت تراشی تھی۔ اور تب اعیان عالم شاہ نے شانے بہت بے نیازی سے اچکا دیئے تھے۔ ساتھ ہی آگے بڑھ گیا تھا۔ البتہ وجیہہ چاچا بہت گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے۔

......

سیّد وجاہت افتخار شاہ چلتے ہوئے اپنے کمرے میں آ گئے تھے مگر ان کی نظروں میں بہت سے گزرے برس تیر رہے تھے۔ وقت جتنی تیزی سے گزرتا ہے اتنے ہی گہرے نشان ثبت کر جاتا ہے۔

کتنے بہت سے سال گزر گئے تھے۔

وقت کے ساتھ اگرچہ وجود نے بھی سفر کیا تھا مگر آج جو پلٹ کر نگاہ کی تھی تو جیسے سب کچھ وہیں کا وہیں رکا ہوا تھا۔ سب کچھ۔

فقط ایک صورت نے کیسی کیسی گرہیں کھول دی تھیں۔

ایک صورت...... کس قدر بھونچال مچا گئی تھی وجود کے سارے علاقے میں۔ ہر عکس، ہر نقش کس قدر شناسا سا تھا اور دل کے کس قدر قریب۔

سب کچھ وہی تو تھا۔

وہ بالکل ویسی ہی تھی۔ تبھی تو وہ ہر بار بے چین ہو کر اٹھے تھے۔ اسے بغور دیکھنے کو بے ساختہ لپکے تھے۔ اس کے پیچھے دور تک انہوں نے سفر کیا تھا مگر وہ سدا ناکام رہے تھے۔ آج سمجھ میں آیا تھا۔ اس کے آتے ہی ماحول میں ایک مخصوص بھولی بسری خوشبو کے پھیلنے کا گمان کیوں ہوتا تھا۔ آج کی اس بے فکری، من موجی لڑکی سیو کو دیکھ کر کیوں بے چین ہوتے تھے وہ۔ اس ایک وجود کے قریب سے گزرنے پر وہ چونک کیوں پڑتے تھے اور کیوں بے خود ہو کر اس کی جانب لپکتے تھے۔ وہ تو ہو بہو وہی تھی۔ ویسی ہی، وہی چال ڈھال، وہی نین، وہی نقش، وہی قد، ویسی ہی آنکھیں۔ بس فرق یہ تھا کہ وہ گئے دنوں کی داستان تھی۔ اور یہ لڑکی اس عہد کا قصہ۔

وہ ایک یاد تھی۔ گزشتہ عہد میں بیت جانے والی بات۔ مگر ایسی یاد جس کا تسلسل اس نئے دور سے جڑا ہوا تھا۔

گئے دنوں کی بات ہے
فضا کو یاد بھی نہیں

یہ بات آج کی نہیں۔

ہاں، کوئی آج کی بات تو نہ تھی۔ یہ تو ذکر تھا کئی سال کا۔

ایک پرانی کتھا تھی۔ بھولی بسری کہانی تھی۔

مگر سارے نقش کیسے ازبر تھے دل کو۔ ہر ہر یاد، ہر ہر بات کندہ تھی دل پر۔ وہ طلسم پھیلا ہوا تھا چار سو، وہی جادو رکا ہوا تھا۔

اور وہ جادو لڑکی جو بات کرتی تھی تو سحر پھونکتی تھی، بولتی تھی تو پوری فضا معطر ہو جاتی تھی، جس کی گفتگو فسوں طاری کرتی تھی، جس کی نگاہ میں عجب بھید تھے، عجب اسرار تھے۔

کیسے ساری کائنات رک سی جاتی تھی جب وہ نگاہ اٹھا کر دیکھتی تھی۔

ایک بھولی بسری دنیا کی ایک بھولی بھالی لڑکی تھی۔

ہاں بات اب پرانی ہو چکی تھی، ایک گئی بات، گزرے وقت کی یادداشت۔ ایک گزرا کل۔

مگر بعض باتیں جتنی پرانی ہو جائیں، جتنے چاہے زمانے گزر جائیں، وہ یادداشتیں ماند نہیں پڑتیں۔ وہ نقش دھندلاتے نہیں۔ بعض اوقات تو ان باتوں کی شدتیں مزید دوچند ہو جاتی ہیں کہ وقت اثر انداز ہو ہی نہیں پاتا۔

کچھ باتیں، کچھ یادیں کیسی ازبر رہتی ہیں دل کو۔

وہ بھی تو دل کو ازبر تھی، جیسے دل ہی تو تھی وہ۔ اور شاید تھی بھی۔ تبھی تو آج تک دھڑک رہی تھی سینے میں ایک یاد بن کر۔ پل پل سنگ تو تھی۔ آج انہیں وہ تمام دن یاد آ رہے تھے جن کو گزار کر وہ یہاں تک پہنچے تھے۔ ماضی کی فلم آنکھوں کے سامنے چل رہی تھی۔

✿......✿

"جلدی سے پڑھائی مکمل کرو اور فرنگیوں کے دیس سے لوٹو تو میں بھی اپنے دل کے شوق پورے کروں۔ سارے جہاں کے لڑکے بیاہے گئے۔ لوگوں نے اپنے چاؤ من بھر بھر کے پورے کیے اور ہم دل کی دل میں دبائے بیٹھے رہے۔" اعیان کو بٹھائے اس کے بال بناتی بھابی بیگم بولی تھیں اور وجیہہ بھائی صاحب کی جانب دیکھنے لگا تھا جو اپنی بیگم کی بات پر پہلے ہی مسکرا رہے تھے۔

"سن لو حضرت! چھوڑو اب یہ پڑھائی وڑھائی۔ اپنی بھابی بیگم کے شوق اور فرمائشیں پوری کرو۔"

وجیہہ یکدم ہی مسکرا دیے تھے۔ بھابی بیگم، سید عالم شاہ کی سمت خفگی سے دیکھنے لگی تھیں پھر اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

"تسی تے بس۔ خود خیال کرو کچھ۔ اس دے نال دے سب پاسے لگ گئے۔ ساری ملن گلن والیاں ہن پچھدیاں نے مینوں، نصیب بیگم! دیور جوان ہو گیا اے۔ کدھرے کرنا ایں کہ نہیں۔ ماں ہوندی تے دل وچ کنے ارمان ہوندے۔ ہن تک تے کر وی چکی ہوندی۔"

بھابی بیگم کا جواز انتہائی مدلل تھا۔ دونوں بھائی مسکرا دیے تھے۔ تبھی وجیہہ نے اٹھ کر ان کے گلے میں بازو حمائل کر دیے تھے۔

"بھابی بیگم! آپ میری بھابی نہیں ہیں، ماں ہیں۔ لوگوں کی باتوں پر کان مت دھرا کریں۔"

"لوگوں کی باتوں پر کان نہ دھریں مگر اپنے دل کا کیا کریں؟" سید عالم شاہ نے مسکرا کر وضاحت کی۔ تبھی ان کی گود میں بیٹھا ہوا رہبان گویا ہوا۔

"اماں! ہم چاچی کب لائیں گے؟" اور اس کے معصوم سوال پر دونوں بھائی یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگے تھے۔

"یہ سوال آپ مجھ سے نہیں، اپنے ابا جی سے پوچھو۔ یا پھر اپنے چاچا سے۔" نصیب بیگم نے جل کر کہا تھا۔

"ارے بھابی! انکار کہاں کیا ہے۔ بھلا جرأت ہے مجھ میں؟ بس یہ آخری سال ہے، مکمل ہونے دیں، پھر آپ کے سامنے سرخم ہو گا۔ جو چاہے سزا دے لیجئے گا۔"

"میں جوں کروں گی، سزا ہو گی تیرے لئے؟" بھابی بیگم نے مسکراتے ہوئے اس کا کان پکڑ کر کھینچا تھا۔

"اُف......" اس نے درد سے کراہنے کی ناکام ایکٹنگ کی تھی۔ بھابی نے فوراً ہی اس کا کان چھوڑ دیا تھا۔ تبھی وہ دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے توبہ کرنے لگا تھا۔

"دیکھ لیں، دونوں کانوں کو ہاتھ لگاتا ہوں۔ سب آپ کے اختیار میں ہو گا۔ جس کھونٹے سے مرضی چاہے باندھ لیجئے گا۔" بہت سعادت مند انداز میں وہ مسکرا رہا تھا۔ بھابی اسے بغور دیکھنے لگی تھیں۔

"اور اگر تو وہاں سے کوئی فرنگن بیاہ لایا تو؟" دل کا خدشہ لبوں پر آ گیا۔ وجیہہ مسکرا دیا۔

"مجال ہے میری۔ اتنا اونچا نام و مرتبہ ہے ہمارے خاندان کا۔ ایک عظیم شجرہ نسب۔ آپ سمجھتی ہیں میں سید خاندان کے نام پر کوئی بٹہ لگا سکتا ہوں؟" بہت یقین بھرے لہجے میں باور کراتے ہوئے بھابی بیگم کو دیکھا تھا۔

"سن لیا...... اب تو یقین آ گیا ہو گا؟" سید عالم شاہ نے بہت فخریہ انداز میں چھوٹے

بھائی کی طرف دیکھتے ہوئے بیگم سے دریافت کیا تھا۔

تبھی وجاہت نے بھی بھابی کا مان بڑھاتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔ ''تہیہ کر لیا ہے۔ میری وہٹی میری بھابی ماں ہی لائے گی، ورنہ عمر بھر کنوارہ رہ لوں گا۔ سرے سے ویاہ ہی نہ کروں گا۔'' وہ شرارت سے چھیڑ رہا تھا۔ بھابی ایک چپت لگاتے ہوئے مسکرا دی تھیں۔

''ہاں، ایسا ہی تو بیبا بچہ ہے نا تو۔ جیسے میں جانتی نہیں۔ باہر والے سال گنتے ہیں گھر والے دانت گن کر پہچان لیتے ہیں۔''

''لو جی، قصہ ہی ختم ہو گیا۔'' بھائی صاحب ہنس پڑے تھے۔ وجاہت بھی مسکرا رہا تھا۔

''پوچھ لے، بلکہ دلی مراد پوری کر دے اس برس اپنی بھابی بیگم کی۔ سجا لے سر پر سہرا اور چڑھ جا گھوڑی۔ جیراں، چھیمو، پیتو کتنی ہی دیکھ رکھی ہیں اس نے۔'' مسکراتے ہوئے اطلاع دی۔

''ہاں، تسی تے بس۔ ان میں سے تھوڑی ہو گی کوئی؟ میں تو چاند کا ٹکڑا ڈھونڈوں گی۔ پڑھی لکھی، اپنے وجیہہ کے برابر کی۔ جو اس کے ساتھ چلتی پھرتی تو پھبے۔ بج تھوڑی لگانی ہے مجھے اپنے وجیہہ کو۔'' وجاہت شاہ مسکراتا رہا تھا۔

''زبیدہ آپا کی طرف سے بھی اب دل ڈرتا ہے۔ وہ بھی کچھ ایسی ہی مہم پر کارفرما ہیں ان دنوں۔''

''اب اس خوف سے تو ملنا چھوڑ دے گا بہن سے؟'' بھابی بیگم نے ڈپٹا تھا۔ وہ سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ پھر اعیان کی انگلی تھام لی تھی۔

''چلو یار! ذرا باہر کی ہوا کھا کر آئیں۔''

''چاچا! میں بھی جاؤں گا۔'' رہبان نے بھی فوراً ہی اپنے چاچا کی انگلی تھام لی تھی۔

''بگاڑ کر رکھ دیتے ہو ان کو۔ پھر پورا سال دن گن گن کر اپنے چاچا صاحب کا انتظار کرنے میں گزارتے ہیں۔ وہاں بورڈنگ میں بھی چین نہیں پڑتا۔ فون کرو یا ملنے جاؤ تو پہلا ذکر وجیہہ چاچا کہاں ہیں، کب آئیں گے؟ بس اب مجھے برداشت نہیں کرنا۔ تعلیم مکمل ہو یا نہ ہو۔ ڈگری لے کر کون سا نوکریوں کے لئے در در خواری کرنا ہے؟ درجنوں کے حساب سے ملیں چل رہی ہیں، انہی کو سنبھالنا ہے۔ تعلیم کے ساتھ کیا اور تعلیم کے بغیر کیا۔''

''چلو۔'' بھائی صاحب نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ وجاہت بھی مسکرا دیا تھا۔

''میں جاؤں اب؟'' بڑے مودبانہ انداز میں اجازت مانگی تھی۔

بھابی بیگم نے بغور دیکھا تھا۔ ''ہاں جاؤ۔ مگر سنو، کل صبح تمہیں زبیدہ سے ملنے کے لئے

نکلنا ہے۔ کئی بار فون کر چکی ہے وہ۔ بہاولپور کوئی زیادہ دور نہیں ہے۔'' اچھی خاصی ڈانٹ تھی مگر بے حد پیار کے ساتھ۔ اس پیار بھرے انداز پر وجاہت حسین شاہ مسکرا دیا تھا۔

''جی بہتر، جو حکم آپ کا۔'' پھر دونوں بچوں کو دیکھنے لگا تھا۔ ''چلو یار! اس سے قبل کہ کوئی نئی ہدایت سامنے آئے۔'' وجاہت مسکراتے ہوئے فوراً ہی باہر نکل آیا تھا۔

پھر صبح وہ بہت جلدی اٹھ کر تیار ہو گیا تھا اور ڈرائیور کے ساتھ نکل آیا تھا۔

نکلتے ہوئے اعیان نے بطور خاص اپنی برتھ ڈے کے متعلق مطلع کیا تھا اور وجاہت شاہ نے گرم جوشی سے وش کرتے ہوئے شام سے قبل گھر لوٹنے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ گو تین ساڑھے تین گھنٹے کا سفر تھا اور اسی طرح واپسی کا بھی۔ مگر اس نے وعدہ کر لیا تھا۔ زبیدہ آپا اگرچہ اسے روکنا چاہتی تھیں مگر اس نے پھر آنے کا کہہ کر معذرت کر لی تھی۔ اسے اپنی کمٹ منٹ پوری کرنا تھی۔ گوروں کے دیس میں رہتے ہوئے بہت سی اچھی عادتوں کے ساتھ ایک اس خوبی نے بھی اس کے اندر گھر کیا تھا کہ اب وہ وعدے کی اہمیت جان گیا تھا۔ کمٹ منٹ اور کمٹ منٹ کے اصول اور دیگر مورالز نے اس کی زندگی میں ایک بڑی جگہ گھیر کر اسے ایک آئیڈیل پرسن بنا دیا تھا۔

اونچا لمبا قد، چوڑے شانے، پُر وجاہت پرسنالٹی، انداز میں تمکنت، بول چال میں استحکام، بہت سی خوبیوں نے اس کی شخصیت میں ایک عجیب سحر بھر دیا تھا۔ اس بات کا اندازہ اسے خود بھی تھا۔ کئی وجود اس کے اردگرد منڈلاتے نظر آتے تھے مگر اس نے طے کر لیا تھا، بھابی بیگم اور بھائی صاحب کا مان نہیں توڑنا۔ اور اپنے اس عہد پر وہ بہت پختگی سے قائم و دائم تھا۔

گاڑی اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ راستوں پر بھاگتی دوڑتی یکدم ہی تھم گئی تو وجاہت شاہ نے بہت تشویش کے ساتھ ڈرائیور کو دیکھا۔ ''کیا ہوا ہے؟''

''جی دیکھتا ہوں ابھی۔'' ڈرائیور مودب انداز میں کہہ کر نیچے اترا تھا اور وجاہت شاہ نے بہت اضطرابی کیفیت میں اپنی رسٹ واچ پر نگاہ کی تھی۔ پھر سورج کی ڈوبتی ہوئی کرنوں کو دیکھنے لگا تھا۔ ڈرائیور گاڑی کا بونٹ کھولے جھکا ہوا فالٹ ڈھونڈنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ وجاہت شاہ گاڑی سے اتر کر باہر نکل آیا تھا۔

''پتہ چلا کچھ؟'' ڈرائیور کو دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔

ڈرائیور نے سر اٹھا کر نفی میں ہلاتے ہوئے مالک کو دیکھا۔ ''نہیں صاحب! کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اور مسئلہ یہ بھی ہے کہ یہاں دور دور تک کوئی ورکشاپ یا مکینک نہیں ملے گا۔''

"اوہ شٹ...... اب کیا ہوگا؟" وجاہت شاہ کا انداز جھنجلایا ہوا تھا۔
"میں ایک بار پھر دیکھتا ہوں جی۔" ڈرائیور ایک بار پھر مودب انداز میں کہہ کر جھک
تھا۔
وجاہت شاہ بہت اضطراری انداز میں گاڑی کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا تھا اور گا
پر نگاہ ڈالنے کے بعد ایک بار پھر ڈوبتے سورج کی کرنوں پر نگاہ جما دی تھی۔ سنسان ویران
راستے دور دور تک خالی تھے۔ ڈرائیور نے شاید جلدی کے چکر میں کوئی شارٹ کٹ لیا تھا
اب جیسے سب فضول تھا۔
سیّد وجاہت شاہ بہت سی سوچوں میں گھرا کھڑا تھا جب یکدم ہی ایک گاڑی ان کے
قریب رکی تھی۔ وجاہت شاہ چونک کر دیکھنے لگا تھا۔ سنسان ویران جنگل جیسے راستے میں جا
ڈاکو بڑے آرام سے راہ گیروں کو اپنا نشانہ بنا سکتے تھے اور بناتے بھی تھے۔ اخبار اس طر
کے واقعات سے بھرے ہوئے ہوتے تھے۔
شاید اسی خدشے کے تحت وہ مستعد ہو کر مڑا تھا جب یکدم ہی گاڑی کا شیشہ گرا کر ک
نے بغور اسے دیکھا تھا بلکہ سرتا پیر اس کا جائزہ لیا تھا۔
"اینی پرابلم؟ مسئلہ ہے کوئی؟" بہت دھیما مدھم انداز اس گھڑی اچانک ہی اس ویرا
میں جیسے بہت سا فسوں یکدم ہی پھیلا تھا۔ وجاہت شاہ یک ٹک اسے دیکھے گیا تھا۔ کیا
تاثیر انداز تھا۔ کیسی تمکنت تھی انداز میں اور کیسا خوشبو سا لب و لہجہ تھا۔ ڈوبتے سورج
بہت سی روشنیاں اس گھڑی اس کے چہرے پر تھیں۔ اس تیکھے نقوش والی لڑکی کا صبیح چہرہ
اس گھڑی ان دلفریب روشنیوں میں نہا گیا تھا۔ کس قدر نور تھا اس لمحے اس کے چہرے پر
جیسے سورج اس کے چہرے کا احاطہ کر گیا تھا۔
روشنی نے اسے گھیر کر اور بھی دلفریب کر دیا تھا۔ پتہ نہیں وہ واقعی اتنی دلنشین تھی کہ
اس لمحے کا اثر تھا۔ وجاہت شاہ جیسے سحر زدہ سا اسے تکنے گیا تھا۔
لڑکی اس کے دیکھنے سے قطعی کنفیوژ نہیں ہوئی تھی۔ بے حد پُر اعتماد انداز میں اسے
ہوئی ایک بار پھر گویا ہوئی تھی۔
"کوئی مسئلہ ہے؟ اس ویرانے میں کیوں گاڑی روک رکھی ہے؟ آپ لوگ یہاں کے
تبھی جیسے سیّد وجاہت شاہ کے وجود میں حرکت ہوئی تھی۔ وہ خجل سا ہو کر دیکھنے لگا
"جلدی کے چکر میں ڈرائیور نے گاڑی اس راہ پر ڈال دی اور......" وہ شائستگی سے
مسکرا دیا تھا۔ تبھی گاڑی میں سے باوردی ڈرائیور اترا تھا اور بہت مودب انداز میں اس

وجاہت شاہ کے لئے کھول دیا تھا۔ وجاہت شاہ اس دلنشین چہرے کو دیکھنے لگا تھا۔ وہ بہت
وقار سے گویا ہوئی تھی۔
"مجبوری ہے، ہم آپ کی مدد کئے بغیر نہیں رہ سکیں گے۔ انسانیت کا تقاضا یہی ہے اور
ہمیں یہ رسم بہر طور پوری کرنا ہوگی۔ کیا آپ کو ہماری پیشکش منظور ہے؟" کیسی تمکنت تھی
انداز میں جیسے وہ کسی ریاست کی راج کماری ہو، کسی سلطنت کی شہزادی ہو، جیسے ایک جہاں
اس کے بس میں ہو۔ ایک دنیا اس کے اختیار میں ہو اور وہ جو چاہے کر سکتی ہو۔ فقط ایک ابرو
کے اشارے سے۔
پتہ نہیں وہ واقعی اس بات کا اختیار رکھتی تھی یا نہیں مگر اس گھڑی سیّد وجاہت افتخار شاہ
مکمل طور پر اس کے اختیار میں تھا۔ مکمل طور پر زیر اثر تھا۔
وہ جو چاہتی سو روا رکھتی۔ جیسے وہ اس کا معمول تھا۔ پتہ نہیں واقعی ایسا تھا یا پھر......!
سیّد وجاہت شاہ نے تمام تاثر کو زائل کرتے ہوئے سر جھٹکا تھا۔ جیسے ہر کیفیت کو ختم کرنا
چاہتا ہو۔ اس سارے جادو کو، اس سارے فسوں کو اور اس سارے اثر کو۔ مگر وہ ایسا قطعی نہیں
کر پایا تھا۔
اس کے سنگ بیٹھ کر بھی وہ گاہے بگاہے خاموشی کے ساتھ اس کے چہرے کو دیکھنا بھول
نہیں رہا تھا۔ وہ لڑکی شاید اس کی چوری پکڑ چکی تھی، تبھی اس لمحے بہت دلچسپی کے ساتھ اسے
دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔
"آپ یہاں نئے معلوم ہوتے ہیں۔ آس پاس کے بیسیوں علاقے ہمارے زیر تسلط ہیں
اور ان میں کوئی بھی......" بہت دلربا انداز میں مسکرانے کے ساتھ جملہ ادھورا چھوڑ کر اپنے
کمان ابرو کو ایک خاص زاویئے سے حرکت دیتے ہوئے وہ اسے دیکھنے لگی تھی۔ "آپ ضرور
کہیں دور سے آئے ہیں۔ اینی وے، یہ سارا علاقہ ہمارا اپنا ہے۔ ہم آپ کی حفاظت اور تحفظ
کا ذمہ لے چکے ہیں۔ اب آپ بے فکر ہو جایئے۔"
"آپ کیا یہاں کی، آئی مین اس ریاست کی شہزادی ہیں؟ کوئی راج کماری؟" وہ اس
کے انداز گفتگو پر یقیناً لطیف سا طنز کرتے ہوئے مسکرایا تھا۔ وہ راج کماری سی لڑکی یکدم ہی
کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔
"آپ نے کیسے جانا؟" وہ بہت سی حیرت اپنی جادو بھری آنکھوں میں بھرے اس لمحے
اسے دیکھ رہی تھی۔
"دیکھ لیں میری ہمت۔ حالانکہ یہ شہزادیوں کا دور نہیں۔ نہ ہی شہزادیاں اس دور میں پائی

جاتی ہیں۔" وجاہت شاہ بہت اعتماد سے مسکرایا تھا اور وہ یکدم ہی ہنس دی تھی۔

"چلیں ہم آپ کی معلومات میں تھوڑا سا اضافہ کر دیتے ہیں۔ اگر ہم کہیں کہ ہم واقعی شہزادی ہیں تو؟" وہ بہت دلربا انداز میں اس کی جانب دیکھتی ہوئی جیسے اس کے ایمان کو متزلزل کر رہی تھی۔ سیّد وجاہت شاہ اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"اگر میں کہوں کہ میں نے یقین کیا تو میرا انعام کیا ہوگا؟"

اور وہ ایک بار پھر کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی اور کتنے بہت سے مدھر ساز ایک بار پھر ماحول کو اپنے سنگ باندھ گئے تھے۔

"انعام کے طور پر آپ ہمارے ساتھ یعنی ریچا ٹھاکر سنگھ کے ساتھ سفر کر رہے ہیں۔" وہ بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔ کتنی میٹھی تھی اس کی مسکراہٹ۔ کتنی نرمی، کتنی نزاکت اور کتنا بہت سا فسوں۔

"ہم ریچا سنگھ، عام آدمی جس کی خاک کو بھی نہیں چھو سکتا اس گھڑی آپ کے ساتھ سفر کر رہی ہے۔ کیا یہ کسی اعزاز سے کم ہے؟" کتنا پُر اعتماد لہجہ تھا اس کا۔ اور سیّد وجاہت افتخار شاہ اسے تکتے رہ گئے تھے۔

"ایک بات کہنے کی جسارت کر سکتے ہیں ہم آپ سے؟" پتہ نہیں واقعی اس کی حیثیت و مرتبے کی کوئی کرشمہ سازی تھی یا اس کی ازلی تمکنت یا پھر "رعب حسن" ہی اتنا زیادہ تھا کہ سیّد وجاہت شاہ مسکراتے ہوئے بہت مودب انداز میں دریافت کر رہا تھا۔

وہ جواباً کچھ ثانیوں تک یونہی تکتی رہی تھی، پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"میں کوئی میتھالوجسٹ نہیں ہوں۔ مگر میرا دل جانے کیوں اس گھڑی چاہ رہا ہے کہ میں آپ پر ریسرچ کروں۔ اگر دیو مالائی قصوں کی کوئی حقیقت ہے تو آپ اس کی ایک جیتی جاگتی حقیقت ہیں۔ یکتا، پُر تاثیر، خوابوں کی طرح فسوں طاری کرتی کوئی کتھا۔ دل کو چھوتی، دل کو فتح کرتی، دل میں گھر کرتی کوئی داستان۔" کتنا دھیما، مدھم لہجہ تھا کسی سرگوشی کی مانند۔

اور وہ یکدم ہی ہنستی چلی گئی تھی۔

"آپ کو بتائیں کہتے ہیں، کوئی پتر کار ہیں آپ، ہم کو یقین ہو چلا ہے۔" کتنا دلربا انداز تھا اور سیّد وجاہت شاہ فقط مسکرایا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ "آپ نے خود ہی کہہ دیا۔" اور وہ جیسے اس کیفیت کو جانچتی ہوئی مسکرا دی تھی۔

"اب کوئی ایسا ماورائی، دیو مالائی کردار بھی نہیں ہیں ہم۔ ایک عام سی سکھ ٹپیکل ٹریڈیشنل فیملی سے تعلق ہے ہمارا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔" وہ وضاحت کرتی ہوئی مسکرائی تھی اور

...شاہ کو لگا تھا اس سے زیادہ حسین شے دنیا میں کوئی اور نہیں۔ نہ اس سے زیادہ دلربا، ...سے زیادہ دلفریب۔

...کی نبض کاش تھم جائے۔ اور ہر شے تھم جائے۔ یہ وقت، یہ گھڑیاں اور یہ پل...... ...شے جو اس گھڑی اس ماحول کا حصہ تھی۔ وہ بندھ جائے ان لمحوں کے سنگ۔ اس ...میں قید ہو جائے۔

اور بس یہی حاصل زندگی ہو اور اس سے آگے باقی سب ہیچ ہو۔

کیا ایسا ممکن تھا؟

سیّد وجاہت افتخار شاہ کا دل اب اس سوچ کو بُن رہا تھا۔ اس خیال کو تراش رہا تھا۔ ...یہ ناممکن تھا مگر سید وجاہت شاہ کا دل اس خواب کو حقیقت میں بدلنے کو چاہ رہا تھا۔

لمبی گاڑی ایک وسیع و عریض قلعہ نما کوٹھی کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔

اتنا بڑا وسیع و عریض گھر اس دیو مالائی شہزادی کا تھا۔ وہ جیسے اس گھڑی کوہ قاف کے کسی ...ے پر تھا۔ وہ کس درجے حیرت سے اس لمحے اس لڑکی کو تکنے لگا تھا۔

"تم تو واقعی الف لیلوی کردار ہو۔ دیو مالائی قصہ، کوئی تاثیر کتھا۔"

اور وہ ہنستی چلی گئی تھی۔ پھر اسے مطلع کرتے ہوئے بولی۔ "یہ سب کا سب ہمارا ہے۔ یہ ...ے کا پورا علاقہ۔ آپ سمجھے تھے ہم آپ کو اُلو بنا رہے ہیں؟" کتنی حیرت سے آنکھیں ...پھیلا کر وہ دریافت کر رہی تھی۔ سیّد وجاہت شاہ مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو بغور تکنے لگا تھا۔

"باخدا ہرگز نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بھرپور یقین دلایا تھا اور وہ مسکرا دی ...تبھی وہ پوچھنے لگا تھا۔

"آپ یہاں اتنے بڑے محل میں اکیلی رہتی ہیں یا......؟" پتہ نہیں کیا جاننے کا متلاشی تھا ...ں: مگر جی چاہ رہا تھا لمحوں میں صدیوں کا سفر ہو اور سارے مراحل یکدم طے ہو ...مگر وہ فقط مسکرا دی تھی۔ وجیہہ کا دل چاہا تھا اسے خود سے آشنا کرے۔

...ان جادو بھری آنکھوں میں کہیں کوئی اجنبیت نہ رہے۔

...بہت سی شناسائی ان میں بھر دے۔

یہ خواہش کیوں تھی؟ وہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ پہلی بار ہی تو ملے تھے وہ دونوں۔ پھر ایسا ...تھا؟ ایسی کون سی بے خودی چھائی ہوئی تھی۔

...تو اس کے متعلق کچھ بھی نہ جانتا تھا۔ یکسر اجنبی تھے دونوں۔ نام، حسب نسب، شجرہ

نسب، ذات پات، برادری، مذہب، قبیلہ، ہر شے ہی تو جدا تھی۔ پھر؟

کیا فقط یہ ایک لمحے کا اثر تھا؟ وہ فطری انداز میں متاثر ہوا تھا۔ اور اس کے حسن کا کرشمہ تھا یا پھر واقعی کوئی جذبہ دل میں سر اٹھا چکا تھا۔

کیا یہ محبت تھی؟

اگر تھی تو کیسی دلربا کیفیت تھی کہ نگاہ اسے دیکھنے اور دیکھتے رہنے کو بے قرار تھی۔ جیسے وہ سدا سے اس کے اندر بستی ہو۔

نگاہیں کیسے اس صبیح چہرے پر ساکت سی تھیں جب گاڑی اس محل کے سامنے رکی تھی اور وہ چونکتے ہوئے اس خواب خواب سی لڑکی کو دیکھنے لگا تھا۔

''آپ مہمان ہیں ہمارے۔ پلیز اندر آیئے۔ ہمارا غریب خانہ آپ کا منتظر ہے۔'' کتنے شستہ انداز میں وہ دھیمے سے مسکراتے ہوئے بول رہی تھی۔

باوردی ملازم نے بہت مودب انداز میں دروازہ کھولا تھا۔

اس گھڑی وہ اس کی منتظر تھی۔

وہ ایک معمول کی طرح اس وقت اس کی سمت دیکھ رہا تھا جب یکدم ہی اعیان سے کیا گیا وعدہ یاد آیا۔ شام کے سائے گہرے ہو کر رات میں ڈھل چکے تھے۔

''سوری! میں ضرور آتا کہ میں حکم عدولی نہیں کرسکتا۔ مگر میرا وعدہ ہے کسی کے ساتھ.....'' بہت دھیمے سے وضاحت دی۔

''کسی کے ساتھ..... اوہ وعدہ۔'' بہت معنی خیز انداز میں وہ مسکرائی تھی۔

''یہ وعدہ ایک بچے کے ساتھ ہے۔ آج برتھ ڈے ہے اس کی۔ اسی کی خاطر وہ شارٹ کٹ لیا تھا۔ مگر وائے قسمت۔''

''اور ہم سے آن ٹکرانا تھا۔'' وہ مسکرائی تھی اور وہ بغور دیکھتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔

''گمان تک نہ تھا مگر کبھی کبھی خواب بھی سچ ہی ہو جایا کرتے ہیں۔ آپ..... آپ خواب ہیں تو بے حد، بے حساب دلفریب خواب ہیں۔'' کتنے دلکش انداز میں سراہا تھا ریچا سنگھ کو اس نے اور وہ مسکرا دی تھی۔ تبھی وہ بہت مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''ایک بات پوچھوں؟'' وہ سوالیہ نظروں سے تکنے لگی تھی۔

''کیا میں یہ حسین و دلفریب خواب دوبارہ دیکھ سکتا ہوں؟''

ریچا سنگھ کے چہرے کی مسکراہٹ لحہ بھر میں معدوم ہو گئی تھی اور پھر وہ چہرے کا رخ پھیر کر اپنے ڈرائیور کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''ان کو با حفاظت اور باعزت طریقے سے ان کے مطلوبہ مقام تک پہنچا دیجئے گا۔'' پھر بہت آہستگی سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ ''گڈ بائے۔''

اور اس کے بعد وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ کسی جادوئی وجود کی مانند۔

گاڑی تیزی سے اس کے گھر کے راستوں کی جانب سفر کر رہی تھی مگر سید وجاہت افتخار شاہ کا ہر خیال جیسے اسی ایک لڑکی کے سنگ بندھ گیا تھا۔ ہر سوچ جیسے اسی کی ہو گئی تھی۔

ریچا سنگھ...... خواب صفت لڑکی۔ خواب سی لڑکی۔ حقیقت تھی یا خواب۔

حقیقت تھی تو اٹل تھی۔ جھٹلائے نہ جانے کے قابل۔ تبھی تو دل کا ہر تار اس کے نام کے سُر بکھیر رہا تھا، ذہن اسی کو سوچے جا رہا تھا اور دل! دل بھی اس کی حمایت کر رہا تھا۔

❁......❁

گزرنے والے گزشتہ پانچ دنوں میں سید وجاہت شاہ اسی کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ بھابی بیگم نے کتنی بار اس سے اس کے کھوئے رہنے کا سبب پوچھا تھا مگر وہ مسکرا کر ٹال گیا تھا۔ شکار کے لئے جاتے ہوئے بھی ذہن کیسا منتشر سا تھا۔ مگر بھائی صاحب کا حکم بھلا کہاں ٹالا جا سکتا تھا؟

ذہن سوچے جا رہا تھا۔ دل مسلسل پوچھے جا رہا تھا۔ کتنی الجھی ہوئی سی ہو رہی تھی سوچ ان دنوں۔ جی چاہ رہا تھا پہلی فرصت میں اس پری رخ کے سامنے جا رکے۔ اس ماہ رخ سے پوچھے کہ وہ بھی اتنی بے قرار ہے کہ نہیں۔ کوئی مسلسل بے چینی اسے بھی گھیرے ہوئے ہے یا کہ نہیں؟ شب بیداری نے فقط اسی کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ڈال دیئے ہیں یا پھر وہ بھی ایسی ہی کیفیت کا شکار ہے؟

اور پھر وہ یہی اور اس جیسے بہت سے ایسے سوال لے کر ریچا سنگھ کے مقابل جا رکا تھا۔

اس کا محل نما گھر برقی قمقموں سے سجا ہوا تھا اور وہ کیسی خواب سی لگ رہی تھی اس روز بھی۔ سفید بیش قیمت لباس میں وہ جیسے کوئی ماورائی مخلوق تھی اس گھڑی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا تھا۔ کتنے قیمتی زیور آرائش و زیبائش کے طور پر اس نے پہنے ہوئے تھے۔

''کیا تم.....؟'' جانے کون سا خدشہ زبان پر آنے کو تھا، جب وہ یکدم ہی سرنفی میں ہلاتی ہوئی کچھ دور موجود ہجوم پر نگاہ مرکوز کرتے ہوئے مسکرائی تھی۔

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ شادی ہمارے بھراہ جی کی ہے۔ میں پانچ بھائیوں کی اکلوتی بہن ہوں۔ سب بڑے ہیں ہم سے۔ ہمارا نمبر آخری ہے۔'' پتہ نہیں وہ کیوں وضاحت دے رہی تھی اور وہ بھی اس قدر تفصیل کے ساتھ۔ بہت سے مہمان اردگرد سے گزر

رہے تھے۔ وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ تبھی وہ یکدم چونکتی ہوئی بولی تھی۔
"چلو نا اندر۔ سب سے ملوائیں ہم آپ کو۔"
اور اس لمحے سید وجاہت شاہ اسے بغور تکتے ہوئے مسکرا دیا تھا۔ "اور اگر میں کہوں مجھے فقط اس خوبصورت خواب کے علاوہ مزید کچھ نہیں دیکھنا تو؟"
کس قدر پرُفسوں لہجہ تھا۔ ریچا سنگھ چونکی تھی، پھر شاید اخلاقاً مسکرا دی تھی۔
تبھی کسی شخص نے اسے آواز دی تھی۔ "ریچا پتر!"
اس نے فوراً پلٹ کر دیکھا تھا۔ سید وجاہت شاہ کی نظروں نے بھی اس کے سنگ سفر کیا تھا۔
"جی بھرا جی؟" اس کا لہجہ مودب تھا۔
"کون ہے پتر؟" غالباً سب سے بڑے بھائی تھے۔ ان کی عمر کنپٹیوں کے سفید بالوں سے ظاہر تھی۔
"بھرا جی وہ......" اس نے سراسیمہ انداز میں بہت الجھی ہوئی نظروں سے سید وجاہت شاہ کو دیکھا تھا۔ وجاہت شاہ کو اس لمحے اس پرُ اعتماد لڑکی کی آنکھوں میں ایک ہلکا سا خوف نظر آیا تھا۔ یقیناً وہ اس اجنبی کے حوالے سے ایسا محسوس کر رہی تھی۔
"اوہ، اچھا...... دوست ہے کوئی۔ ساتھ پڑھتا ہے۔" بھرا جی بہت دھیمے سے مسکرائے تھے اور وہ یکدم ہی اس کی طرف دیکھتی ہوئی مسکرا دی تھی۔
"جی...... جی۔"
تبھی ریچا کی بڑی بھابی مسکراتی ہوئی اس کی سمت آ گئی تھیں۔ "ریچا پتر! مہمان کی خاطر مدارات کرو کچھ۔ ملاؤ جلاؤ سب کے ساتھ۔"
"جی بھابی جی۔" اس نے فوراً سر اثبات میں ہلایا تھا۔ تبھی بھابی مسکراتی ہوئی پوچھتے ہوئے بولی تھیں۔
"پتر کیسے ہو تم؟"
وجاہت شاہ چونک پڑا تھا۔ "جی...... ٹھیک ہوں...... آپ......" وہ کچھ پوچھنے جا رہا تھا تبھی وہ مسکراتی ہوئی بولی تھیں۔
"ریچا ہماری سب کچھ ہے۔ بہت عزیز ہے ہمیں۔ تم غالباً اس کے نئے دوست ہو۔ اس کے کالج کے سارے دوست گھر آتے رہتے ہیں، تمہیں پہلی بار دیکھا ہے۔"
"جی وہ......" اس نے مسکرا کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ بھابی نے مسکراتے ہوئے اسے

دیکھا، پھر ریچا سے بولیں۔
"ریچا پتر! کھانا وانا کھلاؤ اپنے دوست کو۔ آج تو پہلی رسم ہے۔ ابھی تو کئی اہم رسمیں باقی ہیں شادی کی۔ تم سب میں آنا۔ بلکہ اپنی فیملی کو بھی لانا۔" انہوں نے وجاہت شاہ کو تاکید کی تھی اور وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔ تبھی ریچا سنگھ اسے لے کر وسیع و عریض لان کے دوسرے کونے کی سمت بڑھنے لگی تھی جہاں ہجوم نہیں تھا۔ وہ بہت چپ سی تھی۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔
"تمہیں بہت چاہتے ہیں سب۔" پتہ نہیں سوال تھا یا تجزیہ۔ ریچا سنگھ چونک کر دیکھنے لگی تھی، پھر ہولے سے مسکرا دی تھی۔
"ہاں، ایکچوئیلی ہم نے بتایا تھا نا کہ ہم اکلوتے ہیں پانچ بھائیوں کے۔ ہم بہت چھوٹے تھے جب باؤ جی اس دنیا سے چلے گئے۔ ہمیں انہی سب لوگوں نے پالا۔ آج ہم جو بھی کچھ ہیں، انہی کے باعث ہیں۔ انہی کی محبتوں کے سبب ہیں۔" پھر اس برقی قمقموں سے سجے محل کو دیکھتی ہوئی بولی۔
"جب پارٹیشن ہوا تو باؤ جی نے قصداً دوسرے دیس جانے سے اجتناب برتا۔ کیونکہ اس جگہ پر ہمارے بہت سے پرکھوں کی نشانیاں ہیں۔ ہمارے آباؤ اجداد کی بہت سی قبریں ہیں۔ باؤ جی کا کہنا تھا "جو اپنے کل کو ساتھ لے کر نہیں چلتے وہ کبھی حال میں خوش نہیں رہتے۔ ہمیشہ ماضی میں الجھے رہتے ہیں۔" وہ اپنی سوچ میں بہت استحکام رکھتے تھے، تبھی ہماری فیملی نے مائیگریٹ نہیں کیا۔ یہ ہماری خاندانی حویلی ہے۔ بہت قدیم ہے۔ کئی سو سال پرانی۔ اس کی قیمت کئی گنا بڑھ چکی ہے۔ مگر ہمیں اس کی قیمت سے زیادہ اس کی اہمیت کا اندازہ اپنے خاندانی وقار سے ہے۔ میرے دادا جی نے اور باؤ جی نے پارٹیشن کے وقت کئی اہم خدمات سرانجام دیں، قربانیاں بھی دیں۔" وہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔ تبھی وہ اسے چپ چاپ تکتا گیا۔
"ریچا سنگھ! تمہیں پتہ ہے تم کتنی خوبصورت ہو؟" کتنا مختلف سوال تھا اور کس قدر اچانک۔ وہ یکدم ہی چونکی تھی، پھر مسکرا دی تھی اور دوسری سمت تکنے لگی تھی۔
"ہاں، بہت سے لوگوں نے بتایا ہے۔ ہماری بھابی ماں نے بتایا۔ بہت سے دوستوں نے بھی آگاہ کیا۔ اور آئینہ بھی اکثر یہی کہتا نظر آتا ہے۔" وہ ایک بار پھر پرُ اعتماد تھی۔
"اور محبت؟" وہ بہت گہری نظروں سے اس کے چہرے پر جیسے کچھ کھوجنے لگا تھا۔ اس کی جادو بھری آنکھوں کو دیکھنے لگا تھا۔
وہ چونکتے ہوئے دیکھنے لگی۔ "محبت؟"

"ہاں محبت۔" وجاہت شاہ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ "وہ محبت جس نے میرے اندر گھر کیا، جس نے مجھے بے کل کیا، جس نے میری راتوں کی نیند اڑا دی اور جس نے میرے خیالوں کو تمہارے خیال کے سنگ باندھ دیا۔"

اور وہ ہنسنے لگی تھی۔ ہنستی چلی گئی تھی۔

"آر یو میڈ؟" اپنی شہادت کی انگلی کو کنپٹی پر رکھ کر اس نے گھماتے ہوئے مکمل شرارت سے اسے دیکھا تھا اور وہ اسی طرح تکتا چلا گیا تھا۔ "ہم تو آپ کا نام بھی نہیں جانتے اور آپ؟" وہ پھر مسکرا دی تھی۔ "جانتے ہیں کون ہیں ہم؟ ہمارے بھرا جی سے ابھی آپ واقف نہیں۔"

پتہ نہیں وہ خود ڈر رہی تھی یا اسے ڈرا رہی تھی۔ مگر اس کا انداز ایسا بچگانہ تھا کہ وہ بجائے ڈرنے کے یکدم ہی مسکرا دیا تھا۔ ساتھ ہی بولا تھا۔

"ریچا سنگھ! تم خود ڈر رہی ہو یا پھر مجھے ڈرا رہی ہو؟"

مگر وہ گھورنے لگی تھی۔ "ہم کیوں ڈریں گے بھلا۔ ہم بزدل نہیں ہیں۔ اور پلیز آپ ہم سے ایسی اوٹ پٹانگ باتیں مت کیجیے۔"

"اجازت لے کر محبت کرو گی؟" وہ بہت پُر اعتماد انداز میں دھیمے سے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا تھا۔ وہ یکدم ہی چونکی تھی، پھر بہت خفگی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ہم فقط مروتاً آپ سے ملے ہیں ورنہ ہم......"

"سیّد وجاہت افتخار شاہ......" اس نے مکمل تعارف دیا۔ "یوکے میں ایگریکلچرل اسٹڈی کر رہا ہوں۔ ان دنوں چھٹیوں پر ہوں۔ تمہاری طرح میری فیملی بھی ٹریڈیشنل اپروچ کی حامل ہے۔ میری بھی بھابی بیگم میرے لئے بہت اہم ہیں اور بھائی جی بھی۔"

"مگر تم یہ سب کچھ ہمیں کیوں بتا رہے ہو؟" وہ بہت رعونت سے اسے دیکھتی ہوئی بولی تھی اور وہ مسکرا دیا تھا۔

"تم نے بھی تو مجھے اپنے متعلق بتایا۔ میں نے بھی تو سنا تھا۔" اس کا انداز کسی قدر شریر تھا۔ مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔ اسے دیکھتی ہوئی نفی میں گردن ہلانے لگی تھی۔

"آئندہ ہمیں ملنے مت آنا۔" وہ الٹے قدموں پیچھے مڑنے لگی تھی۔

"تم بند باندھ سکو گی؟" کس قدر اعتماد سے پوچھ رہا تھا وہ۔ لبوں پر کیسی پُر اعتماد مسکراہٹ رکی ہوئی تھی۔

"ہمارے بھائیوں سے ابھی آپ واقف نہیں۔ آپ کو قصہ پارینہ بنتے دیر نہیں لگے گی۔"

الٹے قدموں چلتی ہوئی سر نفی میں ہلاتی جا رہی تھی۔

"کیا میری سوچ سے بچ سکو گی؟ باڑھ دروازوں اور دیواروں پر لگائی جاتی ہے، سوچوں اور خیالوں پر نہیں۔ دل کی کوئی سرحد نہیں۔ کوئی دیوار نہیں۔ کہیں کوئی دروازہ نہیں۔" کتنا پُریقین تھا اس کا انداز۔

"پھر مت آنا۔ ہم کبھی نہیں ملیں گے تم سے۔" اس نے آخری بار اپنے الفاظ دہراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا اور پھر پلٹ کر بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی تھی۔ وجاہت شاہ کتنی ہی دیر تک وہاں کھڑا رہا تھا۔

پھر قدم واپسی کی راہوں پر ڈال دیئے تھے۔ مگر ایک روشنی سی مسلسل اس کے اندر یہاں سے وہاں تک پھیل رہی تھی۔

✿......✿

"زبیدہ آئی ہوئی تھی۔ اتنا انتظار کر کر کے واپس گئی۔ کہاں تھے تم؟" بھابی بیگم اس کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھیں اور اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

"کیا ہوا، طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" انہوں نے تشویش کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"ہاں، ٹھیک ہوں میں بھابی! آپ تو یوں ہی پریشان ہو جاتی ہیں۔ وہ ہمارے چھوٹے شیطان کہاں ہیں؟"

"اپنے ابا جی کے پاس بیٹھے چھٹیوں کا کام مکمل کر رہے ہیں۔ اور تم کہاں جا رہے ہو اب؟"

"ایک دوست کی طرف۔" اس نے مسکراتے ہوئے آگاہ کیا تھا۔

"جلدی لوٹ آنا۔ کل کی طرح دیر مت لگا دینا۔ تم تو جانتے ہو اپنے بھائی جی کو۔" انہوں نے سیّد عالم شاہ کا حوالہ دیا تھا۔

"اوکے......" وہ سر اثبات میں ہلاتا ہوا گاڑی کی جانب آ گیا تھا۔ نہ جانے اس نے گاڑی ریچا سنگھ کے گھر کی طرف کیوں موڑ دی۔

کتنے بہت سے سرخ گلاب لئے وہ اس دن پھر اس کے سامنے تھا۔ آتے ہوئے دروازے میں ہی اس کی بڑی بھابی اور چھوٹی بھابی ملی تھیں۔ اس نے ادب سے سلام کیا تھا اور پھر ریچا سنگھ کی طرف آ گیا تھا۔

"اکیلے آنا مناسب نہ لگا۔ سوچا کسی وکیل کو ساتھ لے لوں۔ اور ان پھولوں کے سوا اور

"کون بہتر طور پر میرا معاون ہو سکتا تھا؟" بہت دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے اس نے
دیکھا تھا۔

ریچا سنگھ کتنی ہی دیر اسے بے یقینی سے دیکھتی گئی تھی۔ پھر اس نے پھولوں کو تھام کر ایک
طرف رکھ دیا تھا۔

"تمہیں ڈر کیوں نہیں لگتا؟"

"تم کیوں مجھے خوفزدہ کرنے پر تلی رہتی ہو؟" وہ الٹا مسکرا کر سوال کر رہا تھا۔ وہ نفی میں
سر ہلانے لگی تھی۔

"ہم مذاق نہیں کر رہے۔ تم جانتے نہیں ہو ٹھاکر سنگھ خاندان کو ابھی۔ یہاں ایسا نہیں
ہوتا۔ ان کی نظروں میں دھول جھونکنا آسان نہیں۔"

"آسان تو کچھ بھی نہیں ریچا سنگھ! نہ تمہارے خیالوں کو جھٹکنا، نہ تمہیں بھولنا، نہ بھول کر
زندہ رہنا۔ اور میں مر جاؤں تو تمہیں کچھ تو افسوس ہوگا نا۔" وہ کتنے شگفتہ انداز میں کہتے
ہوئے اسے مکمل شوخی کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔

"تمہارا نام بہت خوبصورت ہے ریچا! بالکل تمہاری طرح۔" وہ جیسے اس کا دھیان
چاہتا تھا مگر وہ مسلسل گھورتی رہی تھی۔

"اسٹاپ اٹ ناؤ۔ اینڈ گو اوے۔ ہم سچ کہہ رہے ہیں، اس قلعے سے باہر نکلنا تمہارے
لئے قطعی ناممکن ہوگا اگر ہم تمہارے متعلق اپنے بھائیوں کو بتا دیں تو۔ ہمیں ترس آ رہا ہے
پر۔ تمہارا انجام اچھا نہیں ہوگا۔"

وہ مسکرا دیا تھا۔

"ریچا سنگھ! محبت انجام کی فکر نہیں کرتی۔ اب اگر قدم بڑھا دیئے ہیں تو کتنے بھی طوفان
راہ میں آئیں، کچھ بھی ہو، کوئی قیامت ہی کیوں نہیں، اب نہیں پیچھے ہٹنے کے۔"

اور وہ کتنی ہی دیر تک اسے چپ چاپ دیکھتی گئی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔ وہ یکدم ہی دھیان پھیر کر دوسری
جانب دیکھنے لگی تھی۔ تبھی چھوٹی بھابی نے اسے پکارا تھا۔

"ریچا پتر! تیرے بھرا جی بلا رہے ہیں تجھے۔" اور ریچا کے چہرے کی کیفیت یکدم
متغیر ہو چکی تھی۔

"پلیز، ہم تم سے منت کرتے ہیں، دونوں ہاتھ جوڑتے ہیں، پلیز چلے جاؤ۔"

"تم محبت سے بھاگنا کیوں چاہتی ہو؟" وہ بہت اطمینان سے اس کے سامنے جم کر

رہا تھا۔

"کیونکہ میں ایسی فضولیات میں پڑنا نہیں چاہتی۔"

"فرار کی ایک اور راہ؟" وجاہت شاہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"تم پاگل ہو؟"

"تم نے پاگل کر دیا ہے۔"

"علاج کراؤ اپنا۔"

"تمہارا بیمار ہوں۔"

"اُف......" ریچا سنگھ نے سر پیٹ لیا۔

"ریچا پتر!" چھوٹی بھابی کی آواز پھر ابھری۔

"جی بھابی جی...... آ رہی ہوں۔" اس نے با آواز بلند جواب دیا تھا۔ پھر گھورتے ہوئے
اسے دیکھنے لگی تھی۔

"تم!"

"سید وجاہت شاہ نام ہے۔ تم پیار سے وجیہہ بلاؤ گی تو کتنا بھلا لگے گا۔" وہ چھیڑ رہا
تھا۔ ریچا سنگھ نے پاؤں پٹخے تھے اور پھر باہر نکل گئی تھی۔ وہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
شادی والے گھر میں ایک فائدہ ہوتا ہے۔ مہمانوں کی فراوانی میں پتہ ہی نہیں چلتا کہ کون کس
کا رشتہ دار ہے۔ وجیہہ کو بھی یہی ایڈوانٹیج حاصل تھا۔ وہ کتنے آرام کے ساتھ وہیں گھومتا پھرتا
رہا تھا۔

وہ وہیں پر تھا جب وہ کسی رسم کی غرض سے تیار ہو کر باہر آئی تھی۔ وہ جو ستون کے ساتھ
لگا بڑی بھابی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا، اس کی جو نگاہ پڑی تھی تو پھر پلک جھپکنا بھول
گئی تھی۔ پلٹنا بھول گئی تھی۔

"بھابی جی! آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟ شاید رسم کے متعلق کوئی ضروری ہدایات دینا ہیں
بھرا جی نے آپ کو...... کتنی دیر سے وہ آپ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔" بھابی کے جانے کے بعد وہ
اس کی سمت آ گئی تھی۔ کتنا تمکنت بھرا انداز تھا جیسے وہ فتح کرنے کا گر جانتی ہو۔ نہ ڈرنے
والی، نہ جھکنے والی۔ وہ بے خود سا دیکھے گیا۔ بنا ارد گرد کے ہجوم کی پرواہ کئے۔

"تم ابھی تک یہاں کیا کر رہے ہو؟" بہت دھیمے انداز میں اس نے دریافت کیا تھا۔

"تمہارا انتظار...... نگاہ تمہیں دیکھنے اور دیکھتے رہنے کی منتظر تھی۔ سو میں نے جانے کا قصد
ملتوی کیا۔" وہ بہت مدھم انداز میں مسکرایا تھا۔ وہ تلملا کر رہ گئی تھی۔

''اپنا نہیں تو کسی دوسرے کا ہی خیال کرلو۔ بدنام کرنے کا اور رُسوا ہونے کا بہت شوق ہے تمہیں؟''

''بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا؟''

''مر جاؤ گے تم۔'' وہ تاسف سے نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''تمہیں یقین ہے، تمہیں دیکھ لینے کے بعد کوئی جی رہا ہے؟'' وہ کتنی شرارت آنکھوں میں سمیٹے مسکرایا تھا۔

''مر جاؤ تم۔'' وہ پلٹی تھی اور پھر ہجوم میں غائب ہوگئی تھی۔

✿......✿

رات بھر وہ سو نہ سکی تھی۔ شب بیداری کیا ہوتی ہے، یہ آج کھلا تھا اس پر۔ کیا عجب پاگل سا نوجوان تھا۔ اور کیسی عجیب سی باتیں تھیں اس کی۔

وہ کتنی دیر اسی نہج پر سوچتی رہی تھی۔ اس ایک فرد کو۔ اور پتہ نہیں کیوں دل میں بہت سا خوف بھر گیا تھا اور وہ یکدم ہی لب بھینچ کر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ جانے کیوں جی چاہ رہا تھا کہ وہ اب دوبارہ کبھی یہاں نہ آئے۔ کچھ بھی تو نہیں سمجھ پا رہا تھا وہ۔ سب کچھ مذاق تھا جیسے اس کے لئے۔ کس قدر غیر سنجیدہ تھا وہ۔

کہاں آسان تھا کچھ بھی...... کہاں ممکن تھا کچھ بھی؟

اور وہ جانے کیوں پھر ایسی خواہش کر رہا تھا۔ نادان ہی تو تھا، آگ سے کھیل رہا تھا اور کوئی اندیشہ تک نہ رکھتا تھا جلنے کا۔

''پتر! کیا ہوا، طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟ یہ آنکھیں کیوں سرخ ہو رہی ہیں تیری؟'' صبح جب منجھلی بھابی نے اسے دیکھ کر تشویش سے پوچھا تو وہ یکدم ہی مسکرانے کی ناکام کوشش کرتی ہوئی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

کیا وہ شخص اس قدر خاص تھا یا اہم تھا کہ وہ اس کے لئے اپنی نیند گنوا رہی تھی؟ اور اس خیال کے ساتھ ہی اس نے سر کو جھٹکا تھا اور پھر شام کی تقریب کی تیاری کی غرض سے مصروف ہوگئی تھی۔

اور اس شام جب وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ پھول لئے کھڑی مہمانوں کا استقبال کرنے کو موجود تھی، تبھی وہ آ گیا تھا اور ریچا سنگھ کے پھول برساتے ہاتھ یکدم ہی تھم گئے تھے۔

اور اس شخص کے لبوں پر وہی ازلی مسکراہٹ تھی جیسے وہ اس کی آنکھوں میں حیرت دیکھ کر بھرپور انداز میں محظوظ ہوا تھا۔

وہ اگرچہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی، نہ ہی اس سے بات کرنے کی خواہاں تھی۔ مگر اس گھڑی بادل نخواستہ پھولوں کی تھالی اپنی سہیلی کو تھما کر اس کے سامنے آن رکی تھی اور خطرناک تیوروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ دونوں قدرے نیم تاریک گوشے میں تھے۔ ہجوم سے دور۔

''باز نہیں آؤ گے تم؟'' بہت مدھم آواز میں وہ بولی تھی۔

اور وہ کتنے پُرسکون انداز میں مسکراتا رہا تھا۔ وہ تلملا کر پلٹنے والی تھی جب وجاہت شاہ نے یکدم ہی اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ پلٹ کر بہت حیرت کے ساتھ اسے تکنے لگی تھی جیسے وہ اس گستاخی کے لئے تیار ہی نہ ہو۔ مگر وجاہت شاہ جیسے ہر بات سے بیگانہ تھا۔ اسے یک ٹک دیکھے جا رہا تھا۔

''جانتی ہو کس قدر دیوانہ کر دیا ہے مجھے تم نے؟ سوچنا بھی چاہوں تو کوئی اور بات سوجھتی ہی نہیں۔ تمہارا چہرہ نگاہ سے ہٹے تو کوئی اور منظر بھی دیکھوں۔ کوئی راہ دکھائی ہی نہیں دیتی۔ تم نے کیسے میرے تمام راستے بند کر دیئے ہیں۔ ہر راہ مسدود کر دی ہے اور اب......'' اس نے بے تھک کر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

ریچا سنگھ نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرایا تھا۔

''ہم سے کیا چاہتے ہو تم؟ کیوں ہمیں جینے نہیں دے رہے ہو؟'' اس کی آواز اور لہجہ کیسی بے بسی بول رہی تھی۔ اور وجاہت شاہ کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔

''اوہ...... تو زندگی دشوار یہاں بھی اسی قدر ہوگئی ہے۔''

وہ کچھ نہیں بولی تھی، یونہی خاموشی کے ساتھ تکتی چلی گئی تھی۔ وہ یقیناً تحیر کی کیفیت میں تھی۔

''ریچا سنگھ! تم نہیں جانتی ہو، مگر یہ حقیقت ہے۔ تمہارا چہرہ کتاب ہے اس کی تمام عبارتوں کو میری نگاہ بہت آرام سے پڑھ رہی ہے۔'' کتنی دھیمی سی مسکراہٹ تھی اس کے لبوں پر اور کس قدر یقین تھا اس کے لہجے میں۔

''گو درج شدہ عبارتوں کی زبان آسان اور عام فہم نہیں، مگر تم کیا جانو کہ کوئی نگاہ بہت سے بھید پا جاتی ہے۔ بہت سی چھپی ہوئی چیزوں کو بھی۔ کیونکہ وہ بھید اس کی آنکھوں پر منکشف ہوتے ہیں۔ اس ایک مخصوص نگاہ میں سمجھو ایک خاص صلاحیت ہوتی ہے جیسے وہ نگاہ کسی چہرے کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ تبھی تو سب راز پا لیتی ہے۔ دیکھو، تمہاری آنکھیں مجھ سے کیا کہہ رہی ہیں۔ مجھے دیکھو اور دیکھے جاؤ۔ مجھے چاہو، ٹوٹ کر چاہو اور چاہے جاؤ۔''

کیسا یقین بول رہا تھا اس شخص کے مدھم لہجے میں۔ ریچا سنگھ کی ساکت نظریں وجاہت شاہ کو دیکھے جا رہی تھیں۔ وہ اس کے یقین کو متزلزل کرتے ہوئے مسکرایا تھا اور پھر پلٹ کر واپسی کے راستوں پر قدم بڑھانے لگا تھا۔

اور ریچا سنگھ کتنی ہی دیر ساکت نظروں سے اس کی جانب دیکھتی رہی تھی۔

✿.....✿

کیسا انوکھا الاپ ہے محبت۔

دل گنگناتا ہے تو پھر جیسے سماعتیں باقی سب دوسری آوازوں پر کان دھرنا بھول جاتی ہیں۔ کیسی بے خودی ہے کہ پھر اردگرد کا ہوش ہی نہیں رہتا۔

کیسی بے اختیاری ہے کہ خواہش کے باوجود اور کچھ سوجھتا ہی نہیں۔

وہ وجاہت شاہ جسے اپنے قول کا کل تک پاس تھا، جسے حسب نسب اور شجرۂ نسب کی فکر تھی، جسے اپنا خاندانی وقار اور نام و مرتبہ بہت عزیز تھا، آج کیسے اس کے لئے ہر شے ثانوی ہوگئی تھی۔

بہت کم وقت تھا اس کے پاس۔ بہت تھوڑے سے دن۔ مگر فقط دو چار بار کی ملاقاتوں میں اسے محبت نے اپنا اسیر کرلیا تھا۔ اپنے دائرے میں اس طرح جکڑا تھا کہ اب اگر اسے موقع ملتا بھی تو وہ اس دائرے سے باہر نکلنا نہ چاہتا۔

دو چار بار کی ملاقات۔

ایک اجنبی پری رو سے نہ جان نہ پہچان۔

ہر شے جدا مگر دل جیسے باغی ہونے کو تھا۔

کیسا ضدی بچہ بن گیا تھا۔

اور سید وجاہت شاہ نے اس ضدی بچے کے سامنے اپنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔ تبھی تو اس روز جب وہ اسے ملا تھا تو پہلا سوال ہی یہی پوچھا تھا۔

”ریچا سنگھ! شادی کرو گی مجھ سے؟“

اور وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کس درجہ حیرت سے تکتی چلی گئی تھی۔

”تم......؟“ کتنی دیر کے بعد اس نے بولنے کو اپنے گلابی گداز لب وا کیے تھے جب اس نے بہت تیزی کے ساتھ اس کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا اور اسے کچھ بھی مزید بولنے سے جیسے روک دیا تھا۔

”اوں ہوں......“ بہت ہولے سے سرنفی میں ہلایا تھا۔ ”کوئی جواز نہیں، کوئی دلیل نہیں،

وضاحت نہیں۔“ وہ ہولے ہولے سرنفی میں ہلاتا چلا گیا تھا۔ ”کیونکہ محبت نہیں مانتی۔“

م لہجہ تھا جیسے سرگوشی۔ ”محبت نہیں مانتی ریچا سنگھ! کچھ بھی نہیں مانتی۔ کسی بات کو بھی یہ تو بس اپنی منواتی ہے۔ تبھی تو میں ہار گیا ہوں۔ اس گھڑی بے بس سا جو تمہارے نے کھڑا ہوں تو یونہی نہیں، یہ ساری کرشمہ سازیاں محبت کی ہی ہیں۔ روزانہ تمہیں ملنے کو تین گھنٹے کا تھکا دینے والا سفر میں خود نہیں کرتا بلکہ محبت میری انگلی تھام کر چلتی ہے اور مجھے کوئی ہوش ہی نہیں رہتا۔ اور کتنی باتیں گنواؤں میں، کتنی مزید۔ یہاں مثالوں سے ٹ جائے گا ریچا سنگھ! مگر پھر بھی یہ سلسلہ رکے گا نہیں۔“

کتنا مدھر لہجہ تھا اس کا، اور اس کی آنکھیں، کس قدر حسرت تھی ان میں۔ کیسی شعاعیں نکلتی تھیں اس گھڑی۔ ریچا سنگھ نے اس کے ہاتھ کو ہولے سے اپنے چہرے پر سے ہٹایا پھر چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت تکنے لگی تھی۔

”یہ کبھی ممکن نہیں ہے۔ ہم کہہ چکے ہیں، بتا چکے ہیں تمہیں سب...... پھر کیوں نہیں سمجھتے تم؟ کس قدر مشکل ہے یہ سب۔ ہمارا ملن نہیں ہوسکتا۔ کبھی بھی نہیں۔ تم چلے کیوں نہیں جاتے یہاں سے؟ ہم جانتے ہیں، یہ وقتی ہیجان ہے۔ سب کچھ ختم جائے گا، سب کچھ۔ تم بھول جاؤ گے۔ پھر کبھی تمہیں کوئی یاد بھی نہ آئے گا۔ یہ محبت نہیں ہے۔ ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ ہم ملے ہی کتنی بار ہیں دو چار بار کی ملاقات سے محبت تو نہیں ہو جاتی۔ اور ہم تو بس اتفاقاً ملے تھے۔ اتفاقاً تو کئی لوگ اور بھی ملتے ہیں۔ ضروری تو نہیں کہ ہم سب کے سنگ ہو جائیں۔ ان جذبات کے سنگ بہہ جانے والے ہماری نگاہ میں بے وقوف ہوتے ہیں اور ہم بے وقوف نہیں۔ ہم جانتے ہیں ہمیں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں۔“ کتنے مدبرانہ انداز میں بولی تھی۔ گویا اسے مکمل طور پر جھٹلانا چاہا تھا۔ مگر وہ مکمل پُرسکون انداز میں مسکرا دیا تھا جیسے اس کی کیفیت سے مکمل طور پر محظوظ ہوا ہو۔

”تم ابھی خود کو بہلا رہی ہو، جھٹلا رہی ہو؟“ کتنا مشکل سوال تھا۔ ریچا سنگھ کے پاس کوئی جواب سرے سے موجود ہی نہ تھا۔ تبھی تو وہ چپ چاپ سی وجاہت شاہ کو تکتی گئی تھی۔

تبھی اس نے بہت ہولے سے اس کا نازک سا ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ پھر اسی انداز میں مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

”ریچا سنگھ! بند مت باندھو۔ کیونکہ محبت کچھ نہیں مانتی۔ کچھ بھی نہیں۔ نہ کوئی وضاحت، نہ جواز، کچھ بھی نہیں مانتی یہ۔“

ریچا سنگھ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور پھر پلٹ کر قدم اٹھاتی ہوئی وہاں سے

نکل گئی تھی۔ تبھی بڑی بھابی اسے نظر آئی تھیں۔

''وہ تمہارا دوست کچھ دیر قبل تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ ملا کہ نہیں؟'' اور اس نے چہرہ اثبات میں ہلا دیا تھا۔ بھابی نے اس کا اترا اترا چہرہ ہاتھ میں لے کر دیکھا تھا اسے کچھ متفکر انداز تھا۔

''پتر! ٹھیک تو ہے تو؟ رنگت کیسی پیلی پڑ رہی ہے۔ میں تو اتنے دنوں سے جسونت کی شادی کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ اپنا ہوش بھی نہ رہا۔ پتہ نہیں تو نے ڈھنگ سے کچھ کھایا بھی ہوگا کہ نہیں۔ کھایا ہوتا تو صورت یوں نہ اتری ہوتی۔'' بھابی نے اپنی دانست میں جواز تراشا تھا اور وہ زبردستی مسکرائی تھی۔ پھر اس کے ہاتھ تھام لئے تھے اور دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

''نہیں بھابی! ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ تو بس خواہ مخواہ ہی پریشان ہو جاتی ہیں۔ کبھی ماں کی نظر سے ہٹ کر بھی دیکھا کریں۔''

بڑی بھابی ہولے سے مسکرا دی تھیں۔ ''بے وقوف! تو نے خود ہی کہہ دیا۔ پھر بتا کوئی ماں اپنے بچے سے غافل کیونکر رہ سکتی ہے؟ چل اب تو اپنے کمرے میں۔ کوئی ضرورت نہیں ادھر اُدھر چکرانے کی۔ میں کھانا تیرے کمرے میں بھجوا دوں گی۔'' اس کے آرام کی غرض سے بھابی نے کہا تھا اور ریچا سنگھ کو یہ بہت غنیمت لگا تھا۔ وہ واقعی اس گھڑی ہر کسی سے بچنا چاہتی تھی۔ فرار کی کوئی راہ تھی یہ بھی۔ مگر وہ واقعی اس گھڑی کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

پھر ایک رات مزید شب بیداری کی نذر ہو گئی تھی۔

''شادی کرو گی مجھ سے....؟'' کتنا مضبوط لہجہ تھا، جیسے اسے امید ہو، وہ ٹھکرایا نہیں جائے گا۔ اور وہ تو کھل کر انکار بھی نہیں کر پائی تھی۔ شاید جرأت ہی نہیں تھی اس میں۔ یا پھر..... کتنی ہی دیر وہ اسی نہج پر سوچتی رہی تھی۔

وہ نا سمجھ نہ تھی۔ تمام حقائق اس کی نظر میں تھے۔ وہ جانتی تھی کچھ بھی آسان نہ تھا۔ پھر وہ کیوں سوچتی ایسا کچھ۔ مگر اب بھلا وہ کیوں سوچے جا رہی تھی اسے؟

دل نے یکدم ہی دریافت کیا تھا اور اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

پھر کئی دن تک وہ نظر نہ آیا تھا۔ جسونت بھائی کی شادی انجام پذیر ہوئی تھی۔ اس کی چھوٹی بھابی بیاہ کر محل میں آ چکی تھی۔ سب بے حد خوش تھے۔ مگر اسے جانے کیسی بے چینی نے گھیر رکھا تھا۔ وہ زبردستی ہر کام کر رہی تھی، مسکرا رہی تھی، ان کے ساتھ بیٹھ کر ہنسی مذاق کر رہی تھی۔ مگر سب کچھ زبردستی تھا۔ کچھ بھی دل سے نہ تھا۔ پتہ نہیں یہ دل کیا چاہ رہا تھا۔

بڑی بھابی کئی بار اسے کھوجتی نظروں سے دیکھ چکی تھیں اور اس روز جب باقی سب لوگ

جسونت کی سسرال میں دعوت کے لئے گئے تھے، اس نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ تبھی بھابی بھی اس کے خیال سے رک گئی تھیں۔

''تمہیں انتظار ہے کسی کا؟'' وہ جب ٹیرس پر تھی تب بھابی کافی کے کپ لئے یکدم ہی وہاں آ گئی تھیں۔ اور وہ جو اندھیرے میں نظریں جمائے کھڑی تھی، یکدم ہی چونک کر ان کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ بھابی نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''ریچا! میرے پتر، میں ماں ہوں تیری۔ پالا ہے میں نے تجھے۔ کیا تو مجھ سے اپنا آپ چھپا سکتی ہے؟'' کتنا یقین تھا اس ایک سوال میں۔ اور وہ دھان پان سی لڑکی یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''بھابی وہ......'' اس نے کچھ کہنے کو لب وا کئے تھے۔ پھر جانے کیوں رک گئی تھی۔ پھر یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

بھابی نے اسے مسکرا کر دیکھا تھا، پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو اپنی جانب موڑا تھا اور اس کی آنکھوں کو بغور دیکھنے لگی تھی۔

''جانتی ہو پتر! جو محبت کرنے والی نگاہ ہوتی ہے، وہ سب کچھ پڑھ لیتی ہے۔ سب کچھ جان لیتی ہے۔ وہ راز بھی جو سات پردوں میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ بات تو حتمی ہے کہ کوئی ہے جو تجھے مسلسل پریشان کر رہا ہے۔ مگر کون ہے؟ یہ تو خود مجھے بتائے گی۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا اور وہ نظریں اٹھا کر دیکھتی چلی گئی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے بولی تھی۔

''بھابی! وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ آپ مل چکی ہیں اس سے۔ دیکھ چکی ہیں اسے۔''

بھابی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ تبھی ریچا سنگھ نے نگاہ پھیر لی تھی، پھر بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''سید وجاہت شاہ۔''

اور بھابی کتنی ہی دیر اسے ساکت سی تکتی چلی گئی تھیں۔ تبھی وہ ہولے سے بولی تھی۔

''ہم جانتے ہیں، یہ ناممکن ہے۔ تبھی جب اس نے ہم سے دریافت کیا کہ ہم اس سے شادی کریں گے تو ہم نے اسے کوئی حوصلہ افزا جواب نہیں دیا۔ ہم جانتے ہیں ٹھاکر خاندان کی عزت کی پاسبانی ہمارے سر ہے۔ اس خاندان کی اکلوتی بیٹی ہونے کے ناتے ہمیں اس کی عزت کو نبھانا ہے۔ یہ فرض ہے ہم پر۔ پھر ہم کیسے.....'' اس نے الجھے ہوئے انداز میں کہہ کر ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ تبھی بھابی نے اسے دیکھا تھا۔

"اور دل......؟ اس کا کیا کرو گی؟" کس قدر پُر یقین تھا بھابی کا لہجہ۔ اور وہ کتنی ہی دیر ساکت سی تکتی چلی گئی تھی۔ پھر یکدم سر نفی میں ہلاتی ہوئی بولی تھی۔

"کہیں نہیں ہے وہ یہاں۔ اور نہ ہی ہم......"

اور بھابی بہت ہولے سے مسکرا دی تھیں، پھر بولیں۔ "اچھا بتاؤ، اس کی آنکھیں کیا کہتی ہیں؟" اور ریچا سنگھ کے تصور میں جھٹ سے اس کی ساحر آنکھیں آن ٹھہریں۔ مگر اس نے کواڑ بند کرتے ہوئے سر نفی میں ہلایا۔

"ہمیں نہیں پتہ۔"

"وہ سچا ہے؟" بھابی نے جانے کس خیال کے تحت یقین چاہا۔

"ہمیں نہیں معلوم۔"

"تمہارا دل کیا کہتا ہے؟"

"ہم دل کے فیصلوں پر کان دھرنے والوں میں سے نہیں۔" اس نے مکمل اعتماد سے کہا۔

"چاہے دل کرلاتا رہے۔ چیختا رہے۔" بھابی جانے کیوں ہر زخم کریدنے پر بضد تھیں۔ اس نے دیکھا تھا ان کی طرف۔ پھر سر نفی میں ہلانے لگی۔

"ہم دل کی آوازوں پر کان نہیں دھرتے۔ ہم بچے نہیں ہیں بھابی! ہمیں پتہ ہے زندگی خوابوں کے سہارے نہیں گزرتی۔ جینے کے لئے بہت سے حقائق کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ہم...... کوئی داغ اپنی پیشانی پر لگانا نہیں چاہتے۔ اس طرح کے قدم اٹھانے والے، چور راستے اختیار کرتے ہیں اور چور راستوں سے گزرنے والے فقط تنہا ہوتے ہیں۔ تنہا رہ جاتے ہیں۔ اور ہمیں رشتوں کے ساتھ جینے کی عادت ہے۔ ہم کسی بھی ایک رشتے کو بانده کر باقی کے تمام رشتوں سے اپنا ناتا توڑ نہیں سکتے۔ ہم جانتے ہیں، وہ بھی ایسا نہیں کر سکے گا۔ وقتی جذبات ہیں، گزرتے وقت کے ساتھ سب کچھ سرد پڑ جائے گا۔ ہر شے معمول پر آ جائے گی۔"

"تمہیں یقین ہے؟" بھابی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"ہوں......" اس نے نگاہ ملائے بغیر سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"اور اگر تمہیں اپنی مرضی سے زندگی گزارنے کی اجازت مل جائے؟" قدرے توقف سے بھابی نے جانے کیا سوچ کر دریافت کیا تھا اور وہ جانے کیوں مسکرا دی تھی۔

"ہم مفروضوں کے تحت زندگی نہیں گزارتے۔ یہ ہمارے سارے محبت کرنے والے رشتے بہت اہم اور معتبر ہیں ہمارے لئے۔ انہیں بھی بے حد، بے حساب عزیز ہیں ہم۔ ہم جانتے ہیں یہ بات۔ پھر ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم جانتے ہیں، ان سب کے مزاج آشنا ہیں۔ ہم ان رشتوں کو بدلتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔ ان سب کی نظروں میں جو محبت ہے ہمارے لئے وہ نفرت میں بدل جائے، ایسا قطعی نہیں چاہیں گے ہم۔ اور ہم جانتے ہیں وہ بھی اپنی طرف سے تنہا ہوگا۔ خود اپنے لئے بھی اور ہمارے لئے بھی۔ اور آپ جانتی ہیں، ہم رشتوں کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کوئی ایک رشتہ اہم ہوسکتا ہے، مگر اس سے وابستہ بہت سے دوسرے رشتے بھی اتنے ہی اہم اور ضروری ہوتے ہیں۔ اور ہم فقط ایک رشتہ قائم کرنے کے لئے بہت سے رشتوں سے نہ تو اپنا ناتا توڑ سکتے ہیں نہ ہی کسی اور کو الگ کر سکتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں بھابی! کوئی بھی فرد اہم اور معتبر نہیں ہوتا۔ معتبر فقط اس کو رشتے کا خطاب کرتا ہے۔ رشتے کا تعین بتاتا ہے یہ بات کہ کوئی کتنا اہم ہے، معتبر ہے۔ کوئی فردِ واحد اہم ہوسکتا ہے مگر زندگی کے لئے ناگزیر نہیں۔ اور یہ ہوگا، آپ دیکھ لیجئے گا، وقت کی بہت سی گرد ان نقوش کو دھندلا دے گی۔ ہم دونوں ہی اِک دُوجے کو بھلا دیں گے۔ بھول جائیں گے ہم ہر بات۔ یہی ہوگا...... کل سب قصہ پارینہ بن جائے گا، ایک یاد۔ اس کا دھیما لہجہ بہت پُر اعتماد تھا۔ اور بھابی اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔ پھر اس کا سر تھام کر اپنے شانے سے لگا لیا تھا۔

"مجھے تو پتہ ہی نہ تھا میرا پتر اتنا بڑا اور سمجھدار ہو چکا ہے۔ سچ بتاؤں، آج مجھے واقعی اپنی زبیت پر ناز ہو رہا ہے۔ تو نے میرا سر اونچا کر دیا ہے پتر۔" ان کی آنکھوں سے بہت سے قطرے ٹوٹ کر بہہ نکلے تھے۔ اور بہت سے سمندر تو ریچا کی آنکھوں میں بھی تیر رہے تھے۔ مگر وہ بند باندھنے پر قادر تھی۔ سو ضبط کئے مسکرا دی تھی اس گھڑی۔ اور ان ٹھہرے سمندروں میں یکدم ہی کتنی طغیانی برپا ہو گئی تھی۔

✿......✿
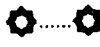
اور کئی دنوں بعد جب وہ اپنی اسٹڈی میں مصروف تھی اور ذہن میں کوئی دُوجا خیال بھی نہیں تھا، تبھی منجھلی بھابی نے آ کر بتایا تھا کہ اس کا کوئی دوست اس سے ملنے آیا ہے اور انہوں نے اسے ہال کمرے میں بٹھا دیا ہے۔

ریچا سنگھ کا دل یکبارگی دھڑکا تھا۔ وہ اٹھی تھی اور پھر سیڑھیاں اترتے ہوئے ہال کمرے میں آتے ہوئے اس کی منتشر دھڑکنوں میں ارتعاش حد درجہ بڑھ چکا تھا۔ اس نے رک کر گہرے گہرے سانس خارج کئے تھے، پھر اس کے سامنے آن رکی تھی۔

اور وہ کتنی ہی دیر خاموشی کے ساتھ بنا کچھ کہے اسے تکتا گیا تھا۔

"اوہ، تم ہو...... ہمیں بھابی نے بتایا تھا کوئی دوست آیا ہے۔" وہ اندر کے ہر تاثر کو زائل کرتے کو مسکرائی تھی۔ مگر وجاہت شاہ اسی طور دیکھتا رہا تھا۔

"دل کہہ رہا تھا کوئی یاد کر رہا ہے۔ پوری شدت کے ساتھ۔ پوری محبت کے ساتھ۔ دل کے ساتھ۔ سو میں نے آنے میں دیر نہیں کی۔" کس قدر پُر حدت تھا اس کا لہجہ۔ اور ریچا سنگھ جو اس گھڑی بہت اعتماد سے مسکرا رہی تھی، یکدم ہی اپنے گداز لب بھینچ گئی تھی۔

"تم نے پوچھا نہیں کہ میں اتنے دنوں سے کہاں تھا؟ کیوں نہیں آیا ملنے؟" وہ اپنے مخصوص انداز میں مسکرا رہا تھا۔

اس نے گردن موڑ کر اپنے اردگرد کا جائزہ لیا تھا، پھر پاس سے گزرتے ملازم کو روک کر بولی تھی۔ "رامو بابا! بھائی کو بتا دینا، ہم پائیں باغ میں ہیں۔"

ملازم مودب انداز میں سر ہلا کر آگے بڑھ گیا تھا۔ تبھی وہ اسے دیکھنے لگی تھی اور وہ مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ چپ چاپ اس کے ساتھ چلنے لگی تھی۔

"میں سمجھا تھا تم شکوہ کرو گی، شکایت کرو گی، بہت سا لڑو گی مجھ سے، کہاں تھا میں؟ کیوں نہیں آیا اتنے دنوں تک؟ مگر تم تو......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔ "کہیں تم خفگی کا اظہار چپ رہ کر تو نہیں کر رہیں؟" وہ یقیناً چھیڑ رہا تھا۔

ریچا سنگھ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ "ہمارا آپ سے ایسا کوئی تعلق نہیں کہ ہم خفگی کا کوئی اظہار کریں۔" اس کا انداز قدرے لاتعلق سا تھا۔ مگر وہ بہت پُر اعتماد انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"ریچا سنگھ! تم خوبصورت لڑکی ہو۔ جھوٹ بھی بہت خوبصورت بولتی ہو۔ سچ پوچھو، دل فوراً یقین کرنے کو چاہتا ہے۔"

مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا تم کس قسم کی لڑکی ہو؟ دنیا کی ہر لڑکی اپنی تعریف سن کر خوش ہوتی ہے۔ مگر تم تو مسکرانے سے بھی اجتناب برت رہی ہو۔"

"ہم ان لوگوں میں سے نہیں جنہیں ظاہری حسن کی قصیدہ خوانی متاثر کرتی ہو۔" اس کا لہجہ مضبوط تھا۔ اور وہ کتنی ہی دیر اس کے صبیح چہرے کو دیکھتا رہا تھا۔

"کاش تم موم ہوتیں۔ میں تمہیں اپنی سوچوں کے مطابق ڈھالتا، تمہیں اپنے خیال کے تحت تراشتا۔ مگر تم......تم تو پتھر ہو۔"

اور ریچا سنگھ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔ ہنستی چلی گئی تھی۔

اور وجاہت شاہ اسے دیکھتا چلا گیا تھا۔

"کتنے دنوں بعد تمہیں دیکھ رہا ہوں۔ تمہاری مترنم ہنسی کو سن رہا ہوں۔ جی چاہ رہا ہے ان

لوں کو روک لوں، قید کر لوں۔" کس قدر پُر حدت انداز تھا اس کا۔ مگر ریچا سنگھ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"وقت کو کبھی کوئی قید نہیں کر سکا۔ انسان وقت نہیں ہے۔ مگر وقت کے ساتھ چلتے چلتے کچھ کچھ تغیر کا عادی ضرور ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ تغیر پذیری اس قدر اثر انداز نہیں ہوتی کہ انسان اس کے زیر اثر آ سکے۔ وقت، وقت ہے اور انسان، انسان۔"

وہ مسکرا دیا تھا۔ "حسن کے سبھی تیور بہت دلربا ہوتے ہیں، بے حد دلفریب، بے حد دلنشین۔"

"ہماری سمجھ میں نہیں آتا تم پتھر سے سر کیوں پھوڑ رہے ہو؟ کیوں اپنا وقت برباد کر رہے ہو؟ جانتے ہو جب حاصل کچھ نہیں ہونا پھر سفر کرنے سے فائدہ؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا تھا۔

"تم بہت ظالم لڑکی ہو ریچا سنگھ۔" اور ریچا سنگھ ہنسنے لگی تھی۔ تبھی وہ بہت مدھم لہجے میں پوچھنے لگا تھا۔ "ریچا سنگھ! سچ کہو، کیا تمہیں مجھ سے محبت نہیں؟" کتنا یقین تھا اس کے لہجے میں اور ریچا سنگھ یکدم ہی لب بھینچ کر چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت تکنے لگی تھی۔

"تمہیں یقین کیوں نہیں ہوتا؟"

"تم جھوٹ کیوں بولتی ہو؟"

"ہمیں جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہم سچ کے قائل ہیں۔" نگاہ پھیرے پھیرے یقین دلایا۔ مگر وجاہت شاہ مسکرا دیا۔

"یہ نگاہ چرانا، نظر نہ ملانا جھوٹ نہیں تو اور کیا ہے۔ ریچا سنگھ! تم خود فریبی کے عمل سے گزر رہی ہو۔"

"تم اس قدر کثرت سے قیاس آرائیاں کیوں کرتے رہتے ہو؟" اس نے الٹا سوال داغ دیا۔

"کیونکہ محبت خوش گمان ہے۔" وجاہت شاہ کا جواب بے حد مفصل تھا۔ وہ تھک کر ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی چہرے کا رخ دوبارہ پھیر کر دوسری جانب دیکھنے لگی تھی۔ تبھی وجاہت شاہ نے بہت مدھم لہجے میں اسے پکارا تھا۔

"ریچا سنگھ! کیا ہم یونہی ساری عمر ساتھ چلتے ہوئے نہیں بتا سکتے؟"

اور ریچا سنگھ کے پاس گویا اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ تبھی وہ خاموشی سے چلتی رہی

"ریچا سنگھ! تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ تم وہ واحد لڑکی ہو جس نے پہلی ہی نگاہ میں رُخ کیا۔ مجھے لگا کہ تم وہ یکتا لڑکی ہو جس کی مجھے ضرورت تھی۔ تمہارا چہرہ، وہ صبیح چہرہ تھا جو فقط میری نظر کے لئے بنا تھا اور......"

"سب لفاظی ہے وجاہت شاہ، سب لفاظی ہے۔" وہ جیسے اس کی بات کو رد کرتے ہوئے بولی تھی۔ وجاہت شاہ اسے دیکھتا رہا تھا، پھر بہت پُرسکون انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"تمہیں یقین دلانے کی مزید کوشش اس لئے نہیں کروں گا ریچا سنگھ! کہ تم اس خود فریبی کے احساس سے دوچار رہنا چاہتی ہو۔ بھاگنا چاہتی ہو تم۔ بھاگ رہی ہو مسلسل۔ اور بھاگتے وہی ہیں، فرار وہی چاہتے ہیں جو حقیقت سے خوفزدہ ہوتے ہیں۔ جو اصل صورتحال کا سامنا نہیں کر سکتے۔"

ریچا سنگھ کے چلتے قدم یکدم تھم گئے تھے۔

"اب ہم چلیں گے۔" اور اس کے ساتھ ہی مڑ کر قدم واپسی کے لئے بڑھانا شروع کر دیئے تھے۔ اور سیّد وجاہت شاہ چپ چاپ اسے خود سے دور ہوتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔

✿......✿

وہ کتاب پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جب بڑی بھابی نے اس کے سامنے ایک خوبصورت نوجوان کی تصویر ڈال دی تھی۔

وہ چونک کر ان کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"وکرم سنگھ۔ حال ہی میں اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس دیس لوٹا ہے۔ ہارٹ اسپیشلسٹ ہے۔ تمہارے بھرا جی نے کہا کہ تم سے پوچھ لوں۔"

اور وہ خالی خالی نظروں سے تصویر کو دیکھتی چلی گئی۔

"کیا ہوا...... پسند نہیں آیا؟" بڑی بھابی کی پشت پر یکدم ہی چھوٹی بھابی آن رکی تھیں اور کسی قدر شوخی سے دریافت کیا تھا۔ مگر ریچا سنگھ نہ تو شرمائی تھی نہ ہی مسکرائی تھی۔ فقط خالی خالی نظروں سے تصویر کو تکتی چلی گئی تھی۔

"ریچا سنگھ! مجھ سے شادی کرو گی تم؟" ایک لہجہ یکدم سماعتوں میں گونجا تھا اور بازگشت دل میں دور تک پھیلتی چلی گئی تھی۔

"کل دیکھنے آ رہا ہے وہ تمہیں۔" چھوٹی بھابی نے شوخی کے ساتھ جھک کر اس کے کان کے قریب سرگوشی کی تھی۔

"نگاہ اٹھا کر غور سے دیکھنا۔ شرمانا مت۔ تصویر میں تو کئی خامیاں چھپ جاتی ہیں۔ پھر

یہ بھی تو ہو سکتا ہے نا تصویر کئی سال پرانی ہو۔ اور وکرم سنگھ نے قصداً اسے تمہیں دیکھنے کو منتخب کر کے بھیجا ہو۔" چھوٹی بھابی بہت شوخی کے ساتھ مسکراتے ہوئے اپنے ممکنہ خدشات متواتر اس تک پہنچا رہی تھیں۔ مگر اس کی سماعتوں میں فقط ایک ہی آواز گونجتی چلی جا رہی تھی۔

"مجھ سے شادی کرو گی تم؟"

"تم اگر خواب ہو تو دلفریب ہو۔ دلنشین ترین ہو۔"

"کیا میں یہ دلفریب خواب دوبارہ دیکھ سکتا ہوں؟"

کتنے بہت سے لفظ تھے، کتنے بہت سے جملے۔ دل میں یہاں سے وہاں تک شور ہی شور تھا۔

"بیاہ کر اپنے سنگ ولایت لے جائے گا۔ ہم سے دور ہو جاؤ گی۔ مگر خوشی اس بات کی ہے کہ خوشی تمہارے سنگ سنگ ہو گی۔" مجھلی بھابی چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی تھیں۔

وہ یونہی ساکت بیٹھی تھی جب بڑی بھابی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

"کوئی جلدی نہیں ہے۔ تم تسلی سے تصویر دیکھ لینا۔ اگر تمہیں پسند نہ ہو تو اپنی مرضی سے ضرور آگاہ کرنا۔"

وہ جانتی تھی ایسا کچھ ممکن نہ تھا۔ بڑے بھرا جی اور دیگر بھائیوں نے مل کر حتمی طور پر فیصلہ کیا تھا۔ ان کے ہاں بیٹیوں سے پوچھنے کی روایت کہاں تھی۔ بس فیصلے ہوتے تھے اور ان پر سرِ تسلیم خم۔

شاید بھابی اس کا دل رکھنا چاہتی تھیں، تبھی بولی تھیں۔ "اپنی ریچا کے نصیب کتنے اچھے ہیں نا۔"

جسونت بھرا جی کی دلہن نے اس کے آگے سے تصویر اٹھاتے ہوئے بغور جائزہ لیا تھا۔

"میں نے تو پکا سوچ رکھا تھا اپنے منوہر بھائی کے لئے۔ ہماری شادی میں اس نے دیکھا تھا تمہیں اور اپنی پسند سے آگاہ بھی کر دیا تھا۔ مگر دیر ہو گئی۔ شاید یہ لیکھ آسمان پر ہی لکھے جاتے ہیں۔ تمہارے لیکھ میں یہ ڈاکٹر وکرم سنگھ ہی ہوں گے۔" چھوٹی بھابی مسکراتی ہوئی بولی تھیں اور وہ سوچنے لگی تھی۔

واقعی کیا لیکھ اس قدر اہم ہوتے ہیں؟ جو لکھ دیا گیا، سو لکھ دیا گیا۔ اٹل بات۔ کیا بدلنے کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی؟ یہ تقدیر بدلنے کی کوئی تو ترکیب ہو گی۔ کوئی تو منتر ہو گا۔ یا پھر فقط سر جھکانا اور ان سب حقیقتوں کو ماننا۔

"ارے ریچا پتر! تیرے منہ پر مسکراہٹ نام کو نہیں۔ نہیں پسند تو صاف کہہ دے، ہم

تیرے بھرا جی سے آپ نمٹ لیں گے۔" دوسرے نمبر کی بھابی نے اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے کہا تھا اور وہ یکدم ہی ہونٹ پھیلا کر ان کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"خوش ہونے کا مقام کہاں ہے بھابی جی! میں اپنے اتنے عزیزوں سے دور ہونے کے متعلق سوچ بھی بھلا کیسے سکتی ہوں۔ ایسا تو کچھ بھی میرے ذہن میں نہ تھا اور وہ بھی سات سمندر پار۔ میں تو مر جاؤں گی۔ آپ سب سے اتنی دوری۔"

"ارے میرا بچہ...... میرا پتر!" بڑی بھابی نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔ "میں تو سمجھی تھی بہت بہادر ہے ہمارا پتر۔ مگر تم تو......" بڑی بھابی نے بات کو مذاق میں ٹالنا چاہا تھا۔ اسے چھیڑا تھا مگر وہ ان کے شانے پر سر رکھ کر یکدم ہی سسکنے لگی تھی۔

ایک کمزور سی لڑکی ہی تو تھی وہ۔ حوصلہ بھی کتنا ساتھ دیتا۔ ضبط بھی کتنی دیر تک قائم رہتا۔ اور دل پر کتنے بند باندھتی وہ۔

دل ہی تو تھا بھر آیا تھا تو وہ کیسے نہ روتی۔ کچھ اشک بہا لینے سے اگر اس کے اندر کے سمندر کی طغیانی کسی قدر کم ہو سکتی تھی تو وہ کیوں نہ کرتی۔ فقط چند آنسو ہی تو تھے۔ بہہ جانے میں حرج ہی کیا تھا۔

"ارے بھئی چپ بھی کرو۔ دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہوں گے مگر......" جسونت بھائی کی دُلہن نے مسکرا کر اسے چھیڑا تھا۔

تبھی بڑی بھابی نے مسکراتے ہوئے انہیں مزید بولنے سے منع کیا تھا اور ساتھ ہی انہیں باہر جانے کا اشارہ کیا تھا۔

وہ تینوں باہر نکل گئی تھیں۔ تب انہوں نے اس کا سر اپنے شانے سے ہٹا کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اس کے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھے تھے۔

"پتر! میری جان! بہت سی چیزوں کا ٹلنا ممکن نہیں ہوتا۔ مگر بہت کچھ ٹل بھی جایا کرتا ہے۔ میں آپ تقدیر سے زیادہ تدبیر پر یقین رکھتی ہوں میرے بچے۔ اگر تجھے یہ شخص پسند نہیں تو صاف بول دے، کوئی زبردستی نہیں ہو گی تجھ پر۔ میں تیرے بھرا جی کی حتمی رائے بدلنے کی کوشش کر سکتی ہوں۔ بلکہ ڈٹ جاؤں گی۔ ماں ہوں تیری۔ تیرے دل کی خوشی عزیز ہے فقط مجھے۔ ان ہونٹوں پر حقیقی مسکراہٹ دیکھنا چاہتی ہوں میں۔ کوئی کھوکھلی ہنسی نہیں۔ میں تیرے ساتھ ہوں، گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کوئی ایسا بھی اندھیر نہیں مچا ہوا۔ ابھی عمر ہی کیا ہے تیری۔ اور بیسیوں رشتے مل جائیں گے۔ ہمارے پتر کو رشتوں کی کمی ہے کوئی بھلا؟ ایک یہ ڈاکٹر دنیا میں آخری فرد تو نہیں۔"

مگر وہ فوراً ہی نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ "نہیں بھابی جی! ایسی کوئی بات نہیں۔" اس نے انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔

"پھر؟" انہوں نے اس کے چہرے کو اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ ٹھیک ہے یہ۔ بہت...... بہت اچھا ہے۔" اس نے تصویر کے متعلق رائے دی۔ مگر بھابی اس کے چہرے کو تکتی چلی گئیں۔ وہ نگاہ ملنے سے قصداً احتراز کرنے لگی۔ چہرے کا رخ پھیر لیا مگر بچ پھر بھی نہ سکی۔ بھابی جی نے اس کا چہرہ ایک لمحے میں اپنی سمت موڑا تھا اور بہت دھیمے لہجے میں بولی تھیں۔

"سید وجاہت شاہ؟"

اور وہ یکدم ہی سر جھکا گئی تھی۔ "ہم نے کہا تھا نا، کہیں نہیں ہے وہ۔" وہ بہت مدھم لہجے میں یقین دلانے کو گویا ہوئی تھی مگر بھابی اسے تکتی چلی گئی تھیں۔

"اگر وہ کہیں نہیں تو پھر ہر جگہ کیوں نظر آ رہا ہے؟ یہاں وہاں، ہر طرف۔ حتیٰ کہ تمہاری آنکھوں میں، تمہارے چہرے پر بھی۔" انہوں نے جیسے تھک کر ایک گہری سانس خارج کی۔ "ریچا پتر! خود کو پچھتاووں کی نذر مت کر لینا۔ بعض اوقات بہت سی وضاحتیں جھوٹ کے زمرے میں آتی ہیں۔ ہم دوسروں کو تو مطمئن کرنا چاہتے ہیں، خود بھی مسلسل دھوکا کھاتے ہیں۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ بتا تو چکے ہیں ہم آپ کو سب کچھ۔" ریچا سنگھ نے ہولے سے ہنستے ہوئے جیسے اپنا دفاع کیا تھا۔

"ایک فرد ہے فقط وہ۔ جس سے ہمارا فی الحال کوئی تعلق نہیں۔ اور ہم نے بتایا تھا آپ کو ہمیں رشتے زیادہ اہم لگتے ہیں"

"کیا تو واقعی دل سے کہہ رہی ہے؟" بڑی بھابی کو جیسے یقین نہ تھا۔

"آپ سے کہا تھا نا ہم نے۔ ہم دل کے فیصلوں پر کان نہیں دھرتے۔ ہاں، ہمارا دماغ کل بھرا جی کے فیصلے کی تائید میں سر ہلا رہا ہے اور یہ کچھ ایسا غلط بھی نہیں ہے۔" وہ بہت استوار لہجے میں بولی تھی اور بھابی اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

اور پھر ریچا سنگھ نے وکرم سنگھ کے حق میں فیصلہ دے کر خود کو وقت کے دھارے پر ڈال دیا تھا۔ جیسے خود کو باور کرانا چاہتی ہو کہ نصیب کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا اور قسمت میں درج ساری حقیقتیں اٹل ہیں۔ پتہ نہیں وہ واقعی اس حقیقت کو تسلیم کر چکی تھی یا پھر فقط دوسروں کو باور کرانا چاہتی تھی یا پھر واقعی اس کے دل میں وجیہہ شاہ کے لئے کوئی جگہ نہ تھی۔

وہ واقعی مضبوط قوتِ ارادی کی مالک لڑکی تھی جو دل سے زیادہ عقل و خرد کی قائل تھی۔ جو حکمت کی انگلی دانستہ تھام کر چلنے کی عادی تھی۔ تبھی تو جب وجاہت شاہ اس کے سامنے کھڑا اسے بے یقینی سے دیکھ رہا تھا تو وہ بہت پُر اعتماد انداز میں مسکرا دی تھی۔

''تم آؤ گے نا میرے بیاہ میں؟''

مگر وجاہت شاہ اسے چپ چاپ تکتا چلا گیا تھا۔ تبھی وہ ہولے سے ہنس دی تھی۔

''ہم سب کو بہت مس کریں گے...... سب کو۔'' اس کے لبوں کی مسکراہٹ متواتر اس کے ساتھ تھی۔ ''تم بھی ہمارے اچھے دوست تھے۔ ہمیں خوشی ہو گی اگر تم ہماری خوشی میں شریک ہو۔''

''کہہ دو، یہ جھوٹ ہیں ریچا سنگھ!'' وجاہت شاہ سرنفی میں ہلانے لگا تھا۔ ''پلیز! کہہ دو یہ جھوٹ ہے۔'' کس قدر شکست خوردہ انداز تھا۔ مگر ریچا سنگھ بہت دلربائی سے مسکرائی تھی۔

''ہم جھوٹ نہیں بولتے۔ ہم نے پہلے ہی باور کرا دیا تھا۔''

''جھوٹ ہی تو بولتی رہی ہو تم۔ مسلسل جھوٹ۔'' وجاہت شاہ بہت زخم خوردہ انداز میں مسکرایا تھا۔ ''جھوٹ ہی تو ہے...... فریب ہی تو ہے۔ مگر انداز بے حد دلربا۔ ریچا سنگھ! تمہیں فن آتا ہے قتل کرنے کا۔ تمہارے سبھی تیور بہت دلنشیں اور جان لیوا ہیں مگر انتہائی دلکش ہیں۔'' وجاہت شاہ کے لبوں پر بہت طنز بھری مسکراہٹ تھی۔

ریچا سنگھ نے لب بھینچ لئے تھے۔ ساتھ ہی نگاہ بھی چرا گئی تھی۔ مگر پھر اسی طرح مدہم انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''کوئی وعدہ نہیں کیا تھا ہم نے...... کوئی عہد نہیں، کوئی پیمان نہیں۔ تم ہم پر کوئی الزام

نہیں کر سکتے۔ ہم نے پہلے ہی تنبیہہ کر دی تھی۔ باور کرا دیا تھا۔ اب ہمیں مورد الزام ٹھہرانا بے سود ہے۔''

''بے سود ہی تو رہا سب کچھ، بے فائدہ، لا حاصل۔ شاید فریب نظر ہی تھا۔ اگر دھوکا تھا تو خوبصورت تھا۔ میں نے تمہیں ''خواب'' کہا تھا تو شاید ٹھیک ہی کہا تھا۔ تم ایک دلربا خواب ہی ہو۔ تبھی تو......'' اس نے بہت ہولے سے مسکرا کر چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ ریچا اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔

دونوں کتنی ہی دیر خاموش رہے تھے۔

''ریچا سنگھ! دل بہت نامراد شے ہے اور اس سے بھی نامراد شے ہے جنون۔ قصور شاید کسی کا بھی نہیں۔ نہ تمہارا نہ میرا۔ بس دل ہی تھا جو اس راہ پر چل پڑا۔ بنا سوچے، بنا سمجھے۔ بنا سوچے سمجھے کئے گئے فیصلے کسی قدر زیاں کا باعث تو ہوتے ہی ہیں۔ شاید واقعی قصور دل کا تھا اور......''

اور ریچا سنگھ جانے کیوں ہنس دی تھی۔ ساتھ ہی سرنفی میں ہلاتی چلی گئی تھی۔

''تم بہت دیوانے ہو وجاہت شاہ! آئی ول نیور فورگٹ یو۔''

''بس...... یہی ایک حوالہ ہو گا، میرے ذکر کا، میری یاد کا؟'' وہ یکدم ہی گویا ہوا تھا اور ریچا سنگھ کے لبوں سے مسکراہٹ معدوم ہو گئی تھی۔ پھر جانے کیوں یکدم وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

''اس سے زیادہ اور کیا ہو گا۔ اور کیا؟'' وہ پھر ہنسنے لگی تھی۔ ''یو آر رئیلی میڈ وجاہت شاہ! پاگل ہو تم۔'' ہنستے ہنستے کتنا بہت سا پانی اس کی خوابناک آنکھوں میں آن رکا تھا۔ اس کی جادو بھری آنکھیں جیسے سمندر ہو گئی تھیں اور وہ یکدم سر جھکا کر اس سمندر کو وجاہت شاہ کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے جتن کرنے لگی تھی۔

پھر اپنے ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑتے ہوئے وہ ایک بار پھر مسکرائی تھی۔

''بہت زیادہ ہنسنا شاید اسی باعث اچھا نہیں ہوتا۔ بھابی ماں ہمیں ہمیشہ منع کرتی ہیں۔'' وہ پھر ہنسنے لگی تھی۔ اور وجیہہ اسے چپ چاپ دیکھتا رہا تھا۔ نہ جانے اس گھڑی اس کی نظروں میں کیا تھا کہ وہ فوراً ہی بولی تھی۔

''تم سے ہمارا تعلق، ہمارا رابطہ اتنا مختصر رہا کہ ہم سمجھ ہی نہیں پائے کہ اسے کس نہج پر رکھیں اور پرکھیں، اسے کوئی نام دیں۔ کچھ بھی تو نہیں رہا ہم میں، نہ دوستی نہ دشمنی...... کچھ بھی نہیں۔ مگر اس کے باوجود جانے کیوں ہمیں تمہاری نظریں الزام دیتی لگ رہی ہیں اور......''

''اور یہ کہ ریچا سنگھ! مجھے تمہاری ان بھیگتی آنکھوں میں چھپے بہت سے بھید آج بھی نظر آ رہے ہیں۔ بہت سی پوشیدہ حکایتیں۔ اور یہ کہ ریچا سنگھ! تم ایک پہیلی ہو، مجھے کہنے دو آنکھ اگرچہ تم نہ سمجھ میں آنے والی حکایت رہی ہو سدا میرے لئے۔ مگر......'' وہ بہت مدھم لہجے میں کہتا ہوا یکدم ہی ہولے سے مسکرا دیا تھا۔ ''ریچا سنگھ پلیز! جو جھوٹ تم کہتی ہو، وہی جھوٹ اپنی ان آنکھوں کو بھی کہنا سکھا دو۔ ایک بات شاید تمہیں پتہ نہیں ہے۔ کہو تو بتاؤں کہ تمہاری یہ جادو بھری آنکھیں جھوٹ بولنے کے آداب سے قطعی ناواقف نظر آتی ہیں۔'' وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔ ریچا سنگھ جانے کیوں اس گھڑی اس کی جانب دیکھ نہ سکی تھی اور چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت تکنے لگی تھی۔ اس کے بعد یکدم ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں چلتی ہوں۔'' کہہ کر وہ جانے کیوں کچھ دیر تک یونہی کھڑی رہی تھی۔ تبھی وجاہت شاہ گویا ہوا تھا۔

''ریچا! یہ سب کیوں؟ کس لئے؟ جب ہم بے سمت راستوں کا سفر تنہا تنہا نہیں کر سکتے، جب ہم تنہا نہیں جی سکتے تو پھر یہ سب کیوں؟ یہ خود فریبی کے انداز، یہ احساسِ زیاں، یہ وضاحتیں، یہ تردیدیں اور بہت کچھ باور کرانے کے طریقے...... آخر کس لئے؟ کیا ہم میں اتنی بھی ہمت نہیں کہ ہم حقیقت کو تسلیم کر سکیں؟''

''نہیں وجاہت شاہ۔'' وہ یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ ''کچھ بھی نہیں ہے، کچھ بھی نہیں۔ بس ایک لمحے کی بات ہے۔ وقتی ہیجان ہے یہ۔ اور پھر سب کچھ تھم جائے گا۔ دیکھنا، ایک دن سب کچھ تھم جائے گا۔ کسی قسم کا کوئی احساسِ زیاں باقی نہ رہے گا۔ یہ سب وقتی احساسات ہیں۔ یہ شوقِ تمنا، یہ جذباتی یورش، کچھ بھی حقیقت نہیں اس کی۔ جان لو یہ بات...... کہ یہ ناتجربے کاری کی عمر ہے۔ عقل اور فہم و فراست کی نہیں۔ سمجھو ابھی ہمیں آدابِ زندگی ہی معلوم نہیں، آدابِ محبت تو بہت دور کی بات ہے۔ اور پھر یہ بھی تو ہے کہ ہم کبھی ایسے احساس سے دوچار نہیں...... اور ہم ہونا بھی نہیں چاہتے۔ یہ سب بہت جان لیوا ہے؟ اور ہم فنِ جراحت سے قطعی واقفیت نہیں رکھتے۔ نہ ہی ہمیں دعویٰ مسیحائی ہے۔'' وہ کہہ کر چپ ہوئی تھی، پھر قدرے توقف سے گویا ہوئی۔ ''چوٹ لگی تو کیسے خود کو سنبھالیں گے؟'' کیسی درد سی مسکراہٹ رک گئی تھی اس کے لبوں پر۔ اور وجاہت شاہ اسے تکتا گیا تھا۔ وہ آخری بار مسکرائی تھی اور پھر پلٹ کر واپسی کے راستوں پر اپنے قدم ڈال دیئے تھے اور وجاہت شاہ نے اسے روکا نہیں تھا۔ بس چپ چاپ کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔

یہاں تک کہ وہ آخر کار نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔ مگر وجاہت شاہ کی دھواں دھواں نظریں پھر بھی اسی رخ پر جمی رہی تھیں۔

۞......۞

زندگی شاید ایک تسلسل کا نام ہے۔ یہ رکتی نہیں، چلتی رہتی ہے۔ شب و روز کے گزرنے کے تسلسل میں رتی بھر بھی فرق نہیں ہوتا۔ اگرچہ ان شب و روز کے گزرنے کے معمولات بھی کبھی تبدیل ہو بھی جایا کرتے ہیں اور گزرنے والے کئی لمحے دل پر بھاری بھی ہوتے ہیں۔ حد درجہ دل پر قیامت بھی ڈھاتے ہیں...... مگر اس کے باوجود زندگی کا سفر رکتا نہیں۔ ریچا سنگھ ایک خواب کی صورت آنکھوں میں سمائی تھی۔ اتفاقاً سرِ راہ ملی تھی اور اسی طور بچھڑ گئی تھی۔

وجاہت شاہ کتنے عرصے تک اس حادثے میں مقید رہا تھا۔ اس گنبدِ بے در میں قید رہا تھا اور بالآخر اس نے بھابی بیگم کے کہنے پر وقت سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ جب وہ تعلیم مکمل کر کے لوٹا تو پھر جیسے اس کے پاس مزید کوئی جواز بھی نہ تھا۔ اس نے تھک کر بھابی بیگم کے فیصلے پر سر جھکا دیا تھا۔

''پوری دس جماعتیں پاس ہے۔ دس مربعے جہیز میں دے رہے ہیں اس کے بھائی اسے۔ رج کے سوہنی وی ہے۔ باقی سب تو خیر اتنا اہم نہیں، مگر اپنے وجیہہ کے ساتھ چلتی پھرتی بہت جچے گی۔ نام بھی اتنا سوہنا ہے زرینہ...... کہا تھا نا وجیہہ! تیرے جوڑ کی لاؤں گی کڑی۔'' بھابی بیگم مسکرا رہی تھیں۔ مگر وجیہہ کے لبوں کی جامد چپ پھر بھی نہ ٹوٹی تھی۔

اس نے بھی خود کو وقت کے دھارے پر ڈال دیا تھا۔

زرینہ اس کی زندگی میں آ گئی تھی۔ مگر اس نے بہت جلد جان لیا تھا کہ اس میں کوئی بھی خوبی ویسی نہ تھی جیسی بھابی بیگم گنوایا کرتی تھیں۔ وہ نہ صرف جاہل تھی بلکہ پھوہڑ اور بدسلیقہ بھی تھی۔ بلند آواز میں بولنا اور چیخنا اس کا معمول تھا۔ اگرچہ وجیہہ نے کبھی اسے اپنی تعلیم کے رعب میں رکھنا نہ چاہا تھا مگر وہ خواہ مخواہ الجھ کر گاہ بگاہ اس بات کو باور کراتی رہتی تھی کہ وہ ان ولایتی ڈگریوں سے قطعی مرعوب نہیں۔

وہ دو مختلف سمتوں کے لوگ تھے۔ مختلف مزاج رکھنے والے...... مختلف سوچ اور فکر رکھنے والے۔ مگر بہت سے تضادات کے ہونے کے باوجود وہ دونوں ساتھ ساتھ رہ رہے تھے۔ ایک ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔ وجاہت شاہ اس سب کے باوجود خاموشی کے ساتھ اپنے دل پر جبر کی بھاری سل رکھ چکا تھا۔

"بچی ہے، ناسمجھ ہے۔ کبھی گھر اور چار دیواری سے باہر نہیں نکلی۔ گاؤں دیہات کی لڑکیاں ایسی ہی سیدھی سادھی ہوتی ہیں۔ تم درگزر کر دیا کرو۔" بھابی اکثر اس کی احمقانہ حرکتوں پر یہ بات کہتے ہوئے شرمندہ سی ہو جاتیں اور وجیہہ بس مسکرا کر رہ جاتا تھا۔

"درگزر ہی تو کر رہا ہوں بھابی بیگم!" ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے مسکرا کر کہا تو بھابی بیگم دیکھ کر رہ جاتیں۔

یہی کچھ کم نہ تھا کہ ایک روز وجیہہ کی الماری میں سے زرینہ بیگم کے ہاتھ ریچا سنگھ کی کچھ تصویریں لگ گئیں۔ ساتھ وہ ڈائری بھی تھی جس میں وجیہہ نے اپنا حالِ دل تحریر کیا تھا۔ وہ مجرم نہ تھا، اس نے پوری ایمانداری کے ساتھ اس تعلق کو نبھایا تھا۔ زرینہ کو ایک بیوی کی حیثیت سے نہ صرف قبول کیا تھا بلکہ سارے حقوق بھی بحسن وخوبی پورے کیے تھے۔ مگر اس ایک بات پر زرینہ بیگم نے آسمان سر پر اٹھالیا تھا۔

"تو یہ سبب تھا مجھ سے سرد مہری برتنے کا...... مجھ سے دور رہنے کا...... میں تو اول دن ہی جان گئی تھی کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ ایک ولایت سے پڑھ کر آنے والا آدمی اتنا سیدھا اور سچا قطعی نہیں ہو سکتا۔ ایک یہی کیا، نہ جانے اور کتنی ہوں گی۔ یہ تو کھل گئی سو خبر ہو گئی...... بے بے صحیح کہتی تھی، مرد بڑے چلتر باز ہوتے ہیں اور ولایت سے لوٹنے والے دودھ کے نہائے تو قطعی نہیں ہو سکتے۔ دس مربعے ساتھ لائی، تین تین ویروں کی بہن تھی مگر رل گئی اس مٹی میں۔" وہ دھواں دھار رونے کے ساتھ جاہلانہ انداز میں ریچا سنگھ کو کوس بھی رہی تھی۔

اور وجاہت شاہ...... یو کے کا تعلیم یافتہ، شائستہ انسان یہ سب سننے اور دیکھنے پر مجبور تھا۔

"جی بھر کے عیش کر لی...... مزے اڑا لیے، رنگ رلیاں منالیں۔ اور پھر شادی کے نام پر میری زندگی تباہ کر دی۔ کیا علم ہو گا، ایک جاہل سی عورت بھلا کہاں جان سکے گی یہ سارے چلتر۔"

"زرینہ بیگم! پلیز، چپ کر جاؤ۔ حد ہوتی ہے کسی بات کی بھی۔ تم حد کر رہی ہو۔" بالآخر احتجاجاً بہت دھیمے سے بولا تھا۔ مگر وہ پھٹ پڑی تھی۔

"مجھے دبانے کی کوشش مت کرو۔ کوئی لاوارث نہیں ہوں میں۔ تین تین بھائی ہیں میرے۔ میرے دل پر برچھی چلی تو خون کی ندیاں بہا دیں گے۔ تم سمجھے کیا تھے مجھے؟ ایک کوئی گری پڑی ہوں میں؟" وہ چیخ رہی تھی مسلسل۔ اور تب وجاہت کی برداشت اس گھڑی جیسے ختم ہو گئی تھی۔ اس کا ہاتھ اٹھا تھا اور زرینہ بیگم کے چہرے پر اپنے نشان ثبت کر گیا تھا۔

وہ بہت حیران سی اسے تکتی چلی گئی تھی۔ مگر وجاہت شاہ دوسرے ہی پل کمرے سے باہر

الجھا تھا۔

"ضدی...... ہٹ دھرم عورت، کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی اور وہ اس سے الجھ کر اپنا ذہنی سکون مزید تباہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جب رات گئے وہ واپس لوٹا تھا تو وہ گھر میں نہ تھی۔ بھابی بیگم کی خاموشی اور گھر کا سکوت بتا رہا تھا کہ ضرور کوئی بڑا اقدام ہو چکا ہے۔

"زرینہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ تم نے اسے......" بھابی بیگم نے بہت تھکے ماندے لہجے میں کچھ بولنا چاہا تھا مگر لفظ دوسرے ہی پل لبوں پر دم توڑ گئے تھے۔ بھائی جی نے اسے چپ چاپ دیکھا تھا۔ اور وہ اس گھڑی یہ نہ کہہ سکا تھا کہ اس کا کہیں کوئی قصور نہیں اور یہ کہ وہ ہر طرح سے اپنا کردار بخوبی ادا کرنے کے باوجود ناکام رہا ہے۔ اور آج جو شکست خوردہ سا کھڑا ہے تو اس میں تنہا وہی قصوروار نہیں، اور نہ ہی ریچا سنگھ سے محبت کر کے اس نے کوئی گناہ کیا...... وہ کہنا چاہتا تھا کہ اس نے ایسا کوئی جرم نہیں کیا جو ناقابل تلافی ہو یا ناقابل معافی ہو...... اور......!

مگر وہ کچھ نہ کہہ سکا تھا۔

اور بھائی جی کہہ رہے تھے۔ "نصیب بیگم! اپنے منہ سے اسے کہہ دو...... میں اس کی صورت مزید دیکھنا نہیں چاہتا۔ اگر یہ یہاں سے نہیں گیا تو میں آپ چلا جاؤں گا۔"

یہ اس کے لیے وطن بدری کا پیام تھا۔ اور تب وہ چپ چاپ پلٹ کر اپنا سفری بیگ تیار کرنے لگا تھا۔ کوئی خطا نہ ہونے کے باوجود جلاوطنی پر مجبور تھا۔

اس نے نبھانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ ایک بے جوڑ رشتے کو جوڑنے کی۔ مگر اس کے بدلے میں کوئی ثواب پھر بھی نہ آیا تھا۔ وہ اس سب کے باوجود بھی مجرم تھا۔ کسی نے اسے سمجھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور سمجھانے کے لیے شاید ان کے پاس ہمت بھی نہ تھی۔

بھائی جی اس کے لیے سب کچھ تھے، بڑے بھائی بھی، ماں بھی اور باپ بھی۔ اور اس میں اتنی ہمت کہاں تھی کہ وہ ان کے حکم کی خلاف ورزی کرتا۔ سو اس نے چپ چاپ یہ جلا وطنی اپنے نام کر لی تھی اور اس گھر کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا تھا۔ اگرچہ یہ بہت مشکل تھا مگر وہ مصائب کے ساتھ جینا سیکھ گیا تھا۔ جبر کرنا اسے آ گیا تھا۔ سب سے کٹ کر رہنا دشوار ضرور تھا مگر اس نے ایک بھاری سل دل پر رکھ لی تھی اور پلٹ کر پھر کبھی واپس نہیں دیکھا تھا۔ کبھی کوئی رابطہ نہیں رکھا تھا۔ اور یہ سب دانستہ تھا۔

۞......۞

زرینہ بیگم کو پتہ چلا تو کتنی ہی دیر وہ چیختی رہی تھی۔

"اس دغا باز کی کوئی نشانی نہیں رکھنی مجھے اپنے پاس۔ میں جان سے گزر جاؤں گی،
جاؤں گی۔ مگر اس کے نام کا کوئی زہر اپنے اندر پلنے نہیں دوں گی۔"
بے بے نے اسے کتنے جتن کر کے روکا تھا۔
"جھلی ہو گئی ہے تو۔ خدا کی رحمت ہے یہ۔ ایک معصوم فرشتے کا گلا گھونٹنا چاہتی ہے تو؟"
"ہاں...... کیونکہ مجھے نفرت ہے اس شخص اور اس سے وابستہ ہر ایک شے سے۔"
"زرینہ! خدا کا قہر نازل ہوتا ہے اگر اس کے فیصلوں سے منہ موڑیں۔ اس کی رضا پر
نہ جھکائیں تو۔" بے بے نے ڈپٹا تھا۔
"بے بے! اور کتنا قہر ٹوٹے گا مجھ پر...... یہی کیا کم ہے اُجڑ کر آ گئی ہوں واپس اس
پر۔ اب اور مزید کیا اس عذاب کے ساتھ بھی جیتی رہوں؟ اس کی شے ہی تو ہے، اس سے
ہٹ کر تو نہ ہو گی۔ اس نے مجھ پر قہر توڑا پھر اس کی اولاد سے کیا امید رکھوں...... تہس نہس کر
دوں گی میں پوری دنیا کو۔ میرے کلیجے میں الاؤ ابل رہا ہے بے بے! کیسے سکون سے
جیوں؟" اس نے روتے ہوئے بے بے کی گود میں سر ڈال دیا تھا۔
بے بے نے اسے روک لیا تھا۔ مگر جب وہ ننھا سا وجود دنیا میں آیا تھا تو زرینہ بیگم نے
اسے دیکھنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔
"زرینہ! دیکھ تو کتنی موہنی ہے تیری دھی۔ لگتا ہے، خدا نے زمین پر ننھی منی سی پری اتار
دی ہے۔" ماسی بشیراں نے بچی کو اس کے سامنے کرنا چاہا تھا مگر اس نے فوراً منہ موڑ لیا تھا۔
"بہا ڈال اسے نہر میں۔ سچ کہتی ہوں، گلا دبا دوں گی میں اس کا۔ نفرت ہے مجھے اس
سے۔ اس کی موجودگی مجھے تا عمر ایک احساسِ شکست سے دوچار رکھے گی۔ اس نامراد شخص کی
یاد دلاتی رہے گی اور میں ایسا ہونے نہیں دوں گی۔ سچ کہتی ہوں، میں اسے جان سے مار
ڈالوں گی۔ بہا ڈال تو اسے نہر میں۔ ورنہ یہ گناہ مجھے اپنے ہاتھوں سے کرنا ہو گا۔"
"ہمت نہیں پڑتی ہماری۔ معصوم جان ہے۔ تو، تو پاگل ہو گئی ہے۔ دیکھ تو کیسی معصوم
جان ہے۔" بے بے نے اسے آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا تھا۔
مگر زرینہ بیگم ضد پر اڑی رہی تھی۔
"بے بے! تو نے اسے نہ مارا تو میں اپنی جان دینے سے گریز نہیں کروں گی۔ فیصلہ آج
ہو جائے گا کہ تجھے یہ منحوس عزیز ہے یا پھر میں۔"
اور اس سے آگے بے بے کچھ بھی نہ کہہ سکی تھیں۔ انہوں نے بہت آہستگی کے ساتھ سر
اٹھا کر بشیراں کو بچی کو باہر لے جانے کا اشارہ کیا تھا اور پھر خود بھی باہر آ گئی تھیں۔

"پاگل ہو گئی ہے یہ تو...... اب ہم یہ پاپ اپنے سر تو نہیں لے سکتے۔ ایک جیتے جاگتے
وجود کو کیسے بہا ڈالیں بھلا ٹھٹھرے ہوئے پانی میں۔ گناہ تو ہم بھی کمائیں گے۔ اس کے سر پر
بھوت سوار ہے۔" باہر آ کر بشیراں ماسی نے مدھم آواز میں کہتے ہوئے بچی کے معصوم
چہرے کو دیکھا تھا۔
"فیر کیا کریں؟ وہ ماں ہے، جب وہی سنگدل ہو گئی ہے، اسی کے دل میں کوئی رمق باقی
نہیں اپنی اولاد کے لئے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔" بے بے جیسے بے بس تھیں۔
"تے فیر کیا کریں؟ مار ڈالیں اس ننھی سی جان کو؟ گناہ کھٹ لیں ہم بھی؟" ماسی بشیراں
نے شاید خوفِ خدا کے باعث کہا تھا۔
"کسی کو دے ڈالو۔ تم تو دائی ہو، کتنے بے اولاد جوڑے ہوں گے تمہاری نظر میں۔ کتنے
اہلِ حاجت بھی تو رکھتے ہیں۔ سبھی اس کی طرح نامراد تو نہیں ہوتے۔ لوگ تو منتوں،
مرادوں سے اولاد کی تمنا کرتے ہیں اور ایک یہ جھلی ہے، بھری گود اپنے ہاتھوں سے خود اجاڑ
رہی ہے۔ اپنی ممتا کا گلا خود اپنے ہاتھوں سے گھونٹ رہی ہے۔" بے بے کی آنکھوں سے
آنسو رواں تھے۔ اور ماسی بشیراں انہیں دیکھ کر رہ گئی تھیں۔
"فیر کل کو دعویدار مت بن جانا۔ آج اپنے ہاتھوں تم لوگ اسے مارنے کے جتن سوچ
بیٹھے ہو۔ سمجھو اسے تم لوگوں نے مار ڈالا ہے۔ اب تم لوگوں کا اس پر کوئی حق نہیں۔ میں بے
شک اسے نہر میں ڈال کر بہا دوں یا فیر کسی مستحق سونی گود کو نواز دوں۔ دھی ہے تو کیا ہوا،
کتنے ہی لوگ دھی کے لئے بھی ترسے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس رحمت کو بھی ترس رہے ہوتے
ہیں۔ سوچ لو...... آج سے یہ تم لوگوں کے لئے مر گئی۔ کل کو کوئی ذکر، کوئی رونا پیٹنا بے سود ہو
گا۔" ماسی بشیراں جیسے آخری بار وارننگ دیتے ہوئے ہر طرح سے تسلی کرنا چاہتی تھیں۔
"وہ ماں ہے، جب اس نے سینے پر سل دھر لی تو ہم کیا کریں گے۔ ہماری طرف سے تو
مر گئی۔" بے بے نے روتے ہوئے کہہ کر منہ پھیر لیا تھا اور تب ماسی بشیراں انہیں ایک نظر
دیکھ کر بچی کو دوپٹے تلے چھپائے باہر نکل گئی تھیں۔
ٹھٹھرتے ہوئے جاڑے میں کپکپاتی ہوئی صبح کی پھوٹتی پو کو دیکھتے ہوئے جب ماسی
بشیراں نہر کے پاس سے گزر رہی تھیں تو کچھ دیر کو وہ وہاں رکی ضرور تھیں۔ ٹھٹھرے ہوئے
پانی کو دیکھ کر ان کے اندر ایک سرد سی لہر دوڑ گئی تھی اور تب اس ننھی سی جان کو سینے سے چمٹا
کر فوراً ہی آگے بڑھ گئی تھیں۔ دن چڑھنے تک کئی گاؤں عبور کر کے وہ جنت بی بی کی دہلیز پر

"تو اتنی صبح سویرے۔ خیر تو ہے؟"

"ہاں ہاں، سب خیر ہے۔" ماسی بشیراں نے کچا صحن عبور کر کے ایک تھکی ماندی سانس خارج کی تھی اور ساتھ ہی اپنے ساتھ بھینچی ہوئی ننھی سی جان پر سے اپنی گرم شال ہٹا دی تھی۔

اس ننھے منے وجود نے کسمسا کر آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی۔ پھر بچی رونے لگی تھی۔

جنت بی بی نے حیرت سے اس وجود کو دیکھا تھا۔ قدرے فاصلے پر کھیلتا ہوا اکبر بھی بھاگتا ہوا قریب پہنچ گیا تھا۔

"یہ کون ہے بے بے؟" ننھی منی بچی کو بغور تکتے ہوئے اپنی بے بے کے آنچل کو تھام کر اس چھوٹے سے بچے نے سوال کیا تھا اور جنت بی بی، بشیراں کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"کون ہے یہ بچی، کہاں سے لے کر آ رہی ہے تو؟"

"حوصلہ رکھ جنتے...... سب بتاتی ہوں۔ پہلے اگر دودھ ہے گھر میں تو وہ لا۔ یا فیر شہد......"

جنت بی بی بغور اس بچی کو دیکھتے ہوئے سر ہلا کر باہر نکل گئی تھیں۔ پھر وہ لوٹی تھیں تو ان کے ہاتھ میں دودھ کا چھنا اور چھوٹا سا چمچ تھا۔

"کہاں سے اٹھا لائیں تم یہ ننھی سی جان؟ اس کی ماں کدھر ہے؟ کس کی بچی ہے یہ؟"

"لاوارث سمجھو۔ ماں جنم دے کر چل بسی اور ذمے داری آ گئی اس بشیراں کے کندھے پر۔ اب اس ننھی سی جان کو جان سے مارنے سے تو رہی۔" ماسی بشیراں نے دودھ کا چمچ بھر کر اس ننھی منی جان کے منہ میں انڈیلا تھا۔

"تجھے خواہش تھی نا دھی کی۔ سو لے آئی۔ دیکھ کتنی سوہنی ہے۔ جیسے پرستان کی کوئی ننھی سی پری۔" بے بے دیکھتی رہ گئی تھیں۔ بچی واقعی بہت خوبصورت تھی۔

"کہیں یہ......؟" جانے کس خدشے کے تحت انہوں نے کہنا چاہا تھا مگر تبھی ماسی بشیراں نے ان کی بات فوراً کاٹ دی تھی۔

"قسم کھاتی ہوں، اس کا یقین کر لے تو، کوئی ایسی ویسی بچی تجھے نہیں سونپ سکتی۔ بڑے اونچے شملے والی ہے۔ جس کے باپ کا بھی حسب نسب ہے اور ماں کا بھی۔ بس بڑی بدنصیب ہے بیچاری۔ ماں کے لمس کو ترس رہی ہے۔ بڑا ثواب ہو گا جو اپنی گود بخش دے گی تو اسے۔ گھر تو اور بھی بتیرے تھے، مگر تو اپنی ہے۔ تجھے جانتی ہوں میں۔ بھروسہ ہے مجھے تجھ پر۔ پھر بیٹی کی خواہش بھی تو تھی تجھے۔" ماسی بشیراں نے کہا تھا اور تب جنت بی بی اس بچی کو متواتر دیکھے گئی تھیں۔ پھر جانے کس احساس کے تحت اسے لے کر اپنی گود میں بھر لیا تھا۔ بچی ایک گرم لمس کو پا کر کسمسائی تھی اور آنکھیں کھول کر جنت بی بی کو دیکھنے لگی تھی۔ جانے

نہیں اس ننھی پری کی آنکھوں میں کیا تھا کہ جنت بی بی نے اسے دوسرے ہی پل سینے سے بھینچ لیا تھا۔

"بے بے! کون ہے یہ؟" اکبر نے فوراً ماں کی طرف دیکھا تھا۔

"بہن ہے بیٹا تیری۔ دیکھ کتنی سوہنی ہے۔" اس کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے اس کا چہرہ پانچ سالہ اکبر کے سامنے کیا تھا۔

"بہن......مگر نام کیا ہے اس کا؟"

"نام؟" جنت بی بی نے ماسی بشیراں کی طرف دیکھا تھا۔

"نام کیا ہو گا اس بیچاری کا۔ اسے تو ماں کا لمس بھی نصیب نہیں ہوا۔ فقط چند گھنٹے گزرے ہیں اسے دنیا میں آنکھ کھولے۔" ماسی بشیراں نے جواب دیا تھا اور تب جنت بی بی مسکراتے ہوئے اس بچی کے چہرے کو دیکھتی گئی تھیں۔ کیسا معصوم سا روشن تابناک چہرہ تھا۔ وہ مسکرا دی تھیں۔

"تو نے تو سویرے سویرے میرے گھر وچ روشنی بھر دی ماسی بشیراں!"

"چل فیر اس کا نام سویرا رکھ دے۔" ماسی بشیراں مسکرائی تھی۔

"سویرا...... بڑا اوکھا اور مشکل نام ہے مگر ہے تو سوہنا۔ اس ننھی پری کی طرح روشن اور اجلا۔" اس کی ننھی سی انگلی کو تھام کر بہت محبت سے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

"سیو......" زیر لب کہتے ہوئے وہ مسکرائی تھیں۔ "ہاں، سیو ٹھیک رہے گا۔ یہ تو میری سیو ہے۔ سوہنی سی پری۔ میرے آنگن کا سویرا۔"

ماسی بشیراں مطمئن ہو کر مسکرا دی تھیں۔ پھر سر اٹھا کر جیسے خدا کا شکر ادا کیا تھا اور ساتھ ہی بولی تھیں۔ "بے شک خدا تو بڑا رحیم و کریم ہے جنتے! تو نے میرے دل میں سکون بھر دیا۔ اب مجھے کوئی پریشانی نہیں ستائے گی۔" ماسی بشیراں واقعی مطمئن ہو چکی تھیں۔ بے بے مسکرا دی تھیں۔ تبھی ماسی بشیراں نے پوچھا تھا۔

"کدھر ہے وہ تیرے سر کا تاج؟"

بے بے مسکرا دی تھیں۔ "اکبر کا چاچا، ہاں کم کاج کو گیا ہے، شام کو ہی لوٹے گا۔ تو ٹھہر جا، شام میں مل کر جانا۔"

"نہیں، اتنا وقت نہیں میرے پاس۔ پھر کبھی مل لوں گی۔" ماسی بشیراں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"بیٹھ نا ماسی! کھانا تو کھا کر جا۔ ناشتہ ہی کر لے۔ کہاں کھایا ہو گا تو نے کچھ؟ اتنی سویرے

سویرے تو آئی ہے۔" بے بے نے روکنا چاہا تھا۔ ماسی بشیراں پلٹ کر مسکرا دی تھیں۔

"اے ہن تے آنا جانا لگیا رہے گا۔ اپنا گھر ہے میرا۔ فیر کدھے سہی۔ نال والے پڑ جانا ہے، ضروری کام سے...... فیر آؤں گی۔ اکبر کے چاچے کو سلام دینا میرا۔"

"اچھا......" جنت بی بی مسکرائی تھیں۔ اور سیو کو دیکھنے لگی تھیں۔ ماسی بشیراں رخصت ہو گئی تھیں۔ مگر وہ دن بھر اس ننھی پری کو اسی شوق سے دیکھتی رہی تھیں۔

وہ واقعی اس گھر کا اجالا تھی۔ تبھی تو ان سب کی آنکھ کا تارا بن گئی تھی۔ اتنی عزیز ہو گئی تھی کہ پھر سب کی زبان پر سیو، سیو رہنے لگا تھا۔ کل جس بچی سے اس کی ماں نے منہ پھیر لیا تھا، آج وہ روشنی بن کر کسی اور کے آنگن میں اپنی اہمیت پا گئی تھی۔

ایک بدنصیب بچی کو نہ صرف ماں میسر آئی تھی، بلکہ ایک بہت محبت کرنے والا بھائی اور باپ بھی مل چکا تھا۔

✿......✿

مژگان نے جب کمرے میں قدم دھرا تھا تو چونک گئی تھی۔

وجیہہ چاچا، بے خبری سے ایزی چیئر پر نیم دراز سو رہے تھے۔ یقیناً وہ رات بھر سے اسی طرح اس چیئر پر تھے۔ مژگان نے انہیں خاموشی کے ساتھ دیکھا تھا، پھر دبے قدموں چلتے ہوئے چائے سائیڈ ٹیبل پر دھر دی تھی اور اسی انداز سے پلٹ کر بہت ہولے سے کمبل ان کے بیڈ سے اٹھایا تھا اور پلٹ کر واپس ان کی طرف اسی نرم انداز سے بڑھی تھی۔ ارادہ قطعی انہیں ڈسٹرب کرنے کا نہ تھا۔ مگر جب وہ ان پر کمبل ڈال کر سیدھی ہو رہی تھی، تبھی انہوں نے بہت ہولے سے چونکتے ہوئے آنکھیں کھول دی تھیں۔ مژگان ہولے سے مسکرا دی تھی۔

وجیہہ چاچا اسے کچھ دیر یونہی تکتے رہے تھے۔ رات بھر کا کرب اب بھی ان کی آنکھوں میں رکا ہوا تھا۔ وہ ماضی کے جن صحراؤں کی خاک چھان کر لوٹے تھے، اس کے تمام تر اثرات ان کی آنکھوں میں درج تھے۔ کتنی مسافتوں کی تھکن ان کے چہرے پر تھی۔

"سوری...... میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔ ایکچوئیلی میں آپ کے لئے مارننگ ٹی لائی تھی۔ آپ کو اس طرح سوتے دیکھا تو......" مژگان خجل سی ہو گئی۔ وجیہہ چاچا تمام تر کیفیات کو جھٹکتے ہوئے لمحہ بھر کے لئے مسکرائے تھے۔

"اٹس اوکے۔ ڈیئر اِز مائے ٹی؟" اور تب مژگان نے پلٹ کر چائے سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر ان کے سامنے کر دی تھی اور ساتھ ہی بغور انہیں دیکھا تھا۔

"وجیہہ چاچا! ایک بات پوچھوں؟"

وجاہت شاہ چونک پڑے تھے، پھر بہت ہولے سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"وجیہہ چاچا! جہاں آپ ہوں، درحقیقت وہاں کچھ بھی آپ کا نہ ہو۔ مگر ظاہر یہی ہو کہ جیسے آپ ہی اس سب کے حقدار ہیں، مستحق ہیں مگر دراصل آپ فقط مصلحتاً ایک مجبوری کے باعث موجود رہیں۔ آپ کسی کو دھوکا نہیں دے رہے مگر......" وہ بہت کچھ سمجھانے کے چکر میں جیسے کچھ بھی نہ سمجھا سکی۔

وجیہہ چاچا نے اس الجھے ہوئے انداز میں کھڑی دھان پان سی لڑکی کو دیکھا تھا، پھر مسکرا دیئے تھے۔ "مسئلہ کیا ہے...... ہماری بیٹی اس قدر پریشان کیوں نظر آ رہی ہے؟"

اور تب وہ فوراً ہی مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ پھر قدرے توقف سے بولی تھی۔ "وجیہہ چاچا! جب آپ کی مدد کسی دوسرے کے حق میں نقصان دہ ثابت ہونے لگے تو صحیح راستہ کیا ہے؟ مدد سے ہاتھ کھینچ لینا، حق دوستی سے منحرف ہو جانا یا پھر اس دوست کو اس مشکل میں چھوڑ کر جو ہے جیسا ہے کی گردان کرتے ہوئے اپنی راہ لینا؟"

"تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا؟" وجیہہ چاچا، چائے کا سپ لیتے ہوئے مسکرائے تھے۔ "اگر کوئی پرابلم ہے تو کھل کر بیان کرو۔ یو کین میک ٹرسٹ مائے کڈ۔"

"آپ فریش ہو کر بریک فاسٹ کے لئے ٹیبل پر آ جائیں، میں رہبان کو بھی اٹھا دوں۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر سرعت سے باہر نکل گئی تھی۔ وجاہت شاہ کچھ دیر تک یونہی بیٹھے رہے تھے، پھر اٹھ کر کپ ایک طرف رکھتے ہوئے واش روم میں چلے گئے تھے۔

✿......✿

شعاع کتنی دیر سے دیکھ رہی تھی کہ وہ کسی کی نظروں کی گرفت میں تھی۔ کوئی مسلسل ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ رانیہ کے ساتھ اس کی کسی دوست کی برتھ ڈے پر مجبوراً ساتھ ہو لی تھی۔ مجبوراً اس طرح کہ موسم کے باعث امی کی طبیعت کچھ بہتر نہ تھی۔ اور عمر اپنی اسٹڈی میں بزی تھا۔ مگر رانیہ آنے پر پھر بھی بضد تھی۔ سو شعاع کے پاس اس کے ساتھ آنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ مگر اب جب ایسی صورتحال سے سامنا ہوا تھا تو اپنے فیصلے پر کسی قدر غصہ ضرور آیا تھا۔

جانے کون تھا؟ بظاہر سامنے کسی دوست سے مسلسل گفتگو میں مصروف تھا مگر نظریں اسی ایک سمت بندھ گئی تھیں۔

شعاع اگرچہ پُر اعتماد تھی مگر کسی قدر کوفت ضرور ہو رہی تھی۔ اس نے چہرے کا رخ دوسری سمت پھیر کر خود کو بے تاثر ظاہر کرنا چاہا تھا۔ مگر دوسری جانب سے یہ سلسلہ پھر بھی

موقوف نہیں ہوا تھا۔ ایک تو رانیہ بھی جانے کس بل میں جا گھسی تھی۔ اردگرد کتنے بہت سے اجنبی چہرے تھے اور لان کے اس کونے میں وہ خود کو اس طرح بیٹھے ہوئے خاصا احمق تصور کر رہی تھی۔ وہ جھنجھلا کر اٹھنے والی تھی جب عین اس لمحے علی شاہ اس کے سامنے آن رکا تھا۔

''ایکسکیوز می! کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟''

شعاع نے بے انتہا چونک کر نگاہ ڈالی تھی اور اس مسلسل ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے والے شخص کو اس گھڑی اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی تھی۔ مگر علی شاہ مسکراتے ہوئے بنا اس کی اجازت کے چیئر کھینچ کر اس کے عین سامنے براجمان ہو چکا تھا۔

''آپ......؟'' اس نے قدرے ناگواری سے کچھ کہنے کا قصد کیا تھا۔ جب علی شاہ نے مسکراتے ہوئے فوراً ہی ہاتھ اٹھا کر اسے جیسے کچھ کہنے سے باز رکھتے ہوئے دیکھا تھا۔

''علی شاہ ایک قابل اعتبار شخص ہے اور آپ تقریب اعتبار با آسانی منعقد کر سکتی ہیں۔ بات ایکچوئیلی یہ ہے محترمہ! کہ میں بہت صاف گو بندہ ہوں۔ گھما پھرا کر بات کرنے اور وقت ضائع کرنے کا قائل نہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ آپ مجھے اچھی لگی ہیں، کین آئی پروپوز یو؟''

کتنی بڑی بات علی شاہ کتنی آسانی سے کہہ گیا تھا۔

شعاع پھیلی ہوئی آنکھوں سے کتنی ہی دیر تک بنا پلکیں جھپکے اسے تکتی رہی تھی۔ کجا وہ کسی اجنبی کے فقط دیکھنے پر خائف تھی اور کہاں وہی اجنبی مقابل بیٹھ کر کس قدر دیدہ دلیری کے ساتھ اسے پروپوز کر چکا تھا۔

علی شاہ شاید صورتحال کو کسی قدر سمجھ چکا تھا۔ تبھی بہت ملائمت سے مسکرا دیا تھا۔

''پلیز، میرے الفاظ پر یقین کیجئے۔ آپ یہاں موجود کئی لوگوں سے میری بابت پوچھ کر تصدیق کر سکتی ہیں۔ کوئی غلط شخص نہیں ہوں میں۔ بس بات یہ ہے کہ آج سے قبل کوئی اس طرح کا چہرہ دکھائی نہیں دیا کہ اسے یہ کہہ سکتا۔ میں اپنے فیصلے، اپنے طور پر کرنے کا اختیار رکھتا ہوں۔ سو میں نے سوچ رکھا تھا، جب کوئی اس طرح کا نظر آئے گا، بنا وقت ضائع کئے، بنا کسی آڑے ترچھے راستے کے، فوراً اسے اپنی زندگی میں شامل کر لوں گا۔ بات یہ بھی نہیں کہ آپ سے پہلے کوئی اچھا دکھائی نہیں دیا۔ دراصل آپ وہ ہیں جو میں چاہتا تھا۔ اور اس سے قبل کہ آپ مجھ سے مل کر زمانے کی اس بھیڑ میں پھر سے کھو جائیں، میں اس لمحے کو گرفت میں لے لینا چاہتا ہوں۔''

کس قدر ٹھوس اور مضبوط انداز تھا۔ کس قدر صداقت تھی اس اجنبی کے لہجے میں۔ اور کس قدر وارفتگی سے اس گھڑی دیکھ رہا تھا وہ اسے۔ شعاع کی نگاہ جانے کیوں لمحہ بھر میں ہی جھک

گئی تھی۔

''دیکھئے اگر آپ یہ سوچ رہی ہیں کہ ہم اجنبی ہیں اور یکدم یہ سب کیسے ممکن ہے تو یہ سب قدرت کے فیصلے ہوتے ہیں۔ جو بخت میں لکھا ہوتا ہے، وہی ہوتا ہے۔ آپ شاید یقین نہ کریں مگر میرا دل کہہ رہا ہے کہ آپ میرے لئے ہی اس دنیا میں بھیجی گئی ہیں۔ میں کوئی ٹپکل لور نہیں ہوں، سو بہت سے رومانٹک جملے بول کر شاید باور نہ کرا سکوں۔ لیکن میرا مطلب یہ ہے کہ ہم آج اتفاقاً یونہی نہیں ملے، اس اتفاق کا کوئی سبب ہے۔ میں نے آپ کو جانا نہیں، جانا نہیں، کسی کسوٹی پر پرکھا نہیں اور نہ ہی پرکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میرے لئے فقط یہ بات اہم ہے کہ آپ میرے لئے ہیں۔''

شعاع نے تو خواب و خیال میں بھی ایسی صورتحال کے متعلق نہ سوچا تھا۔ کیسی گھڑی سے واسطہ پڑا تھا اس کا۔ نگاہ کیسی متحیر سی تھی۔ اور دل کیسی شدت سے دھڑکے جا رہا تھا۔

اور سامنے بیٹھا شخص کیسے نظروں میں حد درجہ اپنائیت بھرے اسے تکے جا رہا تھا جیسے وہ اجنبی ہوں ہی نہیں۔

جیسے وہ صدیوں کے شناسا ہوں۔

⁂......⁂

گزشتہ چند روز خاصی مصروفیت کے ساتھ گزرے تھے۔ فائنل سمسٹرز نے اسے سر اٹھانے کی مہلت نہیں دی تھی اور وہ ''خود فراموشی'' کے احساس سے دانستہ جو دو چار بھی رہنا چاہتی تھی تو یہ موقع اس کے لئے جیسے غنیمت تھا۔ ''بے خبر'' ہی تو رہنا چاہتی تھی وہ اردگرد سے۔ ''بھول'' ہی تو جانا چاہتی تھی وہ خود کو...... مگر جیسے یہ سب بہت آسان نہ تھا۔ یونیورسٹی سے واپسی پر وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اب اس کی ''خود فراموشی'' کی راہ کیا ہو گی؟ وہ کیسے خود سے غافل رہے گی؟ جبکہ آج کے بعد یہ روٹین بھی اختتام پذیر ہو رہی تھی۔

گھر پہنچ کر اپنے تھکن زدہ وجود کو بستر پر ڈالتے ہوئے وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اب کیا کرنا ہے جب اچانک ہی زویا نے آ کر مطلع کیا کہ اس کا فون ہے۔

اس کا دل یکبارگی دھڑکا تھا۔ حالانکہ کہیں کچھ بھی نہ تھا۔

نہ وہ ''منتظر'' تھی نہ محو ''انتظار'' تھی۔ نہ اس نے کوئی امید باندھی تھی، نہ ہی وہ ''خوش فہم'' تھی۔ شاید یہ خیال ''خدشے'' کی صورت ابھرا تھا کہ اگر دوسری طرف ''کوئی اور'' ہوا تو وہ کیسا ردعمل ظاہر کرے گی۔ فوری طور پر اس کا ری ایکشن کیا ہو گا؟ اور وہ گومگو کی سی کیفیت میں فون اسٹینڈ تک پہنچ چکی تھی۔ مگر دوسری طرف شعاع کو پا کر اس نے ایک گہری سانس

خارج کی تھی۔ مگر جانے کس احساس کے تحت ایک جملہ پھر بھی زبان سے پھسل گیا تھا۔

"تم ہو......"

"کیوں، تمہیں کسی اور کے فون کا انتظار تھا؟" شعاع مسکرائی تھی۔

"نہیں، ایسی بات نہیں۔" ادعیہ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"ایکچوئیلی کئی روز سے کوچنگ سینٹر نہیں گئی، میں سمجھی تھی وہیں سے فون ہو گا۔" اگرچہ وضاحت دینے کی ضرورت نہ تھی مگر اس نے پھر بھی وضاحت دینا ضروری خیال کیا تھا۔

"سمسٹرز ختم ہو گئے تمہارے؟"

"ہاں، آج آخری پیپر تھا۔"

"چلو اچھا ہوا۔ فارغ ہو چکی ہو تم۔" شعاع مسکرائی تھی۔

"کیوں، کیا ہوا؟" ادعیہ چونکی تھی۔ بہن کے لہجے میں پوشیدہ خوشی کی رمق واضح طور پر محسوس ہوئی تھی۔

"تم آ جاؤ، پھر بتاؤں گی۔" شعاع مسکرائی تھی۔

"کوئی خاص خبر؟" ادعیہ یکدم ہی مسکرائی تھی۔

"یہی سمجھو۔ تم آؤ نا۔"

"ہاں، مگر تم بتاؤ تو مجھے۔ دیکھو میرا دل کس قدر شدت سے دھڑک رہا ہے۔" اس نے دل پر ہاتھ رکھ کر کہتے ہوئے نگاہ اٹھائی تھی۔ تبھی سامنے وہ کھڑا نظر آیا تھا!

جانے کب آیا تھا۔ یقیناً ابھی ابھی وارد ہوا تھا۔ پیچھے آنے والا ملازم بیگ لے کر اس کے کمرے کی جانب جا رہا تھا۔

نگاہ لمحہ بھر کو ملی تھی۔ اعصار شیخ کی نگاہ سرسری تھی، جیسے نادانستہ کسی اجنبی سے نگاہ ملنے پر ہوتا ہے۔ کوئی بھی خاص تاثر نہ تھا۔ ادعیہ جس نے اپنی ہارٹ بیٹس کو بتانے کو اپنے دل پر ہاتھ دھرا تھا تو اس گھڑی واقعی اپنی دھڑکنوں میں واضح طور پر ارتعاش محسوس کر رہی تھی۔ اعصار شیخ کو سامنے پا کر جہاں نگاہ اٹھی تھی، ملی تھی، رکی تھی، تھمی تھی اور پھر دوسرے ہی پل یکدم جھک گئی تھی۔

لاتعلقی بھرا انداز تھا۔ خود کو مکمل طور پر اجنبی ظاہر کرنا چاہا تھا اس نے۔ جیسے سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔

کتنی عجیب بات تھی، ابھی کچھ ہی دیر قبل تو اس نے سوچا تھا، اس شخص کا خیال ذہن میں آیا تھا اور دوسرے ہی پل وہ مجسم نگاہ کے سامنے تھا۔ شاید اتفاق تھا۔ اور وہ بھی بھلا کیوں

اس سے آگے سوچ کر خود کو الجھاتی۔ تبھی شاید ہر سوچ کو جھٹکتے ہوئے دھیان مکمل طور پر شعاع کی طرف کرنا چاہا تھا۔

"کیا ہوا...... کہاں کھو گئیں تم؟" شعاع اسے بے خبر اور خاموش پا کر چونکی تھی۔ وہ مطمئن ہی ہنس دی۔ یہ اقدام دانستہ تھا، شاید کسی دوسرے کو بہت کچھ باور کرانے کے لئے۔ وہ ہنس رہی تھی۔

"کہیں نہیں...... دراصل میں خاموش رہ کر اس احساس کو سمجھنا چاہ رہی تھی جو اس لمحے تمہارے لہجے سے چھلک رہا ہے۔ یقیناً کوئی بہت بڑی بات ہے۔"

"تم آؤ گی تو خود جان جاؤ گی۔ پھر آ رہی ہو نا؟" شعاع نے مسکراتے ہوئے ایک بار پھر یقین چاہا تھا اور تب اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ہاں!"

"جلدی پہنچو۔" شعاع نے حکم دے کر فون کا سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔ ریسیور رکھ کر اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی تھی، مگر اب وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی دادی اماں کے کمرے کی جانب چل پڑی تھی۔ ارادہ تھا، ان کو مطلع کر کے ایک لمبے دورانیے کے لئے امی کی طرف کا رخ کرے گی، اس طرح شاید وہ ریلیکس بھی ہو جائے گی اور ذہن کسی اور مثبت راہ پر بھی گامزن ہو گا۔ وہ جو کوئی نئی راہ تلاش کرنا چاہ رہی تھی، زندگی کو کسی نئی راہ پر ڈالنا چاہ رہی تھی تو اب دادی اماں کے روم میں داخل ہوتے ہی ایک بار پھر اسے اپنے مقابل پا کر وہ دروازے پر ہی رک گئی تھی۔ دوسری جانب سے بھی نگاہ اٹھا کر دیکھا گیا تھا، پھر رخ پھیر لیا گیا تھا۔ وہ پھر بے تاثر نظر آ کر دادی اماں کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"دادی اماں! شعاع کا فون آیا تھا۔ امی بلا رہی ہیں۔ میں جا رہی ہوں۔ ایگزیم سے فراغت ہو چکی ہے، سو کچھ دن انہی کی طرف رہوں گی۔"

دادی اماں نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔

"خیریت تو ہے، اچانک کس لئے بلایا، کوئی کام ہے؟"

"جی خیریت ہے، دراصل میں نے کہا تھا کہ ایگزیم ختم ہونے پر آؤں گی۔ کئی دن سے چکر نہیں لگایا تھا۔ سو امی یقیناً اداس ہو رہی ہوں گی۔" دادی اماں نے سر ہلایا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ مگر اعصار شیخ سے بھی پوچھ لیا ہوتا تو......" دادی اماں نے اسے دیکھتے ہوئے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

اس کی طرح اعصار شیخ نے بھی چونک کر اسے دیکھا تھا۔ لمحہ بھر کو یہ تصادم ہوا تھا، پھر

دونوں کی نگاہ ہی اجنبی ہو گئی تھی۔

''دادی اماں! میں چلتی ہوں۔'' اس نے بہت پُراعتماد انداز سے کہتے ہوئے دادی اماں کی طرف دیکھا تھا۔ کسی دوسرے کی موجودگی کو اس نے سرے سے نظر انداز کیا تھا۔ جیسے کوئی وہاں موجود ہی نہ ہو۔ یہ ایک کڑا وار تھا۔

''ٹھہرو! اعصار شیخ چھوڑ دے گا تمہیں۔'' دادی اماں جانے کیوں سارے بخیے پھر سے ادھیڑ رہی تھیں۔ مگر اب وہ پُراعتماد تھی۔ تبھی بہت اعتماد سے ایک نگاہ اس شخص پر ڈال کر دادی اماں کی طرف دیکھا تھا۔

''جی نہیں، میں تنہا جا سکتی ہوں۔ راستوں کی پہچان ہے مجھے۔'' یہ ایک گہرا طنز تھا۔ یقیناً اعصار شیخ کے مردانہ وقار پر ایک کڑی چوٹ تھی۔

کس قدر شدید ضرب تھی۔ کوئی اتنی آسانی کے ساتھ فراموش کر رہا تھا اسے۔ اگنور کر رہا تھا۔ اس کی شخصیت کو جھٹلا رہا تھا، اور کس قدر کاری ضرب تھی یہ۔

ایک کمزور سی، ناتواں سی لڑکی...... کتنی پُراعتماد نظر آ رہی تھی۔

کیسا غرور تھا اس کے انداز میں، کیسی تمکنت تھی۔

اور کیسا جان لیوا ہوتا ہے خود کو اگنور ہوتا دیکھنا۔

کوئی آپ کے پاس سے یوں گزر جائے، جیسے دیکھا ہی نہیں۔

فراخ پیشانی پر کتنی سلوٹیں ناگواری کے ساتھ نمودار ہو چکی تھیں۔

انسانی فطرت ہے کہ ایک شخص خود چاہے جیسا انداز روا رکھے، کسی بھی طرح سے پیش آتا رہے، کتنی ہی تذلیل کسی کی کرتا رہے، کتنی ہی چوٹ لگاتا رہے، کتنا ہی زک پہنچاتا رہے، سرے سے احساس ہی نہیں ہوتا۔

مگر وہی سب کچھ خود جھیلنا پڑتا ہے تو ہوش ٹھکانے آ جاتے ہیں۔ روح سلگ اٹھتی ہے۔ جی اس توہین آمیز رویے پر کڑھنے لگتا ہے

ادعیہ نے جتنا سہا تھا، اتنا ابھی برتا نہیں تھا۔

حساب برابر نہیں ہوا تھا۔ اس سطح پر وہ آئی ہی نہیں تھی۔ اتنی انتہا پر ابھی پہنچی ہی نہیں تھی۔ مگر کسی کو یہ سب کچھ کتنا ناقابل برداشت لگ رہا تھا۔

اعصار شیخ کے چہرے پر کتنے واضح اثرات تھے اس گھڑی اس بات کے۔ اس کا چہرہ ان تمام اثرات کا غماز تھا۔

''ماں کو بتایا کہ تمہارا ٹرانسفر یہیں پر ہو گیا ہے؟'' دادی اماں نے اس کے چہرے کو تکتے

ہوئے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ یقیناً وہ تمام صورتحال سمجھ رہی تھیں۔

اعصار شیخ دادی اماں کے پوچھنے پر قدرے چونکا تھا، پھر سر بہت ہولے سے اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''حیران ہو رہے ہو شاید۔ ادعیہ نے تمہاری حکم عدولی کی۔ یہاں سے گئی نہیں۔'' دادی اماں نے جانے کیا جتانے کو کہا تھا۔

اعصار شیخ خاموش نظروں سے دیکھتے ہوئے دھیان بدل گیا تھا۔ تبھی دادی اماں آہستہ سے بولیں۔ ''اعصار شیخ! تم مرد ہو، ایک ذرا سی شکست تم سے برداشت نہیں ہو رہی۔ وہ تو پھر ایک نازک لڑکی ہے۔'' ایک لمحے میں دادی اماں کیسا باور کرا گئی تھیں۔ اعصار شیخ کچھ کہہ نہیں سکا تھا۔ فقط دیکھ کر رہ گیا تھا۔ تبھی دادی اماں گویا ہوئی تھیں۔

''اعصار شیخ! کبھی کبھی مجبوریاں بہت بری طرح قدموں میں بیڑیاں ڈال دیتی ہیں۔ ایسے میں بہت کچھ اپنی مرضی اور انا کے خلاف کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے وہ فیصلے بھی جو عقل نہیں مانتی۔ دل نہیں مانتا۔ جو انا کے لئے ناقابل قبول ہوتے ہیں۔ مگر بہت سے کڑوے گھونٹ بعض اوقات مجبوری میں پینا ہی پڑتے ہیں اور وہ لڑکی بھی سمجھو کسی مجبوری سے بندھی ہوئی ہے۔ سیانے کہتے ہیں، لڑکیاں بیل کی طرح کمزور ہوتی ہیں اور مرد تناور درخت کی طرح مضبوط۔ جس طرح بیل تناور درخت سے لپٹ کر سہارا تلاشتی ہے، اپنی بقا یقینی بناتی ہے، اسی طور لڑکیوں کی محفوظ پناہ ایک مرد کا چھتنار وجود ہے۔ خواہ وہ باپ کی صورت میں ہو، خواہ وہ بھائی کی صورت میں ہو، خواہ بیٹے یا شوہر کی صورت میں۔ پرانے وقتوں میں یہ بات کسی قدر درست بھی تھی۔ مگر آج کے باشعور دور میں لڑکیوں کی عقل و خرد کسی طرح سے بھی مردوں سے کم نہیں۔ نہ ہی انہیں سہارے کے لئے اس طور کسی چھتنار کی حاجت رہی ہے۔ آج کل کی لڑکیاں بیل کی مانند نہیں، جتنی ارادوں میں پختہ اور توانا ہیں، اس سے یقیناً وہ آسمان بھی چھو سکتی ہیں۔ مگر جب اس سب کے باوجود عزم و ہمت اور حوصلے کے باوجود کوئی لڑکی اپنے خاندانی وقار اور ناموس کی خاطر اپنی انا اور وقار کو قربان کرتی ہے تو اس میں ضرور کوئی اسرار پوشیدہ ہوتا ہے، کوئی مصلحت ہوتی ہے۔ اس شکست کو ہار کے زمرے میں قطعی نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ ہار ہار نہیں ہوتی، اس کو شکست تصور کرنے والے خود شکست خوردہ ہو سکتے ہیں، اسے ایثار یا قربانی کہا جا سکتا ہے۔ اس طرح اس کا مرتبہ سراہے جانے کے قابل ہے۔ ایک کمزور لڑکی ہوتے ہوئے بھی جو ارادوں میں پختگی کو ظاہر کرے، وہ کمزور نہیں۔ وہ لڑکی چاہتی تو اپنی انا اور وقار کو سربلند رکھنے کے لئے اس گھر کی دہلیز پار بھی کر سکتی تھی۔ کسی بات کی پرواہ کرنے

کی اسے پھر ضرورت باقی نہ رہتی، مگر اس کا یہ ایثار، یہ قربانی خود اس کے لئے نہیں ہے۔ تم اسے اس کی کمزوری کہہ سکتے ہو، مگر میری نگاہ میں وہ کمزور نہیں۔"

دادی اماں کہہ کر چپ ہو گئی تھیں۔ مگر اعصار شیخ کچھ نہیں بولا تھا۔ ایک لفظ بھی نہیں۔ بس چپ چاپ اٹھا تھا اور دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

"اعصار شیخ! کاش تم اس ہیرا صفت لڑکی کی قدر کر سکو۔" دادی اماں کی آنکھوں میں یکدم ہی نمی سی تیر گئی تھی۔

❁......❁

کیسی قیامت گزر گئی تھی۔

سیو کی جان جیسے جانے کو تھی۔ کیسی روح فرسا خبر تھی۔

بے بے، چاچا، اس کا جان سے پیارا ویر اس کا دولہا دیکھنے گئے تھے۔ اس کی رسم ادا کرنے گئے تھے۔ مگر ایک حادثے نے ان تینوں کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا تھا۔

جانے کہاں سے وہ ٹرالر اس بس سے آن ٹکرایا تھا۔ اور کتنے ہی لوگ گزر گئے تھے اس حادثے میں، مگر سیو کے لئے تو یہ سانحہ جیسے قیامت تھا۔

کوئی بھی تو باقی نہ رہا تھا اس کا۔

اس کی ماں، اس کی جنت، اس کا گبرو جوان ویر، سر پر ہاتھ رکھتا تو کیسی طمانیت دوڑ جاتی تھی سارے وجود میں۔

اتنی ڈھیروں ڈھیر محبت کرنے والا باپ، اس کا چاچا، کہاں ڈھونڈے گی وہ ان سب رشتوں کو...... کس کس کو پکارے گی۔

"ہائے ربا......!" کیسی آہ تھی۔ "تو نے مجھے بھی کیوں نہ اٹھا لیا۔ کیوں نہ مر گئی میں بھی۔ کیوں زندہ بچ گئی میں......؟" وہ رو رہی تھی۔ سینہ کوبی کر رہی تھی۔

کیسا کہرام سا برپا تھا پورے گاؤں میں۔ سارا کا سارا گاؤں جمع ہو گیا تھا۔ سبھی اس سانحے پر پُر ملال تھے۔ ہر آنکھ اشک بار تھی۔ اور سیو کی جان پر تو جیسے یہ گھڑیاں قیامت تھیں۔

ان سب پیاروں کی صورتیں دیکھ دیکھ کر جیتی تھی وہ۔

اور آج ان کے خون میں لتھڑے وجود دیکھ کر کتنی بار غش کھا کر گری تھی۔

مژگان متواتر سنبھال رہی تھی اسے۔ اس حادثے کی خبر پر وہ بھی اپنے قدم روک نہ سکی تھی۔ ساتھ اماں بھی تھیں۔

شام کو جب سب اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے تو مژگان اماں سے پوچھ کر سیو کو اپنے ساتھ حویلی میں ہی لے آئی تھی۔ اب اس خالی گھر میں باقی کیا بچا تھا اس کا...... سبھی تو ختم ہو گیا تھا۔ اس کا پورا کنبہ خوشیاں سمیٹنے گیا تھا اس کے لئے...... مگر اسے کتنے گہرے دکھ سے نواز گیا تھا۔ کیسی بت سی بن گئی تھی وہ۔ سانحہ بھی تو اتنا بڑا تھا۔ قیامت سے پہلے قیامت تھی۔

❁......❁

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔ یہ تو افسانوی صورت حال ہے۔" ادعیہ مسکراتے ہوئے مسلسل نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"کوئی پہلی بار ملے اور ملتے ہی پروپوز کر دے اور پھر دوسرے ہی دن اپنی فیملی کو لے کر آن پہنچے اور اس سے اگلے دن منگنی کی انگوٹھی لے کر آن دھمکے۔ یہ حضرت جس رفتار سے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں، مجھے گمان ہے، یہ ایک ہفتے کے اندر اندر رخصتی بھی کروا لیں گے۔ صبر کا پھل اس قدر میٹھا ہو سکتا ہے، مجھے یقین نہیں آ رہا۔" ادعیہ مسکراتے ہوئے بہن کو چھیڑ رہی تھی۔ شعاع مسکرا رہی تھی۔

"کوئی صبر وبر کا پھل نہیں۔ یہ لیکھ ہوتے ہیں۔ بھاگ میں درج حکایتیں ہوتی ہیں ہماری۔ جو کام جس طرح لکھا ہے، اسی طرح پورا ہونا ہے۔ کل جب فرحان کی انگوٹھی اپنی انگلی سے اتار کر میں نے واپس لوٹائی تھی تو میں جانتی تک نہ تھی کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ مجھے ملال ضرور تھا مگر میں بہت پریکٹیکل اپروچ رکھنے والی لڑکی ہوں۔ میں جانتی تھی، یہ میرے مقدر میں لکھا تھا۔ سو یہ واقعہ ہوا۔ اور اب بھی جو ہو گا، وہ بھی نصیب میں لکھا ہو گا۔ ہم دونوں میں مشترک بات فقط یہ ہے کہ ہم دونوں خاصے پریکٹیکل اپروچ کے حامل واقع ہوئے ہیں۔ علی شاہ بے حد حقیقت پسند ہے اور کوئی افسانوی کردار میں بھی نہیں ہوں۔ خوابوں میں زندگی گزارنے والی بے وقوف سی لڑکی...... شاید میں ہوتی بھی تو یہی ہوتا...... کیونکہ میرے نصیب میں یہی لکھا تھا۔ میں اس کے یکدم پروپوز کرنے پر حیران ضرور ہوئی تھی مگر میں نے اسے باور کرا دیا تھا کہ میری رائے یا میری مرضی میری امی کی مرضی اور فیصلے سے مشروط ہو گی۔ تم ان سے مل لو۔ اگر وہ رضامندی دے ڈالیں تو سمجھو میں بھی رضامند ہوں۔ بصورت دیگر بائے بائے۔" شعاع نے مسکراتے ہوئے بازو امی کی گود میں ڈالے تھے۔

رانیہ ہنس پڑی تھی۔ "میرا شکریہ بھی تو ادا کریں۔ سبب تو میں ہی تھی۔ اگر میں آپی کو اس دن اپنے ساتھ نہ لے جاتی تو علی بھائی کیسے ہمارے گھر کی راہ دیکھتے۔"

"ہاں بھئی، یہ تو ہے۔ شعاع! تمہیں رانیہ کو ٹریٹ دینا چاہئے۔" ادعیہ نے کہا تو شعاع

مسکرا دی تھی۔

''تو کل محترم رسمِ منگنی کو پہنچ رہے ہیں۔'' ادعیہ نے مسکراتے ہوئے ایک بار پھر چھیڑا تھا۔ ساتھ ہی امی کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ ''امی! بس اب آپ تیاریاں مکمل رکھیں۔ محترم کی اگلی پیشکش رخصتی کی ہی ہوگی۔'' وہ ہنسی تھی۔ پھر ساتھ ہی گنگنانے لگی تھی۔

بنو تیرے ابا کی اونچی حویلی

بنو میں ڈھونڈتا چلا آیا

شجاع مسکرا دی تھی اور اس کے چہرے پر اس شرمیلی سی مسکان کو دیکھ کر ڈھیروں ڈھیر اطمینان امی کے اندر اتر رہا تھا۔

ادعیہ بھی اسی کیفیت کو محسوس کر رہی تھی۔ ایک عرصے بعد وہ دل سے مسکرا رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا، وہ زندگی سے قریب ترین ہے، زندہ ہے۔

''امی! آپ کو ادعیہ کی سسرال کو بھی مدعو کرنا چاہئے۔ ان کو خبر ہوگی تو کتنا غیر مناسب لگے گا نا۔'' شجاع نے ادعیہ کے مسکراتے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تھا اور ادعیہ کے مسکراتے لب یکدم ہی ساکت ہو گئے تھے۔

''ہاں ضرور...... میں تو حنیف بھائی کو بھی مدعو کروں گی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے رشتے ٹوٹ تو نہیں جاتے۔''

''کیا ضرورت ہے امی۔'' ادعیہ نے یکدم ہی بات کاٹی تھی۔ ''آپ حنیف ماموں وغیرہ کو چاہیں تو مدعو کر لیجئے مگر ان لوگوں کو بلانے کی ضرورت نہیں۔ فقط دادی اماں کو بتا دیجئے گا۔'' اور امی نے جواباً ادعیہ کو جس طرح دیکھا تھا، وہ لمحہ بھر کو چپ ہوئی تھی، پھر وضاحت دیتی ہوئی بولی تھی۔

''میرا مطلب ہے، کوئی اتنی بڑی تقریب تو نہیں۔ شادی میں بلا لیجئے گا سب کو۔'' وہ نگاہ جھکا گئی تھی۔ تبھی شجاع نے اس کا ہاتھ تھام کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''دادی اماں بتا رہی تھیں کہ اعصار شیخ کا ٹرانسفر کراچی میں ہی ہو گیا ہے۔''

''ہوں......'' ادعیہ اس ذکر پر کچھ خاص تاثر نہ ظاہر کر سکی تھی اور نگاہ پھیر کر رانیہ اور عمر وغیرہ کی طرف دیکھنے لگی تھی جو مسلسل شادی بیاہ کے گانوں کو کورس میں گاتے ہوئے پریکٹس ہی کر رہے تھے۔ وہ مسکرائی تھی اور پھر اٹھ کر ان کے درمیان جا بیٹھی تھی۔ عین اسی لمحے امی نے شجاع کو دیکھا تھا اور شجاع نظریں جھکا گئی تھی۔

......

رہبان عالم شاہ ایک اہم بزنس اسائنمنٹ کے سلسلے میں کینیڈا کے لئے روانہ ہو چکا تھا۔ وہاں سیو کے خیال کے تحت رک گئی تھی۔ دوسرے اسے اپنے لئے لائحہ عمل بھی مرتب کرنا تھا۔ گزشتہ سے اب تک جو بھی اقدام کئے تھے، از سر نو انہیں جانچنا تھا اور آئندہ دنوں کے لئے نئی اسٹریٹجی بنانا تھی۔ وہ کوئی پچھتاوا لے کر جینا نہیں چاہتی تھی۔ اب تک وہ تمام تر فیصلوں کے لئے کسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی، رہبان عالم شاہ خود سے فیصلہ لے کہ اسے کون سی راہ منتخب کرنا ہے اور کس طرح چلنا ہے۔ وہ چاہتی تھی، کوئی بھی قدم وہ خود اٹھائے اور وہ فقط تقلید کرے۔ وہ اپنی مرضی کو خاطر خواہ اہمیت اس لئے بھی نہیں دے رہی تھی کہ اس تعلق میں کہیں بھی ''اندر'' شامل نہ تھا۔ نہ اندرونی احساسات، نہ جذبات، نہ وہ بات جو روح سے پھوٹتی ہے۔ نہ وہ محبت جو دل سے نکلتی ہے۔ نہ وہ لگن، نہ تڑپ۔

یہ سب دل سے دل تک کے سفر کی ''مراعات'' ہیں۔ جہاں ''دل'' شامل نہ ہو، وہاں ہر تعلق بس نام کا ہوتا ہے اور فقط نام کے رشتوں میں پائیداری نام کی نہیں ہوتی۔

وہ پابند نہ تھی مگر مسلط بھی رہنا نہ چاہتی تھی۔ اس سارے ڈرامے میں اس کا کردار فقط ایک ''مددگار'' کا تھا۔ پہلے اس نے ''مدد'' مانگی تھی۔ ''امان'' ڈھونڈی تھی اور پھر کسی نے اسے امداد کے لئے کال آؤٹ کیا تھا۔ یہ ربط، یہ تعلق کسی طرح سے بھی ایسا نہ تھا کہ اس میں زیادہ دیر روا رکھی جا سکتی۔ شاید اسی سبب وہ رہبان عالم شاہ کی سمت دیکھ رہی تھی اور منتظر تھی کہ اب وہ کوئی فیصلہ کرتا ہے اور اس کا کردار ختم ہوتا ہے یا مزید آگے بڑھتا ہے۔ اگرچہ وہ جلد از جلد اس ڈرامے کا اختتام چاہتی تھی مگر عین درمیان میں سے راہ بدل کر وہ کوئی الزام اپنے سر نہیں لینا چاہتی تھی۔ مگر وہ اس نہج پر مسلسل سوچ ضرور رہی تھی۔

اگر مقابل کی جانب سے رسپانس گول رہتا، یا وہ انڈر اسٹینڈ کرتی تو بھی شاید صورت حال مختلف ہوتی۔ مگر جس طرح کی صورت حال اب واقع ہوئی تھی، اس کو دیکھتے ہوئے مژگان مسلسل سوچتے ہوئے کسی فیصلے پر پہنچنا چاہ رہی تھی۔

اس روز وہ سامان پیک کر رہی تھی، جب سیو اس کے قریب آن رکی تھی۔

''آپ جا رہی ہیں؟''

''ہاں، تیاری کر رہی ہوں۔''

رک کر سیو کی آنکھوں میں بہت سا پانی آن رکا تھا اور پھر اسی انداز سے پیمانے چھلک گئے تھے۔

''آپ چلی جائیں گی تو میرا کیا ہوگا؟ میں کہاں جاؤں گی؟ میرا تو اب اس دنیا میں کوئی

بھی نہیں رہا۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔
مژگان کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی تھی، پھر سب کچھ ویسے ہی چھوڑ کر اس کے قریب آن رکی تھی اور اسے شانے سے تھام کر اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔
"سیو! ہمت نہیں ہارتے...... مجھے دیکھو، میں بھی تو تنہا ہوں۔ میرا بھی تو کوئی نہیں۔ جب بابا اس دنیا سے گئے تھے تو مجھے بھی لگا تھا کہ دنیا مٹ گئی ہے، ختم ہو گئی ہے اور اس میں اب کچھ باقی نہیں رہا۔ میں کیسے جیوں گی؟ کیسے ہنسوں گی؟ کیسے بولوں گی؟ مگر جانتی ہو، دن گزرتے گئے اور پھر سب کچھ معمول پر آ گیا۔ بات یہ ہے کہ زخم کتنے بھی گہرے ہوں، وقت کی گرد بہرحال ان کو مندمل کر دیتی ہے۔ یہ درد ختم نہیں ہوتے مگر کم ضرور ہو جاتے ہیں۔ ان کی شدت میں آہستہ آہستہ کمی واقع ہو جاتی ہے۔ یا یوں سمجھو ہمیں صبر آ جاتا ہے۔ قرار آ جاتا ہے۔" بہت مدھم لہجے میں وہ اسے تسلی دے رہی تھی۔
سیو کی آنکھوں سے بہت سا پانی نکل کر مژگان کے شانے میں جذب ہو گیا تھا۔
"ایسا کیوں ہوتا ہے؟"
"یہ نظامِ قدرت ہے۔ ایک دن ہم بھی چلے جائیں گے۔ تم پلیز اب رونا نہیں۔ اس طرح روحوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ ہو سکے تو ان کے ایصالِ ثواب کے لئے دعا کرتی رہو۔"
"آپ چلی جائیں گی تو میں کیا کروں گی؟ مجھے نہیں رہنا یہاں۔" سیو نے سر اٹھا کر مژگان کی طرف دیکھا تھا۔ مژگان اس کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔
"پھر کیا کرو گی؟ میرے ساتھ شہر چلو گی؟"
"یہاں کیا ہے اب میرا۔ اس گاؤں نے تو سبھی کچھ نگل لیا میرا۔" وہ ایک بار پھر ہمت ہار گئی۔
"اوں ہوں...... روتے نہیں، منع کر رہی ہوں نا۔" مژگان نے اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے صاف کیا۔ سیو، مژگان کی طرف دیکھنے لگی۔
"آپ چاہیں تو اپنی خادمہ بنا لیں مجھے۔ میں آپ کے ساتھ ہی رہوں گی۔"
مژگان نے کچھ دیر تک سوچتے ہوئے اسے دیکھا تھا، پھر ہولے سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ "او کے۔ مگر اب تم رونا نہیں۔ میں اماں سے بات کر کے آتی ہوں۔"
مژگان نے کہا تو سیو نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ مژگان کمرے سے باہر نکل گئی تھی اور وہ نگاہ اٹھا کر کمرے کے در و دیوار کو دیکھنے لگی تھی۔ کتنے دن سے وہ یہاں تھی۔ وقت بھی کیسے کیسے کھیل کھیلتا ہے۔ کہاں وہ حویلی کے نام سے ہی خوف کھاتی تھی، چھوٹے سرکار کا

خیال ہی دل دہلا دیا کرتا تھا، اور کہاں وہ اس چھت کے تلے اتنے دنوں سے رہ رہی تھی۔ کتنے دن گزار چکی تھی۔ اس نے یونہی پلٹ کر دیکھا تھا۔ کھلے ہوئے دروازے میں یکدم ہی وہ ایستادہ نظر آیا تھا۔ وہ بھیگی بھیگی پلکیں دوسرے ہی پل جھکا گئی تھی۔ اتنے دنوں میں پہلی بار سامنا ہوا تھا۔
اعیان نے کس قدر ملامت سے اسے دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے دریافت کیا تھا۔
"بھابی کہاں ہیں؟"
"وہ بڑی چودھرائن کے کمرے میں گئی ہیں۔" اس نے اعتماد سے جواب دیا تھا اور پھر نگاہ جھکا لی تھی۔
اعیان نے ایک سرسری نگاہ اس لڑکی پر ڈالی تھی اور پھر آگے بڑھ گیا تھا۔
سیو ہونٹ بھینچ کر کتنی ہی دیر کھڑی رہی تھی۔ قدرے توقف سے جانے کیوں نگاہ اٹھا کر اس سمت دیکھا تھا...... اس دروازے کو۔ مگر اب وہاں کوئی نہ تھا۔

❁......❁
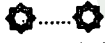
گو کوئی بہت بڑی تقریب نہیں تھی۔ مگر گھر میں گہما گہمی پھر بھی بہت زیادہ تھی۔ ادعیہ کی حیرت اس وقت نہ رہی تھی، جب امی کے دعوت نامے پر تایا ابا اور منجھلے چچا کی تمام فیملی ان کے ہاں موجود تھی۔ تائی اماں اور چچی سمیت۔
حنیف ماموں کی طرف سے فہد اور حنیف ماموں ہی آئے تھے۔
"ادعیہ! اعصار شیخ کو فون کر کے یقین دہانی کرا دو، وہ لوگ تقریب کے لئے آنے والے ہیں۔" وہ شعاع کی کلائیوں میں گجرے باندھ رہی تھی جب امی نے آواز دے کر اسے بطور خاص کہا تھا۔ وہ چونکی تھی۔ ہاتھ لمحہ بھر کو تھمے تھے۔ شعاع نے اسے بغور دیکھا تھا، وہ جیسے چوری سی ہو گئی تھی۔ فوراً ہی دھیان پھیر کر اس کے آنچل کو درست کرنے لگی تھی۔ پھر علی شاہ کی فیملی بھی آ گئی تھی اور رسم بھی ادا ہو گئی تھی۔ مگر اعصار شیخ نہیں پہنچا تھا۔ وہ جانے کیوں مجرم سی ہو رہی تھی حالانکہ وہ تو کہیں بھی خطاوار نہ تھی۔
علی شاہ کے گھر والے بہت جلدی شادی چاہ رہے تھے۔ اور آج ہی ڈیٹ فکس کرنے پر مُصر تھے۔ تبھی ڈنر کے بعد بزرگوں کی مجلس بیٹھ گئی تھی۔ امی کو بہت اطمینان تھا، سارے بڑے بزرگ آج یہاں موجود تھے۔ سارے کام کتنی خوش اسلوبی سے سرانجام پا رہے تھے۔ شعاع واقعی لکی تھی۔ ادعیہ قدرے فاصلے پر بیٹھے علی شاہ اور شعاع کو دیکھ رہی تھی۔ تبھی اس کے پاس فہد آن رکا تھا۔

''کتنی لکی ہے نا شعاع!'' وہ بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''اور تم......؟'' فہد نے ان دونوں کو دیکھ کر سر ہلاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا اور ادعیہ چونک پڑی تھی۔

''میں......؟'' پھر دوسرے ہی پل سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ ''پتہ نہیں۔'' اور فہد مسکرا دیا تھا۔ جانے کیوں...... ادعیہ نے اسے دیکھا تھا اور پھر دانستہ نگاہ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔ وہ موضوع بننا قطعی نہیں چاہتی تھی، تبھی فوراً بولی تھی۔ ''باقی سب لوگ کیوں نہیں آئے؟''

فہد کے پاس جیسے کوئی جواب نہیں تھا۔

''جانتی ہوں، احساسِ زیاں بہت جان لیوا ہوتا ہے۔ آپ جو گنوا چکے ہوں اسے کسی اور کا ہوتے دیکھنا آسان نہیں ہوتا۔ اگرچہ آپ اسے گنوا چکے ہوتے ہیں تب بھی۔'' ادعیہ جانے کیوں ہنس دی تھی۔ وہ اسے دیکھتا رہا تھا۔

''ہاں، اس کے باوجود کے آپ اسے گنوا چکے ہیں۔'' دھیما لہجہ بہت کچھ باور کرانے کے لئے کافی تھا۔ ادعیہ نگاہ پھیر گئی تھی۔ تبھی وہ بولا تھا۔

''شعاع واقعی بہت اچھی ہے۔ شاید فرحان بھائی لکی نہیں تھے۔ تبھی تو......'' فہد نے شاید جملہ دانستہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ خاموشی کے ساتھ سر جھکا گئی تھی۔ تبھی فہد یکدم بول پڑا۔

''بہت عجیب کھیل ہیں یہ سارے۔ نہ سمجھ میں آنے والے۔ پتہ نہیں ایسا کیوں ہوتا ہے، مگر ایسا ہوتا ہے۔'' ادعیہ کچھ بھی نہ کہہ سکی تھی۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا تھا۔ ''تمہارے صاحب بہادر نہیں آئے؟''

''آں...... ہاں......'' وہ بری طرح چونکی تھی۔ ''ہاں...... پتہ نہیں۔'' وہ دور بیٹھی شعاع کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔ نگاہ دانستہ فہد سے چرا گئی تھی اور شاید فہد بھی سمجھ گیا تھا کہ وہ مزید اس موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی۔ تبھی بولا تھا۔

''اب کیا پلان ہے تمہارا۔ ماسٹرز تو مکمل ہو چکا تمہارا؟''

''ہاں، بس رزلٹ دیکھنا ہے۔ اور پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ میں زندگی میں پلاننگ کی قائل نہیں۔ لائف کسی پلاننگ کے تحت نہیں گزرتی۔ ہر لمحہ اپنے ساتھ نئے انکشافات لاتا ہے۔ اور میں ان لوگوں میں سے ہوں جو زندگی جدھر لے جائے، ادھر چل پڑو والے مقولے پر کاربند ہو کر گزر کرتے ہیں۔''

''تم اب بھی اتنی ہی لاابالی ہو؟'' پتہ نہیں وہ تاسف کا اظہار کر رہا تھا کہ حیرت کا۔

...نہ سکی تھی۔ البتہ مسکرا ضرور دی تھی۔

''زندگی بذاتِ خود لاابالی ہے۔ آج طے کرو کل فلاں جگہ جانا ہے، فلاں بندے سے ملنا ہے...... تو کبھی کبھی یہ ہو ہی نہیں پاتا۔ زندگی ایک لمحے میں ایسی کروٹ بدلتی ہے کہ سارے منظر تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تبھی تو میرا اعتقاد ہے کہ خواہ مخواہ پلاننگ کر کے خود کو مت الجھاؤ، بلکہ جو ہو رہا ہے اسے ہو جانے دو۔ کیونکہ قسمت میں یہی لکھا ہے۔'' اس نے کہتے ہوئے نگاہ اٹھا کر سامنے کی طرف دیکھا تھا۔ اور نگاہ لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔ وہاں اعصار شیخ کھڑا رانیہ سے بات کر رہا تھا۔

وہ آ گیا تھا...... مگر وقت گزر جانے کے بعد...... بھلا اب کیا فائدہ تھا۔ اس شخص نے جان بوجھ کر ایسا اقدام کیا تھا۔ وہ جان بوجھ کر وقت پر نہیں پہنچا تھا۔ ادعیہ اس کی سمت بلا ارادہ ہی دیکھ رہی تھی جب وہ اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ وہ دوسرے ہی پل نگاہ پھیر کر دیکھنے لگی تھی۔

''لو، تمہارے صاحب بہادر آ گئے۔'' فہد نے اسے شرارت سے چھیڑا تھا۔ وہ مروتاً مسکرائی تھی پھر شعاع کی جانب بڑھ گئی تھی۔

اعصار شیخ اسے دیکھتے ہوئے نگاہ پھیر گیا تھا۔ گو امینہ چچی نے اسے فون کر کے یاد دہانی بھی کرا دی تھی مگر وہ وقت پر پہنچ نہیں سکا تھا اور ایسا دانستہ نہیں ہوا تھا۔ ان دونوں کے درمیان تو اول روز سے ہی کشیدگی تھی مگر اس کے باوجود وہ وہاں آتا تھا اور چچی جان سے اور شعاع وغیرہ سے مل کر جاتا تھا۔ اس کا تعلق پہلے سے تھا۔ اس تعلق کے بننے سے بھی قبل...... اتنا تو احساس تھا اسے۔

رانیہ جب اسے علی شاہ سے ملوا رہی تھی تو تبھی وہ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

اعصار شیخ نے اس بات کو واضح طور پر محسوس کیا تھا اور اس لمحے جب وہ ایک بار پھر فہد کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی تو جانے کیوں اس کی پیشانی پر کئی شکنیں ابھر آئی تھیں اور اعصاب میں واضح طور پر کھنچاؤ محسوس ہوا تھا۔

مگر ادعیہ جیسے ہر بات سے لاپرواہ تھی۔ بے خبر تھی۔ یا پھر واقعی بے خبر رہنا چاہتی تھی۔

✿......✿

کوئی بھی فیصلہ کرنا مشکل ضرور ہوتا ہے۔ مگر جب کوئی فیصلہ کر لیا جاتا ہے تو پھر ایک گہرا اطمینان اندر سرایت کر جاتا ہے۔ بشرطیکہ فیصلہ مکمل خردمندی کے ساتھ دل کو وکیل بنا کے کیا جائے۔

مژگان نے بھی آخرکار فیصلہ کر لیا تھا اور بہت مطمئن سی ہو گئی تھی۔ البتہ ایک بات اسے

مسلسل تنگ کرتی رہی تھی کہ وہ اماں کو اصل حقیقت سے آگاہ کر دے یا نہیں۔

خود اس کی ذات کی بات ہوتی تو یہ کچھ اتنا مشکل نہ تھا۔ مگر رہبان عالم شاہ کی ذات بھی اس میں انوالو تھی۔ اور اگر اس نے ایسا نہیں چاہا تھا تو یقیناً اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت تو ضرور تھی۔

بہرحال جو اس کے اختیار میں تھا، وہ کر سکتی تھی۔ اور جو فیصلہ اس نے کیا تھا، اس پر عمل پیرا ہو سکتی تھی۔

جب وہ اماں سے اور وجیہہ چاچا سے ملتے ہوئے رخصت ہو رہی تھی، تب جانے کس احساس کے تحت اس کی پلکیں ضرور بھیگ رہی تھیں۔ شاید اندر کہیں یہ احساس بھی تھا کہ وہ اس کے بعد ان سے مل نہیں سکے گی۔

''اپنا خیال رکھنا، اور رہبان کا بھی۔'' اماں نے اسے پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے کہا تھا اور اس نے فوراً سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ انہوں نے سیو کے سر پر بھی ہاتھ دھرا تھا۔

''میری تو خواہش تھی، یہ یہاں رہتی۔ اسی بہانے میری بھی تنہائی دور ہو جاتی۔ مگر جیسی اس کی خواہش۔ بات تو ایک ہی ہے، یہاں رہے یا وہاں۔ سیو! اپنی بی بی کا خیال رکھنا۔''

''اماں! میں اسے کام کی غرض سے نہیں لے جا رہی۔ یہ ایک فرد کی طرح ہمارے ساتھ رہے گی۔'' سیو نے مژگان کی طرف دیکھا تھا۔ کتنی اچھی تھی وہ۔ اس کی آنکھیں ایک بار پھر نم ہونے کو تھیں۔ تبھی جانے کیوں ساتھ کھڑے وجیہہ چاچا نے بہت ہولے سے اس کے سر پر ہاتھ دھر دیا تھا۔ سیو بہت چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ جانے کیا تھا ان آنکھوں میں...... وہ مژگان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بھی پلٹ کر ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

⁂......⁂

ایک طویل عرصے بعد مژگان نے اپنے گھر میں قدم رکھا تھا۔ وقت کی گرد سے سب کچھ بری طرح اٹ چکا تھا۔

''اتنے تھوڑے سے عرصے میں اس کی یہ حالت ہو گئی۔ ہمارے تو گاؤں میں بھی اتنی گرد نہیں ہوتی۔'' سیو ڈریسنگ ٹیبل پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بہت حیرت سے بولی تھی۔ مژگان مسکرا دی تھی۔

سیو یقیناً یہی سمجھ رہی تھی کہ یہی اس کا اور رہبان کا گھر ہے اور گاؤں جانے سے قبل وہ یہیں رہائش پذیر تھی۔

''کتنا بڑا سا گھر ہے۔ آپ دونوں کیسے رہتے ہیں اس میں؟''

''ہم اس میں نہیں رہتے۔ اس میں فقط میں رہتی تھی۔ اور اب میں اور تم رہیں گے۔'' مژگان نے بابا کی تصویر کے پاس رکتے ہوئے دھیمے انداز میں جواب دیا تھا۔ سیو کچھ سمجھ نہ سکی تھی۔ تبھی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

''یہ میرا گھر ہے۔ بابا نے اسے بطور خاص میرے لئے بنوایا تھا۔'' مژگان نے تصویر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بہت سی گرد کو سمیٹا تھا۔ ''وقت کی گرد بھی کتنی ظالم ہوتی ہے۔ کتنے نقش دھندلا دیتی ہے۔''

سیو کچھ سمجھ نہیں سکی تھی۔ مگر متواتر مژگان ہی کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

مژگان کو شاید احساس ہو گیا تھا، تبھی وہ پلٹی تھی اور مسکراتی ہوئی بولی تھی۔

''چلو میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھا دوں۔ پھر ہم مل کر یہ گھر صاف کریں گے۔''

اور تب خاموشی کے ساتھ وہ اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔

⁂......⁂

علی شاہ تو واقعی ہتھیلی پر سرسوں جمانا چاہتا تھا۔ کتنی قریب کی ڈیٹ فکس کروائی تھی موصوف نے۔ گھر میں ہلچل سی مچ گئی تھی اور ادعیہ نے مسکراتے ہوئے اسے شرارت سے چھیڑا تھا۔

''شعاع! میں نے کہا تھا نا، یہ مخص جس تیزی سے سفر کر رہا ہے، اس سے یہی لگتا ہے کہ یہ ایک مہینے سے زیادہ نہیں لگائے گا۔'' اور شعاع فقط مسکرا دی تھی۔ کتنا بہت سا اطمینان تھا اس کے چہرے پر۔ ادعیہ کو یہ اطمینان جیسے اپنا اطمینان محسوس ہوا تھا۔

''کتنا خواب سا لگ رہا ہے نا یہ سب کچھ، یہ خوشیاں، یہ رونقیں، یہ گہما گہمی، یہ افراتفری، کتنا اچھا لگ رہا ہے نا سب کچھ۔ ابو آج ہمارے ساتھ ہوتے تو کتنے خوش ہوتے۔''

''وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ قدم قدم پر۔ جانتی ہو جو دل میں رہتے ہیں، ان کے قریب رہنے یا دور ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں جانتی ہوں وہ ہمارے ساتھ ہیں اور خوش بھی یقیناً اس گھڑی۔''

''اور تم......؟'' ادعیہ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

اور شعاع یکدم ہی ٹریک چینج ہونے پر جھینپ کر مسکرا دی تھی۔ مگر پھر برملا بولی تھی۔

''ہاں، میں بہت خوش ہوں۔ مگر تم؟''

اور اس لمحے ادعیہ یکدم ہی نظریں جھکا گئی تھی۔ شعاع نے اسے لمحہ بھر کو دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''ادعیہ! تم بہت اچھی ہو، بہت سمجھدار، میں جانتی ہوں تم کوئی بھی غلط فیصلہ کر ہی نہیں

سکتیں۔ مگر یہ سب جو فی الحال ہو رہا ہے وہ کسی بھی طور مناسب نہیں ہے۔" شعاع کا اشارہ ان کے درمیان موجود تناؤ کی طرف تھا اور ادعیہ یہی ذکر نہیں چاہتی تھی۔ تبھی چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔

"ادعیہ پلیز، سب کچھ جو ہو رہا ہے، زندگی کا حصہ ہے۔ تھوڑی سی فلیکسی بلٹی انسان کو اپنے اندر ضرور رکھنی چاہئے۔" شعاع بہت ہی مدھم لہجے میں کہہ رہی تھی اور ادعیہ سوچ رہی تھی کہ اس سے زیادہ بڑھ کر کیا ہو گا۔ وہ فقط لچک پذیری کی بات کر رہی تھی اور کہاں وہ جھک کر قدموں کی خاک ہو گئی تھی۔

اپنی انا، اپنا وقار سبھی کچھ کو تو اس نے بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ اب اور باقی کیا بچا تھا۔ شعاع فقط وہیں تک جانتی تھی کہ اسے فقط یہیں سے عداوت اس لئے تھی کہ اس نے سارے اقدامات زبردستی کر کے اسے رخصت کرا لیا۔ اس کے بعد مزید کیا ہوا...... اس پر کیا بیتی، اس نے اس کی خبر کسی کو نہیں ہونے دی تھی۔ خود ہی چپ چاپ جھیلا تھا سب کچھ۔

سارے وار، ساری ماتیں، اور ساری اذیتیں اس نے تن تنہا جھیلی تھیں۔

شعاع کچھ نہیں جانتی تھی...... کچھ بھی نہیں۔

شعاع نے ہولے سے اس کا ہاتھ دبایا تھا۔ "ادعیہ! اعصار شیخ بہت اچھا ہے۔"

"ہاں، جانتی ہوں میں۔" وہ یکدم مسکرائی تھی اور پھر فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ "امی صبح بازار جانے کے لئے کہہ رہی تھیں۔ میں دیکھتی ہوں۔ تم بھی لسٹ تیار کر کے دے دو، پھر مت کہنا، یہ نہیں لائیں اور وہ رہ گیا۔" اس نے مسکراتے ہوئے شعاع کو دیکھا تھا اور پھر دوسرے ہی پل کمرے سے نکل گئی تھی۔

شعاع کتنی دیر تک یونہی بیٹھی اس ایک نکتے پر سوچتی رہی تھی۔

✿......✿

وہ جا کر اپنا تمام ضروری سامان رہبان کے اپارٹمنٹ سے لے آئی تھی۔ مگر جب اس اپارٹمنٹ سے نکل رہی تھی تو جانے کیوں بہت عجیب سے احساسات سے دوچار تھی۔

یہ گھر اس کا نہیں تھا، اس کے لئے نہیں تھا، نہ ہی اس کے مکین سے اس کا کوئی تعلق خاص تھا۔ مگر اس کے باوجود دل میں جانے کیوں جیسے کچھ ٹوٹ سا رہا تھا۔

کتنی بہت سی ویرانی پھیلتی محسوس ہوئی تھی، یہاں سے وہاں تک جیسے بہت سی تنہائی......

مگر وہ تمام احساسات کو پس پشت ڈال کر وہاں سے نکل آئی تھی۔

رہبان ابھی تک کینیڈا ہی میں تھا۔ مگر اس سے ابھی تک کوئی رابطہ فی الحال اس کا نہیں ہوا تھا، نہ ہی اس نے اسے علیحدگی کی کوئی اطلاع دی تھی۔

اس نے جو طے کیا تھا، وہ سبھی کچھ اسی طرح کر رہی تھی۔

رہبان کی انڈیکس میں سے تجل کا نمبر وہ لے آئی تھی۔ اور اب وہ نمبر ملا کر دوسری طرف سے تجل کی آواز کی منتظر تھی۔

"ہیلو، تجل عباس نقوی اسپیکنگ۔"

"ہیلو تجل! میں مژگان ہوں۔ پلیز تم فون بند مت کرنا۔ نہ ہی مزید کوئی بات۔ یہ ریکویسٹ ہے میری تم سے۔ میں زیادہ وقت نہیں لوں گی تمہارا۔ بس میری بات سن لو۔"

تجل کچھ دیر تک خاموش رہی تھی، پھر ہولے سے بولی تھی۔

"کہو!"

مژگان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"تھینک یو۔" اس نے رک کر جیسے تمام ہمتوں کو مجتمع کیا تھا۔ پھر بولی تھی۔ "تجل! ایک ریکویسٹ اور ہے میری، پلیز میرا یقین ضرور کرنا۔ کیونکہ شاید جو کچھ تم سنو وہ تمہارے لئے ناقابل یقین ہو یا پھر ناقابل حقیقت۔ مگر جو کچھ میں کہوں گی، وہی سچائی ہو گی۔ تجل! رہبان عالم شاہ، کچھ نہیں ہے میرا۔ کچھ بھی نہیں ہوں میں اس کی، کوئی تعلق خاص نہیں ہم میں۔ بات فقط اتنی سی تھی کہ ہم دونوں کی مجبوریاں ایک دوجے کے سنگ بندھ گئی تھیں۔ دیٹ واز اونلی اگری منٹ۔ ایک وقتی دستاویز تھی جو ہم دونوں نے سائن کی تھی۔ اور سمجھو اب اس کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہے گی۔ کیونکہ میں اسے چھوڑنے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔" مژگان کی آواز بہت پُراعتماد تھی۔ اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

"تجل! تمہارے متعلق میں اول دن سے جانتی تھی۔ جس دن سے میرا رہبان سے تعلق بندھا تھا۔ مگر اس سے پہلے نہیں۔ ورنہ میں کبھی بھی رہبان عالم شاہ کو مدد کے لئے نہ پکارتی بات یہ تھی کہ مجھے وقتی طور پر سہارے کی ضرورت تھی۔ مگر ایک معاشرتی تقاضے کے تحت یہ بہت ضروری تھا کہ اس رشتے کا کوئی نام ہو...... میں بہت مشکل میں تھی۔ اور تب مجھے احساس بھی نہیں تھا کہ جسے میں اپنی مدد کے لئے پکار رہی ہوں، وہ کہیں اور کمٹڈ ہے۔ مجھے فقط امان درکار تھی۔ وقتی طور پر ایک سائبان درکار تھا۔ اور رہبان عالم شاہ وہ مہربان دوست تھا جس نے مجھے اس وقت میں سہارا دیا۔ میں نے خود اس سے پیشکش کی تھی اس بندھن کو باندھنے کی، اور اس نے بلا تردد وقت کی نزاکت دیکھتے ہوئے وہ تعلق باندھ لیا۔ مگر جب میں اس کے گھر میں داخل ہوئی تو مجھے ہر قدم پر تمہارے اور فقط تمہارے نقش پا ملے۔ ہر جگہ پر،

ہر گام پر، ہر طرف تم ہی تم تھیں۔ رہبان عالم شاہ کی نظروں میں بھی اور دل میں بھی۔ تب مجھے بہت افسوس ہوا تھا۔ میں نے رہبان سے بارہا درخواست کی تھی کہ وہ تمہیں اس ''کاغذی تعلق'' کے متعلق بتا کر اعتماد میں لے لے، مگر وہ بہت سے خدشات کے باعث ایسا کبھی نہ کر پایا۔ جانتی ہو کیوں، کیونکہ وہ تم سے بے انتہا محبت کرتا تھا اور محبت انسان کو جس قدر مضبوط کرتی ہے، اسی قدر کمزور بھی بنا دیتی ہے۔ وہ تمہیں کھونے سے ڈرتا تھا۔

اس کی باتوں میں، اس کی گفتگو میں...... اس کی آنکھوں میں، میں نے بارہا تمہیں دیکھا ہے۔ جتنا اس نے تمہیں چاہا، شاید ہی کوئی کسی کو چاہ سکے۔ وہ اکثر تمہاری باتیں مجھ سے کرتا تھا۔ وہ تم سے بے حد...... بے حساب محبت کرتا تھا۔ پھر کیسے وہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچا سکتا تھا۔ میں اس کی وکالت ہرگز نہیں کر رہی ہوں، میں حقائق بیان کر رہی ہوں۔ اگر میں ایسا نہ کروں تو شاید میری روح پر بھی ایک بار رہ جائے گا اور یہ میرے لئے ناقابل برداشت ہو گا۔ میں نے رہبان عالم شاہ کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ بہت قریب سے جانا ہے۔ مگر ایک دوست کی حیثیت سے۔ ہمارے تعلق کا عنوان خاص تھا فقط، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور شاید وہ تعلق اسی روز ختم ہو جاتا، جب میری مشکل ختم ہو گئی تھی۔ مگر تب ایک مسئلہ یہ آن کھڑا ہوا کہ رہبان عالم شاہ کے گھر والے اس عرصے میں مجھے اپنی حقیقی بہو تصور کرنے لگے اور رہبان عالم شاہ کی مجبوری کو دیکھتے ہوئے مجھے مزید اس کا ساتھ دینا پڑا۔ کیونکہ رہبان عالم شاہ اپنے پیرنٹس کو ایک بار پھر کھونا نہیں چاہتا تھا۔'' مژگان نے رک کر ایک گہری سانس خارج کی تھی، پھر بولی۔

''سجل! محبت بہت وسعت رکھتی ہے۔ بدگمانی ہو بھی جائے تو اسے بات کر کے رفع کیا جا سکتا ہے۔ گو جو کچھ ہوا، وہ بہت زیادہ ہے۔ مگر اتنا خیال کرو، ہم وقت کے ہاتھ میں ہیں، ہم خود سے کچھ نہیں کرتے۔ وقت ہم سے سب کچھ کرواتا ہے۔ ہم فقط مہرے ہیں...... رہبان عالم شاہ کل بھی تمہارا تھا اور آج بھی...... میں کل بھی اس کے لئے غیر تھی اور آج بھی اجنبی ہوں۔ ہم میں کل بھی صدیوں کی دوری تھی اور آج بھی ہم میلوں کی دوری پر کھڑے ہیں۔ اس کا سب کچھ تم ہو...... سب کچھ۔'' مژگان نے بہت تھکے ہوئے انداز میں کہا تھا۔ دوسری طرف سجل جانے کیوں چپ ہی رہی تھی۔ تبھی مژگان بولی تھی۔

''تمہیں سب کچھ ناقابل یقین لگ رہا ہے، غیر حقیقی۔ مگر ایسا ہوا ہے۔ پلیز بلیو می، ایسا ہو چکا ہے۔ میں نے رہبان عالم شاہ کو تمہارے لئے روتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور تڑپتے ہوئے بھی۔ تم بہت لکی ہو، اس کی آنکھوں کی تمام روشنی کہتی ہے کہ وہ فقط تمہاری دید کا متلاشی ہے۔ اس کا لہجہ کہتا ہے کہ وہ فقط تمہیں چاہتا ہے اور......''

''اور......؟'' سجل یکدم ہنس دی تھی۔ شاید طنز کا کوئی انداز تھا یہ بھی۔

مژگان چونکہ پہلے سے تیار تھی، سو اطمینان سے مسکرائی تھی۔

''اور یہ کہ پلیز تم اسے معاف کر دو۔ اگرچہ اس کی کوئی خطا نہیں۔ ہاں اگر خطا وار ہوں تو میں ہوں۔ یا پھر وقت جو ہم دونوں کو مدمقابل لے آیا۔ مگر میں نے جب سے جانا ہے کہ تم اس کیفیت سے گزر رہی ہو تو میں نے اپنی ہر راہ علیحدہ کر لی ہے۔ یہ ''کاغذی رشتہ'' اپنے اختتام کو جا رہا ہے۔ اور......''

''کیا گارنٹی ہے کہ تم جو کہہ رہی ہو، وہ درست ہے؟'' سجل یکدم اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی تھی۔

''گارنٹی؟'' مژگان مضبوط لہجے میں بولی۔ ''گارنٹی تو کوئی بھی نہیں سجل! مگر کیا یہ بات یقین کرنے کو ناکافی ہے کہ میں اس کی زندگی میں موجود تھی، اس کے قریب تھی اور اب اپنی رضا سے تمہیں سونپ رہی ہوں۔ سوچو، اگر میرا اس سے کوئی جذباتی رشتہ ہوتا یا پھر کوئی دل کا تعلق ہوتا تو کیا میں اس قدر آسانی سے یہ سب کچھ کر سکتی تھی؟ تم کہو...... اگر وہ تمہارے پاس ہوتا تو کیا تم اپنی رضا سے اسے مجھے سونپتیں؟'' مگر دوسری طرف سجل خاموش ہی رہی تھی۔ تبھی مژگان نے کہا۔

''تمہاری چپ کہہ رہی ہے کہ تم ایسا قطعی نہیں کرتیں۔ جانتی ہو سجل! محبت جہاں وسعت رکھتی ہے، وہیں بہت تنگ دل اور تنگ نظر بھی ہے۔ کسی پرائے کا سایہ بھی برداشت نہیں کر سکتی یہ اپنی شے پر۔ کجا اپنے ہاتھوں اسے کسی کو سونپ دینا۔''

''آئی کانٹ بلیو اٹ۔ اب میں اس کا یقین قطعی نہیں کر سکتی۔ کسی صورت بھی نہیں۔'' سجل نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ ''بہت دھوکے کھائے ہیں میں نے اس جھوٹی محبت کے ہاتھوں۔ مگر اب اور نہیں۔ اس نے نہ صرف میرے اعتماد کو چکنا چور کیا ہے بلکہ مجھے بھی توڑ پھوڑ دیا ہے۔ پھر اب وہ کیا چاہتا ہے؟ کیوں وہ تم سے اپنی وکالت کروا رہا ہے؟''

''سجل! اس نے مجھے ایسا کرنے کو قطعی نہیں کہا۔ یہ میں خود کر رہی ہوں۔''

''کیوں کر رہی ہو تم یہ...... کس لئے کر رہی ہو...... تمہارا اس میں کیا انٹرسٹ ہے؟''

''سجل! میں تمہاری طرح نہیں سوچتی۔ مجھے کسی بھی طرح کا کوئی انٹرسٹ نہیں۔ مگر میں...... تم یہ کہہ سکتی ہو کہ میں تم دونوں کی سچی خیر خواہ ہوں۔ میں خوش دیکھنا چاہتی ہوں تم دونوں کو۔ کیونکہ تم دونوں کے درمیان آج جو بھی خلیج حائل ہے، اس کا سبب صرف میں ہوں۔ شاید

تم میری جگہ پر ہوتیں تو تم بھی خود کو مجرم محسوس کر رہی ہوتیں۔ اور اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو
شاید میں بھی اسی قدر بدگمان ہوتی۔"
"تم اب مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" سجل ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے ٹریک پر آئی
تھی۔ مژگان کچھ دیر خاموش رہی، پھر بولی تھی۔
"اسے تھام لو...... اسے سہارا دو...... وہ تمہاری طرف سے کسی پیام کا منتظر ہے۔ اسے
تمہارا انتظار ہے...... وہ تمہارا متلاشی ہے...... تم اسے دکھائی دو۔ وہ جی اٹھے گا...... اس کا ہاتھ
تھام لو...... اسے منزل مل جائے گی۔ وہ بہت اداس ہے، مضطرب ہے، تنہا ہے، ادھورا ہے،
تمہارے بغیر وہ کچھ بھی نہیں ہے۔" بہت دھیمے، مدھم لہجے میں وہ بولی تھی۔ مگر دوسری جانب
سجل مسکرا دی تھی۔
"تم بہت اچھا بول لیتی ہو۔ جی چاہ رہا ہے تم سے ملوں، تمہیں دیکھوں۔"
مژگان مسکرا دی تھی۔ "وائے ناٹ۔ یہ ناممکن نہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ ملاقات مثبت
نوعیت کی ہوگی۔"
"نتائج کے متعلق قبل از وقت میں کوئی یقین نہیں دلا سکتی۔ مگر تمہاری گفتگو سن کر مجھے
تمہیں دیکھنے کا شوق ہو چلا ہے۔" سجل جواباً بولی تھی۔ "میں دیکھنا چاہتی ہوں اس زمانے میں
اتنی مختلف لڑکی کیسے رہ رہی ہے، کیسے جی رہی ہے۔ اور واقعی ایسی ہے بھی یا نہیں۔"
"تو پھر کب مل رہی ہو مجھ سے؟" مژگان جلد سے جلد اس مشکل کو آسان کرنا چاہتی
تھی۔ "کسی بھی شام میرے گھر آ جاؤ۔"
"او کے......"
مژگان نے فون کا سلسلہ منقطع کر کے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ پتہ نہیں وہ سجل کو
قائل کر سکی تھی یا نہیں۔ مگر وہ اس کوشش میں تھک ضرور گئی تھی۔ پتہ نہیں جو وہ کر رہی تھی، وہ
صحیح بھی تھا کہ نہیں۔
دنیا میں کون ہوگی ایسی لڑکی جو اپنی مانگ خود سونی کرنے کو ہاتھ پیشانی تک لے جائے!
خود اپنے گھر سے نکل کر کسی اور کے سواگت کے لئے راہ ہموار کر دے۔ اپنا شوہر کسی اور
کو سونپ دے۔
مگر وہ ایسا کر رہی تھی۔ ایسا کر چکی تھی۔
ایک کمزور سی لڑکی تھی وہ......
مگر وہ کر رہی تھی، سب کچھ......

مطلب کچھ نہیں تھا، اجر کچھ نہیں تھا...... کوئی ثواب بھی نہیں تھا۔
فقط عذاب ہی عذاب آنکھوں میں اتر رہے تھے۔ مگر وہ بہت اعتماد سے سب کچھ جھیل
رہی تھی۔
آسان نہیں تھا یہ سب کچھ، بہت جان لیوا تھا، جاں گسل تھا۔ مگر وہ بہت ہمت کے ساتھ
بخت کے مقابل ڈٹ گئی تھی۔
اندر کہیں بھی اطمینان نہیں تھا...... مگر وہ پُراطمینان نظر آنے کی کوشش کر رہی تھی۔
اندر ہی اندر کچھ ٹوٹ رہا تھا، کچھ بکھر رہا تھا۔ مگر وہ خود کو بہت پُراعتماد ثابت کر رہی تھی۔
فون بند کر کے اب بھی وہ فقط اسی نہج پر سوچے جا رہی تھی کہ سجل کے ساتھ ہونے والی
ملاقات میں وہ اسے کس طرح قائل کرے گی۔ رہبان عالم شاہ کے آنے سے قبل وہ سارے
معاملات سلجھا لینا چاہتی تھی۔
وہ اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی جب سیو کمرے میں داخل ہوئی تھی۔
"وہ رہبان عالم شاہ آ گئے ہیں جی۔"
مژگان یکدم ہی چونک پڑی تھی۔ مگر پھر دوسرے ہی پل سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی
تھی۔
"تم...... کب آئے؟" وہ اس طرح خوشدلی سے مسکراتے ہوئے پوچھ رہی تھی، جیسے ہر
شے معمول پر ہو۔ کچھ بھی تبدیل نہ ہوا ہو۔ سب کچھ ٹھیک ہو۔
رہبان عالم شاہ کتنی دیر تک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر چلتا ہوا اس کے قریب
آن رکا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا تھا، پھر اپنے ہاتھ اس کے شانے پر دھر
دیئے تھے۔
مژگان کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا تھا۔ وہ بہت اعتماد سے اس گھڑی اس کی جانب متوجہ
ہو پڑتی تھی۔ مگر نگاہیں جانے کیوں جھک گئی تھیں۔
"تم نے کیوں کیا ایسا؟ کیا ہے یہ سب کچھ؟" بہت مدھم انداز میں رہبان عالم شاہ اس
سے دریافت کر رہا تھا۔ مگر اس کے لہجے کی جذباتیت...... اس کی گرفت سے بہت واضح تھی۔
مژگان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔
اس کی نگاہوں سے ایک گہرا اضطراب جھلک رہا تھا۔
مژگان پڑھنا چاہتی تھی، اس کی نگاہوں کو، اس کے چہرے کو اور جاننا چاہتی تھی وہ ساری
کائناتیں جواب تک منکشف نہ ہو سکی تھیں۔

وہ پڑھنا چاہتی تھی، وہ تمام کہانیاں جو سدا اس شخص کی نگاہوں کی سرد مہری کی دبیز تہہ میں سمٹی رہی تھیں۔

وہ کبھی خوش گماں نہیں رہی تھی مگر نگاہ اس گھڑی اس شخص کے چہرے پر ٹھہری تھی تو پھر جھکی یا ہٹی نہیں تھی۔

جانے کیوں لمحہ بھر کو دل چاہا تھا کہ کچھ عجب ہو۔ جو گماں سے باہر ہو اور یقین سے دور۔ کچھ ایسا کہ دل مانتے ہوئے نہ مانے اور عقل سمجھتے ہوئے نہ سمجھے۔

دھوکا ہی سہی، خواب وخیال ہی سہی۔ لمحہ بھر کو ہی سہی مگر کچھ تو ہو۔ گمان گمان سی کوئی بات ...... خواب خواب سا کوئی واقعہ۔ کوئی کومل سا پل دل دھڑکائے، گھڑی بھر کو ہی سہی، کچھ ایسا ہو تو۔

کتنی شدت سے دل چاہا تھا۔ مگر وہاں دوسری طرف ویسی ہی سرد مہری چھائی ہوئی تھی۔ ان نگاہوں کے سمندر آج بہت گہرے اور ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ تھک کر سر جھکا گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے بہت ہولے سے مژگان کا ہاتھ تھام لیا تھا اور ساتھ ہی بولا تھا۔

''چلو واپس۔'' اس مختصر سے جملے میں جانے کیا تھا کہ مژگان کا دل یکبارگی دھڑکا تھا۔

اگر مان تھا تو قابل دید تھا۔ اگر کچھ اور تھا تو ناقابل یقین تھا۔ شاید اسی باعث اس کی آنکھوں میں بھی تحیر آن ٹھہرا تھا۔

''مژگان پلیز۔ آئی کین نیور سروائیو ود آؤٹ یو۔'' کتنا مدھم سا لہجہ تھا۔ مگر کیسے سارے ماحول کو اپنی گرفت میں باندھ گیا تھا۔ ہر شے اسی ایک جادو کے زیر اثر آ چکی تھی۔

مژگان اس گھڑی اس کی سمت، اس کی طرف، اسی طور دیکھتی رہی تھی۔ اور تب اسی کیفیت میں بنا کسی بات کی پرواہ کیے رہبان عالم شاہ اس کا ہاتھ تھام کر چل پڑا تھا۔ اور وہ ایک معمول کی طرح اس کے سنگ چلنے لگی تھی۔

ایسا کیا تھا اس لمحے میں کہ وہ کوئی تردد کر ہی نہ پائی تھی۔

کوئی مزاحمت جیسے ہو ہی نہ پائی تھی اور وہ چلتی چلی گئی تھی۔ ہاتھ اس شخص کے ہاتھ میں تھا اور اس سے آگے کچھ بھی تو سوچا نہ گیا تھا۔

❁......❁

فاصلے سمٹ بھی سکتے ہیں، بشرطیکہ انہیں سمیٹنے کی سعی کی جائے۔ مگر جب ایسی کوئی تدبیر نہ کی جائے تو پھر فاصلے بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں اور صدیوں پر محیط ہو جاتے ہیں۔

ان دونوں کے درمیان بھی صورت حال ایسی ہی تھی۔ دونوں فریقین اپنی اپنی جگہ خود کو درست تسلیم کیے بیٹھے تھے۔ اور شاید دونوں ہی اپنی کوتاہیوں کو ماننے کو تیار نہ تھے۔ اسی لئے فاصلے سایوں کی طرح پھیلتے اور بڑھتے چلے جا رہے تھے۔

اس گھڑی بھی وہ ایک کمرے میں تھے۔ قدرے فاصلے پر تھے مگر ایک دوسرے سے یوں لاتعلق تھے، جیسے ایک دوسرے سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ کوئی واسطہ ہی نہیں۔ کتنے اور بہت سے لوگ بھی تھے کمرے میں، مگر وہ مروتاً بھی اس تعلق کو نہیں نبھا رہے تھے۔

شادی کی تاریاں ابھی سے عروج پر پہنچ چکی تھیں۔ ڈیوریشن چونکہ بہت کم تھا اس لئے سب کچھ بہت تیزی کے ساتھ وقوع پذیر ہو رہا تھا۔

ادعیہ ضروری اشیاء کی فہرست تیار کر رہی تھی، جب فہد اس کے پاس آن بیٹھا۔

''تم دونوں میں کیا ناراضگی ہے؟''

اور ادعیہ بے انتہا چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ ایسے میں بلا ارادہ ہی پہلا دھیان اس شخص کی جانب گیا تھا۔ عین اسی گھڑی وہ بھی اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔ اعصار شیخ کی نگاہوں میں کچھ تھا۔ کوئی ناگواری، کوئی کاٹ۔ ادعیہ اگرچہ خوفزدہ نہیں تھی، پھر بھی لمحہ بھر میں ہی اس کی جانب سے نگاہ پھیر کر بہت ہولے سے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ ساتھ ہی بولی تھی۔

''شعاع سے میری کبھی ناراضگی ہو ہی نہیں سکتی۔ تم نہیں جانتے، وہ مجھ سے بہت پیار کرتی ہے۔'' اس نے جانتے بوجھتے دانستہ بات کا رخ شعاع کی سمت پھیرا تھا۔ وہ جواب ان کے تمام لمحوں سے فرار نہیں چاہتی تھی مگر اس طرح سر عام اسے کسی طور یہ قبول بھی نہ تھا۔ مگر اس شخص نے کیسا عجب کھیل کھیلا تھا اس کے ساتھ کہ اسے ایک جہاں کے سامنے تماشا بنا رہا تھا۔ اور اگرچہ اس کا قصور کہیں نہیں تھا۔ مگر ہر الزام دیتی نگاہ پھر بھی اسی کی طرف اٹھ رہی

تھی۔ انہی سب باتوں سے بچنے کے لئے تو اس نے یہ کڑوا گھونٹ پیا تھا۔

یہ شکست، یہ پسپائی اپنے نام کی تھی مگر اس کی کارکردگی پھر بھی صفر رہی تھی۔ وہ بظاہر اپنی دانست میں فہد کو جواب دے کر مطمئن کر چکی تھی، مگر وہ بہت مدھم انداز میں مسکراتا ہوا بدستور اسے تکتا گیا تھا۔ ادعیہ کو معلوم تھا، وہ متواتر اسے دیکھ رہا ہے۔ شاید اسی باعث وہ سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟''

''نہیں...... کچھ نہیں۔'' وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے دھیان ہٹا گیا تھا اور ادعیہ نے اس لمحے شکر کیا تھا۔ ساتھ یہ گہری سانس خارج کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''میں یہ لسٹ امی کو دے کر آتی ہوں۔'' اس نے اطلاع دینے کے ساتھ ہی قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔ دروازے کی طرف سے نکلتے ہوئے لحہ بھر کو اعصار شیخ سے نگاہ ٹکرائی تھی۔ جانے کیوں وہ اس کی طرف متواتر دیکھے جا رہا تھا۔ ادعیہ کو کسی طرح کی کوئی فکر لاحق نہ تھی۔ اسی باعث وہ دوسرے ہی پل بے تاثر انداز میں آگے بڑھ گئی تھی۔

''بن گئی لسٹ؟'' امی نے لسٹ پر طائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

''جی۔ دیکھ لیجئے، اگر کوئی شے رہ گئی ہو تو بتا دیجئے، میں لکھ دوں گی۔''

''نہیں، ٹھیک ہے فی الحال۔'' امی نے عجلت میں لسٹ پر سے نگاہ ہٹاتے ہوئے عین سامنے دیکھا تھا۔ ''آؤ اعصار بیٹا!''

ادعیہ سر جھکا گئی تھی۔ اعصار شیخ یقیناً اس گھڑی اس کی پشت پر آن رکا تھا۔

''ادعیہ نے لسٹ بنا لی ہے۔ تم اس کے ساتھ بازار چلے جاؤ۔''

امی کے کہنے پر ادعیہ نے یکدم سر اٹھایا تھا۔

''امی...... وہ میں...... مجھے تو ابھی شعاع کے سوٹوں کی پیکنگ بھی کرنا ہے۔'' اس نے بروقت بہانہ تراشا تھا۔

''وہ سب بھی ہوتا رہے گا۔ فی الحال یہ از حد ضروری ہے۔'' امی نے اس کی بات کو ایک پل میں رد کر دیا تھا۔ ساتھ ہی لسٹ اس کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔ اور تب ادعیہ کے لئے فرار کے سارے راستے مسدود ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ سر جھکا کر خالی خالی نظروں سے لسٹ کو دیکھنے لگی تھی۔ امی وہاں سے ہٹ چکی تھیں۔ اور اب اس کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ اس شخص کے سنگ ہو لے۔

کس قدر مشکل ہوتا ہے خود کو مارنا۔ اپنے آپ کی نفی کرنا۔ دل جو نہ چاہ رہا ہو، وہ سب

...اور ان چاہی راہوں پر قدم دھرنا اور کسی ناپسندیدہ فرد کی ہمراہی قبول کرنا۔

...ساری ناقابل قبول باتوں کو قبول کرنا اور سر جھکانا۔ ہر بار عزت نفس کو مارنا۔ وقار کو ...ح کرنا اور خود کو شکست خوردہ دیکھنا۔ اس کے لئے ہر راہ جیسے آخری راہ تھی۔ سو اس گھڑی ...نے قدم اٹھائے تھے اور ایک بار پھر چل پڑی تھی۔ وہ شخص اس کا ہم قدم تھا۔ اس کے ...سنگ چل رہا تھا۔ مگر ہر شے کس قدر بے معنی تھی۔ ہر احساس سے عاری۔ ہر طرح کے ...ے سے خالی۔

...کوئی بھی تو امنگ نہ تھی کہیں۔

کہیں کوئی احساسِ سرشاری نہ تھا۔ کتنی خاموشی کے ساتھ وہ شاپنگ کرتی رہی تھی۔ ...کسی ایک بھی لمحے ایک دوجے کو بات کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ اور اب گاڑی ...بھی اس سکوت کے باعث شاید گھٹن بہت بڑھ گئی تھی۔ تبھی اس شخص نے ہاتھ بڑھا کر ...ٹ پلیئر آن کر دیا تھا۔

ہم تم جیسے جا رہے ہیں
جیون گزر ہی رہا ہے
لیکن دن بدن...... اک جنوں
جانے کیوں بے وجہ
بڑھے جا رہا ہے
...نہی کہو
کیا ہوا وہ پیار
کہو ہمیں
کیوں نہیں قرار

...میں کتنی شدت تھی۔ لفظوں میں کتنی ذومعنویت تھی۔

...کتنے پہلو نکلتے تھے گرفت میں لینے والے۔

...اگر یہ پیش قدمی تھی تو قابل ستائش تھی۔

...اعتراف شکست تھا تو دلکش ترین تھا۔

...اگر اقدام تجدیدِ عہدِ وفا تھا تو خوب تر تھا۔

...اگر کوئی پیش رفت تھی تو خرد مندی کے زمرے میں رکھی جا سکتی تھی۔ اگر صلح کے نام پر ...بڑھایا جانے والا ہاتھ تھا تو موقع مناسب ترین تھا۔

اگر کوئی تقریب اعتبار منعقد کرنے کی کوشش کر رہا تھا تو یہ کوشش یقیناً سود مند ہو سکتی تھی
مگر اس سب کے باوجود دوسری طرف حد درجہ اجنبیت نگاہوں میں لئے ادعیہ شیخ انتہائی بے
تاثر چہرے کے ساتھ متواتر کھڑکی سے باہر دیکھے جا رہی تھی۔ اعصار شیخ کی نظریں بھی ونڈ
اسکرین پر مرکوز تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ اسموکنگ بھی جاری تھی۔ بار بار گہرے کش لینے اور فضا
کو دھواں دھواں کرنے کا انداز بتا رہا تھا کہ دوسری جانب یقیناً صورت حال مکمل طور پر ٹھیک
نہیں۔ گاڑی سیاہ کولتار کی سڑک پر تیزی سے دوڑی جا رہی تھی اور اس خاموش فضا میں مغنیہ
کی آواز پھیلتی جا رہی تھی۔

پاس ہیں
نہیں ہیں کیا؟
ساتھ ہیں
نہیں ہیں کیا؟
اجنبی رہیں گے کیا؟
جی کی جلن بڑھ رہی ہے
آنکھیں سلگنے لگی ہیں
ہم اور تم
رات دن
راستے ہی جدا کئے جا رہے ہیں
تمہی کہو
کیا ہوا وہ پیار؟
کہو ہمیں
کیوں نہیں قرار

موسمِ دل کی کیفیات بیان کرنے کا ڈھنگ بلاشبہ دلفریب تھا۔
شکوہ تھا تو دلکش ترین تھا۔
کوئی چپ رہ کر، کچھ نہ کہہ کر بہت کچھ باور کرا چکا تھا۔

پاس ہیں
نہیں ہیں کیا؟
ساتھ ہیں

نہیں ہیں کیا؟
اجنبی رہیں گے کیا؟
اجنبی رہیں گے کیا؟

نہیں کیا ہوا تھا، ادعیہ کا ہاتھ یکدم ہی کیسٹ پلیئر آف کرنے کو بڑھا تھا۔ عین اسی
وقت اعصار شیخ نے بھی اپنا ہاتھ بڑھایا تھا۔ اور اب اس لمحے اعصار شیخ کا ہاتھ ادعیہ کے ہاتھ

ادعیہ اس اتفاق کے لئے قطعی طور پر تیار نہ تھی۔ تبھی بہت چونک کر اعصار شیخ کی سمت
اس کا ہاتھ بدستور اس کے ہاتھ پر تھا۔ کتنا لطیف سا لمس تھا۔
کتنی مانوس سی حدت تھی۔
مگر کتنا سکوت سا تھا اس شخص کی آنکھوں میں۔
پھر اس طرف ہی کوئی سمجھنے کی دسترس نہ رکھتا تھا۔
دونوں فریق لمحہ بھر کو ایک دوجے کی سمت متوجہ ہوئے تھے۔ فقط ایک لمحے بھر کی بات
اور پھر دونوں اجنبی تھے۔ ادعیہ نے ایک پل میں نگاہ پھیر لی تھی اور ساتھ ہی اپنا ہاتھ
کھینچ لیا تھا۔ توجہ مکمل طور پر کھڑکی سے باہر مرکوز کر دی تھی۔ مگر اس کے باوجود جانے
پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے ابھر آئے تھے۔
نازک سا ہاتھ جیسے اب بھی اس لطیف بوجھ کے حصار میں تھا۔
لمس ابھی تک جلتا محسوس ہو رہا تھا۔
دوسری جانب بھی کوئی بے تاثر انداز میں ونڈ اسکرین کی جانب دیکھے جا رہا تھا اور لفظوں
کی تکرار اس ساکت ماحول کے سکوت کو توڑنے کے جتن کر رہی تھی۔

تمہی کہو
کیا ہوا وہ پیار؟
کہو ہمیں
کیوں نہیں قرار؟
اجنبی رہیں گے کیا؟

تکرار بڑھتی جا رہی تھی۔ مگر دونوں اپنی اپنی انا کی دیواروں میں مقید چپ چاپ بیٹھے
تھے۔

وہ جو ہمرہی کا غرور تھا، وہ سوادِ راہ میں جل بجھا
تو ہوائے عشق میں گُھل گیا، میں زمیں کی چاہ میں جل بجھا
جو کتابِ عشق کے باب تھے، تیری دسترس میں بکھر گئے
وہ جو عہد نامۂ خواب تھا، وہ مری نگاہ میں جل بجھا
ہمیں یاد ہو تو سنائیں بھی، ذرا دھیان ہو تو بتائیں بھی
کہ وہ دل جو محرمِ راز تھا، کہاں رسم و راہ میں جل بجھا
کہیں بے نیازی کی لاگ میں، کہیں احتیاط کی آگ میں
تجھے میری کوئی خبر بھی ہے، مرے خیر خواہ میں جل بجھا

کتابِ زندگی کے مختلف ابواب میں جو باب سب سے زیادہ تڑپاتا اور تنگ کرتا ہے، وہ بابِ ماضی ہے۔ انسان اپنے کل سے کبھی نہیں نکلتا۔ آج چاہے جتنا مرضی دلکش و دلفریب ہو، مگر گزرے کل میں جانے ایسی کیا بات ہوتی ہے کہ لاکھ کوشش و خواہش کے باوجود انسان اس گزرے کل سے دامن نہیں چھڑا سکتا۔

آج دلفریب سہی، آنے والے کل کی فکر اپنی جگہ۔ مگر گزرے کل کی اہمیت سے انکار نہیں۔

عمر کا کوئی بھی حصہ ہو، وہ کل کی معنویت سے بھرپور لگتا ہے۔ پُرکشش ترین لگتا ہے۔ جو پکڑتا ہے، جکڑتا ہے، دامن گیر ہوتا ہے اور خود سے باہر نہیں نکلنے دیتا۔ کوئی جتنا چاہے آگے بڑھ جائے، پلٹ کر پیچھے دیکھنے سے خود کو قطعی طور پر باز نہیں رکھ سکتا۔

سیّد وجاہت شاہ عرصہ دراز قبل جس کل کو بہت پیچھے چھوڑ کر دنیا کے ہنگاموں میں کھو گئے تھے، اب اگر پلٹے تھے تو اسی اپنے کل کو کھوج رہے تھے۔

انہیں اعتراف کرنا پڑا تھا کہ وہ کبھی ان گزرے لمحوں کے حصار سے نکل ہی نہیں سکے۔

کچھ تو تھا۔ تبھی سیّد وجاہت شاہ کے قدم کل کی بھولی بسری داستاں، ریچا سنگھ کی اس رہائش گاہ کا طواف کر رہے تھے۔ مگر دل کسی قدر بجھ سا گیا تھا یہ جان کر کہ اب وہاں کچھ نہیں...... کوئی نشان باقی نہیں۔

کل اپنے پَر سمیٹ کر وقت کی بھول بھلیوں میں کھو چکا تھا۔

کوئی بھی تو نہیں تھا وہاں...... کچھ بھی تو باقی نہیں بچا تھا۔

ہر شے ماضی کا حصہ بن کر گرد سے اٹ چکی تھی۔

کتنی گرد تھی۔ اور وجاہت شاہ گرد سے اٹے ان راستوں پر چلتے جا رہے تھے۔

کہیں کوئی نقشِ پا نہیں تھا۔ کہیں کوئی نشان باقی نہیں تھا۔ اور دل کیسا بجھتا چلا جا رہا تھا۔

عرصہ دراز قبل اس حویلی کے مکین اپنا ناتا اس ملک سے توڑ کر کہیں بیرون ملک سدھار چکے تھے۔ کہاں؟ اس کی خبر کسی کو نہ تھی۔

حویلی میں موجود منتظم کچھ بھی بتانے سے کنی کترا رہا تھا۔ اور مزید کریدنا سیّد وجاہت شاہ کو مناسب نہ لگا تھا۔

اجالا سسکیاں لیتا رہا گھر میں
دیا دہلیز پر جلتا رہا
جس کو
کسی جاں بخش ساعت میں
مقدس آگ سے روشن کیا اس نے
وہ انسان دیوتا تھا یا مسیحا تھا
وہ بھولا تو نہیں ہو گا
نہ جانے بے وفا دنیا کے کتنے کام تھے
نہ جانے کتنے دھندے تھے
کہ وہ بھی آج تک پلٹا نہیں
کوئی بھی تو وعدہ نہیں تھا

کوئی وعدہ نہیں کیا تھا ہم نے...... کوئی عہد نہیں...... کوئی پیمان نہیں۔

ریچا سنگھ کی آواز کی بازگشت کتنی ہی دیر تک فضاؤں میں گونجتی رہی تھی اور سیّد وجاہت شاہ اسی طرح چلتے چلے گئے تھے۔

تم ہم پر کوئی الزام عائد نہیں کر سکتے۔ ہم نے پہلے ہی تنبیہہ کر دی تھی۔ باور کرا دیا تھا۔ اب ہمیں موردِ الزام ٹھہرانا بے سود ہے۔

"بے سود ہی تو رہا سب کچھ۔ بے فائدہ، لا حاصل۔" سیّد وجاہت نے بہت ہولے سے جیسے خود کلامی کی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم ریچا سنگھ! میں کیوں آج بھی تمہیں کھوج رہا ہوں۔ حالانکہ میں جانتا ہوں تم کہیں نہیں ہو...... کہیں بھی نہیں۔ مگر اس کے باوجود میرے چار سو، تم ہی تم ہو۔"

برسوں بعد یہ اعتراف ایک بار پھر کیا تھا۔

"تم بہت دیوانے ہو وجاہت شاہ! آئی ول نیور فورگٹ یو۔"

ریچا سنگھ کی مترنم ہنسی کتنی ہی دیر ان کے اردگرد بکھری رہی تھی۔ وہ جانتے تھے، اس

بازگشت کو سمیٹیں، اس گزرے کل کو تھامیں، مگر ایسا قطعی ناممکن تھا۔

"ریچا سنگھ! تم واقعی خواب تھیں۔ حسین تر...... دلفریب ترین۔ اور یہ کہ تم واقعی ناقابلِ فراموش ہو۔ کیسے بھولوں میں تمہیں؟ تم نے کہا تھا، کچھ بھی نہیں ہے یہاں۔ کچھ بھی نہیں سب ایک لمحے کی بات ہے، وقتی ہیجان ہے یہ۔ اور پھر سب کچھ تھم جائے گا۔ مگر دیکھو، یہاں کچھ بھی نہیں تھما ہے۔ آج بھی اگر میرے دھیان کے طاقچوں میں تم سفر کرتی ہو تو کچھ تو تھا جو آج بھی باقی ہے۔

تمہاری یاد اگر آج بھی میرے دل کے ٹھہرے سمندر میں تلاطم برپا کرتی ہے تو کچھ تو حقیقت ہوگی اس کی۔ گو میرا تم سے کوئی تعلق نہیں، کچھ بھی نہیں ہو تم میری۔ اس کے باوجود دل تمہیں نہیں بھلا پایا تو کوئی تو بات ہے ایسی۔

جانے کون ہے وہ، جو تم سے ملتی ہے۔ تم جیسی ہے۔ اس کی شباہت کو دیکھوں تو دل بے ساختہ کہتا ہے کہ کوئی تعلق تو ہے۔ کیا؟ یہ میں نہیں جانتا۔ بالکل تم ہی جیسی تو ہے وہ۔ لگتا ہے تم میرے سامنے روپ بدل کر آگئی ہو۔

مگر وہ بھی اجنبی ہے۔

پھر دل اسے دیکھ کر کیوں مضطرب سا ہو اٹھا ہے۔

کیوں لگتا ہے کہ وہ کوئی ہے...... بہت اپنی سی...... مگر وہ تم جیسی کیوں ہے؟

میں قطعی نہیں جانتا۔

وہ معمولی سی لڑکی، گاؤں کی اجڈ سی باسی، کیا بات ہے اس میں ایسی؟ اس کے معصوم چہرے پر کیسی کشش ہے کہ دل کھنچتا ہے۔ کیوں لگتا ہے کہ میرا اس سے کوئی خاص تعلق ہے؟ حالانکہ میں اس سے قبل اس سے ملا بھی نہیں۔ اسے دیکھا بھی نہیں۔ پھر اس بچی کو دیکھتے ہی میرے اندر کے موسموں میں یکدم تبدیلی سی کیوں آنے لگتی ہے؟ کچھ نہیں جانتا میں، کچھ بھی نہیں۔ مگر میں پھر بھی یہ سب نہ سمجھنے والی باتیں سوچتا رہتا ہوں۔ ان سب الجھی کہانیوں کو سوچتا رہتا ہوں۔ اس کے باوجود کہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔

سیّد وجاہت شاہ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور پھر گھر کی سمت جانے والے راستوں پر گاڑی ڈال دی تھی۔

✿......✿

خود کو کردار سے اوجھل نہیں ہونے دیتا
وہ کہانی کو مکمل نہیں ہونے دیتا

سنگ بھی پھینکتا ہے دور کہیں ساحل سے
اور پانی میں بھی ہلچل نہیں ہونے دیتا
دھوپ میں چھاؤں بھی رکھتا ہے سروں پر لیکن
آسمان پر کبھی بادل نہیں ہونے دیتا
ابر بھی بھیجتا رہتا ہے کبھی بستی میں
گلی کوچوں میں بھی جل تھل نہیں ہونے دیتا
روز اِک لہر اٹھا لاتا ہے وہ خوابوں کی
اور پلکوں کو بھی بوجھل نہیں ہونے دیتا

کل سے اب تک وہ اسی کیفیت میں تھی۔ حالانکہ جو ہونا تھا، کچھ اتنا عجب بھی نہ تھا۔ مگر جانے کیوں تحیر کی یہ کیفیت ٹوٹ نہیں رہی تھی۔ وہ شخص اس کے سامنے تھا۔ انداز میں بھی کوئی غیر معمولی تبدیلی واقع نہ ہوئی تھی۔ کوئی چونکا دینے والی کیفیت نہ تھی۔ مگر پھر بھی ایسا جانے کیا تھا کہ وہ ان لمحوں کی گرفت سے ابھی تک نکل نہ سکی تھی۔

"آئی کین نیور سروائیو ود آؤٹ یو۔"

پتہ نہیں اس جملے کی کوئی حقیقت بھی تھی کہ نہیں۔ مگر مژگان کی سماعتوں میں وہ جملہ حرف آخر کی طرح محفوظ ہوگیا تھا۔

پتہ نہیں اس تعلق کو واقعی وہ شخص قائم رکھنا چاہتا تھا کہ نہیں۔ اور اس میں اس کی مرضی شامل تھی بھی کہ نہیں۔ جس طرح استحقاق کا استعمال فی الحال ہوا تھا، وہ ناقابلِ یقین تھا۔

وہ آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا جب علی شاہ کا فون آگیا تھا اور تب وہ اس سے گفتگو میں مصروف ہوگیا تھا۔

مژگان اٹھ کر باہر نکل آئی تھی۔ سیو کچن میں موجود تھی اور ناشتہ تیار کر چکی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرائی تھی۔

"ناشتہ تیار ہے۔" سیو نے اطلاع دی تھی۔ مژگان ٹیبل پر آن بیٹھی تھی اور "ڈان" کے صفحات کھول کر اپنے سامنے پھیلا لئے تھے۔ مگر ذہن جانے کیوں کسی اور جانب مائل ہی نہ ہو رہا تھا۔ سیو نے ناشتے کی ٹیبل لگا دی تھی۔

"آپ کا کچن بہت خوبصورت ہے۔ ہر شے بہت ویل آرگنائزڈ ہے۔ مجھے قطعی محسوس نہیں ہوا کہ پہلی بار اس کچن میں انٹر ہوئی ہوں۔" سیو کی بول چال میں تبدیلی واضح محسوس ہو رہی تھی۔ وہ پک کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ مژگان کی بات چیت سے یقیناً وہ بہت کچھ

سکھ رہی تھی۔ مژگان نے نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا، پھر ہولے سے مسکرا دی تھی۔ وہ لمحہ بھر کو کنفیوژ ہوئی تھی، پھر جواباً بہت ہولے سے مسکرا دی تھی۔

''ویٹس گڈ۔'' مژگان نے اپنی تمام تر کیفیات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

''بیٹھو تم بھی۔''

سیو لمحہ بھر کو ہچکچائی تھی۔ ''نن...... نہیں۔ میں صبح کا ناشتہ نہیں کرتی۔ میرا موڈ نہیں۔ میں نے چائے لے لی تھی۔'' سیو نے بروقت بہانا تراشا تھا۔ ساتھ ہی مسکرائی تھی۔

''میں ذرا سمندر کا نظارہ کرلوں۔'' اور اس کے ساتھ ہی اس نے پیش قدمی کر دی تھی۔

مژگان نے کچھ دیر تک اسی طرح اسے دیکھا تھا، پھر نظریں ''ڈان'' کی طرف مرکوز کر دی تھیں۔ ساتھ ہی چائے کے سپ لینے لگی تھی۔ تبھی رہبان عالم شاہ اس طرف آ گیا تھا۔ کرسی کھینچ کر عین اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ اسے ایک نگاہ دیکھا تھا، پھر ساتھ ہی مسکرا دیا تھا۔

''اینی فریش نیوز؟'' اس کے رغبت سے نیوز پیپر دیکھنے پر یقیناً لطیف سا طنز تھا۔ مژگان نے چہرے کے سامنے سے نیوز پیپر ہٹایا تھا اور پھر بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''محترم علی شاہ شادی فرما رہے ہیں۔'' مسکراتے ہوئے اطلاع دی تھی۔ مژگان پہلے حیران ہوئی تھی، پھر شاید اخلاقاً مسکرا دی تھی۔

''ویٹس اے گڈ نیوز۔''

''محترم ناراض ہو رہے ہیں بلکہ باقاعدہ غیرت دلا رہے ہیں کہ کیسے دوست ہو، دوست کی شادی پر غائب ہو۔'' اپنے لئے چائے بناتے ہوئے رہبان عالم شاہ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

''تم بریک فاسٹ نہیں لے رہیں؟'' اسے اسی طرح بیٹھے دیکھ کر وہ حیران ہوا تھا۔

''نہیں...... ہاں، لے رہی ہوں۔'' مژگان نے جیسے چونکتے ہوئے اپنا کپ اٹھایا تھا۔

''شام کو تیار رہنا، حضرت کی تقریب ہے کوئی۔ میں نے تو صاف کہہ دیا، پہلی فرصت میں کارڈ لے کر اپنی بھابی کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ کہہ رہا تھا، ڈھنگ سے شادی کی ہوتی تو کچھ علم بھی ہوتا۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ مژگان فقط خاموشی کے ساتھ دیکھے جا رہی تھی۔

رہبان عالم شاہ عجلت میں بریک فاسٹ مکمل کر کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''شام کو تیار رہنا، میں جلد لوٹ آؤں گا۔'' وہ جانے کو کھڑا ہو گیا۔ پھر جانے کیا یاد آنے پر واپس پلٹا تھا۔ مژگان اسے اسی طور تک رہی تھی۔

''تمہیں کسی شے کی ضرورت تو نہیں؟'' جانے کس خیال کے تحت اس نے پوچھا تھا۔

مژگان نے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''اوکے!'' رہبان عالم شاہ نے لمحہ بھر کو اسے دیکھا تھا، پھر پلٹ کر باہر نکل گیا تھا۔ اور مژگان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور اٹھ کر سیو کے پاس آ گئی تھی۔

''آپ کا یہ گھر بھی بہت اچھا ہے۔ اس گھر سے چھوٹا ہے مگر بہت خوب صورت ہے۔ خصوصاً یہاں سے سمندر کا یہ نظارہ بہت خوب صورت لگتا ہے۔'' سیو بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ مژگان بھی جواباً مسکرا دی تھی۔

''مگر مجھے سمندر سے بہت ڈر لگتا ہے۔''

''کیوں؟'' سیو لمحہ بھر کو حیران ہوئی تھی۔ مژگان نے چپ رہ کر سمندر کو دیکھا تھا۔

''پتہ نہیں۔ مگر اس کی وسعت مجھے بہت ڈراتی ہے۔''

''میں نے کہیں پڑھا تھا کہ جو لوگ سمندر کی وسعت سے خوف زدہ ہوتے ہیں، ان کے اندر کسی طرح کا عدم تحفظ پایا جاتا ہے۔'' سیو نے بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا اور مژگان اسے کتنے ہی پل خاموشی سے تکتی رہی تھی۔ پھر یکدم ہی سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

''خدا کا شکر ہے، میرے ساتھ ایسا معاملہ نہیں ہے۔''

''شاید اس لئے کہ رہبان صاحب جیسا مضبوط سہارا آپ کے ساتھ ہے۔'' سیو نے اتنی بڑی بڑی باتیں کرنا جانے کہاں سے سیکھ لیا تھا۔

مژگان چونکی تھی۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''شاید......'' پھر اسے بغور تکتے ہوئے مسکرا دی تھی۔ ''تم بہت سمجھدار ہو گئی ہو۔ آج شام کو رہبان کے ایک دوست کی شادی کی کوئی تقریب ہے، تم چلو گی؟''

''نہیں جی، میں گھر پر ہی ٹھیک ہوں۔ مجھے اس سب کچھ کی عادت نہیں۔'' سیو نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ مژگان جواباً بہت ملائمت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''ہجوم سے ڈرتی ہو؟''

سیو نے فوراً ہی سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ تبھی مژگان نے مسکراتے ہوئے نظریں شوریدہ سر سمندر پر مرکوز کر دی تھیں۔

''جانتی ہو، میں نے بھی کہیں پڑھا تھا کہ جو لوگ ہجوم سے ڈرتے ہیں، ان کے اندر کسی طرح کا عدم تحفظ تو پایا ہی جاتا ہے، ساتھ ہی ان میں کونفیڈنس کی بھی کمی ہوتی ہے۔''

سیو اس کے لطیف سے مذاق پر دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"آپ نے بالکل ٹھیک پڑھا ہے۔ میں واقعی لوگوں کا سامنا نہیں کر سکتی۔ یوں بھی یہ ماحول میرے لئے بالکل نیا ہے۔"

"جب تک تم ملوجلو گی نہیں، یہ ماحول تمہارے لئے نیا ہی رہے گا۔ میں تمہیں ان سب باتوں کے لئے تیار کرنا چاہتی ہوں۔"

اور تب جانے کیوں سیو کی آنکھوں میں بہت سا پانی آن ٹھہرا تھا۔

"پاگل۔" مژگان نے اس کی کیفیت سمجھتے ہوئے اسے تھام کر ساتھ لگا لیا تھا۔ اگرچہ وہ کچھ اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی، مگر اسے پھر بھی دوسروں کی فکر تھی۔ وہ اب بھی دوسروں کے لئے سراپا محبت تھی۔ حالانکہ خود اپنے اندر کتنی تاریکی بکھری ہوئی تھی۔

❁......❁

مرے ہم سفر، ہے وہی سفر
مگر ایک موڑ کے فرق سے
ترے ہاتھ سے مرے ہاتھ تک
وہ جو ہاتھ بھر کا تھا فاصلہ
کئی موسموں میں بدل گیا
اسے ناپتے، اسے کاٹتے
مرا سارا وقت نکل گیا
تو مرے سفر کا شریک ہے
میں ترے سفر کا شریک ہوں
مگر اک پل مرے ہم سفر!
کہ جو درمیاں سے نکل گیا
اسی ایک پل نے جنم دیا ہے یہ فاصلہ
اسی فاصلے کے شمار میں
اسی بے یقیں سے غبار میں
اسی رہگزر کے حصار میں
ترا راستہ کوئی اور ہے
مرا راستہ کوئی اور ہے

ڈھولک کی تھاپ پر بہت مدھر آوازوں کا سلسلہ جاری تھا۔ عمر اور فہد باقاعدہ بھنگڑا ڈال

رہے تھے۔ رانیہ بھی ساتھ تھی۔ ادعیہ مسکراتے ہوئے ایک کونے میں دبکی بیٹھی، بہت ہولے ہولے تالیاں بجا رہی تھی، قریب ہی شجاع بیٹھی ایک ماہر آرائش خاتون سے اپنی ہتھیلیوں پر مہندی لگوا رہی تھی۔ کچھ ہی فاصلے پر اعصار شیخ، امی کے ساتھ کھڑا یقیناً کسی اہم معاملے پر بات چیت کر رہا تھا۔ ادعیہ نے ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی تھی، پھر مسکراتے ہوئے دوبارہ اسی ماحول کا حصہ ہو گئی تھی۔ عین اسی لمحے فہد اس کی سمت بڑھا تھا۔ اس نے بوکھلا کر سرنفی میں ہلایا تھا۔ مگر فہد کے ساتھ رانیہ نے بھی اصرار کیا تھا اور وہ کھنچتی چلی گئی تھی۔ موقع خوشی کا تھا، اس کی بہت عزیز بہن کی رسم مہندی تھی۔ تردد کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ اس نے پلٹ کر شجاع کی سمت دیکھا تھا جو ان سب کی شرارت پر مسکرا رہی تھی۔

"شجاع! منع کرونا انہیں۔ مجھے یہ سب بالکل نہیں آتا۔" اس نے بہت کمزور سے لہجے میں منت کی تھی۔ مگر نقار خانے میں اس کی آواز کسی نے نہیں سنی تھی۔ فہد مسکراتے ہوئے اسے بازو سے تھامے گھمانے لگا تھا۔

"کیا ہے بھئی۔ مجھے نہیں آتا یہ سب۔" وہ شور کے باعث چیخ کر گویا ہوئی تھی۔ فہد، رانیہ اور عمر مسکرا رہے تھے۔

"یہ مواقع بار بار نہیں آتے۔" جواز معقول تھا۔ مگر اس نے مسکراتے ہوئے سہولت سے ہاتھ کھینچ لئے تھے اور ساتھ ہی تیزی کے ساتھ مڑ کر اندر کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔ وہ اپنے ہی دھیان میں چل رہی تھی، جب یکدم ہی کسی نے اس کا ہاتھ گرفت میں لے لیا تھا اور اسی سرعت سے اسے راہداری میں ایک جانب کھینچ لیا تھا۔ اس کے اپنے ہی گھر میں یہ "واردات" بہت اچانک تھی اور اسی قدر ناقابل یقین۔ وہ قطعی اس کے لئے تیار نہیں تھی۔ تبھی شاید دل ایک لمحے میں بہت تیزی سے دھڑکا تھا اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔

بہت سے گہرے گہرے سانس خارج کرتے ہوئے ادعیہ نے خود کو معمول پر لانے کی کوشش کی تھی اور تب یکدم ہی احساس ہوا تھا کہ اس کا سر کسی شے کے ساتھ ٹکا ہوا ہے۔ اس نے سرعت کے ساتھ چونکتے ہوئے سر اٹھایا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر قبل جس فراخ سینے پر اس کا سر تھا، وہ کوئی اور نہیں، اعصار شیخ تھا۔ وہ کتنے ہی پل سمجھ میں نہ آنے والی کیفیات کے ساتھ اس کی جانب خالی خالی نظروں سے تکتی رہی تھی۔ وہ ڈری نہیں تھی۔ سہمی نہیں تھی۔ ذہن کو تمام طرح کی سوچوں سے آزاد کرتے ہوئے وہ فقط اس لمحے کی شدت کو سمجھنا چاہ رہی تھی۔ اس اقدام کے متعلق جاننا چاہ رہی تھی

کہ آخر اس کی وجہ کیا تھی؟ اسباب کیا تھے؟ وہ مکمل طور پر پُرسکون تھی۔ انداز مطمئن تھا مگر کیسے شعلے سے نکل رہے تھے اس شخص کی نگاہوں سے جیسے وہ ان آنکھوں کی تپش سے کسی کو جھلسا دینے کا ارادہ رکھتا ہو۔

ادعیہ کے لئے ایسی کسی بات کی کوئی وقعت نہ تھی۔

کسی کا مزاج کیوں بدلتا ہے، کس طور بدلتا ہے اور کیونکر بدلتا ہے؟ کسی ایسی بات سے کوئی سروکار نہ تھا۔ شاید اسی باعث اس نے پلٹ کر وہاں سے آگے بڑھ جانا چاہا تھا جب احساس ہوا کہ اس کا نازک ہاتھ مکمل طور پر اس شخص کی آہنی گرفت میں ہے اور مرمریں کلائی پر اس کے ہاتھ کا دباؤ بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

بنا کچھ کہے اس نے سر اٹھا کر اس شخص کی سمت دیکھا تھا۔

شادی والا گھر تھا۔ مہمانوں کی بہتات تھی۔ ابھی تھوڑی دیر بعد مہندی کی تقریب کا آغاز ہونے والا تھا۔ اس پر یہ افتاد۔ یقیناً وہ کوئی نیا ایشو اٹھانا نہیں چاہ رہی تھی۔ نہ ہی لوگوں کی دلچسپیوں کا مرکز بننا چاہتی تھی۔ تعلق خاص درمیان تھا مگر اسے سرِ راہ موضوع بننا قطعی طور پر منظور نہ تھا۔

"بہت شوق ہے تمہیں مرکزِ نگاہ بننے کا۔" زہر میں بجھا ہوا مدھم لہجہ یکدم ابھرا تھا۔ خشمگیں نگاہیں اس کے چہرے پر تھیں۔ آہنی ہاتھ کے دباؤ سے کانچ کی کتنی ہی چوڑیاں ٹوٹتی چلی گئی تھیں۔ کتنی ٹوٹ کر کلائی میں چبھ گئی تھیں۔ درد کی شدت سے ادعیہ کی سسکی سی نکل گئی تھی۔ اس نے آنکھیں کرب سے میچ لی تھیں۔

وہ مکمل استحقاق جتاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"نفرت ہے مجھے ہر اس شے سے جس پر تم نگاہ کرتی ہو۔ ہر اس چیز سے جسے تمہارا لمس میسر آتا ہے۔ حسد کرتا ہوں میں اس ہوا سے بھی جس میں تم سانس لیتی ہو۔ اس سارے ماحول سے جس کا تم حصہ ہو، جس میں تم چلتی پھرتی ہو، ہنستی بولتی ہو۔ حاسد ہوں میں ان سب باتوں کا جو تم اوروں سے کرتی ہو۔ اوروں سے ہنستی ہو۔" کتنی شدت تھی، کتنی کاٹ تھی لہجے میں۔ انداز میں کتنی بھرپور تپش تھی۔

اس کی آہنی گرفت کی شدت سے ادعیہ کی آنکھیں نمناک ہوتی چلی گئی تھیں۔ اس نے بھیگی پلکوں کو اٹھا کر اسے دیکھنا چاہا تھا مگر تکلیف اس قدر تھی کہ آنکھیں پھر میچنا پڑی تھیں۔ مگر اس شخص کو سرے سے جیسے احساس ہی نہ تھا۔

"بہت چاہتا ہوں بے خبر رہوں، بے خبر رکھوں ہر بات سے خود کو۔ تمہیں دیکھوں بھی

نہیں مگر..... یہ سب..... سب بہت مشکل ہے۔ نہیں باز رکھ سکتا میں خود کو..... چاہوں بھی تو نہیں۔" کہہ کر ایک گہری سانس خارج کی تھی اس نے۔ اس کی سمت ایک بھرپور نگاہ ڈالی تھی پھر ایک جھٹکے سے اس کی کلائی چھوڑ کر وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ ادعیہ دیوار سے ٹیک لگائے بھیگی آنکھوں سے اپنی کلائی کو دیکھنے لگی تھی جہاں اس شخص کی گرفت کے نشان ثبت ہو کر رہ گئے تھے۔ ٹوٹی ہوئی چوڑیوں سے کتنے زخم لگے تھے۔ کتنے بہت سے چھوٹے کانچ کے ٹکڑے نازک کلائی میں کھب کر رہ گئے تھے۔ درد کی شدت انتہا پر تھی۔

کس قدر ظالم اور سفاک شخص تھا وہ۔ شقی القلب، تنگ دل، تنگ نظر۔ خود بلا خوف و خطر ہر قدم دھر رہا تھا اور نفرت کرتا تھا اس ہوا سے بھی جس میں وہ سانس لیتی تھی۔ حسد کرتا تھا ہر اس نگاہ سے جو اس پر اٹھتی تھی۔

کوئی حق نہیں تھا اس کا۔ مگر استحقاق قابل دید تھا۔

✿......✿

یہ مرا و تیرہ ہے
دل ایک جزیرہ ہے
خشکی ہے میرے لب پہ
آنکھوں میں سمندر ہے
ہے فاصلہ اتنا سا
خشکی سے سمندر کا
ہے پیاس جزیرے میں
بوحال ہے اندر کا
یہ پیاس بجھانے کی
ثروت ہے میرے دل میں
خوف تو ہے ساحل میں
حرت ہے میرے دل میں

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ بہت سے گزرتے لمحے بھی کسی بات کی شدت کو بھلا نہیں سکتے۔ کچھ کیفیات بہت شدت کے ساتھ اسی طور اپنا تاثر قائم رکھتی ہیں۔ لوٹنے کے بعد اب تک کا وقت بہت عجیب سا تھا۔ پہلے میں اور اب میں بہت فرق آ چکا تھا۔

وہ پہلے بھی اس گھر میں رہی تھی۔ ایک طویل عرصے تک قیام کیا تھا مگر کچھ بھی عجیب نہیں

تھا۔ وہ جیسے اس ماحول کا حصہ تھی۔ ہر شے مانوس تھی۔ مگر اب جیسے ہر کیفیت بدل گئی تھی
مسلسل خود کو معمول کا حصہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ خود کو نارمل ظاہر کرنا چاہ رہی تھی
کیفیات پر مکمل طور پر قابو پائے ہوئے تھی۔ مگر ہر بار احساس ہوتا تھا کہ کچھ بھی ویسا
ہے۔ کچھ بھی نہیں۔

نہ یہ گھر...... نہ وہ شخص...... نہ اس سے وابستہ کوئی شے۔

دل جانے کیوں معمول پر نہ تھا۔ ایک گہرا اضطراب اندر باہر ہچکولے لے رہا تھا۔

اس شام وہ علی شاہ کی شادی کی تقریب میں جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی، جب
ہی آنکھوں سے خود بخود پانی بہتا چلا گیا۔ وہ ہاتھوں میں وہی کنگن پہن رہی تھی جو اس
نے اپنے ہاتھوں سے پہنائے تھے اور پھر دوبارہ کبھی نہ اتارنے کی تلقین کی تھی۔ مگر جب
اس اپارٹمنٹ سے اپنا ضروری سامان لینے آئی تھی، تب یہ تمام چیزیں بہت احتیاط کے
اتار کر لاکر میں رکھ گئی تھی۔ اور آج رہبان عالم شاہ جانے کیوں یہ سب چیزیں نکا
بذات خود اس کے سامنے رکھ گیا تھا۔

بچہ تو نہ تھا وہ، کیا وہ مختلف تقاضوں کو نہیں سمجھ سکتا تھا؟ کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ ا
کچھ نہیں ہے؟ اور پھر کیوں اس کو اس طرح خود کا پابند کر رہا ہے؟ کیوں اسے مسلسل
راستوں پر چلا رہا ہے جہاں سے ایک دن اسے واپس مڑ کر آنا ہے۔

وہ کیوں نہیں سمجھ رہا کہ وہ جب پلٹے گی تو گرد آلود راستے اسے بے نشان ملیں گے
کیونکر احساس دلائے۔ آخر وہ خود بھی تو سمجھدار ہے۔

وہ سر جھکائے اسی طور آہستگی کے ساتھ تمام چوڑیاں اور کنگن اپنی کلائی میں بھر رہی
منظر مسلسل دھندلا رہا تھا۔ کتنا بہت سا پانی تھا آنکھوں میں۔ مگر وہ چپ چاپ سر جھکا
کا غبار دھو رہی تھی۔ اگرچہ وہ کسی بھی طرح خود کو اس کے سامنے کمزور ظاہر نہیں کرنا چا
مگر یہ سچ تھا کہ اب وہ واقعی ہمتیں کھونے لگی تھی۔

رہبان عالم شاہ کچھ ہی فاصلے پر تیار ہو رہا تھا۔ مژگان کی اس کی جانب پشت تھی
شاید وہ اس کی کیفیات کو جان نہ سکا تھا۔ ٹائی کی ناٹ باندھتے ہوئے یکدم ہی اس
ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں موجود اس کے عکس پر پڑی تھی۔ تبھی وہ چونکا تھا۔

''مژگان!'' بے قراری سے پکارا گیا تھا۔ ساتھ ہی سرعت کے ساتھ قدم اس کی
اٹھے تھے۔

مژگان کے لئے بھی شاید اب یہ سب کچھ برداشت سے باہر تھا۔ تبھی وہ اس کی

...کر رہبان عالم شاہ کے چوڑے مضبوط شانے پر سر رکھ کر سسکنے لگی تھی۔ کتنے بہت سے
...اس شخص کے فراخ سینے میں جذب ہونے لگے تھے۔ فوری طور پر رہبان عالم شاہ کچھ
...پایا تھا مگر اس کے باوجود وہ بہت رسانیت کے ساتھ اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے
...اپنی بازو کا حصار اس کے گرد کھینچ گیا تھا۔ یقیناً یہ اقدام تسلی تھا اور محض وقتی ضرورت
...تھا۔ وہ قطعی نہ جان پایا تھا کہ ایسا کیوں ہوا۔ مگر ایسا ہوا تھا۔ اور اس نے ایسا کیا تھا۔
...کتنی ہی دیر تک چپ چاپ آنسو بہاتی رہی تھی۔ پھر یکدم ہی حواس لوٹنے لگے
...ایک بے اختیاری کی کیفیت خود پر سمیٹنے لگی تھی۔ شعور یکدم ہی سر اٹھانے لگا تھا اور
...کے ارتعاش نے سارے وجود میں ہلچل سی مچا دی تھی۔ اس نے سنبھل کر اس
...سلسلے کو موقوف کیا تھا اور تمام تر حواسوں کو قابو میں کرتے ہوئے بہت ہولے سے اپنا
...یا تھا۔ اسی طرح سر جھکائے جھکائے، بغیر اس کی جانب دیکھے ہاتھ کی پشت سے
...ر گزرا تھا پھر رخ پھیر کر کھڑے ہو کر وہ یونہی ڈریسنگ ٹیبل کی سطح پر موجود جیولری کی
...نے لگی تھی۔ یقیناً خفت کا انداز تھا یہ بھی۔

...بان عالم شاہ نے اسے فقط خاموشی سے دیکھا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا۔ سفید شیفون کی
...میں اس کا نازک اندام سراپا قابل دید تھا۔ اس گھڑی اس کے سامنے سنگ مرمر سے
...ا کوئی پیکر ایستادہ تھا۔ پشت پر بکھرے ہوئے گھنے سیاہ بال ایک عجیب تاثر قائم کر
...ے۔ جانے کیوں وہ کئی پل متواتر اس کی سمت دیکھے گیا تھا۔ پھر یکدم ہی یہ سلسلہ
...ہوا تھا۔ وہ پلٹا تھا اور چلتا ہوا دروازے کے قریب جا رکا تھا۔ دروازہ کھولتے ہوئے
پلٹ کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ یونہی رخ پھیرے کھڑی تھی۔

''...باہر انتظار کر رہا ہوں۔'' ایک مختصر سا جملہ اس کی سمت اچھالا تھا اور پھر سرعت کے
...نکل گیا تھا۔ مژگان کتنے ہی لمحے اسی طرح کھڑی اپنی دھڑکنوں کو اختیار میں کرنے
...کرتی رہی تھی۔

✿......✿

...وں کو کیسے مل سکے خوابوں پہ اختیار
...قزح کے رنگ کہیں ٹھہرتے نہیں
...بدلتے جاتے ہیں نظروں کے ساتھ ساتھ
...اک دشت میں لاکھوں سراب ہوں
...اک خیال کی شکلیں ہوں بے شمار

اس نے سمجھا تھا کہ سب کچھ بہت سہل ہے۔ ہر شے پر اختیار پانا، سب کچھ قابو میں کر، ہر بات کی نفی کرنا، اپنی زندگی کو اپنے زاویۂ فکر سے جینا اور ہر طرف سے آنکھیں بند کر لینا، مگر ایسا کچھ نہ تھا۔ کچھ بھی نہیں۔

ہر شے کتنی مشکل تھی۔ سارے لمحے کتنے جاں گسل تھے۔ اور دل......

ادعیہ نے اردگرد کے تمام شور سے کان بند کرتے ہوئے دل میں پوری شدت سے خواہش کی تھی کہ وہ اس ماحول کا حصہ نہ بنے۔ وہ آنکھیں بند کرے اور کہیں دور چلی جائے، اور جگہ، جہاں یہ سب کچھ نہ ہو۔ ایسا کچھ بھی نہیں، یہ سب ناممکن تھا بہت سی اور باتوں کی طرح۔ تبھی وہ ایسی بہت سی باتوں کو جھٹکتے ہوئے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

محبتیں جب شمار کرنا تو سازشیں بھی شمار کرنا
جو میرے حصے میں آئی ہیں، وہ اذیتیں بھی شمار کرنا
یہ سردیوں کا اداس موسم کہ دھڑکنیں برف ہو گئی ہیں
جب ان کی یخ بستگی پرکھنا، تمازتیں بھی شمار کرنا

"کیا ہوا...... یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟" ایک مانوس آواز پر اس نے بوکھلا کر آنکھیں کھولی تھیں۔ نمیرا عین اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ تمام کیفیات پر قابو پاتے ہوئے بہ سہولت کے ساتھ سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"اوں...... ہوں۔"

"پھر اس طرح اکیلی کیوں بیٹھی ہو یہاں؟" نمیرا نے اسے بغور دیکھتے ہوئے جانچا تھا۔ وہ جانتی تھی، اس کا خیر خواہ ان میں سے کوئی نہ تھا۔ تبھی وہ مزید وہاں رکنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"تم دونوں کے درمیان کوئی وسیع خلیج اب تک جوں کی توں قائم ہے؟" نمیرا نے ہ... سے ہنستے ہوئے اچانک ہی کہا تھا۔ ادعیہ کے قدم اپنی جگہ ساکت ہو گئے تھے۔ پتہ نہیں... جاننے کی خواہاں تھی۔ جب تک وہ اس گھر میں رہی تھی، جتنا بھی عرصہ قیام کیا تھا، اس... رویہ اگر اس گھر کے مکینوں سے بہت گرمجوش نہیں تھا تو بہت سرد بھی نہیں رہا تھا۔ اس نے اگر حق دوستی نہیں نبھایا تھا تو کبھی دشمنی کی بھی نہیں ٹھانی تھی۔ مگر اس کے ہا... اگر کوئی اس کی مخالفت کر رہا تھا تو اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کا باعث کون تھا؟

ادعیہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی تھی۔ جیسے فقط خاموشی کی زبان میں اسے باور... چاہتی ہو کہ "اسٹے آؤٹ آف دی میٹر۔ (اس معاملے سے باہر رہو)"

مگر نمیرا جانے کیوں دھیمے سے مسکرا دی تھی، بنا اس تنبیہ کو سمجھے یا پھر سمجھتے ہوئے نظر انداز کر رہی تھی۔

"کتنی بے وقوف لڑکی ہو تم۔ ایک جہاں کو چھوڑ کر اس نے تمہاری جانب پیش قدمی کی تھی... ہو تم......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ایک بار پھر مسکرا دی تھی۔ "ادعیہ! تم واقعی لکی ون تھیں۔ مگر تم... قائم نہیں رکھ سکیں۔ اگر تمہاری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو بھرپور انداز میں اس کی... کرتی۔ مگر تم...... پتہ نہیں تمہیں اپنی فکر کیوں نہیں۔ سوچو، اگر وہ راہ بدل لے گا تو تمہارے حق میں کتنا برا ہو گا۔ اس گھر میں تمہاری قدر اور وقعت اگر ہے تو فقط اسی کے باعث ہے۔ اگر تم اس کے دل سے اتر گئیں تو پھر کیا باقی رہ جائے گا؟"

ادعیہ بہت اطمینان سے مسکرائی تھی۔ "تمہیں میری فکر کیوں ستا رہی ہے؟"

"پتہ نہیں۔ مگر مجھے تم پر بہت ترس آ رہا ہے۔ اس کے سامنے کئی راستے ہوں گے۔ اس سب کچھ کے باوجود، مگر تم پر زندگی کے سبھی دروازے بند ہو جائیں گے۔ تمہیں اس کے بارے میں سوچنا چاہیے۔" نمیرا نے کہتے ہوئے بہت ہولے سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ ادعیہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ وہ اس گھڑی بغور اس کے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ لکیروں کو... رہی تھی۔

"میں نے جب تمہاری پیشانی دیکھی تھی تو میں نے تبھی کہا تھا کہ تم بہت خوش قسمت ہو۔ تمہاری چمکتی پیشانی بہت سے راز منکشف کر رہی تھی۔ مگر تمہارے ہاتھ کی لکیریں اس سے بھی... آگے ہیں۔ تم واقعی بہت لکی ہو۔ سچ کہوں۔" وہ لحہ بھر کو رک کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ "مجھے تم سے جیلسی محسوس ہونے لگی ہے۔" نمیرا کا انداز اور الفاظ بہت... تھے۔ سمجھ میں نہ آنے والے۔ مگر ادعیہ بہت اطمینان کے ساتھ مسکرا دی تھی۔

"پھر تو تمہیں خوش رہنا چاہیے۔ تمہاری مشکل آسان ہو جائے گی۔"

...ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔ "آؤ، تمہیں اندر چلنا چاہیے۔ میں چچی جان کے کہنے پر تمہیں ڈھونڈنے نکلی تھی اور خود بھی یہیں پر ٹک گئی۔ چلو اندر، شجاع کو کوئی کام ہے۔ وہ کب سے تمہاری منتظر ہے۔" نمیرا نے کہا تو اس نے سر ہلاتے ہوئے اس کے ساتھ پیش قدمی کر لی۔

"تمہاری کلائی پر کیا ہوا؟" اس کا ہاتھ بدستور نمیرا کے ہاتھ میں تھا اور اب وہ چلتے... بغور اسے دیکھ بھی رہی تھی۔ ادعیہ کا دل یکبارگی دھڑکا تھا۔ اس نے فوراً ہی نگاہ چرائی... ساتھ ہی بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

نمیرا اسے دیکھتے ہوئے جانے کیوں اس گھڑی مسکرا دی تھی۔

✿......✿

بعض اوقات بہت سی کوششیں کارگر ہو جاتی ہیں مگر بعض جتنی چاہے سعی کی جائے، کتنی بھی تدبیریں کی جائیں، کامیابیاں ہاتھ نہیں آتیں۔ کتنی کوشش کی تھی اس نے خود کو ہر طرح مصروف رکھنے کی۔ مگر تمام تر مصروفیات کے باوجود تمام کیفیات جوں کی توں قائم تھیں۔

اب بھی جب وہ تنہا بیٹھی تھی تو نظروں کے سامنے باری باری سب کے چہرے آن ٹھہرے تھے۔ بے بے، چاچا اور بہت پیار کرنے والا، مان بخشنے والا بھائی اکبر۔

جانے وہ کیوں ہو جاتا ہے جو ہم نے کبھی سوچا ہی نہیں ہوتا۔

خبر ہی نہیں ہوتی کہ کب کوئی ظالم لمحہ ہماری خوشیوں کو آن دبوچے گا اور ہمارے جان سے پیاروں کو ہم سے ہمیشہ کے لئے الگ کر دے گا۔

کتنا جان لیوا ہوتا ہے یہ دکھ... کوئی اپنا بچھڑ جائے۔ نظروں کے سامنے سے ہٹ جائے۔ ایک پل کے لئے نہیں، ایک دن کے لئے نہیں، ایک مہینے کے لئے نہیں...... ساری زندگی کے لئے۔ لاکھ کوشش پر بھی، خواہش پر بھی پھر کبھی اسے دیکھنے کا یارا ہی نہ رہے۔

دیکھنے کی حسرت دل میں ہی دبی رہ جائے۔ اور پھر یہ حسرت شدید ترین ہو جائے۔ گزرنے والے سارے اچھے لمحوں میں ہمیں احساس ہو جائے کہ یہی لمحے آخری لمحے ہیں تو شاید ہم ان کو مٹھیوں میں قید کرنے کے کوئی جتن بھی کر گزریں۔

مگر یہ سچ ہے، ایسا کوئی ٹونا نہیں۔ کوئی منتر نہیں۔ کوئی جادو نہیں جو گزرنے والے خوش رنگ لمحوں کو گرفت میں لے سکے یا پھر ان یادگار بن جانے والے ہمارے پیاروں کو ہم سے پھر دوبارہ ملا سکے۔

کتنے بہت سے آنسو چپ چاپ آنکھوں سے بہتے چلے جا رہے تھے اور اسے احساس تک نہ تھا۔ گھٹنوں پر سر دھرے وہ یونہی بیٹھی دل کا غبار دھوتی رہی تھی۔

جانے کب مژگان ہولے سے دبے پاؤں چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی تھی۔ اسے چند لمحوں تک یونہی چپ چاپ دیکھا تھا، پھر اس کے قریب بیٹھ کر دھیرے سے اس کے ہاتھ کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ سیو چونک کر دیکھنے لگی تھی۔

مژگان اس کا حوصلہ بندھانے کو بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔ سیو نے فوراً ہی ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑی تھیں۔ ایک عجیب طرح کی خجالت نے اسے آن گھیرا تھا۔ کس قدر خیال رکھتی تھی مژگان اس کا۔ اگر وہ اسی طرح روتی رہتی تو کیا سوچتی وہ...... یقیناً

دل آزاری ہوتی اس کی۔

''میں یہ نہیں کہتی کہ تم کسی کو یاد مت کرو۔ بلکہ ہو سکے تو ان کے لئے دعا کرو۔'' مژگان نے بہت دھیمے انداز میں ایک بار پھر سمجھایا تھا۔

سیو سر جھکا گئی تھی۔ ''میں کیا کروں...... کوئی بات نہیں بھولتی مجھے۔ میں نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ سب مجھ سے اس طرح دور ہو جائیں گے۔'' ایک بار پھر آنسو اس کی آنکھوں سے نکل پڑے تھے۔

''مجھے پتہ ہوتا کہ وہ میرے ساتھ اتنے مختصر عرصے کے لئے ہیں تو میں ان کی خدمتیں کرتے کرتے نہ تھکتی۔ میں ان کی خوشیوں کے سامان ڈھونڈتی۔ انہیں منانے کے جتن کرتی۔ میں ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال کرتی۔ مجھے ایک بات کا ملال ساری عمر ستائے گا کہ میں نے ان کے فیصلے کو دل سے قبول نہیں کیا۔ ان کی خوشی اور خواہش کو مقدم نہیں جانا۔ مجھے پتہ ہی نہیں تھا ایسا کچھ ہو جائے گا۔ مجھے تا عمر ملال رہے گا کہ میں نے دل کی بہت بڑی بات ان سے چھپائی۔'' وہ تاسف سے بولی۔ ''جنہوں نے مجھے اپنی ہتھیلی کا پھپھولا بنا کر رکھا۔ میری ہر ہر خواہش کو مقدم جانا، میرے اتنے ناز اٹھائے، میں انہیں دل کی خوشی نہ دے سکی۔ ان کے بنائے گئے تعلق کو دل سے قبول ہی نہ کر سکی۔'' وہ لمحہ بھر کو رکی تھی۔ مژگان چپ چاپ اسے تکتی رہی تھی۔

''ایک بات جو کسی کو نہیں پتہ، وہ میرے دل پر بار ہے۔ میں نے کبھی کوئی کام ان کی مرضی کے بغیر نہیں کیا۔ ایک معمولی سا انحراف کرنے کی بھی مجھ میں سکت نہ تھی۔ پھر جانے کیسے میں نے اتنا بڑا قدم اٹھا لیا۔ جانے کب میرے دل نے مجھے دھوکا دیا اور کسی اور کا ہو بیٹھا۔ یہ جانے بغیر، یہ سوچے سمجھے بغیر کہ وہ آسمان کا ستارہ اور میں زمین کی خاک ہوں۔ اس کا اور میرا کوئی جوڑ نہیں۔'' وہ چپ ہو کر تمام ہمتوں کو مجتمع کرنے لگی۔

''میں سمجھی ہی نہیں یہ کیسے ہوا۔ بس دل دغا دے گیا مجھ کو۔ بے بے نے جب اس رشتے کی بابت پوچھا تو میں مسلسل انکاری رہی۔ کوئی خوشی نہیں پھوٹی میرے اندر، کسی امنگ نے میرے اندر سر نہیں اٹھایا۔ میں بے بے سے بھی مسلسل انکار کرتی رہی اور میری اس ناخوشی کا سایہ ان پر پڑ گیا۔ جس روز وہ گھر سے جا رہے تھے، میری بات پکی کرنے، میں اس روز بھی شدت سے دعا مانگ رہی تھی کہ یہ بات پکی نہ ہو۔ کسی طرح ٹل جائے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اپنی خواہش کا خمیازہ مجھے اس طرح بھگتنا پڑے گا۔ وہ لمحہ اب تک میرے لئے پچھتاوے کا باعث ہے۔ کاش میں نے وہ دعا نہ مانگی ہوتی۔ کاش میں نے دل کی جگہ ان کے متعلق

سوچا ہوتا۔ کاش میں نے اپنی خواہش کو اہمیت نہ دی ہوتی۔ اگر وہ گھڑی قبولیت کی تھی تو میں نے اس گھڑی میں ان سب کی قربت مانگ لی ہوتی۔ ان کی زندگی مانگ لی ہوتی۔ ان کا سایہ مانگ لیا ہوتا۔ میں نے اس گھڑی کیوں ایسی دعا کی جو ان سب کو نگل گئی؟ میں نے کیوں دل کو اہمیت دی؟ کیوں اپنی خواہشوں کے متعلق سوچا؟ کیوں ان کی خوشی کو ہی اپنی خوشی نہ جانا۔ کیوں میں اعیان عالم شاہ جیسے سراب کے پیچھے دوڑتی رہی۔'' آنسوؤں کے درمیان اس نے ایسا انکشاف کیا تھا کہ مژگان بے انتہا چونک کر اسے تکنے لگی تھی۔

اور اچانک اس گھڑی جو اعیان شاہ بنا آہٹ کئے وہاں آن ٹھہرا تھا، ساکت تو وہ بھی رہ گیا تھا۔

ابھی تھوڑی دیر قبل وہ جو اندر داخل ہو رہا تھا کہ بھابی کو سرپرائز دے کر حیران کر دے گا یا چونکا دے گا تو ان دونوں کو انہماک سے باتیں کرتے دیکھ کر وہ وہیں رک گیا تھا۔ مگر اس لمحے میں جو انکشاف اس پر ہوا تھا، وہ بہت چونکا دینے والا تھا۔

سیو اب بھی اس کی موجودگی سے بے خبر بول رہی تھی۔

''دل کب اس شخص کے سنگ ہوا، مجھے خبر ہی نہیں ہوئی۔ میں تو بہت ڈرنے والی لڑکی تھی۔ حویلی جانے کا خوف ہی میری جان دہلا دیا کرتا تھا۔ جانتی ہی نہ تھی کہ انہی راستوں میں دل گنوا بیٹھوں گی عمر بھر چین ڈھونڈتی پھروں گی۔ مگر جانے کیوں خبر ہی نہ ہوئی۔ حیران تو میں اب ہوں، جب کچھ ممکن ہی نہیں رہا تو پھر میں کیوں چلی اس راہ پر؟ جب سراب تھا سب کچھ تو پھر کیوں بے قراریاں مول لیں میں نے؟ کیوں لکھیں اپنے نصیب میں یہ بے قراریاں؟''

کتنے بھید کھل رہے تھے۔ کیسے کیسے انکشافات ہو رہے تھے۔

وہ تو کبھی سمجھ ہی نہ پاتا، جان ہی نہ پاتا کہ کوئی چپ چاپ کتنے جاں گسل لمحوں سے گزر رہا تھا۔

وہ چاہتا تھا، بغیر آہٹ چپ چاپ واپس لوٹ جائے۔ مگر عین اسی لمحے مژگان پلٹی تھی۔ سیو بھی اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی تھی۔ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں والی کیفیت تھی۔

''تم...... کب آئے؟'' وہ حیرانی سے بولی۔

اعیان شاہ جو تمام اہم انکشافات اپنے کانوں سے سن چکا تھا، یکدم ہی خجل سا ہو کر رہ گیا تھا مگر تمام کیفیات پر اس نے بروقت قابو پایا تھا۔

''السلام علیکم بھابی! ایک ضروری کام سے کراچی آیا تھا۔ اماں نے کہا تھا کہ آپ کی

رف چکر ضرور لگاؤں۔''

''اماں اور ابا جی اگر نہیں کہتے تو تم کیا نہیں آتے؟'' مژگان ہنس کر بولی۔

اعیان عالم شاہ مسکرا دیا تھا۔ مژگان نے چہرے کا رخ پھیر کر سیو کی جانب دیکھا تھا جو ب تک اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ دوبارہ اعیان کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

''آؤ، سٹنگ روم میں بیٹھتے ہیں۔'' اور اس کے ساتھ ہی اس نے قدم آگے بڑھا دیئے ھے۔

سیو نے کب کی رکی ہوئی سانس کو یکدم ہی ایک گہری سانس کے ساتھ خارج کیا تھا اور اٹھ کر چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

کتنے بہت سے خدشات یکدم ہی دامن گیر ہو گئے تھے۔ کتنی شدت سے دل سے صدا بھری تھی کہ خدا کرے، کسی نے کچھ نہ سنا ہو۔

جس راز کو اتنی مدت تک دل میں چھپا کر رکھا تھا، خدا نہ کرے وہ اس طرح کسی تک قل ہوا ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو یقیناً اس کا بچا کھچا مان بھی رخصت ہو جاتا۔

اور اپنے غرور کو مٹتے دیکھنا کتنا بڑا سانحہ ہوتا۔

⚙......⚙

کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ہم جن سے دانستہ بھاگتے ہیں، چھپتے پھرتے ہیں، یونہی سر اہ چلتے ہوئے یکدم ہی ان سے جا ٹکراتے ہیں۔ تجل عباس نقوی نے بھی کتنے جتن کئے اس ے بھاگنے کے لئے۔ مگر اس دن جب وہ چلتا ہوا اس کے سامنے آن رکا تھا تو وہ کتنے ہی لمے ساکت سی اسے تکتی چلی گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ کچھ دیر تک یونہی چپ چاپ اسے بغور تکتا رہا تھا، پھر دھیرے سے بولا ا۔ ''کیسی ہو تم؟''

''کیسی نظر آ رہی ہوں؟'' انداز قدرے کاٹ لئے ہوئے تھا۔

رہبان عالم شاہ خاموشی کے ساتھ ہونٹ بھینچ گیا تھا۔ دونوں کچھ لمحوں تک یونہی کھڑے ہے تھے۔ ایک دوجے سے قدرے اجنبی۔ ایک دوجے سے قطعی لاتعلق۔

کتنی وسیع خلیج حائل تھی آج...... کتنے بہت سے فاصلے درمیان آن پڑے تھے۔

وہ جو کل تک آشنا تھے، آج کتنے اجنبی سے ایک دوجے سے کترائے کترائے سے نظر آ ہے تھے۔

کل تک کتنی باتیں بنا جواز کے ہوا کرتی تھیں اور آج جیسے ہر جواز مٹ گیا تھا۔ کتنی

طویل چپ تھی۔ کیسی خاموشیاں ثبت تھیں دونوں کے لبوں پر۔

''سجل! ہم......'' رہبان عالم شاہ نے کچھ کہنے کو لب کھولے تھے، جب وہ یکدم ہی تیزی سے گویا ہوئی تھی۔

''رہبان عالم شاہ! اب ہر شے بے معنی ہے۔ ہر شے اپنی وقعت کھو چکی ہے۔ پلیز، اب اور نہیں۔''

اور تب رہبان عالم شاہ کچھ بول ہی نہ سکا تھا۔ بس چپ چاپ سا اسے دیکھتا رہا تھا۔

وہ مکمل پُرسکون انداز میں بہت مدھم انداز میں مسکرائی تھی۔ ''چلتی ہوں۔''

اور اس کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر رہبان عالم شاہ سے دور ہٹتی چلی گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ کتنی دیر تک کھڑا یونہی اس سمت تکتا گیا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی اور قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔

✿......✿

تمہاری بھیگتی پلکوں سے میں نے بارہا پوچھا
کہ جلنے اور جلانے میں بھلا کیا لطف آتا ہے
بس اک جھوٹی انا کے واسطے برباد ہو جانا
خودی کے زعم میں انسان کتنے غم اٹھاتا ہے

وہ تیار ہو کر باہر نکل رہی تھی جب عین سامنے وہ کھڑا نظر آیا۔ ادعیہ نظر انداز کر کے ہمیشہ کی طرح آگے بڑھ جانا چاہتی تھی مگر وہ اس وقت چونک گئی جب وہ لمبے لمبے ڈگ بھر کر چلتا ہوا عین اس کے سامنے آن رکا۔ یہ بے حد غیر متوقع تھا۔ وہ کتنے ہی پل ساکت سی کھڑی اس کی سمت تکتی گئی تھی۔ اعصار شیخ نے بھی اسے بغور دیکھا تھا۔ بلکہ سرتاپا بھرپور طور پر اس کا جائزہ لیا تھا۔ پھر بہت ہولے سے گویا ہوا تھا۔

''تمہیں امی بلا رہی تھیں۔''

وہ کچھ نہیں بولی تھی اور اعصار شیخ کو اس لمحے وضاحت دینا ضروری لگا تھا۔

''میری امی۔''

اور تب اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے آگے بڑھنا چاہا تھا۔

''وہ اندر ہیں۔'' وہ باور کرانے والے لہجے میں گویا ہوا تھا اور پھر پلٹ کر تیزی کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔

ادعیہ چند لمحوں تک کھڑی یونہی اس سمت تکتی رہی تھی۔ اس شخص کا رویہ ہی نہیں، خود

شخص بھی اس کی سمجھ میں نہ آنے والا تھا۔ اس سے غیر متوقع اور متوقع قسم کے سارے اسلوب روا رکھنے کی امید رکھی جا سکتی تھی۔

''ادعیہ! کیا ہوا؟ اس طرح کیوں کھڑی ہو؟'' امی نے اسے وہاں سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا اور تب وہ یکدم ہی سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

''امی! تائی اماں کدھر ہیں؟''

''اندر ہیں۔ وہ غالباً تمہارا ہی پوچھ رہی تھیں۔ جاؤ مل لو جا کر۔'' امی نے تلقین کی تھی۔

''جی بہتر۔'' ادعیہ نے سر سعادت مندی سے ہلایا تھا اور ساتھ ہی قدم اندر کی جانب بڑھا دیئے تھے۔ وہ لاؤنج میں قدرے پُرسکون گوشے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ اگرچہ حیران تو تھی۔ ان کی جانب سے بلائے جانے کی ہی حیرت کم نہ تھی۔ اگرچہ وہ اپنی کیفیات پر مکمل طور پر قابو پائے ہوئے تھی مگر اس گھڑی انہیں اپنا منتظر دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی تھی۔ وہ بہت ہولے سے ان کے قریب جا رکی تھی۔

''آپ نے بلایا تھا مجھے؟''

''ہاں...... آؤ بیٹھو۔'' انہوں نے بغور اسے دیکھا تھا۔ ان کا رویہ، لہجہ اور انداز سبھی کچھ پہلے سے بہت مختلف تھا۔ وہ جو سدا ہی بہت سرد مہر رہی تھیں، اس گھڑی ان کے انداز میں ایک عجیب سی ملائمت تھی۔ پتہ نہیں ادعیہ کو ہی ایسا محسوس ہوا تھا یا واقعی ان کا انداز بدلا ہوا تھا۔ اگر واقعی یہ تبدیلی واقع ہو چکی تھی تو یہ یقیناً اس صدی کا سب سے اہم ترین چونکا دینے والا واقعہ تھا۔

جتنا بھی عرصہ وہ ان کے ہاں رہی تھی، ان سے کبھی بھی بات چیت کی نوبت نہیں آئی تھی۔ وجہ وہی ان کی سرد مہری تھی۔ ان کی پرخاش اپنی جگہ، مگر ادعیہ نے کبھی پیش قدمی نہیں کی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ ان سے بات کرتی تو رزلٹ مختلف ہوتا۔ لیکن انہیں ہاسپٹل لے جانے اور بروقت طبی امداد پہنچانے کا تجربہ بھی تو ناقابل فراموش تھا۔ اسے کس طرح تذلیل کا نشانہ بنایا گیا تھا، وہ بھول نہیں سکی تھی۔ پھر آج یہ تبدیلی کیونکر؟ وہ سر جھکائے یونہی بیٹھی ان کی طرف سے منتظر تھی، جب انہوں نے دو تین بھاری پیکٹ اس کی طرف بڑھائے تھے اور ساتھ ہی گویا ہوئی تھیں۔

''تم بہو ہو ہمارے خاندان کی۔ ہمیں اچھا نہیں لگے گا اگر تم اس طرح عام سے کپڑوں کے ساتھ بنا کسی جیولری کے شامل تقریب ہو گی۔ ان میں دو تین بہت بیش قیمت جیولری سیٹ ہیں اور ایک پیکٹ میں تمہارے لئے ڈریسز ہیں۔ تم ان سب چیزوں کو لو اور پہن کر

مجھے دکھاؤ۔"

ادعیہ کتنی ہی دیر تک ان "مراعات" کے متعلق غور کرتی رہی تھی۔ پھر بہت سہولت کے ساتھ مسکرا دی تھی۔

"شکریہ، مگر مجھے ان سب کی ضرورت نہیں۔ میرے پاس بہت کچھ ہے۔ اچھے کپڑے بھی اور جیولری کا مجھے کچھ خاص شوق نہیں۔ بیش قیمت چیزیں رکھنے اور پہننے کی تو یوں بھی عادت نہیں۔ میرے خیال میں، میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔ آپ کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر آپ فقط لوگوں کے خیال کے تحت یہ لائحہ عمل مرتب کر رہی ہیں، تب بھی یہ بے معنی ہے۔ مجھے اپنی زندگی میں بیرونی مداخلت قطعی قبول نہیں۔ میں اپنی زندگی اپنے نظریات کے تحت آزادی کے ساتھ بسر کرنے کی عادی ہوں۔"

اس نے بہت پُرسکون مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا اور اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

عین سامنے اعصار شیخ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ ادعیہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔ نگاہ لمحہ بھر کو ملی تھی، مگر پھر وہ اجنبی انداز میں نگاہ پھیر کر سرعت کے ساتھ اس کے قریب سے گزر گئی تھی۔

اعصار شیخ کی نگاہوں میں جانے کیوں دھواں سا بھر گیا تھا۔ پیشانی پر کتنے بل آ گئے تھے۔

✿......✿

یہ محبت ہے

اسے ہی محبت کہتے ہیں

کسی کو سوچتے رہنا

کسی کو جھانکتے رہنا

محبت ہے

ہمیشہ بے خیالی میں

کتابوں، چاند، تاروں، بادلوں پر

یا کبھی رنگوں کی لہروں پر

کوئی سی جھلملاتی بات لکھ دینا

محبت ہے

کسی کو سوچتے رہنا

محبت ہے

وہ چپ چاپ کھڑی آسمان پر موجود بہت سے تاروں کو دیکھتے ہوئے جانے کن خیالوں

میں گم تھی کہ کسی کے آنے کا اور بالکل قریب آ کر رکنے کا قطعی طور پر احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ "جو کومل سی چھوٹی موٹی سی لڑکی تھی، جس کی سوچ کی شدت ہی اس کی دھڑکنوں کو ساکت کرنے کے درپے رہتی تھی۔ اور اسے ایک پل کی بدلتی صورتحال چونکا دیتی تھی۔ یہ اس گھڑی بھی بے خبر سی کھڑی آسمان پر موجود چاند کو دیکھتے ہوئے اتنی مگن تھی کہ اردگرد کی اسے خبر ہی نہیں تھی۔

تبھی تو اعیان شاہ کتنے ہی پل اسے خاموشی سے بغور تکتا رہا تھا

وہ پہلی بار اسے اس طرح بغور دیکھ رہا تھا۔ اس سے قبل تو اس کی کبھی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ کوئی جواز نظر ہی نہ آیا تھا۔ وہ تو دنیا گھوما تھا۔ کئی چہرے دیکھے تھے، کتنی دلرباؤں سے پالا پڑا تھا۔ دل جیت لینے والے کتنے انداز دیکھے تھے۔ کتنے تیوروں سے واقفیت رہی تھی۔ اس...... اس لڑکی میں تو کوئی بھی ایسی خاص بات نہ تھی۔ نہ کوئی کشش خاص، نہ متوجہ کرنے کی صلاحیت۔ کتنی عام سی لڑکی تھی۔

نہ گفتگو میں کمال، نہ زبان و بیان پر دسترس۔

نہ دل موہ لینے والا انداز، نہ جادو جیسا لہجہ۔

نہ گرفت میں لے لینے والی کوئی خاصیت۔

ایک عام سے دیہاتی ماحول کی لڑکی میں کوئی بھی تو ایسی خاص بات نہ تھی۔ پھر بھلا وہ بھلا کر اس کی جانب متوجہ ہوتا کجا کسی قسم کا کوئی التفات کرتا۔

کتنی حیران کن تھی یہ بات کہ وہ ایک عرصے سے چپ چاپ اسے چاہ رہی تھی اور دل ما بسائے بیٹھی تھی۔

کیا ایسا ممکن تھا...... کیا ایسا ممکن ہے کہ کوئی کسی کو چاہتا رہے۔ چپ چاپ بہت سے بت کے پھول کسی کے نام کے پروتا رہے اور کسی کو خبر ہی نہ ہو۔

محبت کی کوئی کیفیت ایسی بھی ہو سکتی ہے؟

مگر ایسا ہوا تھا۔

وہ بے خبر رہا تھا اور شاید مزید بے خبر ہی رہتا اگر اس روز وہ خود اپنے کانوں سے اس کا کہا کو سن نہ لیتا۔

کتنی عجیب تھی یہ لڑکی۔

ایسا تو اس کے گمان میں بھی نہ تھا۔ کتنا عجیب قصہ تھا۔ ناقابل بیان۔

مگر اس کے باوجود یہ سچ تھا۔

اس نے تو ہمیشہ سرسری نگاہ کی تھی اس پر۔ ہمیشہ بے تاثر انداز میں دیکھا تھا؟ سے۔ پھر کیسے اس نے اپنی آنکھوں میں اتنے سارے رنگ بھر لئے تھے۔

ایسے کتنے سارے خواب اس کے نام کے بسا لئے تھے۔

اس نے تو کبھی اسے نظر بھر کر دیکھا ہی نہ تھا۔ پھر کیسے وہ اس کے عکس کو نظروں میں چھپائے پھر رہی تھی؟

کتنی عجیب بات تھی۔

وہ اس کے ہر رنگ سے واقف تھی۔ اور وہ اس سے قطعی طور پر ناواقف تھا۔ وہ سرے سے یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ اب اور اس سے قبل بھی وہ کتنی بار اس بات کو رد کر چکا تھا۔ ابھی بچی ہے، کیا جانے محبت کیا ہوتی ہے۔ سن بلوغت تک پہنچتے ہوئے جو اچھی شے پہلی بار نگاہ سے ٹکرائی، وہی اچھی لگی۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ دیکھا ہی کیا ہو گا اس نے۔ چھوٹی سی تو عمر ہے۔ ایک چھوٹا سا گاؤں اور پھر حویلی اور بس۔

ہاں ایسے میں کوئی بھی شخص مرکز نگاہ بن سکتا ہے۔ وہ ہی نہیں، اس کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا، تب بھی شاید اس لڑکی کے جذبات و احساسات ایسے ہی ہوتے۔

مگر محبت نہیں۔ نیور...... کئی بار کی طرح اعیان نے ایک بار پھر سر جھٹکا تھا۔

عین اسی لمحے سیو نے چہرے کا رخ پھیرا تھا اور اپنے اتنے قریب اس شخص کو کھڑے دیکھ کر وہ بری طرح چونک پڑی تھی اور بدک کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ اعیان شاہ نے اسے بہت پُرسکون انداز میں دیکھا تھا۔

”آپ جی......“ سیو نے خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

”ہاں، میں۔“ اعیان شاہ نے بہت مطمئن انداز میں کہا تھا، پھر بہت ملائمت سے اسے دیکھا تھا۔ ”کیسی ہو تم؟ اماں نے بطور خاص تمہارا احوال پوچھنے کی تلقین کی تھی۔“ وہ پہلی بار اتنے قریب کھڑا معمول سے ہٹ کر کوئی بات کر رہا تھا۔ یہ اولین احساس دل دھڑکانے کو کافی تھا۔ سیو کی دھڑکنیں معمول پر آنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ سیو کو اپنا پورا وجود کانپتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ کہاں اس کے متعلق سوچ کر ہی وہ تاب نہ لاسکتی...... کجا وہ روبرو کھڑا اس سے محو گفتگو تھا۔

سیو نے لبوں کو تر کرنے کو ان پر اپنی زبان پھیری تھی، پھر سر اٹھا کر ایک نگاہ اس کی سمت دیکھا تھا۔

”جی...... بہت شکریہ۔“

اعیان نے اس کا بغور تجزیہ کیا تھا۔ اس نے ایک بات اخذ کی تھی کہ وہ معمولی سی لڑکی اسے بہت خاص سمجھتے ہوئے ایک خاص مقام دے بیٹھی تھی۔ یقیناً وہ اسے پہلی بار دیکھنے کسی اور جہاں کی مخلوق لگا ہو گا۔ اس کا آؤٹ لک، اس کا انداز گفتگو، سبھی کچھ تو گاؤں کے لوگوں سے ہٹ کر تھا۔ وہ یقیناً اسے ایک ماورائی مخلوق سمجھتے ہوئے ایک خاص ڈھب سے سوچنے لگی تھی۔ اگر وہ شہر کی کوئی لڑکی ہوتی تو شاید صورت حال مختلف ہوتی۔ شہر کے لوگ بہت سی باتوں کے لئے مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے لئے بہت کم باتیں چونکانے کا سبب بنتی ہیں۔ بہت سی چیزیں انہیں اپنے ماحول کا حصہ لگتی ہیں۔

اس کا یہی خیال تھا کہ اگر وہ نارمل انداز میں اس سے بات چیت کرے گا تو شاید اس دیہاتن لڑکی کا خیال تبدیل کر سکے گا۔ ورنہ شاید نادانی میں وہ بہت آگے بڑھ جاتی اور بات اس طرح سے خطرناک بھی ہو سکتی تھی اور یہی وہ نہیں چاہتا تھا۔ وہ بہت نارمل انداز میں بات کرتے ہوئے اسے احساس دلانا چاہتا تھا کہ یہ معمولی بات اور خیال ہے۔ اور اس میں ایسی کوئی خاص بات نہیں۔ اس جیسے دنیا میں کئی بہت سے اور لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنی نوعیت کا کوئی واحد غیر معمولی شخص نہیں ہے بلکہ اگر وہ دیکھے اور غور کرے تو اس جیسے کئی اور اس دنیا میں موجود ہیں۔ اس ماحول کا حصہ ہیں۔ وہ اس کی سوچ کے محدود حصار کو توڑنا چاہتا تھا اور اس کی سوچ کو وسعت بخشنا چاہتا تھا۔

جہاں تک اس نے سوچا تھا، اسے یہی بات مناسب بھی لگی تھی۔ دوسرے معنوں میں وہ اس معصوم لڑکی کی عقل سے پردہ ہٹا کر اسے یہ احساس دلانا چاہتا تھا کہ ہر چمکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی۔ اور اب جب کہ وہ شہر میں تھی تو یہ سب کچھ آسان بھی لگ رہا تھا۔

اعیان عالم شاہ اس بھولی بھالی لڑکی کو بہت رسانیت سے تکتے ہوئے دھیمے سے مسکرایا تھا۔ ”تمہارا دل شہر میں لگ گیا ہو گا۔ شہر کی زندگی بہت مختلف ہے۔ مگر بہت زبردست ہے۔ تمہیں بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملے گا۔“

”جی، مژگان بھابی بھی کہہ رہی ہیں کہ میں...... میں اپنی ادھوری تعلیم کا سلسلہ پھر سے جوڑوں۔“

”یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ اس طرح تمہیں اور بھی بہت مناسب مصروفیت ہاتھ لگے گی۔ تمہیں فوراً بھابی کے مشورے کو عملی جامہ پہنانا چاہئے۔ یہ بہت ٹھیک رہے گا تمہارے لئے۔“

وہ بہت مخلص دوست کی طرح اسے مشورہ دے رہا تھا۔

سیو نے سر اٹھا کر حیرت سے اسے دیکھنا چاہا تھا مگر اتنی ہمت کس میں تھی۔

ہمت جیسے مفقود تھی اور دھڑکنوں کا شور بھی تو کانوں میں ارتعاش سا برپا کئے ہوئے تھا۔ اسے دل کے دھڑکنے کی صدا صاف سنائی دے رہی تھی۔ یہ سب کچھ تو جیسے ناقابل یقین لگ رہا تھا۔ اس کا قریب رکنا اور مخاطب ہونا۔ اتنی اپنائیت سے بات چیت کرنا۔ اس کی کیفیت تو وہ تھی۔

تم مخاطب ہو تم قریب بھی ہو
تم کو دیکھوں کہ تم سے بات کروں

کاش، وہ اپنی ہمتوں کو مجتمع کر سکتی۔

کاش، وہ اپنی تمام کیفیات پر قابو پا سکتی تو سر اٹھا کر بغور اس شخص کو تکتی اور فقط تکتے جاتی۔ اسے سنتی اور سنے جاتی۔

اور اب بھی تو فقط خاموشی کے ساتھ سن ہی رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”شہر کا ماحول گاؤں سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ بہت مفید بھی ہے۔ یہاں پر زندگی کے ڈھب بہت نرالے ہیں۔ تم نے بھابی کی سنگت اختیار کر کے بہت اچھا کیا ہے۔ ان کی قربت میں تم بہت کچھ سیکھ سکو گی۔ اس طرح تمہیں خود بخود اپنے آپ سے باہر نکلنے کا بھی موقع ملے گا۔“ کتنا کچھ کہہ رہا تھا وہ۔ اور وہ فقط سر اثبات میں ہلائے جا رہی تھی۔

صحیح اور غلط کا گمان کسے تھے۔ اس کا سر تو فقط اثبات میں ہل رہا تھا۔

”تمہیں کسی بھی قسم کی پرابلم ہو تو برملا مجھ سے کہہ سکتی ہو۔“

سیو کی سماعتوں میں جیسے دور تک کوئی جادو سا بکھرتا گیا تھا..... یہاں سے وہاں تک نغمگی ہی نغمگی تھی۔

سچ کیا تھا اور جھوٹ کیا تھا؟ وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔

اس کی نگاہیں اس گھڑی جو دیکھ رہی تھیں، اسے لگ رہا تھا فقط یہی دنیا کی سب سے بڑی سچائی ہے اور اس سے آگے کی دنیا ہیچ ہے۔ بس یہی حقیقت ہے اور باقی سب رد کئے جانے کے لائق ہے۔ بس وہی وہ اور کچھ بھی نہیں۔

کتنا روح پرور احساس رگ و پے میں اتر رہا تھا۔

اعیان عالم شاہ بہت دوستانہ انداز میں مسکرایا تھا۔ ”صبح کی فلائٹ سے میں چلا جاؤں گا۔ اگر کوئی پیغام گاؤں کے لئے دینا ہو تو مجھے بتا دو، میں پہنچا دوں گا۔“

مگر سیو نے یکدم ہی سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ ”بس بڑی چودھرائن کو میرا سلام کہئے گا۔“

”اوکے۔“ وہ اسی قدر ملائمت سے مسکرایا تھا اور پھر پلٹ کر اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔

سیو کتنے ہی لمحوں تک اس جادو کے حصار میں مقید رہی تھی۔

کتنا خواب خواب سا سماں تھا
اور کیسا خواب کا عالم تھا

کیا واقعی خواب تھا یا اس کی کوئی حقیقت بھی تھی؟

اور پھر دوجے ہی پل وہ پلکیں زور سے میچ کر یقین کر رہی تھی کہ وہ جاگ رہی ہے کہ نیند کا عالم ہے۔

تھی نا پگلی!

✿......✿

مدت کے بعد تم سے ملا ہوں تو یہ کھلا
یہ وقت اور فاصلہ دھوکا نظر کا تھا
چہرے پہ عمر بھر کی رفاقت رقم سہی
دل کے لئے تمام سفر لمحہ بھر کا تھا
کس کو خبر تھی لمحہ اک ایسا بھی آئے گا
ماضی تمام پھر سمٹ آئے گا حال میں
محسوس ہو رہا ہے کہ گزرا نہیں تھا وقت
اک لمحہ بٹ گیا تھا فقط ماہ و سال میں

حاصل اور لاحاصل کی بحث بہت طویل ترین سہی مگر معنی و مفہوم بے حد واضح اور اسی قدر دل گداز احساس لئے ہوئے ہیں۔

بہت کچھ ہونا اور کچھ نہ ہونا کی روشناسی آج اسے ہوئی تھی۔

بہت سا اختیار ہوتے ہوئے بھی ”بے اختیاری“ کے مزے کو چکھنا کیسا ہوتا ہے یہ آج دیکھا تھا۔

بہت کچھ پانا اور پھر کھو دینا۔ یقیناً بہت جان لیوا ہوتا ہے۔

گل عباس نقوی کے بہنے والے آنسو اس بات کا انکشاف کر رہے تھے کہ وہ ایسے ہی کٹھن لمحوں سے گزر رہی ہے۔ بہت طویل عرصے کی شناسائی کے بعد اجنبی بن کر ملنا، سرد مہری سے گفتگو کرنا، جیسے کوئی تعلق خاص مابین موجود ہی نہیں۔

ایسا ہوا تھا اور دل نے جھیلا تھا۔

بہت کچھ ایسا جس کے متعلق سوچا بھی نہیں ہوتا۔

وہ دانستہ اجنبی ہوئی تھی مگر دل میں یہ بات انی بن کر کھب رہی تھی کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟ وہ اجنبی کیوں ہوا؟ کیا وہ واقعی اجنبی ہو گیا؟ کیا وہ "تعلق خاص" مٹ گیا؟ کیا درمیاں اب کچھ بھی نہیں؟

وہ سب کیا ہوا جو کبھی تھا؟

فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا
سامنے بیٹھا تھا میرے اور وہ میرا نہ تھا
وہ کہ خوشبو کی طرح پھیلا تھا میرے چار سو
میں جسے محسوس کر سکتا تھا، چھو سکتا نہ تھا

ایک عرصے تک وہ بھاگتی رہی تھی اس سے۔ اس کے ہر رابطے کے جواب میں اس نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔

مگر آج جانے کیوں جب اس نے راہ بدلی تھی تو اسے وہ بے وفا لگا تھا۔

کیا واقعی وہ سب کچھ گنوا چکی تھی؟

آنسو متواتر آنکھوں سے بہتے چلے جا رہے تھے۔

جیسے اندر سمندر ہو گیا تھا۔ وہ کسے کہتی، کسے بتاتی کہ وہ ہار گئی۔ اک مدت کی شناسائی بیگانگی پر اختتام پذیر ہو گئی۔

ایک عرصے کا تعلق مٹ گیا۔

وہ تعلق جو دل سے دل کا تھا۔ وہ رابطہ ٹوٹ گیا۔

اور وہ خالی ہاتھ رہ گئی۔

✿......✿

اجنبی کوئی لا کر
ہم سفر بنا ڈالیں
ساتھ چلنے والوں کی
راکھ بھی اڑا ڈالیں
مسافتیں ساری
خاک میں ملا ڈالیں
راستوں کی مرضی ہے
روک لیں یا بڑھنے دیں
تھام لیں یا گرنے دیں
ہاتھ کی لکیروں کو
راستوں کی مرضی ہے

اسے تو یاد بھی نہ تھا اور یاد رہتا بھی تو کیونکر۔

کوئی جواز بھی تو نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ بے حد حیران ضرور رہ گئی تھی جب ابا جی، ...اور وجیہہ چاچا ان دونوں کی شادی کی پہلی سالگرہ منانے کے لئے ان کے ہاں آن پہنچے ...

"...ہے بھابی! لومیرج ہونے کے باوجود آپ کو اپنی شادی کی سالگرہ بھول گئی۔" ...اس کی ہونق صورت کو دیکھتے ہوئے چھیڑ رہا تھا اور اس لمحے اس کی نگاہ بلا ارادہ ہی ...عالم شاہ کی سمت اٹھ گئی تھی۔ وہ جو اس جانب متوجہ تھا، یکدم ہی چہرے کا رخ پھیر کر ...چاچا سے ضروری امور پر گفتگو کرنے لگا تھا۔ پتہ نہیں وہ اس جانب سے دانستہ دھیان ...چرا رہا تھا یا پھر یہ محض اس کا قیاس تھا۔

...گان نے اپنے اندر کے تمام موسموں پر ایک دبیز چادر ڈال دی تھی اور ایک گہری ...خارج کرتے ہوئے مسکرا کر اعیان کی سمت دیکھا تھا۔

"ایک پتے کی بات بتاؤں۔ شادی ہو جانے کے بعد فقط "میرج" باقی رہ جاتی ہے۔ "لو" دُم دبا کر بھاگ جاتا ہے۔ یقین نہ آئے تو تجربہ کر کے دیکھ لو۔"

"اوہ مائی گاڈ! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں رہبان بھائی کی مجنونانہ محبت کے باوجود؟ یاد ہے، وہ فقط آپ کے لئے تمام کشتیاں جلا کر صحرا کی خاک چھاننے نکل کھڑے ہوئے تھے۔"

مژگان ہنسنے لگی تھی۔ تبھی اعیان مسکراتے ہوئے چونکا تھا۔ "آں...... بھائی جی نے اس بار کوئی تحفہ نہیں دیا ہوگا؟"

مژگان اس کے قیاس پر مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ "لین دین پر کاروبار بیس کرتے ہیں، محبت نہیں۔"

"واہ، کیا فلسفہ ہے۔" اعیان عالم شاہ نے باقاعدہ داد دی تھی۔ "خیر آئیے، کیک کاٹئے۔"

سیو ایک کونے میں دبکی بیٹھی تھی اور چپ چاپ سب کچھ سن رہی تھی۔ مژگان نے اسے آواز دے کر قریب بلایا تھا اور اپنے ساتھ کھڑا کرتے ہوئے بولی تھی۔

"اب تم یہیں رہنا۔ کوئی اجنبی نہیں ہے یہاں پر۔" دبی دبی سی آواز میں اس کا حوصلہ بندھایا تھا۔

سیو نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھتے ہوئے گردن اثبات میں ہلائی تھی مگر اس کے باوجود ہتھیلیاں پسینے سے بھیگتی چلی گئی تھیں۔ عین سامنے ہی تو اعیان شاہ کھڑا تھا۔ نگاہ لمحہ بھر ملی تھی۔ کس قدر ملائمت اور اپنائیت سے مسکرایا تھا وہ۔ سیو لمحہ بھر میں ہی سر جھکا چکی تھی۔

مژگان متواتر مسکراتے ہوئے اس ماحول کا حصہ تھی۔

کتنا مشکل ہوتا ہے دوسروں کو خوش رکھنا۔

وہ نہیں جانتی تھی، وہ ایسا کیوں کر رہی تھی؟ کئے جا رہی تھی۔ کوئی بھی تو اپنا نہ تھا۔ کچھ بھی تو ایسا نہ تھا جو اس کی دسترس میں ہوتا۔ جس پر اس کا استحقاق ہوتا۔ نہ کوئی فرد نہ کوئی شے۔ نہ درو دیوار، نہ زماں و مکاں۔

مگر وہ سب کچھ کر رہی تھی۔ اور سب دوسروں کے لئے کر رہی تھی۔ یہ ایثار نہیں تھا، شاید اس سے بھی کچھ بڑھ کر تھا۔ وہ عظیم نہیں تھی، اسے عظیم ترین بننے کا کوئی شوق بھی نہیں تھا۔ مگر وہ یہ بات کسی کو باور نہیں کرا سکتی تھی کہ وہ بھی ایک عام سی لڑکی ہے۔ اور اس کی خواہشات اور آرزوئیں بھی عام انسانوں جیسی ہیں۔ پھر کیوں اسے امتحان سے گزارا جا رہا ہے؟ کیوں مسلسل اسے آزمائش کا سامنا ہے؟

وہ ہار بھی تو سکتی ہے...... وہ ٹوٹ بھی تو سکتی ہے۔

"کیا ہوا؟ کیا سوچ رہی ہے میری دمی؟" وہ اپنے ہی دھیان میں گم تھی جب اماں اس کے قریب آن رکی تھیں۔

"اوں...... ہوں۔" اس نے فوراً ہی مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ اماں نے اس کی پیشانی پر پیار کیا تھا پھر مسکراتے ہوئے ایک پیکٹ اسے تھمایا تھا۔

"یہ میری دمی کے لئے ہے۔"

"شکریہ...... مگر اس کی کیا ضرورت تھی؟ کتنا کچھ تو دیا ہے آپ نے پہلے بھی مجھے۔" اس نے یونہی تعرض کیا تھا۔ اماں اس کے چہرے کو لگاوٹ سے چھوتے ہوئے مسکرا دی تھیں۔

"تم حساب برابر کر دینا۔"

مژگان کچھ نہیں سمجھی تھی۔ یونہی بے دھیانی میں سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اماں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ بہت محبت کے ساتھ انہوں نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

"مجھے اپنے سونے آنگن کے لئے اب معصوم پھولوں کی ضرورت ہے۔ بہت جلد مجھے ایک ننھا سا پھول چاہئے۔"

مژگان کچھ نہیں بولی تھی۔ اندر بے حد گھٹن تھی۔ وہ کھل کر سانس لینا چاہتی تھی۔ اس سارے ماحول سے فرار چاہتی تھی۔ کہیں دور نکل جانا چاہتی تھی۔ مگر کچھ بھی تو اختیار میں نہ تھا۔ دل بہت بے کل ہو رہا تھا مگر حل کہیں نہ تھا۔ لمحہ بھر کو نگاہ اٹھی تھی۔ رہبان عالم شاہ بے قریب ہی تو کھڑا تھا۔ کتنا کم فاصلہ تھا درمیان۔ فقط دو قدموں کی دوری۔ اماں کی گفتگو اس کے کانوں تک بھی تو بخوبی پہنچی ہوگی۔ یہ سوچ کر ہی اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔ تبھی اعیان کیک کی پلیٹ لئے اس کی سمت بڑھا تھا۔

"بھابی! منہ کھولیں، آپ نے کیک بالکل نہیں کھایا۔"

"اوں ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"آج کے دن تمام احتیاط ایک طرف اٹھا رکھیں۔ میٹھا صحت کے لئے بھی مفید ہے۔ اور بلیک فورسٹ" تو بھائی جی کا بھی فیورٹ ہے۔" اعیان نے کہنے کے ساتھ ہی ایک بڑا سا پیس اس کے منہ میں ٹھونس دیا تھا۔ مژگان مصنوعی خفگی سے اسے دیکھتی ہوئی کیک کو نگلنے لگی تبھی وہ بہت رازداری سے اس کی جانب جھکا تھا۔

"بھائی جی سے کیا کوئی ناراضگی چل رہی ہے؟ نہ تو انہوں نے ہمارے سامنے آپ کو وش کیا نہ آپ نے انہیں۔ بلکہ آپ تو کچھ کھوئی کھوئی سی بھی ہیں۔" وہ یقیناً مذاق کر رہا تھا۔ مگر مژگان کا دل یکبارگی دھڑکا تھا۔ اس نے فوراً ہی سر نفی میں ہلایا تھا۔

"نن...... نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔"

"اچھا تو بتائیے ذرا، گفٹ کیا ملا ہے ان کی طرف سے؟" اس کی نظروں سے شرارت ہویدا تھی۔ مژگان نے ہاتھ کا مُکا بنا کر اس کے شانے پر دے مارا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دیا تھا۔

"اعیان! اپنی بھابی کو تنگ مت کرو۔" اماں نے اسے مسکراتے ہوئے ڈپٹا تھا۔

"میں ابا جی اور وجیہہ چاچا کے لئے چائے بنا دوں۔" وہ دانستہ اس منظر سے ہٹنا چاہتی تھی مگر اماں نے اس کی پیش قدمی سے قبل ہی اسے روک دیا تھا۔

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔" اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے رہبان عالم شاہ کو آواز دے کر بلایا تھا۔ وہ وجیہہ چاچا اور ابا جی سے سیاسی منظر نامے پر دھواں دھار گفتگو کر رہا تھا غالباً۔

"دنیا بھر کی فکر ہے مگر میری دھی کی نہیں۔" اماں نے بہت محبت سے شکوہ کیا تھا۔ رہبان عالم شاہ نے ان کے پہلو میں سر جھکائے کھڑی مژگان کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"بھائی جی! بھابی آپ کی شکایت لگا رہی ہیں۔" اعیان نے درمیان میں لقمہ دیا تھا۔ مژگان مسکرا دی تھی۔ اماں مدعا بیان کرنے لگی تھیں۔

"میری بیٹی کو کہیں گھمانے پھرانے لے جاؤ۔"

"جو حکم۔" وہ مودب انداز میں کہنے کے ساتھ مسکرایا تھا۔ نظریں مژگان کے چہرے کا طواف کرنے لگی تھیں۔

"خیال رکھا کرو میری بچی کا۔ بہت عزیز ہے مجھے یہ۔ دیکھو کیسا اترا اترا سا چہرہ ہے وہاں حویلی میں تو ملازموں کی فوج ہے، پھولوں پر رکھوں۔ مگر کوئی تیار بھی تو ہو۔"

"اماں! کوئی پابندی نہیں ہے۔ بخوشی آپ یہ شوق پورا کر سکتی ہیں۔" رہبان عالم شاہ کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ اماں نے مسکراتے ہوئے سر جھکائے کھڑی مژگان کو مخاطب کیا تھا۔

"جاؤ بیٹا! جا کر تیار ہو جاؤ۔"

مژگان جیسے دل سے کسی ایسے "لمحہ فرار" کی تلاش میں تھی، تبھی فوراً ہی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ وہ اگرچہ تمام لمحوں کے لئے تیار رکھتی تھی خود کو۔ مگر جانے کیوں پھر بھی بہت سے مراحل ایسے بھی آن وارد ہوتے تھے جو اسے بالکل خاموش کر دیا کرتے تھے۔ اس کی تمام حسیں سلب ہو کر رہ جایا کرتی تھیں۔ اور اب بھی جیسے وہ بالکل خالی محسوس کر رہی تھی خود کو۔ دوبارہ

بے دلی کے ساتھ کاپر شفون کی ساڑھی زیب تن کر کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آئی تھی۔ دل سنگ ہو تو بہت کچھ وہ بھی کرنے کو جی چاہتا ہے جو عام معمولات کا حصہ نہیں ہوتا۔ مگر جب دل ہی ساتھ نہ ہو تو پھر ہر شے جیسے بے معنی ہو جاتی ہے۔ احساسات گلیشئر ہو جائیں تو جذبات اپنی وقعت کھو دیتے ہیں۔ گداز لبوں پر لپ اسٹک لگاتے ہوئے وہ یکسر خود سے بے خبر تھی۔

آئینے میں اپنا عکس ایک انوکھی چھب دکھلا رہا تھا۔ مگر اس کے لئے یہ حسن، یہ کرشمہ سازیاں جیسے کوئی وقعت نہ رکھتی تھیں۔ یہ سب دوسروں کی مرضی کے تابع تھا۔ یہ بناؤ سنگھار، یہ ہار سنگھار، کسی بات میں بھی تو دل ساتھ نہ تھا۔ تمام افعال سرانجام پا رہے تھے مگر ایک بے دلی کے ساتھ۔ وہ اسی طور بے نیاز سی بیٹھی تھی جب آئینے میں اس کے سنگ ایک اور عکس نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ لمحہ بھر کو تھم گئے۔

رہبان عالم شاہ جانے کب اس کے پیچھے آن رکا تھا۔ اسے تو خبر ہی نہ ہوئی تھی۔ اب جو دیکھا تھی تو وہ چند ثانیوں تک یونہی دیکھتی رہی تھی۔ وہ شخص اس کی سمت متواتر تکے چلا جا رہا تھا۔ مژگان لمحہ بھر میں بیدار ہوئی تھی۔ فوراً ہی پلٹی تھی اور پھر وہی معمول کی مسکراہٹ اس کے لبوں پر تھی۔

"اماں بھی بس یونہی۔" اس نے اماں کے فیصلے پر جیسے دبا دبا سا احتجاج کیا تھا۔ یقیناً اس احساس کے تحت کہ وہ ڈسٹرب نہ ہو۔ مگر اس کا تسلسل ٹوٹا نہیں تھا۔ مژگان نے تمام بال پشت پر کرتے ہوئے اسے بغور دیکھا تھا، پھر بہت مدھم انداز میں مسکرائی تھی۔

"یہ کچھ ایسا ضروری بھی نہیں۔ اگر آپ کا دل نہ چاہ رہا ہو تو..." وہ یقیناً اس کے انداز سے کچھ اخذ کر پائی تھی۔ تبھی بولی تھی۔ مگر رہبان عالم شاہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ پھر پشت سے دونوں ہاتھ آگے کئے تھے۔ مژگان لمحہ بھر کو ساکت رہ گئی تھی۔

"شادی کی سالگرہ مبارک ہو۔" اس نے بہت خوبصورت سا بوکے اس کی سمت بڑھایا تھا۔ مژگان نے اسی خواب کی سی کیفیت میں ہاتھ بڑھا دیا تھا۔

"تھینکس، سیم ٹو یو۔" اس کا خواب آسا لہجہ ابھرا تھا۔ سمجھ میں بالکل نہ آیا تھا کہ اسے اس کے کس طرح کا انداز اختیار کرنا چاہئے۔ وہ سمجھ ہی نہ پائی تھی کہ یہ بھی کسی ڈرامے کا حصہ تھا یا پھر کچھ اور۔ شاید تبھی وہ دوسرے ہی پل لب بھینچ کر سر جھکا گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ چند ثانیوں تک اسے یونہی تکتا رہا تھا۔ پھر کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک ننھی منی سی ڈبیہ برآمد کی تھی۔ لمحہ بھر کو اسے دیکھا تھا۔ پھر اسے مژگان کی سمت بڑھا

دیا تھا۔

"تمہارے لئے۔"

مژگان کی نگاہیں تحیر سے پھیل گئی تھیں۔ اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھا تھا، پھر بے بادل ناخواستہ اپنا نازک سا ہاتھ بڑھا دیا تھا۔

"تھینک...... تھینک یو۔" ننھی سی مخملی ڈبیہ کو ہاتھ میں لے لیا تھا۔

"کھول کر نہیں دیکھو گی؟" رہبان عالم شاہ بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔

مژگان نے سر جھکا کر ننھی سی ڈبیہ کو اوپن اپ کیا تھا۔

ایک بیش قیمت ڈائمنڈ رنگ اپنی چھب دکھلا رہی تھی۔ وہ ساکت سی تکے گئی تھی۔

"پسند نہیں آئی؟" رہبان عالم شاہ اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"اوں ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔ "بہت خوبصورت ہے۔" وہ جان گئی تھی، یہ معمول کا حصہ ہے۔ جب اس حوالے سے اعیان اس سے چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا، وہ بھی وہیں موجود تھا۔ رہبان عالم شاہ فقط روایتی تقاضوں کو نبھا رہا تھا۔ اسے یقیناً "بازپرس" کی فکر لاحق تھی۔ دماغ نے بروقت تاویل تلاش کی تھی۔

مگر یہ سب تو سرپرائزنگ ہے۔ غیر متوقع۔ کچھ بھی تو پلانڈ نہ تھا۔

وہ سب تو اچانک وارد ہوئے تھے۔ اور پھر یہ سب......!

وہ لمحے بھر میں وہاں تک پہنچی تھی۔ دل جانے کیوں پہلی والی تاویل کو ماننے کے لئے تیار ہی نہ تھا۔ اور وہ دوسری کو کیسے قبول کرتی؟

اس نے اس تمام تر کیفیت سے نکلتے ہوئے مسکرا کر رہبان عالم شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ وہ بدستور دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس کی سمت متوجہ تھا۔ ڈبیہ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی۔ رہبان عالم شاہ نے مسکراتے ہوئے پیش قدمی کی تھی اور ہاتھ بڑھا کر ڈبیہ اس کے ہاتھ سے لے کر رنگ نکالی تھی۔ پھر اسی طور ہاتھ بڑھا کر اس کا مرمریں ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ خواب کی سی کیفیت میں اسے تکے گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے رنگ اس کی نازک اُنگلی میں منتقل کر کے بغور اس کے ہاتھ کا جائزہ لیا تھا۔ انداز ناقدانہ تھا۔ پھر یکدم وہ مسکرا دیا تھا۔

"یہ تو اچھی خاصی خوبصورت رنگ ہے۔" وہ یقیناً اس کے تاثر کو زائل کرنا چاہتا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔ "تھینکس...... تھینکس اے لاٹ۔" مژگان نے اپنا ہاتھ بہت ہولے سے اس کی مضبوط گرفت سے نکال لیا۔ وہ مسکراتے ہوئے تکنے لگا تھا۔

"چلیں؟"

"ہوں......" مژگان نے سر ہولے سے اثبات میں ہلایا تھا۔

دل بے حد بوجھل ہو رہا تھا...... قدم بے حد بوجھل ہو رہے تھے۔ مگر وہ چل رہی تھی۔

✿......✿

میں کہاں وہ کہاں بس یادیں رہ گئیں
کہہ سکا جو نہ وہ باتیں رہ گئیں
جاگنے کے لئے بس راتیں رہ گئیں
راستے ہیں وہی دوریاں بڑھ گئیں
چھیڑتی ہیں مجھے میری تنہائیاں
یاد ہے مجھے من کی دُکھن!
بھولتی نہیں وہ پہلی لگن
یاد ہے مجھے وہ خوشبو سا بدن •
بیتی ہوئی باتوں کو سوچوں تو جلتا ہے میرا من
یاد ہے مجھے من کی وہ دُکھن!

اعصار شیخ بہت دیر تک گاڑی بے سمت راستوں کی سمت دوڑاتا رہا تھا اور بالآخر تھک ہار کر واپس لوٹ آیا تھا۔ وہی ہنگامے تھے، وہی رعنائیاں تھیں۔ بس اگر کہیں ویرانی تھی تو وہ اعصار شیخ کا دل تھا۔

ایک ویرانہ ہی تھا شاید جس میں بہت سی یادیں یہاں سے وہاں تک بکھری پڑی تھیں۔ دل ایک نگر تھا جو اب کھنڈر بن چکا تھا۔ اور جس کے کارن ہوا تھا، اسے جیسے پرواہ ہی نہیں تھی۔ جیسے کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔

پتہ نہیں واقعی ایسا تھا یا پھر اسے ہی کچھ ایسا لگتا تھا۔ پتہ نہیں وہ اس نارسائی کی تڑپ کو تنہا سہہ رہا تھا یا پھر دوسری طرف بھی ایسی کوئی صورتحال تھی۔

ڈھولک کی آواز مسلسل ابھر رہی تھی۔ آج سب رت جگا منا رہے تھے۔ صبح شعاع کو رخصت ہو جانا تھا۔

وہ وہاں سے گزر رہا تھا، جب رانیہ نے کھینچ لیا تھا۔

"آپ لوگوں کو پتہ ہے کہ اعصار بھائی بہت اچھا گاتے بھی ہیں۔" سب سے مخاطب ہو کر وہ بولی تھی۔ سب نے شور مچا کر اس کی بھرپور حمایت کی تھی۔ رانیہ مکمل شرارت کے ساتھ

اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔ اس نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے سرنفی میں ہلایا تھا۔ مگر رانیہ نے اسے تھام کر ان سب کے درمیان لا بٹھایا تھا۔ عمر نے اسے اپنی گٹار تھما دی تھی۔

"اعصار بھائی! ہو جائے آج کچھ ڈیفرنٹ سا۔" عمر نے مسکراتے ہوئے درخواست کی تھی۔

اعصار شیخ نے ان سب پر طائرانہ نگاہ ڈالی تھی، پھر دھیمے سے مسکراتے ہوئے گٹار تھام لیا تھا۔ کچھ ہی فاصلے پر وہ بے نیاز شعاع سے کسی اہم موضوع پر گفت وشنید میں مصروف تھی۔ اعصار شیخ نے بہت دھیمے سے سُروں کو چھیڑ کر ماحول کو یکدم ہی خوابناک سا کر دیا تھا۔ فضا میں ایک سحر سا پھیلنے لگا تھا۔ تمام لوگ ساکت سے بیٹھے تھے۔ اعصار شیخ کی سحر انگیز آواز فضا میں اداسی گھول رہی تھی۔ کمرے میں موجود بھی افراد جیسے مبہوت رہ گئے تھے۔

ادعیہ چہرے کا رخ پھیر کر یونہی دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔ عجیب کیفیت تھی اس کی۔ وہ وہاں سے ہٹنا بھی چاہتی تھی اور ہٹ بھی نہیں سکتی تھی۔ عجیب تقاضے تھے جو اسے نبھانا مقصود تھے۔ تمام لوگوں سے اعصار شیخ نے بھرپور داد سمیٹی۔

"اعصار بھائی! لگتا ہے آپ کے دل کے موسم پر خزاں آئی ہوئی ہے۔" رانیہ نے بے حد شرارت سے چھیڑا تھا۔

وہ مسکرا دیا تھا۔ نگاہ اپنے آپ ہی اس کونے پر جا ٹکی تھی، جہاں وہ تھی۔ نگاہ لمحہ بھر کو ملی تھی۔ ادعیہ نے چہرے کا رخ پھیرنے میں دیر نہیں لگائی تھی۔ اعصار شیخ کے اندر کا اضطراب مزید بڑھنے اور پھیلنے لگا تھا۔

"اعصار بھائی! ویل ڈن۔ لیکن ادعیہ کے ہوتے ہوئے ایسی سوگواری۔" ایک کزن نے مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا اور اعصار شیخ کے پاس سوائے مسکرانے کے اور کوئی جواب نہ تھا۔

"ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ۔" ایک اور آواز پڑی تھی۔

"کہیں پہ نگاہیں، کہیں پہ نشانہ۔" کسی اور کو بھی بروقت سوجھی تھی۔

"یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے۔" ایک اور جملہ کسا گیا تھا۔

"ادعیہ بھابی! ماجرا کیا ہے؟ کنٹرول کرو بھئی۔" ایک کزن نے باقاعدہ مشورے سے نوازا تھا۔

"اچھا خاصا معقول بندہ ہے۔ پھر مت کہنا خبر نہیں ہوئی۔" ایک کزن نے مخاطب کر کے مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا۔ وہ مسکرائی نہیں تھی۔ بہت سے خوشگوار جملوں پر بھی اس کے چہرے پر کوئی رنگ نہیں آیا تھا۔ اسے چھیڑا جا رہا تھا۔ ایک خاص حوالے کے ساتھ، کسی خاص انداز کے ساتھ۔ مگر اس کے چہرے کی کیفیات قطعی متغیر نہیں ہوئی تھیں۔ بس ہوا یہ تھا کہ اس کی نگاہ جواباً اس شخص پر جا ٹھہری تھی۔ وہ متواتر تکتی چلی گئی تھی۔ وہ جانے کیوں مسکرا رہا تھا۔ شاید محظوظ ہو رہا تھا۔ ان تمام تر جملوں سے مکمل حظ اٹھا رہا تھا۔ لطف اندوز ہو رہا تھا۔ ادعیہ کے لئے جیسے یہ سب کچھ ناقابل برداشت ہو چلا تھا۔ سب کے ہلکے مذاق متواتر جاری تھے۔

"اعصار بھائی! لگتا ہے، بھابی خفا ہیں۔" زویا نے صورتحال کو بھانپا تھا۔

"اعصار بھائی! وہ گنگنا دو نا ذرا۔ روٹھے ہو تم، تم کو کیسے مناؤں پیا۔" کوئی ایک انتہائی بے درد واقع ہوا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ سب کورس کی شکل میں گنگنانے لگے تھے۔

"روٹھے ہو تم، تم کو کیسے مناؤں پیا
بولو ناں، بولو ناں......"

ادعیہ کے چہرے پر ناگواری کے رنگ حد درجہ بڑھ گئے تھے۔ یہ سب جیسے اس کی برداشت سے بڑھ کر تھا۔ وہ اٹھی تھی اور پھر اسی سرعت سے باہر نکل گئی تھی۔

اعصار شیخ کی نگاہیں تا دیر اس کا تعاقب کرتی رہی تھیں۔

✿......✿

درد کے رشتے عجیب ہوتے ہیں
کوئی ان کی تھاہ نہیں
اور کوئی سرحد نہیں
یہ "زماں" اور "مکاں"
یہ "قربتیں" یہ "دوریاں"
دور تک بچھی زمیں اور اس پر پھیلا آسماں
درد کے رشتوں کے آگے ان کی ساری وسعتیں
ریت کے ایک بے ٹھکانہ ذرے سے زیادہ نہیں!

وہ بہت دیر تک یونہی خاموشی سے اس کے سنگ چلتی رہی تھی۔ پھر رک کر یکدم ہی بولی تھی۔ "کیا میں کچھ دیر کے لئے تنہا وقت گزار سکتی ہوں؟"

اور رہبان عالم شاہ اسے حیرت سے تکنے لگا تھا۔ مگر مژگان اتنا کہہ کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ اس کے چہرے کو وہ پڑھنا چاہتا تھا مگر اس لمحے ایک طویل چپ اور سکوت کے سوا وہاں کچھ اور نہ تھا۔ رہبان عالم شاہ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور پھر الٹے قدموں

چلتے ہوئے وہاں سے دوری کا سفر طے کرنے لگا تھا۔

مژگان نے اس اونچے لمبے شخص کی پشت کو تا دیر تکا تھا اور تکتی چلی گئی تھی اور اس گھڑی جانے کیوں بہت سا پانی آنکھوں میں آن رکا تھا۔ بہت سی نمی دل پر گرنے لگی تھی۔

وہ یکدم ہی پلٹی تھی اور ساحل کی گیلی ریت پر چلتے ہوئے اس تمام ہجوم سے دور ہٹنے لگی تھی۔ اس کے اندر غبار ہی غبار تھا اور وہ بس چلتی چلی جا رہی تھی۔

سمندر اس کے سامنے تھا۔ اس کے سنگ تھا۔ مگر ایک پیاس کی حدت اس کے لبوں پر تھی۔ ایک شدید ترین پیاس اس کے اندر ڈیرا ڈالے بیٹھی تھی۔

آنکھوں سے نمکین سمندر بہتا چلا جا رہا تھا اور وہ اسی طرح چلتی چلی جا رہی تھی۔ بہت پُرسکون گوشۂ تنہائی میں پہنچ کر وہ رکی تھی اور وہیں ایک پتھر پر بیٹھ کر چہرے پر ہاتھ رکھ کر دھواں دھار رونے لگی تھی۔ کتنی ہی دیر وہ یونہی بیٹھی اپنے اندر کے سمندر کو راہ دیتی رہی تھی۔

جب غبار بہت حد تک ڈھل گیا تھا، تب اس نے آنکھوں کے سامنے سے ہاتھ کو ہٹایا تھا اور بری طرح چونک پڑی تھی۔ کچھ ہی فاصلے پر منچلے لڑکوں کا ایک گروپ اسے بہت معنی خیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے بنا کنفیوژ ہوئے اٹھ کر تیزی سے قدم آگے بڑھانا شروع کر دیئے تھے۔ تیز ہوا سے آنچل سرسرا رہا تھا۔ اس کے پاؤں ریت میں دھنس رہے تھے۔

اسے احساس ہی نہ ہوا تھا، وہ اتنی آگے نکل آئی تھی۔ ہجوم تو کہیں بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ اس لمحے اسے احساس تک نہ تھا کہ وہ کتنی دور نکلتی جا رہی ہے اور وہ منچلے اس پر بہت ولگر قسم کے کمنٹس پاس کر رہے تھے اور اس کے تعاقب میں تھے۔

مژگان کی جان یکدم ہی ہوا ہونے لگی تھی۔

وہ یوکے کی کوالیفائیڈ گرل، ہمیشہ پُر اعتماد نظر آنے والی، خود کو بہت مضبوط ظاہر کرنے والی، اس گھڑی بے حد سہمی ہوئی ہرنی کی مانند یکدم ہی بھاگنے لگی تھی اور جانے کب تک یونہی بھاگتی چلی جاتی کہ یکدم سامنے سے آتے ایک وجود سے ٹکرا کر رک گئی۔

ایک مضبوط سہارے نے اسے اپنے حصار میں لے لیا۔ اسے ایک بھرپور تحفظ کا احساس ہوا۔ پھولی ہوئی سانسوں سمیت اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو رہبان عالم شاہ اس کے لئے ایک مضبوط ڈھال بن کر آ چکا تھا۔ اور اس گھڑی وہ اس کی پناہ میں تھی۔ اس کا آہنی حصار اس کے گرد تھا اور دل یکدم ہی سنبھلنے لگا تھا۔

بھیگی پلکوں کو میچ کر اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور سر رہبان عالم شاہ کے سینے پر رکھ دیا تھا۔

کتنی دیر تک وہ اسی طور گہرے گہرے سانس خارج کرتی ہوئی خود کو معمول پر لانے کے ...ش کرتی رہی تھی۔

"آر یو آل رائٹ ناؤ؟" کتنی دیر بعد رہبان عالم شاہ نے ایک مدھم سرگوشی کی تھی۔

...ان چونکی تھی، پھر سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ نگاہ پھیر کر ...ں نے اس طرف دیکھا تھا جہاں سے کچھ دیر قبل وہ بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ مگر اب وہاں کوئی ...تھا ایک مضبوط سائبان نے اسے جیسے ہر خطرے سے بچا لیا تھا۔

اسے پہلی بار یہ تحفظ بہت اچھا لگا تھا۔

پہلی بار اس نے اعتراف کیا تھا کہ دل کیا چاہتا ہے۔

پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ کوئی بہت ضروری ہے۔

پہلی بار اسے لگا تھا کہ وہ زندگی کے پُر پیچ راستوں پر تنہا نہیں چل سکتی۔

پہلی بار اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ تنہا نہیں ہے۔

مگر......

یہ سب کتنے مختصر لمحوں تک کے لئے تھا۔

...ب خواب سا تھا...... خواب ہی تھا شاید۔

تبھی تو وہ دوسرے ہی پل ایک گہری سانس خارج کرتی ہوئی اس سائبان سے دور ہٹ گئی ...۔ اس کا کب تھا کچھ۔ جو بھی تھا، پرایا تھا۔ اور پرائے کا مان وہ کیا کرتی!

رہبان عالم شاہ نے اس کے جھکے ہوئے چہرے کو دیکھا تھا۔ چاند کی مدھم روشنی میں اس ...چہرے کی چھب بہت نرالی تھی۔ بہت سی پیلی روشنی اس کے چہرے کا احاطہ کئے ہوئے ...ہ ایک عجب نور سا تھا۔ جانے کیوں وہ دیکھے ہی گیا تھا۔

اس کی بھیگی بھیگی دراز پلکوں کی لرزش جیسے کسی بات کی چغلی کھا رہی تھی۔ اس سے قبل کہ ...یونہی خاموش کھڑے رہتے، وہ گویا ہوئی تھی۔

"...ماں انتظار کر رہی ہوں گی۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔ واپس چلیں۔"

رہبان عالم شاہ نے اس کے چہرے پر سے نگاہ ہٹا لی تھی۔ کار شیفون کی ساڑھی کا آنچل ...ے لہرا رہا تھا۔ اس کی دراز ریشمی زلفوں کی خوشبو سے ہوا معطر ہو رہی تھی۔

...ساری فضا میں جیسے جادو سا بھر گیا تھا۔

رہبان عالم شاہ نے بنا اس کی سمت دیکھے قدم آگے بڑھا دیئے تھے۔

...ژگان نے بھی دوسرے ہی پل اس کی تقلید کی تھی۔

دھڑکنوں میں حد درجہ ارتعاش سا تھا۔
دل بہت ضدی ہو چلا تھا۔
عجیب طغیانی کی لہر اٹھ رہی تھی۔
کچھ اندر ہی اندر ڈوب رہا تھا۔
مگر وہ بہت مضبوطی کے ساتھ قدم آگے بڑھائے جا رہی تھی۔

✿......✿

اسے خبر ہی نہیں شاید
کہ اس کی خاطر ہم
کن مرحلوں سے گزر چکے ہیں
دکھ کے کیسے روپ دیکھے ہیں
کرب کی کن حدوں کو چھو چکے ہیں

دوپہر کے کھانے کے بعد جب سب سو گئے تھے، تب سیو ایک موٹی سی کتاب پر نظریں جمائے وقت گزارنے کے جتن کر رہی تھی۔ جب اعیان شاہ نے آ کر اسے یکدم ہی چونکا دیا تھا۔

"چائے ملے گی ایک کپ؟" لبوں پر دوستانہ مسکراہٹ لئے وہ اس سے مخاطب تھا۔ سیو کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ بادل ناخواستہ اس نے سر اثبات میں ہلایا تھا اور پھر فوراً ہی کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ اسے یقین کیا، گمان تک نہ تھا کہ کوئی اس کے پیچھے چلتا ہوا کچن میں بھی آ سکتا ہے۔ شاید تبھی جب وہ کیتلی میں پانی رکھ کر پلٹی تھی تو اسے سامنے دیکھ کر ٹھٹک گئی تھی۔

"آپ..... آپ وہیں بیٹھئے، میں وہیں لے آتی۔"

"تم بناؤ۔" وہ اسی طور مسکرایا تھا۔ مسکراہٹ میں ایک ملائمت اور نرمی سی تھی۔ اور سیو کے لئے اس کا یہ روپ بہت انوکھا تھا۔ اس نے تو ایسا کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اور ایسا حقیقتاً ہو رہا تھا۔ وہ سراسیمگی سے کچھ لمحوں تک اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ پھر پلٹ کر یونہی کیبنٹ کھول کر کچھ تلاشنے لگی تھی۔

"مجھے اچھا لگا ہے کہ تم نے بہت سا اعتماد پیدا کیا ہے۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے۔ اس طرح یقیناً تمہیں اپنی زندگی کی شاہراہ تلاشنے میں مدد ملے گی۔" یکدم ہی وہ بولا تھا۔ اور کپ میں چائے انڈیلتے سیو کے ہاتھ یکدم کپکپانے سے تھے۔

"شش...... شکر...... کتنی لیں گے آپ؟"

"صرف ایک چمچ۔" اعیان شاہ نے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔ "تم نے سوچا ہے کہ تمہیں آگے اب کیا کرنا ہے؟" ایک مزید سوال داغا تھا اس نے۔

"جی...... جی نہیں۔" اس نے کپ اس کی سمت بڑھاتے ہوئے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"تمہیں اس بارے میں سوچنا چاہئے۔" اعیان عالم شاہ کا انداز ٹھوس تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے بہت سی ذمے داری اس کے سر ہو اور وہ جلد از جلد اس بوجھ سے فارغ ہونا چاہتا ہو۔ اس بے وقوف اور قدرے کم عقل لڑکی کو راہ راست پر لانا اور اس کی آنکھوں پر سے معصومیت اور بھولپن کی پٹی اتارنا جیسے اس کا اولین فرض تھا اور اسے اس فرض کو جلد از جلد ادا کرنا تھا۔

"تم جو یہ موٹی موٹی کتابیں پڑھتی ہو تو یہ شوق بہت عمدہ ہے۔ اس سے بندے کا مطالعہ بڑھتا ہے۔ فکر کو جلا ملتی ہے۔ مطالعہ بہترین شے ہے دنیا کو سمجھنے کے لئے۔ ضروری نہیں کہ آپ ہر شے کو برت کر دیکھیں۔ بہت سی چیزوں کو آپ اپنی چیزوں سے لرن کرتے ہیں۔ سیکھنے کا یہ عمل بہت بہترین ہے۔ تمہاری عمر کے لڑکے لڑکیاں عموماً مطالعے سے چور ہوتے ہیں۔ مگر تم میں مجھے یہ شوق اپنی انتہا کو چھوتا نظر آتا ہے۔ اور یہ بات بہت اچھی ہے۔ اسے جاری رکھو۔" شاباشی دیتے ہوئے اس کی ہمت بندھائی۔

سیو نے فوراً سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"جی۔"

"کیا جی؟" وہ اسے ہونقوں کی طرح سر ہلاتے دیکھ کر حیرت سے تکنے لگا تھا۔

"جی...... آپ...... آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ کتابوں سے واقعی بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ اور......"

"اور کیا؟" عجیب تفتیشی قسم کا انداز تھا۔ سیو کا دم اٹکنے سا لگا تھا۔

"جی...... مجھے...... مجھے نہیں پتہ۔" سیو کے لئے وہاں ٹھہرنا محال ہو گیا۔ بوکھلا کر قدم آگے بڑھانا چاہے مگر عین اسی لمحے اعیان شاہ نے اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنا آہنی ہاتھ بڑھا کر گرفت میں لے لیا۔ وہ متحیر و ساکت سی رہ گئی۔

"بیٹھو یہاں۔" عجیب ڈپٹنے والا انداز تھا۔ سیو کا دل یکدم ہی تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا۔ وہ بادل ناخواستہ چیئر کھینچ کر وہاں تک گئی تھی۔

"اس قدر گھبرا کیوں رہی ہو؟ پیشانی پسینے سے تر کیوں ہو گئی ہے؟ تمہاری طرح کا ایک

عام سا انسان ہوں میں...... پھر خوفزدہ کیوں ہو رہی ہو مجھ سے۔ ڈر کیوں رہی ہو؟"

"جی...... ایسی...... ایسی کوئی بات نہیں۔" اپنے خشک ہوتے لبوں پر اس نے زبان پھیرتے ہوئے بمشکل حلق سے آواز برآمد کی تھی۔

اعیان شاہ نے اسے دیکھا تھا۔ اس کی نگاہوں میں حد درجہ خوف سمٹ آیا تھا۔ یکدم ہی اسے اس پر ترس آ گیا تھا اور ساتھ ہی احساس ہوا تھا کہ جو کچھ وہ چاہتا ہے، وہ اتنی جلد بھی ممکن نہیں۔ شاید تبھی اس نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے قدرے ملائمت سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"دیکھو سویرا! ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں مگر اس کے لئے تمہیں اپنے اندر کے تمام خوف کو ختم کرنا ہو گا۔ میں کوئی ہوا نہیں ہوں۔ نہ ہی آسمان سے میرا نزول ہوا ہے۔ میں تمہاری طرح کا ایک عام انسان ہوں اور تمہیں مجھ سے یقیناً نہیں ڈرنا چاہئے۔" اب کے وہ اسے بالکل بچوں کی طرح سمجھاتے ہوئے بولا تھا اور سیو فوراً ہی سر اثبات میں ہلاتی چلی گئی تھی۔ اور تب تپ کر اس نے فوراً ہی اس کے سر کو ایک جگہ روک دیا تھا اور اپنے تمام تر ٹمپر کو کنٹرول کرتے ہوئے بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

سیو اسی کیفیت میں تکتی چلی گئی تھی۔

"چائے۔" باقاعدہ کپ کی طرف اشارہ ہوا۔ "چائے اچھی بنائی ہے تم نے۔"

"شکریہ......!" سیو کے لئے اگرچہ بولنا محال تھا مگر اسے بولنا تھا۔

"اور کون کون سی ڈشز تم اچھی بنا سکتی ہو؟" اس کی دلچسپی کے فیکٹر کو دیکھتے ہوئے اس نے موضوع تلاشا۔

"جی بہت سی۔"

"مثلاً؟"

"مژگان بھابی سے بہت سی ڈشز بنانا سیکھ رہی ہوں نا...... چائنز، اٹالین اور تھائی......!"

"یعنی مستقبل قریب میں تمہارا ہم سفر بننے والا بندہ یقیناً خوش نصیب واقع ہو گا۔"

"جی......!" سیو کا چہرہ رنگوں سے بھر گیا تھا۔ اس طرح کی گفتگو کی امید اسے کب تھی۔ وہ شخص تو اسے حیران کئے جا رہا تھا۔ کیا وہ بھول گیا تھا کہ وہ کیا رتبہ اور کیا مقام رکھتا ہے۔ وہ تو خادمہ تھی معمولی سی۔ زمین کی خاک تھی جیسے۔ کیوں فراموش کر رہا تھا وہ یہ بات۔

کیسے دوستانہ انداز میں بات چیت کر رہا تھا، جیسے درمیان میں کوئی دیوار موجود ہی نہ ہو اور جیسے اسے اس سب کی اہمیت کا اندازہ ہی نہ ہو یا پھر اس کی نگاہ میں ان تمام باتوں کی

ثانوی سی ہو۔ حالانکہ اس سے قبل تو ایسا نہیں تھا۔

کتنا بے تاثر رہا تھا ہمیشہ یہ شخص...... دور دور...... تنا تنا...... پھر اچانک ہی اتنی دوستانہ فضا گفت وشنید۔

سب کچھ بھی سہی، مگر سیو کے لئے اس گھڑی واقعی وہاں ٹھہرنا محال تھا۔ شاید تبھی وہ اس لے معذرت کر کے وہاں سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

✿......✿

کس قدر دل نشیں سا لگتا ہے
بے ارادہ تجھے دکھی کرنا
کتنا مشکل ہے یہ انا کے لئے
سارے ماحول کی نفی کرنا

وہ بہت انہماک سے جگی سوٹ کیس میں تمام ضروری سامان رکھ رہی تھی۔ صبح سے اس ز معروفیت رہی تھی کہ اسے ابھی تک تیار ہونے کا موقع بھی میسر نہیں آیا تھا۔ آج رخصتی کا ن تھا۔ برات کی آمد ہونا تھی۔ گو تقریب شادی ہال میں تھی مگر اس کے باوجود تمام بکھیڑوں ے الجھنا بھی ایک معمول تھا۔ ہزار ہا کام بکھرے پڑے تھے۔ ایک نمٹاتی تھی تو دوجا تیار ملتا تا۔

اب بھی سوٹ کیس بند کر کے سیدھی ہو کر بیٹھی تھی۔ تبھی کچھ دیر ستانے کو کمر صوفے کی ت سے ٹکا دی۔ ایک عجیب طرح کا سکون سا ملا۔ اس نے لمحہ بھر کو آنکھیں بھی موند لیں۔ کی آہٹ سی ہوئی، اس نے فوراً چونک کر آنکھیں کھولیں۔ نظروں کے عین سامنے وہ شخص کھڑا نظر آیا۔

"تم نے امی کی بات کیوں نہیں مانی؟" باز پرس کرنے کا یہ وقت انتہائی غیر مناسب تھا مگر وہ یہ بات اس شخص کو قطعی نہیں سمجھا سکتی تھی۔ بہت گہری سانس خارج کرتے ہوئے ایک اطمینان کے ساتھ سیدھی ہوئی تھی۔ اگرچہ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کس بابت دریافت کر رہا ہے مگر اس کے باوجود وہ اسے نظرانداز کرنا نہیں چاہتی تھی، تبھی بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا۔

"پلیز، لیو می الون۔ اس لمحے میں کسی بھی موضوع پر بات کرنا نہیں چاہتی۔" تھکن اس کے لہجے سے ہویدا تھی۔ اعصار شیخ چند ثانیوں تک اسے تکتا رہا تھا، پھر پشت سے ہاتھ نکال ایک بھاری پیکٹ اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"آج کی تقریب کے لئے تمہیں یہ پہننا ہے۔"

ادعیہ سمجھ نہیں سکی تھی کہ یہ حکم تھا، خواہش تھی یا پھر کوئی درخواست! شاید تبھی وہ اسے اسی طور دیکھتی رہی تھی۔ وہ شخص شاید اس کی نظروں کا مفہوم پا گیا تھا، تبھی بولا تھا۔

"امی نے کہا ہے۔ تقریب خاص ہے۔ اور نام کو سہی، مگر تم ایک معتبر خاندان سے وابستہ ضرور ہو۔" لمحہ بھر میں وہ جملہ مکمل کر کے وہاں سے چل دیا اور ادعیہ اس شخص کی پشت کو تکتی رہ گئی تھی۔

وہ کتنی ہی دیر تک پیکٹ کو تکتی رہی تھی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

نادانستہ نہیں دانستہ طور پر اس نے ایک بار پھر اس شخص کو مسترد کیا تھا۔ اس کی ذات کی نفی کی تھی اور اپنی وارڈروب میں سے اپنی پسند کا ایک سوٹ منتخب کر کے زیب تن کیا تھا۔

جب وہ تیار ہو کر باہر نکلی تھی سب سے پہلے سامنا اسی سے ہوا تھا اور کتنی بہت سی شکنیں اس شخص کی پیشانی پر اس گھڑی نمودار ہوئی تھیں۔ ادعیہ نے یہ بات واضح طور پر محسوس کی تھی اور جانے کیوں اندر ایک بہت سکون سا اترتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ ایک انجانی سی راحت ملی تھی۔ وہ بہت اعتماد کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے قریب سے گزری تھی۔

"ادعیہ! میرے ساتھ ذرا مارکیٹ تک چلو۔ کچھ ضروری سامان لانا ہے۔" فہد یکدم ہی ہجوم میں سے نکل کر اس کے سامنے آن رکا تھا۔ کوئی اور موقع ہوتا تو وہ شاید منع کر دیتی اور کسی اور کو ساتھ لے جانے کا مشورہ دیتی کہ اس گھڑی تھکن شدید ترین تھی۔ مگر یہ لمحے جیسے اسے بھی "حاصل وقت" لگے تھے۔ وہ شخص کچھ ہی فاصلے پر چچی جان کے ساتھ کھڑا تھا۔ اگرچہ بات چیت چل رہی تھی مگر نگاہ اسی پر تھی۔ وہ جانتی تھی، وہ توجہ کا مرکز ہے۔ تبھی بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔ اس شخص کو دیکھا تھا، پھر فہد کی سمت تکنے لگی تھی۔

"تمہیں فقط میں ہی نظر آتی ہوں؟" اس نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے تجھ سے جدا رکھتا ہے، اور دکھ تک نہیں ہوتا

مرے اندر ترے جیسا یہ آخر کون رہتا ہے"

"اوہ مائی گاڈ۔ اتنی افراتفری میں بھی یہ عالم ہے۔" ادعیہ ہنس دی تھی۔

"اس سے بھی کہیں بڑھ کر......" وہ شرارت سے مسکرایا تھا۔ "اینی وے، باقی کا دیوان فارغ اوقات کے لئے اٹھا رکھتے ہیں۔ فی الحال جلدی کرو۔ چل رہی ہو یا نہیں؟"

"چل رہی ہوں بابا۔" وہ مسکرائی تھی اور اس کے ساتھ ہی قدم فہد کے سنگ بڑھا دیے تھے۔

اعصاب شیخ کے اندر جیسے جھکڑ سے چلنے لگے تھے۔ کتنی بہت سی شکنیں پیشانی کا حصہ بنی تھیں۔ اس کے اندر کیسی طغیانی اور ہلچل برپا تھی، اس کی خبر اسے کب تھی۔ یا پھر وہ جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی تھی جیسے اسے کوئی فکر ہی نہیں۔ جیسے کوئی واسطہ ہی نہیں۔

⚙......⚙

وہ یونہی وقت گزارنے کو ڈسٹنگ میں مصروف تھی، جب احساس ہوا کہ کوئی اسے مسلسل دیکھے جا رہا ہے۔ اس نے نگاہ اٹھائی تھی اور چونک پڑی تھی۔ وجیہہ چاچا اسے بہت دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ وہ کسی قدر کنفیوژ سی ہو گئی تھی۔ مگر ان کے انداز میں اتنی ملائمت تھی کہ وہ گھبرائی نہیں تھی۔ یوں بھی اب وہ کسی قدر پُراعتماد ہو ہی گئی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں آپ؟ کیا میں کچھ غلط کر رہی ہوں؟"

"اوں، ہوں۔" وہ دھیمے سے مسکرا دیے تھے۔ "میں تم میں اپنی بیٹی دیکھ رہا ہوں۔"

"اپنی بیٹی...... کیا آپ کی بھی کوئی بیٹی ہے؟" سیو حیران ہوئی تھی۔

"اوں ہوں۔" وجیہہ چاچا نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ "مگر ہوتی تو شاید تم جیسی ہی ہوتی۔"

"مجھ جیسی؟" وہ حیران ہوئی۔ پھر فوراً سر نفی میں ہلایا۔ "خدانخواستہ، میں تو بہت کم نصیب ہوں۔ تہی دست و تہی داماں، بے وقعت اور..." بہت سی محرومی نے اس کی آواز کا احاطہ کر لیا۔

"ایسے نہیں کہتے۔" وجیہہ چاچا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ حیران ہو کر تکتی چلی گئی۔ "تم میری بیٹی بنو گی؟"

سیو حیران سی رہ گئی، پھر فوراً یاد دہانی کرانے کو گویا ہوئی۔ "آپ شاید جانتے نہیں، ہم حیثیت میں بہت کم درجہ رکھتے ہیں۔ حویلی کے ملازمین میں شمار ہوتے ہیں۔"

وجاہت شاہ مسکرا دیے تھے۔ "یعنی تمہیں یہ تعلق قبول نہیں؟"

سیو چند ثانیوں کو چپ ہو کر یونہی تکتی رہی، پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھ دیا۔ آپ کا دستِ شفقت میرا سب سے بڑا انعام ہے۔" وہ اپنی حیثیت سے اچھی طرح واقف تھی۔

وجیہہ چاچا کا دل جیسے کٹ سا گیا تھا...... وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

⚙......⚙

دل یہ کہتا ہے ضبط لازم ہے

ہجر کے دن کی دھوپ ڈھلنے تک

اعتراف شکست کیا کرنا

فیصلے کی گھڑی بدلنے تک

شعاع اپنے گھر کو رخصت ہوئی تھی۔ تمام امور بہ احسن و خوبی سرانجام پا گئے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی ادعیہ کے وہاں رکنے کا جواز بھی ختم ہو گیا تھا۔ اگرچہ وہ وہاں مزید قیام کرنا چاہتی تھی اور بہت سکون کے ساتھ آئندہ کے لئے لائحہ عمل بنانا چاہتی تھی مگر امی نے اسے زبردستی اعصار شیخ کے سنگ کر دیا تھا۔

"بوجھ ہو گئی ہوں میں آپ پر؟" وہ شکوہ کئے بنا نہ رہ سکی تھی۔

"بچگانہ باتیں مت کرو۔ شادی کے بعد لڑکی کا فرض اپنی عائلی زندگی کے فرائض کی انجام دہی ہے۔ تم ملنے کے لئے ہزار بار آؤ۔ چاہو تو قیام بھی کرو۔ مگر بہت دن تک نہیں۔ اعصار شیخ کو بھی یہ بات شاید نا مناسب لگے۔" امی نے تاویل پیش کی تھی اور وہ اندر تک بدمزہ ہو گئی تھی۔ مگر اس کے باوجود تمام ضروری سامان پیک کر کے اس شخص کے سنگ واپسی کے لئے چل پڑی تھی۔ راستے بھر کوئی بات نہیں ہوئی تھی اور گھر آ کر بھی وہ بہت بے دلی کے ساتھ سامان ایک سمت پٹخ رہی تھی۔ جب وہ بول پڑا۔

"تم چاہو تو بخوشی مزید قیام فرما سکتی ہو وہاں۔ کہو تو دوبارہ چھوڑ آؤں؟" کیا نوازش تھی۔ ادعیہ نے جل کر دیکھا تھا۔ جواب کچھ نہیں دیا تھا۔ پلٹ کر اسی طرح آگے بڑھ جانا چاہا تھا، جب اس شخص نے ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ادعیہ کا دل لمحہ بھر میں دہل گیا تھا۔ وہ شخص کس قدر جنونی واقع ہوا تھا، یہ اس پر کھل چکا تھا۔

اپنی طرف سے وہ جیسا چاہتا تھا، روا رکھتا تھا مگر کسی دوجے کی ذرا سی بے اعتنائی اور بے توجہی بھی اسے قابل قبول نہ تھی۔ اب بھی اسے اپنا نظر انداز کئے جانا بے حد کھلا تھا۔ ادعیہ جانتی تھی یہ بات۔ کسی قدر تو سمجھنے ہی لگی تھی اسے۔

پہلے فقط اس پر اس کا ایک روپ منکشف تھا۔ ایک بھرپور چاہنے والے کا۔ بہت سی چاہتیں لٹانے والے کا۔ بہت سی توجہ اور محبت سونپنے والے کا۔ ایک پاگل سا، چپ چاپ سلگنے والا شخص، اپنی ہی آگ میں جلنے والا شخص۔ مگر جب اسی آگ میں اس نے اسے زبردستی گھسیٹ لیا تھا، تب اس پر اس کے کئی روپ منکشف ہوئے تھے۔ وہ کس قدر انتہا پسند تھا۔ کس قدر جنون خیز تھا، یہ تب کھلا تھا اس پر۔ اور پھر اس کے بعد کی تمام کیفیات تو اس جنون خیزی اور جنون پسندی کا حصہ تھیں۔

اور اب بھی وہ اسے اسی انداز سے تک رہا تھا، جیسے نگاہوں سے اسے بھسم کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔

"وہاں رکنے کے جواز قابل غور ہیں۔ مگر تمہارا کف افسوس ملنا بے سود ہے۔" وہ شخص پھر ہی زہر اگل رہا تھا۔ اسی شک کی آگ میں جل رہا تھا۔ ادعیہ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی اور پھر اسی سہولت سے اپنی کلائی اس کے ہاتھ سے چھڑائی تھی اور خاموشی سے پلٹ کر آگے بڑھ گئی تھی اور اعصار شیخ اس کے اطمینان پر مزید سلگ کر رہ گیا تھا۔

✿......✿

ہنی نے کراچی کی زمین پر قدم رکھتے ہی پہلا رابطہ مژگان سے کیا تھا۔

"ہو کہاں تم؟" مژگان نے اس کی آواز سنتے ہی پہلا سوال داغا تھا۔

"جہاں تم چھوڑ آئی تھیں، وہاں نہیں ہوں۔"

"سوری۔ مگر کیا تم ابھی تک خفا ہو اس بات پر؟"

"ہنی! ایک بات جانتی ہو تم..... میں تم سے قطعاً ناراض نہیں ہو سکتا۔ چاہے تم کتنی ہی ناانصافی میرے ساتھ کر لو۔ کیسا بھی سلوک روا رکھو... مگر میں، سویٹ ہنی! میں خود کو تو فراموش کر سکتا ہوں مگر تم کو نہیں۔" اس کا لہجہ اور انداز آج بھی اتنی ہی دیوانگی لئے ہوئے تھا۔

مژگان نے اپنے لب بھینچ لئے تھے، پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی تھی۔

"تم ملنے آؤ نا مجھ سے۔"

"آ تو جاؤں، مگر تمہارے اس شوہر نامدار نے مجھے اٹھا کر باہر پٹخ دیا تو......" وہ بے ساختہ قہقہہ لگا کر ہنسا تھا۔ مژگان اس لطیف سے مذاق پر ہولے سے مسکرا دی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا، تم آ جاؤ۔ بلکہ آج کا ڈنر ہمارے ساتھ کرنا۔"

"نہیں، آج تو یہ ممکن نہیں۔ پھر کسی دن سہی۔"

"اوکے۔" مژگان نے تردد نہیں کیا۔

"ایکچوئیلی اماں اور ابا جی وغیرہ آئے ہوئے تھے۔ میں سوچ رہی تھی، تمہیں ان سے ملوا دوں۔"

"گاؤں تو تم نے مجھے دکھایا نہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے شکوہ کیا۔

"تم مجھ سے جھگڑا کرنے کے موڈ میں ہو؟"

"یہ تو فقط شکوہ ہے ہنی!"

"اور میں اگر جواب شکوہ کروں تو؟" مژگان نے مسکرا کر کہا۔

"بصد شوق ہنی! سر تسلیم خم ہے۔"

"اف..... کس قدر بولتے ہو تم۔ مجھے یہ تو پوچھنے کا موقع دو کہ تمہارا ٹور کیسا رہا؟"

"سب بے کار رہا ہنی۔ سب کچھ بے معنی رہا تم بن۔" اس کا لہجہ انہی حدتوں سے پر تھا۔ مژگان کوئی جواب نہ دے سکی تھی۔ اس کی خاموشی پر وہ فوراً بولا تھا۔

"ہنی! مجھے لگتا ہے، تمہیں اب بھی وہی موسم درپیش ہیں۔ تم اب بھی انہی ہواؤں کی زد پر ہو۔" کتنا یقین تھا اس کے قیاس میں۔

مژگان ساکت سی رہ گئی تھی۔

جانے کیوں اور کیسے جان جاتا تھا یہ شخص اس کے اندر کے سارے موسم۔

کیسے رسائی ہو جاتی تھی اس کی۔ کیسی نگاہ تھی اس کی، کیسے اندر تک اتر جاتی تھی کہ تمام پوشیدہ اسرار کھلتے چلے جاتے تھے۔

"ہنی! میں جانتا ہوں، تم کسی طوفان کی زد پر ہو۔ میں جان سکتا ہوں تم کن موسموں پر سفر کر رہی ہو۔ تم کچھ نہ کہو، کچھ بھی نہیں۔ مگر میں پھر بھی جان سکتا ہوں۔ تمہارے اندر کے سبھی موسموں پر میری نظر ہے۔"

"ٹنک! میں تم سے ملوں گی۔" اس نے اپنے بوجھل دل کو سمیٹا تھا۔ "میں واقعی ان دنوں کچھ عجیب الجھنوں کا شکار ہوں۔ تم اچھے دوست ہو میرے۔ مجھے تم پر بہت مان ہے۔"

"میں مشکور ہوں ہنی!" وہ بہت دھیمے انداز میں مسکرایا تھا۔ "اوکے، پھر کیا منتظر رہوں۔ کب آؤ گی تم؟"

"آنے سے قبل بتا دوں گی۔" اس نے کہہ کر نگاہ اٹھائی تھی اور رہبان عالم شاہ کو سامنے دیکھ کر لمحہ بھر کو چونک پڑی تھی، پھر فوراً معمول پر آتے ہوئے مسکرائی تھی۔ جانے وہ کب اس طرف آن نکلا تھا۔

"اوکے، پھر بات ہو گی۔" اس نے فوراً ہی رابطہ منقطع کیا تھا۔ پھر رہبان عالم شاہ کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

"آ گئے آپ۔" ایک فطری سا جملہ وہ مخصوص انداز سے بولی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"میں نے آج کے ڈنر پر محترم علی شاہ کو مع اہل و عیال انوائٹ کر لیا ہے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

"ہاں، مگر تمہاری ذمے داری اس طرح بڑھ بھی تو جائے گی۔"

"اس کے لئے آپ فکر نہیں کریں۔" وہ بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹتی ہوئی مکمل گھریلو انداز میں تھی۔ "چائے لاؤں آپ کے لئے؟" وہ مخصوص گھریلو انداز میں بولی تھی اور رہبان

عالم شاہ اسے تکتا چلا گیا تھا۔

مژگان اس کی اس نگاہ غلط انداز پر کنفیوژ سی ہو کر سر جھکا گئی تھی۔ پھر دوجے ہی پل فوراً سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"میں چائے لاتی ہوں۔" اور اس کے ساتھ ہی وہ سرعت کے ساتھ باہر نکل گئی تھی۔

✿......✿

"بیگم صاب! آپ سے کوئی خاتون ملنے آیا ہے۔" وہ اسی طرح آنکھیں موندے بیٹھی تھی، جب ملازم نے آ کر اسے مطلع کیا تھا۔ وہ چونکتے ہوئے دیکھنے لگی تھی۔

"کون ہے؟"

"پتہ نہیں۔ مگر حلیے سے بہت معتبر لگتا ہے۔ میں نے پوچھا بھی تو نہیں بتایا۔ بس کہتی رہیں، وہ آپ کو جانتی ہیں اور آپ ان کو۔ تب میں نے ان کو اندر ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا۔"

"اوکے۔ تم جاؤ میں آتی ہوں۔" تجل نے کہا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

مژگان ڈرائنگ روم میں اس کی منتظر تھی۔

تجل اسے دیکھ کر اپنی جگہ ساکت سی رہ گئی تھی۔

کیوں آ گئی تھی وہ اس کے زخموں کو کھرچنے۔

اس کے پاس تو سب کچھ تھا۔

پھر کیوں اس کی برداشت، اس کے ضبط کا امتحان لینے چلی آئی تھی۔

کیا فقط یہ باور کرانے کہ "تم تہی دست ہو۔"

تجل کو دیکھتے ہوئے وہ بہت ہولے سے مسکرائی تھی۔ انداز دوستانہ تھا۔ مگر تجل کے لبوں کی جامد چپ ٹوٹی نہیں تھی۔

"میں مژگان ہوں۔ مژگان نواز سومرو۔" مژگان نے اپنا تعارف کرایا تھا۔ تجل بہت ہولے سے مسکرا دی تھی۔

"مسز رہبان عالم شاہ۔" ایک طنز سا لبوں پر آ کر ٹوٹ گیا۔ مگر مژگان قطعاً بدمزہ نہیں ہوئی۔ وہ اس کی کیفیت سمجھ رہی تھی۔ وہ کچھ ایسا ہی ایکسپکٹ کر رہی تھی۔ تبھی اس کا اطمینان ہنوز برقرار تھا۔ کچھ دیر وہ خاموش رہ کر جیسے مناسب الفاظ اکٹھے کرتی رہی تھی، پھر بہت ہولے سے مسکرائی تھی۔

"تم یقیناً مجھے قبول نہیں کر رہیں اس لمحے۔" اس کی سراسیمگی کو دیکھتے ہوئے وہ بولی تھی۔

مگر سجل نے بہت پُراعتماد انداز میں سرنفی میں ہلا دیا تھا۔ ساتھ ہی بولی تھی۔

''نہیں، ایسی بات نہیں۔ میں ہر لمحے کسی بھی نئی صورتحال کو فیس کرنے کے لئے تیار رہتی ہوں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ زندگی لمحہ بہ لمحہ رنگ بدلتی ہے اور ہمیں حیران کرنے کی کوشش میں لگی رہتی ہے۔''

''اور تم حیران ہونا نہیں چاہتیں۔'' مژگان دوستانہ انداز میں مسکرائی۔

''ہاں۔'' اس نے مختصر جواب دیا تھا۔ پھر اس کا طائرانہ جائزہ لیتے ہوئے ہولے سے مسکرائی تھی۔ ''تم خوبصورت ہونے کے ساتھ کافی ذہین بھی ہو۔ رہبان عالم شاہ کی چوائس لاجواب ہے۔ ذہین لڑکیاں اسے ہمیشہ اٹریکٹ کرتی ہیں۔'' طنز کا ایک اور گہرا وار تھا۔ مگر مژگان مسکرا دی تھی۔ بڑی بے ریا مسکراہٹ تھی۔

''یہی بات اگر میں تمہارے متعلق کہوں تو؟''

اور سجل یکدم ہی لب بھینچ گئی تھی۔ پھر چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔ مژگان نے اس کی کیفیت کو بھرپور انداز سے جانچا تھا، پھر بہت ہولے سے مسکرا دی تھی۔

''سجل! تمہاری مجھ سے خائف ہونے کی وجہ اپنی جگہ۔ مگر سنو، کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم ایک دوستانہ ماحول میں بات چیت کریں؟ میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتی ہوں۔ مگر پلیز۔'' اس کا لہجہ یقین دلاتا ہوا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

''کیا کہنا چاہتی ہو تم۔ کیا رہبان عالم شاہ کو مجھے سونپنے آئی ہو؟'' وہ یقیناً مذاق کے موڈ میں تھی۔

مژگان نے اس کی جانب دیکھا تھا، پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے سنجیدگی سے اس کے جواب میں کہا تھا۔ ''سجل! اگر اعتبار کرسکتی ہو تو کرلو کہ میں تم دونوں کی سچی خیر خواہ ہوں۔''

''اسی لئے تم اب تک اس کی زندگی میں ہو اور اس کی زندگی کا حصہ ہو۔'' وہ مسکراتے ہوئے دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ مژگان گھڑی بھر کو چپ ہوئی تھی، پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''میں کوئی فرشتہ نہیں ہوں، ایک عام سی انسان ہوں۔ سخاوت کے کسی مظاہرے سے میں خود کو بہت بلند مقام پر فائز کرنا نہیں چاہتی۔ بات سیدھی سی یہ ہے کہ میرا...... میرا کوئی دلی تعلق اس شخص سے وابستہ نہیں۔ میں صاحب دل تو ہوں، مگر میری طلب وہ شخص نہیں۔ نہ ہی میں اس کی مطلوب واقع ہوئی ہوں۔ تم تو صاحب دل ہو، صاحب وفا ہو۔ تمہیں تو یہ بات

با آسانی سمجھ لینا چاہئے۔'' مژگان نے باور کرایا تھا۔

''تم کہنا کیا چاہتی ہو؟''

''یہی کہ تم اپنے دل کی تمام کدورتوں کو دھو دو۔ وہ شخص تم سے الگ نہیں ہے۔ وہ تمہارے لئے ہے اور تمہارا ہے۔''

سجل اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر یکدم ہنس دی تھی۔ ''بڑی عجیب و غریب لڑکی ہو تم۔ ایک طرف تو کہتی ہو کہ تم عظمت کے اعلیٰ اور اونچے معیار پر فائز ہونا نہیں چاہتیں اور دوسری طرف سخاوت کا اتنی عمدگی سے مظاہرہ بھی کر رہی ہو۔ کیوں کر رہی ہو تم ایسا؟ تم اس کے نصیب ہو، اس کا انتخاب ہو، اس کی زندگی ہو، اس کی وائف ہو۔ پھر کیوں دستبردار ہونا چاہتی ہو اس سے؟ رہبان عالم شاہ جیسا شخص تو کسی کی بھی خواہش ہوسکتا ہے۔ ہر طرح سے ایک آئیڈیل شخص۔ کیسے ممکن ہے، کوئی اس کے ساتھ رہے۔ اسے دیکھے اور ہارے نہیں۔ تم تو ایک مدت اس کے ساتھ گزار چکی ہو۔ اس سے شرعی طور پر وابستہ ہو۔ پھر تم اس سے کیسے منحرف ہو رہی ہو۔ کیا تمہیں کہیں اور......''

وہ بولتے بولتے یکدم رک گئی تھی۔ شاید دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

مژگان ہونٹ بھینچ کر سر جھکا گئی تھی۔ یہ تمام باتیں یقیناً وہ ڈسکس نہیں کرسکتی تھی۔

کتنا بڑا امتحان تھا۔ اور وہ اس سے گزر رہی تھی۔

''سجل! میں اس کی محبت نہیں ہوں اور یہ بات میں جانتی ہوں۔ ایک چھت تلے رہنے کے لئے فقط ایک کاغذی رشتہ کافی نہیں ہوتا۔ دل بھی سنگ ہونا ضروری ہے۔ اور مجھ پر یہ بات روزِ اول سے منکشف ہے کہ اس کے دل میں کوئی اور ہے اور وہ کوئی اور تم ہو سجل۔''

سجل کے لب یکدم بھنچ گئے تھے۔ وہ سر جھکا کر ہونٹ کچلنے لگی تھی۔

کیسے بھلاتی وہ ملاقات...... وہ منظر......!

جب ایک انتہائی مطلوب شخص کی توجہ، بے اعتنائی میں تبدیل ہوئی تھی۔

وہ غیر ہو کر ملا تھا۔ تو کوئی سبب تو تھا۔

ایک طنز بھری مسکراہٹ لمحہ بھر میں اس کے لبوں پر آن ٹھہری تھی۔

''کیا تم اسے میرے مدمقابل لاسکتی ہو؟''

مژگان چونک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ تبھی وہ بولی تھی۔

''میں دیکھنا چاہتی ہوں، میں واقعی اب بھی اس کی خواہشوں میں ہوں کہ نہیں۔ اگر میں اس کی طلب ہوں تو اسے خود مجھ سے رجوع کرنا چاہئے نہ کہ کوئی اور۔''

مژگان لب بھینچ گئی تھی۔

رکنے کا اب اور کیا جواز باقی رہ گیا تھا۔ وہ اٹھی تھی اور پھر چلتے ہوئے باہر نکل آئی تھی۔

وہ ایک دریا سے پار اتری تھی اور سامنے ایک اور سمندر آن رکا تھا۔

✿......✿

جدائیاں تو مقدر ہیں پھر بھی جانِ سفر
کچھ اور دور ذرا ساتھ چل کے دیکھتے ہیں
رہِ وفا میں حریفِ خرام کوئی تو ہو
سو اپنے آپ سے آگے نکل کے دیکھتے ہیں
نہ تجھ کو مات ہوئی ہے نہ مجھ کو مات ہوئی
سو اب کے دونوں ہی چالیں بدل کے دیکھتے ہیں

"جب تم کسی بات کا حوصلہ نہیں رکھتی ہو تو کر کیوں رہی ہو یہ سب؟"

نک نے تمام صورتحال جاننے کے بعد بغور اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔ مژگان چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

جو بات وہ خود بھی قبول کرنے سے خوفزدہ تھی، وہی بات وہ کتنے آرام کے ساتھ اسے باور کرا گیا تھا۔

"محبت کرنے لگی ہو اس سے؟ چاہنے لگی ہو اس شخص کو؟" نک کی بازگشت کتنی دیر تک اس کا احاطہ کئے رہی تھی۔

"جب چاہتی ہو تو پھر بھاگ کیوں رہی ہو؟ کیوں اس سے دور نکلنا چاہتی ہو؟"

مژگان کی آنکھوں میں رکے سمندر یکدم ہی راہ پا گئے تھے۔ کتنی آہستگی کے ساتھ بہت سا پانی رخساروں پر پھیلنے لگا تھا۔ نک اسے دیکھتا چلا گیا تھا۔

کتنے لمحے خاموشی میں بیت گئے تھے۔

"تم یہ کیوں نہیں سمجھتی ہو کہ جو کچھ تمہاری دسترس میں ہے، وہ تمہارا ہے۔ تمہارے لئے ہے۔"

وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑنے لگی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہے۔ ایسا کچھ بھی نہیں۔" مدھم لہجے میں بہت یاسیت تھی۔

"سویٹی! تم کیوں مخفی رکھنا چاہتی ہو خود کو۔ تم کیوں چاہتی ہو کہ تمہارے اندر کے موسموں کی کسی کو خبر نہ ہو؟" نک کی گمبھیر آواز میں اس کے لئے بہت سی فکر تھی۔

وہ بہت دیر تک خاموشی میں یونہی سر جھکائے اپنے اندر کا بہت سا غبار دھوتی رہی تھی۔

نک اس کی کیفیت پر حد درجہ متفکر ہو گیا تھا۔

کتنا بہت سا اضطراب اس کے اندر باہر پھیلنے لگا تھا۔ وہ اس کی سمت سے نگاہ ہٹا گیا تھا مگر وہ اس کیفیت کو پھر بھی تبدیل نہ کر سکا تھا۔ بہت دیر تک وہ یونہی بیٹھا رہا تھا۔

پھر یکدم پُرافسوس انداز میں سر نفی میں ہلانے لگا تھا۔

"ہنی! آئی کانٹ ہیلپ اٹ۔"

وہ یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ نک نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا پھر بولا تھا۔

"کیا کر سکتا ہوں میں تمہارے لئے...... کچھ بھی تو نہیں۔ پھر کیوں بہائے جا رہی ہو تم یہ اپنے قیمتی آنسو۔ جانتی ہو مجھے کس قدر تکلیف ہو رہی ہے؟"

"کیا کروں پھر میں...... کس سے کہوں...... میرا تو کوئی بھی نہیں۔" وہ ضبط کے ساتھ ہونٹ کچلنے لگی تھی۔

"میں کیا کروں۔ جو مجھے یہ ادراک مدت بعد ہوا۔ میں کیا کروں جو میرا دل میرے خلاف بغاوت پر مائل ہو گیا۔ میں نے تو ایسا کبھی نہیں چاہا تھا۔ کب جانتی تھی میں کہ ایسا کچھ ہو جائے گا۔ اب اگر میرا دل کسی کے ساتھ کا تمنائی ہو چلا ہے تو میرا کیا قصور ہے۔ دل اگر جواباً ایسی ہی جذباتی وابستگی کی توقع کر رہا ہے تو کیا غلط ہے۔ اگر میں چاہتی ہوں کہ کوئی مجھے میری ہی طرح سے چاہے تو کیا عجب ہے یہ۔" وہ بے حد شکستہ لہجے میں گویا تھی۔ "نک! تم نے سدا میری جانب محبت کے پھول بھیجے۔ مجھے انتہائی حد تک جانا، سمجھا۔ میرے بن کہے میری ہر کیفیت کو جانا۔ میرے بنا کہے، بنا بتائے میرے اندر کے ہر موسم تک تمہاری رسائی رہی۔ میں کب دکھی ہوں۔ میں کب خوش ہوں۔ کب خزاؤں کا ڈیرا میرے دل میں ہے۔ کب میں تمازتوں کی زد میں ہوں۔ تم نے وہ سب بنا کہے جانا اور تم نے مجھے بے حد، بے حساب چاہا۔ بے انتہا نوازا۔"

وہ اس کی سمت تکتا چلا گیا۔ وہ ایک بار پھر سر جھکا گئی۔ پھر بہت مدھم لہجے میں بولی۔

"میں ایسی ہی محبت اس کی جانب سے ایکسپیکٹ کرنے لگی ہوں۔ میں خود نہیں جانتی، یہ کب ہوا۔ تمہاری بہت سی دیوانگی بھی میرے اندر جو جوت نہ جگا سکی، وہی جوت جانے کب اس شخص کی سرد مہری نے جگا ڈالی۔" عجیب اعترافِ شکست تھا۔ بھیگی بھیگی پلکوں پر اب بھی کئی موتی اٹکے ہوئے تھے۔

نک اسے ساکت سا تکتا جا رہا تھا۔ وہ بنا اس کی جانب دیکھے سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

پھر اسی آہستگی سے بولی تھی۔

"تنک! میں کس سے کہوں کہ میں ہارنے لگی ہوں۔ ہار گئی ہوں! میں اس کی چھپر چھاؤں تلے رہنا چاہتی ہوں۔ ایک پل کے لئے نہیں، ایک دن کے لئے نہیں، پوری حیات کے لئے۔ چلنا چاہتی ہوں اس کے ساتھ، قدم دو قدم نہیں، بہت دور تک۔ تمام عمر تک۔ کیسے کہوں کہ اسے گنوانا نہیں چاہتی۔ میرے لئے یہ آسان نہیں، بہت مشکل ہے۔ کیسے کہوں کہ اب میں اسے کھونے کا حوصلہ ہی نہیں رکھتی۔"

وہ اسے یونہی تکتا جا رہا تھا۔

مژگان سر اٹھا کر اوپر کی جانب تکنے لگی تھی۔

"کیسے جیوں گی میں...... اگر اسے کھو دیا۔"

کتنے گہرے انکشافات تھے۔

تنک مسلسل اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے تکتا چلا گیا تھا۔

مژگان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ پھر اسے اسی طرح حیران چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور پھر اسی طرح چلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

تنک اپنی جگہ اسی طرح ساکت سا بیٹھا رہا تھا۔

☆......☆

"ایسا کب تک ہوتا رہے گا؟" ادعیہ سر جھکائے ڈان کا "جاب اپر چونیٹیز" والا پیج لئے بیٹھی تھی، جب دادی اماں کی آواز ابھری تھی۔ ادعیہ چونکی ضرور تھی، مگر سر نہیں اٹھایا

دادی اماں اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھتی رہی تھیں۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولی تھیں۔ "ادعیہ! زندگی کوئی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں ہے۔ شادی کے بعد کی زندگی ...تلف اور مشکل ضرور ہوتی ہے۔ مگر اسے آسان تر بھی بنایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ کوئی ایسا ...ہے۔"

ادعیہ سر اٹھا کر انہیں تکنے لگی مگر بولی کچھ نہیں۔ دادی اماں نے اسے بغور دیکھا تھا، پھر ...تھیں۔ "ادعیہ بیٹا! زندگی اس طرح نہیں گزرتی۔ جو ہو چکا ہے، اسے تقدیر سمجھ کر قبول ...لو۔ انا اپنی جگہ، مگر ذرا سا جھکنا اگر کسی بہت بڑی خوش آئند تبدیلی کا باعث بن رہا ہو تو اس ...لازمی پس و پیش سے کام نہیں لینا چاہئے۔ میں تمہارے جھکنے کے حق میں اس لئے ہوں ...کہ میں پرانی روایات کی پاسداری کر کے تم سے کسی قربانی کی خواہاں ہوں۔ مگر بیٹا! عورت ...اور زندگی کے دو ستون ہیں۔ مرد جہاں خودسر اور ضدی واقع ہوا ہے، وہیں عورت بہت ...واقع ہوئی ہے۔ صابر اور فہم و فراست سے بہرہ ور۔ مرد میں سرکشی زیادہ ہے۔ وہ جھکنے ...اور پہلا قدم بڑھانے میں اس لئے بھی پس و پیش سے کام لیتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر ...افضل ہے۔ یہ مرتبہ اسے خدا نے دیا ہے۔ ہو سکتا ہے، میری اس قدیم سوچ سے تم ...اختلاف کرو مگر زندگی گزارنے کے لئے بہت سی باریکیوں کو سمجھنا اور ماننا بہت ضروری ہے۔ ...یہ دلائل مفروضوں پر مبنی ہوں یا پھر یہ نظریات اپنے اندر فرسودگی رکھتے ہوں۔ بیٹا! وہ ...بہت بڑی ہوتی ہے جو تھوڑی سی ہار کے بعد ملے۔ ہم گئے وقتوں کے لوگ ہیں۔ ...روایت پرست سہی مگر زندگی گزارنے کے لئے بہت سے زریں اصولوں سے آگاہی رکھتے ...ہیں۔"

ادعیہ خاموشی سے سر جھکائے بہت ہولے سے گویا ہوئی تھی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا

دادی اماں! آخر اور کتنا پسنا ہو گا اس چکی میں مجھے۔ میری انا، میرا تشخص، میرا وقار کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کتنا مزید جھکوں میں۔ قدموں کی خاک تو ہو گئی ہوں۔" اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

"ساری قربانیوں کی ترغیب مجھے ہی کیوں دی جاتی ہے۔ سبھی کچھ تو تیاگ دیا ہے میں نے۔ اب اور باقی بچا ہی کیا ہے۔" کتنا بہت سا پانی آنکھوں میں آن رکا تھا اور وہ چپ ہو کر ڈھیر سارے پانی کو اپنے اندر مدغم کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ سر جھکا کر کچھ دیر تک یونہی خاموشی سے بیٹھی رہی تھی۔ دادی اماں چپ چاپ اسے دیکھتی رہی تھیں۔ کتنے بہت سے آنسو اس کی آنکھوں سے پھسلتے چلے گئے تھے۔ ایک بار پھر وہ ہار چکی تھی۔ ضبط ٹوٹ چکا تھا۔

دادی اماں کے دل میں ایک انی سی کھب گئی تھی۔ ایسا تو نہیں چاہتی تھیں وہ۔ وہ تو اس کی خیر خواہ تھیں، اسے خوش دیکھنا چاہتی تھیں۔ مگر ہر اقدام بجائے اس الجھی ہوئی ڈور کو سلجھانے کے، مزید الجھائے جا رہا تھا۔ وہ اس لمحے بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

ادعیہ کچھ لمحوں تک یونہی سر جھکائے بیٹھی رہی تھی، پھر ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑتے ہوئے ایک عزم سے سر اٹھایا تھا۔

"میرے لئے زندگی کے جیسے سبھی دروازے بند ہیں۔ کیونکہ یہ بات سب پر منکشف ہو گئی ہے کہ میرے پاس کوئی اور راہ نہیں۔ اور یہ کسی قدر سچ بھی ہے۔ میرے پاس نہ تو واپسی کی کوئی راہ ہے نہ ہی آگے بڑھ جانے کا کوئی راستہ۔ میں اس گھڑی اس موڑ پر رکی فقط آگے کا لائحہ عمل مرتب کر رہی ہوں۔ یہ طے ہے، مجھے اس دلدل میں مزید دھنسنا نہیں ہے۔ جانور بھی ایک ہی بار قربان ہوتا ہے، میں تو پھر انسان ہوں۔" وہ یکدم اٹھی تھی اور دادی اماں کو ہکا بکا چھوڑ کر وہاں سے نکل گئی تھی۔

کتنی مشکل ہوتی جا رہی تھی زندگی۔

کس قدر الجھاتے جا رہے تھے یہ دونوں زندگی کی ڈور کو۔

مگر دونوں کو جانے کیوں اس بات کا احساس تک نہ تھا۔

کوئی ایک بھی قدم آگے بڑھاتا تو بہتری کی کوئی صورت سامنے آ سکتی تھی۔ مگر ایسا ہوتا جبھی تو۔ کوئی تدبیر کارگر ثابت نہیں ہو رہی تھی۔

ہوقت بھربھری ریت کی مانند ہاتھ سے پھسلے جا رہا تھا اور ہر گزرتا لمحہ انہیں پہلے سے زیادہ اجنبی کر رہا تھا۔

ان کے درمیان فاصلوں کی خلیج بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ مگر کس قدر نادان تھے دونوں۔

✿......✿

خواب، کچھ بکھرے ہوئے سے خواب ہیں
کچھ ادھوری خواہشیں
تشنہ لب آوارگی کے روز و شب
ایک صحرا چار سو بکھرا ہوا
اور قدموں سے تھکن لپٹی ہوئی
جانے کب سے وہ دلوں پر ثبت ہیں
رات ہے اور وسوسوں کی یورشیں
یہ اچانک
طاق میں جلتے دیے کو کیا ہوا
صبح ہونے میں تو خاصی دیر ہے......!
آئینے اور عکس میں دوری ہے، کیوں
روح پیاسی ہے ازل سے
درمیاں تاخیر کا اک دشت ہے

مژگان کچن میں آئی تھی، جب اماں بھی آ کر اس کے ساتھ مصروف ہو گئی تھیں اور وہ فقط منع کرتی رہ گئی تھی۔

"جب میری اتنی پیاری سی بیٹی کچن میں کام کر سکتی ہے تو فیر میں کیوں نہیں کر سکتی؟" وہ اس کے تعرض پر ہولے سے مسکرائی تھیں تو وہ مزید کچھ نہ کہہ سکی تھی۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے بولی تھیں۔ "رہبان عالم شاہ کے کان کھینچنے پڑیں گے۔ کوئی ایک ڈھنگ کا خانساماں نہیں رکھ سکتا۔ چولہے کے سامنے جلنے کو تمہیں آگے کر دیتا ہے۔" اماں کا انداز محبت بھرا تھا۔ وہ یکدم ہی مسکرا دی تھی۔

"میں نے خود ان کو منع کیا ہوا ہے۔ میرے پاس کرنے کو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ بھی ایک اچھی مصروفیت ہے۔ اگر اس کام سے اچھا وقت گزر سکتا ہے تو پھر کیا حرج ہے۔ دوسرے مجھے بہت اچھا کھانا بنانا آتا ہے۔ یہ بات بھی تو پروف کرنا مقصود ہے۔" وہ غیر سنجیدگی سے گویا تھی۔ اماں نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ ان کا انداز بہت خاص کیفیت لئے ہوئے تھا۔ مژگان جو معمول کے مطابق مسکرا رہی تھی، یکدم ہی چونک کر لب بھینچتے ہوئے سر جھکا کر سلاد کے لئے کھیرا کاٹنے لگی تھی۔

"مژگان!" اماں نے ہولے سے پکارا تھا۔ مژگان کے اندر کا چور یکدم ہی بیدار ہوا

تھا۔ دل یکبارگی دھڑکا تھا۔

''جی۔'' بہت مدھم انداز میں جواب دیا تھا۔

''تم دونوں میں سب کچھ ٹھیک تو ہے نا؟'' وہ جہاندیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں اور مژگان کے اندر ایک ہلچل سی برپا ہو گئی تھی۔

''جی...... جی...... کیا مطلب......؟'' اس نے اپنا انداز حتیٰ الامکان مطمئن اور معمول کے مطابق رکھنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اماں جس طرح اس کی جانب دیکھ رہی تھیں، وہ بہت گہرائی لئے ہوئے تھا۔ اسے جانے کیوں لگا تھا کہ اگر وہ نگاہ اٹھائے گی تو سبھی راز افشا ہو جائیں گے اور وہ یہی تو نہیں چاہتی تھی۔ تبھی وہ اپنی تمام کیفیات کو پس پشت ڈالتے ہوئے دھیمے سے مسکراتے ہوئے سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔

''میں نے عموماً دیکھا ہے کہ مائیں بیٹوں کے معاملے میں بہت جذباتی ہوتی ہیں۔ مگر اماں! آپ کی یہ انفرادیت قابل ستائش ہے کہ آپ اپنی بہو کی خاطر بیٹے سے بدظن ہو رہی ہیں۔'' وہ بہت خوشگواری سے کہتے ہوئے مسکرائی تھی۔ ''اطمینان رکھیں۔ بہت خیال رکھتے ہیں وہ میرا۔ بہت اچھے ہیں وہ۔'' سلاد کی پلیٹ لے کر فریج کی جانب بڑھتے ہوئے وہ بہت ہولے سے مسکرائی تھی۔

اماں نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر اس وقت بے ریا سی مسکراہٹ تھی۔ فیروزی سوٹ میں بالوں میں سیدھی مانگ نکالے، سیدھی سی چوٹی کئے وہ مکمل گھریلو انداز میں تھی۔ کتنا بدل چکی تھی وہ خود کو رہبان عالم شاہ کے لئے۔ حالانکہ یہ تو اس کا معمول نہ تھا۔

اماں نے اس کی آنکھوں کو دیکھا تھا۔ اس کے لبوں کی مسکراہٹ اپنی جگہ مگر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سا سکوت تھا اور یہی بات انہیں کھٹک رہی تھی۔

انہوں نے ہمیشہ نوٹ کیا تھا، مژگان کے انداز میں ایک گریز کی سی کیفیت ہوتی تھی جو کہ عموماً لڑکیوں میں نہیں ہوتی۔ شادی سے قبل جیسی بھی لاابالی سہی وہ اپنی جگہ مگر شادی کے بعد یہ سب سے بڑا چینج آتا ہے کہ وہ اپنی شے سے متعلق بہت جذباتی ہو جاتی ہیں۔ ایک خاص طرح کا استحقاق ان کے انداز سے جھلکنے لگتا ہے۔ ایک خاص طرح کی لگاوٹ کا مظاہرہ وہ برملا کرتی نظر آتی ہیں۔ مگر مژگان کے انداز میں وہ کیفیت دور دور تک نہ تھی۔

اس کا انداز بہت لیا دیا اور گریز پر مبنی تھا۔

حالانکہ وہ ایک آزاد مغربی ماحول کی پروردہ تھی۔ مگر اس کے انداز بہت مختلف تھے۔ حد درجہ محتاط، گریز پا، کسی قدر سرد مہر۔

اماں اسے چپ چاپ دیکھے جا رہی تھیں۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

''کیا ہوا اماں! آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں؟''

انہوں نے ہولے سے سر نفی میں ہلایا تھا، جیسے قیاس سمجھ کر ہر شے کو پس پشت ڈالا ہو اور [illegible]رے سے مسکرا دی تھیں۔

''نہیں...... کچھ نہیں۔ رہبان ابھی تک نہیں آیا۔ فون کر کے بتایا کچھ؟''

''جی...... کچھ دیر سے آئیں گے۔''

''دیر سے آنا تھا۔ مگر اب آ چکے۔'' وہ مخصوص آواز پر پلٹی تھی۔ رہبان عالم شاہ پشت پر [illegible]ڑا مسکرا رہا تھا۔

''تم نے میری اماں کو بھی کچن میں لگا لیا؟'' مصنوعی خفگی سے گھورا۔

''نہیں۔'' مژگان یکدم مسکرائی۔ ''میں نے تو انہیں منع کیا تھا مگر۔''

''مگر کیا؟ بن گئیں نا آخر روایتی بہو؟'' وہ غیر سنجیدہ لہجے میں کہتا ہوا اس گھڑی بے حد [illegible]ف لگا۔ ''میری ماں۔'' بڑھ کر ان کے گرد بازو حمائل کر دیئے۔ اماں مسکرا دیں۔

''یہ اتنا پیار فقط اس لئے ٹوٹ کر آ رہا ہے کہ تمہاری دلہن مجھے کچن میں لے آئی ہے؟'' [illegible]اں نے مسکراتے ہوئے اسے چھیڑا۔ وہ مسکرا دیا۔

''مائی ڈیئر سویٹ مام! میری جنت ہیں آپ۔ اور اپنی جنت کسے پیاری نہیں ہوتی۔'' اس [illegible]حد درجہ لگاوٹ کا مظاہرہ کیا۔ اماں مسکرا دیں۔ مژگان ماں بیٹے کو کھڑی دیکھتی رہی۔ [illegible]نے کیوں اس گھڑی اپنا آپ بہت اجنبی سا لگا۔ ارادہ ہٹ جانے کا ہوا مگر عین اسی گھڑی [illegible]ان عالم شاہ پلٹا۔

''کھانے میں کیا ہے؟''

''وہ سب کچھ جو آپ کو مرغوب ہے۔'' وہ پلٹ کر کیبنٹ کھول کر یونہی اندر جھانکنے لگی۔ [illegible]ائی دے، آپ تو آج دیر سے آنے والے تھے؟'' ایک خاص قسم کا لگاوٹی انداز تھا۔ [illegible]ب انتہا چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔ مژگان پلٹی تھی اور مسکراتے ہوئے اس کی [illegible]ر دیکھا تھا۔

''جب تک اماں یہاں ہیں، آپ جلدی آیا کیجئے۔'' مکمل استحقاق جتایا گیا۔ وہ حیران [illegible]ئے بغیر نہ رہ سکا۔ مژگان کا انداز ایک ''حفظ ماتقدم'' کے طور پر تھا۔

[illegible]بان عالم شاہ کی نظریں اس کے صبیح چہرے پر تھیں۔ ابھی ابھی کئی لٹیں چہرے پر [illegible]ھکن کے بے حد واضح اثرات کے باوجود چہرہ بہت ہی کشش لئے ہوئے تھا۔ اماں

کی موجودگی کے باعث وہ فوراً ہی نگاہ پھیر گیا تھا۔

"جو حکم سرکار کا۔" خوشگوار لہجے میں کہتے ہوئے وہ مسکرایا۔ "کھانا لگنے میں کتنی دیر ہے؟"

"آپ کپڑے چینج کیجئے۔ بس کچھ دیر لگے گی۔" وہ مسکرائی تھی۔ پھر یونہی اماں کی جانب دیکھا تھا۔ وہ بھی مسکرائی تھیں۔ وہ آگے بڑھی اور پھر ان کے ہاتھ سے چمچ لیتے ہوئے بولی۔

"اماں! اب آپ بھی باہر چلئے۔ میں ہوں نا۔ گو آپ کو میرا خیال ہے مگر آپ کے صاحبزادے کو آپ کا بہت خیال ہے۔ ایک لمحے میں مجھ پر ظالم اور روایتی بہو ہونے کا الزام لگا دیں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی۔ تبھی رہبان عالم شاہ کے ساتھ وہ بھی باہر نکل گئی تھیں اور مژگان ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہو کر کتنی ہی دیر گہرے گہرے سانس لیتی رہی تھی۔

کس قدر مشکل تھا یہ سب کچھ۔

مگر جانے کیوں پھر بھی وہ اس کھیل کو مسلسل کھیلے جا رہی تھی۔ حالانکہ یہ کھیل فقط ہار تھی۔

اس کے ہاتھ کچھ نہیں آنا تھا۔

مگر وہ جیسے ہر احساس سے عاری ہو چلی تھی۔

✿......✿

کسی حصار میں رہنا مرا محال بھی ہو
کھلی فضا جو ملے تو مجھے ملال بھی ہو
تمام عمر طلب سے گریز یوں بھی رہا
کہ میرے قد کے برابر مرا سوال بھی ہو
میں وحشتوں کی حدوں سے نکل تو آؤں مگر
وصال و ہجر کے موسم میں اعتدال بھی ہو

موسم تو سرد تھا ہی، مگر سرِ شام ہو جانے والی بوندا باندی سے خنکی مزید بڑھ گئی تھی۔ مگر اسے احساس تک نہ تھا۔ کسی بھی گرم کپڑے سے بے نیاز وہ لان میں کھڑی تھی۔ اس کا اندر جیسے برف ہو چکا تھا۔ احساسات منجمد ہو چکے تھے۔ تبھی شاید باہر کی ہر کیفیت اس کے لئے بے معنی ہو گئی تھی۔ ہر احساس جیسے اندر کے احساس سے مل گیا تھا۔

اس کے حواس پر ایک سوال مسلسل ہتھوڑے کی مانند برس رہا تھا کہ آخر وہی کیوں کمپرومائز کرے۔

اپنی بے توقیری اسے منظور نہیں تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ ان تمام مراحل سے گزر رہی

تھی۔ اپنی بے بسی پر اسے جی بھر کر غصہ آ رہا تھا۔ اور حد تو یہ تھی کہ اسے ہی موردِ الزام ٹھہرایا جا رہا تھا۔

اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی وہ شخص فرشتہ بنا بیٹھا تھا۔ اتنا ہی سربلند تھا اور وہ خاک ہوتی چلی گئی تھی۔

تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی اعصار شیخ! میں نے زندگی میں کبھی کسی سے نفرت نہیں کی۔ مگر تم...... وہ واحد ہستی ہو اعصار شیخ! جس کے لئے میرے دل میں رتی بھر گنجائش نہیں۔ تمہارے سنگ جینے کا احساس بہت جان لیوا ہے۔

اگر اس شام میرے پاس کوئی اور راستہ ہوتا تو میں اس نکاح نامے پر سائن نہ کرتی۔ مجھ پر ساری راہیں مسدود کر کے تم نے فتح اپنے نام کی تھی۔ میری بے بسی کو کیش کیا تھا تم نے۔ ایک لڑکی کے لئے کیا اہم ہوتا ہے۔ شام ڈھلنے سے قبل اپنی دہلیز کے اندر قدم دھرنا۔ اور تم نے یہی شرط رکھی تھی کہ گھر تبھی واپس وقت پر لوٹ سکتی ہوں، جب تمہاری خواہش پر اس پیپر پر سائن کر دوں، بصورتِ دیگر گھر واپسی کی ساری راہیں میرے لئے بند ہو جاتیں۔ اور اس لئے مجھے اس بند گلی سے نکلنے کے لئے وہ کڑوا گھونٹ پینا پڑا تھا۔ مرد تھے تم...... تناور درخت۔ ایک چھتنار...... باوقار...... مگر اس گھڑی کیسے گر گئے تھے تم...... انسان اپنے معیار سے گر جائے تو باقی کیا بچتا ہے۔

اعصار شیخ! تمہاری مجبوری یہ تھی کہ تم ایک کمزور ترین مرد تھے جسے اپنے حالات سے فرار کے لئے ایک ڈھال درکار تھی۔ تم اپنے گھر والوں کو جائز طریقے سے اپنی خواہشوں کی جانب مائل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔ سو تم نے ایک آسان ترین راہ تلاشی۔ ایک خود غرض شخص ہو تم۔ فقط اپنا آپ عزیز جاننے والے۔ تمہیں مجھ سے محبت ہوتی تو جائز راہ تلاشتے۔ ایک دنیا کو گواہ کر کے مجھے اپنے نام کے لئے پابند کرتے۔ میری توقیر تمہارے لئے بھی اسی قدر اہم ہوتی، اپنی بے توقیری کا رونا میں اس وقت تنہا نہیں رو رہی ہوتی۔

تمہیں کیا پتہ کہ کیسی چبھتی ہیں کسی کی نگاہیں اور کیسے اندر تک چھید کر جاتی ہیں۔

تمہیں کیا خبر کہ ایک لڑکی کے لئے سر اٹھا کر جینے کا غرور کس قدر ضروری ہے۔

میرا سارا مان، میرا سارا غرور کیسے پل بھر میں خاک میں ملا ڈالا تم نے۔ پھر کیسے معاف کر دوں میں تمہیں؟ کیسے کہہ دوں کہ تقدیر میں ایسا ہی درج تھا۔ ایسا قطعی نہیں تھا اعصار شیخ... ایسا فقط تم نے کیا...... مجھے بے وقعتی تم نے عطا کی۔ تمہاری بزدلی نے میرا سر جھکا دیا۔

وہ بھیگنے لگی تھی۔ مگر جیسے ہر احساس برف ہو چکا تھا۔ ساکت و جامد! اعصار شیخ! اگر

تمہارے مدمقابل کبھی کھڑی ہوسکوں تو تم سے دریافت کروں کہ کیسی تھی وہ تمہاری محبت جس نے فقط تمہاری اپنی خواہشوں کو عزیز جانا۔ فقط تمہاری رضا کی پاسداری کی۔ خود اپنے طور پر سارے فیصلے کیئے تھے تم نے۔'

کتنا بہت سا پانی چپ چاپ پلکوں کی باڑ پھلانگ کر رخساروں پر پھسلتا رہا مگر وہ اس بارش میں بھیگتی رہی۔ ماحول کی تلخ بستگی اپنی انتہا کو پہنچنے کو تھی مگر وہ مکمل طور پر بے نیاز تھی۔

'کاش تمہیں احساس ہو اعصار شیخ! کہ تم نے میرے ساتھ کس قدر ناانصافی کی ہے۔ ایک بند گلی میں لا پٹخا ہے تم نے مجھے۔ ہر راہ بند ہے جس کی۔ اور میں بس دیواروں سے سر ٹکرا رہی ہوں۔'

اس نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا تھا۔ چھاجوں ٹوٹ کر مینہ برس رہا تھا۔ وہ بھیگتی چلی جا رہی تھی۔ ہر طرح کی شدت کو دبانے کے لئے اس نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

'جس موڑ پر میں کھڑی ہوں، مجھے نہیں معلوم اس سے آگے کیا ہے۔ کوئی راہ ہے بھی یا کہ نہیں۔ مگر یہ طے ہے اعصار شیخ کہ مجھے تمہارے ساتھ نہیں جینا ہے۔ مجھے اپنے لئے کوئی الگ راہ ڈھونڈنی ہے اور تم سے ہر صورت دور نکلنا ہے۔'

اس کے ہونٹ نیلے پڑنے لگے تھے۔ ٹھنڈ بدن میں سرایت کر کے پورے وجود کو منجمد کرنے کو تھی۔

وہ اسی طرح کھڑی بھیگتی رہی تھی جب یکدم ہی اس کی کلائی کو کسی نے تھاما تھا۔ اس یخ بستہ موسم میں جیسے کوئی انگارہ چھو گیا تھا اسے۔ ادعیہ نے چونک کر دیکھا تھا۔ اعصار شیخ جارحانہ تیوروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اندر چلو۔'' بارعب لہجے میں حکم صادر ہوا تھا مگر وہ اجنبی نظروں سے اس کی جانب تکتی رہی تھی۔

''میں نے کہا ہے اندر چلو۔ سنا نہیں تم نے۔'' اس کا لہجہ تحکمانہ تھا۔ مگر ادعیہ نے بیدار ہوتے ہوئے یکدم ہی ایک جھٹکے سے اپنی کلائی کو کھینچ لیا تھا۔ اور جانے کیا ہوا تھا کہ اعصار شیخ کا ہاتھ لمحہ بھر میں ہی اٹھا تھا اور ادعیہ کے رخسار پر اپنا نشان ثبت کر گیا تھا۔

ادعیہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی تھی۔ مگر اعصار شیخ نے مطلق اس کی پرواہ کیئے بغیر انتہائی جارحانہ انداز میں اسے اپنے آہنی بازوؤں میں اٹھا لیا تھا اور اندر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

ادعیہ کی سمجھ میں فوری طور پر کچھ نہ آیا تھا۔ تمام حواس منجمد ہونے کو تھے۔ ٹی وی لاؤنج میں کتنے ہی لوگ بیٹھے تھے جن کی نگاہ اس وقت اس پر تھی۔ ادعیہ کے کان میں دادی اماں کی آواز پڑی تھی۔

''کیا ہوا ہے اسے؟''

اعصار شیخ نے جانے کیا کہا تھا، وہ سن نہ سکی تھی۔ آنکھیں بند ہوتی چلی گئی تھیں۔ دادی اماں کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔

''کیا ہو گیا ہے اسے؟''

کتنے ہی اور لوگ بھی اٹھ کر متوجہ ہوئے تھے۔ مگر اعصار شیخ کچھ کہے بغیر اسے لے کر کمرے کی جانب بڑھتا چلا گیا تھا۔ اس کے سرد وجود کو بیڈ پر ڈال کر اس نے بڑی عجلت میں ڈاکٹر کا نمبر ملایا تھا۔

''کیا ہوا؟ خیریت؟'' سلمٰی بیگم بھی کمرے میں بیٹے کے پیچھے آئی تھیں۔

اعصار شیخ نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ فقط خاموشی سے انہیں دیکھا تھا اور سلمٰی بیگم کی نظریں ادعیہ کے بے حس و حرکت وجود پر جا ٹکی تھیں۔ پھر دوسرے ہی پل وہ آگے بڑھی تھیں۔

''جاؤ تم، ڈاکٹر کو خود لے کر آؤ۔ میں دیکھتی ہوں اسے۔'' بہت ہولے سے وہ گویا ہوئی تھیں۔ اعصار شیخ تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

''کوئی بتائے تو مجھے بھی کہ کیا ہوا ہے میری بچی کو؟'' دادی اماں کی آواز بھرا گئی تھی۔

''کچھ نہیں اماں! شاید بارش میں بھیگ گئی ہے۔'' سلمٰی بیگم نے اس کے چہرے پر سے گیلی لٹیں ہٹاتے ہوئے مڑ کر پہلی فرصت میں ہیٹر آن کیا تھا۔

''یہ رنجشیں جان لے کر چھوڑیں گی کسی کی۔ کوئی ایک ختم ہو گا تو یہ بھی ختم ہوں گی۔'' دادی اماں کی آنکھوں سے آنسو بہتے چلے گئے تھے۔

✿......✿

کسی منڈیر پہ کوئی دیا نہیں رکھنا
جو لوٹنا ہے تو پھر نقشِ پا نہیں رکھنا
محبتوں کے سفر میں یہی تو ہوتا ہے
کہ زخم زخم تو رہنا، گلہ نہیں رکھنا
ہوا کے بھیس میں پھرتی ہے رُت جدائی کی
تم اپنے گھر کا دریچہ کھلا نہیں رکھنا
میں اک ستارے کے زیرِ اثر سفر میں ہوں
چراغ میرے لئے جابجا، نہیں رکھنا

اماں اور ابا جی جتنے دن رہے تھے، وہ بے انتہا مصروف رہی تھی اور اس مصروفیت میں کسی اور کو یاد رکھنا تو دور کی بات، وہ خود کو، خود بھی یاد نہ رہی تھی۔ اس نے ان کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی بلکہ جب سے اس نے اماں کے انداز میں وہ کیفیت جانی تھی، تب سے وہ اور بھی محتاط ہو گئی تھی۔ اس عرصے میں کتنی بار اس نے معمول سے ہٹ کر اپنی گریز پائی کو سمیٹتے ہوئے رہبان عالم شاہ کے لئے مخصوص لگاوٹ والا انداز اپنایا تھا۔ کئی بار تو اسے یہ سب کچھ عجیب سا لگا تھا۔

چھوٹی چھوٹی بے معنی باتوں کو طول دے کر استحقاق بھرے لہجے میں اپنی بات منوانے کے جتن کرنا، کبھی شام کو آؤٹنگ کی تجویز رکھنا اور کبھی شاپنگ کے لئے خواہش ظاہر کرنا۔ کبھی یونہی کسی بات پر خفگی کا اظہار کرنا اور کبھی بلاوجہ ہنستے رہنا۔ صبح آفس کے لئے بطور خاص اسے دروازے تک چھوڑنے کے لئے جانا اور ایک مخصوص الوداعی مسکراہٹ سے اسے رخصت کرنا۔ واپسی پر لاکھ مصروفیت اور تھکن کے باوجود ایک شگفتگی کے ساتھ اسے مسکرا کر خوش آمدید کہنا اور پہلی فرصت میں چائے پیش کرنا۔

”تھک گئے ہوں گے آپ۔ باتھ لے لیں۔ جب تک میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔“

کئی بار تو رہبان عالم شاہ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ مگر یہ سب کچھ چونکہ ان سب لوگوں کی موجودگی میں وقوع پذیر ہوا کرتا تھا اس لئے اسے جان لینے میں دیر نہ لگتی تھی کہ یہ فقط اس وقت کی ضرورت کو پورا کرنے کی کوشش ہے۔

مژگان کے لئے یہ تجربات بہت انوکھے تھے۔ سب باتوں کے باوجود، ساری حقیقتوں کے برعکس، یہ احساس بہت روح پرور تھا کہ وہ جو لمحے سمیٹ رہی تھی، وہ حاصلِ زیست تھے۔

یہ قربتیں فقط انہی لمحوں کا حصہ تھیں۔

کل بہت سے فاصلے رقم ہو جانے تھے۔

مگر اس کے باوجود ان کے اندر بہت سا سکون تھا۔

”خدا ہمیشہ خوش رکھے تمہیں۔ سدا سہاگن رہو۔“ اماں نے جاتے ہوئے اس کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے اپنے مخصوص انداز میں کہا تھا اور وہ جانے کیوں بہت ہولے سے مسکرا دی تھی۔ اس گھڑی نگاہ رہبان پر جا ٹھہری تھی مگر وہ نگاہ پھیر گیا تھا۔

اور ان سب کے جانے کے بعد وہ دونوں کتنی ہی دیر تک ایک کمرے میں چپ چاپ بیٹھے رہے تھے۔

بہت سے لمحے چپ چاپ گزرتے چلے گئے تھے۔

نہ ملنے کے برابر مل رہا ہے
وہ کہنے کو تو اکثر مل رہا ہے
یہ ساعت کاش وہ بھی دیکھ لیتا
کہ سورج سے سمندر مل رہا ہے
شکستِ ذات کوئی کھیل تھا کیا
وہ اب بھی سب سے ہنس کر مل رہا ہے

مژگان نے بہت دیر بعد سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ عین اس گھڑی رہبان عالم شاہ بھی اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا تھا۔ نگاہ اس کے چہرے کا طواف کرنے لگی تھی۔ ایک مروت ہمیشہ اس کے چہرے کا حصہ رہتی تھی۔ جانے کیوں وہ ایسی تھی، خود سے زیادہ دوسروں کا خیال رکھنے والی۔ خود سے زیادہ دوسروں کی فکر کرنے والی۔ ایک دوستانہ ملائم مسکراہٹ ہمیشہ اس کے چہرے کا حصہ رہتی تھی۔

پتہ نہیں اس کے اندر کیا تھا۔ یہ کبھی نہیں کھل سکا تھا۔ پہلے کبھی اس بات کا وہ جائزہ لے پایا ہو یا نہیں، مگر آج یہ بات اس نے ضرور نوٹ کی تھی۔

اس کے متواتر دیکھنے پر مژگان کسی قدر خجل سی ہوئی تھی اور فوراً بولی تھی۔ ”میں...... میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔“ وہ اٹھی تھی۔ مگر رہبان عالم شاہ نے ہاتھ اٹھا کر فوراً ہی سر نفی میں ہلاتے ہوئے اسے روک دیا تھا۔

”اوں، ہوں۔ مجھے ابھی طلب نہیں۔ ہاں اگر تم اپنے لئے چاہو تو۔ مگر اس کی بھی ضرورت نہیں، تم آرام کرو۔ یقیناً تھک گئی ہو گی تم۔“

اس نے اس کے لئے کتنا کچھ کیا تھا، جواباً اتنی سی کیئر کرنا تو اس پر بھی فرض تھا۔ مژگان نے اسے دیکھا تھا۔

”کس قدر سکوت چھا گیا ہے گھر میں...... چند دنوں میں یہ در و دیوار کس قدر عادی سے ہو گئے تھے، اس شور و ہنگامے کے۔“

رہبان عالم شاہ مسکرا دیا تھا۔ ”کوئی بھی شے متواتر واقع ہوتی رہے تو انسان عادی ہو ہی جاتا ہے۔“

”صرف اشیاء کا ہی یا پھر انسانوں کا بھی؟“ وہ جانے کیوں کہہ گئی۔

رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا، پھر ہولے سے مسکرا دیا۔ ”دونوں کا ہی...... فطرت

انسانی ہے یہ۔"

"ہاں شاید۔" وہ نگاہ پھیر کر دھیمے سے مسکرائی۔ رہبان عالم شاہ اسے دیکھتا رہا تھا پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ چائے لینے چلا گیا۔

مژگان پشت سے ٹیک لگا کر چھت کو دیکھتے ہوئے جانے کیوں سوچ گئی تھی۔ رہبان عالم شاہ جب چائے لے کر پلٹا، تب بھی وہ اسی پوزیشن میں تھی۔ اسے بغور دیکھتے ہوئے وہ اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھا تھا۔ پھر چائے کا کپ اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولا تھا۔

"کچھ پریشان ہو؟" کیسا قیاس تھا۔ مژگان یکدم ہی چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔ پہلی بار پڑھا تھا اس شخص نے اسے۔ پہلی بار اس کے اندر جھانکنے پر مائل ہوا تھا۔

مژگان خود کو معمول پر لاتے ہوئے مسکرائی تھی، پھر چائے کے کپ کو اٹھا کر لبوں سے لگاتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"جانتے ہو، اماں کو شک سا ہوا تھا۔"

"کس بات کے متعلق؟" وہ سمجھ نہ سکا تھا۔

"ہمارے متعلق۔" وہ نگاہ جھکا گئی تھی۔ "اس رشتے کے متعلق۔" اس کا لہجہ بہت مدھم تھا۔ "پتہ نہیں انہیں کیسے احساس ہوا۔ حالانکہ میں نے اپنے طور پر بھرپور کوشش کی تھی مگر......"

رہبان عالم شاہ اسے چپ چاپ دیکھتا رہا تھا، پھر اس کے چہرے پر سے نگاہ ہٹا گیا تھا۔

"رہبان عالم شاہ! تمہیں نہیں لگتا ہم اماں اور ابا جی کو دھوکا دے کر کچھ اچھا نہیں کر رہے؟" وہ چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگا تھا۔ مگر وہ نگاہ جھکا کر بولنے لگی تھی۔

"رہبان! رشتے بہت معتبر ہوتے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ معتبر کرنے والی شے ہے اعتبار...... میں سمجھتی ہوں، تمام تر رشتوں کی بنیاد اعتبار پر قائم ہوتی ہے۔ اعتبار پہلی اینٹ ہے کسی بھی تعلق کے لئے۔ پہلا مرحلہ ہے یہ۔ باقی سب بعد کی چیزیں ہیں۔ مگر یہ بنیاد جہاں بہت مضبوطی کو ظاہر کرتی ہے، وہیں کبھی کبھی بہت کمزور ہو کر رشتوں کی مضبوط سے مضبوط عمارت کو نقصان پہنچا دیتی ہے اور میں نہیں چاہتی کہ خدانخواستہ مزید کوئی نقصان تم سہو۔" وہ سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

مگر رہبان عالم شاہ چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگا تھا۔

"میں سجل سے ملی تھی۔" بہت مدھم لہجے میں ایک نئی اطلاع اسے دی تھی۔ وہ چونک کر دیکھنے لگا تھا۔ مگر وہ سر جھکا گئی تھی۔ "تمہاری منتظر ہے وہ۔ تمہیں اب دیر نہیں کرنی چاہئے۔"

"اور تم......؟" وہ بلا ارادہ بول گیا تھا۔ مژگان نے اس کی جانب دیکھا تھا، پھر نگاہ پھیر

تھی۔

"میں تم دونوں کے لئے راہ ہموار کرنے کو تیار ہوں۔ اس معاملے میں تم یقیناً مجھے اچھا پاؤ گے۔" ایک دھیمی سی مسکراہٹ ایک بار پھر اس کے چہرے کا احاطہ کر چکی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا تھا پھر اس کے چہرے سے نگاہ ہٹا لی تھی۔

"ڈی ایشن کی کوئی خاص مشق کر رکھی ہے تم نے؟"

مژگان کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ یقیناً غیر سنجیدہ تھا۔ تبھی وہ بھی اسی کے انداز میں گویا ہوئی تھی۔ "میں اس مشق کا آغاز کر چکی ہوں۔" اس نے باور کرایا تھا۔

وہ خاموش ہو کر چائے کے سپ لینے لگا تھا۔ تبھی وہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی بولی تھی۔

"رہبان! کبھی کبھی وقت بہت اہم ہو جایا کرتا ہے۔ اس کو گرفت میں لینے کے لئے ہمیں اس کے ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ اگر ایک بار ہم اپنی رفتار دھیمی کر دیں یا سستی سے کام لیں تو اس کی ڈور ہمارے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ اور پھر چاہے جتنی بھی تیزی سے بھاگتے رہو، یہ دوبارہ ہاتھ نہیں آتی۔" وہ بہت دھیمے سے بہت بڑی بات کہہ گئی تھی۔ مگر رہبان عالم شاہ چہرے کا رخ پھیرے دوسری سمت تکتا رہا تھا۔

اس کا چہرہ ہمیشہ کی طرح تھا۔ نہ سمجھ میں آنے والی کیفیات کا ترجمان۔

جیسے پُرسکوت سمندر......!

اور مژگان نے تب جیسے تھک کر چہرہ موڑ لیا تھا۔

✿......✿

سارے منظر دھواں سے ہیں
آگ سلگی ہوئی ہے اندر کی
اک طرف میرے خشک دریا ہے
اک طرف تشنگی سمندر کی
اب صف آرا ہوا ہوں اپنے خلاف
پہلے لڑتا تھا جنگ باہر کی

ادعیہ نے کسمسا کر آنکھ کھولی تھی۔ اعصار شیخ فوراً متوجہ ہوا تھا۔ ادعیہ نے اسے اجنبی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ پھر ہر عکس واضح ہوتا چلا گیا تھا۔ رات کا ہر منظر نگاہ میں گھوم گیا تھا۔ اعصار شیخ بہت توجہ سے اس کی سمت جھکا تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" بے تاثر لہجے میں پوچھتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی کو

چھوا تھا۔ مگر اس نے فوراً ہی ہاتھ جھٹک دیا تھا۔
"مر کر الزام کس کے سر دھرنا چاہتی تھیں تم؟" اس کے انداز بیگانگی پر دریافت کیا۔
"میری زندگی پر فقط میرا اختیار ہے اور میں کسی کی جاگیر نہیں ہوں۔" اس کا انداز بے حد سپاٹ تھا۔ اعصار شیخ اسے دیکھ کر رہ گیا تھا۔ اس نے اٹھ کر بیٹھنا چاہا مگر نقاہت اس قدر تھی کہ اس سے ایسا ہو نہ سکا تھا اور دوسرے ہی پل وہ بے بسی سے دوبارہ سر تکیے پر دھر کر چھت کو دیکھنے لگی تھی۔
وہ پلٹ کر سائیڈ ٹیبل پر دھری دوائیوں میں سے مطلوبہ ٹیبلٹ نکال کر ہاتھ میں پانی کا گلاس لئے اس کی سمت پلٹا تھا۔
"تمہیں نمونیہ ہو گیا ہے۔ بخار تب ہی اترے گا جب یہ ٹیبلٹ آپ کھائیں گی۔"
ادعیہ نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ منتظر تھا۔ وہ چہرے کا رخ پھیر کر نظر انداز کر گئی۔
"اگر یہ ٹیبلٹ آپ نہیں لیں گی تو دوسری صورت میں انجکشن لینا ہوں گے۔" وہ یقیناً سنجیدہ تھا۔ ادعیہ نے اسے دیکھا تھا، پھر ایک زوردار ہاتھ مار کر پانی کا گلاس دور اچھال دیا تھا۔ کانچ ٹوٹنے کی آواز کچھ دیر تک فضا میں ابھری تھی اور پھر ایک مکمل سکوت چھا گیا تھا۔
"کسی ہمدردی کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔ اپاہج نہیں ہوں میں۔ اپنا خیال رکھ سکتی ہوں۔ پلیز، لیو می الون...... مجھے سکون سے جینے دو۔" اس کی آواز بہت مدھم تھی۔ کہہ کر وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔
اعصار شیخ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ پھر دوسرے ہی پل پلٹ کر دروازہ کھول کر وہ باہر نکل گیا تھا۔
ادعیہ نے بند ہوتے دروازے کو دیکھا تھا۔ پھر آنکھیں موند گئی تھی۔ پلکوں کے کناروں سے چپ چاپ بہت سا پانی باہر پھسلنے لگا تھا۔

✿......✿

شامِ تنہائی، اِک دیا اور میں
دل گرفتہ سے ہیں، ہوا اور میں
پیچ در پیچ رہگزارِ خیال
رنج در رنج اِک خلا اور میں
بے جنوں ہیں اسیرِ گریۂ شب
شہر بے خواب کی فضا اور میں

درِ مہتاب وا نہ ہونے تک
خاک اڑاتے پھرے صبا اور میں
یارِ دید آشنا پہ کھل نہ سکی
میری وحشت، مری انا اور میں

سیو خاموشی سے بیٹھی یک ٹک سامنے پھیلے وسیع و عریض سمندر کو دیکھتی جا رہی تھی، جب مژگان ہولے سے چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی تھی۔ سویرا چونکی، پھر مسکراتے ہوئے اس کی سمت دیکھنے لگی۔
"ایسے بیٹھی کیا دیکھ رہی ہو؟"
"دیکھ نہیں رہی ہوں، سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔"
"کیا؟"
"یہی کہ جو نظر آتا ہے، وہ ہوتا کیوں نہیں۔ اور ہر شے کا پس منظر، منظر سے ہٹ کر کیوں ہوتا ہے۔" وہ کہہ کر پھر اسی سمت تکنے لگی تھی۔
مژگان نے اس بھولی بھالی لڑکی کی آنکھوں کو بغور دیکھا تھا، تبھی وہ گویا ہوئی تھی۔
"آپ تو بہت پڑھی لکھی ہیں۔ فہم و فراست رکھتی ہیں۔ آپ بتا سکتی ہیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔"
مژگان اس کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ پھر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرا دی تھی۔ "بہت سی چیزیں ایسی دقیق اور پیچیدہ ہوتی ہیں کہ باوجود فہم و فراست رکھتے ہوئے بھی آپ سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔"
سیو کچھ دیر خاموش رہی، پھر قدرے توقف سے بولی۔ "وہ مجھے نادان سمجھتا ہے، اس لئے نہیں کہ میں نادان ہوں بلکہ اس لئے کہ وہ ایسا سمجھتا ہے۔" بہت مدھم اور کھویا کھویا سا انداز تھا۔ مژگان نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا اور اسے سمجھنے میں قطعی دیر نہیں لگی تھی۔
"آپ جانتی ہیں بے وقوف ہونے کی آگاہی اتنی مضحکہ خیز اور حیران کن نہیں ہوتی جتنا اس کا باور کرائے جانے کا انداز ہوتا ہے۔ کوئی جب آپ کو باور کراتا ہے کہ آپ کم عقل اور بے وقوف واقع ہوئے ہیں تو وہ ایک لمحہ بے حد حیرت انگیز لگتا ہے۔"
اس کے دھیمے مدھم انداز پر مژگان اسے دیکھتی رہی تھی۔
"تمہیں کس نے بے وقوف جانا ہے؟"
"اس نے جسے میں نے اپنی عقل کو ایک جانب رکھ کر فقط دل سے دیکھا، دل سے جانا

اور سمجھا۔" اس کا لہجہ دھیما اور پُرسکون تھا۔

مژگان دیکھتی رہ گئی تھی۔ مگر وہ بولتی چلی گئی تھی۔

"وہ جانتا ہی نہیں کہ عقل کی باتیں دل پر غالب نہیں آسکتیں اور یہ کہ دل کسی بات کو نہیں مانتا۔ رد کرتا ہے ہر شے کو۔ ہر اس بات کو جو دل کے خلاف جاتی ہے۔ دل جب بات کرتا ہے بولتا ہے تو عقل کسی کونے میں بکل مار کر جا دبکتی ہے کیونکہ جہاں دل کی چلتی ہے، وہاں عقل کی حکمرانی جاتی رہتی ہے۔ اور میں جو صاحب دل ہوں تو اس میں میرا کیا قصور؟ پہلے تو میں سمجھ ہی نہیں پائی تھی اس کی نظر عنایت کو۔ اس کے کرم کو، بہت سی توجہ کو۔ جب جانا تو بہت دکھن سی ہوئی۔ وہ سمجھ رہا ہے، میری محدود عقل کے باعث سب کچھ ہوا۔ اور اگر وہ میری عقل کے در وا کر دے گا تو میں دنیا کو کھلی نظروں سے دیکھنے لگوں گی۔ میں نے اسے اپنی نظروں سے دیکھا تھا، اپنی محدود عقل سے جانا تھا، مانا تھا۔ مگر اب وہ چاہتا ہے کہ وہ مجھے اپنی لامحدود عقل سے دنیا کو دیکھنے اور جانچنے کا گر عطا کرے۔ وہ چاہتا ہے، میں اس کی عقل سے دیکھوں۔ وہ کم عقل جانتا ہے مجھے۔ بے وقوف سمجھتا ہے مجھے۔ اور ٹھیک ہی سمجھتا ہے۔ ہوں بھی تو۔" وہ ہونٹ بھینچ کر سر جھکا گئی تھی۔

مژگان نے اسے دیکھا تھا، پھر ہولے سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے بہت آہستگی سے پانی رخساروں پر پھسل آیا تھا۔

"بہت سی باتوں کے لئے ہمارے اپنے پیمانے مخصوص ہوتے ہیں۔ بہت سی چیزوں کو ہم اپنے زاویۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اپنے زاویۂ عقل سے سمجھتے ہیں۔ اپنے پیمانے پر رکھ کر پرکھتے ہیں۔ مگر ضروری نہیں کہ وہی پیمانہ دوسروں کے لئے بھی اسی قدر معیاری ہو۔ بات یہ ہے کہ ہم اپنے پیمانوں کے مطابق چیزوں کو دیکھتے اور پرکھتے ہیں۔" مژگان بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں کو پونچھنے لگی تھی۔

"مگر بھابی! یہ ضروری تو نہیں کہ آپ خود کو دانشمند ثابت کرنے کے لئے دوسروں کو کم عقل اور نادان ثابت کریں۔"

"اوں، ہوں۔" مژگان نے سر ہولے سے نفی میں ہلایا تھا۔ "مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی بات کو سمجھانے کا انداز درست نہیں ہوتا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایسا کرنے والا شخص بھی غلط ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے، وہ ہمارا دوست ہو۔ حقیقی معنوں میں ہمارا خیر خواہ ہو، جو ہمیں شعلوں کو چھونے سے روکے، وہ ہمارا دوست بھی تو ہو سکتا ہے۔"

سیو نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

"تم بہت چھوٹی ہو سویرا۔ بہت سی باتیں ابھی تم پر منکشف نہیں۔ ہو سکتا ہے، تم انہیں ابھی نہ سمجھ سکو۔ مگر وہ تمام حقائق بہت اٹل ہیں۔ ہو سکتا ہے، وہ تمہیں وہی سمجھانا چاہتا ہو۔"

"کیوں؟ میں نے تو اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ کچھ بھی تو نہیں چاہا تھا۔"

"ہاں، مگر......" مژگان کچھ کہتے کہتے رک گئی تھی۔

"تم نے سمندر کو بار بار دیکھا ہو گا مگر تم اس کی گہرائی کے متعلق فقط قیاس کر سکتی ہو، اندازہ لگا سکتی ہو۔ مگر درست اندازہ تبھی ہو گا، جب اس سمندر کے اندر اترو گی۔ اور یہ سفر بہت مشکل ہے۔ سمندر میں اترنے والے اگر ماہر تیراک نہ ہوں تو ڈوبنے کا احتمال زیادہ رہتا ہے۔"

سیو اسے سر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔ تبھی وہ گویا ہوئی تھی۔

"چلو، اندر چلو۔ ٹھنڈ بہت ہو گئی ہے۔" کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ اور تب سیو نے بھی اٹھ کر اندر کی جانب پیش قدمی کر دی تھی۔

❁......❁

خاک اندر خاک ہو جاؤں نہ اے دل دیکھنا
پھر وہی وحشت کا موسم ہے مقابل دیکھنا
اس کے کوچے کی طرف بے وجہ جانا اور پھر
رنجش بے جا کی اک دیوار حائل دیکھنا
سلسلہ در سلسلہ ہے دھوپ چھاؤں کا سفر
پھر بھی اک سایہ سدا اپنے مقابل دیکھنا

اعصار شیخ باہر کے لئے نکل رہا تھا، جب زویا نے اسے اطلاع دی تھی کہ ابا نے اسے بلوایا ہے۔ وہ کچھ دیر وہاں کھڑا سوچتا رہا تھا۔ پھر ان کے کمرے کی جانب آ گیا تھا۔

"آؤ بیٹھو۔" ابا نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا اور خود ایک اہم فائل کو دیکھنے لگے تھے۔ اعصار شیخ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگا تھا۔ اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ معاملہ کوئی خاص تھا۔ ورنہ اس طرح کبھی بھی ابا نے اسے اپنے کمرے میں نہیں بلوایا تھا۔

تایا ابا کچھ دیر تک فائل پر نظریں جھکائے رہے تھے۔ پھر فائل بند کر کے ایک طرف رکھی تھی اور اسے دیکھنے لگے تھے۔ ابا اسے کچھ دیر خاموشی سے دیکھتے رہے، پھر گویا ہوئے تھے۔

"اولاد جب عاقل و بالغ ہو جائے تو انہیں چھوٹی چھوٹی باتوں کا احساس دلانا زیب نہیں دیتا۔ ماشاء اللہ، تم بہت خرد مند ہو۔ ہمیں اس بات کا کوئی گلہ نہیں ہوا، جب تم نے اپنی زندگی

کی راہیں اپنے طور پر چنیں۔ ہم نے تم پر تب بھی قدغن نہیں لگائی جب تم نے ایک اہم ترین فیصلے سے انحراف کرتے ہوئے اپنے لئے آپ، زندگی بھر کے ساتھ کے لئے کسی کو منتخب کیا۔ گو یہ ہماری خاندانی روایات کے برعکس تھا اور اس سے قبل ایسا باغیانہ اقدام کرنے والے انسان کی مثال تمہارے سامنے تھی۔ مگر تمہارے معاملے میں ایک خاص رعایت سے کام لیا گیا۔ اب جبکہ تم خود سارے اقدامات کر چکے تھے تو اس سے آگے کی کوتاہیوں پر بھی تمہیں نگاہ رکھنی چاہئے تھی۔ اپنی من مانیاں وہیں تک اچھی لگتی ہیں جہاں تک وہ کسی اور کی ذات کے متعلق نقصان دہ ثابت نہ ہوں۔ جہاں کسی اور کو اس سے زک پہنچنے لگے وہاں اس کی روک تھام کرنا ضروری ہو جاتی ہے۔ تم نے جو کچھ بھی کیا، اس میں سراسر تمہارا اپنا مفاد تھا۔ تمہاری اپنی رضا کو اہمیت و اولیت حاصل تھی۔ ایک معصوم بچی کو تمہارے باعث سب کچھ جھیلنا پڑا۔ برداشت کرنا پڑا۔ تم نے زبردستی اسے کانٹوں پر گھسیٹا۔ شاید اس لئے کہ تم جانتے تھے، اس کی جانب سے باز پرس کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ پھر اس کی رخصتی کا اقدام عمل میں آیا تو کوتاہیوں کا سلسلہ مزید بڑھ گیا۔ ہم سمجھتے ہیں اگر اس گھر میں ادعیہ کو اس کا جائز مقام نہیں ملا ہے تو اس میں ہم بھی برابر کے شریک ہیں۔ کچھ کوتاہیاں ہماری بھی یقیناً ہیں۔ ہمیں اسی وقت اس کی نشاندہی کرنا چاہئے تھی۔ ایسا نہیں ہوا۔ تبھی صورت حال مزید پیچیدہ ہو گئی۔ تم نے وہ بھی روا رکھا جو روا نہیں تھا۔'' وہ لمحہ بھر کو رکے۔ وہ سر جھکائے چپ چاپ بیٹھا رہا۔

''اصولاً مجھے اس سب کی نشاندہی کرنے کی ضرورت نہیں پیش آنی چاہئے تھی۔ کیونکہ خیر سے تم عاقل اور بالغ ہو اور اچھے برے کی تمیز کر سکتے ہو۔ تم پر منکشف ہو گا کہ شادی کے بعد کی ذمے داریاں کیا ہوتی ہیں۔ کتنے فرائض کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے۔ شوہر ہونے کے ناتے کتنے حقوق ہیں تمہارے۔'' وہ رکے پھر قدرے توقف سے بولے۔

''تم نے اب تک فقط اپنے طور پر سوچا اور فیصلے عائد کئے۔ مگر یہاں میں تمہیں باور کرا دینا ضروری خیال کروں گا کہ زندگی اور خصوصاً شادی کے بعد کی زندگی بچوں کا کھیل نہیں ہے کہ جب تک جی چاہا کھیلے، جب جی بھر گیا، اپنے گھر کی راہ لی۔ ایک بندھن ہے یہ جس میں ایک کی شراکت کے ساتھ دوسرے کی شراکت بھی ضروری ہوتی ہے۔ اس بندھن کے لئے آپ کی ڈیڈی کیشن انتہائی ضروری ہوتی ہے۔ فقط کسی کو اپنے نام کا پابند کر دینے سے یہ تعلق نہیں بندھ جاتا۔ اپنی انا، اپنی تسکین اور اپنے مفادات سے ہٹ کر دوسرے فریق کو بھی دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ ادعیہ کے ساتھ بہت سی ناانصافیاں ہوئیں اور اس گھر کی چھت تلے ہوئیں اور تم فقط اس لئے بری الذمہ ہوتے رہے کہ تم اس خاندان کے سپوت ہو۔ مگر ہم مزید کوئی

کہانی اب برداشت نہیں کریں گے۔ جو ہو چکا، وہ بہت ہے۔ مگر اب مزید نہیں۔ پانی سر سے بلند ہو جائے تو اقدامات ضروری ہو جایا کرتے ہیں۔ بہت خودسری دکھا چکے تم۔ بہت سے فیصلے اپنے طور پر کر چکے ہو۔ اب تمہیں بھی راہِ راست پر آ جانا چاہئے۔ ادعیہ کی جو حالت اب ہے، وہ اسی صورتحال کا نتیجہ ہے۔ اس خاندان کا سربراہ ہونے کے ناتے میرا فرض ہے کہ کوئی ناانصافی نہ ہونے دوں۔ اگر تم اسے بے سہارا سمجھ رہے ہو تو یہ تمہاری بھول ہے۔ کیونکہ میں اس کا سرپرست ہونے کی ذمے داری قبول کرتا ہوں۔ وہ میری بیٹی بھی ہے۔ اور کم از کم بیٹی سے کی گئی ناانصافی کو میں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ تم اب جا سکتے ہو۔''

تایا ابا نے کہہ کر ایک فائل دوبارہ کھول کر سامنے کر لی تھی۔

اعصار شیخ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

✿......✿

بکھر گیا تو سمیٹے گا کون آ کے مجھے
یہ راز دیکھنا ہو گا سفر پہ جا کے مجھے
بتا رہی ہے مہک مجھ کو میرے کمرے کی
کہ تیری یاد گئی ہے ابھی جگا کے مجھے

''ہیلو، کہاں ہو ہنی...... کیسی گزر رہی ہے تمہاری دہری زندگی؟'' کتنے دنوں بعد تک نے کوئی رابطہ کیا تھا۔ وہ اس دن کے بعد سے مکمل طور پر اس سے بے خبر تھی۔ پتہ نہیں اس نے کیا تھا یا پھر کچھ اور۔ مگر وہ کچھ کہہ نہ سکی تھی۔

''اپنے خود کے کئے گئے اعترافِ شکست پر اس قدر پشیماں ہو ہنی کہ دوبارہ صورت تک نہیں دکھائی۔'' وہ دوبارہ گویا ہوا تھا اور مژگان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

''سچ بولنے کے بعد میں شرمندگی قطعی محسوس نہیں کرتی۔ ہاں جھوٹ کہوں تو بہت دن احساسِ ندامت ستاتا رہتا ہے۔ اور بھلا تم سے کیوں کتراؤں گی میں۔ وہ اعترافِ شکست تمہارے لئے تو نہ تھا۔''

''کاش، میں ایسا خوش نصیب ہوتا۔'' ایک حسرت بھری آہ اس کے لبوں پر ٹوٹ گئی تھی۔ ''ہنی! تمہیں یاد ہو گا، میں نے ایک بار پہلے بھی شاید کہا تھا، بندہ واقعی لکی ہے وہ۔''

''پتہ نہیں کون لکی ہے اور کون نہیں۔'' اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ ''چاہنے کو تو ہم بہت کچھ چاہ سکتے ہیں مگر ہونا نہ ہونا ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ تک! مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں۔ کیونکہ میں مقدر کے لکھے پر اعتقاد رکھتی ہوں۔ جانتی ہوں، ہم میں سے کسی کو وقت

سے پہلے اور تقدیر سے زیادہ نہیں ملتا۔"

"تم اس دوغلی زندگی سے خوش ہو؟" وہ یکدم بولا تھا۔ وہ کچھ لمحوں تک چپ رہی تھی۔ پھر فون کے کریڈل سے کھیلتی ہوئی بولی تھی۔

"خوش ہونے اور نظر آنے میں بہت فرق ہے تک! دوغلی زندگی کی سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اس میں سب کچھ دکھاوے کے لئے کرنا پڑتا ہے اور یہی بہت تکلیف دہ ہے۔"

"ہنی! مجھے یقین نہیں آتا، تم جیسی بے انتہا ذہین لڑکی اتنی بری طرح شکست کیسے کھا سکتی ہے۔ تم لکھ کر رکھ لو، ایک دن بہت بڑی فتح تمہارے قدموں میں ہوگی۔"

مژگان کے لبوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ آ کر دم توڑ گئی تھی۔

"میں کسی خوش گمانی میں نہیں ہوں۔ تمام صورتحال میرے سامنے ہے۔ میں جانتی ہوں، سمجھ سکتی ہوں، قیاس کر سکتی ہوں کہ کیا ہو سکتا ہے۔"

"مگر ہنی! قیاس آرائی تو غلط بھی ہو سکتی ہے۔ پھر اتنی ناامید کیوں ہو؟" تک چونک پڑا تھا۔

"چھوڑو ان باتوں کو، تم اتنے دن سے مجھے ملنے کیوں نہیں آئے؟"

"میں......" وہ لمحہ بھر کو چپ ہوا تھا، پھر بولا۔ "ہنی! سچ کہوں، مجھ میں ہمت نہیں تھی۔ تمہارے اس سچ نے مجھے کئی دن تک نیم جاں رکھا۔ مگر مجھے ایک بات کی خوشی ہے ہنی، محبت نے تمہیں قائل کر لیا۔ یہ کرشمہ سازیاں محبت کی ہیں ہنی۔ اور سچ کہوں، مجھے انتہائی خوشی ہوئی، تم نے کم از کم اس محبت کو تو قبول کیا جو میرے اندر سے تمہارے لئے پھوٹتی رہی۔ اس کی صداقت کا ادراک تو تمہیں کم از کم ہوا۔ یہ تمہارے باشعور ہونے کی ہی دلیل ہے ہنی! میں تو ہارا ہوا ہی تھا ہنی! سدا کا ہارا ہوا۔ جیت کبھی میری تھی ہی نہیں۔ مگر مجھے اس کا قطعی کوئی ملال نہیں ہنی! اور تم یقین کرو ہنی! کہ تمہاری اس خوشی نے مجھے بہت خوش کیا ہے۔ اگر وہ شخص تم سے ہٹ کر اب بھی کسی اور کو دیکھے تو اس سے زیادہ بدنصیب شخص اس روئے زمین پر کوئی نہیں۔"

مژگان چپ چاپ ریسیور کان سے لگائے بیٹھی رہی تھی۔ تک بولتا گیا تھا۔

"کاش ہنی، اسے بھی یہ احساس ہو جائے کہ تمہیں گنوا کر اس کے پاس کچھ نہیں رہے گا۔"

"تم آؤ گے مجھے ملنے؟"

وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔ "ہاں، جانے سے قبل ضرور۔" انتہائی تھکن زدہ سانس خارج کی تھی۔

"تم واپس جا رہے ہو؟" وہ یکدم حیران ہوئی تھی۔

"مہمان کو تو لوٹنا پڑتا ہی ہے ہنی!"

مژگان چپ ہو گئی تھی۔ پھر چند لمحوں کے توقف سے گویا ہوئی تھی۔ "میں نے کبھی نہیں چاہا، کسی کا دل دکھاؤں۔ دانستہ طور پر تو ہرگز بھی نہیں۔ اور وہ بھی تم جیسے اچھے دوست کا۔ تک! تم میرے واقعی بہت اچھے دوست ہو۔ میں تمہارا دل کبھی بھی دکھانا نہیں چاہتی تھی مگر......"

"مگر دل تھا...... دکھ ہی گیا۔" وہ ہنس دیا تھا۔

"تم چلے جاؤ گے تو مجھے اپنائیت بخشنے والا اور کون ہوگا اس شہر میں؟"

"رہبان عالم شاہ سے بڑھ کر اور کون اپنا ہوگا تمہارا، ہنی!"

"تم دوست ہو میرے۔" وہ یکدم چپ ہو گئی۔

"کیا رک جاؤں؟" وہ شوخ ہو کر چھیڑنے لگا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی۔

"ہنی! میں تو تم سے ہی ملنے آیا تھا۔ باقی سب تو بہانہ تھا۔ مگر تم یقین رکھو، دوست ہونے کے ناتے تمہاری مورل سپورٹ جاری رکھوں گا۔ تم جب کبھی محسوس کرو کہ تم تنہا ہو، مجھے یاد کر لینا۔"

"تم کون سا بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو جاؤ گے۔ اور ہاں، جانے سے قبل ملنا مت بھول جانا۔"

"اب ایسا بھی نہیں ہے ہنی! جانے سے قبل ہم بہت سا وقت ساتھ گزاریں گے۔ پھر جانے کب ملنا ہو۔ جب ملنا ہوا ہے تو کچھ یادیں تو سمیٹ لوں۔"

مژگان نے فون رکھ کر پلٹ کر دیکھا تو رہبان عالم شاہ کو اپنی پشت پر کھڑے پایا تھا۔

"کیا ہوا؟" اس کے اترے اترے سے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔

"تک واپس جا رہا ہے۔ بہت عجیب شخص ہے یہ بھی۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولی تھی۔ پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

رہبان عالم شاہ اس کی سمت دیکھتا رہ گیا تھا۔

✿......✿

دشتِ وحشت میں رقص کرتے ہوئے
ہر بگولے کے سنگ ہوں میں بھی
تو بھی اپنی انا کو زندہ رکھ
دیکھ مصروفِ جنگ ہوں میں بھی

اس شام وہ چھت پر تھی۔ کبوتروں کے غول کے درمیان بیٹھی انہیں بغور تکتی ہوئی فقط خالی نظروں اور ذہن کے ساتھ ان کبوتروں کو دیکھے جا رہی تھی جب زویا نے آ کر اطلاع دی کہ فہد اس سے ملنے آیا ہے۔

"اسے اوپر بھیج دو۔" وہ آہستگی سے بولی تھی۔

"مگر وہ اعصار بھائی وغیرہ کے ساتھ لان میں ہی ہیں۔ دادی اماں کا خیال تھا کہ آپ ادھر ہی آ جاتیں تو۔ خیر میں انہیں بھیج دیتی ہوں۔" زویا فوراً ہی واپسی کے لئے پلٹ گئی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد فہد اس کے روبرو تھا۔

"یہ کبوتروں کے درمیان فاختہ بنی تم کیا کر رہی ہو؟" وہ اسے کبوتروں کے غول میں بیٹھا دیکھ کر مسکرایا تھا۔ وہ ایک کبوتر کو ہاتھ میں لے کر اسے بغور دیکھنے لگی تھی۔

"تم نے کبھی کوئی فاختہ دیکھی ہے؟" بڑا عجیب سا سوال تھا۔ عجب کھویا کھویا سا انداز تھا۔ مگر فہد یکدم ہی ہنس دیا تھا۔

"ہاں، دیکھ تو رہا ہوں۔" اس کے سفید لباس پر غالباً چوٹ کی تھی۔ مگر وہ مسکرائی نہیں تھی، فقط اسے چپ چاپ دیکھا تھا۔ پھر دوسرے ہاتھ سے کبوتر کی پشت کو سہلانے لگی تھی۔

"سننے میں آیا ہے، شہر سے آہستہ آہستہ ساری فاختائیں کوچ کرتی جا رہی ہیں۔ کچھ عرصے سے کسی نے کوئی فاختہ کسی پیڑ کی ٹہنی پر نہیں دیکھی۔ شہر میں کوے بہت ہو گئے ہیں اور جہاں پر کوے زیادہ ہو جائیں، وہاں سے فاختائیں ہجرت کر جاتی ہیں۔ کیونکہ کوے ان کے انڈے توڑ دیتے ہیں۔ فاختہ امن کا پرندہ ہے۔ امن کی پیامبر ہے۔ ظلم سہہ نہیں سکتی۔ سو چپ چاپ ہجرت کر جاتی ہے کسی نئے پُر امن خطے کی تلاش میں۔ جس میں یہ امن اور محبت کے گیت گا سکے۔" بہت مدھم اور دھیمے لہجے میں کہتی ہوئی وہ سر جھکا گئی تھی۔

"تم نے مجھے "فاختہ نامہ" سنانے کے لئے یہاں بلایا تھا؟" وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مگر وہ جواباً کچھ نہیں بولی تھی، تبھی فہد گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں۔" وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔ "تم آج کیسے رستہ بھٹک گئے؟"

"رستہ نہیں بھٹک گیا، رشتہ دیکھنے آیا ہوں۔" وہ یکدم ہی مسکرایا تھا۔ اور وہ حیران ہو کر سوالیہ نظروں سے تکنے لگی تھی۔ تبھی فہد گویا ہوا تھا۔

"اماں نے شجاع کی شادی میں آپ کی نند محترمہ کو دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ بضد تھیں کئی دنوں سے۔ میں نے سوچا یہاں سے گزر رہا ہوں تو دیکھتا چلوں۔"

"کون......؟" وہ قیاس کرتے ہوئے بولی۔ "کیا زویا؟ مگر وہ تو ابھی چھوٹی ہے۔"

"نمیرا۔" فہد نے مطلع کیا۔ وہ یکدم مسکرا دی۔

"واہ، کیا معصومیت ہے۔ دیکھا خود، پسند خود کیا اور نام اماں کا لگا دیا۔"

وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنس دیا۔ "جسے پسند کیا تھا، کاش وہ بھی پسند کر لیتی۔ مگر وائے قسمت۔"

وہ لب بھینچ گئی۔ پھر قدرے توقف سے بولی۔ "پھر دیکھ لیا۔ کیسی لگی؟"

اس نے شانے اچکا دیئے۔ "کیا فرق پڑتا ہے۔ کوئی بھی ہو، کیسی بھی ہو۔"

"زندگی گزارنا ہے تمہیں۔" ادعیہ نے باور کرایا۔

وہ بغور اس کی سمت تکنے لگا۔ پھر مسکراتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گیا۔

"طلب کی شدت مٹ جائے تو پھر ہر احساس بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ میں نے اس کے متعلق سوچنا چھوڑ دیا ہے۔ اب یہ اماں کا دردِ سر ہے، وہ جو مناسب سمجھیں کریں، جس کھونٹے سے چاہیں باندھ دیں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ ادعیہ نے اس کی طرف سے دھیان ہٹا کر ہاتھ بلند کر کے کبوتر کو آواز فضا میں چھوڑ دیا تھا۔

"صاحب بہادر تو تمہارے نیچے ہیں۔ تم گوشہ نشین کب سے ہو گئی ہو؟ آدم بیزار تو تم کبھی بھی نہیں تھیں۔ کہیں تم بھی فاختہ تو نہیں بن گئیں؟" وہ یقیناً چھیڑ رہا تھا۔ ادعیہ ہولے سے مسکرا دی تھی۔

"کاش...... میں بھی فاختہ ہوتی۔"

"تو پھر کیا ہوتا؟" وہ یکدم ہنسا۔ "کسی کی غلیل، کسی کی بندوق کا نشانہ بن کر بروسٹ ہو چکی ہوتیں۔ یہ سننے میں آیا ہے، شکار کرنے والے بطور خاص اسے شکار کرتے ہیں۔ اس کے گوشت کا ٹیسٹ اس کی سب سے بڑی خاصیت ہے۔"

وہ شاید مروتاً مسکرائی تھی۔

"آؤ نیچے چلیں۔" وہ بولا تو وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

❁......❁

چراغِ خلوتِ جاں جل بجھا ہے کس کے لئے
دیارِ دل سے دھواں سا اٹھا ہے کس کے لئے
یہ کس کے سوگ میں کٹتی ہیں سرخوشی کی رُتیں
درونِ ذات مسلسل خلا ہے کس کے لئے

مگر وہ چشمِ تماشا تو روبرو ہی نہیں
یہ دل، یہ آئینہ خانہ سجا ہے کس کے لئے
کچھ اتنا سہل نہیں جبر و اختیار کا کھیل
یہ کھیل مجھ میں کوئی کھیلتا ہے کس کے لئے

جانے سے پہلے کا ایک دن نک نے واقعی اس کے ساتھ گزارا تھا اور اس پورے دن میں کتنی بہت سی باتیں کی تھیں ان دونوں نے۔

"تم مجھ سے ملنے آتے رہو گے نا؟" اس نے کئی بار کا دہرایا ہوا جملہ ایک بار پھر دہرایا تھا اور نک اسے مسکراتے ہوئے دیکھنے لگا تھا۔

"دوستوں کی ایک خصوصیت سب سے خوبصورت ہوتی ہے۔ ان سے ہمارا کوئی بلڈ ریلیشن نہیں ہوتا، مگر اس کے باوجود انتہائی درجے کی اپنائیت محسوس ہوتی ہے ان سے مل کر، بات کر کے اور انہیں دیکھ کر۔ ان کے ہونے کا احساس بہت طمانیت بخشتا ہے۔ لگتا ہے جیسے ان سے ہمارا بہت پرانا کوئی رشتہ ہے۔ کوئی صدیوں پر محیط تعلق، جس کی کوئی حد نہیں اور سرحد نہیں۔"

"مجھے اس وقت کسی اپنے کی کمی شدت سے محسوس ہو گی۔ پتہ ہے، جب ہم تنہا ہوتے ہیں، اس وقت ہمیں اپنی تنہائی اس قدر محسوس نہیں ہوتی۔ اس تنہائی کا اس شدت سے احساس نہیں ہوتا۔ مگر جب کوئی مل کر بچھڑ جاتا ہے، ہمیں چھوڑ کر بہت دور چلا جاتا ہے، تب اس کی کمی حد درجہ محسوس ہوتی ہے۔ مجھے اب تمہاری ضرورت تھی اور تم...... میں تو ہار جاؤں گی، میری ہمت کون بندھائے گا؟"

نک نے اس کا ہاتھ دھیرے سے تھام لیا تھا۔ پھر اسی دھیمے پن سے مسکرا دیا تھا۔

"بعض اوقات ہم اتنے کمزور نہیں ہوتے جس قدر سہارے ہمیں کمزور کر دیتے ہیں۔ اور میں تمہیں کمزور نہیں کرنا چاہتا۔ مجھے یقین ہے ہنی! تم جیت جاؤ گی۔" اس کے لہجے میں یقین ہی یقین تھا۔

"تم جیت جاؤ گی۔ اور اس لمحے تم یہ خبر مجھے سنانا مت بھول جانا۔ تمہاری کامیابی کی خبر سننے کا سب سے زیادہ متمنی میں ہوں گا۔ مجھے اس اعزاز سے محروم مت کر دینا ہنی!"

"بہلا رہے ہو مجھے؟" وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"جب محبت کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ تھما ہی دیا ہے ہنی! تو پھر اس قدر خوف کا شکار کیوں ہو؟"

"یک طرفہ راستوں پر سفر کرنے والے ہار جاتے ہیں نک! میں نے کبھی کسی تنہا چلنے

...کو منزل پر پہنچتے نہیں دیکھا۔"

...نک چپ چاپ اسے دیکھتا رہا تھا۔ تبھی وہ بولی تھی۔ "سچ کہوں، مجھے تو یہ بھی خبر نہیں کہ ...راہ پر میں چل رہی ہوں، اس کی منزل کس جانب ہے۔ اور وہ راہ صحیح ہے بھی کہ نہیں۔ ...گئی ہوں میں اور یہ سفر تھمنے میں نہیں آ رہا۔ راستہ جتنا دشوار گزار ہے، اسی قدر طویل بھی ...ہے۔"

"...ہنی! ہر دشوار گزار راستے کے اختتام پر منزل کا نشان موجود ہوتا ہے۔ یقین نہ ہو تو آزما ...دیکھ لینا۔"

مژگان کچھ نہیں بولی تھی۔ نک نے تبھی اس کے ہاتھ کو مخصوص دوستانہ گرمجوشی سے تھام کر ...لیا تھا۔

"میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔ دعائیں مشکلات کو آسان کر دیتی ہیں اور مخلص دوستوں ...کی دعائیں بہت جلد قبولیت کا شرف پاتی ہیں۔"

مژگان کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی وہ ہولے سے مسکرایا تھا۔

"کم آن بے بی! چیئر اپ! اتنا یقین رکھو، محبت پر اب جو تمہارا یقین بندھا ہے تو وہ ...گا نہیں۔ کیونکہ محبت خود ایک یقین ہے۔ جو محبت کی آبیاری کرتے ہیں، اسے ٹوٹنے ...بچاتے ہیں، محبت انہیں کبھی ٹوٹنے نہیں دیتی۔" نک بے حد پُر یقین تھا۔

"اور تم؟" وہ یکدم ہی سر اٹھا کر دیکھنے لگی تھی۔ "تم کیا کرو گے؟"

"میں......" اپنی جانب شہادت کی انگلی سے اشارہ کیا، پھر یکدم ہی ہنس دیا۔ "میں تو ...راہوں ہنی...... آوارہ گرد...... بھٹکتا رہوں گا در بدر...... جب تک قسمت میں لکھا ہو گا۔"

...کا لہجہ ایک عجیب سی کیفیت لئے ہوئے تھا۔ مژگان اسے دیکھنے لگی تھی۔

"ٹک نہیں سکتے ایک جگہ؟ دوسروں کو منزل کا یقین دیتے ہو اور خود!"

...اور وہ ہولے سے ہنس دیا تھا۔

اور مژگان کے پاس کہنے کو مزید کچھ نہ تھا، تبھی وہ چپ ہو کر چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

❁......❁

اب دسترس میں کیا ہے بجز اک ملال کے
اے عمرِ رائیگاں اسے رکھنا سنبھال کے
کچھ پوچھ کے ہوا تو گزر بھی گئی مگر
میں روبرو کھڑا ہوں ادھورے سوال کے

میں آئینہ ہوں کس سے کہوں شہرِ سنگ میں
دُھندلا گئے ہیں عکس مرے خدوخال کے

کتنی بہت جگہ اس نے اپلائی کیا ہوا تھا۔ اس دوپہر میل میں ملنے والے سفید لفافے نے اسے پھر سے توانائیوں سے بھر دیا تھا۔ ایک این جی او سے اسے ایڈمن پوزیشن کو سنبھالنے کے لئے کال کرلیا گیا تھا جس کے لئے اسے فوری طور پر اسلام آباد پہنچنا تھا۔ تایا ابا کے آنے تک وہ بہت بے قراری سے اِدھر اُدھر پھرتی رہی تھی۔ اور جیسے ہی ان کی آمد ہوئی تھی، وہ پہلی فرصت میں ان کے سامنے تھی۔

''تم اسلام آباد جاؤ گی؟'' تایا ابا نے پتہ نہیں حیرت ظاہر کی تھی یا پھر فقط سوال کیا تھا۔ وہ سمجھ نہ سکی تھی مگر فوری طور پر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''تایا ابا پلیز! میں اپنی زندگی کی راہیں تلاشنا چاہتی ہوں۔ مجھے اپنے ہونے کا احساس کرنا ہے، یقین کرنا ہے۔'' اس کا لہجہ دھیما اور مدھم تھا۔ ''میں باغی نہیں ہو رہی، حالات سے انحراف نہیں کر رہی، صورت حال سے فرار نہیں چاہتی۔ مگر کچھ وقت میں تنہا رہ کر گزارنا چاہتی ہوں۔ اپنا آپ تلاشنا چاہتی ہوں، خود کو پانا چاہتی ہوں، اپنے آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ پلیز...... آپ انکار مت کیجئے گا۔'' اس نے بہت قطعیت سے کہا تھا۔ تایا ابا اسے پُرسوچ انداز میں بغور تکنے لگے تھے۔

ادعیہ کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا جواب دیں گے۔ مگر وہ پُرامید ضرور تھی۔ کیونکہ اس گھر میں دادی اماں کے بعد اگر کوئی اس کے ساتھ مخلص تھا تو وہ فقط تایا ابا ہی تھے۔

''اگر تم سمجھتی ہو کہ تم یہ کر سکتی ہو تو تمہیں ضرور کرنا چاہئے۔'' تایا ابا یکدم بولے تھے اور اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

''تھینک یو.. تھینک یو ویری مچ تایا ابا۔ آپ نے مجھے بہت زیادہ اعتماد بخش دیا ہے۔'' اس کے چہرے پر پہلی بار کسی خوشی کا احساس دمکا تھا۔ تایا ابا اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دیئے تھے۔

''تمہیں اجازت دینے میں میرا یہ یقین بھی شامل ہے کہ میری بیٹی بہت ذہین و فطین ہے اور ایک دن اپنی اس خردمندی کے باعث وہ تمام صورت حال کو درست راہ پر لے آئے گی۔'' وہ دھیمے سے مسکرائے تھے۔

ادعیہ ان کی بات سمجھ چکی تھی اور بہت آہستگی سے سر جھکا گئی تھی۔

''جاؤ بیٹا، جا کر تیاری کرو۔ میں اعصار سے کہوں گا، وہ تمہیں اسلام آباد چھوڑ آئے۔''

''نن...... نہیں...... تایا ابا...... اس کی ضرورت نہیں۔ شعاع اور علی بھائی نادرن ایریاز کے لئے نکل رہے ہیں، میں ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔'' اس نے بہت آہستگی سے کہا تھا۔

اور تب تایا ابا نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ پھر سائیڈ دراز میں سے چیک بک نکال کر چیک سائن کیا اور اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا۔

''تایا ابا! اس کی ضرورت نہیں تھی۔'' اس نے پس و پیش سے کام لیا تھا۔

تایا ابا ہولے سے مسکرا دیئے تھے۔ ''یہ تمہارا انعام ہے۔ اپنی بیٹی کی پہلی کامیابی پر ایک باپ کی طرف سے چھوٹا سا گفٹ۔''

''مگر ابھی تو بہت سے مراحل طے کرنا ہوں گے۔ یہ تو صرف انٹرویو کال ہے۔''

''میرا یقین بہت پختہ ہے بچے! تمہاری کامیابی فقط اسی پر محیط نہیں ہوگی۔'' وہ پُریقین لہجے میں بولے تھے اور تب وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

کتنی بہت سی سرشاری بھر گئی تھی پورے وجود میں۔

ایک کامیابی کیسی مسرت بخش ہے۔ اسے آج اس بات کا احساس ہوا تھا۔ اپنے جسم میں وہ ایک نئی روح دوڑتی محسوس کر رہی تھی۔ دادی اماں کو اطلاع دے کر اس نے فون پر امی کو مطلع کیا تھا۔

''تم نے اپنے تایا ابا سے پوچھا ہے؟ اور اعصار شیخ؟'' امی نے دریافت کیا تھا۔

''میں شام میں آؤں گی آپ کی طرف۔'' اس نے کہا تھا۔ پھر سلسلہ منقطع کرنے کے بعد اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

ابھی اسے شعاع کو بھی خبر کرنا تھی اور وہ بھی یقیناً حیران ہوئے بغیر نہ رہتی۔ دل کے فیصلے اور سراسر اپنے طور پر کئے گئے فیصلے اس قدر سکون دیتے ہیں، وہ واقعی حیران تھی۔ اس کے لئے یہ احساس حیران کن تھا۔ پہلی بار اس نے اپنے لئے کوئی قدم اٹھایا تھا اور اپنی مرضی سے کوئی فیصلہ کیا تھا۔ کتنی طمانیت سی دوڑتی بھاگتی نظر آ رہی تھی چار سو۔

وہ الماری کھولے کھڑی تھی، جب اعصار شیخ کمرے میں آیا تھا، دروازے میں رک کر اسے دیکھا تھا۔ ادعیہ لمحہ بھر کو چونکی تھی، پھر اس کے ہاتھ دوبارہ سے متحرک ہو گئے تھے۔ اس کا انداز بے تاثر سا تھا۔

اعصار شیخ چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ وہ چونک پڑی تھی۔ مگر سر جھکائے نظریں الماری کے اندر جمائے یونہی ہاتھ اِدھر سے اُدھر مارتی رہی تھی۔

اعصار شیخ نے ہاتھ میں موجود پیکٹ بہت ہولے سے اس کی جانب بڑھا دیا تھا۔

"یہ تمہارے لئے ہے۔" موسم انتہائی خنک ہو رہا تھا مگر وہ ہمیشہ کسی بھی طرح کے گرم کپڑے سے مبرا نظر آتی تھی۔ اسے جانے کیسے احساس ہو گیا تھا کہ اس روز اس کے لئے خریداری کر ڈالی۔ ادعیہ حیران ہو کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔ اس نے پیکٹ تھامنے کے لئے قطعی ہاتھ نہیں بڑھایا۔

اعصار شیخ نے اسے چپ چاپ کھڑے دیکھا تو خود پیکٹ کھول کر اس میں سے ایک شال برآمد کی۔ باقی کا پیکٹ اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے شال پھیلا کر اس کے گرد کر کے بہت آہستگی سے شانوں پر ڈال دیا تھا۔ اس کے جھکاؤ نے کتنی مانوس سی مہک سانسوں میں بھر دی تھی۔ ایک پل میں ادعیہ نے چہرے کا رخ پھیرا تھا۔ یہ اقدام اس قدر غیر متوقع اور اچانک تھا کہ ادعیہ ساکت سی رہ گئی تھی۔ کچھ کہنے، کچھ کرنے کا خیال ناپید تھا۔ غیر متوقع صورتحال پر وہ سمجھ ہی نہ سکی تھی کہ کیسا ردعمل ظاہر کرے۔ اعصار شیخ کا "استحقاق" قابل دید تھا۔ کچھ دیر تک اسے یونہی کھڑا تکتا رہا تھا۔ پھر دوسرے ہی پل پلٹ کر باہر نکل گیا تھا۔

ادعیہ کتنی ہی دیر تک اسی تاثر میں کھڑی رہی تھی۔ پھر ہاتھ میں تھما پیکٹ یکدم ہی ایک طرف اچھالتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے شانوں پر اوڑھائی گئی شال کو کھینچا تھا اور دور اچھال دیا تھا۔

"نہیں ہے مجھے ضرورت تمہاری...... نہ ہی تمہاری کس عنایت کی۔"
نہ جانے کیوں ایک لمحے میں اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

✿......✿
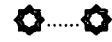
کچھ خبر اُن کی بھی لے گردشِ ایام کبھی
جانے کس حال میں ہوں تیرے بھلائے ہوئے لوگ
نہ کسی وصل کی خواہش نہ کسی ہجر کا دُکھ
ہم عجب لوگ ہیں لو تجھ سے لگائے ہوئے لوگ
حال احوال یہی ہے کہ ابھی زندہ ہیں
لذتِ عشق میں گم، ہجر اٹھائے ہوئے لوگ

رہبان عالم شاہ بے طرح فائلوں میں الجھا ہوا تھا، جب مژگان نے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

"بہت مصروف ہو؟" دانستہ اسے متوجہ کرنے کو وہ ہولے سے بولی تھی تو وہ چونکا تھا۔ پھر

سر ہلا دیا تھا۔ وہ ہولے سے چلتی ہوئی اس کے قریب آن رکی تھی۔ کچھ دیر تک یونہی سر خاموشی سے جھکائے کھڑی رہی تھی۔ رہبان عالم شاہ اسے منتظر نظروں سے دیکھتا رہا تھا۔ وہ جیسے مناسب لفظوں کو سمیٹ رہی تھی۔ پھر یکدم گویا ہوئی تھی۔

"میں...... واپس جانا چاہتی ہوں۔"

"گاؤں جانا ہے تو اس کے لئے میری اجازت کی کیا ضرورت ہے۔ تم بخوشی جا سکتی ہو۔" وہ اپنے مخصوص ملائم انداز میں مسکرایا تھا اور سر جھکا کر دوبارہ فائل کو دیکھنے لگا تھا۔

مژگان نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا۔ پھر ہولے سے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"نن...... نہیں۔" اس نے تمام ہمتوں کو جیسے مجتمع کیا تھا۔ پھر بولی تھی۔ "مجھے لندن جانا ہے۔"

"خیریت؟" وہ یکدم متفکر ہوا۔ "گرینی کی طبیعت تو ٹھیک ہے یا پھر نک؟"

"نہیں...... سب خیریت ہے۔ سب کچھ ٹھیک ہے۔"

"تو پھر؟" وہ سمجھ نہ سکا تھا۔

مژگان نے سر جھکا کر ازسرنو خود کو مجتمع کیا تھا، پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے گویا ہوئی تھی۔ "رہبان عالم شاہ! میں نے سوچ لیا ہے کہ مجھے تم دونوں کے بیچ مزید نہیں رہنا چاہئے۔ اگر میں مزید یہاں رہی تو یقیناً حالات سازگار نہیں ہو سکیں گے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ صورتحال مزید پیچیدہ ہو۔ کبھی کبھی ہم اپنی دانست میں ڈور کو سلجھا رہے ہوتے ہیں مگر ڈور سلجھنے کی بجائے مزید الجھتی چلی جاتی ہے۔ میں نے سوچا تو لگا، اس مسئلے کا یہ حل قطعی طور پر معقول نہیں ہے۔ میرے یہاں رہنے سے کیا ہوا، کجل تم سے مزید دور ہوئی، بدظن ہوئی، بدگمان ہوئی اور بہت سی غلط فہمیوں کو راہ ملی۔ اس کی جگہ کم ہوئی، اماں اور ابا جی کو بہت سا دکھ دینا پڑا، جھوٹ کا سہارا لینا پڑا۔ میں کبھی خود کو معاف نہیں کر سکوں گی اتنے پُرخلوص لوگوں کو دھوکا دینے پر۔ یہ فعل بہت باعث شرم ہے اور......" وہ سر اٹھا کر یکدم اسے تکنے لگی۔ "میں تھکنے لگی ہوں اب۔ یہ سب بہت تکلیف دہ ہے میرے لئے۔ آپ کو بھی تو اتنی صعوبتوں کو جھیلنا پڑا۔ کتنے الزام اپنے سر لینے پڑے اور یہ سب کس کے باعث ہوا؟ میرے باعث۔ یہ میرے لئے بہت تکلیف دہ اور شرمندگی کا باعث ہے۔ میں زیادہ دنوں برداشت نہیں کر سکتی۔"

وہ سر نفی میں ہلانے لگی تھی اور رہبان عالم شاہ اسے چپ چاپ تکے جا رہا تھا۔
پتہ نہیں اس کے پاس لفظ نہیں تھے یا پھر وہ کچھ کہنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ یا پھر چاہنے کے

باوجود کچھ کہنے کی ہمت ہی ناپید تھی۔ تبھی وہ چپ چاپ کھڑا اسے تکتا رہا تھا۔

مژگان سر جھکائے کچھ دیر تک یونہی اس کے سامنے کھڑی رہی تھی۔ شاید وہ اس کی جانب سے کسی جواب کی منتظر تھی۔ کچھ سننے کی آرزومند تھی، کوئی حرف خوش گماں، کوئی خوشبو بھرا جملہ۔ یا پھر کوئی حرفِ ملامت ہی سہی۔

مگر وہ چپ رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح۔

اس کے چہرے پر وہی سکوت تھا۔ وہی سمندر والی کیفیت تھی۔

مژگان نے ہونٹ بھینچ کر جیسے تمام تر کیفیات کو اپنے اندر ایک بار پھر دفن کیا تھا۔ اسے ایک نظر دیکھا تھا اور پھر پلٹ کر فوراً ہی باہر نکل آئی تھی۔

رہبان عالم شاہ اسی طرح بیٹھا اس جانب تکتا رہا تھا جس جانب مژگان نے واپسی کو قدم بڑھائے تھے۔

❁.....❁

کل شب عجیب وحشتوں کی نذر ہو گئی
اک لہر سی لہو میں اٹھی اور کھو گئی
اس چشم کو دعا، کہ سرِ قحط اب بھی
کل شب کسی کی یاد میں دامن بھگو گئی
پہلے تو شہرِ جاں میں فقط اس کی گونج تھی
پھر یوں ہوا وہ دور کی آواز ہو گئی

وہ کمرے کی کھڑکی کے ساتھ لگی شیشے کے اس پار ہونے والی مسلسل بارش کو خاموشی سے تکے جا رہی تھی۔ جب وہ چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ وہ خود میں اتنی گم تھی کہ کسی کی آمد کا احساس تک نہ ہوا تھا۔

اعصار شیخ اسے چند لمحوں تک خاموشی سے کھڑا تکتا رہا تھا۔ پھر کسی قدر مدھم انداز میں گویا ہوا۔

"یہ کیا سن رہا ہوں میں؟" اگرچہ اس کا لہجہ دھیما تھا مگر بھاری آواز میں بے حد شدت تھی۔ ادعیہ چونکی نہیں تھی، جیسے اس کی آمد اور دیگر تمام سوالات کے لئے پہلے سے تیار تھی۔ بھی بنا متوجہ ہوئے اس جانب تکتی رہی تھی۔ اعصار شیخ نے بے حد ضبط کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ پھر دوبارہ گویا ہوا تھا۔

"تم اسلام آباد جا رہی ہو؟"

مگر ادعیہ نے کوئی ری ایکشن نہیں دیا تھا۔ جیسے اس نے سنا ہی نہ تھا۔ جیسے کوئی اس کا مخاطب ہی نہ تھا۔ بت بنی وہ اسی طور کھڑی رہی تھی۔ اور تب شاید اعصار شیخ کا ضبط جواب دے گیا تھا۔ دو قدم آگے بڑھ کر اس نے اپنا مضبوط ہاتھ اس کے شانے پر دھرا تھا۔ پھر اسی قدر جارحانہ انداز میں اس کا رخ اپنی سمت موڑا تھا۔

"میں تم سے پوچھ رہا ہوں۔" وہ مدھم مگر بے حد سخت لہجے میں دریافت کر رہا تھا۔ ادعیہ نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا۔ پھر اسی قدر رسانیت سے اس کا ہاتھ اپنے شانے سے ہٹا دیا

تھا اور اسی قدر پُرسکون انداز میں بولی تھی۔

"میں تایا ابا سے بات کر چکی ہوں۔ آپ کو اگر کچھ دریافت کرنا ہے تو ان سے کر لیجیے"۔ اس کے اطمینان بھرے انداز پر اعصار شیخ سلگ اٹھا تھا۔ مگر مزید کوئی اقدام کئے اور کچھ کہے بغیر وہ انتہائی ضبط کرتے ہوئے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ کچھ دیر تک یونہی کھڑا رہا تھا، پھر اس کی جانب دیکھا تو انداز خاصا پُر اعتدال تھا۔

"تم کہیں نہیں جاؤ گی۔"

ادعیہ اس "حکم" پر اور "استحقاق" پر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

"ایکسکیوز می۔ میں نے آپ سے اجازت نہیں مانگی۔ نہ ہی میں آپ کی پابند ہوں۔ ادعیہ قطعاً آپ کی میراث نہیں ہے۔" وہ مضبوط لہجے میں گویا تھی۔ وہ کچھ دیر تک خاموشی سے اسے تکتا رہا تھا پھر آگے بڑھ کر دونوں ہاتھ اس کے شانے پر دھر دیئے تھے۔

ادعیہ نے چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ مگر وہ اسے بغور تکنے لگا تھا۔ اس کی قربت، اس کی خوشبو لمحہ بھر میں ہی حواس خطا کرنے لگی تھی۔ دل یکدم ہی دھڑک اٹھا تھا۔ وہ چہرے کا رخ پھیرے اسی طرح دوسری سمت دیکھ رہی تھی جب اعصار شیخ نے بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کا رخ اپنی سمت پھیرا تھا۔ وہ اس کی سمت دیکھنا چاہتی تھی مگر جانے کیوں نظریں جھکتی چلی گئی تھیں۔ وہ اس کی سمت اسی طور تکتا رہا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

"میرے ضبط کو کیوں آزماتی ہو تم؟" ٹھہرے ہوئے لہجے میں بہت ہی تپش تھی۔ ادعیہ کا وجود جیسے جلنے سا لگا تھا۔ "اگر کسی بات کا احساس نہ کرایا جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بے اہمیت ہو گئی۔" بھاری مضبوط لہجے میں کہتے ہوئے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ "کیا تم نہیں جانتی ہو کہ میرے کون سے حقوق واجب ہوتے ہیں؟" لہجہ بہت مدھم تھا مگر بے پناہ تپش تھی لہجے میں۔ ادعیہ کا وجود اس کی گرفت میں لرزنے لگا تھا۔ وہ یکدم ہی اس کے مضبوط ہاتھ جھٹک کر الٹے قدموں چلتی ہوئی دیوار سے جا لگی تھی۔ پل بھر میں آنکھوں میں ایک سمندر آن رکا تھا۔ اعصار شیخ اسے چند لمحوں تک یونہی کھڑا تکتا رہا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

"مزید نہ تو میں کچھ کہنا چاہتا ہوں نہ ہی سننا۔ تم نے جو سن لیا ہے وہی حرف آخر ہے۔"

وہ بولا تھا اور فوراً ہی پلٹ کر چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

ادعیہ کتنی دیر کھڑی اسی ایک سمت تکے گئی تھی۔

☆......☆

ڈھل گیا آنسوؤں سے رنگِ ملال
اب نئے رنگ سجا آنکھوں میں
اِک ستارہ بر مژگاں چمکا
اِک چراغ اور جلا آنکھوں میں
جیسے یہ رات ہو بس آخری رات
ہے وہ ہنگامہ بپا آنکھوں میں

بعض اوقات بہت سے فیصلے کرنے کے بعد اندر کا اطمینان جاتا رہتا ہے۔ بہت سی بے لی پورے وجود کا حصار کر لیتی ہے۔ شاید اسی لئے کہ ایسے سارے فیصلے دل کے خلاف ہاتے ہیں اور دل اپنے خلاف کئے گئے تمام فیصلوں پر یونہی صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ وہ ہانتی تھی، اس نے جو کیا ہے، دل کے برخلاف کیا ہے۔ مگر اس کے پاس جیسے اس کے سوا ہر اہ بند تھی۔ سو اس نے قدم اسی ایک راہ پر ڈال دیئے تھے۔

اس رات وہ کتنی دیر تک تنہا یہاں سے وہاں ٹہلتی رہی تھی۔ اندر کس قدر حبس تھا۔ وہ اپنی دھن میں ایک چکر کاٹ کر مڑی تھی جب وہ اپنے مقابل رہبان عالم شاہ کو کھڑے دیکھ کر ٹھٹک پڑی۔ وہ کچھ دیر کھڑا دیکھتا رہا۔ پھر بہت مدھم لہجے میں پوچھنے لگا۔

"نیند نہیں آ رہی کیا؟"

مژگان نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے نفی میں سر ہلا دیا۔ رہبان عالم کچھ دیر یونہی اسے تکتا رہا، پھر چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔ مژگان نظریں جھکانے کے ساتھ ہی چہرے کو بھی جھکا گئی۔ رہبان عالم شاہ کچھ کہے بغیر کتنے ہی لمحے اسے یونہی تکتا رہا۔

"کیا مشکل ہے؟" بہت مدھم سرگوشی کا سا انداز تھا۔ عجب مبہم سا جملہ تھا۔ وہ کچھ بھی سمجھ پائی تھی۔ شاید تبھی سر اٹھائے یونہی اسے تکتی رہی تھی۔ پھر بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

"یونہی نیند نہیں آ رہی تھی۔" اس نے زبردستی لبوں پر مسکراہٹ سجانی چاہی۔ "اور...... اور تم؟"

"بس یونہی۔"

"ابھی تم نے کہا تھا کیا مشکل ہے۔ کیا اب میں پوچھ سکتی ہوں کیا مشکل ہے؟" پتہ نہیں کیوں وہ مروت کی روایت نبھاتے رہنا چاہتی تھی۔ حالانکہ یہ کچھ اس قدر ضروری بھی نہ تھا۔

رہبان عالم شاہ اسے دیکھتا ہوا دھیرے سے بولا۔

"سب کچھ مشکل ہی تو ہے۔ مشکل ہی تو ہے سب کچھ۔" جانے اس نے کیا سمجھانا چاہا تھا۔ مگر کس قدر مبہم تھا اس کا مدھم لہجہ۔ انداز سے کچھ بھی تو واضح نہ تھا۔

"آسان تو کبھی بھی کچھ نہیں ہوا کرتا رہبان عالم شاہ! مشکلات کو آسان کرنا ہی تو زندگی ہے۔" وہ اسے دیکھتا رہا۔ بہت پھیکی سی مسکراہٹ تھی اس کے لبوں پر۔ جیسے وہ بھی مروتاً یہ چوٹی سر کر رہا ہو۔ بہت الجھا ہوا تھا وہ۔

"اور یہی اگر میں کہوں تو؟"

"کیا؟" وہ سمجھ نہ سکی۔ وہ کچھ دیر تک یونہی تکتا رہا۔ پھر بہت الجھے ہوئے انداز میں سر جھٹکتے ہوئے دوسری سمت تکنے لگا۔ پھر اس کی سمت ایک نگاہ ڈال کر سر نفی میں ہلا دیا۔

"تیاری مکمل ہوگئی تمہاری؟"

مژگان نے اسے دیکھا، پھر سر اثبات میں ہلا دیا۔

"ہوں۔ ابھی کچھ دن لگیں گے۔ میں سویرا کو بھی ساتھ لینا چاہتی ہوں۔ اس کا کوئی نہیں ہے یہاں۔ میرے بعد بالکل تنہا رہ جائے گی۔ میری کوشش یہی ہے کہ اس کو بھی ساتھ لے لوں۔ اگر ایسا نہ ہو سکا تو اسے کچھ دن تک اماں کے پاس چھوڑنا پڑے گا۔" اس نے مطلع کرنے کے ساتھ ہی چہرے کا رخ پھیر لیا تھا۔ رہبان عالم شاہ نے سن کر کچھ نہ کہا تھا۔ یونہی سر جھکائے خاموشی سے کھڑا رہا تھا۔ پھر بہت لمحوں بعد گویا ہوا تھا۔

"کیا تم واقعی جا رہی ہو؟"

مژگان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ اپنے سوال کے بے تکے پن کا احساس شاید اسے خود بھی ہو گیا تھا۔ تبھی وہ چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ مژگان نے اسے دیکھا تھا۔ ان دونوں کے درمیان عجیب طرح کا تناؤ گھر کرنے لگا تھا۔ درمیان میں ایک دیوار اٹھنے لگی تھی...... اجنبیت کی...... بیگانگی کی...... اور اگرچہ اسے چلے جانا تھا مگر وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔ یہ یقیناً مناسب رویہ نہ تھا۔

"کیا مجھے نہیں جانا چاہئے؟" وہ بولی تو انداز بے حد دوستانہ تھا۔ لبوں پر رکی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ قطعاً سنجیدہ نہ تھی۔ یقیناً وہ ان لمحوں کی کثافتوں کو دھونا چاہتی تھی۔ مگر رہبان عالم شاہ بنا کچھ کہے اسے دیکھتا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجب سکوت تھا۔ وہ قطعاً سمجھ نہیں پائی تھی۔ شاید تبھی سر جھکا گئی تھی۔ رہبان عالم شاہ اس کے چہرے پر سے نظر ہٹا گیا تھا۔ پھر اسی قدر مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"میں نے وکیل سے بات کر لی ہے۔ وہ پیپرز تیار کر رہا ہے۔"

مژگان چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ رہبان عالم شاہ اس کی سمت سے ایک بار پھر نگاہ پھیر کر دوسری سمت تکنے لگا تھا۔

"کچھ...... کچھ دن لگیں گے۔"

مژگان اپنی جگہ ساکت تھی۔ رہبان عالم شاہ کچھ دیر تک یونہی کھڑا رہا تھا۔ پھر پلٹ کر اندر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ مژگان کتنی ہی دیر ساکت کھڑی اس جانب تکتے گئی تھی۔ کچھ بھی تو نہ تھا درمیان میں۔ پھر شہر دل میں کیسی ہلچل سی برپا ہوگئی تھی اس ایک لمحے میں۔ اپنا کیا تھا...... سب پرایا ہی تو تھا۔ پھر کس شے کے چھن جانے کا ملال روح کو گھیرنے لگا تھا۔ کیوں جاں سلگنے لگی تھی۔

ایک "کاغذی بندھن" ہی تو تھا۔ جب ختم ہوا جا رہا تھا تو جاں جسم سے جدا کیوں ہو رہی تھی؟ کیا ٹوٹ رہا تھا اندر ہی اندر؟ کیوں پلکیں بھیگتی جا رہی تھیں؟ جب کچھ نہیں تھا تو یہ سب کیوں تھا؟

اندر اک حد درجہ گھٹن تھی تو کیوں تھی؟

✿......✿

مآلِ چشمِ گریزاں کھلے تو بات چلے
کسی وصال کا امکاں کھلے تو بات چلے
وصال و ہجر کے دکھ بھی شمار کرنے ہیں
بیاضِ دل کسی عنواں کھلے تو بات چلے
بگولہ وار بہت رقص کر کے دیکھ لیا
سو ہم پہ رازِ بیاباں کھلے تو بات چلے
ہزار طرح جو حرفِ بیاں سے جھلکا ہے
اس ایک درد کا درماں کھلے تو بات چلے

وہ کچن میں تھی۔ گھر میں اتنے کم افراد تھے کہ شور تو پہلے بھی کم ہی ہوتا تھا۔ مگر ان دنوں گھر کی فضا میں ایک عجیب سا تناؤ تھا۔ سیو نے محسوس کیا تھا، پہلے شام میں جو ایک چہل پہل کا احساس گھر میں ہوتا تھا، اب وہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ دونوں فریقین اپنے کمرے میں بند رہتے تھے۔ پتہ نہیں جو وہ سمجھ رہی تھی، وہ ٹھیک بھی تھا کہ نہیں۔ مگر وہ اس سے متعلق کسی قدر فکرمند تھی۔ وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ کچھ دریافت کر سکتی۔ شاید یہ وجہ بھی تھی ایک

پریشانی کی۔

اب بھی وہ کچن میں موجود اسی متعلق سوچے جا رہی تھی، جب مژگان وہاں آ گئی۔

''سویرا...... کہاں گم ہو؟ دودھ ابل چکا ہے۔'' اسے کھڑے دیکھ کر اس نے فوراً آگے بڑھ کر چولہا بند کیا تھا۔

سیو چونکتی ہوئی اسے دیکھنے لگی تھی۔

''وہ...... میں...... آئی ایم سوری!''

مژگان نے اسے دیکھا تھا مگر اس کے متعلق مزید کچھ نہیں بولی تھی۔ سیو سر جھکا کر اسی طرح نیچے دیکھتی رہی تھی۔ تبھی مژگان نے اس سے دریافت کیا تھا۔

''تم کسی کامران کو جانتی ہو؟''

''کامران؟'' وہ چونکی۔ مژگان براہ راست اس کی جانب تک رہی تھی۔ وہ بہت ہولے سے گردن جھکا گئی تھی۔

''جی۔'' انداز انتہائی شکست خوردہ تھا۔

مژگان نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔ ''تم ڈرائنگ روم میں جاؤ۔ اعیان تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہے۔''

سیو کا دل دھک سے رہ گیا تھا۔ اس نے نگاہ اٹھا کر مژگان کی جانب دیکھا تھا جیسے مزید کچھ جاننے کی تمنائی ہو۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اور تب وہ ہونٹ کچلتی ہوئی بہت مشکل سے قدم اٹھاتی چلتی ہوئی ڈرائنگ روم تک کا فاصلہ طے کرنے لگی تھی۔

اعیان عالم شاہ ڈرائنگ روم میں اس کا منتظر تھا۔ وہ اس کا سامنا قطعاً نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اور اس معاملے میں تو قطعی بھی نہیں۔ ایک ایک قدم ایک ایک من کا تھا۔ مگر وہ چلتی ہوئی اس شخص کے مقابل جا رکی تھی۔ اعیان عالم شاہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا، پھر اسی انداز میں اسے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ وہ مشینی انداز میں اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔ سر جھکا ہوا تھا۔ اعیان عالم شاہ اسے کچھ دیر تک یونہی خاموشی سے تکتا رہا تھا۔ پھر گویا ہوا۔

''کسی کامران نامی شخص کو جانتی ہو تم؟'' وہی سوال جو کچھ دیر قبل مژگان نے اس سے دریافت کیا تھا اور اگرچہ وہ جواب دینے کی پابند نہیں تھی مگر اس کے باوجود اس نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اعیان عالم شاہ نے اسے دیکھا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ پھر چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت تکنے لگا تھا۔

''کیا تم اسے واقعی جانتی ہو؟'' پتہ نہیں اسے اس کے سر اثبات میں ہلا دینے سے یقین کیوں نہ ہوا تھا کہ ایک بار پھر ذرا مختلف انداز میں اس سے دریافت کیا تھا۔ سیو سمجھ نہیں سکی تھی کہ ایسا کیوں ہوا تھا۔ مگر اس نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا ضرور تھا۔ وہ بے حد الجھے ہوئے انداز میں اس گھڑی اس کی جانب متوجہ تھا۔ پتہ نہیں واقعی ایسا تھا یا پھر اسے لگا تھا۔ اس کے دیکھنے پر وہ نگاہوں کا رخ پھیر گیا تھا۔ سیو اسی طرح خاموشی سے سر جھکا گئی تھی۔ تبھی ذرے توقف سے وہ گویا ہوا تھا۔

''وہ تمہیں اپنی منگیتر بتاتا ہے اور یہ کہ یہ رشتہ تمہاری مرضی کے مطابق طے کیا گیا تھا۔ تمہارے چاچا، بے بے کی رائے کو بھی اولیت حاصل تھی اور ان کی رضا پر ہی تم نے اس رشتے کو قبول کیا تھا۔'' پتہ نہیں وہ اتنا سب کچھ دہرا کر کیا احساس دلانا چاہ رہا تھا۔ سیو قطعاً سمجھ نہ پائی تھی۔ مگر اس کے باوجود اس نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ ساتھ ہی بولی تھی۔

''ہاں...... یہ رشتہ بے بے اور چاچا نے اپنی زندگی میں طے کیا تھا۔ میں جانتی ہوں اس شخص کو۔ مگر بس فقط نام کے حوالے سے۔''

اعیان عالم شاہ لمحہ بھر کو اسے تکتا رہا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بولا تھا۔ ''میں اسی بابت تم سے دریافت کرنے آیا تھا۔ وہ ایک دو بار حویلی آیا تھا اپنے والدین کے ساتھ...... اسی تعلق کے حوالے سے...... مگر میں نے تم سے اس بابت پوچھنا اس لئے مناسب خیال کیا کہ......'' وہ اپنی بات کو درست انداز میں واضح نہ کر پا رہا تھا۔ پتہ نہیں وہ کیا کہنا چاہتا تھا یا پھر جو کہنا چاہتا تھا وہ باوجود کوشش کے کہہ نہ پا رہا تھا۔ سیو نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''کوئی اتنے یقین سے اور اتنے اعتماد سے تبھی کہہ سکتا ہے جب واقعی وہ سچا ہو۔ جھوٹے بے ہمت ہوتے ہیں۔ وہ آنکھ ملا کر بات کرنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتے۔ کوئی دعویٰ کرنا تو بڑی بات ہے۔'' مدھم لہجے میں عجب وار کیا تھا اس نے۔ اعیان عالم شاہ کتنی ہی دیر اسے تکتا گیا تھا۔ مگر وہ کہہ کر سر جھکا کر ٹیبل کی سطح کو دیکھنے لگی تھی۔ اعیان عالم شاہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

''کیا تم اب بھی اس تعلق کو مانتی ہو؟''

''اب؟'' وہ بہت ہولے سے بولی تھی۔ عجب تلخی بھرا انداز تھا۔ اعیان عالم شاہ نے اسے دیکھا تھا۔ وہ بہت پُراعتماد انداز میں اس کے سامنے کھڑی بغور اس کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''اب اور تب تعلقات پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ رشتوں میں زمانے حائل نہیں ہوتے۔ یہ

کوئی ایگریمنٹس نہیں کہ مدت گزرنے کے بعد کالعدم قرار دے دیئے جائیں۔ کیونکہ رشتوں کا تعلق احساسات سے ہوتا ہے، جذبات سے ہوتا ہے، دل سے ہوتا ہے اور...... اور جو تعلقات دل سے بنیں وہ اب اور تب سے ماورا ہوتے ہیں۔'' کس قدر مضبوط لہجہ تھا اس کا۔ کس قدر پختہ انداز۔ اعیان عالم شاہ اسے تکتا گیا تھا۔ وہ بہت ہولے سے سر جھکا گئی تھی۔ پھر اسی قدر آہستگی سے بولی تھی۔

''اگرچہ...... اگرچہ میں نے یہ تعلق آپ نہیں باندھا، مگر اس میں بے بے اور چاچا کی رضا شامل ہے۔ اور ان کی رضا میں میرے دل کی رضا بھی شامل ہے۔ کیونکہ ان سے میرا تعلق دل کا تھا، احساسات کا تھا، جذبات کا تھا۔ اور دل کے تعلقات زمانے کی قید سے ماورا ہوتے ہیں۔''

اعیان عالم شاہ اسے خاموشی سے تکتا گیا تھا۔ پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

✿......✿

تو کیا یہ طے ہے کہ اب جدا ہر راستہ ہو گا
اب نہ باہم دلوں میں کوئی رابطہ ہو گا
نہ کوئی فون، نہ خط، نہ پتر، نہ تار!
نہ مروت کے کسی اظہار کا سلسلہ ہو گا
اب یہ ہو گا کہ ہم اجنبی بن جائیں گے
سونا ویران دل کا دریچہ ہو گا
کبھی جو مل بھی گئے کسی روز سرِ راہ اگر
بس ایک رسمی سی مسکراہٹ کا تبادلہ ہو گا
گزر ہی جائے گی تیرے بغیر بھی لیکن!
ہاں مگر دل پر بھاری ہر اِک مرحلہ ہو گا

اس شام وہ شعاع کی طرف جانے کی تیاری کر رہی تھی جب وہ اور علی شاہ اس کی طرف آ گئے۔

''یہ کیا سن رہی ہوں میں...... اسلام آباد جا رہی ہو تم؟'' ذرا تنہائی میسر آئی تو اس نے پوچھا۔ وہ چونکہ پہلے سے پری پیئر تھی، تبھی بہت رسانیت کے ساتھ مسکرا دی۔

''تمہیں امی نے بتایا ہو گا۔''

''ہاں، مگر تم!'' شعاع کچھ بولتے بولتے رک گئی۔ ''ادعیہ پلیز! بی پریکٹیکل، زندگی کوئی خواب نہیں ہے، حقیقت ہے یہ۔ اسے کھلی آنکھوں سے فیس کرو۔ زندگی آنکھیں بند کرنے سے نہیں گزرتی۔ اسے کھلی آنکھوں سے دیکھ کر گزارنا پڑتا ہے۔ بچی نہیں ہو تم۔''

''پلیز شعاع! یہ تمام باتیں سن سن کر اب میں تھک چکی ہوں۔'' اس نے بہت تھکن زدہ لہجے میں کہتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ شعاع اسے دیکھتی گئی تھی۔ وہ بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔ ''شعاع! تم نے کبھی سوچا ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کو خود آپ کتنا جیتے ہیں۔ میں نے سوچا ہے۔ میں نے جانا ہے اور تبھی اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اب میں اپنی زندگی کسی اور کو جینے نہیں دوں گی۔ شعاع! آخر کب تک ہم دوسروں کی پرواہ کرتے رہیں گے۔ جو زخم ہماری ذات پر لگتے ہیں ان کا درد بھی ہم تنہا ہی جھیلتے ہیں۔ کوئی ساتھ ہی ہوتا ان کرب انگیز لمحوں میں ہمارے، پھر کیوں...... کیوں پرواہ کریں ہم ان سب کی؟''

شعاع چپ چاپ اسے دیکھتی گئی تھی۔

''شعاع پلیز، مجھے میری زندگی جی لینے دو۔ تھک چکی ہوں میں اوروں کی خاطر سولی پہ چڑھ کے۔ پلیز، بہت تھک چکی ہوں میں۔ مزید ہمت نہیں ہے مجھ میں۔ اب کسی اور قربانی کی امید مت رکھو مجھ سے۔'' کتنے بہت سے سمندر اس کی آنکھوں میں آن رکے تھے۔ مگر وہ بہت ضبط کے ساتھ ان سمندروں کو اپنے اندر مدغم کرنے کے جتن کرنے لگی تھی۔

''پلیز! مجھے یہ احساس کر لینے دو کہ میں زندہ ہوں، بہت زیادہ نہیں، بہت طویل نہیں، بس تھوڑی سی زندگی۔ کتنا کچھ میں نے دوسروں کے لئے کیا ہے۔ کیا میں تھوڑا سا اپنے لئے نہیں کر سکتی؟'' کتنا بہت سا پانی اس کی پلکوں سے بہتا چلا گیا تھا۔

''ادعیہ! ہمارے ہاں کا ایک المیہ ہے۔ ہمارے یہاں اپنی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ ہم دوسروں سے وابستہ ہو کر جیتے ہیں اور دوسروں کے لئے ہی جیتے ہیں۔ دوسرے معنوں میں اپنی زندگیاں دوسرے بسر کرتے ہیں۔ کبھی ایسا جبراً ہوتا ہے اور کبھی مجبوراً۔ کبھی زور و [illegible] کے ساتھ تو کبھی مروتاً۔ اور کبھی یہی سب کچھ محبت کے ساتھ۔ پیار کے ساتھ۔ مگر یہ ہوتا رہتا ہے۔ ادعیہ! یہاں زندگی ''گیو اینڈ ٹیک'' والے اصول پر کاربند رہتی ہے۔ تنہا کوئی نہیں جی سکتا۔ ہم دوسروں کے سنگ جیتے ہیں۔ کیونکہ دوسرے ہمارے سنگ جیتے ہیں۔ زندگی کے دو سائیڈز ہیں۔ پوزیٹو بن کر سوچو گی تو سارے رنگ خوبصورت نظر آئیں گے اور اگر نیگیٹو بن کر سوچو گی تو سارے رنگ ایک ہی رنگ میں سیاہ نظر آئیں گے۔ جو ہو چکا، سو ہو چکا۔ اس کا تدارک یہ ہے کہ وہ شخص تمہاری جانب اب بھی گامزن ہے۔ اس نے کبھی بھی تم

سے منہ نہیں پھیرا۔ کیونکہ وہ اپنی محبت میں کھرا ہے۔ تم نے کبھی غور کیا ہے کہ وہ کس کے لئے جی رہا ہے۔ کس کی لگن میں جی رہا ہے؟"

شعاع نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ فوراً ہی سر جھکا گئی تھی۔ تبھی شعاع نے بہت ہولے سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھرا تھا اور پھر اسی قدر آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"ادعیہ! غور کرو۔ تم پوزیٹو انداز سے یہ بھی تو سوچ سکتی ہو کہ وہ اس کی شدت انگیز محبت تھی، جو فقط تمہارے لئے تھی اور اسی محبت نے اسے اس شدت پر مائل کیا۔ کیونکہ وہ تمہیں کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔ ادعیہ! کیا یہ سوچ خوش کن نہیں کہ کوئی ایک ہے دنیا میں، جو ہر طرف سے ہٹ کر فقط آپ کی جانب گامزن ہے۔ تم جانتی ہو...... یہ کیا ہے...... یہ محبت ہے۔ اس لگن کا نام محبت ہے۔ اس جنون خیزی کا نام محبت ہے۔ اس معاملے میں کوئی زور یا زبردستی نہیں چلتی۔ اس میں آپ کے دل کی رضا کو دخل ہوتا ہے۔ اس بے چارے شخص کا قصور فقط اتنا ہے ادعیہ! کہ وہ تم سے لو لگا بیٹھا اور تم......" اس نے ایک تھکی ہوئی سانس خارج کی تھی۔ پھر اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ تم کیا چاہتی ہو ادعیہ۔ ہر لڑکی کا خواب فقط یہی ہوتا ہے۔ ایک گھر ہو، ایک دریچہ ہو، اور کوئی اپنا ہو۔ جو فقط اسے دیکھے، اسے چاہے۔ جی جان سے خیال رکھے۔ اپنی پناہ میں رکھے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے۔ اعصار شیخ سے علیحدہ ہو کر جیو گی، کیا تب تم اس صورتحال کا سامنا کر لو گی جب کہ تم اس وقت تنہا ہو گی؟ اس صورتحال میں تو کوئی تمہارے ساتھ ہے، ہم قدم ہے، جو تمہیں زمانے کے سرد و گرم سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ موسموں کی تمازت سے بچا سکتا ہے۔ تب کون ہو گا؟ سوچو، یہ سفر کتنا مشکل ہے۔ کیا فقط خود کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے تم اس زندگی سے دور بھاگنا چاہتی ہو؟ فقط اس بات کی نفی کرنے کے لئے کہ جو کچھ اعصار شیخ نے کیا، تم ہرگز اس کے ساتھ نہ تھیں۔ فقط یہ ثابت کرنے کے لئے تم اس زندگی کو ٹھکرا رہی ہو؟ اگر تم خود کو بے قصور ثابت کر بھی لو گی تو اجر کیا ملے گا۔ کون سے تمغے کی تمنائی ہو تم؟ یہ دنیا تمہیں تب بھی بہت سے طعنوں سے نوازے گی جو تمہاری برداشت سے بہت بڑھ کر ہوں گے۔ ٹھوکروں میں ہو گی تم دنیا کی۔ ادعیہ! میں تم سے فقط ایک بات کہنا چاہوں گی۔ تم فقط ایک کام کرو۔ اپنے دل پر ہاتھ دھرو اور پوری ایمانداری سے بتاؤ، کیا وہ شخص اس سفر میں تنہا تھا؟ کیا تم اس کے ساتھ چلنے کی کبھی خواہشمند نہیں تھی؟ یا کیا اب تم ایسا نہیں چاہتی ہو؟"

مگر ادعیہ سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ اور بہت سا پانی پلکوں کے بند توڑ کر باہر پھیلتا جا رہا تھا۔ شعاع نے اسے دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ پھر بہت مدھم لہجے میں بولی تھی۔

"دوسروں سے خوفزدہ ہونا چھوڑ دو ادعیہ...... پلیز۔ اپنی زندگی آپ جیو۔ دوسروں کی فکر کے خوف میں مبتلا رہنا چھوڑ دو۔ اپنے فیصلے خود کرو۔ اپنے دل کو وکیل کر کے۔ دیکھنا پھر کوئی پچھتاوا تمہارے آنچل سے کبھی نہیں لپٹے گا۔"

مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ اور تب شعاع نے جیسے تھک کر سر اٹھایا تھا۔ دروازے کے بیچوں بیچ جانے کب سے اعصار شیخ ایستادہ تھا۔ وہ چونکی نہیں تھی۔ چپ چاپ اسے دیکھا تھا۔ اعصار شیخ جانے کیا کہنے آیا تھا۔ مگر اس گھڑی بنا کچھ کہے مڑ کر واپس پلٹ گیا تھا۔ ادعیہ کی اس جانب پشت تھی۔ وہ اسے دیکھ نہ سکی تھی۔

۞......۞

محبت طاقِ دل پر
جلنے والا
وہ چراغِ آخر شب ہے
کہ اس کی لو اگر مدھم بھی پڑ جائے
تو اندر کا اجالا کم نہیں ہوتا......!!
محبت کرنے والوں کو خبر ہے
محبت وسوسوں اور واہموں کے درمیاں
کچھ دن یونہی بے خواب و بے خواہش
اسیری کاٹ سکتی ہے
ہمیشہ کے لئے لیکن
یہ محور سے نہیں ہٹتی......!
محبت ایک ایسا راستہ ہے
کہ جس پر واپسی ممکن نہیں ہوتی......!!!

مژگان چپ چاپ کھڑی سمندر کی وسعتوں کو تکے جا رہی تھی، جب سیو بہت دھیمے سے اس کے پاس آن رکی تھی۔ مژگان چونکی نہیں تھی۔ نہ ہی اس کا تسلسل ٹوٹا تھا۔ وہ اسی طرح اس جانب تکتی رہی تھی۔ سیو نے اسے دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"پوچھنے کا حق تو نہیں رکھتی، مگر میں جانتی ہوں کوئی بات ہے، جو آپ کے اضطراب کا سبب ہے۔" اس کے مدھم لہجے میں اتنا یقین تھا کہ مژگان اسے دیکھتی رہ گئی تھی اور وہ بولتی گئی تھی۔

"یہ اضطراب خاص نوعیت کا ہے جس کا تعلق سراسر دل سے ہے۔ میرے قیاس کبھی غلط نہیں ہوتے۔ آپ نہ مانیں تو یہ الگ بات ہے۔ مگر میں اہل دل ہوں۔ دل سے دیکھتی ہوں۔ دل سے جانچتی ہوں، دل سے پرکھتی ہوں، بہت سی لامحدود باتوں کو۔ عقل محدود سہی مگر دل بہت وسعت رکھتا ہے۔"

وہ مژگان کے چہرے سے نگاہ ہٹا کر سمندر کو تکنے لگی تھی۔

"آپ نے اس روز کہا تھا۔ تم سمندر کی گہرائی سے واقف نہیں۔ کیونکہ تم یہ امر تب تک سرانجام نہیں دے سکتیں جب تک سمندر کے اندر نہ اترو۔ مگر میں کہہ نہیں سکتی تھی کہ میں نے سمندر کا سفر طے کرلیا ہے۔ میرا دل بھی تو ایک سمندر ہے، محبت بھی تو ایک سمندر ہے۔ آپ کچھ بھی نہ کہیں مگر میں جانتی ہوں، اس سمندر میں بہت طغیانی ہے۔ یہ اوپر سے جتنا بھی پُرسکون سہی، مگر اس کی سطح کے اندر بہت سے طوفان موجزن ہیں۔ کیا آپ مجھ سے اس تمام مدوجزر کے متعلق گفتگو کرنا چاہیں گی؟"

اس کا انداز بہت مدبرانہ تھا مگر مژگان یکدم ہنس دی تھی۔

"تم تو بہت بڑی بڑی باتیں کرنے لگی ہو۔ آئی کانٹ بلیو اٹ۔ تم تو بلا کی خطیب بن چکی ہو۔ اتنا عمدہ تو کوئی مفکر بھی نہیں بول سکتا۔" وہ یقیناً غیر سنجیدہ تھی۔ اس کے لبوں کا تبسم اس بات کا گواہ تھا۔ سیو نے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا دی تھی۔

"آپ بات کو مذاق میں اڑانا چاہیں تو یہ الگ بات ہے۔ مجھ سے شیئر نہ کرنا چاہیں تو یہ الگ بات ہے۔ مگر میرا قیاس غلط نہیں۔ مجھے حیرت اس بات کی بھی ہے کہ آپ جیسی لڑکی کو بھی کوئی مشکل ہوسکتی ہے۔ آپ کے پاس تو ہر بات کا حل ہے۔ پھر آپ کیسے......؟"

مژگان نے اسے دیکھا تھا۔ پھر لب بھینچ لئے تھے۔

"سویرا! ضروری نہیں جو دوسروں کے لئے بہت معقول فیصلے کرتا ہو، یا ان کے مسئلوں کا بہترین حل ڈھونڈتا ہو، وہ اپنے لئے بھی اسی قدر بہترین حل تجویز کر پاتا ہو۔ ایسا ہونا بہت عجیب ہے۔ بعض صورتوں میں کوئی شے بہت دقیق ہو جاتی ہے۔"

"تو آپ واقعی پریشان ہیں۔" سیو نتیجے پر پہنچتے ہوئے بولی۔ مژگان نے اسے دیکھا پھر لب بھینچ لئے۔

"ہاں۔" اس نے جانے کیوں انکار نہ کیا۔ کسی جھوٹ کا سہارا نہیں لیا۔ سیو اسے دیکھتی چلی گئی۔ مگر وہ اس کی جانب سے نگاہ ہٹا گئی۔

"سویرا! تم بہت چھوٹی ہو ابھی۔ اور مسائل دل بہت پیچیدہ ہیں۔ کیا کہوں تم سے، کچھ نہیں سمجھو گی تم۔"

"کیا آپ دونوں کے درمیان کوئی مس انڈر اسٹینڈنگ ہوگئی ہے؟" وہ یکدم ہی بولی تو مژگان مسکرا دی۔

"مس انڈر اسٹینڈنگ تو وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی "انڈر اسٹینڈنگ" موجود ہو۔ میں نے کہا نا تم نہیں سمجھو گی۔ یہ معاملہ بہت پیچیدہ ہے۔"

"مگر رہبان بھائی تو بہت اچھے ہیں۔ کتنا خیال رکھتے ہیں آپ کا، پھر......؟" وہ سمجھ ہی نہ سکی۔ مژگان مسکرائی۔ پھر فوراً بولی۔

"اعیان نے تم سے کیا کہا؟"

وہ جو اس کی جانب دیکھ رہی تھی، یکدم ہی نگاہ پھیر گئی تھی۔ مژگان اسے دیکھتی رہی تھی۔ تبھی وہ بہت ہولے سے بولی تھی۔

"وہاں گاؤں میں کامران اور اس کے گھر والے آئے تھے دو ایک بار...... کامران وہی ہے جس کے ساتھ بے بے اور چاچا نے میری نسبت طے کی تھی۔ وہ لوگ...... وہ لوگ اس رشتے کو استحکام بخشنا چاہتے ہیں۔" بہت تھکے ہوئے لہجے میں اس نے کتھا بیان کی تھی۔

"اور تم......؟"

"پتہ نہیں۔" اس نے شانے اچکا دیئے تھے۔ "مجھے اپنے فیصلے آپ کرنے کی عادت نہیں ہے۔" عجب بکھرا بکھرا سا لہجہ تھا۔

"مگر اب تو تمہارے بے بے اور چاچا نہیں ہیں۔" مژگان نے جانے کیا باور کرانے کی کوشش کی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے مسکرا دی تھی۔

"جب دل کی راہ نہ ہو تو پھر کوئی بھی راہ ہو، کیا فرق پڑتا ہے۔ چلنا ہی تو ہے۔ کوئی بھی ہم سفر ہو۔ کیا فرق پڑتا ہے۔"

"اگر دل مائل نہیں تو زبردستی کیا ہے۔ ضروری ہے خود کو کھائی میں ڈال دیا جائے؟ سزائیں تو اور بھی بہت سی ہوسکتی ہیں۔"

"ہاں...... سزائیں تو اور بھی بہت سی ہوسکتی ہیں۔ مگر......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ہنس دی۔ "سزائیں تو سزائیں ہی ہوتی ہیں۔ پھر کیا فرق پڑتا ہے سنگین ہوں یا سنگین ترین۔"

مژگان اس بھولی بھالی صورت والی لڑکی کو تکتی گئی تھی۔ کتنی گہری باتیں کرتی تھی وہ۔ کہاں لگتا تھا کہ وہ کم عقل تھی۔ کم فہم تھی۔

"اعیان سے کیا کہا تم نے؟"

"انہوں نے فقط مجھ سے اس رشتے کی بابت دریافت کیا تھا اور میں نے تصدیق کر دی تھی۔ اس سے زیادہ کوئی اور بات نہیں ہوئی ہم میں۔" اس کا انداز سرسری تھا جیسے معمول کے کسی واقعے کا ذکر کر رہی ہو۔ مژگان کے لئے اس کا رویہ حیران کن تھا۔ پتہ نہیں وہ واقعی اتنا ضبط رکھتی بھی تھی یا پھر...... واقعی بہت بہادر ہو چکی تھی۔

اس کے مسلسل دیکھنے پر وہ دھیمے سے مسکرا دی تھی۔

"آپ ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟"

اور تب اس نے بہت ہولے سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ پھر اس کے ساتھ ہی پلٹ کر قدم اٹھاتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی تھی۔

✿......✿

اندر گہرا سناٹا ہے، باہر ہے پت جھڑ کا شور
سو دہلیز سے انگنائی تک ایک قدم کا رستہ ہے
چاروں اور ہیں چپ کے گہرے سائے اور اک یاد کی آنچ
شور مچاتی پروائی تک ایک قدم کا رستہ ہے

رہبان عالم شاہ کتنی دیر تک تنہا ساحل کے ساتھ ساتھ چلتا رہا تھا۔ پھر جیسے تھک کر رک گیا تھا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر لہروں کو ساحل پر دم توڑتے ہوئے دیکھنے لگا تھا۔ ایک تسلسل کے ساتھ...... ایک کام متواتر ہو رہا تھا۔

وہی شوریدہ سر لہروں کا سر اٹھانا اور ساحل کی سمت سفر کرنا اور یکدم دم توڑ دینا۔ کتنی ہی دیر وہ یہ عمل دیکھتا رہا تھا۔ پھر دوبارہ اٹھ کر چلنے لگا تھا۔ عجب پُر وحشت انداز تھا۔ یہاں کئی بار آیا تھا وہ اس سے قبل۔ کتنی بہت سی یادیں تھیں۔ مگر دھیان کے طاقچوں میں جانے کیوں ایک ہی چہرہ ٹھہر گیا تھا۔

ایک ہی خیال...... ایک ہی تصور۔

اور وہ بنا تردد اسے سوچے بھی گیا تھا۔

"کتنا پیار کرتے ہو تم مجھ سے؟" سجل کا شوخ لہجہ یکدم کہیں سے ابھرا تھا۔

"مجھے سمندر سے ڈر لگتا ہے۔" ایک خوفزدہ لہجہ یکدم ابھر کر اس پر غالب آ گیا تھا۔

"ہار گئی میں تو تم سے محبت کر کے رہبان عالم شاہ!" سجل کی آواز دور تک فضاؤں میں بکھرتی چلی گئی تھی۔

"میں تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں۔ بہت دور تک۔ بنا تھکے۔" کتنی مدھر سی بازگشت ماحول کو اپنی لپیٹ میں لینے لگی تھی۔

"آئی کین نیور سروائیو ود آؤٹ یو۔" اس کا اپنا بہت مدھم لہجہ ابھرا تھا۔

کیا حقیقت تھی اس جملے کی...... وقتی یا کل وقتی۔

"آئی کین نیور سروائیو ود آؤٹ یو۔" رہبان عالم شاہ کا کبھی کا کہا ہوا اپنا ہی جملہ بازگشت بن گیا تھا۔

کتنی دیر تک وہ یونہی چلتا رہا تھا۔ پھر تھک کر وہیں بیٹھ گیا تھا۔

کیسا اضطراب تھا۔ دل کی کیفیت بڑی عجیب تھی۔

✿......✿
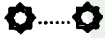
اماں پودوں کو پانی دے رہی تھیں جب ملازم نے آ کر بتایا کہ دو عورتیں ان سے ملنے آئی ہیں۔

"بٹھاؤ انہیں اندر۔" وہ لمحہ بھر کو سوچتی رہی تھیں۔ پھر اندر آ گئی تھیں۔

سامنے بیٹھے چہرے کو دیکھ کر وہ قدرے ٹھٹکی تھی، چونکی تھیں۔ وقت اگرچہ بہت گزر چکا تھا مگر بہت سی گرد کے اٹ جانے کے باوجود نقوش بے حد مانوس سے لگ رہے تھے۔ تبھی تو اماں دیکھتی رہ گئی تھیں۔ اور بالآخر انہوں نے پہچان کا سفر طے کر لیا تھا۔

"زرینہ بیگم......!"

زرینہ بیگم چونکی تھیں، پھر بہت ہولے سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"ہاں میں ہی ہوں وہ بدنصیب ماں...... جو ایک عرصے سے اپنے جگر گوشے کو سینے سے لگانے کے لئے تڑپ رہی ہوں۔" رنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے بہت سا پانی آنکھوں میں آن ٹھہرا تھا۔

اماں کچھ نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھیں۔ "میں سمجھی نہیں...... کیا کہنا چاہتی ہو تم؟"

زرینہ بیگم کچھ نہ بول سکی تھیں اور رونے لگی تھیں۔ تبھی ساتھ بیٹھی ماسی بشیراں گویا ہوئی تھی۔ "میرا نام بشیراں ہے۔ لوگ مجھے ماسی بشیراں کے نام سے جانتے ہیں۔ اس گاؤں میں ایک جنتے نامی عورت رہتی تھی جو میری رشتے کی بھانجی تھی۔ سرکار! آپ کے ہاں تو وہ ملازم تھی۔ آپ کو تو خبر ہو گی۔ اس کی ایک ہی نرینہ اولاد تھی۔ اسے بیٹی کی بڑی چاہ تھی۔ اس

نے برملا مجھ سے اس بات کا ذکر کیا تھا۔ میں چونکہ اس پیشے سے منسلک تھی کہ آسانی سے اس کی مدد کر سکتی تھی۔ سو ایک دن میں نے ایک پھول سی بچی اس کی گود میں لا کر ڈال دی تھی۔ یہ اسی بدنصیب بچی کی ماں ہے۔ بڑی ہی بے قدری ماں تھی۔ تب اس پھول کا قبول نہ کیا اور دھتکار کر زندہ نہر میں بہا دینے کو سونپ دیا۔ اپنے ہاتھوں تو اسے یہ اسی دن مار چکی تھی۔ اور میں نے باور بھی کرا دیا تھا کہ کل کو کوئی دعویٰ نہیں دائر ہو گا۔ مگر وقت اور حالات بڑوں بڑوں کے کس بل نکال دیتے ہیں۔ اس وقت اپنے وجود کے حصے کو بے دردی سے موت کے منہ میں بھیجنے والی آج اسی اولاد کی تمنائی ہے۔ دنیا میں ایسے بے قدروں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ ننھی سی جان کی آہ تھی، سو پڑ گئی۔ شادی کی بھی تو ماں نہ بن سکی۔ دوسرے ہی ماہ بیوگی کی چادر اوڑھ کر دوبارہ بابل کی چوکھٹ پر آ گئی۔ اور تب سے اسی بچی کے لئے تڑپ رہی ہے۔ میں نے تو نہ بتانے کا عہد کیا تھا مگر اس کی آہ و فغاں نے بالآخر میرا دل پسیج دیا۔ آخر کو میں بھی ایک ماں ہوں۔ اور اس کے لئے جتنی سزا جھیلی وہی کافی ہے۔ ایک معصوم فرشتے کو ٹھکرا کر سکون میں نہیں رہی یہ۔''

زرینہ بیگم سر جھکائے منہ پر دوپٹہ رکھے مسلسل آنسو بہا رہی تھیں اور اماں اپنی جگہ ساکت تھیں۔

جانے کب ان کی پشت پر اعیان عالم شاہ آن رکا تھا۔ وہ یقیناً یہ ساری کتھا سن چکا تھا۔ تبھی بہت ہولے سے ماں کے شانے پر ہاتھ دھرتے ہوئے انہیں دیکھا تھا۔ اماں نے مڑ کر اسے دیکھا تھا۔ اعیان نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں مطمئن رہنے کی تلقین کی تھی اور پھر بہت رسانیت سے گویا ہوا تھا۔

''اب یہ کیا چاہتی ہیں؟''

''اپنی بچی کو دیکھنا چاہتی ہوں میں۔ اسے چھو کر دیکھنا چاہتی ہوں۔ خدارا مجھے اس کا پتہ دے دو۔ گناہ گار ہوں میں...... خطاوار ہوں۔ مگر اتنی نہیں کہ اپنی اولاد کو ایک بار دیکھ بھی نہ سکوں۔ وہ بچی اس گھر کی بھی تو عزت ہے، ناموس ہے۔ اسی بات کا واسطہ سن لو۔ خدارا مجھے ایک نظر اسے دیکھنے دو۔'' زرینہ بیگم دھواں دھار آنسو بہاتی چلی گئی تھیں۔

اماں نے اعیان عالم شاہ کی طرف دیکھا تھا۔ دونوں ہی اپنی جگہ پر ساکت تھے۔

''تمہیں یقین ہے ماسی بشیراں! کہ تم نے وہ بچی مائی جنتے کو ہی سونپی تھی؟'' اعیان نے مضبوط لہجے میں دریافت کیا تھا۔

''ہاں۔ بھلا میں جھوٹ کیوں بولوں گی؟ میں نے تو ساری عمر زبان بندی کی قسم کھائی

تھی۔ جب تک زندہ رہتی، ہرگز زبان نہ کھولتی۔ مگر اس کی آہ و فغاں نے مجھے مجبور کر دیا۔ بے چاری ماں ہے آخر کو۔ بدنصیب بہت سزا جھیل چکی۔''

''آپ کو خبر ہو گی، مائی جنتے کچھ عرصے قبل حادثے میں گزر گئی ہے۔ اس کی پوری فیملی بھی اسی حادثے کی نذر ہو گئی۔'' اعیان نے مطلع کیا۔

''ہاں۔ مگر سننے میں آیا ہے وہ بچی اس حادثے سے محفوظ رہی۔'' ماسی بشیراں نے کہا تو دونوں ماں بیٹا ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

''وہ بچی...... وہ بچی سید وجاہت افتخار شاہ کی تھی؟'' اماں نے جانے کس بات کا یقین کرنا چاہا تھا۔ مگر زرینہ بیگم پہلے سے بھی شدت سے رونے لگی تھی۔ ماسی بشیراں نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

''سرکار! کچھ خبر ہو تو کہوں۔ کرموں جلی بڑی سزا جھیل چکی ہے۔ ایک ماں کے لئے اس سے بڑی سزا کوئی اور نہیں ہو سکتی کہ وہ تا حیات اپنی اولاد کو چھونا تو کجا، دیکھ بھی نہ پائے اور اس بدنصیب نے یہ سزا جھیلی ہے۔ جنتے نے اس کا نام سویرا دھرا تھا۔ پیار سے اسے سیو کہہ کر بلاتی تھی۔ گاؤں سے ہی یہ بات سننے میں آئی ہے کہ وہ بچی بھی اس حویلی میں اکثر کام کرنے کو آتی تھی اور جنتے کے گزر جانے کے بعد وہ یہیں رہنے کو آ گئی تھی۔''

''ہاں...... مگر اب وہ یہاں نہیں ہے۔'' اعیان عالم شاہ نے بہت پرسکون انداز میں جواب دیا تھا۔

''خدارا...... جھوٹ مت بولو۔ ایک ماں پر رحم کرو۔ جتنی سزا میں بھگت چکی ہوں، وہی کافی ہے۔ فقط ایک نظر دیکھنے دو اسے مجھے۔ میں مزید کچھ نہیں چاہتی۔''

''ہم جھوٹ نہیں کہہ رہے۔ وہ واقعی یہاں نہیں ہے۔ آپ ایسا کیجئے آپ اپنا کنٹیکٹ نمبر چھوڑ جائیے، ہم جلد آپ سے رابطہ کریں گے۔ معاملہ بہت پیچیدہ ہے۔ ہمیں خود اس بات کا علم نہ تھا۔ پھر اس کے لئے بھی یہ شاک ہی ہو گا۔ وہ جس ماحول سے وابستہ تھی، جن لوگوں کے درمیان رہتی تھی، انہی کے حوالے سے خود کو جانتی ہے۔ اس کے لئے اچانک کسی نئی کہانی کو سننا اور تسلیم کرنا یقیناً مشکل ہو گا۔ بہت سی باتوں میں جذباتی پن اہمیت نہیں رکھتا۔ جہاں آپ نے اتنا صبر کیا ہے، وہاں تھوڑا سا صبر اور کر لیجئے۔ یہ ہمارا آپ سے وعدہ ہے کہ ہم آپ کو اس سے ملوائیں گے ضرور۔'' اعیان نے اماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

زرینہ بیگم اماں کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ پھر بہت جذباتی انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''خدارا...... آپ بھی تو ماں ہیں۔ ترس کھائیے مجھ پر۔''

''آپ......'' اعیان نے یکدم ہاتھ اٹھایا تھا۔ پھر لمحہ بھر کو رک کر بہت ضبط سے انہیں دیکھا تھا۔ ''آپ تو اپنے ہاتھوں ایک بار اسے مار ہی چکی تھیں۔ اصولاً دیکھا جائے تو اس لڑکی پر آپ کا کوئی حق نہیں بنتا۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اگرچہ آپ نے اس خاندان کی ناموس کو گلیوں کوچوں میں بھٹکنے کو چھوڑ دیا۔ یہ اقدام سرانجام دے کر آپ نے ایک بچی کے ساتھ ناانصافی نہیں کی بلکہ ہمیں بھی سزا دینے کی کوشش کی۔ کیونکہ آپ اس خاندان کے نام اور مرتبے سے واقف تھیں۔ آپ نے سیّد گھرانے کے خون کو گندے پانی میں بہانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اور اب بھی یہ صورتحال ہے کہ وہ لڑکی جو اس گھر کی عزت تھی، ناموس تھی، اس گھر میں ایک انتہائی پست حیثیت میں موجود رہی۔ اس کی پیدائش کی خبر اس کے والد تک سے پوشیدہ رکھی گئی۔ حالانکہ علیحدگی ہو جانے کے بعد بھی ایسی باتوں کو مخفی نہیں رکھا جا سکتا۔ بہرحال وہ اس بچی کے سرپرست تھے۔ آپ کو خبر نہیں شاید، آپ اخلاقی طور پر بھی ایک جرم کی مرتکب ہو چکی ہیں۔'' اعیان عالم شاہ نے مدھم انداز میں کہا تھا۔

زرینہ بیگم پُر امید نظروں کے ساتھ اماں کی طرف دیکھنے لگی تھیں۔

''مجھے معاف کر دیں آپ۔ بڑی ہیں آپ میری۔ خدارا مجھے مزید سزا مت دیں۔''

''زرینہ بیگم! ہم حسب نسب والے لوگ ہیں۔ زبان کے بھی پکے ہیں۔ کر سکتی ہو تو اعتبار کر لو۔ تمہیں دھوکا نہیں دیں گے۔ معاملہ یہ ہے کہ سیّد وجاہت افتخار بھی یہاں ہے ان دنوں۔ پھر اس بات سے سیّد صاحب کو مطلع کرنا ضروری ہے۔ ہم قطعاً کوئی ناانصافی نہیں کریں گے۔'' اماں نے مستحکم لہجے میں زرینہ بیگم کی طرف دیکھا تھا۔

''سویرا پر جتنا حق اس کے والد کا ہے اتنا ہی تمہارا بھی ہے۔'' ان کا مدھم لہجہ اتنا پُر اثر تھا کہ زرینہ بیگم اثبات میں سر ہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

''میں کچھ دن بعد ماسی بشیراں کو بھیجوں گی۔ امید ہے آپ اسے تب نا امید و مایوس واپس نہیں لوٹائیں گی۔'' بہت آس سے انہوں نے اماں کی طرف دیکھا تھا اور اماں نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

✿......✿

سرِ اعتبارِ سپردگی وہی وسوسے سے نظر میں ہیں
ابھی تم بھی اپنی فضا میں ہو ابھی ہم بھی اپنے اثر میں ہیں
تری قربتیں، تری دوریاں سرِ راہ کھل کے کھلیں نہیں
کبھی ہم نے ترکِ سفر کیا تو یہی لگا کہ سفر میں ہیں

یہ ہمی ہیں جو پسِ ہجر بھی یونہی عمر کرتے ہیں رائیگاں
انہیں کیا خبر کہ جنوں ہے کیا وہ جو لوگ شیشے کے گھر میں ہیں

وہ وارڈ روب کھولے کھڑی تھی جب وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے سامنے آن رکا۔ مژگان نے چونک کر دیکھا، پھر دوسرے ہی پل اس کے لبوں پر ایک رسمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''سوچا کچھ ضروری چیزیں سمیٹ لوں۔''

وہ چپ چاپ دیکھتا رہا۔ وہ پلٹ کر دوبارہ وارڈ روب کی جانب متوجہ ہوئی۔

''سب کچھ اس قدر بکھرا ہوا ہے۔ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا، کہاں کہاں سے سمیٹوں اور کس طرح سمیٹوں...... لگتا ہے...... نہ چاہتے ہوئے بھی بہت کچھ یہیں بھول جاؤں گی۔'' مسکراتے ہوئے وہ معمول کے لہجے میں گویا تھی۔ ''خیر، اگر کچھ رہ جائے تو تم مجھے بھیج دینا۔'' اس کا انداز بہت دوستانہ تھا جیسے کچھ بھی عجیب نہ ہو۔ کچھ بھی معمول سے ہٹ کر نہ ہو۔ وہ یونہی چیزیں اٹھا پٹخ کر رہی تھی۔ شاید اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے اس کی پشت کو خاموشی سے دیکھا تھا۔ وہ یونہی پشت موڑے دریافت کر رہی تھی۔

''سجل کیسی ہے؟ کونٹیکٹ کیا تم نے اس سے؟'' کہتے کہتے یکدم اس کی نگاہ اپنے ہی ہاتھ کی تیسری انگلی پر ٹھہر گئی۔ انیورسری کے موقع پر دی جانے والی رنگ پوری آب و تاب سے جگمگا رہی تھی۔ جانے کیا ہوا تھا۔ مژگان کے لبوں پر وہ دھیمی مسکراہٹ یکدم ہی معدوم ہو گئی تھی۔ اس نے اپنے ہی ہاتھ کو دائیں ہاتھ سے چھوا تھا۔ انگلیاں پھیلتی ہوئی اس رنگ تک جا ٹھہری تھیں۔ وہ کچھ دیر تک یونہی چپ چاپ اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر فوراً ہی رہبان عالم شاہ کی سمت پلٹی تھی۔ وہی رسمی تبسم ایک بار پھر اس کے لبوں پر تھا۔

رہبان عالم شاہ اسے چپ چاپ تکتا رہا تھا۔ اس نے اس رنگ کو چھو کر جیسے اس کو محسوس کیا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اس رنگ کو اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگی تھی۔

''کتنی جلدی اتنا بہت سا وقت گزر گیا۔ سوچو تو یقین نہیں ہوتا۔ میں تو کچھ دنوں کے لئے یہاں آئی تھی۔ کتنی بے وقوف ہوں۔'' وہ بہت پھیکی ہنسی ہنسی تھی۔

''خود تو مشکل میں تھی ہی۔ تمہاری جان بھی مشکل میں ڈال دی۔ کچھ دنوں کی امان ڈھونڈنی چاہی تھی، مگر کتنے بہت سے دن اس چھت تلے گزر گئے۔ کوئی بدل نہیں ان کا۔ میں نے یہاں آ کر بہت کچھ پایا ہے...... بہت کچھ......!'' اس کا لہجہ دھیما اور مدھم تھا۔ وہ یونہی

رنگ کو ہاتھ میں لئے دیکھتی رہی تھی۔ پھر یکدم ہنس پڑی۔

''جانے کیسے ہوگیا یہ سب۔ پتہ نہیں تم ہی کیوں آن ٹکرائے مجھ سے۔ ہم جو الگ الگ سمتوں کے مسافر تھے، یکسر اجنبی تھے۔ یکدم ہی کیسے، تم جانتے ہو جب رات بھر میں پہلی ملاقات کے متعلق سوچ رہی تھی تو بہت شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔ پہلی ملاقات سے ہی تم میرے باعث مشکلات میں گرفتار ہو گئے تھے۔ اور تب سے اب تک......'' ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آن ٹوٹی تھی۔ ''تم اگر اس لمحے مجھے سجل کے متعلق آگاہ کر دیتے تو شاید ایسا سب کچھ نہ ہوتا۔ تمہاری زندگی اتنی مشکل کا شکار نہ ہوتی۔ مگر شاید سب کچھ یونہی ہونا مقصود تھا۔ اماں، ابا جی، اعیان، کائنات، سب کتنے اچھے لوگ ملے مجھے تم سے وابستہ ہو کر۔ اگر میں تم سے نہ ملتی تو شاید ان سب سے بھی کبھی نہ ملتی۔'' اس کے لبوں پر وہی دھیمی مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی۔ لہجہ بہت مدھم اور دھیما تھا۔

''سچ کہوں۔ کچھ کچھ بے ایمان ہو رہی ہوں۔ دل بالکل نہیں چاہ رہا یہاں سے جانے کو۔ اس تمام سے دستبردار ہونے کو۔'' وہ یکدم ہنسی تھی۔ انداز انتہائی غیر سنجیدہ تھا۔ وہ یقیناً مذاق ہی کر رہی تھی۔ ''اور سب سے بڑھ کر تم سے دستبردار ہونے کو۔'' وہ بہت شرارت سے کہتی ہوئی ہنسی تھی۔

رہبان عالم شاہ خاموشی سے اسے تکتا گیا تھا۔

''مگر کیا ہوسکتا ہے...... مجبوری ہے...... جانا تو پڑے گا ہی۔ کیونکہ یہ جگہ کسی اور کی ہے اور بہرطور اسے خالی کرنا ہی ہے۔ شیکسپیئر نے کہا تھا۔ دنیا ایک اسٹیج ہے اور ہم سب اپنے اپنے حصے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ سو میرا کردار ختم ہوا۔''

بہت مدھم، سرگوشی جیسا انداز تھا۔ آنکھوں کی کیفیت کچھ بھی سہی، مگر اس کے لبوں پر اس وقت وہی رسمی سی مسکراہٹ تھی۔ وہی مروت۔ پتہ نہیں وہ خود کوئی دھوکا کھانا چاہتی تھی یا دوسروں کو دھوکا دینا چاہتی تھی۔

''مجھے وہ لمحے بھی یاد ہیں، جب میں نے بذات خود تمہیں پرپوز کیا تھا۔'' وہ یکدم ہنسنے لگی تھی۔ ''دیکھا جائے تو کتنی بولڈ تھی میں، تم نے تو کبھی ایکسپکٹ بھی نہ کیا ہوگا کہ زندگی میں کوئی لڑکی اس طرح اچانک تمہارے سامنے آن رکے گی اور تمہیں پرپوز کر دے گی۔ مجھے یہ سب کچھ سوچ کر بہت ہنسی آ رہی تھی۔ واقعی بہت بدھو تھی اس وقت میں۔ واقعی یہ لکھ ہوتے ہیں۔ میں کہاں تھی، تم کہاں تھے...... اچھا یہ بتاؤ سجل سے رابطہ ہوا تمہارا؟ مجھے یقین ہے تم سجل کو قائل کر لو گے۔ کیونکہ محبت درمیاں ہے۔ وش یو بیسٹ آف لک۔'' بہت دوستانہ انداز

یہ کہتے ہوئے اس نے اس رنگ پر آخری نگاہ ڈالی تھی اور پھر ہاتھ پر رکھ کر اس کی جانب بڑھا دیا تھا۔

''بہت قیمتی ہے یہ...... میں بھول جاتی تو تمہارا یقیناً بہت بڑا نقصان ہو جاتا۔'' اسی رسمی مسکراہٹ کے ساتھ وہ بولی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے اس کی پھیلی ہوئی ہتھیلی پر پڑی اس ننھی سی رنگ کو دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ سے اس رنگ کو اٹھا لیا تھا۔ اس کا بھاری مضبوط ہاتھ لمحہ بھر کو اس کی نازک نرم ہتھیلی سے ٹکرایا تھا۔ مژگان نے ایک لمحے میں ہاتھ واپس اپنی جگہ موڑا تھا۔ پھر وہ بغور اسے تکنے لگا تھا۔

''مجھے یقین نہیں آتا تم جیسا کول شخص اتنا دھواں دھار عشق کیسے کر سکتا ہے۔ تم تو بولتے ہی بمشکل ہو۔ میں بہت کم گو تھی، مگر تمہارے ساتھ رہتے ہوئے میں بہت زیادہ بولنے کی عادی ہو گئی ہوں۔'' وہ مسکرا رہی تھی۔ ''اچھا ایک بات بتاؤ، آج اس راز سے بھی پردہ ہٹا ہی دو۔ تمہیں یہ اتنا دھواں دھار قسم کا عشق ہوا کیسے؟ سچ یقین نہیں ہوتا کہ تم جیسا کول بندہ کسی کے عشق میں اس درجہ مبتلا ہو سکتا ہے کہ اپنا سب کچھ تج کر اس کی جانب گامزن ہو جائے۔ ایک بات ہے، سجل بہت لکی ہے۔ تمہیں یقیناً اس کی آنکھیں بہت اچھی لگی ہوں گی۔ ہے نا؟ میں جب اس سے ملی تھی تو میں نے اس کی آنکھوں کو بغور دیکھا تھا۔ ایک عجیب سی کشش تھی اس کی آنکھوں میں۔'' وہ بغور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مسکرائی تھی۔ مگر وہ جواباً چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ پھر اسی انداز میں پلٹا تھا اور کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

اور مژگان الٹے قدموں چلتی ہوئی دیوار سے جا لگی تھی۔ کتنے ہی لمحے یونہی ساکت کھڑی ٹھہرے گہرے سانس لیتی رہی تھی اور جانے کیوں اس لمحے آنکھوں میں بہت سا پانی آن ٹھہرا تھا۔

ذہن میں ایک ہی بازگشت ہوتی چلی گئی تھی۔

''رہبان عالم شاہ...... میری زندگی تو یہی تھی جو میں نے تمہارے سنگ جی لی۔ یہی تو زندگی تھی میری جو میں نے تمہارے سنگ بتا دی۔''

کتنے بہت سے آنسو چپ چاپ اس کی پلکوں سے ٹوٹتے چلے گئے تھے اور اس گھڑی اس نے بھی کوئی تردد نہیں کیا تھا۔ چپ چاپ اندر کے سمندر کو باہر نکلنے کی راہ دیتی رہی تھی۔

✿......✿

ہو اس سے ملاقات کا سلسلہ تو کچھ کھلے
ہو اس سے گفتگو کا سلسلہ کچھ کھلے

میں آپ دیکھوں اس کی نگاہ میں
میں آپ پڑھوں وہ حکایتیں
اسے زمانہ کیوں سنا کرے
اسے زمانہ کیوں کہا کرے
میں آپ کروں شکایتیں
میں آپ مانگوں وضاحتیں
میں آپ پڑھوں سب پتیاں
میں آپ سنوں سب عرضیاں
ہوں مسائلِ دل آپ طے
کوئی اور بیچ میں آئے کیوں

وہ خوش گماں نہیں تھی۔ محوِ انتظار بھی نہیں تھی۔ مگر جانے کیوں ایک بے کلی مسلسل اس کا حصار کئے رہتی تھی۔ ایک اضطرابی کیفیت بیٹھتے اٹھتے، سوتے جاگتے اس کا گھیراؤ کئے رہتی تھی۔ اس کے آنچل سے لپٹی بہت سی بے قراریاں اسے کسی پل چین نہیں لینے دیتی تھیں۔ محبت میں سود و زیاں نہیں ہوتا۔ اب کسی قدر وہ سمجھنے لگی تھی۔

"سجل بیٹا! کہاں گم ہو؟ پیکنگ کر لی آپ نے؟" پاپا نے اسے خاموش بیٹھے دیکھ کر دریافت کیا تھا۔ وہ چونکی تھی۔ پھر دھیرے سے بولی۔

"نہیں پاپا! ابھی نہیں۔"

"کیا بات ہے، خوش نہیں ہے ہمارا بچہ؟ اگر موڈ نہیں ہے تو ملتوی کر دیتے ہیں۔ کوئی مشکل نہیں۔"

"نہیں پاپا! اب یہاں کچھ نہیں ہے۔" وہ کہہ کر چہرے کا رخ موڑ گئی تھی۔ پاپا اسے خاموشی سے تکنے لگے تھے۔ پھر بہت آہستگی سے بولے تھے۔

"بیٹا! سرابوں کے پیچھے بھاگنا فضول ہے۔ جو چیز آپ کی ہے وہ ہے۔ اور جو نہیں ہے وہ نہیں۔ جو ہمیں نہیں ملتا وہ کبھی ہمارا نہیں ہوتا اور جو ہمارا ہوتا ہے وہ لاکھ رکاوٹوں سے بھی ہمارا ہونے سے نہیں رکتا۔"

وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ مگر جانے کیوں بہت خاموشی کے ساتھ بہت سا پانی آنکھوں کی باڑھ پھلانگ کر باہر پھیلنے لگا تھا۔

"یہ مت سوچو کہ کوئی بے وفا تھا۔ یہ سوچو اس کی وفا آپ کے لئے تھی ہی نہیں۔ رہبان

...الم شاہ نے جو کیا، شاید وہی اس کے لئے مناسب تھا۔ کیا پتہ وہی اس کی آخری راہ ہو۔ مگر ...ب جب وہ اپنی زندگی میں خوش ہے، مطمئن ہے تو تمہیں بھی اپنی زندگی کو نئے انداز سے ...گزارنے کے متعلق غور کرنا چاہئے۔ زندگی نہ تو کسی ایک موڑ پر رکتی ہے، نہ ہی کسی ایک فریق ...ختم ہو جاتی ہے۔ کسی کو بھولنا مشکل ضرور ہے مگر ناممکن نہیں۔" پاپا نے بہت ہولے سے ...ہاتھ بڑھا کر اس کی آنکھوں کی نمی کو اپنی پوروں پر جذب کیا تھا۔

"پاپا! اس نے کیوں کیا ایسا؟ اور پھر میرے ساتھ ہی کیوں؟"

پاپا اسے خاموشی سے دیکھتے رہے۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے ...بولے۔ "اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں نے کہا نا، شاید وہی اس کے لئے آخری راہ تھی۔"

"اور میں......؟ میری زندگی، اس کی آخری راہ کیا ہے؟" وہ سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگی۔

"اس کا جواب تمہیں خود سے مانگنا چاہئے۔ خود سے بہتر جواب تمہیں شاید کوئی اور نہ ...دے سکے۔"

وہ سر جھکائے چپ چاپ بیٹھی رہی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"مجھے اس شخص سے ایسی امید نہیں تھی۔ کیوں کیا اس نے مذاق۔ خود اپنی زندگی کے ...ساتھ بھی اور میرے ساتھ بھی۔ اور ایسا کر کے اسے کیا ملا؟"

مگر پاپا نے اس بار اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ بس بہت ہولے سے اس ...کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔ اور وہ انہیں فقط دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☆......☆
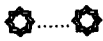
"تو کیا واقعی تم نے جانے کا قصد کر لیا ہے؟" وہ امی سے ملنے کے لئے آئی تھی جب ...امی نے اس سے دریافت کیا تھا۔ وہ ان کے سوال پر کچھ دیر انہیں خاموشی سے دیکھتی رہی ...تھی پھر سر جھکا گئی تھی۔ اور تب امی اسے دیکھنے لگی تھیں۔

"شفاعت بتا رہی تھی مجھے، کہہ رہی تھی آپ سمجھائیں۔ مگر تمہیں دیکھ کر لگتا ہے سب فضول ...ہے۔"

"امی پلیز۔" وہ مدھم لہجے میں اسی قدر کہہ سکی تھی۔

"ادعیہ! اپنے لئے زندگی کو اور مشکل مت کرو۔ ماں ہوں میں تمہاری۔ مجھے بہت دکھ ہو ...گا اگر تمہیں کوئی تکلیف ہوئی۔"

"امی! سکون میں اب تک کہاں ہوں؟" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔ اور تب امی اسے ...دیکھنے لگی تھیں۔ پھر بہت آہستگی سے گویا ہوئیں۔

"ادعیہ! تم اب بھی نا سمجھ ہو۔ حقیقت کو تسلیم کرو۔"

"امی! میں حقیقت سے دور نہیں بھاگ رہی ہوں۔ میں تو بس......" وہ مزید کچھ نہ کہہ سکی تھی۔ تبھی رانیہ کمرے میں آ گئی تھی۔

"ادعیہ آپی! میں نے سنا ہے آپ جاب کے لئے اسلام آباد جا رہی ہیں؟" وہ مسکرا رہی تھی۔ "ہمارے بے چارے اعصار شیخ بھائی کا کیا ہو گا؟" انداز بے حد پُر شرارت تھا۔ مگر ادعیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ تبھی امی گویا ہوئی تھیں۔

"رانیہ! تم کچن میں جاؤ۔ چائے بنا لاؤ بہن کے لئے۔"

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔ میں جا رہی ہوں۔" وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ تبھی عمر اندر داخل ہوا۔

"اعصار بھائی لینے آئے ہیں آپ کو۔"

"مجھے......؟" وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"باہر گاڑی میں بیٹھے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" عمر نے مزید اطلاع دی تھی۔ ادعیہ خود کو نارمل ظاہر کرتے ہوئے امی کی جانب مڑی تھی۔

"کیا ملیں گی بھی نہیں؟" عجب شکوہ تھا۔ امی نے اسے دیکھا تھا۔ پھر اسے ساتھ لگا کر بہت آہستگی سے اپنے لب اس کی پیشانی پر دھر دیئے تھے۔

"خدا حافظ۔"

ادعیہ نے انہیں دیکھا تھا۔ پھر فوراً ہی مڑ کر باہر نکل گئی تھی۔

گیٹ کے باہر اعصار شیخ واقعی اس کا منتظر تھا۔ وہ کوئی بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔ تبھی فرنٹ ڈور کھول کر چپ چاپ بیٹھ گئی تھی۔ اگرچہ وہ بیٹھ تو گئی تھی مگر کسی قدر خوفزدہ بھی تھی۔ مگر خلافِ توقع وہ پورے راستے کچھ نہیں بولا تھا۔ حتیٰ کہ اس کی جانب دیکھا بھی نہیں تھا۔ ادعیہ کے لئے اس کا رویہ نہ سمجھ میں آنے والا تھا۔ یقیناً یہ اس کا معمول نہ تھا۔ وہ اس کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھی۔ اس کے لئے باعث حیرت تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا، اتنے سخت لہجے میں وارننگ دینے والا شخص اس گھڑی اتنا سرد کیوں تھا۔ حالانکہ اسے سب سے زیادہ ڈر اسی کی جانب سے تھا۔

جب وہ ایئر پورٹ کے لئے تیار ہو رہی تھی، تب بھی کچھ نہیں ہوا تھا۔ اور جب تایا ابا کے ساتھ وہ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی تب بھی نہیں۔ حتیٰ کہ جب وہ ڈیپارچر لاؤنج کی جانب بڑھ رہی تھی تب بھی حیران تھی۔

اور اتنی آسانی سے سب کچھ ہو گیا تھا۔ کہیں بھی تو کچھ خلاف معمول نہ ہوا تھا۔ کہیں کچھ بھی۔"

اس کی آرزو پوری ہو رہی تھی۔ مگر جانے کیوں اس گھڑی وہ بار بار مڑ مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ مگر وہاں تایا ابا کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

✿......✿

اعیان عالم شاہ نے فون کر کے بھائی کو تمام صورتحال سے مطلع کر دیا تھا۔ ابھی وہ لوگ آ رہے تھے۔

کتنی خوشی کی خبر تھی۔ مگر جانے کیوں اندر کہیں بہت زیادہ ویرانی تھی۔ اس نے سامنے کھڑی سیو کو دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

اس معصوم صورت والی لڑکی کو کئی بار پہلے بھی دیکھا تھا مگر آج جس زاویئے سے دیکھا تھا وہ کس قدر اپنی سی لگی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کے مقابل جا رکا تھا۔ سیو حیرت سے سر اٹھا کر اسے تکنے لگی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے بہت ہولے سے اس کے سر پر اپنا بھاری ہاتھ دھر دیا تھا۔ وہ ساکت رہ گئی تھی۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

"میری طرح تمہارے لئے بھی یہ خبر حیران کن ہو گی کہ تم ہماری اپنی ہو۔ ہمارے گھر کا حصہ ہو۔ ہمارے وجود کا حصہ ہو۔ سیّد خاندان کا حصہ ہو۔"

"جی......؟" وہ یکدم چونکی تھی۔

"سب لوگ آ رہے ہیں۔ ساری بات سمجھ میں آ جائے گی۔ فی الحال میں تمہیں فقط اسی بات سے مطلع کر سکتا ہوں کہ تم اس وقت اپنے بھائی کے گھر میں ہو۔"

"جی...... جی کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

"بہت خوش کن انکشافات مزید بھی ہوں گے تم پر۔ مگر ان سب کے آنے پر۔ فی الحال تمہاری بھابی کہاں ہیں؟"

"جی...... جی...... وہ...... وہ مارکیٹ تک گئی ہیں، شاپنگ کے لئے۔" سیو نے بمشکل اپنا جملہ مکمل کیا۔ اور تب رہبان عالم شاہ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"کب تک آنے کے لئے کہا تھا انہوں نے؟"

"جی...... جی پتہ نہیں۔ کچھ بتا کر نہیں گئیں۔" سیو نے خشک لبوں پر زبان پھیری تھی۔

رہبان عالم شاہ نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ پھر سر ہلاتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیئے

تھے۔

سیو کتنی ہی دیر تک اسی انداز میں اس کی طرف تکتی گئی تھی۔

"بھائی،...... انکشافات۔" اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔

❁......❁

سب کچھ وہی ہو رہا تھا جو وہ چاہ رہی تھی۔

اپنا آپ ہی تو تلاشنے نکلی تھی وہ۔

اپنا آپ منوانا ہی تو چاہتی تھی وہ۔ یہی تو لگن تھی اسے۔ اپنی ذات کی نفی ہی تو اسے بری لگی تھی۔

اور یہی سب کچھ اس کے ہاتھ بھی آ گیا تھا۔

مگر اپنی خوشی کی خبر دیتے ہوئے وہ قطعاً بھی خوش نہیں تھی۔

اس نے سب سے پہلے شعاع کو فون کیا تھا۔ مگر کس قدر روکھا تھا اس کا لہجہ۔

"شعاع!" وہ تڑپ کر رہ گئی تھی۔

"خوش ہو اب؟" عجیب سوال تھا۔ ادعیہ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے بولی تھی۔

"ہاں۔"

اور شعاع جانے کیوں ہنسنے لگی تھی۔

"اور تم کیسی ہو؟" اس سے جب کوئی اور بات نہ بن پڑی تو یہی پوچھ لیا۔

"بہت خوش...... بہت مطمئن...... کیونکہ میں جانتی ہوں کہ میں واقعی بہت خوش ہوں۔ مجھے خوش رہنے کے لئے بہت بڑے کازز کی تلاش کبھی نہیں کرنا پڑی۔ آئی ایم لکی ون۔ خدا کا شکر ہے اس نے ایک اچھا، بہت چاہنے والا، بے پناہ خیال رکھنے والا جیون ساتھی عطا کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر کسی لڑکی کی اور کیا خواہش ہو سکتی ہے۔ سارے گھر پر راج ہے۔ سمیت اس فردِ خاص کے۔ اس کا احساس فقط وہی کر سکتا ہے جس نے یہ سب برتا ہو۔" پتہ نہیں وہ طنز کر رہی تھی یا نارمل ایک سوال کا جواب دے رہی تھی۔ ادعیہ کچھ نہیں سمجھ سکی تھی۔ البتہ وہ جواباً خاموش سی رہ گئی تھی۔ تبھی شعاع بولی تھی۔

"اتنی مصروف ہے زندگی کہ سر اٹھانے کی بھی فرصت نہیں۔ امی کی طرف اگر جانا ہوا تو تمہاری کامیابی کی نوید ضرور دوں گی۔"

"شعاع! تم مجھ سے اس طرح بی ہیو کیوں کر رہی ہو؟ جاب کر کے میں نے کوئی گناہ تو

نہیں کیا۔ تم بھی تو جاب کرتی رہی ہو شادی سے قبل۔" جانے اس نے کس بات کا احساس دلانا چاہا تھا۔

"شادی سے قبل، شادی کے بعد تو نہیں۔" شعاع باور کراتے ہوئے بولی۔ "جاب دو ہی صورت میں ہوتی ہے۔ یا تو مجبوری کے تحت...... ضرورتاً...... یا پھر جسٹ فار این ایڈونچر۔ اور پہلے والا ریزن تو خاصا ٹھوس ہے۔ مگر دوسرے والا فقط تب تک اچھا لگتا ہے جب تک آپ تنہا ہوں۔ شادی کے بعد گھر سب سے بڑی ترجیح ہے ایک لڑکی کے لئے۔ میں نے جاب کی ہے۔ میں بتا سکتی ہوں کہ گھر کا سکھ کتنی بڑی نعمت ہے۔"

"شعاع! مجھے یقین نہیں آ رہا تم اتنی دقیانوس بھی ہو سکتی ہو۔ یہ سب اس لئے ہے کہ تم اس شخص کی خیر خواہی کا بیڑا اٹھا چکی ہو۔ مجھے کم از کم تم سے یہ امید نہیں تھی۔"

"ہیلو...... ہیلو......!" شعاع بولتی رہی تھی مگر دوسری جانب سے اس نے فون رکھ دیا تھا۔

❁......❁

مژگان بہت سے پیکٹ اٹھائے شاپنگ مال سے باہر آ رہی تھی جب عین سامنے کھڑی گاڑی پر اس کی نگاہ پڑی تھی۔

ایک لمحے میں ہی خوف اس کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔

حیدر علی نواز سومرو بھی اسی گھڑی اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"اے لڑکی۔" اس نے اسے پکارا تھا۔ مگر مژگان کی جیسے جان فنا ہونے کو تھی۔ اس نے پلٹ ہی بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ وہ تو اس قصے کو یکسر ہی بھلائے بیٹھی تھی۔ زندگی کے دیگر مسائل نے اسے اس بری طرح جکڑا تھا کہ پلٹ کر کبھی اپنے متعلق سوچنے کی اسے فرصت ہی نہ ملی تھی۔ اس کا وہ خوف جس نے اسے ایک انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔ جس سے بھاگنے کے لئے اس نے وہ راہ چنی تھی۔

آج ایک بار پھر وہ خوف اس کے مدِ مقابل تھا۔

"لڑکی...... آئندہ تمہیں اس شہر میں نہ دیکھوں۔" اس کی آخری بار کی دی گئی دھمکی آج بار پھر پوری شدت سے اس کی سماعتوں میں گونجی تھی۔

"اے لڑکی...... رکو۔" ایک آواز نے اس کا تعاقب کیا تھا مگر وہ بھاگتی چلی گئی تھی۔

تب حیدر علی نواز سومرو نے رک کر اپنی گاڑی کی جانب دیکھا تھا جسے ڈرائیور اس کے پاس لے آیا تھا۔ اس نے تیزی سے دروازہ کھولا تھا مگر تبھی ایک دلخراش چیخ نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی تھی۔

"اوہ......نو......!" رئیس حیدر نواز سومرو نے اس لڑکی کی جانب دوڑ لگا دی تھی جسے ابھی کچھ دیر قبل ایک گاڑی بڑی بے دردی کے ساتھ ٹکرا کر گزر گئی تھی......!

مژگان اوندھے منہ روڈ پر پڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے کچھ دیر پہلے والے پیکٹس اس گھڑی اس کے اردگرد بکھرے ہوئے تھے۔ کتنا بہت سا خون تیزی کے ساتھ یہاں سے وہاں تک پھیل رہا تھا۔ اردگرد بہت سا ہجوم اکٹھا ہونے لگا تھا۔ ویسے ہی جیسا کسی معمول کے حادثے پر ہوتا ہے۔ بہت سے تاسف بھرے کلمات ان کے منہ سے نکل رہے تھے۔ مگر اس سب سے بے خبر مژگان بے سدھ پڑی تھی!

☆......☆

کس قدر غیر متوقع خبر تھی۔

رہبان عالم شاہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔ کتنی ریش ڈرائیونگ کرتا ہوا وہ ہاسپٹل پہنچا تھا۔ مگر اسے پھر بھی دیر ہوگئی تھی۔ مژگان کو آپریشن تھیٹر لے جایا گیا تھا اور تب وہ بنا کچھ بولے، بنا کچھ دریافت کئے، چلتا ہوا گلاس ڈور کے پاس جا رکا تھا۔ اس کا چہرہ ہمیشہ کی طرح سپاٹ تھا۔ مگر اس کی آنکھوں میں ایک گہرا اضطراب ہچکولے لے رہا تھا۔

کون تھی وہ اس کی...... کیا تھی اس کے لئے؟

فقط ایک کاغذی رشتہ ہی تو تھا ان کے مابین......!

پھر اس قدر ہلچل سی برپا کیوں ہوگئی تھی اس کے اندر...... کیوں ایک بے قراری سی اس کے پورے وجود میں دوڑنے لگی تھی۔ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا اس لڑکی سے کوئی بھی تو دل کا ناتا نہ تھا۔

کوئی جذباتی وابستگی نہ تھی...... کوئی دل کا واسطہ نہ تھا۔ کہنے کو کس قدر نزدیک تھی...... کتنی پاس تھی...... مگر حقیقتاً کتنی دور۔

فقط رواداریاں نبھا رہے تھے دونوں۔

کس قدر محبت سے گندھی لڑکی تھی وہ۔

کس قدر برداشت رکھی تھی خدا نے اس کے اندر۔

کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی کتنے بہت سے تقاضے اس نے کس درجہ خوبی سے نبھائے تھے۔

کس قدر خیال رکھا تھا اس کا...... اس سے وابستہ بہت سے رشتوں کا، اس کے احساسات کا، اس کے جذبات کا، کس قدر احترام کیا تھا ہمیشہ اس نے۔ وہ ہمیشہ حیران رہ جایا کرتا تھا اس کے [illegible]م سے۔ صورت حال کتنی بھی کڑی ہوتی...... ایک نرم سی دھیمی مسکراہٹ ہمیشہ اس کے لبوں کا حصار کئے رکھتی۔

پتہ نہیں، وہ تھی ہی ایسی یا پھر وقت نے اسے حالات کے مطابق ڈھلنا سکھا دیا تھا۔ کبھی بھی معمول سے ہٹ کر نظر نہیں آئی تھی۔

خالی خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ اس وقت مکمل طور پر خالی الذہن تھا۔ ساکت و جامد، اپنے اردگرد سے یکسر بے خبر، خود سے لاپرواہ۔ ''کیسے ہوگیا یہ؟ کیسے ہوگیا یہ سب؟'' ایک سوال مسلسل اس کا ذہن دہرا رہا تھا۔ ابھی صبح ہی تو ملی تھی وہ اس سے...... اور تب اس کے سان و گمان میں نہ تھا کہ آج کے دن کوئی ایسی روح فرسا خبر وہ اس کے حوالے سے سنے گا۔ کتنی ملائم سی مسکراہٹ تھی اس کے چہرے پر...... ہمیشہ کی طرح وہ کیئرنگ انداز میں اس سے ابا اور اماں کے متعلق دریافت کر رہی تھی۔ اور تب اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کب وہ سوچ سکتا تھا کہ وہ کسی مشکل میں گھر جائے گی۔

قدرے فاصلے پر کھڑا رئیس نواز سومرو کتنی دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ مژگان کو ہاسپٹل پہنچانے کے بعد اسی نے رہبان عالم شاہ کو مطلع کیا تھا۔ اس کے پرس میں سے اسے رہبان عالم شاہ کا وزیٹنگ کارڈ ملا تھا اور تب فوری طور پر اس نے اسے حادثے کی خبر کر دی تھی۔ حادثے کی نوعیت سے یقیناً اسے اس نے بے خبر ہی رکھا تھا۔ اگرچہ سب کچھ اتفاقاً ہوا تھا، مگر یہ درست تھا کہ اس نے ایسا سب کچھ قطعاً نہیں چاہا تھا۔ سب کچھ بے حد اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا تھا۔ اس نے آواز دے کر فقط اسے متوجہ کرنا چاہا تھا۔ مگر...... یہ حادثہ، یقیناً ایک بڑی مس انڈر اسٹینڈنگ کے باعث ہوا تھا۔

کتنے بہت سے لمحے اسی خاموشی سے بیت گئے تھے۔ اچانک ہی آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھلا تھا اور ڈاکٹر باہر نکلا تھا۔ رئیس نواز سومرو نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ ڈاکٹر نے دونوں کو دیکھا تھا۔ پھر بہت معمول کے لہجے میں گویا ہوا تھا۔

''اگلے چوبیس گھنٹوں تک کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دماغ پر کاری ضرب لگی ہے۔ اگر چوبیس گھنٹوں تک ہوش آ جاتا ہے تو وہ خطرے سے باہر ہوں گی۔ فی الحال وہ انتہائی نگہداشت میں ہیں۔ دوا ہم کر رہے ہیں، دعا آپ کیجئے۔ ایسی کنڈیشن میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔''

رہبان عالم شاہ اپنی جگہ ساکت سا رہ گیا تھا۔ تبھی ڈاکٹر نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپایا تھا۔

''امید نہ توڑو۔ خدا سے دعا کرو۔ وہی ناممکن کو ممکن کرنے والا ہے۔'' ڈاکٹر کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ مگر رہبان عالم شاہ بے حس و حرکت اسی طرح اپنی جگہ کھڑا رہا تھا۔

رئیس حیدر علی نواز سومرو نے اس کے شانے پر ہولے سے ہاتھ رکھ کر اس کا حوصلہ بندھانا چاہا تھا مگر وہ چونکا نہیں تھا۔ اسی طرح بے حس و حرکت کھڑا ایک، جانب تکتا رہا تھا۔

✪......✪

کبھی کبھی متوقع نتائج حاصل کر لینے کے بعد بھی ایک اضطراب قدموں سے لپٹا رہتا ہے۔ بے کلی سی دل کے چاروں اطراف پھیلی رہتی ہے۔ ہوسکتا ہے، ایسا نہیں بھی ہوتا۔ اگر کوئی بھی اس کی حوصلہ افزائی کرتا، اس کی خواہشوں کا خیر مقدم کرتا تو شاید صورت حال کسی قدر ہوتی۔ مگر اب جس طرح شجاع نے اسے نظر انداز کیا تھا، اس سے وہ یقیناً ہرٹ ہوئی۔ پتہ نہیں کیوں سب اس سے اسی طرح بی ہیو کر رہے تھے۔ حالانکہ وہ اس قدر بھی غلطی پر تھی۔ فقط تایا ابا تھے جو اس کے ساتھ تھے۔ اب بھی جب انہیں اس کی جاب ملنے کی خبر ہوئی، انہوں نے اس کے رہنے کا انتظام اپنے ایک دوست کے ہاں کر دیا تھا۔ بہت مختصر سی فیملی تایا ابا کے دوست کی۔ ایک بیٹا، بہو اور ان کا ایک چھوٹا سا بیٹا...... اگرچہ انہوں نے اس ساتھ بہت اپنائیت بھرا اظہار کیا تھا مگر یہ پہلا موقع تھا گھر سے باہر کہیں قیام کا۔ پہلا تجربہ شاید تبھی وہ کسی قدر الجھن محسوس کر رہی تھی۔ شاید اسی باعث وہ کوشش کرتی تھی کہ اس کا زیادہ تر وقت مصروف رہ کر گزرے۔ وہ گھر آ کر بھی بہت سا وقت اپنے کمرے میں بند رہ کر گزارتی تھی۔ اب بھی جب وہ مونیٹر پر نظریں جمائے بیٹھی تیزی سے کی بورڈ پر ہاتھ چلا رہی تھی، تبھی فاکہہ اس کے پاس آ گئی۔

''کیا ہو رہا ہے؟'' وہ دوستانہ انداز میں مسکرائی تھی۔ ادعیہ کو جواباً ہونٹ پھیلانے پڑے۔ اس نے ہاتھ روک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ فاکہہ اندر بڑھ آئی تھی۔

''اوہ...... میں نے ڈسٹرب کر دیا۔''

''نہیں...... ایسی بات نہیں۔ آئیے بیٹھئے۔''

''تم شاید ابھی تک اس گھر کے ماحول میں ایڈجسٹ نہیں ہو سکی ہو، تبھی زیادہ تر کمرے میں رہنے کی کوشش کرتی ہو۔'' فاکہہ شاید بہت صاف گو تھی تبھی بنا کوئی تمہید باندھے مسکراتے ہوئے اس سے بولی تھی اور ادعیہ مسکرا دی تھی۔

''نہیں، ایسی بات نہیں۔ بلکہ میں تو خود کو خاصا آرام میں محسوس کر رہی ہوں۔''

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ اسے گھر سمجھو اپنا۔ ابا بتا رہے تھے تم بہت ریزرو ہو، خاموش طبع۔ اعصار بھائی تو بہت ہلا گلا کرنے والے شخص ہیں۔ کیسے بنتی ہے تمہاری ان سے؟''

ادعیہ کے مسکراتے لب ایک لمحے میں ساکت ہوئے تھے۔ پھر دوسرے ہی پل وہ ہونٹ بھینچ گئی تھی۔ فاکہہ بہت جولی طبیعت کی مالک تھی، تبھی دوسرے ہی پل وہ کہہ رہی تھی۔

''تمہیں نہیں لگتا کہ تم نے اعصار شیخ بھائی پر ظلم کیا ہے؟'' یقیناً ایک پُرمزاح جملہ تھا یہ۔ مگر ادعیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ ایک اسی چیز سے بھاگی تھی وہ۔ مگر ہر شے اپنا تسلسل برقرار

رکھے ہوئے تھی۔ ایک دریا کے پار اتری تھی وہ۔ اب ایک اور مزید دریا کا سامنا تھا۔

''تم لوگوں کی شادی کو زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا اور تم نے جدائیاں مسلط کر دیں بیچارے اعصار بھائی پر۔'' وہ دوستانہ انداز میں ہنس رہی تھی۔ ادعیہ کو مجبوراً مسکرانا پڑا تھا۔

''تم بہت کم گو بھی ہو۔'' فاکہہ نے ایک بار پھر کہا تھا۔

''نہیں، میں بولتی ہوں مگر......''

''مگر عقلمند لوگوں کی طرح، کم کم۔'' فاکہہ ہنسی تھی۔ تبھی دروازہ کھول کر اس کا چار سالہ بیٹا اندر داخل ہوا تھا۔ فاکہہ نے اسے دیکھتے ہوئے فوراً ہی اپنے بازو پھیلا دیئے تھے۔

''میرا بچہ! آپ ڈھونڈ رہے تھے ماما کو؟''

''ہاں!'' بچہ اثبات میں سر ہلاتا ہوا ماں کے ساتھ لپٹ گیا تھا۔ ''آپ مجھے مل ہی نہیں رہی تھیں۔ میں نے دادا ابا کے کمرے میں بھی دیکھا اور کچن میں بھی۔ مگر آپ وہاں تھیں ہی نہیں۔'' وہ اپنے مخصوص معصومیت بھرے انداز میں گویا تھا۔ فاکہہ اسے اپنے ساتھ بھینچ گئی تھی، پھر مسکراتی ہوئی بولی۔

''میری جان! میرے بچے! ماما، آنٹی کے پاس تھیں نا۔ آنٹی اچھی ہیں نا؟'' مسکراتے ہوئے ادعیہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ادعیہ جو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی، بچے کے اثبات میں سر ہلانے پر فوراً ہی مسکرا دی۔

فاکہہ یکدم ہی ہنس پڑی تھی۔

''شکر کرو، تم اعصار شیخ کو ملنے کے بعد میرے بیٹے سے ملی ہو۔ بلکہ اعصار بھائی کو شکر کرنا چاہئے کہ وہ تمہیں پہلے ہی لے اڑے۔'' اس کے شرارت بھرے انداز پر ادعیہ مسکرا دی تھی۔ تبھی فاکہہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی تھی۔

''اعصار بھائی تو خاصے جذباتی ہیں۔ حیرت ہے، انہوں نے تمہیں خود سے الگ اتنی دور کیسے بھیج دیا؟'' وہ یقیناً بہت اچھی طرح سے اعصار شیخ سے واقف تھی۔ اس کی باتوں سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو رہا تھا۔ اور یہ بات ادعیہ کی توقع کے برخلاف تھی۔ وہ جو بھاگتی ہوئی کسی گوشہ تنہائی کی تلاش میں نکلی تھی تو یہ تجربہ کسی قدر ناکام ہی رہا تھا۔

وہ سر جھکائے یہی سوچ رہی تھی، جب فاکہہ نے اسے ایک بار پھر چونکا دیا تھا۔

''تم لوگوں کی شادی تو غالباً لو میرج رہی ہے نا؟''

ادعیہ جو اپنی ہی سوچوں میں گم تھی، یکدم ہی چونکی تھی۔ فوری طور پر اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا تھا۔ وہ سر اٹھائے یونہی خالی خالی نظروں سے اسے تکتی رہی تھی۔ اور تب فاکہہ یکدم ہی

ہنسنے لگی تھی۔

''تم اتنی کنفیوژ کیوں ہو رہی ہو؟ کیا اعصار بھائی سے محبت کر کے پچھتا رہی ہو؟'' اپنی دانست میں وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔ مگر ادعیہ کے اندر ایک ویرانی پھیلتی جا رہی تھی۔ اس نے مروتاً مسکراتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کے بیٹے کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا تھا۔

''کیا نام ہے آپ کا؟''

''مانی۔'' بچہ برجستگی کے ساتھ بولا تھا۔ انداز انتہائی معصوم تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرائی تھی۔

''پڑھتے ہو؟''

''ہاں، میری ٹیچر آنٹی بالکل آپ جیسی ہیں۔ اچھی والی۔''

''اچھی والی؟'' ادعیہ نے زیر لب دہرایا تھا۔ پھر مسکرا دی تھی۔ فاکہہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

''میں نے کہا نا، میرا بیٹا بہت ذہین ہے۔ شکر کرو تم اس سے بعد میں مل رہی ہو۔'' اس کے ساتھ ہی وہ سر جھکا کر بیٹے کو اس کے متعلق آگاہ کرنے لگی تھی۔

''بیٹا! یہ آنٹی، اعصار انکل کی دلہن ہیں۔''

''اعصار انکل کہاں ہیں، یہ ان کے ساتھ کیوں نہیں رہتیں؟'' عجب سوال دریافت کیا تھا اس چھوٹے سے بچے نے۔ ادعیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

اب کے فاکہہ کو بھی شاید احساس ہوا تھا، تبھی اس نے سہولت سے مانی کے گال کو تھپتھپایا تھا۔ ''آنٹی جاب کر رہی ہیں نا۔''

''جاب تو آپ بھی کر رہی ہیں۔ مگر آپ تو پاپا کے پاس رہتی ہیں۔''

''مانی!'' فاکہہ نے بیٹے کو قدرے نرم لہجے میں سرزنش کی تھی۔ ادعیہ نے اپنی خفت مٹانے کو مسکراتے ہوئے مانی کو دیکھا تھا۔

''بہت انٹیلی جنٹ ہیں آپ تو۔ دوست بنیں گے ہمارے؟'' اس نے بچے کے چھوٹے سے ہاتھ کو تھاما تھا۔ مانی نے اسے چند لمحوں تک دیکھا تھا، پھر مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ پر اپنا ننھا منا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''اعصار انکل بھی میرے بہت اچھے فرینڈ ہیں۔'' مانی نے معصومیت سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ ادعیہ کے پاس سوائے مسکرانے کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

اتنا تو وہ جان گئی تھی کہ یہاں اس کا بہت آنا جانا تھا۔ اس گھر کے مکین اسے بہت اہمیت دیتے تھے، مگر یہ وہ نہیں جانتی تھی کہ بار بار اس کے سامنے اعصار شیخ کا ذکر دانستہ ہو رہا تھا یا پھر اتفاقاً۔ فاکہہ یقیناً ان دونوں کے مابین تنازعے سے قطعاً واقف نہیں تھی۔ نہ ہی وہ یہ جانتی

تھی کہ وہ کوئی "راہِ فرار" اختیار کر کے یہاں آئی ہے۔ ہاں یہ تھا کہ یہ سب اس کی توقع کے عین برعکس تھا۔ تبھی شاید اسے کسی قدر قبول کرنا مشکل لگ رہا تھا۔ اور شاید تبھی وہ حیران بھی تھی۔ وہ تو یہاں تایا ابا کے کہنے پر آئی تھی۔ انہی کے کہنے پر یہاں قیام کیا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ تایا ابا کے ریفرنس سے ملنے والے لوگوں کی زبان پر اتنی کثرت سے اعصار شیخ کا ذکر ہوگا۔ یہ بات کسی قدر اچنبھے کا باعث تھی۔ اور شاید وہ تبھی کسی قدر حیران بھی تھی۔

✿......✿

کبھی کبھی بہت سی بڑی بڑی خوشیاں اچانک کسی سکتے کی لپیٹ میں آ جاتی ہیں۔ اماں ابا، چاچا جی اور اعیان شاہ ایک سرخوشی کے عالم میں یہاں پہنچے تھے۔ عرصہ دراز بعد بہت سے بند قفل کھلے تھے۔ ایک بڑی خوشی سامنے آئی تھی۔ مگر اچانک ہی وقت نے اس کے معنی بدل دیئے تھے۔ اس کی شدت کو کم کر دیا تھا۔ مژگان کے حادثے کی روح فرسا خبر نے سب کو دہلا کر رکھ دیا تھا۔ کتنے بہت سے ہاتھ اس کی خاطر دعاؤں کے لئے اٹھ رہے تھے۔ کتنے آنسو اس کے لئے بہہ رہے تھے۔

رہبان عالم شاہ ابھی تک ساکت و جامد تھا۔ اس نے ہمیشہ اس کا مسکراتا ہوا چہرہ دیکھا تھا۔ اسے اس کیفیت میں دیکھ کر دل پر جانے کیوں ایک عجیب سی کیفیت اثر کرنے لگی تھی۔ مگر وہ کتنی دیر تک اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے اسے دیکھتا رہا تھا۔ چپ چاپ، اس کی نظریں اس کے زرد رنگ چہرے پر جمی رہی تھیں۔

"سب کچھ اس قدر بکھرا ہے، سمجھ میں ہی نہیں آ رہا، کہاں کہاں سے سمیٹوں اور کس طرح سمیٹوں۔ لگتا ہے، نہ چاہتے ہوئے بھی بہت کچھ یہیں بھول جاؤں گی......!" اس کی مسکراتی سرگوشی اس کے اردگرد ابھری تھی۔

"سچ کہوں، کچھ کچھ بے ایمان ہو رہی ہوں۔ دل بالکل نہیں چاہ رہا یہاں سے جانے کو...... ان سب سے دستبردار ہونے کو...... اور سب سے بڑھ کر تم سے دستبردار ہونے کو۔"

کتنی آہستگی سے اس کی آنکھوں سے پانی بہہ کر اس کے نازک بے حس و حرکت ہاتھ پر جا پڑا تھا۔

"جانے کیسے ہو گیا یہ سب، پتہ نہیں تم ہی کیوں آن ٹکرائے مجھ سے...... ہم جو الگ سمتوں کے مسافر تھے...... یکسر اجنبی تھے...... یکدم ہی کیسے! پہلی ملاقات سے ہی تم میرے باعث مشکلات میں گرفتار ہو گئے تھے۔ اور تب سے اب تک......"

ایک مضبوط قد و قامت کا مالک شخص اس گھڑی کس قدر خاموشی سے انتشار کے ان لمحوں

سے گزر رہا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا...... تم جیسا کول شخص اتنا دھواں دھار عشق کیسے کر سکتا ہے۔ اچھا...... ایک بات بتاؤ...... آج اس راز سے بھی پردہ ہٹا ہی دو۔ تمہیں یہ اتنا دھواں دھار قسم کا عشق ہوا کیسے؟ سچ، یقین نہیں آتا کہ تم جیسا کول بندہ کسی کے عشق میں اس درجہ مبتلا ہو سکتا ہے۔"

اس کی دھیمی، مدھم آواز اس کے چار سو گونج رہی تھی۔ اور وہ ایک ٹک اس کے چہرے کو تکے جا رہا تھا۔ کتنی روشنی پھوٹا کرتی تھی ان آنکھوں سے...... مگر آج وہ آنکھیں بند تھیں۔ کتنا پُر رونق رہا تھا یہ چہرہ...... مگر آج کیسا زرد رنگ لگ رہا تھا۔ یہ ہونٹ جو سدا مسکرانے والے تھے، آج کیسی پپڑی سی جمی ہوئی تھی ان پر۔ رہبان عالم شاہ نے بہت ہولے سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا تھا۔

پہلا احساس تھا یہ!
پہلا اقدام تھا جو دانستہ سرزد ہوا تھا۔

"کیا ہو سکتا ہے...... مجبوری ہے...... جانا تو پڑے گا ہی...... کیونکہ یہ جگہ کسی اور کی ہے۔ اور بہر طور اسے خالی تو کرنا ہی ہے۔ شیکسپیئر نے کہا تھا۔ دنیا ایک اسٹیج ہے اور ہم سب اپنے اپنے حصے کا کردار ادا کرتے ہیں۔ سو میرا کردار ختم ہوا۔"

اس کی آواز اس کے اردگرد پھیلتی چلی گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ بھیگی آنکھوں سے اس کے چہرے کو دیکھتا چلا گیا تھا۔ تبھی ڈاکٹر اندر داخل ہوئی تھی۔ رہبان عالم شاہ کو حد درجہ محویت سے بیٹھے دیکھ کر وہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔

"پریشان نہ ہوں، دعا کریں...... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ دعاؤں میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔" ڈاکٹر نے یقیناً اس کا حوصلہ بندھایا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ اس کے نازک سے ہاتھ کو دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے اسے بیڈ پر رکھ کر ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی تھی۔ اور تیزی سے پلٹ کر باہر نکل آیا تھا۔ کائنات، اعیان، چچا جی، اماں ابا، سیو، سبھی موجود تھے۔

"بیٹا...... تو گھر جا کر کچھ دیر آرام کر لے۔ ہم ہیں یہاں۔" اماں نے اسے دیکھتے ہی بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ مگر اس نے سر ہولے سے نفی میں ہلا دیا تھا۔

"رات بھر سے جاگ رہا ہے تو۔ اور اب بھی......" اماں نے تردد کیا تھا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ تب ابا نے انہیں مزید کچھ کہنے سے باز رکھتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"پریشان نہیں ہوتے بیٹا! خدا بڑا رحیم، کریم ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں ڈاکٹر سے بات کرتا ہوں۔ پیسے کی پرواہ نہیں، پانی کی طرح بہا دوں گا۔ مگر اپنی بیٹی کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔"

"تسی بس کرو...... کچھ نہیں ہوگا ہماری ڈمی کو......" اماں آنسوؤں کے درمیان بولی تھیں۔

رہبان عالم شاہ چپ چاپ کھڑا رہا تھا۔ تبھی کائنات اس سے آن لپٹی تھی۔ "بھائی! کیا ہو گیا یہ...... آپ نے بھابی کا خیال کیوں نہیں رکھا۔"

رہبان عالم شاہ نے ضبط کی کڑی منزل سے گزرتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ دھرا تھا۔ اور پھر بہت آہستگی سے پلٹ کر وہاں سے نکلنے لگا تھا۔

✿......✿

"کیا، کیا یہ آپ نے۔ بچوں کے ساتھ آپ بھی بچے بن گئے۔ مجھے کم از کم آپ سے ایسے فیصلے کی توقع نہیں تھی۔" تائی اماں نے جارحانہ انداز میں کہتے ہوئے تایا ابا کو دیکھا تھا۔

تایا ابا نے چہرے کے سامنے سے اخبار ہٹاتے ہوئے قدرے انجانے پن سے بیگم کو دیکھا تھا، پھر اسی قدر رسانیت سے گویا ہوئے تھے۔

"کیا ہوا؟ کس بابت دریافت کر رہی ہیں آپ؟"

تائی اماں نے انہیں دیکھا تھا...... پھر ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بہت نرمی سے گویا ہوئی تھیں۔ "آپ نے ادعیہ کو اسلام آباد جا کر جاب کرنے کی اجازت کیوں دی؟"

تایا ابا قدرے چونکے تھے، بیگم کو دیکھا تھا...... پھر مبہم سا مسکرا دیئے تھے۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ یہاں رہتی یا کہیں اور...... اس کی پرواہ کسے ہے۔ ایک غیر اہم فرد تھی گھر کا...... ان وانٹڈ پرسن...... جو سب کی مرضی کے برخلاف یہاں آ گئی تھی۔ میں نے تو فقط اسے اس کی مرضی کے مطابق جینے کی راہ دے دی ہے۔ یہاں بھی تو وہ ایک فضول شے کی طرح پڑی ہوئی تھی۔ اس کی موجودگی کتنے لوگوں کے لئے تکلیف کا باعث تھی۔ میں نے تو اپنی دانست میں اس تکلیف کا ازالہ کرنا چاہا تھا۔ میرا تو خیال تھا آپ اس اقدام کو سراہیں گی کہ چلو اچھا ہوا...... خس کم جہاں پاک...... آئی بلا ٹلی۔" تایا ابا نے اخبار پر نظریں جمائے جمائے مدھم لہجے میں بہت کڑا طنز کیا تھا۔ تائی اماں اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھیں۔

"کہیں یہ وجہ تو نہیں کہ ایک پنچھی کی بے وقت پرواز آپ کو ناگوار گزری ہے۔ میں نے قفس کے در وا کر دیئے، اسی پر آپ خائف ہیں؟" وہ چہرے کے سامنے سے اخبار ہٹا کر مسکرائے تھے۔ تائی اماں اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھیں۔ سر جھکا کر وہ کچھ دیر اسی طرح بیٹھی رہی تھیں۔ پھر قدرے توقف سے سر اٹھا کر بولیں۔

"میں دشمن نہیں ہوں اس کی، نہ ہی میں نے کبھی اسے کوئی تکلیف پہنچانے کی کوشش کی ہے۔"

"دوستوں والی بھی تو کوئی بات شامل نہیں رہی آپ کے رویوں میں۔"

تائی اماں اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھیں۔ تایا ابا نے پھر اخبار تہ کرتے ہوئے تائی اماں کو دیکھا تھا۔

"ماجرا کیا ہے...... آج کیسے اور کیونکر آ گئی اس کی یاد؟"

تائی اماں کچھ دیر تک خاموشی سے بیٹھی رہی تھیں پھر سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا۔

"یہ سچ ہے، میں اس شادی کے خلاف تھی۔ سب سے بڑی مخالف تھی۔ مجھے وہ بطور بہو ...ل نہیں تھی مگر......" وہ رک گئی تھیں۔

"مگر کیا؟" تایا ابا نے دریافت کیا تھا۔ "کیا اب آپ مخالف نہیں رہیں؟"

تائی اماں نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ اور پھر بنا کسی تردد کے بولی تھیں۔

"میں قطعاً شرمندہ نہیں ہوں۔ اپنی غلطی کو مان لینے میں کوئی قباحت نہیں۔ ہم بڑے ہیں تو ...کا مطلب یہ نہیں کہ ہم غلطی نہیں کر سکتے، غلطی ہم سے بھی ہو سکتی ہے اور مجھ سے بھی غلطی ...ئی تھی۔"

تایا ابا نے انہیں دیکھا تھا۔ پھر دھیمے سے مسکرا دیئے تھے۔ "اپنی غلطی کا اعتراف کر لینے والا ...بہ عظیم ہے۔ مگر وقت کی باگیں ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں نہیں رہتیں۔ اب صورتحال یکسر تبدیل ...کی ہے۔ اور اس میں نہ تو آپ کی رضامندی کو ملحوظ نظر رکھا جائے گا نہ ہی میری مرضی کو...... ...گی جن کی ہے، اب انہی کو جینے کا فیصلہ کرنا ہے۔ زور زبردستی بچوں سے روا رکھی جا سکتی ہے، ...ل و بالغ بچوں سے نہیں۔"

"مگر یہ تو درست نہیں۔ بچے اگر اپنا نقصان کرنا چاہیں تو ضروری تو نہیں کہ ہم بھی انہیں اس ...مدد دیں۔"

"ہم انہیں مدد نہیں دے رہے، سازگار حالات فراہم کر رہے ہیں۔ زبردستی کر کے نتائج ہم ...چکے ہیں، صورتحال تب بھی ہمارے حق میں نہ تھی۔"

"مگر جو اب ہو رہا ہے، وہ بھی تو مناسب نہیں۔ اس طرح تو صورتحال اور بھی سنگین ہو ...گی۔ میں ایک بات جانتی ہوں، اعصار شیخ اس کے بغیر جی نہیں سکے گا۔ اور اپنے بیٹے کی ...مجھے اپنی ہر خوشی سے زیادہ عزیز ہے۔"

"اوہ...... تو یہ سراسر بیٹے کی محبت کا اثر ہے۔ میں بھی کہوں کہ یہ گلیشیر پگھل کیونکر گیا۔" تایا ...نتیجے پر پہنچے تو تائی اماں انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔

"کچھ بھی کہیں آپ، جب میرے بیٹے کے دل میں اس کے لئے اتنی گنجائش ہے تو میرے ...اس کے لئے تھوڑی بہت جگہ تو بن ہی سکتی ہے۔ اور پھر اس میں رد کئے جانے والی بات ...ہے۔ میں کیوں مخالفت برائے مخالفت کروں۔ زندگی تو ان دونوں نے گزارنی ہے۔ ہم

تو جی چکے۔ ہمیں چاہئے کہ انہیں بھی ان کی زندگی جینے دیں۔"

"یہی تو میں نے کیا ہے۔" تایا ابا برملا بولے تھے۔ "ادعیہ ایسے ہی جینا چاہتی تھی۔ ہوسکتا ہے، اسے اس گھر میں سازگار ماحول ملتا تو وہ ایسا اقدام کرنے کے متعلق نہ سوچتی۔ مگر ایک تناؤ بھری صورتحال نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کیا۔ اس گھر میں اس کے ساتھ کچھ اچھا سلوک روا نہیں رکھا گیا۔ وہ یہاں ایک ایک کی ٹھوکروں میں تھی، اسے جینے کی راہ درکار تھی۔ اور میں نے اسے وہ راہ دی ہے۔ وہ یہاں مزید رہتی تو شاید گھٹ کر مر جاتی۔ اس گھٹن زدہ ماحول سے رہائی دلائی ہے میں نے اسے۔"

تائی اماں انہیں خاموشی سے دیکھتی رہی تھیں، پھر بولیں۔ "چاہے آپ میرے اس اقدام کو خودغرضی سے عبارت کریں، مگر میں ادعیہ کو واپس ضرور لاؤں گی۔" وہ حتمی لہجے میں بولی تھیں۔

تایا ابا نے انہیں خاموشی سے دیکھا تھا، پھر دھیمے سے مسکرا دیئے تھے۔

"عجیب کتھا ہے، پہلے آپ اسے اس گھر میں لانے کی خواہاں نہ تھیں اور اب اس کا چلے جانا قبول نہیں۔"

مگر وہ اس سے قطع نظر بولی تھیں۔ "مجھے خود بھی جا کر اسے راضی کرنا پڑا تو میں کروں گی۔ کہاں لکھا ہے کہ بڑے جھک نہیں سکتے؟ ہمیشہ پھل دار شاخ ہی جھکتی ہے۔"

"بہت دیر نہیں کر دی آپ نے اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں؟" تایا ابا نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ تائی اماں انہیں دیکھ کر رہ گئی تھیں۔ تبھی وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے گویا ہوئے تھے۔

"یہ معاملہ ہم اور تم سے کہیں زیادہ اب ان کی رائے پر منحصر ہے۔ وہ دونوں کیا چاہتے ہیں، تعلق کو قائم رکھنا...... مزید ساتھ چلنا...... یا پھر یہیں رک کر واپس اپنی اپنی سمتوں کی جانب لوٹ جانا۔ اس بات کا فیصلہ انہی دونوں کے ہاتھ میں ہے۔ ایسے معاملات میں زور و زبردستی سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ اور میرا خیال ہے، ہمیں کسی طرح کی زور و زبردستی کرنی بھی نہیں چاہئے۔ ان لوگوں کا حق ہے، اپنے متعلق سوچنا اور بہتر انداز میں فیصلہ کرنا...... اگر وہ ایک ساتھ ایک چھت تلے نہیں رہ سکتے تو مزید زبردستی ساتھ چلنے کا کوئی فائدہ نہیں...... گھر دلوں کے ملنے سے بنتے ہیں...... فقط کاغذی تعلق قائم کر لینے سے نہیں۔ لاتعلق رہنے کا فیصلہ میں نے اعصار شیخ کا باپ ہوتے ہوئے نہیں کیا...... میں نے خود ادعیہ کے سرپرست کی حیثیت سے دیکھا ہے۔ اگر آج میری جگہ حسن ہوتا تو یقیناً اپنی بیٹی کے لئے کوئی ایسا ہی قدم اٹھاتا۔ مگر افسوس ایسا نہیں ہے۔ میں نے خود کو اس کے سرپرست کی حیثیت سے جانچا ہے۔ اور ایک باپ ہونے کی حیثیت سے میں نے یہی بہتر جانا ہے کہ میری بیٹی اپنے لئے خود صحیح راہ منتخب کرے، جیسا کہ وہ چاہتی ہے، نہ

کہ جو ہم چاہتے ہیں۔ ہمارے یہاں کا یہ المیہ ہے کہ ہم اپنی محبت کے حوالے سے اپنی اولادوں کو بلیک میل کرتے رہتے ہیں۔ مس یوز کرتے ہیں۔ ان کی خواہشات کے برعکس، ان کی مرضی کے برخلاف۔ میں ایسا نہیں چاہتا، ادعیہ کے سرپرست کے حوالے سے تو بالکل بھی نہیں۔ ادعیہ عا کے حوالے سے دیکھوں تو میں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ وہ حق پر ہے۔ کیونکہ بطور شوہر اعصار شیخ نااہل شخص ہے۔ جس میں جذباتیت کے سوا کچھ نہیں۔ اپنی جنوں پسندی اور جذباتیت میں وہ یہ فراموش کر گیا کہ گھر کس طرح بستے ہیں اور شادی کس سمجھوتے کا نام ہے۔ اس نے گھر آباد کرنے کی بجائے اس معصوم لڑکی کے دل کو بھی غیر آباد کر دیا۔ اسے ایک خوبصورت گھر دینے کی بجائے ایک عقوبت خانہ دیا...... جس میں وہ ڈری سہمی زندگی بسر کرتی رہی۔ اس نے اسے خود تو ٹھوکروں پر رکھا...... دوسروں کو بھی کھلی چھوٹ دی کہ جس طرح کا سلوک چاہیں، اس سے روا رکھیں۔ اس گھر میں آنے کے بعد اسے کس طرح مصائب کا شکار ہونا پڑا۔ کتنی بار اس کی انا کو چوٹ لگی، کتنی بار اس کے وقار کو روندا گیا، کتنی چوٹیں اس کے دل پر پڑیں، کتنی بار اسے مینٹلی طور پر ٹارچر کیا گیا۔ کوئی بات بھی تو جھٹلانے کے لائق نہیں۔ میں فقط اعصار شیخ کا باپ بن کر سوچوں تو ہر بات ثانوی لگتی ہے، غیر اہم لگتی ہے۔ مگر میں فقط اعصار شیخ کا والد بن کر ہر بات سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔ اس کی ہر کوتاہی میری نگاہ میں ہے، کیونکہ میں اسے ادعیہ کے سرپرست کی حیثیت سے دیکھ رہا ہوں۔ میں اس کی بے وقوفی کو کم عقلی کے خانے میں نہیں رکھ سکتا۔ نہ ہی میں کوئی اور جواز بنا کر اس کی پشت پناہی کر سکتا ہوں۔ سچ بات تو یہ ہے بیگم کہ تمہارا بیٹا واقعی نااہل ہے۔ قسمت نے اس کے ہاتھ میں ایک ہیرا دیا تھا، مگر اپنی بے وقوفی کے باعث اس نے اسے مٹی میں رول دیا۔ بے قدرا ہے وہ، اس کی سزا اس پر واجب ہے۔ اس ضمن میں، میں کسی چھوٹ کا قائل نہیں۔ نہ ہی میں اس کی کوئی مدد کر سکتا ہوں۔ کم از کم میں کسی قسم کی خودغرضی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔ تم چاہتی ہو تو کوشش کر دیکھو، میں تمہیں منع نہیں کروں گا۔ تم بہرحال اعصار شیخ کی ماں ہو۔" تایا ابا کہہ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ تائی اماں انہیں دیکھتی رہ گئی تھیں اور ساکت تو اپنی جگہ اعصار شیخ بھی رہ گیا تھا۔ وہ کچھ دیر قبل ان سے کوئی ضروری بات کرنے آیا تھا مگر پھر انہیں بولتا سن کر وہیں دروازے کے ایک طرف رک گیا تھا۔ اور اب اس گھڑی کس طرح جامد تھا وہ اپنی جگہ پر۔

٭......٭

"مجھ سے تو رہبان کی یہ حالت دیکھی نہیں جاتی۔ کیسا بت سا ہو گیا ہے میرا پتر۔ نہ کچھ بولتا ہے نہ کھاتا پیتا ہے۔ کل سے فقط یہیں لگا بیٹھا ہے۔" اماں نے دور کھڑے ڈاکٹر سے ڈسکس

کرتے رہبان عالم شاہ کو ایک آہ بھر کر دیکھا تھا اور اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔ تبھی سیّد وجاہت علی شاہ گویا ہوئے تھے۔

''یہ تو فطری طور پر ہے بھابی جان، شریک حیات ہے وہ اس کی۔ ہمیں وہ کس قدر عزیز ہے، رہبان عالم شاہ کے لئے تو اس کی وقعت کہیں بڑھ کر ہے۔ ایک جہاں سے ٹکرا کر اس نے اسے حاصل کیا تھا۔ یہ گھڑی اس کے لئے قیامت سے کم نہیں۔ اس کی جان مشکل میں ہے، بظاہر وہ پُرسکون نظر آرہا ہے، مگر اس کے اندر کے فشار کی کسی کو خبر نہیں۔ چپ چاپ جھیل جانا بڑی بات ہے۔ ہم صرف اسے بظاہر دیکھ رہے ہیں۔ اس کے اندر ہونے والی ٹوٹ پھوٹ کی ہمیں خبر نہیں۔ خدا زندگی دے اس بچی کو۔ بلاشبہ خدا بڑا رحیم و کریم ہے، اس کے اختیار میں سب کچھ ہے۔''

''آمین۔'' اماں نے فوراً کہا تھا۔

''نہ جانے کس کی نظر لگ گئی میرے بچے کی ہنستی بستی زندگی کو۔'' آنکھیں پھر آنسوؤں سے لبالب بھر گئیں۔

''نیک بخت! چپ کر جا، آزمائش کی گھڑیاں بھی اچھے لوگوں کی زندگی میں ہی آتی ہیں۔'' ابا نے نرمی سے کہا تھا۔ اماں چپ چاپ آنکھیں پونچھتے ہوئے تسبیح کے دانے گرانے لگی تھیں۔

''اعیان! تم نے کالے بکروں کا صدقہ دیا تھا نا اپنی بھابی کے نام سے؟'' یکدم ہی انہیں یاد آیا تھا اور انہوں نے فوراً اعیان عالم شاہ کی جانب دیکھا تھا۔

''جی اماں۔''

''بیٹا! تم ہی بھائی کو یہاں سے گھر لے جاؤ۔ اس نے کل سے آنکھ لگا کر نہیں دیکھی۔ مجھے ڈر ہے، کہیں وہ خود بیمار نہ پڑ جائے۔ کیسی خوشیوں بھری زندگی تھی دونوں کی۔ چاند سورج کی جوڑی تھی۔ جانے کس کی نظر کھا گئی۔'' آنسو پھر ان کی آنکھوں میں اُمڈنے لگے۔ اعیان ان کا ہاتھ تھام کر ان کا حوصلہ بندھانے لگا۔

''آپ گھر چلئے۔ ابا جی! آپ بھی...... میں بھائی کو کوشش کر کے گھر بھجواتا ہوں۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس دعائیں جاری رکھئے آپ لوگ۔ ماں کی دعاؤں میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ کبھی کوئی عرضی رائیگاں نہیں ہوتی۔''

''گھر جانے کو میرا دل نہیں چاہتا...... میں یہاں رہنا چاہتی ہوں۔ مژگان کے پاس...... اپنی بچی کے پاس...... کیسے شگنوں کے دن میں قیامت ٹوٹی ہے اس پر......'' ایک بار پھر آنسو ان کی آنکھوں سے رواں تھے۔

ابا نے اشارہ کیا تھا۔ چاچا اور اعیان اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ساتھ ہی بہانے سے اماں کو بھی لے لیا تھا۔

''چلیں گھر چلتے ہیں، کچھ دیر بعد واپس لوٹ آئیں گے۔'' اعیان نے ماں کو بہلایا تھا۔ ''آپ گھر چلیں گی تو اسی بہانے رہبان بھائی بھی ساتھ ہولیں گے۔''

''نہیں، اسے رہنے دو...... اسے اس گھڑی مژگان کے قریب ہونا چاہئے۔'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

رہبان عالم شاہ ڈاکٹر سے بات کر کے پلٹا تھا، جب اپنے سامنے رئیس حیدر علی نواز سومرو کو دیکھ کر چونک گیا تھا۔ کل اسے یہاں ہاسپٹل میں ہی دیکھا تھا، وہ اس سے واقف تو نہ تھا مگر انجان بھی نہ تھا۔

''میں حیدر علی سومرو ہوں...... رئیس حیدر علی نواز سومرو۔'' رہبان عالم شاہ کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس نے اپنا مکمل تعارف کرایا تھا اور رہبان عالم شاہ چونکے بنا نہ رہ سکا تھا۔

''کیسی طبیعت ہے اب اس بچی کی؟'' اگرچہ وہ عمر میں بہت بڑا نہ تھا مگر اس کے لہجے میں بہت بڑا پن تھا۔ رہبان عالم شاہ نے کسی نتیجے پر پہنچنا چاہا تھا۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

''جو تم سمجھ رہے ہو، وہ درست نہیں ہے۔ میں وہی ہوں جو تم سوچ رہے ہو۔ مگر جو کچھ بھی تھا، اس کا باعث میں نہیں...... یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے۔ اور اس حادثے میں میرا کردار اتنا ہے کہ میں اس وقت جائے وقوعہ پر تھا۔ اس بات کا مجھے بھی ملال ہے کہ ایسا کسی قدر میرے باعث ہوا۔ ہوا فقط یہ تھا کہ اس کی نگاہ نادانستہ مجھ پر پڑ گئی تھی۔ شاید اسی باعث وہ کسی قدر ہراساں ہو گئی تھی۔ میری نظر اس پر پڑی تو وہ یکدم ہی سرپٹ دوڑنے لگی۔ میں نے روکنے کے لئے باآواز بلند اسے پکارا، مگر وہ بھاگتی چلی گئی۔ اور اس طرح یہ حادثہ ہو گیا۔ یہ سچ ہے کہ ماضی میں جب بابا سائیں زندہ تھے تو میں نے اس لڑکی کی حد درجہ مخالفت کی تھی، مگر اب اس کی سزا کسی طور ہم بھگت چکے ہیں۔ بابا سائیں کی وفات کے بعد ہماری ساری اکڑفوں جاتی رہی۔ ایک بیٹی سے ناانصافی کرنا چاہی تھی ہم نے، اس کی سزا ہمیں قدرت نے دی۔ بابا کے بعد ہمیں بہت برے دن دیکھنے پڑے۔ بھائیوں نے ساری دولت اور جائیداد عیاشیوں میں اڑا دی۔ اور اس حالت میں ہمیں خدا یاد آیا، یہ بچی یاد آئی، جس سے ناانصافی کبھی ہم سے سرزد ہوئی تھی۔ ہم تو اس تلاش میں تھے کہ کسی طرح اس کا ازالہ ہو سکے، مگر باوجود کوشش کے بھی ہمیں کامیابی نہ ہوئی۔ اور اب یہ اچانک ہی سامنے آ گئی۔ ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے اس بچی سے...... بہن ہے ہماری یہ۔ اس کا ازالہ کرنے کے لئے اسے تلاش کر رہے تھے...... کیا خبر تھی، صورتحال اس طرح تبدیل ہو

جائے گی اور حالات اتنی سنگین صورت اختیار کرلیں گے۔ ہم نے تو فقط خیر خواہی چاہی تھی۔''

رہبان عالم شاہ کچھ کہے بغیر دیکھتا رہا تھا۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔

حیدر علی نے اس کے شانے پر تسلی کو ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''بلا شبہ خدا کے اختیار میں سب کچھ ہے...... وہ یقیناً بہتر کرے گا۔ ہم نے اپنے پورے گاؤں میں اس کے نام سے صدقہ خیرات کرایا ہے۔ بہت سارے ہاتھ دعا کو اٹھ رہے ہیں اس کے لئے۔ رب سائیں مناجاتوں کو سننے والا ہے۔''

''اسے کچھ نہیں ہوگا۔'' رہبان عالم شاہ نے ٹھوس لہجے میں فقط ایک جملہ کہا تھا اور پھر اپنے قدم آئی سی یو کی جانب بڑھا دیئے تھے۔

✿......✿

ٹیبل کی سطح پر کہنیاں ٹکائے دونوں ہاتھوں پر چہرہ دھرے وہ چپ چاپ رو رہی تھی، جب اعیان شاہ نے کچن میں جھانکا تھا۔ آہٹ پر وہ چونکی تھی، ہاتھ چہرے کے سامنے سے ہٹائے تھے۔ ساتھ ہی آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑا تھا۔ مگر سر اٹھا کر آنے والے کی جانب نہیں دیکھ سکی تھی۔ اعیان شاہ اسے چند ثانیوں تک یونہی دیکھتا رہا تھا۔ بھولی بھالی صورت والی اس لڑکی کو اس نے کبھی خاطر خواہ اہمیت نہیں دی تھی۔ جس حیثیت سے وہ ہمیشہ اس کے سامنے آئی تھی، اس کے بعد اس کے سوا جواز بھی نہیں بنتا تھا۔ مگر صورتحال تبدیل ہونے کے بعد آج وہ واقعی اسے ایک خاص زاویۂ نظر سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس خاندان کا حصہ تھی، کتنی اپنی تھی۔ کتنی بڑی خوشی لئے وہ یہاں آئے تھے۔ مگر مژگان کے حادثے کی روح فرسا خبر کے بعد جیسے سب کچھ بے معنی ہو کر رہ گیا تھا۔

وہ اس گھڑی بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اگر اسے خبر ہوگی کہ وہ ان کا حصہ ہے، ان میں سے ہے تو اس کی کیفیت کیا ہوگی!

وہ ابھی تک ناواقف تھی۔ سوفاصلے کی اور گریز کی وہ ایک لکیر جوں کی توں تھی۔

سیو اسی طرح سر جھکائے بیٹھی سوں سوں کرتی رہی تھی۔ اعیان عالم شاہ نے بہت ہولے سے قدم بڑھائے تھے اور اس کے قریب آن رکا تھا۔ سیو نے اب بھی سر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ اعیان نے بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر اپنا مضبوط ہاتھ دھر دیا تھا۔ اس نے چونک کر سر اٹھایا تھا، وہ بہت ملائمت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھنے پر بہت آہستگی سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

''سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا اتنی بہت سی دعائیں ساتھ ہیں...... مژگان بھابی کو کچھ نہیں ہو

...'' بہت مدھم انداز میں کہتے ہوئے اس کا حوصلہ بڑھایا تھا۔ وہ چپ چاپ دیکھتی چلی گئی ...۔ مگر آنکھوں سے چپ چاپ بہت سا پانی گرتا چلا گیا تھا۔

''تم دعا کرو، دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔'' مگر وہ اس کے مضبوط ہاتھ پر چہرہ رکھ کر ...م ہی سسکنے لگی تھی۔ ایک مضبوط سہارا پا کر جیسے سارے بند ٹوٹتے چلے گئے تھے۔ اعیان عالم اس کی جانب دیکھتا رہا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

✿......✿

نمیرا اس کا کمرہ صاف کر رہی تھی، جب وہ اندر داخل ہوا۔

''تم یہاں کیا کر رہی ہو؟''

''تائی اماں نے کہا تھا، تمہارا کمرہ صاف کر دوں۔'' وہ بہت ہولے سے مسکرائی۔ وہ چپ ...پ چلتا ہوا بیڈ کے قریب جا رکا اور سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر کچھ تلاش کرنے لگا۔

نمیرا چپ چاپ اسے دیکھنے لگی۔

''کتنا بدل گئے ہو نا تم۔'' وہ بہت دھیمے سے مسکراتی ہوئی اس کی پشت کو دیکھ رہی تھی۔

...ار شیخ چونکا نہیں تھا۔ نہ ہی پلٹا تھا۔ اسی طرح درازیں دیکھتا رہا تھا۔

''موسم ایک سے نہیں رہتے۔ حالات ایک سے نہیں رہے۔ اور انسان بھی اسی تغیر کا نام ...'' نمیرا یقیناً غیر سنجیدہ تھی۔ اعصار شیخ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''اس کا احساس تمہیں مجھے دیکھ کر ہوا یا میرا کمرہ دیکھ کر؟''

وہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ ''شاید دونوں کو۔''

اس نے لب بھینچ لئے تھے اور سر جھکا کر دوبارہ دراز میں دیکھنے لگا تھا۔

''کیا ڈھونڈ رہے ہو؟ میں مدد کروں؟'' نمیرا نے اس کی پشت کو دیکھا۔

''نہیں، میں خود ڈھونڈ لوں گا۔'' وہ شاید ناکام رہا تھا۔ تبھی دراز بند کر دی تھی۔

''سیانے کہتے ہیں، کھوئی ہوئی چیزوں کو کھوجنا اور پانا بہت مشکل ہے۔ بلکہ کسی حد تک ...۔'' وہ بدستور مسکرا رہی تھی۔ پتہ نہیں وہ طنز کر رہی تھی یا مذاق۔ وہ سمجھ نہ سکا تھا۔ مگر اس نے ...کو پلٹ کر دیکھا ضرور تھا۔

''لگن ہونی چاہئے محترمہ نمیرا بیگم! بہت سے طوفانوں کے رخ مڑ جاتے ہیں۔''

وہ کچھ دیر تک خاموش رہی تھی۔ پھر کمرے کا طائرانہ جائزہ لیتی ہوئی بولی۔

''کمرہ کس قدر ویران لگ رہا ہے نا۔ لگ رہا ہے یہ بھی اپنے مکین کو مس کر رہا ہے۔''

اعصار شیخ کچھ نہیں بولا تھا۔ پلٹ کر الماری کھول لی تھی۔ وہ اس کی پشت کو دیکھتی ہوئی بولی

تھی۔ ''شاید تم بھی اسے مس کر رہے ہو؟''

''تمہارے پاس کرنے کو آج کل کوئی کام نہیں ہے؟'' بھاری آواز میں دریافت کیا گیا تو وہ ہنس پڑی۔ وہ پشت موڑے یونہی مصروف رہا۔ وہ خاموشی سے دیکھتی رہی تھی، پھر مسکرا دی تھی۔

''تم سچ سے فرار چاہتے ہو؟''

اعصار شیخ کے ہاتھ رک گئے تھے۔ وہ پلٹا تھا اور اسے دیکھنے لگا تھا۔

''تم نے ساری انفارمیشن آج ہی کلیکٹ کرنے کا ذمہ لے رکھا ہے؟'' اس کا انداز بتا رہا تھا کہ اسے یقیناً اس کی موجودگی ناگوار گزر رہی تھی۔ مگر وہ اسی طرح کھڑی اسے تکتی رہی تھی۔

''کیا اب بھی تم اسے اسی قدر چاہتے ہو؟'' بہت دھیمے لہجے میں اس نے دریافت کیا تھا۔ اعصار شیخ اسے دیکھنے لگا تھا، بہت خاموشی کے ساتھ۔ وہ متواتر اسے دیکھ رہی تھی۔

اعصار شیخ نے بہت ہولے سے اس کی جانب پیش قدمی کی تھی۔ اسی قدر آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے شانوں کو تھاما تھا اور پھر اس کا رخ پھیر کر کھلے دروازے سے باہر دھکیلتے ہوئے دروازہ بند کر لیا تھا۔

نمیرا اس اچانک اقدام پر قدرے حیرت زدہ سی دروازے کو تکتی رہ گئی تھی۔

❁......❁

رہبان عالم شاہ انتہائی محویت سے اسے تکے جا رہا تھا۔ اس کا نازک سا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں تھا۔ کل سے اب تک وہ کتنے ہی گھنٹے اسے یونہی چپ چاپ بیٹھا دیکھتا ہوا گزار چکا تھا۔ کتنی جلدی اتنا بہت سا وقت گزر گیا۔ سوچو تو یقین نہیں ہوتا۔

رہبان عالم شاہ نے اس کے نازک سے ہاتھ کو دوسرے مضبوط ہاتھ سے بہت آہستگی سے چھوا تھا۔

''مجھے وہ لمحے بھی یاد ہیں، جب میں نے بذاتِ خود تمہیں پروپوز کیا تھا۔ تم نے کبھی ایکسپیکٹ بھی نہ کیا ہوگا کہ زندگی میں کوئی لڑکی اس طرح اچانک تمہارے سامنے آن رکے گی اور تمہیں پروپوز کر دے گی۔ واقعی یہ مقدر ہوتے ہیں۔''

بہت ہولے سے وہ اس کے ہاتھ کو لبوں تک لے گیا تھا۔

بہت ہولے سے اس نے اس کے ہاتھ کو چھوا تھا۔

اس کی مسکراتی ہوئی آواز یکدم اس کے اردگرد پھیلنے لگی تھی۔

''مجھے یقین نہیں آتا...... تم جیسا کول شخص اتنا دھواں دھار عشق کیسے کر سکتا ہے۔''

''اچھا ایک بات بتاؤ...... آج اس راز سے بھی پردہ ہٹا ہی دو، تمہیں یہ اتنا دھواں دھار قسم کا

عشق ہوا کیسے؟''

''کتنا پیار کرتے ہو تم مجھ سے؟'' کجل کی آواز یکدم مژگان کی مسکراتی آواز پر غالب آ گئی تھی۔

''مجھے سمندر سے ڈر لگتا ہے۔'' مژگان کی خوفزدہ آواز اس کے اردگرد پھر ابھری تھی۔

''ہار گئی میں تو تم سے محبت کر کے رہبان عالم شاہ۔'' کجل کی آواز آس پاس بکھرتی چلی گئی تھی۔

''میں تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں...... بہت دور تک...... بنا تھکے۔''

''آئی کین نیور سروائیو ود آؤٹ یو۔'' اس کا کبھی کسی وقت کا اپنا بہت مدھم لہجہ دور تک بازگشت بن کر پھیلتا چلا گیا تھا۔

''آئی کین نیور سروائیو ود آؤٹ یو۔'' اس کی اپنی آواز تمام آوازوں پر غالب آ گئی تھی۔ ماضی کی ایک مدھم سرگوشی تمام ماحول پر چھا گئی تھی۔ کتنی آہستگی سے اس کی آنکھوں سے پانی کے قطرے ٹوٹ کر اس کے نازک ہاتھ پر گرے تھے۔

اس کے نازک سے ہاتھ کو اس نے اپنے دونوں مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لے کر لبوں کے قریب رکھا ہوا تھا۔

''آئی کین نیور سروائیو ود آؤٹ یو۔'' اس کی اپنی آواز کی بازگشت اس کا حصار کرتی چلی گئی تھی۔

وہ اسی طرح گم صم سا بیٹھا اسے تکے جا رہا تھا۔ جب اسے محسوس ہوا کہ اس کے پُرحدت ہاتھوں میں موجود مژگان کے اس نازک سے ہاتھ نے بہت ہولے سے جنبش کی تھی۔ وہ چونکا تھا، مگر اسے لگا تھا...... جیسے یہ اس کا وہم ہو...... اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو ہولے سے چھوا تھا۔

''مژگان......'' بہت آہستگی سے اسے پکارا تھا۔

اس کی پلکوں کے پپوٹے ہولے ہولے ہل رہے تھے۔ تکلیف کی شدت اس کے چہرے سے واضح تھی۔

''مژگان!'' وہ فرطِ مسرت سے اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکا تھا۔

''مژگان! پلیز آنکھیں کھولو۔ مژگان، مژگان!'' اس پر قدرے جھک کر رہبان عالم شاہ نے ایک بار پھر اسے پکارا تھا۔ تبھی ڈاکٹروں کی ایک ٹیم آ گئی تھی۔

''مسٹر رہبان! پلیز، آپ باہر چلیے۔''

رہبان عالم شاہ نے اسے ایک نظر دیکھا تھا، پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ تھکے تھکے قدموں سے وہ باہر نکل آیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' اماں نے پریشانی سے دریافت کیا تھا۔

''مژگان کو ہوش آ گیا ہے۔'' اس نے بہت مدھم لہجے میں کہا تھا۔

''اللہ تیرا شکر۔'' اماں نے اطمینان کی ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ ''مبارک ہو بہت۔ یہ تو بہت اچھی خبر ہے پھر منہ کیوں ڈھلکا رکھا ہے؟ خوش ہو، تمہاری ریاضتوں نے اسے تمہاری طرف پلٹنے پر مجبور کر دیا۔ نئی زندگی دی ہے خدا نے اسے۔ میں تمہارے ابا جی کو خبر کرتی ہوں۔'' وہ فوراً ہی پلٹی تھیں۔ رہبان عالم شاہ نے انہیں دیکھا تھا پھر وہیں بیٹھ کر آئی سی یو کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

✿......✿

چلو یونہی سہی
تم ہم سے ہم تم سے بدگماں ہی سہی
لطافتوں کا موسم بھی گزر ہی جائے گا
خواہشیں مٹ جائیں گی
دل بھی تھم جائے گا
یہ جو بے کلی سی چھائی ہے
مٹ ہی جائے گی
سیاہ رات بھی کٹ ہی جائے گی
مگر میری جان سنو
ان سب کے ہونے سے
شب و روز کے گزرنے سے
دوریاں بڑھ جائیں گی
کمی ہو جائے گی شدتوں میں
فاصلے بڑھ جائیں گے!
محبت گھٹ جائے گی!!

وہ ایزی چیئر پر نیم دراز آنکھیں موندے بیٹھا تھا، جب زویا نے آ کر اسے بتایا تھا کہ امی نے اسے بلایا ہے۔ وہ بہت ہولے سے آنکھیں کھول کر دیکھنے لگا تھا۔ پھر ہولے سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

زویا کے جانے کے بعد وہ کتنے ہی لمحوں تک یونہی بیٹھا رہا تھا۔ پھر بہت سستی بھرے انداز میں اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ امی اس کی منتظر تھیں۔ وہ چلتا ہوا ان کے قریب رکا تھا پھر گھٹنوں کے بل

بیٹھتے ہوئے سر ان کے گھٹنوں پر رکھ دیا تھا۔ امی نے اسے دیکھا تھا۔ پھر ہاتھ اس کے سر پر دھر دیا تھا۔ اعصار شیخ آنکھیں موند گیا تھا۔

''کھانا کیوں نہیں کھایا تم نے؟''

''بھوک نہیں تھی۔'' بہت دھیمے لہجے میں جواب دیا تھا۔

''ناراض ہو مجھ سے؟'' اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے دریافت کیا۔

''ایسا آپ نے کیسے سوچ لیا؟'' وہ سر اٹھا کر انہیں دیکھنے لگا۔ تائی اماں خاموشی کے ساتھ نگاہ پھیر گئیں۔ پھر بہت آہستگی سے بولیں۔

''میں چاہتی ہوں، ادعیہ اس گھر میں واپس آ جائے۔''

وہ چونکا تھا، سر اٹھا کر کتنی ہی دیر تک انہیں چپ چاپ دیکھتا رہا تھا۔ تبھی وہ خاموشی سے نگاہ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھیں۔ پھر اسی قدر آہستگی سے بولیں۔

''تم اسے جا کر واپس لے آؤ۔ بصورت دیگر میں خود جا کر اسے لے آؤں گی۔''

وہ چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا تھا۔ پھر سر جھکا گیا تھا۔

''ایسا ممکن نہیں ہے۔'' وہ بولا تو لہجہ بہت مدھم تھا۔

تائی اماں تڑپ کر رہ گئی تھیں۔ ''کیوں...... کیوں ممکن نہیں؟''

''امی! شادی دو فریقین کی رضامندی کا نام ہے...... یہ بندھن ہے، کسی ایک کے چاہنے سے جڑا نہیں رہ سکتا۔''

''تم باپ بیٹا عجیب و غریب باتیں کرتے ہو۔ وہ بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔''

''ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔'' اعصار شیخ سر جھکا گیا تھا۔ اس کے لبوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ اتر گئی تھی۔ تائی اماں نے اسے دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کا رخ اپنی سمت پھیرا تھا۔

''کیا تم نہیں چاہتے ایسا؟''

اعصار شیخ نے ماں کی سمت دیکھا تھا پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔ ''میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔''

''سبھی کچھ تمہارے چاہنے پر ہی تو منحصر ہے۔'' تائی اماں نے بہت آہستگی سے کہا تھا۔ ''تمہارے ابا ٹھیک کہتے ہیں۔ قصور تمہارا ہے۔ وہ لڑکی بہت معصوم ہے، بہت سی ناانصافیاں ہوئی ہیں اس کے ساتھ اور ایسا ہم سب کی طرف سے ہوا ہے۔ تم تنہا قصوروار نہیں ہو۔''

''اب ان سب باتوں سے کیا حاصل۔'' وہ بہت مدھم انداز سے گویا ہوا تھا۔ اماں اسے دیکھ

کر رہ گئی تھیں۔ پھر بہت دھیمے سے بولی تھیں۔

"محبت کرتے ہو تم تو اس سے۔"

وہ جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ "آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں کہ شادی کوئی یکطرفہ بندھن نہیں ہے۔ نہ ہی اس میں زور و زبردستی روا رکھی جا سکتی ہے۔ یہاں سے جانے کا فیصلہ اس کا اپنا ہے۔ وہ ایسا چاہتی تھی، سو اس نے ایسا کیا...... میں مزید کوئی الزام اپنے سر نہیں لینا چاہتا۔"

"اسے تنہا چھوڑنا تھا تو اس کا ہاتھ تھام کر اس دہلیز پر کیوں لائے تھے؟" تائی اماں نے قدرے برہمی سے دریافت کیا تھا۔ مگر وہ مسکرا دیا تھا۔

"وہ غلطی ہو گئی تھی۔ مگر اب اندازہ ہو گیا ہے۔"

"اعصار! زندگی کوئی مذاق نہیں ہے۔" اس کے غیر سنجیدہ انداز پر تائی اماں نے اسے ڈپٹا تھا۔ "تم اسے جا کر واپس لاؤ۔"

"وہ واپس نہ آنا چاہے تب بھی؟"

تائی اماں خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔ پھر بہت آہستگی سے بولیں۔ "اس کے یہاں سے جانے کے بہت سے سبب ہیں۔ اس نے یہاں کوئی پھولوں پر زندگی بسر نہیں کی ہے۔ بلاشبہ وہ حق پر ہے۔ ہم سے بہت سی ناانصافیاں سرزد ہوئی تھیں۔" تائی اماں نے اعتراف کیا تھا۔ "کوئی بھی خوشی سے دربدری قبول نہیں کرتا۔ اسے اگر اس گھر میں سازگار ماحول ملتا تو وہ قطعاً بھی ایسا کوئی فیصلہ نہ کرتی۔"

اعصار شیخ خاموشی سے سر جھکا گیا تھا۔

"بیٹا! وقت بہت اہم جزو ہے زندگی میں۔ کبھی کبھار تھوڑی سی دیر سے بہت زیادہ دیر ہو جاتی ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ خدانخواستہ مزید کچھ غلط ہو۔ اپنے تمام خدشات کو مٹا ڈالو۔ عورت کا وجود بنیادی طور پر محبت کے خمیر سے بنا ہے، اس میں معاف کرنے کا ظرف ہے۔ خدا نے اسے بہت برداشت دی ہے۔ بہت لچک پذیری ہے اس کی طبیعت میں۔ محبت سے اسے جدھر چاہو موڑا جا سکتا ہے۔ بس دھیان میں ایک بات رکھنی چاہئے کہ اس کی انا کو زک نہ پہنچے۔" تائی اماں نرمی سے بولیں۔ وہ سر جھکائے اسی طرح خاموشی سے بیٹھا رہا تھا۔

✿......✿

اے شمع کوئے جاناں
ہے تیز ہوا جاناں

لو اپنی بچا رکھنا...... رستوں پہ نگہ رکھنا
ایسی ہی کسی شب میں
آئے گا یہاں کوئی، کچھ زخم دکھانے کو
اک ٹوٹا ہوا وعدہ، مٹی سے اٹھانے کو
پیروں پہ لہو اس کے
آنکھوں میں دھواں ہوگا
چہرے کی دراڑوں میں
بیتے ہوئے برسوں کا
ایک ایک نشاں ہوگا
بولے گا نہ کچھ لیکن، فریاد کناں ہوگا
اے شمع کوئے جاناں
وہ خاک بسر راہی...... وہ سوختہ پروانہ
جب آئے یہاں اس کو مایوس نہ لوٹانا
ہو تیز ہوا کتنی، لو اپنی بچا رکھنا
اس بھید بھری چپ میں اک پھول نے کھلنا ہے
اس نے انہی گلیوں میں، ایک شخص سے ملنا ہے!

وہ کبھی بھی اپنوں سے دور گھر سے باہر نہ رہی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس طرح سب سے لٹ کر اپنے شب و روز گزار رہی تھی...... اسے تو تنہا سونے کی بھی عادت نہ تھی۔ شعاع اور وہ یک ہی بیڈ پر ساتھ ساتھ سوتی تھیں، اگر کبھی اسے تنہا سونا پڑتا تو وہ رات بھر جاگتی رہتی...... یا ر اگر سو بھی جاتی تو کئی بار خوف سے آنکھ کھل جاتی۔

کوئی نادیدہ خوف اسے خوفزدہ کر دیتا اور وہ اٹھ کر امی کے ساتھ جا لیٹتی۔

اعصار شیخ کے گھر آنے کے بعد اس نے کسی قدر خود کو بدل لیا تھا۔

وہ بہت حد تک بہادر ہو گئی تھی۔ اس نے اندھیرے سے ڈرنا چھوڑ دیا تھا۔ تنہائی اس کی سہیلی گئی تھی۔ مگر وہ خول کسی قدر ٹوٹنے لگا تھا۔ شاید وہ بہادر نہیں تھی۔ بہادر ہونے کی کوشش کی تھی ط۔ اور وہ کوشش کارگر ثابت نہیں ہوئی تھی۔ اور آج بھی اسی قدر کمزور تھی، وہی بزدل سی لڑکی، سے اندھیرے سے خوف آتا تھا۔ ذرا سی آہٹ پر جس کا دل دہل جاتا تھا۔ ذرا سی بات پر جس کا ل دکھتا تھا اور وہ گھنٹوں اسی کے متعلق سوچتی رہتی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر جسے بے تحاشا رونا

آتا تھا، اور جو تنہا نہیں رہنا چاہتی تھی، ایک نادیدہ خوف جسے بے حد ستاتا تھا اور وہ سر تک کمبل اوڑھ کر اپنا منہ تکیے میں چھپا لیتی تھی۔

کتنے نازک تھے خواب گھروندے، مگر سب کچھ کتنی بے دردی سے روند دیا گیا تھا۔ سارے خواب ٹوٹ کر کرچیوں میں بٹتے چلے گئے تھے۔ اور ان کرچیوں پر قدم دھرتے ہوئے اس نے واپسی کا سفر طے کرنا شروع کر دیا تھا۔ بات کچھ بھی نہیں تھی۔

بدلتے موسم کے باعث طبیعت میں کچھ بوجھل پن سا تھا۔ اس دن وہ آفس بھی نہیں گئی تھی۔ ناشتہ کیے بغیر کسلمندی سے بستر پر پڑی رہی تھی۔ فاکہہ ناشتہ لے کر آئی تھی مگر اس نے منع کر دیا تھا۔

''تم بالکل بھی خیال نہیں رکھتی ہو اپنا...... اعصار بھائی کو خبر ہوئی تو اچھی خاصی خبر لیں گے...... تمہاری بھی اور ہماری بھی۔'' فاکہہ مسکرائی تھی مگر وہ یونہی چپ چاپ نگاہ پھیر گئی تھی۔

''زیادہ جی اداس ہو گیا ہے تو فون کر دوں؟'' فاکہہ نے شرارت سے دریافت کیا تھا۔

''کسے؟'' وہ خالی خالی ذہن کے ساتھ بولی تھی۔

''اعصار شیخ کو۔'' فاکہہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگی تھی۔ ادعیہ نے نگاہ پھیر لی تھی۔ فاکہہ اسے بغور دیکھنے لگی تھی۔

''تم دونوں میں فطری ہزبینڈ، وائف والی محبت بالکل بھی نہیں...... شادی کو اتنا تھوڑا عرصہ گزرا ہو اور ایک دوسرے سے اتنی بیزاری۔ جب ہماری شادی ہوئی تھی تو ہم تو ابتدائی دنوں میں ایک دوسرے کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے تھے۔ اور ایک تم دونوں ہو، میلوں کی دوری پر بیٹھے ہو اور ایک دوجے سے جیسے سروکار ہی نہیں۔ یا تو تم دونوں کی لو میرج ہی نہیں...... یا پھر تم دونوں کے درمیان کوئی گڑبڑ ہے۔'' فاکہہ مسکراتے ہوئے بولی تھی مگر وہ آنکھیں موند گئی تھی۔

''ڈاکٹر کو فون کر دوں؟'' فاکہہ نے تب دریافت کیا تھا۔ مگر اس نے سر ہولے سے نفی میں ہلا دیا تھا۔ تب اس نے آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی کو چھوا تھا۔

''بخار تو نہیں ہے، مگر فلو بھی اچھی خاصی بیماری ہے۔ تم آرام کرو۔ کسی شے کی ضرورت ہو تو حفیظہ سے کہہ دینا، او کے۔''

اس نے مندی مندی آنکھوں سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ فاکہہ پلٹی تھی، تبھی اس نے یکدم پکارا تھا۔ ''سنیں۔''

''ہاں......؟'' وہ فوراً پلٹی تھی۔ ادعیہ نے اسے چند لمحوں تک خاموشی سے دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے بولی تھی۔

''وہ فون سیٹ میرے قریب کر دیں۔'' کہہ کر دوبارہ آنکھیں میچ گئی تھی۔ فاکہہ نے اسے دیکھا تھا پھر جانے کیوں مسکرا دی تھی۔ پھر فون سیٹ اس کے قریب رکھ کر واپس پلٹ گئی تھی۔

ادعیہ کتنی ہی دیر تک یونہی پڑی رہی تھی۔ پھر اسی طرح لیٹے لیٹے اس نے گھر کا نمبر ملایا تھا۔ کتنی دیر تک بیل جاتی رہی تھی مگر فون کسی نے نہیں اٹھایا تھا۔ یکدم ہی جانے کیوں اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔ اس نے ایک بار پھر ری ڈائل کا بٹن پش کیا تھا۔ مگر نتیجہ حسب معمول وہی رہا تھا۔ امی یقیناً گھر پر نہ تھیں۔ عمر اور رانیہ بھی یقیناً کالج کے لئے نکل چکے تھے۔ وہ اگرچہ وجہ جانتی تھی مگر اس کے باوجود اس کی پلکیں متواتر بھیگتی چلی جا رہی تھیں۔ اس نے فون کریڈل پر ڈالا تھا اور پھر آنکھیں موند کر لیٹ گئی تھی۔ پلکوں کے بھیگنے کا عمل رکا نہیں تھا۔

دن بھر وہ یونہی پڑی رہی تھی۔ شام تک اسے بخار ہو چکا تھا۔ فاکہہ کمرے میں آئی تو اس کی پیشانی تپ رہی تھی۔

''میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔ ابا جی گھر میں تھے۔ تم نے ان سے کہہ دیا ہوتا۔''

''نہیں...... میں ٹھیک ہوں۔'' اس کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہو ''پلیز لیو می الون۔''

فاکہہ نے اسے دیکھا تھا۔ پھر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

اس نے جلتی آنکھوں سے فون سیٹ کو دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔ پھر اس کی نازک انگلیاں کانپتے ہوئے نمبر ملانے لگی تھیں۔ جی بے طرح اداس تھا۔ وہ دادی اماں سے بات کرنا چاہتی تھی۔ ایک، دو، تین، چار...... بیلز جانے لگی تھیں۔ یکدم دوسری طرف سے کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''ہیلو!'' بھاری مانوس آواز ابھری تھی۔ مگر وہ ساکت سی بیٹھی رہی تھی۔ جانے کیوں پلکوں سے یکدم ہی پھر آنسو پھسلنے لگے تھے۔

''ہیلو!'' دوسری جانب سے پھر بھاری آواز ابھری تھی۔

''ہیلو۔'' اس نے بہت آہستگی سے جواباً کہا تھا۔ مگر آواز بہت کانپتی ہوئی تھی۔ اعصار شیخ نے چپ ہو کر ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ وہ بھی یونہی کچھ دیر چپ رہی تھی۔ پھر بہت مدھم آواز میں بولی تھی۔ ''مجھ...... مجھے دادی اماں سے بات کرنا ہے۔'' اس نے جیسے بہ مشکل اپنی بات مکمل کی تھی۔ دوسری طرف کچھ دیر تک خاموشی رہی تھی۔

''ہیلو!'' ادعیہ نے بہت ہولے سے پکارا تھا۔

''وہ گھر پر نہیں ہیں۔'' اعصار شیخ نے کہہ کر یکدم ہی ریسیور کریڈل پر ڈال دیا تھا۔ ادعیہ ریسیور ہاتھ میں لئے دیکھتی رہ گئی تھی۔ آنکھیں برستی چلی گئی تھیں۔ اس نے ریسیور کریڈل پر پٹخا

تھا اور پھر منہ تکیے میں چھپا لیا تھا۔

✿......✿

رہبان عالم شاہ سر جھکائے بیٹھا تھا جب ڈاکٹر چلتا ہوا اس کے سامنے آن رکا تھا۔ رہبان عالم شاہ نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ ڈاکٹر بہت ملائمت سے مسکرایا تھا۔

"مبارک ہو، آپ کی وائف اب خطرے سے باہر ہیں۔ یہ یقیناً آپ سب کی دعاؤں کا ثمر ہے۔ ورنہ ایسی کنڈیشن سے بہت کم پیشنٹ نکل پاتے ہیں۔ عموماً اسی بے ہوشی کی حالت میں یا تو ان کی موت واقع ہو جاتی ہے یا پھر طویل ترین کوما میں چلے جاتے ہیں۔ جس میں سے نکلنے کے چانسز فقط چند فیصد ہی ہوتے ہیں۔ یور وائف از لکی ون۔ آپ مل سکتے ہیں ان سے۔ مگر فی الحال بات نہیں کر سکتے۔ مگر بہت جلد بات بھی کریں گے۔ ابھی انہیں میڈیسن دی گئی ہیں، اسی کے زیر اثر ہیں وہ۔ آپ انہیں دیکھ سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر کہہ کر آگے بڑھ گیا تھا۔ وہ کچھ دیر تک یونہی بیٹھا رہا تھا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ بہت آہستگی سے چلتے ہوئے اس نے آئی سی یو تک کا سفر کیا تھا۔ وہ حسب معمول آنکھیں موندے ہوئے تھی۔ آکسیجن ماسک اس کے چہرے سے ہٹا دیا گیا تھا۔

رہبان عالم شاہ نے اس کے چہرے کی سمت دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے قدم اٹھاتے ہوئے اس کے قریب جا رکا تھا۔ کچھ دیر تک یونہی اسے تکتا رہا تھا، پھر بہت آہستگی کے ساتھ جھک کر اس کی پیشانی پر اپنے لبوں کی مہر ثبت کی تھی۔ پھر سیدھا ہوتا ہوا اسے بغور تکنے لگا تھا۔

"نئی زندگی مبارک ہو!" بہت آہستگی سے اس کے لب ہلے تھے۔ پھر وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا تھا۔ اس کے نازک سے ہاتھ کو تھاما تھا۔ پھر کتنی دیر تک بغور تکتا رہا تھا۔ اس کی نظروں میں وہ منظر گھوم گیا تھا، جب اس نے رنگ اپنی مخروطی انگلی سے نکال کر اس کی جانب بڑھائی تھی۔

"بہت قیمتی ہے یہ...... میں بھول جاتی تو تمہارا یقیناً بہت بڑا نقصان ہو جاتا۔"

وہ اس کی خالی مخروطی انگلی کو دیکھتا رہا تھا جس میں کبھی اس نے خود رنگ پہنائی تھی۔

"آں...... بھائی جی نے اس بار کوئی تحفہ نہیں دیا ہوگا؟" اعیان کی شوخ آواز سماعتوں میں گونجی تھی۔

"لین دین پر کاروبار ہیں کرتے ہیں، محبت نہیں۔" مژگان کی مدھم آواز ماحول پر غالب آ گئی تھی۔

"تھک گئی ہو، میرے ساتھ چلتے چلتے؟" رہبان کی آواز ابھری تھی۔

"نہیں، ایسی بات نہیں۔ میں بہت دور تک تمہارے ساتھ چل سکتی ہوں۔ بنا تھکے۔"
مژگان کی آواز گونجتی چلی گئی تھی۔

"کوئی بھی شے متواتر واقع ہوتی رہے تو انسان عادی ہو ہی جاتا ہے۔" اس کی اپنی آواز ابھری تھی۔

"صرف اشیاء کا ہی یا پھر انسانوں کا بھی؟" مژگان کی مدھم آواز نے تمام ماحول کو گرفت میں لے لیا تھا۔

"دونوں کا ہی۔ فطرت انسانی ہے یہ۔" رہبان عالم شاہ کی اپنی آواز ساری فضا کو اپنے حصار میں جکڑنے لگی تھی۔

"آئی کین نیور سروائیو وِد آؤٹ یو۔" کبھی کا کہا گیا اس کا اپنا ہی ایک جملہ یکدم ہی سارے ماحول کو اپنی گرفت میں باندھ گیا تھا۔ ہر شے اسی ایک جادو کے زیر آ چکی تھی۔

"میں نجل سے ملی تھی۔ تمہاری منتظر ہے وہ۔ تمہیں اب دیر نہیں کرنی چاہئے۔" مژگان کی آواز گریز میں لپٹی ہوئی تھی۔

"اور تم......؟" رہبان عالم شاہ کی اپنی آواز نے اسے حیران کر دیا تھا۔

"میں تم دونوں کے لئے راہ ہموار کرنے کو تیار ہوں۔"

"اور تم؟" اس کی اپنی آواز گونجتی چلی گئی تھیں۔

"رہبان! کبھی کبھی وقت بہت اہم ہو جایا کرتا ہے۔ اس کو گرفت میں لینے کے لئے ہمیں اس کے ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ اگر ایک بار ہم اپنی رفتار دھیمی کر دیں یا سستی سے کام لیں تو اس کی ڈور ہمارے ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ اور پھر چاہے جتنی بھی تیزی سے بھاگتے رہو۔ یہ دوبارہ ہاتھ نہیں آتی۔"

"مژگان پلیز...... آئی کین نیور سروائیو وِد آؤٹ یو۔" اس کا اپنا کہا گیا جملہ ایک بار پھر تمام ماحول پر غالب آ گیا تھا۔

رہبان عالم شاہ کے ساکت لبوں نے اس کے ہاتھ کو ایک بار پھر نرمی سے چھوا تھا۔ پھر دوسرے ہاتھ سے کوٹ کی جیب میں سے کچھ تلاشنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد ہاتھ کوٹ کی جیب سے باہر نکلا تو اس کے ہاتھ میں وہی چھوٹی سی مخملیں ڈبیہ تھی۔ اس نے بہت آہستگی سے رنگ کو اپنے قبضے میں لیا تھا اور پھر اسے مژگان کی مخروطی انگلی میں پہنانے لگا تھا۔

"رہبان! آپ کو لگتا ہے کہ میں آپ کو دغا دوں گی؟" اس کی مدھم سرگوشی ابھری تھی۔ "میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"آپ تو اتنی سیدھی سادھی ہیں، بھیا کو کیسے ہینڈل کرتی ہوں گی؟" اعیان کی شرارت بھری آواز ابھری تھی۔

"یقین کرلو۔ محبت بہت کچھ بدل سکتی ہے۔ بہت سے رخ موڑ سکتی ہے۔" رہبان عالم شاہ کی اپنی آواز میں یقین ہی یقین تھا۔

"رہبان عالم شاہ! میں اپنی زندگی کا حسین دور بسر کر رہی ہوں۔ ان لمحات کے عوض کوئی میری پوری حیات بھی مانگ لے تو بلا دریغ نواز دوں گی۔ میں نے چند لمحوں میں زندگی کا مزہ چکھا ہے۔ اس گھڑی اگر موت کا قاصد بھی آ گیا تو جانے سے صاف انکار کر دوں گی۔" ایک اور سرگوشی ابھری تھی۔

"پلیز، مجھے تنہا مت چھوڑنا۔ مجھ...... مجھے تنہا چھوڑ کر مت جانا۔" کیسی التجا تھی اس لہجے میں۔

"مجھے چھوڑنا مت۔ میں تنہا ہوئی تو مر جاؤں گی۔ پلیز۔" کیسی دلفریب درخواست تھی۔ کیسی لجاجت تھی لہجے میں۔ رہبان عالم شاہ خاموشی سے اس کے چہرے کو تکتا گیا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے لب وا ہوئے تھے۔

"آنکھیں کھول کر دیکھو تو۔ دیکھو، میرے اردگرد، میرے ہر طرف کس قدر انبار لگا ہوا ہے تمہاری باتوں کا، تمہاری یادوں کا۔ تمہیں معلوم ہی نہیں، تم نے کس طرح میرے اردگرد اپنا حصار باندھ دیا ہے۔ کیسی دوست ہو، اپنے دوست کا اتنی مشکل میں ساتھ دیا۔ اور اب اسے چھوڑ کر جانا چاہتی تھیں؟

مژگان نہ تو اسے سن رہی تھی، نہ ہی وہ اس کی باتوں کا جواب دے سکتی تھی۔ اس کا احساس اسے شاید ہو گیا تھا۔ تبھی وہ ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

✿......✿

ایک راہِ خیال پر تنہا
میں اِدھر اور وہ اُدھر تنہا
سوچتے ہیں وہ کیوں نہیں ہوتا
آ کہ سوچیں یہ بیٹھ کر تنہا
خواب اپنے تھے وادیاں اپنی
یہ نکل آئے ہم کدھر تنہا
خواب تھا وہ کہ جل رہا تھا رات
بیچ دریا میں کوئی گھر تنہا

ادعیہ اس وقت غنودگی میں تھی۔ فون کی بیل مسلسل بجے جا رہی تھی۔ فاکہہ جو اسے میڈیسن ینے آئی تھی، اس نے ریسیور اٹھایا تھا پھر سر اثبات میں ہلانے لگی۔

"او کے...... ہولڈ کرو...... کیسے شخص ہو تم۔ شوہر نامدار ہو، کیا یہ بات ری مائنڈ کروانا پڑے گی ہیں؟ ایک تو میلوں کے فاصلے پر بیٹھے ہوئے ہو، دوسرے ایک فون کرنے کی بھی زحمت نہیں سکتے۔ بیگم بیمار ہیں تمہاری۔ شی از فیلنگ ناٹ ویل۔"

دوسری جانب سے جانے کیا کہا گیا تھا کہ وہ مسکرا دی تھی۔

"میں نے اپنی پوری زندگی میں تم جیسا سنگدل اور بے وفا شوہر نہیں دیکھا۔ اینی وے، بات و گے؟ ویسے تم دونوں جب ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔" فاکہہ مسکراتے ہوئے کہہ تی۔

دوسری جانب سے کچھ کہا گیا تھا۔ وہ ہنس دی تھی۔

"میں تو فقط اندازہ لگا سکتی ہوں۔ دلوں کے بھید تو خدا بہتر جانتا ہے۔ اپنی وفا کی جانچ ل تم خود کرو۔"

دوسری طرف سے پھر کچھ دریافت کیا گیا تھا۔ تبھی وہ بولی تھی۔

"نہیں ٹھیک ہے طبیعت۔ بتایا تو ہے، بخار ہے اسے۔"

دوسری طرف سے پھر کچھ کہا گیا تھا۔

"نہیں، میڈیسن اس نے کوئی نہیں لی۔ صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں۔ نہیں...... میں نے کہا با جی اور احسن بھی خیریت معلوم کرن کو آئے تو اصرار کیا۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ تم آ کر ل کر دیکھو۔ شاید تمہاری بات مان لے۔ 'دکھری رمز عشق دی یار' والا معاملہ ہے۔ تم بہتر "

دوسری طرف سے پھر کوئی ہدایت آئی تھی۔ تبھی فاکہہ مسکرائی تھی۔ "اتنی فکر ہے تو خود آ جاؤ۔ پنی سی کوشش کر رہے ہیں۔"

دوسری جانب سے کچھ کہا گیا تھا، تبھی وہ ہنسنے لگی تھی۔ "چچ...... چچ...... عاشقِ صبر طلب اور بے تاب۔ اتنی فکر ہے تو آ جاؤ نا۔ احسن نے ڈاکٹر کو فون کر دیا ہے۔"

"اچھا بابا اچھا...... کراتی ہوں بات۔" اس نے ریسیور کان سے ہٹا کر اسے ہلایا تھا۔

"ادعیہ...... ادعیہ...... تمہارا فون ہے۔"

یہ نے بمشکل آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی۔ فاکہہ اسے ریسیور تھما کر خود اس کے لئے

کچھ کھانے کو لینے چلی گئی تھی۔ ادعیہ نے بمشکل حلق سے آواز برآمد کی تھی۔

"ہیلو!"

مگر دوسری طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا۔

"ہیلو!" اس نے ایک بار پھر اپنی ہمت کو سمیٹا تھا۔

"ہیلو۔ لو یہ دادی اماں سے بات کرو۔" اعصار شیخ کی بھاری آواز ابھری تھی۔ اور اس کے فوراً بعد ہی ریسیور دادی اماں کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔

"ہیلو، میری بچی! کیسی ہے تو؟"

وہ کچھ نہیں بول سکی تھی۔

"کیا ہوا ہے تجھے...... میرا دل تو دہل گیا۔ بتا کیسی ہے تو؟"

ادعیہ کی پلکیں چپ چاپ بھیگنے لگی تھیں۔ اس نے لب کھول کر بولنا چاہا تھا مگر گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا آ گیا تھا۔

"کیسی ہے تو...... بول کیوں نہیں رہی...... کیا ہوا ہے تجھے؟" دادی اماں کی پُرتشویش آواز دوبارہ ابھری تھی۔ ادعیہ نے اپنے تمام تر حوصلوں کو مجتمع کیا تھا۔

"ٹھیک...... ٹھیک ہوں میں۔"

"ٹھیک کہاں ہے۔ میرا دل رکھنے کو کہہ رہی ہے۔ احسن کی دُلہن بتا رہی تھی، تجھے بخار ہے۔ دوا کیوں نہیں لے رہی؟ وہ بتا رہی تھی، تم نے صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں۔ خود سے دشمنی کیوں کر رہی ہو؟ اسی لئے دور گئی تھی ہم سب سے؟"

"نہیں...... معمولی بخار ہے، موسم کا اثر ہے۔ ٹھیک ہو جاؤں گی۔" اس نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑی تھیں۔

"رو رہی ہو تم؟" دادی اماں کا اندازہ صد فیصد درست تھا۔ وہ چونکی تھی۔ پھر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔

"نہیں......" اس نے مختصراً کہا تھا۔ مزید شاید بولا بھی نہیں جاتا۔

"پھر...... تیری آواز سے کیوں لگ رہا ہے؟"

"یاد آ رہی ہے آپ کی، امی کی، شجاع کی، آپ سب کی۔ کیوں ناراض ہیں آپ سب مجھ سے۔ کتنے دن سے کسی نے یاد تک نہیں کیا...... میں نے اتنا بڑا جرم تو نہیں کیا جس کی آپ سب مجھے اس طرح سزا دے رہے ہیں۔" اس نے برملا شکوہ کیا تھا۔

"کون ناراض ہے تم سے...... تم غلط ہوتیں تو بھلا کوئی تمہیں اتنی دور جانے کی اجازت دیتا۔

بس اوروں کی کیا کہوں...... میں خود تو فون تک آ نہیں سکتی۔ کوئی نمبر ملا دے تو بات کر لوں۔ صبح تیرا فون آیا تھا۔ خبر ہوئی تو خود فون کرایا۔ بھلا تم سے غافل ہو سکتے ہیں۔ تمہارے تایا ابا صبح ہی کہہ رہے تھے کہ اس ویک اینڈ پر وہ تمہارے پاس چکر لگائیں گے۔ ہم تو تمہاری خوشی میں خوش ہیں بیٹا۔" دادی اماں نے وضاحت دی۔ مگر اس کی آنکھیں برستی گئیں۔ دادی اماں نے ڈپٹا۔

"کچھ کھاؤ۔ پھر میڈیسن لو۔ دوبارہ بات کروں تو تم اچھی بھلی ہو جانا۔ ورنہ واپس بلوا لوں گی۔ بھاڑ میں جائے نوکری۔ ہمیں تم عزیز ہو۔ ناجائز کوئی خواہش پوری نہیں ہو گی آئندہ۔"

"آپ کیسی ہیں؟" بہت مدھم لہجے میں دریافت کیا۔

"میری چھوڑ، تو ٹھیک ہو جا، پھر خبر گیری کروں گی۔ ایک تو تنہا کر گئی، ہے ہمیں۔"

"امی بھی ناراض ہیں مجھ سے۔" اس کی سوئی وہیں اٹکی رہی۔

"اے بچی! کبھی کوئی ماں بھی اپنے بچوں سے ناراض ہوئی ہے؟ بہت نرم دل دیا ہے خدا نے اسے۔ اپنے بچوں کے لئے فقط محبت ہی محبت ہوتی ہے اس کے دل میں۔ کوئی مصروفیت ہو گی جبھی بات نہ ہو سکی ہو گی تم سے۔ اور تم نے اول فول سوچنا شروع کر دیا۔ نوکری کیسی جا رہی ہے تمہاری؟"

"سب ٹھیک ہے۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"خیال رکھنا اپنا۔ میں دوبارہ فون کروں گی، تب تمہاری یہ کیفیت نہ ہو۔ مجھے وہی اچھی بھلی ادعیہ چاہئے۔"

"سب ٹھیک ہیں؟" اس نے ہولے سے دریافت کیا۔

"ہاں، سب ٹھیک ہیں۔ تجھے سب یاد کرتے ہیں۔ اور ہاں یاد آیا، نمیرا کی اور تمہارے ماموں زاد فہد کی بات پکی ہو رہی ہے۔ تم آنا منگنی کی تقریب میں۔" دادی اماں نے نئی اطلاع دی۔

"جی!" اس نے سستی سے سر ہلا دیا۔ فون رکھنے کے بعد وہ کتنی ہی دیر اسی انداز سے فون کو دیکھتی رہی تھی۔ جی کس قدر بوجھل سا تھا۔

۞......۞
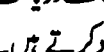
"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اس نے ہماری دمی کو نئی زندگی دی۔ خدا اسے صحت یاب کرے تو دو کالے بکروں کا صدقہ دوں گی۔" اماں نے دواؤں کے زیر اثر سوئی مژگان کو دیکھا تھا۔

"بلاشبہ خدا رحیم و کریم ہے۔ رہبان بھائی کی حالت تو مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی تھی۔ کس قدر محبت کرتے ہیں وہ مژگان بھابی سے۔" کائنات بولی تھی۔

"ظاہر ہے بھئی۔ محبت ہے ان کی۔ ہم سب سے مخالفت مول لے کر انہوں نے پایا ہے ان

کو۔" اعیان مسکرایا تھا۔ "مجنوں ہو گئے تھے مژگان بھابی کے عشق میں۔ "پانا ہے تو فقط اس کو پانا ہے۔" ایک ہی نعرہ تھا، ان کے لبوں پر۔ اور بالآخر وہ تمام کشتیاں جلا کر نکل کھڑے ہوئے تھے۔"

ابا جی اور وجاہت چاچا ان کی باتوں پر مسکرا رہے تھے۔ جبکہ سیو اماں کے ساتھ بات کر رہی تھی۔

"محبت چیز ہی ایسی ہے۔ کبھی کی ہو تو خبر بھی ہو۔" کائنات نے بھائی پر چوٹ کی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔ نظر اماں کے ساتھ بات کرتی سیو پر جا ٹھہری تھی۔

"رہبان بھائی نظر نہیں آ رہے؟"

"اسے میں نے ہی گھر بھیجا ہے۔ کچھ فریش ہو لے۔ اس کی تو جان پر بن آئی تھی۔ پل بھر کو بھی آنکھ لگا کر نہیں دیکھی۔ اس کی موجودگی ہی باعث ہے مژگان بیٹی کی نئی زندگی کی۔ خدا جوڑی سلامت رکھے رہتی دنیا تک۔ میری تو بہو نہیں بیٹی ہے۔ خدا قسمت والوں کو اتنی اچھی بہو سے نوازتا ہے۔ سو گن والی ہے میری دھی۔ سب کا خیال رکھنے والی۔ سب کے متعلق مخلصی سے سوچنے والی۔ بلاشبہ خدا اپنے نیک اور سچے بندوں کی ہی آزمائش کرتا ہے۔" اماں نے بہو کی بھرپور تعریف کی۔ "صحت یاب ہو کر گھر چلے تو اور بھی کئی کام نمٹانے ہیں۔ ہم تو خوشیوں کی خبر لے کر آئے تھے، مگر...... خدا خیر کرے میری دھی تندرست و توانا گھر لوٹے تو سارے ارمان پورے کروں گی دل کے۔"

سیو شاید خود کو اس ماحول میں مس فٹ محسوس کر رہی تھی، تبھی ہولے سے اٹھ کر باہر نکل آئی تھی۔ اپنے ہی دھیان میں وہ خوبصورت پھولوں کو دیکھ رہی تھی، جب اعیان شاہ اس کے قریب آن رکا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر چونکی تھی۔ وہ دوستانہ انداز میں مسکرا دیا تھا۔

"وہاں سے چلی کیوں آئیں تم؟"

"یونہی......" اس نے مختصراً کہہ کر سر جھکا لیا تھا۔

"آؤ کہیں چل کر بیٹھتے ہیں۔" اعیان عالم شاہ نے بہت آہستگی سے کہا تھا۔ سیو نے اسے خاموشی سے دیکھا تھا پھر بہت ہولے سے قدم اس کی سنگت میں بڑھا دیئے تھے۔

اعیان عالم شاہ اسے لے کر گاڑی کی سمت آ گیا تھا۔ وہ کچھ حیران ہوئی تھی، چونکی تھی۔ مگر اس اثناء میں وہ ڈرائیونگ سیٹ سنبھال کر اس کے لئے فرنٹ ڈور کھول چکا تھا۔

سیو نے ایک نظر اس شخص کی سمت دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے اس کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ اس کی نوازشوں پر وہ حیران تھی۔

اگر یہ اسی سلسلے کی کڑی تھی تو یقیناً وہ اسے بھگتنے کو تیار تھی۔ اسے "کم فہم" سمجھا جا رہا تھا تو وہ

د کو بے وقوف بنا کر پیش کر سکتی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو تم؟" اعیان عالم شاہ نے اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ چونکے بغیر بولی تھی۔

"مجھے کچھ بھوک لگ رہی ہے۔ کیا خیال ہے، کسی ریسٹورنٹ میں کھانا نہ کھا لیں؟"

سیو کے لئے اس کی نوازشوں کو سنبھالنا محال ہو گیا تھا۔ مگر سر نفی میں ہلاتی ہوئی مضبوط لہجے بولی تھی۔ "نہیں...... مجھے بھوک نہیں۔"

"اوہ...... بھئی تمہارے ساتھ مجھے بھی سزا کاٹنی ہو گی۔" وہ مسکرایا تھا۔ سیو اسے کچھ دیر تک رہی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

"کچھ کہنا چاہتے ہیں آپ؟"

اعیان عالم شاہ حیران ہوا تھا۔ پھر حیران نظروں کو اس کے چہرے سے ہٹا کر ونڈ اسکرین پر کر دیا تھا۔

"تم نے کیسے جانا...... آئی مین...... تمہیں کیسے خبر ہوئی؟" مسکراتے ہوئے اس نے اپنی پر قدرے قابو پایا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی۔ بس فقط ایک نگاہ ڈالی تھی اس پر اور پھر کا رخ پھیر کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

"مژگان بھابی نے تو تمہیں اچھا خاصا جینئس بنا دیا ہے۔"

"جینئس بنایا نہیں جاتا، جینئس پیدائشی طور پر جینئس ہوتا ہے۔"

اعیان عالم شاہ ایک بار پھر حیران رہ گیا تھا۔

"امیزنگ۔ گڈ چینج...... تم تو اچھا خاصا بولنے لگی ہو۔"

"بولنا مجھے پہلے بھی آتا تھا۔ آپ کو شاید سننے کا اتفاق نہیں ہوا۔" اس کا اعتماد بدستور قائم تھا۔

نے اسے دیکھا تھا۔ پھر مسکرا دیا تھا۔

"مژگان بھابی واقعی داد کی مستحق ہیں۔ صحت یاب ہو جائیں تو سب سے پہلے مٹھائی کا ڈبہ تے ہوئے داد دوں گا اور باقاعدہ یہ کہوں گا کہ استانی جی، آپ واقعی لاجواب ہیں۔" وہ یسے انداز سے مسکراتے ہوئے بولا تھا کہ وہ بھی مسکرا دی تھی۔

"ویٹس گڈ...... ایسا ہی اعتماد دیکھنا چاہتا تھا میں تم میں۔" برملا اظہار کیا تو وہ چونک پڑی۔

"کیوں؟"

"کیوں؟" وہ مسکرایا۔ "اس کا جواب بہت طویل ہے۔ مگر تمہیں اتنا بتا دوں کہ تم واقعی بہت ۔ تم نے ٹھیک کہا کہ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ میں واقعی تم سے ایک اہم بات کرنا

چاہتا ہوں۔" وہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔

سیو اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ دل یکدم ہی جانے کیوں دھڑکنے لگا تھا۔ وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی تھی۔ دھڑکنوں کا شور کانوں تک آنے لگا تھا۔

وہ منتظر تھی۔ مگر وہ کچھ دیر تک چپ رہا تھا۔ پھر بہت ہولے سے دریافت کیا تھا۔

"سیو! تم نے کبھی کہانیاں پڑھی ہیں۔ آئی مین ٹپیکل الف لیلوی کہانیاں؟"

"نہیں...... مگر بے بے سے بہت سی کہانیاں سن ضرور رکھی ہیں۔" وہ آہستگی سے بولی تھی۔

اعیان عالم شاہ نے اسے دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

"تم نے کسی بہت غریب لکڑہارے کی بیٹی کو محلوں میں جا کر بستے دیکھا ہے؟" بہت عجیب سوال تھا۔ وہ قطعاً سمجھ نہ سکی تھی، شاید تبھی متواتر اس کی طرف تکتی رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔

"چھوڑو، ہاں وہ تمہارے کامران میاں ڈھونڈتے ڈھانڈتے یہاں تک آن پہنچے تھے۔ مگر میں نے ہی روک دیا اسے تم سے ملنے کو...... مژگان بھابی کی حالت کے پیش نظر۔ اب اگر تشریف لائے محترم تو ضرور ملاؤں گا۔ حضرت کچھ زیادہ ہی جلدی میں ہیں شادی کے لئے۔" اعیان شاہ ونڈ اسکرین کی جانب دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔ سیو اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔ تبھی اس نے گاڑی ایک معروف ریسٹورنٹ کے سامنے روک دی تھی۔

"چلو اترو۔" حسب معمول وہ حاکمانہ انداز میں بولا تھا۔ سیو نے اسے دیکھا تھا، پھر ہولے سے دروازہ کھول کر اتر گئی تھی۔

وہ اس سے اسی موضوع پر بات کرنا چاہتی تھی۔ مگر اس نے یکدم ہی اس قصے کو وہیں روک دیا تھا۔ اور وہ مزید کچھ دریافت ہی نہ کر سکی تھی۔ ہاں البتہ اس شخص کے اقدامات اسے حیرت میں مبتلا ضرور کر رہے تھے۔

اگر فقط وہ اس کی آنکھوں سے بندھی پٹی اتارنا چاہتا تھا تو وہ اسے بتا دینا چاہتی تھی کہ اس کی آنکھوں سے بلکہ عقل سے بھی وہ پٹی اتر چکی ہے۔ اور وہ زیادہ بہتر انداز میں دیکھ سکتی ہے بلکہ فیصلہ بھی کر سکتی ہے اور یہ کہ 'وہ' یعنی کہ اعیان عالم شاہ واقعی دنیا میں کوئی اول و آخر آدمی نہ تھا جس کی محبت میں گرفتار ہوا جا سکتا۔ یقیناً دنیا اس سے بھی آگے، بہت آگے تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ کوئی ذکر کرتا تو وہ یقیناً اسے بتا دیتی۔ مگر وہ اس کے بعد مزید کچھ نہیں بولا تھا۔ اور وہ بھی خاموشی سے اسے دیکھے گئی تھی۔

✿......✿

اے شمع کوئے جاناں
ہے تیز ہوا جانا
لو اپنی بچا رکھنا...... رستوں پہ نگہ رکھنا
ایسی ہی کسی شب میں
آئے گا یہاں کوئی...... کچھ زخم دکھانے کو
اِک ٹوٹا ہوا وعدہ، مٹی سے اٹھانے کو
اے شمع کوئے جاناں
وہ خاک بسر راہی...... وہ سوختہ پروانہ
جب آئے یہاں اس کو مایوس نہ لوٹانا!
ہو تیز ہوا کتنی، لو اپنی بچا رکھنا
اس بھید بھری چپ میں اِک پھول نے کھلنا ہے
اس نے انہی گلیوں میں، ایک شخص سے ملنا ہے!
ے شمع کوئے جاناں!

ہبان عالم شاہ کھڑا ڈاکٹر سے ڈسکس کر رہا تھا۔ جب کائنات ہراساں سی مژگان کے ے سے باہر نکلی تھی۔

بھائی، بھابی۔" اس نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان کہا تھا...... مگر زبان نے ساتھ نہ ۔ رہبان پلٹا تھا مگر کچھ سمجھ نہ پایا تھا۔

بھائی...... بھابی...... ڈاکٹر پلیز...... جلدی آئیں۔" کائنات نے پُروحشت انداز میں چیخ را تھا۔ رہبان عالم شاہ نے لمحے بھر میں وہ فاصلہ طے کیا تھا۔ ڈاکٹر نے بھی فوراً ہی پیش ا تھی۔

ژگان گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔

ژگان... مژگان!" رہبان عالم شاہ انتہائی بے قراری سے اس پر جھکا تھا۔ "مژگان!"

اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔

''ڈاکٹر!'' رہبان عالم شاہ پُر وحشت انداز میں ڈاکٹر کی جانب پلٹا تھا۔ ڈاکٹر نے بنا کچھ کہے پیش قدمی کی تھی اور فوراً سے پیشتر مژگان کے منہ پر آکسیجن لگا دی تھی۔ مگر اس کی سانسیں اسی طرح غیر متوازن رہی تھیں۔ ڈاکٹر تیزی کے ساتھ پلٹ کر انجکشن تیار کرنے لگا تھا۔

''مژگان... مژگان!'' اسے گہرے گہرے سانس لیتے دیکھ کر رہبان عالم شاہ اس پر جھکا تھا۔

''مژگان......'' اس نے ایک بار پھر بے قراری سے پکارا تھا۔ مژگان نے ایک گہری سانس لی تھی اور پھر اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا...... اس کی آنکھیں ایک جگہ ساکت ہو گئی تھیں اور اس کا وجود بے جان ہو گیا تھا......!

''مژگان!'' رہبان عالم شاہ پوری قوت سے چیخ اٹھا۔ مگر مژگان کے بے حس و حرکت وجود میں کوئی جنبش نہیں ہوئی تھی۔

''مژگان......'' رہبان عالم شاہ نے دیوانگی کے عالم میں اسے جھنجوڑا تھا۔

''مسٹر رہبان عالم شاہ، حوصلہ رکھئے۔'' ڈاکٹر نے اس کے شانے پر ہاتھ دھر کے اس کا حوصلہ بندھایا تھا۔ پھر مژگان کا چیک اپ کرنے لگا تھا۔ اس کی دھڑکنوں کا تسلسل رک چکا تھا۔ اس کی نبض تھم چکی تھی...... اس کا وجود بے جان ہو چکا تھا...... روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی!

ڈاکٹر نے رہبان عالم شاہ کی جانب دیکھا تھا۔ پھر بہت ہولے سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

''آئی ایم سوری۔''

''ڈاکٹر پلیز، بہت دور تک ساتھ چلنے کا عہد کیا تھا اس نے مجھ سے...... اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتی یہ مجھے۔ پلیز دوبارہ چیک اپ کریں۔ شی از الائیو۔ چیک اٹ اگین۔ شی از بریتھنگ۔ دیکھئے اس کی آنکھیں کھلی ہیں۔ پلیز۔''

اس کا انداز عجیب دیوانگی لئے ہوئے تھا۔

ڈاکٹر جھک کر اس کے ہارٹ کو پمپ کرنے لگا تھا مگر یہ کوشش بھی کارگر نہیں ثابت ہوئی تھی...... مژگان جا چکی تھی!

سارے بندھن توڑ کر...... ساری بندشیں توڑ کر...... سارے وعدے ادھورے چھوڑ کر...... چلی گئی تھی وہ۔

روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔

ڈاکٹر اس کے منہ پر سفید چادر ڈال رہا تھا۔ کائنات جو ایک کونے میں کھڑی رو رہی تھی، یکدم ہی سسکتی ہوئی اس کے ساتھ آ لگی تھی۔

''بھائی! کیا ہو گیا یہ؟ بھابی اس طرح کیوں چلی گئیں ہمیں چھوڑ کر؟''

رہبان عالم شاہ ساکت ہی کھڑا رہا تھا۔

''اس نے کہا تھا، یہ میرے ساتھ چل سکتی ہے...... بہت دور تک...... پھر کیسے؟'' بہت مدھم آواز میں اس نے جیسے خود کلامی کی تھی۔

''اس نے کہا تھا یہ رکے گی نہیں...... تھمے گی نہیں، تھکے گی نہیں۔ پھر یہ کیسے چلی گئی؟'' بہت مدھم انداز میں اس نے کہتے ہوئے جھک کر اس کے چہرے سے سفید چادر کو ہٹایا تھا۔ اس کا ہمیشہ کا مسکراتا چہرہ اس کے سامنے تھا۔

مگر آج اس پر کوئی رعنائی نہ تھی۔

کوئی دلکشی نہ تھی۔

کوئی تبسم نہ تھا۔

بس ایک سکون تھا۔

جیسے تمام تر الجھنوں سے، جھنجھٹوں سے آج اسے نجات مل گئی ہو۔

رہبان عالم شاہ نے اپنے ہاتھ سے اس کے چہرے کو بہت ہولے سے چھوا تھا۔

ابھی تو رُت بدلنی تھی ابھی تو پھول کھلنے تھے
ابھی تو رات ڈھلنی تھی ابھی تو زخم سلنے تھے
ابھی تو سرزمینِ جاں پہ بادل گھر کے آنا تھا
ابھی تو وصل کی بارش میں ننگے پاؤں پھرنا تھا
ابھی تو کشتِ غم میں اِک خوشی کا خواب بونا تھا
ابھی تو سیکڑوں سوچی ہوئی باتوں کو ہونا تھا
ابھی تو ساحلوں پر اِک ہوائے شاد چلنی تھی
ابھی جو چل رہی ہے، یہ تو کچھ دن بعد چلنی تھی!
ابھی تو، ابھی تو
ابھی تو سرزمینِ جاں پہ اِک بادل کو گھرنا تھا
ابھی تو کشتِ غم میں اِک خوشی کا خواب بونا تھا
ابھی تو وصل کی بارش میں ننگے پاؤں پھرنا تھا
ابھی تو رُت بدلنی تھی ابھی تو پھول کھلنے تھے!
ابھی تو سیکڑوں سوچی ہوئی باتوں کو ہونا تھا

رہبان عالم شاہ کی پلکوں سے بہت آہستگی کے ساتھ شفاف پانی کے قطرے ٹوٹے تھے اور مژگان کے بے جان چہرے پر جا پڑے تھے۔

بہت ہولے سے اس نے اس کا بے جان ہاتھ تھام کر لبوں کے قریب کیا تھا، پھر بہت ہولے سے گویا ہوا تھا۔

"ابھی تو...... ابھی تو بہت سی راہوں پر ساتھ چلنے کا موسم تھا۔
ابھی تو بہت کچھ کہنے سننے کا وقت آیا تھا۔
ابھی تو بہت کچھ سننا تھا تمہیں اور بہت، بہت کچھ کہنا تھا مجھے۔ تم نے وہ سب کچھ کیوں نہیں سنا۔
تم نے کیوں نہیں سنا کہ زندگی مشکل ہو گئی ہے۔
اور...... اور یہ کہ تم اگر نہیں ہو تو کہیں کچھ بھی نہیں ہے۔
مجھے تو بہت کچھ کہنا تھا تم سے۔
یہ بھی کہ تم ہو، بہت اہم ہو، اور میرے لئے ہو۔ ابھی تو کہنا تھا، مجھے تم سے کہ تم میری ذات کا محور ہو، میرے سارے زمانے تم سنگ ہیں۔ میری ساری خوشیاں میرے سارے غم، میرے سارے پل تمہارے لئے ہیں۔ تم ہو تو سب کچھ ہے اور تم کہیں نہیں ہو تو...... میں بھی کہیں نہیں ہوں...... کہیں بھی کچھ نہیں ہے۔" ایک مدھم سرگوشی دور تک فضا میں گونجتی رہی تھی۔

"مجھے تو ابھی یہ بھی کہنا تھا کہ......!
تم نے کیوں نہیں سنے وہ سارے قصے
وہ تمام حکایتیں...... وہ سب شکایتیں
کتنا کچھ تھا میرے پاس تمہیں سنانے کو
اب کس سے کہوں گا......!
کسے سناؤں گا کہ میری زندگی کھو گئی!
مجھے تو ابھی بہت کچھ کہنا تھا
تم نے ہی تو کہا تھا کہ مجھے دغا نہیں دو گی، بیچ راہ سے نہیں پلٹو گی!
میرے اردگرد، یہاں وہاں، کتنی شمعیں چپکے چپکے جلاتی رہیں تم!
اور جب ان کی لو میرے دل تک پہنچی تو تم!"

کتنا بہت سا گرم گرم پانی خاموشی سے ٹوٹ کر اس کے بے جان ساکت چہرے پر گرتا چلا گیا تھا۔

بہت سا پانی چپ چاپ آنکھوں کی باڑ پھلانگ کر مژگان کے ساکت چہرے پر گر گیا تھا۔
وہ اس کے قریب تھا۔ اس قدر کہ اس کی سانسوں کی تپش سے مژگان کا وجود سلگ سکتا تھا...... اگر اس میں ایک بھی سانس باقی ہوتی تو وہ جل چکی ہوتی۔ مگر اب وہاں فقط ایک سرد برف کا وجود تھا۔ جس پر کسی آنچ کا کوئی اثر نہ تھا۔

"سنو، کس سے کہوں گا کہ میں ہار گیا ہوں۔
کسے جا کر بتاؤں گا کہ اب میرے پاس کچھ نہیں رہا۔
کسے بتاؤں گا کہ اس خواب نگر میں اب وہ کہیں نہیں جس کے باعث سب کچھ تھا۔ میرے سارے رنگ...... میرے سارے خواب۔ اب کہیں نہیں ہیں۔ تم نے کیوں آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ تمہیں تو ابھی مجھے بہت کچھ کہنا تھا۔ بہت کچھ۔" عجیب دیوانگی کے عالم میں وہ بول رہا تھا۔

کائنات منہ پر ہاتھ دھرے روتی چلی جا رہی تھی۔

"بھائی! بھابی چلی گئی ہیں ہمیں چھوڑ کر۔ اب یہاں کوئی نہیں۔"

مگر رہبان عالم شاہ نے جیسے کچھ نہیں سنا تھا۔ جھک کر اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھے تھے اور پھر اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔

"تم نے تو ابھی یہ بھی نہیں سنا کہ آئی کین نیور سروائیو ود آؤٹ یو۔
ابھی تو...... ابھی تو...... کئی باتیں کہنے سننے کو باقی تھیں۔ اور تم۔"

عین اسی لمحے اعیان شاہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ بہت ہولے سے بھائی کو شانوں سے تھاما تھا، پھر مژگان کے منہ پر چادر ڈال کر اسے لے کر باہر نکلنے لگا تھا۔

"اعیان! تم...... تم کہو اس سے، دیکھے مجھے، وہ کیوں غافل ہو گئی ہے مجھ سے۔ کیوں کوئی بات نہیں کرتی...... کیوں کچھ نہیں سنتی۔"

"رہبان بھائی! بھابی اب یہاں نہیں ہیں۔ جا چکی ہیں پھر کبھی واپس نہ آنے کے لئے۔"

"نہیں...." وہ اس قدر با آواز بلند چیخا تھا کہ پورا ماحول اس چیخ کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔

اس کی آنکھ کھلی تھی اور وہ یکدم ہی ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا تھا۔ کمرہ نیم تاریکی میں نہایا ہوا تھا۔

گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے اس نے اپنے اوسان بحال کرنا چاہے تھے۔ سائیڈ ٹیبل سے اپنی رسٹ واچ اٹھا کر وقت دیکھا تھا۔ پھر یکدم کمبل ایک طرف ہٹا کر اٹھ گیا تھا۔

بہت سے چھپکے جلتی آنکھوں میں مارتے ہوئے اس کا ذہن مسلسل اس طرف تھا۔

واش روم سے تیزی کے ساتھ نکل کر اس نے سائیڈ ٹیبل سے چابی اٹھائی تھی اور گاڑی کا رخ ہسپتال کی جانب موڑ دیا تھا۔

اتنی رَش ڈرائیونگ کرتے ہوئے بھی اس کا ذہن اسی ایک خیال سے بندھا ہوا تھا۔ وہی صورت نگاہوں میں تھی۔

کتنے قلیل لمحوں میں وہ اس تک پہنچا تھا۔

کتنی عجلت میں اس کے روم کا دروازہ کھولا تھا۔

وہ پُرسکون انداز میں آنکھیں میچے لیٹی تھی۔ لمحہ بھر کو رک کر اس نے اسی طرح اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت دھڑکتے دل کے ساتھ قدم آگے بڑھائے تھے اور چلتا ہوا اس کے قریب آن رکا تھا۔ بہت آہستگی سے جھک کر اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ بہت نارمل انداز میں وہ سانس لے رہی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے چہرے کو چھوا تھا پھر اطمینان کی ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"تھینک گاڈ۔" اسی طرح جھکے جھکے وہ بہت دھیمی آواز میں بولا تھا۔ پھر جھک کر بہت آہستگی سے اس کی پیشانی پر لب رکھ دیئے تھے۔

مژگاں ذرا سا کسمسائی تھی مگر آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔

رہبان عالم شاہ نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا، پھر چیئر کھینچ کر اس کے قریب بیٹھ گیا تھا اور اس کا نازک ہاتھ تھام کر کتنے ہی لمحے اسی انداز میں اسے دیکھتا رہا تھا۔

ابھی کچھ دیر قبل کا دیکھا ہوا خواب کس قدر بھیانک تھا۔ رہبان عالم نے شکر کیا تھا کہ وہ فقط خواب ہی تھا۔ اگر حقیقت ہوتا تو شاید......

اور جانے کیوں اس سے آگے اس سے سوچا ہی نہ گیا تھا۔

☆......☆
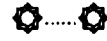
بعض اوقات کسی بات کی نفی کرتے رہنے سے انتہائی سکون سا ملتا ہے۔ حالانکہ "جھٹلانے" اور "رد" کرنے کے اس عمل سے حقیقتاً اس بات کی نفی نہیں ہوتی۔ صورتحال بتدریج وہی رہتی ہے۔ مگر اپنے طور پر اس کی نفی کر کے بعض اوقات انتہائی طمانیت محسوس ہوتی ہے۔

انا کا سر فخر سے بلند ہونے لگتا ہے۔

خود فریبی کا یہ عمل انتہائی مسرور کن ہوتا ہے۔

اعصار شیخ بھی مسلسل اسی کیفیت کے زیر اثر تھا۔

مسلسل ایک تصور کو جھٹلا کر وہ دوسروں سے زیادہ خود کو فریب دے رہا تھا۔

اس شام وہ یونہی امینہ چچی کی طرف نکل آیا تھا۔ وہ ادعیہ کی کتنی ہی تصویریں پھیلائے بیٹھی تھیں۔

"بہت دنوں بعد آج ادھر آئے۔" اسے دیکھا تو حسب معمول ملائمت سے مسکراتے ہوئے دریافت کیا وہ جواباً کچھ نہ کہہ سکا۔ تبھی رانیہ آ گئی۔

"اعصار بھائی آپ؟ آج اتنے دنوں بعد رستہ بھول گئے ہیں کیا؟ جب سے ادعیہ آپی گئی ہیں، آپ بھی پرائے ہو گئے ہیں۔" عجب ایک شکوہ سا تھا اس کے لہجے میں۔ وہ اپنی جگہ چور سا بن گیا تھا۔

"بس مصروفیت بہت رہی۔" یونہی جواز تراشنا چاہا مگر رانیہ اس کی سنے بغیر امینہ بیگم کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"اور آپ پھر یہ تصویریں نکال کر بیٹھ گئیں؟ جب سے ادعیہ آپی گئی ہیں، آپ کی بس ایک ہی مصروفیت رہ گئی ہے۔ کوئی اور انہیں یاد کرے نہ کرے، آپ ہرگز نہیں بھولتیں۔" پتہ نہیں وہ مذاق کر رہی تھی یا پھر طنز کا کوئی انداز تھا۔ اعصار شیخ نگاہ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگا تھا۔

"میں تو ماں ہوں۔ ماں بھی کبھی اپنے بچوں کو بھول سکتی ہے؟" امی کی آنکھوں میں یکدم ہی نمی تیر کر رہ گئی تھی۔ اعصار شیخ خود کو اس صورتحال میں یکسر مس فٹ محسوس کر رہا تھا۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔

کتنی ہی دیر تک وہ خاموشی سے بیٹھا رہا تھا۔

رانیہ تصویریں سمیٹ رہی تھی، جب امی نے اس کی طرف دیکھا۔

"تم سناؤ، گھر میں سب خیریت ہے؟ اماں کیسی ہیں؟" ساس کے متعلق پوچھا۔

"جی سب ٹھیک ہیں۔ دادی اماں آنا چاہ رہی تھیں کہ اچانک کچھ گیسٹ آ گئے۔ صبح وہ ضرور آئیں گی۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"رانیہ! بھائی کے لئے چائے بنا کر لاؤ۔" امینہ بیگم نے رانیہ کی سمت دیکھا۔

"جی بہتر۔" اس نے سر ہلایا اور پھر پلٹ کر کمرے سے نکل گئی۔

وہ سر جھکائے کتنی دیر تک مجرمانہ انداز میں بیٹھا رہا۔ امی بھی خاموش رہیں۔

"آپ......آپ ٹھیک ہیں؟" اعصار شیخ نے بالآخر سر اٹھایا۔ امی ہولے سے مسکرا دیں۔

"ہاں......بس گزر رہی ہے۔"

"عمر وغیرہ نظر نہیں آ رہے؟"

"تانیہ ضد کر رہی تھی، اسے لے کر پارک تک گیا ہے۔"

"شجاع اور علی ابھی لوٹے نہیں؟" اعصار شیخ نے موضوع ڈھونڈا۔

"نہیں۔ فون آیا تھا رات۔ بہت خوش ہیں دونوں۔ اولاد خوش ہو تو والدین کے دل بھی

مطمئن رہتے ہیں۔ اولاد کا سکون اپنا سکون لگتا ہے۔"

وہ جواباً کچھ نہ کہہ سکا۔ رانیہ چائے لے کر آ گئی۔

"کتنی شکر لیں گے آپ؟"

"ایک چمچ۔" دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

رانیہ نے شکر ملا کر کپ اس کی سمت بڑھایا۔

"ادعیہ آپی جیسا ذائقہ تو میرے ہاتھ میں نہیں۔ مگر گزارہ بہرحال ہو جائے گا۔" کپ تھماتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔ اعصار شیخ کو جواباً جیسے مجبوراً مسکرانا پڑا تھا۔

"رانیہ! تم رات کے کھانے کی تیاری کرو۔ ابھی عمر آ جائے گا تو شور مچانا شروع کر دے گا۔" امی جیسے اسے دانستہ ہٹانا چاہ رہی تھیں۔

رانیہ نے ایک نظر اعصار شیخ کی طرف دیکھا تھا، پھر آہستگی سے اٹھی تھی اور پلٹ کر باہر نکل گئی تھی۔ امی اعصار شیخ کی جانب دیکھنے لگی تھیں۔

"آپ ناراض ہیں مجھ سے؟" اس نے یکدم سر اٹھایا تھا۔ امی نے اسے دیکھا تھا، پھر دھیمے سے مسکرا دی تھیں۔

"نہیں...... تمہاری کوئی خطا نہیں۔" امی نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے یکدم ہی اسے بری الذمہ کر دیا تھا اور اس اقدام نے اسے مزید شرمندہ کر دیا تھا۔ وہ خاموشی کے ساتھ سر جھکا گیا تھا۔ ہاتھ میں تھما چائے کا کپ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اس نے یکدم ہی کپ ٹیبل کی سطح پر دھرا تھا اور اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"اب میں چلتا ہوں۔" مدھم لہجے میں کہا تھا۔ عجیب الجھا ہوا انداز تھا۔ امی نے اسے دیکھا تھا۔ پھر ہولے سے مسکرا دی تھیں۔

"آتے جاتے رہا کرو۔"

"جی بہتر۔" وہ فوراً ہی پلٹ کر باہر نکل آیا تھا۔ ڈرائیونگ کرتے ہوئے بھی اس کا ذہن اسی قدر الجھا ہوا تھا۔ خیال کی ڈور اسی ایک تصور سے بندھی ہوئی تھی۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا تھا۔

جانے کیا ہوا کچھ پتہ ہی نہ چل سکا مجھے
کیسے ہو گئی وہ جدا
ٹوٹے سپنے میرے!
نہیں اب وہ شامیں، دن وہ سہانے

پیار میں جو بھی گزرے
بھولنا چاہتا ہوں
بھول تو رہا ہوں
وہ پیار کے سلسلے

فریب دوسروں کو دیا جا سکتا ہے۔ دھوکا دوسروں کو دیا جا سکتا ہے، خود کو نہیں۔ کتنا بھی بھاگ لیا جائے۔ آخر کار ان لمحوں کا سامنا کرنا ضرور پڑتا ہے جب ایک پچھتاوا یکدم ہی دامن گیر ہوتا نظر آتا ہے اور تب ان لمحوں سے فرار جیسے ناممکن ہوتا ہے۔

اعصار شیخ لب بھینچے ونڈ اسکرین کی جانب دیکھے جا رہا تھا۔

مگر کوئی بات مسلسل کچوکے لگا رہی تھی۔

کوئی پچھتاوا مسلسل دامن گیر تھا۔

خود احتسابی کا یہ عمل کس قدر جاں گسل تھا۔

......

مژگان نے بمشکل پلکیں کھولنے کی کوشش کی تھی۔ پلکوں پر ایک شدید بوجھ تھا۔ ذہن کسی قدر ماؤف تھا، تکلیف سے لب بھینچ کر اس نے پلکوں کو لمحہ بھر کو میچا تھا، پھر آہستگی سے ایک بار پھر آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی۔ بار بار پلکیں جھپکتے ہوئے وہ اپنے سوئے ہوئے ذہن کو جیسے بیدار کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہوش مندی کا یہ پہلا لمحہ تھا۔

ماحول غیر مانوس تھا۔

صورتحال یکسر مختلف تھی۔ اس کا دھیان رہبان عالم شاہ کی سمت گیا تھا جو اس کے بیڈ کی پٹی دھرے ہاتھ پر سر دھر کے جانے کب یونہی سو گیا تھا۔ اس نے اپنے حواس کو بحال کرتے ہوئے صورتحال سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ اپنے ہاتھ کو ذرا سی جنبش دی تھی، تبھی رہبان عالم شاہ کی آنکھ کھل گئی تھی۔ وہ فوراً ہی سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھنے لگا تھا۔

مژگان نے جیسے ایک پُر درد کیفیت سے گزرتے ہوئے سسکی لی تھی۔

"کیا ہوا......؟" رہبان عالم شاہ فوراً ہی مستعد ہو کر اس کی جانب جھکا تھا۔ مژگان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے پھر آنکھیں موند لی تھیں۔

"مژگان! آر یو فیلنگ آل رائٹ؟" رہبان عالم شاہ کی جیسے جان پر بن گئی تھی۔ مژگان نے ہولے سے آنکھیں کھولی تھیں۔ اسے بغور دیکھا تھا۔ مگر بولی کچھ نہیں تھی۔

"مژگان تم ٹھیک تو ہو نا؟" رہبان عالم شاہ نے اس کا ہاتھ تھام کر بہت دھیمے سے دریافت

کیا تھا۔ لہجے میں بے پناہ شدت تھی۔

مژگان کچھ دیر تک اسے اسی طرح دیکھتی رہی تھی۔ پھر سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''تم...... تم گھر کیوں...... کیوں نہیں گئے......؟'' بہت مدھم لہجے میں وہ بمشکل بولی تھی۔

''تمہارے پاس پھر کون ہوتا؟'' اس نے مکمل توجہ سے دیکھتے ہوئے ہولے سے وہ گویا ہوا تھا۔

''تم...... تمہیں آرام...... کی ضرورت تھی۔ تم......'' اس نے ابھی جملہ مکمل نہیں کیا تھا، جب رہبان عالم شاہ نے بہت آہستگی سے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

''اوں ہوں...... چپ رہو۔ فی الحال زیادہ آرام کی تمہیں ضرورت ہے۔'' بہت مدھم لہجہ تھا۔ مژگان کتنے ہی پل خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

''درد تو نہیں ہو رہا؟'' بہت کیئرنگ انداز میں دریافت کیا گیا تھا۔ مژگان نے اُسے دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ پھر پلکیں دوبارہ موند لی تھیں۔ پھر اسی طرح آنکھیں موندے موندے بولی تھی۔

''ام...... اماں نہیں آئیں؟''

''سب...... سب آئے تھے...... سب پاس تھے تمہارے۔'' مدھم لہجے میں جواب دیا گیا۔

''اور تم؟'' مژگان نے پھر بمشکل آنکھیں کھولیں۔ ''تم...... تمہیں آفس نہیں جانا؟''

وہ دھیمے سے مسکرایا۔ ''تم ٹھیک ہو جاؤ۔ پھر چلا جاؤں گا۔'' مکمل توجہ سے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے جواب دیا۔

مژگان یونہی خاموشی سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔ تبھی وہ آہستگی سے بولا۔ ''تم سو جاؤ۔ ڈاکٹر نے تمہیں بات کرنے سے منع کیا ہے۔'' اس کے نرم لہجے میں دیئے گئے حکم پر کچھ دیر تک مژگان نے اسے یونہی دیکھا تھا پھر بہت آہستگی سے پلکیں دوبارہ موند گئی تھی۔ جانے کیوں تب اچانک ہی اس کی پلکوں کے کناروں سے پانی کے قطرے ٹوٹ کر تکیے میں جذب ہو گئے تھے۔

''مژگان! درد ہو رہا ہے؟'' اس کی کیفیت پر ایک بار پھر اس نے تڑپ کر پکارا تھا۔ مگر تب اس نے پلکیں موندے موندے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

رہبان عالم شاہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا تھا۔

✿......✿
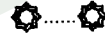
وہ ٹیرس پر چپ چاپ بیٹھی ایک سمت تکے چلی جا رہی تھی جب سیّد وجاہت شاہ اس کے قریب آن رکے تھے۔

وہ چونکی تھی انہیں یکدم سامنے پا کر۔ وہ ہولے سے مسکرا دیئے تھے اور اس کے سر پر ہاتھ

یا تھا۔ انداز میں ایک خاص لگاوٹ تھی۔ ایک خاص محبت تھی۔ جسے سیو سمجھنے سے قاصر، یکسر رہی تھی۔ شاید تبھی انہیں ایک ٹک دیکھے گئی تھی۔

سیّد وجاہت شاہ کے لئے یہ لمحے کڑی آزمائش کے تھے۔ اپنی اولاد سامنے تھی مگر وہ چاہتے ئے بھی اس سے لگاوٹ کا مظاہرہ نہ کر سکتے تھے۔ اسے ساتھ لگا کر اس کی پیشانی پر لب نہ رکھ تے۔ عجب قدغن لگائی تھی وقت نے۔

ان کے مسلسل دیکھنے پر سیو کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر جھکا گئی تھی۔

''اتنی اداس سی کیوں ہے ہماری بچی؟''

سیو نے یکدم سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ ان کی نگاہوں ہت حلاوت پھوٹ رہی تھی۔ سیو نے انہیں ایک نظر دیکھا تھا پھر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''آپ چائے پئیں گے؟''

جاہت شاہ نے ایک نظر اسے دیکھا تھا، پھر مسکراتے ہوئے سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ وہ پلٹی تھی ر کی جانب بڑھ گئی تھی۔ ''یہ حد فاصل'' یقیناً اپنا مقام باور کرانے کو تھی۔

یّد وجاہت شاہ کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔

✿......✿

تایا ابا آئے تھے ملنے کے لئے۔ اور اگرچہ وہ کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی مگر کتنی ہی دیر تک ان اتھ لگی بے آواز آنسو بہاتی رہی تھی۔

تایا ابو ہولے ہولے اس کا سر تھپکتے رہے تھے۔

ل کا بوجھ جب قدرے ہلکا ہوا تھا تو اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

''امی کیسی ہیں...... رانیہ اور عمر وغیرہ؟''

''سب ٹھیک ہیں......'' تایا ابا ہولے سے مسکرائے۔ وہ بھیگی بھیگی آنکھوں کو ہاتھ کی پشت کر صاف کرنے لگی۔ تبھی تایا ابا بولے۔

''سب بہت یاد کرتے ہیں۔''

ہ خاموشی سے دیکھ کر سر جھکا گئی تھی۔

''امی کو معلوم ہے، آپ یہاں آئے ہیں؟'' اس نے ایک آس سے دریافت کیا۔ شاید کوئی پیام، کوئی خاص فقرہ، محبت سے گندھا کوئی جملہ جو بطور خاص اس کے لئے بھیجا گیا ہو۔ مگر سر جھکا گئے تھے۔ پھر قدرے توقف سے بولے۔

''تمہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟''

اس نے بہت ہولے سے سرنفی میں ہلا دیا۔ پھر بہت مدھم انداز میں بولی۔ ''امی ناراض ہیں نا مجھ سے؟''

تایا ابا نے بہت ہولے سے سرنفی میں ہلا دیا۔ ''والدین کبھی بھی اپنے بچوں سے ناراض نہیں ہوتے۔''

وہ کچھ دیر تک سر جھکائے بیٹھی رہی۔ پھر بہت آہستگی سے بولی۔ ''آپ کو لگتا ہے کہ میں نے کوئی غلطی کی ہے، میرا کوئی اقدام غلط ہے؟''

انہوں نے اسے دیکھا، پھر دھیمے سے مسکرا دیئے۔

''نہیں۔'' ان کا جواب مختصر تھا۔ وہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ تبھی انہوں نے اس کے سر پر بہت ہولے سے ہاتھ دھر دیا تھا۔ ادعیہ نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا پھر بمشکل اپنے لبوں کو مسکرانے پر مائل کیا تھا۔

''یہاں کوئی پرابلم تو نہیں؟'' تایا ابا نے حلیم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ اس نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

✿......✿

مژگان کی کیفیت دن بدن سنبھلتی جا رہی تھی۔ وہ تیزی سے صحت یابی کی جانب گامزن تھی۔

''اٹس اے گڈ امپروومنٹ۔'' ڈاکٹر نے اس کا چیک اپ کرتے ہوئے کہا تو رہبان عالم شاہ نے اطمینان کی ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

اعیان شاہ مسکرا دیا تھا۔ ''ڈاکٹر صاحب! جن کے تیماردار اتنے مستعد ہوں، وہ مریض کیوں نہ ٹھیک ہوں گے۔ یہ تمام کا تمام کریڈٹ رہبان بھائی کو جاتا ہے۔''

مژگان بہت دھیمے سے مسکرائی تھی۔ نظریں کونے میں کھڑے رہبان عالم شاہ پر جا ٹھہری تھیں۔ تبھی اعیان گویا ہوا تھا۔

''بھابی! اب تو جلدی سے ٹھیک ہو کر گھر کو چلو...... بیچارے بھیا کی صحت آدھی نہیں رہی ہے ہسپتال کے چکر کاٹ کاٹ کر...... اتنی محبت تو مجنوں نے بھی لیلیٰ سے نہیں کی ہوگی۔ آپ دونوں تو واقعی نئی تاریخ رقم کر رہے ہیں۔''

کمرے میں موجود سبھی افراد مسکرا دیئے تھے، جبکہ مژگان خجل سی ہو کر رہ گئی تھی۔ نگاہ اس شخص سے ملی تھی۔ وہ بغور دیکھ رہا تھا۔ ہمیشہ نک سک سے رہنے والا شخص اس لمحے خاصا بکھرا بکھرا سا لگ رہا تھا۔ وہ جانے کیوں نگاہ پھیر گئی تھی۔ تبھی کمرے کا دروازہ ہلکی سی دستک کے ساتھ کھلا تھا اور حیدر علی نواز سومرو نے سر اندر ڈال کر جھانکا تھا۔

''کیا میں حاضر ہوسکتا ہوں؟''

کمرے میں موجود سب افراد نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر ابا جی نے سب کو کمرے سے نکلنے کا اشارہ کیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی سب ایک ایک کر کے کمرے سے نکلتے چلے گئے رہبان عالم شاہ بھی ان کی تقلید کرنے والا تھا جب حیدر علی نواز نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔

''آپ تو رکیں...... آپ سے کیا پوشیدہ ہے۔''

رہبان عالم شاہ نے مژگان کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی نگاہوں میں تحیر کی اور بے چینی کی واضح لکیر تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کے قریب جا رکا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے جھک کر ایک مدھم سرگوشی کی تھی۔

''حیدر علی نواز کے متعلق جو مس انڈر اسٹینڈنگ ہوئی تھی، وہ اسی کو دور کرنا چاہتے ہیں۔''

مژگان نے جواباً کچھ سنے بغیر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ عجب عدم تحفظ تھا۔

رہبان عالم شاہ نے اس کے نازک سے ہاتھ کو دیکھا تھا۔ پھر اپنا دوسرا ہاتھ اس کے ہاتھ پر ہوئے ہولے سے مسکرایا تھا۔ ''اب کوئی دشمنی نہیں ہے انہیں تم سے۔ اپنے کیے پر نادم ہیں ں روز بھی تمہیں یہی باور کرانا چاہتے تھے مگر...... خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں ہوں ہ مدھم لہجے میں بولا تھا۔ مژگان نے اسے دیکھا تھا۔ اس کی دھڑکنیں معمول پر آنے لگی ۔ تبھی حیدر علی نواز نے اس کی جانب پیش قدمی کی تھی۔ مژگان کو کچھ دیر تک خاموشی سے تھا، پھر ہاتھ اس کے سر پر دھر دیا تھا۔

''کیسی ہے ہماری دھی......؟''

مژگان کے لئے یہ انداز، یہ لہجہ، یہ الفاظ قطعاً غیر متوقع اور غیر مانوس تھے۔ کتنی ہی دیر وہ سے تکتی رہی تھی، تبھی وہ بہت آہستگی سے بولے تھے۔

''ہم اپنے کیے پر پشیمان ہیں۔ جو کچھ بھی ہم سے سرزد ہوا اگرچہ وہ قابل معافی نہیں مگر ہم کیے کی معافی تم سے ضرور طلب کریں گے۔ بیٹیاں تو بڑا نرم گوشہ رکھتی ہیں اپنے دل میں۔ دھی کیا ہمیں معاف نہیں کرے گی؟'' کتنا ٹھہراؤ تھا لب و لہجے میں...... کوئی انقلاب تھا مژگان ایک ٹک تکتی گئی تھی۔

''ہمیں بہت دیر سے احساس ہوا۔ مگر خدا کی قسم ہم بہت پشیمان رہے۔ ایک احساسِ جرم ستاتا رہا، ہم تمہاری تلاش میں سرگرداں رہے کہ کسی طرح اپنے کیے کی تلافی کر سکیں۔ مگر قسمت جب تم ہمیں ملیں بھی تو ہمارے باعث اور مشکل میں گھر گئیں۔ ہم سمجھتے تھے بیٹیاں ہوتی ہیں اور خاندانی حسب نسب اور وراثت صرف بیٹوں کا حق ہے۔ مگر وقت نے ہمیں

غلط ثابت کیا۔ ہماری سوچ کو یکسر تبدیل کر دیا۔ اب ہمارے دل میں تمہارا اتنا ہی تقدس ہے جتنا کہ ایک بیٹی کا ہوتا ہے۔ بے شک تم ہم سے کوئی واسطہ نہ رکھنا۔ پھر کبھی مت ملنا، مگر ایک بار ہمارے کئے پر ہمیں معاف ضرور کر دو۔ ہم بابا سائیں کی روح کے سامنے سرخرو ہونا چاہتے ہیں۔"

مژگان کچھ نہیں بولی تھی۔ مگر بہت چپکے سے اس کی آنکھوں سے پانی نکل کر رخساروں پر بہہ نکلا تھا۔

"مجھ...... مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔" اس نے بمشکل فقرہ مکمل کیا تھا۔

حیدر علی نواز نے تشکر کے ساتھ مژگان کو دیکھا تھا۔ "شکریہ...... آج تم نے ہمیں بہت بڑے بوجھ سے بری کر دیا۔ جیتی رہو۔" انہوں نے بہت محبت کے ساتھ اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ دھرا تھا۔ پھر پلٹ کر باہر نکل گئے تھے۔

مژگان چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے فقط خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔ کہا کچھ نہیں تھا۔

✿......✿

اماں جیسے ایک مناسب صورت حال کی تلاش میں تھیں۔ اور جیسے ہی انہیں مناسب گھڑی ملی تھی، انہوں نے سیو کو اصل صورتحال سے مطلع کر دیا تھا۔ سیو کتنی ہی دیر تحیر بھری نگاہ سے انہیں تکتی رہی تھی۔

اماں نے اسے پکڑ کر اپنے ساتھ بھینچ لیا تھا۔

سیو کی سماعتوں میں اعیان شاہ کا جملہ گونجا تھا۔

"تم نے کبھی کہانیاں پڑھی ہیں، آئی مین ٹپیکل الف لیلوی کہانیاں؟" اور اس کے ساتھ ہی اس کی نگاہوں میں سید وجاہت شاہ کا چہرہ گھوم گیا تھا۔ کیسی حلاوت تھی انداز میں...... کیسی شفقت تھی ان کی نگاہوں میں اس کے لئے...... اس گھڑی تو یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ اور اس روز رہبان عالم شاہ کا انداز کس قدر اپنائیت لئے ہوئے تھا۔

"تم ہم میں سے ہو۔" کتنا کچھ باور کرا دینے کو کافی تھا یہ جملہ۔ مگر اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ یہ جملہ کس مفہوم میں ہے۔

پانی کے کتنے قطرے چپکے چپکے اس کی پلکوں کے کناروں سے ٹوٹ کر اماں کے شانے میں جذب ہونے لگے تھے۔

"پاگل...... خوشی کی گھڑی میں بھی کوئی روتا ہے؟"

اپنے بے توقیر ہونے اور کم حیثیت ہونے کا احساس یکدم ہی جاتا رہا تھا۔ کس قدر جان سلگا

کرتی تھی۔ وہ جیسے زمین کی خاک تھی اور آج یکدم ہی اس کا نصیبہ بدل گیا تھا۔ وقت نے کیسا پلٹا کھایا تھا۔ اس کے لئے فی الحال سب کچھ ناقابل یقین تھا۔

وقت نے اس کی حیثیت بدل دی تھی۔ اس کی قدر و قیمت بدل دی تھی۔ کوئی الف لیلوی داستان نہیں تھی۔ حقیقت تھی۔ مگر وہ خود بہت حیران تھی۔

سید وجاہت شاہ نے اسے جب اپنے ساتھ لگایا تھا، تب بھی وہ اسی کیفیت کا شکار تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے رویے کا مظاہرہ کرے۔ کل تک وہ اس گھر کی خادمہ تھی۔ ایک خدمت گزار تھی اور وقت نے یکدم اسے محلوں کی شہزادی بنا دیا تھا۔

✿......✿

وہ مانی کے ساتھ بیٹھی کیرم کھیل رہی تھی جب فاکہہ نے آ کر اسے مطلع کیا تھا کہ اس کا فون ہے۔ وہ لحہ بھر کو چونکی تھی، پھر فون اسٹینڈ تک آ گئی تھی۔

"ہیلو، ادعیہ! کیسی ہو؟" دوسری طرف شجاع تھی۔ اس کے چہرے پر لحہ بھر میں ہی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

"شجاع تم......؟" اسے جیسے یقین نہ آیا تھا۔ کتنے دنوں بعد کسی اپنے کی آواز سنی تھی۔ دل یکدم ہی سرخوشی سے بھر گیا تھا۔

"کیسی ہو تم؟" شجاع نے دریافت کیا تھا۔ اس کا لہجہ اسی پرانی شجاع کا سا تھا۔ وہی شجاع جو ایک محبت کرنے والی ذمے دار بڑی بہن تھی۔

"ٹھیک ہوں، تم کیسی ہو؟" جانے کیوں اس کی آنکھوں میں یکدم ہی نمی تیرنے لگی تھی۔ "علی بھائی کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں ہم۔ امی تمہیں بہت یاد کر رہی ہیں۔ اور ہم سب بھی۔"

اس ایک جملے نے کس قدر سکون بخشا تھا۔ اندر کس قدر ٹھنڈک بھر گئی تھی۔

"اچھا......" وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔ "امی کی بات ہوئی تم سے؟"

"ہاں...... ہاں باتیں ہی ہو رہی ہیں۔ انہی کے گھر ہیں ہم۔"

"انہی کے گھر؟" وہ حیران ہوئی۔

"ہاں، ہم واپس لوٹ آئے ہیں۔ سوچا تھا، واپسی پر تم سے ملوں گی۔ مگر پھر اطلاع ملی کہ علی شاہ کی امی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں، سو سیدھے یہاں کے لئے سدھار لئے۔" شجاع نے کہا۔ اس کی آواز میں سرخوشی تھی۔ وہ یقیناً ایک خوبصورت زندگی گزار رہی تھی۔ اس کے اندر کی خوشی نے اس کی آواز کو ایک خاص آہنگ دے دیا تھا۔

''امی......امی ٹھیک ہیں؟'' اس کا لہجہ بہت بجھا بجھا سا تھا۔

''ہاں۔ بات کرو گی؟'' شعاع مسکرائی تھی۔

''ہاں۔'' اس نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ پھر کچھ دیر بعد ریسیور امی کے حوالے کر دیا گیا تھا۔

''ہیلو!'' ان کی آواز ادعیہ کی سماعتوں میں جیسے زندگی بن کر دوڑی تھی۔

''ہیلو امی۔'' اس کی آواز اندرونی کیفیات کے باعث رندھ گئی تھی۔

''ہیلو ادعیہ بیٹا! کیسی ہو تم؟'' انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں دریافت کیا تھا۔

''جی ٹھیک ہوں۔'' اس نے بمشکل جملہ مکمل کیا تھا۔ ''آپ ٹھیک ہیں؟'' اس کی آنکھوں سے پانی بہہ نکلا تھا۔ اس نے کوئی تردد نہیں کیا تھا۔ آنسوؤں کو یونہی بہنے دیا تھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔ تم رو رہی ہو؟'' یہ ماں تھیں...... اتنی دوری پر بیٹھے ہونے کے باوجود اسے بنا دیکھے وہ اندازہ کر سکتی تھیں کہ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔

''آپ...... آپ ناراض ہیں نا......؟'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ امی لمحہ بھر کو چپ ہو گئیں، پھر قدرے توقف سے بولیں۔

''نہیں...... میں تم سے ناراض نہیں ہوں۔''

''پھر آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کرتی تھیں؟''

''تمہاری جاب کیسی جا رہی ہے؟'' امی نے یکدم ہی سوال تبدیل کر دیا تھا۔ وہ چپ ہو گئی تھی۔ تبھی امی بولی تھیں۔ ''اپنا خیال رکھا کرو۔''

''جی۔'' اس کی آنکھوں کے بادل اور بھی گہرے ہو گئے تھے۔ ایک جھڑی سی لگ گئی تھی۔

''رانیہ، عمر اور ثانیہ کیسے ہیں؟''

''سب تمہیں یاد کرتے ہیں۔''

''اور آپ؟'' اس نے یکدم دریافت کیا تھا۔ امی چپ ہو گئی تھیں۔ پھر قدرے ٹھہر کر بولی تھیں۔

''ماں کبھی اپنے بچوں سے غافل نہیں رہ سکتی۔'' امی کا انداز اب بھی کسی قدر خفا خفا سا تھا۔ ادعیہ چپ ہو کر آنکھیں رگڑنے لگی۔

''امی۔'' یکدم ہی اس نے آہستگی سے پکارا تھا۔

''ہوں۔''

''آپ...... آپ بہت یاد آتی ہیں۔'' اس لمحے وہ جیسے بالکل بچی تھی۔

امی نے جواباً کچھ نہیں کہا تھا۔ حالانکہ وہ کتنا کچھ سننا چاہتی تھی ان سے۔ کتنی بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی ان سے۔ مگر دوسری جانب سے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا تھا۔ اور تب وہ ریسیور کریڈل پر ڈال کر پلٹی تھی۔

فاکہہ اس کے سامنے چائے لئے کھڑی تھی۔ اس نے اپنی بھیگی پلکوں کو ایک بار پھر ہاتھ کی پشت سے رگڑا تھا اور پھر سر جھکا گئی تھی۔

فاکہہ نے اسے بغور دیکھا تھا، پھر ہولے سے مسکرا دی تھی۔

''ماں دنیا کا خوبصورت ترین رشتہ ہے۔ ہم جتنے بھی بڑے ہو جائیں، ان کے سامنے بچے ہی رہتے ہیں۔''

ادعیہ فوری طور پر کچھ نہیں بولی تھی۔ بس سر اٹھا کر انہیں دیکھا تھا اور پھر ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ سے چائے کا کپ تھام لیا تھا۔

''تم اس ویک اینڈ پر جا کر سب سے مل کیوں نہیں آتیں؟ تمہارے شوہر نامدار بھی خاصے لاتعلق بیٹھے ہیں تم سے۔ کہتے ہیں، شوہروں کو اتنی لمبی چھوٹ نہیں دینا چاہئے۔ مرد دنیا کی ناقابل اعتبار ہستی ہے۔'' ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ وہ یقیناً موضوع تبدیل کر کے اس کا دھیان بٹانا چاہ رہی تھیں۔ مگر ادعیہ نہیں مسکرائی تھی۔ وہ اس لمحے تنہا رہنا چاہتی تھی۔ جب فاکہہ اس کا ہاتھ تھام کر باہر لے آئی تھی۔

''کہتے ہیں، جب موڈ خراب ہو تو پھولوں کو دیکھنا چاہئے، رنگوں کو دیکھنا چاہئے۔ نیچر انسان کی طبیعت پر بہت اچھا اثر ڈالتی ہے۔ ویسے تو خیر سے تم خود دلکش ترین پھول ہو، جس طرح ہیرے کی قدر جوہری ہی جان سکتا ہے اسی طرح تمہاری قدر فقط اعصار بھائی ہی بتا سکتے ہیں۔ ان کی نگاہ میں تم دلکش ترین ہو گی۔ ویسے تو مرد قوم دنیا کی جھوٹی ترین قوم ہے، مگر ان کی ایک خاصیت بہت اچھی ہے، یہ تعریف کے معاملے میں جھوٹ نہیں بولتے۔ جی کھول کر سراہتے ہیں اور تشبیہات کا استعمال کرتے ہوئے اس قدر زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں کہ سب واقعی سچ لگتا ہے۔'' فاکہہ مسکرا رہی تھیں۔ یکدم ہی اس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

''دیٹس لائک اے گڈ گرل۔'' فاکہہ نے اس کا شانہ ہولے سے تھپتھپایا تھا۔ ''تم مجھے بڑی بہن کی جگہ رکھ سکتی ہو۔ اعصار تو مجھے بھابی کہتا ہے۔ جب تم سے اس کی شادی نہیں ہوئی تھی تو اکثر اس کا آنا جانا رہتا تھا۔ تب وہ لمبی لمبی سرد ترین آہوں کے ساتھ تمہارا ذکر اکثر کرتا رہتا تھا۔ بالکل مجنوں تھا وہ تمہارے لئے۔'' فاکہہ مسکرا رہی تھیں۔

''تب میں اکثر سوچا کرتی تھی کہ وہ کیسی لڑکی ہو گی جس نے اس جیسے بندے کو دیوانہ بنا

دیا۔ مگر تمہیں دیکھ کر لگا کہ واقعی تم اس قابل ہو کہ کوئی تمہیں چاہے اور دیوانگی کی انتہا پر پہنچ جائے۔ ہم تمہاری شادی میں نہیں آسکے مگر تمہیں دیکھنے کا واقعی مجھے بہت اشتیاق تھا۔''

ادعیہ کچھ نہیں بولی تھی۔ سر جھکا کر کپ کی سطح کو تکنے لگی تھی۔ اور تب فا کہہ اسے مصنوعی خفگی سے گھورنے لگی تھی۔

''تم اعصار شیخ کو بھی اسی طرح تنگ کرتی ہو؟'' پھر لمحہ بھر کو رک کر مسکرائی تھی۔ ''میرے خیال میں اس سے بھی کہیں زیادہ۔'' اس کا انداز ایسا تھا کہ ادعیہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔

❁......❁

کتنی بار سامنا ہوا تھا۔ آج سے قبل کتنی بار وہ اس کے مد مقابل گئی تھی۔ مگر آج فضا کس قدر مختلف تھی۔ کل تک جس لڑکی میں اتنا اعتماد نہ تھا کہ اس کے قریب سے بھی گزر سکتی۔ قدم کس طرح لڑکھڑا جایا کرتے تھے۔ نظریں اٹھا کر دیکھنے تک کی سکت نہ تھی اس میں۔ دل کی دھڑکنوں کا شور یکدم ہی کان پھاڑنے لگتا تھا۔ سانس لینا تک محال ہو جایا کرتا تھا۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وہ کبھی اس طرح سے اس کے مد مقابل کھڑی ہوگی اور اس کی سمت دیکھ سکے گی۔ کس قدر بدل گیا تھا سب کچھ۔ وقت نے ہر منظر کو تبدیل کر دیا تھا۔ ہر رنگ کو نئے رنگ میں رنگ دیا تھا۔

وہ جو کل تک اس کے لئے بلند ترین آسمان تھا، جسے وہ سر اٹھا کر دیکھنے تک کی سکت نہیں رکھتی تھی، آج وہ اس کے مد مقابل کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

''کوائٹ اے گڈ چینج۔ سم تھنگ لائک اے ریوولوشن۔'' وہ اس کی سمت دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔ انداز پُر اعتماد تھا۔ آج کی اس سیو اور کل کی سیو میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ساری بات اس تعلق کے باور ہونے کی بھی نہ تھی۔ یہ اعتماد اسے اس انکشاف سے بھی قبل ملا تھا۔ یہ بھی وقت کی دین تھی۔ اسی وقت نے مہرباں ہو کر اس کی انگلی تھامی تھی۔ اور اس گرتی پڑتی لڑکی کو یکدم ہی ہاتھ تھام کر مضبوطی سے کھڑا کر دیا تھا۔ آج وہ اعتماد سے شاہراہِ حیات پر رواں دواں تھی۔ اسے چلنا آ گیا تھا، سوچنا آ گیا تھا، بولنا آ گیا تھا...... اپنا نقطہ نظر واضح کرنا آ گیا تھا۔ اور اس سب کچھ کے ہونے میں سب سے بڑھ کر مژگان کا ہاتھ تھا۔

''آپ نے ٹھیک کہا تھا۔ یہ سب بالکل الف لیلوی داستانوں جیسا ہے۔ حقیقت سے جس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ مگر یہ...... یہ سب حقیقت ہے جسے تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔'' اس کے پُر اعتماد انداز پر وہ اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

''کیسا لگ رہا ہے سب؟'' پتہ نہیں وہ کیا جاننا چاہتا تھا۔ وہ ہولے سے مسکرا دی تھی۔

''ناقابلِ یقین۔'' اس کا جواب مختصر تھا۔ وہ کہہ کر سر جھکا گئی تھی۔ اعیان عالم شاہ اس لڑکی کو بغور دیکھنے لگا تھا۔ تبھی اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

''آپ اس روز بتانے والے تھے۔ پھر بتایا کیوں نہیں؟''

''اب تو جان گئی ہو تم۔'' وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔ اس نے دیکھا تھا، پھر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

''مژگان بھابی اب کیسی ہیں؟'' سیو نے یکدم ہی موضوع بدل دیا تھا۔

''پہلے سے بہت بہتر۔''

''انہیں پتہ چلے گا تو وہ بھی شاید اسی قدر حیران ہوں گی۔'' وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔ وہ بھی مسکرا دیا تھا۔

''تمہیں اس چینج کو قبول کرنا چاہئے۔ جو کچھ ہے، وہی سچ ہے۔ وہی اصل ہے۔'' اعیان عالم شاہ نے باور کرانا چاہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر چپ چاپ دیکھا تھا، پھر گہری مسکراہٹ اس کے لبوں کا احاطہ کر گئی تھی۔

''یہ وقت بھی کتنا ظالم ہے۔'' ایک جملہ بہت کچھ باور کرانے کو کافی تھا۔ اعیان عالم شاہ سر جھکا گیا تھا۔ تبھی وہ بولی تھی۔

''یہ حوالہ میرے لئے بہت معتبر ہے۔ مگر میں اب بھی وہی پرانی والی سیو ہوں۔ اس کچے مکان میں چلتی پھرتی سیو...... میرے اندر سے وہ لڑکی نکل نہیں سکی...... نہ ہی نکل سکتی ہے...... میں ہی کیا...... کوئی بھی شاید اپنی اصل سے باہر نہیں آ سکتا۔''

اعیان عالم شاہ خاموشی سے اس لڑکی کو دیکھتا رہا تھا جو کل تک انتہائی درجے کی پگلی تھی، مگر آج اسی قدر پُر اعتماد انداز میں عقل و خرد کی باتیں کر رہی تھی۔ وہ یکدم ہنسی تھی۔ پھر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ اعیان عالم شاہ اسے چونک کر دیکھنے لگا تھا۔

''کتنی...... کس قدر پاگل تھی میں۔'' پتہ نہیں وہ کس بات پر تاسف کا اظہار کر رہی تھی۔

اعیان عالم شاہ نے فقط اس لڑکی کو خاموشی سے دیکھا تھا پھر قدرے توقف سے گویا ہوا۔

''تمہاری والدہ تم سے ملنے کو بہت بے چین ہیں۔ مژگان بھابی ٹھیک ہو کر گھر لوٹ آئیں تو تم ان سے ضرور مل لینا۔''

ایک نئے موضوع پر وہ کچھ دیر تک اسے خاموشی سے دیکھتی رہی۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گئی۔

''آپ جانتے ہیں، فیلنگز اور ایموشنز کا زندگی میں کس قدر عمل دخل ہے؟'' پتہ نہیں وہ فقط سوال کر رہی تھی یا اسے کسی بات کے متعلق مطلع کرنا چاہ رہی تھی۔ وہ کچھ نہیں بولا تھا۔

''یہ محسوسات خودبخود دل میں پھوٹتے ہیں۔ان کے لئے ذہن یا دل کو مائل نہیں کرنا پڑتا۔ یہ جو رشتے ہیں نا...... ان کا تعلق براہ راست دل سے ہے۔ جو چیز دل قبول کرتا ہے، ہوسکتا ہے اسے عقل رد کر رہی ہو۔ مگر دل بہت ٹھوس دلائل سے قائل کرتا ہے۔ یہ ٹھوس دلائل دل سے پھوٹنے والے احساسات وجذبات ہیں۔

محبت ہے......

محبت خودبخود ہوتی ہے۔کرنی نہیں پڑتی...... کی نہیں جاتی۔

کوئی پلاننگ یہاں کام نہیں آتی۔ کیونکہ یہ کوئی پلینڈ گیم نہیں۔ یہ جبر نہیں، اختیاری نہیں، کوئی سوچی سمجھی تکنیک نہیں۔''

پتہ نہیں اس نے کیا باور کرانا چاہا تھا۔اعیان عالم شاہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا تھا۔تبھی وہ بہت ہولے سے سر جھکا کر بولی تھی۔

''میری بے بے اور چاچے نے مجھ سے سوچ سمجھ کر محبت نہیں کی تھی، نہ ہی میں نے ان سے کسی پلاننگ کے تحت لگاؤ رکھا تھا۔ یہ رشتے بنے ہی محبت سے تھے۔ حالانکہ آج وقت نے ان کی حقیقت کو تبدیل کر دیا۔ یکدم میرے حسب نسب کو بدل دیا۔میرے نام کو بدل دیا۔مگر میں آج بھی وہی سیبو ہوں۔جن لوگوں نے مجھے محبت سے سینچا، میرا دل آج بھی ان کے لئے تڑپتا ہے۔ میں سویرا وجاہت شاہ تو آج بنی ہوں۔ یہ لیبل آج مجھ پر لگا ہے۔مگر میری تعمیر بہت قدیم ہے اور میں اپنے ماضی سے قطعاً منہ نہیں موڑ سکتی۔ سچ کہوں تو بہت عجیب لگ رہا ہے مجھے یہ کھیل۔خوشی سے زیادہ حیرت ہو رہی ہے مجھے۔ میں یہ سوچتے ہوئے حیران ہو رہی ہوں کہ کیا انسان کچھ نہیں؟ اس کی کوئی وقعت نہیں؟ فقط نام، حسب نسب اور اعلیٰ خاندانی مرتبے کی ہی اہمیت ہے؟ سب ٹھیک ہے۔ سب خوش ہیں۔مگر اس چکر میں، میں کہاں ہوں ...... میری پہچان کیا ہے...... میری پہچان کہاں ہے؟ وہ جو مجھے ایک ان پڑھ...... اجڈ دیہاتی جوڑے نے دی، یا وہ جو مجھے ایک بہت حسب نسب والے خاندان نے دی۔ آج ایک شخص میرے سامنے اچانک ہی باپ بن کر آن کھڑا ہوا ہے یا ایک عورت ماں بن کر آن رکی ہے تو کہاں سے لاؤں میں ان کے لئے اپنے اندر محسوسات؟ انہوں نے مجھے دیا ہی کیا ہے جو میں انہیں لوٹاؤں؟ کہنے کو یہ میرے ماں باپ ہیں، مگر میں... میرا دل اس یکدم بدل جانے والی ڈرامائی سچویشن کو قبول نہیں کر رہا ہے اور یہی سچ ہے کہ میں ان رشتوں سے ویسی کسی لگاوٹ کا مظاہرہ نہیں کر سکتی۔ میری جگہ شاید کوئی بہت پڑھا لکھا عقل وخرد رکھنے والا شخص بھی ہوتا تو اس کے ساتھ بھی شاید یہی صورتحال ہوتی۔ مجھے یقیناً یہ سب قبول کرنے میں بہت وقت لگے گا۔مگر فی الحال...... فی الحال میرا نہ تو

دل ہی قبول کر رہا ہے نہ ہی دماغ۔ یہ سب کچھ بہت ناقابل یقین ہے۔ اس سب کے ہونے سے میری شخصیت مسخ ہو رہی ہے۔ سیبو کہیں نہیں بچ رہی۔ اور میں سیبو کی خیر خواہ ہوں۔ میں اس کا سروائیول چاہتی ہوں۔ مجھے اس کی بقا عزیز ہے۔ وہ مرگئی تو شاید میں بھی زندہ نہیں رہوں گی۔''

وہ حتمی انداز میں بولی تھی اور پھر پلٹ کر چلتی ہوئی وہاں سے دور ہٹتی چلی گئی تھی۔اعیان عالم شاہ کتنی ہی دیر تک کھڑا اس کی جانب دیکھتا رہا تھا۔

✿......✿

تائی اماں تیزی کے ساتھ سوٹ کیس میں اپنے کپڑے رکھ رہی تھیں جب وہ اندر داخل ہوا تھا۔

''کہیں جا رہی ہیں آپ؟'' اعصار شیخ نے کسی قدر چونکتے ہوئے کہا تھا۔امی نے اسے بنا ہاتھ روکے دیکھا تھا اور پھر ہولے سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

''ہاں۔''

''کہاں؟'' اعصار شیخ کی چھٹی حس یکدم ہی بیدار ہوئی تھی۔

تائی اماں نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا، پھر بہت پُرسکون انداز میں گویا ہوئی تھیں۔

''ادعیہ کو لینے۔''

وہ اپنی جگہ ساکت رہ گیا تھا۔تائی اماں اسی طرح مصروف رہی تھیں۔

''کسی ایک کو تو ہار ماننا ہی پڑے گی۔ ہم بڑے ہیں، جھک جانے سے ہمارا قد چھوٹا نہیں ہو جائے گا۔ مصلحت پسندی اسی میں ہے کہ تھوڑی سی درگزر سے کام لیا جائے۔ میں تمہاری چچی کی طرف گئی تھی، طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس کی۔اولاد کو کبھی خود سے جدا نہیں کیا...... اب یکدم ہی بیٹی اٹھ کر میلوں کی دوری پر جا بیٹھی ہے...... اولاد کا دکھ سب کو ایک سا ہوتا ہے۔ میں ماں ہوں، اس کے محسوسات بجھ سکتی ہوں۔ میں بیٹھ کر یا ہاتھ پر ہاتھ دھر کے اس بات کا انتظار نہیں کر سکتی کہ تم کب کوئی فیصلہ کرو گے۔ میں نہیں چاہتی کہ خدانخواستہ کسی قسم کی کوئی دیر ہو جائے اور بعد میں فقط پچھتاووں پر ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔''

اعصار شیخ چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا تھا۔ پھر بہت رسانیت کے ساتھ گویا ہوا تھا۔''آپ کہیں نہیں جائیں گی۔''

''کیا...... ہوش میں تو ہو؟'' تائی اماں نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا تھا۔''ہار تم نہیں مان رہے ہو..... تم اپنی جنگ جاری رکھو۔محاذ پر ڈٹے رہو۔ ہار میں مان رہی ہوں۔ جھک میں رہی ہوں۔ کیونکہ میں اس میں کوئی عار محسوس نہیں کرتی۔''

"لیکن میں ایسا نہیں چاہتا ہوں۔"

تائی اماں نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا تھا، پھر قدرے ڈپٹنے والے انداز میں بولی تھی۔ "تم کیا چاہتے ہو، یہ اپنے دل سے پوچھو۔ آئینہ دیکھو، اپنی صورت کو دیکھو۔ جھٹلانے سے کیا سچائی بدل جائے گی؟ منہ پر بارہ بج رہے ہیں۔ مجنوں لگ رہے ہو پورے۔ یہ ڈرامہ آخر کب تک جاری رہے گا؟ کھوکھلی جھوٹی انا کا پرچم کب تک سربلند رکھو گے تم؟ کیا یہ ضروری ہے کہ ایک بار غلطی ہو جائے تو اس عمل کو مسلسل دہراتے رہو؟ کیا یہ دانشمندی ہے؟ ماشاء اللہ صاحب عقل ہو تم، تمہارے باپ کے سامنے ہمیشہ میں نے تمہیں ڈی فینڈ کیا ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ کبھی تم سے کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی۔ میں ماں ہوں اور ماں پر اپنے بچے کے سبھی عیب منکشف ہوتے ہیں۔ وہ جانتے بوجھتے اس کی پردہ پوشی کرے تو یہ الگ بات ہے۔" تائی اماں کا انداز بہت مضبوط تھا۔ وہ انہیں دیکھ کر رہ گیا تھا۔

تبھی تائی اماں نے ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

"ایک کمزور، انتہائی کمزور سی لڑکی ہے وہ...... کیوں مقابلہ کر رہے ہو تم اس سے؟ اگر تم محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے واپسی کے لئے کہو گے تو کیا وہ نہیں لوٹے گی؟"

وہ چپ رہا تھا۔

"اعصار! لڑکیاں موم ہوتی ہیں۔ انہیں محبت سے کسی بھی جانب موڑا جا سکتا ہے۔ کسی بھی صورت میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ تھوڑی سی بے وقوف ہے وہ۔ لڑکیاں بنیادی طور پر زیادہ جذباتی ہوتی ہیں۔ یہ بات ان کی فطرت میں ہوتی ہے۔ خدا نے اسے نازک بنایا ہے، اس کے جذبات واحساسات بھی اسی قدر نازک ہیں۔ چھوٹی سی بات بھی بہت بڑی لگتی ہے۔ اسی طرح چھوٹی سی چوٹ پر بھی بہت زیادہ درد محسوس کرتی ہیں۔ ان کے لئے ان کا نسوانی وقار بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ تم سے جدا ہونے کا فیصلہ اس نے قصداً کیا ہے اور اسی انا کے باعث کیا ہے۔ اپنے ہاتھوں کوئی بھی لڑکی اپنا گھر اجاڑنا نہیں چاہتی۔ تمہیں لگتا ہے کہ وہ اس طرح کر کے سکھی ہو گی؟" تائی اماں کا انداز یکسر تبدیل تھا۔ ایک یکسر مختلف روپ سامنے تھا اس کے...... کتنی دیر تک وہ خاموشی سے دیکھتا رہا تھا۔ مگر پھر بہت آہستگی سے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

"آپ نہیں جائیں گی۔"

"یہ تمہارا حکم ہے یا مشورہ؟" تائی اماں نے اسے مکمل خفگی سے دیکھا تھا۔

"یہ میرا حق ہے۔ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ آپ کی تذلیل میری تذلیل ہوگی۔ اگر اس نے کسی طرح کا ناروا سلوک واجب رکھا تو میرے لئے یہ ناقابل قبول ہوگا۔ آپ اس وقت اسے بلا وجہ

ہمیت دے رہی ہیں۔"

تائی اماں نے اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے مسکرادی تھیں۔ "یہ میرا مسئلہ ہے کہ میں
سے کس طرح ڈیل کرتی ہوں یا وہ مجھے کس طرح ڈیل کرتی ہے۔"

"یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے امی۔ اگر اس نے آنے سے انکار کر دیا تو مجھ سے یہ قبول نہیں ہو
۔ میں کچھ بھی برداشت کر سکتا ہوں، کچھ بھی۔ مگر آپ کی انسلٹ نہیں۔" اس کا انداز بہت قطعی
۔ "آپ کہیں نہیں جائیں گی۔ جینا مجھے ہے۔ گھر مجھے بسانا ہے۔ اس بات کا فیصلہ میں خود کر
ں گا کہ مجھے اسے واپس لانا ہے یا نہیں۔" وہ حتمی انداز میں بولا تھا۔ پھر فوراً ہی پلٹ کر باہر نکل
ا تھا۔

تائی اماں بیٹے کی خودسری کو دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

✿......✿

رہبان عالم شاہ نے مہکتا ہوا بوکے اسے تھمایا تھا۔

"کیسی ہو اب تم؟"

مژگان مسکرادی تھی۔ "پہلے سے بہتر۔"

رہبان عالم شاہ نے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ مژگان نے اٹھ کر بیٹھنے کے لئے اس کی
انگی تھی۔ وہ فوراً آگے بڑھا تھا۔ اس کی مخصوص خوشبو قربت کے ان مختصر لمحوں میں بڑی بھلی
لگی تھی۔

"تھینک یو۔" وہ اپنے مہربان کو دیکھنے لگی تھی۔ رہبان عالم شاہ اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔

"خیریت؟ کیا ہوا؟"

"اوں ہوں۔" مژگان نے لب بھینچ لئے۔ "تم نے میرا قرض اتار دیا ہے۔ تمہیں یاد ہے،
پہلی بار ملے تھے تم میرے باعث مشکل میں گھر گئے تھے اور تب میں اس طرح روز تم سے
آئی تھی۔"

"اور روز پھول بھی لاتی تھیں۔" رہبان عالم شاہ نے مسکراتے ہوئے اس کے جملے کو مکمل کیا
پھر اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

"تب گمان بھی نہ تھا، ہم اتنی دور تک ساتھ چلیں گے۔" اس کے مدھم لہجے میں کس قدر
تھی۔ رہبان عالم شاہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"تم زیادہ بولو مت۔"

"پھر...... پھر کیا کروں؟"

رہبان عالم شاہ اسے کچھ دیر تک دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ''تم چپ رہو...... فقط مجھے سنو۔''
''تھک گئی ہوں میں اس طرح بستر پر لیٹے لیٹے۔ ہم گھر واپس کب جائیں گے؟''
''جب تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ گھر جانا ہے تو جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔'' رہبان عالم شاہ نے بات مذاق میں ٹالی تھی۔
مژگان اسے چپ چاپ دیکھنے لگی تھی۔ پھر آہستگی سے بولی۔ ''کتنی پریشانی اٹھانا پڑی تمہیں میرے باعث۔'' اس کا لہجہ کس قدر پُر خجالت تھا۔ وہ مسکرا دیا۔
''پھر؟''
وہ کچھ نہیں بولی۔ نگاہ پھیر گئی۔ تبھی اس نے مسکراتے ہوئے اس کا نازک سا ہاتھ تھام لیا۔
''تم کیوں آئی تھیں گاڑی کے نیچے؟'' وہ یقیناً سنجیدہ تھا۔
اس کے انداز پر ایک مسکراہٹ اس کے لبوں پر دوڑ گئی تھی۔ پھر قدرے توقف سے وہ ہونٹ بھینچ کر نگاہ پھیر گئی تھی۔ اس کا ہاتھ بدستور اس کے مضبوط ہاتھ میں تھا۔ جانے کیوں یہ لمحہ بہت اچھا لگ رہا تھا دل کو۔
''اماں، ابا، چاچا جی سب کو اتنی پریشانی ہوئی میرے باعث۔ میں...... میں اگر زندہ ہوں آج تو یہ ان سب کی دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے۔ تم سب بہت اچھے ہو۔ میں کبھی بھی ان سب کی محبتوں کا قرض نہیں اتار سکوں گی۔ تم واقعی میرے بہت اچھے دوست ہو۔'' اس کا دھیما مدھم لہجہ اس کے جذبات کا غماز تھا۔ رہبان عالم شاہ اسے چپ چاپ دیکھتا رہا۔
''پتہ نہیں یہ بات سچ ہے بھی یا کہ نہیں۔ مگر مجھے لگتا ہے، میں تمہاری زندگی کی راہ میں ایک رکاوٹ ہوں۔ جب...... جب بھی میں نے تمہاری زندگی سے نکلنا چاہا، دور جانا چاہا، تبھی کوئی نہ کوئی مشکل آن پڑی۔''
وہ کچھ نہیں بولا۔ اسی طرح چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ پھر چہرے کا رخ پھیر گیا تھا۔ مژگان بھی تب مزید کچھ نہیں بولی تھی۔

۞......۞

اعیان، ابا جی، اماں اور چاچا جی کسی بہت اہم مسئلے پر سر جوڑے بیٹھے تھے۔ کمرے کا دروازہ ذرا سا کھلا ہوا تھا۔ سیو جو وہاں سے گزر رہی تھی، اپنا نام سن کر یکدم ہی رک گئی تھی اور سماعتوں کو مکمل توجہ کے ساتھ اندر سے آنے والی آوازوں کی سمت لگا دیا تھا۔
اگرچہ یہ اخلاقی جرم تھا مگر وہ اس کی مرتکب ہو رہی تھی۔
''میں نہیں چاہتا کہ کل کو کوئی مسئلہ کھڑا ہو۔ وجاہت شاہ! تم باہر رہے ہو، یہاں کے لوگوں

کی نفسیات تم نہیں سمجھ سکتے۔ وہ عورت کل کی طرح کوئی نہ کوئی مسئلہ کھڑا کر سکتی ہے۔ اس لئے یہ اشد ضروری ہے کہ کوئی نہ کوئی اقدام اس وقت سے قبل کر لیا جائے۔ اعیان انکار نہیں کرے گا۔ مسئلہ گھر کا ہے۔ خاندانی حسب نسب کا ہے۔ اور وہ اب ہمارے گھر کی عزت ہے۔ وہ تمہاری ہی نہیں، ہماری بھی بیٹی ہے۔ تم اعیان سے پوچھ سکتے ہو۔ تمہارے سامنے ہے یہ۔ یہ انکار ہرگز نہیں کرے گا۔''
چاچا خاموشی سے اعیان عالم شاہ کی طرف دیکھنے لگے تھے۔ تبھی وہ بولا تھا۔
''ابا جی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں مل چکا ہوں زرینہ بیگم سے۔ وہ ٹپیکل وومن ہے۔ اگرچہ سویرا بالغ ہے، اور خود مختار ہے۔ مگر وہ اسے جذباتی طور پر بھی استعمال کر سکتی ہے۔ بنیادی طور پر سویرا کم پڑھی لکھی ہے۔ اس کا برین واش کرنا اور اپنی راہ پر لگانا آسان ہے۔ وہ کم سمجھ ہے، جبکہ زرینہ بیگم ایک تجربے کار شاطر عورت ہے۔ وہ کوئی بھی اقدام کر سکتی ہے جو اس کے حق میں فائدہ مند ہو۔'' اعیان عالم شاہ نے چاچا کو قائل کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ چپ ہی رہے تھے۔
اماں نے ان کی خاموشی کو دیکھا تھا، پھر گویا ہوئی تھیں۔ ''وجاہت شاہ! اتنی کشمکش کا شکار کیوں ہو؟ اگر اتنے زیادہ پیچیدہ مسائل نہ بھی ہوتے تو کیا تم سے اگر ہم تمہاری بیٹی کا ہاتھ اپنے بیٹے کے لئے مانگتے تو کیا تم انکار کر دیتے؟''
وجاہت شاہ نے سر نفی میں ہلایا۔
''نہیں، ایسی بات نہیں۔ میں دراصل کچھ اور سوچ رہا تھا۔ وہ اتنے عرصے بعد مجھے ملی ہے، اس کے بہت سے قرض واجب ہوتے ہیں مجھ پر۔ ابھی میں نے اسے باپ کا وہ پیار، وہ توجہ بھی نہیں دی ہے جس کی وہ حقدار ہے۔ پھر یکدم ہی اس کی زندگی کا فیصلہ کر کے اسے اگلے سفر پر رخصت کر دینا۔'' وہ عجیب شش و پنج کا شکار تھے۔
''وہ ہماری بھی بیٹی ہے وجاہت شاہ! تم کیا سمجھتے ہو ہم اسے پیار نہیں دیں گے؟'' ابا جی نے انہیں دیکھا تھا۔
''نہیں، بھائی جی! ایسی بات نہیں۔ میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ مگر اس سب میں سویرا کی مرضی کو بھی دخل ہونا چاہئے۔ اگرچہ میں نے اس کی پرورش نہیں کی، مگر اس کے باوجود میں اس کے فیصلے کو ترجیح دینا چاہتا ہوں۔ شاید اگر میں نے اس کی پرورش اپنے ہاتھوں کی ہوتی تو اس قدر شش و پنج کا شکار نہیں ہوتا۔ اب تک پُر اعتماد انداز میں اس کی زندگی کا فیصلہ کر چکا ہوتا۔ مگر میں اس پر کوئی زور زبردستی نہیں کرنا چاہتا۔''
تبھی اماں بولیں۔ ''وجاہت شاہ! کمال بات کرتے ہو تم بھی۔ بھلا اعیان شاہ، میرا پتر رد

کئے جانے کے قابل ہے؟ سیو کو بھلا کس بات پر اعتراض ہو گا۔ اسے تو پھولوں پر رکھوں گی میں۔ اپنی جان سے پیاری ہو گی مجھے۔ اور پھر ہم کون سا ابھی رخصتی کی بات کر رہے ہیں۔ فقط نکاح کی رسم ہو گی۔ رخصتی جب تم مناسب سمجھو، کر دینا۔ ہم بھی سمجھتے ہیں تمہارے جذبات کو۔ عرصہ دراز بعد بیٹی کا منہ دیکھا ہے، اسے خود سے الگ کرنا کسی قدر مشکل تو ہو گا ہی۔ مگر تم خود سوچو، اس طرح ہم کسی مشکل میں بھی تو گھر سکتے ہیں۔ زرینہ کل کی طرح ہمیں ایک بار پھر شکست دے سکتی ہو۔ چلو یہ نہ بھی ہو مگر اپنے دفاع کے لئے یہ اقدام ضروری ہے۔ یاد رکھ لو، وہ عرصے بعد ملے گی اپنی بیٹی سے۔ کل اس نے اگرچہ خود اپنے ہاتھوں سے اسے موت کے منہ میں ڈال دیا تھا مگر ایک عرصہ بعد جس طرح اس کی محبت یکدم جاگ اٹھی، اس سے کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ کوئی بھی نیا دعویٰ کر کے مشکل کھڑی کر سکتی ہے۔ سویرا اعیان کے نکاح میں ہو گی تو اس کے لئے کچھ بھی کرنا ناممکن ہو جائے گا۔"

وجاہت شاہ نے بھابی کی طرف دیکھا تھا، پھر قدرے توقف سے بولے تھے۔ "آپ سویرا سے بات کیجئے۔ اگر وہ راضی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ یقین جانئے، مجھے اس فیصلے سے کوئی انحراف نہیں۔ میں فقط اس کے متعلق پریشان ہوں۔ وہ یہ خیال نہ کرے کہ یکدم زندگی میں در آنے والے شخص نے بنا پوچھے اس کی زندگی کا فیصلہ کر دیا۔ اگرچہ میں اس کا باپ ہوں مگر......"

"چلو میں بات کر لوں گی خود اس سے۔" اماں نے سر ہلایا تھا۔

"وہ بھلا کب انکار کرے گی۔"

"آپ اس سے بات کر لیجئے۔ وہ انکار ہرگز نہیں کرے گی۔ ہمارے پاس وقت زیادہ نہیں ہے۔ وہ کئی بار حویلی آ چکی ہے۔ مجھے ڈر ہے جس طرح وہ حویلی پہنچی تھی اسی طرح یہاں بھی نہ پہنچ جائے۔" اعیان عالم شاہ نے بالآخر اس کی زندگی کا فیصلہ کر دیا تھا۔ حتمی طور پر مہر ثبت کر دی تھی۔

سیو نے اس لمحے غیر ارادی طور پر ہی نفی میں سر ہلانا شروع کر دیا تھا۔ تبھی اچانک اعیان عالم شاہ کی نگاہ اس پر پڑی تھی۔ وہ اسی طرح نفی میں سر ہلائے جا رہی تھی۔ دونوں کی نظریں پل بھر کو ملی تھیں۔

سیو کی آنکھوں میں یکدم ہی کہیں سے بہت سا پانی آن ٹھہرا تھا۔ اس نے اعیان عالم شاہ کی سمت دیکھا تھا، پھر پلٹ کر اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔

"نہیں......" اس نے بھیگتی آنکھوں سمیت سر نفی میں ہلایا تھا اور الماری کھول کر دراز میں سے وہ پوٹلی نکال لی تھی جس میں بے بے کے اس کے آنے والے رشتے دار نے اسے ایک سو

روپے شگن کے طور پر دیئے تھے۔ بھیگتی آنکھوں سے وہ کتنی دیر تک ان دو میلے کچیلے نوٹوں کو [illegible] رہی تھی۔ یہ دو نوٹ نہ تھے، ایک شگن تھا، ایک رشتہ تھا، ایک سنجوگ تھا، جو اس کی بے بے [illegible] چاچا نے اپنی مرضی سے جوڑا تھا، ایک نسبت تھی جو محبت سے طے کی گئی تھی۔ جس میں اگرچہ [illegible] کی دل کی چاہ شامل نہ تھی مگر ان محبتوں کے آگے اس کا سر جھکتا چلا گیا تھا۔ اس نے ہونٹ [illegible] کر جیسے اپنے اندر کے طوفان پر بند باندھا تھا۔

تبھی کھٹکا سا ہوا تھا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ اعیان عالم شاہ اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ پلٹنے [illegible] ملی تھی۔ وہ سر جھکا گئی تھی۔ جبکہ وہ بغور تکتا چلا گیا تھا۔

سیو نے مٹھی کھول کر ایک بار پھر دیکھا تھا۔ پھر ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑتے ہوئے [illegible] کر اعیان عالم شاہ کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"میرا رشتہ ہو چکا ہے۔ میرے بے بے اور چاچا نے میری نسبت اپنی زندگی میں اپنی مرضی طے کر دی تھی۔ میں کسی نئے رشتے کو قبول کرنے کو قطعی طور پر تیار نہیں ہوں۔" اس نے کہہ [illegible]م دروازے کی سمت بڑھائے تھے۔

[illegible] عین راہ میں کھڑا تھا۔

وہ اس کے قریب سے گزری تھی، جب اس نے غیر متوقع طور پر اس کا ہاتھ یکدم ہی اپنے [illegible] لے لیا تھا۔ سیو یکدم ہی اس کے غیر متوقع اقدام پر چونکتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھنے [illegible]۔ وہ بغور تکتا چلا گیا تھا۔ پھر بہت مدھم لہجے میں گویا ہوا تھا۔

"اتنی جلدی تم اتنا بڑا فیصلہ کیسے کر سکتی ہو؟"

"یہ میری زندگی کا فیصلہ ہے۔ اور اس کا حق مجھے مکمل طور پر حاصل ہے۔ میں کسی بھی نئے [illegible] سے خود کو یرغمال بننے نہیں دوں گی۔ میرے بے بے اور چاچا ہی میرے لئے سب کچھ [illegible] بات باور کرا چکی ہوں میں آپ کو...... کسی بھی نئے رشتے کو فی الحال میں نے قبول نہیں [illegible]، پھر ان کے فیصلوں کا خود کو پابند کیسے کر سکتی ہوں۔ میں کم عقل سہی، کم پڑھی لکھی سہی، [illegible]ف سہی، مگر اپنی زندگی اپنے طور پر جینے کے لئے آزاد ہوں۔"

[illegible] بھیگی آنکھوں سے اعیان عالم شاہ کی سمت تکتی چلی گئی تھی۔ اس کا لہجہ مضبوط تھا اور انداز پُر [illegible] اعیان عالم شاہ خاموشی سے اسے تکنے لگا تھا۔ تبھی وہ بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

"تم مجھے قبول نہیں ہو۔ یہ فیصلہ آج کے لئے بھی ہے...... کل کے لئے بھی ہے...... اور [illegible] کے لئے بھی...... میں کسی بھی نئے رشتے میں تمہارے ساتھ وابستہ ہونا نہیں چاہتی ہوں۔"

[illegible] انداز میں بولی تھی۔ پھر بہت آہستگی کے ساتھ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال کر چلتی ہوئی

دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔

اعیان عالم شاہ سلگتے چہرے سمیت کتنی ہی دیر وہاں اسی طرح کھڑا رہا تھا۔

"تم مجھے قبول نہیں ہو۔" یہ لفظ عجیب تازیانہ بن کر حواسوں پر حملہ آور ہوئے تھے اور مسلسل ہوئے جا رہے تھے۔

✿......✿

مژگان کو جس روز ڈسچارج کیا گیا تھا، اس روز وہ شخص اس کے سامنے نہ تھا۔ اس کی متلاشی نظروں نے اِدھر اُدھر اسے ڈھونڈا تھا۔ تبھی اعیان عالم شاہ مسکرایا تھا۔

"بھابی! کسے ڈھونڈ رہی ہیں آپ؟" اس کی نظروں میں شرارت تھی۔ مگر وہ مسکرائی نہیں تھی۔

"رہبان عالم شاہ کدھر ہیں؟"

"رہبان عالم شاہ۔ اُف...... اس قدر اہتمام سے پورا لمبا چوڑا نام لینے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ خیر سے شوہر نامدار ہیں آپ کے۔ کوئی چھوٹا موٹا محبت کا نام ہی رکھ لیجئے۔" اس نے بھرپور شرارت سے چھیڑا تھا۔

ایک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیل گئی تھی۔

"تم نے بتایا نہیں؟" اپنا سوال پھر دہرایا۔

"اُف...... غالب صاحب فرما گئے ہیں۔

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب"

اس کا قہقہہ بہت بے ساختہ تھا۔

"یہیں ہیں بھئی...... اسی شہر میں۔ موصوف ایک اہم ترین میٹنگ میں بزی تھے تو فون پر اطلاع کر کے یہ ذمے داری مجھے سونپ دی۔"

مژگان نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔ "ابا جی اور چاچا بھی نہیں آئے؟"

"سب گھر پر آپ کے منتظر ہیں۔"

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" مژگان کی نظریں جیسے اعیان عالم شاہ کے چہرے کو پڑھ رہی تھیں۔ وہ چونکا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔

"کمال کی خاتون ہیں آپ۔ رہبان بھائی نے واقعی ایک زبردست انتخاب کیا ہے۔ آپ تو خط کا مضمون بھانپ لیتی ہیں لفافہ دیکھ کر۔" وہ چھیڑ رہا تھا۔ راستے بھر وہ اسی طرح کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہنسانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟"

"کمال کرتی ہیں آپ بھابی! بھلا میں آپ سے کیا چھپاؤں گا؟"

"پھر تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔ اور سیو کہاں ہے...... کتنے دنوں سے وہ ملنے نہیں آئی۔" اعیان عالم شاہ کے مسکراتے لب یکدم ہی بھنچ گئے تھے۔ وہ چہرے کا رخ [illegible]گیا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے بولا۔

"سب گھر پر آپ کے منتظر ہیں۔"

مژگان اس کے بعد گھر پہنچنے تک کچھ نہیں بولی تھی۔

گھر کی دہلیز پر جس گھڑی اس نے قدم دھرا تھا، وہ بری طرح چونکی تھی۔ پورا کا پورا پورشن [illegible]ں سے ڈھکا ہوا تھا۔ یہاں وہاں، ہر طرف پھول ہی پھول بکھرے ہوئے تھے۔

"ویلکم ٹو ہوم۔" اعیان عالم شاہ دھیمے سے مسکرایا تھا۔ وہ چونکتی ہوئی اسے دیکھنے لگی تھی۔

"یہ سب کچھ رہبان بھائی نے کیا ہے۔" مسکراتے ہوئے مطلع کیا گیا۔ وہ ایک خواب کے عالم میں تھی۔ سب نے اسے پُر جوش انداز میں ویلکم کہا تھا۔ اماں اسے لے کر اس کے [illegible]ے کی جانب آئی تھیں۔ اس کا بیڈروم جیسے پھولوں کا گھر تھا۔

"رہبان بھائی ایک مثالی شوہر ہیں۔ ہم جیسے ناتجربہ کاروں کے لئے ایک انسٹی ٹیوٹ کا [illegible]کھتے ہیں وہ۔" اعیان عالم شاہ چھیڑنے سے باز نہ رہا تھا۔

[illegible]ب ہنسنے لگے تھے۔ ایک دھیما سا تبسم مژگان کے لبوں کا بھی حصار کر گیا تھا۔

"تم آرام کرو۔ ابھی تھوڑی دیر میں رہبان آ جائے گا۔" اماں نے اسے لٹا کر اس کے اوپر ڈالتے ہوئے کہا تھا۔

"تم سب لوگ چلو، اب آرام کرنے دو اسے۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا...... یہ رحمتے [illegible]ارے پاس۔" انہوں نے ملازمہ کی طرف اشارہ کیا۔

"ذرا بہتر ہو جاؤ تو گاؤں لے کر چلوں گی۔ ذرا سی آب و ہوا تبدیل ہو جائے گی تو صحت پر [illegible] پڑے گا۔"

[illegible]اں نے مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی پر جھک کر پیار کیا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔ تبھی دروازہ [illegible]ا اور رہبان عالم شاہ نے قدم اندر رکھا تھا۔

"لو آ گیا وہ۔" اماں مسکرائی تھیں۔ "رحمتے! تم چائے بنا لاؤ جا کر صاحب کے لئے۔" اماں [illegible]ستہ ملازمہ کو ہٹایا تھا اور پھر خود بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

[illegible]مرے میں فقط وہ دونوں رہ گئے تھے۔

رہبان عالم شاہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

مژگان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا، پھر بہت آہستگی سے بولی تھی۔

"تھینک یو ویری مچ۔"

"فور واٹ؟" وہ دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے مکمل طور پر انجان بنا تھا۔

"اتنے شاندار، آئی مین اتنے اچھے ہوم ویلکم پر۔" مژگان ایسا بالکل بھی ایکسپیکٹ نہیں کر رہی تھی۔ اس کی توقع سے یہ بہت بڑھ کر تھا۔

یقیناً وہ کامیابی کے ساتھ "رواداری" کی انگلی تھامے "سمجھوتے کی راہ" پر چل رہا تھا۔ کتنے لوگ تھے اردگرد اور سب کو باور کرانا اور دکھانا بھی تو مقصود تھا۔ رہبان عالم شاہ نے واقعی بہت خوبی کے ساتھ وقت کے تقاضوں کو نبھایا تھا۔ مژگان سر جھکائے یہی سوچ رہی تھی، جب وہ بہت آہستگی سے اس کی جانب بڑھ آیا تھا۔ مژگان سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ اس نے پشت سے ہاتھ نکال کر ایک مہکتا ہوا بوکے اس کی سمت بڑھایا تھا۔

مژگان نے دیکھا تھا۔ قدرے حیرت کی نگاہ میں۔ مگر دوسرے ہی پل بہت ہولے سے اپنا ہاتھ اس کی سمت بڑھایا تھا۔ تبھی اپنی مخروطی انگلی کو دیکھتے ہوئے وہ چونک پڑی تھی۔ اب سے قبل ذہن اس قدر ماؤف تھا کہ اس نے غور ہی نہیں کیا تھا۔ بیماری کے باعث ذہن اس قابل ہی نہ تھا کہ اس جانب جاتا۔ مگر اب وہ اپنے ہاتھ کی مخروطی انگلی میں اسی رنگ کو دیکھ کر چونک پڑی تھی۔ مگر اس لمحے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے اس نے رہبان عالم شاہ کے ہاتھ سے وہ مہکتا ہوا بوکے تھام لیا تھا۔

"نئی زندگی مبارک ہو۔" بہت مدھم لہجے میں ایک بار پھر اس نے وش کیا تھا۔ رہبان عالم شاہ شاید مزید بھی کچھ کہنے والا تھا، مگر عین اسی لمحے اعیان نے سر دروازے کے اندر ڈالا تھا۔

"رہبان بھائی! آپ سے کوئی لڑکی ملنے آئی ہے۔"

"لڑکی؟" رہبان عالم شاہ چونکا تھا۔

اعیان عالم شاہ کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوگئی تھی۔ "غالباً لڑکی ہی ہے۔"

رہبان عالم شاہ نے بلا ارادہ ہی مژگان کی طرف دیکھا تھا۔ وہ نگاہ پھیر گئی تھی۔ اور تب وہ پلٹ کر چلتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

مژگان بے تحاشا پھولوں سے سجے اپنے اس کمرے کو بغور تکنے لگی تھی۔ پھر نگاہ اپنے اس ہاتھ کی انگلی پر جا ٹھہری تھی۔ اس نے بہت حیرت سے اپنے اس ہاتھ کی تیسری انگلی کو چھوا تھا۔

❂......❂

رہبان عالم شاہ جس گھڑی سٹنگ روم میں آیا تھا اُس کے ذہن میں دور دور تک یہ خیال نہ تھا کہ اس کے سامنے وہی ہوگی......!

وہی لڑکی...... وہی مانوس چہرہ، وہی مانوس خدوخال۔ جس کے ساتھ عرصہ دراز تک وہ منسوب رہا۔ سوچ منسوب رہی...... خیال جڑا رہا...... دل بندھا رہا...... جس کے سنگ جانے کتنے موسم بیتے تھے۔ کتنے پل، کتنی کہانیاں تھیں۔ کتنی یادگاریں تھیں۔ اور ہر یاد کی اپنی ایک کہانی تھی۔ کبھی بات بات پر روٹھنا...... کبھی یونہی من جانا...... کبھی ساحلوں کی گیلی ریت پر دور تک چلنا۔

دوپہروں بیٹھ کر باتیں کرنا۔

مگر اس گھڑی ایک دوجے کو کس قدر ساکت نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

وہ تیری محبت، وہ میری محبت
وہ تیرا سنورنا، وہ میرا بہکنا
وہ سانسوں میں سانسوں کا گھل کر مہکنا
کئی بار چاہیں یہ میری نگاہیں
جہاں سے چھپالیں مجھے تیری بانہیں
کہاں ہے ترا جھوٹ میں روٹھ جانا
کہاں ہے ترا گھنٹوں منانا
کہاں ہے وہ ترے گیسوؤں کا وہ آنچل
کہاں ہے وہ ترے گرم ہاتھوں کا مخمل
کہاں ہے، کہاں گم ہوئی ہے اچانک
وہ تیری محبت، وہ میری محبت
یہیں ہے، یہیں گم ہوئی ہے اچانک
وہ تیری محبت، وہ میری محبت

تو کہاں میں کہاں!
بس یادیں رہ گئیں
جاگنے کے لئے، بس راتیں رہ گئیں
راستے ہیں وہی دوریاں
بڑھ گئیں......!!

سجل یکدم ہی اپنے چہرے کا رخ پھیر گئی تھی، جیسے اسے اپنے ہارنے کا احتمال ہو۔

رہبان عالم شاہ بھی نگاہ پھیر گیا تھا۔

دونوں کا ''چور انداز'' وقت دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

دونوں کے درمیان خاموشی بڑھنے لگی تھی۔ دونوں جیسے شش و پنج کا شکار تھے۔ کسی کے پاس کہنے کو جیسے کچھ نہ تھا۔

''میں......وہ......'' سجل عباس نقوی نے ہمت کر کے سر اٹھایا تھا۔ رہبان عالم شاہ نے اس کی جانب دیکھا تھا۔ اور وہ گڑبڑا کر جیسے سارا مدعا بھول گئی تھی۔

وہ ایک نگاہ جیسے آج بھی زمانے بھلا سکتی تھی۔

بے خبری میں اٹھی ایک نگاہ...... سرسری انداز رکھتی، لاتعلق بنی، اجنبی ٹھہری۔ مگر اس نظر کا جادو جیسے آج بھی وہی تھا۔ کیسے ساری جان سلگ اٹھی تھی۔ کتنی ہلچل سی مچ گئی تھی وجود میں۔

وہ آج بھی جیسے اس کے اختیار میں تھی۔ دل ابھی تک اس کی گرفت میں تھا۔

کیسی بے بسی تھی۔ وہ سر جھکا کر یکدم ہی ہونٹ کچلنے لگی تھی۔

کتنے ''بندھ'' باندھے تھے.... کتنے حوصلے بنائے تھے...مگر جیسے وہ ایک پل میں ڈھیر تھی۔

کتنا مشکل مرحلہ تھا...... جان پر جیسے قیامت گزر رہی تھی...... پورا اندر اسی قیامت کے زیر اثر تھا۔

اسے قبول کرنا پڑا تھا کہ اس نے یہاں آ کر، اس کے سامنے آ کر غلطی کی۔

وہ اس کی نظروں کی تاب اب بھی نہ رکھتی تھی۔

رہبان عالم شاہ دانستہ اس جانب سے نگاہ پھیرے ہوئے تھا۔

سجل عباس نقوی نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر نگاہیں جھکا گئی تھیں۔ تبھی شاید رہبان عالم شاہ نے مروتاً اس کی جانب دیکھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔

''کیسی ہو؟''

سجل نے یکدم ہی سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے لب پھیل گئے

تھے۔ اس کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا تھا۔ آنکھوں میں ایک پل میں ہی سمندر موجزن ہو گئے تھے۔ اس ایک لمحے کی مسکراہٹ کے لئے اسے جیسے اپنے سارے حوصلوں کو مجتمع کرنا پڑا تھا۔

''کیسی لگ رہی ہوں؟'' اس کی مسکراہٹ میں ایک عجیب حزن تھا۔

رہبان عالم شاہ نگاہ پھیر گیا تھا۔ دانستہ یا نادانستہ طور پر۔ وہ ''بے وفائی'' کا مرتکب تو ہوا ہی تھا۔

رہبان عالم شاہ کے پاس بولنے کو اس گھڑی کچھ نہ تھا۔ سجل نے اس شخص کی سمت ایک نگاہ کی تھی، پھر اپنے ''ضبط'' کو آزماتی ہوئی ایک بار مسکرائی تھی۔

''ہم کتنے...... کتنے دنوں بعد ملے۔ کتنے عرصے بعد...... شاید بہت سے دن گزر گئے۔ یا پھر......'' اس نے بات کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر بات نہ بن پڑی تو ایک بار پھر تھک ہار کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔

کتنا مشکل ہوتا ہے اجنبی بن کر ملنا۔ اور اس ''بیگانگی'' کی کیفیت کو فیس کرنا۔

کل تک جہاں حد درجہ قربت رہی ہو، وہاں یکدم اتنی جلد کوئی فصیل سی اٹھنے لگے، کوئی خلیج سی بننے لگے، کوئی آشنا لہجہ اجنبی بن کر بولنے لگے، کوئی آشنا نظر اجنبی ہو کر اپنا مرکز تبدیل کرنے لگے تو شاید دل مشکل میں گھر جاتا ہے۔ ''جان'' مشکل میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ یا پھر شاید پورا کا پورا وجود اسی ایک مشکل میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ سجل عباس نقوی نے فاصلوں کی اس وسیع خلیج کو دیکھا تھا۔ یہ محسوس کیا تھا۔ اور اس کو جھیلنا اس کے لئے یقیناً مشکل نہ تھا۔ وہ اس وقت واقعی مشکل میں تھی۔

''میں دراصل یہاں سے جا رہی تھی...... پتہ نہیں پھر واپس لوٹنا ممکن ہوتا یا نہیں۔ سو تم سے ملنا ضروری خیال کیا۔'' سجل نے مدعا بیان کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔

رہبان عالم شاہ نے جواباً خاموشی سے دیکھا تھا۔ وہ یکدم ہی مسکرا دی تھی۔ جانے کیوں۔

''کتنا عجیب تجربہ ہے نا، ایک طویل عرصے کی آشنائی کے بعد اجنبی ہونا اور اجنبی بن کر ملنا۔''

رہبان عالم شاہ یکدم ہی نگاہ پھیر گیا تھا۔ وہ اسے بغور تکتے ہوئے مسکراتی رہی تھی۔

''اس گریز کو دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ کل یہاں آشنائی کی ایک طویل لکیر موجود رہ چکی ہے۔ آئی ایم سوری، میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا تھا۔ یہ قطعاً غیر قیاس شدہ صورتحال ہے۔ بٹ آئی ایم انجوائنگ...... الاٹ...... ایک عجیب لطف ہے اس بیگانگی کا بھی۔'' سجل عباس بڑے نارمل

انداز میں کہتے ہوئے اسے بغور دیکھ رہی تھی۔ ایک دھیما، مدھم تبسم اس کے لبوں پر تھا۔

"فاصلے ایسے بھی ہوں گے یہ کبھی سوچا نہ تھا!
سامنے بیٹھا تھا میرے اور وہ میرا نہ تھا
وہ کہ خوشبو کی طرح بکھرا تھا میرے چار سو
میں جسے محسوس کر سکتا تھا چھو سکتا نہ تھا"

وہ یکدم ہی ہنسی تھی۔

"یہ شاعر حضرات بھی کس قدر پاگل ہوتے ہیں۔ اس چیز کو بیان کرنے میں ساری زندگی جدوجہد کرتے رہتے ہیں جو حقیقت میں کہیں ہوتی ہی نہیں۔" وہ جیسے خود کو جھٹلا کر مزید کوئی فریب کھانا چاہتی تھی۔ وہ کہہ کر کتنے ہی لمحے چپ رہی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے اس عرصے میں اس کی جانب دیکھنے سے مکمل گریز کیا تھا۔ نجل عباس نقوی بھی کچھ دیر تک یونہی خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ پھر یکدم سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور بڑی مدھم سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"تمہاری خاموشی، تمہاری طویل چپ بتا رہی ہے کہ تم سخت الجھن میں ہو۔ بخدا میں تمہیں مشکل میں ڈالنے نہیں آئی تھی، ہم میں کوئی نہ کوئی تعلق اب بھی ہے۔ کچھ ختم ہو جانے سے سب کچھ ختم نہیں ہو جاتا۔" اس کا لہجہ مدھم تھا۔ بے حد دھیما۔ مگر اسی قدر پُراثر۔ وہ چپ ہو کر کچھ دیر تک اسی طرح اسے تکتی رہی تھی، پھر گویا ہوئی۔

"میں چلی جانا چاہتی تھی...... بنا تم سے ملے...... بنا تمہیں دیکھے۔ مگر جانے کیوں دل نہیں مانا۔ عجب عادت پڑی ہوئی تھی تمہاری۔" وہ مجرمانہ انداز میں سر جھکا گئی تھی۔

"میں خود کو روک نہیں سکی۔ حالانکہ مجھے لگتا تھا، مجھے خود پر اختیار ہے۔ میں یہاں اس لئے نہیں آئی کہ تمہیں کسی بات کی جواب دہی کرنا پڑے، کوئی صفائی دینا پڑے، کوئی وضاحت کرنا پڑے۔ نہ ہی میرا ارادہ تمہیں کسی احساسِ جرم میں مبتلا کرنے کا ہے...... بھول جاؤ، کبھی ہم میں ربط تھا...... بہت کچھ ختم ہو جانے سے سب کچھ ختم نہیں ہو جاتا۔ ہم میں اگرچہ بہت کچھ نہیں رہا، مگر کچھ نہ کچھ اب بھی باقی ہے۔ سنا ہے بچھڑنے والوں کو مسکرا کر رخصت کرتے ہیں۔ بہت دور جا رہی ہوں میں...... کیا میری جانب ایک نظر دیکھو گے بھی نہیں؟" لہجے میں عجیب سا شکوہ تھا۔

رہبان عالم شاہ کے لئے نہ تو یہ لہجہ نیا تھا نہ آواز۔ کس قدر گہرے مراسم تھے مگر فقط ایک لمحے میں دل نے سب کچھ جیسے رد کر دیا تھا۔ وہ سمجھ ہی نہ پایا تھا، کب دل باغی ہوا تھا اور سرکش

گھوڑے کی مانند بھاگتا چلا گیا تھا...... کب اس کی سمت تبدیل ہوئی تھی، کب مرکز بدلا تھا۔ وہ کچھ سمجھ ہی نہ پایا تھا۔

پہلے پہل کا سارا کھیل فقط اس بیچ سے بھاگنے پر ختم ہوا تھا...... اس نے دانستہ بے وفائی نہیں کی تھی۔ مگر دل...... وہ اسی طرح سر جھکائے ہوا تھا۔ جب وہ گویا ہوئی تھی۔

"تم وفا اور بے وفائی کو ڈی فائن کر سکتے ہو؟" بڑا عجیب سوال تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بہت ہولے سے مسکرائی تھی۔

"جب دل کی زمین بنجر ہو جائے تو بانجھ ہو جانے والے جذبوں پر ایک دبیز کائی جم جاتی ہے۔ اسے بے وفائی کہتے ہیں...... سچ پوچھو تو مجھے تم سے کوئی گلہ نہیں...... تمہارے دل کی زمین میرے لئے بانجھ رہی تو اس میں تمہارا کیا قصور۔ شاید میں ہی غلطی پر تھی۔ اس زمین پر اپنی محبت کے بیج بوتی رہی جو میرے لئے بانجھ تھی۔" اس کے مدھم لہجے میں ایک گہرا دکھ تھا۔ اس گھڑی اس کی آنکھوں میں ایک سمندر تیر رہا تھا اور وہ جیسے تمام کیفیت پر بہ مشکل قابو پائے ہوئے تھی۔

"بانجھ محبت...... بانجھ ارادے...... بانجھ وعدے...... اور بانجھ دل! نہ اظہار نہ اقرار، نہ کوئی گرمجوشی، نہ والہانہ پن، بس طویل چپ۔ اور میں اس چپ کے کئی معنی اخذ کرتی رہی اپنے طور پر...... رہبان عالم شاہ! میں تمہیں بے وفا کیسے کہہ دوں...... شاید تم بے وفا نہیں ہو۔ بس تمہاری وفائیں میرے لئے نہیں تھیں۔ وہ زمین فقط میرے لئے زرخیز نہ تھی۔ تمہارا دل فقط میرے لئے نہ تھا۔ نہ کبھی میرے نام کا کوئی اقرار نہ کوئی وفا، بس طویل چپ۔ اور جانتے ہو محبت ایک آہنگ ہے۔ خاموشی سے سوا، ایک صدا ہے، محبت زبردستی کا سودا نہیں ہے، نہ ہی گلے پڑا ڈھول ہے جسے زبردستی آہنگ پیدا کرنے کو بجاتے رہا جائے۔ کوئی گلہ نہیں ہے...... بس ایک شکوہ ہے۔ تم نے مجھ پر اعتبار نہیں کیا...... مجھے قابل اعتبار نہیں جانا...... علی شاہ نے جب مجھے اس تمام حقیقت سے آگاہ کیا تو مجھے بس یہی بات تمہاری اچھی نہیں لگی...... تم کیوں مجھ سے چھپاتے رہے، کیوں مخفی رکھا خود کو مجھ سے۔ کیا تم سمجھتے تھے کہ میں تم پر اعتبار نہیں کروں گی؟"

بہت چپکے سے سمندر بند توڑ کر اس کی پلکوں سے نکلا تھا اور اس کے رخساروں کو بھگوتا چلا گیا تھا۔ وہ چپ ہو کر سر جھکا گئی تھی۔

"راستے الگ ہو بھی جائیں تو بعض اوقات دل علیحدہ نہیں ہوتے۔ کوئی ربط تو باہم پھر بھی موجود رہتا ہے۔ تم دوست ہونے کے ناتے تو مجھے مطلع کر سکتے تھے۔ اور......"

وہ بولتے بولتے چپ ہو کر ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں رگڑنے لگی تھی۔ عجب بے ربط انداز تھا اس کا...... جیسے وہ خود نہ جانتی ہو کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

رہبان عالم شاہ نے اس کی طرف دیکھا تھا مگر آج بھی اس کے لبوں پر ایک جامد چپ تھی۔

''میں جانتی ہوں تم میرے لئے نہیں تھے...... میرے نہیں تھے۔ اگر ہوتے تو تمہیں کوئی مجھ سے بیگانہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ بخت کے کھیل بھی عجب ہیں۔ شاید کہیں کوئی ہے جو میرے لئے ہے...... یہ میں نے تب جانا جب تیمور لغاری یکدم ہی میرے سامنے آن رکا...... ہم دونوں کی اسکولنگ اکٹھی ہوئی ہے۔ مگر پھر وہ کون کو دور چلا گیا...... اب وہ لوٹا ہے تو کھلا ہے...... وہ میرا خیال اپنے سنگ لئے مسلسل سفر کرتا رہا ہے۔ اور اب اگر وہ یہاں واپس لوٹا ہے تو اس کا سبب فقط میں ہوں۔ عجب ربط ہیں یہ...... عجب راستے ہیں۔ کیا جواز ہے میرے پاس...... انکار کی کوئی راہ نہیں...... وہ پاپا کے عزیز ترین دوست کا بیٹا ہے...... بہت قدیم مراسم ہیں...... وہ میرا مزاج آشنا ہے۔ سب سے بڑھ کر اس کے دل میں، میں ہوں...... آج شام ایک تقریب میں، میں اپنا آپ اس کے نام لکھ دوں گی...... اور کل ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ اس سارے معاملے میں کہیں کوئی ان فیئر تھنگ نہیں ہو گی...... میں نے سوچ رکھا ہے۔ بہت فیئر زندگی گزاروں گی...... جو تم سنگ گزرا، وہ زمانہ، وہ میری زندگی کا پارٹ ضرور رہا ہے۔ اس باب کو میں اپنی زندگی سے الگ نہیں کر سکتی۔ مگر یہ طے ہے کہ اب یہ باب ختم ہو چکا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ جو کچھ بھی ہوا، اس کے بعد میں تم سے نفرت کرتی ہوں یا تم کو بھول جاؤں گی۔ شاید اس میں کچھ وقت لگے۔ مگر میں تمہیں بھولنا نہیں چاہوں گی۔ تم نے مجھے محبت سے آشنائی دی۔ مجھے نہیں پتہ اک پل میں کیا ہوا...... ہمارے درمیان کچھ تھا کہ نہیں۔ یا پھر تھا تو پھر پل بھر میں دھواں ہو گیا۔'' سجل نے مدھم لہجے میں کہتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔

''تم پرائے کیسے ہوئے؟ اجنبی کیسے ہوئے؟ یہ الگ کہانی ہے۔ آج کچھ نہیں رہا، یہ الگ بات ہے۔ مگر جانے کیوں دل کہتا ہے کہ جب ہم دونوں کے درمیان کوئی تیسرا نہ تھا، تب ہر شے پیور تھی...... شدت کم سہی، مگر محبت ضرور تھی۔''

وہ بہت آہستگی سے اٹھی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اس کی جانب دیکھتی ہوئی ہولے سے مسکرائی تھی۔ ''اپنا خیال رکھنا......!''

رہبان عالم شاہ بہت آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ وہ پلٹنے لگی تھی، جب بہت ہولے سے اس نے پکارا تھا۔

''سجل!''

وہ جیسے ایک پل میں اپنی جگہ پتھر تھی۔ رہبان عالم شاہ کی ایک صدا آج بھی اس کے قدم باندھ گئی تھی۔ وہ چلتا ہوا اس کے سامنے آن رکا تھا۔ کچھ دیر تک خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، پھر بہت آہستگی سے اس کے لب ہلے تھے۔

''آئی ایم سوری۔'' ایک جملہ...... فقط ایک جملہ بہت ہولے سے اس کے لبوں سے پھسلا تھا۔ سجل عباس نقوی اسے تکتی چلی گئی تھی۔ پھر یکدم ہی سر نفی میں ہلاتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

''میں تمہارے لئے دعا کروں گی۔''

''خوش رہنا۔'' رہبان عالم شاہ کا لہجہ مدھم تھا۔

سجل عباس نقوی اسے دیکھتے ہوئے مسکرا دی تھی۔ اس کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی تھی۔ اس نے بہت آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا تھا اور پھر پلٹ کر فوراً ہی واپسی کی راہ پر اپنے قدم ڈال دیئے تھے۔

رہبان عالم شاہ بہت دیر تک کھڑا اسی جانب تکتا رہا تھا۔

❂......❂

''اے میری بچی پر اتنی بڑی قیامت گزر گئی اور مجھے کسی نے مطلع بھی نہ کیا...... میں کیا اتنی ہی غیر تھی۔ چھوٹے رئیس صاحب کے ہاتھ پیغام بھجوا دیا ہوتا۔ میں رکنے والی کہاں تھی...... بے خبر پڑی رہی...... بہن کی بیٹی کے پاس سوچا تھا عمر کے آخری دن بسر کر لوں گی...... سو گاؤں سے بوریا بستر سمیٹ کر پنڈی چلی آئی۔ مجھے کیا خبر تھی۔'' زینب بی بی مژگان کا سر اپنے سینے سے لگائے نم آنکھوں سے شکوہ کر رہی تھیں۔

مژگان ہولے سے مسکرا دی تھی۔

''اماں! اب تو ٹھیک ہوں۔ اب پریشانی کی بات کیا ہے۔''

''خدا تجھے چنگا بھلا ہی رکھے...... سنا تو کلیجہ منہ کو آ گیا...... اپنے ہاتھوں پالا ہے تجھے...... تجھے اپنے گھر خوش دیکھ کر چھوڑ گئی تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ سارے رشتے ختم ہو گئے۔ رئیس صاحب کے ہاتھ پیغام بھجوا دیا ہوتا...... میں کیا نہیں آتی؟''

''بس آپ روئیں نہیں...... سب ٹھیک ہے۔ گرینی بھی ڈانٹ رہی تھیں۔ ایکچوئیلی یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا...... پھر رہبان کو بھی وقت نہیں ملا۔ سارا گھر اسی پریشانی میں مبتلا تھا۔ کسی کو بھی مطلع کرنے کا خیال نہیں آیا۔'' مژگان نے بہت ہولے سے کہا۔

''سسرال والے بھی سب آئے ہوئے ہیں تیرے؟'' زینب بی بی نے دوپٹے سے آنکھیں

پونچھتے ہوئے دریافت کیا تھا۔ اس نے فوراً سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"بہت اچھے ہیں سب...... بہت پیار کرنے والے۔" مدھم لہجے میں اقرار کیا تھا۔ "تیری ساس سے تو ملی ہوں میں۔ بڑی راہ و رسم والی خاتون ہیں۔ لہجے میں بھی بڑی شیرینی ہے۔"

"ہاں...... ان سب کی محبتوں کا ہی تو اعجاز ہے کہ میں آج آپ کے سامنے ہوں۔"

"مجھے معلوم تھا، تو بہت خوش ہے تبھی تو تجھ سے کسی قدر غافل ہوگئی۔ بیٹی اپنے گھر بار والی ہو جائے تو قدرے کم کم ہی ملنا چاہیے۔ کچھ دل کو تیرے باعث سکون بھی تھا کہ گھر اور بر دونوں اچھے ملے ہیں سو عرصے تک پلٹ کر خبر نہ لی۔ رہبان بیٹا تو اچھا ہے نا تیرے ساتھ؟"

انہوں نے رک کر یکدم ہی پوچھا تھا۔ مژگان نے فوراً سر اثبات میں ہلا دیا تھا، پھر نگاہ پھیر گئی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے بولی تھی۔

"آپ رہیں گی نا اب میرے پاس؟"

"نہیں...... شام تک جانا ہے۔ بس دیکھ لیا تجھے، کافی ہے۔ تیرا خیال رکھنے کو ہیں نا اب تیرے سسرال والے۔" اس کے چہرے کو چھوتے ہوئے وہ مسکرائی تھیں۔ وہ بہت ہولے سے ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گئی تھی۔

"کیوں...... آپ کی کچھ نہیں لگتی میں؟"

زینب بی بی نے ہولے سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرا تھا۔ "بیٹی جب اپنے گھر کی ہو جائے تو پھر کم کم اس کے گھر آنا چاہیے۔ ہم پرانے لوگ ہیں۔ پرانی روایات کو لے کر چلنے والے ہیں۔"

"پرانی روایات کیا کہتی ہیں، بیٹی سے قطع تعلق کر لو؟" مژگان نے خفا خفا سے انداز میں سر اٹھا کر زینب بی بی کی جانب دیکھا۔

"خدا نہ کرے...... آتی جاتی رہوں گی...... تو خوش رہ...... خدا تجھے آباد رکھے...... فلورا سے بات ہو تو کہنا چکر لگا لیا کرو۔"

"میں خود جا رہی ہوں ان کے پاس......" مژگان بے دھیانی میں بول گئی تھی۔ پھر یکدم لب بھینچ کر نگاہ پھیر گئی تھی جیسے بتانا نہ چاہتی ہو۔ زینب بی بی نے اسے بغور دیکھا تھا، پھر بولی تھیں۔

"رہبان بیٹا بھی ساتھ ہو گا نا۔ چلو اچھا ہے، آب و ہوا تبدیل ہو جائے گی۔"

مژگان کچھ نہیں بولی تھی، خاموشی سے لب بھینچے رہی تھی۔ زینب بی بی نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا تھا مگر بولی کچھ نہیں تھی۔

"اماں!" مژگان نے بہت آہستگی سے پکارا تھا۔

"ہوں!" زینب بی بی نے اس کے چہرے کو تکا تھا۔

وہ کچھ دیر تک خاموش ہی رہی تھی۔ پھر نگاہ اٹھا کر ان کی جانب دیکھا تھا، پھر نفی میں سر ہلاتے ہوئے دوبارہ ان کی گود میں سر دھر کے آنکھیں موند گئی تھی۔ زینب بی بی نے بغور اسے دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے؟"

"اوں ہوں...... کچھ نہیں۔" مژگان نے آنکھیں موندے موندے کہا۔

زینب بی بی اسی انداز میں اسے تکتی گئی تھیں۔ تبھی وہ بہت ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

"آپ چلیں گی نا میرے ساتھ؟"

"کہاں؟"

"واپس پرٹینس۔"

"واپس؟" وہ چونکی تھیں۔ مژگان نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا تھا۔

"ہاں واپس۔" وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ زینب بی بی اسے نہ سمجھنے والے انداز میں دیکھتی رہی تھیں، پھر بہت آہستگی سے بولی تھیں۔

"اور یہ گھر...... تمہاری سسرال...... تمہارا خاندان؟"

"یہ سب اپنے گھر رہیں گے کیونکہ یہ اپنے مرکز پر ہیں۔ سفر بے ٹھکانہ لوگ کرتے ہیں۔"

"کیا کہہ رہی ہے تو...... میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آ رہا؟"

"جلد آ جائے گا۔ آپ ایک بات بتائیے، جو شے آپ کی نہ ہو، آپ اس پر قابض رہیں گی یا دستبردار ہو جائیں گی؟"

زینب بی بی کچھ دیر تک خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھیں۔ پھر بہت آہستگی سے بولی تھیں۔ "اگر شے کسی اور کی ہے تو ظاہر ہے میری اس پر اجارہ داری ہرگز قائم نہیں ہو سکتی۔ مگر تم......"

"بس تو پھر ہمیں واپس لوٹنا ہے۔ ہم سب پھر ساتھ رہیں گے۔ میں، گرینی اور آپ۔"

"اور یہ تیرا گھر...... یہ تیرے سب لوگ؟" زینب بی بی بھونچکا رہ گئی تھیں۔ مژگان نے ان کی جانب دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے مسکرا دی تھی۔ بہت بے بسی کا سا انداز تھا۔

"کچھ بھی میرا نہیں ہے۔" کہہ کر وہ نگاہ پھیرے کچھ دیر تک دوسری سمت تکتی رہی تھی۔ پھر اسی مدھم انداز میں بولی تھی۔ "میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گی۔ میں حق پر ہوں، کچھ بھی غلط

نہیں کر رہی۔ کیا آپ سوچ سکتی ہیں کہ میں کوئی غلط اقدام اٹھا سکتی ہوں یا کوئی غلط فیصلہ کر سکتی ہوں؟'' وہ انہیں مطمئن کرنے کو بولی تھی۔ مگر وہ اسی قدر خاموشی سے اسے تکے گئی تھیں۔

✿......✿
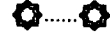
بچھڑنے سے ذرا پہلے
تمہیں بھی سوچ لینا چاہئے تھا
تمہیں بھی سوچ لینا چاہئے تھا
کہ یوں چاہت کو ٹھکرایا نہیں کرتے
کہ یوں بیتے دنوں کو بھولنا اچھا نہیں ہوتا
کہ یوں انجان بن کر چین سے جینا ہمارے واسطے ممکن نہ ہوگا
تمہیں بھی سوچ لینا چاہئے تھا
کہ وہ باتیں جو ہم اک دوسرے سے کر چکے ہیں
کبھی واپس نہ آئیں گی
کہ وہ لمحے جو ہم اک دوسرے میں جی چکے ہیں
پھر کبھی زندہ نہیں ہوں گے
بچھڑنے سے ذرا پہلے
تمہیں بھی سوچ لینا چاہئے تھا

بند کمرے کی خاموش فضا میں وہ کتنی خاموشی کے ساتھ اردگرد پھیلی بہت سی یادوں کو دیکھ رہا تھا۔ محسوس کر رہا تھا۔ چاروں جانب بکھری تنہائی جیسے غنیمت تھی۔ ایسے لمحوں میں بھاگنے اور چھپنے چھپانے کا عمل رک جاتا ہے۔

ہر پچھلی گزری بات کو سوچتے ہوئے.... بیتی یاد کو سوچتے ہوئے.... بڑی ایمانداری سے کسی قدر اپنی ذات کا تصفیہ بھی وقوع پذیر ہوتا ہے۔ کمرے میں پھیلی طویل خاموشی میں گزری یادوں کی البم کے اوراق الٹتے ہوئے اعصار شیخ بھی انہی لمحوں کی گرفت میں تھا۔ بھاگتے بھاگتے تھک کر ستانے کے عمل سے گزر رہا تھا۔ مطلوبہ فرد کے کتنے روپ اس کے سامنے تھے۔ کتنے نقش تھے جو دل پر درج تھے۔ ایک تصویر پر اس کی نظریں ساکت ہوگئی تھیں۔

وہ بے دھیانی میں مسکراتی ہوئی کس قدر دلفریب لگ رہی تھی۔ کبھی کسی لمحے میں اس نے کس قدر خاموشی کے ساتھ بنا اسے خبردار کئے یہ منظر اپنے کیمرے میں محفوظ کیا تھا۔ وہ بہت انہماک سے اس چہرے کو تکتا رہا تھا۔ پھر بہت ہولے سے اس کا ہاتھ اس عکس کی جانب بڑھا

تھا۔ کس قدر آہستگی سے اس نے اس عکس کو چھوا تھا۔

یکدم ہی کھٹکا ہوا تھا۔ اس نے ایک پل میں چونکتے ہوئے فوراً ہی اردگرد بکھری ہوئی بہت سی تصویروں کو سمیٹ کر تکیے کے نیچے ڈالا تھا۔ انداز بالکل ایسا تھا، جیسے کوئی چوری کرتے یکدم ہی رنگے ہاتھوں پکڑا جائے۔ تائی اماں نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا تھا۔

''جاگ رہے ہو؟''

''جی۔'' اس نے تمام اندرونی کیفیات پر قابو پاتے ہوئے ایک لمحے میں خود کو سنبھالا تھا۔ مگر انداز میں کسی قدر خجالت ضرور تھی۔ تائی اماں نے اسے دیکھا تھا، پھر چلتے ہوئے آگے آئی تھیں اور اس کے سامنے بیٹھ گئی تھیں۔ اعصار شیخ نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھنے لگا تھا۔

''مجھے بلوا لیا ہوتا۔ آپ نے کیوں زحمت کی؟''

تائی اماں جواباً کچھ نہیں بولی تھیں۔ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھیں۔ وہ اس وقت یقیناً کسی گہری سوچ میں تھیں۔ اعصار شیخ جان گیا تھا وہ اس سے کسی گمبھیر مسئلے پر بات کرنا چاہتی تھیں۔ اور وہ گمبھیر مسئلہ کیا ہو سکتا تھا، وہ بخوبی جانتا تھا۔ تبھی وہ بولی تھیں تو وہ چونکا نہیں تھا۔

''بچے جب بڑے ہو جائیں اور اپنے اچھے برے کی تمیز خود کرنے لگیں تو پھر بڑوں کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ میں یقیناً تمہاری زندگی میں مداخلت کا حق نہیں رکھتی۔ مگر جو صورتحال درپیش ہے، اس کو دیکھتے ہوئے سوچنا پڑتا ہے کہ اب کیا ہوگا؟ فکر کرنا پڑتی ہے۔ دنیا داری کی خاطر...... دنیا دکھاوے کی خاطر...... تم بچے اپنی دانست میں بڑے ہو چکے ہو...... اپنے فیصلوں کے لئے آزاد ہو...... سوچ میں مستند ہو۔ زندگی گزارنے کے لئے کسی کے پابند نہیں ہو...... خود مختاری کے دعویدار ہو...... دوسروں کی انگلی تھام کر چلنا اب تم لوگوں کو اچھا نہیں لگتا۔ مگر ہم پھر بھی تم لوگوں سے کٹ کر نہیں رہ سکتے۔'' بہت زوردار حملہ ہوا تھا۔ وہ سر جھکائے چپ چاپ بیٹھا رہا تھا۔ تائی اماں کا لہجہ اور انداز پُر اعتدال تھا، مگر وہ تمام بات کو سمجھ رہا تھا۔ تائی اماں کچھ لمحوں تک چپ ہو کر اسے دیکھتی رہی تھیں۔ پھر قدرے توقف سے گویا ہوئی تھیں۔

''تم نے مجھے اسلام آباد جانے سے منع کیا۔ میں نے تمہارے حکم کی تعمیل کی۔ مگر اب جو صورتحال ہے، اس کے متعلق سوچو...... گھر میں نمیرا کی منگنی کی رسم ہونے والی ہے۔ کتنے لوگ موجود ہوں گے۔ وہ یہاں نہیں ہوگی تو کتنی سبکی ہوگی۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ ہم زمانے سے کٹ کر نہیں رہ سکتے۔ یہ کہہ کر بری الذمہ بھی نہیں ہو سکتے کہ ہمیں زمانے کی فکر نہیں۔ اپنے طور پر زندگی جینے کا قصد کر بھی لیا جائے تو بھی دنیا کی فکر کرنا پڑتی ہے۔ کیونکہ ہمیں بہرحال اسی زمانے کے ساتھ رہنا ہے۔ جینا ہے۔ میں نہیں جانتی تم کیا سوچتے ہو، مگر تم ہم سے وابستہ ہو

اورتم سے منسوب ہونے کے باعث ان تمام نظروں کا سامنا ہمیں بھی ہو گا۔ ان تمام چہ میگوئیوں اور دبی دبی باتوں کا سامنا ہمیں بھی کرنا ہو گا۔ وہ سب طعنے اور الزام ہمیں بھی سہنا ہوں گے۔ اس کا یہاں نہ ہونا معمولی بات نہیں ہے۔ اس کی حیثیت اس گھر میں جو ہے، اس سے تم واقف ہو۔ اسے یہ تمام مقام، یہ اعزاز تم نے دیا ہے۔ بہو بیٹیاں خاندان کی عزت گردانی جاتی ہیں۔ تم خود سمجھدار ہو۔ اس کی غیر موجودگی ہمارے لئے کس قدر سبکی کا باعث بنے گی، اس کے متعلق تم بہتر طور پر جان سکتے ہو۔ اسی باعث میں نے چاہا تھا کہ اس مسئلے کو اپنے طور پر سلجھا لوں۔ نہ تمہیں جھکنا پڑے نہ تمہاری انا کا پرچم سرنگوں ہو۔ مگر تم نے مجھے ویسا بھی کرنے نہیں دیا۔ اب صورت حال تمہارے سامنے ہے، تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ تم کیا اقدام کرتے ہو، یہ تم پر منحصر ہے۔ کہتے ہیں، درانتی کے ایک طرف دندانے ہوتے ہیں، دنیا کے دونوں طرف...... جتنے منہ اتنی باتیں ہوں گی۔ کیا کیا جھیلیں گے ہم۔"

وہ تمام مدعا بیان کر کے چپ ہوئی تھیں۔ کچھ دیر خاموشی سے بیٹھی اسے دیکھتی رہی تھیں پھر ہولے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ جانے سے قبل انہوں نے فقط ایک بات کہی تھی۔

"خاندان کی عزت وعظمت کی باگ ڈور اس وقت تمہارے ہاتھ ہے۔ ہم نہیں جانتے تم کیا اقدام کرو گے۔ مگر اتنا سوچ لینا، تمہاری نام نہاد انا کے ہاتھوں ذلت ہم سب کی برابر کی ہو گی۔ ہم اس عمل میں شامل نہ ہوتے ہوئے بھی جواب دہی کے لئے مطلوب ہوں گے۔ الزام ہم پر بھی اسی قدر ہو گا۔" کہہ کر وہ فوراً ہی پلٹی تھیں اور باہر نکل گئی تھیں۔ اعصار شیخ سر جھکائے خاموشی سے بیٹھا رہا تھا۔

✿......✿

کتنے دن تک وہ اپنے کمرے میں مقید رہی تھی۔

وجاہت شاہ، اماں اور ابا کتنی بار اس کے کمرے میں آئے تھے۔ صورت حال فوری طور پر ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ نہ ہی سیو نے اس بابت لب کشائی کی تھی۔ اس نے کسی سے کوئی شکوہ نہیں کیا تھا۔ کسی سے کچھ نہیں کہا تھا، مگر اس کے سوجے سوجے پپوٹے سبھی کے لئے باعث فکر تھے۔ باعث تشویش تھے۔ وجاہت شاہ اور ابا تو اس سے ایک حد فاصل کے باعث کچھ نہ کہہ سکے تھے مگر اماں نے ضرور دریافت کیا تھا۔ وہ بنا کچھ کہے نفی میں سر ہلاتی چلی گئی تھی۔

"کسی نے کچھ کہا ہے؟"

"اوں ہوں......" اس نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا تھا مگر آنکھیں یکدم ہی پانی سے بھر گئی تھیں۔ اماں نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"پھر......؟"

"کچھ نہیں...... مجھے اپنے بے بے، چاچا اور اپنا ویرا اکبر بہت یاد آ رہا ہے۔" آنکھوں میں ٹھہرے سمندر یکدم ہی بہہ نکلے تھے۔ اماں اس کا جھکا ہوا سر دیکھتی رہ گئی تھیں۔ پھر بہت آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ دھر دیا تھا۔ وہ یقیناً صورتحال کے متعلق قیاس کر سکتی تھیں۔ ایک عمر کا تجربہ تھا ان کے پاس۔ جہاندیدہ تھیں، ایک نگاہ میں اس کی کیفیت جان گئی تھیں۔ مگر وہ اس بات کا احساس دلانا نہیں چاہتی تھیں۔

قصور یقیناً اس کا بھی نہیں تھا۔ وہ عمر کے اس حصے میں تھی، جب شعور پوری طرح بیدار ہوتا ہے۔ ایسی عمر میں دھوکا کھانا اور کسی بھی منظر کو قبول کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس کے لئے یقیناً یہ بدلی ہوئی صورتحال کسی انقلاب سے کم نہیں تھی اور اس انقلاب کو یقیناً اس کا ذہن قبول نہیں کر سکا تھا۔ قصور اس کا بھی نہ تھا۔ اماں نے اس کے شانے پر ہاتھ دھرا تھا، پھر اس کا سر تھام کر اپنے کندھے پر ٹکا لیا تھا۔ سیو جیسے ایسے ہی کسی لمحے کی تلاش میں تھی۔ اندر کا غبار یکدم ہی راہ پا گیا تھا۔ کتنی دیر وہ اسی طرح ہچکیوں کے ساتھ روتی رہی اور اپنے اندر کی کثافت کو دھوتی رہی تھی۔ اماں ہولے ہولے اس کا سر تھپکتی رہی تھیں۔ کوئی نہ کوئی معاملہ ضرور تھا۔ مگر وہ فی الحال قطعاً بھی اس کے متعلق کریدنے کو تیار نہ تھیں۔ وہ خاموشی کے ساتھ اسی کے متعلق سوچ رہی تھیں، جب اس نے یکدم ہی ان کے شانے سے سر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا تھا۔

"مجھے آپ لوگوں کا کوئی بھی فیصلہ قبول نہیں ہے۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ آپ چاہیں تو میری جان لے لیجئے۔ جسم میں دوڑتا بھاگتا سارا خون نچوڑ لیجئے، میں اُف تک نہیں کروں گی۔ مگر میں ایسا نہیں کر سکتی۔" وہ بھیگی بھیگی آنکھوں سمیت نفی میں سر ہلاتی چلی گئی تھی۔

"میں نمک حرام نہیں ہوں، نہ ہی اپنی حیثیت بھولی ہوں۔ میں آج بھی آپ کے ہر حکم پر سر جھکا سکتی ہوں۔ بنا سوچے سمجھے راضی نامہ سونپ سکتی ہوں۔ مگر میں......" وہ ایک بار پھر بھیگی آنکھوں کے ساتھ ہونٹ بھینچ کر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ "وقت اور حالات نے مجھے آپ سب کے ساتھ منسلک کر دیا ہے مگر میں خود کو آپ میں سے نہیں سمجھتی۔ برائے مہربانی، مجھے میری اصل پہچان کے ساتھ زندہ رہنے دیجئے۔ یہ خاندانی حسب نسب، یہ اونچا شملہ، یہ سب بہت زیادہ ہے میرے لئے...... میں ان تمام اعزازات کے قابل خود کو نہیں سمجھتی۔ نہ ہی یہ بوجھ سہار سکتی ہوں۔ مجھے اس خاندان کی خادمہ ہی رہنے دیجئے۔ ایک خدمت گزار ہی رہنے دیجئے۔ یقین کیجئے، یہ سب میری حیثیت سے بہت زیادہ ہے۔ میں اس سب کچھ کے قابل خود کو نہیں سمجھتی۔" وہ کہہ کر سر جھکا گئی تھی۔ اماں کتنی ہی دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھیں۔ پھر

انہوں نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

"کیا تمہیں کسی نے اس بابت کچھ کہا؟" بہت آہستگی سے انہوں نے دریافت کیا تھا۔ مگر اس نے سرنفی میں ہلا دیا تھا۔

"کیا اعیان نے کچھ کہا؟" انہوں نے جانچتی نظروں سے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ وہ سر جھکائے گردن کو نفی میں ہلانے لگی تھی۔ تب اماں نے مزید کچھ نہیں دریافت کیا تھا خاموشی سے اٹھی تھیں اور باہر نکل گئی تھیں۔ مگر ان کا ذہن اسی قدر الجھا ہوا تھا۔

✿......✿

وہ خالی خالی نظروں سے سر اٹھائے آسمان کو تکے جارہی تھی جب غیر متوقع طور پر اچانک ہی وہاں پر فاکہہ آگئی تھی۔

"تمہارے بخت کا چاند تو تمہیں مل چکا، اب ان خلاؤں میں کیا تلاش کر رہی ہو؟" اس کا انداز انتہائی پُرشرارت تھا۔ ادعیہ کے لئے کوئی اور گھڑی ہوتی تو یقیناً وہ نہ مسکراتی، مگر اس گھڑی اسے خود پر جبر کر کے مسکرانا پڑا تھا۔

"میں نے اکثر موویز میں دیکھا ہے، جب دو رومانٹک کپل ایک دوجے سے میلوں کی دوری پر بیٹھے ہوتے ہیں اور اک دوجے کے اختیار سے باہر ہوتے ہیں تو وہ بے خودی کے اس لمحے میں اس ایک شے کو ایک وقت میں بغور تکتے ہیں۔ جانتی ہو، وہ شے کیا ہے؟" فاکہہ نے مسکراتے ہوئے کافی کا کپ اس کی سمت بڑھایا تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

فاکہہ یکدم کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

اے رومانٹک نیٹنگ بیوٹی...... مون...... یعنی چاند۔ امجد اسلام امجد صاحب نے بھی شاید کسی ایسے ہی لمحے کی گرفت میں کہا تھا۔

اپنے گھر کی کھڑکی سے میں آسمان کو دیکھوں گا
جس پر تیرا نام لکھا ہے اس تارے کو ڈھونڈوں گا
رات گئے جب چاند ستارے لکن میٹی کھیلیں گے
آدھی نیند کا سپنا بن کر میں بھی تم کو چھولوں گا
بے موسم بارش کی صورت، دیر تلک اور دور تلک
تیرے دیارِ حسن پہ میں بھی کن من کن من برسوں گا

فاکہہ مسکرائی تھی۔ ادعیہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تھا، پھر شانے اچکا دیئے تھے۔

"نہیں، میں موویز نہیں دیکھتی۔"

"یہ اپنے امجد اسلام امجد صاحب کوئی فیملی ہیرو تھوڑی ہیں۔ بیچارے شاعر واقع ہوئے ہیں۔ فلموں میں تو یہ آتے بھی نہیں ہیں۔" فاکہہ کا قہقہہ بے حد بے ساختہ تھا۔ اس کی کم فہمی پر وہ نادیر ہنستی رہی تھی۔ وہ اسے متواتر چھیڑ رہی تھی۔ ادعیہ ہولے سے مسکرا دی تھی۔

"میں نے آپ کی پہلی والی بات کے جواب میں کہا تھا۔" اس نے وضاحت کی تھی۔

"ہاں، مگر ٹرین چھوٹنے کے بعد۔" فاکہہ پھر ہنس دی تھیں۔ ادعیہ مسکرا دی تھی۔ نظریں پھر آسمان پر جا ٹھہری تھیں۔ فاکہہ اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھنے لگی تھی۔

"جانتی ہو، چاند واقعی ہر جگہ ایک ہی ہوتا ہے۔ یقیناً اعصار بھائی بھی اس گھڑی اس چاند کو بغور تک رہے ہوں گے۔" وہ پھر بھی شرارت سے باز نہ آئی تھی۔

ادعیہ بہت ہولے سے مسکرائی تھی۔ "یہ سب افسانوی باتیں ہیں، حقیقت کا جن سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ ہم پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ چاند ستاروں کی حقیقت منکشف ہے ہم پر۔" وہ لب بھینچ کر کافی کے کپ کے کناروں پر بے دھیانی میں انگلی پھیرنے لگی تھی۔

فاکہہ نے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھا تھا۔ "تم واقعی بہت خشک مزاج ہو۔ عام لڑکیوں کی طرح نہ تو تم میں چلبلا پن ہے نہ حس مزاح، نہ شوخی نہ شرارت۔ اعصار بھائی تو سر پر ہاتھ رکھ کر روتے ہوں گے، کیا بڈھی مائی گلے پڑ گئی۔" فاکہہ نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔ مگر وہ خاموشی سے سر جھکائے رہی تھی۔ فاکہہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"تم اس ویک اینڈ پر جا کر مل کیوں نہیں آتیں سب سے؟"

ادعیہ نے چونک کر سر ہلایا تھا۔ وہ اس کی جانب بغور دیکھ رہی تھی۔ وہ چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے بولی تھی۔

"این جی او کی طرف سے میری رہائش کا مسئلہ حل ہو رہا ہے۔ بہت جلد مجھے رہنے کے لئے گھر مل جائے گا اور......" اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا، شاید تبھی وہ مزید کچھ کہے بغیر لب بھینچ گئی تھی۔ فاکہہ کے مسکراتے لب بھی ساکت ہو گئے تھے۔ کچھ دیر تک وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ پھر بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔

"یہاں کوئی شکایت ہے تم کو؟"

"نن...... نہیں۔" ادعیہ نے فوراً سرنفی میں ہلایا تھا۔ "آپ سب بہت اچھے ہیں مگر......"

"مگر کیا؟" اس نے وضاحت چاہی تھی۔ ادعیہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"اچھا نہیں لگتا...... جب تک کوئی انتظام نہیں تھا، تب تک تو سب کچھ ٹھیک تھا۔ مگر اب کچھ اچھا نہیں لگتا۔" ادعیہ نے کہتے کہتے رک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

ادعیہ نے بھی اپنی نظریں دور خلاؤں پر جما دی تھیں۔

''شام میں اعصار شیخ کا فون آیا تھا۔'' اس نے بہت آہستگی سے مطلع کیا تھا۔ ادعیہ کا دل یکبارگی دھڑکا تھا۔ وہ چونکتے ہوئے فاکہہ کی جانب دیکھنے لگی تھی۔ فاکہہ کا انداز سرسری تھا۔

''لائن میں بہت ڈسٹوریشن تھی۔ پھر یکدم لائن ڈس کنکٹ ہوگئی۔ میں اخذ کر رہی تھی وہ دوبارہ فون کرلیں گے۔ مگر شاید وہ مصروف ہوگئے ہوں۔ مے بی تم سے کوئی ضروری بات کرنا ہو...... رنگ کر لینا۔''

ادعیہ سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔ عجب چور سا انداز تھا۔ فاکہہ نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

''گڈ نائٹ...... ویسے ہمیں خوشی ہوگی اگر تم ہمیں شرف میزبانی بخشے رکھو۔ یقین جانو، تمہارے یہاں آنے سے ہمیں بالکل بھی کوئی تکلیف نہیں ہوئی ہے۔ تایا ابا اور اعصار سے ہمارے مراسم آج کے نہیں ہیں۔'' کہنے کے ساتھ ہی وہ پلٹی تھی اور پھر سیڑھیاں اترتی چلی گئی تھی۔

ادعیہ کے سینے میں جیسے ایک انی سے کھب گئی تھی۔ سانس لینا تک محال ہو رہا تھا۔ دل کا عجب عالم تھا۔ پل میں سارا منظر دھواں دھواں تھا۔ وجود میں ہلچل مچانے کو آج بھی اس شخص کا نام کافی تھا۔

✿......✿
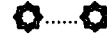
گھر کے ماحول میں ایک عجیب سا تناؤ بھر گیا تھا۔ اس نے جو کچھ کہا تھا، اماں نے یقیناً سب کو اس سے مطلع کر دیا تھا۔

سیو ایسی کوئی کیفیت کری ایٹ کرنا نہیں چاہتی تھی۔ نہ ہی اس گھر کا سکون خراب کرنا اسے مقصود تھا۔ مگر اس نے وہی کیا تھا جو اسے اپنے طور پر بہتر لگا تھا۔ کیسی الف لیلوی داستان تھی۔

ایک شہزادے نے ایک غریب لکڑہارے کی بیٹی کا ہاتھ چاہا تھا۔ مگر کس قدر بے قدری تھی؛ وہ غریب لڑکی۔ اس شہزادے کو پل میں بے توقیر کر دیا تھا...... فقط اپنے ایک انکار سے۔

یہی ایک بات الف لیلوی نہیں تھی۔

وہ چاہتی تو اس ایک پل کو مٹھی میں بند کر لیتی۔ کتنے بہت سے رنگ بھر جاتے، اس کے باعث ایک پل میں ساری دنیا ہاتھ میں آ جاتی۔ مگر بات عجیب تھی...... شاید سبھی حیرت میں مبتلا بھی ہوں...... سب کے لئے اس لڑکی کا اقدام باعث حیرت بھی رہا ہو۔ مگر وہ اپنے اس اقدام سے بہت مطمئن تھی۔ اسے صورتحال کی سنگینی کا اندازہ تھا۔ سب کے رویوں کی بھی فکر تھی۔ مگر

ں کے لئے وہ خود کو داؤ پر نہیں لگا سکتی تھی۔ اگر وہ ایسا کرتی تو اس کے اندر کی نفی ہو جاتی۔ جو ے قطعاً قبول نہیں تھی۔

ان دنوں گھر کے ماحول میں عجیب طرح کا کھچاؤ تھا۔ مژگان غالباً اس بات سے اب تک ے خبر تھی۔ اس کی بیماری کے باعث اسے تمام باتوں سے دور رکھا جا رہا تھا۔ اس لئے سیو بھی ں کا بوجھ ہلکا کرنے سے قاصر تھی۔ اس گھر میں وہی ایک سچی دوست تھی اس کی۔ مگر وہ اب ں سے بھی کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔

اگرچہ وہ غلطی پر نہیں تھی، مگر سب کی نظریں اور رویے اسے اپنی جگہ مجرم کر رہے تھے۔ جواباً سب کی نظروں کا سامنا کرنے سے کترانے لگی تھی۔ دو ایک بار ابا جی کا سامنا ہوا تھا۔ اس ں تاب ہی نہیں تھی۔ سر جھکا کر فوراً منظر سے ہٹ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی، اس پر ''احسان اموشی'' کا الزام عائد ہوگا۔ ''کم ظرفی'' کے زمرے میں رکھا جائے گا۔ ''بے فیض'' تصور کیا ئے گا۔ مگر وہ کیا کرتی۔ اسے یہ سب الزامات چپ چاپ جھیلنا تھے۔ کیونکہ خطا تو بہرحال ں سے سرزد ہوئی تھی۔ ایک شہزادے کو اس نے بہرحال ٹھکرایا تو تھا۔

بھلا کیا اوقات تھی اس کی۔ کیا حیثیت تھی۔

ناچیز تھی وہ تو...... بے وقعت...... زمین کی خاک...... یہ نام، یہ رتبہ...... یہ مقام، یہ اونچا لہ...... یہ حسب نسب تو اسے اسی خاندان نے دیا تھا۔ اس کا اپنا کیا تھا۔ یہ مرتبہ...... یہ نام ...انہوں نے ہی تو اسے سونپا تھا۔ اور جواباً اس نے کیسے اپنا آپ دکھایا تھا۔

تھی نا کم حیثیت......

ایک غریب میں بھلا کہاں انا ہوتی ہے۔ کہاں غرور پنپتا ہے۔ کہاں عزت نفس کی بات کرتا وہ...... مگر وہ کر رہی تھی۔ شاید وہ کم فہم نہ رہی تھی۔ شان و شوکت جسے متاثر نہ کر رہی تھی۔ ب نسب جسے مرغوب نہ تھا، اونچا شملہ...... جس کی اسے ضرورت نہ تھی۔

سیّد وجاہت شاہ سے سامنا ہوا تو وہ سر جھکا گئی۔ انہوں نے بہت آہستگی سے اس کے سر ہاتھ دھر دیا تھا۔ وہ بھیگی نگاہ سے سر اٹھائے انہیں تکتی رہی تھی۔ شاید...... کوئی الزام...... کوئی ت...... مگر وہ کچھ نہیں بولے تھے۔ اور تب جانے کیوں وہ اپنی جگہ اور بھی مجرم ہوگئی تھی۔ لانکہ اس سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا تھا۔ مگر اب وہ دانستہ سب سے کترانے لگی تھی۔

اس روز کے بعد سے اس نے اس شخص کو نہ دیکھا تھا...... وہ دانستہ اس کے سامنے نہیں گئی تھا۔ اپنے کمرے میں بند رہی تھی۔ اس روز جب وہ مژگان کے پاس بیٹھی اِدھر اُدھر کی باتیں ر رہی تھی تبھی وہ وہاں آ گیا تھا۔

"میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" اس نے مژگان کی سمت تکتے ہوئے کہا تھا اور پھر فوراً ہی اٹھ کر پلٹی تھی اور اس شخص کے بالکل برابر سے...... بنا اس کی جانب دیکھے...... بنا نگاہ کیئے خاموشی کے ساتھ نکلتی چلی گئی تھی۔

وہ غیر ارادی طور پر اس شخص سے بھاگنے لگی تھی۔

اس روز وہ کچن میں تھی...... جب وہ اس کے پیچھے آن رکا تھا۔

وہ کچھ نہیں بولا تھا مگر وہ اس کی خوشبو سے جان گئی تھی...... بنا کسی آہٹ کے پہچان گئی تھی کہ اس کے پیچھے کون ہے...... وہ یقیناً اس کا منتظر تھا۔ اسی کے لئے اس جگہ آیا تھا۔ مگر وہ فوراً ہی پلٹی تھی، ارادہ اسے بنا دیکھے آگے بڑھ جانے کا تھا۔ وہ راہ فرار ڈھونڈنا چاہتی تھی۔ مگر اس نے یکدم ہی اس کی کلائی تھام لی تھی۔ آہنی ہاتھ کی گرفت اس قدر شدید تھی کہ وہ کراہ کر رہ گئی تھی۔

"کیا سمجھتی ہو تم خود کو؟" اعیان عالم شاہ کا انداز برہم تھا۔ "بولو، کیا سمجھتی ہو تم خود کو؟"

ہمیشہ کول نظر آنے والے شخص کا انداز اس گھڑی قدرے جارحانہ تھا۔ سیو کی آنکھوں میں یکدم ہی سمندر آن رکے تھے۔ اس کے سامنے سر جھکائے وہ یوں کھڑی تھی جیسے وہی اس کی سب سے بڑی مجرم ہو۔

اعیان عالم شاہ خاموشی سے اسے دیکھتا چلا گیا تھا۔

"اس طرح بھاگ کیوں رہی ہو مجھ سے؟" دھیمے لہجے میں کسی قدر سختی تھی۔ اس گھڑی اس شخص کی نگاہوں سے جیسے شعلے لپک رہے تھے۔ سیو کو اپنا پورا وجود جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اسے جواب تو کیا دیتی، اس میں تو نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ہمت نہ تھی۔ چپ چاپ بہت سا پانی آنکھوں سے پھسلتا چلا گیا تھا۔ چہرہ بھیگ گیا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولی تھی۔

"اگر تم سمجھتی ہو کہ تم نے ٹھیک کیا ہے اور تم حق پر ہو تو ڈٹ کر مقابلہ کرو...... چھپتے تو چور ہیں۔ تم جیسے بہادر نہیں...... تم تو دلیر ہو...... نگاہ اٹھا کر دیکھتی کیوں نہیں میری طرف؟"

عجب کشمکش تھی۔ اس کا پورا وجود پتے کی مانند لرزنے لگا تھا۔ دل دھڑکنے کی آواز سے اس کے کان پھٹنے لگے تھے۔ پورا وجود جیسے کسی طوفان کی زد پر تھا۔ وہ ہاتھ چھڑا کر بھاگ جانا چاہتی تھی...... اس کی نگاہوں سے دور ہٹ جانا چاہتی تھی۔ مگر اس میں ہمت ناپید تھی۔ اعیان عالم شاہ اسے بغور تکتا رہا تھا۔

"عظیم فیصلہ کیا ہے تم نے تو...... بڑی عقل ہے تم میں۔ پھر بھاگ کیوں رہی ہو؟" اعیان عالم شاہ کا انداز اس کی توقع سے ہٹ کر تھا۔ اس کا لہجہ مدھم تھا لیکن لفظ اسے اندر تک جھلسا

رہے تھے۔ اس کا سارا وجود آگ کے دہانے پر تھا۔ وہ یونہی سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔

اعیان عالم شاہ نے اسے ایک نظر دیکھا تھا، پھر ایک جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑ کر وہاں سے ہٹتا چلا گیا تھا۔

سیو کتنی ہی دیر وہیں سر جھکائے کھڑی رہی تھی۔

بھیگی بھیگی آنکھوں سے ایک نگاہ اپنی کلائی پر ڈالی تھی...... جہاں اس شخص کا لمس اب بھی موجود تھا...... ایک آگ سی دہک رہی تھی...... پورا وجود جیسے جل رہا تھا۔

✿......✿

علی شاہ اور شجاع، مژگان کی خیریت دریافت کرنے آئے ہوئے تھے۔ وہ شہر سے باہر تھے۔ مگر جیسے ہی خبر ہوئی تھی، علی شاہ بیگم سمیت ان کے سامنے تھا۔

"عجیب شخص ہو تم...... خیال نہیں رکھ سکتے تھے تم...... بائی دی وے، تم تھے کہاں؟"

"خیال ہی تو رکھا ہے...... تبھی تو اس وقت موصوفہ تمہارے سامنے ہیں۔" رہبان عالم شاہ برجستگی سے کہتے ہوئے مسکرایا تھا۔ علی شاہ نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"گڈ چینج۔ مژگان بھابی نے بالآخر تجھے بدل دیا۔" علی شاہ کے کھلکھلا کر ہنسنے پر مژگان جو شجاع کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھی، یکدم ہی متوجہ ہوئی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے بھی عین اس وقت اس کی جانب دیکھا تھا۔ دونوں کی نگاہیں لحہ بھر کو ملی تھیں۔ مژگان یکدم ہی نگاہ جھکا گئی تھی۔ دونوں قدرے فاصلے پر تھے۔

"مبارک ہو...... بالآخر تم نے اپنی زندگی کے متعلق فیصلہ کر لیا۔ گھر کی رونق بتا رہی ہے کہ زندگی اپنے ڈھب پر آ گئی ہے۔" شجاع اور مژگان جب گفتگو میں مصروف تھیں، تب علی شاہ نے قدرے مدھم لہجے میں کہا تھا۔ رہبان عالم شاہ خاموشی سے اسے تکنے لگا تھا۔ تبھی وہ گویا ہوا تھا۔

"سجل کو میں نے مطلع کیا تھا۔ میں جانتا تھا تم اس سے کبھی اصل صورتحال نہ کہہ پاؤ گے۔ اور غلط فہمیاں یونہی بڑھتی رہیں گی۔ کم از کم بتا دینے سے یہ خلا تو ختم ہوا۔ پھر اس نے بھی اپنے متعلق کوئی مناسب فیصلہ کر لیا۔ کدورتیں کسی قدر کم ہوئیں۔ ورنہ وہ تمہیں ساری زندگی ایک دھوکے باز، فریبی سمجھتی رہتی اور تم کبھی کوئی وضاحت نہ کر پاتے...... تم سے ملنے آئی تھی وہ؟"

"ہوں۔" رہبان عالم شاہ اس کی جانب سے نگاہ پھیر گیا تھا۔ علی شاہ کچھ دیر خاموشی سے اس کی جانب دیکھتا رہا تھا، پھر بہت ہولے سے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ دھر دیا تھا۔

''اسے قبول کرلو۔ جو ہے، وہی زندگی ہے۔ تم خسارے میں تو پھر بھی نہیں ہو۔ مژگان بھابی کسی بھی شخص کا خواب ہو سکتی ہیں۔ اور پھر کیا کچھ نہیں کیا اس نے تمہارے لئے..... کوئی لڑکی اتنا ایثار نہیں کر سکتی جتنا اس نے کیا۔ تمہیں اب کوئی فیصلہ سنجیدگی سے کر لینا چاہئے۔ جبکہ سجل بھی اپنی زندگی کو ایک نیا موڑ دے کر نئی راہوں پر گامزن ہو چکی ہے۔ تم سمجھدار بندے ہو، اپنے طور پر کوئی فیصلہ تو سوچ رکھا ہی ہوگا۔ کیا کہتا ہے دل تمہارا؟'' علی شاہ نے دھیمے لہجے میں دریافت کیا تھا اور وہ بے دھیانی میں ہی مژگان کی سمت دیکھنے لگا تھا۔ علی شاہ نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا، لمحہ بھر کو اس کی محویت دیکھی تھی، پھر ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''آئی تھنک، یو ہیو ٹیکن ڈیسیون۔ سو وہاٹ میٹرناؤ؟''

رہبان عالم شاہ نے قدرے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ ''آں..... کیا..... کیا پوچھ رہے ہو تم؟''

علی شاہ نے اسے بغور دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔ ''کچھ نہیں..... صحیح راہ پر جا رہے ہو تم۔ تمہیں اتنی دیر کرنا نہیں چاہئے تھی۔ مگر بہرحال..... دیر تو اب بھی نہیں ہوئی۔ کیا ابھی تک وہی ڈرامہ چل رہا ہے۔ کوئی ''ڈراپ سین'' ہوا کہ نہیں؟''

رہبان عالم شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا، پھر مسکرا دیا تھا۔ ''کیا خیال ہے تمہارا؟''

علی شاہ مسکرا دیا تھا۔ ''تم جیسا شخص کھل کر کچھ نہیں کہہ سکتا..... بیچاری سجل پانچ برس سر پھوڑتی رہی تم جیسے اسٹون مین سے۔ اور پھر بالآخر تھک ہار کر آگے، آئی مین پیا دیس سدھار گئی۔ اب اس تجربے کو دہرانا نہیں چاہتے ہو تو کوئی اقدام کر ڈالو۔'' وہ یقیناً سنجیدہ نہ تھا۔

رہبان عالم شاہ مسکرا دیا تھا۔

''ماشاء اللہ لبوں کی متواتر مسکراہٹ بتا رہی ہے کہ جناب اس بار واقعی دل سے گرفتار ہوئے ہیں۔'' علی شاہ کے کمنٹ پر رہبان عالم شاہ یکدم ہی کھلکھلا کر ہنسنے لگا تھا۔

''ویسے تم جیسے بندے کو پتہ ہے کیا کہتے ہیں۔ ''میسنا'' جو دکھاتا کچھ ہے اور مارتا کبھی ہے۔ ہم تو خالی خولی بدنام رہے۔'' علی شاہ نے ایک مزید بھرپور وار کیا تھا۔ رہبان عالم شاہ مسکرا دیا تھا۔

''نہیں خیر، سجل سے میں نے کوئی دھوکا نہیں کیا۔ وہ جب تک میرے قریب رہی، میں نے اسے دل سے چاہا..... مگر.....''

''مگر پھر کہیں اور مبتلا ہو گئے۔'' علی شاہ مسکرایا۔ رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا۔

''شاید ہاں۔'' بہت دیر بعد اس نے بھرپور اعتماد سے مثبت جواب دیا تھا۔ کچھ دیر خاموشی

سے سر جھکائے ٹیبل کی سطح کو دیکھتا رہا تھا، پھر بہت آہستگی سے گویا ہوا تھا۔

''جانے کیا ہوا..... میں نہیں جانتا..... یقین کرو، پتہ نہیں کیسے، تم جانتے ہو مجھے خود پر..... اپنے جذبات پر اور دل پر ہمیشہ بہت کنٹرول رہا ہے۔ جتنی مدت میں سجل کے ساتھ منسلک رہا، میں نے کسی اور جانب دیکھا بھی نہیں..... میری وفاداریاں اس کے لئے تھیں..... میں نے اپنا سب کچھ اس کے لئے تیاگ دیا تھا۔ میں تمام کشتیاں جلا آیا تھا۔ مجھے اس کے ساتھ جینا تھا، یہ طے تھا۔ میں نے اپنی لائف اس کے ساتھ پلان کی تھی۔ سب کچھ ٹھیک جا رہا تھا۔ مگر پھر اچانک اس کے ساتھ منسلک ہو جانے کے بعد بھی میں سجل ہی کے لئے سوچتا تھا۔ وہی تھی میرے ساتھ..... میرے آس پاس۔ مگر پھر جانے کیسے مجھے خبر ہی نہ ہوئی اور دل میں کوئی اور آن بسا۔ پتہ نہیں کیسے نقش اول، نقش ثانی ہوا..... سجل سے میرا وابستہ ہونا کوئی فریب نہیں تھا۔ وہ واقعی میرے قریب تھی۔ مگر پھر نہ جانے کیسے یکدم، میلوں کی دوری پر جا رکی۔ اس سے وابستہ ہونے کے بعد کا دور مسلسل کشمکش کا دور تھا۔ کبھی کسی بات کا خدشہ تو کبھی کسی کا خوف۔ کبھی پلٹ کر دل میں جھانکنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ جب فرصت ملی اور دیکھا تو سارا منظر تبدیل ہو چکا تھا۔ وہاں بہت چپکے سے کوئی اور آن بسا تھا۔ یہ سب کیسے ہوا، میں نہیں جانتا۔ میں نے بے وفائی کا قصد نہیں کیا۔ میں نے دانستہ راہ نہیں بدلی..... وقت اور حالات نے مجھے اس دھارے پر ڈالا اور پھر جانے کب اس تغیر میں دل کا موسم بھی بدل گیا۔ یہ کوئی پلینڈ گیم نہ تھا، کوئی اسٹریٹجی نہیں تھی اس کی..... بس یہ خود بخود ہو گیا۔ جب مجھے خبر ہوئی تو میں بھی کئی دنوں تک حیران رہا تھا۔ یہ انکشاف میرے لئے معمولی نہیں تھا۔ مگر میں نے اس سچ سے فرار نہیں چاہا تھا۔ میں کہیں بھاگا دوڑا نہیں تھا۔ بہت پُرسکون انداز میں اس کے متعلق سوچنے لگا تھا کہ کیا جو میں محسوس کر رہا ہوں، وہ کچھ حقیقت ہے بھی کہ نہیں۔ اس کی شدت کیا ہے؟ کس قدر ہے؟ شاید میں کبھی کسی نتیجے پر پہنچ نہ پاتا..... کوئی بھی فیصلہ آسان نہیں۔ مگر وقت نے اس بات کو مکمل شدت سے مجھے محسوس کرایا۔ مجھے احساس ہوا..... کہ کوئی ضروری ہے..... بے حد ضروری۔ جو ہے تو سب کچھ ہے، اور وہ نہیں تو کچھ بھی نہیں..... کہیں بھی کچھ نہیں۔'' رہبان عالم شاہ بہت مدھم انداز میں سر جھکائے کہہ رہا تھا۔ اس کے لہجے میں..... انداز میں بے حد شدت تھی، بے حد شدت تھی۔

علی شاہ نے اس کا یہ انداز پہلی بار دیکھا تھا۔ عرصہ دراز سے وہ اسے جانتا تھا۔ اس کے سبھی عادات و اطوار..... اس کے سبھی روپ اس پر منکشف تھے۔ مگر..... یہ تمام ایک انوکھا انکشاف تھا۔

علی شاہ نے اس کے ہاتھ پر بہت ہولے سے ہاتھ دھرا تھا۔ رہبان عالم شاہ نے چونک کر دیکھا تھا۔ علی شاہ بہت ہولے سے مسکرایا تھا۔ پھر بہت مدھم آواز میں بولا تھا۔

"دل تو آباد ہو ہی چکا ہے۔ اب گھر بھی آباد کر ڈالو۔ اگر محبت تم پر ادراک کے در وا کر چکی ہے تو اب کوئی ٹھوس اقدام بھی کر ڈالو۔"

رہبان عالم شاہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ علی شاہ اسے دیکھتے ہوئے مسکرایا تھا۔

"یار! مسئلہ کیا ہے؟ تم تو لکی ون ہو۔ نہ دودھ کی نہر نکالنا ہے، نہ صحراؤں کی خاک چھاننا ہے، بس ہاتھ تھامنا ہے اور کہنا ہے رک جاؤ۔ مت جاؤ کہیں...... دل میں رہو، اس غیر آباد جزیرے کو آباد کر دو...... سٹ پرنسٹ بات ہے۔ ایسا سننے کے بعد کوئی لڑکی انکار نہیں کرتی ہے۔ یار! تجرباتی بات ہے، آزمائش شرط ہے۔" علی شاہ کا انداز پُر مزاح تھا۔ "خیر سے تجربہ کار تو تم بھی ہو...... مگر ذرا گھنے واقع ہوئے ہو۔ میسنے۔" علی شاہ کا قہقہہ بے حد بے ساختہ تھا۔ رہبان عالم شاہ مسکرا دیا تھا۔

"یہ آپ دونوں کیا گھسر پھسر کر رہے ہیں؟" شعاع نے پلٹ کر ان کی سمت دیکھا تھا۔ مژگان بھی اس جانب متوجہ تھی۔ علی شاہ نے گردن کا رخ پھیر کر ان دونوں خواتین کی جانب دیکھا تھا۔

"آپ دونوں خواتین اتنی دیر سے کیا ڈسکس کر رہی ہیں، ہم نے دریافت کیا آپ سے؟"

"چلئے اگر آپ کے ضروری امور طے پا چکے ہیں تو کھانے کے لئے آ جائیے۔ ٹیبل لگ چکی ہے۔" مژگان نے مسکرا کر کہا۔

علی شاہ نے رہبان عالم شاہ کی سمت دیکھا تھا۔ رہبان عالم شاہ اس کی نگاہوں کی شرارت دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔ پھر دونوں ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

✿......✿

وجاہت شاہ نے اسے ساتھ لے جا کر کتنی ڈھیر ساری شاپنگ کرائی تھی۔ وہ انکار کرنا چاہتی تھی مگر جانے کیوں زبان تالو سے جا چپکی تھی۔ وجاہت شاہ باپ ہونے کا مکمل حق ادا کر رہے تھے۔ ایک ایک چیز میں اس کی مرضی معلوم کرتے...... ایک ایک چیز اس کی رائے سے منتخب کرتے۔ وہ اپنی جگہ خود کو اور بھی مجرم محسوس کر رہی تھی۔

اب تک ایک بے نام سی خاموشی ان دونوں باپ بیٹی کے درمیان موجود تھی۔ وہ اول تو ان سے مخاطب ہی نہ ہوتی تھی، اگر کبھی ضرورت ہوتی بھی تو کوئی طرز تخاطب نہ ہوتا۔ باپ کا تعلق بہت قربت کا تعلق ہے۔ ڈیڈی...... پاپا...... ابو...... ابا...... بابا...... سب بہت محبت کے غماز لفظ

ہیں...... بہت پیار جتاتے القاب...... رشتے کی مضبوطی کو شو کرتے، رشتے کی شدت کے ترجمان۔

اس نے تو بچپن میں ہی بے بے اور چاچا کہنے کی عادت ڈالی تھی۔ اسے تو یہی سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ انہیں کہے تو کیا کہے...... رشتے کی شدت کو محسوس کرنے کی تو بات اور ہوتی، وہ تو ابھی تک ان کے لئے کوئی لقب بھی چوز نہ کر سکی تھی۔ ایک عجیب سی خجالت تھی۔ ایک عجیب سی جھجک مانع تھی۔ وہ یہی سوچ رہی تھی کہ کیسا عجیب تعلق تھا یہ۔ عمر کے کس حصے میں اسے یہ انکشاف قبول کرنا پڑ رہا تھا۔ یہ آسان تو نہ تھا۔ پھر وہ قبول کر بھی لیتی...... مگر یہ جو "حیثیتوں" کا تضاد درمیان میں موجود تھا، اس کا وہ کیا کرتی...... جس حیثیت میں وہ ان کے گھر قیام کر چکی تھی، جس حیثیت سے ان تعلقات کو برت چکی تھی، ان کا کیا کرتی۔ خادمہ کے بعد اچانک بیٹی ہونے کا خطاب یقیناً اعزاز تھا۔ مگر وہ ذہنی طور پر اس اعزاز کو واقعی قبول نہ کر پا رہی تھی۔

"کیا ہوا بیٹا؟ کیا سوچ رہے ہو آپ؟" وجاہت شاہ نے محبت سے بھرپور انداز میں پوچھا تھا۔ سیو نے چونک کر دیکھا تھا، پھر نفی میں سر ہلا دیا تھا۔ کچھ دیر تک یونہی کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی تھی، پھر یکدم چہرے کا رخ پھیر کر ان کی سمت دیکھنے لگی تھی۔

"آپ......" اس نے کچھ کہنے کے لئے لب وا کئے، مگر پھر جیسے سارے لفظ یکدم ہی کہیں کھو گئے اور وہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔ سیّد وجاہت شاہ اسے جواباً مکمل توجہ سے دیکھنے لگے۔ سیو کچھ دیر تک سر جھکائے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہی، پھر بہت آہستگی سے بولی۔

"میں معافی چاہتی ہوں...... آپ...... آپ سب بہت اچھے ہیں۔ میں انتہائی شرمندہ ہوں۔" مدھم لہجہ ایک بار پھر ٹوٹ گیا۔ گاڑی شہر کی معروف شاہراہ سے گزر رہی تھی۔ سیو کچھ دیر تک نگاہ پھیرے خالی خالی نظروں سے باہر کی سمت تکتی رہی تھی، پھر اس قدر آہستگی سے بولی تھی۔

"آپ کو بھی میرا انکار اچھا نہیں لگا ہو گا۔ مگر میں خود کو اس خاندان کے قابل نہیں سمجھتی۔ وقت اور حالات نے میری حیثیت کو یکدم ہی بدل دیا ہے۔ مگر میں اس تبدیلی کو ذہنی طور پر قبول نہیں کر سکی ہوں۔ آپ یقیناً اس کیفیت کو سمجھ سکتے ہوں گے۔ اگر اس کی جگہ حکم جان سے گزرنے کا ہوتا تو میں چپ چاپ گزر گئی ہوتی۔ مگر یہ بہت بڑا فعل ہے، یہ حیثیتوں کا تضاد بہت بڑا ہے۔ پھر چھوٹے سرکار، اعیان صاحب مجھ سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ میں تو ان کے قدموں کی خاک چھونے کے لائق بھی نہیں۔ کجا انہیں سر کا تاج بنانا۔ یقین جانیے، میں خود کو اس

قابل نہیں سمجھتی۔ یہ خاندانی وقار، یہ حسب نسب بہت بڑا ہے۔ میں کم حیثیت ہوں، ان پڑھ ہوں، کم فہم ہوں، فہم وفراست سے میرا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اعیان صاحب، دراصل میں ان پر مسلط ہونا نہیں چاہتی۔ وہ وقتی قربانی کے لئے خود کو پیش تو کر رہے ہیں مگر...... ان کے لئے بھی تو اس تعلق کو نبھانا بہت دشوار ہوگا۔ ہم دونوں کی حیثیت، ذہنی سطح، سبھی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ آسمان ہیں اور میں زمین۔ ان میں اور مجھ میں کوئی بھی قدر مشترک نہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ پھر کبھی ان کو یا آپ کو یا پھر خاندان کے کسی اور فرد کو پچھتانا پڑے۔ فوری اقدام فقط وقتی تقاضوں کو نبھانے کی پہلی ضرورت ہوتے ہیں۔ پہلی کوشش۔ اس کے بعد کی صورتحال اس کے بہت برعکس ہوتی ہے۔ میں جہاندیدہ نہیں ہوں۔ بہت پڑھی لکھی نہیں ہوں...... تجربے کار نہیں ہوں، فہم و فراست نہیں رکھتی...... دور اندیش نہیں۔ مگر یہ تمام پہلو میری نگاہ میں تھے۔" وہ چند لمحوں کو رکی تھی، پھر قدرے توقف سے گویا ہوئی۔

"اس اقدام سے قطعی طور پر اس خاندان کی تذلیل کرنا مقصود نہ تھی۔ نہ ہی میں احسان فراموش ہوں۔ اس خاندان کا نمک کھایا ہے۔ ہم بے فیض قطعاً نہیں ہیں۔ میری بے بے نے اس حویلی میں قدم دھرنے سے قبل ایک بات باور کرائی تھی کہ کبھی اپنی حیثیت مت بھولنا۔ دوسرے، اپنے مالک کی اطاعت اور وفاداری کو خود پر فرض سمجھنا...... مجھے وہ سبق بھولا قطعاً نہیں ہے۔ اعیان صاحب کو ٹھکرانا میرے بس کی بات نہیں، وہ تو خود مجھ جیسی دسیوں بیسیوں لڑکیوں کو ٹھکرا سکتے ہیں...... میری وقعت ہی کیا ہے ان کے سامنے...... میں تو بس...... میں معافی چاہتی ہوں...... جو کچھ میں نے کیا یا مجھ سے سرزد ہوا، اگر اس سے آپ لوگوں کو تکلیف پہنچی ہے تو میں آپ سب کی مجرم ہوں۔ آپ جو چاہیں سزا دے سکتے ہیں۔ میں اُف تک نہیں کروں گی۔"

سیّد وجاہت شاہ کچھ نہیں بولے تھے۔ فقط چپ چاپ اسے دیکھتے رہے تھے۔

"آپ اگر مجھے اپنے تعلق یا رشتے کے حوالے سے کنوئیں میں چھلانگ لگانے کو بھی کہیں تو میں آنکھیں بند کر کے لگا دوں گی۔ مگر یہ میرے لئے بہت دشوار ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے ایسا کر کے کچھ غلط کیا ہے؟" اس نے مدھم لہجے میں کہتے ہوئے سیّد وجاہت شاہ کی جانب دیکھا تھا۔ مگر وہ کچھ نہیں بولے تھے۔ فقط خاموشی سے اسے دیکھا تھا اور پھر نگاہ پھیر لی تھی۔

سیو اپنی جگہ اور بھی مجرم ہوگئی تھی۔ احساسِ جرم سے گردن جھکائی تھی۔ اور جانے کیوں پلکیں یکدم ہی بھیگنے لگی تھیں۔

✿......✿

اس شام جب چائے پر سب موجود تھے، مژگان نے بہت ہولے سے اپنا مدعا بیان کیا تھا۔

"اماں! میں سوچ رہی ہوں، کچھ عرصے کے لئے گرینی کے پاس ہو آؤں۔ وہ بھی متواتر مجھے بلا رہی ہیں، کئی ای میل کر چکی ہیں، فون کر چکی ہیں۔ دراصل وہ میرے لئے بہت فکرمند ہیں۔ اس حادثے کے بعد تو وہ اور بھی حساس ہوگئی ہیں۔ جب تک مجھے دیکھ نہیں لیں گی، انہیں سکون نہیں آئے گا۔ خود وہ عمر کے اس حصے میں ہیں کہ سفر نہیں کرسکتیں، ورنہ تو اب تک وہ میرے پاس موجود ہوتیں۔ زینب اماں آئی تھیں، وہ بھی جا رہی ہیں، بہت عرصہ ہوا انہیں دیکھے۔ ماں کیا ہوتی ہے، میں نہیں جانتی...... ان دونوں کا تصور ہی میرے لئے اس احساس کی تسکین ہے۔ میں نے ان دونوں کے چہروں میں ماں کو دیکھا ہے۔ اگر آپ......" اس نے کہتے کہتے رک کر ایک نگاہ سب پر ڈالی تھی۔

قدرے فاصلے پر بیٹھے رہبان عالم شاہ نے بہت چونک کر اس کی سمت نگاہ کی تھی۔ دونوں کی نگاہ لمحہ بھر کو ملی تھی۔ مژگان فوراً ہی نگاہ جھکا گئی تھی۔

اماں نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ "تو بیٹا! اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ تمہاری آب و ہوا بھی تبدیل ہو جائے گی اور طبیعت بھی بہل جائے گی۔ اور رہبان عالم شاہ فوراً تیاری شروع کر دو۔ کیوں جی، تسی کی کہندے ہو؟" اماں نے رضامندی دیتے ہوئے اباجی کی سمت دیکھا تھا۔ اباجی نے پُرخیال انداز میں سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" اباجی کی رضامندی خوش آئند تھی۔ مگر رہبان عالم شاہ کی نگاہوں میں ایک لمحے میں ایک صحرا آن رکا تھا۔ مژگان نے جانے کیوں اس گھڑی اس کی سمت دیکھنا ضروری خیال کیا تھا۔ مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ عجیب بے تاثر انداز تھا۔ وہ بہت آہستگی سے سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو بغور تکنے لگی تھی۔

"رہبان بیٹا! تم انتظام کرو...... میری بچی کی کوئی خواہش رد نہیں ہوگی۔ اپنی تمام مصروفیت کو پس پشت ڈال دو۔"

"نن...... نہیں اماں۔" مژگان نے فوراً ہی سر اٹھایا تھا۔ "ان کی بہت سی بزنس کی مصروفیات ہوں گی۔ میں زینب اماں کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" اس کا تعرض رہبان عالم شاہ کو اس کی سمت دیکھنے پر مائل کر گیا تھا۔ مژگان کی ہمت جیسے ختم ہونے کو تھی۔ نگاہ ملتے ہی وہ فوراً

ہی نگاہ جھکا گئی تھی۔ دل کے اندر کا عالم جانے کیوں پل بھر میں بدلنے لگا تھا۔ ایک ہلچل سی پورے وجود میں برپا ہوگئی تھی۔ یہ جبر، یہ دوری کا فیصلہ آسان تو نہ تھا۔ مگر وہ دل کو مار رہی تھی۔ تمام احساسات و جذبات کا گلا اپنے ہاتھوں دبا رہی تھی کہ ایسا ضروری تھا۔

''لو بھلا، اس کی مصروفیات تم سے بڑھ کر ہیں؟ کاروبار تو پھر بھی چلتا رہے گا۔ چھوٹا موٹا نقصان میری بیٹی کی خواہش سے تو بڑھ کر نہیں۔ ویسے بھی جب سے بیاہ ہوا ہے، انہی ذمے داریوں میں الجھے ہوئے ہو۔ اب اگر قدرت نے موقع دیا ہے تو اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ دو اور دو چار کرنے کے لئے تو عمر پڑی ہے۔ پھر روپے پیسے کی کون سی کمی ہے۔ جو بھی ہے، تم سبھی کا تو ہے۔'' اماں نے اپنی دانست میں اہم فیصلہ کر ڈالا تھا۔ مگر دونوں ہی اپنی جگہ جیسے چور سے ہو گئے تھے۔

دونوں نے مزید کچھ نہیں کہا تھا۔

مژگان نے بس ایک نگاہ اس کی سمت کی تھی۔ مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔

✿......✿

اس کا منگیتر اپنی ماں کے ساتھ بالآخر ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ سیو کو جب ملازمہ نے ان کی آمد کی اطلاع دی تھی، وہ کتنی ہی دیر ششدر سی بیٹھی رہ گئی تھی۔ پھر اٹھی تھی اور تمام ہمتوں کو مجتمع کرتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ جانے کیوں قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اس نے اس تعلق کی خاطر موجودہ تعلق کو کالعدم قرار دیا تھا۔ حالانکہ کوئی بھی تو دلی وابستگی نہ تھی۔ نہ کوئی جذباتی وارفتگی تھی۔ کوئی دل کا معاملہ نہ تھا، کوئی تعلق خاص نہ تھا۔ مگر اس نے اسے ترجیح دی تھی۔ جو جواز وہ پیش کر رہی تھی، کیا وہی اہم ترین تھے...... وہی سچائی تھے؟ یا بات اس کے برعکس تھی۔ معاملہ کس قدر عزت نفس کا تھا...... اور انا کا تھا۔

کوئی اس کے پھول جیسے سینچے گئے جذبات کو قدموں تلے روندتا رہا تھا۔ اس کے احساسات کی نفی کرتا رہا تھا۔ نادانستہ ہی سہی، مگر اس کے وجود کی نفی ہوتی رہی تھی۔

اس کے دل کو فہم و فراست کے پلڑے میں رکھ کر تولا گیا تھا اور بالآخر اس پر کم فہم ہونے کا جرم عائد کر کے اسے ناقابل توجہ گردانا تھا۔

اس نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا...... عقل و خرد کے ساتھ...... اگرچہ اس سے پہلے وہ دل کی انگلی تھامے چلتی رہی تھی، مگر وہ جانتی تھی، دل کے سبھی فیصلے کم فہم ہوتے ہیں۔ عقل مدبرانہ فیصلوں کے لئے انتہائی معاون ہوتی ہے اور اس نے اس گھڑی یکدم ہی دل کی انگلی چھوڑ کر عقل کی انگلی تھام لی تھی، حالانکہ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ وقت اسے یہ موقع بھی

فراہم کرے گا...... جو وہ دسترس سے اس قدر باہر ہے، وہ کبھی یوں قسمت کے فیصلوں میں شمار ہو جائے گا۔ یہ کوئی پلاننگ نہ تھی...... بس ایک فوری اقدام تھا جس میں عقل شامل تھی۔ اس کی حیثیت ایسی نہ تھی کہ وہ ''برابری'' کرتی یا اس کی ہم پلہ بنتی۔ وہ اس کی ہم پلہ تھی بھی نہیں۔ نہ ہی اسے ٹھکرا کر وہ اس کی تذلیل کرنا چاہتی تھی۔ اسے بس اپنی بقا کی فکر تھی، اپنی عزت نفس کی فکر تھی، وہ خود کو بے مول نہیں کر سکتی تھی۔

وہ بہت آہستگی سے قدم ڈرائنگ روم کی جانب بڑھا رہی تھی، جب یکدم ہی وہ اس کے سامنے آن رکا تھا۔ اسے فوری طور پر اپنے قدم روک لینے پڑے تھے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتی تو یقیناً تصادم یقینی تھا۔ سو وہ رک گئی تھی۔ ایک نگاہ، بس فقط ایک نگاہ اس شخص کی جانب کی تھی...... دل جیسے تھمنے لگا تھا...... دوسرے ہی پل نگاہ دوبارہ سجدہ ریز ہو گئی تھی۔ اعیان عالم شاہ اسے متواتر تک رہا تھا۔ نگاہوں کی تپش حد سے سوا تھی۔ سیو کا جیسے تن من سلگنے لگا تھا۔

وہ وہاں رکنا نہیں چاہتی تھی، اس کے مدمقابل تھمنا نہیں چاہتی تھی مگر قدم جیسے زمین نے اپنے سنگ باندھ لئے تھے۔ یہ اس شخص کا میکانکی انداز تھا یا کوئی اور بات تھی...... اس کا سارا وجود اس کے اختیار میں بندھ گیا تھا جیسے...... وہ جیسے پل بھر میں اس کا معمول تھی۔

اعیان عالم شاہ اسے چند لمحوں تک اسی طرح بغور تکتا رہا تھا پھر اپنا مضبوط آہنی ہاتھ بڑھا کر اس کی کلائی کو تھاما تھا اور اسے لے کر اندر کی جانب بڑھنے لگا تھا۔ سیو بے اختیاری کی کیفیت میں اس کے ساتھ کھنچنے لگی تھی۔ اس کی متحیر نگاہ اس گھڑی اس لمبے چوڑے شخص پر ساکت تھی۔ قدم خود بخود اٹھتے جا رہے تھے جیسے اسے واقعی اس گھڑی خود پر اختیار نہ تھا۔ جیسے وہ واقعی اس کا معمول تھی۔

اعیان عالم شاہ نے اسی طرح ہاتھ تھامے ہوئے اس کے کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ اسے اس کے کمرے میں پڑے بیڈ پر پٹخا تھا۔ انداز بے حد جارحانہ تھا۔

سیو اسے حیرت سے تکتی چلی گئی تھی۔ وہ مکمل پُر استحقاق انداز میں گویا تھا۔

''اماں وہاں ہیں...... وہ خود بات کر لیں گی۔ تمہیں کچھ کہنا ہے تو اماں تک اپنی بات پہنچا دینا۔ کوئی ضرورت نہیں ہے باہر نکلنے کی۔'' وہ سلگتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ''تمہارا شوق قابل دید سہی، مگر یہ مت بھولو کہ اب تم اس خاندان کا حصہ ہو، اس خاندان کے تمام امور اس خاندان کے بزرگ سرانجام دیتے ہیں۔ یہ کبھی نہ بھولنا۔'' وہ بولا تھا اور پھر انہی قدموں پر واپس گھومتا ہوا، لمبے لمبے ڈگ بھرتا دروازے کو اپنے پیچھے انتہائی زوردار آواز میں بند کرتا ہوا اس منظر سے ہٹ گیا تھا۔

سیو کتنی ہی دیر اپنی جگہ ساکت سی بیٹھی بند دروازے کو تکتی رہ گئی تھی۔

✿......✿

تینوں بزرگ حضرات کتنی دیر خاموشی سے اپنی اپنی سوچ میں غلطاں خاموش بیٹھے رہے تھے۔ پھر بالآخر سیّد وجاہت شاہ نے لب کشائی کی تھی۔

''ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ مگر جب یہ وقوع پذیر ہو چکا ہے تو ہمیں اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ بہرحال اس پر ہمارے کوئی حقوق واجب نہیں ہوتے ہیں۔ اس بچی نے جو کیا ہے، اپنے طور پر بہتر جان کر کیا ہے۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور بھی ہوتا تو شاید ایسا ہی کرتا۔ وہ ذہنی طور پر واقعی اس بات کے لئے قطعاً تیار نہ تھی۔ پھر جو مسئلہ ہے، وہ سراسر ہمارا ہے۔ یہ حفاظتی بند ہم نے اپنی ضرورت اور مرضی کے تحت خالصتاً اپنے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے باندھنا چاہا تھا۔ ہم نے اس کی مرضی کو مقدم نہیں جانا تھا یا شاید ہم نے اپنے طور پر فیصلہ کرتے ہوئے اسے بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔ اس کا مفاد تو کہیں نہیں تھا۔ پھر ہم نے اسے دیا ہی کیا ہے جو ہم واپسی کی امید رکھتے۔ وہ فقط دو دن کے بنے رشتے کے لئے اپنے قدیم رشتوں سے ناتا کیسے توڑے۔ گنوانا ہم اسے نہیں چاہتے نا، یہ فیصلہ سراسر ہم نے اپنے فائدے کے لئے کیا تھا...... وہ تو معصوم ہے۔ وہ کیا جانے نفع و نقصان۔ اس کی دانست میں تو وہی بہتر ہے جو اس نے کیا۔''

''مگر وجیہہ! یہ قطعاً مناسب بھی تو نہیں۔'' اماں نے فوراً ان کی بات کاٹی تھی۔ ''ہمارا بھلا کیا مفاد ہے۔ اپنے اعیان میں بھلا کوئی کمی ہے؟ لاکھوں میں ایک ہے۔ کیا ہمیں اس کے لئے کوئی اور لڑکی نہ ملتی؟.... ہم تو فقط اس لئے بضد تھے کہ اس طرح رشتہ کچھ مضبوط ہو جائے گا۔ دوسرے زرینہ بیگم کی طرف کے خدشات بھی جاتے رہیں گے۔ لو بھلا، ہمیں کون سا مطلب تھا۔ ہم نے تو خیر خواہی چاہی تھی۔ مگر وہ بچی تو اپنے خول سے ہی باہر نہیں نکل رہی۔''

ابا جی نے اماں کی جانب دیکھا تھا، پھر ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید بولنے سے باز رکھا تھا۔ کچھ دیر تک خاموش رہے تھے، پھر بہت مدھم انداز میں گویا ہوئے تھے۔

''وہ صورتحال تو اپنی جگہ مگر اب یہ آج جو مسئلہ ہوا ہے، اس کا کیا حل سوچا ہے تم نے؟ وہ کل جو کچھ بھی رہی ہو، اس کی پرورش کہیں بھی ہوئی ہو، مگر سچ تو یہی ہے کہ وہ اب اس خاندان کا حصہ ہے۔ اب کیا چاہتے ہو تم؟ اس کو ان بے نام لوگوں میں جانے دو گے؟ بیٹا! سوچو، وہ ناسمجھ ہے، بچی ہے۔ مگر ہم تو ناسمجھ نہیں ہیں۔ وہ ہمیں نہ ملتی، ہم سہہ جاتے۔ مگر اب اپنے ہاتھوں سے اسے کیسے بے نام لوگوں میں بھیج دیں؟ بہرحال وہ اس خاندان کا خون تو

ہے۔ ہمارا حصہ تو ہے۔'' ابا جی کا انداز مدھم...... دھیما مگر مدلل تھا۔

سیّد وجاہت شاہ پُرسوچ انداز میں سر ہلانے لگے تھے۔

ابا جی پھر گویا ہوئے تھے۔ ''یہ بھی تو سوچو! آج جس طرح یہ لوگ رشتے کے دعویدار بن کر آئے ہیں، کل کو وہ زرینہ بیگم کیا حق نہ جتائے گی؟ وہ تو پھر ماں ہے۔ ایک خونی تعلق موجود ہے۔ وہ تو کوئی قانونی چارہ جوئی بھی بڑے آرام سے کر سکتی ہے۔ سوچو، کتنی سبکی ہوگی ہماری؟ ہمارا خاندانی وقار، حسب نسب، یہی سوچ کر ہم نے اس اقدام کے متعلق فیصلہ دیا تھا مگر! دیکھو، نبھانی اس بچے کو تھی...... جب اس نے کوئی انکار نہیں کیا تو پھر وہ بچی کس جواز پر انکار کر رہی ہے؟ تم خود سمجھدار ہو، اپنی خاندانی اقدار کو خوب سمجھتے ہو...... کیا تم قیاس کر سکتے ہو کہ ہم اپنی ہی عزت کو بعد میں رسوا کریں گے یا کوئی ناروا سلوک اس سے روا رکھیں گے؟ اعیان شاہ ایک سمجھدار لڑکا ہے۔ مجھے اپنے خون پر مکمل اعتبار ہے۔ وہ عرصہ دراز تک ملک سے باہر رہا مگر اس نے اس معاملے میں سارا اختیار مجھے سونپ دیا۔ وہ ہمارے فیصلوں سے قطعاً انحراف نہیں کر سکتا۔ تم اگر مستقبل کے اندیشوں کو لے کر پریشان ہو تو اپنے دل و دماغ کو کلیئر کر لو...... اعیان شاہ پر یوں بھی اس معاملے میں کوئی دباؤ نہ تھا۔ اس نے اپنی رضامندی سے یہ فیصلہ قبول کیا تھا۔ پھر ہم کون سا فوری طور پر اس رشتے کو باندھنا چاہ رہے تھے۔ تم چاہتے تو اپنی مرضی کی مناسبت سے عرصہ دراز بعد رخصتی کروا لیتے۔ ہمیں کوئی جلدی نہ تھی۔ اس عرصے میں بچی کو ذہنی طور پر اس تعلق اور خاندان کو قبول کرنے کا موقع مل جاتا اور دونوں میں باہمی ذہنی ہم آہنگی بھی پیدا ہو جاتی۔ ہم جانتے ہیں، یہ کوئی چٹکیوں کا کام نہ تھا۔ تم چاہتے تو اسے اپنی مرضی کے مطابق ڈھالتے...... اسے عمدہ تربیت کے ساتھ اچھی تعلیم دیتے...... اس کا ذہن کسی قدر کھلتا۔ مگر افسوس کہ یہ سب کچھ اس طرح نہیں ہوا۔'' ابا جی پُرافسوس انداز میں سر نفی میں ہلاتے ہوئے نگاہ پھیر گئے تھے۔ وجاہت شاہ نے اماں کی طرف دیکھا تھا۔

''بھابی بیگم! آپ نے کیا جواب دیا ان لوگوں کو؟''

''بیٹا! میں کیا جواب دیتی؟ فی الحال تو یہ کہہ کر ٹال دیا کہ تم دونوں باپ بیٹی یہاں نہیں ہو، ملک سے باہر ہو...... اب معاملہ تم پر ہے۔ جو چاہو فیصلہ کرو۔'' اماں کا انداز قدرے خفا خفا تھا۔ وجاہت شاہ نے بھائی بھابی کی سمت دیکھا تھا۔ پھر بہت آ[illegible] کہا تھا۔

''بھابی بیگم! میں معذرت چاہتا ہوں، اس بچی کے رویے کے لئے پشیمان ہوں۔ پلیز اسے معاف کر دیجئے۔ وہ واقعی ناسمجھ ہے۔ آپ پلیز! ایک بار اس سے پھر بات کیجئے۔ مجھے خود بات کرنا مناسب نہیں لگتا۔ آپ ماں ہیں، بہتر انداز میں ہینڈل کر سکتی ہیں۔ دوسرے آپ

بچوں کی محسوسات بہتر انداز میں سمجھ بھی سکتی ہیں۔ وہ میرے سامنے بات کرنے میں شاید کسی قدر الجھن بھی محسوس کرے۔ وہ بچی ہے، صورتحال کی پیچیدگی نہیں جانتی...... مگر ہم جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔"

اماں نے ان کی طرف دیکھا تھا۔ پھر ہولے سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

✿...... ✿

سنو
دلوں میں جو غبار ہے
لبوں پہ جو چپ کی مہر ہے
تیرے میرے بیچ جو
ایک دیوار ہے......!
اسے توڑ دو
تمام حصار اناؤں کے
تمام قفل جفاؤں کے
کہ تعلقات کے درمیان
انائیں جب بھی بولتی ہیں
عمریں مٹی میں رولتی ہیں

فہد اور نمیرا کی منگنی کی تیاریاں گھر میں عروج پکڑ گئی تھیں۔ اعصار شیخ کی جانے کیوں آج کل کوشش تھی کہ وہ ان تمام معاملات سے الگ الگ رہے۔ اس نے خود کو بے حد مصروف کر دیا تھا۔ اس روز وہ کئی دنوں بعد گھر لوٹا تھا اور اک ہنگامہ برپا دیکھ کر وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھنے والا تھا، جب دادی اماں نے اسے روک لیا۔

"کہاں ہوتے ہو آج کل؟"

"ملازمت بھی بہت بڑی مصروفیت ہے۔" وہ بہت دھیمے انداز میں مسکرایا تھا۔ دادی اماں اسے جواباً دیکھ کر رہ گئی تھیں۔

"ایک کام کرو گے؟"

"حکم کیجئے۔" وہ مؤدب ہوا تھا۔ دادی اماں نے اسے دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے گویا ہوئی تھیں۔

"اور تو سب بزی ہیں...... ذرا اسلام آباد کا نمبر ملا دو۔ ادعیہ سے بات کرنی ہے۔"

اس کے لبوں کی مسکراہٹ ایک پل میں معدوم ہو گئی تھی۔ کچھ دیر تک وہ یونہی کھڑا رہا تھا، پھر چلتے ہوئے فون اسٹینڈ تک گیا تھا۔ ریسیور اٹھا کر نمبر ملایا تھا۔ دوسری جانب فون فاکہہ نے ریسیو کیا تھا۔

"ارے محترم اعصار شیخ صاحب!"

"کیسی ہیں آپ؟"

"ٹھیک ہوں...... تم سناؤ۔"

"پرفیکٹ...... وہ کہاں ہے؟" اس نے فوراً مدعا بیان کیا تھا۔

"کون؟" فاکہہ بھابی شوخ ہوئی تھیں۔

"وہی جو آپ کے ہاں پناہ گزین ہے۔" وہ بنا کسی تاثر کے بولا تھا۔

"اوہ، تمہاری بیگم۔ ہاں یہیں ہیں۔ کیا بلاؤں؟ ویسے بڑے بے مروت اور بے وفا قسم کے شوہر واقع ہوئے ہو تم...... اس روز کے بعد فون ہی نہیں کیا تم نے...... ایک طرف تو اتنی محبت جتاتے ہو اور دوسری جانب اتنے بے خبر بھی بنتے ہو۔" ادعیہ قدرے فاصلے پر بیٹھی تھی، اپنے ذکر پر فوراً ہی متوجہ ہوئی تھی۔ جانے کیوں سینے میں موجود دل ایک پل میں ہلچل سی برپا کر گیا تھا۔ دھڑکنوں کا ارتعاش حد درجہ بڑھ گیا تھا۔

"آپ کو کیا خبر کہ اس بے دھیانی میں بھی کس درجہ دھیان رہتے ہیں۔" وہ مسکرایا تھا۔ فاکہہ بھابی کھلکھلا کر ہنس دی تھیں۔

"ہاں، ایسے ہی تو مجنوں ہو نا تم۔"

"ثابت کر کے دکھا دیا ہے۔ کوئی اتنے وار نہیں سہتا...... سارا کا سارا سینہ چھلنی ہے۔" مسکراتے ہوئے فرمایا گیا۔

"چچ چچ...... پھر تو دل بھی قربان ہو گیا ہو گا۔"

"قربان ہی تو ہو چکا ہیں۔ شہید ہیں ہم تو...... شہید محبت۔" وہ مکمل طور پر غیر سنجیدہ تھا۔

"لفاظی کرنا تو کوئی تم سے سیکھے...... بہرحال بات کرو اپنی بیگم سے......" فاکہہ بھابی نے مسکراتے ہوئے پلٹ کر ادعیہ کی سمت دیکھا تھا۔

"تمہارے شوہر نامدار......" ریسیور کی جانب اشارہ کر کے اسے مطلع کیا تھا۔ ادعیہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔

"آؤ بھئی، محترم کا بل بن رہا ہو گا۔ کنجوس کہیں کے۔ پہلے ہی مہینے مہینے بعد فون کرنے کا قصد کرتے ہیں۔" فاکہہ بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ اعصار شیخ تک ان کی آواز بخوبی

پہنچ رہی تھی۔ اتنا تو وہ جان گیا تھا کہ وہ وہیں کہیں موجود تھی۔

ادعیہ نے اندرونی کیفیات پر قابو پاتے ہوئے دل کو بمشکل سنبھالنا چاہا تھا۔ بہت آہستگی سے وہ اٹھی تھی اور قدم فون اسٹینڈ کی جانب بڑھا دیئے تھے۔ دل جانے کیوں دھڑک رہا تھا۔ ہر قدم من من بھر کا تھا۔ وہ بمشکل فون اسٹینڈ تک پہنچی تھی۔ کانپتے ہاتھوں سے فا کہہ کے ہاتھ سے ریسیور لیا تھا۔

''ہیلو!'' بہت ساری ہمتیں مجتمع کر کے اس نے آواز نکالی تھی۔

اعصار شیخ نے سگنل ملتے ہی بنا کوئی رسپانس دیئے ریسیور دادی اماں کی جانب بڑھا دیا تھا اور خود قریب بیٹھی نمیرا کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہو گیا تھا۔

''ہیلو...... ادعیہ...... میری بچی! کیسی ہے تو؟'' دادی اماں کی آواز اس کی ساعتوں میں پڑی تھی۔ ایک لمحے میں...... فقط ایک لمحے میں دل تھما تھا۔ چند لمحوں تک وہ یونہی ساکت رہی تھی۔ پھر بہت مدھم لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں۔ آپ...... آپ کیسی ہیں؟''

''میں ٹھیک ہوں۔ خبر ہوئی تجھے، گھر میں فہد اور نمیرا کی منگنی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔''

''اچھا...... کب ہو رہی ہے رسم؟'' اس کا لہجہ بے حد مرجھایا ہوا تھا۔

''اسی ہفتے میں۔ تو آ جانا۔ تیری ماں نے تجھے فون کر کے اطلاع نہیں دی؟'' دادی اماں نے اردگرد شور کے باعث قدرے بلند آواز میں پوچھا تھا۔

''نہیں......'' اس کا جواب مختصر اور لہجہ مدھم تھا۔

''آئے گی نہیں تو؟'' دادی اماں نے ایک آس سے دریافت کیا تھا۔

''کیا کروں گی آ کر......؟''

''کیوں، کیا سارے رشتے ناتے ختم ہو گئے ہم سے؟'' دادی اماں نے بھرپور خفگی سے شکوہ کیا تھا۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

''نہیں، دراصل......'' کوئی جواز ڈھونڈنا چاہا تھا۔ ''وہ دراصل مصروفیت بہت ہے۔''

''تقریب تو ویک اینڈ پر ہو گی۔ تم تو با آسانی آ سکتی ہو۔ کیوں سزا دے رہی ہو خود کو بھی اور ہم سب کو بھی۔ آنکھیں ترس گئی ہیں۔ آخر ہمارا کیا قصور ہے؟'' دادی اماں کی آواز بھرا گئی تھی۔ ادعیہ خاموشی کے ساتھ لب بھینچ گئی تھی۔ پھر قدرے توقف سے بولی تھی۔

''جلد چکر لگانے کی کوشش کروں گی۔''

''اس تقریب میں نہیں آؤ گی؟'' دادی اماں نے ایک بار پھر آس سے دریافت کیا تھا۔

اس کے لئے صورتحال دشوار ترین ہو گئی تھی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا۔ تبھی بہت آہستگی سے گویا ہوئی تھی۔

''آئی ایم سوری۔ مگر دادی اماں!''

''ٹھیک ہے، کوئی زبردستی نہیں ہے۔'' دادی اماں کہہ کر خاموش ہو گئی تھیں۔

''دادی اماں! پلیز سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ میں جلد آؤں گی۔ مگر ابھی نہیں۔''

''جیسی تمہاری مرضی۔'' دادی اماں کا انداز خفگی بھرا تھا۔ وہ چپ ہو گئی تھی۔

''ناراض ہیں آپ؟''

''نہیں، تم خیال رکھنا اپنا۔''

''جی۔'' اس کے لب ہولے سے ہلے تھے۔

''خدا حافظ!'' دادی اماں نے کہہ کر فوراً ہی سلسلہ منقطع کر دیا تھا۔

وہ ریسیور ہاتھ میں لئے کتنی دیر تک اسی طرح کھڑی رہی تھی۔ جانے کیوں آنکھوں میں یکدم ہی سمندر ڈولنے لگے تھے۔ وہ ریسیور رکھ کر فوراً ہی پلٹی تھی اور اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ آنکھیں یکدم ہی بھیگتی چلی گئی تھیں۔

تمہاری بھیگتی پلکوں سے میں نے بارہا پوچھا!
کہ دل کے کھیل میں کیوں جیتنے والے بھی روتے ہیں
وہ جن کی چشمِ بینا اوروں کو دیکھا نہیں کرتی
بھلا کس دل سے غم کے تار میں موتی پروتے ہیں
کہ جلنے اور جلانے میں بھلا کیا لطف آتا ہے
بس اک جھوٹی انا کے واسطے برباد ہو جانا
خودی کے زعم میں انسان کتنے غم اٹھاتا ہے
تمہاری بھیگتی پلکوں سے میں نے بارہا پوچھا!

✿......✿

مژگان دراز میں کچھ تلاش کر رہی تھی، جب رہبان عالم شاہ ہولے سے دروازہ کھول کر اس کے پیچھے جا رکا تھا۔ وہ یکدم پلٹی تھی۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا دراز یکدم ہی ہاتھ لگنے سے زمین پر آ گیا تھا۔ رہبان عالم شاہ فوری طور پر آگے بڑھا تھا۔ دونوں ایک ساتھ زمین کی جانب جھکے تھے۔ اسی کوشش میں دونوں کے سر یکدم ٹکرا گئے تھے۔

''اُف......'' مژگان نے فوراً سر تھام لیا تھا۔

''اوہ، آئی ایم سوری۔'' اس نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر فوراً اسے تھاما تھا۔

مژگان تکلیف کی شدت سے قطع نظر سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ اس کے چہرے کی کیفیت نے اسے جانے کیوں یکدم ہی مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔ رہبان عالم شاہ اس کے چہرے کو بغور تکنے لگا تھا

''ہاؤ از فیلنگ ناؤ...... درد تو نہیں ہو رہا؟'' لہجہ اور انداز بے حد کیئرنگ تھا۔ مژگان نے اسے دیکھا تھا۔ پھر ہولے سے مسکراتے ہوئے یکدم سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

''ایسے ہی چھوڑ دو...... میں ملازمہ کو بلاتا ہوں۔'' رہبان عالم شاہ نے اس کے شانوں پر ہاتھ دھرا تھا۔ وہ جو گلدان کے ٹوٹے ہوئے پیسز اٹھانے کو ہاتھ بڑھا چکی تھی، ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے اس سے قطع نظر دونوں ہاتھوں سے اسے تھام کر کھڑا کرتے ہوئے بیڈ پر بٹھا دیا تھا۔

''آئی ایم فیلنگ آل رائٹ۔'' مژگان نے بہت ہولے سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔ وہ بغور اسے تکنے لگا تھا۔ پھر ہولے سے مسکراتے ہوئے دوبارہ اسی پوزیشن میں بیٹھ کر گلدان کے ٹوٹے ہوئے پیسز کو اکٹھا کرنے لگا تھا۔ مژگان اس کے فعل کو بغور دیکھنے لگی تھی۔ رہبان عالم شاہ نے اس کی جانب نگاہ کی تھی، وہ غالباً اس کے حیرت سے دیکھنے کا سبب جاننا چاہتا تھا۔ مگر تبھی ایک نوک دار ٹکڑا اس کے ہاتھ میں چبھ گیا تھا۔

''اوہ۔'' رہبان عالم شاہ نے لب بھینچ لیے تھے۔ مژگان نے فوراً بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''ملازمہ کو بلوا لیا ہوتا...... مجھے ہٹا کر خود کیوں کرنے بیٹھ گئے؟''

''چوٹ تمہیں لگتی تو بھی تو درد ہوتا۔'' رہبان عالم شاہ نے مسکراتے ہوئے ذو معنی انداز اختیار کیا تھا۔ مژگان نے اس سے قطع نظر اس کی جانب ایک نگاہ ڈالی تھی اور پھر اس کے زخم سے رستے خون کو دیکھتی ہوئی فوراً ہی اٹھی تھی اور سائیڈ دراز کھول کر فرسٹ ایڈ باکس نکال لائی تھی۔

''اٹھیے اب یہاں سے......'' باقاعدہ ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ بیڈ پر بٹھایا، پھر ڈیٹول سے زخم کو صاف کرنے لگی۔ رہبان عالم شاہ نے مدھم انداز میں مسکراتے ہوئے بغور اسے دیکھا تھا۔

''جانتے ہیں، یہ میرے نام کا زخم تھا جو آپ نے مول لے لیا۔''

''بات تو ایک ہی ہے۔'' وہ یکدم ہی مسکرا دیا تھا۔ مژگان چونکتے ہوئے اسے دیکھنے لگی تھی۔ وہ بغور اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہ میں کچھ تھا، شاید تبھی وہ فوراً ہی نگاہ جھکا کر مکمل توجہ کے ساتھ اس کے زخم پر بینڈیج کرنے لگی تھی۔

''ایک بات پوچھوں؟'' بہت آہستگی سے اس نے کہا تھا۔ رہبان عالم شاہ نے مکمل توجہ سے اسے دیکھا تھا۔

''ہوں۔''

مژگان کچھ دیر خاموشی سے بینڈیج کرتی رہی تھی، پھر اسی طرح سر جھکائے جھکائے بولی تھی۔ ''گھر میں کچھ کرائسس چل رہا ہے کیا...... اعیان کا موڈ خاصا خراب ہے ان دنوں۔ اور باقی لوگ بھی......''

''ہاں...... وہ دراصل سویرا کی شادی کا مسئلہ ہے۔ ابا جی اور وجاہت چاچا کو خدشہ ہے کہ کہیں اس کی والدہ آئی مین وجیہہ چاچا کی ایکس وائف کوئی مسئلہ کھڑا نہ کر دیں۔ اس باعث وہ سویرا کا نکاح فوری طور پر اعیان کے ساتھ کر دینا چاہتے تھے۔ مگر سویرا کو یہ رشتہ منظور نہیں، اس نے صاف انکار کر دیا ہے۔''

''سویرا نے......؟'' مژگان کو کسی قدر حیرت ہوئی تھی۔

''ہوں۔ ایکچوئیلی شی از کونشس اباؤٹ ہر پاسٹ۔ (دراصل وہ اپنے ماضی کے بارے میں بہت حساس ہو رہی ہے) وہ اس دور سے باہر آنا نہیں چاہتی۔''

مژگان کے لیے یہ بات بے حد حیرت کا باعث تھی۔ جب وہ اس شخص کو اس قدر چاہتی تھی تو پھر اب جبکہ وہ مل رہا تھا، وہ اسے قبول کیوں نہیں کر رہی تھی؟ وہ اسی کے متعلق سوچ رہی تھی، جب رہبان عالم شاہ نے اس کی سمت دیکھا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہو؟ دراصل تم سے کچھ بھی چھپانا مقصود نہ تھا۔ بیماری کے باعث تمہیں ذہنی پریشانی سے دور رکھنا چاہتے تھے۔'' اس نے کسی خدشے کے باعث شاید وضاحت دینا ضروری

خیال کیا تھا۔ مژگان نے بینڈیج کی آخری گرہ لگاتے ہوئے اسے دیکھا تھا، پھر ہولے سے مسکرا دی تھی۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا۔'' اس نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔ تبھی غیر محسوس انداز میں نظر یکدم اپنے ہی ہاتھ کی تیسری انگلی میں موجود رنگ پر جا ٹھہری تھی۔ وہ اس دن سے ہی سوچ رہی تھی کہ یہ اس کی انگلی میں کیسے آئی۔

''یہ.....'' اس نے یکدم بہت آہستگی سے کہا تھا۔ تبھی کھٹکا ہوا تھا۔

''آجایئے۔'' رہبان عالم شاہ نے پلٹ کر نگاہ کی تھی۔

اعیان عالم شاہ نے سر دروازے کے اندر ڈال کر جھانکا تھا۔ ''اماں بلا رہی ہیں آپ کو۔'' کہہ کر وہ فوراً ہی غائب ہوگیا تھا۔ رہبان عالم شاہ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔ چند لمحے غنیمت تھے۔ مگر ایک بار پھر وقت ہاتھ کی گرفت سے پھسل گیا تھا۔

کچھ کہنے کا قصد کیا تھا، کہنا چاہا تھا..... الفاظ کی ترتیب مرتب کی تھی..... مگر ایک لمحے میں پھر سب کچھ دھرا رہ گیا تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا اور پھر دونوں ہی لب بھینچ کر خاموشی کے ساتھ باہر نکل آئے تھے۔

✿.....✿

وہ اپنے کمرے میں تھی، جب ملازمہ نے آکر اطلاع دی تھی کہ اسے اماں نے بلایا ہے۔ جانے کیوں پل بھر میں اس کا دل سینے میں ہلچل سی مچا گیا تھا۔ وہ اٹھی تھی اور اپنے حوصلوں کو ایک بار پھر سمیٹتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔

ڈرائنگ روم سے مسلسل باتوں کی آواز آرہی تھی۔ اس کا دل جانے کیوں پتے کی مانند لرزنے لگا تھا۔ لمحہ بھر کو اس کے قدم تھمے تھے۔ پھر اس نے بہت ہولے سے قدم اندر رکھ دیئے تھے۔ دل بے حد زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''سویرا! آؤ بیٹا۔'' اماں نے اسے دیکھتے ہی محبت سے پکارا تھا۔ اس نے کمرے میں موجود افراد پر نگاہ ڈالی تھی۔ مژگان کے ساتھ دو خواتین اور موجود تھیں۔ ایک حلیے میں قدرے بہتر تھی۔ عمر بھی پچاس پچپن کے لگ بھگ تھی..... دوسری قدرے ضعیف تھی۔ سویرا نے بہت ہولے سے قدم آگے بڑھائے تھے اور چلتی ہوئی اماں کے قریب جا بیٹھی تھی۔ بہت خاموشی کے ساتھ اس نے ایک بار پھر ان دونوں خواتین کا جائزہ لیا تھا۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی۔ اس نے سوالیہ نظروں سے اماں کی جانب دیکھا تھا۔

''یہ..... یہ زرینہ بیگم ہیں..... تمہاری والدہ..... تم سے ملنے کے لئے آئی ہیں۔'' اماں نے مدھم لہجے میں انکشاف کیا تھا۔ وہ اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ وہ عورت فوراً اٹھ کر اس کی جانب لپکی تھی۔

''میری بچی..... میری جان.....'' وہ آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ اسے اپنے ساتھ بھینچ کر والہانہ پیار کرنے لگی تھی۔ سیو کے لئے یہ صورتحال انتہائی غیر متوقع تھی۔ ''مامتا'' ایسا والہانہ پن اس کے لئے بالکل نیا تھا۔ اس نے بہت سہولت سے اس خاتون کی گرفت سے خود کو آزاد کرایا تھا اور اماں کے قریب ہوکر بیٹھ گئی تھی۔

''میں تو ترس گئی تیری شکل دیکھنے کو..... ظالموں نے چھپا دیا تجھے..... ماں کا سینہ جلتا رہا..... ترس تک نہ آیا..... کتنی مشکلوں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کر تجھ تک پہنچی ہوں۔ آ میرے ساتھ لگ..... تجھے جی بھر کر پیار تو کروں..... کتنا ترسی ہے یہ ماں تیرے لئے۔ خدا نے مجھے بہت سزا دی..... اب تو اور نہ تڑپا مجھے..... بہت بدنصیب ہے تیری یہ ماں۔ تیری صورت دیکھنے کو ترستی رہی۔'' آنسوؤں سے تر چہرے کے ساتھ وہ گویا تھیں۔

سیو نے اماں کی جانب نگاہ کی تھی۔ اماں نے مژگان کی طرف اشارہ کیا تھا۔ پھر وہ دونوں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ سیو نے بوکھلا کر اماں کا ہاتھ تھاما تھا۔ انہوں نے پلٹ کر بہت ملائمت سے اسے دیکھا تھا، پھر اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے باہر نکل آئی تھیں۔ اس وقت کمرے میں فقط وہ دونوں خواتین تھیں۔

''میری بچی..... میری جان..... میرے جگر گوشے.....'' زرینہ بیگم نے ایک بار پھر اسے اپنے ساتھ لپٹانا چاہا تھا۔ اس نے دوسرے ہی پل انہیں جھٹک دیا تھا۔

''پلیز، مت کریں یہ ڈرامہ... مت رچائیں یہ مامتا کا جھوٹا ڈھونگ۔ بچی نہیں ہوں میں۔ سمجھتی ہوں ہر بات۔ یہ بھی کہ کیا سچ ہے۔ اور یہ بھی کہ کیا جھوٹ ہے۔ کھرے کھوٹے کی پہچان ہے مجھے۔ پلیز..... مامتا بہت مقدس جذبہ ہے۔ بہت معتبر رشتہ ہے یہ۔ مت تذلیل کریں اس رشتے کی۔ میں نہیں جانتی کہ آپ کون ہیں۔ پلیز ایسا کوئی دعویٰ مت کیجئے گا مجھ سے..... میرے پاس آپ کے لئے کچھ نہیں ہے۔ کسی ایسے رشتے کو نہیں جانتی ہوں میں۔ میری ماں مر چکی ہے۔ میری بے بے..... وہی میری ماں تھی۔ میں ماں کے نام سے فقط ایک عورت کو جانتی ہوں، پہچانتی ہوں اور مانتی ہوں۔ میں نے جب آنکھ کھولی انہیں دیکھا..... ہوش سنبھالا تو اپنے اردگرد انہیں پایا۔ انہوں نے میرے ناز نخرے جھیلے۔ مجھے پاؤں پاؤں چلنا سکھایا۔'' یکدم اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ آنکھیں یکدم ہی برسنے لگی تھیں۔ گلے میں آنسوؤں کا ایک پھندا سا آگیا تھا۔

وہ چپ ہو کر نگاہ پھیر گئی تھی۔ زرینہ بیگم اسے حیرت سے تکتی رہ گئی تھیں۔

''کسی نام نہاد شے کو نہیں مانتی میں...... آپ پلیز یہاں سے چلی جائیے۔ میرے پاس آپ کے لئے کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے مجھے کچھ نہیں دیا ہے جو میں جواباً آپ کو لوٹا سکوں۔ میرا اندر آپ کے لئے خالی ہے۔''

زرینہ بیگم کتنی دیر ساکت اسے تکے گئی تھیں۔ پھر منہ پر ہاتھ رکھ کر حیرت سے دوسری عورت کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''ماسی! دیکھا تم نے...... ان لوگوں نے کیسے میری بچی کو سکھا پڑھا دیا۔ کیسی پٹی پڑھا دی میرے خلاف...... کتنا زہر بھر دیا میرے لئے۔ جانتی ہوں۔ میں اس خاندان کے سارے چلتروں سے واقف ہوں۔ رگ رگ سے واقف ہوں ان کی۔ مجھے تو پکی امید تھی...... معلوم تھا، ایسا ہی کچھ کریں گے یہ لوگ۔ مجھے ڈس لیا، اب میری بیٹی کے اندر بھی زہر بھر دیا۔ دیکھا تم نے ماسی! اس لئے مجھ سے لے کر بھاگ رہے تھے یہ لوگ اسے...... بچی کو ورغلا دیا ماں کے خلاف کر دیا پر میں بھی نہیں چھوڑوں گی۔ بخشوں گی نہیں۔ کوئی کم حیثیت نہیں ہوں میں۔ زرینہ بیگم نام ہے میرا۔ مربعوں کی مالک ہوں۔ تین تین بھائیوں کی بہن ہوں۔ عدالت میں نہ گھسیٹا تو نام بدل دینا۔ یاد رکھیں گے کسی عورت سے پالا پڑا تھا۔ اینٹ سے اینٹ نہ بجا دی اس سید خاندان کی تو پھر کہنا۔'' زرینہ بیگم نے ہاتھ نچا نچا کر خالصتاً ان پڑھ عورتوں کی طرح کہا تھا۔ سیو ششدر سی انہیں تکنے لگی تھی۔

تو یہی سوچ کر اسے محفوظ کرنا چاہ رہے تھے سب!

اسی عورت کے ڈر سے وہ اقدام ضروری خیال کیا جا رہا تھا۔

''میں کوئی معمولی عورت نہیں ہوں۔ مجھ سے دھوکہ دہی نہیں ہو سکتی۔ میری بچی کو میرے خلاف کرنے کی بڑی قیمت بھگتنا ہوگی اس خاندان کو۔'' وہ مسلسل چیخ رہی تھی۔

سیو نے یکدم ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید بولنے سے باز رکھا تھا۔

''پلیز! آہستہ آواز میں بات کیجئے۔ کوئی دھوکہ دہی نہیں ہو رہی آپ کے ساتھ۔ نہ ہی کسی نے مجھے ورغلایا ہے، عاقل اور سمجھدار ہوں میں۔ آپ کو اپنی مرضی سے رد کر رہی ہوں۔ کیونکہ میں خود آپ کو ماں کے منصب پر فائز نہیں کر سکتی۔ اور سن لیجئے کوئی بھی قانونی کارروائی اگر آپ کریں گی تو وہ بے سود رہے گی کیونکہ میں عاقل و بالغ ہوں۔ اپنی مرضی سے فیصلہ کر سکتی ہوں۔ اس خاندان کو قصوروار ٹھہرانے سے قبل خود اپنے فعل کے متعلق غور کیجئے۔ انہوں نے تو مجھے کم حیثیت ہوتے ہوئے اپنایا ہے۔ آپ نے کیا کیا تھا۔ چند پل کی بچی کو موت کے حوالے کر دیا

تھا، کیسی ماں ہیں آپ، اور اب آپ ستائش کی تمنا رکھتی ہیں۔ آپ جیسی خود غرض عورت کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ آج آپ دوسروں پر الزام دھر رہی ہیں۔ دوسروں کو برا بھلا کہہ رہی ہیں۔ آپ سوچئے کیا کیا تھا، آپ نے میرے ساتھ۔ کیا وہ عمل محبت بھرا تھا۔ وہ اقدام قابل فخر تھا۔ کوئی جانور بھی اپنی اولاد کے ساتھ ایسا نہیں کرتا۔ جیسا آپ نے کیا۔'' سیو بولتے بولتے تھک گئی تو چہرے کا رخ پھیر کر دوسری سمت دیکھنے لگی۔ آنکھیں جھر جھر برستی گئیں۔ وہ لب سختی سے بھینچے جیسے قیامت کے لمحوں سے گزر رہی تھی۔

زرینہ بیگم نے ایک بار پھر اس کی جانب پیش قدمی کی تھی۔

''میری بچی! میری جان! مجھے معاف کر دے۔ یہ ماں قصوروار ہے۔ میں اندھی ہو گئی تھی، بدلے کی آگ میں۔ اس شخص نے مجھے بہت گہرے گھاؤ دیئے تھے۔ میں نفرت کی آگ میں جل رہی تھی۔''

''کوئی بھی ماں کتنی بھی بری ہو۔ وہ اپنی اولاد سے نفرت نہیں کرتی۔ اپنی اولاد کے لئے وہ اتنی ہی مخلص ہوتی ہے، دوسروں کے کئے کی سزا وہ اپنی اولاد کو نہیں دیتی۔''

''کہہ تو رہی ہوں، غلطی ہو گئی مجھ سے۔ معاف کر دے، اپنی اس کرموں جلی ماں کو۔'' زرینہ بیگم نے اسے اپنے ساتھ بھینچا۔

''کیا چاہتی ہیں آپ مجھ سے؟'' وہ ان کے مطلب کی جانب آئی۔

زرینہ بیگم نے اسے دیکھا ان کی نگاہوں میں ایک چمک سی دوڑ گئی۔

''چھوڑ ان لوگوں کو چل میرے ساتھ ہم ماں بیٹی مل کر زندگی بسر کریں گے۔ بہت پیار دوں گی میں تجھے۔ سارا ازالہ کر دوں گی۔''

''ازالہ......'' سیو نے ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتے ہوئے انہیں استہزائیہ انداز میں دیکھا تھا۔ ''کیا کوئی ازالہ ممکن ہے؟ چلیں میں آپ کو ماں تسلیم بھی کر لوں۔ مگر پھر بھی میں آپ کے ساتھ رہنے کو قطعاً ترجیح نہیں دوں گی۔ میرے لئے آپ کے پاس کچھ نہیں تھا۔ مگر میرے پاس آپ کے لیے فقط ہمدردی ہے۔ آپ نے تو مجھ پر ترس بھی نہیں کھایا تھا مگر مجھے واقعی ترس آ رہا ہے آپ پر...... مگر میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی ہوں۔''

زرینہ بیگم نے اسے بغور دیکھا تھا پھر چادر کے پلو سے آنکھیں رگڑنے لگی تھیں۔

''ان لوگوں نے سکھایا ہے تجھے۔ یہ زہر انہی لوگوں نے بھرا ہے تجھ میں۔ جانتی ہوں، میں اچھی طرح سے۔''

''کسی نے زہر نہیں بھرا ہے مجھ میں...... اگر بھرا ہے تو فقط آپ نے۔'' وہ پر افسوس انداز میں

ایک بار پھر سر نفی میں ہلانے لگی تھی۔ آنکھیں پھر بھیگ گئی تھیں۔ زرینہ بیگم اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔ پھر اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"بہت بدنصیب ہے یہ ماں! بس ایک بار فقط ایک بار ماں کہہ کر پکار لے۔ بری ہوں...... بہت بری ہوں۔ مگر تیری ماں تو ہوں۔ بہت برا کیا میں نے تیرے ساتھ مگر سوچ کتنی طویل سزا بھی تو جھیلی ہے۔ اور سزا مت دے اپنی اس کرموں جلی ماں کو...... میں نے تو دوزخ اسی دنیا میں کما لیا۔ اسی دنیا میں جھیل لیا۔ اس سے بڑی اور کیا سزا ہوگی میری، معاف کر دے اپنی ماں کو۔"

سیو کی آنکھیں بھیگتی چلی گئی تھیں۔

کچھ بھی سہی، اس عورت نے کچھ بھی کیا ہو، مگر ان لمحوں میں یقیناً وہ سچ کہہ رہی تھی۔ سیو نے ان لمحوں میں خود کو اس کی گرفت سے آزاد نہیں کرایا تھا۔ وہ اپنے دل پر مزید کوئی جبر نہیں کر سکی تھی۔ پتھر بالآخر سرک گیا تھا۔

یہ عورت واقعی بہت بدنصیب تھی۔

وہ اسے مزید سزا کیا دیتی۔

وہ تو اپنے حصے کی سزا پہلے ہی بہت زیادہ کاٹ چکی تھی۔

کتنی دیر تک وہ اسے اپنے ساتھ بھینچے روتی رہی تھی۔ پھر غبار چھٹا تھا تو اس کے چہرے کو تھام کر بہت محبت سے گویا ہوئی تھیں۔

"بس سکون سا اتر گیا دل میں۔ اب موت آسان ہو جائے گی۔ تو چاہے تو مت رہ میرے ساتھ...... نہ چل میرے ساتھ...... مگر مجھے اجازت دے کہ کبھی کبھار آ کر تجھے دیکھ جایا کروں۔ مل جایا کروں۔ ایک ماں کے کلیجے میں ٹھنڈی پڑے گی تیری ہاں سے۔"

انہوں نے ایک آس سے اسے دیکھا تھا۔ اور اس نے ان کی جانب دیکھتے ہوئے بہت آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

ضروری تو نہیں کہ ہر بات کا بدلہ لیا جائے۔

کوئی برا کرے تو ردعمل کے طور پر آپ شدید ترین انداز اختیار کریں۔ انسانی رویوں کے لئے نہیں، اس کا اطلاق فقط چیزوں پر ہی ہونا چاہئے۔ یہی سوچا تھا اس لڑکی نے اس کے دو حرف اگر اس بدنصیب عورت کے دل کے لئے سکون کا باعث بن سکتے تھے تو وہ کیوں دو حرف نہ کہتی۔

ان کے جانے کے بعد وہ تادیر وہیں بیٹھی رہی تھی۔

سید وجاہت شاہ نے بالآخر کمرے میں قدم دھرا تھا اور چلتے ہوئے اس کے قریب آن

رکے تھے۔ وہ یکدم ہی ان کے شانے پر سر رکھ کر سسکنے لگی تھی۔

✿......✿

وہ ایک لمحہ
جو مجھ کو چھو کر گزر گیا ہے
جو تجھ سے مل کر بچھڑ گیا ہے
کہاں گیا ہے
جو ساتھ اپنے
ہماری خوشبو بھی لے گیا ہے
وہ ایک لمحہ
ہمارا کب تھا!

اعصار شیخ کتنی دیر تک بے سمت راستوں پر بھاگتا دوڑتا رہا تھا۔ پھر تھک کر اس نے گاڑی سمندر کنارے روک دی تھی اور سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر گہرے گہرے سانس خارج کرنے لگا تھا۔ جیسے ایک طویل مسافت کے بعد کوئی لمحہ بھر کو رک کر ستانے کے لئے پڑاؤ ڈالتا ہے۔ اس نے لمحہ بھر کو آنکھیں موندی تھیں۔

سوچتا ہوں پکار کر دیکھوں
شہر میں کوئی جاگتا ہو گا
وہ بھی تنہا اداس لمحوں میں
میرے بارے میں سوچتا ہو گا
سوچتا ہوں پکار کر دیکھوں

کوئی اندر ہی اندر گویا تھا۔ اس نے لمحے بھر میں آنکھیں کھولی تھیں۔ آس پاس کوئی نہ تھا۔ یقیناً یہ آواز خود اس کے اندر سے برآمد ہوئی تھی۔

اس نے تھک کر سر دوبارہ سیٹ کے ساتھ ٹکا دیا تھا اور نگاہ شوریدہ سر سمندر پر مرکوز کر دی تھی۔ وہ بھولی تو نہ تھی، اب تک از بر تھی۔

سوچتا ہوں پکار کر دیکھوں
شہر میں کوئی جاگتا ہو گا
وہ بھی تنہا اداس لمحوں میں
میرے بارے میں سوچتا ہو گا

وہ اپنے ہی دھیان میں گم تھا۔ جب وہی صدا پھر اس کے اندر گونجی تھی۔ کس قدر والہانہ انداز میں چاہا تھا اس نے اسے۔ کس قدر شدت سے، اور پھر اسی شدت سے اسے نظر انداز بھی کیا تھا۔ کانٹوں پر بھی گھسیٹا تھا۔ اس کے بغیر جینے کا تصور اس کے لیے سوہان روح تھا۔ وہ اسے کھو دیتا تو شاید مر جاتا۔ اسے پانے کے لئے اس نے جائز اور ناجائز سے قطع نظر فقط اسے دیکھا تھا۔ اس نے جو اقدام کیا تھا، وہ اس کی نظر میں درست تھا۔ دوسرے اسے جتنا بھی ناپسندیدہ گردانتے اس کی دیوانگی تھی یہ۔

وہ بھول گیا تھا کہ اس کا یہ اقدام خود اس وجود کو کس قدر معیوب لگا ہوگا جس کی خاطر اس نے یہ سب کیا تھا۔ کل تک جہان محبت تھی، بس ذرا سی بات پر...... ایک چھوٹی سی...... بات پر وہ محبت ''اناؤں'' کی زد میں آ گئی تھی۔

مگر بالآخر وقت نے ہی ان فیصلوں کی شدت کا اندازہ بھی کرایا تھا کہ آج وہ کس قدر وضاحت سے اسے سوچ رہا تھا۔

کب تک کھوئے رہیں گے، ہم، اپنی اناؤں کے جنگل میں، کب تک کھوئے رہیں گے ہم۔

کتنی صدائیں اس کے حق میں جا رہی تھیں۔ وہ اتنی قصوروار تھی تو نہیں۔ غلطی تو بہر حال اس سے سرزد ہوئی تھی۔ اور اس نے کس درجہ بے اعتنائی بھی برتی تھی اس سے۔ غلطی کی ابتدا یقیناً اس کی جانب سے ہوئی تھی۔ اس صنف نازک نے تو فقط ردعمل ظاہر کیا تھا۔ اعصار شیخ نے ایک گہری سانس خارج کی تھی۔

دل نے بالآخر ایک فیصلے پر پہنچ کر مہر ثبت کی تھی اور اس کے اندر دور تک ایک اطمینان پھیلتا چلا گیا تھا۔

✿......✿

اماں کے شانے پر سر رکھ کر وہ کتنی دیر تک روتی رہی تھی۔

''آپ مجھ سے شاید خفا ہیں۔ اس انکار کے باعث...... مگر آپ جانئے، میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں چھوٹے سرکار کی زندگی برباد کرنا نہیں چاہتی تھی۔ مجھ جیسی جاہل...... ان پڑھ لڑکی کی ان کی زندگی میں کہیں ضرورت نہیں تھی۔ وہ بہت عظیم ہیں۔ آسمان ہیں، میں تو خاک ہوں، زمین کی۔ کہاں مقابلہ ممکن ہے۔ وقتی طور پر تو وہ فیصلہ کر لیتے۔ مجھے اپنا بھی لیتے مگر وقت گزرنے کے بعد انہیں ضرور پچھتاوا ہوتا۔ اور یہی میں نہیں چاہتی تھی، بہت پڑھے لکھے ہیں وہ۔ ان کے ساتھ تو کوئی ان ہی جیسی سوٹ کرے گی۔ میں تو ان کے پاسنگ بھی نہیں ہوں۔ آپ پلیز اس انکار کو غلط انداز میں مت لیں۔ میں غلط نہیں ہوں۔ بچی خیر خواہ ہوں اس خاندان کی۔''

اماں اس کا سر تھپکتی رہی تھیں۔ اس نے بالآخر دل کا غبار دھو لیا تھا تو سر اٹھا کر ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑنے لگی تھی۔ تبھی ایک لمحے میں اچانک نگاہ سامنے اٹھی تھی۔

وہ اماں کی پشت پر قدرے فاصلے پر موجود تھا۔

سیو کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ فوراً ہی وہ نگاہ دوبارہ جھکا گئی تھی۔ اماں نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا تھا۔

''کسی کو کوئی گلہ نہیں ہے تم سے...... تم نے کوئی غلط اقدام نہیں کیا۔ مرضی کا حق حاصل ہے تمہیں، مگر ایک بات غلط ہے۔ اپنی سوچ کو مثبت رنگ دو۔ تم اس خاندان کا ایک حصہ ہو۔ سید وجاہت شاہ کی بیٹی ہو تم، نہ تو تم کم حیثیت ہو اور نہ ہی بے وقعت...... رہی کم پڑھے لکھے ہونے کی بات تو اس کمی کو دور کیا جا سکتا ہے۔ ماشاءاللہ فہم و فراست میں تم بہت زیادہ ہو۔ آئندہ کوئی منفی بات مت سوچنا چلو اٹھو شاباش منہ دھو کر آؤ۔'' اماں نے اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔ اسے جیسے واقعی کوئی لمحۂ فرار درکار تھا۔ ان کے کہنے پر وہ فوراً ہی اٹھی تھی اور بنا اِدھر اُدھر دیکھے، ناک کی سیدھ میں چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ آنکھیں جیسے جل رہی تھیں۔ واش روم میں آ کر دھڑکتے دل سمیت وہ کتنے بہت سے چھپاکے منہ پر مارتی چلی گئی تھی۔ قدرے سکون ہوا تھا تو وہ باہر نکلی تھی جب اسے دوبارہ اپنے سامنے دیکھ کر وہ ٹھٹک کر وہیں رک گئی۔ قدم جیسے زمین نے اپنے ساتھ باندھ لئے تھے۔

وہ لمبا چوڑا شخص...... کھڑا اسے بغور تک رہا تھا۔

انداز بے حد مختلف تھا۔

نگاہوں کی تپش اس قدر تھی کہ وہ نگاہ اٹھا کر دیکھ سکنے کی ہمت ہی نہ رکھتی تھی۔ دل یکدم ہی بے حد تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا۔

وہ یقیناً باز پرس کرنے آیا تھا۔ پھر کچھ سخت سست سنانے آیا تھا۔ اور وہ، کب ہمت تھی اس میں اس ''مقابلہ بازی'' کی اور کہاں مقابلہ کر سکتی تھی وہ۔ وہ تو اول دن سے ہی ہاری ہوئی تھی۔ بس اب تو فقط مسلسل بھاگ رہی تھی۔

اعیان عالم شاہ بھاری مضبوط قدم اٹھاتا اس کے مقابل آن رکا تھا۔

سیو کی جان جیسے مشکل میں گھر گئی تھی۔ نگاہ جھکائے وہ ساکت کھڑی تھی۔ اس کا پورا وجود پتے کی مانند لرز رہا تھا۔ اس لمبے چوڑے مضبوط شخص کو جیسے اس کی مشکل کا اندازہ ہو گیا تھا تبھی اس نے مضبوط...... آہنی ہاتھ بڑھا کر اس کے شانے پر دھر دیئے تھے۔ سیو کو یوں لگا تھا، جیسے اسے انگاروں نے چھو لیا ہو۔ وہ پل بھر میں سختی سے آنکھیں میچ گئی تھی۔ فرار کی یہ کوشش قابل دید

تھی۔ اعیان عالم شاہ نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا تھا۔ دھلے ہوئے چہرے پر پانی کے قطرے شبنم کی مانند لگے ہوئے تھے۔ بالوں کی کتنی لٹیں اس گھڑی چہرے پر چپکی ہوئی تھیں۔ اعیان عالم شاہ نے داہنا ہاتھ بڑھا کر بہت دھیرے سے سیاہ کاکل کی ایک لٹ کو چہرے سے پیچھے سرکایا تھا۔

سیو کا سارا جسم انگاروں پر تھا۔

اس گھڑی وہ آنکھیں سختی سے میچے، دم سادھے کھڑی تھی۔

اعیان عالم شاہ نے اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے شہادت کی انگلی سے اس کے چہرے کو قدرے اوپر اٹھایا تھا اور از سر نو جیسے جائزہ لینے لگا تھا۔

”جب حق پر ہو اور کچھ غلط نہیں کیا ہے۔ تو پھر اس قدر تاویلیں کیوں پیش کر رہی ہو؟“ اس نے مدھم لہجے میں بھرپور وار کیا تھا۔ ”جانتی ہو وضاحتیں اور تاویلیں کون دیتے ہیں؟“ اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے وہ دریافت کر رہا تھا۔ مگر اس میں ہمت کہاں تھی۔

”جھوٹے!“ اسے خاموش دیکھ کر اعیان عالم شاہ نے بھرپور الزام عائد کیا تھا۔ ”جو لوگ جھوٹے ہوتے ہیں، وہ دیتے ہیں وضاحتیں، وہی ڈھونڈتے ہیں تاویلیں۔“

وہ جھوٹی نہیں تھی مگر اس کو ثابت کرنے کی کوشش بھی کہاں کارگر ہوتی۔ وہ تو خود اس سمے طوفان کی زد میں تھی۔ روح و جان پر جیسے ایک قیامت گزر رہی تھی۔ سارے لمحے جیسے قیامت کے لمحے تھے۔

”اپنی آنکھیں وا کرو۔ میں سچائی کی رمق دیکھنا چاہتا ہوں۔ دیکھنا چاہتا ہوں، تم کس قدر جھوٹ بولتی ہو۔“ دھیمے مدھم لہجے میں ایک درخواست ہوئی تھی یا کوئی ”حکم“ تھا۔

اس نے بہت ڈرتے ڈرتے اپنی آنکھیں وا کی تھیں۔ مگر نگاہ اٹھا کر اس کی سمت دیکھنے کی سکت اس میں نہ تھی۔ اعیان عالم شاہ نے اس کے چہرے کو قدرے اوپر اٹھایا تھا اور بغور تکنے لگا تھا۔

”جھوٹ...... فقط جھوٹ“ وہ بہت دھیمے سے مسکرایا تھا۔ ”یہاں تو صرف جھوٹ کا پہرہ ہے۔ سچ کیسے جان سکتا ہوں میں۔ دل کے ارد گرد تو تم نے ہزاروں فصیلیں اٹھا دی ہیں کتنی کانٹوں بھری باڑیں لگا دی ہیں، بولو کیسے رسائی حاصل کروں دل تک اور سچ جانو......“ اس کا لہجہ ہی نہیں انداز بھی بے حد بدلا ہوا تھا۔

سیو وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی۔ بھاگ جانا چاہتی تھی۔ مگر فرار کے سبھی راستے مسدود تھے۔

”حساب برابر کرنے میں تو تمہارا جواب نہیں۔ میں کم فہم سمجھتا رہا تمہیں۔ اس کی جوابی کارروائی یہ رہی کہ وقت پڑنے پر مجھے رد کر دیا۔ کون کہتا ہے، تم کم پڑھی لکھی اور کم فہم ہو، تم تو خردمندی سے مالا مال ہو۔“ وہ مسکراتے ہوئے یقیناً طنز کر رہا تھا۔

سیو کی تو اس گھڑی وہ کیفیت تھی کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

”ابھی تو اپنے کم پڑھے لکھے ہونے کا قلق ہے تم کو...... اگر پڑھ لکھ جاتیں تو کیسے کیسے گر مزید نہ پنپتے تم میں...... ابھی تو ناقابل شکست ہو، تب شاید ناقابل دسترس ہوتیں، تم تو اس عالم میں بھی قیامت ہو، پھر کس بات کا رونا روتی ہو۔ ایک اچھے خاصے معقول بندے کی سدھ بدھ تو تم یوں بھی گنوا چکی ہو۔ اور کیا چاہتی ہو تم؟ کیا جان سے گزر جائے؟“

سرگوشی نما انداز میں بغور اس کے چہرے کو تکتے ہوئے اس نے دریافت کیا تھا۔

سیو نے حیرت سے نگاہ کی تھی اس پر! بے حد انہماک سے وہ اس کے چہرے پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔ کہاں تاب لا سکتی تھی، وہ ان نگاہوں کی ...... نتیجتاً دوسرے ہی لمحے پلکیں جھک چکی تھیں۔ کیسا بدلا ہوا انداز تھا اس شخص کا۔ اس نے تو کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ کس درجہ قربت تھی......

اس کی مخصوص مہک نے پورے ماحول کو اپنی گرفت میں لیا ہوا تھا۔ اس کی نظروں کی تپش سے جیسے سارا وجود پگھلنے کو تھا۔

”بولو...... کیا جان سے گزر جائے کوئی؟“ اعیان عالم شاہ نے اس کی سمت بغور تکتے ہوئے کہا تھا۔

”جی......؟“ وہ بمشکل نگاہ اٹھا کر بول سکی تھی۔

اعیان عالم شاہ کے لبوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی۔ سیو کے لئے جیسے یہ خواب کا سا عالم تھا۔ اس شخص کی حد درجہ قربت، اس کا مہربان ہونا۔

”میں تو تمہیں بے حد سیدھی سادھی لڑکی سمجھتا تھا، عام سی لڑکی۔ مگر تم تو بے حد خردمند واقع ہوئی ہو۔ اب اس گھڑی زبان تالو سے کیوں چپک گئی؟ بتاؤ، کیوں رد کیا تھا مجھے۔ بدلا چکانے کو نا؟“

”نن...... نہیں۔“ اس نے نگاہ اٹھائے بغیر یکدم نفی میں سر ہلایا تھا۔

اعیان عالم شاہ نے ان پلکوں کی لرزش کو بغور دیکھا تھا، پھر ہاتھ بڑھا کر اس چاند چہرے پر ٹھہرے شبنم کے قطروں کو پوروں پر چن لیا تھا۔

سیو کے چہرے کو پل میں جیسے کوئی انگارہ چھو گیا تھا۔

”تم نے تو وہ چال چلی جو کوئی فارن کوالیفائڈ لڑکی بھی نہ چلتی۔ جانتی ہو، کس درجہ عقل مند

اور ذہین ہو تم؟'' شبنم کے قطرے کو بغور تکتے ہوئے وہ گویا ہوا تھا۔

سیو یکدم ہی الٹے قدموں چلتی ہوئی دیوار سے جا لگی تھی۔ اعیان عالم شاہ اس فرار پر جانے کیوں مسکرا دیا تھا۔

''جرم تو تم سے سرزد ہوا ہے، اب بتاؤ کیا سزا تجویز کی جائے تمہارے لئے؟ سزا کا تعین تم خود کرو گی یا پھر میں کروں؟''

سیو کے لئے اس کا والہانہ پن بے حد حیرت کا باعث تھا۔ وہ ابھی تک اس کیفیت کو سمجھ نہ پا رہی تھی۔ تبھی اس کے دریافت کرنے پر حیرت سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

''میں...... میں نے کیا، کیا ہے؟''

''مجھے رد کرنے کا جرم کیا کم ہے؟ میری نفی کرنا کیا معمولی جرم ہے۔ اس صورت میں جب میں ہی میں ہر طرف ہوں۔'' اس کا جرم گنواتے ہوئے وہ مسکرایا تھا۔ ''اماں سے کہہ دیا ہے میں نے، زیادہ پڑھی لکھی لڑکی نہیں چاہئے مجھے۔ ایک کم فہم اور کم پڑھی لکھی نے جان عذاب میں کر دی، جب یہی مزید پڑھ لکھ جائے گی تو کیا کیا حربے اور نہ آزمائے گی۔ دو دھاری تلوار نہیں چاہئے مجھے۔ تم جیسی ہو جہاں ہو کی بنیاد پر قبول ہے مجھے۔'' اعیان عالم شاہ کے لبوں پر بہت دلفریب مسکراہٹ تھی اس گھڑی۔

سیو حد درجہ حیرت سے اسے تکنے لگی تھی۔ وہ مسکرا دیا تھا۔

''دل کی مراد بر آئی ہے نا، سچ بتاؤ کہاں سے سیکھا یہ جادو؟ بے بس کر دینے والی قوت...... کہاں سے سیکھا یہ گُر تم نے؟'' وہ بغور دیکھتا ہوا دریافت کر رہا تھا۔

سیو کی جیسے جان پر بن آئی۔ چہرہ حد درجہ سلگتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ اس نے بمشکل قدم اٹھائے تھے اور تیزی کے ساتھ اس کے قریب سے نکل جانا چاہا تھا۔ مگر ہاتھ اس کی گرفت میں آ گیا تھا۔

''بڑی بہادر تھیں تم تو۔ اب وہ خود اعتمادی کہاں بھاگ گئی اچانک؟'' وہ یقیناً چھیڑ رہا تھا۔ سیو نے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔ پھر یکدم اسے دھکیل کر بھاگتی ہوئی باہر نکل آئی تھی۔ سامنے سے آتی ہوئی مژگان سے وہ ٹکرائی تھی۔ پھر اس کے شانے پر سر رکھ کر گہرے گہرے سانس خارج کرنے لگی تھی۔

''کیا ہوا؟'' مژگان نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

اس نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا...... پھر سر نفی میں ہلا دیا تھا۔

✿......✿

کتنے لمحوں تک وہ بے چینی سے اِدھر اُدھر پھرتی رہی تھی۔ اندر بے حد گھٹن تھی۔ بے حد وحشت تھی۔ وہ بلاوجہ کمرے میں یہاں سے وہاں تک چکر کاٹنے لگی تھی۔ غبار یکدم بڑھنے لگا تھا۔ اس نے کمرے کی چیزیں اٹھا کر اِدھر اُدھر پھینکنا شروع کر دی تھیں۔ پھر ضبط کا یارا نہ رہا تو وہیں فرش پر بیٹھ کر دھواں دھار رونے لگی تھی۔

جو ہوا، کچھ عجب نہ تھا۔

وہ جب تنہا گھر سے نکلی تھی تو یہ بات اس پر منکشف تھی کہ اس طرح جینا اس کے لئے آسان نہ ہوگا۔ بہت سی نظروں کا سامنا ہوگا اسے۔ بہت سے ناگوار جملے اسے نہ چاہتے ہوئے بھی سننا ہوں گے اور برداشت کرنا ہوں گے۔ وہ جانتی تھی بہت سے ہاتھ ہوں گے جو اس کی سمت بڑھیں گے، وہ سب جانتی تھی۔ مگر آج جب ایک اسی نوعیت کا واقعہ رونما ہوا تھا تو جانے کیوں وہ جھیل ہی نہ پائی تھی۔

بات گو ذرا سی تھی...... بس کچھ ناپسندیدہ جملے تھے مگر اس کی سماعتیں جیسے جلنے لگی تھیں۔ کسی کی نظریں اسے اچھی نہیں لگی تھیں...... اور اس کی روح اندر تک کٹنے لگی تھی۔ ساری حقیقت منکشف تھی اس پر...... وہ جانتی تھی، تنہا لڑکی کا معاشرے میں سروائیو کرنا بے حد مشکل ہے۔ مگر وہ پھر بھی گھر سے نکل آئی تھی۔ سائبان چھوڑ کر میلوں کی دوری پر آن رکی تھی۔

''مجھے نہیں پتہ تم کیا چاہتی ہو ادعیہ! مگر ہر لڑکی کا خواب فقط یہی ہوتا ہے۔ ایک گھر ہو، ایک دریچہ ہو، اور کوئی اپنا ہو، جو فقط اسے دیکھے، اسے چاہے، جی جان سے خیال رکھے، اپنی پناہ میں رکھے، اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے۔ اعصار شیخ سے علیحدہ ہو کر جیو گی؟ کیا تم اس صورتحال کا سامنا کر لو گی؟ جبکہ تم اس وقت تنہا ہو گی؟ اس صورت حال میں تو کوئی تمہارے ساتھ ہے، ہم قدم ہے...... جو تمہیں زمانے کے سرد و گرم سے محفوظ رکھ سکتا ہے۔ موسموں کی تمازت سے بچا سکتا ہے۔ تب کون ہوگا؟''

یکدم ہی شعاع کی آواز اس کے اردگرد گونجی تھی۔

ایک لمحے میں اس سائبان سے شخص کا دھیان آیا تھا۔ اس کی محبتیں، اس کی شدتیں، تمام نوازشیں، خود اس سے وابستہ اس کی ساری خواہشیں۔ اس کا والہانہ پن، وارفتگی، اس کی تمام تر جنوں خیزی، محبت کی انتہا پسندی، کسی آتش کی طرح لپکتا کوندتا جذبہ بہ حدت۔ وہ تمام کی تمام شدت...... بس ایک لمحے میں...... فقط ایک لمحے میں خیالات کو اپنے سنگ باندھ لے گئی تھی۔

آنکھیں جانے کیوں برستی چلی گئی تھیں۔ نادانستہ تو کچھ بھی نہ ہوا تھا۔ سارے اقدامات دانستہ کئے گئے تھے۔ ساری حکمت عملی خرد مندی کا نتیجہ تھی۔ بچھڑنے کا فیصلہ دانستہ ہوا تھا۔ راہ

جان بوجھ کر بدلی تھی۔ راستے الگ خود آپ کیئے تھے۔ پھر کس بات کا ملال تھا جو دل کو اپنی گرفت میں لے کر دبا رہا تھا؟

کیسا پچھتاوا تھا جو جان جلا رہا تھا۔ شاید "فیصلہ" دل کے "خلاف" ہوا تھا۔ خرد مندی نے دل کو مات دی تھی......اور اس سارے عمل میں وہ پیش پیش تھی۔

قصور وار کوئی اور بھی تھا شاید۔ مگر اس نے کڑی ترین سزا خود کو دی تھی۔ کوئی شاید ازالہ بھی کرنا چاہتا تھا، نظر منتظر بھی تھی، کوئی راہ میں حائل بھی تھا، نگاہ میں انتظار بھی تھا۔

مگر وہ گھر سے نکل پڑی تھی......طویل اور بے سمت راہ پر چل پڑی تھی۔ منزل سے دور...... سائبان سے دور۔ قدم اٹھتے چلے گئے تھے۔

تم اک بار کہتے تو میں رک بھی جاتی
میں پل بھر میں ساری جفائیں بھلاتی
کہاں ہے...... کہاں گم ہوئی ہے اچانک
وہ تیری محبت...... وہ میری محبت
یہیں ہے...... یہیں گم ہوئی ہے اچانک
وہ تیری محبت...... وہ میری محبت

سارا کمرہ وحشت سے بھرا ہوا تھا۔ اندر باہر ویرانی ہی ویرانی تھی۔ سارا منظر دھواں دھواں تھا۔ شاید وہ بھاگتے بھاگتے واقعی تھک گئی تھی۔ اور شاید "ہار" بھی گئی تھی۔ "دل" ایک بار پھر سر اٹھا چکا تھا۔ اور "خرد مندی" پھر بکل مارے ایک کونے میں جا دبکی تھی۔

✿......✿

کئی چاند دُھند میں کھو گئے
کئی جاگ جاگ کے سو گئے
مگر اِک ستارۂ مہرباں
جو گواہ تھا
سرِ شام سے دمِ صبح تھا
کسی وصل رنگ سی رات کا
کسی بے کنار سے لطف کا
کسی مشکبار سی بات کا
مرے ساتھ تھا

مرے ساتھ ہے!

اور بالآخر وہ جانے کے لئے تیاریاں کرنے لگی تھی۔ یعنی اس کا واپس لوٹنے کا فیصلہ واقعی حتمی تھا۔

وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا، اس کا ہاتھ تھامنا چاہتا تھا، کچھ کہنا چاہتا تھا، مگر ہمت کیسی ناپید تھی۔ اس درجہ بزدل تو نہ تھا وہ، مگر قدم کیسے بندھ سے جاتے تھے، کیسے کیسے خدشے درپیش تھے، کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے۔

محبت نے کیسا بے بس کر دیا تھا پل بھر میں۔ رہبان عالم شاہ جیسا لمبا چوڑا مضبوط مرد پل بھر میں ڈھیر تھا۔ کیسا شعلہ تھا جو تن من سلگائے دے رہا تھا۔

رہبان عالم شاہ نے زندگی بھر خود کو اس درجہ بے بس نہ پایا تھا۔ اتنا کمزور وہ کبھی نہ تھا۔ اس محبت نے اسے کہاں لا کر پٹخا تھا۔ کس موڑ پر لا کھڑا کیا تھا۔

وہ خالی خالی نظروں سے سارا منظر دیکھتا رہتا تھا۔ اکثر وہ ہجوم میں گھری رہتی۔ کبھی ابا جی کے ساتھ، کبھی وجیہ چاچا کے ساتھ، کبھی اماں سے صلاح مشورے ہو رہے ہوتے تو کبھی وہ اعیان کے ساتھ گفتگو میں معروف ہوتی۔ کبھی سویرا اس کے پاس ہوتی اور کبھی وہ خود ملازمہ کو نت نئی ہدایتیں دینے میں معروف ہوتی۔ مسلسل اور کس درجہ بزی تھی وہ۔ کبھی ہمت ناپید ہوتی تھی اور کبھی وقت!

اس وقت بھی جب وہ اماں اور دیگر لوگوں کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی گفتگو میں متواتر معروف تھی، وہ اٹھ کر ٹی وی کے سامنے آن بیٹھا تھا۔

میں سمندر میں ہوں!
کنارہ دو!
ساتھ چلنا ہے تو!
اشارہ دو!

بات کچھ دل کو لگی تھی......رہبان عالم شاہ جیسا کول بندہ والیم بڑھاتا چلا گیا تھا۔

کبھی کبھی
مجھے نہ جانے کیوں
لگتے ہو تم
اجنبی......اجنبی
کبھی اتنے قریب

کہ جل جائیں
کبھی اتنے دور
کہ آنکھیں ترس جائیں

اماں نے موسیقی کے بے ہنگم شور پر رہبان عالم شاہ کی سمت دیکھا تھا۔

''رہبان!''

مگر وہ خود میں اس درجہ مگن تھا کہ اماں کی آواز سنائی ہی نہ دی تھی۔

''رہبان......'' اماں نے دوبارہ پکارا تھا۔ رہبان عالم شاہ یکدم چونکا تھا۔ داہنا ہاتھ دانستہ ٹی وی کا والیم کم کرنے لگا تھا۔

''جی......!'' مؤدب انداز میں کہا تھا۔

سب کی نگاہ اس پر تھی۔ اعیان اور سویرا تو باقاعدہ معنی خیز انداز میں مسکرا رہے تھے۔ وہ جل سا ہو کر رہ گیا تھا۔ اماں نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے پاس بلایا تھا۔ وہ ان کے قریب جا بیٹھا تھا۔ اماں نے محبت سے بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''وہاں بیٹھا اکیلا کیا کر رہا تھا میرا بچہ......؟'' مکمل لگاوٹ سے اماں نے دریافت کیا تھا۔

رہبان عالم شاہ کی نگاہ جانے کیوں اس ایک وجود پر جا تھمی تھی۔

اعیان نے معنی خیز انداز میں گلا کھنکارا تھا۔ ساتھ ہی ہولے سے گنگنانے لگا تھا۔

موری سجنی کی آنکھ میں پانی
یہ کیا ہے کہانی!
سجن پردیس گئے!

مژگان کے لبوں پر بڑی بے ساختہ مسکراہٹ آئی تھی۔ اماں بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکیں۔

رہبان عالم شاہ پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ قدرے خفگی سے بھائی کو دیکھا تھا۔

سب باتوں سے قطع نظر اماں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''کوئی پریشانی ہے کیا......کوئی کاروباری مسئلہ ہے؟'' ماں کی نگاہ شاید واقعی بہت گہری ہوتی ہے۔ کیسے پل میں عیاں تھا وہ ان پر......

''نہیں!'' رہبان عالم شاہ نے فوراً نفی میں سر ہلایا تھا۔

اماں نے مژگان کی طرف دیکھا تھا۔ ''تم بتاؤ بچی...... کیا کوئی بات ہے؟''

''جی......'' وہ یکدم ہی چونک کر دیکھنے لگی تھی۔ یہ باز پرس یقیناً بہت اچانک تھی۔ نگاہ لمحہ بھر میں اس شخص سے ملی تھی۔ دونوں نے لمحہ بھر کو ایک دوجے کو بغور دیکھا تھا۔ دونوں کی نگاہ میں

عجب سکوت سا تھا۔ مژگان نگاہ جھکا گئی تھی۔

''جی میرے علم میں نہیں۔ یہ مجھ سے باہر کی باتیں ڈسکس نہیں کرتے۔'' اس نے بہت مدھم لہجے میں کہتے ہوئے جان چھڑائی تھی۔

وہ اماں کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

''کچھ نہیں ہے اماں......بس یونہی......'' اس سے کوئی بات نہ بن پڑی تو چپ ہو گیا۔

اعیان عالم شاہ نے قدرے شرارت سے بھائی کو دیکھا۔

''بھائی صاحب! آپ ساتھ ہی کیوں نہیں ہو لیتے۔ بھابی کو بھی بوریت نہیں ہو گی۔'' کس قدر شگفتہ جملہ تھا۔ اماں مسکرا دی تھیں۔

''تم چپ رہو...... مجھے رہبان سے بات کرنے دو۔'' انہوں نے قدرے نرمی سے ڈپٹتے ہوئے رہبان عالم شاہ کی جانب دیکھا تھا۔

''کہہ تو اعیان بھی ٹھیک رہا ہے۔ کاروبار ہوتا رہے گا۔ تم ساتھ جاؤ مژگان کے۔ ابھی تو بیماری سے اٹھی ہے وہ۔ چلی گئی تو میرا دھیان اسی طرف لگا رہے گا۔ تبدیلی موسم کی ضرورت تم دونوں کو ہے۔'' اماں نے حکم دیا تھا۔

مژگان سر جھکائے کارپٹ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچتی رہی تھی۔ انداز میں انتہائی اضطرابی کیفیت تھی۔ رہبان عالم شاہ نے اسے دیکھا تھا مگر فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

''میں ابا کو دیکھ لوں ذرا۔'' وہ یکدم ہی اٹھی تھی۔

''ابا تو گھر پر موجود نہیں ہیں۔'' اعیان عالم شاہ نے مسکراتے ہوئے پیچھے سے پکارا تھا۔ وہ پلٹی تھی، ان سب کی طرف دیکھا تھا، پھر خجالت سے پُر انداز میں پلٹی تھی اور اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

رہبان عالم شاہ کی نگاہوں نے دور تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

سب کچھ اختیار میں تھا...... پھر بھی کس درجہ بے اختیاری تھی۔

✿......✿

ہجر کے ماہتاب سن
ہم بھی ہیں تیرے ہم سفر
ہم سے بھی کوئی بات کر
ہم تو ترے رفیق ہیں
ہم سے نہ اجتناب کر

وہ بیگ میں ضروری چیزیں رکھ رہا تھا، جب تائی اماں نے اسے قدرے حیرت سے دیکھا تھا۔ ”کہیں جا رہا ہے تو؟“

اعصار شیخ نے ہاتھ روک کر ماں کی طرف دیکھا تھا، پھر بہت ہولے سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

”کہاں؟“ تائی اماں نے اس کی حرکات وسکنات کو بغور دیکھا تھا۔

”لاہور......ضروری کام ہے۔“ اعصار شیخ نے جھک کر بیگ بند کرتے ہوئے کہا تھا۔

”لوٹے گا کب؟“

”زیادہ دن نہیں لگیں گے۔ شاید کل ہی لوٹ آؤں۔“ اس نے دانستہ ماں کی طرف دیکھنے سے اجتناب برتا تھا۔

”نمیرا کی رسم سے قبل لوٹ آنا۔ ادعیہ تو پہلے ہی یہاں نہیں ہے۔ تم بھی نہیں ہو گے تو بات بنانا مشکل ہو جائے گی۔“ تائی اماں نے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ وہ سر جھکا گیا تھا۔ پھر پُر خیال انداز میں سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔ تائی اماں نے کچھ دیر تک خاموشی سے اسے دیکھا تھا، پھر گویا ہوئی تھیں۔

”خواہش تو یہی تھی کہ ادعیہ بھی یہاں ہوتی۔ موقع بھی تھا...... دستور بھی...... اس موقع پر تو شاید وہ آ بھی جاتی مگر......“ انہوں نے بہت آہستگی سے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ ”خیر...... اپنا خیال رکھنا، کوشش کرنا جلد لوٹ آؤ...... ذات برادری کا معاملہ ہے۔ لوگوں کی زبانوں سے تو واقف ہو تم...... ادعیہ یہاں ہوتی تو اور بات تھی۔ اپنی دادی اماں اور ابا کو بھی مطلع کر دینا۔“

”جی!“ اس نے بہت ہولے سے کہا تھا۔ نگاہ جھکی ہوئی تھی۔

تائی اماں نے اسے ایک نظر دیکھا تھا، پھر آگے بڑھ کر سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

”خیال رکھنا اپنا۔“ اور اس کے ساتھ ہی وہ پلٹ کر چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔ اعصار شیخ اس جانب دیکھتا چلا گیا تھا۔ چہرے پر سوچوں کا ایک جال بُنا ہوا تھا۔

✿......✿

آؤ جو کچھ بیت چکا ہے اس کو دفن کریں
گرتے پتوں کی ڈھیری سے
اپنے اپنے خواب چنیں
اور یاد کریں
وہ رنگیلے موسم

جن کو ابھی آنا ہے
اور گیت سنیں ان راہوں کے
جو دشتِ ازل سے نکلی تھیں
اور جن کے ساتھ ہمیں بھی اپنے شہر ابد تک جانا ہے
آئندہ کے خواب ہی تو وہ سکے ہیں جو
ارض و سما کی ہر بستی بازار میں چلنے والے ہیں
یہی دیے ہیں جو آندھی کی راہ میں جلنے والے ہیں
خوابوں کی اس بھیڑ سے آؤ
ہم تم اپنے خواب چنیں
زخموں کی گنتی کو چھوڑیں
پھول گنیں......!

اس نے کل شام ہی بیگ تیار کر لیا تھا۔ اور فاکہہ کو بھی مطلع کر دیا تھا کہ وہ اس ویک اینڈ پر سب سے ملنے کے لئے ضرور جائے گی۔ جی بے حد مضطرب تھا۔ سب کو دیکھے جیسے زمانے گزر گئے تھے۔

دادی اماں نے کس قدر مان سے کہا تھا اور امی، کس قدر جی اداس تھا ان سب کے بغیر...... فیصلہ کرنے کے بعد وہ کسی قدر مطمئن تھی۔ اس وقت وہ کسی ضروری کام سے باہر نکلی تھی...... جب فاکہہ کے ساتھ کھڑے اس شخص کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ ساکت ہو گئی تھی۔ فاکہہ نے اس کی حیرانی سے قطع نظر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا۔

”محترم اعصار شیخ لینے آن پہنچے ہیں بالآخر۔ بہ نفس نفیس۔ یہاں سے تم نے جانے کا قصد کیا اور ادھر سے یہ آن پہنچے۔ دل سے دل کو راہ ہونا اسی کو کہتے ہیں شاید۔“ فاکہہ انتہائی شوخی سے مسکرا رہی تھیں۔

دونوں اردگرد سے بے خبر...... ایک دوجے کو دیکھ رہے تھے۔ فاکہہ نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا تھا، پھر منظر سے ہٹنے کی ٹھانی تھی۔

”تم دونوں باتیں کرو، میں کچھ کھانے کا بندوبست کرتی ہوں تم لوگوں کے لئے۔“ کہنے کے ساتھ ہی وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی تھیں۔

ادعیہ ایک لمحے کے لئے چونکی تھی۔ دھڑکتے دل کو سنبھالنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے وہ بلاوجہ چہرے کے سامنے آئی لٹ کو چہرے کے سامنے سے ہٹاتے ہوئے نگاہ پھیر گئی تھی۔

اعصار شیخ اسے بغور تکتا رہا تھا۔

"میں یہاں ضروری کام سے آیا تھا...... دادی اماں نے کہا تھا، تمہیں لیتا آؤں۔ دراصل ...... نمیرا اور فہد کی رسم منگنی ہے۔ اس موقع پر وہ تمہیں شاید مس کر رہی ہیں۔" اس نے قدرے بے تاثر لہجے میں کہتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھا تھا۔

ادعیہ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی پھر نگاہ پھیر گئی تھی۔ اعصار شیخ نے اس چہرے کو متواتر نگاہ میں رکھا تھا۔

"وقت کم ہے میرے پاس......فوری طور پر تیاری شروع کر دو۔"

وہ اس کے حکم کی پابند نہیں تھی، مگر اس کا انداز ادعیہ کو واقعی چونکا گیا تھا۔ اس نے قدرے حیرانی سے اس شخص کو دیکھا تھا، مگر وہ اس لمحے اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔ مانی کے ساتھ مصروف تھا۔

"انکل! ماما نے کہا تھا...... یہ آپ کی دلہن ہیں۔" مانی نے معصوم لہجے میں دریافت کیا تھا۔ اعصار شیخ نے اس کی جانب دیکھا تھا، پھر بہت دھیمے سے مسکرا دیا تھا۔

"ہاں...... اتفاق سے۔" پتہ نہیں اس نے کوئی طنز کیا تھا یا مزاح کا کوئی انداز تھا یہ۔ ادعیہ نے چونکتے ہوئے اسے دیکھا تھا مگر وہ اس گھڑی اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔

"انکل! آپ کی دُلہن بہت اچھی ہیں...... مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔" مانی نے جی بھر کر سراہا تھا۔

"اچھا......؟" اعصار شیخ کا قہقہہ بے حد جاندار تھا۔ چھوٹے سے مانی نے قدرے حیرت سے انکل کو دیکھا تھا پھر دریافت کیا تھا۔

"مگر یہ آپ کے ساتھ کیوں نہیں رہتیں؟ میری ماما تو پاپا کے ساتھ رہتی ہیں۔" مانی کا سوال بے حد بڑا تھا۔ اعصار شیخ نے سر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا۔ وہ جو اسی جانب دیکھ رہی تھی، بوکھلا کر فوراً ہی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"اب آ گیا ہوں نا لینے...... اب یہ میرے ساتھ ہی رہیں گی۔" اعصار شیخ اس کے خفا خفا سے چہرے کو بغور تکتے ہوئے مسکرایا تھا۔

ادعیہ نے انتہائی ناگوار انداز میں اس شخص کو دیکھا تھا۔ مگر وہ اس کی جانب متوجہ نہ تھا۔ وہ اس سے نہ تو الجھنا چاہتی تھی، نہ بات کو طول دینا چاہتی تھی۔ صورت حال کی نزاکت وہ بہ خوبی سمجھتی تھی۔ تبھی اپنے کمرے میں آئی تھی اور اس شخص کے ساتھ جانے کی تیاری کرنے لگی تھی۔ دل نہیں چاہ رہا تھا مگر ایک بار پھر وہ دل کے خلاف چل پڑی تھی۔

❁......❁

ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر سب انگشت بدنداں تھے۔ کتنی نظریں تھیں جو حیرت سے کھلی ہوئی تھیں۔ کتنے لوگ تھے، کتنے چہرے تھے۔ کچھ شناسا...... کچھ غیر شناسا سا۔ کچھ اپنے، کچھ بیگانے۔

"میری بچی...... میری جان..... اکھیاں ترس گئی تھیں تجھے دیکھنے کو۔ یقین نہیں آ رہا کہ اس گھڑی تم میرے سامنے ہو۔" دادی اماں کتنی دیر اسے ساتھ لگائے اسے محسوس کرتی رہی تھیں۔

وہ اس گھڑی اپنی پلکوں کو بھیگنے سے باز نہیں رکھ سکی تھی۔ تایا ابا اور زویا سے ملنے کے بعد وہ یونہی کھڑی تھی، جب تائی اماں نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"کیسی ہے میری بچی؟" اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے انتہائی لگاوٹ سے دریافت کیا تھا۔ ادعیہ کے لئے جیسے یہ خواب کا سا سماں تھا۔ کس قدر حیران تھی وہ۔ کیا انقلاب تھا یہ کوئی......؟ ہر شے غیر محسوس انداز میں تبدیل ہو رہی تھی۔ سارے رویے...... سارے انداز...... سبھی تیور...... اور وہ ابھی اسی حیرت میں غوطہ زن تھی، جب تائی اماں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے انتہائی محبت سے اسے دیکھا تھا۔

"میری بچی! غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ کچھ غلطیاں اور زیادتیاں ہم سے بھی سرزد ہوئیں۔ مگر اب سب کچھ اعتدال پر آ چکا ہے۔ اعصار شیخ کے ساتھ تم نے واپس آ کر واقعی دانش مندی کا ثبوت دیا ہے۔ میری دلی خواہش تھی یہ۔ اگر اعصار شیخ تمہیں نہ بھی واپس لانے کی ٹھانتا، تب بھی میں ضرور واپس لاتی۔ مجھے اس گھر کا سونا پن اور اپنے بیٹے کے دل کی ویرانی کو ہر صورت ختم کرنا تھا۔ تبھی سے اس گھر کی بھی رونق تھی اور میرے بچے کی خوشی بھی۔ میں نے ہر بات کو تسلیم کر لیا ہے۔" تائی اماں نے اس کے چہرے کو تکتے ہوئے کہا تھا اور وہ ہولے سے سر جھکا گئی تھی۔ کیا واقعی سب کچھ بدل گیا تھا یا کہ پھر وہی کوئی خواب دیکھ رہی تھی؟ اس نے نگاہ اٹھا کر اپنے اردگرد اس شخص کو تلاشنا چاہا تھا۔ بہت غیر ارادی اقدام تھا جو اس سے سرزد ہوا تھا۔ زویا اس کی نظروں کو ادھر ادھر بھٹکتے دیکھ کر مسکرا دی تھی۔

"بھیا وہ ادھر ہیں بھابی!" اعصار شیخ کی سمت اشارہ کیا تھا، جو قدرے فاصلے پر تایا ابا کے ساتھ کھڑا گفتگو کر رہا تھا۔ ادعیہ کی نگاہ دانستہ اس کی جانب اٹھی تھی۔ تبھی وہ پلٹا تھا۔ دونوں کی نگاہ لحہ بھر کو ملی تھی۔ ادعیہ بے تاثر انداز میں فوراً نگاہ کا زاویہ تبدیل کر گئی تھی۔ اعصار شیخ ماں کے روبرو آن رکا تھا۔

"خوش ہیں آپ...... اب تو کوئی گلہ نہیں...... بہو بیگم روبرو ہے آپ کے۔"

تائی اماں نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔ "جیتے رہو۔"

"میں ذرا فریش ہولوں۔" اعصار شیخ نے اپنے کمرے میں جانے کا قصد کیا تھا جب نمیرا نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا تھا۔

"محترم محاذ سے واپس لوٹے ہیں۔"

وہ یکدم پلٹا تھا۔ ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ وہ فوراً چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔

"کسی محاذ سے کم بھی نہیں تھا یہ معرکہ...... غازی بن کر لوٹے ہیں۔" لبوں پر انتہائی دلآویز مسکراہٹ تھی۔ اس گھڑی مسکراتا ہوا وہ جیسے کوئی فاتح تھا۔ ادعیہ نے ایک نگاہ کی تھی۔ وہ بہت دلکشی سے مسکرا رہا تھا۔ نگاہوں کے تصادم پر بھی وہ مسکراہٹ معدوم نہ ہوئی تھی۔ وہ فوراً ہی چہرے کا رخ پھیر گئی تھی۔ وہ اس کے قریب سے ہو کر گزرا تھا اور کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔

وہ سر جھکائے ان سب کے درمیان بیٹھی رہی تھی جب دادی اماں بولیں۔

"اعصار شیخ سے مجھے یہ امید نہ تھی۔ یقیناً اس کا یہ قدم خوش آئند ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا، وہ اچانک اس طرح حیران کر دے گا ہمیں...... بہت عقلمندی کا ثبوت دیا ہے اس نے۔ خدا کا شکر ہے، یہ ظاہری انا کا خول کسی طرح ٹوٹا۔ اس کی سمجھداری کے باعث ایک گھر اُجڑنے سے بچ گیا۔"

ادعیہ نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔ (تو کیا یہ دادی اماں کا حکم نہ تھا؟) دوسرے ہی لمحے وہ ایک انتہائی اہم نقطے تک پہنچی تھی۔ گھر میں بے حد ہجوم تھا۔ شام میں نمیرا کی منگنی کی تقریب تھی۔ حالات کی نزاکت اس کے سامنے تھی۔ احترام فرض تھا۔ تبھی وہ لبوں پر مسکراہٹ سجائے سب کے درمیان بیٹھی باتیں کرتی رہی تھی۔

"بیٹا شاباش، اُٹھ جاؤ، فریش ہولو۔ ابھی باہر کے لوگ آنا شروع ہو جائیں گے۔ تمہاری امی بھی آنے والی ہوں گی۔" تائی اماں نے لگاوٹ سے کہا تھا۔ وہ یکدم چونکی تھی۔ امی کا دھیان آتے ہی اس کا دل بے چینی سے بھر گیا تھا۔ کس قدر خفا تھیں وہ بھی۔ ابھی تو ان کو بھی منانا تھا اسے۔

وہ اٹھی تھی اور اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ طائرانہ نگاہ سے وہ کتنی دیر تک کمرے کا جائزہ لیتی رہی تھی۔ ایک عرصے بعد وہ لوٹی تھی، مگر ایک ایک شے اسی طرح، اپنی جگہ پر تھی۔ کہیں کچھ نہیں بدلا تھا۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑی شام کی مناسبت سے تیار ہو رہی تھی۔ بڑی مختصر سی تیاری تھی۔ کوئی سولہ سنگھار نہیں کرنا تھے اسے۔ بجتی سنورتی بھی تو کس کے لئے...... کوئی نگاہ پُر ستائش نہ تھی......

کوئی سراہنے والا لب و لہجہ نہ تھا۔

بڑی بے دلی سے وہ لبوں پر لپ اسٹک پھیر رہی تھی، جب اس کے پیچھے قدموں کی آہٹ ہوئی تھی۔ ایک مانوس خوشبو نے پورے ماحول کو یکدم ہی اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ وہ پلٹی نہیں تھی۔ مڑی نہیں تھی، مگر کان آہٹ پہچان گئے تھے۔ خوشبو اپنا پتہ دے گئی تھی۔ دل جانے کیوں یکدم ہی تیزی سے دھڑکا تھا۔

مضبوط قدموں کی چاپ اس کے قریب آن رکی تھی۔ ادعیہ نے تب بھی پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔ ایک شخص کی آمد نے پورے ماحول کو اپنے سنگ باندھ لیا تھا۔ اس کی خوشبو جادو بن کر اس کے گرد اپنا حصار کھینچ گئی تھی۔ وہ لمحے میں جیسے اس جادو کے زیرِ اثر تھی۔

ساکت نظریں آئینے پر تھیں۔ وہ اپنی دھڑکنوں کو سنبھالنے کے جتن سوچ رہی تھی، جب دو مضبوط آہنی ہاتھوں نے اس کے شانوں کو تھام کر رخ اپنی جانب موڑا تھا۔

وہ جیسے پل میں شعلوں کی لپیٹ میں آ گئی تھی۔ نگاہ پل میں جھکتی چلی گئی تھی۔ اعصار شیخ کتنے ہی پل اس کے چہرے کو بغور تکتا گیا تھا۔ سیاہ دراز زلفوں کے بیچ چہرہ جیسے چاند کی مانند تھا۔ جیسے اس کے گرد اس گھڑی اعصار شیخ کی نگاہیں طواف کر رہی تھیں۔

کس درجہ قربت تھی...... اس کی نگاہوں کی تپش سے جیسے پورا وجود سلگ اٹھا تھا۔ اس کی گرم سانسوں کی حرارت سے چہرہ جھلسنے کو تھا۔ اسے اپنی دھڑکنوں پر جیسے اختیار ہی نہ رہا تھا۔ کس درجہ بے اختیاری تھی، اس ایک لمحے میں۔

اس شخص نے ایک پل میں اسے بے بس کر دیا تھا۔ نگاہ جھکائے کھڑی لبوں پر جامد چپ لئے وہ جیسے شکست خوردہ تھی۔

اعصار شیخ نے ایک پیکٹ کھول کر موتیے اور موگرے کے فریش پھولوں کے گجرے برآمد کئے تھے۔ پھر اس کی نازک کلائی کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ پورا کمرہ خوشبو سے بھر گیا تھا۔ اس نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا اس لمحے...... کوئی قدغن نہیں لگائی تھی۔ اس ایک لمحے میں جیسے وہ اس کا "معمول" تھی۔

اعصار شیخ نے گجرے اس کی کلائی میں باندھتے ہوئے اسے بغور دیکھا تھا، پھر بہت مدھم انداز میں گویا ہوا تھا۔

"کیا واقعی بہت ناراض ہو؟" مختصر سا جملہ جیسے کوئی میٹھی مدھر سرگوشی تھا۔

ایک جملہ...... فقط ایک جملہ کہنے میں کتنی دیر کر دی تھی اس نے۔

ایک حرفِ پشیمانی، جو محبت سے گندھا تھا۔

وہ نگاہ جھکائے کارپٹ کو تکنے لگی تھی۔ بہت سا پانی خود بخود پلکوں کی باڑھ پھلانگتا ہوا رخساروں پر بہہ نکلا تھا۔

اعصار شیخ گہرے باندھ کر اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں لے کر چہرے کے قریب لے گیا تھا۔ نگاہ اس چہرے سے الجھتی چلی گئی تھی۔

"کیا معاف نہیں کرو گی؟" کتنا مدھر لہجہ تھا۔ کیسی میٹھی سرگوشی تھی۔ کیسی دلفریب دھن تھی کہ وہ ایک لمحے میں اپنا سارا ضبط ہار کر اس کے سینے پر سر دھرے کے دھواں دھار رونے لگی تھی۔

اعصار شیخ نے بہت آہستگی سے اس کے گرد اپنے مضبوط بازوؤں کا حصار باندھ دیا تھا۔

کتنی عجب بات تھی۔ جس سے تمام شکایتیں تھیں...... جس سے تمام گلے تھے...... جس نے ساری تکلیف دی تھی...... جس نے بہت سے کچوکے لگائے تھے، جس نے تمام درد دیئے تھے...... اس گھڑی وہ اسی کی پناہ میں، اسی کے شانے پر سر دھرے اپنا تمام درد بہا رہی تھی۔

لڑکیوں کی بہت پرانی عادت ہے یہ۔ بڑی نرالی ادا ہے یہ۔ جو درد دیتا ہے، اسی سے مداوا چاہتی ہیں، اسی سے دوا چاہتی ہیں۔ لاکھ دکھ دیئے ہوں اس شخص نے، مگر ایک حرف پشیمانی اس نازک وجود کو بہالے جاتا ہے اپنے سنگ۔

وہ بھی عام سی لڑکی تھی۔ وہی روایتی قسم کی مشرقی لڑکی...... اس گھڑی سکون کے ساتھ وہ کتنے بہت سے آنسو اس شخص کے سینے پر سر دھرے بہا رہی تھی۔

اعصار شیخ کتنی دیر تک اس کے سر کو تھپکتا رہا تھا۔ پھر اس کی پیشانی کو لبوں سے ہولے سے چھوتے ہوئے اس کے چہرے کو اوپر اٹھایا تھا اور بغور تکنے لگا تھا۔

ادعیہ نگاہ اٹھا کر دیکھ نہ سکی تھی۔

اعصار شیخ نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پلکوں کے سبھی اشک بہت ہولے سے چنے تھے۔ پھر بہت دھیمے سے مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا تھا۔

"جب مجھ سے جدا ہونے کا حوصلہ نہیں تھا تو پھر دور گئی کیوں تھیں؟"

ادعیہ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا یقیناً اس گھڑی اسے چھیڑ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں کی حدت اتنی تھی کہ وہ دوسرے ہی پل نگاہ جھکا گئی تھی۔ زندگی واقعی اپنی ڈگر پر واپس آ رہی تھی۔

"بولو، جواب دو...... کیوں گئی تھیں دور، جب جی ہی نہیں سکتی تھیں، میرے بغیر؟" وہ اس کے چہرے کو اٹھاتا ہوا بدستور مسکرا رہا تھا۔ ادعیہ نے دیکھا تھا۔ اس کی نگاہ میں حد درجہ شرارت تھی۔ لہجہ اسی چاشنی سے گندھا تھا۔ اس کے لہجے سے وہی محبت پھوٹ رہی تھی جو کبھی پہلے تھی۔

ایک پل میں تبسم نے ادعیہ کے لبوں کو چھوا تھا۔

زندگی واقعی اپنی ڈگر پر واپس آ چکی تھی۔ اندر اب کوئی غبار نہ تھا۔ کہیں کوئی اضطراب نہ رہا تھا۔ سبھی کچھ آنسوؤں کی نذر ہو گیا تھا۔ اب وہ بہت ہلکی پھلکی تھی۔ ساری کثافتیں ڈھل چکی تھیں۔ پل میں موسم بدل گیا تھا۔

"کتنا ستایا ہے تم نے مجھے...... کچھ اندازہ ہے تمہیں، کس قدر تڑپا ہوں، مضطرب رہا ہوں۔ تم سے ایک پل کی دوری بھی میرے لئے سوہانِ روح تھی اور کہاں تم نے فاصلوں کو صدیوں پر محیط کر دیا۔ کیوں کیا تم نے ایسا؟" کس قدر محبت بھرا شکوہ تھا۔ وہ اس کے چہرے کو بغور تک رہا تھا۔ ادعیہ یکدم ہی مسکرا دی تھی۔

"اور جو آپ نے کیا؟"

"حساب برابر کرنے تو بہت خوب آتے ہیں۔" وہ مسکرایا تھا۔ "تم نے یہی اصطلاح محبت کے معاملے میں کیوں نہیں اپنائی؟ یہی روش محبت کے معاملے میں اپنائی ہوتی تو آج صورت حال مختلف ہوتی۔"

ادعیہ نے بھیگی بھیگی پلکوں سے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ نگاہوں میں محبت کے جہاں آباد کیے وہ اس گھڑی اس کے چہرے کو والہانہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔ وہ دل میں پھیلتے ڈھیر سارے اطمینان کو محسوس کرتی نگاہ جھکا گئی تھی۔

"سارا قصور میرا ہی تو نہ تھا۔" دھیمے سے کچھ الزام اس کے سر دھرا تھا۔ وہ بہت دلکشی سے مسکرایا تھا۔ پھر اس کے چہرے کو اوپر اٹھاتے ہوئے اس کی نگاہوں میں براہِ راست دیکھنے لگا تھا۔

"قصور برابر کا تھا۔ تبھی تو سزا بھی برابر کی اٹھائی ہے۔"

"آپ کا قصور زیادہ تھا۔" ادعیہ نے دھونس جمائی تھی۔

"ہاں...... تمہیں چاہنے کا قصور بھی اسی میں شمار ہوتا ہے۔" وہ مسکرایا تھا۔ "میں سمجھا تھا، سارا معاملہ یک طرفہ ہے۔ کس قدر دھوکے میں رکھا تم نے مجھے؟ بہت گھنی ہو تم۔" انداز میں حد درجہ شرارت تھی۔

"اور آپ جو مجھے جلاتے رہے، ستاتے رہے؟" ادعیہ نے مسکراتی نظروں سے اپنے سامنے کھڑے اس مضبوط شخص کو دیکھا۔ جواباً اس کا جاندار قہقہہ ساری فضا کو اپنے ساتھ باندھ لے گیا تھا۔

"مجھے کیا خبر تھی تم...... اچھا تو تم واقعی جلتی کڑھتی تھیں۔ اس وقت تو نہیں بتایا تھا تم نے؟" بے حد شرارت سے چھیڑا تھا۔ ادعیہ نے لبوں پر آئی مسکراہٹ کو لب دبا کر بھینچا تھا۔ وہ کھلکھلا

کر ہنستا چلا گیا تھا۔
ادعیہ اسے تکتی گئی تھی۔ اعصار شیخ نے اپنی پناہ کا گھیرا اس کے گرد تنگ کر دیا تھا۔
”سوچ لو...... میں اب بھی ویسا ہی ہوں۔ رنگین مزاج، خوب صورت چہروں کو نظر انداز کرنا میرے نزدیک کفرانِ نعمت ہے۔“ جھک کر اس کے چہرے کو تکتے ہوئے انتہائی دلکشی سے مسکرایا تھا۔
”دیکھ کر تو دکھائیں کسی اور طرف، اپنی اور آپ کی جان ایک کر دوں گی۔“ انتہائی استحقاق سے کہتے ہوئے اس نے اس لمبے چوڑے شخص کے سینے پر سر ٹکا دیا تھا اور اپنی پلکیں موند لی تھیں۔ اندر ایک گہرا اطمینان دوڑنے لگا تھا۔
اعصار شیخ نے اس کے جھکے ہوئے سر کو مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر بہت آہستگی سے اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیئے تھے۔

✿......✿

زندگی کے میلے میں، خوشبوؤں کے ریلے میں
تم سے کیا کہیں جاناں! اس قدر جھمیلے میں
وقت کی روانی ہے، بخت کی گرانی ہے
سخت بے زمینی ہے، سخت لامکانی ہے
ہجر کے سمندر میں
تخت اور تختے کی ایک ہی کہانی ہے
تم کو جو سنانی ہے
بات گو ذرا سی ہے
بات عمر بھر کی ہے

عجیب کیفیت تھی دل کی۔ ایک عجب اضطراب تھا، جس نے پورے وجود کو اپنے حصار میں لیا ہوا تھا۔ ایک ایک شے کو چھوتے ہوئے وہ یہی محسوس کر رہی تھی کہ یہ آخری بار ہے۔ ویران نگاہ ہر ایک منظر پر ساکت ہو جاتی تھی۔ وہ گھر...... وہ کمرہ...... گھر کی ساری چیزیں...... سارے افراد...... اور وہ شخص......
اس کے لئے جیسے ”آج“ ہی سب کچھ تھا اور سب کچھ ”خواب“ ہو جانا تھا۔
جیسے ”آج“ ہی زندگی تھی۔ پھر ایک طویل سکوت۔
کتنے دنوں سے وہ سوئی نہ تھی۔ آنکھ لگتی ہی نہ تھی۔ جب وہ شخص سو جاتا تھا تو وہ بیٹھی پہروں

اسے تکتی رہتی تھی۔ اور جب وہ نہیں ہوتا تھا، اس کے کمرے کو...... اس کی چیزوں کو چھو چھو کر دیکھتی تھی۔
شاید پاگل پن تھا یہ...... پاگل ہو رہی تھی شاید وہ۔
وہ ہمیشہ سوچنا چاہتی تھی کہ اس شخص کے بعد اس کی زندگی میں باقی کیا بچے گا؟ زندگی کیسی ہو گی؟...... وہ کیا کرے گی؟...... اس کے شب و روز کیسے ہوں گے؟
دل جانے کیوں تھمنے سا لگتا تھا۔ یہ سارے خیال بہت روح فرسا تھے۔
وہ یہ جدائی مول لینا نہیں چاہتی تھی۔
دل اس پر مائل ہی نہ تھا۔
اس کے حادثے سے قبل رہبان عالم شاہ نے بتایا تھا کہ وہ طلاق کے پیپرز تیار کروا رہا ہے۔
پتہ نہیں وہ اس معاملے میں کیا اقدامات کر چکا تھا، یا کر رہا تھا۔
دل کتنی بار چاہا تھا، اسے منع کر دے۔ کہہ دے کہ وہ دوری کا جبر سہنے کو تیار ہے۔ وہ ہجر جھیل سکتی ہے۔ بس وہ فقط اپنا ایک نام اسے دے دے۔ زندگی شاید اسی طور کچھ سہل ہو جاتی۔
وہ نہیں...... مگر اس کا نام تو اس کے ساتھ رہتا۔
مگر وہ کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔
بہت سی خواہشوں کی طرح یہ خواہش بھی دل میں دب کر رہ گئی تھی۔
ان یکطرفہ راستوں پر چل کر سوائے احساسِ زیاں کے کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا۔
پیکنگ کرتے ہوئے اس کا ایک قلم ہاتھ آ گیا تھا۔
وہ مخروطی انگلیوں کا لمس اس بے جان شے کو بخشتے ہوئے اس سے قبل چھوئے گئے احساس کو جیسے دل سے محسوس کر رہی تھی۔ آنکھوں میں جانے کیوں ایک پل میں سمندر آن رکے تھے۔ بھیگی بھیگی آنکھوں سے وہ کتنی دیر اس قلم کو دیکھتی رہی تھی۔ کتنی بار چھوا ہو گا اس شخص کی پوروں نے اسے۔
کتنی بار ان پُر حدت انگلیوں کی گرفت اس پر رہی ہو گی...... کتنی بار وہ اس کی توجہ کا مرکز بنا ہو گا۔ محبت سود و زیاں سے ماورا ہے شاید۔ تبھی وہ ہار کر بھی اسی ایک فرد کو سوچ رہی تھی۔
پتہ نہیں کیسے یہ محبت اس کے اندر جڑ پکڑ گئی تھی۔ اسے تو کبھی اعتبار ہی نہ رہا تھا۔ ”مجھے یقین نہیں اس پر......“ تک اور دوسرے دوستوں کے سوالوں کے جواب میں وہ بڑے بے تاثر انداز میں شانے اچکاتے ہوئے کہا کرتی تھی۔ مگر آج کیسے محبت نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ کیسے اندر تک گھر کیا تھا اس کے۔ اسے دنیا کی سب سے بڑی سچائی جیسے یہی محبت لگ رہی تھی۔

قلم کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر وہ سر الماری کے ساتھ ٹِک کر کھڑی ہو گئی تھی۔

کتنا کرب تھا اندر...... کس قدر درد تھا...... کس سے کہتی وہ...... کس سے بانٹتی۔

آنکھیں برستی چلی گئی تھیں۔ وہ اسی طرح کھڑی تھی، جب یکدم کھٹکا سا ہوا تھا۔ وہ فوراً ہاتھ کی پشت سے آنکھوں کو رگڑتی ہوئی رخ پھیر کر الماری کے اندر دیکھنے لگی تھی۔

آنے والے نے اس کی پشت کو دیکھا تھا، پھر قدم اس کی سمت بڑھا دیے تھے۔ وہ آہٹوں کو اپنی سمت آتا محسوس کر کے یونہی الماری میں ہاتھ چلانے لگی تھی۔ آنے والے کے قدموں کی آہٹ تھم گئی۔ اس کے قریب...... بے حد قریب۔

پورا کمرہ اس کی خوشبو سے بھر گیا تھا۔ پورا ماحول اسی کے سنگ ہو گیا تھا۔

اس نے پلٹ کر دیکھا نہیں تھا، مگر دل جان گیا تھا اس کی پشت پر کون ہے۔ جانے کیوں دھڑکنوں میں ارتعاش بڑھنے لگا تھا۔ مگر وہ پلٹی نہیں تھی۔ اسے مڑ کر دیکھا نہیں تھا۔ وہ شاید اس کیفیت کو اس پر عیاں کرنا نہیں چاہتی تھی، اپنے رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر کسی قدر تذبذب کا شکار تھی۔ تبھی رخ پھیرے پھیرے بہت ہولے سے گویا ہوئی تھی۔

"ایک ایک چیز اپنی جگہ پر رکھ دی ہے، جہاں آج سے ایک ڈیڑھ برس قبل رکھی تھی۔ ہر...... ہر شے کی ترتیب وہی ہے، آپ کو مشکل نہیں ہو گی۔" لہجہ دھیما اور مدھم تھا۔ رہبان بغور اس کی پشت کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ کے سارے ضروری ڈاکومنٹس دوسرے نمبر کے خانے کے لاکر میں پڑے ہیں۔ آپ کی فائلیں، پہلے خانے کے دراز میں ہیں۔ آپ کی چیک بکس، قلم، گھر اور گاڑی کی چابیاں وہاں سائیڈ دراز میں ہیں۔ آپ کے تمام سوکس تیسرے خانے میں موجود ہیں۔ کسی شرٹ کا بٹن غائب نہیں ہے۔ تمام ٹائیاں یہاں رکھ دی ہیں۔ الماری کھولیں گے تو سب سے پہلی نظر انہی پر پڑے گی۔ کسی شے کی تلاش میں کوفت نہیں اٹھانا پڑے گی آپ کو۔ کچھ بھی ڈھونڈنا نہیں پڑے گا۔"

رہبان عالم شاہ نے یکدم ہی مضبوط ہاتھ اس کے شانے پر دھر کے اس کا رخ اپنی سمت موڑ لیا تھا۔

اسے اس اقدام کی امید نہیں تھی۔ تبھی بھیگی نگاہوں میں قدرے تحیر سمٹ آیا تھا۔ وہ نگاہ نہ ملانے کا قصد کیے بیٹھی تھی، مگر ایک پل میں نادانستہ اس شخص سے نگاہ مل گئی تھی۔

وہ ان لمحوں کا راز اس شخص پر عیاں کرنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر اب اس کی بھیگی بھیگی پلکیں اس کے سامنے تھیں۔ وہ اپنی جگہ شرمندہ سی تھی۔ تبھی نگاہ جھکتی چلی گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ اسے بغور تکتا گیا تھا۔

"تم کہاں ملو گی؟" کتنے مدھم لہجے میں سوال ہوا تھا۔ وہ قطعاً نہیں سمجھ سکی تھی۔ شاید تبھی حیرت سے نگاہ اٹھا کر اس شخص کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اسی لمحے بغور اس کے چہرے کو تک رہا تھا۔

"بولو...... جواب دو...... اگر تمہیں ڈھونڈنا پڑا تو کہاں تلاشوں؟" عجب سوال تھا۔

"جی......" وہ ناسمجھی سے تکنے لگی تھی۔

رہبان عالم شاہ کے لبوں پر بہت دھیما تبسم ابھرا تھا۔

"ہر شے کہاں ملے گی یہ تو بتا دیا تم نے...... مگر تم خود کہاں ملو گی؟"

جملہ بلاشبہ دلربا تھا۔ مگر وہ اس نہج پر جا کر سمجھ ہی نہ پائی تھی۔ اب بھی پہلے تو قدرے ناسمجھی سے اسے تکتی رہی تھی، پھر اسے اس کا معمول کا "مروت" بھرا انداز خیال کرتے ہوئے نگاہ جھکا گئی تھی۔

"یہاں اس شہر میں بابا کا احساس تھا جیسے...... اس شہر میں خوشبو تھی ان کی...... میں چلی جاؤں گی تو یہ احساس بھی جاتا رہے گا۔" اس نے بھیگی پلکوں کے متعلق ٹھوس جواز ڈھونڈا تھا۔ حالانکہ وہ وضاحتیں دینے کے لئے پابند نہیں تھی۔ وہ بدستور دیکھ رہا تھا۔ وہ خالصتاً چور انداز میں چہرے کا رخ پھیرنے کے ساتھ ہی نگاہ کا زاویہ بھی تبدیل کر گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ اسے متواتر تکتا رہا تھا، پھر ہاتھ بڑھا کر بہت ہولے سے اس کے چہرے کا رخ اپنی سمت کیا تھا اور بہت آہستگی سے دریافت کیا تھا۔

"ہاں بتاؤ، اگر مجھے تمہاری ضرورت پڑی تو تمہیں کہاں تلاشوں؟" لبوں پر بہت دھیمی مسکراہٹ تھی۔ مژگان نے اب قدرے چونک کر دیکھا تھا۔ اس کی نگاہوں میں کچھ خاص تھا شاید۔ کچھ حدت خاص تھی۔ مگر وہ اپنا وہم خیال کرتی ہوئی بہت دھیمے سے مسکرا دی تھی۔ اس کے لئے یہ شاید واقعی "معمول" کا انداز تھا۔

"تم...... سب...... شاید مجھے کسی قدر تو مس کرو۔" کہہ کر وہ ایک بار پھر نگاہ پھیر گئی تھی۔

"شاید نہیں بھی، مگر میں تم سب کو بہت مس کروں گی...... تم...... اور تمہارے ساتھ جو بھی وقت گزرا، سب لوگوں کے ساتھ جو وقت گزرا، وہ گولڈن پیریڈ ہے...... میری لائف کا۔ میں کبھی فراموش نہیں کر پاؤں گی۔" وہ اپنے ہی دھیان میں بولی تھی۔ انداز کسی قدر ملول تھا۔ آنکھوں میں ایک بار پھر نمی بھرنے لگی تھی۔ وہ پلکیں ساکت کیے ایک جانب تکتی جا رہی تھی۔

"اور اگر تم یہیں رہیں تو پھر......؟" رہبان عالم شاہ نے بہت آہستگی سے اس کے نازک سے ہاتھ کو اپنے مضبوط ہاتھ کی گرفت میں لیا تھا۔

"کیا......؟" وہ چونکی تھی۔

رہبان عالم شاہ کے لبوں پر بڑا دلفریب تبسم رکا ہوا تھا۔ وہ بدستور اسے تک رہا تھا۔

"کیا حرج ہے اگر رک جاؤ تو؟" کوئی درخواست تھی یا خواہش یا پھر محض مذاق۔ وہ قطعاً سمجھ نہ پائی تھی۔ تبھی اس کی جانب تکتی چلی گئی تھی۔

رہبان عالم شاہ نے اپنے مضبوط ہاتھ کو اس کے چہرے کے قریب کرتے ہوئے بہت ہولے سے اس کی پلکوں پر ٹکے موتی کو اپنی پوروں پر لیا تھا۔

کارروائی انتہائی اچانک اور بے حد عجیب تھی۔ مژگان اپنی جگہ ساکت رہ گئی تھی۔ تحیر بھری نگاہ اسی شخص پر ساکت تھی۔ وہ انتہائی سنجیدہ نوعیت کا شخص واقع ہوا تھا۔ مذاق تو قطعاً نہ کر سکتا تھا۔ اس کی عقل اب بھی اپنی جگہ حیران تھی اور نگاہ ساکت تھی۔

رہبان عالم شاہ نے اس کی نگاہ کو دیکھا تھا۔ پھر اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں لے لیا تھا اور اسے بغور تکنے لگا تھا۔

"آئی کین نیور سروائیو ود آؤٹ یو!" ایک جملہ...... فقط ایک جملہ...... اس شخص کے لبوں سے آزاد ہوا تھا اور بازگشت بن گیا تھا۔

مژگان ساکت سی اس کی سمت تکتی چلی گئی تھی۔

پُر حدت نظروں سے اس کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے رہبان عالم شاہ نے بہت ہولے سے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"لیس...... آئی کین نیور سروائیو ود آؤٹ یو۔ میری بقا تمہارے بغیر ناممکن ہے۔"

مژگان کے لئے جیسے یہ کوئی خواب تھا۔ کتنی حیرت سے آنکھیں کھولے وہ اس لمبے چوڑے شخص کو دیکھ رہی تھی۔

"میری زندگی میں تمہارے بغیر کہیں کچھ نہیں ہے۔ صرف خسارہ ہے۔ تم...... تم میرے ہونے کا یقین ہو۔ اگر تم نکل گئیں میری زندگی سے تو باقی کچھ نہیں بچے گا۔" کتنی مدھم سرگوشیاں تھیں۔ مژگان جیسے اپنی جگہ بت بن گئی تھی۔

"تمہاری قربت سے...... میں نے خود کو جانا ہے، پہچانا ہے۔ تجل سے وابستہ ہو کر میں نے اسے چاہا ضرور تھا مگر تم نے میرے اندر نئے رنگ بھرے تھے۔ مجھے خود نہیں معلوم تم نے کب اور کیسے میرے دل کو چھوا۔ میں خود آپ جان نہیں پایا۔ پہلے پہل تم میری کمٹ منٹ تھیں۔ پھر عادت بننے لگیں اور اب ضرورت ہو۔ یہ مرحلے کیسے طے ہوئے، میں خود نہیں جانتا۔ مگر یہ سچ ہے...... تمہاری قربت کے بعد میں غیر محسوس انداز میں تجل سے دور ہٹنے لگا تھا۔ وہ مجھ سے اکثر شکوے شکایات کرتی تھی۔ گلے کرتی تھی۔ مگر میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔ اپنی سرد مہری کا کوئی جواز نہیں تھا میرے پاس۔ میں نے اسے دھوکے میں رکھنا نہیں چاہا تھا۔ میں اس سے کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتا تھا۔ مگر مجھ میں کبھی حوصلہ ہی نہیں ہوا، اسے اس تعلق کے متعلق بتانے کا۔ اپنی دانست میں، میں اسے چاہتا تھا اور کھونا نہیں چاہتا تھا۔ مگر دوسری طرف غیر محسوس انداز میں اس سے دوری کا سفر کر رہا تھا۔ میں کب تمہارے قریب ہوا، کب تم نے میرے دل کو چھوا...... میں خود نہیں جانتا۔ جانا میں نے تب، جب تم ہاسپٹل میں زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھیں۔ تب مجھے لگا کہ تم بہت ضروری ہو میرے لئے۔ اور یہ کہ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا۔ تمہیں قطعاً نہیں کھو سکتا۔ مجھ میں حوصلہ ناپید تھا۔ تب ان لمحوں میں مجھ پر انکشاف ہوا کہ تم میرے قریب ہو۔ رگ جاں سے بھی قریب۔ تب ان لمحوں میں وہ محسوس کیا جو اس سے قبل میں نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ تب میں نے سمجھا اور جانا کہ تم ضروری ہو۔ بے حد ضروری۔"

کیسے کیسے انکشافات تھے...... کیسے کیسے راز افشا ہو رہے تھے۔ مژگان ساکت سی اس شخص کی سمت تکے جا رہی تھی۔

"اس روز تجل ملنے آئی تھی۔ ملک سے باہر جا رہی تھی وہ۔ ہر کسی کے لئے، کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی موجود ہے۔ یہ اس نے سمجھایا تھا مجھے۔ اس کی زندگی سے میں خارج ہوا تھا مگر ایک در اور کھلا تھا اور کوئی رائٹ پرسن وہاں سے اس کے لئے بہت سے خواب لئے اندر داخل ہو گیا تھا۔ اسے کوئی اور مل گیا تھا۔ وہ کسی قدر ملول بھی تھی مگر میں نے اس کی آنکھوں میں خوشیوں کے جگنو بھی چمکتے دیکھے تھے۔ وہ شخص اسے واقعی سب کچھ بھولنے پر مجبور کر دے گا۔ وقت اور حالات بہت معنی رکھتے ہیں۔ بہت سی چیزیں وقت اور حالات کے تحت تبدیل ہو جاتی ہیں۔ محبت بھی اپنے زاویے تبدیل کر لیتی ہے، اپنا رخ بدل لیتی ہے۔ مجھے جو کسی قدر ملال تھا، اب وہ رفع ہو گیا ہے۔ ورنہ شاید ایک پچھتاوا ساری زندگی میرے قدموں سے لپٹا رہتا۔ میں نے اسے جانے دیا۔ کیونکہ اب اس کا راستہ کوئی اور تھا اور میرا راستہ کوئی اور۔ اور تم......" وہ کہتے کہتے یکدم رک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

مژگان کی نگاہ اب بھی اسی تحیر کے زیر اثر تھی۔

ہمیشہ اپنے جذبات و احساس پر قابو رکھنے والا، بہت کول سا بندہ۔ اس گھڑی کیسی حدت سی پھوٹ رہی تھی اس کی نگاہوں سے۔ کتنے جہاں آباد تھے ان آنکھوں میں محبت کے...... کتنی تپش تھی محبت کی۔ اس نے تو کبھی سوچا تک نہ تھا۔

وہ تو اپنے جذبوں کو "یکطرفہ محبت" کا نام دیتی رہی تھی۔

درحقیقت تو وہ دونوں ایک ہی سمت گامزن تھے۔ دونوں کی راہ ایک تھی اور دونوں ہی کسی

قدر بے خبر تھے۔ انجان تھے۔
مژگان نے ایک گہری سانس خارج کی تھی، پھر سر اس کے فراخ سینے سے ٹکا دیا تھا۔ اس کے محبت سے دھڑکتے دل کی دھڑکنوں کی صدا اس کی سماعتیں سن رہی تھیں۔
یہ شخص اس کا تھا۔ بلاشرکت غیرے وہ مالک تھی اس کی۔
وہ اس کے قریب تھا۔ بے حد قریب۔
اس کے تمام جذبے اس کے لئے تھے۔
اس کے تمام خواب اس کے لئے تھے۔
سارے عہد و پیماں، سارے وعدے اس کے نام تھے۔
اس کا دل اس کے لئے تھا۔
اس کی جان اس کے لئے تھی۔
کس قدر مسحور کن احساس تھا۔
دل کا موسم پل میں بدل گیا تھا۔ کس قدر سکون سا بھر گیا تھا۔ ساری اضطرابیت سر پہ پاؤں دھر کے بھاگ گئی تھی کہیں!
وہ اس گھڑی اپنی مضبوط پناہ گاہ میں تھی۔
ایک مضبوط سائبان تھا اس کے سر پہ۔
دل قرار پا گیا تھا۔
"کہیں یہ..... خواب تو نہیں؟" جانے کن اندیشوں کے پیش نظر وہ آنکھیں بند کئے کئے بہت مدھم انداز میں بولی تھی۔
رہبان عالم شاہ نے جھک کر مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تھا اور پھر اس کے گرد اپنے مضبوط بازوؤں کا حصار باندھ دیا تھا۔
"سب خواب پورے ہونے کی گھڑی آن پہنچی ہے۔ سارے موسم گلاب رنگ ہوں گے۔" اس کے لہجے میں یقین بول رہا تھا۔
مژگان نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ آنکھوں میں بہت سے رنگ لئے اس کی سمت دیکھ رہا تھا۔
مژگان مسکرائی تھی اور پھر سر واپس اس کے فراخ سینے پر ٹکا دیا تھا۔

(ختم شد)